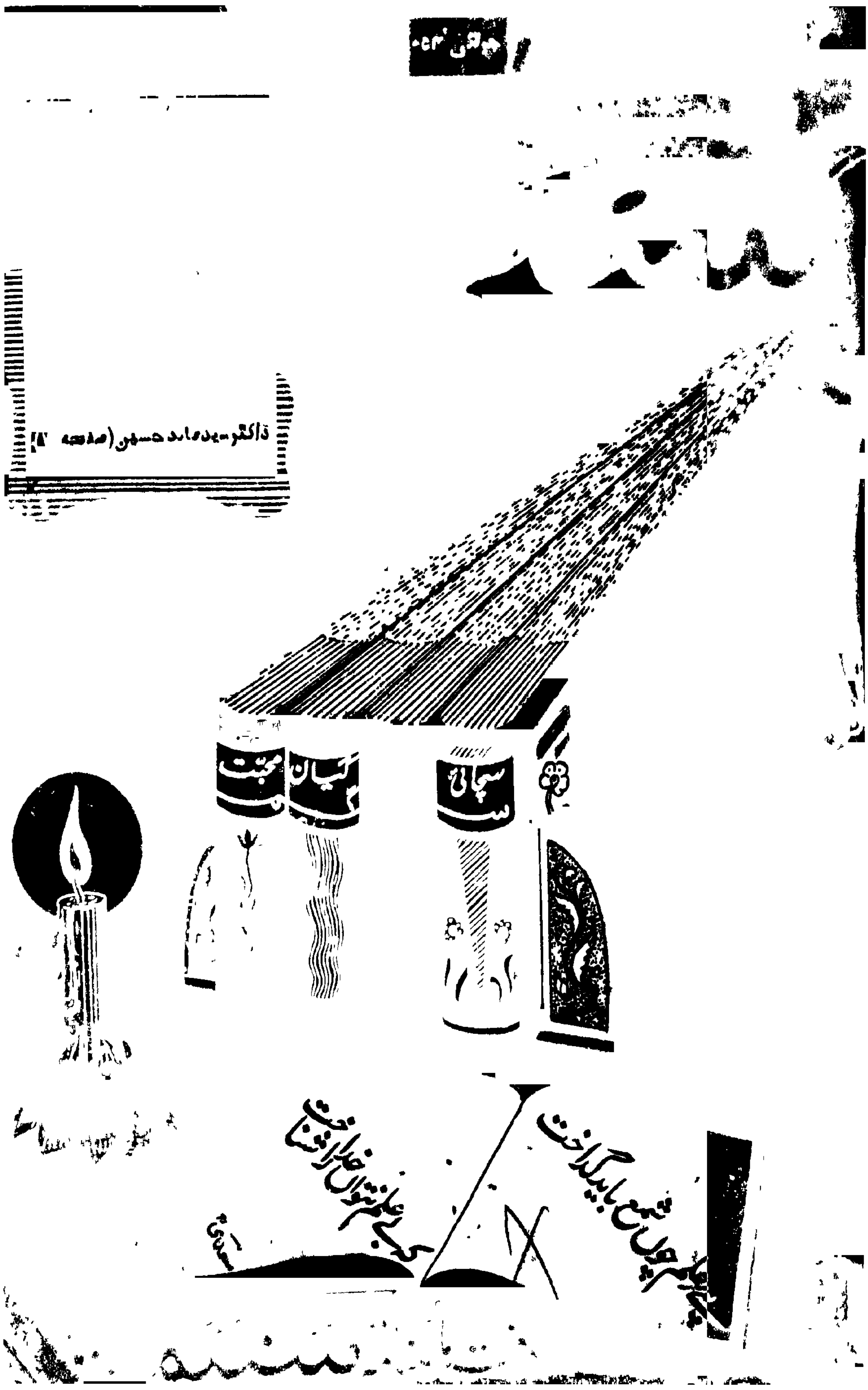

جولائی
ڈاکٹر سید عابد حسین (صفحہ ۲)
محبت
گیان
سچائی
چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت
سعدی

سنگم

ایڈیٹر: خواجہ ذکی احمد پانی پتی۔ بی۔ اے (جامعہ)

فی پرچہ ۴ آنہ

سال ۵ | بابت ماہ جولائی ۱۹۵۲ء ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ اسارٹھ سمبت ۲۰۰۹ بکرمی | شمارہ پہلا

فہرست

مینیجر رسالہ سنگم۔ جامعہ نگر نئی دہلی

سول ایجنٹ۔ مینیجر ٹکنیکل و کمرشل بک کمپنی۔ چوک دال گراں۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

سنگم

سنگم کیوں جاری کیا جا رہا ہے اس کا جواب دینا آسان نہیں ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے مقاصد بے شمار اور لا تعداد ہیں بلکہ اس لئے کہ اس قدر مختصر ہیں کہ ان کے اظہار کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

۱۹۵۰ء میں بھی ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کا اثر بہت کافی موجود تھا اور ملک و ملت کی جو حالت تھی اس میں اطمینان اور سکون کی جھلکیاں بس اس طرح نظر آتی تھیں جیسے بجلی کوند کر غائب ہو جاتی ہے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون سی راہ اختیار کرنے سے منزل مقصود پر پہنچنا آسان ہو جائے گا اور ہم بھٹکنے نہیں پائیں گے

تاہم چند من چلے احباب انفرادی طور پر سوچنے کی بجائے اجتماعی طور پر فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اور انھوں نے طے کیا کہ ملک کے تمام مسائل میں دخل دینا نہ صرف مشکل بلکہ نامناسب ہے اس لئے جو جماعت جس کام کا تجربہ رکھتی ہو یا جس مسئلے کو آسانی سے حل کرنے کی اہلیت اپنے میں پاتی ہو اُسے وہی کام کرنا چاہئیے اور اس طرح گروپ وار اگر ملکی معاملات کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو نہ صرف ملک کو اجتماعی طور سے فائدہ پہنچے گا۔ بلکہ افراد کو بھی اس میں اپنی پریشانیوں کا حل ملے گا اور سکون و اطمینان کے جس مقام کی ہمیں تلاش ہے وہاں ہم بغیر کسی خطرہ کے پہنچ سکیں گے۔

کہا گیا کہ ملک کو دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے روٹی اور تعلیم۔

ایک جماعت کا خیال بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہ اگر پیٹ میں کچھ نہ ہوگا تو پڑھائی کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے تعلیم کے مقابلہ میں روٹی کے مسئلے کا حل مقدم ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جن کے پاس روٹی کے تھوڑے بہت وسائل موجود ہیں۔ وہ تو ایسا کہہ سکتے ہیں لیکن جن کے پاس وسائل نہیں ہیں انھیں تعلیم کے بغیر روٹی تو مشکل سے ملے گی اگر ملے گی بھی تو بس ایسی کہ ایک وقت ہے تو دوسرے وقت فاقہ۔ یا کچھ روز ہے تو باقی ایام بیکاری، اس لئے تعلیم پر روٹی کے مسئلے کا حل مقدم نہیں بلکہ منحصر ہے لہذا تعلیم مقدم ہے۔

بہر حال "مرغی پہلے ہے یا انڈا" کی طرح اس بحث میں بھی وقت ضائع کرنے کی بجائے ان احباب نے فیصلہ کیا کہ ہمیں اس نظریہ کے تحت اپنا کام شروع کرنا چاہئیے کہ تعلیم پر ہر قسم کی کامیابی کا دارومدار ہے کہ ہمیں ملک سے جہالت کو ختم کرنے میں پوری دوڑ دھوپ سے کام لینا ہوگا۔ ہم نے اپنی ساری عمر کے تجربہ کی بنا پر یہ رائے قائم کی ہے اور اس کے لئے ہمارے پاس ٹھوس دلائل بھی ہیں۔ لہذا بحثوں میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ملک کی ناؤ کو کھینا ہے اور اسی میں بیٹھ کر ہمیں خود سفر طے کرنا اور منزل پر پہنچنا ہے

اس لئے عملی کام شروع کرنے میں مزید توقف نہیں ہونا چاہئیے

اب اس پروگرام پر غور کیا گیا کہ ملک سے ناخواندگی دور کرنے کے لئے کون سے طریقے اختیار کرنے چاہئیں ظاہر ہے کہ جا بجا مدرسے۔ نائٹ اسکول۔ گھریلو اسکول جاری کرنے اور پرائیویٹ تعلیم کے انتظامات کرنے کی تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں کہ یہی مختلف طریقے ہیں جن سے ہم کام لے سکتے ہیں لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں ہے اس میں بے شمار روپے کی ضرورت ہے۔ مگر وہ کون سا کام ہے جس میں روپے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہر حال تجاویز میں یہی سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اور یقیناً ابھی پر عمل پیرا ہونے سے خواندگی کا زیادہ پھیلاؤ ہو سکتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ ناخواندوں کو خواندہ بنانے کے بعد ان کی خواندگی برقرار رکھنے کا کیا انتظام ہو۔ اگر انھیں چھوڑ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ کیونکہ بہت کم تعداد ہے جو تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ جاری رکھ سکتی ہے یعنی جو کھیتی باڑی یا دستکاری کا کام کرتے ہیں۔ وہ تو معمولی پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے ہی بہت مشکل سے وقت نکالنا چاہتے ہیں چہ جائیکہ زیادہ تعلیم حاصل کریں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کو تھوڑا بہت وقت روزانہ کسی نہ کسی چیز کے پڑھنے میں صرف کرنا چاہئیے تاکہ مشق جاری رہے اور عادت بنے۔ اور بھولنے نہ پائیں۔ یہ مقام اور درجہ بہت اہم اور نازک ہے۔ اگر اس موقع پر ان کو کوئی آسان اور مفید اور اچھی چیز نہ دی گئی اور وہ خرافات میں پڑ گئے اور گندے اور فحش لٹریچر پڑھنے لگے تو سوسائٹی کے لئے اور خود اپنے کاروبار اور پیشہ کے لئے نہایت مضر ثابت ہوں گے اور سب کام چوپٹ ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ ایسے معمولی خواندوں کے لئے مفید اور دلچسپ معلومات کی چیزیں ان تک پہنچائی جائیں اور دنیا کی ہر قسم کی اہم اور ضروری باتیں جن کا جاننا آج کل ہر انسان کے لئے ضروری ہے نہایت عام فہم زبان میں ان کے مطالعہ میں لانے کا انتظام کیا جائے اسی طرح جو بچے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں اپنے آزاد ملک کے حالات اور اس کے ماحول کے مطابق سانچے میں ڈھالنے کے لئے اور اچھا انسان اور بہترین شہری بنانے کے لئے صحیح معلومات کا لٹریچر مہیا کیا جائے۔ غلامی کی یادگاریں جو ان بچوں کے بڑوں کے دلوں میں سو برس سے خوب گھر کر چکی ہیں ان تک پہنچنے نہ دیں اور انھیں ان زہر آلود نشتروں سے بالکل محفوظ رکھا جائے جن سے سو سال تک ہمیں فساد اور بغض و عناد کے انجکشن دئے جاتے رہے ہیں۔

کیونکہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ بھوکوں کے لئے روٹی تو بہت ضروری ہے لیکن بھوک ختم کرنے کے لئے اگر روٹی زہر ملی ہوئی دی جائے تو اس سے یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ بھوکوں کو اس وقت تک بھوکا ہی رہنے دیا جائے جب تک انھیں بغیر زہر کی روٹی میسر نہ ہو۔ اسی طرح ناخواندگی دور کرنے کے لئے اگر فحش اور گندہ لٹریچر دیا جائے یا فساد اور خونریزی اور فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھانے والی کتابیں مہیا کی جائیں تو اس سے بدرجہا بہتر ہوگا کہ ان پڑھوں کو ان پڑھ ہی رہنے دیا جائے۔ انھیں خواندہ ہرگز ہرگز نہ بنایا جائے کیونکہ ایسے خواندہ لوگ دشمن ملک کے لوگوں سے بھی زیادہ خطرناک اور دشمن ثابت ہوں گے۔

لہٰذا طے کیا کہ اسکولوں کا جاری کرنا ہمارے پروگرام میں نہیں آسکتا۔ ہم تو خود ہی تعلیمی اداروں میں کام کر رہے ہیں جس میں علاوہ کتابی تعلیم کے سوشل ورک اور سماجی تعلیم بھی شامل ہے اس سے ہمیں ملک میں اچھا

لٹریچر پیدا کرنے اور اس میں جس قدر جلد ہو سکے اور جس قدر بہتر ہو سکے اضافہ کرتے رہنے کا منصوبہ بنانا چاہئے اور ملک و ملت کی یہی خدمت ہمیں مقدم سمجھنی چاہئے۔

اور چونکہ ہمیں سب باتوں سے بہتر اردو زبان آتی ہے اور یہی ہماری مادری زبان ہے اس لئے ہم زیادہ آسانی سے اس میں کام کر سکتے ہیں لہٰذا ہمیں اُن لوگوں کے لئے کام کرنا چاہیے جن کی مادری زبان اردو ہے یا جو اردو پڑھنا سیکھنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اگرچہ ہمیں دوم درجہ پر انگریزی آتی ہے اور ہندی تیسرے نمبر پر لیکن چونکہ ملک کی سرکاری زبان ہندی ہو گئی ہے اس لئے ہمیں ہندی میں بھی زیادہ سے زیادہ اپنا لٹریچر منتقل کرنا چاہیے اور نئی نئی کتابیں اس میں لکھنی چاہئیں تاکہ حکومت کی خواہش اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہماری ضرورت پوری ہو سکے

ہمارا خیال ہے کہ اگر کوئی کام استعمال انگریزی کا نہ ہوا اور مخالف قوتوں نے راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش نہ کی تو مسلمان بہت جلد ہندی پر عبور حاصل کرے گا۔ اور ہندی کو نہ صرف سرکاری بلکہ قومی زبان بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ یہاں لفظ مسلمان استعمال ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارا پروگرام صرف مسلمانوں کے لئے ہے یا ہم جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے لئے ہوگا۔ بلکہ صرف ہندی کی وجہ سے یہ لفظ استعمال کرنا ضروری سمجھا گیا، کیونکہ عام طور سے غلط خیال نہ جانے کیسے پیدا ہو گیا ہے کہ مسلمان ہندی کا مخالف ہے اور صرف اردو کا حامی ہے اسی لئے ہم نے اردو میں اپنا کام کرنے کی خاص وجہ بھی بیان کر دی ہے اور ہندی کے کام کو بھی اپنانے کی کوشش کرنے کا نہایت واضح اعلان کیا ہے۔

ہمارا تصنیف و تالیف کا یہ پروگرام ہندوستانی مفاد کو مدِ نظر رکھ کر بنایا گیا ہے جہاں ہم تاریخ، ٹیکنیکل صنعت و حرفت، عام معلومات اور افسانوں اور ڈراموں وغیرہ مضامین کی معیاری کتابیں شائع کریں گے وہاں مذہبی معلومات کی کتابیں بھی ہوں گی جو نہ صرف اسلامی عقائد کے متعلق ہوں گی بلکہ ملک کے مختلف مذاہب کے متعلق ہوں گی لیکن کسی دوسرے فرقہ کے خلاف یا اس پر اعتراض یا مناظرہ کے انداز پر نہ ہوں گی۔ ہم کسی حالت میں بھی کوئی ایسی چیز شائع کرنا پسند نہیں کریں گے اور نہ اپنے سے منسوب ہونے دیں گے جس سے منافرت کی بو آتی ہو یا جس سے کسی جماعت یا فرد کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہو کیونکہ اس چیز کے خاتمہ کے لئے ہی تو ہم نے پروگرام بنایا ہے پھر اس کو اپنے لئے کیسے جائز سمجھ سکتے ہیں۔

غرض کہ اس پروگرام کے تحت جامعہ نگر میں یہ شعبہ تصنیف و تالیف قائم کیا گیا اور اس کی تصانیف کی نشر و اشاعت کے لئے اردو بازار دہلی میں "رائل ایجوکیشنل بک ڈپو" کا تمام اثاثہ مع اس کے نام کے خرید لیا گیا اور تمام حقوق کرایہ داری وغیرہ منتقل کر لئے گئے لیکن بعد میں انگریزی نام کی بجائے ہندوستانی نام کا اختیار کیا جانا مناسب سمجھا گیا اس لئے اس کا نام "مکتبہ کتاب گھر" رکھا گیا اور چونکہ رائل ایجوکیشنل بک ڈپو کا بھی پرانا کاروبار تھا اور اس نام سے اب تک کافی خط و کتابت ہوتی ہے بلکہ یہ حکومت کے تسلیم شدہ (approved) بک سٹالوں میں سے ہے اس لئے اس نام کو

بھی باقی رکھا گیا اور اسے سنگم میں مدغم کیا گیا۔ سال بھر کے بعد ایک دوسری دکان جو پہلی سے ملحق تھی اور جس کا نام "نیو تاج بک ڈپو" تھا مع کل حقوق کے خرید لی گئی لیکن چونکہ وہ پرانی کتابوں (سیکنڈ ہینڈ) کی دوکان تھی اس کے علاوہ بازار میں تاج کمپنی کے نام سے ایک اور دکان ہے اس لئے اس نام کو سنگم میں مدغم نہیں کیا گیا گرچہ اس کے جملہ حقوق ہمارے حق میں محفوظ ہیں اور اس نام کو استعمال کرنے کا ہمیں واحد حق ہے۔

ایک اور ادارہ جامعہ نگر میں بچوں کی عمر اور مذاق کے مطابق کتابیں تیار کرنے اور انھیں بغیر کسی نفع کے لاگت کی لاگت پر دینے کے لئے قائم کیا گیا جس کا نام "سنگم بال سبھا" رکھا گیا۔ اس کے قواعد وضوابط بنائے گئے اور بچوں کو نیز بچیوں کو اس بال سبھا کا رکن بننے کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اور مختلف اخبارات میں اعلان کیا گیا۔ "سنگم بال سبھا" کے اراکین کو عام طور سے سنگم کی تیار کردہ کتابیں دی جانی چاہئیں۔ لیکن اگر وہ کسی اور ناشر اور مصنف کی کتابیں منگوانا پسند کریں تو انھیں ان کی پسند اور خواہش کے مطابق بھی کتابیں بھیجی جانی نامناسب نہیں سمجھی جاتیں بشرطیکہ وہ اخلاقی اعتبار سے گری ہوئی نہ ہوں اور ہمارے معیار کے مطابق ہوں۔

سنگم بال سبھا نے انعامی مقابلے بھی شروع کرنے کا اعلان کیا اور اس کے قواعد وضوابط بنائے گئے لیکن مختلف اخبارات میں اعلان کرنے کے باوجود بچے اور مقابلہ میں شریک ہونے والے بڑے بھی صحیح طور سے ہمارا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ "سنگم کتاب گھر" نیز "سنگم بال سبھا" کے کاموں کی نشر واشاعت کے لئے ایک خود ہمارا پرچہ علیحدہ ہونا چاہیئے جس میں نہ صرف بڑوں کے لئے علمی معلومات ہوں بلکہ بچوں کے لئے بھی مفید چیزیں درج ہوں اور جو نہ صرف مردوں یا بچوں کے لئے بلکہ عورتوں اور بچیوں کے لئے بھی یکساں مفید ثابت ہوں۔

کوئی معیاری کتاب شائع ہو اور اس کا اشتہار کسی اخبار میں بھیجا جائے تو بہت مختصر الفاظ میں اس کے متعلق کیفیت لکھنی پڑتی ہے جس سے پوری معلومات خریدار کو حاصل نہیں ہو سکتیں اور اشتہار سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ایسی صورت میں ہم اس کتاب کے متعلق ایک تفصیلی ریویو شائع کریں گے تاکہ کتاب خریدنے والوں کو آرڈر دینے سے پہلے صحیح طور سے معلوم ہو جائے کہ کتاب کیسی ہے اور اس میں کیا ہے اور وہ سوچ سمجھ کر خریدیں۔

ہم کوشش کریں گے کہ نہ صرف سنگم کی مطبوعات کے متعلق ریویو یا معلومات درج ہوں بلکہ دوسرے ناشرین کی بھی معیاری کتابوں سے اپنے خریداروں کو روشناس کرایا جائے۔ اس لحاظ سے یہ پرچہ شائقین کتب کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

ہم اس امر کے قائل نہیں ہیں کہ بچوں اور بڑوں کے لئے جدا جدا ہی پرچے ہونے چاہئیں۔ اگرچہ ہم اس خیال کے بھی مؤید ہیں اور اسے مفید سمجھتے ہیں کیونکہ جس طرح بچوں کو آپس میں مل جل کر کھیلنے کودنے پڑھنے وغیرہ کے لئے علیحدہ ماحول کی ضرورت ہے اسی طرح ان کے مذاق کے مطابق کتابیں۔ رسالے اور اخبار بھی علیحدہ علیحدہ ہونے چاہئیں لیکن جس طرح بچوں کو ادب۔ تمیز سلیقہ اور آداب محفل سیکھنے کے لئے بڑوں کی سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا اور بڑوں کے طور طریقے دیکھنا اور ادب تمیز سے

گفتگو کرنا ضروری ہے اسی طرح انھیں ایسے پرچے یا رسالے اور کتابیں بھی پڑھنا زیادہ ضروری ہے جو ان کو بڑوں کی آپس کی بات چیت میں مفید اور کام کی باتیں پڑھنے اور سمجھنے کے مواقع بہم پہنچائے اور بڑوں کو بھی ان کے خیالات معلوم کرنے میں مدد دے چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ "سنگم" کا اجراء اس لحاظ سے بھی بڑوں اور چھوٹوں کے لئے یکساں مفید ثابت ہوگا اور آج کل ایک دوسرے سے کترانے۔ لاپرواہ یا بے خبر رہنے کی جو روش اختیار کی گئی ہے اس کا بھی تدارک ایک حد تک ہو سکے گا۔

خلاصہ کلام رسالہ "سنگم" سنگم کتاب گھر اور سنگم بال سبھا کے اغراض و مقاصد کی اشاعت کے لئے جاری کیا جاتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے سرپرست اور مہربان ہمیں اس کی اشاعت میں خاص مدد دیں گے اور ہر قدم پر اپنے مفید مشوروں سے سرفراز فرماتے رہیں گے۔ اہل قلم حضرات سے خاص طور سے استدعا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی اوقات میں سے چند لمحے سنگم کے لئے بھی وقف فرما کر ممنون فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں راہ راست سے بھٹکنے نہ دے اور جن نیک مقاصد کو لے کر ہم میدان میں آئے ہیں ان میں ہم کامیاب ہوں اور ملک و ملت کی صحیح خدمت کر سکیں۔ آمین

ادارہ

بزمِ بے تکلّف

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مشہور پروفیسر جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی۔ ایچ ڈی (برلن) جن کی شخصیت سے سرورق (ٹائٹل) مزین ہے جہاں فلسفہ اور نفسیات کے ماہر ہیں وہاں انگریزی۔ جرمنی۔ فارسی اور اردو کے بہترین ادیب بھی ہیں۔ گاندھی جی کی خود نوشت سوانح عمری کا اردو ترجمہ "تلاشِ حق" پڑھنے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس پایہ کے ادیب ہیں۔ ترجمہ ترجمہ ہی نہیں معلوم ہوتا بلکہ اصل معلوم ہوتا ہے اور پڑھنے والا اس کو اسی لطف اور دلچسپی سے پڑھے گا جس طرح کسی اصل کتاب کو جو خود مصنف نے اپنی زبان میں لکھی ہو پڑھتا ہے اور لطف یہ ہے کہ گاندھی جی نے جو کچھ لکھا ہے اس کے ترجمہ میں نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے اور نہ کمی کی ہے۔ ترجمہ کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

انجمن ترقی اردو نے انگریزی اردو کی جو ڈکشنری تیار کی تھی اور جس کی پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں بہت مانگ ہے ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہی کاوش اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کی اور بہت سی تصانیف ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف میں انتظامی قابلیت بھی بدرجہ اتم موجود ہے چنانچہ کئی بار آپ نے جامعہ کالج کے پرنسپل، جامعہ کے ٹریژرر (خازن) رجسٹرار اور شیخ الجامعہ کے فرائض انجام دیے جس میں ہمیں ان کی غیر معمولی قابلیتوں کا تجربہ ہوا اور سب کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہوتے رہے۔ جامعہ کے علاوہ آپ دوسرے تعلیمی اداروں اور ادبی جماعتوں کے بھی رکن ہیں جہاں ان کی خدمات بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

مئی سنہ ۱۹۵۷ء میں آپ یونیسکو کی طرف سے جرمنی تشریف لے گئے جس کا تفصیلی ذکر ہم کسی آئندہ اشاعت میں کریں گے۔ وہ ایک سال کے بعد ۸ مئی سنہ ۱۹۵۸ء میں مع الخیر واپس تشریف لے آئے ہیں۔

یہاں جس چیز کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے ملکی حالات سے متاثر ہوکر اور اپنے احباب کے اصرار پر ایک ہفتہ وار اخبار "نئی روشنی" کے نام سے جاری کیا تھا۔ جس کا پہلا پرچہ جامعہ نگر سے ۱۶ جولائی ۱۹۴۸ء کو نکلا تھا اور جسے ستمبر سنہ ۱۹۵۰ء میں مالی مشکلات کی بنا پر بند کر دینا پڑا۔ اس اخبار میں ایک مزاحیہ کالم "بزمِ بے تکلف" کے نام سے ہوتا تھا جس کا مقصد سیاسی (ملکی، غیر ملکی) اور گھریلو زندگی کے مسائل پر ظریفانہ انداز میں روشنی ڈالنا ہوتا تھا جس سے ہنسی ہنسی میں بڑی بڑی پتہ کی باتیں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اور ہلکی ہلکی چوٹیں بھی ہوتی تھیں ایسی کہ جو متعلقہ شخص یا اشخاص کو ناگوار بھی نہ ہوں اور وہ ان پر غور و فکر کرنے پر متوجہ بھی ہو جائیں۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان اور ان کے اندازِ بیان کے کیا کہنے ہیں۔ بس پڑھئے اور سر دھنیے۔ نئی روشنی کے بند ہونے پر احباب کو بہت صدمہ

۱۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ فوٹو ہمیں جناب اختر حسن صاحب فاروقی [illegible] ہے جو ڈاکٹر صاحب کے خود اپنے دستخط فرما کر [illegible]
[illegible]

ہوا اور انھوں نے اصرار کیا کہ اگر اخبار بند کر دیا گیا ہے تو کم از کم بزمِ بے تکلف کے مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ بجائے سب مضامین کے چیدہ چیدہ مضامین جو محترمہ بیگم صالحہ عابد حسین کے انتخاب کا نتیجہ ہیں چند عنوانات کے تحت کتابی شکل میں شائع کر دئے گئے اور کتاب کا نام بھی "بزمِ بے تکلف" ہی رکھا گیا

چونکہ ان مضامین کا تعلق اس وقت کے حالات، واقعات اور سیاست سے تھا اس لئے ہر مضمون کے شروع میں "نئی روشنی" کی اشاعت کی تاریخ بھی درج کر دی گئی ہے تاکہ پڑھنے والے اپنے ذہن کو ان واقعات یا حالات کی طرف آسانی سے منتقل کر سکیں جو اس مضمون کے لکھنے کے محرک ہوئے تھے اور جن کے بغیر اس میں پورا لطف نہیں آسکتا۔

> یہ کتاب $\frac{20 \times 30}{16}$ سائز کے ۲۳۲ صفحات پر سفید چکنے کاغذ پر شائع ہوئی ہے اور اڑھائی روپے میں مجلد مع گرد پوش (علاوہ محصول ڈاک کے)
> سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی سے مل سکتی ہے

اس کتاب پر مختلف ریویو ہو چکے ہیں۔ جناب خواجہ احمد فاروقی صاحب پروفیسر دلی یونیورسٹی نے آل انڈیا ریڈیو دہلی سے بھی اس پر نہایت عمدہ الفاظ میں تبصرہ فرمایا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ تبصرہ شائع کریں لیکن فی الحال ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ کتاب سے ایک یا دو مضامین نقل کر کے اپنے ناظرین کو خود معلوم کرنے کا موقعہ دیں کہ یہ کتاب کس نوعیت کی ہے اور ادبی نقطہ نظر سے بھی اس کا کیا درجہ ہے اور ملکی مسائل کے بیان کرنے میں کس قدر دلچسپ انداز اختیار کیا گیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کا خاص حصہ ہے

خالص سیاسی یا سماجی مضامین میں سے ابھی کوئی نمونہ پیش نہیں کیا جاتا۔ فی الحال گھریلو زندگی کے متعلق ایک خاکہ ملاحظہ فرمائیے جو "نئی روشنی" کے پرچہ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا (یاد رہے یہ حکومت کے بجٹ سیشن کا زمانہ تھا) (صفحہ ۱۹ بزمِ بے تکلف)

"خدا کے لئے اب اس "سرچڑھے" کو ہٹاؤ۔ کب سے انتظار میں بیٹھی ہوں کہ تمھارے کان خالی ہوں تو میں بھی کچھ کہوں۔"

"تم بھی غضب کرتی ہو۔ بجٹ کے خلاصے کا سب سے مزیدار قصہ ہو رہا تھا کہ تم نے تحریک التوا کھینچ ماری۔ مگر یہ ہیڈ فون کا نام "سرچڑھا" خوب رکھا۔ کیوں نہ ہو آخر کس کی بیوی ہو۔ اچھا اب میرے کان خالی ہیں۔ تم شوق سے بھرو۔ سرچڑھا ہٹ گیا۔ اب نک چڑھی کی باری ہے۔"

"بس رہنے بھی دو۔ سچ سچ کسی نک چڑھی سے پالا پڑتا تو قدر عافیت معلوم ہو جاتی۔ اور میں کہتی ہوں کہ یہ پرائے بجٹ کی رام کہانی سننے سے تمھیں کیا مل جائے گا کچھ اپنے بجٹ کی بھی خبر ہے؟ مہینے میں تین دن باقی ہیں اور گھر میں برکت ہے"

"پرایا کیوں ہوتا۔ اپنے دیس کا بجٹ ہے اور گھر کے بجٹ سے اسے بقول شخصے گاڑھا سمبندھ ہے"

"وہ کیسے"؟

"وہ اس طرح کہ فرض کرو کہ ہماری آمدنی تین ہزار سالانہ سے زیادہ ہے اور ہم اب تک روپے میں ایک آنہ ٹیکس دیتے تھے۔ اب ایک پیسے کی چھوٹ ہو جائے گی تو اس کا اثر ہمارے بجٹ پر پڑے گا یا نہیں؟"

"فرض کرنے کو جو چاہے کر لو، مگر تین ہزار کی آمدنی کس مسخرے کی ہے"

دیکھو ایسے غیر پارلیمنٹری لفظ نہ کہو۔ مسخرے کو پارلیمنٹ کی زبان میں "غیر سنجیدہ معزز ممبر" کہتے ہیں۔ غیر انکم ٹیکس سے نہ سہی دوسرے کھلے ڈھکے ٹیکسوں سے تو ہم کو تعلق ہے۔ مثلاً لفافے کا ٹکٹ دو آنے کا اور پوسٹ کارڈ تین پیسے کا ہو جائے گا۔ شکر اور چھالیہ پر درآمد کا محصول بڑھ جانے کی وجہ سے یہ دونوں چیزیں مہنگی ہو جائیں گی۔"

"شاباش ان بجٹ سازوں کو۔ مرے کو ماریں شاہ مدار' اسی کو کہتے ہیں۔ اب تک مہینے میں تین دن برکت رہتی ہے تو اب چھ دن رہا کرے گی"

"تو پھر کچھ تخفیف مصارف کی تجویز سوچو۔ یہ جو دن بھر پان کے نام سے چھالیہ پھنکتی ہے جیسے بھٹی میں ایندھن جھونکتا ہو۔ اس کو کم کرنا چاہیئے۔"

"اور یہ جو دن بھر چائے کے بہانے شکر سُڑکی جاتی ہے جیسے ریل کا انجن پانی سُڑکتا ہے اُسے بھی کم کرنا چاہیئے۔"

"اچھا دونوں ترمیمیں بہ رضامندی فریقین پاس"

دیکھا آپ نے؟ کس دلچسپ انداز میں محصول ڈاک میں اضافہ ہو جانے یا چھالیہ اور شکر پر ڈیوٹی بڑھ جانے پر چوٹ کی گئی ہے اور سر چڑھا کے مقابلہ میں بک چڑھی اور پھنکنا اور جھونکنا کا استعمال اور ان کے مقابلہ میں سُڑکنا اور سُڑکنا کس قدر خوبصورت اور موزوں الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ ادب کے عام شائقین کے علاوہ درسگاہوں میں طلبہ کے مطالعہ میں بھی شامل کی جائے تاکہ انھیں اس سے دوگونہ بلکہ سہ گونہ فوائد حاصل ہوں۔ تمام کتاب اسی قسم کے ۴۳ مضامین کا مجموعہ ہے۔ (ف۔ ا)

نمک پارے

سید یحییٰ حسن رضا نقوی سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن میونسپل بورڈ امروہہ کے چودہ بہترین مضامین کا مجموعہ جن میں سے بیشتر رسالہ آج کل "بیسویں صدی" اور "نئی روشنی" میں شائع ہو کر بہت مقبول ہو چکے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو بالکل نئے ہیں۔ شروع میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے تقریب کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ "سید یحییٰ حسن کے نمک پارے" لطیف لٹریچر کا ایک اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یحییٰ حسن صاحب بہت تیز اور باریک بین نظر رکھتے ہیں۔ ان میں زندگی اور فطرت کے گوناگوں مناظر کا تفصیل سے مشاہدہ کرنے، اُن سے لطف اٹھانے اور دوسروں کو اس لطف میں شریک کرنے کی صلاحیت ہے۔ جو عکسی تصویریں انھوں نے کھینچی ہیں ان میں کہیں کہیں فکر و تخیل کی وہ نزاکت بھی جھلک اٹھتی ہے جو اوج کمال پر پہنچ کر ادیب کے قلم کو مصور کا قلم بنا دیتی ہے"۔

رسالہ آج کل نے کیا خوب ریویو کیا ہے۔ نقوی صاحب کے شگفتہ مزاج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجموعے کی ابتدا "الائچی کی پڑیا" اور انتہا "غرارے" سے ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بیچ میں "ابا جان کی کھیتی"، "ہمارے میر صاحب" اور نہ جانے کیا کیا موجود ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مجموعہ بہت مقبول ہوگا۔ غرضکہ ہر مضمون نہایت دلچسپ اور شستہ ہے۔ کتاب ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ٹائٹل اور ڈسٹ کور نہایت پاکیزہ۔ لکھائی چھپائی بہت عمدہ۔ کاغذ سفید چکنا۔ قیمت مجلد صرف دو روپے چار آنے۔ سنگم کتاب گھر اردو بازار سے منگائیے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت

علم مجلسی

بچو! اور بچیو! یہ مضمون تمہارے لئے ہے مگر پہلے ہم دو چار باتیں تمہارے بڑوں سے کرلیں اس کے بعد تم کو مخاطب کریں گے۔

آج کل سائنس نے بہت ترقی کی ہے۔ آسائش و آرام کی صدہا چیزیں بن چکی ہیں اور بن رہی ہیں اور بنتی رہیں گی لیکن ان میں زیادہ تر ایسی ہیں کہ اگر ہم ان کے عادی ہوگئے تو ہماری زندگی کے بہت تکلیف سے گزرنے کا احتمال ہے مثلاً بجلی کی روشنی۔ اگر کسی دن بجلی فیل ہوگئی یا منتظمین نے ضرورتاً روک لی تو خود سمجھ لیجئے کہ ہمارا کیا حال ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ہمارے پاس اس تکلیف کا مقابلہ کرنے کے لئے لالٹین تو درکنار موم بتی تک نہ ہو۔

ایسے ہی دوسری چیزوں پر قیاس کر لیجئے جن سے بظاہر آرام معلوم ہوتا ہے لیکن ان سے جب تکلیف پہنچتی ہے تو سب آرام کالعدم سمجھا جاتا ہے

اسی طرح لٹریچر اور کتابوں کے متعلق کہا جاسکتا ہے بہت اچھی اچھی خوشنما اور عمدہ چھپی ہوئی رنگ برنگ کی تصاویر سے مزین کتابیں ہر روز بازار میں آتی رہتی ہیں لیکن مضمون کے لحاظ سے ہم کہیں گے کہ قدیم کتابوں میں جس طرح دریا کوزہ میں بند پایا جاتا ہے اور جس طرح نہایت قیمتی معلومات اور بیش بہا مضامین ان کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں اتنے موجودہ زمانہ میں باوجود اس ترقی اور روشن خیالی کے بھی نہیں ملتے۔ ایک گلستاں کو ہی لے لیجئے۔ راجا سے لے کر پرجا تک۔ امیر سے لے کر فقیر تک۔ عالم سے لے کر جاہل تک۔ ظالم سے لے کر مظلوم تک۔ زاہد سے لے کر رند تک۔ مسافر سے لے کر مقیم تک۔ چھوٹوں سے لے کر بڑوں تک۔ مردوں سے لے کر عورتوں تک۔ عاشق سے لے کر معشوق تک کون سی شخصیت ایسی ہے جس کے متعلق شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے جواہرات اور انمول موتی نہ بکھیر رکھے ہوں۔ آجکل اخلاقیات پر یا ان مضامین میں سے کسی ایک پر اگر کچھ لکھا جاسکتا ہے تو یقین جانئے کہ سعدی کا مضمون گلستان میں اس سے زیادہ بہتر ملے گا اسی طرح حافظ شیرازی کا کلام ہے جسے الہامی کلام سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ رباعیات عمر خیام اور مثنوی مولانا روم بہترین کتابیں ہیں جن سے انسان اپنی زندگی بھر فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جتنی بار انھیں پڑھے گا اتنا ہی زیادہ لطف حاصل کرے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کے استاد اور والدین بچوں کو ان کے بچپن میں ہی ان قدیمی کتب کی بعض عجیب اور نادر چیزیں یاد کرائیں تاکہ ان کی زندگی شروع ہی سے اخلاق کے سانچے میں ڈھلنی شروع ہو جائے اور وہ اعلیٰ کریکٹر کے مالک ہوں۔

سرپرستوں کی آسانی کے لئے ہم ہر پرچہ میں کوئی رباعی یا قطعہ یا بند درج کیا کریں گے۔ تاکہ انھیں انتخاب کو سہولت

دشواری نہ ہو اور بچوں کو وہ [redacted] اور اس سے بچو۔

یاد بھی ہو سکے۔ بچوں کو بہت سے قطعات یاد ہو جائیں تو آپس میں مقابلے کئے جا سکتے ہیں اور جس پارٹی کے قطعات زیادہ اچھے ہوں اور اُن کا طرزِ ادا بہ لحاظ تلفظ ولہجہ بہتر ہو اور معنوی لحاظ سے بھی نسبتاً زیادہ اچھے ہوں اس کو انعام دیا جائے۔ یعنی مشاعرہ یا بیت بازی کی طرح اخلاقی رباعیات و قطعات کے مقابلے بھی منعقد کئے جائیں۔

عجز و انکساری

بچو! ہم چاہتے ہیں کہ تمھارے ہاتھ میں اگلے مہینے کا پرچہ آنے تک تمھیں ذیل کی رباعی یاد ہو جائے اور تم اس کا مطلب بھی خوب ذہن نشین کر لو اور جہاں تک ہو سکے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔

دیکھو! اپنے کو کبھی بڑا نہ سمجھو خواہ تمھارے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو، اپنے کو بہت عالم و فاضل اور قابل نہ سمجھو خواہ تم دوسروں کے مقابلے میں کتنے ہی زیادہ پڑھے لکھے اور لائق کیوں نہ ہو اپنے آپ کو بہت زیادہ طاقتور سمجھ کر گھمنڈ نہ کرو اور کمزوروں پر ظلم نہ کرو کیونکہ ایک چیونٹی اگر ہاتھی کی سونڈ میں گھس جائے تو ہاتھی کی موت یقینی ہے حالانکہ ہاتھی اور چیونٹی کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ بس ہمیشہ انکساری اور عاجزی سے پیش آنا چاہیئے۔ ہر مذہب میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ تمام مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ جو بچہ اپنی بڑائی جتلائے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور اچھے اچھے کپڑے پہن کر تم پر رعب جمائے تم اس جیسا بننے کی کوشش [redacted] اور اس سے بچو۔

فی الحال تم یہ رباعی یاد کر لو جو ایک بہت بڑے اور مشہور بزرگ نے لکھی ہے جن کا نام عمر خیام ہے

در راہ چناں رَو کہ سلامت نکنند
با خلق چناں زی کہ قیامت نکنند
در مسجد اگر رَوی چناں رَو کہ ترا
در پیش نخواہند و امامت نکنند

اس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ تو راستے میں اس طرح چل کہ لوگ تجھے سلام نہ کریں (اور وہ اس طرح ہی ہو سکتا ہے کہ تو آنکھیں نیچی کر کے چلے آنکھیں اِدھر اُدھر مٹکاتا ہوا اور لوگوں کو گھورتا ہوا نہ چل کہ لوگ تجھے دیکھ کر سلام کرنے لگیں) اور لوگوں کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کر کہ انہیں تجھے دیکھ کر کھڑے ہونے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ (یعنی غرور اور تکبر اور اکڑ کے ساتھ اپنے کو بڑا بنا کر رعب جمانے کی کوشش نہ کر کہ تجھ سے ڈر اور خوف کے مارے لوگ تجھے دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں)

اگر تو مسجد میں جائے تو اس طرح جا کہ لوگ تجھے امام بنا کر آگے نہ کھڑا کریں (یعنی اپنے آپ کو بہت زیادہ عالم و فاضل ظاہر کرنے کی کوشش نہ کر اور یہ امید نہ کر کہ دوسرے نمازی مسجد میں تیری خوب آؤ بھگت کریں اور کہیں کہ آپ نماز پڑھائیے۔ آپ سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت بھی ہو کہ امامت کے لائق تجھ سے زیادہ کوئی اور نہ ہو)

ہمیں یقین ہے کہ بچے ملے شوق سے یاد کر لیں گے اور اس کا پورا مطلب بھی سمجھ جائیں گے خط وحدانی کے باہر ترجمہ لکھا گیا ہے اور بریکٹ یعنی خط وحدانی میں ترجمہ کی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے تاکہ اچھی طرح مطلب سمجھ میں آ جائے۔

تفریحات

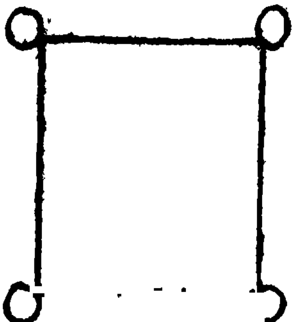
بچو! ریاضی یعنی حساب سے مت گھبراؤ۔ کسی خود غرض نے ریاضی کو بہت مشکل اور خوفناک ظاہر کر کے تمھیں ایسا ڈرا رکھا ہے کہ تم خواہ مخواہ اس سے گھبراتے اور پناہ مانگتے ہو، حالانکہ اس سے زیادہ دلچسپ اور آسان مضمون مشکل ہی سے کوئی ہوگا۔ یقین نہ آئے تو اگلے پرچے تک انتظار کرو۔ ہم تمھیں آئندہ ایسے آسان طریقے بتانا شروع کریں گے کہ تم کسی کی مدد کے بغیر خود بخود اس میں دلچسپی لینے لگو اور حساب کے سوال نکالنے لگو۔

بس اتنی بات یاد رکھو کہ ریاضی کا مضمون عقل بڑھانے کے لئے ہے اور سوچنے کا مادّہ پیدا کرنے اور عقلی دلائل کو مضبوط اور زوردار بنانے میں خاص طور سے مدد کرتا ہے۔ آئندہ پرچے تک تم سو تک گنتی یاد کر لو اور اسے لکھنا بھی سیکھ لو

اب آپ کی دلچسپی کے لئے ہم دو ایک چیزیں درج کرتے ہیں دیکھیں اُن کا جواب کتنی جلدی آپ ہمیں بھیجتے ہیں۔

(۱)

ایک کسان کے پاس ایک مربع قطعہ اراضی ہے جس میں وہ کاشت کرتا ہے۔ اپنے کھیتوں میں پانی دینے کے لئے اس نے اس مربع زمین کے چاروں کونوں پر کنوئیں بنوا رکھے ہیں۔ اب اسے اسی قدر اور زمین کی ضرورت ہے جس سے کل اراضی دو چند ہو جائے لیکن وہ زمین کو اس طرح بڑھانا چاہتا ہے کہ چاروں کنوئیں اس کی زمین کی حدود کے اندر نہ آئیں بلکہ کنارے پر رہیں اور زمین کی شکل بھی مربع ہی رہے۔ شروع میں اس کی زمین اور کنوؤں کی



جو صورت تھی وہ یہاں دکھائی جا رہی ہے۔

اب آپ بتائیے کہ وہ زمین کو کس طرح بڑھائے کہ دگنی ہو جائے اور مربع بھی رہے۔ اور کنوئیں بھی کناروں پر رہیں؟ (5534)

(۲)

میرا پہلا روس میں ہے امریکہ میں نہیں۔
میرا دوسرا جاپان میں ہے آسٹریلیا میں نہیں۔
میرا تیسرا انگلستان میں ہے پاکستان میں نہیں۔
میرا چوتھا مسلم لیگ میں ہے کانگریس میں نہیں
مگر میں پورا دلی میں موجود ہوں
بتائیے میں کون ہوں؟

(۳)

جو بچے آسان ضرب کر سکتے ہیں ہم انھیں ضرب کا اور آسان طریقہ بتاتے ہیں۔ ۱۰ سے ۲۰ تک کوئی دو عدد لے کر انھیں باہمی ضرب دینے کا یہ طریقہ یاد کر لو دونوں عددوں کی اکائیوں کو (یعنی دائیں طرف کے ہندسوں کو) ضرب دے کر لکھ لو اور پھر دونوں

عددوں میں سے کسی ایک میں دوسرے عدد کی اکائی جمع کرکے پہلی حاصل ضرب کے نیچے لکھ دو لیکن ایک ہندسہ چھوڑ کر بائیں طرف لکھو۔ اب ان دونوں کو جمع کرلو۔ جواب آگیا۔

شروع شروع میں مشق کے لئے اور دماغ میں لانے اور اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ سوال لکھ کر کر سکتے ہیں۔ لیکن بعد میں انھیں زبانی ہی کرنا چاہئے بہت آسان ہے۔

مثلاً ۱۶ × ۱۹   ۶ × ۹ = ۵۴

(۱۶ + ۹) یا (۶ + ۱۹) = ۲۵

۳۰۴

۱۳ × ۱۸   ۳ × ۸ = ۲۴

۱۳ + ۸ یا ۱۸ + ۳   ۲۱

۲۳۴

کیوں ہے نہ آسان؟ اب نہ کہنا ضرب مشکل ہے۔ لاؤ مٹھائی کھلاؤ۔

نوٹ۔ اُستاد کو چاہئے کہ اکائیوں کے پہاڑے ۱۰ تک یاد کرا دے۔ اس کے بعد ۲۰ تک پہاڑے اگر یاد نہ بھی ہوں تو مندرجہ بالا طریقے سے بچے بہت جلد جواب دے سکے گا۔

بچوں کا اپنا صفحہ

اس ذیل میں ہم بچوں کی بھیجی ہوئی کہانیاں۔ چٹکلے۔ لطیفے وغیرہ دلچسپ چیزیں درج کیا کریں گے جو زیادہ طویل نہ ہونے چاہئیں بلکہ نصف صفحے سے زیادہ نہ ہوں۔ ان کے سوالات کے جواب بھی درج کیا کریں گے۔ ہر خریدار صرف ایک سوال دریافت کرسکتا ہے۔ نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جو چیز ہمیں پسند آئے گی اس پر ہم انعام بھی دیں گے۔

کبڑی بیری

کسی گاؤں کے باہر ایک کبڑی بیری تھی۔ اس کی کھوہ میں ایک پرندے نے بیٹ کر دی اس کے اندر پیپل کے بیج تھے۔ اُن میں سے ایک بیج بارش پڑنے پر پھوٹ پڑا اور پیپل کا ایک چھوٹا سا پودا نمودار ہوگیا۔ بیری نے اس کو اپنا لیا اور اُس کی پرورش شروع کردی۔ جو خوراک اس کو ملتی اس کو بھی دیتی۔ رفتہ رفتہ وہ پودا درخت بن گیا۔ اب بیری سے اس کا بوجھ برداشت نہ ہوسکتا تھا۔

بیری نے کہا "اب تم اس قابل ہوگئے ہو کہ اپنی خوراک خود حاصل کرو لہٰذا اپنی جڑیں زمین میں گاڑ دو اور اپنے لئے خود ہی روزی ڈھونڈو۔" مگر اس کم بخت کو مفت خوری کی عادت پڑ چکی تھی۔ اُس نے اُس کی کمر سے اترنے سے صاف انکار کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن آندھی آئی اور کبڑی بیری زمین پر آرہی۔ پیپل بھی ساتھ آرہا اور دونوں ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئے۔

سبق انسان جب خود کمانے کے قابل ہوجائے تو اس کو اپنا بوجھ دوسروں پر نہیں ڈالنا چاہئے ورنہ انجام وہی ہوگا جو اس پیپل اور بیری کا ہوا۔

دوسروں کے احسان کا بدلہ برائی سے نہیں دینا چاہئے۔

محمد مظفر الحق عثمانی جماعت پنجم فرقانیہ
ایم بی مڈل اسکول گھیانہ ضلع جھنگ
(پاکستان)

انھوں نے چند لطیفے اور پہیلیاں بھی بھیجی ہیں جن میں سے صرف دو پہیلیاں درج کی جاتی ہیں۔

---

(۱) ادھر اُدھر سے آئی تھی۔ کیا خوب بنائی تھی
اللہ کی قسم کھائی تھی۔ پر چکھی نہ تھی

---

(۲) بہت تیرے کی
سر پر پتھر پیٹ میں انگلی؟

ان کو تعلیمی تاش قسم اوّل انعام میں بھیجا گیا

جواب کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا ٹکٹ بھیجا کیجئے
"نمبر"

اِنعامی مُقابلے

ملک میں سینما دیکھنے کا شوق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ جن کے ہاں بچوں کو دو وقت پیٹ بھر اور روٹی بھی نہیں ملتی اور تن ڈھانپنے کو کپڑا بھی نصیب نہیں وہ بھی فلم دیکھے بغیر گھر کا رخ نہیں کرتے۔ گویا سگریٹ، بیڑی کی وحشت اور چائے کی لت کی طرح اخلاق سوز تماشہ بینی کا خمار بھی چڑھتا ہی جاتا ہے اور اس کے کم ہونے کی کوئی امید نہیں۔

پڑھے لکھے لوگ پہلے شطرنج بازی میں عمر کا بہت سا حصہ ضائع کیا کرتے تھے۔ اب معما بازی میں محو اور سرگرداں رہتے ہیں۔ کسی زمانہ میں لاٹری اور جوئے کی وبا چلی تھی اور روپیہ بڑھانے کی ہوس میں جیبیں خالی کر کرکے گھر کا رخ کیا جاتا تھا۔ اب معموں کی بھیڑ چال کا وقت ہے جسے دیکھو کاغذ پنسل لئے بیٹھا ہے اور لغات کی ورق گردانی کر رہا ہے اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہے

ہم نے تو نہایت دماغ سوزی اور عقل و دانش سے کام لینے والے معمے صرف ٹائمز آف انڈیا بمبئی (جو اب السٹریٹڈ ویکلی کے نام سے مشہور ہے) کے دیکھے تھے۔ جو اب تک اسی رفتار سے جاری ہیں۔ اس کے بعد بہت سے اخبارات و رسائل نے یہ دھندا شروع کیا لیکن جو کسی کو فائدہ پہنچانے کی بجائے دوسروں کو لوٹنے اور اپنی جیبیں بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی ہنڈیا کاغذ کی ہوتی ہے جو عرصہ تک کام نہیں دیتی۔ چنانچہ وہ ختم ہوگئے اور جو جاری ہیں وہ بھی ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

اکثر یہ دیکھ کر ہمیں بہت دکھ ہوا کہ انعامات کی یہ بھی شرائط ہیں کہ الفاظ یا ہندسوں کی ترتیب عین اس ترتیب کے مطابق ہوگی جو معما بنانے والے صاحب نے لکھ کر محفوظ کر دی ہے تو انعام ملے گا ورنہ نہیں۔ مثلاً فلاں عدد سے فلاں عدد تک ایک مربع کے خانوں میں اس طرح لکھو کہ جس قطار یا کالم یا وتر کے عددوں کو جمع کیا جائے تو حاصل جمع ہمیشہ اتنی ہو لیکن عددوں کی ترتیب عین اس نقشہ کے مطابق ہونی چاہئے جو معمہ بنانے والے نے تیار کرکے محفوظ کر رکھا ہے یہ معما نہیں بلکہ نجوم کا سوال ہے اور ایسے معموں کے حل کا یہ طریقہ ہے کہ وہ الفاظ یا عدد یا حروف جتنی مرتبہ بھی ترتیب دیئے جا سکتے ہوں اتنے حل پیش کئے جائیں۔ اور ہر حل کی فیس ادا کی جائے۔ ان حلوں میں سے یقیناً ایک حل ہوگا جو اس ترتیب کے مطابق ہوگا جو حل بنانے والے نے اختیار کی ہوگی۔ لیکن سب حل بعض اوقات اتنی زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں کہ بہت ہی کم لوگ انہیں پورا کر سکتے ہیں لہذا کثیر رقم فیس داخلہ میں صرف کرنے کے باوجود انعام حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ معما بنانے والے کی ترتیب عام طور پر دہ ہوتی ہے **بلکہ عموماً ہو جاتی ہے** جو حل کرنے والوں کی نہیں ہوا کرتی۔

گویا سب سے زیادہ حل مع فیس کے بھیجنے والا ہی انعام اول کا

لازمی طور سے مستحق نہیں ہو سکتا۔ صرف دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حل بھیجنے کی وجہ سے کچھ کما لیتا ہے۔ جس کی حقیقت اس کی محنت اور مرسلہ رقم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوتی۔

چنانچہ جب ہم نے محسوس کیا کہ طلبہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں اور وقت ضائع کرنے کے علاوہ روپیہ بھی برباد کرتے ہیں تو ہم نے فیصلہ کیا کہ طلبہ اور بچوں کو اس جھنجھٹ سے نجات دلانے کی کوئی راہ اختیار کرنی چاہیئے اور وہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کے لئے علمی مشاغل کا انتظام کیا جائے اور اچھے مضامین لکھنے یا عمدہ کہانیاں لکھنے یا کوئی اور دلچسپ علمی کام کرنے یا کتاب لکھنے کے مقابلوں کا باقاعدہ اور مسلسل انتظام ہو اور ان میں اوّل و دوم سوم آنے والوں کو معقول انعامات دئے جائیں اور ملک میں معیاری اور صحت مند لٹریچر کی فضا پیدا کی جائے

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہم نے اخبارات میں اچھی کہانی لکھنے کے لئے انعامات دینے کا اعلان کیا ذیل میں ہم صرف دو اشتہارات کی نقل درج کرتے ہیں پہلا اشتہار روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے عید نمبر مورخہ ۱۴ جولائی ۵۳ء کے صفحہ ۹ پر درج کیا گیا تھا جو حسب ذیل تھا

سو روپے کے انعامات

غلط کاموں میں وقت ضائع نہ کیجئے۔ ملک و قوم کی خدمت انجام دیجئے ایسی کہانی لکھئے جس میں زیادہ تر دو حرفی، سہ حرفی اور چار حرفی الفاظ ہوں۔ زائد حروف کے الفاظ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ کوشش کیجئے کہ ایسے الفاظ زیادہ ہوں جن کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے ہوں آپس میں ملائے نہ جاتے ہوں۔ جیسے دادا۔ وزنی زوردار وغیرہ۔ کہانی سبق آموز ہو۔ وطنیت شجاعت ہمت۔ عالی حوصلگی۔ غربا پروری۔ رحمدلی اور دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہو۔

باتصویر ہو تو اور بھی اچھا ہے۔ بچوں کی درسی کتاب کے ۳۲ صفحات سے زائد مضمون نہ ہو جس کے ہر صفحہ میں سترہ سطریں ہوتی ہیں۔

سب سے اچھی کہانی لکھنے والے کو پچاس روپے دئے جائیں گے۔ دوسرے نمبر والے کو پچیس روپے اور سوم و چہارم نمبر پانے والوں کو پندرہ اور دس روپے پیش کئے جائیں گے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے بہترین نقادوں کا فیصلہ قطعی سمجھا جائے گا۔ کوئی مضمون واپس نہ ہوگا۔ اور وہ سوسائٹی کی ملکیت سمجھا جائے گا۔ ان مضامین میں سے اگر کوئی مضمون کتابی شکل میں شائع کیا گیا تو لکھنے والے کا نام اس پر درج کیا جائے گا۔ تمام مضامین ۱۵ جولائی تک حسب ذیل پتہ پر آنے چاہئیں۔ فیصلہ یکم اگست کو شائع ہوگا اور انعام ایک ہفتہ کے بعد بھیجا جائے گا۔

ناظم سنگم بال سبھا۔ جامعہ نگر نئی دہلی

اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد تین کہانیاں موصول ہوئیں جن میں سے دو تو حکیم ڈاکٹر محمد عبدالعالی صاحب مدنپورہ بنارس نے بھیجی تھیں "رشیدہ اور فرید" اور "نیکی کا پھل" اور تیسری انصار حسن [illegible] نے ملند شہر سے "دادا" کے عنوان سے لکھی تھی

اس کے بعد دوسرا اشتہار الجمعیۃ کے آزادی نمبر مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۵۳ء کے صفحہ ۶ سے نقل کیا جاتا ہے۔

سَو روپے کے انعامات

ستمبر کی آخری تاریخ تک بہترین کہانی لکھ کر بھیجنے والوں کو ایک سو روپے کے چار انعامات دیے جائیں گے۔ پہلا انعام پچاس روپے کا۔ دوسرا، تیسرا اور چوتھا بالترتیب پچیس۔ پندرہ اور دس روپے کا ہوگا۔ تفصیلات اور قواعد و ضوابط کے لئے ایک پوسٹ کارڈ آج ہی لکھ دیجئے۔

ناظم سنگم بال سبھا جامعہ نگر نئی دہلی

دوسرے اشتہار کے جواب میں حسب ذیل اصحاب کی طرف سے کہانیاں موصول ہوئیں۔

(۱) یالو شریف احمد صاحب محلہ قطب شہر سہارنپور "شاہزادہ قمر و زمرد پری"

(۲) سید احمد ناز صدیقی امروہہ "جانباز شہزادہ"

ستمبر کے آخر تک میں مندرجہ بالا دو کہانیاں موصول ہوئیں پھر بعد میں ہمارے انعامی مقابلوں کے قواعد و ضوابط سے لکھنے والوں میں سے حسب ذیل کہانیاں موصول ہوئیں۔

(۱) عزیز الدین فخرالدین قادری وصولیہ مغربی خاندیس "تین دمڑی کا سوداگر"

(۲) فرحت امیر فردوس محلہ آتشبازاں علیگڑھ "ترقی کا راستہ"

(۳) عشرت امیر فردوس محلہ آتشبازاں علیگڑھ (۱) "رحمدل پادری" (۲) "نجومی"

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اشتہار نمبر ۱ میں اور اشتہار نمبر ۲ کے مطابق قواعد و ضوابط کے رسالہ میں جو شرائط لکھی تھیں ان کے مطابق ہم کوئی کہانی بھی انعامی مقابلہ میں شریک نہیں کر سکے۔

پہلی شرط تو یہ تھی کہ زیادہ تر وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو دو حرفی۔ سہ حرفی اور چو حرفی ہوں۔ دوسری یہ تھی کہ زیادہ الفاظ ایسے ہوں کہ جن کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے جاتے ہوں۔ ملا کر نہ لکھے جاتے ہوں۔ مثلاً داد۔ روزی زہردار۔ رام داس دوڑا وغیرہ وغیرہ۔ تیسری شرط یہ تھی کہ اگر انعامی مقابلہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد دس سے کم ہوئی اور کہانیاں بھی معیاری نہ ہوئیں تو کہانیاں واپس کر دی جائیں گی اور سنگم کا کوئی حق ان پر نہ ہوگا۔ بقیہ شرائط رسالہ "سنگم بال سبھا کے انعامی مقابلے اور مصنفین کے معاوضے"

کے بجے ہیں؟

جب دنیا میں کوئی گھڑی نہ تھی —— ایک بھی نہیں —— نہ اسپرنگ سے چلنے والی، نہ لٹکن سے چلنے والی۔ تو لوگ وقت کیسے معلوم کرتے تھے؟ جناب محمد انس صاحب ایم اے لکچرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے نہایت دلچسپ کہانی کے انداز میں گھڑی کی کہانی لکھی ہے جس میں پرانے وقتوں کی تمام قسموں کی گھڑیوں کا حال مع تصاویر کے درج کیا ہے "کے بجے ہیں" اسی صفحے کی کتاب ہے نہایت خوشنما ٹائٹل۔ بہترین لکھائی چھپائی۔ سفید کاغذ۔ قیمت صرف بارہ آنے علاوہ محصول ڈاک

سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی

ں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

تعداد تو آپ کو معلوم ہو ہی گئی کہ ہر مقابلہ میں دس سے زیادہ کی تعداد نہ ہو سکی اور الفاظ وغیرہ کے متعلق وہ لکھنے والے خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے ہماری شرائط کی پابندی کی یا نہیں۔ اس لئے افسوس ہے کہ ہم ان کی کہانیاں جانچ کرنے والے حضرات کی خدمت میں نہیں بھیج سکے اور واپس نہ کرنے کی وجہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ اس وقت سے اب تک کہانی بھیجنے والے حضرات میں سے بعض حضرات کئی مرتبہ کہانیوں کے نتائج کے متعلق دریافت کر چکے ہیں اور بعض دوسرے لوگ نئے مقابلوں کی تاریخوں اور مضمون کے متعلق دریافت کرتے رہتے ہیں۔ ہم ان سب استفسارات کا جواب دیتے رہے ہیں لیکن اب اس اعلان کے ذریعہ کہانی لکھنے والوں کو از سر نو مخاطب کرتے ہیں اور پھر سو روپے کے انعامات کا حسب سابق اعلان کرتے ہیں۔

جن اصحاب کی کہانیاں پہلے آ چکی ہیں اگر وہ چاہیں تو ان کی کہانیاں بھی اس مقابلہ میں شامل کی جا سکیں گی لیکن اگر وہ کوئی اور کہانی لکھ کر بھیجنا چاہیں تو وہ بھی شامل کر دی جائے گی۔ پہلی کہانیوں میں سے جو صاحب اپنی کہانی واپس منگانا چاہیں وہ ڈیڑھ آنے کے ٹکٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ ایک آنہ محصول ڈاک اور دو پیسے ڈاکخانہ سے رسید یا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے لئے جسے پوسٹل سرٹیفکٹ کہتے ہیں۔

سو روپے کے انعامات

عمدہ کہانی لکھنے پر ہم سو روپے کے انعامات کا پھر اعلان کرتے ہیں۔ پہلا پچاس روپے کا اور دوسرا پچیس تیسرا پندرہ اور چوتھا دس روپے کا۔ شرائط کے لئے "سنگم بال سبھا کے انعامی مقابلے" کے قواعد و ضوابط منگا لیجئے۔ یہ کہانیاں ۳۱ اگست ۱۹۵۲ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ ۳۰ ستمبر کو نتائج کا اعلان کر دیا جائے گا جو اکتوبر کے پرچہ سنگم میں شائع ہوگا اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو انعامات بھیج دیے جائیں گے

کہانیاں بھیجنے والوں کے نام ستمبر کے پرچہ میں شائع کئے جائیں گے تاکہ اگر کسی کی کہانی ہم تک نہ پہنچی ہو تو وہ ہمیں مطلع کر سکے۔ لیکن قواعد و ضوابط غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

المعلن "ناظم سنگم بال سبھا جامعہ نگر نئی دہلی"

شمعِ ملت

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ملک کے نہایت مشہور و ممتاز مورخین و مصنفین میں سے ہیں۔ ابتدائی زندگی مختلف اخبارات و اداروں میں گزاری بعد میں علیگڑھ کالج میں آکر ملازم ہوگئے تھے اور تحریک ترکِ موالات شروع ہونے تک وہاں ہی خدمت انجام دیتے رہے۔ مسلم یونیورسٹی سے ...... آپ ۱۹۲۱ء میں جامعہ ملیہ چلے آئے اور اب تک وہاں ہی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند مولانا محمد علی اور ان کے بڑے بھائی شوکت علی جن کا ڈنکا پشاور سے لے کر راس کماری تک تحریکِ خلافت و عدم تعاون کے زمانہ میں نہایت شد و مد کے ساتھ بجتا رہا ہے مولانا اسلم کے بہت معتقد تھے اور بہت عزت کرتے تھے۔ علی برادران کی گرفتاری اور قید و بند سے رہائی کے موقعوں پر مولانا نے ان دونوں بھائیوں کی شان میں قصیدے لکھے جو نہایت جوش و خروش کے ساتھ عام جلسوں میں پڑھے گئے۔ اس کے علا[وہ] مختلف قومی و ملکی تحریکوں سے متاثر ہوکر آپ [نے] اپنے خیالات کا اظہار جن اشعار میں کیا وہ سب [...] کر دیئے گئے۔ بعض تاریخی واقعات کو بھی آپ نے نظ[م] فرمایا ہے ہم نے ان میں سے دس کا انتخاب مولانا کی خاص اجازت سے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع [کیا] ہے جس کا نام "جواہر ملیہ" ہے۔

جنوری ۱۹۲۱ء میں جب تحریکِ خلافت و ترکِ مو[الات] شروع ہوچکی تھی اور مولانا ابھی مدرسۃ العلوم علیگڑھ میں (جو ابھی یونیورسٹی نہیں ہوا تھا) ہی تھے آپ نے "شمعِ ملت" کے نام سے ایک مثنوی قلم بند فرمائی جس کا دوسرا بند پورا اور تیسرے کے چند اشعار ہم ذیل میں درج کر[تے] ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو کتابچہ کے مضامین سے متعلق کچھ علم ہوسکے۔

بندِ دوم

تو نے اے مسلم! کبھی دل میں کیا یہ بھی خیال ۔۔۔ ملتِ اسلام پر کیوں آگیا آخر زوال
شانِ محبوبیِ حق، رسوائی و ذلت نہیں ۔۔۔ پھر ہے یہ خیر الامم کیوں خستہ و آشفتہ حال
حق نے فرمایا ہے "مسلم پر نہیں کافر کو راہ" ۔۔۔ کفر نے اسلام کو پھر کر دیا کیوں پائمال
ٹکڑے ٹکڑے ہوکے امت بٹ گئی اغیار میں ۔۔۔ اب نہ عزت ہے نہ شوکت ہے نہ حشمت ہے نہ مال
اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا کوئی قومی عذاب ۔۔۔ دشمنوں کو بھی الٰہی! غیر کے بس میں نہ ڈال

دیکھ کر یہ خواریاں دنیا میں کہہ سکتا ہے کون
ہے یہی اُمّت جو ہے مقبولِ ربّ ذوالجلال

کارواں یہ لُٹ گیا خود راہِ حق کو چھوڑ کر
ورنہ اُس درگاہ سے وعدہ خلافی ہے محال

اُمّتِ اسلام کا جب تک تھا قرآں پر عمل
اُس کی شوکت ساری دنیا میں رہی ضرب المثل

بندِ سوم کے چند اشعار

چھوڑ کر قرآن کو مسلم حق سے بیگانہ ہوا
دین کو بھی رسوا کیا اور آپ بھی رسوا ہوا

....

آج بھی موجود ہے ہم میں وہی شمعِ ہُدیٰ
کاش آئے راہ پر پھر کارواں بھٹکا ہوا

دیکھنا تم رقصِ مجنوں کا تماشا دشت میں
سامنے اس کے اگر پھر محملِ لیلےٰ ہوا

نور سے معمور پھر سارا جہاں ہو جائے گا
آسماں سے ابرِ رحمت دُرفشاں ہو جائے گا

یہ بند مسلمانانِ ہند کے لئے اب تک اتنا ہی سبق آموز ہے جتنا تینتیس ۳۳ برس پہلے تھا۔ اس رسالے کو منگا کر پڑھئے اور بزرگوں کے کارناموں سے سبق سیکھئے۔ "جواہرِ ملیہ" کی قیمت چھ آنے ہے۔ سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی سے مل سکتی ہے

نئی مطبوعات

ذیل میں صرف اُن کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جو سنگم کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔

اسلامیات قاعدہ بغدادی۔ رف کاغذ۔ ۸ صفحات ۱۲ سیکڑہ
پارۂ عم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
پارۂ تبارک الذی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
پارہ عم آخری ربع۔ اعلیٰ کاغذ کھلے کھلے حرف کتابی سائز ۵ ۔۔

نکاتِ قرآن مصنفہ مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری۔ قرآن کریم کے سینکڑوں نکتے بطور سوال و جواب۔ سوال بھی سورت وار قرآن میں سے کئے گئے ہیں اور جواب بھی قرآن سے دئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد اڑھائی روپے۔

سیرۃِ قرآنیہ محمد رسول اللہ مصنفہ الحاج مولوی محمد اجمل خاں صاحب۔ پرائیویٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد۔ رسول مقبول کی ہر بات ہر قول و فعل ہر غزوہ آیات کلام اللہ کے حوالے لکھا گیا ہے۔ اس وجہ سے سیرۃ قرآنیہ نام رکھا گیا ہے۔ سالہا سال کی دماغ سوزی اور فکر و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ پونے تین سو صفحات مجلد قسم اول للعہ قسم دوم ۸؍

مشکلاتِ قرآن کا انقلابی حل اجمل صاحب کی تصنیف ہے۔ اس میں اسلام اور قرآن کا پس منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی اصل ترتیب نزولی ہے جس کے بعد کوئی مشکل قرآن کے سمجھنے میں نہیں رہتی اور نہ سیرت نبوی بغیر اس ترتیب کے صحیح طور سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ ۸۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ

پیامِ انقلاب سورۂ فاتحہ کی انقلابی تشریح۔ قرآن کریم کی ترتیب پر بحث۔ نزولی اور سولی مصحف عثمانی کی ترتیب کے نتائج پر بحث۔ نئی قرآن کا پس منظر۔ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے خیالات کا عکس۔ علما کے مطالعہ کی چیز ہے۔ ۸۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ

پس منظر اسلام اور ترتیب نزول قرآن اجمل صاحب کی تصنیف قیمت چار روپیہ ۸؍

سوانح حیات خواتین مولانا محمد اسلم جیراجپوری کی تصنیف۔ ۴۴ مشہور اسلامی خواتین کی سوانحعمریاں اور ان کے مستند تاریخی حالات جن میں ۸ صحابیات۔ ۴ صالحات۔ ۱۸ بیگمات اور تین عالمات ہیں ۲۸۴ صفحات۔ قیمت مجلد ساڑھے چار روپے

ناول۔ افسانے۔ مزاحیہ مضامین اور ڈرامے

بزمِ بے تکلف ڈاکٹر سید عابد حسین کے ۸۴ سیاسی، سماجی اور گھریلو زندگی کے متعلق مزاحیہ مضامین ۲۴۴ صفحات۔ قیمت مجلد اڑھائی روپے

بنیادی حق محترمہ صالحہ عابد حسین کا سوشل ڈراما پانچ سین، ۶۴ صفحات۔ قیمت دس آنے

امتحان یہ بھی صالحہ سید عابد حسین کا پانچ سین کا ڈراما ہے ۶۰ صفحات۔ قیمت ۹ آنے

نمک پارے سید یحییٰ حسن صاحب نقوی کے سولہ نہایت دلچسپ اور مقبول مضامین کا مجموعہ ۱۴۸ صفحات۔ مجلد سوا دو روپے

آتشِ خاموش صالحہ عابد حسین کا نہایت دلچسپ ناول انسانی کردار کی باریکیاں۔ ایثار کے نمونے خاموش عشق و محبت، سیوا اور خدمت کے روح پرور

آغازِ انقلاب۔ اجمل صاحب کی تصنیف۔ وحی اوّل کا انقلابی پیغام۔ صفحات ۸۰۔ قیمت ایک روپیہ

تطارے۔ دلی کی ٹکسالی زبان نہایت سادہ دل نشین طرز
۔ قیمت پانچ روپے۔

عذرا صالحہ عابد حسین کا نہایت مقبول ناول نظرثانی کے بعد دوبارہ شائع ہو رہا ہے۔

جھوٹا لڑکا عبد الغفار صاحب مدھولوی اُستاد جامعہ ملیہ ایک ایکٹ کا ڈراما۔ بچے کیوں جھوٹ بولتے ہیں۔ اس کا علاج کیا ہے۔ نہایت دلچسپ بچوں کی عدالت کا فیصلہ۔ ۲۴ صفحات قیمت چار آنے۔

چور لڑکا مدھولوی صاحب کا دوسرا ڈراما بچے چوری کیوں کرتے ہیں اور اس کا علاج کیا ہے۔ بچوں کے لئے نہایت دلچسپ۔ ۲۸ صفحات۔ قیمت ۶ر

وعدے کیمپ فائر کی دو نقلیں۔ راجپوتوں کا وعدہ۔ غریبوں کا وعدہ۔ پڑھنے اور اخلاق سکھانے کے لئے بہت اچھی اور دلچسپ کتاب مرتبہ عبد الغفار صاحب مدھولوی ۴۲ صفحات قیمت ۴ر

(۱) بچوں کے مشہور شاعر اور ادیب مولوی شفیع الدین صاحب نیّر ایم اے

بچوں کی کتابیں نے بچوں کے لئے لاتعداد کتابیں لکھی ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور اتنی دلچسپ اور اخلاق آموز ہیں کہ بچے بار بار پڑھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے کئی کئی ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں چھپ چکے ہیں "سنگم" نے بھی ان کی متعدد کتابیں شائع کی ہیں جو تقریباً سب کی سب ختم ہو چکی ہیں۔ نئے ایڈیشن کی تیاری ہے۔ چند کی فہرست درج کی جاتی ہے

ننھے منّے بچوں کے لئے ہلکی پھلکی کہانیوں کا سٹ

گنگنکے کی دوڑ ۳ر ڈھول کا پول ۲ر بونے کا ٹٹوا ۴ر
گھر جاؤں تو کیسے ۴ر آٹے کا پتلا ۵ر مکھن کا ڈبہ ۴ر ہوشیار حسن ۴ر
پری کی چھڑی ۵ر بلبل کی شہزادی ۵ر پرستان کی سیر ۴ر
انوکھی چھڑی ۴ر مزدور کا ٹھیلہ ۴ر بچوں کا تحفہ حصہ اوّل ۸ر حصہ دوم ۱۲ر
پاپ کا ناؤ ۵ر۔ گمی تکرہ ۳ر تارا ماؤ ۱۲ر نئی کہانیاں ۸ر دادا راجہ ۴ر وغیرہ

(۲) مشہور تعلیمی تاش کے موجد فیاض حسین تسلیم جامعی، ایڈیٹر ہونہار کی تصانیف پڑھنے کے لائق ہیں۔ نہایت سبق آموز۔ بہت دلچسپ۔

بچوں کی جادو کی کتاب ۷ر جادو کی بیلٹ ۴ر
گلہری بیگم ۴ر لومڑی اور خرگوش کی لڑائی ۵ر
کھٹملوں کا اعلان جنگ ۵ر

(۳) جناب سعید انصاری صاحب پرنسپل اُستادوں کا مدرسہ جامعہ کی تصانیف۔ ایک بچے کی کہانی جس میں نفسیاتی اعتبار سے قدم قدم پر بچے کی زندگی جھلکتی ہے۔ مشہور افسانہ نگار جوزف بارڈ ہنگیرین کی لکھی ہوئی کہانی کا ترجمہ۔ قیمت ۷ر

بھولا بچہ۔ ڈاکٹر ملک راج آنند ہندوستان کے مشہور ادیب کی کہانی کا ترجمہ جس میں چھوٹے بچے کا نفسیاتی مطالعہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ قیمت ۵ر

زندگی کا رُخ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے بچوں کی تعلیم تربیت اور اُن کی نشو ونما اُس ماحول کے مطابق ہوتی ہے جس میں وہ رکھا جاتا ہے اور اُس کی زندگی کا رُخ اسی اعتبار سے متعین ہو جاتا ہے۔ نہایت کارآمد کتاب ہے۔ سرپرستوں اور اُستادوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ قیمت مجلد مع گردپوش دو روپے

(۴) محمد حسین حسّان صاحب سابق ایڈیٹر پیام تعلیم کی تصانیف

سرکس ۵ر بندروالا ۴ر پیا کھلونا ۴ر
یہ تینوں کتابیں تہذیب۔ صفائی ادب اور تمیز سکھانے والی ہیں اور نہایت مفید اور دلچسپ ہیں اور بہت خوبصورت چھپی ہوئی ہیں

(۵) محمد امین صاحب ایم اے استاد جغرافیہ کی تصانیف میں

معنوی محی بادشاہ ۱۲ر ماونٹ ایورسٹ حصہ اوّل ۵ر

کتابوں کا مضمون نام سے ظاہر ہے

(۶) مولوی عبد الحلیم صاحب ندوی بی اے (جامعہ) رکن آل انڈیا ریڈیو دہلی (عربی سیکشن) کی کتاب "دو لیتی" پڑھنے کے قابل اور سنگم کی معیاری کتابوں میں شمار ہونے والی دلچسپ کتاب ہے قیمت ۵ر

(۷) محترمہ صالحہ عابد حسین جہاں ناول نویس اور افسانہ نگار ہیں وہاں بچوں کے لئے بھی نہایت مزیدار اور نفسیاتی اعتبار سے ملند اخلاق کی تعلیم دینے والی کتابیں لکھتی ہیں۔

بھولی نمّہ ۵ر جادو کا ہرن ۶ر منگاکر پڑھئے

(۸) بچوں کے بہت پرانے مشہور ادیب مولوی الیاس احمد صاحب مجیبی کی تازہ ترین تصانیف :-

دُھن کی پوری سونی چڑیا ۶ر جادو کی کرسی ۶ر

اور مقدمہ چلتا رہا ۶ر چار ستارے (زیر طبع)

(۹) محمد انس صاحب ایم اے لکچرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی تازہ ترین تصنیف "کے بجے ہیں؟" گھڑی کی کہانی ہے۔ قیمت ۱۲ر

(نظمیں)

(۱) رسول مقبول | از مصطفےٰ حسین صاحب منظر طلیری | نعت رسول اور منقبت صحابہ کرام

میں عقیدت کا اظہار ہے ۱۰۰ صفحات مجلد مع گرد پوش قیمت صرف ایک روپیہ چار آنے

(۲) جواہر ملیہ | از مولانا اسلم جیراجپوری ۔ تاریخی | اور سیاسی دس نظمیں قیمت ۶ر

(۳) اسلامی نظمیں | از مولوی شفیع الدین صاحب نیر | اپنی قسم کی بے مثل کتاب قیمت ۱۰ر

(۴) کاروانِ منزل | دہلی کے وزیر تعلیم منشی گوپی ناتھ امن لکھنوی اردو کے بہترین

ادیبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کے کلام کے ۸۹ شاہکاروں کا انتخاب اس ۲۲۴ صفحے کی کتاب میں آپ کو ملے گا۔ آزادی سے پہلے۔ آزادی کے دوران اور آزادی کے بعد تینوں زمانوں کے متعلق آپ کے خیالات پڑھئے اور سر دھنئے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

(۵) کاروانِ سخن | پنڈت چاند نرائن صاحب چاند ایم اے ۔ ڈپٹی کمشنر کرنال

(حال شملہ) کے کلام کا مجموعہ مشتمل بر غزلیات۔ نظمیں پیغامات۔ مکالمات اور متفرقات۔ علامہ پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی کا شروع میں مقدمہ۔ حضرت جوش صاحب ملیح آبادی کا تعارف اور داد کے بعد کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ ۱۹۶ صفحات۔ مجلد دیدہ زیب گرد پوش قیمت تین روپے۔

ٹیکنیکل و مفید معلوماتی کتب

بجلی کی مکمل کتاب | مصنفہ شجیع اللہ صاحب بی ایس سی و اشفاق علی بی ایس سی

وائرمین طلبہ۔ اپرینٹس مستری اور کاریگروں کے لئے مکمل معلومات۔ ڈبل سائز ۲۲۴ صفحات۔ قیمت پانچ روپے

ریڈیو مرمت | از شجیع اللہ بی ایس سی۔ | اس کے بعد ریڈیو مرمت کے لئے

کسی مزید معلومات کی ضرورت نہیں۔

ڈبل سائز ۱۹۲ صفحات۔ قیمت پانچ روپے

ریڈیو پرائمر از ایم اے وحید۔ ریڈیو کے متعلق تمام ابتدائی اور ضروری معلومات ۶۴ صفحات قیمت ایک روپیہ چار آنے

کیلی گرافی گائڈ انگریزی حروف کی خوش خطی سیکھنے والوں اور ڈرائنگ کے طلبہ نیز پینٹرز کے لئے نہایت اچھی کتاب۔ فیاض حسین صاحب جامعی کی جدت کا کرشمہ قیمت ۸؍

شیلیکھ شکشک یہ کتاب ہندی حروف کی خوش خطی سکھاتی ہے۔ خانے کھینچ کر ترتیب سے حروف بنا بنا کر سفید کر ڈالنا۔ ہر قسم کے چھوٹے اور بڑے ٹائپ کی مشق (از فیاض حسین جامعی) دو حصے۔ قیمت ۶؍

فوری علاج کا چارٹ۔ فوری ضرورت کے وقت ڈاکٹر اور حکیم کی عدم موجودگی میں گھریلو نسخوں سے بہت اچھا علاج بتلانے والا اور ہر قسم کی بیماریوں میں کام آنے والا نہایت مفید چارٹ ہر گھر میں کلنڈر کی طرح دیوار کے ساتھ لٹکا رہنا چاہئے قیمت ۴؍

ملنے کا پتہ: **سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی**

ہمارا اشاعتی پروگرام

ہمارے ناظرین یقیناً یہ معلوم کرنے کے خواہش مند ہوں گے کہ قریبی زمانہ میں ہم کون کون سی نئی کتابیں شائع کر رہے ہیں یا جو ختم ہو چکی ہیں ان میں سے کون سی دوبارہ شائع ہو رہی ہیں

آخر جولائی تک تیار ہو جانے والی کتابیں۔

(۱) **ترقی کے راز** از سعید اشرف صاحب نعمانی رکن تعلیم و ترقی جامعہ۔ نہایت قیمتی مشورے دینے والی اور سنہری اصول زندگی بیان کرنے والی کتاب قیمت ۱۲؍

(۲) **دیوان غالب صاحب** یہ دیوان غالب نہیں ہے بلکہ ایک صاحب کا نام ہے جو ہر بات غالب کے اشعار میں کرتے ہیں۔ ہر سوال کا جواب دیوانِ غالب کے اشعار سے دیتے ہیں اس لئے ان کا نام دیوان غالب صاحب ہو گیا ہے۔ بہترین ڈراما ہے ۴۰ صفحات۔ قیمت چھ آنے۔

(۳) **پارۂ عم شمسی** مترجم۔ کتابی سائز ۹۲ صفحات قیمت ۱۲؍ ترجمہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب شانِ نزول۔ فوائد۔ فضائل تفسیر حقانی بیان القرآن وغیرہ سے ماخوذ

(۴) **بھولی نمتہ** صالحہ عابد حسین کی بچوں کی کتاب دوبارہ شائع ہو رہی ہے۔ قیمت ۵؍

(۵) **جادو کا ہرن** صالحہ عابد حسین کی دلچسپ کتاب بچوں کے لئے دوبارہ چھپ رہی ہے ۶؍

اگست کے آخر تک شائع ہونے والی کتابیں

(۱) **عذرا** صالحہ عابد حسین کا مشہور و مقبول ناول دوبارہ چھپ رہا ہے

(۲) **مآل البصیرت** مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی کی بصیرت افروز اور علمی کتاب (زیر طبع)

المشتہر: **سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی**

نوٹ: اس پرچہ میں ہم نے پاکستانی مطبوعات کے تحت ٹیکنیکل کتابوں کی فہرست درج کرنے کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ بوجہ عدم گنجائش اس پرچہ میں

ایڈیٹر
خواجہ ذکی احمد پانی پتی بی اے (جامعہ)

نگراں
خواجہ حافظ فیاض احمد

ماہنامہ
سنگم

سالانہ چندہ
دو روپے

فی پرچہ
تین آنے

سال اول | بابت ماہ اگست / ستمبر ۱۹۵۰ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ / محرم الحرام ۱۳۷۰ھ ہجری ساون / بھادوں سمت ۲۰۱۱ بکرم سمت ۱۳۶۱ ف | شمارہ دوم و سوم

فہرست

رام اور رحمن

تم رام کہو وہ رحمٰن (رحیم) کہیں، دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں، منشا تو اسی کی راہ سے ہے
تم عشق کہو وہ پریم کہیں، مطلب تو اسی کی چاہ سے ہے
وہ جوگی ہے تم سالک ہو، مقصود دلِ آگاہ سے ہے
کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے، یہ تیری خام خیالی ہے
ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی، ہر مذہب اس کی ڈالی ہے
بنواؤ شوالہ یا مسجد، اینٹ وہی، چونہ ہے وہی
معمار وہی، مزدور وہی، مٹی ہے وہی، گارا ہے وہی
تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے، ناقوس کا بھی منشا ہے وہی
تم جس کو نماز یں کہتے ہو، ہندو کے لئے پوجا ہے وہی
پھر لڑنے سے کیا حاصل ہے؟ ذی فہم ہو تم، نادان نہیں
جو بھائی پہ دوڑیں غرّا کر، ہو سکتے وہ انسان نہیں
کیا جھگڑا دنگا خونریزی، تعریف یہی ایمان کی ہے؟
کیا آپس میں لڑنا مرنا، تعلیم یہی قرآن کی ہے؟
انصاف کرو، تفسیر یہی کیا ویدوں کے فرمان کی ہے؟
کیا سچ مچ یہ خونخواری اصلی خصلت انسان کی ہے؟
تم ایسے برے اعمال پہ اپنے، کچھ تو خدا سے شرم کرو
پتھر جو بنا رکھا ہے، سعید اس دل کو ذرا تو نرم کرو
(تحفۂ درویش)

جامعہ جو کام کرتا ہے بڑی مسرت ہوتی ہے جس کی وجہ برسہا برس کی ایک عقیدت ہے جو جامعہ سے وابستہ ہے۔

میں لکھنے کے معاملہ میں بہت سست ہوں . . . پھر بھی سنگم کے لئے کوئی کہانی جلد ہی ارسال کروں گا۔

(رحمانی صاحب! آپ کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آپ نے جامعہ سے جس عقیدت کا اظہار فرمایا ہے اس نے آپ کا وقار ہمارے دلوں میں بہت بڑھا دیا ہے۔ اگرچہ "سنگم" کو جامعہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جامعہ ہماری مادر درسگاہ ہے اور یہ سب کچھ اسی کے فیض کا اثر ہے اور ہماری سب چیز جامعہ کے لئے وقف ہے۔

ایک حقیقی بہی خواہ شری رامتا۔ موجد (ریڈنگ روڈ نئی دہلی) کی صاف گوئی :-

آپ کا رسالہ "سنگم" بابت ماہ جولائی ملا۔ بہت بہت شکریہ۔ اسے پڑھکر انتہائی خوشی ہوئی۔ میں نے ایسے عمدہ مضمونوں کا رسالہ نہیں دیکھا۔ میں اردو یا کسی اور زبان میں لکھنے میں ماہر نہیں ہوں۔ بچپن سے دستکاریوں کا شوق ہے اس لئے صرف کام جانتا ہوں لہٰذا غلطی معاف کرنا۔ بچوں کے لئے ایسے پرچے نہایت ضروری ہیں مگر دل کو دکھ ہوتا ہے کہ وہ پڑھتے نہیں۔ اسکولوں میں ماسٹر صاحبان خود نہیں پڑھتے اس لئے بچے باادب نہیں بن سکتے۔ ماسٹر خود اتنے باادب نہیں ہیں . . . . بس تنخواہ جیب میں ڈالی اور موج کی۔ واقعی ترجمے میں کمی بیشی نہیں کرنی چاہیئے مگر پبلشرز دولت اکھٹی کرنے کی غرض سے بے شمار کمی بیشی کر دیتے ہیں اور اس طرح سے دولت کماتے ہیں۔

ہندؤں کی کتابوں میں کتنا بڑھا کر لکھا ہے کہ کوئی حد نہیں۔

آپ نے بچوں کے لئے صفحہ ۱۱ پر عجز و انکساری کے متعلق لکھا ہے سو وہ بالکل ٹھیک ہے مگر زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ میں خود آپ ہی کی دکان (سنگم کتاب گھر اردو بازار۔ دہلی) پر کئی دفعہ کتابیں لینے گیا مگر وہاں پر جو صاحب تشریف رکھتے ہیں بولنا اور کرسی پر سے اٹھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے جس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے میرا از حد سادگی پنا دیکھکر جواب تک نہیں دیا۔ کتابوں کا دکھلانا تو رہا در کنار۔ اگر میرا بھی جسم اچھے کپڑوں میں ملبوس ہو تو وہ کئی گھنٹے ضائع کر دیں گے مگر سادہ طرح والے سے کون بولتا ہے۔ یہ حال آپ ہی کی دکان پر ہے۔ امید ہے کہ آپ ناراض نہ ہوں گے یہ میری صاف گوئی ہے

آپ نے صفحہ ۱۲ پر نمبر ۱ اور نمبر ۲ لکھے ہیں میں نے بہت عقل لڑائی مگر کامیاب نہ ہوا۔ میرے لڑکے نے بھی بہت کوشش کی مگر وہ بھی تھک گیا کیا آپ ان کا حل بتا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ . . جواب ضرور دینا صرف دو حرفوں میں لکھکر نہ ٹال دینا تسلی کے لئے ضرور پورا جواب دینا۔

(بھائی رامتا جی! آپ نے ہمیں صحیح راستہ بتلانے کی نوازش فرمائی ہے جس کا بیحد شکریہ۔ اگر صحیح جواب دیا جائے تو عذر گناہ بدتر از گناہ سمجھا جائیگا۔ یقین جانئے کہ سنگم کے کارکن جہاں تک ہو سکتا ہے گاہک کا بہت خیال رکھتے ہیں اور وہ کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے جس سے امیر و غریب میں فرق سمجھا جائے۔ جس کرسی کا آپ ذکر فرماتے ہیں اس پر بسا اوقات منیجر کے علاوہ دوسرے واجب عزت احترام بزرگوں کو بٹھا دیا جاتا ہے یا خود دکان کے پروپرائٹر جنھیں دکان کی کتابوں وغیرہ کا کوئی علم نہیں ہے کہ کہاں رکھی ہیں آکر بیٹھ جاتے ہیں اور ملنے والے اصحاب سے گفتگو میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دکان کے منیجر یا کارکن اگر کسی کام سے کہیں چلے جائیں اور گاہک کو کتابیں دکھلانے والا موجود نہ ہو تو یقیناً خریدار کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ دکان میں جو شخص کرسی پر بیٹھا تھا اس نے کتابیں دکھانے کی تکلیف نہیں کی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسے اسٹاک کی صحیح پوزیشن کا مطلق علم نہیں ہوتا تاہم گاہک سے ضرور کہا جاتا ہے کہ دکاندار ابھی آتے ہیں۔ آپ تشریف رکھئے اور تھوڑی دیر انتظار کیجئے۔ بعض اوقات دوسرے گاہکوں کی موجودگی کی وجہ سے بعد کے آنے والوں کے لئے جگہ نہیں ہوتی اور ان کو کھڑا رہنے میں یقیناً زحمت ہوتی ہے۔ بس یہی چند مجبوریاں ہیں۔ تاہم جس قسم کی شکایت کی گئی ہے اس سے ہمیں بیحد ندامت ہے اگر ہمارے دل میں تکبر یا بڑائی کی قسم کا کوئی خیال ہوتا تو ہم اس خط کو ہرگز شائع نہ کرتے۔ ہم آئندہ اسکا اور خیال رکھیں گے امید ہے کہ آپ ہمیں معاف فرمائیں گے۔ بقیہ امور کا جواب دوسری جگہ ملیگا۔

تبصرہ | مندرجہ بالا توچند خطوط اور ان کے جوابات ہیں اب

ایک تبصرہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے نام نامی سے ہندستان اور پاکستان کا کون پڑھا لکھا شخص واقف نہ ہوگا اور ان کی تنقیدی نظر اور گہرے مطالعہ سے کس کو انکار ہوگا۔ ان کی رائے کس قدر صائب ہوتی ہے اور وہ ہر تحریر کے محاسن یا اس کی خامیوں پر کیسی بے لاگ تنقید فرماتے ہیں اس سے اخبار بیں طبقہ بخوبی واقف ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اپنے موقر ہفتہ وار "صدق جدید" لکھنؤ کی اشاعت مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۵۴ء میں صفحہ ۶ پر حسب ذیل الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار فرما کر ہماری نہ صرف عزت افزائی فرمائی ہے بلکہ سچ پوچھئے تو چراغ میں تیل ڈال کر یا کھیتی میں آبیاری فرما کر ہماری ہمت بندھائی ہے۔ فرماتے ہیں :-

سنگم۔ ماہنامہ۔ ایڈیٹر خواجہ ذکی احمد پانی پتی۔ ضخامت ۴۰ صفحے اشتہارات کے چار صفحوں کے علاوہ چھوٹی تقطیع۔ قیمت سالانہ ۶ فی پرچہ تین آنے۔ پتا: منیجر رسالہ سنگم۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

جامعہ ملیہ والوں کی نگرانی و سرپرستی میں سنگم کتاب گھر اور سنگم بال سبھا عرصے سے قائم ہیں انھیں مقاصد کی ترویج کے لئے اب یہ ماہنامہ بھی نکلا ہے۔ اصل مقصد لڑکوں کو جامعہ ملیہ کے اصول تعلیم و تربیت کے ماتحت ایک ماہنامہ بہم پہنچا دینا ہے۔ ابھی ایک ہی نمبر نکلا ہے اور یہ اچھا خاصہ ہے۔ آسان ہندی یا اردو نما ہندی نہیں بلکہ اردو ہی میں ہے سلیس، آسان و شستہ آسان اردو اور چیز ہے اور ہندی آمیز اردو اور۔ اور پرچہ بھی بہر حال مسلمانوں کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ کوشش اتحاد و مذاہب میں اپنے کو مسلمان کہنے ہی سے شرم آنے لگے عجز و انکسار پر حافظ فیاض احمد کا مضمون سعدی کی گلستاں اور کریما پند نامہ کے دور کی یاد دلانے والا ہے اس سینمائی دور میں ایسا تعلیمی اصلاحی تفریحی رسالہ نکالنا ہے بڑے جگر اور ہمت کا کام۔ رسالہ میں اشتہار بھی ادارہ کی ایک کتاب "بزم بے تکلف" کا جو نمونہ شائع کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یقیناً مزاح صحیح اور شریفانہ ظرافت کا ایک نمونہ ہوگی۔

ادائے سنگم دعائے روشن

بابو شری شگن چند روشن ایڈوکیٹ پانی پت نہایت کہنہ مشق شاعر اور شاعروں کی جان ہیں۔ گاہ بگاہ دہلی کے مشاعروں میں بھی شرکت فرما کر حالی کی سرزمین کا نام روشن کرتے ہیں ورنہ مشرقی پنجاب کا کوئی قابل ذکر مشاعرہ ایسا نہیں جس میں روشن صاحب کو خاص طور سے مدعو نہ کیا جاتا ہو اور جہاں ان کا طوطی نہ بولتا ہو بس یوں سمجھئے مشاعرہ کی رونق انھیں کے دم سے نظر آتی ہے۔ انھوں نے رسالہ سنگم کو دیکھ کر جب اس پر نظر ڈالی کہ انہی کے وطن کے ایک فرزند کی ادارت میں اور ان کے ایک وطنی بھائی کی نگرانی میں یہ پرچہ نکلا ہے تو حسب معمول اپنی روشن ضمیری، وسعت قلبی اور روشن خیالی کا اظہار مندرجہ ذیل کلام کے ذریعہ فرمایا ہے مبارکباد کا یہ طریقہ شاعروں کا تو ہے ہی لیکن روشن صاحب کا تو مخصوص حصہ ہے۔ وہ کس قدر محبت اور تپاک سے ملتے ہیں اس کا بہت گہرا اثر ہم تارکان وطن کے مجروح دلوں پر ہوتا ہے جو رہتی دنیا تک زائل ہونے والا نہیں۔ ہم ان کی اس عزت افزائی کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

سنگم نئی ادا سے دنیا میں آ رہا ہے ۔۔۔ پیغام شوق بنکر دل میں سما رہا ہے
علم و ادب کے دریا ہر سو بہا رہا ہے ۔۔۔ جمنا[1] کے ساحلوں پر موتی لٹا رہا ہے
میخانۂ تمدن اس نے کیا ہے جاری ۔۔۔ تہذیب مشرقی کے ساغر لنڈھا رہا ہے
ساقی ذکی[2] ہے اس کا فیاض اس کا نگراں[3] ۔۔۔ بھر بھر کے جام عرفاں سب کو پلا رہا ہے
احمد[4] سے اس کا رشتہ ہے واسطہ نبی[5] کا ۔۔۔ وحدانیت کی تانیں ہر سو سنا رہا ہے
اس کا ہر ایک جلوہ ہے نازش صحافت ۔۔۔ اس کا ہر ایک نمبر کیا جگمگا رہا ہے

اس کو قدم قدم پر سجدوں کا سامنا ہو
دست دعا یہ روشن[6] دل سے اٹھا رہا ہو

---

[1] جامعہ نگر کی بستی جہاں سنگم کا دفتر ہے جمنا کے کنارے آباد ہے [2] ایڈیٹر کی طرف اشارہ ہے [3] نگران رسالہ سے مراد ہے۔ [4] احمد ہر سہ ناموں کا جزو ہے [5] پرچہ کے پرنٹر اور پبلشر کی طرف اشارہ ہے [6] شاعر کا تخلص ہے۔

اُردو زبان کے غم میں

از قلم گوہر رقم میاں ابھے راج سنگھ صاحب شاؔد
لے۔ ڈی۔ ایم بہادر کرنال (مشرقی پنجاب)

(پنجاب ہندستان کا وہ حصہ ہے جو تقسیم سے پہلے اُردو کا گہوارہ تھا اور جہاں اردو نے پرورش پائی اور خوب ترقی کی۔ ملک کے نہایت نامور اخبار و رسالے اسی سرزمین سے نکلے پھلے پھولے اور بہترین ادب کے علمبردار رہے جن میں بلالحاظ مذہب و ملت ہر طبقہ کے اہل قلم حضرات کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ تقسیم کے بعد جب ملک کی زبان قانونی اعتبار سے ہندی قرار دی گئی تو مشرقی پنجاب میں ہندی اور پنجابی کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ ایک طبقہ نے جس میں زیادہ تر سکھ شامل ہیں صوبہ کی زبان اس کے نام کے اعتبار سے پنجابی قرار دینے پر زور دیا جس کا رسم الخط گورمکھی ہو۔ دوسرے فریق نے جس میں کثیر تعداد ہندوؤں کی ہے صوبہ کی زبان کو پورے ملک کے ساتھ رہنے پر فوقیت دی اور ہندی ہی کو صوبہ کی زبان قرار دینا ضروری سمجھا جس کا رسم الخط دیوناگری ہو۔ ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دعووں کی تائید میں جو دلائل پیش کرتی ہیں وہ نہ ہندی میں ہوتے ہیں اور نہ پنجابی میں بلکہ اُردو میں لکھتے ہیں جس کا رسم الخط فارسی ہوتا ہے کیونکہ عام لوگ اُردو لکھنے پڑھنے کے ہی عادی ہیں اور اسی میں انھیں آسانی معلوم ہوتی ہے۔ مشرقی پنجاب کے مختلف مقامات میں ابتک نہایت پُر رونق اور زوردار مشاعرے ہوتے ہیں جن میں تقریباً سب سکھ اور ہندو ہوتے ہیں کیونکہ مشرقی پنجاب میں خال خال مواضعات کو چھوڑ کر کسی جگہ بھی مسلمان نہیں ہیں۔ جو اصحاب اُردو کو مسلمانوں کی جائداد یا غیر ملکی زبان قرار دیتے ہیں ان کو ذیل کی نظم پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندی اور پنجابی والے پنجاب میں اُردو کے غیر مسلم چاہنے والے کس قدر صبر و تحمل سے اُردو کا جنازہ نکلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور "نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی" کے مصداق کیا خیالات رکھتے ہیں۔ ہم جناب بابو ترلوکچند صاحب روشن وکیل پانی پت کے ممنون ہیں کہ انھوں نے از راہ کرم رسالہ "سنگم" میں شائع ہونے کیلئے ہمارے ضلع کرنال کے لے۔ ڈی۔ ایم میاں ابھے راج سنگھ صاحب شاؔد کا کلام مرحمت فرمایا۔ وہ بھی اُردو کے متعلق جس غائبانہ عقیدت ۔ انکے ایک ایک مصرعہ بلکہ ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے نیز میاں صاحب کی شرافت قلبی اور غیر متعصب زندگی کا اندازہ اس سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اقباؔل اور پاکستان کا ذکر بھی نہایت حزن و ملال کے ساتھ کیا ہے اور اقباؔل کو میر و غالؔب کے ساتھ ایک بلند پایہ شاعر سمجھ کر ذی شان کے لقب سے یاد کیا ہے حالانکہ بعض تنگ دل اصحاب کی رائے میں آجکل اقباؔل کا نام لینا ہی اقبال جرم کیلئے کافی سمجھا جانا چاہیئے۔ آخری شعر کس قدر حسرتناک ہے مسلم احباب سے ملنے کی تمنا کس قدر لطیف پیرایہ میں ظاہر کی گئی ہے!)

لعل و گوہر کون دیکھے گا ترے دیوان کے
خاک میں مل جائیں گے یہ پھول چمنستان کے

چاٹ لے گی اسی طرح دیمک ورق دیوان کے
جیسے کھا جاتے ہیں میّت کیڑے قبرستان کے

ہائے کیا نادان سمجھیں اس کی قدر و منزلت
بن گئے دشمن برادر یوسفِ کنعان کے

جانِ محفل تھی کبھی بھارت میں جو رنگیں زباں
پڑ گئے افسوس اس کو آج لالے جان کے

بڑھ رہا ہے دم بہ دم دستِ فلک اس کی طرف
ایک جانِ ناتواں، اور معرکے گھمسان کے!

یہ زباں ہندوستانی ہے، کہاں بیگانی ہے
کیوں پڑے ہو اس کے پیچھے تیر اسکو جان کے؟

اس کی اب تعلیم بھی ناپید ہے پنجاب میں
سسکیاں تم آخری بسمل کی دیکھو آن کے

حیف آنے والی نسلیں کس طرح رکھیں گی یاد
نغمے میر و غالب و اقبال سے ذی شان کے

سن سکے گا کون شعر و شاعری تیری یہ شاؔد
کون جا کر لائے گا مولانے پاکستان کے؟

صرف ایک روپیہ

(کیلاش راہی)

[کیلاش راہی ویسے تو مغربی پنجاب (پاکستان) کے رہنے والے ہیں لیکن اب کرنال میں رہتے ہیں۔ نہایت سادہ مزاج اور بہت خلاق اور ملنسار انسان ہیں۔ افسانہ نویسی کی دھن میں ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں اور نہ معلوم کتنے اتار چڑھاؤ سے دن بھر میں انھیں سابقہ پڑتا ہے۔ ہر شخص جوان سے ایک بار مل لیتا ہے ان کا ہو جاتا ہے۔ سکھ ہونے کی وجہ سے ہم انھیں سردار کے لفظ سے مخاطب کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ صرف 'کیلاش' یا 'راہی' کہلانے میں جو لذت محسوس کرتے ہیں وہ 'سردار صاحب' میں نہیں پاتے۔ ابھی حال ہی میں انھوں نے ایک ناول لکھا ہے جس کا نام 'لگن' بہت صحیح رکھا ہے۔ لگن سے آپ کو بھی لگن پیدا ہو جائے گی۔ یہ ناول سنگم کتاب گھر سے اسی مہینے شائع ہوا ہے۔ یہ کہانی بھی انھوں نے سنگم کے لئے چند لمحوں میں لکھ کر ہمیں مرحمت فرمائی جس سے آپ کو ان کی طبیعت میں روانی اور اصلاحی تخیل کا اندازہ ہو جائے گا۔ اردو کے دیس نکالا ہو جانے کے بعد ہم مشرقی پنجاب کی ان ہستیوں کی بے تعصبی پر جس قدر مرحبا کہیں اور جس قدر انھیں سراہیں اتنا ہی کم ہے۔ ہم راہی صاحب کے بہ جان و دل ممنون ہیں۔]

"ایک روپیہ ہوگا بابو" تانگے والے نے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ارے ایک روپیہ؟ دو آنے میں تو رکشا چلی جاتی ہے" بناش نے جیب کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جس میں دس دس کے بیس نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"جاتی ہوگی رکشا بابوجی! یہ تو تانگہ ہے اور وہ بھی کالو کا۔ اور کالو کبھی ایک روپیہ سے کم نہیں لیتا۔ بابوجی! یہ کرنال ہے جو ایک روپیہ مانگ رہا ہوں ورنہ لاہور میں اگر آپ کالو سے سٹیشن سے لیکر شہر تک کا کرایہ پوچھتے تو پانچ روپیہ سے کم بھی نہ لیتا۔ ہاں!" اور کالو نے بائیں ہاتھ سے دائیں مونچھ مروڑا۔ اور عیارانہ نگاہوں سے ابناش کی طرف دیکھا۔ پھر وہ زیر لب مسکرایا اور بولا۔

"بابوجی آپ پیدل جانے سے تو رہے اور اس غضب کی سردی میں کوئی رکشا بھی آنے سے رہی۔"

کہنے کو تو کالو نے کہہ دیا لیکن باطن میں چھپے ہوئے ڈر کا وہ سر نہ کچل سکا اور اچانک ہی اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی رکشا ہارن دیتی ہوئی اسٹیشن کی طرف آ رہی ہو اور تصور میں کالو کو آنند کا چہرہ نظر آیا وہ بھینگا سا!!

اور پھر کالو نے منہ ہی منہ میں آنند کو ایک وزنی گالی دی۔ وہ اُس سے یہ گاہک بھی چھین لے گا! لیکن آج اگر وہ آیا تو میں اس کی ہڈیاں چور چور کر دوں گا۔ یہ کہاں کی شرافت ہے کہ وہ میرے گاہک کو پھسلا کر لے جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کے بھی بچے ہیں۔ بیوی ہے لیکن میرے بھی تو بیوی بچے ہیں۔ آخر مجھے بھی تو ان کا پیٹ پالنا ہے۔

اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بیوی مہندرا کی شکل ابھری۔ کتنی معصوم ہے اور کتنا حوصلہ بھی رکھتی ہے کل ہی میرے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا اور جب میں نے پوچھا "مہندرا کیا تم نے کھانا کھا لیا ہے؟" تو مسکرا کر کہنے لگی

—— ۲

"جی ہاں اس پیٹ میں تین روٹیاں، سالن اور دو گلاس پانی گیا ہے۔" اور جب میں سنتے صبح اپنی آنکھوں سے چار روٹیاں دیکھی ہیں۔ آٹا تو گھر میں تھا نہیں اور ایک روٹی تم نے نریندر بیٹے کو سکول جانے سے پہلے دی تھی۔ تو میں بھی جانوں کہ وہ جو تین روٹیاں تم نے کھائی ہیں کہاں سے آئی تھیں۔"

اور پھر اس نے دوسرا معصومیت بھرا جھوٹ بولا۔ "جی میں لالہ شیونرائن کی بیوی کے گھر سے آٹا مانگ لائی تھی۔ جب میں نے مسکرا کر کہا" اری پگلی! اس کو تو بیکے گئے سات ماہ ہو چکے ہیں۔" تو وہ لاجواب ہو گئی۔

اور پھر اس نے زبردستی اسے کھانے پر بٹھا لیا۔ کالو بہت دیر تک سوچتا رہا۔ اچانک اسے گاہک کا خیال آیا تو وہ چونک پڑا۔ وہ خیالات کی رو میں بہہ کر کتنی دور چلا گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گاہک دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے سگرٹ کے کش لگا رہا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ ابھی کوئی رکشا نہیں آئی اور جب تک کوئی رکشا نظر نہیں آتی وہ روپے سے کم نہیں مانگے گا۔

سردی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ کالو نے اس کا احساس کر کے جیب سے ۲۲ نمبر کی بیڑی نکالی اور اسے سلگانے ہی لگا تھا کہ اچانک اس نے سامنے بابو کی جلتی ہوئی سگریٹ دیکھی۔ اس نے سوچا اسی بہانے ذرا بات ہو جائے گی۔ "بابو جی! ذرا سگریٹ تو دینا میں بھی بیڑی سلگا لوں۔ سردی بہت بڑھتی جا رہی ہے۔" اور بابو نے حقارت بھری نگاہوں سے کالو کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "Black and White" سے ۲۲ نمبر سلگانا چاہتے ہو۔ جاؤ نہیں ملے گی سگریٹ۔" اور اس نے دوسری جانب منہ پھیر لیا۔

اور کالو نے سوچا۔ شاید بابو جی نے نہیں سنا۔ کالو تانگے سے نیچے اترا۔ اس نے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور پیار سے بولا۔ گھبراؤ نہیں میرے بیٹے! اگر یہ مرغی پھنس گئی تو تمہیں آدھ سیر چنے کھلاؤں گا اور پھر اسے گھوڑے پر پیار آ گیا۔ کتنا دبلا ہو گیا ہے! اس نے گھوڑے کی طرف دیکھ کر یوں کہا جیسے اسے مکمل یقین تھا کہ یہ مرغی ضرور پھنسے گی اور وہ بابو جی کی طرف بڑھ گیا۔

" بابو جی ذرا سگریٹ دینا میں بھی بیڑی سلگا لوں سردی بہت ہے۔" اور بابو نے سگریٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ جب کالو نے بیڑی سلگا کر سگریٹ واپس کرنی چاہی تو اس نے دیکھا کہ بابو جی لائیٹر سے دوسرا سگریٹ سلگا چکے تھے۔ پھر بھی اس نے کہا "یہ لیجئے بابو جی! اپنا سگریٹ۔ تم ہی پیو۔" اور پھر دونوں چند منٹوں کے لئے اپنے اپنے سگریٹ میں کھو گئے۔

کالو اپنی بیوی اور بچوں کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کی نگاہیں سامنے سڑک پر گڑی ہوئی تھیں۔ ابناش سردی کی وجہ سے گھبرا رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی یاد آ رہی تھی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ ابناش نے کالو کو مخاطب کر کے کہا "چار آنے۔"

"نہیں بابو جی!" کالو چونک پڑا۔ "روپیہ ہی لگے گا اس سردی میں تو یہ بھی کم ہے۔"

اور ابناش مجبور ہو گیا کیونکہ اسے انتظار کرتے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اور وہ بے دلی سے تانگے پر بیٹھ گیا حالانکہ اسے بیوی بہت یاد آ رہی تھی لیکن ایک روپیہ کا غم بھی تو کچھ کم نہ تھا ابناش کے لئے۔

"اگر پتا جی ہوتے تو ساری رات انتظار کر لیتے لیکن کبھی

ابناش نے سوچا۔ خیر کوئی بات نہیں۔

ابناش سوچتا رہا اور کالو گھوڑے کی پیٹھ پر آہستہ آہستہ چابک لگا آ سے بھگاتا رہا۔ سڑک پر اندھیرا تھا لیکن کالو کو اب بھی مہندرا اور نریندر کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ تانگہ اندھیرے کو پاٹتا ہوا روشنی میں آ گیا۔ اور کالو کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شہر آ گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے تیجا سنگھ حوالدار کے ہاتھ گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ اور کالو متواتر منتیں کئے جا رہا تھا "حضور آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں"

"حرام زادے! میں کچھ نہیں جانتا۔ کالو نئیں' روز بہانے کرتا ہے۔ نکالو نئیں —— ورنہ چلو تمہاری طبیعت وہیں تھانے میں صاف ہو جائے گی"

اور پھر روپیہ ابناش کے ہاتھ سے نکل کر کالو کے ہاتھ میں ہوتا ہوا تیجا سنگھ کی جیب میں چلا گیا اور گھوڑا پھر تیزی سے چل رہا تھا۔

کالو کے ہاتھ گھوڑے کی پیٹھ پر پھر رہے تھے اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک روپیہ کا سکہ رقص کر رہا تھا اور ابناش آنکھیں بند کئے مسکرا رہا تھا۔ پیچھے تیجا سنگھ کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور مہندرا اور نریندر کی سسکیاں جیسے ان قہقہوں کی تہ میں دب گئی تھیں۔

(اس کہانی سے کتنے سبق حاصل ہوتے ہیں ان سب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ روز مرہ ایسے کتنے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کی صحیح اور سچی تصویر اس میں صاف نظر آ رہی ہے! ادارہ)

شکوہ نے

[ایک روز میں سنگم کتاب گھر، اردو بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب برکت علی صاحب فراق کو دریافت کرتے ہوئے آئے جو جامعہ ملیہ کے ادارۂ تعلیم و ترقی کے ذمہ دار کارکن ہیں۔ میں نے ان سے کہا برکت صاحب تو ہندستان سے باہر گئے ہوئے ہیں اور اگلے مہینے غالباً واپس آجائیں گے۔ آپ کو ان سے کیا کام ہے۔ فرمانے لگے برکت صاحب سے ہماری ملاقات اندور میں ہوئی تھی جہاں وہ جامعہ کی طرف سے سیمینار میں نمایندہ بنکر شامل ہوئے تھے اور میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ جب دہلی آنا ہوگا تو جامعہ ضرور آؤں گا میں نے کہا کہ اگر وہ نہیں ہیں تو ہم لوگ حاضر ہیں آپ جب چاہیں تشریف لائیے۔ میری درخواست پر وہ میرے پاس بیٹھ گئے۔ اور گفتگو ہونے لگی وہ علی گڑھ کے رہنے والے ہیں بہت شریف، مہذب اور تعلیم یافتہ ہندو ہیں مختلف ملکی خدمات انجام دی ہیں اور سیاحت بھی خوب کی ہے اور مختلف تہذیبوں کا بخوبی مطالعہ کیا ہے۔ لباس اور وضع قطع سے بالکل سنیاسی معلوم ہوتے ہیں میں نے مکتبہ جامعہ اور سنگم کتاب گھر دونوں کے حالات سے انھیں مطلع کیا اور مکتبہ نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں ان کی تفصیلات بتائیں خصوصاً تعلیم و ترقی نے جو رسالے بالغوں کی تعلیم کے لئے تیار کئے ہیں جنکی تعداد تین سو سے متجاوز ہے اور مکتبہ جامعہ نے ان کو ہندی اور اردو میں شائع کیا ہے جن کی مجموعی تعداد کئی لاکھ تک پہنچتی ہے ان کا اگرچہ انھیں پہلے سے علم تھا لیکن غالباً پوری معلومات نہ تھیں۔ ان سب کا ذکر میں نے ان سے کیا اور جامعہ تشریف لاکر کارکنان جامعہ سے ملنے اور ان کے کاموں کو دیکھنے کی درخواست کی جس کا انھوں نے پورا وعدہ فرمایا۔ سامنے رسالہ سنگم رکھا ہوا تھا جس پر ان کی نظر پڑی جسے میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں خیام کی رباعی عجز و انکساری کے متعلق دیکھتے ہی انھوں نے اسے ایسے انداز میں اور ایسی خوش الحانی سے پڑھا کہ ہم سب محو حیرت رہ گئے۔ پھر میں نے گلستاں کے ایک قطعہ کا ذکر کیا جسے اس پرچہ میں بچوں کے صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے جو نہایت وجد صحبت کے اثر کے متعلق ہے تو انھوں نے فوراً اسے بھی نہایت دل پسند انداز میں پڑھا جس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ اس زمانہ میں بھی جبکہ ملک میں انتشار اور بے اطمینانی کی فضا پیدا کی جا رہی ہے ایسے اصحاب کی کمی نہیں معلوم ہوتی جو ملک کو ایک اعلیٰ معیار پر لانے اور ایک مشترکہ تہذیب بنانے میں بہترین خدمت انجام دے سکتے ہیں (شری کرشن داس جی رجوان بزرگ کا شبھ نام ہے) کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور وہ ہندستان کی کئی زبانوں پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ انگریزی، فارسی، اردو، بنگالی، گجراتی، ہندی، سنسکرت، پنجابی غرض کونسی زبان ایسی ہے جس کا ذکر ہم نے کیا ہو اور اس میں انھوں نے مشہور شعرا کا کلام نہایت خوش الحانی سے نہ سنایا ہو۔ مثنوی مولانا روم کو وہ اتنی ہی اچھی طرح پڑھتے ہیں جتنا ہمارا کوئی اچھے سے اچھا واعظ پڑھتا ہو۔ ہم جس بات کا خاص طور سے ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا پرچہ خالص اسلامی پرچہ نہ رہے بلکہ چونکہ ہمارے خریدار غیر مسلم بھی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا پرچہ ہر قسم کے خیالات و مذہبی اعتقادات کے بچوں اور بڑوں کے ہاتھ میں پہنچے اس لئے ہم ایسے مضامین درج کرنا چاہتے ہیں جن میں اگر اسلامی احکامات کا ذکر ہو تو ان کے مقابل اسی موضوع پر دوسرے مذاہب کے احکامات بھی ہوں یا اگر فارسی میں شیخ سعدی، مولانا روم، حافظ شیرازی یا عمر خیام کے اشعار کسی موضوع پر درج ہوں تو ان کے مقابل ہندی، اردو یا کسی دوسری زبان کے شعرا کا کلام ہو جس میں انہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہو۔ انھوں نے وعدہ فرمایا کہ سنگم کے لئے وہ ایک مضمون یا اس قسم کا انتخاب ضرور مرحمت فرمایا کریں گے۔ چنانچہ پہلی قسط انھوں نے شکوہ نے "مثنوی مولانا روم" سے مرحمت فرمائی اور اس کے بالمقابل ہندی شاعر کا کلام دیوناگری رسم الخط میں درج کیا اور اردو حروف میں ہندی الفاظ کے تلفظ کو لکھدیا تاکہ صرف اردو جاننے والے اصحاب دیوناگری حروف میں جو کچھ لکھا ہے اسے اردو حروف کی مدد سے پڑھ سکیں اور اس کا صحیح تلفظ سیکھ لیں۔ ہم

انتہائی شکریہ کے ساتھ اسے شائع کر رہے ہیں۔
شری کرشن داس جی نے ہمیں بچوں اور بڑوں دونوں کے لئے اس قسم کی کتابیں لکھ کر دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے جسے ہم حاصل کرتے ہی شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (ریاض احمد)

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرح شرح از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش
من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفت خوش حالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من
وز درون من نجست اسرار من
سرِ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

सुनो कबहुं बन्सी की बानी
कहत कहा यह बिकट कहानी
बंस व्योग दुखित अति भारी
सुनत हूक रोये नर नारी
हृदय फिरे जो बिरह दुहाई
तो कछु कहौं प्रेम प्रभुताई
निज प्रयतमहिं वियोग जो होई
मिलन मार्ग मन आनहि सोई
सब के निकट बैठ दुख रोये
भले बुरे हम सब ही बिगोये
मति अनुरूप सबहि सनमानेउ
अंतर दुख काहू नहीं जानेउ
मम दुख प्रगट हूक के माही
पर वहां इन्द्रिन की गति नाहीं

اس مرتبہ ہم صرف فارسی اور ہندی درج کر رہے ہیں۔ اگلے پرچہ میں اس کا ترجمہ اور اردو رسم الخط میں ہندی تلفظ درج کریں گے۔

بزمِ بے تکلّف

[پچھلے پرچہ میں ہم نے جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (برلن) پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی کتاب "بزمِ بے تکلف" سے "گھریلو زندگی" کے متعلق ایک مضمون نقل کیا تھا جسکو بیحد پسند کیا گیا اس مرتبہ ہم "عام زندگی" کے متعلق ایک مضمون نقل کرتے ہیں جو "نئی روشنی" کی اشاعت مورخہ ۸ مئی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا اور "بزم بے تکلف" کے صفحہ ۲۱۲ سے شروع ہوتا ہے۔ ایڈیٹر]

جب زمانے کا رنگ بدلتا ہے، حکومت کا چولا بدلتا ہے، افسروں کی نیت بدلتی ہے، دوستوں کی نظریں بدلتی ہیں، دشمنوں کے پینترے بدلتے ہیں سکے کی قیمت بدلتی ہے۔ شہروں کے نام بدلتے ہیں تو پھر لفظوں کے معنی کیوں نہ بدلیں؟ اب لغت کی پرانی کتابوں کو تو بالائے طاق رکھئے اور ہماری "نئی روشنی" کی ڈکشنری سے فائدہ اٹھا سکیں تو فائدہ نہیں تو کم سے کم لطف ہی اٹھائیے

ردیف الف

آبادی۔ وہ ہے جس کے لئے ملک کی تقسیم ضربِ شدید کا کام دیتی ہے جس کے مبادلہ میں اتنا بٹہ لگ جاتا ہے کہ بدل کچھ نہیں رہتا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی بار گیہوں کھانے سے بڑھنی شروع ہوئی تھی مگر اب گیہوں ملے یا نہ ملے بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ فطرت اور سائنس مل کر اس کے گرانے کے لئے تین سو اکتیس داؤں چلتی ہیں مگر اسے انسانی جبلت نے ایک پیچ ایسا بتا دیا ہے کہ کشتی اسی کے ہاتھ رہتی ہے۔

اپیل (۱)، جو عدالت سشن سے خارج اور ہائی کورٹ سے منظور ہو جاتی ہے۔

(۲) جو والنٹیروں کے لئے کی جائے تو کامیاب اور چندے کے لئے کی جائے تو ناکام رہتی ہے۔

اچار یہ۔ دو قسم کا ہوتا ہے کھٹا اور میٹھا۔ کھٹا کانگریس پارٹی کے حلق میں پھنس جاتا ہے اور میٹھا سوشلسٹ پارٹی کے گلے اتر جاتا ہے

ادب۔ پرانا برائے ادب اور نیا برائے زندگی کہلاتا ہے مگر حقیقت میں پرانا برائے نام اور نیا برائے بیت ہوتا ہے۔

اُردو۔ وہ زبان جو بتیس دانتوں میں رہ کر سلامت ہے اور رہے گی وہ شیریں جس کے نخرے آج خسرو سے نہ اٹھے تو کل فرہاد اٹھائے گا

نمانَد نازِ شیریں بے خریدار
اگر خسرو نباشد کوہکن ہست

آزادی۔ وہ صبحِ وصل جس کے انتظار میں ہجر کی ہزاروں راتیں تڑپ تڑپ کے کٹیں اور جس کے آتے ہی اپنی کو بھول گئی۔

اقلیت۔ وہ ناشکری جماعت جو ہند اور پاکستان میں تمام آئینی تحفظات کے باوجود محض جان و مال کے نقصان سے تنگ آکر یہ فریاد کرتی رہتی ہے ۵

"بزمِ بے تکلف" میں اسی قسم کے ۳۸ مضامین ہیں جو حضرت انسان پر دیسی و بدیسی سیاست پر گھریلو زندگی پر بازار کی حالت اور عام زندگی کے متعلق ہیں ۲۳۲ صفحات نہایت عمدہ چکنا کاغذ لکھائی چھپائی بہت عمدہ مجلد گرد پوش قیمت صرف ڈھائی روپے
ملنے کا پتہ:۔ سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار۔ دہلی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

اکثریت ۔ جو ظلم کبھی نہیں کرتی ۔ صرف ہندوستان کے ظلم کا پاکستان میں اور پاکستان کے ظلم کا ہندوستان میں بدلہ لیتی ہو یہ بات اور ہے کہ بدلہ اکثر پیشگی لے لیتی ہے ۔

الیکشن جس میں ووٹ کی کمی سے ہارنے والے کی ضمانت ضبط اور خرچ کی زیادتی سے جیتنے والے کی عقل خبط ہو جاتی ہو۔

آمدنی ۔ جو خرچ کے پیچھے دوڑتی رہتی ہے مگر اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتی ۔

امریکہ ۔ وہ صیاد جس کے تیر زریں کا نشانہ راہب رہا ہے لیکر شیخ حرم تک کون ہے جو نہ ہو

ڈالر نے جس کے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

من ۔ جس کو کبھی خواب میں دیکھا تھا اور جس کا اب خواب دیکھا کرتے ہیں ۔

اناج ۔ جس کی پیداوار اور قیمت خدا کے فضل سے اور سرکار کے اقبال سے روز بروز بڑھتی جاتی ہے ۔

ٹکس ٹیکس ۔ جو امیروں پر تشخیص ہوتا ہے ۔ متوسط طبقے پر عائد ہوتا ہے اور غریبوں سے وصول کیا جاتا ہے ۔

اہنسا ۔ جو انگریز سے بے ہتھیار کے کی گئی اور ایک دوسرے پر چاقو ۔ لاٹھی اور گولی سے کی جاتی ہے ۔

دیکھا آپ نے ! اس لغت میں کتنی پتہ کی باتیں اور کس انداز میں کہی گئی ہیں ۔ بعض باتوں کو سمجھنے اور ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے نشتر کی سیاست کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ہندستان کے ہر پڑھے لکھے شخص کو خصوصاً طلباء کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے ۔

صوفی

[سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کی تاریخ وصال ۱۷ ربیع الثانی ہے اور انکے خاص محبوب حضرت امیر خسروؒ کی تاریخ وصال ۱۸ شوال ہے دہلی کی بستی حضرت نظام الدین میں دونوں کے مزارات ہیں اور ان تاریخوں میں انکا عرس ہوتا ہے جو تاریخہائے وصال کے اعتبار سے "سترھویں" کے نام سے موسوم ہے درگاہ میں تمام رسومات فاتحہ خوانی وغیرہ باقاعدہ ہوتی ہیں جن میں عوام کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں ۔ درگاہ کے علاوہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں بہت دھوم دھام سے خاص انتظامات کے تحت قوالی اور فاتحہ خوانی کی تقریبات ہوتی ہیں جن میں بڑے بڑے اکابرین و عمائدین اور افسران و حکام مدعو ہوتے ہیں ۔ کچھ عرصے سے پیرضامن علی صاحب نے بھی خاص انتظامات کے تحت یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اسمیں بھی تقریباً تمام قابل ذکر اصحاب مدعو ہوتے ہیں یعنی افسران بالا ۔ بیرونی ممالک کے سفیر اور ہائی کمشنر اور دہلی کے وزراء چیف کمشنر وغیرہ وغیرہ ان تقریبات میں پچھلے چند سالوں سے علاوہ قوالی و فاتحہ خوانی کے ایک محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوتی ہے جس میں چوٹی کے شعراء تشریف لاکر اپنے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں ۔ گذشتہ شوال (جون) میں حضرت امیر خسروؒ کی سترھویں کے موقعہ پر پیرضامن صاحب کے ہاں جو مشاعرہ کی محفل منعقد ہوئی تھی اسمیں علاوہ دیگر نامور شعراء کے ہمارے دہلی کے صوفی منش وزیر ترقیات شری گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی نے بھی جن کا تفصیلی ذکر اسی پرچہ میں کسی دوسری جگہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے) صوفی کی تعریف میں چند اشعار سنائے تھے جس سے تمام حاضرین کو روحانی سکون اور اطمینان نصیب ہوا اور سب نے بیساختہ داد دی ۔

جناب امن صاحب سے وہ اشعار حاصل کر کے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ آپ بھی امن صاحب کے خیالات کے متعلق اندازہ لگا سکیں]

اے ساتھی آ تجھ کو بتاؤں صوفی کیسا ہوتا ہے
دنیا پر وہ ہنستا ہے اللہ کے آگے روتا ہے

اس رونے پر جو ہنستے ہیں نادان ہیں انجان ہیں وہ — آنسو کی ان بوندوں سے وہ دل کے دھبے دھوتا ہے
ساری دنیا سوتی ہے تب صوفی ہوتا ہے بیدار — دنیا کی بیداری سے منہ موڑ کے صوفی سوتا ہے
اپنی ہستی کھو دیتا ہے پالیتا ہے رازِ حیات — جس کو بصیرت ملتی ہے کچھ پاتا ہے کچھ کھوتا ہے
شور و شر کی دنیا والے کیا پہچانیں اس کا کام
اس کی کھیتی نیاری ہے وہ تخمِ محبت بوتا ہے

کاروان و منزل

اس شمارہ کے سرورق کو شری گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی کی شبیہ باوقار سے مزین ہونے کا شرف حاصل ہے امن صاحب آج کل ہماری دہلی ریاست کے وزیر ترقیات ہیں - لیکن وزیر ہونے کی وجہ سے ہم ان کا ذکر نہیں کر رہے ہیں۔ اور نہ ہی وہ خود اس نقطہ نظر سے اپنے متعلق کوئی نوٹ دیکھنا پسند فرمائیں گے بلکہ ہم ایک ایسے شخص سے اپنے ناظرین کا تعارف کرانا چاہتے ہیں جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ایک ایسے انسان کا ذکر کر رہے ہیں جو واقعی انسان ہے - وہ شریف خاندان کا روشن چراغ ہے - وہ پریم و محبت کا پجاری ہے وہ پیدائشی محب وطن ہے - وہ بہت بڑے دل کا مالک ہے - وہ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور ہے اس کے ہاں 'میں' (انانیت) کوئی چیز نہیں وہ 'ہم' (جماعتی نظام) کا قائل ہے - کیسا ہم؟ جس کی ہ ہندو اور م مسلم کو ظاہر کرتی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کو آزادی کے بعد اتنا ہی ضروری سمجھتا ہے جتنا غلامی کے دور میں اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے رہتا تھا - انقلاب کے وقت ملک یہاں اور وہاں، جس حالت سے گذرا اور جو مناظر اس نے دیکھے اس سے متاثر ہو کر جو زخم امن کے قلب مضطر پر لگے وہ اب تک مندمل نہیں ہوئے وہ حیوانیت اور بربریت پر اب تک نوحہ خواں ہے۔ اس کے آنسو خشک نہیں ہوئے - وہ گاندھی جی کے فلسفہ کا بیحد قائل اور اس پر سختی سے عامل ہے - امن کو دیکھ کر آپ تسلیم کریں گے کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس میں کہاں تک صداقت ہے وہ باوجود وزیر ہو جانے کے اپنی روش پر قائم ہے - اور سادگی طبع سے مجبور ہے - وہ صوفی منش ہے اور حال و قال کی منزلوں سے خوب واقف ہے - اس سے ملئے تو آپ محسوس کریں گے کہ واقعی آپ کسی سچے، شریف اور با اخلاق خدا پرست کی صحبت سے فیض اٹھا رہے ہیں اور اس کی متانت سنجیدگی اور صاف گوئی آپ کو اس کی طرف کھینچے لئے جا رہی ہے - امن کے احباب نے مختلف اوقات میں ان کے متعلق اپنے تاثرات شائع کرائے ہیں - جن لوگوں کو محض ان کا کلام پڑھنے سے ان سے عقیدت ہو گئی تھی انھوں نے لکھا ہے کہ ان سے نیاز حاصل کرنے کے بعد ان کو اس سے بھی زیادہ پایا جتنا ان کو خیال کیا گیا تھا مختلف اصحاب نے

ان کی زندگی پر سرسری اور بعض نے قدرے تفصیلی نظر ڈالی ہے اور مختلف پرچوں میں نہایت محبت اور احسان مندی کے جذبات سے ان کا ذکر خیر کیا ہے۔ جی تو ہمارا بھی چاہتا ہے کہ ہم ان کی زندگی کے ہر پہلو سے اپنے ناظرین کو روشناس کرائیں تاکہ انھیں مسرت اور خوشی کے ساتھ یہ اطمینان نصیب ہو کہ اس پر آشوب زمانہ میں بھی ملک ایسی نیک اور شریف ہستیوں سے خالی نہیں ہے لیکن اس وقت ہمارا مقصد ان کی سوانح حیات پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے کلام اور ان کے خیالات کے متعلق عرض کرنا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ملک میں صحیح مذاق پیدا ہو اور پبلک اگر ایک دم غلط روش کو نہیں ترک کر سکتی تو وہ ہمارے مشورے کے مطابق رفتہ رفتہ ہی اسے ترک کرنے کی کوشش کرے اور اس کی جگہ اچھی چیزیں اختیار کرے

ملک میں بداخلاقی، چوری، ڈاکے وغیرہ کی زیادتی کو دیکھ سینما بازی کو برا کہا جاتا ہے لیکن اگر انھیں لوگوں سے کہہ دیا جائے جو ان تمام خرابیوں کا ذمہ دار سینما کو ٹھہراتے ہیں کہ سینما نہ دیکھو تو وہ آنکھیں نکال کر غضبناک ہو جاتے ہیں یہی حال فحش اور مخرب اخلاق ناولوں اور افسانوں کے پڑھنے والوں کا ہے وہ یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی ان کا پڑھنا ترک نہیں کرتے کیونکہ اس کا نشہ افیم کے نشہ سے کم نہیں ہوتا

لہذا ہماری خواہش ہے کہ وہ اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کریں اور اچھے لوگوں کی کتابیں پڑھ کر ان کے خیالات سے فیضیاب ہوا کریں۔ رفتہ رفتہ ان کا مذاق یقیناً صحیح ہو جائے گا۔

چنانچہ ہم بعض اچھی کتابوں کا ذرا تفصیل سے "سنگم" میں ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے مضامین کے اقتباسات یا ٹکڑے پیش کرتے ہیں تاکہ آسانی سے اندازہ لگایا جا سکے کہ کتاب کس نوعیت کی ہے اور کس مذاق کی ہے اور خریدنے سے پہلے لاعلمیت کی وجہ سے پس و پیش کا پہلو باقی نہ رہے۔ کتاب کے متعلق لکھنے سے پہلے ہم حسب ضرورت اس کے مصنف کے متعلق اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے امن صاحب کے متعلق چند الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔

دہلی سے ایک ماہنامہ "نرالی دنیا" کے نام سے نکلتا ہے جس کے سابق ایڈیٹر روشن لال صاحب دھاون کے ہم ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنی پرانی فائل ہمیں مرحمت فرمائی جس کے جنوری ۱۹۵۰ء کے پرچہ میں اشہر رحمانی صاحب کے قلم سے "امن لکھنوی" پر چھ صفحے کا مضمون شائع ہوا ہے اگرچہ امن صاحب سے ذاتی تعلقات کی بنا پر ایک عرصہ دراز سے ہمیں نیاز حاصل ہے اور ہم نے انھیں بہت نزدیک سے مطالعہ کیا ہے۔ تاہم اس مضمون سے ہمیں بعض مزید حالات کا علم ہوا جس سے ہمارے تاثرات اور عقیدت میں پختگی پیدا ہو گئی اور ہمیں یقین ہو گیا کہ امن صاحب کو اور لوگ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا ہمارا اپنا خیال ہے۔

وہ ادیب۔ شاعر۔ صوفی۔ مجاہد اور سیاسی کارکن کی خوبیوں کے اجتماعی طور سے مالک ہیں۔ وہ اپنا کلام ترنم سے پڑھتے ہیں اور ایسے انداز میں سناتے ہیں کہ سننے والوں کے دلوں میں نقش ہوتا جاتا ہے۔ مشاعروں میں جہاں دوسرے چوٹی کے شعراء جمع ہوتے ہیں۔ امن صاحب کا کلام ایک خاص خصوصیت کا مظہر ہوتا ہے اور چاروں طرف سے صدائے آفریں و مرحبا کی آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں اور نہایت وقار اور احترام سے سامعین ان کا کلام سنتے ہیں۔ آزادی

کے بعد جب اردو زبان یتیم ہوگئی تو امن صاحب نے ہی اردو سبھا قائم کرکے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دلاسا دیا کہ گھبرا نہیں اللہ تیری مدد کرے گا اور مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے جو کچھ ہو سکے گا تیری نگہداشت اور حفاظت میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے۔ ساتھیوں میں حضرت کیفی صاحب صدر اور جناب کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سحر و دیگر با استطاعت شعرا و اہل قلم شامل تھے۔ وزیر ہونے سے پہلے وہ حکومت کے منصب پریس ایڈوائزری پر فائز تھے اور اس سے پہلے کئی سال تک دہلی کے مشہور اخبار روزنامہ "تیج" کے ایڈیٹر تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ منشی چین سکھ رائے نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں اپنے وطن ضلع رائے بریلی کو خیر باد کہکر سرزمین اودھ میں داخل ہوئے یہ متوسط طبقے کے سریواستو کالستھ خاندان سے تھے۔ ان کے صاحبزادے منشی پریم سکھ رائے نے یہیں ذریعہ معاش اختیار کیا اور ان کے ہونہار فرزند لکشمی پرشاد صاحب نواب واجد علی شاہ کے عہد میں کپتان روشن الدولہ بہادر کے ماتحت مشغل خانہ شاہی کے دیوان مقرر ہوئے۔

ایک لمحۂ فکر

۱۸۵۷ء میں قیامت برپا ہوئی سب نظام درہم برہم ہوگیا! اور ملک فرنگی سامریت کا غلام بن گیا۔ منشی لچھمن (لکشمی) پرشاد صاحب کی پابندی وضع اور وفا شعاری کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اودھ میں نیا نظام قائم ہونے پر انگریزی حکومت میں لوگ ہر جگہ داخل ہو رہے تھے۔ دیوان جی (منشی لچھمن پرشاد) کے نام بھی فرمان آیا کہ آپ کو فلاں عہدہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس فرمان کے آنے پر اس مصیبت کے دور میں کس قدر خوشیاں منائی جانی چاہئیں تھیں اور "جان بچی لاکھوں پائے" کے مصداق نہایت شکریہ کے ساتھ عہدہ قبول کیا جاتا اور بقول یاران شاطر "کم بخت مسلمانوں" کا دور ختم ہونے پر اطمینان کا سانس لینا چاہیے تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس ہندو شریف النفس انسان نے کیا جواب دیا؟ انھوں نے لکھا اور دیکھیے کس قدر جرأت سے لکھا کہ "ہندو عورت کا سہاگ اس کے شوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ بیوہ ہونے پر وہ دوبارہ شادی نہیں کرتی"۔ کہیے ہندو تو ہندو کتنے مسلمان ہیں جو ایسی جرأت کا اظہار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت انگریز کا دماغ عرش معلیٰ پر تھا اور اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ ذرا سی نافرمانی جان سے ہاتھ دھونے کا باعث بن سکتی تھی۔ لیکن دیوان جی نے اپنی دلی کیفیت اور رنج و الم سے مجبور ہوکر صاف بیانی سے کام لیا اور کوئی غلط عذر بھی پیش نہیں کیا۔

جس کے آبا و اجداد کی رگوں میں یہ خون دوڑ رہا ہو کہ ملک کو غلامی میں دیکھ کر اعلیٰ عہدوں پر لات مارنا باعث عزت و آبرو سمجھا جاتا ہو اس کو کیوں نہ پیدائشی پروانۂ آزادی اور شیدائے وطن سمجھا جائے اور آپ دیکھ لیجئے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے بھی یا نہیں؟

دیوان لکشمی پرشاد کے صاحبزادے منشی سیتل پرشاد اور ان کے صاحبزادے گنگا پرشاد تھے جو نواب بہو بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی پر بہ حیثیت دیوان خدمت انجام دیتے تھے۔ دیوان گنگا پرشاد کے فرزند منشی مہادیو پرشاد عاصی تھے جو ہمارے محترم گوپی ناتھ امن کے والد محترم تھے۔ یہ بہت خود دار شخص تھے۔ اسی وجہ سے کسی جگہ جم کر ملازمت نہیں کی۔ نو ملازمتیں ترک کرکے آخر میں لکھنؤ میونسپلٹی میں ہیڈ کلرک رہے۔ یہ تینوں زبانوں اردو فارسی اور ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ اردو فارسی میں ان کا تخلص عاصی اور ہندی میں داس اپنے نام کی رعایت سے مہیش تھا۔ عاصی صاحب کے استاد بال کرشن قمر لکھنوی تھے۔

جنہیں حضرت امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ عاصی صاحب نے سنہ ۱۹۳۳ء میں انتقال فرمایا

امن صاحب سنہ ۱۸۹۹ء میں محلہ غوث نگر لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدین کے زیر سایہ مکان پر ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں گویا ۹ سال کی عمر میں آپ آغوش مادر سے محروم ہوگئے لیکن ان کی تعلیم و تربیت میں فرق نہیں آنے دیا گیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں امین آباد ہائی اسکول میں آپ داخل ہوئے۔ اسی اثنا میں ہادی عزیز لکھنوی سے آپ کو عقیدت ہوگئی اور آپ مدرسہ کی نصابی تعلیم کے علاوہ ان سے استفادۂ سخن فرماتے رہے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں آپ نے انٹرنس پاس کیا۔ فارسی آپ کا اختیاری مضمون تھا۔ فارسی نژاد شاعر استاد محمد آغا صاحب کی نگاہ التفات نے اپنی جانب مائل کر لیا۔ استاد سے باقاعدہ فارسی درس حاصل کیا آپ کی ذہانت اور منکسر المزاجی سے آپ کے استاد بہت ہی خوش تھے۔

زمانہ کی فضا سازگار نہ ہونے سے آپ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ عدالت دیوانی لکھنؤ میں بہ حیثیت نقل نویس بمشاہرہ بارہ روپئے ماہوار مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں لکھنؤ میونسپلٹی میں اپنے والد صاحب کے ساتھ فرائض انجام دینے لگے سنہ ۱۹۲۰ء میں مختارشپ الہ آباد ہائی کورٹ، بورڈ آف ریونیو یوپی کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد پریکٹس شروع کی جس سال سنہ ۱۸۹۹ء امن صاحب پیدا ہوئے ان کے والد کانگریس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ یہ خاندانی جراثیم امن صاحب میں بھی پرورش پا رہے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں جب تحریک کانگریس زوروں پر شروع ہوئی۔ امن صاحب کا جذبہ آزادی خاموش کیسے رہ سکتا تھا۔ وہ جلسوں میں شرکت کرتے نظمیں پڑھتے اور قومی خدمت میں پیش پیش رہتے۔

چودھری خلیق الزماں مشہور کانگریسی کارکن رجو جیر تناک بلکہ مایوس کن طریقہ سے پاکستانی بن گئے اور بابو موہن لال سکسینہ وغیرہ کے ساتھ آپ نے مل کر کانگریس کی خدمات انجام دیں اور انتظامیہ کمیٹی کے رکن بھی رہے سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ نے میرٹھ میں اور ایک سال بعد غازی آباد میں پریکٹس شروع کی سنہ ۱۹۲۶ء میں پریکٹس کے زمانہ میں ہی آپ نے مسلم یونیورسٹی سے ایف اے کا امتحان پاس کیا اور سنہ ۱۹۳۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل ہوئے

اس عرصہ میں وہ اپنی زندگی قومی خدمت کیلئے پوری طرح وقف کر چکے تھے۔ چنانچہ ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کو بسلسلہ تقریر آپ کو غازی آباد جیل جانا پڑا اور ڈیڑھ سال تک سزا برداشت کی جولائی سنہ ۱۹۳۰ء میں غازی آباد سے فتح گڑھ سنٹرل جیل منتقل کئے گئے جہاں سے ۸ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء کو گاندھی ارون معاہدہ کے ماتحت آپ رہا ہوئے ۲۹ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کو دوبارہ گرفتاری عمل میں آئی جس کی وجہ ٹاؤن ہال کی ایک تقریر تھی۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں انھوں نے اخبار تیج میں ملازمت شروع کی اور صحافت کا یہ دور پندرہ سال تک قائم رہا سنہ ۱۹۴۲ء میں نظر بند کئے گئے جہاں سے سنہ ۱۹۴۴ء میں واپسی ہوئی آپ کی اہلیہ محترمہ بھی سرگرم کارکن کی حیثیت سے چھ ماہ کے لئے جیل گئیں لیکن جذبۂ قربانی اور "خود داری" کو "معافی" پر قربان نہیں ہونے دیا۔

سنہ ۱۹۴۷ء میں تیج ویکلی کی ادارت قبول فرمائی لیکن سنہ ۱۹۴۹ء میں بعض اسباب کی بنا پر قطع تعلق کر لیا۔

فیروز پور جیل میں آپ نے مولوی نور الدین صاحب بہاری سے باقاعدہ درس قرآن حاصل کیا۔ ترجمہ و تفسیر کا بہ ذوق مطالعہ کیا۔ لیکن عزیز استاد سے جدا ہو جانے کی وجہ سے علم تفسیر کی تکمیل نہ ہو سکی۔ عربی، فارسی، انگریزی،

ہندی، اردو کے علاوہ امن صاحب کو سنسکرت سے بھی لگاؤ تھا۔ گیتا پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ پنجابی اور گورمکھی سے آپ کو بہت ذوق تھا چنانچہ گرنتھ صاحب کا مطالعہ آپ نے باقاعدہ مکمل طور سے تین بار کیا ہے۔

امن صاحب نے مذہب کے متعلق کیا خوب لکھا ہے ؎

از مذہبم مپرس کہ مومن نہ کافرم
من رسیم ایں دیار ندانم مسافرم

ان کا مذہب صلح، امن و آشتی، شانتی ہے۔ اگر شری رام و شری کرشن کے متعلق تیج کے کرشن نمبروں میں ان کے مضمون شائع ہوتے ہیں تو اتنے ہی احترام و عقیدت سے گرو نانک کے متعلق "پنتھ" میں اور پیغمبر اسلام کے متعلق رسالہ "پیشوا" میں اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے متعلق "سرفراز" میں متعدد مضامین آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

انھوں نے اپنے بیٹے کو ۸ سال تک جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم دلائی، اور تربیت اور باہمی رواداری اور میل ملاپ کے خیال سے مسلم طلبہ کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس میں رکھا۔ پرائمری تعلیم دلانے کے بعد ثانوی تعلیم کے لئے ستندر ناتھ ریہ لڑکے کا نام ہی کو جامعہ میں داخل کیا گیا تھا جس نے جامعہ جونیر (میٹرک) جامعہ سینیر (انٹرمیڈیٹ) اور سند (بی اے) کے امتحانات جامعہ سے ہی پاس کئے۔ دارالاقامہ میں ہمارا یہ مایۂ ناز سپوت فرزند جس طرح رہا یہ خود آپ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کو جو اندیشہ تھا ہمیں خوشی ہے کہ وہ صحیح نہ نکل سکا۔ یعنی نماز پڑھنے کو نہیں کہا گیا۔ گوشت خوری کی ترغیب نہیں دی گئی بلکہ استادوں کے مدرسہ (ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ) کی رسوئی میں سبزی خور ہندو طلبہ کے ہمراہ کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسلامیات کا مضمون اس کیلئے لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ غرض کہ کسی قسم کی فرقہ ورانہ بات اس کو جامعہ میں نہیں سننی پڑی وہ ہماری ایک قیمتی جائداد تھی جس کی حفاظت ہم سب پر فرض تھی اور سچ پوچھئے تو اس شریف النفس طالب علم اور لائق ماں باپ کے بیٹے سے بھی کبھی کوئی بات ایسی سننے یا دیکھنے میں نہیں آئی جس سے پتہ چلتا کہ وہ ہندو مسلم میں کوئی فرق سمجھتا ہے یا مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے۔ اپنی خاندانی روایات کا اس نے بہت لحاظ رکھا اور نمونہ کی زندگی بسر کی۔ جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد میرٹھ سے ستیندر نے ایم اے کیا اور اب وہ لیبر منسٹری کے تحت ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں اور انشاء اللہ بہت جلد حکومت کے کسی ذمہ دار عہدہ پر سرفراز ہو کر مادر درسگاہ کی تعلیم و تربیت کا نمونہ پیش کر کے اس کا نام روشن کریں گے۔

امن صاحب کی ادبی خدمات سے بیشمار ہندو مسلم سکھ اخبارات و رسائل بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً الجمعیۃ، حریت، اجیت، ہند سماچار، ملاپ، پرتاب، ویر بھارت، انصاری، ترالی دنیا، آحسن، کیلاش، مانسرور، ادیب، رہنمائے تعلیم، شیر پنجاب وغیرہ وغیرہ۔

تصانیف میں (۱) دیوان حافظ کے سات سو اشعار کو ہندی اشعار میں منتقل کیا گیا ہے (۲) "سائمن کمیشن اور شیخ" ایک طنزیہ مزاحیہ نظم (۳) کانگریس کی ۵۰ سالہ زندگی ہندی رسم الخط میں لکھی ہے۔ نئے دور کے اردو شعرا کا تذکرہ اور کاروان و منزل۔

اب ہم امن صاحب کی تصنیف کاروان و منزل کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں

امن صاحب کے کلام کا یہ مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے پہلے اگر ان کی زندگی کے واقعات و حالات اور ماحول کو مدنظر رکھا جائے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے تو ان کے کلام کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یہ گذشتہ بیس سال کے نتیجۂ فکر کا ایک مختصر انتخاب ہے، جسے خود امن صاحب نے چھ دور میں تقسیم کر دیا ہے۔

(۱) ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۹ء (۲) ۱۹۴۲ء تک (۳) ۱۹۴۲ء کا زمانہ نظربندی (۴) آخر ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء (۵) ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک (۶) ۱۹۵۰ء تک۔

کتاب میں اس ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے یعنی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک کے زمانے کا کلام شروع میں ہے اور ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۹ء تک کا دور آخر میں دیا گیا ہے۔

یہ انتخاب غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی، مربع، مخمس، مسدس، مثنوی، گیت اور نظم آزاد سبھی کچھ ہے مگر کسی قسم کا کلام ہو اسپرٹ شروع سے آخر تک ہر مصرع میں وہی ملے گی۔ سنگم کی خوش قسمتی ہے کہ امن صاحب نے اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے لئے اسے نوازا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم اسے پبلک سے روشناس نہ کرا سکے اور کچھ اچھے پبلشر ثابت نہ ہو سکے تاہم امن صاحب کی شرافت کی یہ ایک اور بین مثال ہے کہ انھوں نے آج تک کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی حرف شکایت زبان پر نہیں آنے دیا اور یہ تک نہیں پوچھا کہ "کاروان و منزل" کی رفتار اشاعت کس منزل میں ہے۔

امن صاحب کے مختصر حالات زندگی اور کلام پر تنقید "کاروان و منزل" کے پیش لفظ" میں آپ پڑھ کر محظوظ ہوں گے جو جناب پروفیسر راجندر ناتھ شیدا ایم اے کے حقیقت نگار قلم سے کتاب کے شروع میں درج اور چودہ صفحات پر مشتمل ہے پروفیسر شیدا صاحب نے ان کے کلام کے ہر دور میں سے اقتباسات لے کر اور نمونہ پیش کر کے سیر حاصل بحث کی ہے جو کتاب سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہایت ممد و معاون ثابت ہوگی۔

امن صاحب کا کلام اتنا پاکیزہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اس کے ایک ایک مصرع سے ہم اپنے ناظرین کو روشناس کرائیں تاکہ امن صاحب کے صحیح جذبات و خیالات کا آپ بھی اندازہ لگا سکیں۔ مثلاً آزادی ملنے کے بعد کے دور میں جب اردو کو دیس نکالا دینے لگا تو ذیل کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

رواداری

اس بستی کی رونق ہم بھی جب ہیں بھی رہیں اور تو بھی رہے
مسجد بھی رہیں مندر بھی رہیں مسلم بھی رہے ہندو بھی رہے
ہندو کی زبان اردو بھی ہے مسلم کی زبان ہے ہندی بھی
آزاد وطن کی شان ہے یہ ہندی بھی رہے اردو بھی رہے

۱۹۴۲ء کی تحریک ہندستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے سچ پوچھئے تو انگریز کے پاؤں اسی میں اکھڑے تھے اور اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ ہندستان میں تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے خواہ کوئی حربہ بھی استعمال کیا جائے اور ہندو مسلمان کو آپس میں ایک دوسرے کا جانی دشمن بھی بنا دیا جائے تب بھی ہندستانی خانہ جنگی کے باوجود ملک کو آزاد کرا کر ہی دم لیں گے۔ اس زمانہ میں وائسرائے کے یہاں سے جو رپورٹیں لندن کو بھیجی جاتی تھیں ان میں صاف اعتراف ہوتا تھا کہ اب یہ تحریک دبنے والی نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ دوسرے نقطۂ نظر سے اس پر غور کیا جائے اور بوریا بستر گول کرنے کی فکر کی جائے تاکہ سلامتی سے نیا پار لگ سکے ورنہ ملک تو ہاتھ سے جائیگا ہی اندیشہ ہے کہ کچھ اور نقصان بھی برداشت کرنا پڑے، چنانچہ جب ۱۹۴۲ء میں تمام با اثر قومی کام کرنے والے اور لیڈر گرفتار کر کے اِدھر اُدھر بھیج دیئے گئے جن کا مدتوں تک پتہ نہ چل سکا کہ کون کہاں ہے اس وقت اس عالمگیر تحریک کے متعلق امن صاحب نے "کاروان و منزل" کے نام سے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اسے ہم پیش کرتے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے

ہیں کہ امن صاحب نے اپنے اس پورے مجموعہ انتخاب یعنی کتاب
کا نام ہی "کاروان و منزل" رکھا ہے۔
لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

نہ منزلوں کے کچھ نشاں نہ راہبر نہ رہنما
یہ نذرِ راہزن ہوئے وہ دھند میں گھر کے گم
مگر یہ کارواں چلا رواں دواں رواں دواں
دلوں میں جوشِ بیکراں لبوں پہ تھا بڑھے چلو
بڑھے چلو بڑھے چلو

صداؤں سے جو دل بڑھے قدم بڑھے
صدآفریں صدآفریں
روانگی میں زور تھا
زمین تھرتھرا اٹھی غبار بھی چھنٹ گیا ذرا
تمام اہلِ کارواں پکار اٹھے قریب ہیں
قریب ہیں قریب ہیں
ز بس تھا راستہ کٹھن، قدم قدم پہ راہزن
کہیں تو خارِ خشک تھے کہیں پہ گرم ریت تھی
بہت چلا بہت چلا، مگر یہ کارواں تھکا

وہ زور شور گھٹ گیا وہ ولولے بھی کم ہوئے
قدم میں لغزشیں ہوئیں خیالِ راہبر ہوا
تلاش کیجئے اسے مگر کہیں پتہ نہیں
مقامِ غور و فکر ہے

وہ دشمنانِ جوش جن کا غور و فکر نام ہے
مسافروں کے واسطے ہمیشہ سنگِ راہ ہیں
کچھ اہلِ کارواں ابھی تھکے نہیں یہ خبر ہے
وہ دشمنانِ فکر ہیں
صدائیں اُن کی ہیں یہی ابھی ذرا بڑھے چلو
کہ رہزنانِ راہزن بھی ہیں کہیں
جنھیں کچھ انتظار ہے
قدم بڑھا کے تم چلے گویا اک کسر رہی
قدم ذرا ملے نہیں
اگر قدم ملے رہیں تو چاہے سست رو بھی ہوں
رسائی ہو گی ایک دن

صدا یہ سن کے کارواں چلا ہے پھر امنگ سے
رانے گئے ہیں راہ رو مگر ہے عزم مستقل
رواں نہیں رواں ہیں یہ مگر قدم ملے ہوئے
تکان بھی ہے شوق بھی

خدا ہی جانے ہو گا کیا
عجب نہیں یہ کارواں گر پڑے مرے تھکے
مگر یہ اک جنوں زدہ کی ہے صدا
کہ منزلیں بھی کھنچ کے راہرو کی سمت آتی ہیں

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ حکومت ایسی اچھی کتابوں کی موجودگی کے باوجود نئی کتابیں درس میں داخل کرانے کی خواہش کیوں رکھتی ہے۔ امن صاحب نے اس کتاب میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کے حالات پر نہایت موثر طریقہ سے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اور جو صدا کسی ایک سچے دل سے نکلتی ہے وہ دوسرے کی گہرائیوں میں پہنچے بغیر نہیں رہتی اور اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔
ضرورت ہے کہ طلبہ کے مطالعہ میں اس قسم کا لٹریچر لایا جائے تاکہ انھیں بھی میدانِ سیاست کے شہسواروں کے جذبات اور احساسات کا علم رہے کہ آزادی کس طرح حاصل کی گئی ہے۔　　(ف۔ا)

بچوں کی تعلیم وتربیت

علم مجلسی

بچو اور بچیو! پچھلے پرچہ میں ہم نے "عجز وانکساری" کا سبق دیا تھا اور بتایا تھا کہ جہاں جاؤ جس سے بات کرو اور جس حال میں بھی رہو اس طرح زندگی بسر کرو کہ کسی کو تمہارے متعلق ذرا سا بھی یہ احساس پیدا نہ ہو کہ تم اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہو اور تمہیں کسی چیز کا گھمنڈ اور غرور ہے۔ اس کے لئے ہم نے فارسی کے مشہور شاعر عمر خیام کی ایک رباعی درج کی تھی اور اس کا ترجمہ اور تشریح بھی اردو میں لکھ دی تھی تاکہ تم اس کا مطلب سمجھنے کے بعد اس رباعی کو حفظ یاد کر لو۔

ہمیں امید ہے کہ تم نے اسے خوب اچھی طرح یاد کر لیا ہوگا۔ اس رباعی کے سبق کو بہت احباب نے پسند کیا۔ اسی پرچہ میں ہم نے ایک محترم بزرگ شری کرشن داس جی کا ذکر کیا ہے جن کی علمی قابلیت اور وسیع مطالعہ کا ہم پر گہرا اثر ہوا ہے۔ "شگوفے" میں ہم نے ان کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے اسے پڑھ لو۔ وہاں ہم نے لکھا ہے کہ رسالہ سنگم میں جب اس رباعی کو انھوں نے دیکھا تو نہایت خوش الحانی سے اسے پڑھا اور فوراً ہی اس کا منظوم ترجمہ بھی اسی انداز اور آواز میں سنایا لہٰذا اس مرتبہ ہم پھر وہی رباعی اور اس کا ترجمہ نظم میں درج کرتے ہیں تاکہ تم اس رباعی کے ساتھ ساتھ ترجمہ بھی یاد کر لو اور نہایت اچھے انداز میں اس کو پڑھو۔

اصل رباعی یہ تھی۔

در راہ چناں رو کہ سلامت نہ کنند
با خلق چناں زی کہ قیامت نہ کنند
در مسجد اگر روی چناں رو کہ ترا
در پیش نہ خواہند و امامت نہ کنند

اس کا ترجمہ یہ ہے :-

یوں نہ چل تو راہ میں خلقت کرے تجھ کو سلام
یا کریں تعظیم تیری مجلسوں میں خاص و عام
تو اگر مسجد میں جانا چاہتا ہے ، جا مگر
اس طرح مت جا کہ تجھ کو لوگ ٹھیرائیں امام

شری کرشن داس جی نے اردو کی ایک اور رباعی پڑھ کر سنائی جسے آپ بھی سنکر محظوظ ہوں گے۔ یہ بھی انکساری کی تعلیم دیتی ہے اور بہت خوب ہے :-

حکمت و عقل سے نہ طے منزلِ عشق ہو سکی
جلوہ گہ حبیب تک پہنچا تو انکسار کچھ
ذوقِ سلیم ہے اگر مضطربِ غم سے ساز رکھ
دینگے یہی نویدِ دوست سازِ الم کے تار کچھ

یہ تو گویا پچھلے سبق کا دہرانا تھا۔ اس مرتبہ ہم شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستاں سے ایک قطعہ درج کرتے ہیں جو صحبت کے متعلق ہے۔ اگر تم اچھی صحبت میں بیٹھوگے تو تم سے اچھے اور نیک کام سرزد ہوا کریں گے اور اگر تم بد لوگوں میں اٹھا بیٹھا کروگے تو تم میں بھی ان کی خرابیاں جڑ پکڑ لینگی اور تم ان سے

نہ بچ سکو گے۔ تمہاری خراب عادتوں کی وجہ سے لوگ تم سے نفرت کریں گے تمہاری اولاد پر بھی اس کا بُرا اثر پڑے گا نتیجہ یہ ہے کہ تمہارا پورا خاندان بدنام ہو جائے گا۔ خوشبودار اور معطر جگہ میں جاؤ گے تو وہ خوشبو تم میں بھی سرایت کر جائے گی اور یقیناً تمہارے لباس اور جسم سے خوشبو کی مہک پیدا ہونے لگے گی اور تم میں ایک جاذبی طاقت اور کشش پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے ہمیشہ کوشش کرو کہ تمہارا رہن سہن اٹھنا بیٹھنا اچھے لڑکوں میں ہو جو گالی نہ دیتے ہوں جو ماں باپ سے گستاخی نہ کرتے ہوں جو استاد کی عزت کرتے ہوں جو چھوٹوں پر سختی نہ کرتے ہوں جو غریبوں یا ملازموں پر ظلم نہ کرتے ہوں، جو فقیروں اور محتاجوں سے ترش روئی سے پیش نہ آتے ہوں۔ جو وقت ضائع کرتے ہوں جو دوسروں کے مال پر خراب نیت نہ رکھتے ہوں جو جھوٹ نہ بولتے ہوں اور جو ضرورت اور مصیبت کے وقت دوسروں کی مدد کرنے سے گریز نہ کرتے ہوں اور جو اپنے دشمنوں سے رواداری اور بڑے حوصلہ سے ملتے ہوں۔ لیجئے پڑھئے۔

گلے خوش بوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ترجمہ نمبر وار شعروں کے اعتبار سے)

(۱) ایک خوشبودار مٹی حمام میں ایک دن ایک محبوب کے ہاتھ سے مجھ کو ملی

(۲) میں نے اس سے کہا کہ تو مُشک ہے یا عبیر ہے۔ (عبیر ایک خوشبودار مرکب ہوتا ہے جس میں صندل گلاب مشک اور زعفران ہوتے ہیں) کیونکہ تیری دلکش خوشبو سے میں مست ہو گیا ہوں۔

(۳) اس نے کہا کہ میں ایک ناچیز مٹی تھی مگر مدت تک پھول کے ساتھ میری صحبت رہی۔

(۴) لہٰذا میرے ہم نشین کی خوبصورتی (خوشبو) نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جیسی کہ پہلے تھی۔

یہ ترجمہ اس قدر صاف ہے کہ کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں خصوصاً جبکہ اوپر ہم اس کا مضمون واضح کر چکے ہیں یقین ہے کہ بچے اسے بھی یاد کر لیں گے۔

تفریحات

پچھلے پرچہ میں ہم نے لکھا تھا کہ ریاضی کا مضمون عقل بڑھانے اور سوچنے کا مادہ پیدا کرنے اور عقلی دلائل کو زور دار بنانے میں خاص طور سے مدد کرتا ہے اور یہ مضمون بہت آسان اور دلچسپ بھی ہے۔

ہم نے لکھا تھا کہ سو تک گنتی یاد کر لو اور اسے لکھ بھی دیکھو۔ امید ہے کہ تم نے گنتی یاد کر لی ہوگی۔ اب ہم تمہارا امتحان لیتے ہیں۔ اپنے بڑے بھائی یا بہن یا ساتھی سے کہو کہ وہ تمہارے جوابات سنے اور تمہیں بتائے کہ تم نے جوابات صحیح دیئے ہیں یا غلط۔ اگر تمہارے جوابات صحیح نہیں ہیں یا ان میں کچھ خامی باقی ہے تو پھر یاد کرو۔

(۱) ایک سے سو تک ایک سانس میں گننے کی کوشش کرو اور سناؤ۔

(۲) الٹی گنتی جلدی جلدی سناؤ سوچنے کے لئے مت ٹھہرو یا رک رک کر مت سناؤ یعنی ۱۰۰ - ۹۹ - ۹۸ - ۹۷ - ۹۶ - ۹۵ - ۹۴ - ۹۳ - ۹۲ - ۹۱ - ۹۰ ..... ۵ - ۴ - ۳ - ۲ - ۱ تک پورے سو کی الٹی گنتی پوری کرو اسکی خوب مشق کرو۔

(۳) اب ایک ایک ہندسہ چھوڑ کر گنو ۱ - ۳ - ۵ - ۷ - ۹ - ۱۱ وغیرہ ۹۹ تک یا ۲ - ۴ - ۶ - ۸ - ۱۰ - ۱۲ ..... ۱۰۰ تک۔

(۴) پانچ پانچ کے فصل سے گنو ۵ - ۱۰ - ۱۵ - ۲۰ ... ۱۰۰ یا ۱ - ۶ - ۱۱ - ۱۶ - ۲۱ - ۲۶ .... ۹۶۔

(۵) یہی گنتی تم الٹی گنو مثلاً ۱۰۰ - ۹۸ - ۹۶ - ۹۴ - ۹۲ ... ۲ یا ۹۹ - ۹۷ - ۹۵ - ۹۳ - ۹۱ .... ۱ یا ۱۰۰ - ۹۵ - ۹۰ - ۸۵ - ۸۰ .... ۵ وغیرہ وغیرہ

جب تک تمہیں سیدھی الٹی یعنی جس طرح چاہو اس طرح گننا نہ آئے سمجھو کہ ابھی دماغ کی ٹریننگ نہیں ہوئی ہے۔ ذہن کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کے استادوں، والدین اور بڑے عزیزوں کو چاہیئے کہ وہ ہمارے بتائے ہوئے طریقہ پر بچوں کو یہ سب چیزیں سکھائیں اور ان سے سنیں اور انھیں بجلی کے بٹن دبانے کی طرح سے صحیح جواب فوراً دینے کی مشق کرائیں۔ یاد رکھئے حساب میں یہی چیز سب سے زیادہ مشکل ہے۔ اگر گنتی میں دماغ صاف ہو گیا تو آگے گاڑی کہیں نہیں رکے گی۔ بس باقی آئندہ۔

---

(۱)

ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے پرچہ میں ہم نے جتنے سوالات درج کئے تھے ان میں سے کسی ایک کا جواب لکھنے کی بھی کسی نے تکلیف نہیں کی صرف ایک صاحب (رہنما موحد نئی دہلی) نے لکھا ہے کہ بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ حالت بہت افسوسناک ہے۔ اس لئے ہم کوئی مزید سوال اس مرتبہ درج نہیں کریں گے۔ آپ انہی سوالات پر غور کیجئے۔

غالباً بچے انعامات کے منتظر رہتے ہیں اس لئے جس سوال کے لئے کوئی انعام نہ ہو اس کو ہاتھ نہیں لگاتے کیا ہمارا خیال صحیح ہے اور کیا یہ افسوسناک نہیں ہے۔

(۲)

دوسرے سوال میں ایک فقرے سے غلط فہمی ہو گئی ہے اس لئے شاید حل کرنے میں دقت ہوئی۔ لہٰذا بعد اصلاح ہم دوبارہ درج کرتے ہیں۔

۱

میرا پہلا روس میں ہے امریکہ میں نہیں،
میرا دوسرا جاپان میں ہے آسٹریلیا میں نہیں،
میرا تیسرا انگلستان میں ہے پاکستان میں نہیں،
میرا چوتھا مسلم لیگ میں ہے کانگریس میں نہیں
مگر میں خود دلی کا باسی ہوں بتاؤ میں کون ہوں؟

(۳)

تیسرے سوال میں جو آسان ضرب کے متعلق تھا ہم نے دیدہ و دانستہ ایک ایسی بات رکھدی تھی جسکی آسانی سے گرفت نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ کسی نہ کسی طرف سے اسکے متعلق ضرور اعتراض کیا جائیگا لیکن افسوس ہے کہ کسی شخص نے اس پر غور ہی نہیں کیا۔ اب کیا کیا جائے۔ اچھا اب تو ہم نے اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اس میں غلطی ہے بتاؤ وہ کیا ہے۔ شاباش دیکھیں کون ہشیار ہے۔

بچوں کا اپنا صفحہ

یہ صفحہ صرف "سنگم" کے خریدار بچوں کے لئے وقف ہے۔ اس میں ان کے اپنے لکھے ہوئے مضامین، کہانیاں چٹکلے لطیفے پہیلیاں وغیرہ دلچسپ چیزیں درج ہوا کریں گی جو زیادہ طویل نہ ہونی چاہئیں۔ خوشخط اور صاف لکھئے۔ سوالات کے جوابات بھی دیئے جائیں گے۔ ہر خریدار بچہ صرف ایک سوال دریافت کر سکتا ہے نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے جو چیز قابل انعام سمجھی جائے گی اس پر انعام بھی دیا جائے گا۔

ڈاک خانہ میں بلیک مارکیٹ

(کپتان صاحب ملازم کو اتوار کے دن تار دیتے ہوئے)
"یہ بہت ضروری تار ہے اس کو فوراً دے آؤ۔"
(ملازم دو گھنٹے کے بعد واپس آتا ہے) حضور ہر چیز میں بلیک مارکیٹ کا زور ہے۔ کل شام ہی تار دیا تھا تو بارہ آنے لگے تھے، آج دو روپیہ مانگتا ہے۔ دو گھنٹے تک خوشامد کی۔ اس سے لڑا جھگڑا مگر وہ کہتا ہے کہ یہ پوسٹ آفس ہے پوسٹ آفس! بھاجی بازار نہیں ہے جاؤ۔"
کپتان صاحب (جھلاتے ہوئے) "تم بالکل گدھے ہو! آج اتوار ہے۔ ڈبل چارج مانگتا ہوگا!"
ملازم۔ حضور آپ نے پہلے بتا دیا ہوتا۔ تین میل جاکر ابھی آیا ہوں۔ اب کل ہی کر دیجئے گا۔ آدھا دن تو گذر ہی گیا۔

(خواجہ احتشام احمد شارق جماعت پنجم سکتی۔ مدھیہ پردیش خریدار)

محمود اور بھیڑیا

محمود کو جانوروں اور خاص کر پرندوں سے بڑا پیار تھا گئی گھروں میں وہ اپنے ماں باپ کا لاڈلا تھا۔ ایک دن

اُس کی اماں جان نے اُس کے لئے نیلی چڑیا خرید کر اس کو ایک بڑے خوبصورت پنجرے میں ڈال کر محمود کے پاس لے گئی۔ اور کہا "لو یہ اماں کی طرف سے تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے"

محمود کو اس سے بہت خوشی ہوئی اور اُس نے اپنی اماں جان کے گلے میں محبت سے باہیں ڈال دیں

ایک دن محمود کی اماں جان کسی کام سے اپنے رشتہ دار کے ہاں گئیں۔ جانے سے پہلے بیٹے کو تاکید کی کہ پنجرہ کھولنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ چڑیا سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ لیکن محمود تو اس سے کھیلنا چاہتا تھا۔ بھلا وہ یہ بات کب سننے لگا تھا۔ اماں جان کے گھر سے باہر قدم نکالنے کی دیر تھی کہ اس نے پنجرہ کھول دیا۔ چڑیا کو موقع مل گیا وہ اڑی اور ہوا ہو گئی۔

محمود کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ اس کو اماں جان کے ناراض ہونے کا بھی خوف تھا۔ وہ چڑیا کے پیچھے بھاگا۔ چڑیا اڑتی گئی اور محمود اس کے پیچھے بھاگتا گیا ـــــ بھاگتے بھاگتے ـــــ وہ گھر سے بہت دور ـــــ بہت ہی دور نکل آیا اور کھیتوں اور باغوں میں آکر راستہ بھول گیا۔

محمود کو گھر سے نکلے بہت دیر ہو گئی تھی، اس کا دل گھر پہنچنے کے لئے بہت بے قرار تھا۔ وہ گھر کی تلاش میں ادھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور رات ہو گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے اللہ کے بھروسہ پر بیٹھا اپنی حالت کو سوچتا رہا اور اماں جان کو زور زور سے آوازیں دیتا رہا۔ لیکن اندھیری رات میں جب کسی طرف سے بھی کوئی آواز نہ آئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے اور آنسوؤں سے اپنا منہ دھونے لگا

اچانک دور سے اُس کو ہلکی سی روشنی ٹمٹماتی دکھائی دی محمود جھٹ خوشی خوشی اُس کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر میں ایک چھوٹی سی سبز رنگ کی جھونپڑی کے پاس پہنچا جو کہ پہاڑ کے نیچے تھی اور جس کے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا جس کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ اس کے اندر چلا گیا۔ اس کو کیا خبر تھی کہ اس میں ایک خونخوار بھیڑیا رہتا ہے۔ محمود کو گھر میں ایک جگہ بہت سا کھانا پڑا مل گیا جسے وہ خدا کی طرف سے امداد سمجھا۔ کھانا دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا اور اللہ کا نام لیکر اس نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سونے کی فکر ہوئی۔ پاس ہی ایک پلنگ پر بستر بچھا ہوا تھا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ تھا اس پر پڑتے ہی سو گیا۔ خواب میں بھی نیلی چڑیا کا خیال آتا رہا۔

صبح کو جب بھیڑیا گھر لوٹا اور بچے کو بستر پر لیٹا ہوا دیکھا تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور غرایا اور اس کو پھاڑ کھانے کو لپکا محمود ڈر کر نیند سے چونک اٹھا۔ بستر سے چیخ مار کر نیچے اترا اور وحشی بھیڑیے سے جان بچانے کو جھونپڑی سے نکل بھاگا۔ سامنے اس کو بہت بڑا درخت دکھائی دیا وہ تیزی سے بھاگ کر اس کی طرف بڑھا۔ بھیڑیا غصہ میں غراتا ہوا اس کے پیچھے بھاگا مگر محمود پھرتی سے درخت کی ایک موٹی شاخ پکڑ اوپر چڑھ گیا اور اس کے دو تنوں کے درمیان بیٹھ کر زور زور سے چلانے لگا: بھیڑیا! بھیڑیا! ایک کسان نے اس کی آواز سنی تو اپنی لاٹھی سنبھال کر فوراً اس درخت کی طرف گیا تاکہ چیخنے کی وجہ معلوم کرے۔

کسان درخت کے پاس پہنچا تو بچے کو اس پر بیٹھے چلاتے اور بھیڑیے کو اس کے نیچے بھونکتے اور اس پر چڑھنے کی کوشش کرتے دیکھا۔ یہ دیکھ کر اس نے اس وحشی کے سر پر اس زور سے لاٹھی جمائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس طرح محمود کو چھٹکارا ملا۔

محمود آرام و اطمینان سے درخت سے اترا۔ کسان نے پوچھا: تم یہاں کیا لینے آئے تھے؟

اُس نے اول سے آخر تک چڑیا کی کہانی کہہ سنائی

کہانی سن کر کسان نے کہا: اگر تم نے اماں جان کا کہنا مانا ہوتا تو اس مصیبت سے دوچار کیوں ہوتے۔ یہ سن کر محمود اپنی غلطی پر نادم ہوا۔

کسان محمود کا ہاتھ پکڑ کر اس کو گھر چھوڑنے گیا۔

گھر پہنچا تو دیکھا اس کی والدہ اپنے بچے کو گھر سے غائب پاکر اداس اور غمگین ہے۔ محمود کو دیکھتے ہی اس کا دل باغ باغ ہوگیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اس نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ رو رو کر کہہ رہا تھا:

"امی جان! اب میں آپ کا سب کہنا مانا کروں گا۔"

اُس دن سے محمود فرماں بردار لڑکا بن گیا۔ اُس کی اماں جان اُس سے بہت خوش رہتی اور وہ اپنی تعلیم کا کام محنت سے کرتا۔ اس کے استاد اُس سے بہت خوش رہنے لگے۔ اس کی امی جان نے اس کو بہت سے تحفے و تحائف دیے۔ محمود کو معلوم ہوگیا کہ ماں باپ کی بات ماننے سے بہتر دنیا میں کوئی چیز بھی نہیں۔ یہ بھی ایک عبادت ہے۔ فقط

محمد مظہر الحق عثمانی

جماعت پنجم فریق ج۔ بگھیانہ ضلع جھنگ۔ پاکستان

سنگم بال سبھا

اس عنوان کے تحت ہم ان بچوں کے متعلق مختصر معلومات یا انکے حالات زندگی درج کیا کرینگے جو ہماری سنگم بال سبھا کے ممبر ہیں یا رسالہ سنگم کے خریدار ہیں سنگم بال سبھا کے ممبروں کی تصاویر بھی شائع ہوا کریں گی تاکہ آپ گھر بیٹھے ہی ایک دوسرے سے ملاقات کرسکیں۔

ایک دوسرے سے آپ براہ راست خط و کتابت بھی کرنا چاہیں تو ضرور کیجیے۔ ہمیں یقین ہے کہ سب بھائی بہن ایک دوسرے کے خطوط کا جواب ضرور دیا کرینگے۔ اگر آپ کوئی سوال جو عام دلچسپی یا معلومات کا ہو رسالہ میں درج کرانا چاہیں تو ہم بخوشی اسکو درج کر دینگے اور توقع رکھیں گے کہ اس کا جواب (اگر وہ ہم سے نہ کیا گیا ہوگا تو) کسی نہ کسی ممبر کی طرف سے ضرور آئے گا جو اگلے پرچہ میں درج کر دیا جایا کریگا۔ غیر ممبر اصحاب کے سوالات کا جواب بھی دیا جاسکیگا جو عام معلومات کے لئے مفید ہوگا۔

سوال ۱

شفیق احمد صاحب میرٹھ نے دریافت کیا تھا کہ "ہماری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی کہ تعلیمی تاش میں کچھ "لفظوں" کے کارڈ تو چار چار ہیں اور کچھ "لفظوں" کے دو دو اور میزان ان سب کی کل ۹۶ ہے ان کی تعداد کیا اتنی ہی ہوتی ہے یا کچھ زیادہ۔ اگر اتنی ہی ہوتی ہے تو یہ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے میری رائے میں تو ہر "لفظ" کے کارڈ چار چار ہی ہونے چاہئیں وغیرہ وغیرہ"

اس سوال کا جواب علیحدہ خط کے ذریعے دیا جاچکا ہے چونکہ یہ عام معلومات کے متعلق بھی ہے اس لئے یہاں بھی درج کیا جاتا ہے

تعلیمی تاش میں ۹۶ حروف ہوتے ہیں (لفظ نہیں بلکہ حروف) جن حروف کا استعمال زیادہ ہوتا ہے اور جن کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے ان کی تعداد زیادہ رکھی گئی ہے اور جن کی ضرورت کم پڑتی ہے وہ کم ہیں۔ بہت سوچ وچار اور تجربہ کے بعد تعداد مقرر کی گئی ہے اور تقریباً بیس پچیس سال سے بغیر کسی شکایت یا دقت کے یہ تاش نہایت کامیابی کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔ اب ہم تمام حروف کی صحیح تعداد لکھے دیتے ہیں تاکہ آپ کو مزید اطمینان ہوجائے۔ تعلیمی تاش میں ۳۶ مختلف حروف ہوتے ہیں ۱۲ حرف چار چار، ۲۴ دو دو، جملہ ۹۶

[ا]۔ ب۔ پ [ت] ٹ۔ ث۔ ج۔ چ۔ ح۔ خ [د] ڈ۔ ذ

[ر]۔ ڑ۔ ز۔ ژ۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق

[ک]۔ گ۔ [ل] [م] [ن] ۔ [و] [ہ] [ی] [ے]

جو حروف چوکھٹے میں لکھے گئے ہیں وہ چار چار باقی سب دو دو ہوتے ہیں۔

آپ کی رائے اور مشورہ کی ضرورت ہے

سنگم بال سبھا کے ممبروں سے ۸ ر ماہوار لئے جاتے ہیں یا سال بھر کے پانچ روپے لیکر چھ روپے کی کتابیں بھیجی جاتی ہیں اور دونوں صورتوں میں محصولڈاک ہم ادا کرتے ہیں اور ثبوت کے لئے کہ کتابیں بھیجی ہیں یا نہیں ہم ڈاک خانہ سے پوسٹل سرٹیفکیٹ لے لیتے ہیں جس پر دو پیسے کا ٹکٹ لگاکر ڈاک خانہ سے مہر لگوالی جاتی ہے اس کے بعد ہم بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ رسید رجسٹری کی طرح ڈاک خانہ کی ذمہ داری کی نہیں ہوتی محض ڈاک خانہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ فلاں پتہ کا لفافہ یا پیکٹ وصول ہوا یعنی رجسٹری کی طرح ڈاکخانہ کا محکمہ اسکا منزل مقصود پر پہنچ جانے کا قانونا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اس لئے کچھ عرصہ سے ہمارے بہت سے پیکٹ بال سبھا کے ممبروں کے پاس نہیں پہنچتے اور کتابیں راستے میں ہی گم ہو جاتی ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ رسید ہوتی ہے اس لئے ہم دوبارہ بھیجنا ضروری نہیں سمجھتے اور اراکین کے پاس چونکہ کتابیں نہیں پہنچتیں اس لئے وہ مطالبہ جاری رکھتے ہیں۔ لہذا بہت دقت پیش آرہی ہے۔ مزید براں سنگم بال سبھا جاری ہونیکے وقت بک پوسٹ پیکٹ تین پیسہ میں جاتا تھا۔ اب ایک آنہ ہو گیا ہے۔ پہلے رجسٹری چار آنہ میں ہوتی تھی۔ اب چھ آنے میں جاتی ہے۔ پہلے لفافہ ڈیڑھ آنے میں جاتا تھا اب دو آنے میں جاتا ہے۔ اس لئے مصارف ڈاک بھی بڑھ گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں بہت نقصان ہو رہا ہے اگر کتابیں ہمارے ممبروں کو ملتی رہیں تو بھی ہم محصولڈاک کے اضافہ کے اخراجات برداشت کرنا گوارا کریں گے لیکن ہمیں اطمینان نصیب نہیں ہوتا کیونکہ متعدد شکایات آتی ہیں اسلئے ایک تجویز یہ آئی ہے کہ کتابیں ہر مہینے کی بجائے تیسرے مہینے بھیجی جایا کریں اور رجسٹری کراکر بھیجی جائیں۔ محصولڈاک کا خرچ تو ہم حسب قاعدہ سنگم بال سبھا کی طرف سے ادا کریں لیکن رجسٹری کی فیس ممبران ادا کریں۔ ہر مہینے ۸ ر کی کتاب پر ایک آنہ یا دو آنہ کا ٹکٹ ڈاک اور چھ آنے رجسٹری میں خرچ کرنا تو ناقابل برداشت ہے کیونکہ کتاب دگنی قیمت میں پڑے گی اس لئے تجویز ہے کہ سال بھر میں چار مرتبہ کتابیں بھیجی جایا کریں اور چار مرتبہ کی رجسٹری کی فیس ڈیڑھ روپیہ اراکین سے وصول کی جائے یعنی اراکین اگر پانچ روپے کی بجائے ساڑھے چھ روپے سالانہ ادا کریں تو ہم کل چھ روپے کی کتابیں چار مرتبہ میں رجسٹری کرکے بھیجیں گے اور محصولڈاک ہمارے ذمہ ہوگا

لیکن ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارے سب ممبر رسالہ سنگم بھی خریدیں کیونکہ اسمیں ہر مہینے انکے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور ہوا کرے گا۔ اس لئے اگر وہ ساڑھے آٹھ روپے سالانہ ادا کریں تو ہر مہینے رسالہ سنگم اور چار مرتبہ کتابیں بذریعہ رجسٹری بھیجی جایا کریں گی جنکی مجموعی قیمت چھ روپے سال ہوگی۔

ہمیں خوشی ہے کہ سب سے پہلے حیدرآباد دکن سے ہماری سرگرم رکن فرحت جہاں ہاشمی اور خدیجہ جہاں ہاشمی سلمہا نے بہت زور سے اسکی تائید کی اور بال سبھا کا سالانہ چندہ اور رسالہ سنگم کا سالانہ چندہ اور رجسٹری کا خرچ ادا کرنا منظور کرلیا۔

اس خرچ کو کم کرنے کیلیے ہماری ایک اور تجویز یہ ہے کہ اگر کسی شہر سے دو یا دو سے زائد بچے بال سبھا کے ممبر ہوں تو رسالہ سنگم تو عام قاعدہ کے مطابق ہر ایک کے پتہ پر علیحدہ علیحدہ ہم بھیجتے رہیں گے لیکن کتابیں کسی ایک پتہ پر جو وہ باہمی مشورہ سے طے کرلیں ہم رجسٹری کے ذریعہ بھیجدیا کریں ہر ایک ممبر کی کتاب پر علیحدہ علیحدہ اسکا نمبر درج ہوگا جس سے وہ بغیر کسی اختلاف یا جھگڑے کے اپنی اپنی لے لیا کرینگے اس سے رجسٹری کا خرچ سب میں برابر تقسیم ہو جائیگا کیونکہ رجسٹری کی فیس تو خواہ وہ ایک کتاب کی ہو یا دس کی چھ آنے ہی ہوتی ہے اگر چار ممبر بھی ایک جگہ ہوں تو ہر ایک کو سال بھر میں صرف ایک ایک آنہ کی فیس دینی پڑے گی اب آپ اسکا فیصلہ کیجیے ورنہ ہم تو پوسٹل سرٹیفکیٹ کے ذریعہ ہی کتابیں بھیجیں گے خواہ آپکو ملیں یا نہ ملیں نہ پہنچنے کی صورت میں ہم دوبارہ اپنے

انعامی مقابلے

انعامی مقابلوں کیلئے کوئی فیس داخلہ نہیں ہے اور نہ کوئی اور شرط ہے البتہ انعامی مقابلوں کیلئے کہانی یا مضمون لکھنے کی چند شرائط ہیں جو علیحدہ کتابی صورت میں چھپوا کر ہر ایک کو مفت دیجاتی ہیں ان پر افسوس ہے کسی نے توجہ نہیں کی ہم نے اسقدر رعایت دی ہے اور اتنی بار اسکی طرف توجہ دلائی ہے کہ اب ہمیں خود اسکا ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ انعامی مقابلہ میں شریک ہونے والوں نے ان شرائط کو مدنظر نہیں رکھا۔

دوسری بات جسکا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا خیال تھا کہ فارغ التحصیل لوگ جو کہانیاں لکھنے یا مضمون نگاری کرنیکی عادت یا شوق یا مشق رکھتے ہیں وہ کہانیاں لکھینگے اور اگر طلبہ لکھینگے تو وہ یا تو کالج کے طالبعلم ہونگے یا ہائی سکول کے اردو میں غیر معمولی قابلیت رکھنے والے طلبہ ہونگے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پرائمری اور مڈل کلاس کے لڑکے اور لڑکیوں نے بھی مقابلے کیلئے کہانیاں بھیجی ہیں جو ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی معیاری نہیں ہوسکتیں اور جس معیار کی کہانیاں لکھوانے کا مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

البتہ اس سے ہمیں یہ احساس ہوا کہ مدرسہ کے طلبہ کیلئے بھی انعامی مقابلے ہونے چاہئیں اسلئے ہمنے آئندہ سے بچوں کے لئے انعامی مقابلوں کا سلسلہ علیحدہ جاری کرنا طے کیا ہے تاکہ انھیں بھی لکھنے کا شوق پیدا ہو اور وہ اس طرف متوجہ ہوں اور محنت سے لکھنے پڑھنے میں مشغول رہیں۔

پچھلے پرچہ میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ جون ۱۹۵۳ء اور اگست ۵۳ء کے اشتہارات کے بعد جو کچھ کہانیاں موصول ہوئی تھیں وہ چونکہ دو دو تین تین سے زیادہ نہیں تھیں اس لئے انعامی مقابلہ ہی نہیں ہوا وہ محفوظ ہیں اور اب اگر ان کے لکھنے والے چاہیں تو انھیں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ہمنے سب کو پرچہ بھیجا لیکن سوائے ایک دو کے کسی نے جواب نہیں دیا۔ تاہم ہمنے بطور خود تمام کہانیاں جو پہلے کی وصول شدہ ہیں اس نئے اعلان کے بعد آنے والی کہانیوں میں شامل کردی ہیں۔ اب کل کہانیوں کی تعداد ۱۹ ہوگئی جن میں سے ۹ کی تفصیل ہم جولائی کے پرچہ میں درج کرچکے ہیں بقیہ دس کہانیاں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ محمد منظور الحق عثمانی لکھیانہ جھنگ (پاکستان)، "محمود اور بھیڑیا"

۲۔ بابو بشیر لطیف احمد سہارنپور (۱) با وفا دوست

(۲) دغاباز دوست

۳۔ خدیجہ سلطانہ ہاشمی حیدرآباد دکن "علم کی برکت"

۴۔ فرحت ہاشمی " " "ارشد"

۵۔ ظہیر الدین احمد کلکتہ "مسکراہٹ"

۶۔ نذیر رحمانی بھوپال (۱) "کہانی" (۲) "اکرم اور ارشد"

۷۔ حمیدہ سلطان انصاری بھوپال "اشرف"

۸۔ معین الدین قریشی بھوپال "خزانہ"

ان میں سے ججوں کے مشورہ کے مطابق کچھ کہانیاں اس مقابلہ سے نکال کر دوسرے میں رکھدی گئی ہیں جنکی تفصیل مع نتائج آئندہ پرچہ میں حسب اعلان سابق شائع کی جائیں گی۔

آئندہ کے لئے انعامی مقابلہ

چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کے بچے اپنی کاپی کے ۲ صفحوں پر ایک مضمون لکھکر بھیجیں۔ کاغذ کے ایک ہی طرف لکھیں ایک ایک سطر چھوڑ کر لکھیں قلم اور روشنائی سے لکھیں پنسل سے نہیں۔ الفاظ کے ہجے بھی صحیح لکھیں کانٹ چھانٹ سے جہانتک ہو پرہیز کریں تین پیسہ کا ٹکٹ یا اپنے پتہ کا پوسٹ کارڈ ضرور بھیجیں۔ اپنا پتہ صاف لکھیں خصوصاً ڈاک خانہ اور ضلع کا نام، اپنی عمر اور درجہ اور

اسکول کا نام صحیح درج کریں۔ مضمون کا عنوان یہ ہو "میں نے پچھلے پانچ برس میں سب سے اچھا اور نیک کام کیا کیا"۔ اس کا پورا حال لکھیں اور اس پر سرپرست یا استاد کی تصدیق کرا کر بھیجیں کہ واقعی اس طالب علم نے یہ کام کیا تھا اور یہ مضمون خود اس نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ پہلا انعام دس روپے۔ دوسرا چھ روپے، تیسرا چار روپے خواہ نقد خواہ بشکل کتب۔

تمام مضامین ۳۱ اکتوبر تک آجانے چاہئیں۔ انعامات کے نتائج نومبر کے پرچہ میں شائع ہوں گے۔

کچھ ہنر سیکھئے

ملک میں بے روزگاری کا بہت شور ہے جس کے لئے بہت سے منصوبے بنائے جا رہے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ بے روزگاری کی زیادہ تر وجہ "حیثیت" ہے۔ یعنی میں اپنے آپکو بعض کاموں کا اہل نہیں سمجھتا کیونکہ مجھ میں ان کے کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ حالانکہ اگر میں ہمت کروں اور مشق کروں تو میں انکے کرنے کے قابل ہو سکتا ہوں اور بعض کام میں اپنی "حیثیت" سے کم تر سمجھتا ہوں یعنی ان کے کرنے سے میں لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاؤں گا۔ بھوکا مرنا منظور، بچوں کو فاقے کرانے منظور لیکن کم حیثیت کا کام نہیں کریں گے تاہم اگر ہم چاہیں تو ذرا سی عقل لڑانے پر معاش کا راستہ نکال سکتے ہیں۔

بیجوں کی تجارت

(۱) ککڑی۔ کھیرے۔ خربوزہ اور تربوز کے سیروں بلکہ منوں بیج ہر سال سڑکوں پر پڑے ضائع ہو جاتے ہیں ان کو اگر اکٹھا کر لیا جائے یا کسی بچے کو دو چار پیسے دیکر جمع کر لئے جائیں تو چار پانچ سیر کو راکھ میں ملا کر خوب مل لیں اور ان کے ساتھ جو لعاب سا لگا ہوتا ہے اسے خشک کر کے نہر۔ جوہڑ یا کنوئیں پر یا گھر میں ہی دھو کر صاف کر لیں اور دھوپ میں سکھا لیں تو بہت اچھے داموں پر فروخت ہو سکیں گے۔ اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا اور بیج جمع کرنے والے بچے کو بھی۔

(۲) بیجوں کو راکھ سے مل کر صاف کرنے اور دھونے سے جو راکھ نکلے اسے بھی جمع کر کے ایک گڑھے میں محفوظ کرتے جاؤ اس میں درختوں کے پتے اور گوبر بھی ملاتے رہو۔ دو تین مہینے کے بعد بہت عمدہ کھاد تیار ہو جائے گی جو ککڑیوں خربوزوں وغیرہ کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔

(۳) آپنے بازار میں ان بیجوں کی گریاں بکتی دیکھی ہونگی آپکو خیال ہوگا کہ چونکہ ان کے نکالنے میں خصوصاً پوری گری نکالنے میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے اسلئے یہ مہنگی فروخت ہوتی ہیں یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ ہر ایک کو وہ ترکیب معلوم بھی نہیں ہے جو ہم تمہیں بتا رہے ہیں عورتیں اور بچے ہاتھوں سے ایک ایک بیج توڑ کر گری نکالا کرتے ہیں اور بعض اوقات منہ سے بھی کام لیتے ہیں جو حفظان صحت کے بالکل خلاف ہے اور مذہبی اعتبار سے بھی برا ہے اور پھر اسمیں دیر بھی بہت لگتی ہے۔ لہذا آسان طریقہ یہ ہے کہ گوند کے لعاب میں ان بجھا چونا ملاکر اس میں بیجوں کو تر کر کے دھوپ میں رکھ دیجئے۔ دھوپ لگتے ہی بیج پھٹ جائیں گے۔ تب پھٹک کے مغز الگ کر لیں اور چھلکے الگ اور خوب نفع کمائیے آجکل بیج جمع کرنے کا موسم نہیں ہے لیکن جنکے پاس کچھ تھوڑے بہت ہوں وہ مندرجہ بالا ترکیب استعمال کر کے مغز نکالنے کی مشق کر لیں تاکہ آئندہ موسم میں سہولت رہے اور بہت بڑے پیمانہ پر آپ انکی تجارت کر سکیں۔ اپنے تجربہ سے ہمیں بھی مطلع کیجئے۔

ریشمی کپڑوں سے چکنائی کے دھبے دور کرنا

جس جگہ چربی یا تیل لگا ہو اس پر ان بجھا چونہ قلعی کا لگا دو اور کسی بوجھ کے نیچے دبا دو۔ تمام چکناہٹ چونہ میں جذب ہو جائیگی اور کپڑا صاف ہو جائے گا۔

تنقید و تبصرے

۱۔ کتب

زہروں کا علاج مصنفہ حکیم صابر رضا ادیب دفتر رسالہ الطبیب لکھنؤ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ سائز $\frac{20\times30}{16}$ صفحات ۹۶ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ رف۔

یہ کتاب مصنف نے بہت محنت سے تیار کی ہے اور وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے اسے تو اس سے بہت پہلے تیار ہو جانا چاہیئے تھا۔ کونسا انسان ہے جسے کسی نہ کسی زہریلی چیز سے سابقہ نہ پڑتا ہو۔ دیدہ و دانستہ یا غلطی سے زہر پیٹ میں چلا جاتا ہے یا زہریلے جانور کے کاٹنے سے مہلک اثر ہو جاتا ہے۔ ان سب کے کئی کئی علاج اس کتاب میں بہت تحقیق سے درج کئے گئے ہیں۔ مچھر کھٹمل۔ بھڑ بچھو، سانپ، نیولا، چوہا، لومڑی، بلی، کتا۔ جونک، مکھی، انسان وغیرہ وغیرہ کے کاٹے کے علاج۔ سنکھیا۔ کچلا۔ شنگرف، ہڑتال پارہ۔ توتیا۔ افیون۔ بھنگ تمباکو۔ دھتورہ۔ جمال گوٹہ وغیرہ وغیرہ زہریلی چیزوں کے کھا جانے کے علاج اتنے آسان دئیے ہیں کہ ضرورت کے وقت بہت آسانی سے ان پر عمل کرنے سے انسان کی جان بچ سکتی ہے۔ اس کتاب کا ہر گھر میں خصوصاً بال بچوں کے گھروں میں رہنا نہایت ضروری ہے۔

(یہ کتاب سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار دہلی سے بھی مل سکتی ہے)

قاموس القرآن مؤلفہ قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی سائز $\frac{20\times30}{16}$ صفحات ۸۰۰ لکھائی چھپائی بہت خوب اور کاغذ سفید چکنا۔ قیمت غیر مجلد سات روپے مجلد آٹھ روپے۔ ملنے کا پتہ (۱) مکتبہ علمیہ قاضی واڑہ شہر میرٹھ

(۲) کتب خانہ رحیمیہ اردو بازار۔ دہلی

(۳) ہاشمی بک ڈپو ۹۶۲ پیر الہی بخش کالونی کراچی ۵ (پاکستان)

(یہ کتاب سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار دہلی سے بھی مل سکتی ہے)

یہ قرآنی ڈکشنری ہے جسمیں تمام الفاظ قرآنی کا صحیح اردو ترجمہ اور انکی مکمل صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے اور انھیں اصلی صورت میں بہ ترتیب حروف تہجی درج کیا گیا ہے۔ ہر مشتق کا مصدر بھی درج ہے اسم ہونیکی صورت میں جمع اور واحد بھی بتائے گئے ہیں بعض اہم الفاظ کے متعلق مدلل اور تشریحی نوٹ بھی درج ہیں۔ قرآن کریم کی مخصوص اصطلاحات کی تشریح تعلیمات قرآنی کے اہم پہلو اجاگر کرنے کے لئے بہت خوب کی گئی ہے اور بعض حوالے بہت احتیاط سے مع ماخذ کے بقید صفحہ و جلد درج کئے گئے ہیں۔

یہ کتاب اپنے افادہ کے لحاظ سے یقیناً بہت بیش قیمت ہے اور سچ پوچھئے تو قاضی صاحب نے بہت محنت اور کاوش سے یہ خدمت انجام دی ہے جو قرآن کریم کی بہت بڑی خدمت ہے

قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے والوں کے لئے تو بڑی اہمیت رکھتی ہی ہے عوام الناس کے لئے بھی بہت مفید ہے تشریحی نوٹوں نے تو اسے چار چاند لگا دئیے ہیں۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان اور عربی جاننے والے ہر غیر مسلم کے ہاں اس کتاب کا ہونا بہت ضروری ہے۔

۲۔ رسائل و اخبارات

ماہنامہ الطبیب لکھنؤ زیر سرپرستی رئیس الاطبا حکیم مولوی عبدالحلیم صاحب ممبر بورڈ آف انڈین میڈیسن یو۔پی و رئیس اعظم لکھنؤ۔ چیف ایڈیٹر حکیم صابر رضا صاحب ادیب۔ مقام اشاعت شفا منزل کٹرہ ابوتراب لکھنؤ۔ ترقی پسند اطبائے ہند کا ترجمان ہے۔ چندہ سالانہ ڈیڑھ روپیہ ضخامت آٹھ صفحات۔

طبی معلومات کی خبریں ایک دو مردانہ یا زنانہ امراض کی مفصل تشریح اور ان کے علاج۔ چند بہتری اصول زندگی بعض مجرب دواؤں کا ذکر مع تجربات کی تفصیل کے اسمیں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ کم فرصت لوگوں کیلئے مختصر سا ماہانہ طبی رسالہ بہت مفید معلوم ہوتا ہے۔ اطباء کے علاوہ عوام کے لئے بھی اس کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

اخبار الفاروق کامٹی (مدھیہ پردیش) فی پرچہ دو آنے

یہ ہفتہ وار اردو اخبار خاص طور سے سی۔ پی۔ مدھیہ پردیش کے غریبوں، مزدوروں اور مظلوموں کی ترجمانی اور حمایت بہت جرأت سے کرتا ہے اور نہایت بیباکی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولوی عبدالستار صاحب فاروقی بہت کہنہ مشق اخبار نویس ہیں جو مسائل حاضرہ پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے حقوق اور مقصد کے لئے سینہ سپر ہو کر بحث کرتے ہیں۔ سی۔ پی کا یہ اخبار بہت پرانا پرچہ ہے اور فاروقی صاحب نے اپنے اخبار کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے ہمیں اس سے پورا اتفاق ہے۔ امید ہے کہ جس طبقہ کی یہ ترجمانی کرتا ہے وہ اس کی پوری مدد کرے گا۔

ہفت روزہ رہنما مقام اشاعت قاسم آباد کراچی ۵

مدیر اعلیٰ محمد حسام الدین خان صاحب غوری۔ سالانہ قیمت قسم اول ۱۲ قسم دوم ۸ ۔ فی پرچہ ۴ ر

نوجوانوں میں صحیح فکر و نظر پیدا کر کے ان کو مستقبل کے لئے تیار کرنا۔ مہاجر و انصار میں بھائی چارگی قائم کر کے اخوت اسلامی پیدا کرنا ملک کے معاشی و اقتصادی مسائل کا حل پیش کرنا۔ موجودہ غلط ذہنیت اور سیاست کے دھارے کو بدل کر "صراط مستقیم" کی رہنمائی کرنا، ممالک اسلامیہ میں ربط و تنظیم کی سعی کرنا۔

معیاری مقالات و مضامین، دلکش افسانے اور ولولہ انگیز نظموں کے علاوہ تازہ ترین حوادث و واقعات پر سیر حاصل تبصرہ آپ کی تشنگی ذوق کی تسکین کا باعث ہوگا۔

اس کے کئی نمبر موصول ہو چکے ہیں۔ ان میں عورتوں اور بچوں کے لئے بھی صفحات مخصوص ہیں۔ سنگم کے دگنے سائز پر شائع ہوتا ہے۔ متعدد تصاویر سرورق کے چاروں صفحات پر ہوتی ہیں۔ مضامین نہایت قابل لوگوں کے قلم سے ہوتے ہیں۔ اس دور میں ایسے اخبارات و رسائل کا نکالنا بہت ہمت و استقلال کا کام ہے۔ ہم جناب غوری صاحب کو ان کی آزادانہ رائے کے اظہار پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ہندستان میں جو صاحب اس پرچہ کو منگانا چاہیں وہ سالانہ چندہ ماہنامہ "سنگم" جامعہ نگر نئی دہلی کے پتہ پر بھیج دیں اور ایک اطلاعی کارڈ کراچی بھی لکھ دیں پرچہ ان کے نام جاری ہو جائے گا۔

"رہنما" مورخہ ۱۵ ستمبر سے ہم عبدالحمید صاحب عدم کا کلام درج کرتے ہیں جس سے پاکستان میں عورتوں کی بے چینی پر بغیر کسی تبصرہ کے روشنی پڑتی ہے۔

دیس اپنا

آبہن چھوڑ جائیں دیس اپنا

اب اسے آندھیوں نے گھیرا ہے
کوئی تیرا نہ کوئی میرا ہے
ہر طرف خون اور اندھیرا ہے

آبہن چھوڑ جائیں دیس اپنا

اب یہاں قہرمان بستے ہیں
آدمی آدمی کو ڈستے ہیں
رحم مہنگا ہے ظلم سستے ہیں

آبہن چھوڑ جائیں دیس اپنا

آہ! لیکن یہ آس بھی تو نہیں
بچ سکیں آگ سے پناہ گزیں
میری تجویز ہے بہن کہ کہیں

کسی اندھے کنوئیں کی لہروں میں
سانس کو بند کر کے سو جائیں

جوابی کارڈ لکھیے۔ نمونہ کا پرچہ قیمتاً خریدیئے۔ نمبر خریداری کا حوالہ دیجیے۔

تازہ مطبوعات سنگم

جولائی کے پرچہ میں اشاعتی پروگرام کے تحت جن نئی کتابوں کے چھپنے کا اعلان کیا گیا تھا اس میں سے بعض کتابیں شائع نہ ہو سکیں لیکن ان کی بجائے دوسری شائع ہو گئیں۔

(۱) ترقی کے راز ادارہ تعلیم و ترقی کے رکن جناب سعید اشرف صاحب نعمانی نے اس کتابچہ میں بعض ایسی کام کی باتیں لکھیں ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان بلا مبالغہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ "من کی دنیا" "قسمت" سے یہ چار چیزیں مراد ہیں: سوچ وچار۔ خود اعتمادی، عمل اور منزل مقصود، ان کا ذکر کرنے کے بعد پھر ترقی کے ساز بتائے گئے ہیں اور زندگی بسر کرنے کے ان سنہری اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اگر ہمارے چھوٹے اور بڑے اپنائیں تو کسی قسم کی مصیبت سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ تمام اچھی باتوں کا نچوڑ ملاحظہ کیجیے:۔

"اگر ہو سکے تو اپنی زندگی کو بادل کی طرح بناؤ جو اپنے فیضانِ باراں سے خشک زمین کو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔ اور سورج کی طرح روشن بناؤ جو ہر چیز کو روشن کر دیتا ہے۔ اور سمندر کی طرح وسیع بناؤ جو تمام دریاؤں اور ندی نالوں کے پانی کو اپنے اندر جمع کر کے بھی اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔" ۲۴ صفحات نہایت عمدہ لکھائی چھپائی سفید چکنا کاغذ قیمت صرف چار آنے

(۲) دیوان غالب حسب ضا (ڈرامہ) یہ دیوان غالب داشعار کی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک صاحب کا نام ہے جو ہر بات غالب کے اشعار میں کرتے ہیں۔ ہر سوال کا جواب دیوان غالب کے اشعار سے دیتے ہیں۔ اس لئے ان کا نام دیوان غالب صاحب ہو گیا ہے نثر میں وہ بات کرنی جانتے ہی نہیں۔ بہترین ڈرامہ ہے۔ نہایت عمدہ لکھائی چھپائی سفید چکنا کاغذ۔ ۲۴ صفحات با تصویر قیمت چھ آنے

کئی جگہ یہ ڈرامہ نہایت کامیابی سے دکھایا جا چکا ہے۔ ہر مدرسہ میں اس کو کرانا چاہیے۔ غالب کے اشعار ہر بات کے جواب میں پڑھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ طلبہ کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ جامعہ کے بی اے کے طالب علم مولانا شاہ فیاض عالم صاحب ولی اللہی نے مرتب کیا ہے۔

(۳) بھولی نمنہ از محترمہ صالحہ عابد حسین ۳۲ صفحات قیمت ۵ ر نہایت عمدہ با تصویر چھپی ہے۔ ایک بچی کو برتن توڑنے کی عادت ہو گئی۔ اس کی امی نے محض اس کے سچ بولنے کی بنا پر اسے کبھی نہ مارا نہ ڈانٹا اور پیار و محبت سے اس کی عادت چھڑا دی۔ بہت اچھی کہانی ہے۔ دوسری بار چھپی ہے۔

(۴) جادو کا ہرن یہ بھی صالحہ عابد حسین کی لکھی ہوئی با تصویر کہانی ہے۔ دوسری بار چھپی ہے۔ ۴۰ صفحات۔ قیمت سات آنے۔ سوتیلی ماں کے ظلم سے تنگ آ کر دو بہن بھائی گھر چھوڑ کر بھاگے اور جنگل میں چلے گئے وہاں سوتیلی ماں کے جادو کے اثر سے بھائی ہرن بن گیا جس سے بہن کو بہت صدمہ ہوا مگر وہ اسے لے کر ایک جھونپڑی میں رہنے لگی۔ ایک شاہزادے نے اس خوبصورت ہرن کو پکڑنا چاہا اور زخمی کر دیا پھر وہ اسے اسکے گھر لایا اور اس کی بہن کو اپنے ہاں لے گیا وہاں اس سے شادی کر لی۔ جادوگرنی نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا مگر آخر کار مار ڈالی گئی۔ بہت پر لطف کہانی ہے۔

(۵) یاقوت از رومان انصاری۔ نہایت عمدہ چھپی ہوئی ۴۴ صفحات قیمت چار آنے۔

اس میں دو کہانیاں ہیں "یاقوت" اور "سنہری بال" نہایت دلچسپ کہانیاں ہیں۔ بعض بچے تو کئی کئی بار انھیں پڑھتے ہیں۔

(۶) **فرشتہ کا انعام** یہ بھی رومان انصاری کی لکھی ہوئی دو کہانیوں پر مشتمل ہے۔ "گھڑی کا راز" اور "فرشتہ کا انعام" دونوں کہانیاں اس قدر دلچسپ ہیں کہ بچے تو بچے بڑے بھی انھیں شوق سے پڑھتے ہیں۔ ۲۲ صفحات قیمت پانچ آنے۔ نہایت عمدہ چھپی ہے۔

(۷) **لگن** (ناول) از کیلاش راہی ۱۸۴ صفحات۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے مع گردپوش۔

اس ناول میں کیا ہے اس کے متعلق مشہور ناولسٹ دت بھارتی نے کتاب کے شروع میں کاک ٹیل لکھ کر تعارف کرایا ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

"زیر مطالعہ ناول میں آج کے سماج کی وہ ممی بھی ہے جو چہرے پرستا میک۔اپ کر کے خود کو اپنی جوان لڑکی سے زیادہ جوان تصور کرتی ہے جو حبت پسند بننا چاہتی ہے لیکن دلالہ بن کر رہ گئی ہے اور اس سماج میں عورت کو عورت بننے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

اگر ناول پسند نہ آئے تو مجھے ہی گالیاں دیجئے گا اگر پسند آجائے تو مصنف کے حق میں دعا کیجئے گا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ"۔

۸۔ حکایات گاندھی

گاندھی جینتی پر سنگم کتاب گھر کی پیشکش

گاندھی جی کی روزمرہ کی زندگی کے بعض واقعات جو دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی "حکایات گاندھی" میں جمع کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اسی مہینے ملک کے مشہور ادیب و شاعر جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی نے مرتب فرما کر ہمیں عنایت فرمائی ہے۔

افسر صاحب نفسیات اور تعلیمات کے ماہر ہیں اور بچوں کے مذاق سے پوری طرح واقف ہیں۔

یہ کتاب صرف بچوں کے لئے بلکہ بڑوں کے لئے بھی بیحد دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اسمیں آپ کو گاندھی جی کی سچائی، خدا ترسی، رحم و انصاف، شرافت و ظرافت کی جیتی جاگتی تصویر نظر آئے گی اور آپ کو معلوم ہوگا کہ گاندھی جی اپنی وضع کے کس قدر پابند تھے اور جو اصول زندگی انھوں نے اپنے لئے مقرر کر لئے تھے ان سے دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں نہ ہٹا سکی۔ ہندوستان کے ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ:۔ سنگم کتاب گھر اردو بازار۔ دہلی

مطبوعات سنگم

سنگم کتاب گھر کی مطبوعات کی فہرست درج کی جاتی ہے۔ جو کتابیں زیر طبع ہیں ان کے سامنے لکھ دیا گیا ہے اور جو نظر ثانی کے بعد شائع کی جائیں گی یعنی جن کی ایک ایک دو دو جلدیں موجود ہیں ان پر نشان × لگا دیا گیا ہے۔

یہ فہرست حروف تہجی کے لحاظ سے تیار کی گئی ہے۔ اس لئے کسی ایک مصنف کی سب کتابیں ایک جگہ نہیں ملیں گی اور نہ ایک مضمون یا ایک فن کی ایک جگہ ملیں گی۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کے سامنے مختصر اشارات درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ سمجھنے میں سہولت ہو۔

آتش خاموش (ناول) صالحہ عابد حسین　ھ
آسٹے کا پتلا (بچوں کیلئے) شفیع الدین نیّر　۵ر
اسلامی نظمیں (〃)　〃　۱۰ر
امتحان (ڈراما) صالحہ عابد حسین　۹ر
انار راجہ (بچوں کی) نیّر　۴ر
انوکھی چھڑی (〃)　〃　۶ر
اور مقدر چلتا رہا (〃) الیاس مجیبی　۱ر
ایک بچے کی کہانی (〃) سعید انصاری　۷ر
بچوں کا تحفہ (حصہ اول) (بچوں کی) نیّر　۱۰ر
〃　〃　〃　〃　۱۲ر
بزم بے تکلف (مزاحیہ مضامین) ڈاکٹر سید عابد حسین　۸ر
بطخ کی شہزادی (بچوں کیلئے) نیّر　۵ر
بندر والا (بچوں کیلئے) حسین حسان　۴ر
بنیادی حق (ڈراما) صالحہ عابد حسین　۱۰ر
بونے کا بٹوا (بچوں کیلئے) نیّر　۴ر
بھولا بچہ (نفسیاتی) سعید انصاری　۵ر
بھولی نمتہ (بچوں کے لئے) صالحہ عابد حسین　۵ر
پاپ کی ناؤ (〃) نیر　۵ر
پارہ تبارک الذی (بلا ترجمہ) ٹے سینکڑہ
پارہ عم　〃　صہ　〃

پارہ عم شمسی (مترجم مع تفسیر) زیر طبع
پارہ عم آخری ربع مع سورہ فاتحہ　ھ سینکڑہ
پس منظر اسلام (ترتیب نزول قرآن) پروفیسر محمد اجمل خاں　للعہ
پرستان کی سیر (بچوں کی) نیّر　۴ر
پری کی چھڑی　〃　〃　۵ر
پیمان انقلاب (سورہ فاتحہ کی تشریح) پروفیسر محمد اجمل خاں　عصہ
تارا کا ڈنڈا (بچوں کی) نیّر　۳ر
ترقی کے راز (اصول زندگی) سعید اشرف نعمانی　۴ر
تعلیمی تاش اردو، ہندی (فیاض نسیم)　عیصہ
جادو کی کتاب (بچوں کیلئے) فیاض حسین نسیم　عیصہ
جادو کی بطخ　〃　〃　۴ر
جادو کی کرسی　〃　الیاس مجیبی　۶ر
جادو کا ہرن　〃　صالحہ عابد حسین　۷ر
جواہر ملیہ (سیاسی نظمیں) مولانا اسلم جیراجپوری　۶ر
جھوٹا لڑکا (ڈرامہ) عبدالغفار مدھولی　۴ر
حکایات گاندھی　حامد اللہ افسر　۸ر
چار ستارے (خلفائے راشدین) الیاس مجیبی　زیر طبع

چور لڑکا (ڈرامہ) عبدالغفار مدھولی　۶ر
خواتین (سوانح) مولانا اسلم جیراجپوری　للعہ
دھن کی پوری سون چڑیا (بچوں کیلئے) الیاس مجیبی　۶ر
دولتی　〃　عبدالحلیم ندوی　۵ر
دیوان غالب کا حصہ (ڈرامہ) شاہ فیاض عالم　۶ر
ڈھول کا پول (بچوں کیلئے) نیّر　۳ر
رسول مقبول (نعت) مصطفٰے حسین منظر بلیاوی　عصہ
زندگی کا رخ (بچوں کی تعلیم کے متعلق) سعید انصاری　عاً
سرکس (بچوں کے لئے) حسین حسان　۵ر
سلیکھ شکشک (ہندی خوشخطی) (دو حصے) فیاض حسین نسیم　۳ر فی
سیرۃ قرآنیہ محمد (سیرۃ) پروفیسر محمد اجمل خاں　ہے
عذرا (ناول) صالحہ عابد حسین　زیر طبع
فرشتہ کا انعام (بچوں کی) رومان انصاری　۵ر
فوری علاج کا چارٹ (طب) فیاض حسین نسیم　سہر
قاعدہ لغدادی　عہ سینکڑہ
کھلونوں کا اعلان جنگ (بچوں کی) فیاض حسین نسیم　۵ر

کارواں سخن (نظم) پنڈت چاند نرائن چاند ۶ر
کارواں و منزل (سیاسی نظمیں) گوپی ناتھ امن لکھنوی عہ
کرنی بھرنی (ظمیں) فیاض حسین نسیم عہ
کشمکش (ناول) ڈاکٹر ظ ہردیال پوری زیر طبع
کے بجے ہیں گھڑی کی کہانی محمد انس ایم اے ۱۲ر
گائیڈ گائیڈ (انگریزی حرف پڑھانے والوں کیلئے)
نیاض حسین نسیم ۸ر
گلگلے کی دوڑ (بچوں کی) شفیع الدین نیر ۳ر
گلہری بیگم ” نیاض حسین نسیم ۴ر
گھر جاؤں تو کیسے جاؤں (”) نیر ۴ر

گھی شکر (بچوں کی) نیر ۸ر
لال بجھکڑ (بچوں کا ناول) اطہر پرویز زیر طبع
لگن (ناول) کیلاش راہی عہ
لومڑی اور خرگوش کی لڑائی (بچوں کی)
نیاض حسین نسیم ۵ر
ماں (بصیرت قرآنی روشنی میں بعض مضامین)
عبداللہ پالونی (زیر طبع)
مانٹسوری طریقہ تعلیم حصہ اول (تعلیمی)
محمد حسین ایم اے ۵ر
حصہ دوم زیر طبع
مزدور کا بیٹا (بچوں کی) نیر ۲ر

مشکلات قرآن کا انقلابی حل۔ پروفیسر محمد اجمل خاں عہ
مصنوعی بارش (تعلیمی) محمد امین ایم اے ۳ر
ملمع کا ٹ (بچوں کی) نیر ۴ر
نکات قرآن (سوال جواب) مولانا اسلم جیراجپوری ۸ر
نمک پارے (مزاحیہ مضامین) سید تقی حسن نقوی ۸ر
ننھی کہانیاں (بچوں کی) نیر ۹ر
نیا کھلونا ” محمد حسین حسان ۴ر
وعدے (نظمیں) عبدالغفار مدہولی ۴ر
ہنستیاں حسن (بچوں کی) نیر ۴ر
یاقوت ” رومان انصاری ۴ر
(باقی آئندہ)

بالغان کی تعلیم کے رسالے

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبۂ تعلیم و ترقی نے تعلیم بالغان کے سلسلہ میں کئی سو رسالے اردو اور ہندی میں شائع کئے ہیں اور لاتعداد پوسٹر بھی چھاپے تھے جن میں سے بہت سے انگریزی حکومت کے دور میں ضبط بھی ہو گئے تھے۔ ذیل میں ہم حروف تہجی کے لحاظ سے صرف اردو کے چند رسالوں کی فہرست درج کرتے ہیں جو بہت ہی تھوڑی سی تعداد میں موجود ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ فی الحال پورا لٹریچر موجود نہیں ہے اگرچہ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمام رسالے پھر از سر نو تیار کر لئے جائیں کیونکہ یہ ملک میں بہت مقبول ہو چکے ہیں اور بالغوں کی معلومات کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں جس ترتیب سے وہ شائع ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ حروف تہجی (ڈکشنری) کے لحاظ سے وہ ترتیب قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر رسالہ کی قیمت تین آنے ہے۔

اجرت (مزدوری) کا حساب
اجمیری خواجہ
احمد خاں دکاندار
افریقہ
امی بھی پڑھنے لگے
امریکہ
بین برڑھی
پہاڑ سے پہلے
پہیلیاں
پیارے جان (ڈرامہ)
تلنگے والا
تعلیمات قرآن (عقائد)
تعلیمات قرآن (معاملات)
تنخواہ کا حساب
جنوبی امریکہ
جمالات قرآن
حالی کی نظمیں
حدیث شریف
حضرت غوث پاک
حضرت نظام الدین اولیا
حفیظ خاں ماں
خط و کتابت
خلیفہ عمر بن عبدالعزیز
خدائی خدمت گار
داستان امیر حمزہ
دلچسپ شعر
دیسی ریاستیں
ڈسٹرکٹ بورڈ
رام کہانی
سرزمین ہند
سمدھو صوائی
شہید کربلا
صحابہ کرام
صوبے
ضلع کا انتظام
عبدالرحمٰن حاجی

عثمان غنیؓ — کرشن کنہیا
علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ — کعبہ شریف
غزلیں — گلستاں
فردوس بریں رقصاں — گنتی
فسانۂ عجائب — مثنوی شریف
قصص قرآن مجید — مرثیے
قصہ حاتم طائی — مسدس حالی
قصہ چہار درویش — مہاتما گوتم بدھ
قصہ ... — میرا نہنا
قصہ مثنوی میر حسن — زلزلۂ کم
قصہ گل بکاؤلی — نصیب خاں حجام
قصہ منصور موہنا — نظمیں
قومی گیت — ہندستان دو پانچ ہزار برس پہلے

مختلف شعراء کے سو سو منتخب اشعار (جیبی سائز)

اصغر، اکبر، جوش، حسرت، داغ، درد، فانی، مومن، فی ۴ ر

لغت کی کتابیں

فرہنگ عامرہ	لے ر
فیروز اللغات	۵
کریم اللغات	عا
لغات فیروزی	۸
لغات کشوری	۸

قاموس القرآن (قرآنی ڈکشنری) غیر مجلد عہ مجلد شے ر

نوٹ: خط و کتابت میں اپنا پتہ صاف، خوشخط لکھئے خصوصاً ڈاکخانہ اور ضلع کا نام اگر ہو سکے تو انگریزی حروف میں بھی باصاف لکھیں۔

ناول افسانے

(۱) اس فہرست میں پاکستانی مطبوعات بھی ہیں جن کی قیمت میں خفیف سی کمی بیشی کا امکان بوجہ اخراجات مختلف و زر تبادلہ ہوتا رہتا ہے (۲) چونکہ کتابیں بہت کم تعداد میں اور وہ بھی بہت مشکل سے آتی ہیں اس لئے اگر وہ اسٹاک میں نہ ہونگی تو کچھ عرصہ انتظار کرنا ہوگا بقیہ کتب کی تعمیل کر دی جائے گی (۳) چند کتابیں ایسی بھی درج کر دی گئی ہیں جن کا ذکر مطبوعات سنگم میں بھی ہے ان پر نشان × لگا دیا گیا ہے۔
(۴) یہ فہرست بھی حروف تہجی کے لحاظ سے درج کی گئی ہے اس لئے کسی ایک مصنف کی کتابیں یکجائی طور پر نہیں ملیں گی۔ یہ سب کتابیں سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار۔ دہلی سے منگائی جا سکتی ہیں۔

× آس خاموش (ناول) صالحہ عابد حسین صہ
اختر (ناول) رئیس احمد جعفری سے
آخری تحفہ (افسانے) پریم چند ۱۲ر
آزادی کا دیوتا (رر) ٹیگور ۱۱ر
اُس نے محبت کی (ناول) رشید اختر ندوی ۸ر
افشاں (رر) اے آر خاتون معہ
الجھن (رر) ٹیگور ۱۲ر
ان داتا (رر) کرشن چندر ۸ر
اندھا (رر) رئیس احمد جعفری بے
اندھیرے میں (رر) ٹیگور عہ
انو (رر) فیاض علی معہ
آؤ (افسانے) منٹو عہ
ایک بات (ناول) عصمت چغتائی سے
بادشاہت کا خاتمہ (افسانے) منٹو سے
بدنام بستی (ناول) انتصار حسین عہ
× بزم بے تکلف (مزاحیہ مضامین) ڈاکٹر عابد حسین ۸ر
بھولا ناتھ (افسانہ) ٹیگور ۱۲ر
بیگم (افسانے) ڈلیش عہ
بے محک و نام (ناول) عادل رشید للعہ

بیوہ (ناول) پریم چند ۸ر
پاگل (رر) جبران خلیل عیہ
پائل (رر) جمنا داس اختر ۸ر
پرانے خدا (کہانیاں) کرشن چندر عہ
پرائی عورت (افسانے) ڈلیش ۸ر
پردہ مجاز (ناول) پریم چند لے
ٹیڑھی لکیر (رر) عصمت چغتائی صہ
ٹیگور کی کہانیاں (افسانے) ٹیگور عیہ
جب کھیت جاگے (ناول) کرشن چندر عہ ۱۵ر
جب محبت جاگتی ہے (رر) عادل رشید للعہ
جنگل روتے ہیں (رر) اے حمید للعہ
جوڑ توڑ (رر) شوکت تھانوی للعہ
جہاں برف گرتی ہے (رر) اے حمید ۴ر
جھیل اور کنول (رر) رر للعہ
جیل (افسانے) پریم چند ۴ر
جیون پربھات (ناول) ٹیگور سے
چغد (افسانے) منٹو ے
چنگاری (ناول) رئیس احمد جعفری مر
چھپے چوری (افسانے) ہاجرہ مسرور سے

خاک پروانہ (افسانہ) پریم چند ۴ر
خزاں کے گیت (رر) اے حمید ۸ر
خواب و خیال (افسانے) پریم چند ۸ر
خونی سماج (رر) ٹیگور ۱۲ر
داستان (ناول) بزم نیمی للعہ
درد (رر) رئیس احمد جعفری ۸ر
دنیا ایک کہانی ہے (افسانہ) ٹیگور ۱۲ر
دھوپ اور شگوفے (ناول) اے حمید للعہ
دیکھو شہر لاہور (افسانہ) اے حمید ۸ر
ڈربے (ناول) اے حمید للعہ
راج رشی (افسانہ) ٹیگور ۸ر
راز در راز (افسانہ) رر ۱۲ر
رام چرچا (رر) پریم چند ۸ر
رخت سفر (نظم) محمد انور عارث ۸ر
روپ (ناول) عادل رشید صہ
روٹھی رانی (رر) پریم چند ۴ر
ریت اور جھاگ (رر) جبیب اشعر ۸ر
زاد راہ (افسانے) پریم چند ے
زبیدہ (ناول) خان محبوب طرزی ۸ر

سفر زیرہ عا
سنگ تراش (افسانے) ٹیگور ۱۲ار
شب تنہائی (ناول) انتصار حسین عہ
شبنم (ناول) نسیم انہونوی عا
شجر کے سائے تلے (افسانے) ٹیگور عہ
شعلہ (ناول) خان محبوب طرزی صہ
شعلۂ آب (افسانہ) ٹیگور ۱۲ار
شعلۂ اجل (〃) 〃 ۱۲ار
شعلۂ الفت (〃) 〃 ۱۲ار
شعلہ و شبنم کلام جوش ملیح آبادی ے
شکست کے بعد (افسانہ) کرشن چندر للعہ
شگفتہ (ناول) نسیم انہونوی ے
شمیم شہباز فیاض علی ے
طلسم شعر
طوفان (〃) رابندر ناتھ ٹیگور ے
طوفان کی کلیاں (ناول) کرشن چندر للعہ
طوفان ہوس (افسانہ) ٹیگور عا
× عذرا (ناول) صابرہ عابد حسین (دوسری بار زیر طبع)
عشق پر زور نہیں (ناول) نادل رشید ے
غبن (〃) پریم چند صہ

فردوس خیال (افسانے) پریم چند ے
قاتل 〃 〃 ے
کاغذ کا واسدیو (افسانے) پریم ناتھ در عا
کچھ یادیں کچھ آنسو (ناول) اے حمید صہ
کربلا (ڈراما) پریم چند عا
× کشمکش (ناول) محمد اکرم طاہر دیالپوری زیر طبع
کمودنی (〃) ٹیگور عہ
کون کسی کا (〃) 〃 عہ
کہتے ہیں جسکو عشق (افسانہ) خواجہ احمد عباس عا
کہکشاں (ناول) نسیم انہونوی صہ
گارڈنر (افسانہ) ٹیگور عہ
گنجے فرشتے (〃) منٹو ے
گورا (ناول) ٹیگور للعہ
× لال بجھکڑ دیجون کا (ناول) اطہر پرویز (زیر طبع)
لرزتے آنسو (ناول) عادل رشید ے
× لگن (〃) کیلاش راہی عا
ماسٹر جی (افسانہ) ٹیگور ۱۲ار
ماہ طلعت (ناول) صادق حسین صدیقی ے

مجرم کون؟ (ناول) بدنام قریشی للعہ
مزاحیہ افسانے (افسانے) کرشن چندر ے
مسکراہٹیں شوکت تھانوی عا
میدان عمل (ناول) پریم چند ے
میرے بھی صنم خانے قرۃ العین حیدر ے
میں انتظار کروں گا (افسانہ) کرشن چندر عا
نجات (افسانہ) ٹیگور ۱۲ار
نجم السحر (ناول) نسیم انہونوی صہ
نرملا (〃) پریم چند ے
نشاط (〃) نسیم انہونوی للعہ
نشان راہ رو، رشید اختر ندوی ے
× نمک پارے (مزاحیہ افسانے) سید یحییٰ حسن عا
نوبہار (ناول) ساہن فاروقی عا
نئی بہاری (کہانیاں) مہندر ناتھ عا
نئے افسانے (افسانے) کرشن چندر ے
واردات (〃) پریم چند عا
وطن پرست (〃) ٹیگور ۱۲ار
وفا کی دیوی (〃) پریم چند ۱۲
ہل کے سائے میں (〃) کرشن چندر ے

ہندی کی کتابیں

سنگم کتاب گھر اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کا کاروبار بھی بڑھا رہا ہے کیونکہ دونوں زبانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دونوں اس ملک کی زبانیں ہیں اور اب تو ہندی سرکاری زبان قرار دیدی گئی ہے اسلئے اردو جاننے والوں کے لئے ہندی کا جاننا ضروری ہو گیا ہے۔ ذیل میں ہم ہندی کی کتابوں کی فہرست درج کرتے ہیں جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔ ان کو بھی ہم نے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیدیا ہے اہمیں بچوں کی کتابیں علیحدہ درج کی گئی ہیں۔

اس کی کہانی (ناول) پرویز ے
آگ (ناول) جمنا داس اختر عا
آنچل اور آنسو (افسانے) ے
بردہ فروش (ناول) جمنا داس اختر عا

پائل (ناول) جمنا داس اختر للعہ
پتی پتنی پریم (ناول) جے گوپال عا
پریم پجارن (〃) سدرشن عا
پھانسی کی کوٹھری سے (〃) جمنا داس اختر ے

جینا سیکھو (مضامین) دلیپ راج عا
چاند ستارے (افسانہ) ٹیگور عا
چوٹ (ناول) دت بھارتی للعہ
راج کماری کی پریم کہانی (ناول) جے گوپال عا

سماج کا اپنا پچار	(ناول)	سرت چندر چٹرجی	عاؔ
شاہی لکڑہارا	(")	ورمن	۱۲ /
شیطان پجاری	(")	تیرتھ رام فیروزپوری	؎/
کرانت کی رمنی	(")	تیرتھ رام فیروزپوری	۸ /
کون کسی کا	(")	ٹیگور	للعہ
گناہ	(")	دت بھارتی	عاؔ ۴ /
دیے کس کی؟	(")	تیرتھ رام	سے
			للعہ

بچوں کی کتابیں

آج کے مہا پرش جب بچے تھے حصہ اول	۱۰ /
" حصہ دوم	۱۰ /
بچو بچاؤ	۸ /
چھوٹے ہار	۶ /
جیسی کرنی ویسی بھرنی	۶ /
چاند کی کھیتی	۶ /
دھرتی کا لال	۶ /
ڈاک گھر	۱۰ /
رائی کا پہاڑ	۶ /
سچے متر	۶ /
سنہرا سپنا	۸ /
سونے کی کھیتی	۶ /
شیطان کی موت	۱۰ /
عقل بڑی یا بھینس	۶ /
کاٹھ کی ہانڈی	۴ /
گھمنڈ کا سر نیچا	۶ /
لالچ بری بلا ہے	۶ /
نکشا راجہ	۶ /
وگیان کے چمتکار	۱۰ /

سنگم کے ناول

بعض احباب کے مشورہ یا فرمائش پر ہم نے اصلاحی اور سماجی ناولوں کا بھی سلسلہ شروع کیا ہے۔ پہلا ناول بعض مصلحتوں کی وجہ سے بہت عجلت میں شائع ہوا ہے جو کیلاش راہی صاحب نے "لگن" کے نام سے لکھا ہے $\frac{20\times30}{16}$ سائز کے ۲۸۰ صفحات ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے بھی بہت عمدہ ہے۔ دت بھارتی کے قلم سے شروع میں کاک ٹیل درج ہے جو اسکی خوبیوں کے لئے کافی ضمانت ہے اصلاحی ناول ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ قیمت مجلد مع گردپوش صرف اڑھائی روپے ہے۔

دوسرا ناول ڈاکٹر طاہر پالنپوری صاحب کے فکر صحیح کا نتیجہ ہے جن اصحاب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کا ناول "نیلام" مطالعہ کیا ہے اور اسکی اصلاحی قوت کا اندازہ لگایا ہے وہ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ "کشمکش" میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب نے سماجی خرابیوں سے متاثر ہوکر اور اپنی عمر بھر کے تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر اصلاحی ناولوں کا سلسلہ شروع کیا ہے جس کی رفتار بوجہ ذاتی اور سرکاری مصروفیتوں کے بہت سست ہے لیکن جو کچھ بھی لکھا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ خیال ہے کہ اکتوبر کے آخر تک ہم اسے پبلک کے ہاتھوں میں پہنچا سکیں گے کتابت قریب الختم ہے چھپائی و جلد سازی باقی ہے۔ اسکی قیمت بھی لگ بھگ اتنی ہی ہوگی جتنی نیلام کی تھی۔ تیسرا ناول "تلخیاں" ظہیر الدین احمد صاحب کلکتہ نے تصنیف فرمایا ہے جسکی کتابت "کشمکش" کے بعد شروع کی جائیگی اور غالباً نومبر کے آخر یا دسمبر کے شروع میں تیار ہو جائیگا۔ چوتھا ناول "لال بجھکڑ" کے نام سے اطہر پرویز صاحب ایم اے کے خیالات کا آئینہ ہے اب تک سینکڑوں ہزاروں ناول بڑی عمر کے مردوں اور عورتوں کے لئے لکھے گئے ہیں۔ بچوں کے لئے کوئی ناول نہیں تھا۔ پرویز صاحب نے جو عرصہ سے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مکتبہ میں بچوں کے رسالہ "پیام تعلیم" کی ادارت نہایت سلیقہ اور کامیابی سے کر رہے ہیں۔ بچوں کیلئے ناولوں کا سلسلہ شروع کیا ہے جسکا پہلا نمبر لال بجھکڑ ہے ہمیں پورا یقین ہے کہ بچے پرویز صاحب کے اس سلسلہ کو

ٹکنیکل کتابیں

اس فہرست میں جن کتابوں پر نشان × بنا دیا گیا ہے انھیں چھوڑ کر باقی کتابیں پاکستان کی طبع شدہ ہیں اور وہاں سے آنے میں دشواری ہے اس لئے سنگم کتاب گھر ہر کتاب کی سپلائی کی فوری ذمہ داری نہیں لیتا اگر اسٹاک میں کتاب موجود نہ ہوگی تو کوشش کی جائیگی کہ پندرہ بیس دن میں منگا دی جائے۔ آرڈر کے ساتھ اس کی بھی تشریح کر دی جائے تو اچھا ہے۔ (یہ بھی حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کی گئی ہے) ان کتابوں کی قیمت اسکے خرچہ اور کمیشن اور زر تبادلہ کی مشکلات اور پیچیدگیوں کی وجہ سے کچھ تھوڑی سی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اسلئے اس کی سختی سے پابندی نہیں کی جاسکے گی اگرچہ کوشش یہی ہوگی کہ قیمت گھٹ سکے لیکن بڑھنے نہ پائے

کتاب	قیمت
آئل وگیس انجن گائڈ	للعہ
آرمیچر وائنڈنگ	صہ
اسٹیم و اسٹیم بوائلر	بہ
الکٹرک گائڈ	للعہ
الکٹریکل سپروائزر	ےہ/
امیر بننے کے گر	ےہ/
انجینرنگ پرکاش (آفتاب انجینرنگ)	ےہ/
انکم ٹیکس گائڈ (پاکستان)	ےہ/
انکم ٹیکس اور حساب کتاب	للعہ/
بجلی کی پہلی کتاب	ے
بجلی کی دوسری کتاب	ےہ/
× بجلی کی مکمل کتاب	صہ/
بچوں کا وائرلیس سٹ بنانا	عہ
پریکٹیکل الکٹرک پاکٹ بک	صہ/
ترقی یافتہ مصوری	عا
تجارتی مرغی خانہ	عا
ٹکنیکل کورس	ے
× چھوٹے ڈائنمو اور موٹر بنانا	عاہ/
حل شدہ پرچے	ے
دوست درزیاں	للعہ/
ڈاک کے ٹکٹ اور دولت	عا
رائفل ٹریننگ	عا
رہنمائے بجلی	للعہ
رہنمائے تعمیرات (جو شیز ماڈرن ڈیزائنز)	صہ
رہنمائے لوہالال	عا
ریڈیو انجینیر	ےہ/
ریڈیو کی پہلی کتاب	ے
،، ،، دوسری کتاب	ے
،، ،، تیسری کتاب	ے
،، ،، چوتھی کتاب	ے
ریڈیو کی پانچویں کتاب	ے
× ریڈیو پرائمر	عہ/
× ریڈیو ریسیور	ےہ/
× ریڈیو مرمت	صہ
ریڈیو گائڈ	للعہ/
ریڈیو کے راز	ے
سینما مشین اپریٹرز گائڈ	صہ
شربت سازی	صہ/
صابون سازی مکمل	عا
طبیب مرغی خانہ	ے
قد بڑھانے کی ورزشیں	عاہ/
کامیاب مرغی خانہ	عاہ/
کرسٹل ریڈیو سیٹ مع ایمپلی فائر	عہ/
دسی گنگا رام پاکٹ بک آف انجینرنگ	ومہ
ماڈرن الکٹرو پلیٹنگ گائڈ	عاہ/
معاون تجارتی	عا
موٹر انجینر	للعہ
(جدید) موٹر گائڈ و موٹر سائکل گائڈ	للعہ
موٹر مینوئل	عاہ/
ورکشاپ انجینر	صہ
ورکشاپ گائڈ	عہ/
ہر قسم کی بیٹریاں ڈرائی سیل و کاربن بنانا	ے

آپ کو ہر قسم کی کتابیں ہم سے منگوانے میں سہولت اور کفایت رہے گی جو کتابیں پسند نہ ہوں وہ تبدیل کی جاسکتی ہیں۔ پتہ صاف لکھئے۔

ملنے کا پتہ:- سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار۔ جامع مسجد۔ دھلی

حافظ نبی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا۔

ایڈیٹر
خواجہ جعفر علی احمد پانی پتی بی اے (جامعہ)

نگران
خواجہ حافظ فیاض احمد

ماہنامہ سنگم

سالانہ چندہ دو روپے

فی پرچہ تین آنے

سال اول | بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۴ء مطابق صفر المظفر ۱۳۷۴ھ اسوج کارتک سمت ۲۰۱۱ بکرمی سمت ۱۳۶۲ف | شمارہ ۴

فہرست

اُٹھ جاگ مسافر

اُٹھ جاگ مسافر بھور بھئی   اب رین کہاں جو سووت ہے
جو جاگت ہے سو پاوت ہے   جو سووت ہے سو کھووت ہے
ٹک نیند سے اکھیاں کھول ذرا   او غافل رب سے دھیان لگا
یہ پریت کرن کی ریت نہیں   رب جاگت ہے تو سووت ہے
اے ناداں بھگت کرنی اپنی   او پاپی پاپ میں چین کہاں؟
جب پاپ کی گٹھڑی سیس دھری   پھر سیس پکڑ کیوں رووت ہے؟
جو کل کرنا ہے آج کرلے   جو آج کرنا ہے اب کرلے
جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا   پھر پچھتائے کیا ہووت ہے

(منقول)

آدرشِ زندگی

مت دل دکھا کسی کا یہ خانۂ خدا ہے   کر ہر بشر کی خدمت رستہ یہی بھلا ہے
اندھیرے کو مٹا تو روشن چراغ ہو کر   چادر سفید مانند رہنا بے داغ ہو کر
محنت سے اپنی ہر جا ہو کامران کھا دے   ہمت بلند رکھ کر تو آسماں ہلا دے
دنیا کو اپنے دم سے مانند گل کھلا دے   رنج و محن کے نالے مٹی میں سب ملا دے
ہمت سے اپنی بھارت تو رشکِ جناں بنا دے   حبِ وطن کے نعرے تو کو بکو لگا دے
ہمت بلند رکھ کر گلچیں کو تو بھگا دے   اُجڑا چمن ہے تیرا پھر سے اسے بسا دے
رشیوں کی ہی بستی رشیوں کو یاں بسا دے   رحمت کے اپنے دریا یارب یہاں بہا دے
بھارت کے تیرے بچے افلاس میں ہیں نالاں   کچھ کر علاج ان کا ان کو کوئی دوا دے
فاقوں کی مستیاں ہیں اور بیکسی ہے جاری   فضل و کرم سے ان کو تو اے خدا بچا دے

(جگن ناتھ سہگل)

رفتارِ سنگم

ہماری پرورش اور تربیت ایسے گھرانے کی ہے جس کا ماحول سو فیصدی نہیں تو ستر پچھتر فیصدی ہندوستان کی پرانی بلکہ اصلی تہذیب کا ضرور ہے۔ ہمیں بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی عادت نہیں اور نہ ہم اسے پسند کرتے ہیں کہ اپنی تعریف میں محض پروپاگنڈا کی غرض سے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالیں اور رطب و یابس جو بھی ذہن میں آ جائے اسے سپردِ قلم کر کے ضمیر فروشی کریں۔

پہلے ہی پرچہ کو احباب میں بھیجنے سے ہمارے محترم بھائی لالہ رام دتا مل جی (ضلع جالندھر) نے اپنی ہمہ گیر نظر سے بھانپ لیا کہ اس پر ایک آنہ کا ٹکٹ لگا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ڈاک خانہ سے رجسٹرڈ نمبر نہیں ملا چنانچہ دوسرے پرچہ میں ان کے کرم نامہ کا جو اقتباس ہم نے درج کیا تھا اس سے آپ ان کے اس احساس کو معلوم کر سکتے ہیں لیکن بھگوان جانے جب دوسرا پرچہ بھی ان کو بک پوسٹ ہی (ایک آنہ کے ٹکٹ سے) ملا ہوگا تو ان کے محبت بھرے قلب کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اور ان کو اور ان کی طرح دوسرے احباب کو کس قدر رنج ہوا ہوگا کہ ابھی تک نہ جانے 'سنگم' کو ڈاک خانہ سے اخباری محصول ڈاک کی مراعات کیوں حاصل نہیں ہوئیں۔

ڈاک خانہ کے قواعد کے ماتحت جب تک پچاس ایسے خریدار پیدا نہ ہو جائیں جنھوں نے واقعی پرچہ کا مقررہ چندہ ادا کر کے اپنا نام درج کرایا ہو اور ڈاک خانہ کے انسپکٹر نے اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے اطمینان نہ کر لیا ہو کہ واقعی پچاس خریدار بن گئے ہیں اس وقت تک رجسٹرڈ نمبر کی منظوری نہیں ملتی اور ایک پیسہ کی بجائے ایک ہی آنہ کا ٹکٹ لگانا پڑتا ہے۔

'سنگم' کا پہلا پرچہ چھ سو چھاپا گیا اور دوسرا پانسو، پچاس ساٹھ پرچے مقامی طور پر تقسیم ہوتے ہیں اور چار سو کے قریب ڈاک سے جاتے ہیں جن میں علاوہ خریداران کے مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔ اخبارات و رسائل کے ایڈیٹران۔ بعض کتب خانے جو سنگم کتاب گھر سے باقاعدہ کتابیں خریدتے رہے ہیں اور کتب فروش جو سنگم کتاب گھر کی سرپرستی فرماتے رہتے ہیں، مشہور ادیب، نیز سنگم بال سبھا کے اراکین جو یہ اندازہ لگا کر فیصلہ کر سکیں کہ پرچہ کیسا ہے اور آیا خریدنا چاہیئے یا نہیں۔ چونکہ محصول ڈاک میں چوگنا صرفہ ہوتا تھا اس لئے ہم نے اگست و ستمبر کا یکجائی نمبر نکالا اور چونکہ دوسرا پرچہ نکلنے کے بعد بھی جلد ہی مطلوبہ تعداد (۵۰) پوری نہ ہوئی اسلئے اکتوبر و نومبر کا پرچہ بھی یکجا نکالنا پڑا لیکن یہ پرچہ تیار ہو جانیکے بعد اسے پھر دو مہینوں میں تقسیم کرنا پڑا جسکی وجہ نومبر کی رفتارِ سنگم میں درج ہے۔

بعض "اہل فن" نے یہ رائے بھی دی کہ اسکا چندہ ہی کتنا ہے صرف دو روپے ہے۔ پچاس خریداروں میں سے اتنے تو بن ہی چکے ہیں باقی تھوڑی سی تعداد رہ گئی ہے۔ دو چار مختلف شہروں سے 'سنگم' کے نام خود منی آرڈر کرا دیجئے جو روپیہ آپ صرف کریں گے وہ تو آپ ہی کو واپس مل جائے گا لیکن اس سے رجسٹرڈ نمبر کا مسئلہ حل ہو کر یہ دقت تو رفع ہو جائے گی۔

ہم نے کہا کہ اس کے سرورق (ٹائیٹل) پر 'سنگم' کا پہلا حرف 'س' سچائی کے لئے استعمال ہوا ہے تو سرورق پر تو سچائی لکھی رہے اور اندر عمل اس کے خلاف ہو۔ اور 'س' سے سرقہ (چوری) مراد لی جائے۔ یہ ہم کبھی نہیں کریں گے۔ ہماری ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتی اور ہم تو احباب کو کبھی خریداری پر مجبور نہیں کریں گے صرف نمونہ بھیج دیں گے او متوجہ کر دیں گے۔ اس کے بعد فیصلہ خود

انہی پر چھوڑ دیں گے۔ اگر ان کی رائے میں پرچہ اس قابل ہے کہ اس سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو وہ چندہ بھیجدیں ورنہ نہیں۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ خود احباب نے توجہ فرمائی اور اس کے خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ امید ہے کہ اب گاڑی چل نکلے گی اور رُکے گی نہیں۔ اور پرچہ انشاء اللہ ہر مہینے مقررہ تاریخ یعنی ۱۹ کو شائع ہوا کرے گا۔ اور اسی روز ڈاک میں ڈالا جایا کریگا۔ اب اگر ایک ہفتہ تک پرچہ نہ پہنچے تو مقامی ڈاک خانہ سے دریافت کیجئے اور ہمیں بھی مطلع کیجئے۔

اب ہم اپنے کرم فرماؤں کی محض اطلاع کے لئے صرف ایک پرچہ (اگست و ستمبر) کا حساب شائع کرتے ہیں تاکہ انھیں معلوم ہوجائے کہ اخبارو رسائل کی دشواریاں کتنی ہوتی ہیں۔ اگست و ستمبر کا پرچہ علاوہ ٹائیٹل کے ۴۰ صفحات کا تھا اس پر حسب ذیل خرچ ہوا۔

کتابت ۴۰ صفحات	۶۰—۰—۰
کاغذ (۵۰۰ پرچوں کیلئے) ۲ ½ رم ۲۰×۳۰/۲۴ پونڈ	۴۲—۰—۰
طباعت ۵ فرمے	۲۵—۰—۰
بلاک ٹائیٹل۔ ڈیزائن۔ کتابت بلاک بنوائی (چھ ماہ کیلئے) اوسطاً فی ماہ	۱—۰—۰
بلاک تصویر شری امن صاحب	۳—۰—۰
کاغذ ٹائیٹل	۱۰—۰—۰
طباعت ٹائیٹل دو رنگہ و طباعت تصویر	۱۲—۰—۰
جلد سازی وغیرہ	۱۰—۰—۰
کاغذ برائے پیکٹ ڈاک	۳—۰—۰
	۱۶۵—۰—۰
الاؤنس محرر	۴۰—۰—۰
ٹکٹ ڈاک	۲۵—۰—۰
میزان	۲۴—۰—۰

گویا جبکہ محرر پورے وقت کا نہیں ہے بلکہ فی الحال کام کم ہونے کی وجہ سے نصف وقت کام کرتا ہے اور ایڈیٹر بھی صرف اعزازی ہے کوئی الاؤنس نہیں پاتا تو ہمارا خرچ ۲۴۰/- روپے ہوا۔

اب اگر فرض کیجئے کہ خریداروں کی تعداد پوری ہوتی اور ڈاک خانہ کی مراعات حاصل ہوتیں تو ڈاک کا خرچ بجائے ۲۵/- روپے کے سوا چھ روپے ہوتا یعنی تقریباً ۱۸/- روپے کم ہو جاتا اور ۲۴۰/- کی بجائے ۲۲۲/- روپے ہوتا۔

سال بھر کا چندہ فی کس صرف دو روپے اور ایک ماہ کا خرچ سوا دو سو روپے آپ حساب لگا لیجئے کہ اگر ایڈیٹر کو کچھ بھی نہ ملے اور اس کا گھر ہی دفتر کا کام دے یعنی دفتر کا کوئی کرایہ بھی ادا نہ کرنا پڑتا ہو تو سوا دو سو روپے ماہانہ ادا کرنے کے لئے کتنے خریداروں کی ضرورت ہوگی

اس وقت تک صورت حال یہ ہے کہ اگر ۵۰۰ کی اشاعت میں ایک سو پرچے ضرورتاً اعزازی طور پر بھیجے جائیں اور بقیہ ۴۰۰ سے سالانہ آمد ہو تو آٹھ سو روپے آمدنی ہوگی جو تقریباً ۶۷ روپے ماہوار ہوتی ہے گویا ۱۵۵ روپے ماہوار کا نقصان ہوگا لیکن ابھی تو ۴۰۰ خریداروں کی منزل بہت دور ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حالت ہے تو پرچہ نکالنے کے لئے کس نے کہا تھا اور اگر سنگم جاری نہ ہو تو کون سی قیامت آجاتی۔ آپ نہیں تو مجھے مارا خواہ مخواہ یہ مصیبت کیوں اپنے سر لے لی گئی ہے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلایا جا رہا ہے ٹھیک ہے بہت معقول سوال ہے بلکہ بہت ضروری سوال ہے اس کا جواب ہم آئندہ دینگے۔ فی الحال صرف ایک مشورہ کی درخواست کی جاتی ہے ممکن ہے کہ احباب میں سے ہی کوئی صاحب ہی کا تسلی بخش جواب دے سکیں۔

اب آپ سنگم کے متعلق دیکھئے کہ کہتی ہی خلق اسکو غائبانہ کیا:-

ادبی دنیا علی گڑھ کو جولائی کا پرچہ بھیجا گیا تھا اسے دیکھتے ہی جناب سید مرتضے حسین صاحب بلگرامی نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۰ جولائی کے ذریعے بدیں الفاظ ہمیں نوازا:-

" رسالہ سنگم ملا۔ صوری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے بہتر پایا۔ کاغذ اور طباعت دونوں خوب ہیں۔ ٹائیٹل کا ڈیزائن اور رنگ بہت پسند آیا۔ اگر اس رسالہ کو "فہرست کتب" کے زیادہ صفحات دے سکیں تو بہت مناسب ہو۔ اردو میں ماہانہ نئی کتابوں کے اشتہارات اگر

دیکھتا ہوں تو ذرا دقت ہوتی ہے۔ امید ہے کہ آپ توجہ فرمائیں گے۔"

[افسوس ہے کہ گذشتہ پرچہ میں ہم یہ نہایت مفید اور ضروری مشورہ درج نہیں کر سکے تاہم ہمارا خیال ہے کہ اگست و ستمبر کے پرچہ میں آپ کی شکایت کی تلافی ہو گئی ہو گی]

پندرہ روزہ "ہماری زبان" علی گڑھ | جناب قاضی عبدالغفار صاحب ایڈیٹر ہماری زبان و سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں تحریر فرماتے ہیں:-

"سنگم" بچے اور بچیوں کا ماہانہ رسالہ ہے جو کافی غور و فکر اور احتیاط کے ساتھ مرتب کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے بچوں اور بچیوں کی تہذیب میں ترقی کی روشنی داخل ہوتی رہے اور ان کی اخلاقی پاکیزگی ان کی زندگی کا حسن بن جائے۔ زبان صاف ستھری اور صحیح استعمال کی جاتی ہے جس کی طرف آج کل بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ رسالے کے ایڈیٹر خواجہ ذکی اللہ ذکی احمد پانی پتی اور نگران خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب ہیں اور خواجہ حالی مرحوم کی دونوں نسبتیں "خواجہ" اور "پانی پت" ان میں کام کر رہی ہیں۔ [جناب محترم قاضی صاحب قبلہ! آپ کی رہنمائی ہی قدم قدم پر ضرورت ہے گی یقین ہے کہ آپ بھٹکنے نہ دیں گے]

ہفتہ وار "الفاروق" کامٹی | مدھیہ پردیش کا یہ موقر پرچہ جناب عبدالستار صاحب فاروقی کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے اسکی اشاعت مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں فرماتے ہیں:-

"سنگم" یہ ایک ماہانہ رسالہ ہے جو جولائی ۱۹۵۵ء سے جناب خواجہ ذکی احمد صاحب پانی پتی بی اے (جامعہ) کی ادارت میں اور حضرت خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب کی نگرانی میں جامعہ نگر۔ نئی دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے۔

سنگم جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ایک ملی جلی ہندستانی برادری (سماج) کا داعی اور مشترکہ ہندستانی تہذیب کا علمبردار ہے یوں تو رسالہ بچوں اور بچیوں کے لئے نکالا گیا ہے مگر دراصل اسکے مضامین بچوں اور بوڑھوں کیلئے یکساں مفید ہیں۔ کہانی۔ تفریحات۔ نظم۔ دستر سکھانیوالی باتیں ان سب چیزوں کا یہ اچھا گلدستہ ہے کاغذ سفید چکنا لکھائی چھپائی عمدہ اور سرورق رنگین ہوتا ہے ان سب خوبیوں کے باوجود اس کا سالانہ چندہ صرف دو روپئے ہے امید ہے کہ ہمارے حلقہ کے زیادہ سے زیادہ لوگ اسکی خریداری قبول کر کے ایک اچھے مفید رسالے کو پھلنے پھولنے کا موقع دیں گے۔"

مندرجہ بالا تبصرہ کے علاوہ بھی کرمفرما مورخہ ۱۸ اکتوبر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ماشاء اللہ! سنگم ایک طرز پر خوب نکل رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصہ میں اپنا خاص مقام حاصل کر لیگا۔" [محترم فاروقی صاحب! آپ جیسے کرمفرماؤں کی توجہ و عنایت شامل حال رہی تو یقیناً سنگم کو صحیح خدمت کا موقع نصیب ہو سکیگا۔ آپکی ہمت افزائی کا شکریہ]

حمید اللہ صاحب زخمی | باغپت ضلع میرٹھ سے لکھتے ہیں "سنگم ملا پڑھ کر خوشی ہوئی خاصکر مضمون "کاروانِ منزل حضرت امن لکھنوی" پر جو لکھا گیا ہے بہت پسند آیا آپ کا طرز نگارش قابل داد ہے۔ نظم "رام اور رحمن" بہت پسند آئی۔ مشہور شاعر حضرت عمر خیام کی فارسی رباعی اور اسکا منظوم ترجمہ بھی پڑھا۔ شری کرشن داس صاحب کو ماشاءاللہ اردو ادب پر ملکہ حاصل ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

فارم ممبری سنگم بال سبھا ہندی اردو مجموعی تعداد میں لے لیا انشاءاللہ تعالیٰ کوشش کروں گا کہ ممبر زیادہ سے زیادہ پیدا کریں۔

سچ جانئے رسالہ کو کئی بار پڑھا۔ خدا کیلئے علم مجلسی برابر جاری رکھئے مجھ جیسے لڑکوں اور مجھ سے چھوٹے بچوں کیلئے نصیحت اور تعلیم و ہدایت ہی ہر ورق شاید ہی ہندستان و پاکستان کیا کسی بھی ملک کے رسالہ کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ انشاءاللہ تعالیٰ نہ صرف خود خریدار بنوں گا بلکہ اپنے دوستوں کو بھی دعوت دونگا۔ اور خریدار بناؤں گا اور چند دوستوں کو بھی دعوت دونگا۔" [جزاک اللہ زخمی صاحب! آپ جیسے ہونہار نوجوان اگر توجہ نہیں کرینگے تو اور کون کریگا۔ یہ پرچہ آپ کا ہی ہے]

خواجہ مجیب احمد صاحب | چھندواڑہ (مدھیہ پردیش) :-

رسالہ کے پہلے صفحہ پر کی نظم بہت ہی پسند آئی۔ یہاں پر تو اس نظم کو قوال گا رہے ہیں۔ لطیف اور دیگر دوستوں نے بھی آپکے رسالہ کو بہت پسند کیا ہے ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ خدا اسے دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

(بھائی مجیب! خدا کرے آپ کی دعا کا اثر سب سے پہلے چھندواڑہ سے ہی نظر آنا شروع ہو)

استدعا:- خطوط کے جواب کے لئے ٹکٹ یا پوسٹ کارڈ آنا چاہیئے۔

کرسمس کے تحفے

(خواجہ صفی احمد صاحب متعلم بی اے جامعہ کالج)

بہت عرصہ ہوا امریکہ کے ایک گاؤں میں ایک عورت رہتی تھی جب وہ مری تو اس کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکی لڑکے سے بڑی تھی اور اس کا نام میگی تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی کا نام جم تھا اور وہ اپنی توتلی زبان میں اسے پکارا کرتی تھی۔ ان دونوں بھولے بھالے بھائی بہنوں کو پاس پڑوس کے لوگوں نے اپنے یہاں رکھ لیا اور اس طرح ان دونوں کی پرورش ہوتی رہی۔ جوں جوں یہ بڑے ہوئے ان کی آپس میں محبت بڑھتی رہی اور دونوں ایک لمحہ کے لئے بھی ایک دوسرے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔

جب یہ دونوں بڑے ہو گئے تو انھوں نے سوچا کہ ہمیں کچھ کام کرنا چاہیئے۔ جم تو شہر چلا گیا اور میگی نے اپنے پڑوسی لوگوں کے گھروں کا کام کرنا شروع کر دیا۔

جم کو شہر میں باوجود تلاش کے کوئی مستقل کام نہ مل سکا کرسمس قریب تھا اور جم کے پاس صرف اتنے پیسے تھے کہ وہ گاؤں واپس پہنچ سکے بہرحال اس نے ایک خط میگی کو لکھا۔ میں کرسمس کے لئے گاؤں آنیوالا ہوں

جب میگی نے یہ پڑھا تو سوچا کہ پہلے کرسمس پر میں اپنے چھوٹے بھائی کو کیا تحفہ دوں۔ میگی کے پاس بھی کوئی بچی ہوئی رقم نہ تھی۔ جم کے آنے کے دن قریب آ رہے تھے اور میگی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک دن وہ نہا کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو ایک دم خوشی سے چلا اٹھی اور فوراً پرانا بھورا ہیٹ اوڑھ سڑک پر آئی اور قصبے والی سڑک پہ چلنے لگی۔

دو گھنٹے چلنے کے بعد وہ قصبے میں پہنچی اور وہاں کے بڑے بازار میں داخل ہوئی۔ کچھ دور چلنے کے بعد اس کی نظر ایک بورڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا "بالوں کی اشیا کی خرید و فروخت یہاں ہوتی ہے"۔ میگی یہ دیکھتے ہی فوراً دکان میں داخل ہوئی اور مالک دکان سے پوچھا۔ کیا آپ میرے سر کے بال خرید سکتی ہیں"۔ بوڑھی عورت نے اپنی عینک میں سے میگی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا: "کیوں نہیں"۔

میگی نے فوراً اپنا ہیٹ اتار دیا۔ اور اپنے بال کٹوا دیئے بوڑھی عورت نے ۲۰ ڈالر اسکے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

اب میگی ایک بار پھر بازار کا چکر لگا رہی تھی وہ ایک جنرل مرچنٹ کی دکان میں داخل ہوئی اور اس کی نظر مختلف چیزوں پر سے پھسلتی ہوئی پلاٹینم کی گھڑی کی زنجیر پر رک گئی۔ اس کا چہرہ خوشی کے مارے سرخ ہو گیا اس لئے کہ اس کے بھائی کے پاس ان کے باپ کی ایک سونے کی گھڑی تھی جس کو اس کا بھائی ایک پرانے چمڑے کے فیتے سے اپنی کلائی پر باندھتا تھا اور وہ جب وقت دیکھنے کے لئے ہاتھ آستین سے باہر نکالتا تو وہ چمڑا بہت برا معلوم ہوتا تھا۔ ان تمام خیالات نے میگی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کرسمس کے موقع پر اس زنجیر سے اچھا کوئی تحفہ نہیں۔

میگی نے دکاندار سے اس زنجیر کی قیمت پوچھی اس نے جواب دیا انیس ڈالر۔ میگی ایک لمحے کے لئے گھبرائی مگر یہ سوچ کر کہ گھڑی کے لحاظ سے یہ زنجیر عمدہ رہے گی۔ اس نے انیس ڈالر دے کر زنجیر خرید لی۔ بازار سے کچھ کھانے کا سامان خریدنے کے بعد چند سینٹ باقی بچے اور وہ اپنے گاؤں واپس چلی گئی۔

یہ کرسمس کی رات تھی۔ میگی جم کا انتظار نہایت شوق سے کر رہی تھی۔ اس نے صبح آنے کو لکھا تھا مگر اب رات ہو رہی تھی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا

میگی نے دروازہ کھولا۔ یہ جم تھا۔ جم اندر داخل ہوتے ہی مبہوت ہوکر رہ گیا۔ بڑی دیر کے بعد وہ بول سکا۔ میگی آپا یہ آپ کے بالوں کو کیا ہوا۔ وہ بولی۔ اوہ! ارے بھئی میرے بال تو بہت تیزی سے اُگتے ہیں۔ میں نے ان کو بیچ کر تمہارے لئے ایک بہت عمدہ سا تحفہ خریدا ہے۔ لیکن جم اب تک پریشان تھا۔ میگی نے جم کے جوتے اتارے۔ کپڑے بدلوائے اور دونوں کافی پینے اور دوسرا سامان کھانے بیٹھے۔ کافی پینے سے پہلے جم نے اپنے اوورکوٹ میں سے ایک ڈبہ نکالا اور میگی کے سامنے رکھ دیا۔ میگی نے اسے زرد کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ ڈبے کے اندر کاغذ میں لپٹے ہوئے عمدہ قسم کے کنگھے اور موتی جڑے ہوئے بالوں میں لگانے کی سپیاں تھیں۔ میگی کہنے لگی جم فکر مت کرو میرے بال تیزی سے بڑھتے ہیں۔ یہ پھر کام آجائیں گے رنجیدہ مت ہو۔ اور ہاں میں اپنا تحفہ تو تم کو دینا بھول ہی گئی اور اس نے ایک کاغذ میں لپٹی ہوئی کچھ چیز جم کے ہاتھوں میں تھمادی۔ جم نے کاغذ اتارا یہ چمکتی ہوئی پلاٹینم کی زنجیر تھی۔ جم اسے دیکھتے ہی چلا اٹھا ارے میگی آپا یہ آپ نے کیا کیا جس گھڑی کے لئے آپ یہ چین لائی ہیں اسی کو فروخت کرکے تو میں نے آپ کے بالوں کیلئے یہ سامان خریدا تھا۔ دونوں نامعلوم جذبے کے تحت اٹھ کر بغلگیر ہوگئے اور دونوں کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے ::

(ماخوذ)

نوٹ: مضمون نگار اصحاب سے درخواست ہے کہ وہ کاغذ کے ایک ہی طرف لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں اور حاشیوں پر اور صفحہ کے چاروں طرف ہرگز ہرگز نہ لکھیں جیسا کہ بعض لوگ خطوط میں حاشیوں پر اور پر نیچے الٹا سیدھا آڑا ترچھا لکھا کرتے ہیں اس سے کاتب کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ نیز ذرا صاف لکھنے کی کوشش کریں کیونکہ کاتب کو آپ کی تحریر سے پہلی مرتبہ سابقہ پڑا ہے وہ آپ کی تحریر پڑھنے کا عادی نہیں ہے بلکہ ادارہ کے کارکنوں کو بھی زحمت ہوتی ہے اور وہ مشکل سے صحیح الفاظ پڑھ پاتے ہیں۔ (مدیر)

کاروانِ سخن

سرورق سنگم | اس پرچے کے سرورق کو جس محترم ہستی کی شبیہ سے مزین ہونے کا شرف حاصل ہے وہ ایک عجیب و غریب انسان ہیں۔ بہت شریف، منکسر المزاج، کشمیری برہمنوں کے ایک اونچے گھرانے کے چراغ، اردو کے شیفتہ، مجالس شعرا کی زینت اور حکومت پنجاب میں ایک عظیم المرتبت شخصیت کے مالک ہیں۔ پنڈت چاندنرائن رینہ چاند کی خوبیوں اور نیکیوں کے ہم اس وقت سے قائل ہیں جب وہ ہمارے ضلع کرنال کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد وہ جالندھر تبدیل ہوگئے اور آج کل شملہ میں ڈپٹی کمشنر

مجموعہ کلام | کرنال کے زمانہ قیام میں انھوں نے اپنے کلام کا مجموعہ ترتیب دے کر کاروانِ سخن کے نام سے شائع کرنا چاہا اس وقت سنگم کتاب گھر کے مینیجر منظور حسن صاحب فاروقی تھے نہ معلوم چاند صاحب کی یا ان کے دوست چودھری گیان چند صاحب بی اے (آنرز) کی نظر انتخاب اس خدمت کے لئے سنگم کتاب گھر پر کیسے پڑی ہم تو سمجھتے ہیں کہ محض ہماری خوش قسمتی ہی تھی یا منظور صاحب کی خوش اخلاقی کہ چاند صاحب نے یہ عزت سنگم کو بخشی اور اپنا کلام نہایت اعلیٰ کاغذ پر خوبصورت ٹائیٹل اور گرد پوش کے ساتھ سنگم کے ذریعے شائع کرایا۔

فوٹو ملا کیسے | ہم نے ان کا فوٹو حاصل کرنے کے لئے انھیں متعدد خطوط لکھے لیکن ان کی کسر نفسی اور عہدہ کی مصروفیت نے اجازت ہی نہیں دی کہ وہ توجہ فرمائیں۔ آخر بہت مشکل سے چودھری گیان چند صاحب سے ایک فوٹو حاصل ہوسکا جس میں چاند صاحب موصوف اپنے دفتری کام میں مشغول ہیں اور ٹیلیفون پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔ ہم نے اسی کو غنیمت

سمجھا اور اس کا بلاک بنوالیا - ورنہ عموماً ایسے موقعوں پر محض سادہ فوٹو شائع کیا جاتا ہے۔

مختصر سوانح چند حالات زندگی جو کسی نہ کسی طرح ہمیں مل سکے ہیں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔

پنڈت چاند نرائن رینہ صاحب چاندؔ کی عمر اس وقت ۵۲ کے لگ بھگ ہے وہ لاہور میں پیدا ہوئے - وہیں سینٹ انتھانی اسکول میں داخل ہوئے - اور سنٹرل ماڈل ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا - ایف - ایس سی فارمن کرسچین کالج لاہور سے اور آنرز کے ساتھ فلسفہ میں بی اے اور پھر فلسفہ ہی میں ایم اے لاہور کے گورنمنٹ کالج سے پاس کئے۔ آپ کو انگریزی ادب اور فلسفہ سے شروع سے ہی دلچسپی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کا بھی بہت شوق تھا - آپ نے اسکول کی زندگی کے زمانہ میں ہی شعر و شاعری کی مشق شروع کردی تھی - علامہ اقبال کے کلام کو بہت شوق سے پڑھتے تھے اور انہی کی طرز اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنے آپ کو علامہ اقبال کا شاگرد کہلائے جانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ آپ کی ملازمت کا دور ۱۹۲۷ء سے شروع ہوتا ہے جہاں مختلف سرکاری عہدوں پر نہایت قابلیت اور تعریف کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ اور اب تک مصروف ہیں اور جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے آج کل شملہ میں ڈپٹی کمشنری کے عہدہ پر فائز ہیں۔

وہ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ میری زندگی پر ان تین اصحاب کی صحبت اور ان کے حالاتِ زندگی نے خاص طور سے اثر کیا ہے۔

"سب سے پہلا نام اپنے دادا پنڈت شونارائن شمیمؔ کا لوں گا جنھوں نے پچیس چھبیس سال تک لاہور ہائی کورٹ کے وکلا کی نہایت شان و شوکت اور کامیابی کے ساتھ رہنمائی کی اور قانونی قابلیت کے علاوہ وہ بہت بڑے مورخ، شاعر، مصنف اور ناول نویس بھی تھے اور راگ و سنگیت کے بہت دلدادہ تھے - ان کی ایک کتاب 'ایم اے بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی' اپنے وقت میں بہترین کتاب مانی جاتی تھی اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی تھی اس کی بہت زیادہ مانگ تھی"

"دوسری ہستی جس نے میری زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا میرے خسر تھے جن کا نام نامی ہندوستان کی نامور ہستیوں اور مشہور و معروف ادیبوں میں ہمیشہ ہمیشہ جلی اور سنہری حروف میں زندہ رہے گا یعنی سر تیج بہادر سپرو جو موجودہ دور میں اردو کے سب سے بڑے علمبردار اور حامی مانے جاتے تھے - وہ نہ صرف بہت بڑے قانون داں اور بین الاقوامی شہرت و سیاست کے مالک تھے بلکہ مختلف زبانوں خصوصاً انگریزی اور اردو و فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔"

"تیسری مقتدر شخصیت علامہ سر محمد اقبال کی ہے جو مشرق کا بہت بڑا شاعر تھا۔"

"ان تین حضرات نے میری زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کیا اور میری ذہنی نشو و نما پر بہت گہرا اثر ڈالا۔"

"اردو اور فارسی کے شعرا میں سے مجھے غالبؔ، میرؔ، انیسؔ، اقبالؔ اور چکبستؔ اور حافظؔ شیرازی اور نظیریؔ نیشاپوری زیادہ پسند ہیں اور انگریزی شعرا میں شیلےؔ، کیٹسؔ، اور بائرنؔ کے کلام سے میں زیادہ متاثر ہوتا ہوں۔ لیکن میں زیادہ تر اردو نظم اور انگریزی نثر کا مطالعہ کرتا ہوں - انگریزی نثر میں جن مصنفین کو میں بیحد پسند کرتا ہوں ان میں رابرٹ لوئیس اسٹیونسن - اولیور گولڈ سمتھ، رسکن اور ہیزلٹ خاص طور سے قابل ذکر ہیں"

چاندؔ صاحب کی رائے میں اچھی نظم وہ ہے جس میں انسان کے خیالات و افعال کو ابھارنے اور اعلیٰ معیار پر لے جانے کی خصوصیت ہو اور اس کا انسان کی زندگی سے گہرا تعلق ہو،

زباں میری نہ ہو لیکن تخیل میرا اقبالی
کلام چاند کی "بانگ درا" ہی نے بنا ڈالی

میرے پنہائے دل میں درد دو عالم مقید ہے
نظر میری ہے جنت کے مناظر دیکھنے والی

چاند صاحب کی ایک غزل بھی ملاحظہ فرمایئے (صفحہ ۲۷)۔

روبرو جب تک مرے پروردگار آتا نہیں
اس کی ہستی کا مجھے تو اعتبار آتا نہیں

ہر قدم پر میں نے کھایا ہے عالم میں فریب
اپنی ہستی پر بھی اب تو اعتبار آتا نہیں

تم سمجھتے ہو کہ جب چاہا بلایا آ گیا
ایک بار آتا ہے دل یہ بار بار آتا نہیں

ہے سر محفل نظر مجھ پر مگر بدلی ہوئی
تیر تو آتا ہے لیکن دل فگار آتا نہیں

جب وہ جاتے ہیں مرے دل کی تڑپ جاتی نہیں
جب وہ آتے ہیں مرے دل کو قرار آتا نہیں

اعتبار آنے کا تھا جب تک تو وہ آئے نہیں
اب وہ آئے ہیں تو مجھ کو اعتبار آتا نہیں

رازداں [illegible] خود ہی اک سرمایہ راز ہے
جو [illegible] راز سے وہ رازدار آتا نہیں

[illegible] روح تازہ پھونک دے
[illegible] مردِ پختہ مغز و پختہ کار آتا نہیں

کس قدر [illegible] میرا درد دل لے [illegible] ہے
مضطرب [illegible] تک نہ ہوں مجھ کو قرار آتا نہیں

چاند صاحب کے کلام کا کچھ نمونہ ہم [illegible] بھی شائع کریں گے لیکن یہ [illegible] کا رد [illegible] "ایسی" [illegible] ہر وہ [illegible] انسان کے مطالعہ میں ضرور رہنا چاہیے اس سے طبیعت میں شگفتگی اور خیالات میں وسعت پیدا ہوگی اور کتاب کو [illegible] حاصل ہوگا۔

غزل

(اکرام الدین صاحب سرشار عمرانی بلند شہری احمد [illegible])

پروا نہیں جو حاصل مجھکو خوشی نہیں ہے
یہ رنج و غم سلامت! کوئی کمی نہیں ہے

اللہ رے بشر کی محرومیوں کا منظر
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور روشنی نہیں ہے

اک چوٹ دل پہ کھائے مدت گزر چکی ہے
درد جگر ہے لیکن کوئی کمی نہیں ہے

ساقی ہے میکدہ ہے جام شراب بھی ہے
کیا بات میکشوں میں پھر بیخودی نہیں ہے

میں محو دید ہیم، وہ گفتگو کے خواہاں
سرشار ان سے کہہ دو فرصت ابھی نہیں ہے

جواہر ملیہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے قومی و ملکی تحریکات سے متاثر ہو کر اپنے خیالات کا اظہار جن اشعار میں کیا وہ سب محفوظ کر لئے گئے خصوصاً ہندوستان کے مایہ ناز فرزند مولانا شوکت علی و محمد علی کی گرفتاری اور قید و بند سے حالی صفوں پر جو عقیدت کا اظہار تہنیتی اشعار میں کیا ان میں سے دس کا انتخاب "جواہر ملیہ" کے نام سے شائع کیا گیا ہے قیمت ۲ [illegible]

آہ! رفیع بھائی!!

(حافظ فیاض احمد صاحب)

مرنے کو تو روزانہ ہزاروں لاکھوں انسان مرتے اور پیوند خاک ہو جاتے ہیں لیکن بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر نہ صرف گھر والے اور قریبی تعلق والے روتے ہیں بلکہ پورا ایک عالم کا عالم ماتم کرتا اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتا ہے۔ ایسی موتوں پر ہمارا عقیدہ ہے کہ نہ صرف انسان روتے ہیں بلکہ فرشتے، زر وہ تمام مخلوق بھی روتی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی۔

ایسی ہستیوں میں سے ایک ہستی رفیع احمد قدوائی کی ہے جسے مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں یہ حضرت علی گڑھ کالج میں جو ابھی یونیورسٹی نہیں بنا تھا آکر فرسٹ ایر آرٹس میں داخل ہوئے اور منٹو سرکل کے سی (C) بلاک میں انھیں رہنے کو جگہ ملی جہاں ہم بھی براجمان تھے اور ہم بی ایس سی کلاس میں اور سینیر لڑکوں میں ہونے کی وجہ سے بہت کچھ تھے (سینیر ہاؤس مانیٹر، ایم اے او کالج ٹینس کلب کے جنرل سکریٹری۔ سکریٹری منٹو سرکل یونین کلب وغیرہ وغیرہ) اور رفیع جونیر طلبہ میں ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں تھے لیکن طبیعت کی جولانی سے مجبور تھے۔ اور اپنے ہم وطنوں اور ہم جماعتوں میں اپنی اہمیت کی داغ بیل ڈالنے میں مصروف رہتے تھے۔ آدمی تھے ماشاء اللہ تیز، بہت جلدی ایک خاص حلقۂ احباب پیدا کر لیا اور اس میں اچھی خاصی پوزیشن بھی حاصل کر لی۔

اس حقیقت سے تو وہی لوگ واقف ہیں جنھیں یہ تجربہ حاصل ہو جاتا ہے کہ کوئی پوزیشن یا لیڈری مل جانے کے بعد انسان خاموش نہیں بیٹھتا بلکہ اپنی اہمیت قائم رکھنے کے لئے نت نئے کام ڈھونڈتا رہتا ہے اور اپنی تمام قوتیں اسی محور کے گرد گھماتا رہتا ہے۔ چنانچہ ماشاء اللہ رفیع نے بھی اسی قسم کی مصروفیتیں اپنے لئے تلاش کر لیں اور تعلیم کے علاوہ کافی وقت وہ ان ایکٹیویٹیز (Activities) میں بھی صرف کرتے جن کے لئے علی گڑھ کالج کا میدان ہمیشہ سے وسیع رہا ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گا!

پہلوان ہمیشہ اپنے سے زبردست کو پچھاڑنے میں عزت محسوس کرتا ہے اور اس کوشش میں رہتا ہے کہ اپنے سے بڑے کے ساتھ اکھاڑے میں ہاتھ مارے اور پھر داؤں پیچ کے جوہر دکھلائے۔

یہی حال ہمارے بھائی رفیع کا تھا کہ چھوٹوں پر ملنے برابر والوں پر تو محض رعب جما کر جوش سے کام لیتے لیکن مقابلہ میں ہمیشہ اپنے سے سینیر اور ذرا اہم ساتھیوں سے آتے۔

ایک دو مرتبہ ہم سے بھی انھوں نے ٹکر لی لیکن ہم نے کبھی مخاصمت کا پہلو اختیار نہیں کیا اور نہ کبھی ان کی باتوں یا "آوازوں" سے چڑے کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ کالج میں کئی اہم پوسٹ (عہدوں) کے حاصل ہونے کی وجہ سے ہمارا ان کا کوئی میل یا مقابلہ نہیں تھا۔ اگر رستہ کشی میں ہم جیت گئے تو کوئی خاص عزت نہیں ہوگی کیونکہ سب کہیں گے کہ جونیر ساتھی سے مقابلہ کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ لڑنا ہی تھا تو زیادہ نہیں تو کم از کم اپنے برابر کی پوزیشن والے ہی سے لڑ کر کامیاب ہوتے اور اگر ہار گئے تو ظاہر ہے منہ چھپانے کو بھی جگہ نہیں ملے گی اور بہت بھد ہوگی لہٰذا ہمیشہ ہنسی مذاق کا ہی پہلو اختیار کئے رکھا لیکن یہ شیر بھی ان باتوں کو خوب سمجھتا تھا اور ہمارے اثر نہ قبول کرتی

وجہ سے بہت جھلاتا تھا ہمارا ان کا ساتھ دو سال رہا۔ بورڈنگ ہاؤس کی اس قلیل رفاقت کے زمانہ میں کچھ نہ پوچھئے کتنے اکھاڑے جمے اور کتنے اکھڑے۔ اس کے بعد ہم نے وہاں ملازمت شروع کردی اور دارالاقامہ سے نکل کر اساتذہ کے لئے جو بنگلے احاطۂ کالج میں بنے ہوئے تھے وہاں ظہور حسین وارڈ کے سامنے والے بنگلہ میں چلے آئے اور میدان رفیع اور ان کے ساتھیوں کیلئے چھوڑ آئے۔

اس توڑ جوڑ میں کبھی اس شخص نے بیہودگی۔ بدزبانی۔ بدتہذیبی یا عناد و بغض سے کام نہیں لیا۔ کبھی ہماری انکی ملاقات یا دوستی میں فرق نہیں آیا۔ ہم تو کیا ہم نے کسی اور کے متعلق بھی نہیں سنا کہ اس سے کبھی تو تو میں میں ہوئی ہو۔

کالج میں ہم نے اپنا نام ذرا انگریزی طرز سے لکھنا شروع کردیا تھا۔ اس وقت تو بہت سے دوستوں اور پروفیسروں کو معلوم تھا لیکن آجکل صرف دو شخصوں کو معلوم تھا یا ہے جن میں ایک تو مرحوم رفیع تھے دوسرے غلام محمد صاحب ہیں، بھلا کون غلام محمد؟ یہ بھی ایک مدبر اور جوڑ توڑ کا شخص ہے۔ لیکن نہایت شریف النفس اور یار باش انسان ہے۔ زیادہ اتہ پتہ بتایا جائے تو اندیشہ ہے کہ جاسوس نہیں تو مجنوں کی فہرست میں نام نہ لکھ لیا جائے کہ جسم تو یہاں سمجھا جائے اور دل وہاں۔

مرحوم قدوائی کالج میں اسی مخصوص نام سے ہمیشہ پکارتے رہے اور اب دہلی میں جب کبھی ملنے کا اتفاق ہوتا تو اسی نام سے اور اسی ادا اور محبت سے پکارا کئے۔ یہی حال غلام محمد صاحب کا ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے جب کبھی وہ حیدرآباد یا ٹاٹا کے ہاں سے دہلی آتے اور ملنے کا موقع ہوتا تو اسی نام سے پکارتے اور چونکہ ان دونوں حضرات سے ملاقات ہمیشہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی موجودگی میں ہوتی اور یہ حضرات اسی نام سے مخاطب کرتے تو یوں کہئے کہ ان دو کے علاوہ تیسرے محرم راز ڈاکٹر ذاکر صاحب بھی ہیں جنہیں ہماری اس کمزوری یا جدت کا علم ہے۔

بہرحال رفیع صاحب سے ہمیں قلبی لگاؤ تھا اور دلی عقیدت تھی۔ ان کے کام کرنے کی صلاحیتوں کو ہم سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ لندن جی سے جب انہوں نے ڈگری لی تھی تو کالج کی زندگی کا سماں پورا کا پورا ہماری آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔ ڈاک خانوں کے انتظام یا خوراک کے محکمہ کی حیرت انگیز ترقی سے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے لیکن ہم اسے ان کا ایک ادنیٰ کرشمہ سمجھتے ہیں وہ اگر زندہ رہتے تو آپ اور دیکھتے کہ وہ شخص کتنی فراست اور حسن انتظام کا مالک ہے وہ واقعی مخلص انسان اور ایک ہمدرد انسان تھا۔

رفیع مرحوم کی تنخواہ ان کی اپنی ذات پر بہت ہی کم صرف ہوتی تھی۔ ہر شخص نے ان کے ڈرائنگ روم سے ان کی سادہ زندگی کا اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ کس قدر سادہ مزاج واقع ہوئے تھے۔ ان کا سب کچھ دوسروں کے لئے وقف تھا۔ وہ خاموشی سے دوسرے ضرورت مندوں کی امداد کیا کرتے تھے اور ہر سوالی کا سوال پورا کرتے تھے۔ ان کے مرنے پر جتنے بیان اخبارات میں شائع ہوئے ہیں ان سب میں بہترین اور صحیح پیغام ہمارے نقطۂ نگاہ سے اور ہمارے ذاتی علم کی بنا پر جناب اجیت پرشاد صاحب جین وزیر محکمہ بحالیات کا ہے جس کے یہ فقرے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں :-

"وہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد کرتے تھے اس طرح بہت سے لوگ پلتے تھے مسٹر قدوائی کے بعد وہ بیوائیں اصل میں بیوائیں ہوگئی ہیں وہ بہادر رہے اور بہادر مرے ہم میں سے جس کو ایسی موت ملے وہ خوش قسمت ہے۔" (الجمعیۃ ۲۹ راکتوبر ۱۹۵۴ء)

۲۴ راکتوبر کی شام بھی کیسی شام تھی۔ ہم نے ریڈیو لگایا تاکہ معلوم کریں کہ رفیع بھائی نے آج دہلی کے جلسہ میں کیا کہہ ڈالا

کیونکہ اس سے پہلے کبھی یہ سننے میں نہیں آیا تھا کہ انھوں نے دہلی کے کسی پبلک جلسہ میں تقریر کی ہے۔ تقریر کا خلاصہ سننے کی بجائے ہمارے کانوں نے ہمیں دھوکہ میں ڈالنے والی اطلاع دی کہ "نہایت افسوس سے ہم اعلان کرتے ہیں کہ آج شام ہمارے ملک کے منسٹری خوری رفیع احمد قدوائی کا اپنی کوٹھی نئی دہلی میں دیہانت (انتقال) ہوگیا" اتنی سی مختصر خبر کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا اور ہم حیران رہ گئے کہ کہیں ہمارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا کہ ہم نے سننے میں غلطی کی ہو۔ یا الہٰی یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ تو آج شام کو تقریر کرنے والے تھے اور ہمیں معلوم ہوا تھا کہ ان کو سننے کے لئے ہزاروں انسان جلسہ گاہ میں پہنچ گئے ہیں اور تقریر کا جو وقت تھا تقریباً اسی وقت ان کا انتقال ہوگیا تو کیا وہ جلسہ میں گئے ہی نہیں یا کیا ہوا غرض صحیح خبر اگلے روز صبح کو یعنی ۲۵ ر کو معلوم ہوئی کہ وہ تقریر چھوڑ کر آتے ہی ملک الموت کے جنگل میں پھنس گئے۔ آخر ہم انکی کوٹھی پر نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے گئے اور جس نے پیدا کیا تھا اسی کے سپرد کر آئے۔

افسوس! کام کے بندے اللہ کو کس قدر پیارے ہوتے ہیں کہ انھیں یہاں خدمت کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے اور وہ بہت جلد بلا لئے جاتے ہیں اور ہم جیسے گنہگار قیامت کے بورے سمیٹتے رہتے ہیں۔ مرحوم کی ساری زندگی اور مدوجزر کے کل واقعات بجلی کی طرح ایک دم آنکھوں کے سامنے آگئے اور یقین نہیں آیا کہ ہمیں مخصوص نام سے پکارنے والا اور محبت سے پیش آنے والا اب دنیا میں موجود نہیں ہے اور ہم اس کی محبت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔

جب ہم ان کی کالج کی ابتدائی زندگی کا اپنے حالات سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ مثل بالکل سولہ آنے صحیح ثابت ہوتی ہے کہ "بزرگی بعقل است و نہ بسال" (وہ) ابن عمر کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ عقل و دانش اور مرتبہ کے لحاظ سے ہوتا ہے) ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت کرے اور پسماندگان کو جن میں تمام ان کے نمک خوار بھی شامل ہیں صبر عطا فرمائے۔ آمین۔

جناب منظور علی صاحب فاروقی تمنا بجنوری نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے رسالہ سنگم کے لئے مخصوص طور سے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات آنریبل جناب رفیع احمد صاحب قدوائی مرحوم و مغفور (فوڈ منسٹر حکومت ہند) ارسال فرمایا ہے جو ہم درج کرتے ہیں :-

وا دریغا چوں رفیع احمد منسٹر دفعتہً
شد رواں از دارِ فانی جانب دارالسلام
گشت در قصرِ حکومت یک تزلزل آشکار
شد چو آں رکنِ رکینِ سلطنت را انہدام
مضطرب از رفتنش گشتند اہلِ ملک و قوم
زانکہ ملک و قوم ہیہم یافتہ از ذاتش نظام
آہ بر لب ہاست در غم۔ اشک اندر دیدہ ہا
آمدہ در ماتمش نالاں و گریاں خاص و عام
فکرِ تاریخش تمنا کرد و داد ہاتف ندا
داخلِ خلدِ بریں قدوائی عالی مقام
۱۹۵۴ء

بچوں کی تعلیم و تربیت

علم مجلسی

بچو اور بچیو!

پچھلے دو پرچوں میں تم "عجز و انکساری" اور "صحبت کا اثر" کے متعلق عمر خیام اور شیخ سعدی کے قطعات یاد کر چکے ہو اس مرتبہ پھر ہم شیخ سعدی کی گلستاں سے دو شعر درج کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم نہ صرف انھیں یاد کر لوگے بلکہ ان پر عمل بھی کروگے۔ اگر پچھلے قطعات پر عمل نہیں کیا ہے تو ہماری سب محنت بیکار گئی۔ تم ان کو یاد بھی کر لو تاکہ دوسروں سے ان موضوعوں پر گفتگو کرتے وقت یا اپنے سے چھوٹوں کو نصیحت کرتے وقت انکو پڑھکر اپنی گفتگو یا لکچر کو موثر بنا سکو اور ان میں جو نصیحت درج ہے اسے پلے باندھ لو یعنی اس پر عمل کرو۔

تمہارے ساتھ اکثر یہ واقعہ پیش آتا ہوگا کہ بعض دوستوں کے روزانہ وقت بے وقت چلے آنے سے تمہیں غصہ آیا ہوگا بیکار وقت ضائع کرنے کے لئے محض ملنے کی غرض سے روزانہ کسی کا چلے آنا کس قدر ناگوار گزرتا ہے۔ فرض کرو کہ تم نے اپنا پروگرام ایسا بنا رکھا ہے کہ ایک گھنٹہ ماں باپ کی خدمت یا بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر رکھا ہے ایک گھنٹہ دوسرے نجی کاموں کے لئے وقف ہے اور پھر ایک یا دو گھنٹے تعلیم کے لئے اور مدرسہ کا کام کرنے کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان اوقات میں کوئی دوست تم سے محض ملنے کے لئے آجاتا ہے تو تمہیں یقیناً اچھا نہ لگتا ہوگا اور تم دل ہی دل میں کڑھنے لگتے ہوگے۔ مروت سے اسے منع بھی نہیں کر سکتے اور اگر اسکی خاطر سے بیٹھے رہو تو مقررہ کاموں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور رہ جائے گا اور نقصان کا باعث ہوگا یا اگر اس کو بٹھا کر اپنا کام کرنے لگے تو اسے ناگوار ہوگا کہ ہم تو اتنی دور چل کر آئے اور یہ نواب صاحب ہم سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں بھی باہمی رنجش کا امکان ہوتا ہے۔

لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ نہایت شرافت اور انسانیت سے اپنے دوست کو سمجھا دو کہ وہ ان اوقات میں نہ آیا کریں بلکہ روزانہ بھی نہ آئیں تو بھی زیادہ اچھا ہو۔

ہمارے (مسلمانوں کے) پیغمبر آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ملنے والے اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے شخص تھے (ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کو مصاحب یا صحابی کہتے ہیں) ان صحابی کا نام ابوہریرہ تھا۔ ان کا اصلی نام عبدالشمس تھا یعنی سورج کا بندہ لیکن یہ اس وقت تھا جبکہ وہ اسلام نہیں لائے تھے اور چونکہ سوائے اللہ کے اور کسی کا بندہ کہلانا شرک ہے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن ہوگئے لیکن انھیں بلی پالنے کا بہت شوق تھا ایک روز رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بغل میں بلی بھی دبا رکھی تھی۔ آنحضرت نے دیکھ کر فرمایا اَنْتَ ابوہریرہ۔ تم ہریرہ یعنی بلی کے باپ ہو۔ اسی وقت سے یہ کنیت (ابوہریرہ) مشہور ہوگئی۔

وہ روزانہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایک روز آنحضرت نے فرمایا اے ابوہریرہ ایک روز چھوڑ کر ملا کرو تاکہ محبت زیادہ ہو

کہتے ہیں کہ ایک اہل دل سے لوگوں نے کہا سورج کتنا خوبصورت ہے لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کوئی اس سے

محبت کرتا ہو یا اس پر عاشق ہوگیا ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر روز اس کو دیکھ سکتے ہیں مگر جاڑے کے موسم میں جبکہ وہ چھپا رہتا ہے تو وہ بہت پیارا لگتا ہے۔
اب وہ قطعہ بھی یاد کرلو سنو:۔

بدیدار مردم شدن عیب نیست
ولیکن نہ چنداں کہ گویند بس
اگر خویشتن را ملامت کنی
ملامت نباید شنیدن زکس

ترجمہ:" آدمی کی ملاقات کے لئے جانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے لیکن اتنا نہیں کہ وہ اُکتا جائے۔
اگر تو اپنے آپ کو ملامت کرے تو کسی کی ملامت سننی نہ پڑے۔"

یعنی اپنی خرابیوں پر نظر ڈال کر دیکھ اور اپنے آپ کو ان باتوں پر ملامت کر اور بُرا کہہ اگر تو نے ایسا کرلیا اور بُری عادتیں چھوڑ دیں یا ندامت ظاہر کردی تو کوئی شخص تجھے ملامت نہیں کرے گا اور بُرا نہیں کہے گا۔ دیکھیں ہمارے سنگم پڑھنے والے اس پر کتنا عمل کرتے ہیں

نوٹ: پچھلے پرچہ میں "شگوفے" کے سلسلہ میں ہم نے اس مرتبہ بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے کا وعدہ کیا تھا لیکن بوجوہ ہم اس پرچہ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکے معذرت چاہتے ہیں۔

اگر آپ سنگم بال سبھا کے ممبر ہیں تو اپنی ایک تصویر بھیج دیجئے ہم ... کا بال سبھا کے ... ملاحظہ ہو ...

تفریحات

ریاضی پچھلے دو پرچوں میں ہم نے اس بات پر زور دیا تھا کہ حساب جاننے کے لئے سب سے اہم چیز گنتی ہے۔ اگر بچہ گنتی اچھی طرح سمجھ جائے اور الٹا سیدھا گننا جان جائے اور طاق یا جفت کے حساب سے گن سکے یا تین تین ہندسے یا چار چار یا پانچ پانچ ہندسے چھوڑ کر سیدھے الٹے طور سے بغیر کسی رکاوٹ کے محض ذہن کی تیزی سے گن سکے تو پھر حساب سیکھنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

ہم والدین اور استادوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس معاملہ میں مطلق جلدی نہ کریں کہ بچہ کسی طرح ایک یا دو دن میں ہی یا ہفتہ عشرہ میں ہی گنتی جان جائے۔ اگر اس سلسلہ میں زیادہ دن بھی لگ جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ آئندہ سارے حساب کی بنیاد اسی پر مبنی ہوگی۔ اگر بچہ ۲-۴-۶-۸-۱۰ وغیرہ یا ۱-۳-۵-۷-۹-۱۱ یا ۵-۱۰-۱۵-۲۰ وغیرہ یا ۱۰۰-۹۹-۹۸-۹۷-۹۶ یا ۱۰۰-۹۸-۹۶-۹۴-۹۲ یا ۹۹-۹۷-۹۵-۹۳ وغیرہ جلدی جلدی گن سکے اور پورے سو تک شروع سے آخر تک یا آخر سے شروع تک بغیر کسی رکاوٹ کے گن سکے تو سمجھئے کہ ابتدائی حساب کے قاعدے یعنی جمع تفریق ضرب تقسیم بہت آسانی سے بہت جلدی سیکھ جائے گا۔
جب گنتی آجائے تو جمع سکھانا شروع کیجئے۔
بچوں کو بھی ایک آنہ میں کتنے پیسے ہوتے ہیں؟ چار ... دو آنہ میں؟ ... اور اگر ایک آنہ میں سے تین ... کو ایک پیسہ دیا جائے تو تمہارے پاس ...

بجے گا؟ 'ایک پیسہ' شاباش!

تم آج دیر سے سوتے اٹھے ہو تمہیں صرف ایک آنہ ملے گا اور تمہاری بہن سب سے پہلے اٹھی تھی اسے ہم چار آنہ دیں گے، تو اس کے پاس تم سے کتنے پیسے زیادہ ہوں گے؟ "نو" نو؟ سوچ کر بتاؤ۔ 'گیارہ' اب بھی غلط ہے، (انگلیوں پر گن کر) 'بارہ' ہاں اب صحیح ہے لیکن یہ انگلیوں پر گننا ٹھیک نہیں ہے۔ صرف دماغ سے کام لے کر جواب دینا چاہیے۔

اچھا اگر تمہارے پاس نو آنے ہوں تو ایک روپیہ سے کتنے کم ہیں؟ 'سات آنے' کیسے آیا؟ ایک روپیہ کے سولہ آنے ہوتے ہیں تو ہم نے سوچا کہ ہمارے نو آنے ہیں اور کتنے آنے ملا دیے جائیں کہ سولہ ہو جائیں۔ دس، گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ یعنی سات آنے اور ہوں تو پورے سولہ ہو جائیں گے!

بھئی جواب تو بالکل ٹھیک ہے لیکن تم نے پھر انگلیوں پر گنا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم انگلیوں پر گنو ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دو ہندسوں کا جوڑ اتنا یاد ہو کہ جیسے بجلی کا بٹن دباتے ہی روشنی فوراً دوڑ کر آتی ہے اسی طرح دو ہندسوں کا نام سنتے ہی تمہارے دماغ کا بٹن صحیح جواب بتلا دے ۶ اور ۸ کا جواب بغیر انگلیوں پر گنے ہوئے ۱۴ دینا چاہیے۔ ۷ اور ۸؟ '۱۵' ۶ اور ۹؟ '۱۵' ۴ + ۹ = ? '۱۳'

کھیل: استاد اور والدین کو چاہیے کہ صرف اکائی کے ہندسے جوڑنے کی مشق کرائی جائے اور بچے کو اتنی مہارت ہو جائے کہ وہ بغیر گنے ہوئے فوراً صحیح جواب دے سکے۔ بچے بھی آپس میں اس کا کھیل کھیلیں اور دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں۔ اور ایک پارٹی کا پہلا بچہ دوسری پارٹی کے پہلے بچے سے کوئی سوال کرے مثلاً ۷ اور ۹؟ وہ اگر فوراً جواب نہ دے تو ایک نمبر کٹ گیا۔ دوسرا بچہ جواب دے، اب دوسری پارٹی کا تیسرا بچہ یا اگر پہلے بچے نے ہی جواب صحیح دیا تھا تو دوسرا بچہ پارٹی کے دوسرے بچے سے اسی قسم کا کوئی سوال کرے مثلاً ۵ + ۸ = ? غرض ہر پارٹی کا ایک ایک لڑکا مخالف پارٹی کے لڑکوں سے ترتیب وار سوال کرتا ہے تا آنکہ سلسلہ سوال و جواب ختم ہو جائیں یا اگر دونوں طرف بچوں کی تعداد کم ہو تو تین چار مرتبہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے اور ایک بڑی عمر کا لڑکا یا کوئی استاد یا کوئی اور شخص جج مقرر ہو جو نمبروں کو جمع کرے۔ اگر سوال کا جواب پہلی مرتبہ صحیح ملا ہو تو جواب دینے والی پارٹی کو ایک نمبر مل جائیگا اور اگر غلط ملا ہے تو ایک بچہ کی باری ختم ہوئی دوسرا جواب دیگا اس کو صحیح جواب دینے پر نمبر ملے گا بہر حال سوال کا جواب ترتیب وار بچے دیں گے اور ترتیب وار ہی سوال کریں گے بیچ میں سے کوئی اور نہ سوال کرے گا نہ جواب دے گا۔ اگر کوئی اور بیچ میں بول پڑا تو اس پارٹی کا ایک نمبر کاٹ لیا جائے گا۔ اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ صرف اکائی ہندسوں کے جوڑنے کی مشق کرائی جا رہی ہے یعنی ۱ سے ۹ تک کوئی دو ہندسے لیکن ان کا جوڑ یاد ہونا چاہیے اور بغیر انگلیوں پر گنے ہوئے یا توقف کئے بغیر فوراً بجلی کی طرح صحیح جواب دینا چاہیے بس یہ آج کا سبق ہے اب آئندہ اور سبق دیا جائیگا۔ خدا حافظ۔

> بچو! کیا تم نے بچوں کی جادو کی کتاب پڑھی ہے جس میں نہایت دلچسپ باتیں اور حیرت انگیز تفریحی مشاغل درج ہیں جن سے دماغی اور ذہنی نشوونما میں مدد ملتی ہے صرف سات آنے کی ہے

تفریحی سوالات:۔ پچھلے پرچہ میں دوسرے سوال کا جواب کسی نے نہیں بھیجا لیجئے ہم ہی جواب بتاتے ہیں۔ پچھلے پرچہ کا صفحہ ۱۴ نکال کر سامنے رکھ لو اور دیکھو جو سوال کیا گیا ہے۔ اس کا جواب س ن گ م یعنی سنگم ہے یا نہیں؟

تیسرے سوال سے متعلق جو جولائی میں درج کیا گیا تھا اگست کے پرچہ میں لکھا گیا تھا کہ اس میں غلطی ہے اور دریافت کیا گیا تھا کہ بتاؤ غلطی کیا ہے؟ افسوس ہے کہ کسی بچہ یا بڑے نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کے بچوں کی تعلیمی حالت کیا ہے یا تعلیمی و تربیتی پرچوں سے کہاں تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بس حکومت کو، لیڈران کو، استادوں کو اور نہ جانے کیسے کیسے کو سنا ہی آتا ہے اور انھیں برا بھلا کہنا ہی دل کو بھلا لگتا ہے۔ اپنی کمزوریوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ ہم والدین اور ماں باپ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے پرچہ کے اس حصہ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ ان کے بچوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ اگر سال بھر میں کسی ایک پرچہ کی بھی کوئی بات بچوں کو آگئی تو سمجھئے دو روپلے میں سو روپے کمائے۔

اب دوبارہ پھر اس سوال کو کہیں دہرایا جائے اسے ختم کرنے کے لئے ہم بتاتے ہیں کہ آسان ضرب کا جو قاعدہ ہم نے درج کیا تھا وہ ۱۰ سے ۲۰ تک کوئی دو عدد لیکر انھیں باہمی ضرب دینے کے لئے صحیح نہیں ہوگا بلکہ ۱۱ سے ۱۹ تک کے لئے صحیح ثابت ہوگا صفر والے اعداد یعنی ۱۰ اور ۲۰ کیلئے صحیح نہیں ہوگا۔

سوال ۱ (مندرجہ پرچہ جولائی) کا حل آپ کو دسمبر کے پرچہ میں بتائیں گے۔ اگر اس اثنا میں آپ نے اس کا جواب بھیجدیا تو ممکن ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ پہنچے۔

نیا سوال! اچھا بتاؤ!

میرا پہلا چندی گڑھ میں ہے	انبالہ میں نہیں
میرا دوسرا انبالہ میں ہے	ناگپور میں نہیں
میرا تیسرا ناگپور میں ہے	دلی میں نہیں
میرا چوتھا دلی میں ہے	بمبئی میں نہیں

میں خود شملہ میں ہوں میرا اتہ پتہ اسی پرچہ میں ہے بتائیے میں کون ہوں؟

بچوں کا اپنا صفحہ

("انعامی مقابلے" ملاحظہ ہوں)

علم کی برکت

ثروت کی عمر بارہ سال کی تھی اور وہ چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی۔ اسکے ماں باپ بہت غریب تھے۔ اس کا ایک چھوٹا بھائی تھا مگر ابھی تک غریبی کی وجہ سے اسکول میں شریک نہیں ہوا تھا۔ ثروت بھی بڑی مشکل سے تعلیم پا رہی تھی کہ اچانک ان کا باپ مر گیا۔ اب بڑی مشکل آپڑی۔ ثروت کی ماں کپڑے سی کر اور محلہ کے چھوٹے بچوں کو پڑھا کر تنگی سے گزارہ کرنے لگی۔ آمدنی بہت ہی کم ہونے سے ثروت کی تعلیم بڑی مشکل سے ہو سکتی تھی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور مدرسہ جانا نہ چھوڑا اور محنت سے پڑھنے لگی اور ساتھ ہی گھر کا کام بھی کرتی۔

آخر اس کی محنت اور شوق کام آیا۔ اچھا پڑھنے کی وجہ سے اس کو مدرسہ سے وظیفہ اور کاپیاں کتابیں بھی ملنے لگیں۔ وہ گھر میں اپنے بھائی کو بھی پڑھایا کرتی تھی۔ ورنیکلر فائنل پاس کرنے کے بعد وہ گھر پر ہی رہنے لگی اور بھائی کو پڑھانے کے سوا سلائی کر کے ماں کو بھی آرام دیا کرتی۔

اسی محلہ میں ایک امیر اور تعلیم یافتہ صاحب رہتے تھے ثروت کے کہنے پر اسکی ماں نے ان صاحب سے منت کی کہ "میری لڑکی کو کسی اسکول میں استانی کی جگہ دلوا دیں تو بڑی مہربانی اور ثواب ہوگا۔" آخر ثروت ایک مدرسہ میں استانی بن گئی۔

اب آمدنی کچھ زیادہ ہو گئی تھی اس لئے اس نے اپنے بھائی کو بھی مدرسہ میں شریک کروا دیا اور خود بھی پڑھانے کے ساتھ ساتھ تین چار سال کی مدت میں بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔ اس سے اس کو مدرسہ میں بھی ترقی مل گئی۔

اس نے اپنی ماں کے آرام کا خاص خیال رکھا۔ جو بہت بوڑھی ہوگئی تھی اس لئے ثروت نے اسے سلائی کرنے سے روک دیا۔ ثروت کی آمدنی اب اچھی تھی اور اس کا بھائی بھی علم حاصل کر رہا تھا اور وہ سب آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ سب ثروت کے علم حاصل کرنے ہی کی برکت تھی۔

خدیجہ سلطانہ ہاشمی، درجہ چہارم، عمر گیارہ سال، حیدرآباد دکن

ارشد

ارشد اپنے ماں باپ کا چوتھا بچہ تھا۔ تمام بچوں میں اب یہی ایک بچ رہا تھا۔ اسلئے ماں باپ اسکو بہت چاہتے اور اسکی ہر بات مانتے تھے۔ ارشد کے باپ ایک دفتر میں نوکر تھے اور اسکی ماں گھر کا کام کاج کرتی تھی۔ یہ اوسط درجہ کی زندگی گزارتے تھے۔ ارشد سے ماں باپ بہت لاڈ کرتے تھے مگر انھوں نے اسکی تعلیم و تربیت کا اچھا خیال رکھا۔ اسکو ہر وقت سچ بولنے، چوری نہ کرنے، بڑوں کا ادب کرنے اور دوسروں کی مدد کرنے کے لئے کہا جاتا اور روز ماں سوتے وقت ایسے ہی قصے کہا کرتی جس سے ارشد ایک اچھا لڑکا بن سکے۔

جب ارشد چودہ برس کا ہوا تو وہ آٹھویں جماعت میں تھا۔ وہ بہت ذہین تھا۔ ہر وقت اپنی جماعت میں اول آتا اور ہر سال اسکو انعام ملتا۔ وہ بہت رحم دل تھا ہمیشہ مصیبت زدہ کی مدد کرتا اور اپنے دوستوں کو بھی ایسا کرنے کے لئے کہتا۔

ارشد پڑھنے لکھنے میں ہی چالاک نہ تھا بلکہ کھیل کود میں بھی بہت اچھا تھا۔ اس میں بھی اسکو مدرسے سے انعام مل چکے تھے۔

ارشد کو تیرنے کا بڑا شوق تھا اس نے اپنی خواہش سے تیرنا سیکھا اور اب وہ اچھا تیر سکتا تھا۔

وہ روز صبح سویرے اپنی ماں کے ساتھ ہی اٹھتا۔ پہلے منہ ہاتھ دھوتا پھر قریب کے ایک کھلے میدان میں جاکر ٹہلتا تاکہ صاف ہوا مل سکے وہاں سے واپس آکر اپنا مدرسہ کا سبق ایک بار پھر یاد کرتا اتنے میں آٹھ بج جاتے۔ اسکی امی ملازمہ کے ساتھ اس وقت تک ناشتہ تیار کردیتیں سب ملکر ناشتہ کرتے اسکے بعد ارشد امی ابا کا کچھ کام ہو تو کرتا پھر مدرسہ جانے کیلئے تیار ہوجاتا۔ شام میں گھر واپس آکر کپڑے بدلتا اور منہ ہاتھ دھوکر کچھ ناشتہ کرکے کھیلنے کیلئے چلا جاتا۔ ایک گھنٹہ کھیل کر واپس آتا اور اپنا جو کام ہو کرتا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر ٹہل کر اپنا سبق یاد کرکے سوجاتا۔

گرمیوں میں چھٹی کے دن وہ تیرنے کے لئے جاتا کیونکہ اس کے گھر سے وہ حوض بہت دور تھا جہاں وہ تیرنے جایا کرتا اور بھی بہت لوگ آتے تھے۔

برسات کے شروع موسم میں ایک روز رات میں بارش ہوکر صبح ہلکی ہلکی دھوپ نکلی تھی۔ ارشد اپنے دوستوں کے ساتھ تالاب کی سیر کو گیا۔ وہاں اور بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے ہر ایک کسی نہ کسی دل چسپی میں گم تھا۔

ارشد بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیل کود میں مگن تھا کہ اتنے میں شور و پکار کی آواز سنائی دی اور لوگ پانی کے قریب جمع ہونے لگے۔ ارشد بھی دوڑتا ہوا گیا اس نے دیکھا کہ تین آدمی تالاب میں ڈوب رہے ہیں۔ وہ فوراً پانی میں کود گیا اور تیزی سے تیرتا ہوا ڈوبنے والوں کے قریب پہنچا اور انھیں پکڑ کر کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا۔ دو آدمی بڑے تھے وہ سنبھل گئے اور کنارے کے قریب پہنچ کر خود نکل آئے لیکن ایک سات آٹھ سال کا لڑکا تھا۔ اس کو ارشد بڑی بہادری سے نکال کر لایا۔ لڑکے کا علاج کیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ ٹھیک ہوگیا سب لوگ ارشد کی بڑی تعریف کرنے لگے۔

اصل میں یہ لڑکا ایک امیر آدمی کا تھا اور اپنے دو نوکروں کے ساتھ سیر کو آیا تھا۔ وہ پانی کے بہت قریب چلا گیا تھا۔ تیز ہوا کے جھونکے کی وجہ سے وہ پانی میں گر پڑا۔ لوگ شور مچانے لگے اسکے نوکر جو کچھ دور بیٹھے باتیں کر رہے تھے پریشان ہوگئے اور دونوں نے لڑکے کو بچانے کی کوشش کی لیکن اچھا تیرنا نہ جاننے کی وجہ سے وہ بھی

ڈوبنے لگے۔

اتنے میں ہی کسی نے لڑکے کے باپ کو خبر کر دی تھی۔ وہ پریشان ہو کر آئے جب انکو سب حال معلوم ہوا تو وہ ارشد کے کام سے خوش ہوئے اور ایک دس روپے کا نوٹ دینا چاہا لیکن ارشد نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا "دوسروں کے وقت پر کام آنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور ہمیشہ نیکی کا بدلہ نیک ملا کرتا ہے۔ یہ میرا فرض تھا مجھے بہت خوشی ہے کہ میں نے دوسروں کی جان بچائی۔ اسکے لئے مجھے روپے کی ضرورت نہیں ہے" اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ جانے لگا۔

سب لوگ اس کی باتوں سے بہت خوش ہوئے اور اس کی بہادری، نیکی اور ہمت کی ہر جگہ تعریف ہونے لگی۔ ماں باپ بھی اپنے بیٹے کے اس کام سے بہت خوش ہوتے۔ حکومت کی طرف سے ارشد کو اس کی بہادری کے صلہ میں تمغہ دیا گیا۔

ارشد پھولا نہ سمایا۔ لیکن اس نے غرور نہیں کیا بلکہ پھر بھی وقت پڑنے پر دوسروں کے کام آیا۔

فرحت جہاں ہاشمی جماعت ہشتم (عمر ۱۲ سال) حیدرآباد دکن

اِنعامی مقابلے

ہمیں انتہائی رنج والم کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے پرچہ جاری کیا تھا۔ اس کو ہمارے ناظرین نے مطلق نہیں سمجھا۔ ہم پرچے کے شروع میں آمد و خرچ کا حساب درج کر کے یہ بتا چکے ہیں کہ ہمیں کتنا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے لیکن جس مقصد کے لئے یہ نقصان برداشت کیا جا رہا ہے اگر وہ بھی حاصل نہ ہوا تو پھر ہمیں سوچنا پڑے گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے لیکن ہم ناامید ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔ ہم مایوسی کو پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ ہمیں امید ہے کہ ہم اپنے مقصد میں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

انعامی مقابلوں کا اعلان مدت سے کیا جا رہا تھا اور مختلف اوقات میں جو کہانیاں موصول ہوتی رہیں ہم نے ان سب کو مقابلے میں شامل کر لیا تھا۔ ہمارے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ انعامی مقابلوں کے قواعد و ضوابط ہم نے ہر شخص کو بھیجے ہیں لیکن نہ معلوم کہانی لکھنے والوں نے ان قواعد و ضوابط اور ہدایات کو کیوں مدنظر نہیں رکھا۔ ہر کہانی میں مندرجہ ذیل غلطیوں اور بے قاعدگیوں میں سے کوئی نہ کوئی شکایت ضرور موجود ہے۔

۱۔ بعض کہانیاں اتنی طویل ہیں کہ کتابی سائز کے ۳۲ کی بجائے ۴۶ بلکہ ۸۰ صفحات میں آئیں گی۔

۲۔ بعض نے ورق کے دونوں طرف لکھا ہے

۳۔ ایک سطر چھوڑ کر تو شاید دو تین ہی نے لکھا ہے ورنہ بہت گھچ پچ لکھا ہے

۴۔ فلسکیپ سائز کی بجائے بعض نے بہت چھوٹا سائز اختیار کیا ہے

۵۔ جنھوں نے سطر نہیں چھوڑی انھوں نے حاشیہ بھی نہیں چھوڑا

۶۔ مضمون بھیجنے کی اطلاع علیحدہ پوسٹ کارڈ کے ذریعہ نہیں دی گئی بلکہ مضمون کے ساتھ ہی خط لکھ کر رکھ دیا گیا۔

۷۔ ایک دو نے ٹکٹ کم لگائے اور بیرنگ بھیجا جو واپس کر دیا گیا۔

۸۔ جوابی پوسٹ کارڈ نہیں بھیجا بلکہ بار بار لکھ کر دریافت

کیا کہ ہمارا مضمون پہنچا یا نہیں۔

۹۔ جو اصحاب رسالہ سنگم کے خریدار نہیں ہیں انھیں انعامات کی تفصیل معلوم کرنیکا شوق ہے۔ ان کی اطلاع اور خط وکتابت کے لئے کہاں سے وقت پیدا کیا جائے اور پھر ڈاک کا خرچ بھی ہمارے ذمہ رہے۔ حالانکہ ہم نے کسی قسم کی کوئی فیس وصول نہیں کی۔

۱۰۔ بعض طالب علم ہیں لیکن درجہ اور عمر کا ذکر نہیں ہے

۱۱۔ بعض کہانیاں بالکل بے نتیجہ ہیں اور ان سے سوائے کہانی پن کے اور کوئی مقصد ظاہر نہیں ہوتا۔

۱۲۔ مفرد حروف کے الفاظ استعمال کرنے کی ہدایت پر تو کسی نے عمل نہیں کیا

۱۳۔ املا اور ہجے تو خدا کی پناہ بہت ہی غلط ہیں اور فقروں کی بندش بہت خراب اور ہنسی کے لائق، اور بھی خامیاں ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل ذکر باتیں وہی ہیں جو اوپر درج کی گئی ہیں۔

جج ہم نے تمام مضامین جناب اطہر پرویز صاحب ایم اے ایڈیٹر پیام تعلیم کی خدمت میں پیش کر دیے کہ وہ ان کو جانچ کر انعامات کا فیصلہ کر دیں کہ کسے دیا جائے۔ ہم نے یہاں تک کہدیا کہ اگر کہانیاں معیار پر پوری نہ اتریں کچھ معمولی سی کمی ہو تب بھی انعامات دیجئے کیونکہ پہلا موقع ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہانی لکھنے والوں کو یا دوسروں کو یہ خیال پیدا ہو کہ سب دھوکا بازی ہے مفت میں کہانیاں منگوالیں اور انعام و نعام کچھ بھی نہیں۔

لیکن لعباب اور جج صاحب فرمایا کہ جب کوئی فیس داخلہ لی ہی نہیں گئی تو مالی نقصان تو کسی کا نہیں ہوا لہٰذا دھوکہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اب رہا مفت میں کہانیاں حاصل کر لینے کا سوال، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی کہانی کتابی شکل میں یا رسالہ سنگم میں شائع نہیں ہوگی ہاں اگر کوئی صاحب چاہیں گے تو رسالہ سنگم میں شائع ہو جائیں گی لیکن کتابی شکل میں نہیں چھپے گی اور جو صاحب واپس منگانا چاہیں گے وہ اگر یا اگر زیادہ طویل ہے تو ۲ روپے کے ٹکٹ بھیجکر منگا سکتے ہیں۔

البتہ جن طالب علموں نے اپنا درجہ اور عمر لکھدی ہے۔ انھیں ہم انعامی مقابلوں سے خارج کر کے ان کی کہانیوں کو "بچوں کا اپنا صفحہ" میں درج کریں گے اور غور کریں گے کہ آیا کسی قسم کی ہمت افزائی کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا حیدرآباد کی دو بچیوں کی کہانیاں اس مرتبہ ہم درج کر رہے ہیں اگر کسی اور نے خواہش ظاہر کی تو ان کی کہانی بھی درج ہو سکے گی ورنہ نہیں۔

اب ہم جناب اطہر پرویز صاحب کی اس رائے کی نقل ذیل میں درج کرتے ہیں جو انعامی مقابلے کی کہانیوں کو دو تین مرتبہ نہایت احتیاط سے پڑھنے کے بعد انھوں نے تحریر فرمائی ہے وہو ہذا:-

" میری رائے میں مقابلے کی یہ تمام کہانیاں معیار سے کافی پست ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر انعامات دیے جائیں۔ ہمارے ملک میں کہانی کہنے اور سننے کا معیار کافی بلند ہو چکا ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں کہ لوگ محض خیالی کہانیوں کو پڑھیں یا سنیں۔

کہانی کے لئے میری نظر میں تین اجزا کی سخت ضرورت ہے اول تو یہ کہ کہانی دلچسپ ہو جو پڑھنے والوں کو آخر تک پڑھنے پر مجبور کرے۔ اس کے تسلسل میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور کہیں پر بے ربط نہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ اس کا پلاٹ دلکش ہو اور موزوں بھی اور آخری بات جو میری نظر میں سب سے زیادہ ضروری ہے وہ یہ کہ کہانی کا اپنا کوئی مقصد ہو، یہ نہیں کہ بس یونہی بلا کسی مقصد کے لکھدی گئی۔ زبان کی صحت تو خیر لازمی چیز ہے ہی۔ لیکن اگر ان تینوں میں سے کسی کی بھی کمی ہے تو کہانی کا معیار کافی گر جاتا ہے۔

زیر نظر مقابلے کے لئے جو کہانیاں میری نظر سے

گذری ہیں ان میں تو تینوں باتوں کا فقدان ہے اور یہی وجہ ہے کہ کہانیوں کا معیار کافی پست ہو گیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ آئندہ طبع زاد کہانیوں کی فرمائش کرنے کی بجائے صرف قدیم لوک کہانیوں کو نئے لباس سے آراستہ کرایا جائے۔ اس طرح قدیم کہانیاں جو برس ہا برس سے زبان زد ہیں محفوظ ہو جائیں گی اور بچوں کے ادب میں ایک اچھا اضافہ بھی ہوگا۔ البتہ یہ کوشش ضرور کی جائے کہ ان کہانیوں کو نیا روپ رنگ دیا جائے اس طرح کہانیوں کا معیار بڑھ سکتا ہے۔

ورنہ اس طرح کی کہانیوں پر انعام دینے سے کسی قسم کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی اور یہی میری ناچیز رائے ہے۔

اطہر پرویز

۲۳ راکتوبر ۱۹۵۴ء جامعہ نگر

ہم جناب اطہر پرویز صاحب کی تکلیف اور محنت کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اپنے فرائض منصبی کے علاوہ اپنی نجی مصروفیتوں میں سے وقت نکال کر ان کہانیوں کو غور اور فکر سے دیکھا اور اپنی رائے اور مشورہ سے نوازا۔

آئندہ کے لئے انعامی مقابلہ پچھلے پرچہ میں جس انعام کا اعلان کیا گیا تھا اسکی میعاد ۱۰ ردسمبر تک بڑھا دی جاتی ہے امید ہے کہ اس مرتبہ زیادہ توجہ کی جائیگی۔ اور والدین اور سرپرست اور استاد اپنے بچوں کو آمادہ کرینگے کہ وہ اس پر مضمون لکھ کر بھیجیں کہ "میں نے پچھلے پانچ برس میں سب سے اچھا اور نیک کام کیا کیا"۔ مضمون انہی ہدایات کے مطابق ہو جو پچھلے پرچہ میں درج کی جا چکی ہیں جواب کے لئے ہمیشہ جوابی کارڈ رکھئے۔

مشورہ اور رائے ہم اپنے ناظرین خریداران، احباب والدین اور سرپرستوں اور استادوں سے دریافت کرتے ہیں کہ انعامی مقابلوں کو کامیاب بنانے اور انکی طرف بچوں کو متوجہ کرنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے ابھی تک ہم نے کسی قسم کی شرط یا پابندی بھی عائد نہیں کی ہے اسلئے ہم اب مورد الزام قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اسمیں ہماری کوئی ذاتی غرض چھپی ہوئی ہے۔

کچھ ہنر سیکھئے

پچھلے پرچہ میں ہم نے بیجوں کی تجارت کے متعلق ترکیب بتائی تھی کہ کس طرح منوں بیج سڑکوں پر پڑے ضائع ہو جاتے ہیں انھیں کارآمد بنا کر کس طرح ان سے نفع کمایا جا سکتا ہے اور بیجوں کی گریاں کیسی آسانی سے نکالی جا سکتی ہیں اور بازار میں فروخت کرکے اچھے دام حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ اس نسخہ کو محفوظ کر لیا گیا ہوگا اور اس سے نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی اگر آپ خود نہ کرنا چاہیں تو کسی غریب بے روزگار شخص کو یہی ترکیب بتا دیجئے تاکہ اسکی بے روزگاری کا مسئلہ تو ایک حد تک رفع ہو سکے۔ لیکن اگر حیثیت (Status) کا مسئلہ بیچ میں آکر حارج ہو تو پھر تو اللہ ہی مالک ہے۔ بیروزگاری رفع ہونیکی صورت مشکل سے ہی نکلے گی۔

بہر حال ہم تو اپنا فرض ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ماننا نہ ماننا دوسرے کا کام ہے۔

ہم تو ایسی ترکیب بتانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں پیسہ کوڑی صرف نہ ہو یا بہت ہی کم رقم کی ضرورت ہو۔ صرف آپ کی قوت ارادی کی ضرورت ہے۔ اٹھئے۔ ہمت کیجئے اور ملک کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کیجئے اور اس پر اپنی روٹی کا بوجھ نہ ڈالئے۔

خربوزہ کے چھلکے خربوزہ کے چھلکے تو بیجوں کی نسبت بھی زیادہ ضائع ہوتے ہیں۔ البتہ سڑکوں پر آوارہ پھرتے ہوئے مویشی ضرور انھیں کھا لیتے ہیں ورنہ مٹی میں لدبھڑ ہو کر وہ کوڑے کرکٹ میں ہی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ خربزے کے چھلکوں کو جمع کرکے انھیں سکھا لیں اور سفوف بنا لیں تو یہ سفوف بہت کام کی چیز ہو جاتا ہے۔ قدرت نے کوئی چیز بیکار نہیں پیدا کی۔ صرف شرط یہ ہے کہ ہم اپنی عقل و فراست اور تجسس سے کام لیں۔ خربزہ کے

چھلکوں کے سفوف کو دمٹی وغیرہ سے بھرے ہوئے چھلکوں کا سفوف نہ ہو بلکہ صاف کرکے خشک کئے گئے ہوں) چھٹانک چھٹانک یا آدھی آدھی چھٹانک کی تھیلیوں (یعنی کاغذ کے بنے ہوئے لفافوں) میں یا شیشیوں میں بھرکر ان پر "گوشت گلاؤ" کا لیبل لگا دیں اور بازار میں واجبی قیمت پر فروخت کر دیں۔ اگر تھیلی کے ایک طرف لیبل اور دوسری طرف ترکیب استعمال بھی چھپوا کر لگا دی جائے یا اس لیبل کے ساتھ ہی ترکیب استعمال بھی لکھدی جائے تو بہت جلد فروخت ہو جائے گا۔ ترکیب استعمال میں لکھئے کہ "اس سفوف کی ایک چٹکی پکتے ہوئے گوشت کی دیگچی میں ڈال دیجئے وہ بالکل حلوا ہو جائیگا خواہ گوشت کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ اگر کبابوں کے قیمہ میں تھوڑا سا سفوف ملا دیا جائے تو وہ بہت ہی خستہ بنیں گے اور انڈا ڈالنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی"!

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اگر خربزہ کے چھلکے کو جلا کر سفید راکھ کرلیں تو وہ ایک نمک کی قسم کی چیز بن جائے گا جو بہت ہاضم ہونیکے علاوہ گردے کے درد کے لئے اور پتھری کے لئے بہت مفید ہوگا۔ اور بغیر کچھ خرچ کئے آپ کو ایک بہت ہی مفید چیز مل جائیگی۔ اسکے لیبل میں آپ لکھ سکتے ہیں کہ گردے کے درد میں اس کی ایک چٹکی پانی کے ساتھ پھانکنے سے سکون ملتا ہے یا روزمرہ ایک چٹکی پھانکنے سے پتھری تحلیل ہوتی ہے۔

درد گردہ کا ایک مجرب نسخہ

درد گردہ کا ذکر آیا ہے تو لگے ہاتھوں اس کا سہل نسخہ بھی بتا دیں۔

مکئی کے بھٹے (پنجابی چھلی) کے بال لیکر اگر چاء کے طور پر مریض کو پلائے جائیں تو فوراً آرام اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ اگر بھٹوں کا موسم نہ ہو تو موسم میں بہت سے بال لیکر محفوظ کر لیجئے اور بوقت ضرورت کام میں لائیے خصوصاً جہاں فوراً طبی امداد نہ میسر ہو سکتی ہو وہاں اس پر عمل کرنا ڈاکٹری امداد سے زیادہ موثر ثابت ہوگا۔

پینی ریڈنگ

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں اسکولوں میں ڈراموں کا بہت کم رواج تھا زیادہ تر تعلیمی تفریحی جلسے ہوا کرتے تھے جنہیں عموماً "پینی ریڈنگ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

چال چلن کے سنوارنے، تہذیب کے پھیلانے، قوموں کو بنانے اور مقبولیت کو عروج دینے میں نظم کا خاص حصہ رہا ہے اور جو نظمیں بچپن میں یاد کی جاتی ہیں وہ دل پر ایک گہرا اور پائیدار نقش پیدا کر دیتی ہیں جسکا لطف زندگی کے آخری ایام میں خاص اثر پیدا کرتا ہے چنانچہ اسی نظریہ کے تحت "پینی ریڈنگ" کے جلسوں میں جہاں اور بہت سی چیزیں مثلاً Dialogue انگریزی، فارسی، عربی یا کسی زبان میں گفتگو، لطیفے، پہیلیاں ہوتی ہیں وہاں نظم پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے وہ نظمیں بھی مختلف زبانوں میں ہوتی ہیں بعض جگہ ان کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہے۔

ان جلسوں کی جھلک آپ کو "پینی ریڈنگ" کتاب میں ملے گی ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ آجکل ایسی کتاب کا ملنا بہت مشکل ہے پاکٹ سائز کے ۵۲ صفحات ہیں۔ دیباچہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ہے جسمیں تفصیلی طور سے ایسے جلسوں کی نوعیت پر بحث کی گئی ہے پھر انگریزی میں دعا ہے اسکے بعد دس نظمیں انگریزی کی ہیں اور انکے بالمقابل اردو نظم میں انکا ترجمہ ہے انگریزی نظمیں ٹائپ میں ہیں اور اردو منظوم ترجمہ لیتھو میں نہایت خوشخط چھپا ہے پھر Dialogue کے ذریعہ ایک نہایت دلچسپ ٹی پارٹی کا ذکر ہے جو کہ مدرسہ کے "امتحانات" میں کامیابی پر دی گئی ہے اور جس میں ۳۶ مختلف المزاج مہمانوں کے لئے ۳۶ قسم کی مختلف چاء کا انتظام کیا گیا ہے جو طلبہ کے لئے تعلیمی اعتبار سے بہت مفید ثابت ہوگا۔ کتاب انگریزی دعائے وطن پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف دس آنے۔ چند نسخے باقی ہیں۔

سنگم کتاب گھر، اردو بازار، دہلی سے منگا لیجئے۔

کیا آپ کی لائبریری میں یہ کتابیں ہیں؟

یقیناً یہ آپ کے فرصت کے اوقات میں دلچسپ مطالعہ کا باعث ہونگی

کاغذ کا واسدیو

پریم ناتھ در کے نو افسانوں کا نہایت دل کش مجموعہ۔ ملتفی ارباب ذوق دہلی کی پیش کش، سید احتشام حسین نے پیش لفظ لکھا ہے۔ جوش ملیح آبادی اور اپندر ناتھ اشک کی اعلیٰ رائے۔ مجلد خوبصورت گرد پوش۔ چکنا کاغذ اعلیٰ لکھائی چھپائی قیمت [illegible]

لگن

کیلاش راہی کا اٹھنا بیٹھنا، سوچنا، کہنا، سننا سب افسانہ نگاری اور ناول نویسی کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کا ہر فقرہ ان کے اس اضطراب کو ظاہر کرتا ہے لگن ان کا پہلا شاہکار ہے جس کے متعلق مشہور ناولسٹ دت بھارتی نے بھی حیرت انگیز تعریفی کلمات میں اس کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ لکھائی چھپائی، کاغذ ٹائٹیل سب دیدہ زیب۔ قیمت [illegible]

پرائی عورت

دہلی کے جواں سال افسانہ نگار دلیش صاحب کے نہایت دلچسپ اور سبق آموز افسانوں کا لاجواب مجموعہ جنہیں پڑھ کر آپ ہنسی ضبط نہیں کر سکیں گے اور جب فرصت پر غور کریں گے تو شاید آپ کے آنسو نہ تھم سکیں۔ کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی دلی کی ٹکسالی زبان، دلچسپ انداز بیان اور اچھوتے پلاٹ بہترین لکھائی چھپائی مضبوط جلد دیدہ زیب ڈسٹ کور۔ قیمت صرف دو روپے

عذرا

صالحہ عابد حسین کا یہ پہلا ناول ہے جو نکلتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا تھا اور کچھ فسادات ۱۹۴۷ء میں جل بھی گیا اب دوبارہ شائع ہوا ہے صالحہ عابد حسین کے اصلاحی ناول اسقدر مقبول ہوئے ہیں کہ کسی کتاب کے نام کے ساتھ صالحہ عابد حسین کا وابستہ ہونا اس امر کی ضمانت ہے کہ کتاب بہت اعلیٰ معیار کی ہے اور اعلیٰ سوسائٹی میں پڑھے جانیکے قابل ہے عمدہ سفید کاغذ۔ اعلیٰ لکھائی چھپائی خوبصورت گرد پوش قیمت ۱۲

آتش خاموش

صالحہ عابد حسین کا یہ ۲۸۰ صفحہ کا ناول کیسا ہے اسکا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ چاروں طرف سے اسکی تعریف میں خطوط چلے آ رہے ہیں جو کتب فروش ایک دفعہ منگا لیتا ہے وہ پھر بار بار اسکے آرڈر بھیجتا رہتا ہے۔ پاکستان میں بھی بہت زیادہ مقبول ہوا ہے اور وہاں سے برابر مانگ چلی آ رہی ہے

قیمت پانچ روپے

بیگم

دلیش صاحب کے بارہ منتخب افسانے۔ مقدمہ میں علامہ کیفی نے لکھا ہے "ہر افسانہ ایک وزن رکھتا ہے"۔ آپ پڑھتے جائیے اور محسوس کرتے جائیے کہ اس افسانہ کا تعلق آپ ہی سے ہے۔ کتاب شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنا ممکن ہی نہیں اور پھر ٹکسالی زبان کا کیا کہنا۔ بس بار بار پڑھئے۔ بہت عمدہ لکھائی چھپائی۔

قیمت دو روپے

سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار۔ دہلی

زہروں کا علاج

اگر آپ ہندوستان میں رہتے ہیں تو آپ کو ہر موسم میں کسی نہ کسی زہریلے جانور سے ضرور سابقہ پڑے گا۔ مکڑی، بھڑ، مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، شہد کی مکھی، بچھو، سانپ، جونک، چھپکلی، گرگٹ، چوہا، لومڑی، بلی، کتا، نیولا وغیرہ وغیرہ یا پھر بچوں کے گھر میں غلطی سے کوئی زہریلی دوائی کھا لی گئی ہو یا کسی اور طرح زہر کا اثر ہو گیا ہو ان سب کے متعدد علاج اس کتاب میں درج ہیں اور حفظ ماتقدم کے طور پر ان سے محفوظ رہنے کے طریقے بھی درج ہیں۔ نہایت عجیب کتاب ہے جو نہایت محنت اور تجربہ سے تیار کی گئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا بہت ضروری ہے۔

سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار۔ دہلی

کاروانِ خیال

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد وصدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مرحوم و مغفور کے خطوط کا مجموعہ ہے جو ۴ر ستمبر ۱۹۳۶ء سے ۱۲ر نومبر ۱۹۴۲ء تک تحریر کئے گئے دو نامور ادیبوں کی خط و کتابت میں کیا ہے اسکا جواب بتانا مشکل ہے بس پڑھئے اور سر دھنئے۔ افسوس اب یہ صحبتیں کہاں نصیب۔ آپکا جو لمحہ اسکے مطالعہ میں صرف ہوگا وہ سو سو نیکیوں سے بھی زیادہ بھاری ہوگا۔
نہایت ہی عمدہ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ قیمت مجلد عہ

نکاتِ قرآن

مولانا محمد اسلم جیراجپوری نے قرآن کریم کے سینکڑوں نکتے بطور سوال و جواب درج کئے ہیں۔ سوال بھی سورۃ وار قرآن میں سے کئے گئے ہیں۔ اور جواب بھی قرآن سے دئے گئے ہیں جو بہت غور کرنے سے تعلق ہے قیمت مجلد اڑھائی روپے

نمک پارے

سید یحییٰ حسن سپرنٹنڈنٹ تعلیمات امروہہ کے چودہ مزاحیہ اور بہت دلچسپ مضامین کا مجموعہ ہے ڈاکٹر سید عابد حسین جیسے مانے ہوئے ادیب کتاب کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یحییٰ حسن صاحب تیز اور باریک بین نظر رکھتے ہیں ان میں زندگی کے اور فطرت کے گوناگوں مناظر کا تفصیل سے مشاہدہ کرنے ان سے لطف اٹھانے اور دوسروں کو اس لطف میں شریک کرنے کی صلاحیت ہے انکے نمک پارے لائٹ لٹریچر کا اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی ٹائٹل گرد پوش سب سنگم کے اعلیٰ معیار کے مطابق ہیں قیمت صرف عہ

سنگم کشیدہ کاری

سنگم کتاب گھر کے بہی خواہ معزز سنگم بال سبھا کے اراکین اور انکے متعلقین اور 'سنگم' ماہنامہ کے خریدار اور ناظرین یہ سنکر خوش ہونگے کہ ہم نے کشیدہ کاری کی ایک بہترین کتاب تیار کرائی ہے جو تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کتاب جس کا نام

"سنگم کشیدہ کاری" ہے

تمام اور کشیدہ کاریوں کے مقابلہ میں بہتر ثابت ہوگی اسمیں پندرہ تو بلاکس سے چھپے ہوئے ڈیزائن ملیں گے اور کشیدہ کاری ہر قسم کے نمونے مشرقی اور مغربی طرز کے ہونگے جنکے بنانے کی آسان ترکیب ڈیزائنوں کے ذریعے ہی بتائی گئی ہے جو خریدار یا دکاندار آرڈر بک کرا دینگے ان سے خاص رعایت کیجائیگی قیمت چھ روپے ہے۔ آرڈر بک کرانے کے لئے تہائی قیمت پیشگی بھیجنی ضروری ہے۔
اس صفحہ کے بالمقابل آپ ایک ڈیزائن کے بلاک کا نمونہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ہندی کا تعلیمی تاش

جو مدت سے ناپید تھا۔ چھپ گیا ہے قیمت بھی کم کردی ہے صرف ایک روپیہ جلد آنے میں منگا لیجیے

خواتین

مولانا اسلم جیراجپوری پروفیسر جامعہ ملیہ کی اس کتاب میں ۳۴ مشہور اسلامی خواتین کی سوانح عمریاں اور انکے مستند تاریخی حالات درج کئے ہیں جن میں ۱۴ صحابیات ۳۴ صالحات ۱۰ بیگمات اور ۳ عالمات کا ذکر ہے تقریباً ۴۰۰ صفحے کی کتاب عمدہ کاغذ پر چھپی ہے قیمت للعہ ان عورتوں کے حالات اور کارنامے پڑھنے سے آجکل جو بے حسی کی کیفیت طاری ہے اس پر ندامت سے سر جھک جائیں گے اور دل ملامت کرے گا۔

کشمکش

ڈاکٹر طاہر پالنپوری کے تخیل اور اصلاحی طرز نگارش کا اندازہ ان کے ناول "نیلام" سے لگانیکے بعد 'کشمکش' کے متعلق رائے قائم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ سماجی خرابیوں سے وہ کس قدر متاثر ہیں اور اصلاح کے لئے کسقدر بے چین ہیں۔ اس کا جواب آپ کو 'کشمکش' سے ہی مل سکے گا۔ منگائیے اور پسند نہ ہو تو واپس کر دیجئے۔
کاغذ، طباعت، کتابت، ٹائٹل سب دیدہ زیب۔ قیمت

مآل بصیرت

مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف بٹالوی کی نہایت عالمانہ اور مفکرانہ تصنیف اسلامی اہم مسائل پر ہر معترض کے لئے غور و فکر کی دعوت مقدمہ کے بعد فدیہ، حکمت، آدم، مسلمان، آدم، عید، مشرک، اجنبی وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل بحث نہایت غور و فکر سے مرتب کی گئی ہے اور قرآن پاک سے ہر امر کا ثبوت پیش کیا گیا ہے
قیمت دو روپے چار آنے

حافظ نبی احمد پرنٹر و پبلشر نے دفتر ماہنامہ 'سنگم' جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا۔

ایڈیٹر
خواجہ ذکی احمد پانی پتی بی اے (جامعہ)　خواجہ حافظ فیاض احمد

ماہنامہ سنگم

سالانہ چندہ دو روپے　فی پرچہ تین آنے

سال اول | بابتہ ماہ نومبر ۱۹۵۴ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کاتک مگھر سمت ۲۰۱۱ بکرم سمت ۱۳۶۲ ف | شمارہ پنجم

دعوتِ عمل

(عدم تعاون (نان کوآپریشن) کی تحریک کے زمانہ ۱۹۲۱-۲۲ء میں لکھی گئی)

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ　تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ
حکومت کو تم نے لیا آزما　اب اپنے مقدر کو بھی آزماؤ
ہو تم جس کے ذرے وہ ہی خاکِ ہند　چھپے ہیں جو اسمیں وہ جوہر دکھاؤ
فلک پر مہ و مہر پڑ جائیں ماند　زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ
ہمالہ بھی آجائے گر راہ میں　تو ٹھکرا کے آگے سے اس کو اٹھاؤ
کرے تم سے گنگا بھی گر بے رخی　پلٹ کر الٹ دو تم اس کا بہاؤ
زمانہ میں روشن کرو نامِ ہند　ہر اقلیم میں اس کا سکہ چلاؤ
ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل　ہر اک قوم سے اپنی عزت کراؤ
پرانا ہوا دفتری اقتدار　سمجھ لو اب اسکا بھی ہی چل چلاؤ
کسی روز خود غرق ہوجائیگی　بہت بہ چکی ہے یہ کاغذی ناؤ

—— منتخبات اردو جون ۱۹۲۲ء

فہرست

کلام (ردیف ز)

(حضرت مولانا حافظ محمد ممتاز الرحمٰن بدنام امروہی)

صنعت: ہر شعر ز سے شروع ہوتا ہے اور ز پر ہی ختم ہوتا ہے (سنگم)

زندگی ہے تیری انساں چند روز　اس جہاں میں ہی تو مہماں چند روز
زرد ہو جاتا ہے چہرہ بعد مرگ　ہے یہ ساری تیری فونِ فاں چند روز
زالِ دنیا کے نہ آنا مکر میں　ہے یہ اس کا ساز و ساماں چند روز
زندگی میں اپنی ہم نے خوب کی　سیر گلزار و بیابان چند روز
زر کو کب ہے پائیداری منعمو!　دیکھ لو خواب پریشاں چند روز
زعم ہے کس بات پر بلبل تجھے　کیا بھروسہ؟ گل ہی خنداں چند روز
زینتِ دنیا پہ مائل کیوں ہوا　کب بقا ہے، ہے یہ ساماں چند روز
زار و نالاں کس لئے بدنام ہو　اور ہے یہ بزمِ امکاں چند روز

رفتار سنگم

ہمیں اگر معلوم ہوتا کہ قانون کسی معقولیت کا نام نہیں ہے بلکہ "کرسی نشینوں" کے حکم کا نام ہے تو شاید ہم "دروغ مصلحت آمیز" کے تحت اسی مشورہ پر عمل کرتے جو ہمارے بعض "اہل فن" احباب نے تین مہینے ہوئے ہمیں دیا تھا اور جس کا ذکر ہم اکتوبر کے پرچہ میں رفتار سنگم کے تحت (صفحہ ۲ کالم ۱) بیان کر چکے ہیں اور اب تک ہمیں ڈاک خانہ سے رجسٹریشن نمبر حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن ابتدائے زندگی سے ہی سچائی کے "تجربات" کرتے کرتے ہمیں جو عادت ہو گئی ہے اس سے ہم اس مرتبہ بھی محروم نہیں ہونا چاہتے تھے اسلئے اس "کمبخت" ضمیر نے اجازت ہی نہیں دی کہ 'صراط مستقیم' کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا جائے ہم اپنی تو بھگت ہی لینگے لیکن ان تجربوں سے ہمارے ناظرین اور خریداران سنگم کو جو پریشانی ہوتی ہے اس کا ہمیں انتہائی قلق ہے۔ ہم نے بجائے خریداروں کی تعداد پوری ہونے تک دو مہینے کا یکجائی نمبر اسلئے نکالنا چاہا تھا کہ محصول ڈاک میں ایک پیسہ کی بجائے چار پیسہ کے ٹکٹ کا غیر معمولی صرفہ برداشت نہ کرنا پڑے اور اب یہ تعداد پوری ہو جانے سے رجسٹریشن نمبر مل جاتا تو ہم باقاعدہ ماہ بماہ پرچہ نکالتے لیکن ڈاک خانہ کے قانون داں 'بابو' صاحب نے فرمایا کہ آپ نے ڈکلریشن تو ماہانہ پرچہ کا منظور کرایا ہے۔ اور نکالتے ہیں دو ماہی، اس لئے جب تک دو ماہ کے مسلسل پرچے ماہانہ نمبروں کی شکل میں نہیں نکلیں گے ہم رجسٹریشن نمبر نہیں دیں گے۔ ہم نے کہا کہ ڈکلریشن منظور کرنے والوں سے ہم خود بھگت لیں گے۔ آپ تو صرف یہ دیکھئے کہ پرچہ نکل رہا ہے یا نہیں البتہ رجسٹریشن نمبر ملنے کے بعد اگر ہم اس کی پابندی نہ کریں تو آپ کے بھی مجرم ہوں گے لیکن اس وقت تک تو ہم ڈکلریشن آفسر یعنی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو جواب دہ ہیں۔ وہ ہم سے باز پرس کر سکتے ہیں کہ تم پرچہ ماہانہ کی بجائے دو ماہی کیوں نکالتے ہو۔ مگر وہ نہیں مانے اور کہنے لگے کہ اگر اگست و ستمبر کے بعد اکتوبر و نومبر کا بھی مشترک پرچہ نکال رہے ہو تو دسمبر ۵۴ء اور جنوری ۵۵ء کے پرچے علیحدہ علیحدہ نکلنے کے بعد فروری ۵۵ء میں آپ کو رجسٹریشن نمبر مل سکے گا۔ لہٰذا ہم نے مجبوراً اکتوبر نومبر کا پرچہ پریس میں جاتے جاتے روک لیا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے از سر نو مرتب کیا۔ اکتوبر کا پرچہ علیحدہ شائع کر دیا اور اسکے فوراً ہی بعد نومبر کا یہ پرچہ حاضر خدمت ہو رہا ہے۔ اس قصہ کی بدولت ضرورت سے زیادہ تعویق ہو گئی جس کا ہمیں بیحد ملال ہے۔ اپنا اگرچہ خرچہ ڈیوڑھا بلکہ دگنا ہو گیا ہے لیکن ہمیں خوشی ہے کہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق تو کام ہو گیا۔

بہر حال حق اور چیز ہے اور رعایت اور چیز۔ اسلئے ہمیں شکایت نہیں اب دیکھئے تمام شرطیں پوری ہو جانیکے بعد رجسٹریشن نمبر کب ملتا ہے۔

اب چند احباب کے مشورے اور رائیں ملاحظہ فرمائیے۔

لالہ رام دتا مل جی ساکن دانیوال ضلع جالندھر۔

ہم نے اگست کے پرچہ میں جو سوال کیا تھا اس کے جواب میں محترم نے تحریر فرمایا ہے کہ میری رائے میں "سنگم بال سبھا" کے ہر ممبر کو رسالہ سنگم کا خریدار ہونا چاہیئے۔ رائے تو ہماری بھی یہی ہے اور اس وقت خریدار بننے سے کچھ ہماری حوصلہ افزائی بھی ہو جاتی لیکن باہمی امداد کا خیال ہندستان میں کم ہے اور ہو بھی تو کیسے ابھی مالکان اخبارات و رسائل نے اپنی ساکھ کا معیار بلند نہیں کیا ہے۔ بھگوان نے چاہا تو بہت جلد وہ وقت

آئے گا جب پرچہ کی خریداری پر فخر کیا جاسکے گا صرف نیت صاف ہونے کی ضرورت ہے ۔

شمیم احمد صاحب کلکتہ رسالہ "سنگم" اپنے عزیز دوست ظہیر الدین احمد صاحب سے لے کر پڑھا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ رسالہ بہت ہی دیدہ زیب اور دلکش ہے ۔ میں آپ کی اس انتھک کوشش وجدوجہد کی داد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کے رسالہ "سنگم" کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔ آمین !" [برادرمن! محض دعا کافی نہیں ہے]

صدر جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند محمد طیب صاحب ۱۳ر نومبر کے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

پرچہ کا ظاہری و باطنی معیار قابل مبارکباد ہے حق تعالیٰ اس میں ترقی عطا فرمائے ۔

[برادر محترم ! اس معیار کو بڑھانے میں آپ کی جمعیۃ کی قلمی امداد کی ضرورت ہے ۔ بچوں کو نیکی سکھانے ۔ سلف کے کارناموں سے عبرت حاصل کرانے اور نئی روح پھونکنے میں آپ حضرات کی توجہ کے ہم ہر وقت محتاج ہیں ۔ ایڈیٹر]

تعلیمی کھیل

تعلیمی تاش ہندی کا مدت سے ناپید تھا۔ اب بہت خوبصورت چھپ کر آگیا ہے قیمت بھی کم کر دی ہے ۔ صرف سوا روپیہ میں منگا لیجیے تعلیمی تاش اردو قسم اول کی قیمت ۱۲؍ ہے قسم دوم چھپ رہا ہے ۔

کرنی بھرنی ایک اعلیٰ قسم کا اخلاقی کھیل ہے جو ہندی اور اردو دونوں میں ہے قیمت ڈیڑھ روپیہ ۔ ہر ایک کے کھیلنے کا طریقہ ہندی اور اردو زبانوں میں ہمراہ ملتا ہے ۔ ان کھیلوں کو جلد منگا لیجئے خالی وقت میں جب تفریح کی ضرورت ہو تو لغو کھیل کھیلنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک سے لطف اندوز ہوئیے اس سے کھیل کا کھیل اور تعلیم کی تعلیم دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

معاف کیجیے گا

(کیلاش راہی)

"معاف کیجیے گا صاحب!" میں نے پلٹ کر جو دیکھا تو ایک نوجوان کو اپنے پاس کھڑا ہوا پایا وہ مجھ ہی سے مخاطب تھا، میں حیران رہ گیا۔ آخر اس نے میرا کیا بگاڑا ہے جو مجھ سے کہہ رہا ہے کہ معاف کیجیے گا ۔

میں خاموش نہ رہ سکا آخر پوچھ ہی لیا "صاحب! آپ کس بات کی معافی چاہتے ہیں؟"

"آپ کی پتلون میری گندی شلوار سے چھو گئی تھی اس کی معافی مانگ رہا ہوں ورنہ کون سی تمہاری جیب کاٹ لی ہے"۔ اس کے لہجے میں کسی قدر درشتگی جھلک رہی تھی، اور میں نے سوچا ایسے شخص یا تو زندگی سے بیزار ہوتے ہیں یا پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آتے ہیں مگر دوسرے ہی لمحہ میں میرے ذہن نے ان دونوں باتوں کی تردید کر دی کیونکہ نہ تو وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا اور نہ ہی زندگی سے بیزار معلوم ہوتا تھا بلکہ وہ زیر لب مسکرائے جا رہا تھا ۔

میں نے اس سے کہا "کوئی بات نہیں دوست! اگر تمہاری شلوار اس پتلون سے چھو گئی ہے تو یہ پتلون کسی رئیس زادے کی نہیں ہے بلکہ ایک کلرک راجندر ناتھ کی ہے"! اور بات کرتے کرتے میں نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ بہت لمبے قد کا آدمی تھا۔ آدمی کی نسبت دیو زیادہ نظر آتا تھا۔ رنگ سیاہ اور آنکھیں موٹی موٹی ۔ سر کے بال بکھرے ہوئے اور گلے میں وہ ایک سلکن چارخانہ قمیص پہنے ہوئے تھا اور شلوار کے نیچے ایک ٹوٹی ہوئی پشاوری چپل تھی۔ وہ میرے

مٹھی بھر آڑھتیوں کو چھوڑ کر دیکھئے تو ٹھیک سے کسی کو کیا لینا ہے"!

"ارے یہ سب کہنے کی باتیں ہیں لالہ۔ ہمیں تو اب کوئی کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ ہر گنوار جو کانگریس کا ممبر بن گیا ہے ہمیں سلام کرنے کی جگہ یہ چاہتا ہے کہ الٹے ہم اسے سلام کریں"!

"تو سلام کر لیا کرو سرکار۔ اس میں کونسا ٹوٹا ہوتا ہے؟"

تمہیں بس ٹوٹے کی فکر ہے۔ ارے عزت بھی کوئی چیز ہے"!

"کیوں نہیں سرکار۔ عزت بہت بڑی رقم ہے۔ ہمارے ہاں اسکا کھاتہ الگ رہتا ہے"!

"لو اور سنو۔ کل کو تم کہوگے کہ اس کا لین دین بھی ہوتا ہے"!

"وہ تو ہوتا ہی ہے سرکار۔ پر اس کے دو ڈھنگ ہیں ایک بانکپن کا جس میں عزت لیتے ہیں اور عزت دیتے ہیں دوسرا بنئے پن کا جس میں عزت کرتے ہیں اور عزت پاتے ہیں"!

"بانکپن کا ڈھنگ تو خوب معلوم ہے۔ زرا بنئے پن والا سمجھا دو"!

"دیکھئے سرکار جیسے آپ روز اکڑتے ہوئے بنئے کی دکان کے سامنے سے نکلیں وہ آپ کو دیکھتے ہی کھڑا ہو جائے اور جھک کر سلام کرے تو آپ یہ کہیں گے کہ اسکی گرہ سے عزت جا رہی ہے۔ چلئے ٹھیک ہے۔ اب ایک دن آپ رکتے جھجکتے ہچکچاتے ہوئے آتے ہیں اور لڑکھڑاتی زبان سے کہتے ہیں، لالہ جی بندگی، بھئی ایک پچاس روپے کی ضرورت ہے تنخواہ پر دیدونگا بنیا ہاتھ اٹھا کر دیتا ہے اور آپ ہاتھ پھیلا کر لیتے ہیں۔ کہئے بنئے کے پاس ساری عزت بیاج سمیت واپس آگئی یا نہیں"!

"بھئی لالہ خوب کہتے ہو مگر عجیب اتفاق ہے مجھے واقعی اس وقت ——"

"ایک پچاس روپے کی ضرورت ہے؟"

"نہیں توبہ! پچاس روپے کیسے —— صرف پچیس روپے کی"!

کاروان و منزل

اگست و ستمبر کے پرچے میں ہم نے شری گوپی ناتھ امن لکھنوی وزیر ترقیات دہلی اسٹیٹ کے حالات زندگی قلم بند کئے تھے اور ان کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کیا تھا اور حیرت و استعجاب کا اظہار کیا تھا کہ امن جیسے حضرات کا کلام طلبہ کی درسی کتب کے طور پر اگر نصاب میں شامل نہ ہو تو عام مطالعہ کیلئے تو ضرور اسے داخل نصاب ہونا چاہیے کیونکہ اس سے طلبہ میں اخلاق کی بلندی اور خیالات کی وسعت پیدا ہوگی اور وطن کی ترقی کا صحیح جذبہ پیدا ہوگا۔

حال ہی میں امن صاحب نے اردو کی حمایت میں دہلی اسمبلی میں ایک پرجوش تقریر فرمائی تھی جس سے وہاں کی ساری فضا بدل گئی اور جو تحریک اردو کے خلاف پیش ہوئی تھی اس کے حق میں برائے نام ووٹ آئے اور وہ بھاری اکثریت سے مسترد ہوگئی۔ اس پر امن صاحب کی تعریف میں اخبارات نے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے اور نامہ نگاروں اور ناظرین اخبارات کے بے شمار مراسلے شائع ہوئے۔

ہم اس سوکھی پھیکی تعریف کے قائل نہیں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اردو زبان کی جو خدمت انھوں نے کی ہے اس سے آپ خود بھی استفادہ کریں اور ان کے اعلیٰ خیالات و بلند افکار کی روشنی میں دوسروں کو بھی مستفید ہونے کا موقع بہم پہنچائیں۔

حکومت کی نصابی کمیٹیوں اور محکمہ تعلیمات کے افسران کے علاوہ ہم اراکین مسلم یونیورسٹی، اردو یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور انجمن ترقی اردو اور اسی قسم کے تمام اداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ امن صاحب کے کلام کا انتخاب نصاب میں داخل کر کے طلبہ کی ذہنی نشوونما کا سامان بہم پہنچائیں۔

۱۹۴۷ء کے واقعات سے جو اثر ان کی شریف و نیک طبیعت پر ہوا تھا اس کا اندازہ آپ ان کے مندرجہ ذیل کلام سے لگا سکتے ہیں جو "کاروان و منزل" کے صفحہ ۱۰۳ سے نقل کیا جاتا ہے اور جس کا عنوان **یاس و امید** ہے

کیا اب نہ سنا جائے گا الفت کا ترانہ
کیا محو ہوا دل سے محبت کا فسانہ؟
کیا ہار گئیں قوتیں اخلاق کی ساری
کیا صاحب دل ہو گئے اب بس سے عاری؟
کیا صلح کے اسباب کا جی چھوٹ گیا ہے
کیا امن کے رکھوالوں کا دل ٹوٹ گیا ہے؟
مفقود ہوئی دہر سے کیا رسم اخوت
انسان پہ غالب ہوئی شیطان کی قوت
گھبرائیں نہ ہمدردی و اخلاق کے حامی
ہے دور عبوری یہ نہیں حالت یہ دوامی
آجائیں گے پھر ذہن میں ایمان کے معنی
انسان سمجھ جائے گا انسان کے معنی
مل جائیں گے اک روز جو دل آج پھٹے ہیں
ہو جائیں گے ایک اب جو گروہوں میں بٹے ہیں

آئیگا ضرور آئیگا سا بھی وہ زمانہ
جب پھر سے سنا جائیگا الفت کا ترانہ
ہر چند کوئی اہل وفا کو کہے مطعون
الفت جسے کہتے ہیں وہ ہے زیست کا قانون
دیکھینگے یہ انداز بدل جائیں گے یہ طور
ہاں صبر و تحمل سے گزارو کوئی دن اور
اس دور میں بھی نام محبت کا لئے جاؤ
مستقبل روشن کے لئے کام کئے جاؤ

ہم سمجھتے ہیں کہ شاعر کی شدت اور جذبیت اگرچہ ...
ہے لیکن آج کل جو حالت ہے اکن صاحب کے یہ جذبات ...
بالکل مطابقت رکھتے ہیں اور ہم منتظر ہیں کہ اکن صاحب کی ...
کب پوری ہوتی ہے۔ آخری شعر پر اگر ہم سب کی توجہ مرکوز ...
ہے کہ چھٹا، ساتواں۔ آٹھواں شعر حقیقت ...
بس دسویں شعر کے دوسرے مصرعہ ...
کیوں آپ کا کیا خیال ہے؟

شطرنج اور اس کا انعام

شطرنج ایک ایسا کھیل ہے جس کا نام ہندستان کے ہر بچہ کو معلوم ہے اور نہ صرف ہندستان میں بلکہ پورے ایشیا میں یہ نہایت شوق سے کھیلا جاتا ہے اور اہل یورپ بھی اس سے کچھ کم دلچسپی نہیں رکھتے ۔ اس قدر عام مقبولیت کے باوجود بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ کب ایجاد ہوا اور کس نے ایجاد کیا ۔

شطرنج ایران والوں کی ایجاد ہے۔ تقریباً ساڑھے چودہ سو برس پہلے نوشیرواں عادل کے عہد حکومت میں ایک بہت بڑا حکیم عالم و فاضل حکیم صَصَّہ کے نام کا گذرا ہے اس نے یہ کھیل ایجاد کیا تھا ۔

شطرنج میں جو مہرے استعمال ہوتے ہیں وہ چھ قسم کے ہیں. شاہ - فرزیں (وزیر) فیل - اسپ - رخ اور پیادہ گویا یہ چھ قسم کے مہروں کا کھیل ہے جسے فارسی میں "شش رنگ" کے نام سے موسوم کیا گیا اور چونکہ عربی میں گاف کی آواز ج (جیم) سے بدل جاتی ہے اس لئے "شش رنگ" سے اس نے "شش رنج" نام اختیار کر لیا جو بدلتے بدلتے "شطرنج" ہو گیا

سب کو معلوم ہے کہ شطرنج میں کتنے مہرے ہوتے ہیں۔ ایک شاہ ایک وزیر، دو فیل، دو اسپ دو رُخ اور ... پیادے گویا ایک طرف کے سولہ ہوئے اور اتنے ہی دوسری طرف ہوتے ہیں۔ یہ دو آدمیوں کا کھیل ہے جس تختے یا کپڑے پر یہ کھیلا جاتا ہے اسے بساط ... ہیں اور اس میں کل چونسٹھ خانے ہوتے ہیں

حکیم صَصَّہ نے اس کھیل کے مہروں کی چالیں اس ... مقرر کیں کہ :-

(۱) شاہ صرف ایک خانہ خواہ سیدھا خواہ ترچھا ہر ... چل سکتا ہے ۔

(۲) شاہ تخت سے اترنے کے بعد یعنی اپنی جگہ سے ... یا دو خانے چلنے کے بعد مگر گشت آنے سے پیشتر صرف ... مرتبہ ڈھائی خانے بھی چل سکتا ہے ۔

(۳) وزیر (فرزیں) شروع سے آخر تک جتنے خانے ... چاہے سیدھا بھی اور ترچھا بھی چل سکتا ہے اس لئے و ...

سب مہروں سے زیادہ اہم اور زبردست مہرہ ہے ۔

(۴) فیل صرف ترچھا چل سکتا ہے ۔

(۵) اسپ (گھوڑا) صرف اڑھائی خانے چلتا ہے لیکن دوسرے مہروں کی طرح یہ اس بات کا پابند نہیں کہ اگر راستہ میں کوئی اور مہرہ ہو تو آگے نہ جا سکے بلکہ یہ دوسرے مہرے کو پھلانگ کر آگے نکل سکتا ہے ۔

(۶) رُخ صرف سیدھا چلتا ہے ۔

(۷) پیادہ صرف ایک خانہ آگے کی طرف چلتا ہے لیکن مار ترچھے خانہ میں کرتا ہے ۔

(۸) پیادہ اگر صحیح و سلامت آخر تک چلتا رہے اور اس کی اپنی رُخ کا اس خانہ کا مہرہ مر چکا ہو جس میں کہ وہ چلتے چلتے پہنچ گیا ہے تو اسکے وہاں پہنچنے پر اسکا مرا ہوا وہ مہرہ دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے ۔

حکیم صصّہ نے جب شطرنج نوشیرواں کے سامنے پیش کیا تو اہل دربار بہت خوش ہوئے اور بادشاہ تو خوشی سے وجد میں آ گیا اور اس نے حکیم سے کہا کہ بولو کیا انعام مانگتے ہو وہ بخوشی ہم تم کو دیں گے ؟

آپ جانتے ہیں کہ حکیم نے کیا انعام مانگا ؟ اس نے کہا زیادہ نہیں صرف اتنا کر دیجئے کہ بساط کے پہلے خانہ میں ایک اشرفی، دوسرے میں دو تیسرے میں چار چوتھے میں آٹھ ، پانچویں میں سولہ اور اسی طرح ہر اگلے خانہ میں پہلے خانہ سے دو چند کرتے ہوئے چونسٹھ خانے اشرفیوں سے پُر کر دیجئے ۔

نوشیرواں نے اسے نہایت معمولی انعام خیال کر کے خزانچی کو حکم دیا کہ حکیم صصّہ کا مطالبہ ابھی پورا کر دو لیکن جب ادائیگی شروع ہوئی تو بساط کے چند ہی خانوں کے بھرنے میں تمام شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور بادشاہ کو بہت ندامت ہوئی ۔

لیکن حکیم صصّہ نے بہت معمولی انعام لیکر نوشیرواں کو خوش کر دیا ۔

اب آپ حساب کر کے ہمیں لکھئے کہ اگر بساط کے پہلے خانے میں ایک اشرفی رکھی جاتی اور اگلے خانوں میں دُگنا کرتے چلے جاتے تو آخری یعنی صرف چونسٹھویں خانے میں کتنی اشرفیاں رکھنی پڑتیں اور اگر آپ یہ بتا سکیں کہ بساط کے کل خانوں میں مجموعی طور سے کتنی تعداد ہوتی تو اور بھی آپ کا کام تعریف کے قابل سمجھا جائے گا ۔

شطرنج کے موجد کی یہ دوسری دماغی قابلیت کا ثبوت تھا جسے دیکھ کر نہ صرف درباری بلکہ کل رعایا حیرت زدہ ہو گئی اور اُس رعایا کا تو کہنا کیا ۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ پندرہ سو برس گزر جانے کے بعد اب بھی آپ خود اس حساب سے بہت زیادہ حیرت میں پڑ جائیں گے ۔

شطرنج نے دنیا میں اس قدر ترقی کی کہ ایشیا کے تمام مہذب ملکوں میں شاہی درباروں اور محلسراؤں سے لے کر عوام کی مجلسوں میں بھی یہ مقبول ہو گیا ۔

اگر فرقہ وارانہ کشمکش سے ہمیں بالاتر سمجھا جائے تو یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ کھیل ہندستان آیا اور یہاں بھی اس نے بہت زیادہ ہر دلعزیزی حاصل کی ۔ مردانہ مجلسوں اور شاہی محلات کی بیگموں میں علم و فضل اور شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ شطرنج کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی ۔

اس کھیل سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے ۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ کئی کئی دن تک ایک ہی بازی چلتی رہتی ہے اور کھیل ختم نہیں ہو پاتا اور کھیلنے والے دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر رہتے ہیں ۔

کہتے ہیں کہ اس سے انسان کی غور و فکر کی دماغی صلاحیتیں ترقی کرتی ہیں ۔ یہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ یہ کھیل اعلیٰ سوسائٹی کے مشاغل اور تفریحات میں سے ایک سمجھا جاتا ہے اور بہت شریفانہ خیال کیا جاتا ہے ۔ تاہم ہماری دعا ہے کہ اس کی لت نہ پڑنے پائے کیونکہ عادت بہت مضر شے ہے ۔ (ماخوذ)

نوٹ :۔ اگر کسی صاحب تحقیق کو اس کے علاوہ یا اس سے زیادہ صحیح معلومات ہوں تو ہم بخوشی اسے درج کرینگے بلکہ بہت ممنون ہوں گے ۔

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

ادرا
خواتین

سرورق اس مرتبہ سرورق کو ہم نے اپنے محترم ساتھی مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری پروفیسر تاریخ اسلام کی شبیہ سے مزین کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

مولانا ہمارے بہت پرانے رفیق ہیں۔ جامعہ میں آنے سے پیشتر یعنی "ترک موالات" کے زمانہ سے پہلے وہ بھی ہماری طرح علی گڑھ کالج میں تھے اور مسلم یونیورسٹی بننے کے بعد بھی تقریباً دو تین ماہ یونیورسٹی میں عربی فارسی کی پروفیسری پر مامور رہے علی گڑھ کالج کے ادبی حلقوں میں آپ کی خاص عزت تھی اور وہاں بھی آپ کی روزمرہ زندگی میں اسلامی پہلو نمایاں تھا اور جامعہ میں آنے کے بعد تو ہمیں بہت قریب سے انھیں دیکھنے کا موقع ملا مولانا شوکت علی مرحوم اور خصوصاً مولانا محمد علی مرحوم تو آپ کا بہت ہی زیادہ احترام کرتے تھے۔

آپ کو مشکل سے یقین آئے گا کہ گذشتہ ۳۴ سال سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگی باقاعدگی کا ایسا ہی نمونہ پیش کرتی ہے جیسا کہ ہم نظام شمسی کا ایک مقررہ قاعدہ کے مطابق جاری ہونا دیکھتے ہیں، وہ شب بیدار ہیں۔ صبح کو اول وقت تمام حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر نماز باجماعت مسجد میں جاکر ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد آفتاب نکلنے تک ناشتہ سے فراغت پالیتے ہیں جو بہت سادہ قسم کا ہوتا ہے حقہ کے عادی ہیں اس لئے اس کا دور بھی چلتا ہے اور کچھ دیر مطالعہ کتب کرنے کے بعد کالج چلے جاتے ہیں جہاں پہلے ہی گھنٹہ سے ان کا درس شروع ہوتا ہے اور مسلسل چھ گھنٹے کالج ٹائم ٹیبل کے مطابق پڑھا کر کتب خانہ جاتے ہیں۔ اخبارات و رسائل پر ایک نظر ڈال کر بعض کتابوں کو اسی جگہ دیکھتے اور بعض کو نکلوا کر اپنے ہمراہ مکان پر لاکر پڑھتے ہیں اور اس کا عطر کشید کر لیتے ہیں۔ دوپہر کو کھانا کھاکر قیلولہ فرماتے ہیں اور ایک بجے اٹھتے ہیں ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر کلام مجید کی منزل باقاعدہ تلاوت کرتے ہیں اس سے فارغ ہوکر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں اور عصر کی نماز تک جاری رکھتے ہیں۔ عصر سے فارغ ہوکر پہلے تو بیڈمنٹن کھیلا کرتے تھے اور بہت خوب کھیلتے تھے۔ لیکن اب احباب سے ملنے اور اگر کوئی جلسہ ہو تو اس میں شرکت کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں مثلاً جامعہ کی مجلس تعلیمی یا مجلس منتظمہ کی رکنیت کے زمانہ میں جب کبھی اس کا جلسہ ہو یا اسٹاف کلب کا جلسہ ہو یا کسی معقول مقرر یا ادیب کی تقریر ہو یا کوئی عصرانہ ہو تو خصوصیت سے اس میں ضرور شرکت فرماتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھاکر لائٹ لٹریچر پڑھتے ہیں یا ملنے والوں سے معلوماتی گفتگو رہے گی لیکن اگر کسی جگہ کوئی دعوت ہے یا جامعہ میں کوئی معزز مہمان مدعو ہے اور اس کے ساتھ دسترخوان پر شرکت کرنی ہے تو پھر کھانے کے بلکہ رات کے پروگرام میں بے قاعدگی ہوجاتی ہے نماز عشاء کے بعد آرام فرماتے ہیں اور پھر شب میں بیدار ہوتے ہیں۔

تعطیل کے دن اگر کوئی کام خریداری کا ہو یا کسی سے ملنا ضروری ہو تو شہر جائیں گے ورنہ گھر ہی پر لکھنے پڑھنے یا متفرق کاموں میں وقت صرف فرمائیں گے ہاں روزانہ غسل بھی فرماتے ہیں مندرجہ بالا اوقات میں حسب ضرورت حقہ کے کش بھی لگتے رہتے ہیں۔ اخبارات میں جہاں بیرون ہند کے عربی فارسی پرچے یا ہندستان کے پرچے دیکھتے ہیں وہاں روزانہ انگریزی اخبارات پر بھی طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور کوئی اہم مضمون یا نوٹ ہوا تو اسے بھی ملاحظہ فرماتے ہیں۔

قول کے بہت سچے، معاملہ کے بہت صاف اور سولہ آنے بچے۔

لین دین کے کھرے۔ قرض سے کوسوں دور۔ بہت سادہ مزاج، اور نہایت سنجیدہ لیکن شگفتگی کے ساتھ خرچ میں بہت محتاط وغیرہ وغیرہ

یہ چند اوصاف ہیں جو ان کی زندگی کے روشن اور نمایاں پہلو ہیں اور کم از کم ہم جیسے دنیا داروں پر انھیں ممتاز کئے ہوتے ہیں۔

آپ اُن سے ملئے یقیناً آپ پر ایک خاص اثر ہوگا اور آپ محسوس کریں گے کہ آجکل ایسی صحبتیں کہاں نصیب ہوتی ہیں بزرگوں اور اللہ کے پسندیدہ لوگوں میں پرورش پائی ہے انکی صحبت میں عمر کا کافی حصہ بسر کیا ہے اس لئے ان کی خو بو رم گئی ہے اور ما شاء اللہ اسی طریقہ پر اپنے آپ کو ڈال لیا ہے اور وہی راستہ اختیار کر لیا ہے - یہ تو ہمارے تاثرات اور چشم دید حالات ہیں۔ اب ہم ان کی سوانح حیات کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

سوانح

مولانا حافظ محمد اسلم اپنے وطن موضع جیراجپور ضلع اعظم گڈھ میں ۷، ربیع اول ۱۲۹۹ھ یوم جمعہ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سلامت اللہ صاحب ریاست بھوپال میں مہتمم مدارس یعنی وزیر تعلیمات تھے۔ مولانا کی عمر چھ سال کی ہوئی تو انکو ان کے والد صاحب بھوپال لے گئے۔ وہاں دو سال اور چند مہینے میں قرآن حفظ کیا۔ پھر فارسی اور عربی کی مکمل تعلیم درس نظامیہ کے مطابق حاصل کی تکمیل تعلیم کے بعد (۱۹۰۳ء کے آخر میں) لاہور میں پیسہ اخبار کے دفتر میں مترجم ہو کر گئے وہاں دو سال تک اخبار نویسی کا تجربہ حاصل کیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں علی گڈھ کالج میں آ کر اسکول میں دینیات کے استاد مقرر ہوئے۔ چھ سال کے بعد لٹن لائبریری میں مشرقی کتب کی فہرست مرتب کی اسکے بعد ۱۹۲۰ء میں کالج میں جو مسلم یونیورسٹی ہو گیا تھا عربی اور فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ لیکن مولانا محمد علی کی خواہش اور ترک موالات کے تاثرات سے مجبور ہو کر مسلم یونیورسٹی سے جامعہ ملیہ میں آ کر اساتذہ میں شامل ہو گئے۔ اس وقت سے آج تک اسی درسگاہ میں تاریخ اسلام کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً حیات جامی حیات حافظ - تاریخ نجد وغیرہ سب سے اہم تصنیف آپ کی تاریخ الامت ہے جو آغاز اسلام سے الغار خلافت تک کی مسلسل اور مستند تاریخ ہے اور آٹھ حصوں میں منقسم ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں بطور نصاب کے مدت تک داخل رہی خاصکر اس کے پہلے دونوں حصے یعنے سیرۃ الرسول اور خلافت راشدہ تو تقریباً ہر اسلامی اسکول میں نصاب میں رکھے گئے تھے۔ اسلامی تاریخ کے علاوہ آپ کی نظر قرآن پر بھی بہت گہری ہے اس سلسلہ میں تاریخ القرآن تعلیمات قرآن اور نکات قرآن آپ نے لکھی ہیں۔ عربی زبان میں بھی ایک کتاب الوارثۃ فی الاسلام آپ کی تصنیف ہے۔ آپ شاعر بھی ہیں مگر بہت کم کہا ہے آپکی چند تاریخی اور قومی نظمیں "جواہر ملیہ" کے نام سے جامعہ کا لجے اردو نصاب میں داخل تھیں۔ اس مجموعہ کو چند سال ہوئے سنگم کتاب گھر نے بھی شائع کیا ہے جس کے چند اقتباسات ہم پچھلی اشاعتوں میں درج کر چکے ہیں۔

مولانا نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں لیکن اللہ میاں کو یہی منظور تھا کہ عمر کی آخری چوتھائی صدی (بلکہ اللہ کرے اس سے بھی زیادہ) دنیاوی ازدواجی زندگی سے تقریباً آزاد ہو کر حوران جنت کی انتظار میں بسر کی جائے

تاہم خدا کا شکر ہے کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے جو ان کے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کی بصارت ہیں - -

(اگلا صفحہ)

دونوں نے جامعہ میں تعلیم حاصل کی ہے بڑے صاحبزادے محمد اعظم نے گھر کا کاروبار اور زمین کی کاشت وغیرہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور چھوٹے محمد معظم نے جامعہ ملیہ کے بعد آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج دہلی سے علم طب کی تکمیل کی تھی اس لئے وہ اعظم گڈھ میں طبابت فرماتے ہیں اور نہایت کامیاب اطبا میں سے ہیں اور ماشاء اللہ بہت سوشل اور مقبول ہیں اور سوسائٹی میں ایک خاص پوزیشن کے مالک ہیں ان لڑکوں کی بھی اولاد ہے اور سب سعادت مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو خوش خرم رکھے اور نیک اولاد کے پسندیدہ کارنامے دیکھنے نصیب کرے۔ آمین

مولانا کے مداح اور جاں نثار شاگردوں اور دوسرے احباب کی کثیر تعداد اطراف ہند اور پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک یعنی عرب، ایران، افغانستان، انڈونیشیا وغیرہ میں بکھری پڑی ہے۔ آپ کی تصانیف بہت مقبول ہیں پاکستان سے کتابوں کا کاروبار گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے وہاں کے شائقین بہت بے چین رہتے ہیں تاہم کسی نہ کسی طرح چند نسخے تو ادھر سے ادھر ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن عام طور سے پابندیوں کا قانون زبردست ہے۔

مولانا کی خود نوشت سوانح عمری کا ایک مضمون "مقالات اسلم" کتاب میں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو مولانا امداد صابری صاحب نے مرتب فرمائی ہے یہ مضمون ۵۲ صفحات میں ہے اور نہایت دلچسپ ہے لیکن اب اسمیں اضافہ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ ۱۹۴۳ء میں لکھا گیا تھا اس مضمون سے نہ صرف مولانا کے حالات بلکہ اس زمانے کے بعض بزرگوں کے حالات اور دیگر تاریخی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۴ء تک یعنی ۱۱ سال کے حالات کا اضافہ باقی ہے۔

مولانا کی تصانیف کے سلسلہ میں جو فہرست اوپر درج کی جا چکی ہے اسکے علاوہ ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام خواتین ہے۔

اس میں ۳۴ مشہور اسلامی خواتین کے حالات درج کئے گئے ہیں جن میں سے نصف خود مولانا کے لکھے ہوئے ہیں اور بقیہ دوسرے اصحاب کے ہیں یہ سب مضامین علی گڈھ کے مشہور زنانہ رسالہ خاتون میں شائع ہوئے تھے۔ شیخ عبداللہ صاحب روح رواں تعلیم نسواں و ایڈیٹر رسالہ خاتون کی فرمائش پر ان تمام مضامین کو یکجائی طور سے کتابی شکل میں ترتیب دینے کا کام مولانا نے انجام دیا جو پہلی بار ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی اور اب دوسری بار سنگم کتاب گھر نے نومبر ۱۹۵۱ء میں اسے شائع کیا۔

ان خواتین کے حالات ترتیب زمانی کے لحاظ سے نہیں لکھے گئے بلکہ مدارج کے لحاظ سے مرتب کئے گئے ہیں یعنی پہلے ۸ صحابیات کے حالات ہیں پھر ۴ صالحات کے پھر ۸ بیگمات کے اور ۳ عالمات کے۔

مسلمانوں کے ہر گھر میں بالخصوص اور غیر مسلمین کے ہاں بالعموم اس کا ایک ایک نسخہ عورتوں کے مطالعہ کے لئے موجود رہنا چاہیئے بلکہ مردوں کو بھی ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ ان عورتوں نے اخلاق کا معیار اور سچائی و شرافت کا درجہ بلند کرنے کے لئے نیز ایثار و قربانی کا جذبہ اور ہمت و شجاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنے کے لئے ہمارے لئے کیا کیا کارنامے اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ ایسی کتابیں پڑھنے سے ہی موجودہ نسلیں کچھ کام کی ہو سکتی ہیں ورنہ خراب لٹریچر پڑھنے سے نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ اخلاقی معیار بہت پست ہوتا ہے جس سے ملک و ملت دونوں کا نقصان ہوتا ہے اور عیش کی دلدادہ نفس پرست قوم بنتی ہے۔

ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ اشاعتوں میں اس کتاب میں سے چند اقتباسات پیش کریں تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ یہ کتاب کس قدر مفید ہے۔

(حافظ) فیاض احمد

بچوں کی تعلیم و تربیت

علم مجلسی

اکتوبر و نومبر کے مشترک پرچے نکالنے کی وجہ سے ہم نے "علم مجلسی" پر وہی مضمون لکھا تھا جو اکتوبر کا پرچہ علیحدہ کر دینے کی وجہ سے اس میں درج ہو چکا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم اس پرچہ میں اس عنوان کو ملتوی کر دیتے لیکن ہمارے پرچہ کا یہ حصہ بہت اہم ہے اس لئے اس کا جاری رکھنا بہت ضروری ہے اب تک ہم "عجز و انکساری" پر عمر خیام کی رباعی اور اس کا اردو منظوم ترجمہ "صحبت کا اثر" پر شیخ سعدیؒ کا قطعہ اور "وقت بے وقت ملاقات" یا "روزانہ کی غیر ضروری ملاقات پر پابندی" کے متعلق شیخ سعدی کی ایک رباعی درج کر چکے ہیں۔

ہم نہایت ندرت سے بچوں کو تاکید کرتے ہیں اور نہایت ادب سے ان کے سرپرستوں اور استادوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان رباعیات و قطعات کو اور ان کے معنی اور مطلب کو بخوبی یاد کر لیں یا یاد کرا دیں تاکہ جس مقصد کے لئے "علم مجلسی" کا عنوان قائم کیا گیا ہے وہ پورا ہوتا ہے۔ اس مرتبہ ہم دو چیزیں ایک فارسی اور ایک اردو میں شائع کرتے ہیں یقین ہے کہ بچے انھیں بھی خوب یاد کر لیں گے اور ان کا مطلب سمجھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے پہلی چیز عمر خیام کی ایک رباعی ہے جو "نیک و بد میں امتیاز" کے متعلق ہے۔

در راہِ خرد بجز خرد را مپسند

چوں ہست رفیقِ نیک بد را مپسند

خواہی کہ ہمہ جہاں ترا بہ پسند

می باش بخوش دلی و خود را مپسند

ترجمہ:۔ "عقل و دانائی سے زندگی بسر کرنے کے لئے عقل مند اور دانا انسان کے سوا اور کسی سے تعلقات نہ بڑھا اگر تجھے نیک ساتھی مل گیا ہے تو برے کو ہرگز ہرگز پسند نہ کر

اور اگر تیری یہ خواہش ہے کہ تمام دنیا تجھے پسند کرے تو تو ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آ اور اپنے کو بڑا نہ سمجھ"۔

دیکھئے کتنی اچھی نصیحت کی گئی ہے۔ اس پر عمل کرنے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ مفت میں نیک نامی ملتی ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ بہت سی قوتیں اس کے خلاف عمل کرنے کی ترغیب دیں گی لیکن ان پر توجہ مت کرنا بس جو کچھ ان اشعار میں بتایا گیا ہے ان کو پلے باندھ لو اور اسے خوب یاد کر لو۔

دوسری چیز اردو میں اسی موضوع یعنی "بری صحبت سے بچو" پر ملاحظہ ہو۔

ہر دم حلیم رہنا شیریں کلام ہونا	قابو زباں کو رکھنا مت بے لگام ہونا
ہمت بلند رکھنا ہمت سے کام لینا	تضیعِ زر کا بھولے سے بھی نہ نام لینا
بد صحبتوں سے بچنا نہ ہمنشین ہونا	پستی میں گر نہ جانا زیر زمیں نہ ہونا
عزت بچا کے رکھنا ہرگز نشے نہ پینا	برباد ہوگی دولت مرنے سا ہے یہ جینا

(تحفۂ درویش)

دیکھا آپ نے اس میں بری صحبت سے بچنے پر زور دیا گیا ہے اور بری صحبت سے بچنے کے لئے چند بری باتیں اختیار نہ کرنے کی خاص طور سے ہدایت کی گئی ہے جو بری صحبت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ایک فضول خرچی دوسرے نشہ آور چیزیں مثلاً سگریٹ، بیڑی، حقہ۔

والدین کو خاص طور سے بچوں کی ان بری عادتوں پر نظر رکھنی چاہیئے اور نرمی سے ان کے نقصانات سمجھا کر انھیں ترک کرانا چاہیئے سختی سے اور مار

تفریحات

ریاضی

ہم نے گنتی خاص طور سے یاد کرنے کی ہدایت کی تھی کہ ایک سے سو تک سیدھا یا سو سے ایک تک الٹا یا ایک ایک ہندسہ چھوڑ کر طاق یا جفت کے حساب سے سیدھا یا الٹا گننا یاد کیا جائے اور بغیر رکے ہوئے ایک دم ایک سانس میں فر فر گنا جائے۔ اسکے بعد ہم نے اکائیوں کو جوڑنے پر زور دیا تھا کہ دو اکائی کے ہندسوں کا نام لیتے ہی بچہ فوراً ان کا جوڑ یا حاصل جمع بجائے انگلیوں پر گن کر نہیں بلکہ بجلی کی طرح فوراً جواب دے۔

اس مرتبہ ہم ایک سے ۵۰ تک کوئی دو رقمیں جمع کرنے کا سبق دیتے ہیں یعنی ایسی دو رقمیں جن کا جوڑ (مجموعہ) ۱۰۰ سے زیادہ نہ ہو مثلاً

۴۸ + ۵۰ = ؟ ۳۷ + ۴۹ = ؟ ۲۶ + ۳۷ = ؟ یا

ایسی دو رقمیں جن میں سے ایک پچاس سے زیادہ ہو اور دوسری پچاس سے اتنی کم کہ دونوں کی جمع ۱۰۰ سے نہ بڑھے مثلاً ۶۶ + ۲۳ = ؟
۸۳ + ۴۷ = ؟ وغیرہ وغیرہ

بس ان میں یہ خیال رکھا جائے کہ دو رقمیں ایسی ہوں جنکا جوڑ ۱۰۰ سے زیادہ نہ ہو۔

جمع کا کھیل

بچے دو گروپ بنا کر جمع کا کھیل اس طرح کھیل سکتے ہیں جیسا ہم نے پچھلے پرچہ میں بتایا تھا۔ دونوں طرف بچوں کی تعداد برابر ہونی چاہیئے اور نمبروار بچے ایک دوسرے سے سوال کریں۔ ایک پارٹی کا ایک لڑکا دوسری پارٹی کے ایک لڑکے سے سوال کرے۔ جواب صحیح ملنے پر دوسری پارٹی کا ایک لڑکا پہلی پارٹی کے کسی اور لڑکے سے (یعنی جو سوال کر چکا ہو یا جواب دے چکا ہے اسے چھوڑ کر) سوال کرے یہ سلسلہ نمبروار جاری رہنا چاہیئے۔ جب سب کی باری ختم ہو جائے تو پھر دوسری مرتبہ باری باری سوال وجواب کا سلسلہ شروع کردیا جائے اور شروع میں جتنی مرتبہ سوال وجواب کرنیکی باریاں طے ہو چکی ہوں ان کے مطابق کھیل ختم کیا جائے اور نمبروں کو جوڑ کر نتیجہ سنا دیا جائے اس میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ سوال کرنے والا ایسے دو عدد نہ پوچھے جن کا جوڑ ۱۰۰ سے زیادہ ہوتا ہو مثلاً ۷۶ + ۴۸ = ؟ اگر ایسا سوال کیا گیا ہے تو سوال کرنیوالی پارٹی کا ایک نمبر کم ہو جائے گا۔

خاص ہدایت

جمع کے ان سوالوں میں یہ بات خاص طور سے مدنظر رکھئے کہ جواب دینے والا اگر غلط جواب بتاتا ہے تو دیکھیے غلطی اکائی کے ہندسے میں تو نہیں ہے کیونکہ ہم اکائی کے ہندسوں کو جوڑنے کی خوب مشق کرا چکے ہیں اسمیں غلطی نہیں ہونی چاہیئے مثلاً ۴۸ + ۲۹ = ؟ کا جواب اگر ۶۷ دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ ۸ اور ۹ جمع کرنے سے پہلا ہندسہ جو ۷ کا آتا ہے وہ صحیح بتایا گیا ہے لیکن حاصل جمع لے جانے کا خیال نہیں رہا اور جواب غلط ہو گیا اس صورت میں صرف ایک نمبر کٹے گا۔ اور اگر جواب ۵۰ دیا گیا ہے تو اگرچہ ۷۷ کے مقابلہ میں یہ جواب صحیح جواب کے بہت قریب ہے لیکن چونکہ اکائی کا ہندسہ غلط ہے اسلئے اسکے زیادہ نمبر کٹینگے ہم تو اس کے دس نمبر کاٹیں گے۔ آپ آپس میں جو طے کریں۔ لیکن ۷۷ کے مقابلہ میں ۸۵ کا جواب زیادہ غلط سمجھئے اور زیادہ نمبر کاٹئے۔ اگر آپ نے اس اصول پر عمل کیا تو آپ دیکھیں گے کہ جمع کا قاعدہ آپ کتنی آسانی سے اور کتنی جلدی سیکھ جاتے ہیں اور یہی سب سے بڑا راز ہے جس کا نتیجہ آئندہ آپ خود بخود محسوس کریں گے۔ بجلی کی طرح بٹن دبانے سے ۸ اور ۹ کا جوڑ کبھی ۵ کا ہندسہ نہیں دے گا اگر دیتا ہے تو سمجھئے بجلی میں خرابی ہے ہاتھ کو جھٹکا لگتا ہے اور کرنٹ لگنے سے بہت خطرہ ہے وہاں جان کا اندیشہ ہے تو یہاں امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے جو موت سے بھی بڑھ کر ہے۔

کہئے استاد صاحبان! ہمارا خیال صحیح ہے نہ؟ ہم ممنون ہوں گے اگر آپ اس موضوع پر ہمیں مطلع کرتے رہیں گے۔

(باقی آئندہ)

پہیلی

ایک گھوڑا ایسا جس کے چھ ٹانگیں دو سُم
اور تماشا ایسا دیکھا بیٹھ کے اوپر دُم

ایک پنجابی کی بھی سنئے اور بوجھئے:-
باہروں آیا ماما لودی۔ چھ لتّاں ستویں بودی

لہ باہروں = باہر سے ماما = ماموں کا نام ہے لتّاں = ٹانگیں ستویں = ساتویں بودی = چوٹی۔ چٹیا

بچوں کا اپنا صفحہ

ہم چاہتے تھے کہ عزیزہ حمیدہ سلطانہ انصاری (رائسین، بھوپال) کی کہانی "اشرف" درج کریں جو انعامی مقابلے کے لئے لکھی گئی تھی لیکن اول تو اس پرچہ میں گنجائش نہیں نکل سکی۔ دوسرے یہ کہ ان کی اجازت نہیں ہے اگر ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ آیا وہ تعلیم پا رہی ہیں اور کس درجہ میں ہیں تو ہم بلا اجازت بھی چھاپ دیتے جیسا کہ حیدرآباد کی دو بچیوں کی کہانیاں اکتوبر کے پرچہ میں درج کر چکے ہیں۔

ہم ان کہانیوں پر ان بچیوں کی ہمت افزائی کے لئے غور کر رہے ہیں ممکن ہے کہ اگلے پرچہ میں اعلان کر سکیں۔

انعامی مقابلے

اکتوبر کے پرچہ میں جو اعلان کیا گیا ہے وہ بدستور قائم ہے یعنی ۱۰ دسمبر تک چوتھی جماعت سے آٹھویں جماعت تک کے بچے ہمیں لکھ کر بھیجیں کہ "میں نے پچھلے پانچ برس میں سب سے اچھا اور نیک کام کیا کیا!"

باقی سب شرائط اگست و ستمبر کے پرچہ میں درج کی جا چکی ہیں ان پر عمل کرنا ضروری ہو۔ وہ پرچہ ۴ ر میں ملے گا اب مفت نہیں بھیجا جائیگا۔

کچھ ہنر سیکھئے

اس وقت تک جتنے نسخے یا مشورے ہم نے درج کئے ہیں ان پر بہلے نام لاگت آتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ شاید اسی وجہ سے ان پر توجہ بھی برائے نام ہی کی گئی ہوگی۔ ہم نے اس کی وجہ پر غور کیا تو ہمیں یاد آیا کہ دہلی میں حکیم ذکی احمد صاحب مالک جید برقی پریس بہت پرانے تجربہ کار حکیم ہیں۔ انھیں بہت چٹکلے یاد ہیں یعنی تقریباً ہر مرض کے لئے تین چار پیسہ کا نسخہ تجویز کر سکتے ہیں لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ ان سے اسو جہ سے عقیدت نہیں رکھتے کہ وہ اس قدر سستا نسخہ تجویز کرتے ہیں ان کی رائے میں جب تک قیمتی ادویات کا ذکر نہ ہو مریض کا علاج صحیح ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ امرا کے لئے وہ بہت زیادہ قیمتی دوائیں بھی تجویز کرتے ہیں کیونکہ علاج میں عقیدہ اور مریض کی قوت ارادی کو بہت بڑا دخل ہے اسی طرح ہمارا خیال ہے کہ پچھلے پرچوں میں ہم نے بے روزگاری رفع کرنے کے لئے ایسے مشورے دیئے ہیں کہ مفلس اور قلاش انسان ان پر کاربند ہونے سے بہت ترقی کر سکتا ہے اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے لیکن جس شخص کا نقطۂ نظر موٹروں کی تجارت ہو اس کے لئے دھیلے دھیلے پیسے پیسے کے نسخے یقیناً مذاق کا باعث ہوں گے۔

لیکن ہمارا خطاب ہمیشہ غربا سے ہوتا ہے سرمایہ داروں کے لئے نہیں ہوتا چنانچہ اسی نظریہ کے تحت ذیل میں دو تین مفید نسخے درج کئے جاتے ہیں۔ ان سے نفع خوری نہ کیجئے بلکہ خلق خدا کو اور غربا کو آرام اور فائدہ پہنچایئے۔ امیروں کو اور خدا ترس لوگوں کو چاہئے کہ وہ غربا کی امداد کے لئے یہ چیزیں تیار کرا کر مفت تقسیم کریں یا غریب لوگ تیار کر کے بہت واجبی نفع پر انھیں فروخت کریں۔

منجن | رات کو سوتے وقت اگر ایک انگلی سرسوں کے تیل کی

نمک ملاکر دانتوں اور مسوڑوں پر اچھی طرح پھیرلی جائے اور پھر صبح تک پانی نہ لگایا جائے تو دانتوں کی کوئی بیماری نہیں ہوگی۔

۲۔ اگر خرابی پیدا ہوچکی ہو تو مندرجہ بالا نسخہ کے علاوہ ذیل کا منجن استعمال کریں۔

نمک اور سیاہ مرچ دونوں کو باریک پیس کر صبح و شام اس منجن کا استعمال کیا جائے۔ اس سے دانت ہر بیماری سے محفوظ رہیں گے اور بصارت میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ گویا دو فائدے ہیں۔ ایک ایک پیسہ کی پڑیا آسانی سے بیچ کر دو چند نفع کمایا جا سکتا ہے۔

سرمہ | سرمہ سیاہ اعلیٰ چمکدار (کنکر وغیرہ کی آمیزش سے بالکل پاک ہونا چاہئے) ایک تولہ کراسیں دو ماشہ سرد چینی (کباب چینی) ملالیں (اسی حساب سے زیادہ تیار کر سکتے ہیں) ان دونوں چیزوں کو اس قدر کھرل کریں کہ بالکل سرمہ بن جائے اور کوئی ذرہ نہ معلوم ہو باریک کپڑے میں چھان لیں جو باقی بچے اسے پھر کھرل میں باریک پیس لیں۔ دونوں وقت آنکھوں میں لگائیں۔ بچہ، بوڑھا، جوان، عورت مرد سب کے لئے مفید ہے۔ آنکھ کو کبھی چشمہ کی ضرورت نہ پڑے گی اور ہمیشہ دور بین رہے گی۔ دو دو پیسہ کی پڑیاں غربا کو دیجئے اور ثواب کے ساتھ ساتھ پیسہ بھی کمائیے۔ کہئے اس سے سستے نسخے کہیں ملیں گے۔

نسوار | آجکل سردی کا زمانہ بہت عروج پر ہے۔ نزلہ، ریزش، زکام بہت معمولی چیزیں ہوگئی ہیں۔ کائپھل جو بوسیدہ نہ ہو اور جسکا فارسی نام شیشعال ہے لیکر نہایت باریک پیس لیں، کھرل یا ایسی کونڈی میں یا پتھر پر جہاں مرچ کا اثر نہ ہو اسکی ایک چٹکی دن میں ایک مرتبہ بطور نسوار (نسوار) استعمال کرنے سے فوراً فائدہ محسوس ہوگا۔ بچہ اور بوڑھا سب بلا تکلیف استعمال کر سکتے ہیں۔ دو پیسہ میں سو مریض اچھے ہو جائینگے کہئے کتنے ثواب اور کتنے نفع کی چیز ہے مگر خدا کرے آپکو اعتقاد ہو اور آپ اللہ پہ بھروسہ کرکے اسے آزمائیں اور مفید معلوم ہونے پر اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔ (صحت و دولت) (باقی آئندہ)

تبصرے

(بلا فرمائش)

پاسبان | لیجئے آپ نے کچھ اور بھی سنا؟ کہتے ہیں کہ حکومتیں اردو کے ساتھ دشمنی کر رہی ہیں۔ اسے دیس نکالا دے رہی ہیں جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے یا پاکستان والوں کی زبان ہے، پنڈت چاند نارائن صاحب چاند کی کتاب "کاروان سخن" پر جو مضمون پچھلے پرچہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا اس میں ہم نے اس نظریہ سے اختلاف کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ "عاشقان اردو" اگر چھیڑ چھاڑ کا طریقہ چھوڑ دیں تو اردو کے لئے بہت بڑا میدان موجود ہے اور یہ سب کی چہیتی بنی رہے گی لیکن اگر مسلمان ہی اس کے دعوے دار بنے رہے تو رقابت کا یہ پہلو اردو کے لئے زہر کا پیالہ ثابت ہوگا۔ اس کے ثبوت میں ہم وہاں دو چار باتیں لکھ چکے ہیں۔ اب آپ کو یہ سن کر انتہائی مسرت ہوگی کہ مشرقی پنجاب سے یعنی جہاں سے "اردو ختم کر دی گئی ہے"۔ ادھر کے مدارس میں صرف ہندی اور پنجابی کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی نئی راجدھانی چنڈی گڑھ سے ایک ماہانہ رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے جس کا دوسرا نمبر بابتہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۶۵ء جامعہ ملیہ کی لائبریری میں دیکھنے کا ہمیں اتفاق ہوا۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ پرچہ کس نے نکالا ہے؟ حکومت پنجاب کے "پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ" نے! اس کا نام کیا ہے؟ پاسبان! یہ کوئی ہندی لفظ نہیں ہے خالص فارسی ہے۔ مضامین نہایت عمدہ دبیز سفید چکنے کاغذ پر اور تصاویر بہت اعلیٰ آرٹ پیپر پر۔ لکھائی چھپائی بہت عمدہ بس یوں سمجھئے کہ نہایت ناز و نعم سے اردو کی پرورش کا بیڑا اٹھایا گیا ہے لکھنے والے تقریباً سب کے سب ہندو ہیں اور فرقہ واریت سے کوسوں دور، اور اس امر کا بین ثبوت کہ اردو کی سرپرستی اس "فرقہ پرستی" کے دور میں بھی سرکاری غیر سرکاری

ہندو کر رہے ہیں۔ مضامین نہایت مفید اور کام کے، جن میں نظم و نثر، کہانی، افسانہ، مزاحیہ، معلومات، دیہات سدھار تعلیمی، امدادی غرض سبھی قسم کے شامل ہیں۔ حامیان اردو کو مبارک ہو! ظاہر ہے کہ یہ پرچہ پاکستان والوں کے لئے نہیں ہے، سب سے پہلے تو اپنے صوبہ والوں کے لئے ہے کیونکہ زیادہ تر معلومات اور ترقی کی باتیں پنجاب کے لئے ہیں۔ اگر پنجاب میں اردو زبردستی ختم کرنے کا ارادہ ہوتا تو اس پرچہ کی مطلق ضرورت نہ تھی لیکن نہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ جوں جوں موسم "ضد" میں خزاں آتی جائیگی اردو کے باغ میں بہار آتی جائے گی۔

پاسباں بڑے سائز کے ۴۸ صفحوں میں باتصویر نکلتا ہے قیمت چھ روپے سالانہ کچھ بھی نہیں ہے ۸ نئے پیسے بھیجکر نمونہ منگا لیجئے اور لطف اٹھائیے۔

ہم حکومت پنجاب کو ایسا اچھا اور مفید پرچہ نکالنے پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں یقین ہے کہ ملک میں اسے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

<u>کردار</u> بھوپال سے یہ ماہنامہ جولائی ۱۹۵۸ء سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ گویا سنگم اور کردار کی پیدائش ایک ہی وقت کی ہے۔ یہ رسالہ مفتی صدیقی صاحب کی ادارت اور ایک بہت کہنہ مشق حضرت علامہ محوی صدیقی کی سرپرستی میں نکلا ہے جو ہماری ملاو ڈرسنگا میں ایڈیٹر سنگم کی پیدائش سے بہت پہلے خدمات انجام دے چکے ہیں اس کا سائز بھی سنگم کے برابر ہے لیکن حجم اس سے کہیں زیادہ ہے اور مرتب بھی بہت سلیقے سے کیا جاتا ہے۔ مضامین نظم و نثر کا معیار بہت اونچا اور سب پڑھنے کے لائق اور نہایت دلچسپ۔ لکھنے والوں میں ہندو اور مسلمان دونوں، اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کا باعث۔ لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی، ٹائٹیل خوشنما اور دو رنگا۔ سالانہ قیمت صرف چار روپے

<u>نئی نسلیں</u> ادارۂ ادبیات نو۔ نظیر آباد لکھنؤ سے $\frac{18 \times 22}{8}$ کے سفید کاغذ پر م نسیم و طیب عثمانی صاحبان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ یہ پرچہ دوماہی ہے۔ سال میں چھ پرچوں کی قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ ہے حجم فی پرچہ ۴۸ صفحے علاوہ خوبصورت ٹائٹیل۔ یہ پرچہ تعمیری ادب کا علمبردار ہے۔ جیسا کہ اندرونی ٹائٹیل پر درج ہے "ادب برائے زندگی، زندگی برائے بندگی"۔ مضامین فلسفہ، تاریخ، نفسیات، عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، ادبیات، افسانے، ڈرامے، طنز و مزاح، غزل، نظم وغیرہ عنوانات پر مشتمل ہوتے ہیں جو اونچے معیار کے ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے پہلے سال کا آٹھواں شمارہ (بابت ماہ نومبر ۱۹۵۸ء) ہے اس کے ہر مضمون سے لکھنے والے کی قابلیت کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے مثلاً

'فریب نظر' کتاب پر تبصرہ خود ایڈیٹر صاحب (م نسیم صاحب) نے نہایت قابلیت سے کیا ہے جس سے اشتراکیت اور اشتراکی روس سے متعلق کسی بھی کتاب کو سمجھنے میں یقیناً بہت مدد ملے گی۔ اور 'فریب نظر' (مترجمہ ابوندیم ایم اے۔ کراچی) بجز اشتراکیت کی پرالم داستان معلوم ہوتی ہے، تنقید کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ لکھدیا ہے جس سے اشتراکیت کی بہت بھیانک تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور ہم اسے انسانیت کے لئے ایک عذاب سمجھنے لگتے ہیں۔

یوسف صالحین کا مضمون 'خواب کی باتیں' نہ صرف پڑھنے کے لائق ہے بلکہ سوچنے کے لائق ایک معیاری مضمون ہے غرض کہ تعمیری ادب سے ذوق بدلنے کا جو عزم کیا گیا ہے یقیناً اس میں کامیابی کی پوری امید معلوم ہوتی ہے۔

<u>جوانی کی آگ</u>۔ جناب اشرف بھوپالی صاحب کے بارہ افسانوں کا مجموعہ، ناشر ایم اے قاضی، مکتبہ چنگاری۔ دہلی۔ صفحات ۱۴۴ ٹائٹیل اور ڈسٹ کور رنگین اور خوشنما قیمت ۲/ نام سے تو ایسا شبہ ہوتا ہے کہ بہت فحش قسم کا کوئی ناول ہے

لیکن نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود مصنف نے سرورق پر لکھ دیا ہے کہ "ان مایۂ ناز افسانوں کا نادر مجموعہ جو تصنع اور بناوٹ سے بالکل پاک ہیں اور جس میں سوسائٹی اور انسانی فطرت کو بالکل عریاں کرکے حقیقی رنگ میں پیش کیا گیا ہے"۔ ایسا ہی ہے۔ ہم نے اسے پڑھا ہے۔ اس کے دیباچہ میں ناشر ایم۔ اے قاضی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اگر ہم اس کے چند فقرے دہرا دیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ ہمارے ہی ہیں اور گویا قاضی صاحب نے ہمارے دل کی بات کہدی ہے۔

"افسانہ قصے یا کہانی کا نام نہیں ہے بلکہ بہترین افسانہ وہ ہے جو انسانی سوسائٹی اور کردار کی سچی اور حقیقی تصویر نگاہوں کے سامنے کھینچ کر رکھدے ۔ ۔ ۔ ۔ جدید ترقی یافتہ افسانہ نگاری یہ ہے کہ انسانی کردار کا تاریک سے تاریک پہلو کسی جھجک کے بغیر دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ افسانہ پڑھنے والوں کو محسوس ہو کہ وہ افسانہ نہیں پڑھ رہے بلکہ مختلف انسانوں کی زندگیوں کی حقیقی تصویریں ان کی نگاہوں کے سامنے سے گذر رہی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ان افسانوں کے ذریعے افسانہ نگاری کا بلند ترین معیار اور نظریہ پیش کیا گیا ہے"۔

ایک دو جگہ بعض نا ملائم الفاظ بھی دیکھنے میں آئے مثلاً پہلے ہی افسانہ میں بیٹی اپنی ماں سے شکایت کرتی ہے کہ تم نے محض روپے کے لالچ میں میری شادی ایک بوڑھے سے کردی جس کی عمر تم سے بھی زیادہ تھی اور وہ شادی کے تین مہینے کے بعد مر گیا اور تمہاری بیٹی بیوہ ہوگئی۔ لیکن اچھا ہوا وہ مر گیا مجھے اس کے مرنے کا مطلق رنج نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلہ میں یہ الفاظ ملاحظہ ہوں "بوڑھا۔ بوڑھا کمبخت بوڑھا۔ حرامزادہ بوڑھا اپنی دولت سے میری جوانی خریدنے والا بوڑھا۔ انقلاب۔ انقلاب۔ بغاوت بغاوت۔۔!" جذبات اور تخیل سب صحیح لیکن ضروری نہیں کہ بوڑھے کے لئے جو بہت ہی زیادہ قصوروار ہے لفظ حرامزادہ بھی استعمال کیا جائے۔ اس کے بغیر بھی جذبات کا اظہار ہو سکتا ہے۔ شریف گھرانوں میں مرد تک گالی زبان پر نہیں لاتے چہ جائیکہ عورت اور پھر عورت بھی کون؟ جوان بیٹی جو ماں کو مخاطب کر رہی ہو اور اپنے دکھی دل کی بھڑاس نکال رہی ہو۔ اس کے دل میں کتنے ہی جذبات ہوں کہ اس کی جوانی کو خاک میں ملانے کے دونوں مجرم ہیں۔ ایک ماں جس نے روپے کے لالچ میں اسے فروخت کیا۔ دوسرا بوڑھا مرنے والا خاوند جس نے روپیہ دے کر اسے خریدا۔ پھر بھی ہم اس سے متفق نہیں ہیں کہ اس کے غصہ سے اس قدر گراوٹ کا اظہار ہوتا ہو کہ وہ ماں بہن کی گالیوں پر اتر آئے۔

افسانوں سے محض جذبات کا اظہار ہی مقصود نہیں ہونا چاہیئے بلکہ کچھ تعلیمی، ادبی اور تعمیری پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اشرف صاحب! ایسا نہ ہو کہ آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ نقاد غالباً بوڑھا ہے اس لئے اسے یہ بات ناگوار گذری! ویسے کتاب اچھی ہے اور سماجی زندگی کے عام واقعات کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ (ف۔ا)

(باقی کتابوں پر آئندہ)

ناول افسانے

گذشتہ پرچہ میں جو فہرست درج کی گئی تھی اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مزید اسٹاک موصول ہوا ہے۔ پاکستانی کتب میں بوجہ زرِ تبادلہ خفیف سی کمی بیشی کا امکان رہتا ہے۔ یہ فہرست بھی حروفِ تہجی کے لحاظ سے درج کی گئی ہے۔ کتابیں منگاتے وقت پچھلے ماہ کے پرچہ کو بھی سامنے رکھ لیجئے۔ پتہ **سنگم کتاب گھر**۔ اردو بازار۔ دہلی کافی ہے۔

انسانیت موت کے دروازے پر (ابدالی) سہ۔
انشاءاللہ (ناول) شوکت تھانوی ۱ہ
اوپر نیچے اور درمیان (") منٹو للعہ ۸ر
اسی بلندی اسی پستی (") عزیز احمد للعہ
ایک دل (") (سید قاسم محمود) للعہ
بڑھیس (ناول) شوکت تھانوی عا
بکواس (") " عا ۸ر
پہلا پتھر (افسانے) بلونت سنگھ سے
تصویر (ناول) اے آر۔ خاتون للعہ
تیغ ابدال (") ایم اسلم صہ ۸ر
ٹھکر (") " ہے ۸ر
ٹھنڈا گوشت (افسانے) منٹو سے ا
جواری (ناول) رئیس احمد جعفری عا ۲ ۸ر
جوئے خون (") ایم اسلم للعہ
چاند گہن (") انتصار حسین سے
خدانخواستہ (") شوکت تھانوی عا ۱۲ر
دل (ناول) رئیس احمد جعفری سے
دھواں (افسانے) منٹو سے
رقص شرر کے بعد (") تسنیم سلیم چھتاری للعہ
شیشے (ناول) شوکت تھانوی سے
سڑک کے کنارے (ناول) منٹو ہے ۸ر
شمع (ناول) اے۔ آر خاتون صہ

غنیم (ناول) فیاض علی ہے ۸ر
شہناز " صہبا اختر ہے ۸ر
شیشے کے گھر (افسانے) قرۃ العین حیدر سے
صحرا نورد کے خطوط مرزا ادیب للعہ
طلسم ہوشربا (ناول) محمد حسن عسکری سے
طوفان (ناول) رئیس احمد جعفری سے
عورت (ناول) " للعہ ۸ر
نرالہ (") شوکت تھانوی صہ
غبارے سے
فاتح قسطنطنیہ (ناول) ایم اسلم صہ
لہو اور قالین (") مرزا ادیب سے
مزید حماقتیں (") شفیق الرحمن سے
مسلمان عورت ترجمہ ابوالکلام آزاد سے ا
منٹو کے افسانے (افسانے) منٹو للعہ
منٹو کے ڈرامے " " للعہ
منٹو کے فحش افسانے (") " عا ۸ر
مونڈھی کا ٹے (ناول) شوکت تھانوی عہ ۸ر
مینا بازار (") منٹو عا ۲ر

ڈرامے

آگرہ بازار حبیب تنویر عہ ۸ر
کربلا پریم چند عا ۸ر
ہیرو کن کی تلاش پروفیسر محمد مجیب عہ ۴ر

اردو ادب

آدابِ زندگی محمد اقبال سلمان ے
جدید اردو شاعری عبدالقادر سروری ہے ۸ر
خرابات (نظم) عدم ہے ر
رم جھم (نظم) احمد ندیم قاسمی للعہ
سموم و صبا (") جوش ہے
شہناز (") اختر شیرانی ہے
مصباح القواعد عہ
موجِ کوثر شیخ محمد اکرام
میں ساز ڈھونڈتی رہی (نظم) ادا جعفری للعہ ۸ر

ٹیکنیکل کتابیں

آج کا فیشن (مردانہ لباس کے نمونے با تصویر فوٹو بلاک) عہ ۱۲ر
الکٹریکل انجینئرنگ پاکٹ بک (رحمان) ہے
الکٹرو پلیٹنگ گائڈ یعنی گلٹ سازی عہ ۸ر
انکم ٹیکس گائڈ ہے ۸ر
انکم ٹیکس اور حساب کتاب } پاکستانی کتب للعہ
انکم ٹیکس اور ریڈی ریکنر ے
پیمائش چوب عہ ۸ر
تن زیب (عورتوں کے لباس کے نمونے مع تصاویر فوٹو بلاک) عا ۱۲ر
معاونِ الخزاد عا
معاونِ ورکشاپ عا
ٹیکنیکل انجینئر ے
نونہال فیشن (بچوں کے لباس کے نمونے مع تصاویر فوٹو بلاک) عا

مطبوعاتِ سنگم

اسلامیات

قاعدہ ابتدائی ۸ سیکڑہ
پارہ عم آخری ربع ۵
پارہ تبارک الذی ۲
پارہ عم ۵
پارہ عم شمسی (مترجم) اعظم
پارہ الم، پارہ سیقول
پارہ تلک الرسل } زیرِ طبع
پس منظر اسلام للعہ
پیمان انقلاب عسم
سیرۃ قرآنیہ محمد
مشکلات قرآن کا انقلابی حل عسم
نکات قرآن (سوال جواب) ۸
مآل بصیرت ۴ر
[انوار تفکر زیرِ طبع]

سوانح

(۱) خواتین للعہ (۲) حکایات گاندھی ۸ر
[چار ستارے (زیرِ طبع)]

تاریخی

ماؤنٹ ایورسٹ ۵ر
ایورسٹ کی فتح (زیرِ طبع)

ناول افسانے و مزاحیہ مضامین

آتش خاموش ۵
بزم بے تکلف ۸ر

عذرا ۸
کشمکش ۸
لال بجھکڑ (بچوں کا ناول)
لگن ۸
نمک پارے ۸
تعلیمی معلومات و سائنس و شن ۴ر
جادو کی کتاب ۷ر
مصنوعی بارش ۳ر
کے بجے ہیں؟ ۱۲ر
زندگی کا رخ ۸
نوری علاج کا چارٹ ۴ر
سورج اور اسکا خاندان
مکانوں کی کہانی } زیرِ طبع
سنگم کشیدہ کاری
عام تعلیمی مع کھیل
تعلیمی تاش اردو عہ ۱۲ر
" ہندی عہ ۴ر
سلیقہ شلنگ (۲ حصے) فی ۳ر
کری بھرنی (کھیل) ۸ر
کیلی گرانی گائڈ (انگریزی) ۸ر

ڈرامے

امتحان ۹ر
بنیادی حق ۱۰ر
جھوٹا لڑکا ۴ر

جور لڑکا ۶ر
دیوان غالب صاحب ۶ر

بچوں کی کتابیں

آٹے کا پتلا ۵ر
انار راجہ ۴ر
انوکھی چھڑی ۶ر
اور مقدمہ جاری رہا ۶ر
ایک بچے کی کہانی ۷ر
لطیف شہزادی ۵ر
بندر والا ۴ر
بونے کا ٹٹوا ۴ر
بھولا بچہ ۵ر
بھولی نمّہ ۵ر
باپ کی ناؤ ۵ر
پرستان کی سیر ۴ر
پری کی چھڑی ۵ر
تارا کا ڈنڈا ۳ر
ترقی کے راز ۴ر
جادو کی بطخ ۴ر
جادو کی کرسی ۶ر
جادو کا ہرن ۷ر
جواری (زیرِ طبع)
دھن کی پوری سون چڑیا ۶ر
دردلتی ۵ر

ڈھول کا پول
سرکس ۵
فرشتہ کا انعام ۵
کھٹملوں کا اعلان جنگ ۵
گنگلے کی دوڑ ۳ر
گلہری بیگم ۴
گھر جاؤں تو کیسے جاؤں ۴
لومڑی اور خرگوش کی لڑائی ۵
مزدور کا بیٹا ۶
مکھن کا ڈبہ ۴
نئی کہانیاں ۶
نیا کھلونا ۷
وعدے ۲
ہوشیار حسن
یاقوت

نظم

اسلامی نظمیں
بچوں کا تحفہ (حصہ اول)
" (حصہ دوم)
جواہر ملیہ
رسول مقبول (نعت)
کاروان سخن
کاروان و منزل
کھی شکر
مثنوی وادی کشمیر (زیرِ طبع)

حافظ نبی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا

۱۵۵۵

ماہنامہ
سنگم
جامعہ نگر دہلی

ایڈیٹر: خواجہ کی احمد فاروقی ... ایم اے جامعہ

سالانہ چندہ دو روپے ۱۲ آنے فی پرچہ تین آنے - یہ پرچہ چھ آنے

نگران: خواجہ حافظ فیاض احمد

پاکستان میں زرِ چندہ بھیجنے کا پتہ :- منیجر ٹکنیکل و کمرشیل بک کمپنی، چوک دال گراں ریلوے روڈ - لاہور

سال اوّل | بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء جنوری ۱۹۵۵ء مطابق ربیع الثانی جمادی الاول ۱۳۷۴ھ پوہ - ماگھ سمت ۲۰۱۱ بکرمی و سمت ۱۳۶۲ ف | شمارہ ۶ / ۷

فہرست

یاد رکھئے
رسالہ سنگم صرف بچّوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ بڑوں مربیّوں اور استادوں کے لئے بھی ہے

اے پیارے وطن!

اے پیارے وطن! دل سے پرستار ہوں تیرا — ہیں لاکھ ستم پھر بھی وفادار ہوں تیرا
مخمورِ مئے عشق ہوں بیگانۂ عالم — آزاد ہوں دنیا سے گرفتار ہوں تیرا
بلبل ہوں گلستانِ وطن کا میں اے گلچیں! — لاکھوں اپنا بنا مجھ کو، نہ زنہار ہوں تیرا
تجھ ہی سے ہے سرسبز مرا باغِ تمنّا — ممنون میں اے دیدۂ خونبار ہوں تیرا
اے عشقِ وطن! دے مجھے غیروں پہ فضیلت — وہ طالبِ زر ہیں میں طلبگار ہوں تیرا
دنیا کو دکھانا ہے مجھے اپنے چلن سے — جانباز ہوں، ہمدرد ہوں غمخوار ہوں تیرا
خدمت سے تری جان چراؤں تو سیہ رو — جاں دینے سے جھجکوں تو گنہگار ہوں تیرا
خونِ ناب جگر سے میں اگر تیرے چمن کو — سیراب نہ کردوں تو خطاوار ہوں تیرا

پنہاں ہے ترا عشق مرے قلب و جگر میں
تا زیست تو نبرا ہے میں سرشار ہوں تیرا — (تحفۂ درویش)

کلام بدنام

حضرت مولانا حافظ محمد ممتاز الرحمٰن صاحب بدنام امروہوی عرف عبید اللہ شاہ صاحب چشتی قادری

صنعت:- ہر شعر 'ح' سے شروع ہوتا ہے اور 'ح' پر ہی ختم ہوتا ہے۔

حرم میں ہو سجدہ ادا کس طرح — یہ بت دل سے ہوں گے جدا کس طرح
حرارت بڑھی ہے تپِ ہجر کی — نہ آئے گی مجھ کو قضا کس طرح
حکومت بتوں پر بھی کرتا ہے کوئی — مزاج اپنا ایسا بنا کس طرح
حیا اب زن و مرد سے اٹھ گئی — یہ ایسی چلی ہے ہوا کس طرح
حقیقت بھی جنت کی معلوم پھر بھی — یہ زاہد کو دھوکہ ہوا کس طرح
حقارت سے دیکھا اگر عاصیوں کو — تو بخشے گا ہم کو خدا کس طرح
حسد ہی میں مرجاؤ گے زاہدو تم — یہ چھوڑے گی تم کو بلا کس طرح

حریص اب تو بدنام کہلائے تم بھی
کہو تو یہ چرچا ہوا کس طرح (ذوقِ تبلیغ)

رفتارِ سنگم

خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے مسلک پر قائم رہے اور ڈاک خانہ سے رجسٹریشن نمبر حاصل کرنے کے لئے کسی چور دروازے سے داخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔

۴ر نومبر ۱۹۵۴ء کو انسپکٹر صاحب ڈاک خانہ جات نے ہمارے رجسٹروں اور فہرست خریداران کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا کہ ہفتہ عشرہ میں آپ کو نمبر مل جائیگا۔ ہم نے کہا کہ ہم نے درخواست میں لکھا ہے کہ ہم ہر مہینے کی ۱۹ تاریخ کو اپنا پرچہ ڈاک سے روانہ کر دینا چاہتے ہیں اس لئے ۱۹ دسمبر سے پہلے پہلے نمبر مل جائے تو بہت عنایت ہو۔ فرمانے لگے ۱۹ دسمبر؟ وہ تو بہت دور ہے آپ کو تو دسمبر کے شروع میں ہی یقیناً مل جائے گا۔ لیکن ۶ دسمبر کو ڈائرکٹر صاحب پوسٹل سروسز دہلی سرکل کا لفافہ موصول ہوا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی تصدیق شدہ ڈکلریشن کاپی بھیجئے تب رجسٹرڈ نمبر ملے گا ہم نے فوراً دفتر دار فنس کو بھیجا کہ درخواست کے ساتھ ہم نے اصل اور نقل دونوں کاپیاں بھیجی تھیں ان آپ نے اصل دیکھ کر نقل رکھ لی تھی اور اسے کافی سمجھ کر اصل واپس کر دی تھی۔ بال اب اتنا وقت نہیں ہے کہ اس اصل کی دوسری نقل پر کسی مجسٹریٹ کی تصدیق کرائی جائے آپ یہ اصل ہی رکھ لیجئے اور نقل پر جواب دوبارہ بھیجی ہے لکھ دیجئے کہ اس کی اصل وصول پائی تاکہ جب کبھی ضرورت پیش آئے دکھایا جا سکے کہ اصل کاپی محکمۂ ڈاک والوں نے رکھ لی ہے جس کی یہ رسید ہے دفتر کے انچارج "بڑے بابو جی" نے اصل لے لی اور ہمارے قاصد سے کہہ دیا کہ رسید کی ضرورت نہیں حالانکہ ڈاک ہی پر یا نقل کے کاغذ پر وصولی کے دستخط نہایت ضروری ہوتے ہیں اور انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن "صبر و شکر" کی عادت اپنی ہے (یہ سمجھ لیا کہ ضرورت ہوئی تو ڈکلریشن کی مزید نقل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے ہاں سے لے لی جائیگی) ہمارے آدمی نے کہا کہ اب رجسٹرڈ نمبر کب تک ملنے لگے بہت جلدی، لیکن جناب دسمبر گزر گیا اور اب جنوری بھی ختم ہو رہا ہے۔ ہم نے دسمبر کے پرچے کے لئے "رفتارِ سنگم" کے تحت جو نوٹ لکھا تھا وہ پھاڑ دیا اور یہ دوسرا نوٹ جو صحیح صورتِ حال پر مبنی ہے لکھا جا رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں "راج ہٹ"!

کیا کسی کے منہ میں زبان ہے جو کہہ سکے کہ یہ لوگ پبلک کے ملازم ہیں اور پبلک کے آرام کے لئے ہیں پبلک کو دکھ دینے کے لئے نہیں ہیں، یہ ہمارے محصول ڈاک کے پیسوں سے ہی تنخواہ پاتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ امن پسند شہریوں کو تنگ کرتے ہیں۔ کیا ان پر مقدمہ نہیں چل سکتا کیا دہلی اسٹیٹ کی حکومت کا کوئی ذمہ دار شخص باز پرس کا نوٹس نہیں دے سکتا۔ لیکن یہ بابو صاحبان جانتے ہیں کہ "عدالت میں جانے والوں کو ہمت کی، روپے کی اور وقت کی ضرورت ہے اور پھر وہاں پریشانیوں کے سوا کیا رکھا ہے اس لئے کوئی کچھ نہیں کرے گا" رہا حکومت کے نیتاؤں کا حال وہ پارٹی بندی کے جھگڑوں میں مصروف ہیں اتنی فرصت کہاں کہ دوسروں کے درد کی دوا بن سکیں لہٰذا من مانی کئے جاؤ۔"

چنانچہ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ ۴ر جنوری ۱۹۵۵ء کو پھر آدمی بھیجا گیا تو "اعلیٰ حضرت" موجود نہیں تھے۔ دوسرے محرر نے بتایا کہ وہ سرکاری کام پر کہیں گئے ہیں آئیں گے تو میں یاد دہانی کرا دوں گا اور آپ کو فوراً نمبر مل جائے گا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ آپ نے پڑھ لیا، کس نمبر پر سنگم چھپا کون جانے؟

ملک میں بے چینی، بدامنی، چور بازاری، دھوکہ، فریب اور لوٹ مار کی گرم بازاری کیوں ہے؟ محض ان بابوؤں کی وجہ سے! ہمارا انگریز ہیڈ ماسٹر کہا کرتا تھا کہ

"It is owing to these 'Baboos' that trains collide"

یعنی یہ ان بابوؤں کی بڑی مہربانی ہے کہ ریل گاڑیاں ٹکرا جاتی ہیں (اور ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں) ہمیں اس قول کی صداقت اب جا کر معلوم ہوئی۔

اور ہم نے آپ کے کانوں تک یہ بات پہنچادی!

ردعمل کے لئے ہمارے جذبات بھی بھڑکے اور قسم قسم کے اتار چڑھاؤ پیدا ہوئے اور ہم نے بھی کچھ اور کارروائی کرنی چاہی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ نفس پر قابو پالیا گیا اور قدم ڈگمگائے نہیں جمے رہے۔ اسے بے بسی، لاچاری اور مجبوری پر محمول نہ کیجئے بلکہ خیر و شر کی کشمکش میں ضمیر کی آواز سمجھئے۔

بہرحال انتظار کی گھڑیاں گزار کر ہم اس مرتبہ پھر دو مہینوں کا مشترک پرچہ نکال رہے ہیں، محصول ڈاک کے پیسے بچانے کے لئے نہیں بلکہ پرچہ کو تاریخ اور مہینوں کے مطابق رکھنے کے لئے۔ انشاء اللہ فروری کا پرچہ آپ کو بالکل صحیح وقت پر ملے گا۔ آئندہ ہم رجسٹرڈ نمبر سے بے نیاز ہو کر اپنا کام جاری رکھیں گے اور اس معاملہ کو خود متعلقہ اشخاص کی ضمیر اور احساس فرض پر چھوڑ دیں گے خواہ وہ دفتر کے بابو صاحب ہوں یا محکمہ ڈاک کے افسر یا حکومت کے وزیر یا اسمبلی کے ممبر، اور دعا کرتے ہیں کہ اے منصفوں کے منصف! اے حاکموں کے حاکم! تو سب قوت رکھتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں انصاف ہے۔ تو اس ملک سے فرقہ پرستی کو دور کردے اور نااہلوں کو ملک کے بدنام اور رسوا کرنے کی مہلت نہ دے تو غیب سے ایسے سامان پیدا کر کہ غلط کام کرنے والوں کو یا دوسروں کو تکلیف پہنچا کر مسرت حاصل کرنے والوں کو شدید طور پر محسوس ہو کہ برائی کا بدلہ برائی ہے اور رعونت کا انجام کیسا عبرتناک ہوتا ہے۔ آمین!

پرچہ سے اب بعض احباب نے بہت دلچسپی کا اظہار شروع کردیا ہے چنانچہ ہندوستان کے باہر تک سے فرمائشات آنے لگی ہیں، مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان۔ انڈمان۔ عدن۔ امریکہ۔ انگلستان تک پرچہ جاتا ہے۔ ہندوستان کے تو تقریباً ہر صوبہ میں جاتا ہے۔ خصوصاً ایسی جگہ جہاں اردو پڑھنے والوں کا وجود باعث حیرت و مسرت معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب ہمارے ناظرین کی قدردانی کی وجہ سے ہے جس کا احسان نہ ماننا گناہ عظیم ہے۔

ہمارے مہربان ایک صاحب نے جنہوں نے اپنا نام ظاہر کرنے کی ممانعت کردی ہے اب تک ۲۸ خریدار دئے ہیں، ان کا شکریہ ادا کرنا محال ہے۔ انہوں نے یہ کام محض اپنا کام سمجھ کر اس ہمدردی اور خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے جزاک اللہ،

باقی جن حضرات نے پرچہ کی اشاعت میں امداد فرمائی ہے حسب ذیل ہیں:۔

محمد یونس خاں صاحب دہلی ۲، کیلاش داہی صاحب کرنال (پنجاب) ۴، خواجہ ابرار احمد صاحب اکولہ (برار) ۴، خواجہ محمود احمد صاحب امراؤتی (برار) ۲، حضرت عمران انصاری بھوپالی ۴، خواجہ احتشام احمد صاحب شارق ۱، سرفراز احمد صاحب لکھنؤ ۱، خواجہ صفی احمد صاحب دہلی ۱، حبیب احمد صاحب دہلی ۱، مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی چھپو ۲، حمید اللہ صاحب نجمی باغپت ۲، افتخار اعظمی صاحب علی گڈھ ۱، حامد رشید صاحب بجنور ۲، محمد عمر خاں صاحب ثمر علی گڈھ ۱، محمد اختر صاحب علی گڈھ ۳، خود ہماری درخواست پر ۸، بقیہ حضرات نمونہ دیکھ کر یا مختلف پرچوں میں ریویو (تبصرہ) پڑھ کر خریدار بنے ہیں۔

ہم ان تمام احباب کی ہمت افزائی اور قدردانی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنے دوسرے احباب اور خریداروں سے متوقع ہیں کہ وہ بھی اس پرچہ کو معیار پر پہنچانے کے لئے ہر ممکن امداد فرمائیں گے۔

مولانا سلطان الحق قاسمی ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۲ر نومبر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"واقعہ یہ ہے کہ میں نے سنگم کو اب تک دیکھا ہی نہیں تھا بوجہ دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا اور نہ یہ سمجھا کہ صاحبزادہ حافظ نبی احمد صاحب قبلہ کی علمی و ادبی کاوشوں کا نتیجہ ہمارے پاس بھی ہے۔ گرامی نامہ نے متوجہ کیا اور مطالعہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ صحافت پر جب سے تجارتی پہلو غالب ہوا ہے بچوں کے لئے تو کیا بڑوں کے لئے بھی اچھے اخبار و رسائل کا انتخاب مشکل ہوگیا ہے۔

رسائل کا معیار تو اس قدر پست ہوگیا ہے کہ وہ بداخلاقی پھیلانے کا ایک ذریعہ بن گئے ہیں۔ "سنگم" کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آسان اردو زبان میں بچوں اور ابتدائی تعلیم یافتہ نوجوانوں کیلئے بہترین مواد پیش کیا ہے۔ زبان سلیس و شستہ طرز بیان شگفتہ ہے، مضامین میں اخلاقی و سماجی پہلو کی بہتات ہے جس کی اس دور میں

ہمیشہ سے زیادہ ضرورت ہے۔

"بزمِ بے تکلف" کے عنوان سے طنز و ظرافت کا انتخاب بہت پُر لطف ہے "سلسلۂ مجلسی" کے سلسلہ میں جو طریقہ سنگم نے اختیار کیا ہے وہ بھی اس قدر مفید ہے کہ اس کی جس قدر بھی داد دی جائے وہ کم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسالہ اپنی ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے بہت خوب ہے اور صحافت کی پستی کے اس دور میں امید کی ایک ایسی کرن ہے جس کی تابناکی نمایاں ہے۔ رسالہ کی ہونہاری یہ بتلا رہی ہے کہ فیاضِ قدرت نے فیاض کے زیرِ سایہ ذکی کو ذکاوتِ صحافت خوب عطا فرمائی ہے اللھم زد فزد۔ خدا کرے کہ سنگم کی عمر دراز ہو اور اُردو کا بہترین خادم ثابت ہو آمین ثم آمین"

(اس عزت افزائی کا شکریہ، لیکن آپ کی حقیقی سرپرستی اور دارالعلوم کی مایۂ ناز ہستیوں کی نظرِ کرم کے بغیر اس وادیٔ پرخار کی منزل بہت کٹھن معلوم ہوتی ہے۔ آپ حضرات کی دُعا اور توجہ اور اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال رہا تو کامیابی یقینی ہے)

ڈاکٹر طاہر دیالپوری | کارگلی ہسپتال برمو ضلع ہزاری باغ سے ۲۶ نومبر ۱۹۵۴ء کو ارقام فرماتے ہیں: -

"اکتوبر کا سنگم ملا۔ خوب ہے۔ مختصر مگر جامع۔ ایڑی سے چوٹی تک مفید یعنی مغز ہی مغز چھلکے کا نام نہیں اور میں اسے مختصر بھی نہیں کہہ سکتا چونکہ بہت زیادہ چالو پرچوں کی میں نے ورق گردانی کی ہے جن کی ضخامت لگ بھگ ایک سو بیس صفحے لیکن افسانوں اور غزلوں کیلئے محض چودہ پندرہ ورق، باقی حصہ اشتہار وغیرہ اور ایکٹرسوں سے متعلق یاوہ گوئی کے لئے وقف ہوتا ہے یعنی چھلکا بہت موٹا اندر سے پھونک مگر خوبصورت اور مغز ——— ؟ بس ذرا سا اور وہ بھی کچھ سڑا سڑا سا، کچھ گلا گلا سا۔

سنگم اتنا مفید اور صحت مند ہے کہ میں تو اس کے دامن میں درخشاں مستقبل کو انگڑائی لیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ علاوہ ازیں اس کی ترتیب میں خلوص، جانفشانی اور درد ملت کا رچاؤ پایا جاتا ہے۔ میں نے سنگم کو شروع سے آخر تک پڑھا اور یہ تاثرات اُبل پڑے"

(ذرہ نوازی ڈاکٹر صاحب! خدا کرے سنگم آپکی توقعات کے مطابق ثابت ہو)

بابو شگن چند روشن | ایڈووکیٹ پانی پت ۱۲ نومبر ۱۹۵۴ء کو تحریر فرماتے ہیں:-

"رسالہ سنگم مل گیا تھا اور میاں ابھے راج سنگھ صاحب شاد (آئی ڈی ایم کرنال) کو بھی، انہوں نے بہت پسند کیا اور ہر لحظہ اس کی تعریف کر رہے تھے۔ اس کے بعد رسالہ موصول نہیں ہوا۔ کیا باقاعدگی کو مدِنظر نہیں رکھا جاتا؟ دیوالی کی مبارکباد کا شکریہ!"

(روشن صاحب! آپ جیسے محترم اور مہربان ایڈووکیٹ اور پنڈت چاند صاحب جیسے مخلص ڈپٹی کمشنر اور میاں صاحب شاد جیسے سرپرست آئی ڈی ایم ہماری ہمت افزائی اور قدردانی کے لئے موجود ہوں تو ہمیں کسی چیز کا غم نہیں، اس بے قاعدگی کی وجہ آپ "رفتارِ سنگم" میں مسلسل ملاحظہ فرما رہے ہیں اب حرفِ شکایت بھی زبان پر نہیں لائیں گے اور جو کچھ گزرے گی اُسے "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" کہہ کر برداشت کریں گے)

محمد عمر خاں صاحب ثمر | سکرٹری ادارۂ علم و ادب سِل گنج علی گڈھ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۴ء کو رقمطراز ہیں:-

"سنگم ماہ اکتوبر بروقت پہنچ گیا تھا۔ نومبر کے سنگم کا انتظار ہے خدا کرے کہ رجسٹرڈ نمبر جلد مل جائے۔ پرچہ کا اٹھان اچھا ہے۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ اس قسم کے ادبی معیاری اور سستے پرچوں کی ملک میں از حد ضرورت ہے۔ میری ہمدردیاں سنگم کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ العزیز عنقریب چند دوستوں کو سنگم کا خریدار بنا کر چندہ ارسال خدمت کروں گا"

(ثمر صاحب! ثمرِ سنگم کی شیرینی اور پختگی آپ کی حرارت پر بہت کچھ منحصر ہے اللہ آپ کو خدمتِ علم و ادب کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ سنگم کتاب گھر آپ کے ادارہ کی ہر ممکن امداد کرے گا اور آپ ہمیں اپنے قول میں ہمیشہ صادق پائیں گے)

قاضی محمد احمد سلمہٗ | متعلم درجہ ہفتم گورنمنٹ ہائی اسکول گوجرانوالہ (مغربی پاکستان) کے مسرت نامہ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۵۴ء کے محبت بھرے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

"ہم ماہ جولائی میں لاہور گئے تھے وہاں ناظرہ باجی کے ہاں ذکی بھائی کا "سنگم" رسالہ نظر سے گذرا۔ بہت پسند آیا۔ وہ اسی ماہ کا تھا۔ اس کے سب مضامین ہمیں بہت اچھے لگے اور ہم نے خوب مزے سے پڑھے۔

اور اس میں آئندہ شمارہ میں شائع ہونے کے متعلق کافی کچھ تھا۔ اور ایک صفحہ پر "ریاضی" کے متعلق بھی تھا۔ ہم بہن بھائی بھی "ریاضی" سے گھبراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم بھی آپ کے اس بے نیاز تحفہ سے مستفید ہو سکیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ماہ ہم کو بھیجتے رہیں گے۔"

(عزیزی! اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے اور ترقی کے مدارج نصیب کرے۔ ریاضی سے بالکل نہ گھبراؤ۔ اس سے بڑھ کر کوئی آسان اور دلچسپ مضمون نہیں ہے۔ یہ پہیلیاں اور معمے اور نجوم کیا ہیں؟ سب ریاضی ہیں۔ سنگم کا یہ حصہ پہلے نمبر سے لے کر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے غور سے پڑھو بہت آسان ہے اس کی مشق کرو اسی کا کھیل کھیلو۔ بہت جلد تم ساتھیوں سے بہت آگے ہو جاؤ گے اور لطف اٹھایا کرو گے۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے ہمیں لکھو ہم اس کا جواب دیں گے)

ڈاکٹر احمد رضا صاحب | اترولہ ضلع گونڈہ اپنے کرم نامہ مورخہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

رسالہ سنگم ماہ اگست و ستمبر موصول ہوا۔ رسالہ نہایت عمدہ طریقہ سے تیار کیا گیا ہے۔ پڑھ کر دل خوش ہو رہا ہے۔ دور اندیش حضرات کے قلم سے یہی توقع ہوتی ہے جو آپ نے اپنے رسالہ میں ظاہر کی ہے۔ فی زمانہ یہی تقاضہ کر رہا ہے کہ ملک میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو سماج کو اپنی تقریر سے تحریر سے اخلاق سے اونچا کریں۔ میری نگاہ میں وہ سب باتیں اس چند ورقی رسالہ میں موجود ہیں حالانکہ دوسرے رسالہ والے اور اخبار والوں نے اس ملک کے جوانوں کی تکمیل ٹھکار رکھی ہے۔ مگر اب بھی ملک میں ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو ایسے گراں قدر مضامین کی قدر کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے اس عزیز ترین خیال کو مردم شناس نگاہیں کبھی نیچے نہیں گرا سکتیں۔

(محترم ڈاکٹر صاحب! آپ کی قدر دانی اور ان گراں قدر ریمارکس کا بہت بہت شکریہ۔ یقین ہے کہ آپ اپنے حلقۂ احباب میں ان خیالات کی نشر و اشاعت فرما کر ہمیں خاص طور سے نوازیں گے)

خواتین —— زبیدہ خاتون

پچھلے پرچہ میں ہم نے مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے حالات زندگی قلمبند کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آئندہ ہم ان کی تصنیف "خواتین" سے (جو سنگم کتاب گھر سے عمدہ سفید کاغذ پر شائع ہوئی ہے اور ساڑھے چار روپے میں ملتی ہے) کچھ اقتباسات شائع کریں گے تاکہ اس کتاب کی افادیت سامنے آجائے اور معلوم ہو سکے کہ لڑکیوں اور عورتوں کے علاوہ مردوں کے لئے بھی یہ کس قدر مفید ہے۔ اس کتاب میں ۳۴ مشہور اسلامی خواتین کے تاریخی اور مستند حالات درج ہیں جن میں ۸ صحابیاتؓ ۴ صالحات ۸ بیگمات اور ۳ عالمات ہیں۔ کل کتاب ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس مرتبہ ہم صالحات میں سے زبیدہ خاتون کے حالات کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہ وہی خاتون ہیں جن کے نام سے مکہ میں نہر زبیدہ مشہور ہے اور جو انہوں نے ہی بنوائی تھی۔

یہ معزز خاتون جو اپنے جاہ و جلال اور حسن و جمال کے لحاظ سے دنیا میں بے مثل ہو گزری ہے جعفر کی بیٹی اور خلیفہ منصور عباسی کی پوتی تھی۔

اس کا باپ جعفر نہایت خوبصورت نوجوان تھا اور عباسی خاندان میں جن کے ہاتھوں میں خلافت کی باگ تھی خوبصورتی اور دانائی میں ہر ایک سے ممتاز تھا۔ اس کی پہلی اولاد یہی زبیدہ خاتون ہے جو ۱۴۹ھ میں اپنے پرشان دادا کے حین حیات پیدا ہوئی۔

منصور اپنی اس خوبصورت اور ہونہار پوتی کو ہر وقت اپنی آغوش میں رکھتا تھا۔ اس کی شگفتہ طبیعت اور پیاری صورت سے اس کو کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ اپنے پاس سے اس کا الگ ہونا گوارا نہیں کرتا تھا۔

اس کا نام امۃ العزیز، کنیت ام جعفر اور لقب طاہرہ ہے۔ لیکن منصور پیار سے اس کو زبیدہ زبیدہ کہا کرتا تھا۔ آخر

بھی اس کا نام ہو گیا۔

اس زمانہ میں مسلمان عام طور پر عورتوں کو تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ زبیدہ کو بھی تعلیم اچھی دلائی گئی۔ شاعری، علم ادب، عربی و فارسی، تفسیر، فقہ اور نحو میں اس کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اور چونکہ طبیعت میں اعلیٰ درجہ کی شاہانہ نفاست تھی اس وجہ سے فنونِ لطیفہ سے بھی اس کو بہت ذوق تھا۔

سب سے پہلے سونے اور چاندی کے قمقمے اسی نے ایجاد کئے جو آبنوسی مرصع کڑوں میں اس کے قصر میں لٹکائے گئے۔ چھت گیری بھی اُسی کی ایجاد ہے۔ اپنے لئے مختلف رنگ کے موزے بُنواتی تھی جن پر جواہرات ٹنکتے تھے اور سنہری اور روپہلی کام ہوتے تھے۔ انھیں موزوں سے بعد میں کفش زردوز نکالا گیا۔

ریشمی کپڑوں پر طرح طرح کے بیل بوٹے بناتی تھی عنبری شمع بھی اسی کی ایجاد ہے۔ الغرض فنونِ لطیفہ میں اسی نے جان ڈالی۔

اس خوبصورت اور ہردلعزیز شاہزادی کا نکاح ۱۶۴ھ میں شاہزادہ ہارون الرشید کے ساتھ کیا گیا جو اسی کی طرح نیک خوبصورت، ہردلعزیز اور علم کا شائق تھا۔ اور جس کے نام سے آج دُنیا کے تمام لوگ عام طور پر واقف ہیں۔

۱۶۵ھ میں مہدی کی خلافت کے زمانے میں محمد ابن سلیمان کے عالیشان محل میں اس کی وداع ہوئی۔ جو زبیدہ کو دے دیا گیا تھا۔ لیکن اس کو پسند نہ آیا۔ اس لئے عباسہ کو ملا جو ہارون کی بہن تھی۔

یہ شاہزادی نہایت لائق اور عقلمند تھی۔ متانت اور وقار اس کی آبائی وراثت تھی۔ بلا استثنا عباسی خاندان میں اس سے زیادہ معزز کوئی عورت نہیں گزری ہے۔

اس کا شوہر ہارون الرشید جو ایک نہایت عالی دماغ بلند حوصلہ اور وجیہہ بادشاہ تھا اس پر بھی اس نے ہمیشہ اپنا اثر قائم رکھا۔ شاہی محل میں ہر طرح کی خواتین تھیں لیکن کسی کا اثر اور اقتدار اس کے مقابل میں کچھ نہیں تھا۔ یہی محل کی افسر اور ملکہ تھی۔

اس کی خوش خلقی اور رحمدلی مشہور تھی۔ درباریوں میں سے جب کسی پر خلیفہ کی خفگی ہوتی اور وہ معزول یا قید کیا جاتا تو اسی کی سفارش سے اس کو نجات ملتی تھی۔

ایک مرتبہ قاسم کی سواری نکلی جو ہارون کا بیٹا تھا۔ کچھ سوار آگے تھے کچھ پیچھے اور نہایت کروفر سے چلا جاتا تھا۔ راستہ میں ابوالعتاہیہ نے جو ہارون کا درباری شاعر تھا سلام کیا لیکن اس نے خیال نہیں کیا اور چلا گیا۔ ابوالعتاہیہ نے ایک شعر پڑھا جس کے معنی یہ ہیں:۔

"کہ انسان جہالت کی وجہ سے گھمنڈ کرتا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ گویا موت کی چکی اس کو نہ پیسے گی"۔

یہ خبر قاسم تک پہنچی۔ اس نے اس بڈھے شاعر کو پٹوایا اور قید خانے میں بھیج دیا۔ اس غریب نے وہاں سے زبیدہ کے پاس چند اشعار لکھ کر بھیجے جن کو دیکھ کر اسے رقت آئی۔ اس نے بادشاہ سے سفارش کی اور آخر وہ رہا ہو گیا۔

ہارون اگرچہ خود بڑا فیاض تھا۔ لیکن زبیدہ نے اس کی فیاضی کو بھی مات کر رکھا تھا۔ تمام بغداد کے گھرانے اس کے ممنون اور مرہونِ احسان تھے۔

اس خاتون کا دین و مذہب یہ تھا کہ بنی آدم کے ساتھ جس قدر ہو سکے سلوک کرو۔ چنانچہ اس کے پاس بے حد دولت تھی۔ علاوہ بریں پچاس لاکھ درہم سالانہ اس کی جاگیر کی آمدنی تھی۔ سب اس نے رفاہِ عام کے کاموں پر صرف کر دی۔

بغداد سے دمشق تک جابجا پل، کنوئیں اور سرائیں بنوادیں جن کی وجہ سے آنے جانے والوں کو بہت آرام ملنے لگا۔ اب تک وہ تمام زبیدہ ہی کے نام سے مشہور ہیں۔

مکے اور مدینے کے درمیان میں بھی اسی طرح جہاں جہاں حاجیوں کا قافلہ اُترتا ہے ان کے آرام کے لئے کنوئیں اور منازل بنوا دئے۔

سب سے بڑا کام جو اس نے کیا ہے اور جو تاریخ میں عورتوں کے کارناموں میں سنہری حرفوں سے ہمیشہ لکھا جائے گا، وہ یہ ہے کہ اس نے حجاز میں نہرِ زبیدہ نکلوائی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۰ھ میں جب وہ حج کے لئے گئی تو حجاز میں سخت قحط تھا، چاہِ زمزم بھی خشک تھا۔ پانی اس قدر گراں تھا کہ ایک مشک ایک اشرفی کو آتی تھی۔

زبیدہ نے چاہِ زمزم کو کھدوایا۔ اس میں پانی نکلا۔ پھر اس نے سوچا کہ ایسی کوئی صورت ہونی چاہئے جس کی وجہ سے ان مقامات میں آسانی کے ساتھ پانی میسر آسکے۔

اس لئے کارپردازوں اور واقف کاروں کو بلاکر اس معاملے میں مشورہ کیا کہ کس صورت سے مکہ تک پانی پہنچایا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ طائف کی طرف کوہِ طاد ہے جہاں سے ایک چشمہ نکل کر وادی سے حنین کی طرف آتا ہے اور وہاں کی کھیتیاں اور باغات اس سے سیراب ہوتے ہیں۔ وہی چشمہ مکے تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ لیکن راستہ میں اس قدر پہاڑ واقع ہیں کہ اس کام میں بے انتہا دولت صرف کرنی پڑے گی۔ زبیدہ نے کہا کہ اگر ایک کدال مارنے کی قیمت ایک اشرفی ہوگی، تب بھی ادا کروں گی، لیکن یہ کام ضرور ہونا چاہئے۔

الغرض اس کے حکم کے مطابق کام شروع کیا گیا۔ پہلے وادی کے کھیت اور باغات وغیرہ خریدے گئے اور نہر حنین کے ساتھ دوسرے پہاڑی جھرنے اور سوتے لاکر ملادئے گئے جن سے وہ اچھا خاصا ایک چشمہ ہوگیا۔ اور متواتر تین سال کی محنت میں یہ نہر مکے تک پہنچادی گئی۔

۱۹۳ھ میں جب یہ نہر پوری ہوگئی تو وہ اس کو دیکھنے کے لئے پھر مکہ مکرمہ گئی۔ اس نے نہر سے پانی نکالنے اور نہانے کے لئے جابجا سقائے اور حوض بنوادئے اور نیز چونکہ میدانِ عرفات میں جہاں کہ تمام مسلمان حج کے لئے جمع ہوتے ہیں وہاں بھی پانی کی سخت قلت تھی اس لئے اس کے حکم کے مطابق کوہِ کرا سے جو چشمہ نکل کر وادی نعمان میں گرتا ہے اس سے نہر نکال کر عرفات تک پہنچائی گئی اور خاص موقف شریف حج میں بہت سے حوض بنادئے گئے کہ وہ بھرے رہیں تاکہ جب حاجیوں کا مجمع ہو تو ان کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔

عرفات سے اس نہر کو آگے لے جاکر مزدلفہ تک پہنچایا اور پھر وہاں سے مقام منا کے قریب پہنچا کر ایک بہت بڑا کنواں جو جنوں کی بنائی ہوئی ایک خوفناک عمارت معلوم ہوتی ہے کھدواکر اس میں اس نہر کو گرادیا۔

یہ نہر زمین دوز ہے اس پر ایک لاکھ اشرفیاں صرف ہوئیں۔ کارپرداز جب اس کا حساب بناکر زبیدہ کے پاس لے گئے تو اس نے اس کو دجلہ میں پھنکوادیا اور کہا کہ ہمارے یہاں حساب کا کیا کام، ہم نے تو یہ کام حبةً للہ کیا ہے۔ جس قدر ہمارے ذمہ باقی ہو لے لو اور جو ہمارا باقی ہو ہم نے معاف کیا۔

امتدادِ زمانہ سے اکثر یہ نہر خراب ہوتی رہی اور خلفاء اور شاہانِ اسلام برابر اس کی مرمت کرتے چلے آئے۔ سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ میں چشمۂ عرفات بالکل خشک ہوگیا۔ سلطان نے اس کی مرمت کا ارادہ کیا لیکن اس کی بیوی ملکہ حضرت خانم سلطانہ نے کہا کہ جس طرح ہارون الرشید نے اپنی بیوی کو اس نہر کے بنانے کا موقع دیا آپ بھی مجھ کو اس کی مرمت کا موقع دیں۔ سلطان نے منظور فرمالیا۔ ملکہ موصوفہ نے دس لاکھ اشرفیوں کے خرچ سے تمام نہر کو از سرِ نو درست کرادیا۔ کئی جگہ سے پہاڑ کاٹ کر چشمے ملائے گئے۔ اس وقت سے سلطنتِ عثمانیہ کی طرف سے ایک باقاعدہ محکمہ اس نہر کی حفاظت اور نگرانی کے لئے قائم کردیا گیا جو آج تک برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ اور یہ نہر بدستور جاری ہے اور حجاز کی شہ رگ خیال کی جاتی ہے۔ اب تک اس کا نام نہرِ زبیدہ ہی ہے۔

دوسری بار جب زبیدہ مکے میں گئی تھی تو اس نے (۲۰۰۰۰) بیس ہزار مثقال سونے کے پتر خانہ کعبہ کے دروازے اور

چوکھٹ پر جڑوائے تھے۔

اس عالی حوصلہ عورت نے کئی باغ اور محل بھی تیار کرائے۔ لیکن ان کا مفصل حال نہیں مل سکا۔ فارس کا شہر تبریز اس نے آباد کیا جو اس کی جاگیر کا مرکز تھا۔

علم دوستی کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے محل میں ایسی لونڈی نہیں رکھتی تھی جو پڑھی لکھی نہ ہو۔ قرآن شریف سے بہت شغف رکھتی تھی۔ ہر وقت سو لونڈیاں اس کے قصر میں قرآن خوانی کرتی رہتی تھیں۔ دور سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز آ رہی ہے۔

اس کے بطن سے صرف ایک بیٹا امین پیدا ہوا۔ ہارون الرشید کی دوسری عورتوں سے اور کئی بیٹے مامون، قاسم اور صالح وغیرہ تھے مگر زبیدہ سب کو یکساں سمجھتی تھی اور ہر ایک کی تعلیم سے دلچسپی رکھتی تھی۔

ہارون کے مرنے کے بعد امین تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس موقع پر انبار کے مقام میں زبیدہ جا کر اپنے بیٹے سے ملی۔ اس وقت اس کا ایسا شاندار استقبال ہوا کہ اس سے پیشتر دنیا میں شاید ہی کسی عورت کا ہوا ہو۔

لیکن امین دور اندیش اور مُدبّر نہ تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا بھائی مامون جو خراسان کا حاکم تھا، خلافت حاصل کرنے کی کوشش میں لگا۔ آخر دونوں میں لڑائی ہوئی۔ ساڑھے چار برس خلافت کرنے کے بعد امین مقتول ہوا اور مامون تخت پر بیٹھا۔

اس موقع پر بعض امراء نے زبیدہ کو بہت اُبھارا کہ جس طرح حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کی غرض سے حضرت علیؓ سے لڑی تھیں اسی طرح تم بھی اپنے بیٹے کا بدلہ لینے کے لئے مامون سے لڑو۔ اس نے کہا کہ معاذ اللہ کجا عورتیں اور کجا خوں ریزی۔

اس کے بعد زبیدہ نے مامون کو ایک خط نہایت پُر درد اشعار میں لکھا جس کو پڑھ کر مامون بہت رویا اور کہا میں وہ تو نہیں کہتا جو حضرت علیؓ نے کہا تھا۔ جب ان کو حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر ملی تھی کہ "میں نہ راضی ہوں نہ میں نے حکم دیا۔" لیکن یہ دل سے دُعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تو میری معزز ماں کا دل رنج و غم سے پاک کر دے۔

ایک تذکرے میں نظر پڑا کہ زبیدہ نے امین کے مرثیہ میں فارسی زبان میں یہ رُباعی لکھی تھی۔

اے جانِ جہاں، جہان ناخوش بے تو ٭ بغداد پریشاں و مشوش بے تو
رفتی تو و من بے تو بماندم فریاد! ٭ تو در خاکی و من در آتش بے تو

اگر یہ بیان صحیح ہو تو فارسی شاعری میں سب سے پہلا یہ کلام ہوگا اور ہم زبیدہ کو اس کا موجد کہہ سکیں گے۔ کیونکہ مامون کے زمانے سے پہلے فارسی شاعری کا قطعاً وجود ہی ثابت نہیں ہے۔

خلیفہ مامون نے اس محترم خاتون کے ساتھ وہی برتاؤ رکھا جو کوئی لائق شاہزادہ اپنی ماں کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔

دو لاکھ دینار سالانہ اس کی جاگیر مقرر کی تھی۔ تعجب ہے کہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ مامون نے امین کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور عبداللہ اور زبیدہ کو افریقہ کی طرف بھیج دیا تھا۔ لیکن اور تواریخ سے قطعاً اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

یہ ممکن ہے کہ رنج و غم مٹانے کے لئے یا انتقام کے خوف سے کچھ دن کے واسطے بھیج دیا ہو۔ لیکن زبیدہ نے اپنی آخری زندگی کے دن بغداد ہی میں بسر کئے۔ اور وہیں ۲۱۶ھ میں اس کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئی۔

نمک پارے

اس مرتبہ سنگم کے ٹائٹل کو جناب سید سخی حسن صاحب نقوی بی اے بی ٹی کی شبیہ سے مزین کیا گیا ہے۔ یہ امروہہ ضلع مراد آباد (یو پی) میں محکمہ تعلیم کے سپرنٹنڈنٹ ہیں اور نہایت محنت اور جانفشانی سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

سنگم کتاب گھر دہلی نے عرصہ ہوا ان کی ایک کتاب "نمک پارے" شائع کی تھی جو ۱۴۸ صفحے کی نہایت عمدہ سفید چکنے کاغذ پر بہت خوشخط چھپی ہے۔ اس کی قیمت مجلد مع خوبصورت ٹائٹل اور ڈسٹ کور کے صرف دو روپے چار آنے ہے اور بہت مقبول ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی (برلن) پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اس کا پیش لفظ بعنوان "تقریب" تحریر فرمایا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "سید سخی حسن صاحب کے "نمک پارے" لائٹ لٹریچر کا اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں اس میں چودہ مضامین ہیں۔"

"سید سخی حسن صاحب، تیز اور باریک بین نظر رکھتے ہیں انہیں زندگی کے اور فطرت کے گوناگوں مناظر کا تفصیل سے مشاہدہ کرنے ان سے لطف اندوز ہونے اور دوسروں کو اس لطف میں شریک کرنے کی صلاحیت ہے جو عکسی تصویریں انہوں نے کھینچی ہیں ان میں کہیں کہیں فکر و تخیل کی وہ نزاکت بھی جھلک اٹھتی ہے جو اوج کمال پر پہنچ کر ادیب کے قلم کو مصور کا موقلم بنا دیتی ہے۔ خدا ان کو زود نویسی اور پر نویسی سے محفوظ رکھے جس نے بہتیرے ہونہار لکھنے والوں کو ڈبو دیا۔"

اس کتاب کے مضامین کیسے ہیں اس کا فیصلہ پڑھنے والے خود آسانی سے کر سکیں گے۔ ہم بھی نمونہ کے طور پر عام ناظرین کی خاطر سے کچھ اقتباسات پیش کرتے رہیں گے۔ لیکن پورا لطف تو کتاب کے الماری میں موجود رہنے سے ہی آسکتا ہے کہ جب جی چاہا اور جہاں سے چاہا نکال کر پڑھ لیا اور دن بھر کی کوفت رفع کر لی اور تفریح کا درجہ حاصل کر لیا۔

سید سخی حسن صاحب کے مضامین پڑھنے سے پہلے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ ان کی زندگی کے حالات سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کریں اس لئے ہم ذیل میں ان کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یقین ہے آپ بھی دلچسپی سے پڑھیں گے۔

سید سخی حسن نقوی یکم نومبر ۱۹۱۴ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے جب وہ سات برس کے تھے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس وقت ان کی ابتدائی تعلیم شروع ہوئی تھی۔ اپنی والدہ کی نگرانی میں، جو ماں اور باپ دونوں کے فرائض انجام دے رہی تھیں انہوں نے اسکول کی تعلیم کی منزلیں طے کیں اور ۳۲ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔

مالی مشکلات کی وجہ سے ان کی تعلیم جاری نہ رہ سکی اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اعلےٰ تعلیم ان کی قسمت میں نہیں ہے۔ مجبوراً انھوں نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن بے روزگاری اس وقت نقطۂ عروج پر تھی اور ملازمت حاصل کرنا ناممکن تھا۔ جبکہ سینکڑوں گریجویٹ جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے، ایک انٹرنس پاس کی بھلا قیمت بھی کیا ہو سکتی تھی۔ چنانچہ کوئی محکمہ ایسا نہ تھا جس میں انہوں نے اپنی درخواست نہ بھیجی ہو، اور کوئی درخواست ایسی نہ تھی جس کا کوئی جواب آیا ہو۔

لیکن اس زمانہ میں بھی انھوں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے مشغلے کو جاری رکھا۔ اسی دوران میں انھوں نے ٹیگور اور دوسرے انگریزی مضامین اور افسانوں کے (جو انھوں نے اپنی درسی کتابوں میں پڑھے تھے) ترجمے کئے جو مقامی رسائل میں شائع بھی ہوئے۔ لیکن اس ادبی کاوش کی کوئی خاص قیمت نہ تھی، البتہ اس وجہ سے وہ اہم ضرور تھی کہ اس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ ملازمت ملے یا نہ ملے، ادیب کی حیثیت سے ان کا مستقبل تاریک نہیں ہے۔

انھیں اس کا بڑا ملال تھا کہ وہ اعلےٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔

اس لئے انہوں نے پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے گھر پر اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ ۱۹۳۳ء میں ان کی شادی ہوگئی۔ "رفیقِ حیات" کے معاملے میں وہ خوش قسمت تھے۔ اگرچہ یہ شادی قبل از وقت تھی۔ لیکن یہی ان کی زندگی کو سنوارنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں جب وہ انٹرمیڈیئیٹ کا امتحان دینے والے تھے انہیں امام المدارس ہائی اسکول میں تیس روپے ماہوار کی کلرکی مل گئی۔ یہ معمولی ملازمت بڑی غنیمت معلوم ہوئی۔ لیکن اسکول کی مالی حالت ان کے اپنے مالی حالات کی طرح سخت ابتر تھی اور عملہ کی تنخواہیں کبھی وقت پر نہ ملتی تھیں چنانچہ جون میں نتیجہ آنے پر اُدھر انہوں نے کامیابی کی خبر سنی اور اُدھر اسکول سے چار مہینہ کی تنخواہ کے ۱۲۰ روپے یکمشت ملے اور اگلے مہینے انہوں نے آنکھیں بند کرکے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ دوسری طرف ان کی بیگم کو اپنی شرافت، خلوص اور ایثار کے مظاہرے کا موقع مل گیا اور انہوں نے اپنا گہنا وغیرہ بیچ کر "ایک اچھے رفیقِ حیات" کا حق ادا کیا اور اُن کی یونیورسٹی کی تعلیم جوں توں کرکے پوری ہوگئی۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے بی۔اے اور ۱۹۳۹ء میں بی۔ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں اور اسی سال جولائی میں امام المدارس ہائی اسکول امروہہ میں تاریخ کے اُستاد کی جگہ ان کا تقرر ہوگیا۔

اسکول کے محدود ماحول میں ان کی ادبی صلاحیتوں نے بہاؤ کا ایک دوسرا رُخ اختیار کر لیا انھیں طلباء کے لئے تقریریں لکھنے اور انھیں علمی مُباحثوں کے لئے تیار کرنے کا موقع ملا جن میں سے اکثر نے صوبائی مقابلوں میں اعلیٰ انعامات حاصل کئے۔ بہرحال لکھنے سے فرصت نہ ملی اور اس مشق نے ادبی صلاحیتوں کو بالکل مُردہ ہونے سے بچائے رکھا۔

۱۹۴۲ء میں آل انڈیا ریڈیو سے تعلق پیدا ہوگیا۔ اور دلی ریڈیو اسٹیشن کے لئے انہوں نے لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا۔ تعلیمی پروگرام میں ان کا شمار ریڈیو کے بہترین مقررین میں کیا جانے لگا۔ ان کی تخلیقی قوتیں بیدار ہوگئیں۔ اسی اثناء میں جامعہ نگر دہلی سے "نئی روشنی" نکلنے لگا جس نے انھیں خود اُن کے بقول "بڑا سہارا دیا" اور پھر انہوں نے نئی روشنی کے لئے خوب خوب لکھا۔

۱۹۵۱ء میں انہوں نے اسکول کی ملازمت ترک کر دی اور اُن کا تقرر سپرنٹنڈنٹ تعلیم میونسپل بورڈ امروہہ کے عہدہ پر ہوگیا۔ میونسپلٹی کی غیر علمی اور غیر ادبی فضا کا ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں پر بڑا خوشگوار ردِ عمل ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ادبی ذوق میں پختگی آچکی تھی اور وہ اپنی ادبی زندگی کی اس منزل میں پہنچ چکے تھے جس میں ادیب خود اپنا ایک طرزِ وضع کر لیتا ہے۔

اُن کے مضامین اور کہانیاں "آج کل" اور "بیسویں صدی" میں شائع ہونے لگے۔ "بیسویں صدی" ان کی کہانیوں کو اپنے خصوصی نمبروں میں جگہ دینے لگا اور ۱۹۵۳ء میں "سنگم کتاب گھر" نے ان کے مضامین اور افسانوں کا پہلا مجموعہ "نمک پارے" شائع کیا جس پر ڈاکٹر عابد حسین جیسے جیّد عالم اور مستند ادیب نے "تقریب" لکھی۔

انگریزی میں گارڈنر اور اُردو میں پطرس اور رشید سے وہ بہت متاثر ہیں لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ اسٹی ونسن (Stevenson) کی طرح انہوں نے اپنا طرز اختیار کرنے میں کسی کی "نقالی" نہیں کی۔

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے اپنی "تقریب" میں سید سخی حسن کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ علی عباس حسینی نے "نمک پارے" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان کی تحریریں تضحیک بھی ہے، ظرافت بھی اور طنز بھی، وہ ہنسی کی بات میں بھی ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور وہ روزمرّہ کے واقعات اور گردوپیش کے حالات کے مضحک پہلو بڑی ہوشیاری اور چابکدستی سے اجاگر کر دیتے ہیں اُردو میں ان کی تحریروں اور ان کی طرز کے انشا کی بڑی ضرورت اور گنجائش ہے۔ خدا کرے وہ ہمیں اس چھوٹے سے جرعہ کے ذریعہ لہکا کر خاموش نہ ہو جائیں بلکہ اپنی افادات کی مَے دوآتشہ

کی فراوانی سے چھکا دیں!"

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی فرماتے ہیں:۔ "ایسی سنجیدہ ظرافت اب کہاں! خاصہ کی چیز ہے"۔ عرش ملسیانی کی رائے ہے۔ "سخی حسن نقوی لائٹ لٹریچر لکھنے والوں میں اچھی شہرت کے مالک ہیں"۔ "بیسویں صدی" نے خیال ظاہر کیا ہے کہ "نمک پارے" پڑھ کر آپ کے دل میں ایک لطیف گدگدی پیدا ہوگی اور آپ بغیر مسکرائے نہ رہ سکیں گے۔ حقیقت پسندی اور طنز و مزاح کا دلکش امتزاج دیکھنا ہو تو "نمک پارے" ضرور پڑھیے"۔ "اخبار الجمعیۃ" دہلی نے "نمک پارے" کو "کافی اچھا مجموعہ" بتایا ہے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین نے انھیں دعا دی ہے۔ "خدا انھیں زود نویسی اور پرنویسی سے محفوظ رکھے جس نے سینکڑوں ہونہار لکھنے والوں کو ڈبو دیا"۔ یہ ان کی دعا کا اثر ہے یا ان کی ذاتی عادت کہ وہ بہت کم لکھتے ہیں۔ لیکن جب لکھتے ہیں تو بہت خوب لکھتے ہیں۔ آپ ان کے اچھے مجموعہ کا انتظار کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اب آپ ان کا ایک مضمون ملاحظہ فرمایئے جو "نمک پارے" میں صفحہ ۱۵ سے شروع ہوتا ہے اور جس کا عنوان ہے،

الائچی کی پڑیا

جب نوکر نے آواز دی ——————

"یہ الائچیاں لے لو!"

تو رات کے نو بج چکے تھے۔ فضا بھیگی بھیگی تھی اور مئی کے مہینے میں ساون کا مزہ آ رہا تھا! گھر کے کچھ لوگ کھانا کھا چکے تھے کچھ کھانے میں مصروف تھے؛ اور کچھ، جن کی تعداد بہت کم تھی کھانے کے انتظار میں تھے۔ بچے کھا پی کر کبھی کے سو چکے تھے! بھابی جان دوسری حویلی کے صحن میں پلنگ پر بیٹھی بھائی جان کا راستہ تک رہی تھیں۔

الائچیوں کی پڑیا کھولنے والی بڑی آپا تھیں۔ جنھوں نے الائچیاں منگوائی تھیں۔ اس مہنگائی کے زمانے میں اوّل تو پان کھانا، پھر الائچیوں کے ساتھ! قیامت ہے۔ سارے گھر میں ایک بھی تو ایسا نہیں جو پان کے ساتھ الائچی نہ کھاتا ہو۔ منا، چینی، سہناز سب کے منہ میں اینٹ سی لگی رہتی ہے۔ اور تو اور اس گھر کی وہ لڑکیاں جو اسکول میں پڑھتی ہیں اور پاؤڈر اور لپ اسٹک کی دلدادہ ہیں، پان کھانے سے نہیں بچ سکیں۔ شدن ہر وقت منہ کو اُگالدان بنائے رکھتی ہے۔ پان بنا کر اسکول لے جاتی ہے۔ ——

"پان کھانا چھوڑ دے اے شاہدہ"

یہ گیت بڑی آپا نے اسی کی شان میں کہا تھا —— ادھر الائچی کی پڑیا کھلی اور الائچیاں ہاتھوں ہاتھ نبٹ گئیں۔ اتنے بڑے گھر میں جس میں بڑوں سے لے کر ان بچوں تک جنھوں نے دودھ چھوڑ کر ابھی کھانا پینا سیکھا ہے پان کے ساتھ الائچی کھانے کے شوقین ہوں، چار آنے کی الائچیاں بھلا کیا بکار کر سکتی ہیں پڑیا کھلتے ہی الائچیوں پر سب کے سب اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے مکھیاں مٹھائی پر۔ اور وہ دو دو چار چار الائچیاں بانٹ لیں۔ بڑی آپا غریب کے ہاتھ ایک بھی نہ آئی۔

وہ دراصل خط پڑھنے میں لگ گئیں اور اتنی منہمک ہوئیں کہ یہ بھی بھول گئیں کہ الائچیوں کی اصل محرک وہی تھیں اور محرک —— ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے بنیادی حق سے محروم رہ گئی تھیں۔ بڑی آپا کی غیر معمولی دلچسپی اور انہماک دیکھ کر میرے اندر یہ معلوم کرنے کی خواہش بیدار ہوگئی کہ یہ کیسا خط ہے! کس کا ہے؟ اور کسے لکھا گیا ہے؟

ایک کے بعد ایک میرے دماغ میں یہ خیالات پیدا ہوئے اور میں نے بڑی آپا کے انہماک کو توڑنے کی ٹھان لی۔

کئی بار میں نے ان سے خط کے بارے میں استفسار کیا ان کی منت کی۔ انھیں "ہماری بڑی آپا بڑی اچھی ہیں" کی رشوت دی۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ اس طرح سیدھی انگلیوں

کھی نہ نکلتا دیکھ کر میں گوریلا طرزِ جنگ پر اُتر آیا اور آن کی آن میں خط بڑی آپا سے جھپٹ لیا۔ میں نے اُسے پڑھنا ہی شروع کیا تھا اور اس کا پتہ سرا دریافت کرنے کی فکر میں تھا کہ بڑی آپا نے موقع پاکر مجھ سے اُچک لیا۔ اور دوسرے لمحہ جھپٹ کر میں نے بڑی آپا سے ایک بار پھر چھینا۔ خیریت یہ گزری کہ ہماری اس چھینا جھپٹی میں خط ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوا ورنہ سارا مزہ ہی کرکرا ہو گیا ہوتا۔ مکمل طور پر فتحیاب ہونے کے بعد میں نے بڑی آپا سے باعزت سمجھوتہ کر لیا۔ جس کے بعد بڑی آپا اور میں نے دل ہی دل میں اس خط کو پڑھنا شروع کیا۔

”———————

آپ کی ٹھکرائی ہوئی
فیروزہ گوہر“

یہ خط کا آخری صفحہ تھا اور قرینے سے صاف ظاہر تھا کہ اس سے پہلے اس کے ایک یا دو صفحے اور ہوں گے جو اس وقت غائب تھے۔ خط میلا کچیلا بھی تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کافی پرانا ہے۔ بڑی آپا پر اس وقت شرارت اور شوخی کا بھوت سوار تھا، نہ جانے انھیں کیا سوجھی کہ وہ خط لے کر دوسرے مکان میں جا دھمکیں، جہاں ہماری پڑھی لکھی بھابی جان مجسّم انتظار بنی، اپنی بچّی کو دودھ پلا رہی تھیں۔ بھابی جان نے خط بڑی آپا سے اس طرح لیا جیسے وہ معاملے کی نزاکت اور اس کے پس منظر سے پہلے سے واقف ہوں۔

خط پڑھ کر بھابی جان کا منہ فق رہ گیا۔ چہرے پر ایک رنگ آیا ایک گیا۔ بڑی آپا کو چھیڑ سوجھی تو انھوں نے خط کی تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ ”کتنا اچھا ہاتھ ہے اس لڑکی کا! کیسا اچھا مضمون لکھا ہے اس نے! کوئی پڑھی لکھی قابل معلوم ہوتی ہے انگریزی بھی جانتی ہے!!! ——— بے چاری!“ وہ اس کی ناکامی پر جیسے سچ مچ تأسف کر رہی تھیں۔

بڑی آپا کا وار سَو فی صدی کامیاب رہا۔ بھابی جان میں رقابت کا جذبہ بیدار ہونے لگا اور رفتہ رفتہ احساس کمتری اپنی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ اُنھوں نے جوں جوں غور کیا اُن کا شبہ یقین میں تبدیل ہوتا گیا۔ یہ آج کل بچّوں کی طرف سے بے توجہی کا یہی سبب ہے، انہوں نے اپنے دل میں کہا۔ میں دیکھ رہی ہوں ان دنوں کچھ رنگ ہی بدلا ہوا ہے، اب کی بار جو علی گڈھ سے آئے تو میرے اور بچّوں کے لئے کوئی چیز بھی نہ لائے۔ مُنّے کا سارا مُنہ پھنسیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کہتے کہتے زبان گھس گئی۔ مگر کیا مجال جو اس کے بال منوا دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے جیسے بچّے کسی اور کے ہیں۔ ابھی پرسوں کی بات ہے کہ مُنّے کے اس زور سے تھپڑ مارا کہ بچہ بلبلا اُٹھا اور پانچوں اُنگلیاں گال پر اُبھر آئیں۔ کل ہائی اسکول کی اُستانیاں آئی تھیں تو بس شکلا سے کیسی ہنس ہنس کے باتیں ہو رہی تھیں، دن بھر تفریح رات کے دس بجے تک غائب! کہاں؟ کس کے لئے؟ خوب جانتی ہوں۔ اور یہ خط ——— ! اس کی اصلیت بھی سمجھتی ہوں۔ خوب سمجھتی ہوں۔

بھابی جان ان خیالات میں اتنی ڈوبیں کہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو گئیں۔ اس دوران میں بڑی آپا نے انھیں چوکنا کیا۔ لیکن وہ وہاں ہوتیں تو جواب دیتیں۔ اب ذرا ہوش آیا تو پنکھا جھلنے لگیں حالانکہ اچھی خاصی ہوا چل رہی تھی اور گرمی کیسی؟ خوش گوار ٹھنڈک تھی۔ فوراً انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے اپنی بدحواسی کو چھپانے کے لئے قریب پڑی ہوئی ایک کتاب اُٹھا لی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگیں۔ لیکن اس پر بھی دل نہ لگا تو مجبوراً بڑی آپا سے خط مانگا جس میں اب تک دل اٹکا ہوا تھا۔ اور ایک بار پھر شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا۔ اس مرتبہ انھوں نے اس میں سے نئے نئے پہلو نکالے اور نئے نئے گوشے دریافت کئے۔ اس دلچسپ کام میں بڑی آپا انہیں برابر مدد پہنچاتی رہیں۔

بڑی آپا کی رائے تھی کہ خط لکھنے والی کوئی انگریزی پڑھی

لکھی ہے لیکن اس سے بھائی جان کی انفرادیت مجروح ہوتی تھی۔ اس لئے وہ بڑی آپا کے اس خیال کی تائید کرنے کے لئے تیار نہ تھیں بھائی جان کے نزدیک انگریزی کا ایک لفظ استعمال کرنے سے کوئی انگریزی داں نہیں کہلا سکتا، انہوں نے اپنے خیال کی تائید میں اپنی ایک ماموں زاد بہن کی مثال پیش کی جو معمولی پڑھی لکھی ہیں اور اس سے کہیں بہتر خط لکھ سکتی ہیں اور انگریزی کے ایک چھوڑ چار چار لفظ استعمال کرتی ہیں۔

بھائی جان دراصل اپنے دل کو سمجھانا چاہتی تھیں کہ لکھنے والی تعلیم کے لحاظ سے ان سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور وہ پھر خط کا پوسٹ مارٹم کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ اب کے انھیں نئے نئے خیالات نے سہارا دیا۔ کتنی بدسلیقہ ہے اس خط کی لکھنے والی! وہ سوچنے لگیں، جس کا سر ہے نہ پیر! ایک بدبودار میلا کچیلا چیتھڑا! خط لکھنے کے لئے چڑیل کو اس سے اچھا کاغذ میسّر نہ آسکتا تھا، بدتمیز کہیں کی! صورت شکل کا اندازہ تو اسی سے ہوگیا کہ بڑی بی بقولِ خود "ٹھکرائی ہوئی" ہیں۔ بھلا اس کا کیا مقابلہ! میرے پاؤں کی جوتی کی برابر بھی نہیں ہوسکتی وہ!

خط کے متعلق بڑی آپا نے ایک اور رائے ظاہر کی جس سے بھائی جان پریشان ہوگئیں اس کی وجہ یہ تھی کہ بڑی آپا کی بات سمجھ میں آنے والی نہ تھی۔ وہ کہتی تھیں کہ خط پرانا ہے، اس لئے میلا کچیلا ہے۔ یہ حقیقت قائم ہوتے ہی بھائی جان نے جو الزامات خط لکھنے والی پر اس سلسلہ میں رکھے تھے وہ سب ختم ہوتے تھے۔ اس لئے انہیں یہ بات تسلیم کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ انہوں نے سوچا ہوسکتا ہے یہ خط شادی سے پہلے کا ہو لیکن شادی سے پہلے کے جتنے خطوط اس قسم کے ہوسکتے تھے، وہ انھوں نے بچشمِ خود دیکھے تھے اور اس خط اور اس کی لکھنے والی کا تذکرہ ان سے کبھی نہیں کیا گیا تھا، اگر خط پرانا ہوتا تو لازمی طور پر اُن کے علم میں آنا چاہیئے تھا۔ معاملہ اصل میں یہ تھا کہ "فیروزہ" نام کی ایک طوائف ان دنوں شہر میں آئی ہوئی تھی جس کے حُسن کے بڑے چرچے تھے اور جس نے شہر کے بے شمار نوجوانوں کو اپنے دام میں پھانس رکھا تھا۔ بھائی جان کا خیال تھا کہ یہ خط اُسی فیروزہ کا ہے اور تازہ ہے۔

اب دس بجنے والے تھے۔ اور وہ انتظار کرتے کرتے تنگ آگئی تھیں اس لئے اب انھیں بھائی جان پر واقعی غصّہ آنے لگا پہلی جھونجل اس بچّی پر اُتری جو اب تک دودھ چھوڑ رہی تھی اور کسی طرح چھوڑنے میں نہ آتی تھی۔ اُس سے زبردستی دودھ چھڑایا تو وہ تڑپ اُٹھی، ڈیڑھ برس کا جی اور اُس پر "سوتن" کی آمد اور دودھ کی نہوت! وہ معصوم بچّی کیا جانے اس بھید کو! اُس کا پیٹ نہ بھرے تو وہ دودھ کیسے چھوڑ دے بھلا؟ اس زبردستی پر وہ اس طرح بلبلائی جیسے کسی نے سوئی چبھو دی۔ معصوم بچّی کے پاس احتجاجی مظاہرے کے لئے رونے کے سوا اور کیا ہتھیار ہوسکتا ہے۔ اسکے اس طرح رونے پر اس کے بجائے کہ اسے تسکین و تشفّی دی جاتی، چُمکار کر پیار کیا جاتا، کندھے سے لگایا جاتا یا کسی چیز سے پیٹ بھرنے کی کوشش کی جاتی، ہماری پڑھی لکھی بھائی جان نے اُلٹا اسے مارا۔ اس پر بچّی نے بھی انتقام لینے کی ٹھان لی اور اس زور سے روئی کہ سارے گھر کو اُٹھا دینا تو اس کے بس کی بات نہ تھی، البتّہ اپنے بھائی کو جو عمر میں اس سے صرف سوا برس بڑا تھا جگا ڈالا، اب تک وہ رونے والی تنہا تھی اب اس کے ساتھ اس کا بھائی بھی ہوگیا۔ جب دونوں نے مل کر ایک سُر میں رونا شروع کیا تو سارے گھر کو سر پر اُٹھا لیا۔ اب بھائی جان کے غصّے کا پارہ انتہائی درجے پر پہنچ گیا اور انھوں نے دونوں کو خوب دُھونسا۔ مُنّا جو سوتے سوتے اچانک جاگا تھا اور نہ جانے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر اُٹھا تھا یا ایک مار کھا کر سہم گیا اور معصومیت سے ماں کو تکنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی اور رحم کی اپیل، وہ بے چارہ تو مجبوراً چُپ ہوگیا۔ لیکن اس کے اور مُنّی کے معاملہ میں

فرق تھا، وہ بھوکی تھی اور اپنا حق مانگ رہی تھی، اس وقت اس کے جذبات وہ تھے جو بھوکے عوام کے ہوتے ہیں۔ بھوک میں انسان سب کچھ کر گزرتا ہے، چوری کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے، جیل جاتا ہے اور جب پھانسی کے تختے پر لٹکایا جاتا ہے تو مسکراتے ہوئے جان بھی دے دیتا ہے۔ اس وقت بچّی بھی جان پر کھیل رہی تھی، اُسے جتنا پیٹا جارہا تھا اتنی ہی شدت سے رد کردہ اپنی بغاوت کا مظاہرہ کررہی تھی۔

ایسا پڑھا لکھا ہونا بھلا کس کام کا؟ میں نے اپنے دل میں کہا۔ جو لڑکی میں "بہترین بیوی" اور "بہترین ماں" بننے کی صلاحیت پیدا نہ کرسکے۔ میری رائے میں لڑکیوں کا نصاب تعلیم اور درسگاہیں لڑکوں سے مختلف ہونی چاہئیں جن میں لڑکیوں کی نفسیات اور سینے پرونے کے علاوہ صرف وہ حساب پڑھایا جائے جس کی مدد سے لڑکی گھر کا بجٹ بناسکے، صرف وہ تاریخ پڑھائی جائے جس کے ذریعہ سے وہ بچّوں کی سیرت ڈھال سکے اور صرف وہ جغرافیہ اور سائنس سکھایا جائے جس کے سہارے وہ بچّوں کی معلومات میں اضافہ کرسکے۔

● لڑکیوں کی درسگاہیں گویا ٹریننگ سینٹر ہوں جہاں اُنھیں "بہترین بیوی" اور "بہترین ماں" بننے کے لئے تیار کیا جائے، یہ ٹریننگ ہر لڑکی کے لئے ضروری قرار دی جائے اور جب لڑکی یہ حاصل کرچکے تب اُسے دوسری شاہراہوں سے گزرنے کی اجازت دی جائے۔ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، ڈاکٹری پڑھے، پروفیسر بنے یا جرنلسٹ یا چاہے گھر بیٹھے لیکن صرف اس وقت جب وہ مقررہ ٹریننگ حاصل کرچکے۔ کیونکہ ہر لڑکی جو دنیا میں پیدا ہوتی ہے اُسے ایک نہ ایک دن بیوی اور ماں بننے کی منزلوں سے ضرور گزرنا ہوتا ہے۔

مجھے یقین ہے ہماری بھابی جان نہ اچھی بیوی ہیں نہ اچھی ماں، بچّوں کو مار پیٹ کر بھابی جان کے پوری طرح ٹھنڈک نہ پڑی تھی کہ قضا کے مارے بھائی جان آپہنچے اور ہماری پڑھی لکھی بھابی جان کو جو ابھی "بہترین ماں" ہونے کا ثبوت دے چکی تھیں۔ اب "بہترین بیوی" ہونے کے ثبوت دینے کا موقع مل گیا۔

اس وقت رات کے دس بج رہے تھے اور بھائی جان کو آج کلب سے لوٹنے میں واقعی دیر ہوگئی تھی اس لئے بھابی جان نے اُن کا فوراً استقبال کیا۔

"ابھی کیا ضرورت تھی آنے کی؟ ——— ابھی تو صرف دس بجے ہیں۔" انھوں نے طنز کیا۔

"کیوں؟ ——— بھائی جان نے سادگی سے کہا ——— "کوئی ضروری کام تھا آج؟ خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں! اب سنبھالئے اپنی اولاد کو۔"

بھابی جان کے نتھنے پھولے ہوئے تھے مُنہ سُوجا ہوا تھا۔ اور ماتھے پر اتنی شکنیں تھیں کہ شمار میں نہ آسکتی تھیں۔

"الٰہی خیریت رکھنا مزاج یار برہم ہے۔"

فی البدیہہ مصرعہ پڑھتے ہوئے بھائی جان غصّے کو ٹالنے کے لئے بے پروائی سے کمرے میں چلے گئے اور کپڑے تبدیل کرنے میں مصروف ہوگئے۔ بھابی جان اس وقت لڑائی کے مُوڈ میں تھیں، اس لئے بھائی جان کی اس بے اعتنائی پر اور جل گئیں اور جتنی دیر بھائی جان کپڑے بدلتے رہے وہ بڑبڑانے میں مصروف رہیں۔

کپڑے بدل کر آئے تو بھائی جان نے سنجیدگی کے ساتھ بیوی سے ناراضگی کا سبب پوچھا مگر وہاں تو یہ معلوم ہوا جیسے جلتی ہوئی آگ پر کسی نے چھینٹا دے دیا، اور اب بڑی آپا خط لے کر چمپت ہوچکی تھیں۔ اس لئے بھابی جان کو تنہائی میں بھائی جان سے نبرد آزما ہونے کے لئے میدان خالی مل گیا۔

"مجھے سب معلوم ہوگیا!"

بھابی جان نے پُروثوق انداز میں بھرپور وار کیا۔

"سچ؟!" بھائی جان نے بات کو مذاق میں اُڑانے کے لئے وار خالی دینے کی کوشش کی۔

"بڑے ننھے بنتے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہیں، بیوقوف اُسے بنائیے جسے کچا چٹھا معلوم نہ ہو۔"

"کیسا کچّا چٹھا! آخر ماجرا کیا ہے؟"

بھائی جان کی سادگی پتہ دے رہی تھی کہ معاملہ کی نوعیت سے بالکل بے خبر ہیں۔

"نادان نہ بنئے۔ تجاہل سے کام نہ بنے گا۔ صاف صاف بتائیے وہ کون چڑیل ہے جس کے خط آپ کے پاس آتے ہیں اور جن کا آج تک مجھ سے ذکر نہیں کیا گیا۔"

بھائی جان کے لہجہ میں ترشی اور آواز میں کافی تیزی پیدا ہو چکی تھی۔ اس کے برعکس بھائی جان ابھی تک مذاق کے موڈ میں تھے۔

"میں قسم سے کہتا ہوں کہ میرے پاس کسی چڑیل کے خط نہیں آتے۔ میرے پاس تو صرف تمہارے خط آتے ہیں، جب میں باہر ہوتا ہوں۔"

"ہاں ہاں اب مجھے صاف صاف چڑیل کیوں نہیں کہہ دیتے" بھابی جان بے تکے پن سے بولیں۔

"بیوی! میں تو تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ تم سے زیادہ میرے لئے کون ہو سکتا ہے؟" بھائی جان نے غصہ کو تھوکا۔

"اب ان چکنی چپڑی باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ یہاں بلایئے اس چڑیل کو، یہاں میرے سامنے، جھٹیانہ رگڑ ڈالی ہو تو سہی۔"

کس چڑیل کو؟ ذرا معلوم تو ہو بیگم! ——— میں ضبط کئے جا رہا ہوں اور تم ہو ——— کہ بڑھی چلی جا رہی ہو۔ تم نہیں جانتیں میں ———" اور بھائی جان کچھ اور کہنا چاہتے تھے لیکن بھابی جان نے اپنی طرف سے جملے پورے کرنے شروع کر دیئے ———

"جانتی ہوں خوب جانتی ہوں تم مجھے گھر سے نکال سکتے ہو طلاق دے سکتے ہو، دوسری شادی کر سکتے ہو، کیا نہیں جانتی میں سب کچھ جانتی ہوں، اور تم بھی جانتے ہو میں کیا کر سکتی ہوں ——— میں ——— میں زہر پی سکتی ہوں ——— میں ——— !"

"چُپ رہو!!!"

بھائی جان اس زور سے گرجے کہ سوتے ہوئے بچوں کے کلیجے دہل گئے۔

"خواہ مخواہ کاٹنے کو دوڑ رہی ہو، تم پر اس وقت لڑائی کا بھوت سوار ہے، تم اس وقت بات کرنے کے قابل نہیں ہو۔"

یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے اور غصہ کے زور میں ٹہلنے لگے ——— پھر بھائی جان اور بھابی جان میں رات بھر لڑائی ہوئی۔ بھائی جان خوب خوب گرجے اور بھابی جان جی بھر کے کڑکیں، اتنی گرج اور کڑک کے بعد بارش ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے بھابی جان خوب روئیں، اور طوفان کے بعد فضا پُرسکون ہو جاتی ہے چنانچہ میاں بیوی میں بول چال بند ہو گئی کوئی ایک ہفتہ بعد صلح ہوئی ———

غالباً بھابی جان کو پتہ چل گیا کہ یہ سب قصور اس فتنہ پرور پُڑیا کا تھا جس میں الائچیاں بندھ کر آئی تھیں!

سنگم بال سبھا دہلی کی شاخیں

سنگم بال سبھا جے پور

ہم نے بچوں کو بُری عادتوں سے بچانے۔ بُری صحبت سے محفوظ رکھنے اور اخلاق سوز لٹریچر کی بجائے نہایت صحت مند رسائل و کتب مہیّا کرنے کی غرض سے سنگم بال سبھا قائم کی تھی جو خدا کے فضل سے اب تک نہایت اچھا کام کر رہی ہے اور چھوٹی اور بڑی دونوں عمروں کے بچّے اور طلبہ اس کے ممبر بنتے جاتے ہیں۔ اس کی رفتار اگرچہ سُست ہے لیکن پھر بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہر مہینے ہم بچّوں کو جو اسکے ممبر ہیں معیاری اور ان کی عمر اور مذاق کے مطابق کتابیں بھیجتے رہتے ہیں۔ اگر وہ لکھتے ہیں کہ آئندہ ماہ ہمیں فلاں کتاب بھیجی جائے تو ہم بخوشی اس کی بھی تعمیل کرتے ہیں بشرطیکہ وہ کتاب مارکیٹ میں ہو یا اخلاق سے گری ہوئی نہ ہو، ہم نہیں چاہتے کہ بچّے خراب قسم کی کتاب پڑھے اور بچپن سے ہی اس کا مذاق خراب ہو جائے اس لئے ہم اخلاق و کردار کو بلند کرنے والی کتابیں بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، ہماری اس تحریک کو ملک میں بہت پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے کرم فرما اور ملک کے مشہور کارکن مولانا ابو الوفا رصاحب صدیقی کی عنایت سے جو دہلی سے اکثر راجستھان جاتے رہتے ہیں جے پور میں سنگم بال سبھا کے کچھ ممبر بنے جنھیں اس تحریک سے اتنی دلچسپی بڑھی کہ وہاں انہوں نے سنگم بال سبھا دہلی کی ایک شاخ قائم کر لی جو کچھ عرصے تک بہت اچھا کام کرتی رہی۔ لیکن ہمیں باوجود وہاں کے اراکین کے تقاضوں کے جے پور جانے کی مطلق فرصت نہیں ملی جس سے وہاں کے انتظام میں غالباً کچھ دشواریاں پیش آئیں نیز اس کے کارکن اعلےٰ جماعتوں کے طلبا رتھے جو اپنی تعلیمی مصروفیتوں کی وجہ سے زیادہ وقت نہ دے سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس انہماک اور جوش و خروش سے انہوں نے کام شروع کیا تھا وہ قائم نہ رہ سکا انہوں نے سیرۃ کے جلسے بہت زور شور سے کئے جس میں راجستھان کے وزراء تک نے شرکت فرمائی اور عوام نے بھی بہت کافی دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ ہم اپنی کوتاہی اور مجبوری پر نادم ہیں لیکن ہمیں جے پور کے نونہالوں سے اب بھی اُمید ہے کہ وہ اس کو نہایت ہمّت اور عزم و استقلال سے جاری رکھیں گے۔

رضا محمد خاں صاحب جو مہاراج کالج جے پور میں سیکنڈ ایئر ایف ایس سی میں تعلیم پاتے تھے اور اب ماشاء اللہ بی ایس سی کے آخری سال میں ہیں اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے تھے اور بقول مولانا صدیقی صاحب بہت اچھے کارکن تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اراکین نے دوسرے عُہدہ داروں کا انتخاب کیا اور رضا صاحب کی بجائے ان کے ساتھی اور ہم جماعت محمد اسحٰق خاں صاحب مقرر ہوئے انہوں نے بھی اراکین کی تعداد میں کافی اضافہ کیا اور ایک عرصہ تک ہم سے خط و کتابت جاری رکھی لیکن اب کچھ عرصہ سے ہمیں مطلق معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور بال سبھا کا کیا حال ہے۔

یہ بال سبھا جے پور کے **محلہ قائم خانیان چاند پول بازار** میں قائم ہوئی تھی اس لئے ہم وہاں کے حضرات اور دیگر اراکین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مُفید کام کو جاری رکھیں اور اپنا شیرازہ منتشر نہ ہونے دیں۔

ہماری شرائط بہت آسان اور مرکز اور شاخ دونوں کے لئے

بہت مفید تھیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

سنگم بال سبھا جے پور کا ہر رکن مرکزی سبھا دہلی کا بھی رکن سمجھا جائے گا۔ ہم ہر رکن سے سال بھر کی فیس پانچ روپے وصول کرتے ہیں اور چھ روپے کی کتابیں دیتے ہیں۔ بلکہ محصولڈاک بھی (رجسٹری سے نہیں) خود ادا کرتے ہیں۔ لیکن شاخ کے اراکین کی پانچ روپے سالانہ فیس میں سے ہم صرف ساڑھے چار روپے لے کر چھ روپے کی کتابیں دیں گے۔ بقیہ اٹھنی شاخ کے اخراجات کے لئے چھوڑ دیں گے۔

شاخ کے سکرٹری صاحب وہاں کے اراکین سے پانچ روپے وصول کر کے آٹھ آنے فی کس وہاں کی شاخ کے اخراجات کیلئے رکھ لیں اور ہمیں ساڑھے چار روپے بھجوا دیں، ہم سب اراکین کی کتابیں ہر ماہ شاخ کے سکرٹری کو بھیج دیا کریں گے جو شاخ کے کتب خانہ میں رکھی جائیں گی اور اس کی ملکیت سمجھی جائیں گی۔ لیکن اراکین کی طرف سے عطیہ کے طور پر ہونگی۔ ہم نے مزید رعایت اور سہولت یہ بھی منظور کر لی کہ سب اراکین کو مختلف کتابیں بھیجی جائیں گی اور جو پہلے بھیجی جا چکی ہیں ان میں سے دوبارہ کوئی نہیں بھیجی جائیں گی البتہ ہر کتاب کے دو دو نسخے اگر بھیجے جائیں تو مضائقہ نہیں تاکہ شاخ کے اراکین کو کتب خانہ میں ایک کتاب کا ایک ہی نسخہ ہونے کی وجہ سے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے۔ اس طریقہ سے اگرچہ ہمیں خاص اہتمام کرنا پڑے گا اور بہت دشواری ہوگی خصوصاً جبکہ اراکین کی تعداد تین ہندسوں تک پہنچ جائے! لیکن اپنے اراکین کے خیال سے اور شاخ کی لائبریری کو وسعت دینے کی غرض سے ایسا کرنا ناگزیر ہے اس لئے یہ سب باتیں منظور کرلی مناسب سمجھی گئیں۔ یہی شرائط دوسری شاخوں کیلئے ہیں۔

امید ہے کہ ان شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اپنے شہر میں آسانی سے ایک لائبریری قائم ہوتے ہوئے دیکھ کر ہر علم دوست شخص عملی قدم بڑھائیگا اور سنگم بال سبھا کی رکنیت میں اپنا نام درج کرائیگا۔

آپ اگر بچوں کو صحیح تعلیم و تربیت دینا چاہتے ہیں تو انھیں اچھی باتیں سکھائیں اور بہترین کتابیں مہیا کریں۔ اور یہ بات آپ کو سنگم بال سبھا کی رکنیت سے بہتر کسی دوسری جگہ مشکل سے ملے گی۔ چنانچہ یہ عورتیں اور ماں باپ اور بہت بچے اپنے شفیق استادوں کی نگرانی میں اپنے اپنے شہر یا محلہ میں سنگم بال سبھا کی شاخ قائم کرسکتے ہیں اور مندرجہ بالا اسکیم کے مطابق ایک مفید کتب خانہ بھی قائم کرسکتے ہیں جس سے نہ صرف انہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کتب خانہ سے بہت فائدہ حاصل ہوگا۔

سنگم بال سبھا کے اراکین کے لئے ایک اور بھی رعایت ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ سنگم کتاب گھر دہلی سے کتابیں خریدیں گے تو ہم سنگم کی مطبوعات پر انہیں ایک چوتھائی کی رعایت دیں گے یعنی ایک روپے کی کتاب صرف بارہ آنے میں دیں گے۔ اس طریقہ سے بھی آپ کی لائبریری میں آسانی سے کتابیں جمع ہو جائیں گی۔ ہمیں امید ہے کہ بچے اس کی طرف بہت شوق سے بڑھیں گے اور جگہ جگہ شاخیں قائم کریں گے۔ ممبری کے قواعد و ضوابط اور فارم مفت منگائے جاسکتے ہیں۔

جے پور کے مخلص کارکنوں کی خدمت میں مکرر درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ایک قائم شدہ چیز کو زندہ کرنے کی طرف عملی قدم بڑھائیں اور باہمی محنت اور خلوص سے اس خدمت کو سرانجام دیں۔

آپکا خادم

ناظم سنگم بال سبھا۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

حکایاتِ گاندھی

ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور ماہر تعلیم جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی نے گاندھی جی کی زندگی کے بعض واقعات جو نہایت دلچسپ ہیں اور سبق آموز بھی اس کتاب میں جمع کئے ہیں۔ گاندھی جی کے دو فوٹو بلاک بھی ہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب نہایت عمدہ قیمت صرف آٹھ آنے۔ سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی سے ملے گی۔

شطرنج اور اُس کا انعام

ماہ نومبر کے پرچہ میں ہم نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت ایک مضمون قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرکے درخواست کی تھی کہ اگر کسی صاحب تحقیق کو اس کے علاوہ یا اس سے زیادہ صحیح معلومات ہوں تو ہم بخوشی اسے درج کریں گے اور ممنون ہوں گے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے محترم جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری استاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اس سلسلہ میں ذیل کا مکتوب ہمارے نام ارسال فرمایا ہے:۔

محترمی جناب حافظ فیاض احمد صاحب۔ السلام علیکم

آپ نے رسالہ سنگم ماہ نومبر ۱۹۵۲ء میں شطرنج کے بارے میں مضمون لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "حکیم نے بادشاہ سے (انعام مانگتے ہوئے) کہا کہ زیادہ نہیں صرف اتنا کر دیجئے کہ پہلے خانہ میں ایک اشرفی اور دوسرے میں دو اور تیسرے میں چار اور چوتھے میں آٹھ اور اسی طرح ہر خانہ میں تعداد دگنی کرتے جائیے اور چونسٹھ خانے اشرفیوں سے پُر کر دیجئے"۔

لیکن میں نے بعض تاریخوں میں دیکھا ہے کہ حکیم نے اشرفی کی جگہ صرف ایک چاول کی درخواست کی تھی۔ بادشاہ نے اسکو سُن کر کہا کہ یہ کونسی بڑی بات ہے لیکن جب اس کا حساب لگایا گیا تو کئی کھرب من سے زیادہ چاول ہوا جو اس کی سلطنت کیا بلکہ سارے عالم میں ملا کر بھی نہیں پیدا ہوتا۔ اس پر بادشاہ کو حیرت ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ اس کی دوسری بات پہلی بات یعنی شطرنج کی ایجاد سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے اور اسکے کمال فہم کی دلیل ہے۔ فقط　محمد اسلم جیراجپوری

(محترمی! آپ کی اس اصلاح کا شکریہ ہمیں تو جو مورخ کہدیگا وہی ماننا پڑیگا ایک نے اشرفی بلکھی دوسرے نے چاول بتائے۔ ہمارے لئے دونوں باتیں اس وجہ سے حیرت انگیز ہیں کہ دونوں حکیم کی عقل پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی ذہانت کا پتہ دیتی ہیں، شطرنج کھیلنے والوں کو تو کبھی یہ خیال بھی نہ آتا ہوگا کہ اس کا موجد کس دماغ کا انسان تھا)

یہ "سنگم" ہے

ناظرین سنگم!

رسالہ سنگم تو آپکے ہاتھ میں ہے اس سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کیسا پرچہ ہے اس میں بڑوں کیلئے کیسے پاکیزہ مضامین ہیں، طالب علموں کیلئے کس قدر مفید چیزیں درج ہیں اور بچوں اور بچیوں کیلئے کتنی دلچسپ باتیں ہیں کاغذ کیسا ہے لکھائی چھپائی کیسی ہے اور سب سے بڑھ کر قیمت کتنی کم ہے کہ غریب سے غریب شخص بھی سال بھر میں دو روپے دے سکتا ہے۔

اگر آپ اُردو کی خدمت کرنا چاہتے ہیں یا آپکو ہماری محنت اور خدمت کا احساس ہے اور آپ ہمیں مستحق توجہ خیال فرماتے ہوں تو اپنے اخلاقی فرض کی ادائگی میں دیر نہ کیجئے اس لئے کہ نیک کام کے کرنے میں اگر تاخیر کی جائے تو وہ معصیت میں شامل ہوتی ہے۔ امید ہے کہ آپ ہمارا مفہوم سمجھ گئے ہوں گے۔

اگر آپ کوئی مفید مشورہ دینا مناسب خیال فرماتے ہوں یا آپکو اس پرچہ میں کوئی چیز ناپسند ہو تو براہ کرم ہمیں فوراً مطلع فرمائیے ہمیں اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے متعلق آپ کی رائے معلوم کرکے جتنی مسرت ہوگی اتنی آپکی تعریف سے نہیں ہوگی۔

شعراء اور قلمی معاونین کی خدمت میں مودبانہ التماس ہے کہ آپکے ہاتھ میں سنگم کا یہ ساتواں شمارہ ہے اگر آپنے ساتوں نمبر ملاحظہ فرمائے ہوں تو آپکو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور کس قسم کا مذاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لئے آپ جو مضامین ارسال فرمائیں وہ ہمارے ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر ہی قلمبند فرمایا کریں جب کوئی مضمون یا شعراء کا کلام ہمارے پاس بغرض اشاعت آتا ہے اور ہم اسے پرچہ میں درج ہونے کے لائق نہیں سمجھتے تو سچ جانئے ہمیں بہت دکھ ہوتا ہے۔ اور انتہائی تکلیف ہوتی ہے اسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ گھٹیا درجہ کا ہوتا ہے بلکہ صرف یہ وجہ ہوتی ہے کہ وہ ہمارے پرچہ کے معیار یا مذاق یا اصول کے مطابق نہیں ہوتا۔ ہم عاشقانہ ایشیائی پرانی طرز کی غزلیں درج نہیں کرسکتے کیونکہ ہمارا پرچہ بچوں اور عورتوں کے لئے بھی ہے اور اگر بڑی عمر کے لوگ عاشقانہ کلام ہمارے پرچہ میں نہیں پڑھیں گے تو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوگی، شاعروں کے لئے یا رومانی افسانہ نگاروں کے لئے میدان بہت وسیع ہے انہیں ملک کے دوسرے پرچوں میں بھی اپنی طبع آزمائی کے لئے بہت مواقع ہیں اس لئے ہم نہایت ادب سے معذرت چاہیں گے۔ اس وقت مذاق کو صحیح لائنوں پر لانے کیلئے بہت زیادہ جدوجہد کی ضرورت ہے جس کیلئے ہم جملہ اہل قلم حضرات سے تعاون کی درخواست کرتے ہیں، امید ہے کہ ہمارے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں اب کوئی دقت نہیں ہوگی۔ چونکہ ہمارا مقصد تعلیمی اور اصلاحی ہے تفریحی نہیں ہے۔ ادارہ

بچوں کی تعلیم و تربیت

علم مجلسی

پچھلے پرچوں میں ہم اس عنوان کے تحت پہلے بزرگوں کے کلام سے کوئی رباعی یا قطعہ منتخب کرکے پیش کرتے رہے ہیں تاکہ بچے اسے یاد کرلیں اور اس میں جو نصیحت کی بات کہی گئی ہے، اسے پلّے باندھ لیں اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کی کوشش کریں اس مرتبہ ہم دو مقتدر ہستیوں کی خط و کتابت کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں جو علم و فضل میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ ان میں سے ایک تو اللہ کو پیاری ہو چکی ہے اور دوسری اس کے فضل و کرم سے ہم میں موجود ہے۔ دعا ہے کہ عرصہ دراز تک وہ ہمارے سروں پر قائم رہے اور ہمیں اسکی علمی اور ادبی خدمات سے مستفید ہونے کے مواقع نصیب ہوں۔ ان دونوں بزرگوں کے اسمائے مبارک جناب صدر یار جنگ الحاج مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی (مرحوم و مغفور) رئیس حبیب گنج ضلع علی گڈھ اور حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ہیں، ان دونوں حضرات کی باہمی خط و کتابت غیر سیاسی قسم کی تھی لیکن علمیت اور معلومات کا بیش بہا خزانہ ہوتی تھی۔ تمام خط عموماً بہت طویل ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کا خلاصہ درج کیا جائے تو کچھ لطف نہ رہیگا اس لئے ہم صرف دو مختصر خطوں کے اندراج پر اکتفا کرتے ہیں ایک مولانا ابوالکلام صاحب کا دوسرا جناب شروانی صاحب کا۔

(پورا مجموعہ کتابی شکل میں کاروان خیال کے نام سے نہایت عمدہ دبیز کاغذ پر شائع ہوا ہے جو سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی سے اڑھائی روپے (عہ۲) میں منگایا جاسکتا ہے)

ان خطوط سے آپ کو معلوم ہوگا کہ عالم اور ادیب خطوط سے کس قدر سرور حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے دلچسپی کا کس قدر سامان مہیا کرتے ہیں۔ کوشش کیجئے کہ آپ بھی اپنی بساط اور علمیت کے مطابق ان کے نقش قدم پر چل سکیں اور علمی اور ادبی معلومات سے باہمی خط و کتابت کا معیار بلند کرنے کی فکر اور جستجو میں رہیں۔

دیکھئے مولانا آزاد اپنے دوست جناب صدر یار جنگ کو خط نہ لکھنے کی شکایت کے لئے کس مختصر انداز میں مخاطب فرماتے ہیں:۔

دہلی

۱۹ر فروری سنہ ۱۹۴۲ء

وفا کنند کہ بیگانہ آشنا گردد
تراچہ شد کہ نمی پرسی آشنائے را

ابوالکلام

اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔

حبیب گنج۔ ضلع علی گڈھ

مورخہ ۲۳ر فروری سنہ ۱۹۴۲ء

حبیب نواز آشنا پرور کرم طراز۔ السلام علیکم و قلبی لدیکم

کل جان پرور نامہ پہنچا۔ دیکھ کر دل فرطِ شوق سے تڑپ گیا زبان سے بے اختیار نکلا۔

بوئے خوش تو ہر کہ ز بادِ صبا شنید
از یار آشنا سخنِ آشنا شنید

زیب نامہ صرف ایک سطر تھی مگر ایک دفتر محبت اس میں بھرا ہوا تھا۔ محبت نہ ہو تو شکوۂ ناآشنائی کیوں ہو؟ جو شکوہ خیز محبت دے اس پر سو شکر قربان'

ارشاد ہے۔ 'تراچہ شد'۔ سنئے چہ شد؛ جب سے سابق طرح پر دو مراسلت مُدد متفرقہ ہوئی دل اس تمنا سے لبریز رہا کہ پھر آغاز پذیر ہوتی ؎

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبح گاہی
بہ پیام آشنائے بنوازد آشنا را

میں تمنا میں نقل و حرکت گرامی کو دیکھتا رہا جو پائے موقع رہا۔ ایک اتفاق۔ حیدر آباد سے واپسی میں وارد ھا اسٹیشن پر اس وقت پہنچا کہ دس منٹ پہلے تشریف بری ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر سید محمود برسوں میں ملے، پھر بھی دل اثر اخلاص سے بدستور نرم و گرم تھے۔ ملے اور خوب ملے۔ بڑی جاں فزا اور روح پرور صحبت رہی ؎

ہر جا کہ من و دوست بہم باز رسیدیم ازبیم بد اندیش لب خویش گزیدیم
بے واسطۂ گوش و لب از راہِ دل و چشم بسیار سخن بود کہ گفتیم و شنیدیم

باز آئیم بہ مطلب۔ شکر ہے کہ بالآخر نظر آشنائے توجہ ہوئی نصف مکالمت کا موقع ہاتھ آیا۔ اتفاقاً اس وقت ڈاک ملی ایک عزیز کی تقریب میں جا رہا تھا۔ ڈاک بدستور رکھ گیا۔ واپس آکر شب کو کھولی پڑھی شکوۂ نا آشنائی نے کیا کہوں کیا لطف دیا۔ کس زبان سے کہوں کس قلم سے لکھوں زیب نامہ شعر بار بار پڑھا۔ ہر بار تازہ لطف پایا۔ ارادہ کیا صبح جواب لکھوں گا، نصف ملاقات کا سرور حاصل ہو گا۔ اس سرور میں آمادۂ خواب ہوا۔ آمد خواب کے کیف میں جانب نیشا پور سے آواز آئی ؎

شب امید بہ از صبح عید مے گزرد کہ آشنا بتمنائے آشنا خفتہ است

کیف دو بالا ہو گیا۔ شب کو جب آنکھ کھلی یہی آواز جان نواز رہی۔ بیداری بھی خواب کی طرح شیریں رہی۔

ارشاد ہے "نمی پرسی" حقیقت سنج محبت عرفی شیرازی نے جس کے آشنا سنج ہونے کی قسم کھائی ہو وہ نہ پوچھے کیونکر ممکن ہے ؎

بنام آں حبیب آشنا سنج کہ در آرائش معمورۂ رنج

جیسا اوپر عرض کیا صرف انتظار موقع تھا۔ حافظ کا یہ شعر ورد زبان ؎

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبح گاہی بہ پیام آشنائے بنوازد آشنا را

شکر ہے موقع آیا۔ شکوۂ نا آشنائی ہوا۔ بروقت ہوا اور بجا ہوا زہے باد آزاد۔ "الشیٔ بالشیٔ یذکر" اس دوران میں اعظم گڈھ سے مسودہ حیاتِ شبلی کے اجزا آتے رہے، پڑھتا رہا بھیجتا رہا بے مبالغہ بیک وقت بیسیوں صفحے پڑھے۔ جب رکھے حسرت رہی کہ اور پڑھے ہوتے۔ سرگزشت کا لطف حکایت نے دیا ؎

ہے آج جو سرگزشت اپنی کل اسکی حکایتیں بنیں گی

دل محسوس کرتا تھا کہ علامہ کی صحبت میں حاضر ہوں لطفِ صحبت سے مستفید، فیض یاب ہوں۔ آہ کیا صحبت تھی کیا فیض تھا۔ فخر اس میں تھا کہ ہر موقع پر ایک نیاز مند حاضر خدمت آتا تھا۔ شبلی و شروانی کی زندگی کچھ اس طرح منوط رہی کہ جہاں علامہ کا فضل نور افشاں ہے وہاں شروانی کی یاد ابھی جلوہ ریز ہے۔

والسلام ختم الکلام۔

نیاز نشان
حبیب الرحمٰن

دیکھا آپ نے خط و کتابت کیا ہے معرفت کا ایک دریا ہے۔ ہم بچوں کے سرپرستوں اور اُستادوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں خطوط کا پورا مفہوم معانی اور مطالب بچوں کو سمجھائیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان خطوں میں کیا خوبی ہے، اور کس قدر علمیت ہے۔

اب یہ صحبتیں اور ایسی خط و کتابت کہاں نصیب! نہ معلوم محترم امام الہند کے قلب کی کیا حالت ہوگی اور ان کی نظریں کیسے کیسے ڈھونڈھتی ہوں گی۔ ان کی عالمانہ تقریروں اور تحریروں کا اسی انداز سے سمجھنے والا اور جواب دینے والا اب مشکل سے نصیب ہوگا اور وہ کس قدر بے قرار ہوں گے۔ افسوس ہم بھی "کاروانِ خیال" جیسی مزید نادر تحریروں سے محروم رہیں گے۔

سعدی اور زخمی اگست و ستمبر کے پرچہ میں علم مجلسی کے تحت ہم نے شیخ سعدیؒ کا ایک قطعہ صحبت کے اثرات کے متعلق درج کیا تھا۔ ہمارے سنگم کے خریدار حمید اللہ صاحب زخمی ساکن باغپت ضلع میرٹھ نے جو ماشاءاللہ ابھی نوعمر ہیں اور صرف سولھویں سال میں ہیں اس قطعہ کا ترجمہ نظم کر کے ہمیں ارسال فرمایا ہے جسے ہم نہایت مسرت کے ساتھ درج کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارا یہ ہونہار شاعر نظرِ بد سے

محفوظ رہے اور زخمی ہوتے ہوئے بھی کبھی زخمی نہ ہوا آمین،

شیخ سعدی کا قطعہ فارسی میں اس طرح ہے :۔

گلے خوش بوئے در حمام روزے ۔۔۔ رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔۔۔ کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ۔۔۔ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ۔۔۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

زخمی صاحب اسے اپنی زبان میں یوں ادا کرتے ہیں :۔

ایک دن حمام میں ناچیز مٹی کی ڈلی ۔۔۔ ہاتھ میں میرے کسی محبوب نے لا کر کے دی
آ رہی تھی اس سے خوشبوئے معطر جانفزا ۔۔۔ ہو گیا حیرت زدہ میں اور اس سے یوں کہا
سچ بتا تو مشک ہے یا ہے عبیرِ بے مثال ۔۔۔ تیری خوشبو سے ہوا ہوں مست اے فرخندہ فال
وہ ڈلی بولی کہ میں ناچیز مٹی ہوں وہی ۔۔۔ مدتوں لیکن گلِ بستاں کی صحبت میں رہی

صحبتِ محبوب آخر کر گئی مجھ میں اثر
جس طرح پارس کے چھونے سے ہوا آہن بھی زر

اُمید ہے کہ زخمی صاحب کا یہ ترجمہ بچے یاد کر لیں گے۔ اور فارسی شعر کے ساتھ اس کا اُردو منظوم ترجمہ بھی یاد رکھیں گے۔

تفریحات

ریاضی (۱) پہلے ہم نے ایک سے سو تک گنتی یاد کرنے کو کہا۔
(۲) پھر سو سے ایک تک اُلٹی گنتی بغیر کسی رکاوٹ کے سنانے کو کہا۔
(۳) پھر ایک سے سو تک ایک ایک ہندسہ چھوڑ کر گننے کو کہا۔
(۴) پھر سو سے ایک تک ایک ایک ہندسہ چھوڑ کر اُلٹی گنتی سنانے کو کہا۔
(۵) پھر ایک سے سو تک جُفت ہندسے یا طاق ہندسے سنانے کو کہا۔
(۶) پھر سو سے ایک تک اُلٹی گنتی طاق یا جفت ہندسوں کی یاد کرنے کو کہا۔
(۷) پھر پانچ پانچ ہندسوں کے فصل سے گننے کو کہا۔
(۸) پھر پانچ پانچ کے فصل سے اُلٹی گنتی یاد کرنے کو کہا۔
(۹) جب یہ گنتی خوب یاد ہو جائے اور اُلٹی سیدھی جس طرح سے چاہو گن سکو تو پھر جمع کے قاعدے کے لئے کہا گیا کہ روزمرہ کے کاروبار مثلاً سودا سلف خریدنے سے شروع کیا جائے اور اس میں اُنگلیوں پر گننے کو منع کیا گیا بلکہ صرف دماغ پر زور ڈال کر بتانے کو کہا گیا مثلاً نو آنے میں کتنے اور شامل کرنے جائیں کہ پورا روپیہ ہو جائے یعنی سولہ آنے ہو جائیں وغیرہ وغیرہ، یعنی صرف اکائی کے ہندسے جوڑنے کی مشق کرائی گئی اور کہا گیا کہ جمع کی مشق کرانے کے لئے بیت بازی کی طرح مقابلے کرائے جائیں اور دو پارٹیاں بنا کر ایک دوسرے سے سوالات کرائے جائیں کہ جب ایک پارٹی کا لڑکا اکائی کے کوئی دو ہندسے بولے تو دوسری پارٹی کا لڑکا فوراً ان دونوں ہندسوں کا حاصل جمع بتائے اور سوال و جواب نمبروار لڑکوں سے کرائے جائیں تاکہ سب کو مشق ہو جائے اور کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔
(۱۰) جب اکائی کے ہندسے جوڑنے کی خوب مشق ہو جائے تو پھر ایک سے ۵۰ تک کوئی دو رقمیں جمع کرنے کی مشق کرائی گئی یعنی ایسے دو ہندسوں کی جمع جن کا جوڑ (مجموعہ) ۱۰۰ سے

زیادہ نہ ہو، یا ایسی دو رقمیں جن میں ایک پچاس سے زیادہ ہو تو دوسری پچاس سے اتنی کم ہو کہ دونوں کی جمع ۱۰۰ سے نہ بڑھنے پائے۔ مثلاً ۶۶ + ۲۴ وغیرہ وغیرہ، جمع کے ان قاعدوں کی مشق کے لئے ہم نے دو پارٹیاں بنا کر کھیلنے یا مقابلہ کرنے کو بھی کہا تھا۔ اور پوری تفصیل بتائی تھی جو نومبر کے پرچہ میں بہت صاف اور واضح طور سے درج ہے اور بتایا تھا کہ مثلاً ۴۷ + ۳۹ = ؟ کے جواب میں ۸۶ کی بجائے اگر ۷۶ کہا گیا ہے تو کتنے نمبر دینے چاہئیں اور اگر ۸۵ بتایا گیا ہے تو کتنے نمبر دئے جائیں گے اور اس کی وجہ بھی بتائی تھی کہ بجلی کے بٹن کو دبانے سے جس طرح فوراً بجلی پیدا ہوتی ہے اسی طرح دو رقموں کے جوڑ میں اکائی کے ہندسوں کو سنتے ہی جوڑ کا اکائی کا ہندسہ بالکل صحیح آنا چاہئے اگر وہ غلط ہے تو زیادہ نمبر کٹنے چاہئیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ گنتی اور جمع کے ان قاعدوں کی جو مشق جلائی سے نومبر تک کے پرچوں میں کرائی گئی ہے، اور جن کا خلاصہ ہم نے اوپر بھی درج کر دیا ہے ان پر بچے اچھی طرح حاوی ہو جائیں۔ اگر گنتی اور جمع آگئی تو سمجھئے آدھی ریاضی آگئی لیکن شرط یہی ہے کہ بس جواب فوراً بجلی کے بٹن کی طرح ملنا چاہئے۔ اگر اس میں سوچنے کے لئے کچھ بھی دیر لگی تو معاملہ کچّا سمجھا جائے گا اور مزید مشق کی ضرورت ہوگی۔

جو والدین جلدی کریں یا جو اُستاد ہماری بات کو غلط سمجھیں وہ ہم سے بہت دور ہیں اور ہم دعوے سے کہیں گے کہ وہ غلطی پر ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اسی چیز کی مشق پھر جاری رکھی جائے اور جمع کے قاعدے میں پہلی باتوں کے علاوہ اتنی ترمیم یا اضافہ اور کر دیا جائے کہ جمع کے سوال اس طرح کئے جائیں کہ بتاؤ اگر دہلی سے کرنال ۷۴ میل ہو اور تم صرف سونی پت تک پہنچے ہو جو دہلی سے ۲۸ میل ہے تو بتاؤ ابھی تمہیں کتنے میل اور جانا ہے۔ یعنی ۲۸ میل میں کیا جوڑ دیں کہ ۷۴ ہو جائیں، یا اگر تمہارے ملازم کو ۹۵ روپے تنخواہ ملتی ہے اور تمہارے پاس صرف ۶۷ روپے ہیں تو پوری تنخواہ دینے کے لئے تمہیں اور کتنے روپے کی ضرورت ہے، یعنی ۶۷ اور کتنے ملا کر ۹۵ ہوں گے؟ اُنگلیوں پر نہ گِنا جائے اور نہ ۹۵ میں سے ۶۷ کو گھٹایا جائے بلکہ اس طرح سوچئے کہ ہمیں ۶۷ کی بجائے ۹۵ لانا ہے یعنی ۷ کی جگہ ۵ اور ۶ کی جگہ ۹، اب بتائیے کہ ۷ کے بعد ۵ کا ہندسہ کب آتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ۷ کے بعد ۵ کا ہندسہ ۱۵ میں آتا ہے لہٰذا اب ہم کہتے ہیں کہ ۷ اور کتنے ۱۵؟ بغیر اُنگلیوں پر گنے صرف دماغ سے کام لے کر بتانا چاہیئے کہ ۷ اور ۸ پندرہ ہوتے ہیں گویا ۸ جمع کریں گے، ۶۷ میں ۸ جمع کرنے سے ۷۵ آیا لیکن ہمیں ۹۵ لانا ہے اب اکائی کا ہندسہ تو ۵ آہی گیا۔ صرف دہائی کے ہندسہ کو ۷ کی بجائے ۹ بنانا ہے اور وہ ۲ جمع کرنے سے آئیگا۔ گویا اکائی میں ۸ اور دہائی میں ۲ جمع کرنے سے ۶۷ کی رقم ۹۵ ہو جائے گی۔ اکائی کا ہندسہ اگر ۸ اور دہائی کا ۲ ہو تو ۲۸ کا عدد بنے گا لہٰذا جواب آیا کہ ۶۷ میں ۲۸ جمع کرنے سے ۹۵ ہوں گے۔

اسی طرح پہلی مثال کا جواب معلوم کریں گے کہ ۲۸ اور کتنے ۷۴، ۸ کے بعد ۴ کا ہندسہ ۱۴ میں آتا ہے اور ۸ سے ۱۴ بنانے کے لئے ۶ جوڑنا ہوگا۔ لہٰذا ۲۸ میں ۶ جوڑئے تو ۳۴ آگیا اب ۳۴ کی بجائے ۷۴ لانا ہے لہٰذا دہائی میں ۴ جمع کر دینے سے یہ آجائیگا۔ گویا اکائی میں ۶ اور دہائی میں ۴ یعنی ۲۸ میں ۴۶ جوڑنے سے ۷۴ ہو جائے گا۔

اب جمع کی اور مثالیں لے کر مشق کرائی جائے اس سے گویا ایک طریقہ سے ہم نے نہ صرف جمع کی مشق کرائی بلکہ تفریق یعنی گھٹانے کا عمل بھی سکھایا۔ امید ہے کہ بچے دو پارٹیاں بنا کر اسکی بھی مشق کریں گے اور والدین اور استاد اس میں ان کی مدد کرینگے۔

کہو بچو اس میں کوئی بات مشکل تو نہیں ہے سب سمجھ گئے نا؟

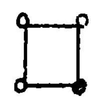
(اب آئندہ)

تفریحی سوالات

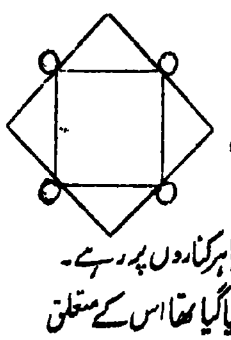
ہمارے سوالات کا جواب کوئی بچہ نہیں دیتا۔ کیا وہ بہت مشکل ہوتے ہیں یا ان چیزوں کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ معموں کی وبا نے ایسے سوالات کی طرف توجہ کم کرا دی ہے بس انعام اور پیسہ کی ہوس میں کسی اور طرف دماغ سے کام ہی نہیں لیا جاتا حالانکہ بچوں کے لئے ان علمی چٹکلوں کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے۔

جولائی کے پرچہ میں تفریحات کے ضمن میں جو پہلا سوال کیا گیا تھا اس کا جواب کسی نے نہیں دیا لیجئے ہم بتاتے ہیں۔

کسان کے پاس ایک مربع قطعہ اراضی ہے جس کے چاروں کونوں پر باہر کے رُخ آب پاشی کے لئے کنوئیں ہموار کھے ہیں اب وہ اپنی اراضی بڑھا کر دوچند کرنا چاہتا ہے لیکن اس طرح کہ کنوئیں باہر ہی کنارے پر رہیں حدود کے اندر نہ آئیں اور زمین کی شکل بھی مربع ہی رہے تو وہ کس طرح زمین کو بڑھائے۔



شروع میں اس کی زمین کی شکل یہ تھی



اب دو چند ہونے کے بعد یہ شکل ہو جائے گی۔

زمین دوچند ہو گئی اور کنوئیں بھی حدود سے باہر کناروں پر رہے۔

اکتوبر کے پرچہ میں ایک سوال درج کیا گیا تھا اس کے متعلق صرف دو جواب موصول ہوئے ہیں۔

(۱) فصیح النساء جامعہ نگر دہلی (۲) ڈاکٹر احمد رضا صاحب مفتی ہومیوڈسپنسری اترولہ ضلع گونڈہ، اس کا جواب ہے چ ا ن د = چاند، مراد پنڈت چاند نرائن چاند سے ہے جن کی تصویر اکتوبر کے سنگم کے ٹائٹل پر چھپی ہے۔

نومبر کے پرچہ میں دو پہیلیاں درج کی گئی تھیں دونوں کا جواب ایک ہی ہے یعنی ترازو۔ پنجابی میں ترازو کو تکڑی کہتے ہیں اس لئے پنجابی بجھارتی (پہیلی) کا جواب پنجابی میں ہی دینا مناسب ہوگا یعنی تکڑی،

جمع کا کھیل

(جمع کے لئے تمام رقمیں لکھنے سے پہلے ہی جواب بتا دینا)

آپ اپنے دوستوں سے کہئے کہ ہم پانچ رقموں کی جمع کا جواب آپ کے پہلی رقم لکھتے ہی بتا سکتے ہیں یعنی ہمیں ایسا جادو آتا ہے کہ آپ جمع کے لئے تین رقمیں سوچ لیجئے خواہ ہر رقم میں کتنے ہی ہندسے ہوں لیکن تعداد سب میں برابر ہو اور دو رقمیں ہم لکھیں گے۔ ان پانچوں کے مجموعہ کا جواب ہم آپ کو اسی وقت بتا دیں گے جب آپ پہلی رقم ہمیں لکھ دینگے۔

اب آپ ان سے کہئے آپ کوئی سی تین رقمیں لکھئے۔ فرض کیجئے کہ انہوں نے پہلی رقم 78,965 لکھی اب آپ ان سے کہیئے لیجئے آپکی بقیہ رقمیں لکھنے سے پہلے ہی میں جواب بتائے دیتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ آپ جو رقمیں بھی لکھیں گے ان کا جواب کیا آئے گا وہ کہیں گے بتاؤ۔ آپ اکائی کے ہندسے میں سے 2 گھٹا دیجئے اور اس 2 کو بائیں طرف 7 کے ساتھ لکھ دیجئے یعنی 278,963 جواب آگیا۔

اب ان سے کہئے کہ بقیہ دو رقمیں لکھ دیجئے۔ فرض کیجئے کہ اُن کی تینوں رقمیں حسب ذیل ہیں۔

78,965	آپ دوسری اور تیسری رقم کے نیچ میں اپنی طرف
98,647	
54,081	سے ایک رقم ایسی لکھ دیجئے کہ اوپر کی یعنی

دوسری رقم کا ہر ہندسہ آپ کی رقم کے ہندسے سے مل کر 9،9 ہو جائے گویا آپ کی رقم 1,352 ہوگی اسی طرح تیسری رقم کے نیچے ایک ایسی رقم لکھ دیجئے کہ تیسری رقم کے اور آپ کی رقم کے ہندسے مل کر نو نو ہی ہوں گویا آپ کی رقم 45,918 ہوگی۔ اب گویا پانچ رقمیں جنھیں جمع کرنا ہے حسب ذیل ہو گئیں۔

78,965	اور ان کا جواب جمع کے بعد وہی آیا جو آپنے
98,647	
1,352	شروع میں اپنے جادو کے زور سے بتا دیا تھا،
54,081	
45,918	اس سوال میں اس بات کا خیال رکھئے کہ
278,963	

(۱) آپکے دوست کو ہرگز یہ معلوم نہ ہو کہ آپ کچھ جمع کر رہے ہیں۔ اس شک کو رفع کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی رقم کے ہندسے آگے پیچھے کر کے لکھیں یعنی پہلے دہائی کے خانہ کا لکھ دیا پھر ہزار کے خانہ کا لکھ دیا پھر اکائی کے خانہ کا پھر سینکڑہ کے خانہ کا پھر کسی اور خانہ کا۔ اس سے پتہ نہیں چلے گا کہ آپ کیا کر رہے ہیں (۲) یہ اچھی طرح دیکھ لیجئے کہ آپ کی رقم کا ہر ہندسہ اوپر کی رقم کے ہندسے سے مل کر ۹ ہی ہوتا ہے یا نہیں اور (۳) یہ بھی دیکھ لیجئے کہ تینوں رقموں کے ہندسے (جو آپ کے دوست نے لکھی ہیں) تعداد میں پورے ہیں یا نہیں۔ ہندسوں کی تعداد ہر رقم میں برابر ہونی چاہیئے۔ (اگر برابر نہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے اسکو پھر بتائینگے)

بچّوں کا اپنا صفحہ

انعامی مقابلے

جولائی اور اگست و ستمبر کے پرچوں میں کہانی کے جن مقابلوں کا اعلان کیا گیا تھا ان کے متعلق ہم اکتوبر کے پرچہ میں جج صاحب کی رائے اور فیصلہ سے مطلع کر چکے ہیں اور ان میں سے دو کہانیاں بھی اسی پرچہ میں درج کر چکے ہیں اب ۱۷ دسمبر ۸۵ء کو کلکتہ سے ظہیر الدین احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ میری کہانی "مسکراہٹ" بھی درج کر دیجئے چنانچہ ہم اس خط کے ساتھ جو ۲۲ اگست کو انہوں نے کہانی کے ساتھ بھیجا تھا اسے درج کرتے ہیں۔

"جناب ایڈیٹر صاحب! آداب عرض ہے، انعامی کہانی کا مقابلہ واقعی میں بہت اچھی چیز ہے۔ آج کل کے معمہ سے کہیں بہتر ہے۔ آپنے میرے نام ماہ جولائی کا پرچہ "سنگم" بھیجا اس کا شکریہ۔ میں انعامی کہانی "مسکراہٹ" بھیج رہا ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی بتا رہا ہوں کہ وہ بھی اس میں حصّہ لیں کیونکہ آپ جس طرح ہم لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں اسی طرح ہم کو بھی چاہیئے کہ آپ کی مدد کریں۔

براہ کرم مجھے مطلع کرنا کہ میری کہانی دستور کے مطابق ہے یا معیار کے مطابق نہیں ہے تاکہ میں جان سکوں کہ اس مقابلہ میں کس طرح حصّہ لیا جائے۔

والسلام۔ نیازمند ظہیر الدین احمد

مُسکراہٹ

(ظہیر الدین احمد صاحب کلکتہ)

ڈِک ڈیڈ لیٹر آفس (Dead Letter office) میں کام کرتا تھا۔ ڈیڈ لیٹر آفس انگریزی لفظ ہے اس کے معنی ہیں "مردہ خطوط کا دفتر"۔ یہاں ان سب خطوں کو جمع کیا جاتا ہے جس میں ٹھکانہ (پتہ) صحیح نہ لکھا ہوا اور اگر ٹھیک بھی ہو تو صاف نہ لکھا ہو۔ اس قسم کے گمنام خطوط اسی پوسٹ آفس میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ ڈِک کا یہ کام تھا کہ وہ ان خطوط کو پڑھکر انھیں ٹھیک پتہ پر بھیج دیتا۔

ڈِک نے اس دفتر میں پندرہ سال تک کام کیا اور وہ اپنے کام میں دلچسپی بھی لیتا تھا مگر کچھ دنوں سے وہ بے چین رہنے لگا اس کا کسی کام میں بھی دل نہیں لگتا تھا وہ بدحواس سا رہنے لگا۔ پہلے جو کام ایک گھنٹہ میں ختم کر دیتا تھا اب اسی کام کو ایک دن میں بھی پورا نہیں کر پاتا۔ آخر اس کی بے چینی کی کیا وجہ تھی؟

اس کا ایک جوان لڑکا تھا اس کا نام ڈیوڈ تھا اور ایک چھوٹی لڑکی تھی اسکی عمر بھی کوئی پانچ یا چھ سال کی ہوگی اس کا نام ایلی تھا۔ ڈیوڈ فوج میں داخل ہوگیا! اس کے ماں باپ نے اسے بہت سمجھایا کہ فوج میں داخل ہونے سے لڑنا پڑیگا اور لڑنے سے جان کا خطرہ ہے۔ یہ لڑائی جھگڑا ٹھیک نہیں ہے مگر اس نے نہ مانا اور فوج میں داخل ہو کر میدانِ جنگ میں چلا گیا — وہاں بڑی زور کی لڑائی ہوئی اور ایک روز ڈِک کے پاس ایک تار آیا کہ ڈیوڈ میدانِ جنگ میں لڑتے لڑتے مارا گیا — ڈِک کو اپنے لڑکے کے مرجانے کا بہت زیادہ دُکھ ہوا اور اسی دُکھ کو وہ برداشت نہ کر کے پاگل کی طرح رہنے لگا۔ ڈیوڈ کی ماں ایک طرف الگ روتی باپ الگ روتا۔ بچاری ایلی چھوٹی تھی وہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ آخر میری امی کیوں رو رہی ہیں اور ابا کیوں رو رہے ہیں۔ دونوں کو غم میں ڈوبا دیکھ کر چھوٹی سی ایلی کو بھی دُکھ ہوتا۔

ایک روز ڈِک پوسٹ آفس میں گمنام خطوط کو پڑھ رہا تھا کہ اسکی نظر سے ایک خط گزرا وہ اسے غور سے پڑھنے لگا. اس خط میں یہ لکھا ہوا تھا.

اے میرے اللہ تجھے میرا سلام

یہ خط میں بہت مشکل سے لکھ رہی ہوں کیونکہ میرے ہاتھ کی لکھائی ٹھیک نہیں ہے. میرا بھیّا بہت دن ہوئے گھر سے چلا گیا ہے اور اب تک واپس نہیں آیا اسے جلد میرے گھر بھیج دو کیونکہ یہاں ابا اور امی روتے روتے بے چین ہو رہے ہیں. رات کو سوتے نہیں صرف روتے ہیں اور دن کو کھاتے نہیں. ہمارے ساتھ بات بھی نہیں کرتے اور کھیلتے بھی نہیں. میں تو سوچ بھی نہیں سکتی کہ پہلے تو ابا اور امی بہت ہنستے تھے اور خوش خوش رہتے تھے مگر اب نہ جانے کیا ہو گیا ہے. میں تم سے دعا کرتی ہوں کہ میرے ابا کو اور امی کو ایک بار پھر ہنسا دو.

مجھے کھلونا نہیں چاہیئے! اچھا اچھا کپڑا نہیں چاہیئے. مجھے مٹھائی نہیں چاہیئے. مجھے تو اپنا بھیّا چاہیئے اسے جلدی بھیج دو اور اگر نہیں بھیجتے تو اس کا پتہ بتا دو میں خود جاکر ڈھونڈ لونگی.

اچھا میرا سلام

تمہاری ایلی

ڈِک نے اس خط کو اپنی پاکٹ میں رکھ لیا. وہ خط اس کی لڑکی ایلی نے خدا کے نام لکھا تھا. وہ خط پڑھکر ڈِک کا دل بھر آیا اور وہ پوسٹ آفس سے نکل کر سیدھا اپنے گھر آیا اور اپنی پیاری ایلی کو گود میں لے کر بہت پیار کیا. بہت دنوں کے بعد ایلی نے اپنے ابا کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ دیکھی تھی. وہ خوش تھی کہ خدا نے اس کی دُعا قبول کر لی. اور اب اس کا بھائی بھی واپس آجائے گا. (ظہیر الدین احمد کلکتہ)

اکتوبر اور نومبر کے انعامی مقابلے

ان پرچوں میں اعلان کیا گیا تھا کہ چوتھی جماعت سے آٹھویں جماعت تک کے بچے ۱۰ دسمبر تک ہمیں لکھ کر بھیجیں کہ "میں نے پچھلے پانچ برس میں سب سے اچھا اور نیک کام کیا" اس کے جواب میں ۲۰ مضمون موصول ہوئے ہیں جنمیں سے ایک رشید احمد متعلم

سب سے اچھا اور نیک کام جو میں نے کیا

گرمی کا موسم تھا. خوب ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی بہت سے لڑکے پتنگ اُڑا رہے تھے میرا بھی جی بے اختیار چاہا کہ پتنگ اُڑاؤں یا ایک دو پیچ کاٹوں. میری خالہ نے بنارس سے ایک بہت عمدہ سی چرخی جس میں ریشم کا مانجھا بھی تھا اور ایک عمدہ سا پتنگ منگا دیا تھا. وہ پتنگ میں باہر لے جاکر اڑانے لگا. تھوڑی ہی دیر اڑایا تھا کہ ایک لڑکا چھوٹا سا جس کی عمر ۶ سال کی تھی. پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا. اتنے میں اس کی ماں بھی آگئی اور پکارنے لگی "بیٹا! گھر چلو نا!" "میں تو گھر نہ جاؤں گا. جب تک کہ یہ چرخی اور پتنگ نہ لے لوں گا تب تک نہیں جاؤں گا." ماں نے بہت سمجھایا. مگر وہ نہ مانا. تو میں نے پوچھا کیوں رو رہا ہے اس پر وہ عورت بہت غمگین ہوئی اور اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا. کھانے کو تو پیسے نہیں ملتے. اتنی عمدہ چرخی اور پتنگ کہاں سے دوں گی. بس اتنا سُننا تھا کہ میں نے چرخی مع مانجھا اور پتنگ کے دیدی. لڑکا تو خوشی کے مارے اُچھل پڑا اور اس کی ماں مجھ کو دُعائیں دیتی اپنے گھر چلی گئی. اور مجھے بھی بہت خوشی ہوئی اور میں نے اپنی والدہ سے جاکر کہا تو وہ بہت خوش ہوئیں. انھوں نے کہا تم نے بہت اچھا کام کیا. کل میں تمھیں پھر اس سے اچھا پتنگ اور چرخی منگادوں گی. شام کو ابا دفتر سے آئے تو میں نے پتنگ والی بات ابا کو بتائی. انھوں نے مجھے شاباشی دی اور کہا کہ بیٹا غریبوں کا دل خوش کرنا بہت اچھا کام ہے. ہمیشہ غریبوں کا دل خوش کیا کرنا. دل کا خوش کرنا گویا حج ہے بیت اللہ کا. اسی طرح سے ایک دفعہ اور میں اسکول جا رہا تھا. راستہ میں ایک جگہ بھیڑ لگی ہوئی تھی. کچھ حجت و تکرار

ہو رہی تھی۔ میں مجمع کو چیرتا ہوا اندر گھس گیا تو معلوم ہوا کہ ہمارے ہی پڑوس کا ایک غریب آدمی ہے۔ جس کے چھوٹے چھوٹے کئی ایک بچے ہیں اور کمانے والا بڈھا باپ ہے اور جس کا لڑکا عبدالرحیم آج کل ہمارے ہاں ملازم ہے اس کو گھیرے ہوئے ہیں اور بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ وہ بے چارہ چپکے سے سب کی باتیں سُن رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا آخر یہ لوگ تم کو کیوں بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ اس نے کہا بیٹا! میں ان لوگوں کا قرضدار ہو گیا ہوں۔ میں نے پوچھا کتنا قرض ہے۔ اس نے کہا کوئی دس روپے ہوتے ہیں۔ بے چارے کی لڑکی کے ہاتھ میں چاندی کی چوڑی تھی اور بیوی کے کانوں میں بالیاں تھیں اور گلے میں ہنسلی تھی۔ ان تینوں چیزوں کی قیمت ملا کر آٹھ روپے ہوتے تھے۔ محض دو روپے کی کمی تھی۔ اتنے خدا کے بندے وہاں تھے لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس غریب کو دو روپے دے کر چھٹکارا کرا دیں۔ میں نے خیال کیا کہ میری جیب میں صرف آٹھ آنے کے پیسے ہیں اور تو میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے صرف سر پر ایک کام دار ٹوپی ہے جو ابھی نئی نئی آئی ہے۔ میں بھاگ کر چوک پر گیا اور ڈیڑھ روپیہ کی بیچ آیا اور وہ آٹھ آنے ملا کر اس غریب کو دیدیئے اس طرح اس غریب کے دس روپے ہو گئے اس نے وہ دیکر معاملہ رفع دفع کرایا۔ اس کے بعد میں اسکول چلا گیا جب چھٹی ہوئی تو میں گھر آیا اور میری ملاقات بھائی جان سے ہوئی جن کا انتقال ابھی حال ہی میں ہوا ہے۔ انھوں نے کہا۔ میاں صاحب زادے! ٹوپی کیا ہوئی؟ میں خاموشی سے اندر چلا گیا۔ انہوں نے گھر میں آکر اماں سے کہا کہ آج اپنے صاحب زادے کی کرامات دیکھئے۔ ٹوپی کی مٹھائی کھا آئے۔ اماں نے کچھ دھیان نہیں دیا وہ سمجھیں کہ یہ تو یوں ہی اس کا مذاق اُڑایا کرتے ہیں۔ اگلے روز ابا کی اور ہماری چھٹی تھی۔ ابا گھر تھے۔ دس بجے وہ آدمی آیا۔ اور ابا سے ساری داستان کہہ سُنائی۔ جب وہ آدمی بات کر کے چلا گیا۔ تو ابا اندر آئے اور اماں کو اور مجھ کو بُلایا۔ اماں سے کہا کہ اپنے بیٹے سے پوچھو اس نے کل ٹوپی کیا کی۔ پھر میں نے ساری داستان کہہ سُنائی۔ میں نے جو بات تھی صاف صاف کہہ دی۔ پھر تو ابا نے مجھے گلے سے لگا لیا اور خوب پیار کیا اور اماں سے کہا۔ کتنا سعادت مند بیٹا ہے۔ اس نے بہت نیک اور اچھا کام کیا ہے۔

رشیق احمد متعلم ثانوی اول
جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر دہلی

اچھی کتابیں پڑھا کیجیے

کاروان و منزل | یہ شری گوپی ناتھ امن وزیر دہلی اسٹیٹ کے قومی اور سیاسی کلام کا نہایت ولولہ انگیز مجموعہ ہے۔ امن صاحب صلح و آشتی کے حقیقی علمبردار شیدائے وطن۔ اردو کے سچے خادم اور ملک کی آزادی کے جانباز سپاہی ہیں۔ اس مجموعہ میں آزادی سے پہلے آزادی کے وقت اور آزادی کے بعد کے حالات پر اس انداز سے دلی جذبات اور قلب کی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ صحیح نقشہ سامنے آجاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ غلامی سے نجات پانے کے لئے کس قدر جد و جہد کی گئی ہے۔ اور آزادی کو قائم رکھنے کیلئے کس چیز کی ضرورت ہے۔ ایک ایک شعر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قیمت اڑھائی روپے۔

کاروان سخن | پنڈت چاند نرائن چاند ڈپٹی کمشنر جالندھر کے بے مثل کلام کا مجموعہ ہے جناب ملک الشعراء جوش ملیح آبادی فرماتے ہیں "چاند پر میں کیا روشنی ڈالوں ان کی ادبی درخشانی اظہر من الشمس ہے" علامہ کیفی صاحب کی رائے ہے "چاند صاحب کم کہتے ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں آنکھ سے دیکھ کر اور دل سے محسوس کر کے کہتے ہیں۔ ...... ان کے ہاں وہ شیرینی ہے جو گلو سوزی کے بغیر روح کو فرحت بخشتی ہے" پیش لفظ میں چاند صاحب خود فرماتے ہیں "میرے دل میں جو جذبات خوابیدہ تھے ان کو شاعر مشرق علامہ اقبال کے مجموعۂ کلام نے بیدار کیا" علامہ اقبال سے جا بجا اظہار عقیدت کیا گیا ہے اور ان سے کلام میں اصلاح لینے پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ علامہ اقبال کی رائے ہے "شاعرانہ طبیعت

مذہبیات

اس ماہ سے ہم نیا عنوان شروع کر رہے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب تک اخلاق کی مستند تعلیم نہ دی جائے اس وقت تک کیرکٹر نہ درست ہو سکتا ہے اور نہ اس میں پختگی آ سکتی ہے۔ صحیح تعلیم تو عملی شکل میں اچھا نمونہ پیش کر کے ہی ہو سکتی ہے لیکن کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے بھی تمثل کے انتظار میں ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاق کی اعلیٰ تعلیم مذہبی پیشواؤں سے سب سے بہتر دی ہے کیونکہ وہ خود اس تعلیم کا عملی نمونہ بھی ہوتے تھے اور ان کا ہر فعل ان کے قول اور ان کی تعلیم کے مطابق ہوتا تھا۔

ہمارے ملک کا نیا آئین جب مرتب ہوا ہے تو کافی عرصہ تک یہ خیال گشت کرتا رہا کہ اب اس ملک سے مذہب ختم ہو گیا اور مذہبی تعلیم بچوں کو نہیں دی جا سکتی کیونکہ اب حکومت سیکولر نظام کے تحت میں ہے، اس لفظ "سیکولر" کی مٹی اس قدر پلید ہوئی کہ خود سیکولرزم کو شرم محسوس ہونے لگی کہ میرا وجود تو اس لئے ہوا تھا کہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ کسی کو اس کے عقیدہ سے باز رکھنے کے لئے جبر نہیں کیا جائیگا جو جس مذہب کے مطابق چلنا چاہے گا اس کی اسے آزادی ہو گی۔ لیکن یہاں تو سرے سے مذہب اور عقیدہ کو ہی ختم کیا جا رہا ہے "پیروی کس کی کی جائے" کا سوال ہی باقی نہیں رہتا لیکن جب دیکھا کہ ہمارے راشٹرپتی جی اپنی تمام رسومات کے ادا کرنے میں کوئی تکلف نہیں فرماتے اور اپنے عقیدہ کے مطابق اپنی ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور نہ صرف پرائیویٹ زندگی میں بلکہ پبلک میں بھی اس کا مظاہرہ کرنے سے نہیں جھجکتے تو پھر ان لوگوں کو بھی خیال آیا جو مذہبی تعلیم کو رخصت کر چکے تھے اور اسے دریا میں بہا چکے تھے، کہ ذرا غور کریں کہ ہم نے جو فیصلہ کیا تھا وہ کس حقیقت پر مبنی تھا لامذہبی۔ بے دینی۔ غیر مذہبی نہ معلوم کیا کیا نام سیکولر اسٹیٹ کے تجویز ہوئے اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ بغیر مذہبی تعلیم کے بچہ کی تعلیم ناقص رہ جائیگی اس لئے بنیادی تعلیم میں دینی تعلیم بھی ضرور شامل ہونی چاہیئے۔ خدا بھلا کرے راشٹرپتی ڈاکٹر راجیندر پرشاد جی کا کہ انہوں نے اپنی عملی مذہبی زندگی کا ثبوت دے کر غلط خیال یا گمراہ شدہ لوگوں کو پھر مذہبی تعلیم کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا۔ ان کے علاوہ دیگر ذمہ دار اکابرین نے بھی وقتاً فوقتاً اپنی تقریروں میں اس کی طرف اشارہ کیا کہ بچہ کے اخلاق و اطوار درست رکھنے کے لئے اسے مذہبی تعلیم ضرور ملنی چاہیئے انہیں بزرگوں کی زندگی کے حالات بتائے جائیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تعلیم دی جائے وغیرہ وغیرہ۔

خدا کا شکر ہے کہ لامذہبیت اور بے دینی کا تصور زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور جو لوگ سمجھتے تھے کہ چلو اس کم بخت مذہب سے نجات مل گئی ان کے قلعے مسمار ہونے شروع ہو گئے اور ملک میں پھر ایک بار اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکامات کو "سننے" کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ سیکولرزم کی مدت "لامذہبیت" اگرچہ بہت تھوڑے عرصہ رہی لیکن اس نے کافی ہل چل پیدا کر دی اور اب جا کر صحیح تصور دماغوں میں بیٹھنے لگا کہ سیکولرزم کے معنی کیا تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اگر ملک کی حکومت سیکولر نہ بھی ہو تو بھی کسی مذہب کے لئے اندیشہ کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے۔ ہمارے لیڈر جدھر چاہتے ہیں پبلک کا کان پکڑ کر گھسیٹ لیتے ہیں۔ غریب پبلک کو لیڈروں کے ہاتھ میں کھیلے جانے کی ایسی عادت ہو گئی ہے کہ نہ اس کا حافظہ درست ہے اور نہ اس میں جرأت باقی ہے۔ کل تک مسلمانوں کی جنت کے محافظ یہ اعلان کرتے کرتے نہیں تھکتے تھے کہ سیاست اسلام کا جزو ہے اور مذہب اور سیاست علیٰحدہ نہیں ہو سکتے لیکن آج کیا حال ہے۔ ہمیں سبق دیا جا رہا ہے کہ مذہب کو سیاست سے علیٰحدہ رکھئے دونوں کو نہ ملائیے۔ اب کس میں ہمت ہے کہ وہ تمام ریکارڈ نکالکر دکھائے

جس کی بنا پر وکیلوں سے وکالتیں، اُستادوں اور طلبہ سے درس گاہیں، سرکاری افسران سے ملازمتیں، ڈاکٹروں سے شفاخانے۔ ڈاک اور تار والوں سے ڈاک خانے۔ ریلوے والوں سے ریلیں۔ غرضکہ ہر وہ چیز جس کا تعلق انگریزی حکومت سے تھا ترک کرائی گئی تھی اور عذر یہی تھا کہ مذہب کا یہی حکم ہے اور سیاست مذہب سے علٰیحدہ نہیں ہے لیکن انگریز کے ساتھ ہی مذہب کا وہ حصّہ جو سیاست پر مشتمل تھا ختم ہو گیا اور انگریز کے ساتھ ہی چلا گیا۔ اب بے چارہ مذہب سیاست کے بغیر ٹنڈ ورا ہی رہ گیا۔ لیکن ہمیں باوجود انتہائی کوشش کے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ سیاست کا وہ کونسا جز وہے جس کی تعلیم مذہب نے نہ دی ہو۔ ہم نے دنیاوی جھگڑوں کی صرف تین چیزیں سُنی اور دیکھی ہیں ایک زر دوسری زمین تیسری زن فرمایئے ان میں سے کس کے متعلق صریح احکام مذہب میں نہیں ہیں۔ کیا حقوق العباد میں یہ تینوں چیزیں نہیں آتیں؟ کیا وراثت کا قانون سیاست نہیں ہے کیا چوری ڈاکے یا عورتوں کا بھگا لے جانا یا زمین پر ناجائز قبضہ کرنا یا غاصبانہ طور سے حملے کرنا سیاسیات سے کوئی علٰیحدہ چیز ہے؟ لیکن نہیں اب سیاست کے کچھ اور معنی ہیں جو لیڈروں کے دماغوں میں ہی محفوظ ہیں اگر آپ الیکشن کا ذکر کریں تو جمہوری نظام کے انتخابات بھی سیاست کا اہم جز ہیں، بہرحال جو لوگ حق بات کہنے سے مصلحتاً ڈرتے ہیں ان کے نزدیک مذہب اور سیاست دو جداگانہ چیزیں ہیں اور یہ اسی قسم کے لوگ ہیں جو سیکولر اسٹیٹ کو بے دین حکومت بتاتے تھے۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسی وجہ ہو، جو ہماری سمجھ میں اب تک نہ آئی ہو تو اگر وہ ہمیں معلوم ہو جائے جس کی بنا پر مذہب اور سیاست علٰیحدہ علٰیحدہ ثابت ہو سکتے ہیں تو ہم علے الاعلان اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے اور اپنے پرچے میں نمایاں طور سے اُسے شائع کریں گے۔ لہٰذا ہم ہر شخص سے جس کی نظر سے یہ سطریں گزریں درخواست کرتے ہیں کہ وہ یا انکے کوئی ساتھی اگر اس موضوع پر ہماری اصلاح فرما سکتے ہوں تو للّٰہ جلدی کیجئے اور ہمیں اپنے خیالات سے ضرور مستفید ہونیکا موقع مرحمت فرمایئے۔

ہم نے اوپر یہ لکھا ہے کہ اگر ملک کی حکومت سیکولر نہ بھی ہو تو بھی کسی مذہب کے لئے کوئی اندیشہ کی وجہ نہیں ہونی چاہیئے ہم نے یہ اس لئے کہا ہے کہ انگلستان کا بادشاہ تخت نشین ہوتے وقت جو عہد کرتا ہے اس میں "ڈیفنڈر آف فیتھ" یعنی محافظ دین کے الفاظ بھی ہوتے ہیں کونسا دین؟ اسلام؟ موسوی؟ سکھ، ہندو۔ پارسی جینی آریہ سماجی؟ نہیں بلکہ عیسائیت اور صرف عیسائیت اور وہ بھی پروٹسٹنٹ خیال کی عیسائیت رومن کیتھولک کی نہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کو خود معلوم ہے کہ انگریزی حکومت میں ہر مذہب والے کو اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہنے کی پوری آزادی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اپنے مذہب کی تبلیغ کی بھی پوری آزادی تھی حالانکہ حکومت سیکولر نہیں تھی بلکہ عیسائی تھی۔ ان کے علاوہ کیا اسلامی ممالک ایران، عراق، افغانستان وغیرہ میں غیر مسلم نہیں ہیں کیا وہ کاروبار نہیں کر رہے لیکن کیا انہیں اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی آزادی نہیں ہے؟ کیا کوئی رکاوٹ ہے؟ کوئی پابندی ہے؟

جب اسلامی ممالک میں ایسی کوئی پابندی غیر مسلموں کے لئے نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندستان میں سیکولر حکومت کی غیر موجودگی میں ہندو اکثریت کے تحت دوسرے مذہب والوں کو آزادی نہ ہو، اگر ایسا ہوا اور آزادی نہ دی گئی تو بین الاقوامی صورت حال کے بہت خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے جسے نظرانداز کرنا سیاسی لحاظ سے بہت بڑی غلطی ہو گی۔

ان تمام قصّوں میں پڑنے کی بجائے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بچّوں کو مذہبی تعلیم دینا ملک اور ملت دونوں کی بہتری کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس مرتبہ ہم نے صرف تمہید کے طور پر مندرجہ بالا سطور قلمبند کی ہیں، آئندہ سے ہم مضامین کا سلسلہ باقاعدہ شروع کریں گے تاکہ ہمارے پرچے کے پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور وہ ہر شخص اور ہر خیال کے لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ (ف۔ ل)

کچھ ہنر سیکھئے

خالص دودھ کی پہچان

دودھ میں پانی کی ملاوٹ معلوم کرنے کا آلہ تو بازار میں بکتا ہے مگر پانی ملانے والے بھی ایسی ترکیب جان گئے ہیں جس سے وہ آلہ بھی کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا ہم آپ کو آسان ترکیب بتاتے ہیں جس سے اس آلہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور دام بھی صرف نہیں ہوتے۔ سرکنڈہ چھیل کر اس کا گودا دودھ میں ڈال دو اور تین چار منٹ کے بعد باہر نکال لو۔ اگر اس میں سے کچھ نہ نکلے تو سمجھو کہ دودھ خالص ہے اور اگر پانی کی بوندیں ٹپکنے لگیں تو سمجھو کہ اس میں پانی کی ملاوٹ ہے۔

کہتے ہیں کہ ہنس کی چونچ میں قدرت نے یہ وصف رکھا ہے کہ اگر پانی ملا دودھ اس کے آگے رکھ دیں تو وہ دودھ پی جاتا ہے اور پانی چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی شکاری اگر ہنس کو پکڑ کر یہ تجربہ کریں تو ہمیں بھی نتیجہ سے مطلع کریں۔

خفیہ خط لکھنے کا طریقہ

اگر آپ کلورائڈ آف کوبالٹ ۳۰ گرین۔ گلیسرین ۱۰ بوند اور پانی ایک اونس (تینوں کو) ملا کر ایک شیشی میں بند رکھیں اور اس سے کوئی تحریر لکھیں تو وہ لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ لیکن آگ کے سامنے رکھنے سے نیلے حروف ظاہر ہوں گے اور آپ لکھا ہوا پڑھ سکیں گے۔ یہ تحریر نمی سے پھر غائب ہو سکتی ہے۔

کاپی لکھنے کا کاغذ رنگنا

آپ جانتے ہیں کہ یہ پرچہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے پتھر پر یا لوہے کی پلیٹ پر چھپتا ہے اس چھپائی کا نام لیتھو کی چھپائی ہے پتھر یا پلیٹ پر یہ الٹا لکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ الٹا لکھا ہوا کہاں سے آتا ہے۔ ہم جو مضمون چھپوانا چاہتے ہیں وہ ایک کاتب کو دیتے ہیں۔ کاتب صاحب اسے خاص قسم کی روشنائی سے پیلے کاغذ پر لکھتے ہیں اور وہ لکھا ہوا کاغذ ایک پلیٹ یا پتھر پر جس پر مصالحہ لگا ہوتا ہے لکھائی والے حصے کی طرف سے چپکا دیتے ہیں جس سے کاغذ پر لکھا ہوا پتھر یا پلیٹ پر اتر آتا ہے اب اس پلیٹ یا پتھر سے تمام کاغذ چھاپتے ہیں

جس پیلے کاغذ پر کاتب صاحب لکھتے ہیں اس کے بنانے کی کئی ترکیبیں ہیں لیکن سب سے سستی اور آسان یہ ہے کہ نشاستہ یا اراروٹ میں زرد رنگ ملا کر نرم لئی پکا لو۔ اور باریک کپڑے میں ڈال کر خوب نچوڑ دو۔ اس کو ہاتھ یا برش سے کاغذ پر پلاستر کی طرح مل دو جو ہموار ہونا ضروری ہے۔ لیجئے کاغذ تیار ہو گیا۔ کاغذ کو خشک کر لو۔ لیجئے کاپی کا کاغذ تیار ہے۔

آپ اگر چاہیں تو ان نسخوں میں سے ہر ایک سے خوب مالی نفع اٹھا سکتے ہیں۔

زہروں کا علاج

بعض اوقات غلطی سے کوئی زہریلی چیز بچے کھا لیتا ہے یا دوائی کی شیشی پر لیبل نہ ہونے سے مالش یا بدن پر لگانے کی دوا بڑے آدمی بھی پینے کی دوا سمجھ کر پی لیتے ہیں جس سے جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ یا موسمی کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض کاٹتے ہیں تو بہت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مکڑی، بچھو، پسّو، کھٹمل۔ بھڑ شہد کی مکھی۔ بچھو، سانپ۔ بلّی۔ کتا۔ گرگٹ۔ لومڑی۔ نیولا وغیرہ وغیرہ کے کاٹنے یا سنکھیا، شنگرف، ہڑتال۔ تمباکو۔ بھنگ۔ دھتورہ۔ پارہ۔ افیون۔ کچلہ وغیرہ کے کھانے سے زہر کا نتیجہ بہت خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان سب کا علاج آپکو "زہروں کا علاج" نامی کتاب میں ملیگا۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ۔

بچھو کے کاٹے کا علاج

۲۸ علاج دیئے گئے ہیں چند ملاحظہ ہوں (۱) ہینگ گندھک اور لہسن پیس کر لیپ کریں (۲) پیاز کے عرق میں ہموزن نوشادر حل کر کے استعمال کریں جادو اثر ہے (۳) کافور کو سرکہ میں ملا کر لگائیں (۴) ہول کا عرق لگائیں (۵) ہول کھلائیں (۶) بدن کے جس حصہ میں بچھو نے کاٹا ہو اس کے دوسری طرف کے کان میں ۵۔۶ قطرے نمک پانی میں گھول کر

تنقید و تبصرے

(بلا فرمائش)

اکبر اور بیربل کے لطیفے | جیسا نام سے ظاہر ہے یہ لطائف ظرائف کی کتاب دراصل حاضر جوابی اور عقلمندی کی باتیں سکھانے میں بے مثل ہے۔ پیام تعلیم کے ایڈیٹر جناب اطہر پرویز صاحب ایم اے نے اسے مرتب کیا ہے۔ پردین بک ڈپو الہ آباد نے شائع کیا ہے۔ ۳۲ صفحات ہیں قیمت صرف چھ آنے لکھائی چھپائی کاغذ سب عمدہ سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی سے منگا لیجئے۔

پطرس کے مضامین | اے ایس بخاری صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور (سابق ڈائرکٹر جنرل براڈ کاسٹنگ) کے نہایت ظریفانہ اور انتہائی دلچسپ مضامین کا مجموعہ مکتبہ معین الادب لاہور کا شائع کردہ۔ اس کی خوبیوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پانچویں بار چھپا ہے۔ اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہا ہے۔ بہت مشکل سے چند نسخے ہمارے ہاتھ لگے ہیں۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے۔ ضخامت ۱۶۰ صفحے۔ قیمت مجلد صرف دو روپے، اس مجموعہ میں گیارہ مضامین ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ کونسا مضمون دوسرے سے اچھا ہے۔ زبان انداز بیان، معلومات غرض کسی چیز کو قابل اعتراض یا ناقص نہیں کہا جا سکتا یہ کتاب کورس میں بھی داخل تھی اور واقعی اس قابل ہے کہ اعلیٰ مضمون نگاری کے لئے اور ظرافت و لطافت کا انداز اختیار کرنے کے لئے اسے مسلسل مطالعے میں رکھا جائے۔ سنگم کتاب گھر سے منگا لیجئے۔ ناپسند ہو تو واپس کر دیجئے۔

شرح دیوان غالب اردو | حصہ اول صرف ردیف الف، جناب فیاض حسین صاحب (جامعی) نے بی اے اور ادیب فاضل کے طلبہ کے لئے دیوان غالب اردو کی شرح لکھ کر بہت بڑی کمی کو پورا کیا ہے فیاض حسین صاحب نسیم نے جے بھارت کالج اور ادارہ شرقیہ دہلی میں کالج کے طلبہ کو اردو اور فارسی کی تعلیم دی ہے اور ان کی مشکلات کا احساس اور اندازہ کرنے کے بعد یہ شرح لکھی ہے۔ جو دوسری شرحوں کے مقابلے میں اس ضرورت اور کمی کو یقیناً پورا کرتی ہے۔ شروع میں مرزا غالب کی زندگی کے حالات نہایت اختصار سے لیکن متعدد عنوانات کے تحت درج کئے گئے ہیں۔ پھر ان کے کلام کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے اس کے بعد شرح شروع ہوتی ہے جس میں اشعار سے پہلے الفاظ کے معنی دئے ہیں پھر اشعار کا مطلب آسان اور دلکش زبان میں تحریر کیا ہے تشبیہات و تلمیحات کو خاص طور سے سمجھایا ہے۔ شرح اپنی خوبیوں میں واحد ہے۔ کتابت طباعت بہت اچھی ہے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ پروف احتیاط سے نہیں پڑھے گئے اور امتحان کے قریب ہونے کی وجہ سے بہت عجلت میں چھاپی گئی ہے ۱۰۶ صفحے۔ قیمت سوا روپیہ (سنگم کتاب گھر سے مل سکتی ہے)

خون مسلم | ۱۹۴۷ء کے پاگل پن اور جنونی کیفیت کے ماحول نے انگریز کی عین خواہش اور منشاء کے مطابق جو خوفناک اور شرمناک صورت اختیار کر لی تھی اس کے متعلق بھارت سے جانے والوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں پر ہی ظلم ہوا۔ اور پاکستان سے آنے والوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے ہی بے دردی سے قتل و غارت پر کمر باندھ لی تھی اور ہندوؤں اور سکھوں کو مار بھگایا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی مطلق خبر نہیں ہے کہ یہاں کیا ہوا اور وہاں کیا ہوا۔ ان واقعات کے متعلق طرح طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور ہولناک مناظر کو قسم قسم کی مثالیں دے کر نمایاں کیا گیا ہے۔ اور ظلم و ستم کی داستانیں مستقل تاریخی حیثیت دینے کے خیال سے لکھی گئی جو ہندوؤں کے قلم سے بھی ہیں اور مسلمانوں کے اداروں کی طرف سے بھی۔

ایک پاکستانی دوست چند روزہ قیام کے لئے جب دہلی آئے تو ان کے پاس ہم نے خون مسلم نام کی کتاب دیکھی۔ ہم نے یہاں بازار میں دوسرے ناشرین سے اس کتاب کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا

کہ حکومت ہند نے جہاں پاکستان کی بعض دوسری مطبوعات کو ممنوع قرار دیا ہے وہاں خونِ مسلم بھی ممنوع ہے۔ ہمیں اس سے اطمینان ہوا کیونکہ اگرچہ اس میں مسلمانوں کے قتل و خون کی داستانیں ہیں لیکن اگر غیر مسلم اسے پڑھیں گے تو بجائے اس کے کہ انھیں ان واقعات سے نفرت یا افسوس ہو ان کے اشتعال کے بڑھنے کا اندیشہ زیادہ قوی ہے۔

اس لئے اس کتاب کا داخلہ ممنوع قرار دینے میں بہت دانشمندی سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن ہم چاہتے تھے کہ پاکستان میں بھی یہ کتاب جس سے دو ملکوں میں نفرت کا جذبہ بڑھتا ہے ممنوع قرار دی جائے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اب جبکہ دونوں ممالک میں صلح و آشتی کی فضا پیدا ہو چلی ہے اس کتاب کے متعلق کچھ لکھیں اور فضا کو خراب کرنے میں کوئی الزام اپنے سر لیں اس لئے اس کتاب کے نفس مضمون اور اصل مقصد کے متعلق ہم نہ کوئی اقتباس پیش کریں گے اور نہ کوئی لفظ لکھیں گے۔ ہمیں جس چیز نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ دوسری چیز ہے،

یہ کتاب پنجاب کے مشہور افسانہ نویس اور ناولسٹ ایم اسلم صاحب کی فکرِ طبع کا نتیجہ ہے اور دار البلاغ لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔

ہمارے دل میں ایم اسلم صاحب کی مسلمہ قابلیت کا پورا احترام ہے اور ہم انھیں چوٹی کے لکھنے والوں میں شمار کرتے ہیں لیکن جو انسان انتہائی جوش میں اس قدر آپے سے باہر ہو جائے کہ اپنی حدود سے تجاوز کرنے کو بھی برا نہ سمجھتا ہو اور بزرگوں کی پگڑیاں اچھالنا اور انھیں مطعون کرنا اپنے ایمان کے ثبوت کے لئے ضروری سمجھتا ہو اس کی قابلیت کو اس کے قومی کردار پر قربان کر دینے سے ہمیں مطلق افسوس نہیں ہوگا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم ان کی قابلیت کو لے کر کیا کریں گے جبکہ ہم دیکھیں گے کہ وہ اپنی قابلیت کے زعم میں اس ہستی پر لے دے کر رہا ہے جو اس سے بدرجہا زیادہ قابل ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں زیادہ عزت دی ہے اور جو دینی اور دنیاوی اعتبار سے اپنی قابلیت کا لوہا تمام ممالک خصوصاً اسلامی ممالک سے منوا چکا ہے۔

کیا پاکستان میں کوئی شخص ایسا نہیں رہا جو اس کتاب کو پڑھ کر ایم اسلم کے سامنے اسے نذر آتش کر دیتا کہ تم نے خونِ مسلم لکھ کر خونِ عالم میں اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔

کیا امن اور صلح و آشتی کے حامی راجہ غضنفر علی خاں صاحب ہائی کمشنر پاکستان مقیم دہلی اس امر کو گوارا کریں گے کہ ان کے ملک کا ایک افسانہ نگار ان کی قوم کے ایک معزز ترین اور قابل ترین رکن کے خلاف جسے دنیائے اسلام امام الہند کے نام سے پکارتی ہے ایسی طرز تحریر اختیار کرے جو اس کتاب میں موجود ہے۔

کاش ایم اسلم صاحب مولانا آزاد کو پاس سے دیکھتے ان سے ملتے ان سے اپنے دل کی بات کہتے اپنے شکوک و شبہات رفع کرتے اپنے قومی جذبات کا اظہار ان پر کرتے اس کے بعد جو صورت ہوتی اس کی بنا پر خونِ مسلم کی بے حسی میں آزاد پر وار کرتے۔

بدر السلام صاحب ڈائرکٹر دار البلاغ نے اس کتاب کو "غیر فانی شاہکار" قرار دیا ہے اور اس کے مقدمہ کو "خصوصیت سے پڑھنے کی چیز" بتایا ہے۔

اس مقدمہ میں جہاں سکھوں ہندوؤں اور انگریزوں کو جی بھر کر برا بھلا کہا گیا ہے وہاں "خصوصیت سے پڑھنے کی چیز" ملاحظہ ہو۔

ہندوؤں کی تنگ نظری، تعصب اور انگریزوں کی ہندو نوازی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہندوؤں کی رام راجیہ کی ہوس مسلمانوں سے انصاف کرنے میں حائل تھی۔ انگلستان سے صلح کے سفیر بھی آئے۔ کانفرنسیں ہوئیں اور ہندوؤں کا دم بھرنے والے مسلمانوں نے جن میں مولانا ابو الکلام آزاد اور خضر حیات ٹوانہ سب سے پیش پیش تھے ہر گام پر مسلمانوں سے غداری کی اور ہر مرحلہ پر مسلمانوں کا کام بگاڑا۔ خضر حیات خاں تو خیر انگریز کا ازلی پرستار تھا لیکن مولانا ابو الکلام آزاد کو جنھیں قرآن اور حدیث کے مفسر ہونے کا دعوےٰ بھی ہے دنیاوی جاہ و عزت کی خاطر

نہ قرآن اور حدیث کا پاس رہا اور نہ مسلمانوں کا۔ مشرقی پنجاب میں، مسلمانوں پر جو قیامت آئی اس کی وجہ سب سے زیادہ خضر حیات کی قومی غداری اور ابوالکلام کی صنم پرستی ہے۔ ؎

"ہوتا ہے جس جگہ مری بربادیوں کا ذکر
تیرا بھی نام لیتی ہے دُنیا کبھی کبھی"

دیکھا آپ نے خونِ مسلم کا سارا الزام "ابوالکلام کی صنم پرستی" پر ہے۔ اسلم صاحب! تیار رہیے عنقریب ایک بڑے منصف کی عدالت میں آپ کو یہ الزام ثابت کرنے کے لئے جواب دہی کرنی پڑے گی۔ خضر حیات تو آپ کے ہم وطن ہیں اور وہاں پر موجود ہیں وہ تو آپ سے خود نبٹ لیں گے ہم ان کی طرف سے کوئی وکالت نہیں کرتے وہ جانیں اور اُن کا کام، ہم تو صرف ایک ایسی ہستی کے متعلق کہنا چاہتے ہیں جس نے آج تک نہایت صبر و استقلال سے ہر تکلیف کا ہر بدزبانی کا ہر بد اعمالی کا نہایت خاموشی سے مقابلہ کیا اور اسے برداشت کیا اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں آنے دیا۔ جس علی گڈھ نے اسے اسٹیشن پر جوتیوں کا ہار پہنایا تھا آج وہی علی گڈھ اسی کی حمیت سے زندہ ہے کبھی اشارتاً بھی آپ نے سُنا کہ کسی گزشتہ واقعہ کی طرف اس نے اشارہ کیا ہو یا طعنہ دیا ہو؟ اس کا تو مذاق ہی بہت اعلٰے اور ظرف نہایت ارفع ہے وہ ایسی رکیک باتیں کرنا ہی نہیں جانتا۔

اب رہا "دُنیادی جاہ و عزت" کا سوال، خدا کی قسم! ہند کی وزارتِ تعلیم کو اس کے وجود سے چار چاند لگ گئے ہیں اس قابلیت کا وزیر کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کا ماہر اور علمبردار، وہ تو اس سے بہت زیادہ بلند مقام کا مستحق ہے اس کی ایک کتاب کا معاوضہ بلکہ ترجمان القرآن کی ایک جلد کے ایک ایڈیشن کا معاوضہ اس سے ہزار گنا زیادہ ناشرین ... ادا کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔ جتنا آپ کی جملہ مطبوعات کا معاوضہ آپ کو مل سکتا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں روپے اور دنیاوی جاہ و جلال کی کیا ضرورت ہے۔ وہ قرآن اور حدیث کا مفسر ہونے کا "دعوے" کرتے ہوئے کبھی نہیں سنے گئے اگرچہ دنیا جانتی ہے کہ واقعی وہ قرآن کو اور حدیث کو اپنے ہمعصر لوگوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور خود اہلِ زبان بھی ان کی علمیت کا لوہا مانتے ہیں۔ محمود اپنے ایاز کی نہ معلوم کیا کیا باتیں برداشت کرتا ہوگا لیکن اس درجہ مقبولیت کے باوجود ایاز نے بھی کبھی ایسی جُرأت نہیں کی ہوگی جو اسلم صاحب آپ نے کی ہے اور ایاز کا درجہ حاصل کرنا بھی کوئی معمولی کھیل نہیں ہے تاہم ہم کہیں گے کہ امام الہند کے مقابلہ میں "قدرِ خود بشناس"۔

یہ ہے خونِ مسلم کا پس منظر، سیاسی اُلجھنوں میں پڑنا اس پرچہ کے مقاصد میں نہیں ہے ورنہ اس کتاب کے مقدمہ میں آنکھ بند کر کے جن "حقائق" پر روشنی ڈالی گئی ہے ان پر ہم بھی کچھ کہہ سکتے تھے۔ اب بھی اتنا اشارہ کئے دیتے ہیں کہ ہندستان کے ان فسادات کا باعث کلکتہ کا "ڈائرکٹ ایکشن ڈے" ہے افسوس ساری کتاب میں تمام رام کہانی بیان کی گئی ہے اور ہر بات کا رونا رویا گیا ہے لیکن اس "معصوم" تحریک "ڈائرکٹ ایکشن ڈے" کا اشارہ تک نہیں ہے، اللہ رحم کرے۔

(ف۔ا)

پارہ عم شمسی چھپ گیا

(ناشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا)

ماہنامہ
سنگم
جامعہ نگر۔ دہلی

نگراں خواجہ حافظ فیاض احمد	فی پرچہ ۳ تین آنے ۳ر	سالانہ چندہ دو روپے ۸ر	ایڈیٹر خواجہ ذکی احمد پانی پتی بی اے جامعہ

پاکستان میں زرِ چندہ بھیجنے کا پتہ:- ٹیکنیکل و کمرشیل بک کمپنی۔ چوک دال گراں ریلوے روڈ لاہور

سال اول ‖ بابتہ ماہ فروری و مارچ ۱۹۵۵ء مطابق جمادی الثانی و رجب ۱۳۷۴ھ پھاگن و چیت سمت ۲۰۱۱-۱۲ بکرم و ۱۳۶۲ ف ‖ شمارہ ہشتم و نہم

فہرست

اس پرچہ میں غیر معمولی تاخیر
کی وجہ
صفحہ ۸ پر ملاحظہ فرمائیے

افسوس اے وطن!

دورِ خزاں نے لوٹ لیا ہے ترا چمن — گل ہیں نہ یاسمن
اب کس طرح کہوں سبھی پھولوں کی انجمن — افسوس اے وطن!
بغض و نفاق و کینہ سے اک حشر ہے بپا — مسموم ہے فضا
تہذیب رو رہی ہے کہ بگڑا بڑا چلن — افسوس اے وطن!
اخلاص و اتحاد کا نام و نشاں نہیں — اس دور میں کہیں
ہے کشمکش میں چاک محبت کا پیرہن — افسوس اے وطن!
گرداب میں بلا کے ہے کشتی حیات کی — اس کائنات کی
رنج و غم و ملال کا دریا ہے موج زن — افسوس اے وطن!
افسردہ ہو کے رہ گیا قلبِ شرر فشاں — وہ جوش اب کہاں؟
جامِ خیال ہی میں نہیں بادۂ کہن — افسوس اے وطن!
تصویر ہے تو یاس کی حرماں نصیب ہے — ملکِ غریب ہے
اپنوں کی ہے نگاہ میں اک لاش بے کفن — افسوس اے وطن!
(تحفۂ درویش)

مسدس علامہ تصیر پانی پتی کے چند بند

چین لینے نہیں دیتا مجھے دردِ پنہاں — شعلہ زن رہتا ہے ہر وقت مرا سوزِ نہاں
نالے سینے میں مرے رگ کی مانند طپاں — آہیں بیکل ہیں کہ ہوں خانۂ دل سے پراں
کثرتِ غم سے نہیں ضبط کا یارا مجھ کو
جز فغاں کچھ نظر آتا نہیں چارا مجھ کو

ہم نے مانا کہ ہے باطل کا تسلط ہر سو — گلشنِ دہر میں ممکن نہیں سچ کی خوشبو
نازمیں بن کے نظر آتا ہے شخصِ بد رو — دل شکن سارے زمانے کے بنے ہیں دلجو
حجرۂ زہد نہیں اصل میں میخانہ ہے
آفتابہ یہ وضو کا نہیں پیمانہ ہے (باقی پھر)

رفتارِ سنگم

جسٹرڈ نمبر ڈی | لیجئے جناب یہ آٹھواں درنواں شمارہ آپکے ہاتھ میں ہے لیکن رجسٹریشن نمبر کا کچھ پتہ نہیں۔ ہماری یاد دہانی کا بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید بابو صاحب کو کچھ پسند ہو گئی ہے یا خفا ہو گئے ہیں خبردہ حوش رہیں۔ اچھا ہے کہ اب نواں مہینہ گزرنے کے بعد ہی رجسٹریشن نمبر ملے۔ ڈاکٹر لوگ آٹھویں مہینہ کو خطرناک بتاتے ہیں اور ہم ذرا توہم پرست واقع ہوئے ہیں اس لئے نہیں چاہتے کہ یہ خطرہ مول لیں۔ ہماری اس خواہش سے بابو صاحب کو بھی مزید مہلت مل جائیگی۔

فروری بھی گذر گیا اور مارچ گذر رہا ہے پرچہ پریس میں جانے کو ہے پریس والے پوچھتے ہیں کہ آپ ہر مہینے ٹائٹل کی پشت پر رجسٹرڈ نمبر ڈی لکھ کر جگہ خالی چھوڑ دیتے ہیں نمبر کیوں نہیں لکھتے؟ فرمائیے کیا جواب دیں؟

ایک صاحب پوچھتے ہیں اچھا! آپ کو بھی نمبر اتنی تکلیف سے ملتا ہے؟ آپ تو پکے کانگریسی ہیں اور خوب کام کر چکے ہیں۔ آپ کی رسائی تو بہت دور دور تک ہے۔ جب آپ کے ساتھ یہ حال ہے تو دوسروں کا تو اللہ ہی مالک ہے۔ ہم نے کہا جناب اللہ تو سب کا مالک ہے ہمارے ساتھ کیا خصوصیت ہے۔ البتہ بیچارے بابو صاحب سوچ سمجھ کر کام کرتے ہیں ابھی ہماری فائل کا نمبر نہیں آیا۔ آجائے گا۔ ہم نے جس قدر زیادہ پوسٹیج پر خرچ کیا ہے وہ سب بابو جی کے کھاتہ میں درج کر رکھا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قدرت کی پکڑ کیسی زبردست ہوتی ہے اور اس سے کئی گنا رقم ان پر کس طرح پڑتی ہے۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

بس اتنی سی خبر ڈائرکٹر پوسٹل سروسز دہلی سرکل کے دفتری انتظام کے متعلق لکھ کر ہم اس بحث سے آگے بڑھتے ہیں۔ دہلی اسٹیٹ کی حکومت میں باہمی جھگڑے تھے وہاں روٹھا رٹھاؤ ہو رہا تھا۔ اس سے وزارت کو نجات ملتی تو جنتا کی طرف متوجہ ہوتی لہٰذا یہ شکایت کس سے کرتے؟

پنڈت پنتھ جی وزیر داخلہ حکومت ہند نے بیچ بچاؤ کی بہت کوشش کی لیکن جب دیکھا کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل سکتا تو کہہ دیا کہ یا تو فوراً صلح و صفائی کر لو ورنہ راشٹرپتی کا راج ہو جائے گا اور یہ اسمبلی وسمبلی سب ختم کر دی جائیگی۔ سنا ہے کہ اس سے سب کو فکر لاحق ہوئی اور اپنے حلوے مانڈے کی خبر منانے کے لئے کچھ کمی بیشی پر سودا ہونے لگا۔ خدا خدا کر کے یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھا اور اس کی کوئی کل تو سیدھی نظر آنے لگی۔

اچھا بابو جی! رجسٹریشن نمبر نہیں دیتے تو نہ دیجئے لیکن ......!

ہمارے مہربان | سنگم کی تعریف میں بہت خطوط آتے ہیں لیکن خریداروں کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر تعریف کے پانچ حرفوں کے ساتھ ایک خریدار بنانے کی بھی اطلاع دی جایا کرے تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی ہمارے ساتھ حقیقی ہمدردی ہے۔ ورنہ ہمیں گمان ہوتا ہے کہ کہیں اس وجہ سے تو تعریف نہیں ہوتی کہ "ہماری رائے ہمارے نام سے پرچہ میں چھپ جائے گی جس سے ہمیں بھی کچھ اہمیت حاصل ہو جائے گی۔" ہمیں تو خود تعریفی کلمات ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں اور ہم اپنے لئے تعریف کی بجائے اس کی خامیوں کی طرف اشارات کو زیادہ مفید سمجھتے ہیں کیونکہ پرچہ میں بہت کمی ہے اور بہت گنجائش ہے اس لئے احباب کو مفید مشورے دینے میں دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ ذیل میں چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:-

دسمبر کی چھٹیوں میں جو موسم سرما کی بیس دن کی ہوتی ہیں جامعہ ملیہ کے استاد جغرافیہ جناب محمد امین صاحب ایم اے، بی، ٹی مدرسہ ثانوی کے چند طلباء کو ہمراہ لے کر تعلیمی سفر پر جنوبی ہند تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے واپس آکر انہوں نے جو روئداد سنائی اس سے یہ معلوم ہو کر بہت اطمینان ہوا کہ میسور اور بنگلور میں بھی

اُردو کے فدائی کافی تعداد میں ہیں اور وہاں کسی قسم کی فرقہ وارانہ فضا بھی نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے جامعہ کے چند سابق طلبہ کے نام یا اُردو دوست اصحاب کے نام رسالہ سنگم بطور نمونہ بھیجا اس کے جواب میں بعض اصحاب نے ذیل کے الفاظ میں نوازا :۔

محمد علی نواز خاں صاحب بنگلور سے محمد امین صاحب کو لکھتے ہیں کہ "سنگم کی دو کاپیاں (اکتوبر و نومبر کی) ملیں۔ میں کم فرصتی کی وجہ سے صرف ایک پڑھ سکا ہوں۔ دوسری دیکھکر اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔ پھر بھی ایک ہی کاپی پڑھ کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ واقعی اُردو ادب میں سنگم نے اپنے لئے راہ نکال لی ہے اور شاید وہ دن دُور نہیں کہ سنگم آگے چل کر اپنا ایک خاص درجہ پیدا کر لے گا چونکہ یہ رسالہ جامعہ جیسے تعلیمی ادارہ والوں سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا ہم لوگوں کی اس سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ دُعا ہے کہ پروردگارِ عالم اس کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی دے آمین۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خط میں اپنا اور اپنے چند دوستوں کے پتے روانہ کروں گا تاکہ ہم لوگ بھی سنگم کے سنگ مل کر اُردو ادب کی خدمت کر سکیں۔"

ایک دوسرا خط ایڈیٹر سنگم کے نام ۳؍ فروری کو تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں "مکرمی ذکی صاحب! السلام علیکم۔ مکرمی امین صاحب کے توسط سے سنگم کے دو پرچے بطور نمونہ ملے۔ میں نے پڑھا اور سنگم کو معیار پر پورا اُترا ہوا پایا۔ لیکن اس میں شاید ابھی اتنی دلکشی پیدا نہیں ہوئی جتنی کہ ہونی چاہیئے۔ مگر ابھی ابتدا ہے اس لئے آئندہ کے لئے امید کرتا ہوں اور امید کیوں نہ کروں جبکہ حافظ فیاض صاحب جیسے بزرگوں اور پھر جامعہ جیسے تعلیمی ادارے والوں سے اس کا تعلق ہو اور ان سب سے بڑھ کر آپ جیسے ادب نواز نوجوانوں کی سرپرستی سنگم کو حاصل ہو۔

ذکی صاحب! متعجب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بندہ بھی کسی زمانہ میں جامعہ کی گود میں کھیل چکا ہے۔ افسوس بدقسمتی کہیئے یا اور کچھ کہیئے کہ ۱۹۴۸ء نے ہمیں جامعہ سے الگ کر دیا ورنہ بہت ممکن تھا کہ آپ کے پہلو بہ پہلو اُردو ادب اور جامعہ کی خدمت کرتا رہتا ..... بہرحال حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ کے نام سنگم بذریعہ دی پی بھیج دیجئے۔ اسکے علاوہ میں اپنے اور دو دوستوں کے پتے روانہ کر رہا ہوں ان دونوں کے نام بھی وی پی کر دیجیے وہ چھڑا لیں گے۔"

(بھائی علی نواز صاحب! آپ نے جن محبّت بھرے الفاظ میں ہمیں نوازا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے لیکن جامعہ والے تو سب ایک خاندان کے افراد ہیں، اس لئے آپ شکریہ سے بالاتر ہیں ہمارا اور آپ کا رشتہ تو اس قدر مضبوط ہے کہ کسی کے توڑے بھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ہمیں خوشی ہے کہ سنگم کے سنگ مل کر آپ ادبی خدمت کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ ہم آپکے مضامین کے منتظر رہیں گے۔ مدرسہ ابتدائی جامعہ میں تو آپ کو مضمون نویسی پر انعام بھی ملے تھے اور اب تو ماشاء اللہ آپکے خیالات کی پرواز بہت بلند ہو گئی ہو گی اب رہا وی پی بھیجنے کا مسئلہ، ہم آپ کو بذریعہ خط بھی مطلع کر چکے ہیں یہاں دوسروں کی عام اطلاع کے لئے لکھتے ہیں کہ ہم وی پی بھیجنا نہیں چاہتے۔ اس وجہ سے نہیں کہ واپس آجانے کا خوف ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم آپ پر اعتبار نہیں کرتے بلکہ اس وجہ سے کہ وی پی بھیجنے میں دو روپے کی بجائے آپ کو ڈھائی روپے دینے پڑتے ہیں۔ تین وی پی بھیجنے میں ڈیڑھ روپیہ زائد جائے گا بلکہ وی پی کمیشن کے چھ آنے بھی دینے پڑیں گے اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ تین خریداروں کا چندہ چھ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیجئے جس پر صرف تین آنہ منی آرڈر کی فیس ادا کرنی ہو گی اور تم ایک روپیہ چودہ آنے کی بجائے صرف تین آنہ صرف ہوں گے ہم نے تو چندہ سالانہ اس وجہ سے کم رکھا ہے کہ ہر شخص آسانی سے خرید سکے اور آپ وی پی کی سوا گنی قیمت ادا کرنی چاہتے ہیں جو مناسب نہیں ہے۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ آپ سنگم کے لئے وقتاً فوقتاً مفید مشورے دیتے رہیں گے اور اسے اتنا ہی دل کش بنانے میں ہماری امداد فرمائیں گے جتنا آپ چاہتے ہیں)

سید اصغر حسن سلمہ | ابن عالی جناب سید عبدالکریم صاحب میسور ۲۸ جنوری کو لکھتے ہیں: "ہمارے ابا کے نام آپکے رسالے سنگم نمبر ۴ و ۵ آئے ہیں۔ ابا بیمار ہیں۔ ابا کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ڈیڑھ سال پہلے حضرت (ڈاکٹر) ذاکر صاحب ہمارے گھر تشریف لائے تھے۔ ہمارے ابا کہتے تھے کہ یہ بہت بڑے آدمی ہیں۔ حضرت (ڈاکٹر) عابد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے بھی ہمارے گھر تشریف لاکر ہم کو نوازا تھا۔ آپکے حضرت اکرام صاحب بہت دن ہوئے ہمارے ابا کے مہمان تھے۔ ہمارے ابا ان کو بہت یاد کرتے رہتے ہیں۔ میں مڈل کے تیسرے درجہ میں پڑھتا ہوں آپکے سنگم رسالے پڑھے مجھے بہت پسند آئے۔ "شطرنج اور اس کا انعام" میں اور میرے میرے بھائی پڑھ کر اشرفیوں کا حساب لگائے ہیں 415 و 30 و 87 و 30،76 و 2397 و 27،55 اشرفی ہوتی ہیں۔

میں آپ کی خدمت میں دو روپے کا پوسٹل آرڈر روانہ کر رہا ہوں مہربانی سے ایک سال کے لئے میرے نام رسالہ جاری کریجئے میں اپنے مدرسہ میں اپنے رسالہ کے لئے خریدار بنانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ کا فرماں بردار خاکسار سید اصغر حسن"

(اصغر صاحب! خدا کرے آپکے ابا اچھے ہو گئے ہوں اللہ ان کو ہم سب کے سر پر قائم رکھے تاکہ ملکی و قومی خدمت میں ان سے بہت بڑا سہارا ملتا رہے آمین۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب اور ڈاکٹر عابد صاحب واقعی بہت بڑے انسان ہیں اور بہت قابل مایہ ناز ہستیاں ہیں۔ عابد صاحب کی بیگم بھی بہت قابل ہیں۔ انہوں نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ آپ بیگم عابد حسین کی کتابیں پڑھئے بہت مزیدار ہیں۔ آپکے ماسٹر محمد اکرام صاحب کئی سال امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی سال جامعہ میں واپس تشریف لے آئے ہیں اُستادوں کے مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں اور اچھے استاد بناتے ہیں۔ آپکو رسالہ سنگم پسند آیا ہمیں بہت خوشی ہوئی یقین ہے کہ آپکے مدرسہ کے ساتھیوں کو بھی پسند آئیگا جو بات آپ کو پسند آگئی ہے وہ اپنے ساتھیوں کو بھی بتا دیجئے۔ آپ کا پوسٹل آرڈر چونکہ کراس تھا اس لئے کیش نہیں ہو سکتا تھا بینک میں جمع کرنے کے لئے بھیجا گیا اور اس ڈاک خانہ کا نام لکھ دیا گیا جو بینک سے ملحق ہے اس کے باوجود بینک نے اپنے قواعد کے مطابق آٹھ آنہ کمیشن کے وضع کئے۔ اسی لئے ہم "سنگم" کے چندہ کے لئے سب سے بہتر منی آرڈر کو سمجھتے ہیں۔ وی پی میں خریدار کا نقصان ہے اور پوسٹل آرڈر یا چیک میں دفتر سنگم کا)

حاجی محمد صالح صاحب | دہلی اور مکہ معظمہ کی مشہور فرم حاجی علی جان کے مالک جناب محترم حاجی محمد صالح صاحب ۱۸ فروری کو ارقام فرماتے ہیں:-

مکرمی جناب حافظ صاحب زاد لطفہٗ نگراں ماہنامہ سنگم: بعد سلام مسنون سنگم کا تحفہ پہنچا۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔ عنایت اور خلوص کا شکر گزار ہوں۔ صفحہ ۳۱ و ۳۲ (رسالہ ماہ دسمبر جنوری) پر ایم اسلم صاحب ناولسٹ کے بہتان عظیم کے جواب میں شریفانہ انداز سے جو مضمون سنگم میں تحریر فرمایا ہے وہ بھلے آدمی کو عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔ خدا کرے ایم اسلم صاحب کے فرضی خیال کی اصلاح ہو جائے۔

اسٹیشن کا کہنہ قصہ جو بعض نادان طلبا سے شیطان لعین نے اخلاق سوز شرارت کرائی تھی اس کے اعادہ کی اس جوابی مضمون میں ابداً ضرورت نہیں تھی، دانشمند اصحاب بیوقوفوں نادانوں کی شرارت بھلا دیا کرتے ہیں اور ہمیشہ نیک حضرات حق تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اصلح لنا شانا کل۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (سورہ القصص آیہ ۵۵)

سنگم یا سنگم جیسے دیگر اچھے رسالوں کی ملک بھر میں بڑی ضرورت ہے مگر موجودہ زمانہ میں تقریباً ۸ سال سے محکمۂ کسٹوڈین وغیرہ وغیرہ نے خلق خدا کی فرصتوں کو عوام و خواص سے چھین لیا ہے اور جو کچھ انسان ان ان گنت جدید محکموں کی ہیرا پھیری اور

دوڑ دھوپ میں بچے ہوئے ہیں ان کو ملک بھر میں سینماؤں کی مخرب الاخلاق عریاں تصویروں نے اپنی لپیٹ و جال میں پوری طرح سے پھنسا لیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، اندریں حالات دل و دماغ میں روشنی و نور پیدا کرنے والی تصانیف کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا ہے۔ بہر حال بذمہ مطالعہ کا وقت نکالے گا انشاء اللہ، عنایت سے سنگم جاری فرمائیے اللھم اھدنا الصراط المستقیم، فقط والسلام مع الاکرام

احقر العباد محمد صالح عفی عنہ

[جناب حاجی صاحب! آپ کے اخلاص اور محبت کا شکریہ آپ کے نیک مشوروں کا مزید شکریہ، اسٹیشن علی گڈھ کا برانا قصہ ہم خود دہرانا مناسب نہیں سمجھتے تھے لیکن صاحب ممدوح کے صبر و تحمل اور اسلامی اخلاق کی تمثیل کے لئے اس کے ذکر کے سوا کچھ چارہ نہ تھا۔ سنگم آپ کی خدمت میں تو حاضر ہوتا ہی رہیگا لیکن ضرورت ہے کہ اس کی افادیت کی طرف اپنے احباب کو بھی متوجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ ف۔ا]

خواجہ احمد فاروقی صاحب ایم اے | ڈپارٹمنٹ آف اردو دہلی یونی ورسٹی ۲۱ر فروری ۱۹۵۵ء کو رقمطراز ہیں:-

مخدوم و مکرم، رسالہ سنگم کے دو پرچے پیش نظر ہیں۔ آپ نے بہت اچھا رسالہ نکالا ہے جس سے ہر چھوٹا بڑا بقدرِ ذوق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کی افادیت میں اضافہ ہو جائیگا اگر آپ اس میں تبصرے کے صفحات بڑھا دیں۔ اس رسالہ کے ذریعے ہمیں ہند و پاک کی جملہ مطبوعات کا علم ہونا چاہیئے اور ان پر ایسے کار آگہانہ (تاجرانہ نہیں) تبصرے ہوں کہ اہل علم ان کے قائل رکھنے پر مجبور ہوں ایک، یا دو صفحے مختلف ادبی انجمنوں اور پبلشروں کی سرگرمیوں کے لئے وقف کر دیجئے جس سے ہمیں اردو اور دوسری زبانوں کی ترقی کی رفتار معلوم ہو سکے۔ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ آپ کوئی خدمت میرے سپرد کریں اور میں اسے بجالاؤں۔ آپ کا خواجہ احمد فاروقی

[محترم خواجہ صاحب! آپ کی ہمت افزائی کا شکریہ ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ ہمیں بے انتہا مسرت ہے کہ آپ جیسے جوہری نے سنگم کو بہت اچھا رسالہ کہا ہے۔ نیز اس امر سے خاص طور پر طمانیت ہے کہ آپ کی رائے میں اس سے ہر چھوٹا بڑا بقدرِ ذوق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ہم نے تو رسالہ اسی مقصد سے نکالا تھا لیکن کوئی اسے بچوں کا رسالہ سمجھتا ہے اور اس میں ہمیں ناکام خیال کرتا ہے۔ کوئی اسے محض بڑوں کا پرچہ سمجھتا ہے اور اس میں بڑوں کی دلچسپی کی باتیں کم پاتا ہے۔ آپ نے جو مشورے دئے ہیں وہ بھی اس پرچہ کا خاص مقصد ہے آپ نے تنقید و تبصرے کے عنوان میں "بلا فرمائش" کے الفاظ بھی دیکھے ہوں گے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے علم میں جو قابل ذکر کتاب آجاتی ہے ہم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھ کر سنگم کے پڑھنے والوں کو اس سے آگاہ کر دیتے ہیں کہ فلاں کتاب کیسی ہے کہاں چھپی ہے کتنے میں ملتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب تک آپ جیسی قابل ہستیاں اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود اس مقصد کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ نہ بٹائیں گی ہم بہترین علمی کتابوں پر اچھے تبصرے پیش نہ کر سکیں گے۔ بڑا ہاں آپ نے تو از راہ کرم خود ہی "کچھ نہ کچھ خدمت" بجالانے کی "پیش کش" فرمائی ہے جس سے امید بندھتی ہے کہ اس خامی کو پورا کرنے میں آپ خاص طور سے ہماری سرپرستی فرمائیں گے۔ ف۔ا]

کپور برادرز | بک سیلرز کرنال ۲۱ر فروری کو لکھتے ہیں:-

محترمی صاحب۔ آداب۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ سنگم جب سے چھپا ہے مجھے صرف دو کاپیاں ملیں حالانکہ گلاوٹی صاحب کہہ گئے تھے اور وہ مجھ سے دو روپے چندہ بھی لے گئے تھے لیکن ہمارے مطلب کی چیز اس میں پڑھنے والی کوئی نہیں ہوتی۔ آپ اس میں اچھے اچھے افسانے۔ کہانیاں نظمیں رکھا کریں

جسے پڑھ کر انسانی طبیعت خوش رہے۔ آپ تو اس میں بچوں کا پروگرام یا کتابوں کی Advertisement کرتے ہیں۔ اگر آپ کا نیا (پرچہ) بھی ایسا ہی آنا ہے تو نہ ارسال کرنا۔ بقایا Amount کی ہم کوئی چیز آپ سے خرید کر لیویں گے۔ خیال رکھیں۔"

[کپور صاحب! آپ کی صاف گوئی کا بہت بہت شکریہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پرچوں کو غور سے نہیں پڑھا صرف مضمونوں کی سرخیاں دیکھ کر ہی پرچہ رکھ دیا۔ ورنہ ایک دو کہانیاں تو اس میں آپ کو اپنے دوست گلاوتی صاحب (کیلاش راہی) کی ہی ملتیں کیا آپ کو وہ بھی ناپسند ہیں؟ پھر آپ نے دسمبر اور جنوری کے پرچے میں غالباً "لالچی کی بڑھیا" نہیں پڑھا۔ اور اگر پڑھا ہے اور اسے پسند نہیں فرمایا تو ہماری درخواست ہے کہ آپ کسی اپنے دوست سے رائے لیجیے کہ "لالچی کی بڑھیا" میں کیا بات ہے۔ اس کو سمجھئے کہ اس میں کس قدر نفاست ہے اور وہ افسانہ کس قدر دلچسپ ہے۔ اور روزمرہ کے واقعات کی کتنی اچھی اور سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ بقایا پیسوں کا مطلق فکر نہ کیجیے۔ ہم پرچہ متواتر پیش کرتے رہیں گے اور آپ کے پورے دو روپے محفوظ رکھیں گے۔ جو چیز آپ کے مطلب کی ہی نہیں نکلی اس کی قیمت ہم نہیں لیں گے۔

روزنامہ الجمعیتہ دہلی نے اپنے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۵ء میں مطبوعات تازہ پر تنقید و تبصرہ کے سلسلہ میں اپنی قیمتی رائے سے حسب ذیل الفاظ میں ہماری عزت افزائی فرمائی ہے:۔

سنگم ماہنامہ ایڈیٹر خواجہ ذکی احمد پانی پتی، نگران حافظ فیاض احمد صاحب صفحات ۴۸ تقطیع کلاں، ٹائٹل بیج خوشنما رنگین، چندہ سالانہ دو روپے

فی پرچہ تین آنے (۳/)

ملنے کا پتہ:۔ دفتر ماہنامہ "سنگم"۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

چونکہ یہ ماہنامہ حافظ فیاض احمد صاحب کی زیر نگرانی نکل رہا ہے اس لئے اس کے حسن و معنویت کے لئے آپ کا نام ہی ایک بہت بڑی ضمانت ہے ہم اسے ایک معنوں میں بڑوں اور بچوں کا معلم سمجھتے ہیں۔ ادب و انشا کے ساتھ اس میں اخلاقی و سماجی نقطۂ نظر کو مقدم رکھا گیا ہے۔ نثر و نظم کا یہ گلدستہ اس قابل ہے کہ پہلے اس کا مطالعہ ہو اور پھر اس کے ریویو پر نظر پڑے۔ اس وقت ہمارے سامنے سنگم کے چار پرچے ہیں جن کی ترتیب پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ہر پرچہ کسی نہ کسی ندرت کا حامل ہے اور ہر دوسرا پرچہ پہلے سے کہیں بہتر مرتب ہوا ہے۔ مثال کے طور پر اگست و ستمبر کے مشترک پرچہ کو لیجیے مضمون پڑھنے سے طبیعت میں شگفتگی اور دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اگر پڑھنے والوں کا مزاج ہی ایسا ہو کہ وہ تصویروں اور لطیفوں کے سوا کچھ نہ دیکھتے ہوں تو پھر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر کسی کو ماہناموں سے صحیح لگاؤ ہے اور وہ نظم و نثر کو پرکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا بھی جانتا ہو تو وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ سنگم کا طرز نگارش عامیانہ نہیں ہے اور وہ ایک ایسا رسالہ ہے جو ہر مذہب اور شریف لڑکی اور لڑکے اور بالغوں کے ہاتھ میں جا سکتا ہے۔ اور ان کی معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے۔

کہانیوں اور افسانوں کا رنگ بھی نکھرا ہوا ہے اور وہ اکثر دلچسپ اور نصیحت آموز ہوتے ہیں۔ بچوں کے صفحات کی ترتیب میں بچوں کی نفسیات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ سنگم میں آسان ہنرمندیاں بھی سکھائی جاتی ہیں جن سے سلیقہ مند اور باذاق لوگ کافی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

[اس تبصرہ کے متعلق ہم ادارہ الجمعیتہ اور نقاد صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس

تعریف کے بعد ندامت کا منہ نہ دکھائے اور ہم اپنے ناظرین کی توقعات اور خواہشات کے مطابق اپنے معیار کو اور بلند کر سکیں۔ اور ملک کی ادبی خدمت صحیح طور سے انجام دے سکیں]

عبدالرحمن صاحب گنائی | بارہ مولا کشمیر ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء کو تحریر فرماتے ہیں:- آج کی ڈاک سے مبلغ ۲ دو روپے بذریعہ منی آرڈر چندہ رسالہ "سنگم" بابتہ ایک سال روانہ خدمت ہے وصول فرما کر ممنون فرمائیں۔ براہ کرم فروری کا پرچہ بھی ڈاک بھیجکر اسی پرچہ سے خریداری کا سلسلہ شروع کردیں۔ باقی میں انشاء اللہ ہر وقت رسالہ سنگم کی توسیع اشاعت میں کوشاں رہوں گا۔ آپ براہ کرم رسالہ کو صرف بچوں تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ اسے خالص ادبی لائنوں پر چلائیں تو امید ہے کہ رسالہ ترقی کرے گا۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ رسالہ سنگم ترقی کرے۔ آمین،

[محترمی! آپ کے مشورہ کا شکریہ۔ آپ نے غالباً "سنگم" کا ایک پرچہ بطور نمونہ منگا کر یہ رائے قائم کی ہے اگر آپ پچھلے سارے نمبر دیکھتے یا آئندہ اب دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ پرچہ اپنی طرز کا بالکل علیحدہ پرچہ ہے اور مضامین کے اعتبار سے جو پروگرام اس نے بنایا ہے اس کی موجودہ حالات میں کس قدر ضرورت ہے۔ خدا کرے آپ کو ہماری رائے سے اتفاق ہو تاکہ ہم توسیع اشاعت کے وعدہ کی ایفا کے لئے درخواست کر سکیں۔ افسوس ہے کہ پرچہ آپ کے خریدار ہوتے ہی کچھ عرصہ کے لئے رک گیا جس سے آپ کو بہت زحمت ہوئی ہوگی۔ انشاء اللہ اس کی تلافی سے آپ بہت جلد مطمئن ہو سکیں گے]

منادی دہلی | نے جنوری ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں "تعارف اور تبصرے" کے زیر عنوان "رسالہ سنگم" پر حسب ذیل الفاظ میں گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے:-

"حضرت خواجہ (حسن نظامی) صاحب نے جب تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تو علی گڈھ کے ایک نوجوان صاحب نے حضرت خواجہ صاحب کی تحریروں پر بڑی آزادی سے تنقید کی حالانکہ وہ دور ایسا تھا کہ اکثر و بیشتر تنقید کی بجائے، یا تو قصیدہ خوانی ہوا کرتی تھی یا ہجو کی جاتی تھی ان نوجوان صاحب کا نام خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب تھا اور پانی پت کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب انھیں "مخلص نکتہ چیں" کہا کرتے تھے۔ اب شاید ناظرین حافظ صاحب کو پہچان گئے ہوں گے۔ کیونکہ ان کا تذکرہ اکثر منادی میں ہوتا تھا۔ انہی کی نگرانی میں ان کے پوتے خواجہ ذکی احمد صاحب نے ایک رسالہ سنگم کے نام سے جاری کیا ہے۔

رسالہ کا سائز ۳۰×۲۰/۸ ہے اور کاغذ عمدہ لگایا گیا ہے ٹائٹل بھی رنگین اور سنگم نام کی رعایت سے نہایت موزوں ہے سنگم کا مقصد میل ملاپ پیدا کرنا اور اردو ادب کی خدمت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب کی کوشش بظاہر یہ ہے کہ رسالے کو بچوں کے لئے بھی اور بڑوں کے لئے برابر کا دلچسپ اور مفید بنایا جائے۔ لیکن اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اگر وہ اس کو محض بچوں کے لئے یا صرف بڑوں کے لئے رکھتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ پھر بھی بحیثیت مجموعی رسالہ بہت دلچسپ اور مفید ہے۔ اور دو روپے سالانہ قیمت نہ ہونے کے برابر ہے"

[جہاں تک پرچہ کے متعلق رائے زنی کی گئی ہے وہاں تک ہم بھی ایک حد تک متفق ہیں لیکن "مخلص نکتہ چیں" اس مشورہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اسے صرف بچوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے یا صرف بڑوں کے لئے رکھا جائے۔

ہم نے پہلے نمبر میں ہی اس کی وضاحت کردی

تھی۔ اگر ناقد صاحب اسے ملاحظہ فرما کر غور فرماتے تو یقیناً وہ ہم سے اختلاف نہ کرتے۔ ہر پرچہ میں ان مقاصد کی اشاعت تو بہت مشکل ہے البتہ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ عملی طور پر اس پرچہ کو مقاصد کے معیار پر لے آئیں۔

غنیمت ہے کہ مضمون میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ہم پانی پت کے رہنے والے ہیں۔ ورنہ ابتدائی سطور میں "علی گڈھ کے ایک نوجوان صاحب نے" کے الفاظ دیکھ کر ہمیں محسوس ہوا کہ ہماری وطنیت علی گڈھ میں منتقل کر دی گئی ہے۔ اگر علی گڈھ کے بعد کالج کا لفظ بڑھا دیا جاتا تو یہ شبہہ پیدا نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو ہم اس پر فخر کرتے کیونکہ علی گڈھ کالج ہماری مادر درس گاہ ہے جس پر ہمیں ہمیشہ ناز رہے گا۔ اور گھر کے ماحول اور خاندانی آداب معاشرت کے علاوہ جو کچھ تھوڑی بہت تہذیب ہمیں نصیب ہوئی ہے وہ سب علی گڈھ کالج کی بدولت ہے اور ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ کسی دوسری درس گاہ میں وہ بات اب تک پیدا نہیں ہوئی جو مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں تھی اور یہ اس کے بانی اور اس کے قابل ترین رفیقوں کی نیک نیتی کا نتیجہ کہی جا سکتی ہے۔

اس تبصرہ نے ہمیں پینتالیس سال پہلے کے ماحول میں لا کر کھڑا کر دیا اور خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ سے جو عشق اور دلی عقیدت ہمیں تھی اور اب تک ہے اس کا سماں ایکدم آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس کا ذکر اسی پرچہ میں کسی دوسری مناسب جگہ پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر ہم اپنے دل کی سیمابی کیفیت کس طرح ظاہر کریں یہ مسئلہ بہت تکلیف دہ ہے۔ ف۔ ذ

یہ پرچہ اتنی تاخیر سے کیوں نکل رہا ہے ہم نے یہ پرچہ صرف فروری کا نکالا تھا۔ پرچہ پریس میں بھیجا جا رہا تھا کہ منادی کے ایڈیٹر خواجہ حسن ثانی نظامی نے اپنے دوست خواجہ ذکی احمد ایڈیٹر سنگم کو ٹیلیفون پر متنبہ کیا کہ چونکہ آپکے پرچہ کے پرنٹر و پبلشر امریکہ چلے گئے ہیں اس لئے انہی کے نام سے اگر پرچہ نکالا گیا تو مقدمہ قائم ہو جائے گا اور اُن کی واپسی پر ان سے سخت باز پُرس ہوگی۔ جب تک دوسرے کے نام ڈکلریشن منتقل نہ ہو جائے پرچہ نکالنا جرم ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ حکومت ہند نے امریکہ سے گندم قرض لی تھی اس کے شرائط نامہ میں اس کے سود کی ادائگی کے لئے غالباً ایک دفعہ یہ تھی کہ وہ ہندستان کے لوگوں کو امریکہ میں مختلف ٹکنیکل تعلیم دلانے پر صرف کی جائے گی چنانچہ اسی دفعہ کے تحت بطور قسط اول ہندستان کی یونیورسٹیوں کے ٹرینڈ اور تجربہ کار لائبریرینوں سے امریکہ میں کتب خانوں کے متعلق مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے مرکزی وزارت تعلیم کے ذریعے درخواستیں طلب کی گئی تھیں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مہتمم کتب خانہ حافظ نبی احمد صاحب نے بھی درخواست بھیجی تھی۔ انتخاب کا آخری فیصلہ حکومت امریکہ کے ہاتھ میں تھا چنانچہ واشنگٹن سے حافظ نبی احمد صاحب کا نام بھی منظور ہو کر آ گیا اور وہ مع دیگر گیارہ ساتھیوں کے جن میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے بشیر الدین صاحب اور دہلی یونیورسٹی کے لائبریرین اور اسسٹنٹ لائبریرین دونوں شامل ہیں، ۹ فروری کو ہوائی جہاز سے روانہ ہو کر اار کو واشنگٹن پہنچ گئے۔

چونکہ یہ ٹریننگ صرف پانچ ماہ کیلئے تھی اس لئے حافظ نبی احمد صاحب نے "سنگم" کے پرنٹر و پبلشر بھی ہیں اس مختصر سی عارضی مدت کے لئے ڈکلریشن بدلوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن ان کے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ انکی عدم موجودگی میں انکے نام سے پرچہ نہیں نکل سکتا چنانچہ ڈکلریشن بدلوانے کی درخواست دی گئی اور چونکہ ہر ڈکلریشن کیلئے الف سے لیکر ی تک تمام مراحل ایک ہی طرح طے کرنے پڑتے ہیں اس لئے اسمیں دیر لگی اور اپریل کے آخر میں نیا ڈکلریشن منظور ہوا لہذا اس پرچہ کو مجبوراً دو ماہ کا کرنا پڑا۔ اور اگلا پرچہ بھی مشترک نکالنا ہوگا تاکہ وقت پر اسے لایا جا سکے خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کی ہمدردی کا بہت بہت شکریہ جنہوں نے آنیوالی مصیبت سے خبردار کرکے بہت بڑا احسان کیا امید ہے ہمارے ناظرین ہماری معذرت قبول فرمائینگے۔ (نگران سنگم)

تعلیمی کھیل

از حکیم فیاض حسین نسیم (جامعی)

تعلیمی تاش نے پورے ہندوستان (بشمول پاکستان) میں اس قدر شہرت حاصل کر لی ہے کہ سکول اور کالج کے طلباء کے علاوہ ہر پڑھا لکھا اسے بہت شوق سے کھیلتا ہے۔ اس کے موجد نے بچوں کے لئے بہت سی اچھی کتابیں لکھی ہیں اور "کرنی بھرنی" کے نام سے ایک دلچسپ اخلاقی کھیل نکالا ہے۔ جسے ماہرین تعلیم نے بیحد پسند کیا ہے۔ یہ شخص اب تک تو مالا مال ہو گیا ہوتا۔ لیکن غریب چونکہ سرمایہ دار نہیں ہے اور ملک میں ابھی ہونہار فرزندوں کی حوصلہ افزائی کا جذبہ پیدا نہیں ہوا اس لئے مالی اعتبار سے وہ نہایت قابل رحم بلکہ قابل حیرت حالت میں ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ وقت روکھی سوکھی سے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھر لیتا ہے اور عزت سے دن بسر کر رہا ہے، اور کسی اپنے یا پرائے کا محتاج نہیں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ لیجئے اس خوددار دوست کی زندگی کے حالات سے متعلق کچھ اور تفصیلات زینت بخشیں۔

سرورق سرورق پر اس مرتبہ جس شبیہہ کو آپ دیکھ رہے ہیں وہ انہی صاحب کی ہے، جن کا نام فیاض حسین ہے اور تخلص نسیم ہے لیکن عام طور سے توفان کے نام سے مشہور ہیں۔

وطن یہ یو۔پی کے قدیم اور مشہور قصبہ جلیسر کے رہنے والے ہیں۔ جو ضلع ایٹہ میں ہے۔ ان کے آباؤ اجداد دہلی کے رہنے والے تھے اور شاہی ملازمت میں تھے جو ۱۸۵۷ء کے پرآشوب زمانے میں دلی کی تباہی کو نہ دیکھ سکے، اور نقل مکان کر کے جلیسر چلے آئے اور یہیں بس گئے۔

پیدائش صحیح تاریخ پیدائش تو بقول ان کے ان کے ماں باپ کو معلوم ہوگی۔ وہ تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ۱۹۱۶ء میں جب انہوں نے اردو مڈل کا امتحان پاس کیا تو ان کی عمر سولہ سال کی بتائی جاتی تھی

تعلیم ان کا بیان ہے کہ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں نے اپنے والدین سے کہا کہ میں آگے پڑھنا چاہتا ہوں تو میری بے تابی اور شوق دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور مالی حالات کی وجہ سے انہوں نے مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا اب تم کوئی کام سیکھ لو۔ یہ سن کر مجھے بہت رنج ہوا اور مجھے رات بھر نیند نہیں آئی میرے ساتھی گورنمنٹ ہائی اسکول ایٹہ میں داخل ہو چکے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو میں پڑھوں گا ضرور۔ چنانچہ اگلے روز میں اپنا ضروری سامان لیکر اور والدین کو اطلاع کئے بغیر ایٹہ چلا گیا۔ اور وہاں آٹھویں جماعت میں داخل ہو گیا۔ لیکن کتابوں کے لئے فیس کے لئے اور دیگر اخراجات کے لئے روپیہ کہاں سے آئے یہ فکر مجھے سخت پریشان کئے ہوئے تھی۔

میرا اردو اور ہندی کا خط شروع سے اچھا تھا۔ اس لئے میں سیدھا طور پر پریس کے مالک کے پاس پہنچا اور اپنی کل حالت بیان کر دی انہوں نے مجھے کتابت کا کام دینا شروع کر دیا۔ جس سے مجھے گزارہ کے لائق رقم مل جاتی تھی۔ لیکن یہ بات میں نے کسی پر ظاہر نہ ہونے دی کہ میری گزر کس طرح ہوتی ہے۔ خرچ کا انتظام کرنے کے بعد میں نے والد صاحب کو خط لکھ کر بلایا اور سب حالات بیان کئے۔ فرط محبت اور مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے، انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا اور مطمئن ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہوگا تمہیں خرچ بھیجا کروں گا۔

ہمیں پنڈت نوبت لال بی۔ اے تاریخ پڑھایا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ تاریخ بالکل غلط ہے انگریزوں نے اپنے مقصد کے مطابق واقعات بدل دیے ہیں۔ چنانچہ پہلے وہ صحیح حالات بتلاتے پھر امتحان میں پاس ہونے کی باتیں بتاتے۔ چنانچہ طالبعلمی کے زمانے میں ہی میں انگریزوں کا مخالف ہو گیا تھا۔ جنہوں نے ہماری تاریخ، تہذیب، تمدن وغیرہ ہر چیز بدل ڈالی تھی۔

سیاسی زندگی کچھ عرصہ بعد کانگریس کی تحریک آزادی اور عدم تعاون شروع ہو گئی۔ ایک پوسٹر نظر پڑا جس میں "مہاتما گاندھی کا حکم"، "مولانا عبدالباری کا فتویٰ" اور چند اور موٹی موٹی سرخیاں درج تھیں اور وکیلوں کو وکالت ترک کرنے اور طالب علموں کو اسکول چھوڑنے ملازموں کو سرکاری ملازمتوں سے استعفیٰ دینے وغیرہ کی ہدایات درج تھیں۔

چنانچہ میں نے بھی اسکول چھوڑ دیا اور قومی کاموں میں حصہ لینے لگا جلسوں میں شریک ہوکر پرجوش نظمیں پڑھتا اور تقریریں کرکے عوام کو کانگریس کے پروگرام پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا۔

قومی مدرسہ

سرکاری مدرسوں کو خیرباد کہنے والے طلبا کیلئے ایٹہ میں ایک ہائی اسکول قائم کر دیا گیا جس کا نام تلک نیشنل اسکول رکھا گیا۔ یہ ایک باغ کے اندر خیموں میں جاری کیا گیا تھا۔ قاضی اشتیاق حسین صاحب اور ہلال احمد زبیری اسلامیہ اسکول مارہرہ سے ترک موالات کرکے اس مدرسہ کے اسٹاف میں داخل ہوگئے

ڈرامہ میں حصہ

اسی زمانہ میں قاضی اشتیاق حسین صاحب نے ایک ڈرامہ لکھا جس میں دکھایا گیا کہ ایک لڑکے کو جس کے خیالات قوم پرستانہ تھے۔ اور وہ باغیانہ تقریریں کیا کرتا تھا اس کے والدین نے حکومت کے خوف سے گھر سے نکال دیا۔ اس پر طرح طرح کی مصیبتیں پڑیں لیکن وہ سچائی پر قائم رہا اور آخرکار اس کی جیت ہوئی اور ہندستان آزاد ہوگیا۔

یہ ڈراما کیا تھا۔ ایک طرح سے میری ہی سرگذشت تھی چنانچہ گھر سے نکالے ہوئے لڑکے کا پارٹ ادا کرنے کے لئے مجھے منتخب کیا گیا تمام شہر میں اس ڈرامے کے لئے بڑے بڑے اشتہار لگائے گئے تھے جسے دیکھنے کے لئے بیشمار لوگ آئے اور اتفاق سے حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم بھی جو کسی قومی تقریب سے وہاں آئے ہوئے تھے اس ڈرامہ میں مدعو کئے گئے۔ اور انھوں نے بھی یہ ڈرامہ دیکھا۔ میں تو خود ہی مصیبت زدہ تھا میں نے پارٹ اس طرح ادا کیا کہ نقل اصل بن گئی اور میرے ہر لفظ پر تالیاں پٹیں اور جب میں نے یہ نظم نہایت سوز و گداز سے پڑھی تو مجمع میں خاص قسم کا جوش پھیل گیا تھا

عروجِ کامیابی پر کبھی ہندوستاں ہوگا
رہا صیاد کے ہاتھوں سے اپنا آشیاں ہوگا
شہیدوں کے مزاروں پر جڑیں گے ہر برس میلے
وطن پر مٹنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا
جدا مت ہو مرے پہلو سے اے دردِ وطن ہرگز
نہ جانے بعد مُردن میں کہاں اور تو کہاں ہوگا
کبھی وہ دن بھی آئے گا جب اپنا راج دیکھیں گے
جب اپنی ہی زمیں ہوگی جب اپنا آسماں ہوگا

حکیم صاحب مرحوم نے مجھے بلاکر میری کمر ٹھونکی اور مجھے بہت سی کتابیں انعام میں دیں۔ ڈرامہ اتنا زوردار تھا کہ قاضی اشتیاق حسین صاحب کی ہر جگہ تعریف ہوئی لیکن جیسا کہ عام دستور ہے کہ اسکول کے منتظمین کے باہمی جھگڑوں کا نتیجہ غریب استادوں پر نزلہ گرنے کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ یہ دونو حضرات بھی استعفیٰ دے کر دہلی چلے آئے۔ قاضی اشتیاق حسین صاحب تو "الامان" اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں داخل ہوگئے، اور ہلال احمد صاحب زبیری نے الجمعیۃ میں کام شروع کر دیا۔ لیکن دونوں نے نجی طور سے تعلیم جاری رکھی۔ چنانچہ قاضی اشتیاق حسین صاحب ایم۔ اے کے امتحان میں اول آئے اور سینٹ سٹیفن کالج میں پروفیسر ہوگئے۔ اور ہلال احمد صاحب زبیری نے ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد انصاری اخبار جاری کیا اور ترقی کرتے کرتے میونسپل کمیٹی دہلی کے سینیر وائس پریسیڈنٹ ہوگئے۔

یہ دونوں حضرات اب پاکستان میں ہیں اور اشتیاق حسین صاحب تو وہاں وزیر مہاجرین اور وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں۔

تلک نیشنل اسکول کی بدنظمی کی وجہ سے میں نے سوچا کہ طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی جاؤں۔ کیونکہ میرے خاندان کے دوسرے لوگ بھی طبیب تھے اور عزت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

جامعہ ملیہ میں داخلہ

اس زمانے میں علیگڈھ میں مولانا محمد علی مرحوم نے ایک نیشنل یونیورسٹی قائم کر رکھی تھی جس کی تاسیس ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم و مغفور کے دست مبارک سے کرائی گئی تھی۔ چنانچہ علیگڈھ کالج کے بہت سے طلبا اور اساتذہ کالج چھوڑ کر جو ابھی تک مسلم یونیورسٹی نہیں بنا تھا جامعہ ملیہ میں چلے آئے تھے، اور جامعہ ملیہ کی دھوم تمام ہندوستان (بشمول پاکستان) میں ہو رہی تھی میں نے خیال کیا کہ دلی کے راستے میں ہی تو علیگڈھ پڑتا ہے۔ لاؤ ذرا جامعہ ملیہ بھی دیکھتے چلیں چنانچہ میں علیگڈھ اتر گیا اور جامعہ پہنچا۔ جو اس وقت کرشنا آشرم کی چھوٹی سی کوٹھی اور اس کے احاطہ کے اندر متعدد خیموں میں تھی۔ اس کے علاوہ چند نیاں کوٹھی اور ڈگی کوٹھی میں بھی اس کے طلبا اور اساتذہ رہتے تھے۔ عبدالمجید خواجہ صاحب بار ایٹ لا جو

آج کل جامعہ کے امیر جامعہ یعنی چانسلر ہیں (اس وقت شیخ الجامعہ یعنی وائس چانسلر اور پرنسپل تھے۔ جامعہ ملیہ کے احاطہ میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے میری ملاقات محمود حسین خاں صاحب سے ہوئی جو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔

(محمود حسین خاں صاحب جامعہ سے فارغ ہونے کے بعد جرمنی چلے گئے تھے۔ وہاں سے پالیٹکس میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے تھے اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔ جہاں ریاست ہائے پاکستان اور معاملات کشمیر کے وزیر ہو گئے اور پھر وزیر تعلیم ہو گئے اور آجکل کراچی میں پروفیسر ہیں)

محمود صاحب کی عمر اس وقت پندرہ برس کی تھی اور وہ ثانوی دوم (نویں) جماعت کے طالب علم تھے انھوں نے نہایت محبت اور خلوص سے جامعہ کے تمام شعبے دکھائے اور اتنی تعریف کی کہ میں نے دہلی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔ چنانچہ خواجہ صاحب (شیخ الجامعہ) سے ملا اور اپنی تمام داستان سنا دی انھوں نے نہایت شفقت کے ساتھ میری ہمت بڑھائی، مالی امداد کا وعدہ کیا اور ثانوی چہارم (میٹرک کلاس) میں داخل کر لیا۔ یہ دیکھ کر محمود صاحب نے فرمایا کیوں صاحب! ہم ہی نے تو آپ کو جامعہ میں داخل کرایا اور آپ نے ہمارا ہی ساتھ چھوڑ دیا۔ میں نے کہا ہم ایک ہی جگہ تو رہیں گے۔ اور ہر وقت ملاقات ہوتی رہے گی۔

رسالہ جوہر محمود حسین خاں صاحب اس وقت ایک قلمی پرچہ "جوہر" کے نام سے نکالتے تھے جس کے مدیر اگرچہ محمود صاحب تھے۔ لیکن یہ جامعہ کے طلبائے کالج کا پرچہ تھا جس کے سرگرم رکن ڈاکٹر اشرف تھے جو آجکل بہت بڑے کمیونسٹ لیڈر ہیں اور روس وغیرہ کے دورے کے بعد سے اب ہندوستان میں آکر تعلیمی کام کر رہے ہیں۔ جوہر نہایت سلیقہ سے مرتب کیا جاتا تھا اور جامعہ کا ممتاز پرچہ تھا یہ قلمی پرچہ آج تک جامعہ کالج کے طلباء کے زیر اہتمام نکل رہا ہے اور بہت اہمیت رکھتا ہے (جامعہ کی تعلیم سے میرے خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ جامعہ کے طلباء اور اساتذہ سر سے پاؤں تک سفید شدھ کھدر میں ملبوس ہوتے تھے اور ایک سبز کاہی رنگ کا کھدر کا چغہ پہننا جامعہ سے باہر جاتے وقت نہایت ضروری ہوتا تھا۔ جس سے جامعہ کا طالب علم یا استاد دور سے پہچانا جاتا تھا اور اس کی بہت زیادہ عزت ہوتی تھی۔

لوقان کا اجراء میں شروع سے ہی قدرے ظریف الطبع شوخ اور شگفتہ مزاج واقع ہوا ہوں۔ ہم نے جوہر کے مقابلہ میں ایک مزاحیہ ماہانہ پرچہ "لوقان" کے نام سے جاری کر دیا جس میں طلباء اور اساتذہ کی غلطیوں کا خوب مذاق اڑایا جاتا اور ہندوستان کی سیاست پر بھی بے لاگ تبصرے ہوتے تھے۔ یہ رسالہ جامعہ میں بہت جلد مقبول ہو گیا۔ اور لوگ ڈرنے لگے کہ کہیں ان کا بھی مذاق نہ اڑ جائے۔

اس پرچہ میں ایک مضمون تھا "جوہر کا نزلہ لوقان پر" اور دوسرا مضمون تھا "شیاطین کا اڑتالیسواں جلسہ گومتی کے کنارے" مولانا محمد علی کا تخلص تھا جوہر ان کی نظر اس پرچہ پر پڑی تو چونک کر ایڈیٹوریل پڑھا۔ محمود صاحب کے پرچہ "جوہر" میں "لوقان" کے خلاف کوئی مضمون نکلا تھا "لوقان" میں اس کا جواب مزاحیہ دیا گیا تھا۔ اور لفظ لوقان کی تعریف بیان کی گئی تھی۔ مولانا نے دونوں پرچوں کے مضمون پڑھے۔ مجھے بلایا اور پیٹھ ٹھونک کر کہا یہ لڑکا کسی وقت اچھا ایڈیٹر بنے گا

میٹرک کا نتیجہ مارچ ۱۹۲۴ء میں میٹرک کا امتحان ہوا جامعہ کے ماتحت تمام مدارس سے (جو اس زمانے میں ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے) اور پرائیویٹ طور سے بھی مختلف سکولوں سے طلباء شریک ہوتے تھے جو طلباء شریک امتحان ہوئے تھے اس میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہونے والے غالباً صرف چار طلباء تھے۔ جس میں ایک تو قاضی محمد سعید صاحب (لودھی کٹرہ پٹنہ) کے تھے دوسرے معین الدین صاحب حارث جو آجکل بمبئی کے مشہور سوشلسٹ لیڈر ہیں اور روزنامہ اجمل کے ایڈیٹر اور اجمل پریس کے مالک ہیں، تیسرے کا نام یاد نہیں رہا اور چوتھا میں خود تھا۔

اس نتیجۂ امتحان نے اہل جامعہ کی نظروں میں میری اور بھی وقعت بڑھا دی۔ میں اس وقت اٹھارہ سال کا تھا (ماشاء اللہ)

صوفیانہ عقائد شروع ہی سے مجھے تصوف سے بھی لگاؤ رہا ہے اور میرے عقائد میں تو اتنا غلو تھا کہ

میں تعزیوں اور علم کو دیکھ کر سمجھتا تھا کہ حضرت امام حسین رضؓ ان میں حلول کئے ہوئے ہیں اور میں قریب جا کر کہا کرتا "السلام علیکم یا حضرت امام حسینؓ"۔ صوفیوں کی صحبت میں بھی بہت بیٹھا اور ان کے عارفانہ کلام سے ہمیشہ متأثر ہوا۔

میٹرک کا امتحان پاس کر کے میں نے موجودہ فقرا اور سادھوؤں کی حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے فقیرانہ لباس پہن کر سفر اختیار کیا۔ علیگڈھ سے الہ آباد (ترببنی) پہنچا جہاں تین دریاؤں کے ملنے کا تماشہ دیکھا۔ سادھوؤں سے ملاقات کی، ہندی خوب جانتا تھا۔ جس میں سنسکرت کی آمیزش بھی تھی اس لئے سادھوؤں سے ملاقات نہایت پر لطف رہی۔ الہ آباد سے پٹنہ پہنچا اور اپنے دوست قاضی محمد سعید صاحب سے ملا۔ جنہوں نے نہایت حیرت سے مجھے اس لباس میں دیکھا اور روکنا چاہا۔ لیکن میں فوراً پھلواری شریف پہنچ گیا۔ جہاں جناب شاہ بدرالدین صاحب رحہ سے بیعت ہوا۔ جو اس زمانے میں بڑے پائے کے بزرگ تھے اور جن کی کرامتیں قرب و جوار میں بہت مشہور تھیں، وہاں سے چل کر بدھ گیا کے مندر کی سیر کی اور ایک جگہ رامائن کا پاٹھ کیا۔ وہاں ایک درویش سے بھی ملاقات ہوئی جس کے بہت سے مرید تھے، اس نے میری بڑی آؤ بھگت کی، لیکن وہ بھی کسوٹی پر پورا نہیں اترا بعض دوسرے فقیروں اور سادھوؤں کے کمالات دیکھے اور کچھ اپنے بھی کمالات دکھلائے، لیکن کوئی درویش یا سادھو میری نظر میں نہیں جچا سب کو اہل غرض پایا۔ وہاں سے لکھنؤ آکر شام اودھ کا لطف اٹھایا۔ لکھنؤ کے شیریں خربوزے کھائے امام باڑہ دیکھا وہاں سے چل کر صبح بنارس سے لطف اندوز ہوا۔ گھاٹ اور مندروں کی دل کھول کر سیر کی اور آخر کار دہلی چلا آیا۔ یہاں اینگلو گورنمنٹ اسکول کے میرے پرانے ساتھی محمد اسحاق صاحب ڈاکٹر انصاری صاحب کی ایک عزیزہ زہرا بیگم، (موجودہ بیگم ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری) کو پڑھاتے تھے ان سے ملنے اسی درویشانہ لباس میں عا دریاگنج (کوٹھی ڈاکٹر انصاری صاحب مرحوم) میں آیا۔ جنہوں نے نہایت حیرت سے اس لباس میں مجھے دیکھا اور پھر ہلال احمد صاحب زبیری سے بھی ملا وہ بھی مجھے دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔

جامعہ میں واپسی

دہلی کی سیر کر کے میں علیگڈھ واپس چلا آیا اور گیروا لباس کو اتار کر جس سے میں تنگ آ گیا تھا اپنا پرانا کھدر کا پاجامہ، کھدر کا کرتا، کھدر کی شیروانی اور سبز رنگ کا چشمہ پہن کر میں جامعہ پہنچا اور پری لیمنری کلاس میں داخل ہو گیا۔ مجھے اپنی درویشانہ زندگی خراب معلوم ہو رہی تھی۔ چنانچہ جو جو مجذوبانہ حماقتیں اس سفر میں مجھ سے ظہور میں آئیں ان کا خیال کر کے میں خود ہنستا اور اپنے دوستوں کو سنا کر انہیں ہنساتا۔

عبدالباقی خاں صاحب جو مختلف اخبارات کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور آج کل "پیام وطن" دہلی کے مالک اور ایڈیٹر ہیں میرے کلاس فیلو تھے۔ اندیشہ ہے کہ بورڈنگ ہاؤس کی شرارتوں کا جو واقعہ ان کیساتھ گزرا اگر وہ بیان کر دوں گا تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے اجازت دی تو کسی موقعہ پر اس سے بھی ناظرین "سنگم" کو محظوظ کر سکوں گا۔

پری لیمنری (الف، اے) کا امتحان اگست ۱۹۲۴ء میں ہوا اور میں پاس ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ ایسے حالات رونما ہوئے کہ ایک طرف تو حکیم اجمل خاں مرحوم اور ڈاکٹر انصاری نے جامعہ کو جولائی ۱۹۲۵ء میں قرول باغ دہلی میں منتقل کر لیا۔ جہاں میں بھی اس کے ساتھ ساتھ آیا اور دوسری طرف اسی زمانے میں میرے والدین نے اپنا شوق پورا کرنے کے لئے میری شادی کر دی۔ جس سے ایک دم میری تعلیم رک گئی۔

جامعہ کی ملازمت

دہلی میں جامعہ ملیہ میں مجھے پڑھانے کے لئے کچھ کلاسیں دی گئیں۔ اور ۱۹۲۷ء میں جامعہ کے کتب خانے کا میں اسسٹنٹ لائبریرین (نائب مہتمم کتب خانہ) بنا دیا گیا۔ مہتمم کتب خانہ اس وقت جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی (مرحوم و مغفور) تھے۔ کچھ عرصے کے بعد جامعہ کی طرف سے دہلی صدر بازار میں بارہ ٹوٹی پر شہر کے لڑکوں کے لئے ایک مدرسہ پانچویں جماعت تک کھولا گیا جس کا مجھے ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا اور حافظ فیاض احمد صاحب (آپ کے رسالہ سنگم کے نگراں) اس کے نگراں یا منتظم مقرر ہوئے، اللہ کی عنایت اور فضل و کرم سے بہت جلد اس مدرسہ کی شہرت ہو گئی اور دوسرے مقامی مدرسوں نے اپنے ہاں بھی بہت سی تبدیلیاں جامعہ کی اس شاخ کے پروگرام کے مطابق کریں

اور اس کی ہر اچھی چیز کو اپنانے کی کوشش کی حتیٰ کہ میونسپل کمیٹی دہلی کے انسپکٹر صاحب بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے اور اس کے انتظام سے بہت متأثر و متحیر ہوئے۔

تعلیم کے علاوہ کھیل میں بھی اس سکول نے خاص نام پیدا کیا اس پرائمری مدرسہ کی ہاکی ٹیم اتنی زبردست تھی کہ دہلی کے تمام ہائی سکولوں اور طبیہ کالج اور خود جامعہ کی ہاکی ٹیم سے زوردار مقابلے رہے اور ان میں سے اکثر کو ہم شکست دیتے رہے۔ اس ٹیم کا منتظم میں تھا لیکن جامعہ کے استاد نجاری ماسٹر عبدالحی صاحب جو خوش قسمتی سے شہر میں رہتے تھے اس کے خاص نگراں تھے۔

اس زمانے کے ہمارے مدرسہ کے مشہور کھلاڑیوں میں سراج الدین، ضمیر الدین، محمد اسحاق، معین الدین، ظہور الدین، ریاض الدین خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ہمارا کھیل کا میدان تیس ہزاری تھا۔ جو مدرسہ سے بہت کافی دور تھا۔

ہمارے مدرسہ میں دوسرے وقت میں کلام مجید کی خاص تعلیم ہوتی تھی جس میں بہت سے طلباء حفظ بھی کرتے تھے۔ تعلیم بالغان کے لئے رات کا مدرسہ علیحدہ تھا۔ یوں سمجھئے کہ صبح ۷ بجے سے رات کے ۱۱ بجے تک کسی نہ کسی شکل میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ہماری ہاکی ٹیم میں چار لڑکے حافظ قرآن بھی تھے جو دس دس گیارہ گیارہ برس کی عمر کے تھے۔ چنانچہ روزانہ شام کو کھیلنے کے بعد تیس ہزاری کے میدان میں خوب زور سے اذان ہوتی تھی اور سبزہ پر نہایت خضوع و خشوع سے ٹھاٹھ کے ساتھ نماز پڑھی جاتی جس سے تماشبینوں کو بہت حیرت ہوتی تھی اور جو لوگ حکومت پرست اخبارات میں خوشامد پسند حضرات کے لکھے ہوئے مضامین نیشنلسٹ مسلمانوں خصوصاً جامعہ ملیہ کے خلاف پڑھتے تھے ان کے لئے تردید کا اس سے بہتر ثبوت اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

ہمارے مدرسہ میں علم و ادب کی بھی ایک مجلس تھی جس میں حسب قاعدہ طلباء کو مضمون نویسی اور تقریریں کرنا سکھایا جاتا تھا اس مدرسہ کے ایک طالب علم مختار احمد (مرحوم) نے جامعہ کے میٹرک تک کے طلباء کو تقریری مقابلے میں ہرا کر نقرئی تمغہ حاصل کیا تھا...

(مختار احمد مرحوم جامعہ کے بہترین فرزندوں میں سے تھے صدر بازار کے مدرسہ سے فارغ ہو کر قرول باغ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے تھے اور پہاڑ گنج سے قرول باغ تک دو میل کا فاصلہ روزانہ پیدل طے کر کے آتے جاتے تھے جامعہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد صدر دفتر جامعہ میں اسسٹنٹ رجسٹرار اور بعد میں مدرسہ ثانوی کے استاد مقرر ہو گئے تھے۔

سنہ ۴۷ء کے ہنگامہ میں جامعہ کا ہی کام کر کے گھر پر آ رہے تھے کہ کسی شقی القلب جنونی نے تلوار سے دو ٹکڑے کر کے شہید کر دیا۔ انا للہ..... سنگم)

اسی علمی مجلس کے رکن محمد سعید اور محمد احمد خلف جناب فیروز الدین صاحب جاپان والے تھے جو بہت ذہین تھے اور اب بھی یہ دونوں حضرات کلکتہ میں ماشاء اللہ ایک بہت بڑی فرم کے مالک ہیں۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں بعض واقعات و حالات کی بنا پر مجھے مجبوراً مدرسہ کی خدمات سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے مجھے میری خدمات کے متعلق نہایت عمدہ سرٹیفکٹ مرحمت فرمایا جسے میں نہایت احتیاط سے تبرک کے طور پر رکھتا ہوں

لاہور کو روانگی

لاہور سے حکیم محمد یوسف حسین خاں کی ادارت میں رسالہ "نیرنگ خیال" نکلتا تھا جو مضامین ترتیب، تصاویر وغیرہ کے لحاظ سے ہندوستان کے تمام پرچوں میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ حکیم صاحب سے خط و کتابت شروع کی تو انھوں نے لکھا کہ لاہور سے ایک ہفتہ وار اخبار "تازیانہ" شائع کر رہے ہیں۔ اس میں آ کر کام کرو، میں اپنے دوست محمد عمر صاحب (مالک نیشنل واشنگ فیکٹری) کے ہمراہ لاہور چلا گیا۔ چھ ماہ تک تازیانہ کے حلقۂ ادارت میں شامل رہنے کے بعد دلی کے در و دیوار یاد آنے لگے اور میں پرانی شکلوں کو ترسنے لگا۔ آخر کار سب چھوڑ چھاڑ دلی واپس آ گیا۔ یہاں آ کر میں "بلند شہر گزٹ" کا ایڈیٹر ہو گیا۔ لیکن آٹھ ماہ کام کرنے کے بعد میں نے خود بچوں کا رسالہ نکالنے کی اسکیم مرتب کی۔

رسالہ ہونہار دہلی

چنانچہ بلند شہر گزٹ سے مستعفی ہو کر سنہ ۱۹۳۱ء میں دہلی سے بچوں کا رسالہ "ہونہار" جاری کر دیا۔ اس کے اجراء میں محمد عمر صاحب اور محمد اسحٰق صاحب نے میری بڑی مدد کی، دونوں حضرات آج کل کراچی میں ہیں اور اللہ کے فضل سے نہایت باعزت زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یہ رسالہ بہت جلد مقبول ہوگیا۔ چونکہ طلبا کا بہترین رسالہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے ہندوستان بھر کے محکمہ ہائے تعلیمات میں منظور ہوگیا۔ اسکے متعلق بہت ہمت افزا تبصرے شائع ہوتے رہے۔ لیکن میرے پاس سرمایہ کہاں تھا جو رسالہ جاری رکھتا۔ ایڈیٹر۔ پرنٹر پبلشر، کلرک کاتب۔ چپراسی۔ غرضیکہ سب کچھ میں ہی تھا۔ نو سال تک اسی طرح میں نے رسالہ چلایا۔ آخر کار اقتصادی کمزوری کی وجہ سے اسے بند کرنا پڑا۔

فوجی ملازمت

اکتوبر ۱۹۴۲ء میں کنگس وے کیمپ کے فوجیوں کو اردو ہندی اور رومن کی تعلیم دینے کے لئے میرا تقرر عمل میں آیا جن میں چند انگریز بھی تھے۔ چار سال تک میں نے یہ خدمات انجام دیا اور دہلی کے علاوہ میں جالندھر وغیرہ بھی بھیجا گیا۔

نجی امتحانات

اسی ملازمت کے زمانے میں مجھے کچھ وقت مل گیا لہذا ۱۹۴۲ء میں میں نے منشی فاضل کی تیاری کرکے امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی۔ مختار احمد صاحب مرحوم نے بھی میرے ساتھ امتحان دیا تھا اور وہ بھی درجہ اول میں کامیاب ہوئے تھے۔

مختار احمد صاحب میرے خاص شاگرد، ہمدرد اور رفیق کار تھے۔ اردو، فارسی میں اعلیٰ مذاق رکھتے تھے، انھوں نے ادیب فاضل میٹرک، ایف، اے کے امتحانات بھی فرسٹ ڈویژن میں ہی پاس کئے تھے اور جامعہ میں ملازم ہونے سے پہلے ادارہ شرقیہ میں تعلیم دینے کے لئے ان کو جگہ دی گئی تھی۔

تعلیمی تاش

رسالہ بونہار بند ہوچکا تھا۔ لیکن بونہار کے زمانے میں ہی میں نے تعلیمی تاش تیار کرلیا تھا۔ چونکہ لوگوں کو اس کے متعلق زیادہ علم نہیں تھا۔ اس لئے اس کی فروخت کی رفتار سست تھی۔ مکتبہ جامعہ نے اسے چھپوایا تھا۔ میں نے اس کی طرف خاص طور سے توجہ کی اور تمام اخبارات و رسالوں میں اشتہار دیئے چنانچہ بہت جلد اس کی مانگ بڑھ گئی اور وہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ کھیل ہی کھیل میں لاکھوں کی تعلیم ہوگئی۔ اردو کو بھی ترقی ہوئی طلبا کے علاوہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ وکیل، بیرسٹر، پروفیسر سب کھیلنے لگے۔ مقابلے ہوتے تھے جن میں اکثر جگہ مجھے بلایا جاتا تھا۔

طبی شوق

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے میں گھر سے طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی آرہا تھا کہ راستہ میں علیگڈھ میں جامعہ ملیہ دیکھنے کا خیال آیا اور وہیں ٹھہر گیا۔ یہ شوق میرا پرانا تھا۔ چنانچہ بونہار کے زمانے میں پھر طبی شوق نے کروٹ لی اور میں نے نجی طور سے طب اور ڈاکٹری کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ اور قرولباغ میں ایک دواخانہ بھی قائم کردیا مریضوں کو مفت دوا دیتا تھا۔ وہ خدا کے فضل سے شفایاب ہوجاتے تھے کئی دوائیں میں نے خود بناکر رجسٹرڈ کرالیں۔

۱۹۴۷ء میں قرولباغ میں سب کچھ لٹ گیا اور میں جامع مسجد پر آکر موجودہ مکان میں رہنے لگا۔

کامیاب حکیم

۱۹۵۱ء میں بہ حیثیت حکیم رجسٹرڈ ہونے کی درخواست کی۔ جس کے جواب میں نئی دہلی میں حکومت کی طرف سے ایک امتحان ہوا جس میں میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ اب "نئی زندگی" کے نام سے میرا دواخانہ محلہ کھرٹری تفضل حسین میں موجود ہے جہاں میں باقاعدہ مطب کرتا ہوں۔

کرنی بھرنی

تعلیمی دلچسپیوں سے مجھے ہمیشہ شغف رہا ہے چنانچہ تعلیمی تاش کے علاوہ لوڈو کی قسم کا ایک کھیل، "کرنی بھرنی"، میں نے تیار کیا۔ جس میں ہر بھلائی اور برائی کا بدلہ فوراً ملتا ہے اور یہ نہایت دلچسپ اخلاقی کھیل ہے۔

تصنیف

کھیلوں کے علاوہ بچوں کے لئے میں نے چھوٹی چھوٹی متعدد کتابیں لکھیں مثلاً بچوں کی جادو کی کتاب، لومڑی اور خرگوش کی لڑائی، گلہری بیگم، ہنسیکھ نشکنک (رد وحشتے اکیلی گرافی گائڈ (انگریزی حروف لکھنا سکھانے کے لئے) جادو کی بطخ، کھلونوں کا اعلان جنگ وغیرہ وغیرہ فوری علاج کا چارٹ (جس میں فوری علاج جملہ امراض کے لئے درج ہے) تعلیمی تاش، اردو، ہندی، انگریزی اردو انگریزی۔ یہ سب کتابیں سنگم کتاب گھر کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، لومڑی اور خرگوش کی لڑائی کو تو میونسپل کارپوریشن بمبئی نے اپنے مدارس کے لئے بھی منتخب کیا تھا۔ کچھ عرصے کے لئے مختار مرحوم کے ساتھ مل کر ایک تجارتی اور صنعتی پرچہ "تجارتی دنیا" کے نام سے بھی نکالا تھا۔ جو چھ ماہ کے بعد بند ہوگیا۔ میری دو اور کتابیں بھی ہیں "آسان ہندی" اور "ہندی کے تیس سبق" جو بہت مقبول ہیں

جے بھارت کالج میں پروفیسری

۱۹۵۳ء میں جے بھارت کالج دہلی کے پرنسپل جناب سیٹھی صاحب کو اپنے ایک پروفیسر کے رخصت پر چلے جانے کی وجہ سے ایف اے

اور بی۔اے کے طلباء کو اردو اور فارسی کی قابل اطمینان تعلیم دینے کے لئے ایک عارضی پروفیسر کی ضرورت محسوس ہوئی کسی صاحب نے میرا ذکر کیا۔ چنانچہ انھوں نے مجھے بلا کر یہ خدمت میرے سپرد کی جہاں میں نے دو سال تک ان کے حسب منشا کام کیا اور ان کے پروفیسر کے واپس آنے پر سبکدوشی حاصل کی۔

قومی درسگاہ

ادیب عالم اور ادیب فاضل کا امتحان دینے والوں کے لئے رات کا ایک مدرسہ "قومی درسگاہ" کے نام سے میں نے جاری کر رکھا ہے جس میں میں خود درس دیتا ہوں۔

ادیب فاضل کے امتحان میں دیوان غالب کی ردیف الف منظور ہے چنانچہ اس کی شرح میں نے مرتب کرکے شائع کر دی ہے جسے ناقدین نے طلباء کے لئے بے حد مفید مانا ہے۔

غرض کہ یہ چند اشتغال ہیں جن میں دن رات مصروف رہتا ہوں اور مزدور کی حیثیت سے کام کرتا ہوں جس سے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ مجھے آج تک یہ بھی معلوم نہیں کہ "بنک بیلنس" کیا ہوتا ہے؟

امید ہے کہ میری زندگی کے حالات میں دوسروں کو سوچنے اور غور کرنے کی بہت سی باتیں ملیں گی، مجھے جامعہ ملیہ کی وجہ سے جامعی ہونے پر ہمیشہ سے فخر رہا ہے اور یہی سب سے بڑھ کر میرا بنک بیلنس اور سرمایہ ہے۔

یقین ہے کہ میرے دوسرے جامعی بھائی بھی ایسا ہی خیال کرتے ہوں گے۔

لوقان صاحب کے حالات زندگی

آپ نے تعلیمی تالی کے موجد فیاض حسین صاحب نسیم کے حالات زندگی ملاحظہ فرمائے آپکو بظاہر یہ ضرورت سے زیادہ طویل معلوم ہوئے ہوں گے لیکن یہ صرف ان کی ذاتی حالات نہیں ہیں بلکہ ان میں ہندوستان کی تحریک آزادی کے زمانہ شباب کا ذکر ہے مختلف مقدس مقامات اور تیرتھوں کا حال ہے ایک شائق علم لیکن نادار کی ہمت اور محنت کا سبق آموز تذکرہ ہے بعض ہستیوں کا ذکر ہے جو بعد میں علمی اور سیاسی اعتبار سے ہند اور پاکستان میں خاصی اہمیت کی مالک بنیں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی پر ایک طائرانہ نظر ہے اور بہت سی عجیب باتیں ہیں جن کا پڑھنے سے تعلق ہے اس لئے ہم سفارش کریں گے کہ آپ انھیں پھر غور سے پڑھیے فیاض حسین کا جب قلمی پرچہ لوقان جاری کیا تھا ان کو احباب لوقان کے نام سے پکارنے لگے تھے اب بھی بہت کم لوگوں کو ان کا صحیح نام معلوم ہے عام طور سے لوقان کے نام سے ہی مشہور ہیں

وہ آئیں گھر پہ ہمارے خدا کی قدرت ہے

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے سنگم میں "آہ رفیع بھائی!!" کے تحت ہم نے اپنی دوستی اور تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۱۲ پر ذیل کا ایک پیراگراف درج کیا تھا۔

"کالج (علی گڑھ) میں ہم نے اپنا نام ذرا انگریزی طرز سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت تو بہت سے دوستوں اور پروفیسروں کو معلوم تھا لیکن آجکل صرف دو شخصوں کو معلوم تھا یا ہے جن میں ایک تو مرحوم رفیع رقتدوائی تھے دوسرے غلام محمد صاحب ہیں۔ بھلا کون غلام محمد؟ یہ بھی ایک مدبر اور جوڑ توڑ کا شخص ہے لیکن نہایت شریف النفس اور یار باش انسان ہے۔ زیادہ اتہ پتہ بتایا جائے تو اندیشہ ہے کہ جاسوس نہیں تو مجنوں کی فہرست میں نام نہ لکھ لیا جائے کہ جسم تو یہاں سمجھا جائے اور دل وہاں۔

مرحوم قدوائی کالج میں اسی مخصوص نام سے ہمیشہ پکارتے رہے اور اب دہلی میں جب کبھی ملنے کا اتفاق ہوتا تو اسی نام سے اور اسی ادا اور محبت سے پکارا کئے۔ یہی حال غلام محمد صاحب کا ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے جب کبھی وہ حیدر آباد یا ٹاٹا کے ہاں سے دہلی آتے اور ملنے کا موقع ہوتا تو اسی نام سے پکارتے اور چونکہ ان دونوں حضرات سے ملاقات ہمیشہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی موجودگی میں ہوتی اور یہ حضرات اسی نام سے مخاطب کرتے تو یوں کہئے کہ ان دو کے علاوہ تیسرے محرم راز ڈاکٹر ذاکر صاحب بھی ہیں جنھیں ہماری اس کمزوری اور جدت کا علم ہے۔"

اس نوٹ کے بعد ہمیں غلام محمد صاحب کی یاد بار بار ستاتی رہی کہ دیکھئے اس دوست سے بھی ملنے کا اب موقع ملتا ہے یا نہیں اور آیا حکومت کے نشہ نے ان میں کوئی انقلاب تو پیدا نہیں کر دیا۔ ہمیں کیا یہ معلوم تھا کہ اللہ میاں کو ہماری حسرت پہ اس قدر جلد رحم آجائے گا۔ کہ تین ماہ بعد ہی ہم اپنے دوست کی محبت کا امتحان لے سکیں گے۔ چنانچہ سنیئے

جنوری ۱۹۵۵ء میں اعلان ہوا کہ ہمارے راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب نے یوم جمہوریت (۲۶ جنوری) پر پاکستان کے گورنر جنرل جناب غلام محمد صاحب کو مدعو فرمایا ہے اور انھوں نے دعوت قبول کر لی ہے ہمیں قدرتاً یہ خیال پیدا ہوا کہ گفتگو تو درکنار شکل بھی شاید مشکل سے دیکھنی نصیب ہوگی۔ حالانکہ اگر انھیں کوئی اتنا ہی بتا دے کہ آپ کا مداح اور پرانا دوست بھی اسی دیار میں ابتک موجود ہے تو یقین ہے کہ وہ تمام زنجیریں توڑ کر اور پابندیاں ہٹا کر بھی ہم تک پہونچنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ ان کے پروگرام میں گاندھی سمادھی کے

علاوہ ڈاکٹر انصاری مرحوم کی قبر پر فاتحہ خوانی کا اعلان بھی ہوا۔ ہم فوراً سمجھ گئے کہ جامعہ میں اپنے احباب سے ملنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اسی بہانے ایک پنتھ اور دو کاج کا کام ہو سکے گا۔ حکومت کی طرف سے انتظامی جماعت نے او کھلا پہونچکر کچھ اس طرح فوج اور پولیس کے پہرے کا انتظام کیا کہ وہ سیدھے ڈاکٹر انصاری کی قبر پر جائیں اور وہاں سے واپس چلے جائیں۔ حالانکہ ڈاکٹر انصاری صاحب کے مزار پر پہونچنے کے لئے موٹر کو جامعہ ملیہ کے احاطے کے کسی نہ کسی پھاٹک میں ضرور داخل ہونا ہوگا۔ جامعہ والوں نے اسے بہت نامناسب سمجھا کہ غلام محمد صاحب یہاں آئیں بھی اور ان کے احباب اُن سے محروم رہیں۔ چہ جائیکہ وہ اُن کے ساتھ چلنے کا شرف حاصل فرمائیں۔ چنانچہ کچھ دوڑ دھوپ کے بعد یہ طے ہوا کہ اُن کے خاص ملنے والے بے تکلف دوست اُن سے موٹر میں بیٹھے بیٹھے ہی جب کہ وہ قبر کے پاس فاتحہ کے لئے پہونچیں ملاقات کر سکتے ہیں۔ زیادہ بھیڑ نہ ہو اور فاتحہ کے بعد انھیں روکا نہ جائے۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے۔

۲۵ جنوری کو دوپہر کے وقت اُن کا جہاز کراچی سے دہلی پہونچا دہلی میں جس شاندار طریقہ سے پبلک نے استقبال کیا اس کے ذکر کی مطلق ضرورت نہیں۔ سہ پہر میں وہ گاندھی سمادھی پہنچے اور عقیدت کے پھول چڑھائے۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ او کھلا تشریف لائے اور احاطۂ جامعہ میں اُس پھاٹک سے داخل ہوئے جو ڈاکٹر انصاری مرحوم کے مزار کے قریب ترین ہے۔ جامعہ کے طلبا اور اساتذہ اور ان کے بال بچے اور او کھلا گاؤں کی آبادی اور بہت سے اور لوگ مناسب جگہوں پر نذرِ عقیدت پیش کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور چند مخصوص حضرات کو ڈاکٹر انصاری مرحوم کی قبر کے پاس جہاں موٹر آ کر ٹھہرنے والی تھی استقبال کرنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر معقول انتظامات کے ساتھ موٹریں پہونچیں جن میں سے ایک موٹر ڈاکٹر انصاری مرحوم کے مزار تک پہونچکر رکی۔ راجہ غضنفر علی خاں صاحب ہائی کمشنر پاکستان (برائے ہند) نیچے اتر آئے اندر صرف غلام محمد صاحب بیٹھے رہے۔ انھوں نے نہایت غور سے ادھر اُدھر نظر دوڑانی شروع کی اور فوراً جائزہ لیا کہ کون کون ہیں ہمیں دیکھتے ہی انھوں نے ہاتھ پھیلا دئے اور اسی نام سے مخاطب کیا جس کا ذکر ہم مضمون کے شروع میں کر چکے ہیں ہم نے دروازہ کھول کر فوراً معانقہ کیا۔ ہم اپنے قلب کے تاثرات کا صحیح طور سے اظہار کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک طرف پُرانی محبت کا پُر احترام جوش تھا دوسری طرف اعلیٰ ترین مرتبہ کے باوجود پُرخلوص دل تھا۔ خوب ہی ملے۔ ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ طبیعت دشمناں خراب ہے لیکن اس کا مطلق خیال تک نہیں تھا کہ یہ حالت ہو گئی ہوگی۔ فالج کا اثر اب تک زبان پر باقی تھا۔ مزاج پُرسی کے بعد قدرے تکلیف سے نیچے اُترے۔ ساتھیوں نے سہارا دیا۔ اترتے ہی ہم سے پھر مخاطب ہوئے لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم سمجھ نہ سکے کہ کیا فرماتے ہیں۔ ہم نے جو جواب دیا چونکہ وہ صحیح نہ تھا اس لئے ملٹری افسر نے جو ہمراہ تھے کہا کہ فرماتے ہیں "وہ پُرانے دن اب تک یاد ہیں؟" ہم نے جواب دیا "کیوں نہیں کیا وہ بھی بھلائے جا سکتے ہیں؟ خوشی تو اس امر کی ہے کہ آپ کو بھی اب تک وہ دن یاد ہیں" اس پر مسکرائے۔ دوسرا سوال تھا "کیسے گذر رہی ہے؟" ہمارا جواب تھا "ارے بھئی آپ کی بلا جانے" تیسرا سوال ملک عمر حیات خاں کے متعلق تھا۔ جو علی گڈھ میں ہمارے مشترک دوست تھے۔ کہ جانتے ہو وہ کہاں ہیں؟ ہم نے کہا وہ تو آپ کی طرف سے انڈونیشیا میں مامور تھے ابھی ہم نے فقرہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ فوراً کہا۔ نہیں وہ جرمنی میں ہیں۔ ہم نے کہا جی ہاں صحیح ہے۔ مجھے خیال نہیں رہا تھا۔ اب یاد آیا کہ وہ جرمنی میں ہیں۔ اس کے بعد ایک دو اور باتیں ہوئیں۔ غرض انکی بہت کم بات میری سمجھ میں آتی تھی وہ ملٹری افسر صاحب ہی میری مدد کرتے رہے۔ اس کے بعد ہم لوگ قبر پر پہونچ گئے۔ پہلے جامعہ کے ایک بچے نے انھیں پھولوں کا وہ پنکھے نما گجرا پیش کیا جسے کہ انھوں نے ڈاکٹر انصاری مرحوم کے مزار پر چڑھایا۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھی۔ اس موقع کی متعدد تصاویر لی گئی ہیں۔ جو مختلف زاویوں اور مختلف حالتوں کی ہیں۔ ہماری جامعہ کے پروفیسر قیصر حسین صاحب زیدی نے جو تصاویر لی تھیں ہم نے اُن کا بلاک منوا کر سنگم کے آخری صفحات کو مزین کرنا مناسب سمجھا۔ ملک کے تقریباً تمام اخبارات اور پرچوں میں اس موقعہ کی کسی نہ کسی حالت کی متعدد تصاویر شائع ہو چکی ہیں۔

فاتحہ کے بعد حسب عادت وہی بے تکلف گفتگو شروع کر دی چنانچہ مزار سے روانہ ہوتے وقت کی بھی ایک تصویر دی جا رہی ہے جس میں سب لوگ مسکرا رہے ہیں اور خود غلام محمد صاحب کے چہرہ پر بھی مسکراہٹ ظاہر ہو رہی ہے۔ اگرچہ متانت کے ساتھ ہے۔

اب پروگرام کے مطابق انھیں واپس جانا چاہیئے تھا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ جامعہ میں بہت لوگ اُن کے دیدار کے

سنا تو میں نے طے ہوا کہ موٹر میں بیٹھے بیٹھے ایک چکر تھوڑی دور تک لگایا جائے اور دوسری طرف کے راستہ سے واپس چلا جائے۔ پھر فرمایا کہ چائے بھی ہو سکتی ہے تو راجہ صاحب نے فرمایا حضور آپ چل رہے ہیں وہاں جاکر ٹھیر گئے۔ دفعتاً پاکستان ہائی کمشنر کی قیام گاہ سے مراد تھی یا کسی اور جگہ کا اشارہ تھا۔ مجیب صاحب شیخ الجامعہ نے فرمایا کہ چائے تو یہاں بھی آسکتی ہے۔ راجہ صاحب نے فرمایا کہ دیر ہو جائے گی لیکن غلام محمد صاحب نے فرمایا اجی کیا پلائیں گے یہ تو ویسے ہی (دلی والوں کی طرح) کہہ رہے ہیں۔ مجیب صاحب نے کہا نہیں چائے تو فوراً آسکتی ہے۔ البتہ آپ کے لائق جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہیں ہوگی۔ انھوں نے کہا لائق والق کچھ نہیں آپ جیسی بھی دیں گے میں ویسی ہی پیوں گا۔

اس بے تکلفی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ غلام محمد کس قدر پُر خلوص محبت والا انسان ہے اور گورنر جنرل کے عہدہ پر پہونچ جانے کے بعد بھی انکے تعلقات اور میل ملاپ میں سر مو فرق نہیں آنے دیا چنانچہ فوراً پانچ منٹ کے اندر اندر چائے تیار ہو کر آگئی جسے موٹر میں بیٹھے بیٹھے گورنر جنرل اور ہائی کمشنر صاحب نے نوش فرمایا۔

کاش حکومت کے منتظمین کو علم ہوتا کہ تقسیم ہند نے کیسے کیسے جڑے ہوئے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے جو اب تک ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور تڑپتے رہیں گے اور انہی حالات کو مد نظر رکھ کر جامعہ والوں کی خواہش تھی کہ غلام محمد صاحب کے اس پروگرام میں چند لمحوں کے لئے جامعہ میں چائے نوشی بھی رکھ دی جائے لیکن قلت وقت کا عذر پیش کر کے اس تجویز کو منظور نہیں کیا گیا غلام محمد صاحب کو کیا علم کہ ہم نے چائے پیش کرنی چاہی تھی جو ہمارے اور اُن کے تعلقات سے بے خبر اور بے پروا حضرات کی عنایت سے ملتوی ہو گئی اور ہم ان کے خیال میں ایسے بے مروت نکلے کہ جھوٹ موٹ بھی نہ دریافت کر سکے کہ پیالہ کا وقت ہے ایک پیالہ نوش فرما لیجئے بلکہ خود انہیں ہی اپنی قدیمی دوستی کی بنا پر بے تکلف ہو کر کہنا پڑا کہ یہ کیا پلائیں گے! یہ ہے بڑے پن کی شرافت!!

جب وہ چائے پی چکے تو ثانوی مدرسہ جامعہ کے ایک طالب علم احمد سعید نے موٹر کے پاس کھڑے ہو کر ایک نظم پڑھی جو جامعہ کے استاد مولوی شفیع الدین صاحب نیر نے لکھی تھی

اس موقع پر جو تصاویر لی گئیں ہم ان کا بلاک بھی درج کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس کہ ان میں سے کوئی بھی بر وقت نہیں مل سکی نظم پڑھے جانے کے وقت کا سین دیکھنے کے قابل تھا نظم کا ہر شعر اور ہر شعر کا ایک ایک لفظ محبت بھرے دل کی گہرائیوں تک پہونچتا نظر آتا تھا جس کا اثر گورنر جنرل صاحب کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا رسم و رواج اور حالات کی پابندیوں سے وہ مجبور تھے ورنہ عام حالات میں تو وہ اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکتے اور لکھنے والے کی داد دینے کے علاوہ پڑھنے والے کو سینہ سے لگا لیتے آخر کار نظم نے ان پر اتنا اثر کیا کہ تکلیف کے باوجود وہ موٹر سے اترنے پر مجبور ہوئے اور ایک کرسی جو اسی مطلب کے لئے دوسری موٹر میں ہمراہ تھی بیٹھ کر دس پندرہ منٹ تک بچوں سے خطاب فرمایا جو وہاں جمع تھے اور انھیں ملک و ملت کی خدمت کرنے اور وفاداری سے فرائض انجام دینے اور محنت سے تعلیم حاصل کرنے کی بیش بہا نصائح فرماتے رہے گویا ہماری خواہش کے دوسرے حصہ کی بھی تکمیل انھوں نے خود بخود کر دی یعنی یہ کہ وہ چائے نوش فرماتے اور جامعہ والوں سے ملتے اور بچوں سے خطاب فرماتے غرض گھنٹے بھر میں یہ صحبت ختم ہو گئی اور ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ....

جاتے وقت پھر انھوں نے بہت گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور نہایت حسرت بھری نگاہیں ڈالتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ خداوند کریم انھیں صحت کلی عطا فرمائے اور عرصہ دراز تک زندہ رکھے۔

اس موقعہ پر ہم راجہ غضنفر علی صاحب کا شکریہ خاص طور سے ادا کرنا چاہتے ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے میل ملاپ اور ہند و پاک کے خوشگوار تعلقات پر یہ ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے خدا کرے کہ راجہ صاحب اپنے مشن میں اور دلی مقاصد میں کامیاب ہوں۔ آمین ثم آمین۔

ایک بات اور قابل ذکر رہ گئی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے زندگی میں جامعہ ملیہ پر جو احسانات کئے ہیں ان میں سے سب سے بڑا یہ ہے کہ غیر ممالک خصوصاً ترکی سے مشہور سیاسی ہستیوں کو ہندوستان میں مدعو کر کے جامعہ میں متعدد لکچر دلوائے اور ان کے آنے جانے کا سفر خرچ اور قیام وغیرہ کے جملہ اخراجات جن کی رقم ہزاروں سے بھی تجاوز کرتی ہے۔ خود برداشت کئے اور اب مرنے کے بعد بھی اُن کا یہ فیض جاری ہے۔ چنانچہ غلام محمد صاحب کو فاتحہ خوانی کے لئے کھینچ بلایا جس کا مقصد در اصل جامعہ والوں سے ملاقات کرانا تھا۔ کیا جامعہ والے ڈاکٹر انصاری مرحوم کے احسانات سے سبکدوش ہو سکتے ہیں جنھوں نے مرنے کے بعد بھی جامعہ کی خدمت بدستور جاری رکھی ہمیں امید ہے کہ اس سلسلہ میں اہل جامعہ زندہ قوموں کی روایات کو ملحوظ رکھیں گے جو اپنے محسنوں کے احسانات کو فراموش نہیں کرتیں اور انھیں زندہ رکھتی ہیں۔

اب آخر میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جو نظم اُن کی خدمت میں پیش کی گئی وہ بھی درج کر دی جائے تاکہ غلام محمد صاحب کی تشریف آوری کا یہ باب بھی مکمل ہوجائے اور ناظرین سنگم کی معلومات تشنہ نہ رہیں۔

سلام شوق

ہماری جامعہ میں جب محمد کے غلام آئیں — سلامی کیوں نہ بنکر ہنسکے سب خاص و عام آئیں
تم آئے یا بہار نو سی آئی اپنے گلشن میں — نوید بہشتی کے پھول لائی بھرکے دامن میں
نسیم جانفزا ہر ہر طرف پھرتی ہے اترائی — کلی آتی ہے ہنستی کھیلتی اور ناچتی گاتی
زمین و آسماں تک کیف و مستی کے پیالے ہیں — سنا ہے آپ بھی امن میں ہند کے حامی ہیں
تمہاری دید پر دل کی کلیاں مسکرا اُٹھیں — تمہیں دیکھا تو دل کی حسرتیں بنکر دعا اٹھیں
خدایا ہند و پاکستان دونوں ہی پھلیں پھولیں — یہ دونوں ملک جھولے میں ترقی کے سدا جھولیں
بنے ہر مملکت مقصود اُم سبقت میں — صداقت میں عدالت میں مروت میں اخوت میں
کچھ ایسا درس ہو ہر ملک کی درسگاہوں میں — محبت ہی محبت بس جگہ پائے نگاہوں میں
یہ ہوجائے تو یہ اپنی نئی بیگانگی جائے — ترانے امن کے دوستی کے ایشیا گائے

سلام شوق لیجے ارمن پاکستان کے رہبر
یہی پیغام دیجے اہل پاکستان کو جا کر

(حافظ) نیاض احمد

کیا آپ کو ناول پڑھنے کا شوق ہے؟

— محترمہ صالحہ عابد حسین کا مقبول عام ناول **عذرا** اب دوبارہ سنگم کتاب گھر نے شائع کیا ہے ایک ہی ماہ میں نصف ایڈیشن ختم ہو گیا۔ پانسو صفحات سفید کاغذ خوشنما ٹائٹل اور ڈسٹ کور اس سماجی، اصلاحی، ناول کی خوبیوں کیلئے مصنفہ کا نام ہی کافی ضمانت ہے پاکستان میں امپورٹ لائسنس والوں کو بینک کے ذریعے منگاتے ہیں۔ بھیجا نہ رہے گا قیمت پانچ روپے۔

— اسی مصنفہ کا دوسرا ناول **آتش خاموش** ہے کتاب کا مضمون اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ قیمت پانچ روپے

— ڈاکٹر ظاہر یاپوری کا نہایت سنسنی خیز ناول **کشمکش** جس کا انتظار کئی مہینے سے آپ کر رہے تھے نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہو چکا ہے سنگم کا معیاری اور ڈاکٹر صاحب موصوف کا تخیل سماجی خوبیوں اور بری رسومات کی اصلاح کیلئے مخصوص ہے اور پھر انداز بیان! کہ کتاب ختم کئے بغیر چھوڑ دیں تو ہمارا ذمہ۔ قیمت صرف دو روپے بارہ آنے

ملنے کا پتہ: سنگم کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی

چچا چھکن نے تصویر ٹانگی

چچا چھکن کبھی کبھار کوئی کام اپنے ذمے کیا لیتے ہیں کہ گھر بھر کو تگنی کا ناچ نچا دیتے ہیں۔ آبے لونڈے جا بے لونڈے۔ یہ کیجو۔ وہ دیکھو۔ گھر بازار ایک ہو جاتا ہے۔ دور کیوں جاؤ۔ پرسوں پرلے روز کا ذکر ہے دکان سے تصویر کا چوکھٹا لگ کر آیا۔ اس وقت تو دیوان خانے میں رکھ دی گئی۔ کل شام کہیں چچی کی نظر اس پر پڑی۔ بولیں چھٹن کے ابا! تصویر کب سے رکھی ہوئی ہے۔ خیر سے بچوں کا گھر ٹھیرا کہیں ٹوٹ پھوٹ گئی تو بیٹھے بٹھائے روپے دو روپے کا دھکا لگ جائے گا۔ کون ٹانگے گا اس کو؟

ٹانگتا اور کون ہے میں خود ٹانگوں گا۔ کونسی ایسی جوئے شیر لانی ہے تم رہنے دو میں سب کچھ خود ہی کئے لیتا ہوں کہنے کے ساتھ ہی شیروانی اتار چچا تصویر ٹانگنے کے درپے ہوگئے۔ امامی سے کہا بیوی سے دو آنے پیسے لے کر میخیں لے آ۔ ادھر وہ دروازے سے نکلا ادھر مودے سے کہا مودے! مودے!! جانا امامی کے پیچھے۔ کہیو تین تین انچ کی ہوں میخیں۔ بھاگ کر جا۔ جالیجو اسے راستے ہی میں۔ لیجئے تصویر ٹانگنے کی داغ بیل پڑ گئی اور اب آئی گھر کی شامت۔

ننھے کو پکارا۔ او ننھے! جانا۔ ذرا میرا ہتھوڑا لے آنا۔ بنو! جاؤ اپنے بستے میں سے چفتی نکال لاؤ۔ اور وہ سیڑھی کی ضرورت بھی تو ہوگی ہم کو۔ ارے بھئی للو! ذرا تم جا کر کسی سے کہہ دیتے سیڑھی یہاں لاکر لگا دے اور ہاں دیکھنا وہ لکڑی کے تختے والی کرسی بھی لیتے آتے تو خوب ہوتا۔ چھٹن بیٹے چا پی لی تم نے؟ جانا تو ذرا اپنے ان ہمسائے میر باقر علی کے گھر۔ کہنا ابا نے سلام کہا ہے اور پوچھا ہے آپ کی ٹانگ اب کیسی ہے۔ اور یہ کہو وہ جو ہے نہ آپ کے پاس کیا ہے نام اس کا؟ اے لو بھول گیا۔ پول تھا۔ ملول۔ اللہ جانے کیا تھا خیر وہ کچھ بھی تھا۔ تو یوں کہہ دیجو وہ جو آپ کے پاس آلہ ہے نہ جس سے سیدھ معلوم ہوتی ہے وہ ذرا دیر کو دے دیجئے تصویر ٹانگنی ہے۔ جائیو میرے بیٹے۔ پر دیکھنا سلام ضرور کرنا اور ٹانگ کا پوچھنا نہ بھول جانا۔ اچھا یہ تم کہاں چلدئے چھٹن؟ کہا جو ہے ذرا دیر یہیں ٹھیرے رہو۔ سیڑھی پر روشنی کون دکھائے گا ہم کو؟ آگیا امامی؟ لے آیا میخیں؟ مودا مل گیا تھا؟ تین تین انچ کی ہیں نا؟ بس

بہت ٹھیک ہیں۔ گرانے کو ستلی منگانے کا تو خیال ہی نہ رہا۔ اب کیا کروں؟ جانا میرے بھائی جلدی سے اور دیکھو گز سوا گز ہو ستلی۔ دیکھوں تو کتنی جلدی آتا ہے۔ اور ستلی نہ بہت موٹی ہو نہ پتلی۔ کہہ دینا تصویر ٹانگنے کو چاہیے ہے۔ لے آیا؟ اور ودّو۔ ودّو کہاں گیا ودّو میاں۔ اسی وقت سب کو اپنے اپنے کام کی سوجھی ہے۔ یوں نہیں کہ آ کر ذرا ہاتھ بٹائیں۔ یہاں آ! تم کرسی پر چڑھ کر مجھے تصویر پکڑانا۔

لیجئے صاحب خدا خدا کر کے تصویر اٹھانے کا وقت آیا۔ مگر ہونی شدنی چچا نے اٹھا کر وزن کا اندازہ کر رہے تھے کہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گر کر شیشہ کرچی کرچی ہو گیا۔ "ہئی ہے" کہہ کر سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ چچا نے کچھ خفیف ہو کر کرچیوں کا معائنہ شروع کر دیا۔ وقت کی بات انگلی میں شیشہ چبھ گیا۔ خون کی تلی بندھ گئی۔ تصویر کو بھول اپنا رومال تلاش کرنے لگے۔ رومال کہاں سے ملے۔ رومال تھا شیروانی کی جیب میں۔ شیروانی نہ جانے کہاں رکھی تھی۔ اب جناب گھر بھر نے تصویر ٹانگنے کا سامان تو طاق پر رکھا اور شیروانی کی ڈھنڈیا پڑ گئی۔ چچا میاں کمرے میں ناچتے پھر رہے ہیں۔ کبھی اس سے ٹکر کھاتے ہیں کبھی اس سے۔ سارے گھر میں سے کسی کو اتنی توفیق نہیں کہ میری شیروانی ڈھونڈھ نکالے۔ عمر بھر ایسے نکموں سے پالا نہ پڑا تھا اور کیا جھوٹ کہتا ہوں چھ چھ آدمی ہیں اور شیروانی نہیں ڈھونڈھ سکتے جو ابھی پانچ منٹ بھی تو نہیں ہوئے ہیں میں نے اتار کر رکھی ہے۔ بھئی برے ......"

اتنے میں کسی جگہ سے بیٹھے بیٹھے اٹھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شیروانی پر ہی بیٹھے ہوئے تھے اب پکار پکار کہہ رہے ہیں۔ ارے بھائی رہنے دینا رہنے دینا مل گئی شیروانی۔ ڈھونڈھ لی ہم نے۔ تم کو تو آنکھوں کے سامنے بیل بھی کھڑا ہو تو نظر نہیں آتا۔

آدھے گھنٹے تک انگلی بندھتی بندھاتی رہی۔ نیا شیشہ منگا کر چوکھٹے میں جڑا اور تمام قصے طے کرنے کے بعد دو گھنٹے بعد تصویر ٹانگنے کا مرحلہ درپیش ہوا۔ اوزار آئے۔ سیڑھی آئی۔ چوکی آئی۔ شمع لائی گئی۔ چچا جان سیڑھی پر چڑھ رہے ہیں اور گھر بھر جس میں ماما اور کہاری بھی شامل ہیں نیم دائرے کی صورت میں امداد دینے کو کیل کانٹے سے لیس کھڑے ہیں۔ دو دو آدمیوں نے سیڑھی پکڑی تو چچا جان نے اوپر قدم رکھا اور اوپر پہنچے۔ ایک نے کرسی پر چڑھ کر میخیں بڑھائیں۔ ایک قبول کر لی۔ دوسرے نے ہتھوڑا اوپر پہنچایا۔ سنبھالا ہی تھا کہ میخ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ سہمی ہوئی آواز میں بولے۔ لے لو اب کمبخت میخ چھوٹ کر گر پڑی۔ دیکھنا کہاں گئی؟

اب جناب سب کے سب گھٹنوں کے بل ٹٹول ٹٹول کر میخ تلاش کر رہے ہیں۔ اور چچا جان سیڑھی پر کھڑے بڑبڑا رہے ہیں۔ ملی؟ ارے کمبختو ڈھونڈھی؟ اب تک تو میں سو مرتبہ تلاش کر لیتا۔ میں رات بھر یونہی سیڑھی پر کھڑا کھڑا سوکھا کروں گا؟ نہیں ملتی تو دوسری ہی دیدو اندھو! یہ سن کر سب کی جان میں جان آتی ہے۔ تو پہلی میخ ہی مل جاتی ہے۔ اب میخ چچا جان کے ہاتھ پہنچاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہتھوڑا غائب ہو چکا ہے۔

ہتھوڑا کہاں چلا گیا؟ کہاں رکھا تھا میں نے؟ لاحول ولا قوۃ! الو کی طرح آنکھیں پھاڑے میرا منہ تک رہے ہو۔ سات آدمی اور کسی کو معلوم نہیں کہ ہتھوڑا میں نے کہاں رکھ دیا۔

بڑی مصیبتوں سے ہتھوڑے کا سراغ نکالا اور میخ گاڑنے کی نوبت آئی۔ اب آپ یہ بھول بیٹھے ہیں کہ ناپنے کے بعد میخ گاڑنے کو دیوار پر نشان کس جگہ کیا تھا۔ سب باری باری کرسی پر چڑھ کر کوشش کر رہے ہیں کہ شاید نشان نظر آ جائے۔ ہر ایک کو الگ الگ جگہ نشان دکھائی دیتا ہے۔ چچا سب کو باری باری الو گدھا کہہ کہہ کر کرسی سے اتر جانے کو کہہ رہے ہیں۔ آخر پھر چھٹی لی اور کونے سے تصویر ٹانگنے کی جگہ کو دوبارہ ناپنا شروع کیا۔ مقابل کی تصویر کونے سے ۲۵ انچ کے فاصلہ پر لگی ہوئی تھی۔ بارہ اور بارہ اور بارہ اور چھ انچ اور؟ بچوں کو زبانی حساب کا سوال ملا۔ باآواز بلند حل کرنا شروع کیا اور جواب نکالا تو کسی کا کچھ تھا اور کسی کا کچھ۔ ایک نے دوسرے کو غلط بتایا۔ اسی تو تو میں میں میں سب بھول بیٹھے کہ اصل سوال کیا تھا۔ نئے سرے سے ناپ لینے کی ضرورت پڑ گئی۔

اب کے چچا چھٹی سے نہیں ناپتے۔ ستلی سے ناپنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سیڑھی پر پینتالیس درجہ کا زاویہ بنا کر ستلی کا سرا کونے تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ستلی ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ آپ لپک کر اسے پکڑنا چاہتے ہیں کہ اسی کوشش میں زمین پر آ رہتے ہیں۔ کونے میں ستار رکھی ہے جس کے تمام تار چچا جان کے بوجھ سے یک لخت جھنجھنا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

اب چچا کی زبان سے جو منجھے ہوئے الفاظ نکلتے ہیں سننے کے قابل ہوتے ہیں مگر چچی روک دیتی ہیں اور کہتی ہیں اپنی عمر کا نہیں تو کچھ ان بچوں کا ہی خیال کرو۔

بہت دشواری کے بعد چچا جان از سر نو میخ گاڑنے کی جگہ معین کرتے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے اس جگہ میخ رکھتے ہیں اور داہنے ہاتھ میں ہتھوڑا

سنبھالتے ہیں پہلی ہی چوٹ جو پڑتی ہے تو الٹے ہاتھ کے انگوٹھے پر۔ آپ سی کر کے ہتھوڑا چھوڑ دیتے ہیں وہ نیچے آکر گرتا ہے کسی کے پاؤں پر ۔ ہائے ہائے اور اُف اور مار ڈالا شروع ہو جاتی ہے ۔

چچی جل بھن کر کہتی ہیں۔ یوں مینخ گاڑنی ہوا کرے تو مجھے آٹھ روز پہلے خبر دے دیا کیجئے میں بچوں کو لے کر میکے چلی جایا کروں چچا کچھ نادم ہو کر جواب دیتے ہیں۔ یہ عورت ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہے یعنی ہوا کیا ہے۔ یہ یہ طعنے دئے جا رہے ہیں ۔ بھلا صاحب کان ہوئے آئندہ ہم کسی کام میں دخل نہ دیا کریں گے ۔

اب نئے سرے سے کوشش شروع ہوئی مینخ پر دوسری چوٹ جو پڑی تو اُس جگہ کا پلستر نرم تھا پوری کی پوری مینخ اور آدھا ہتھوڑا دیوار میں اور چچا اچانک مینخ کے جانے سے اس زور سے دیوار سے ٹکرائے کہ ناک غیرت والی ہوتی تو پچک ہی کر رہ جاتی ۔

اس کے بعد از سر نو رسّی اور جنتی کی تلاش کی گئی اور مینخ گاڑنے کی نئی جگہ مقرر ہوئی اور کوئی آدھی رات کا عمل ہو گا کہ خدا خدا کر کے تصویر ٹنگی اور وہ بھی کیسی ٹیڑھی بینگی اور اتنی جھکی ہوئی کہ جیسے اب سر پر آئی چاروں طرف گز گز بھر دیوار کی یہ حالت گویا چاند ماری ہوتی رہی ہے چچا کے سوا باقی سب تھکن سے چور چور نیند میں جھوم رہے ہیں اب آپ آخری سیڑھی پر سے جو اترتے ہیں تو کہاری غریب کے پاؤں پر پاؤں غریب تھی تڑپ ہی تو اٹھی ۔ چچا اس کی چیخ سن کر ذرا سراسیمہ تو ہوئے مگر پل بھر میں داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولے اتنی سی بات تھی ۔ لگ بھی گئی لوگ اس کام کے لئے مستری بلوایا کرتے ہیں ۔ (منقول)

بچوں کی تعلیم وتربیت

علم مجلسی

اس عنوان کے تحت ہم بچوں کے اخلاق درست رکھنے کے متعلق کچھ نہ کچھ درج کرتے رہتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ ہماری خواہش اور تاکید کا خیال رکھتے ہوئے بچے نہ صرف اس کو حفظ یاد کر لیتے ہوں گے بلکہ ان نصائح پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہوں گے۔ بچوں کے استادوں اور سرپرستوں سے ہماری استدعا ہے کہ وہ ہمارے پرچے کے اس حصہ کو سب سے زیادہ اہم سمجھیں۔ انسان کتنا ہی پڑھنا لکھنا سیکھ کر عالم و فاضل ہو جائے لیکن اس کی عادات گندی ہوں۔ مزاج سخت ہو چلن برا ہو۔ روادار ی یا تہذیب نہ ہو۔ بڑوں کا ادب۔ چھوٹوں سے محبت نہ کرتا ہو۔ غریبوں پر اسے رحم نہ آتا ہو۔ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہو عیاش ہو۔ بدتمیز ہو تو اس کا سارا علم و فضل بے کار ہے۔ اس سے وہ جاہل بدرجہا بہتر ہیں جن میں انسانیت ہو جو خدا سے ڈرتے ہوں اور اس کی مخلوق سے نرمی اور محبت سے پیش آتے ہوں اور یہ باتیں بچپن سے ہی بچوں میں ذہن نشین کرائی جائیں تو آگے چل کر وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ ورنہ ساری زندگی خراب گذرے گی۔ اور وہ بھی سارا قصور ان لوگوں کا بتائیں گے جن کی نگرانی میں ان کا بچپن گذرا ہوگا اور جنہوں نے ان کی تربیت کی ہوگی۔

ملک میں بد مذاقی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس کی روک تھام میں تھوڑی سی ناچیز کوشش سنگم نے بھی اپنے ذمہ لی ہے۔ اگرچہ یہ صفحہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے لئے بھی یہ اتنا ہی مفید ہے جتنا چھوٹوں کے لئے۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ بڑوں کی اپنی ذاتی دلچسپی پر ان اخلاقی باتوں کا انحصار ہے اور بچوں کی تربیت کا انتظام اور ذمہ داری بڑوں پر ہے اس لئے ہم بار بار زور دیتے ہیں کہ بچوں کو بری کتابیں پڑھنے کو نہ دیجئے جنسی ناول اور فلمی لٹریچر ان تک پہونچنے نہ دیجئے۔ بزرگوں کے حالات اور ان کے دلچسپ سوانح حیات سے لگاؤ پیدا کرائیے ان کو اعلیٰ اخلاق اور بلند خیالی کا حامل اور شجاعت و ہمت کا دلدادہ بننے کا شوق دلائیے اس میں جہاں تک ممکن ہوگا سنگم کے کل ادارے آپکی مدد کریں گے۔

بچو! دوسروں کے ساتھ ہمیشہ بھلائی سے پیش آیا کرو جہاں تک ممکن ہو اچھا اور نیک سلوک کرو کیونکہ اس میں خود تمہارا فائدہ ہے اور اگر تم کسی کے ساتھ بدی کروگے تو اپنے حق میں کانٹے بوؤ گے اور اس کا بدلہ تمہیں برا ملے گا۔

لو ہم تمہیں ایک قصہ سناتے ہیں جو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی گلستاں میں نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں بزرگوں کے ایک گروہ کے ساتھ کشتی میں بیٹھا تھا ہمارے پیچھے ایک اور چھوٹی کشتی بھی تھی جو ڈوب گئی اور دو بھائی ایک بھنور میں پھنس گئے۔ بزرگوں میں سے ایک نے ملاح سے کہا کہ ان دونوں بھائیوں کو جلد پکڑ کہ تجھے ہر ایک کے بدلے پچاس دینار انعام دوں گا۔ ملاح پانی میں کود پڑا یہاں تک کہ ایک کو بھنور سے نکال لایا اور دوسرا مر گیا میں نے کہا کہ اسکی زندگی باقی نہیں رہی تھی اسی لئے تو نے اس کو بچانے میں دیر کردی اور دوسرے کیلئے جلدی کی ملاح یہ سن کر ہنسا اور کہا کہ تو نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن ایک سبب اور بھی ہے میں نے یوں سمجھا وہ کیا۔ کہنے لگا میری توجہ اس ایک کے نکالنے پر زیادہ تھی کیونکہ ایک مرتبہ میں جنگل میں تھک گیا تھا تو اس نے مجھے اونٹ پر بٹھایا۔ اور لیکر آیا۔ اور دوسرے کے ہاتھ سے میں نے بچپن میں کوڑا کھایا تھا میں نے کہا اللہ تعالےٰ نے سچ فرمایا ہے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ

(جس نے اچھا کام کیا تو اپنے لئے کیا اور جس نے برا کیا اس کا وبال اسی پر ہے)

قطعہ

تا توانی درونِ کس مخراش کاندریں راہ خارہا باشد

کار درویش مستمند برآر کہ ترا نیز کارہا باشد

(ترجمہ) جب تک تجھ سے ہوسکے کسی کے دل کو رنجیدہ نہ کر۔ کیونکہ اس راستہ میں بڑے کانٹے ہیں۔ ضرورتمند فقیر کا کام نکال دے کیونکہ تیرے بھی بہت سے کام ہوں گے۔

یعنی اگر تو کسی کی ضرورت پوری کرے گا اور اس کا کام نکال دیگا تو تیرے کام بھی دوسرے نکالتے رہیں گے اور ضرور تیری مدد کرتے رہینگے۔

دیکھو بچو کتنی اچھی تعلیم ہے۔ لیکن تم اس پر عمل کرو۔ تو اچھی ہے ورنہ زبانی اچھا کہدینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیا یہ بات تمہارے دل کو نہیں لگی کہ کسی کو نہ ستاؤ۔ اور کسی کو رنجیدہ نہ کرو۔ اگر تم اسے اپنے لئے پسند کرتے ہو تو کبھی دوسرے کو دکھ نہ دو۔

عربی کا جو فقرہ ہم نے لکھا ہے وہ قرآن میں سے ہے قرآن کے فقرہ کو آیت کہتے ہیں۔ اس لئے یوں کہیئے کہ اوپر جو ہم نے قرآن کی آیت درج کی ہے اُسے یاد کر لیجئے اور جب کوئی نیک یا بُرا کام کرو تو اسے ذہن میں رکھنا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اپنے ہی فائدہ یا نقصان کے لئے ہے کسی دوسرے پر احسان یا ستم نہیں ہے ہمیں یقین ہے کہ تم اس کا نتیجہ بھی بہت جلد دیکھ سکو گے اور اللہ کا قول پورا ہو کر رہے گا۔ قرآن شریف کی آیت کے علاوہ جو قطعہ ہم نے درج کیا ہے اسے بھی یاد کر لو بہت فائدہ کی اور کام کی چیز ہے۔ اچھا خدا حافظ

تفریحات

ریاضی

پچھلے پرچہ میں ہم نے بتایا تھا کہ جمع کے قاعدے سے ہی تفریق کا قاعدہ سکھایا جائے۔ ہمیں یہ خیال ہو رہا ہے کہ بچوں نے ابھی اس کی پوری مشق نہیں کی اور نہ استادوں نے اس کی طرف توجہ کی لہٰذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بتائے ہوئے قاعدے کو اپنانے کی کوشش کریں اور بچوں کی دو پارٹیاں بنا کر اس کی مشق کرائیں اور اس مقابلہ بازی کے لئے جو تفصیل ہم نے لکھدی ہے اس پر عمل پیرا ہوں اس کے بعد ہم آگے چلیں گے۔

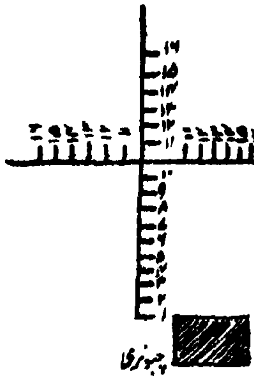
تفریحی سوالات

(۱) ایک مربع بناؤ اور اس کو نو مساوی خانوں میں تقسیم کرو یعنی اسطرح:-

اب ان میں ہندسے اسطرح لکھو کہ اگر انھیں پٹ یا کھڑے یا آڑے (ایک کونے سے مقابل کے کونے تک) جوڑا جائے تو ہر ایک کا مجموعہ پندرہ ہو کسی خانے میں کوئی ہندسہ دوسری مرتبہ نہ لکھا جائے۔

۲- نو پیسوں کو دس قطاروں میں اس طرح رکھو کہ ہر ایک قطار میں تین پیسے ہوں

۳- ایک صاحب نے اپنے باغ میں پھولوں کے گملے اس شکل کے مطابق ترتیب دیکر رکھے ہیں وہ روز صبح و شام سیر کرنے آتے ہیں اور چبوتری پر کھڑے ہو کر گملے گنتے ہیں یعنی جنوب سے شمال تک یا جنوب سے شمال کیطرف چوراہے تک پہونچکر دائیں طرف مشرق میں یا بائیں طرف مغرب میں تینوں طرف سولہ سولہ گنتے ہیں



چبوتری

مالی کے ایک دوست کو ان میں سے دو گملے بہت پسند آگئے ہیں وہ مالی کو مجبور کرتا ہے کہ یہ دو گملے مجھے دیدے مالی ڈرتا ہے کہ اگر صاحب آگئے تو دو کم ملیں گے اور میری شامت آجائیگی لیکن غور کرنے کے بعد اس کی سمجھ میں ایک ایسی ترکیب آجاتی ہے کہ وہ اپنے دوست کو دو گملے اس خوبی سے دیدیتا ہے کہ صاحب جب آکر گنتا ہے تو تینوں طرف سولہ سولہ ہی موجود ہوتے ہیں بتاؤ یہ کیسے ممکن ہے؟

جمع کا کھیل

پچھلے پرچہ میں ہم نے بتایا تھا کہ جمع کے لئے تمام رقمیں لکھنے سے پہلے ہی جواب کیسے بتایا جاتا ہے ہمیں ہم نے یہ شرط رکھی تھی کہ آپ اپنے دوستوں سے کہیئے کہ تین رقمیں آپ لکھیئے اور دو ہم لکھیں گے ان پانچوں رقموں کے مجموعہ کا جواب ہم آپ کو اسی وقت فوراً بتا دیں گے جب آپ پہلی رقم ہمیں لکھدیں گے مگر آپ کی تینوں رقموں میں خواہ کتنے ہی ہندسے ہوں لیکن ہر رقم میں ہندسوں کی تعداد برابر ہونی چاہیئے اور اگر تعداد برابر نہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے اس کے لئے ہم نے لکھا تھا کہ یہ پھر بتائیں گے ہمارا ارادہ تو ابھی اس کو بتانے کا نہیں تھا لیکن نئی دہلی کے ہمارے مہربان شری رامناتھ جی نے ہمیں متعدد خطوط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ ہم انھیں پھر کبھی نہ بتادیں چنانچہ ان کی خاطر سے ہم ذیل میں اس کا حل ابھی بتا دیتے ہیں

فرض کیجئے کہ آپکے دوست نے یہ تین رقمیں لکھی ہیں ان رقموں میں دو رقمیں آپ کو اور شامل کرنی ہیں اور پھر پانچوں کو جمع کرنا ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ان

۷۸,۹۶۵
۱,۳۵۲
۸۱

سب کے مجموعہ کا جواب ۲۷۸۹۶۳ آئیگا۔ چونکہ آپ کے دوست کی رقموں کے ہندسے ہر ایک میں مساوی تعداد میں نہیں ہیں۔ بلکہ پہلی میں پانچ ہیں دوسری میں چار ہیں اور تیسری میں صرف دو ہی ہیں اس لئے

آپ ان سب کی تعداد وہ سمجھئے جو زیادہ سے زیادہ رقم کی ہے یعنی پانچ ہندسے اور خالی جگہ آپ صفر تصور کر لیجئے اور اب وہ عمل کیجئے جو ہم نے بتا رکھا ہے۔ یعنی آپ ایسی رقم لکھ دیجئے کہ دوسری رقم کا ہر ہندسہ آپ کی رقم کے ہندسے سے مل کر نو ہو جائے گویا آپ کی رقم ۹۸،۶۴۷ ہوگی کیونکہ آپ کے دوست کی رقم میں پانچواں ہندسہ نہیں ہے لیکن آپ نے اسے صفر سمجھ لیا ہے اسی طرح تیسری رقم کے نیچے ایسی رقم لکھئے کہ تیسری رقم اور آپکی رقم کے ہندسے مل کر نو ہی ہوں گویا آپکی رقم ۹۹،۹۱۸ ہوگی اور اب پانچوں ہیں ہو گئیں۔

... ...	۷۸،۹۶۵
	۱،۳۵۲
لو جمع کر کے دیکھئے وہی جواب آتا ہے جو ہم نے بغیر جمع کئے پہلی رقم کو	۹۸،۶۴۷
	۸۱
دیکھتے ہی لکھ دیا تھا یعنی پہلی رقم کے اکائی کے ہندسے میں سے ۲ گھٹا کر	۹۹،۹۱۸
دو اس کو اس رقم کے آخر میں لکھ دیجئے جواب آ گیا اگر پہلی رقم	۲۷۸،۹۶۳

۹۹ ہوتی تو بھی عمل وہی ہوتا اور بقیہ ہندسوں کی جگہ ہم صفر صفر سمجھتے اور ہر ہندسے سے دو گھٹا کر جواب بتاتے جو ہوتا ۲۰۰۰۹۷ پڑھے لکھے سے سب باتیں سمجھ میں آسکیں گی۔ کہیئے بھائی راجا جی ہے نہ مزہ کی چیز۔ ذرا ہمیں تو مٹھائی کھلواؤ۔

کچھ ہنر سیکھئے

صنعت و حرفت پر کتابیں بکھری پڑی ہیں اور بہت سی گھریلو صنعتیں تو لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں جو کسی قیمت پر بھی دوسروں کو بتانے پر تیار نہیں ہوتے۔ بعض محتاط آدمی تو اپنی اولاد تک کو نہیں بتاتے کیونکہ انھیں اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بے وقوفی سے یا بے احتیاطی سے وہ راز دوسروں کو بتا دیں گے۔ اور یہ راز ہم سے نکل کر دوسروں تک پہونچ جائے گا اور اس طرح وہ فن کو اپنے سینے میں لئے ہوئے مر جاتے ہیں اور دنیا کو اپنے علم سے محروم کر جاتے ہیں اس لئے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جو کام کی چیز ہمیں کہیں سے بھی ملے اسے حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ جو لوگ ملازم ہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے عہدہ پر پہونچ جائیں انھیں بھی کسی کام کو اپنی فرصت کے وقت میں اپنے ہاتھ سے کرنے میں عار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کم آمدنی والے لوگوں کے لئے تو از بس ضروری ہے کہ وہ اپنی فرصت کے وقت میں کوئی دوسرا کام بھی ضرور کریں ہم جو چیزیں درج کرتے ہیں وہ بھی ایسی ہوتی ہیں کہ کم آمدنی والا اور کم پیسے والا شخص اسے اختیار کرلے تو اسے یقیناً بہت فائدہ ہوگا مستقل مزاجی۔ نیک نیتی اور محنت سب سے زیادہ مقدم ہیں۔

کانچ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں سے آمدنی پیدا کرنا

(۱) ٹوٹے پھوٹے کانچ کے ٹکڑوں کو بیکار سمجھ کر پھینکئے نہیں بلکہ انھیں دوسری جگہ سے بھی جمع کرلیجئے اور انھیں خوب کوٹ کر باریک کرلیجئے۔ مضبوط کاغذوں کے بڑے بڑے شیٹ لیکر ان پر سریش لگائیے اور اس پر وہ باریک سفوف چھڑک دیجئے۔ بس ریگمال تیار ہوگیا موٹے پسے ہوئے کانچ سے موٹا اور باریک پسے ہوئے سے باریک ریگمال تیار ہوتا ہے۔ جس کی بازار میں بہت مانگ ہے۔

(۲) لیمپوں کی چمنیاں یا کانچ کی دوسری اشیا جب ٹوٹ جاتی ہیں تو انھیں یونہی پھینک دیا جاتا ہے انھیں اگر کسی خالی کنستر میں ایک طرف رکھ کر جمع کرتے رہیں اور جب دس پندرہ سیر وزن میں ہو جائیں تو کانچ گلانے والوں کے ہاتھ فروخت کردیں تو وہ خوشی سے خرید لیں گے اور آپکی آمدنی میں اضافہ ہوجائیگا اسمیں کسی قسم کے تردد اور عار کی ضرورت نہیں ہے صرف کچھ عرصہ تک کانچ کو جمع کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے اس کے بعد آپکی رقم بن جائیگی۔

(۳) بعض لوگ مختلف رنگ کے کانچ یا چینی کے ٹکڑے جمع کرتے رہتے ہیں اور ان سے باغوں میں پھولوں کی ڈھلوان شکل کی کیاریوں میں مختلف ڈیزائن بناتے ہیں یا خوش مذاقی کے اظہار کیلئے مختلف الفاظ، جملے یا اشعار لکھتے ہیں اور بقیہ حصہ میں پھول یا خوشنما گھاس اگاتے ہیں مثلاً "خوش آمدید" "WELCOME" وغیرہ لکھتے ہیں ایسے لوگ رنگ برنگ کا کانچ کافی رقم دیکر خرید لیتے ہیں اور اس مطلب کے لئے باقاعدہ دکانیں ہوتی ہیں جہاں کانچ کی خرید و فروخت ہوتی ہے آپ بھی اطمینان کر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

چینی یا شیشے کے برتن جوڑنا

ایک بوتل میں ایک اونس ریکٹی فائیڈ اسپرٹ اور ہموزن عمدہ قسم کی چپڑا لاکھ ڈال کر تیز دھوپ یا آگ کے قریب رکھ دیجئے تاکہ اسپرٹ میں لاکھ گل جائے بس اس کو ٹوٹی ہوئی جگہ پر لگا کر جوڑ لو اور سکھا دو نہایت پختہ جوڑ لگ جائے گا۔ (باقی آئندہ)

بچوں کا اپنا صفحہ

اکتوبر اور نومبر کے انعامی مقابلے "میں نے پچھلے پانچ برس میں سب سے اچھا اور نیک کام کیا کیا" اس سلسلہ کا ایک مضمون پچھلے پرچہ میں درج کیا جا چکا ہے دوسرا مضمون تیسری جماعت کے بچہ کا ہے جس کا نام پرویز امین ہے اور وہ بھی جامعہ ملیہ کے مدرسہ کا طالب علم ہے۔ مضمون ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:۔

سب سے اچھا اور نیک کام جو میں نے کیا

ٹیپو ہمارا دوست ہے وہ ابتدائی اول میں پڑھتا ہے میرا نام پرویز امین ہے میں ابتدائی سوم میں پڑھتا ہوں اسکول سے آنے کے بعد ایک دن ٹیپو ہمارے گھر آیا اور ہم سے کہنے لگا چلو پرویز گلی ڈنڈا کھیلیں ہم اور ٹیپو کھیلنے کے لئے نکلے۔ ٹیپو نے کہا پہل کس کی ہے۔ میں نے کہا چلو پہل تمہاری ہی ہے۔ ٹیپو نے کہا کیوں؟ پہل تمہاری ہے۔ میں نے کہا چونکہ تم چھوٹے ہو اس لئے پہل تمہاری ہے۔ ہم دونوں کھیلنے لگے۔

میں نے ٹیپو کو آؤٹ کر دیا۔ اب میری باری آئی میں نے ایک ٹانٹ ماری گلی سڑک پر گئی۔ سڑک پر ایک لڑکا گذر رہا تھا۔ گلی اس لڑکے کے جا کر لگی۔ لڑکا رونے لگا۔ لڑکے کے چوٹ بہت سخت آئی تھی۔ ڈر کے مارے میں اور ٹیپو اپنے اپنے گھر بھاگ گئے اور دروازے کے سوراخ میں سے جھانکنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے اتنے میں اس کے ابّا جان بھی آ گئے اور کہنے لگے بیٹا تم کو کس نے مارا ہے اپنے ابّا کو دیکھ کر وہ لڑکا اور بھی زور زور سے رونے لگا اس کے ابّا نے پھر پوچھا بولو کیوں روتے ہو۔ لڑکے نے کہا گلی سے چوٹ لگ گئی ہے اس کے ابّا جان نے پوچھا کس لڑکے سے چوٹ لگی ہے اس نے کہا دو لڑکے تھے اس کے ابا نے کہا کون لڑکے تھے۔ نام بتاؤ لڑکے نے کہا نام کا تو پتہ نہیں۔ ابھی کو ادھر کے لڑکے کھیلتے اور ایک لڑکا اسی سامنے والے مکان میں بھاگ کر گیا ہے اور دوسرا اُدھر کی طرف بھاگا ہے۔

اس کے ابّا جان نے کہا چلو چل کر دیکھیں وہ دونوں میرے گھر کے سامنے آئے میں ڈر کے مارے اپنے کمرے میں چھپا ہوا تھا۔ جیسے چوہا اپنے بل میں گھسا رہتا ہے لڑکے کے ابّا جان نے میرے مکان کے دروازے پر آ کر کہا "کوئی ہے" میں بہت ڈرا۔ گھر میں نہ امی تھیں نہ میرے ابّا جان اور عبد الرحیم ہمارا ملازم استادوں کے مدرسہ کے مالی سے سبزی لینے گیا ہوا تھا۔ گھر میں میں ہی اکیلا تھا۔ ڈر کے مارے میری گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ ڈر کے مارے میری پلپلی کانپ رہی تھی۔

لڑکے اور لڑکے کے ابّا نے چیخ کر کہا کہ "دروازہ کھولو" پچھلے سال جب میں گرمی کی چھٹیوں میں گھر گیا ہوا تھا تو وہاں بھی ایک لڑکے کے چوٹ لگ گئی تھی اور ڈر کے مارے میں گھر میں گھس گیا تھا۔ جب میں اندر گھسا ہوا تھا تو اتنے میں ہمارے نانا دفتر سے آ گئے تھے انھوں نے پوچھا کیوں بیٹا کیوں چھپے ہوئے ہو میں نے کہا مجھ سے ایک لڑکے کے چوٹ لگ گئی ہے۔ انھوں نے کہا تو ڈرنے کی کیا بات ہے باہر چلو اور اس لڑکے سے معافی مانگو۔ میں ڈرتے ڈرتے نانا ابّا کے ساتھ باہر گیا اور جس لڑکے کے چوٹ لگی تھی اس سے معافی مانگی۔ پھر نانا ابّا نے مجھ سے کہا کہ جب تم سے کسی کو تکلیف پہونچے تو اس سے معافی مانگنی چاہیئے۔ اب مجھ کو اس قسم کا خیال آیا تو میں دروازہ کھول کر باہر گیا اور جس لڑکے کے چوٹ لگی تھی اس سے معافی مانگی سب سے زیادہ نیک کام میں نے یہی کیا میں اپنے نانا ابّا کی بتائی ہوئی بات یاد رکھتا ہوں اور جب مجھ سے کسی کو تکلیف پہونچتی ہے یا چوٹ لگتی ہے تو میں اس سے فوراً معافی مانگتا ہوں۔

پرویز امین۔ درجہ سوم۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر دہلی

تنقید و تبصرے

(بلا فرمائش)

منادی دہلی رسالہ منادی پر تبصرہ کرنے سے پہلے تمہیداً کچھ متعلق لکھنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اردو لکھنے والوں میں یوں تو مولوی محمد حسین آزاد۔ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقائے کار یعنی نواب محسن الملک شبلی۔ حالی ڈاکٹر نذیر احمد وغیرہ کے نام خاص طور سے لئے جاتے ہیں لیکن ہماری طبعیت پر مصور غم علامہ راشد الخیری اور مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی نے جو اثر کیا ہے وہ کسی دوسرے نے نہیں کیا۔ یہ حضرات اپنی اپنی طرز نگارش کے بادشاہ ہیں۔ موخر الذکر جناب خواجہ صاحب سے تو ہمیں نہ صرف عقیدت ہے بلکہ ان سے نیازمندانہ تعلقات بھی ہیں اس لئے ان تعلقات کی ابتدائی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

میرے دادا کے دادا اور والد چونکہ قلعہ معلیٰ میں بادشاہ عالم ثانی اور دوسرے شاہزادوں کے معلم اور استاد تھے۔ اور میرے دادا کا بچپن ۱۸۵۷ء تک لال قلعہ ہی میں گذرا تھا۔ اس لئے وہ کبھی کبھی مجھے شہزادوں کی زندگی کے حالات نیز بیگمات بلکہ خود ظل سبحانی حضرت بہادر شاہ کے نہایت دلچسپ واقعات سنایا کرتے تھے اور میرا دل چاہتا تھا کہ کاش میں بھی اس زمانے میں پیدا ہوا ہوتا اور شاہی دور اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد شاہی خاندان کے افراد اور بیگمات پر جو افتاد پڑی اور جو کچھ ان کے ساتھ پیش آیا اس کا بھی تھوڑا بہت حال میں نے سن رکھا تھا۔ کیونکہ بہت سی بیگمات اور خواص میرٹھ کوٹ گانوہ۔ مظفر نگر۔ پانی پت۔ کرنال کیطرف نکل گئی تھیں اور ہمارے وطن پانی پت سے ہو کر جمنا پار کر کے کیرانہ ضلع مظفر نگر اور اس کے مضافات میں پہنچ گئی تھیں۔ چنانچہ جب جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے ان مصیبت زدہ شاہی خاندان کے افراد پر مضامین لکھنے اور ان کے حالات شائع کرنا شروع کئے تو مجھے اخبار وکیل امرتسر میں ان کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اور میں خواجہ صاحب کے انداز بیان کو دیکھ کر بے چین ہو گیا اور جب اخبار وکیل پہونچتا تو بہت بے چینی سے اسے کھولتا لیکن اگر اس میں کوئی تحریر ان کی نہ ہوتی تو بہت رنجیدہ ہوتا اور آئندہ کی تاریخ کا منتظر رہتا اور

مختلف اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کرتا کہیں خواجہ صاحب کا مضمون نظر آجائے اس کے علاوہ ان سے نیاز حاصل کرنے کا اشتیاق بھی میرے دل میں بہت بڑھ گیا

سی زمانہ ۱۹۰۵ء میں میں دلی کے انجمن عربک ہائی اسکول واقع بیرون اجمیری دروازہ میں آکر نویں جماعت میں داخل ہوا جہاں مسٹر آصف علی اور رؤف علی دو ہم شکل خوبصورت ہستیاں بھی تعلیم پاتی تھیں۔ اور انھیں مدرسہ کی بلبلیں کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں حضرات بعد میں مشہور بیرسٹر بنے اور دلی میں بہت نام پیدا کیا۔ آصف علی صاحب سے تو آزاد ہندوستان کا بچہ بچہ بھی واقف ہے اسی زمانے میں میرے ہم جماعت ایک صاحب محمد مرتضےٰ صاحب بھی تھے جو بعد میں ملا محمد الواحدی یا محض واحدی صاحب کے نام سے مشہور ہوئے اور نظام المشائخ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے اتنک مشہور و معروف ہستی ہیں۔ اور آج کل کراچی میں ہیں یہ بچپن ہی سے بہت سنجیدہ خاموش اور نہایت شریف طبع تھے۔ ابھی ہمارے تعلقات زیادہ بڑھنے نہ پائے تھے کہ میں عربک اسکول چھوڑ کر انجمن حمایت اسلام لاہور کے ہائی اسکول واقع شیرانوالہ دروازہ میں چلا گیا۔ اور وہاں سے میٹرکولیشن فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے کے بعد ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ کالج میں آکر داخل ہو گیا۔ ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ کسی نے کہا کہ کالج کی مسجد میں حضرت خواجہ حسن نظامی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم تو پہلے ہی سے گرویدہ تھے اس لئے ہم نے ٹوہ لگائی کہ کہاں ٹھہرے ہیں معلوم ہوا کہ کچی بارک (سید محمود کورٹ) میں غلام غوث صاحب صمدانی کے پاس مقیم ہیں (یہ غلام غوث صاحب بعد میں ریاست بہاولپور میں بہت بڑے انجنیر ہو گئے تھے) ان کے ہم کمرہ میاں علاء الدین صاحب جالندھر کے رہنے والے میرے ہم جماعت تھے وہ خواجہ صاحب کے معتقد نہیں تھے بلکہ انکی تعریف کرنے والوں کا مذاق اڑاتے تھے میں نے ان سے کہا کہ خواجہ صاحب آپ کے ہاں ٹھہرے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہاں ٹھہرے تو ہیں کہئیے آپ کو کیا کام ہے

کیا آپ بھی ان کے مرید ہونا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا مرید ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے لیکن میں تو ان سے ملنا چاہتا ہوں چنانچہ میں ان کے ہمراہ چلا گیا (میں نکلسن پارک یعنی سرسید کورٹ میں رہتا تھا) ان کے گھر پر غلام غوث صاحب صمدانی سے ملا اور پھر جناب خواجہ صاحب سے نیاز حاصل کیا۔ کچھ روز بعد خواجہ صاحب میرے گھر پر تشریف لائے اور انھوں نے حلقہ نظام المشائخ قائم کرنے کا پروگرام بتایا جو کہ مختلف درگاہوں کے سجادہ نشینوں اور عرس کی بے تمیزیوں کی اصلاح کی طرف عملی قدم اٹھانے کے متعلق تھا میں نے اس سے بہت زور سے اتفاق کیا اور حلقہ نظام المشائخ میں شامل ہونا باعث فخر سمجھ کر نام لکھوا لیا چنانچہ میرا نمبر رکنیت بیس تھا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب سے تعلقات بڑھنے لگے اور میں دہلی سے گذرتا تو ان سے نیاز حاصل کرتا اور وہ علی گڑھ آتے تو ضرور عزت بخشتے۔

رسالہ صوفی پنڈی بہاؤ الدین گجرات (پنجاب) سے نکلنا شروع ہوا جس کا چندہ صرف بارہ آنے سالانہ تھا اور یہ سب سے سستا پرچہ تھا جو پہلے پہل دیکھنے میں آیا اور کافی ضخیم تھا۔ اس میں خواجہ صاحب کا مضمون ہوتا تھا جس کا معاوضہ ایک اشرفی ملا کرتا تھا۔ اور انہی کی وجہ سے بہت خریدار بڑھ گئے تھے

۱۹۱۱ء میں جناب خواجہ صاحب بلاد اسلامیہ کی سیاحت پر تشریف لے گئے اس زمانے میں بھی اکثر خط تحریر فرماتے رہے۔ وہ مصر بھی تشریف لے گئے اور وہاں سے ایک معتقد نے اپنے صاحبزادے علی نصرتی کو خواجہ صاحب کے ہمراہ دہلی بھیجا کہ خواجہ صاحب نظامیہ درسگاہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس میں وہ بچہ تعلیم حاصل کرے گا چونکہ مدرسہ ابھی قائم نہیں ہوا تھا اور نہ جلدی اس کے قیام کی امید تھی اور خواجہ صاحب کے لئے اس بچہ کی نگرانی بہت مشکل تھی اور دلی کی اخلاقی فضا خراب تھی اس لئے ہم نے اس کے خلاف ایک خط لکھا جو جناب خواجہ صاحب نے مع جواب کے اپنے پرچہ نظام المشائخ میں شائع کر دیا اس کے علاوہ چند اور ضابطہ کی باتیں تھیں جو ہمیں قابل اعتراض معلوم ہوئیں اس لئے ہم نے ان کے متعلق بھی اپنے خیالات کا صاف صاف اظہار کر دیا جو بجنسہ خواجہ صاحب نے رسالہ میں درج کر دیں۔ خواجہ صاحب کے مریدین و معتقدین کو ہماری تحریریں بہت ناگوار معلوم ہوئیں۔ اور انھوں نے ہمارے خلاف بہت سخت خطوط لکھ کر خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجے چونکہ ہماری نیت نیک تھی اور ہمارے تعلقات میں خواجہ صاحب کی شرافت اور ہماری عقیدت کی وجہ سے فرق نہیں آیا تھا اس لئے خواجہ صاحب نے بجائے برا ماننے کے ہماری تحریروں کے بہت مناسب جوابات دیئے اور ہمیں **"مخلص نکتہ چیں"** کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور جب مصری لڑکے علی نصرتی کے متعلق ہماری پیشین گوئی صحیح نکلی تو خواجہ صاحب کو ہمارے جذبات کا احترام کرنا پڑا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کے شاہی دربار دہلی کے زمانے میں خواجہ صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف شیخ سنوسی کی پیشین گوئیاں شائع ہوئی۔ اس کے متعلق قد آدم پوسٹر شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا "شہنشاہ انگلستان کا مسلمان ہونا" کوئی شخص اس پوسٹر کو ہاتھ میں لے کر کتاب فروخت کرنے پر رضامند نہ ہوا ہم نے یہ کام کبھی کیا نہیں تھا تاہم ہم نے موٹے موٹے کارڈ بورڈوں پر پوسٹر چسپاں کر کے گلے میں ڈال لئے ایک سامنے کے رخ اور ایک پشت کی طرف اور کتابیں ہاتھ میں لے لیں اور جامع مسجد کے سامنے پریڈ کے میدان میں سید ہرے بھرے کے مزار کے سامنے گشت کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت موجودہ ایڈورڈ پارک میں کنگ جارج صاحب اپنے والد ایڈورڈ ہفتم کے مجسمہ کا سنگ بنیاد رکھ رہے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں مخلوق جمع تھی۔ جب مجمع منتشر ہوا لوگ میرے آگے پیچھے جمع ہو کر "شہنشاہ انگلستان کا مسلمان ہونا" دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ سپاہی اور فوجی دوڑ دوڑ کر میری طرف آنے لگے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس اب مجھے گرفتار کر لیں گے۔ کیونکہ بادشاہ کے مذہب بدلنے کی خبر سے اسکی توہین سمجھتے تھے۔ نہ معلوم کیا کیا خبریں پھیلیں اور کیا کیا کہا گیا بہرحال تھوڑی سی دیر میں میری کتابیں ختم ہو گئیں جن کی قیمت چار آنے فی کاپی تھی اور میں نہایت خوش و خرم اکڑتا ہوا خواجہ صاحب کے پاس کوچہ چیلان میں واپس چلا آیا۔ اور پوری کیفیت خواجہ صاحب کو سنائی اس کے بعد تعلقات بہت بڑھتے گئے۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی لڑکی حور بانو ان کے ساتھ رہنے لگی جس کی پرورش کا بار خواجہ صاحب پر بہت تھا اور وہ ماں کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

نظام المشائخ کے سلسلہ میں خواجہ صاحب کے تعلقات ملا واحدی صاحب سے بہت گہرے ہوگئے تھے اور وہ اتنے مضبوط اور پائدار ثابت ہوئے کہ تقسیم ملک نے دونوں کو جسمانی طور سے تو جدا کر دیا ہے لیکن دل سے ایک دوسرے کی محبت نہیں نکل سکتی اور دونوں ایک دوسرے کی یاد میں تڑپتے ہیں۔

واحدی صاحب کے علاوہ میرٹھ کے بھیا احسان الحق اور ہاشمی صاحب بھی خواجہ صاحب کے مراتم تھے۔ چنانچہ توحید نام کا ایک ہفتہ وار پرچہ میرٹھ سے نکالا گیا اس زمانے میں کانپور کی مسجد کا بہت بڑا ہنگامہ ملک میں ہوا تھا جس سے مسلمانوں میں سخت ہیجان تھا کیونکہ وہاں کسی سڑک کو چوڑا کرنے کے لئے مسجد کا ایک حصہ شہید کر دیا گیا تھا مسلمانوں نے بہت کہا کہ سڑک کو ذرا بچا کر نکالا جائے لیکن راج ہٹ کی وجہ سے وہ بات نہ مانی گئی اور مزاحمت کرنے والے شہید کر دئے گئے۔

میں نے اس خونیں واقعہ پر ایک مضمون لکھا جو بہت سخت لکھا گیا لیکن کسی خاص ارادہ کے تحت وہ نہیں لکھا گیا تھا۔ بلکہ حالات وقت ہی ایسے تھے کہ خود بخود اندر سے جذبات کا ایک دریا امڈا چلا آ رہا تھا اور کسی نتیجہ کی پرواہ کئے بغیر قلم بیساختہ وہ لکھتا جا رہا تھا جو ایک سچے فدائی کو لکھنا چاہیئے تھا۔

میں ان دنوں والد مرحوم کے پاس نکودر ضلع جالندھر میں تعطیلات میں آیا ہوا تھا جب وہ پرچہ پہنچا تو والد بہت گھبرائے اور باوجود وکیل ہونے کے انھوں نے اپنے اکلوتے فرزند کا گرفتار ہونا صبح و شام یقینی سمجھ کر پریشان ہونا شروع کر دیا اور والدہ مرحومہ کو بھی گھبرانا اور رلانا شروع کر دیا۔ اور معلوم کس کس کو برا کہا ہے میں نے تنگ آ کر سارا قصہ خواجہ صاحب کو لکھ کر بھیج دیا اگلا پرچہ جو آیا اس میں معذرت کے عنوان کے تحت درج تھا کہ ہمیں افسوس ہے کہ کانپور کی مسجد کے متعلق جو مضمون پچھلی اشاعت میں شائع ہوا ہے وہ حافظ فیاض احمد صاحب کا نہ تھا ہم نے ان کا مضمون لکھنے کیواسطے دیا تھا لیکن کسی سہو یا غلطی کیوجہ سے ان کے نام سے دوسرے صاحب کا مضمون شائع ہوگیا ہم حافظ صاحب سے معذرت چاہتے ہیں اور مجھے خواجہ صاحب نے لکھا کہ آپ کو آزردہ ہونے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے والدین کا کہنا ماننا آپ کا فرض ہے۔ آپ اپنے والد کو ناراض یا رنجیدہ نہ ہونے دیجئے۔ یہ تھی رفاقت کی بات کہ خواجہ صاحب نے اس قدر خیال فرمایا۔ اس سے والد مرحوم کے دل پر بھی خواجہ صاحب کی عظمت و اخلاص کا بہت اثر ہوا اور ان کے متعلق جو غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی وہ رفع ہوگئی۔

خواجہ صاحب نے "چٹکیاں اور گدگدیاں" نام کی جو کتاب تصنیف فرمائی اس کا پہلا ایڈیشن میرے نام سے معنون فرما کر اپنی محبت کا سب بڑا ثبوت دیا جس کا احسان میں عمر بھر کبھی ادا نہیں کر سکتا۔

غرضکہ خواجہ صاحب کے تعلقات کا ذکر کہاں تک کیا جائے انشاءاللہ بعض اہم واقعات کا ذکر پھر کسی موقعہ پر کیا جائے گا۔

تحریک ترک موالات میں شرکت کے متعلق بھی میں نے ان سے مشورہ کیا اور مجھے خوشی ہے کہ انھوں نے بھی حمایت میں رائے دی۔ سنر صدیوں کی وجہ سے خواجہ صاحب کے ہاں ہوتی تھیں ان کی نظیر کہیں نہیں ملی اور جو جدت خواجہ صاحب کی طبیعت میں ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں خواجہ صاحب انشاءاللہ حیات ہیں لیکن تقسیم ملک نے عزیزوں دوستوں اور اولاد کو جدا کر دیا ہے جس سے شمع تو جل رہی ہے۔ لیکن روشنی بے کیف ہے اور آنکھیں سنر صدیوں میں یا کر دہ پہلی سی باہمی دلچسپیاں جو نصیب نہیں ہوتی اس لئے ہم نے مجلسوں میں جانا ترک کر دیا ہے کیونکہ قلب پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے حسرت ہے کہ کاش زندگی میں ایک بار تو وہ سماں نصیب ہو سکے۔ خواجہ صاحب نے بہت پرچے نکالے لیکن منادی زیادہ مشہور رہا جو کہ عرصہ سے بوجوہ بند تھا خواجہ صاحب کے صاحبزادہ حسن ثانی نظامی نے جامعہ سے میٹرک پاس کیا تو خواجہ صاحب نے ان کی تعلیم کو جاری نہ رکھنے کا فیصلہ کیا لیکن چونکہ حسن ثانی ہمارے پوتے خواجہ ذکی احمد کے ہم جماعت تھے اور تعلیم میں اپنی جماعت میں سب سے زیادہ ممتاز تھے اور ہمیشہ اول رہتے تھے اس لئے ہم نے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ چونکہ یہ لڑکا ماشاءاللہ بہت ذہین ہے اور پڑھنے کا بہت شائق ہے جیسا کہ اس کے نمبروں سے ظاہر ہوتا رہا ہے

اس کی تعلیم کو جاری نہ رکھنا بہت بڑا ظلم ہوگا۔ آپ اسے جامعہ ملیہ میں تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دیجئے چنانچہ دو تین مرتبہ حاضر ہوکر اور استدعا کرنے پر ہمیں کامیابی ہوئی اور ہم بہت ممنون ہوئے کہ خواجہ صاحب نے ہماری بات مان لی۔ چنانچہ حسن داخل ہوئے اور پہلے ایف۔ اے اور پھر ۱۹۶۳ء میں بی۔ اے نہایت اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ حسن سے ہم نے کہا کہ تمہارے دو بڑے بھائی اور بہنیں اور ماموں جو سب کام کے آدمی تھے پاکستان چلے گئے ہیں لیکن کسی نے بھی خواجہ صاحب کی ادبی زندگی کو اختیار نہیں کیا۔ تم نے ماشاء اللہ بی اے پاس کیا ہے اور تمہیں علم سے لگاؤ اور شوق بھی ہے اس لئے تم خواجہ صاحب کی یہ جائداد سنبھالو یعنی اُن کی کتابوں کی نشر و اشاعت اور مزید ادبی خدمت اپنے ذمہ لے لو ورنہ افسوس اُن کی عمر بھر کی کمائی جو انھوں نے محض اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت سے پیدا کی ہے ضائع ہو جائیگی اور اِدھر اُدھر کے مفت خوروں میں بٹ جائے گی ہمیں بہت خوشی ہے کہ حسن نے ہماری بات پر لبیک کہا اور دل و دماغ سے پوری طرح اس طرف توجہ فرمائی اور خواجہ صاحب کی کتابوں کی ترتیب وغیرہ کا کام نہایت احتیاط سے شروع کر دیا۔ جس میں اُن کے دوسرے بھائیوں یا بہنوں اور بہنوئی نے بھی پوری طرح سے امداد دینی شروع کر دی خواجہ صاحب کی تصانیف کی تعداد دو سو ہے اور خیال ہے کہ خود خواجہ صاحب کو بھی اپنی تمام تصانیف کی مکمل فہرست یاد نہیں ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ حسن نے سب سے پہلے رسالہ منادی کو جو عرصے بند تھا از سرِ نو زندہ کرکے نکالنا شروع کیا۔ جس میں خواجہ صاحب کے پُرانے مضامین اور روزنامچہ کا اس خوبی سے اندراج کیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تازہ ہی لکھا گیا ہے۔ دوسرے دلچسپ صوفیانہ مضامین بھی اس میں درج ہوتے تھے جس سے رسالے نے واقعی بہت جلد وہی امتیاز حاصل کر لیا جو خواجہ صاحب کے منادی کو حاصل تھا اور اب تو وہ خواجہ صاحب کے تازہ روزنامچہ کو حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوگئے ہیں جس سے اس کی پوری شان نکلنے لگی ہے۔ ہندوستان۔ برما پاکستان۔ افریقہ اور دیگر ممالک میں جہاں جہاں اردو جاننے والے موجود ہیں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں خواجہ صاحب کی تحریریں اور مضامین پڑھنے والے موجود نہ ہوں اور بے چینی سے انتظار نہ کرتے ہوں۔ حسن ثانی نے ہماری توقعات سے بڑھ کر کام کیا اور ہمیں خوشی ہے کہ انھوں نے ہماری بات مان کر خواجہ صاحب کی اس جائداد کو محفوظ کر لیا جس کو کسی قسم کا خطرہ نہیں اور کوئی چور اسے نہیں چُرا سکتا۔ حسن ماشاء اللہ خود بہت اچھا لکھنے والے ہیں اور وہی شان قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو خواجہ صاحب چاہتے تھے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خواجہ صاحب کو بھی امید نہیں تھی کہ حسن اس کٹھن منزل کو طے کرنے میں کامیاب ہوں گے لیکن اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ حسن اس میں کامیاب رہیں گے

رسالہ منادی کا سائز سنگم کے برابر ہے اور نہایت سلیقہ سے مرتب ہوتا ہے۔ مضامین سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ چھپائی لکھائی بہت اچھی ہوتی ہے قیمت پانچ روپے بہت مناسب ہے پتہ (دفتر رسالہ منادی۔ درگاہ حضرت نظام الدین دہلی لکھنا کافی ہوگا

اسی پرچہ میں "رفتار سنگم" کے آخر میں ہم نے رسالہ منادی دہلی کی بابت سنگم کے متعلق نقل کی ہے جو منادی کے ماہ جنوری ۱۹۶۶ء کے پرچہ میں شائع ہوئی ہو اس مضمون میں ہمارے اور خواجہ صاحب قبلہ کے تعلقات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس سے دوسروں کا تو کیا ذکر خود ہمیں یہ محسوس ہونے لگا کہ گویا ہم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے معترضین میں سے ہیں۔ اس سے ہمیں تکلیف ہوئی۔

خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی اور خواجہ ذکی احمد پانی پتی دونوں ہم جماعت ہیں دونوں نے جامعہ ملیہ میں ساتھ ساتھ پرورش پائی ہے اور ساتھ ساتھ ہی ایف اے اور بی اے کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ایک نے رسالہ منادی کو از سرِ نو زندہ کیا۔ دوسرے نے نیا پرچہ سنگم جاری کیا یعنی دونوں نے ایک ہی پیشہ اختیار کیا۔ وہ آپس میں جو چاہیں لکھیں لیکن انھیں اپنے بڑوں کے تعلقات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ اس لئے ہم نے منادی کے دوبارہ اجراء پر رائے زنی کے سلسلہ میں ایک طویل مضمون سپردِ قلم کرنا ضروری سمجھا۔ جو نہ صرف ہمارے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ گذشتہ پچاس سال کی تاریخ اور بعض اہم واقعات کی یاد بھی تازہ کرتا ہے ہمیں یقین ہے کہ نہ صرف خواجہ صاحب کے مریدین اور معتقدین اس کو پسند فرمائیں گے بلکہ اردو سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص خواجہ صاحب قبلہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے سلسلہ میں اسے دلچسپی سے پڑھینگے۔

(حافظ) فیاض احمد پانی پتی (مخلص نکتہ چیں)
جامعہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر نئی دہلی

خواجہ ذکی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا۔

ماہنامہ
سنگم
جامعہ نگر نئی دہلی

سالانہ چندہ دو روپے (۲عہ)

فی پرچہ تین آنے یہ پرچہ چھ آنے

ایڈیٹر
خواجہ ذکی احمد پانی پتی
بی ایس سی (علیگ)

نگراں
خواجہ حافظ فیاض احمد

پاکستان میں زرِ چندہ بھیجنے کا پتہ :- منیجر ٹیکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں ریلوے روڈ لاہور

سال دوم	بابت ماہ جولائی و اگست ۱۹۵۵ء مطابق ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ ساون سنہ ۲۰۱۲ بکرم و سنہ ۱۳۶۲ف	شمارہ اول و دوم

اس پرچہ کا سال بھر کا چندہ بطور امانت محفوظ سمجھنا چاہیئے جیسا ہی آپ کی رقم واپس منگا سکتے ہیں۔ (تفصیل اندر ملاحظہ فرمایئے)

اگر بدقسمتی سے یہ پرچہ جاری نہ رہا تو بقیہ رقم سب خریداران کو بلا طلب واپس کردی جائے گی فیس منی آرڈر بھی ہم ادا کریں گے

اسے نوٹ کر لیجئے

(اس پرچہ سے ہمارا دوسرا سال شروع ہوتا ہے)

(اندر ملاحظہ فرمایئے)

یہ پرچہ بڑوں اور چھوٹوں دونوں کیلئے ہے۔ اسے بچوں کا سمجھنا غلطی ہے

فہرست مضامین

شبیہ (ٹائیٹل) محمد امین صاحب ایم اے لکچرر جغرافیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

اردو زبان

شہد و شکر سے شیریں اردو زباں ہماری
ہے جس کے بولنے سے میٹھی زباں ہماری

محلوں میں رہنے والی شہزادیوں کی پالی
لے آن بان والی تسکینِ جاں ہماری

چین و ختن میں بھی ہے یادِ وطن دلاتی
ہر ملک میں بنی ہے تو ہمزباں ہماری

کشمیر سے دکن تک برما سے تا بہ کابل
اک جاں ہمیں کرے گی اردو زباں ہماری

تم غیر بن رہے ہو اپنوں سے بیخبر ہو
غیروں میں ہو رہی ہیں رسوائیاں ہماری

ملکی عروج کا ہے سارا مدار اسی پر
ہم جسم ہیں اگر تو گویا یہ جاں ہماری

مل بیٹھو بھائی بہنو، اک دل ہو اک زباں ہو
یک بات ہو ہماری اک ہو زباں ہماری

اس پھوٹ کی بدولت گھر گھر تباہی آئی
یک بوریہ نشینی بھی ہے گراں ہماری

شہد و شکر سے شیریں اردو زباں ہماری
کوشاں رہو اسی میں یہ ہے زباں ہماری

(منتخبات اردو)

کلامِ آصف الہ آبادی :- (از ناگپور)

تمنا اضطراب دائمی معلوم ہوتی ہے
محبت تشنگی ہی تشنگی معلوم ہوتی ہے

لبِ جاناں پہ جب موجِ تبسم دیکھ لیتا ہوں
مجھے ہر آرزو شاداب سی معلوم ہوتی ہے

بہشت دلکش ہے مگر ایسی دنیا سے کم ساقی
کوئی کچھ بھی کہے جنت یہی معلوم ہوتی ہے

جھکا جاتا ہے سر کے ساتھ دل بھی پائے جاناں پر
ہماری بندگی اب بندگی معلوم ہوتی ہے

نہ اب کیف باقی ہے نہ اب وہ زندگی باقی
نگاہِ یار کچھ بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے

جسے لیکر چلا تھا ناخدا طوفاں سے ٹکرانے
سرِ ساحل وہ کشتی ڈوبتی معلوم ہوتی ہے

چمک اٹھا ہے نورِ عشق سے ہستی کا آئینہ
مجھے اب روشنی ہی روشنی معلوم ہوتی ہے

ابھی مشقِ سخن جاری رہے اے حضرتِ آصف
ابھی اشعار میں ناپختگی معلوم ہوتی ہے

اپنے پالن ہار سے

اے رب العالمین! تو ہی ہم سب کا پالن ہار ہے، اے دونوں جہاں کے مالک! تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ تیرا شکر کیوں کر ادا کیا جائے کہ تو ہمیں وہ نعمتیں دیتا ہے جن کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اے گنہگاروں کے مولیٰ! تو ہی ہے جو ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالے ہوئے ہے۔ اے رب العزت! تو ہی ہے جو ہم میں سے جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت۔ اے رزاقِ عالم! تو ہی جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ دستی کی سزا دیتا ہے۔ اے رحیم و کریم! تیرا دروازہ نہ کھٹکھٹائیں تو کہاں جائیں۔ تجھ سے فریاد نہ کریں تو کس سے کریں؟ اے صراطِ مستقیم پر چلانے والے! ہم کب تک بھٹکتے رہیں گے؟ یہ ذلت و رسوائی کب تک جاری رہے گی؟ غیروں کی نظروں میں ذلیل و خوار کب تک رہیں گے؟ اے محبوبوں کے محبوب! ہم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں، لیکن ہیں تو تیرے نام لیوا۔ پھر ہماری جگ ہنسائی اور تذلیل تجھے کیوں کر گوارا ہو سکتی ہے؟ تیرا بابِ رحمت کب وا ہوگا؟ تیرا سایۂ عافیت ہم پر کب نازل ہوگا؟ تو نے نافرمانیوں، گستاخیوں بے ادبیوں اور نہ جانے کن کن گناہوں کے باوجود ہمیشہ ہم سب کو نوازا ہے، ہمیشہ عفو و کرم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ پھر اب اپنے در سے کیوں دھتکارتا ہے؟ مانا کہ ہم نے تیرے در کو چھوڑ کر دوسروں کی چوکھٹ کو بھی تاکا ہے، لیکن اے دلوں کے مالک! اور منافقوں کے حالات سے باخبر! تجھے سب علم ہے اور تو جانتا ہے کہ دل میں تو لگن تیری اور صرف تیری ہی ہے۔ پس ہم سے جو لغزش ہوئی ہے اس پر ہم نادم ہیں، تو ہم سے درگزر کر! اے غفار! اے ستار! اور اے جبار! بابِ توبہ بند نہ کر، اسے کھلا رہنے دے۔ اس لئے نہیں کہ ہم گناہ کرتے رہیں اور توبہ کرتے رہیں، بلکہ اس لئے کہ کہا گیا ہے کہ اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِّنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانِ۔ ہم سے بھول چوک ہوتی رہے گی، اور ہم تجھے مناتے رہیں گے۔ پس ہمیں معاف کر دے اور ہم پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کر تاکہ ہم بھی تیرا شکر کچھ ادا کر سکیں اور تیرے بندے کہلانے کے مستحق سمجھے جائیں۔ سن لے مولا! دیدے مولا! بچالے مولا!!! (گنہگار: نگرانِ سنگم)

سنگم کا دوسرا سال

سنگم کا پہلا پرچہ جولائی ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۵۵ء تک اس کے تین پرچے ماہانہ اور دو دو ماہی شائع ہوئے۔ اور ان مہینوں تک ڈاک خانے سے رجسٹریشن نمبر نہیں ملا اور ہم ایک ... کا ٹکٹ (چار گنا) لگاتے رہے جس کی کہانی آپ ہر پرچہ میں ملاحظہ فرماتے رہے ہیں۔ فروری ۱۹۵۵ء کا پرچہ تقریباً تیار تھا کہ اس کے پرنٹر پبلشر حافظ غنی احمد صاحب ۹ فروری کو لائبریری کی مزید ٹریننگ کے لئے حکومت کی طرف سے امریکہ چلے گئے اور معلوم ہوا کہ ان کی پانچ چھ ماہ کی عارضی غیر حاضری میں ان کے نام سے پرچہ شائع نہیں ہو سکتا، لہٰذا دوسرے ڈکلریشن کے لئے درخواست دے دی گئی جو اپریل کے آخر میں منظور ہوئی اور مئی کے شروع میں اس منظوری کی نقل ہمیں حاصل ہوئی۔ اس عرصہ میں پرچہ کو زیر مرتب کرکے فروری اور مارچ (دو ماہ) کا بنایا گیا۔ لیکن بعض دیگر مجبوریوں کی وجہ سے جون سے پہلے پرچہ شائع نہ ہو سکا۔ اس اثناء میں ہم خریداران سنگم کے خطوط آتے رہے کہ پرچہ کیوں شائع نہیں ہوا۔ جواب دئے گئے، لیکن شاید ایک دو صاحب کو جواب دینے میں کوتاہی ہوئی جس کی سزا ابھی بھگتنی پڑی اور سخت سست الفاظ کا نشانہ بننا پڑا۔ چونکہ اب اگلا پرچہ جولائی میں ہی نکل سکتا تھا جس سے ہمارا دوسرا سال شروع ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ پہلا سال ۹ نمبروں پر ختم کر دیا جائے اور جولائی سے دوسرا سال شروع کر دیا جائے، چنانچہ اسی خیال اور تجویز کے تحت یہ دوسرے سال کا پہلا اور دوسرا نمبر ہے جو حاضر خدمت ہو رہا ہے۔ چونکہ چندہ دو روپے ہے اور تین نمبر باقی ہیں اس لئے جو صاحب شروع یعنی جولائی ۱۹۵۴ء سے خریدار ہیں ان کی خدمت میں اب ایک ... ارسال کیا جائے گا، یا اگر وہ مناسب خیال فرمائیں تو وہ ڈیڑھ روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیں ہم انہیں جولائی سے جون ۱۹۵۶ء تک پورے سال کا خریدار سمجھ لیں گے اور جو بھائی بعد میں خریدار بنے ہیں وہ اپنے چندہ کی میعاد میں تین ماہ مزید اضافہ فرما لیں، مثلاً جو جنوری ۱۹۵۵ء سے خریدار ہیں ان کا چندہ دسمبر ۱۹۵۵ء کی بجائے مارچ ۱۹۵۶ء تک شمار ہوگا

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ بعض دوستوں نے جو معاملات کو زیادہ پیچیدہ بنانے میں اور صاف راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ فروری سے اپریل تک تو کوئی پرنٹر پبلشر ہی نہیں تھا تو نئے پرنٹر پبلشر کے نام سے فروری اور مارچ کا پرچہ کیسے نکل سکتا ہے جب کہ پرچہ کا ڈکلریشن ہی منسوخ سمجھا جا چکا تھا، حالانکہ ہم نے پچھلے پرچہ میں پہلے صفحہ پر چوکھٹے میں جلی حروف سے اور صفحہ ۸ پر تفصیل کے ساتھ پورے کالم میں اس امر کی وضاحت بھی کر دی تھی، تاہم اس قانونی سقم کو (بشرطیکہ اس میں کچھ جان بھی ہو) رفع کرنے کے لئے آپ اس پرچہ کو مئی اور جون کا سمجھ لیجئے اور فروری - مارچ اور اپریل کا خلا سمجھئے کہ ان مہینوں میں کوئی پرچہ شائع نہیں ہوا۔ لہٰذا جولائی سے حساب ہر طرح ٹھیک بیٹھتا ہے۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ آئندہ ہماری مدد کرے اور اس قسم کی پریشانیوں میں مبتلا نہ کرے۔ آمین۔

پرچہ کی ترتیب اور اس کا مقصد

قدرتاً ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تیار کردہ چیز پہلی چیز سے بہتر ہو، ہماری بھی یہی کوشش ہے کہ سنگم کا ہر پرچہ پہلے سے بہتر ہو، ہم اپنی بے سرو سامانی اور کم مائیگی کے باوجود اس کے لئے حد سے زیادہ کوشاں ہیں، لیکن جب تک خریدار ہماری سرپرستی نہیں فرمائیں گے ہمیں کامیاب ہونے میں بہت عرصہ لگے گا۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنی پالیسی میں تبدیلی نہیں کر سکتے اور جس مقصد کے لئے پرچہ نکالا گیا ہے اس پر سختی سے عامل رہیں گے کیونکہ روپیہ کمانا مقصد نہیں ہے، بلکہ علمی مذاق کو بہتر بنانا اور صحت مند لٹریچر پیش کرنا ہمارا مطمح نظر ہے، بزرگوں اور چھوٹوں میں جو بیگانگت پیدا ہو گئی ہے اسے ہم ختم کرنا چاہتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ دن رات میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے لئے بچے اپنے سرپرستوں اور بزرگوں کی صحبت میں ضرور بیٹھیں اور ان سے علم و ادب اور آداب مجلس سیکھیں اور بزرگ ان سے محبت اور شفقت سے پیش آئیں اور انھیں تمیز اور آداب معاشرت سکھائیں اور ایسی باتیں بتائیں جن سے ان میں بہادری، وطن پرستی قومیت اور سنگم (یعنی سچائی۔ نیکی۔ گیان اور محبت) پیدا ہو۔ وہ بزرگوں اور استادوں کا احترام کرنا فرض سمجھیں اور اپنے چھوٹے ساتھیوں اور بھائی بہنوں سے پریم اور آشتی کے ساتھ رہنے میں خاص قسم کا لطف و لذت محسوس کریں،

اسی لئے یہ پرچہ ہم نے نہ بڑوں کے لئے مخصوص کیا ہے اور نہ بچوں کے لئے، سرپرستوں اور استادوں کو اپنے بچوں کے مذاق اور حالات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیئے۔ اور یہ چیز ایک دوسرے سے رسمی تعلق کے علاوہ عام ربط ضبط کے بغیر حاصل نہیں ہوگی۔

> اگر آپ کو ہمارے اس مقصد سے اتفاق ہے تو کیا توقع کی جائے کہ آپ اس پرچہ کی اشاعت میں خاص طور سے ہماری امداد فرمائینگے

ہم اس پرچہ کی ترتیب پر نظر ثانی کر رہے ہیں اور ادارۂ تحریر میں بھی اضافہ کا خیال ہے انشاء اللہ اس سے آپ کو مسرت ہوگی۔

رجسٹریشن نمبر

"سنگم" اب ماشاء اللہ دوسرے سال میں قدم رکھ رہا ہے اور بغیر ڈی نمبر کے ہی اس کی گاڑی چلتی رہی، ایک پیسہ کی بجائے چار پیسے محصول ڈاک ادا کرتے رہے لیکن یہ سخت جان اس بوجھ میں دب کر فنا نہیں ہوا۔ اب حالت یہ ہے کہ "مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں"، اب ہمیں اس داستان کے بیان کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اب ہم اس کے متعلق ایک لفظ شکایت کا نہیں لکھیں گے، صرف آپ کی دلچسپی کے لئے بطور مسلسل کہانی یا افسانے کے اسے درج کرتے رہیں گے، ہمیں یقین ہے کہ آپ کو اس میں وہی لطف آئے گا جو کسی افسانہ پڑھنے میں آتا ہے لیجئے سنئے۔

اگر آپ نے پچھلے پرچے نہیں پڑھے ہیں تو ضرور پڑھئے اور آگے کا قصہ سنئے۔

انسپکٹر صاحب ڈاک خانہ جات حلقہ جامعہ نگر نے ہمارے رجسٹر اور کاغذات دیکھنے کے بعد نومبر ۱۹۵۴ء میں یقین دلایا تھا کہ دسمبر ۱۹۵۴ء کے پہلے ہفتہ میں آپ کو رجسٹریشن نمبر ضرور مل جائیگا۔ لیکن اس غریب کے اختیار میں کیا ہے، سیاہ و سفید کا اختیار تو دفتر کے بابو صاحب کو ہے۔ چنانچہ باوجود تحریروں اور دفتری حاضریوں کے نمبر نہ ملا اور فروری بھی ختم پر آ گیا۔ یکم مارچ کو اچانک ایک لفافہ ڈائرکٹر پوسٹل سروسز دہلی سرکل کے ہاں سے چٹھی رساں نے

لاکر ہمیں دیا اور ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر کار رجسٹریشن نمبر آگیا۔ لیکن کھول کر پڑھا تو ہوش اڑ گئے کیونکہ ہم مجرم قرار دیئے گئے تھے مراسلہ نمبر ۱۱۸ ڈی مورخہ ۲۸ر فروری ۵۵ء میں تحریر تھا کہ "ہمارے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ آپ کا پرچہ "سنگم" جس کا رجسٹرڈ نمبر ڈی ۱۱۸ ہے ڈاکخانہ جامع مسجد دہلی سے باقاعدہ تاریخ مقررہ پر ڈاک میں نہیں ڈالا جاتا۔ چنانچہ ماہ فروری میں یہ ڈاکخانہ سے نہیں بھیجا گیا۔ یہ بالکل بے قاعدہ بات ہے، مہربانی فرماکر آئندہ کے لئے یقین دلایئے کہ یہ مقررہ تاریخ پر باقاعدہ بھیجا جایا کرے گا۔ ورنہ بغیر کسی مزید اطلاع کے اس کا رجسٹریشن نمبر منسوخ کر دیا جائے گا۔"

ہمارا جواب سنے بغیر بتایئے آپ پر اس تحریر کا کیا اثر ہوا۔ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے!" صحیح ہے نا؟ ہم نے بذریعہ مراسلہ نمبر ۲۶۱ مورخہ ۲ر مارچ کو جواب لکھا کہ آپ نے ہماری توجہ اپنے خط نمبری فلاں اور مورخہ فلاں کے ذریعہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ ہم نے "ماہنامہ سنگم" ماہ فروری میں جامع مسجد دہلی کے ڈاک خانہ میں مقررہ تاریخ پر پوسٹ نہیں کیا۔ اس سے ہمیں بہت صدمہ ہوا، ہمیں بے حد حیرت ہے کہ ابھی تک تو ہمارے پرچہ کے لئے کوئی رجسٹریشن نمبر ہی نہیں ملا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ اس کو ڈاک خانہ میں پوسٹ کرنے کی کونسی تاریخ یا تاریخیں آپ نے تجویز فرمائی ہیں اور کس ڈاک خانہ سے اسے بھیجنا ہوگا، چہ جائے کہ اسکے عدم تعمیل کی شکایت پیدا ہو جب تک ہمیں ان سب باتوں کا علم نہ ہو ہم کیسے موردالزام قرار دیئے جا سکتے ہیں، مہربانی فرماکر مطلع کیجئے کہ آپ نے رجسٹریشن نمبر ہمیں کب عنایت فرمایا تھا۔

اب ذرا جواب ملاحظہ فرمایئے۔ جو ۱۴ر مارچ کو لکھا گیا۔ اور ۱۵ر کو ہمیں موصول ہوا۔

"بحوالہ آپ کے خط نمبر و تاریخ فلاں مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کا پرچہ رعائتی محصول ڈاک کے لئے اس دفتر میں رجسٹرڈ کیا جا چکا ہے جس کی اطلاع ہمارے دفتر سے بذریعہ خط مورخہ ۹ر دسمبر ۵۴ء سال ۱۹۵۵ء کے رجسٹریشن کے لئے آپ کو کر دی گئی تھی۔ تاہم آپ کی اطلاع کے لئے اس کی ایک نقل دوبارہ ارسال کی جا رہی ہے۔" اس نقل میں بہت سے قاعدے اور ہدایات درج ہیں

لیکن کام کی بات یہ ہے کہ آپ کا اردو ماہانہ پرچہ "سنگم" ۳۱ر دسمبر ۵۵ء تک کے لئے دفتر ہذا میں رجسٹرڈ کر دیا گیا ہے جس کا نمبر ۱۱۸ - D ہے اس خط پر ۹ر دسمبر ۵۵ء کی تاریخ ہے (بجائے ۵۴ء کے)

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ جب تمام اہم خطوط بذریعہ رجسٹری آتے جاتے ہیں تو ۹ر دسمبر ۵۴ء والا کیوں بذریعہ رجسٹری نہیں بھیجا گیا اور اتنی خط و کتابت ہوتے رہنے کے بعد جس اہم معاملے کی اطلاع دیجی تھی اس کا کوئی ثبوت تو ہونا چاہیئے تھا، نقل خط میں ۹ر دسمبر کے بعد ۵۴ء کی بجائے ۵۵ء کا لکھنا ہم نقل کی بھول سمجھ لیتے ہیں ورنہ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ بھی بہت احتیاط سے صحیح نقل کی جاتی۔

اس کا جواب ۱۶ر مارچ کو ہم نے دیا کہ آپ کا شکریہ کہ آپ نے "سنگم" کے رجسٹریشن نمبر سے ہمیں مطلع فرمایا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ "سنگم" اس مرتبہ بھی مقررہ تاریخ پر ڈاک خانہ میں نہیں دیا جا سکے گا۔ کیونکہ اس کے پرنٹر اور پبلشر پانچ چھ مہینے کی ٹریننگ کے لئے امریکہ چلے گئے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اس عارضی مدت کے لئے بھی ہم ان کے نام سے ان کی عدم موجودگی میں پرچہ نہیں نکال سکتے۔ اس لئے ہم نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو لکھا ہے کہ ڈکلریشن دوسرے شخص کے نام منتقل کر دیا جائے، جونہی منظوری آئی آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔ اور آپ سے پرچہ پوسٹ کرنے کی اجازت حاصل کی جائے گی فی الحال اس معاملہ کو زیر تکمیل کاغذات میں رکھئے۔

اس کے جواب میں ۲۹ر مارچ کا مراسلہ موصول ہوا کہ قواعد ڈاکخانہ جات کی دفعہ ۹۸ کے تحت اگر کوئی پرچہ ۳۱ دن کے اندر شائع نہ ہو تو اس کا رجسٹریشن نمبر ختم ہو جاتا ہے اس لئے آپ کے پرچہ کا نمبر منسوخ کیا جاتا ہے، البتہ جب آپ کا ارادہ اسے باقاعدہ شائع کرنے کا ہو تو دوبارہ رجسٹریشن نمبر لے سکتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بہت سے پرچے دو دو مہینے تاخیر سے نکلتے ہیں، لیکن ان کا رجسٹریشن کبھی منسوخ نہیں ہوا۔ اور ہم نے تو خود مہلت مانگی تھی۔ خیر جب نیا ڈکلریشن منظور ہو گیا تو مئی میں ہم نے ڈائرکٹر صاحب کو لکھا کہ اب ڈکلریشن کی منظوری آگئی ہے اور اس کے حکم کی اصلی کاپی ارسال کی جا رہی ہے، پرچہ تقریباً تیار ہے اور چونکہ کئی ماہ سے وہ بند ہے اور خریداران بہت بے چین ہیں اس لئے از راہ کرم سابقہ نمبر دوبارہ منظور فرمایا جائے تاکہ حسب سابق رعائتی شرح پر ہم پرچہ روانہ کر سکیں۔

ہماری کو جواب دیا جاتا ہے کہ باضابطہ پچاس خریداروں کی فہرست بھیجئے اور منسلکہ فارم کی خانہ پوری کرکے ازسرنو درخواست دیجئے۔ اور تازہ پرچہ کی دو کاپیاں بھیجئے "! انا للہ و انا الیہ راجعون۔

پہلے جس درخواست کی بناء پر رجسٹریشن نمبر دیا گیا تھا اس کے ساتھ ہم نے پچاس سے زیادہ خریداروں کی فہرست بھیجی تھی اور چونکہ ابھی ایک سال پورا نہیں ہوا اس لئے لازمی طور سے اب بھی جو فہرست بھیجی جائے گی وہ بھی بالکل وہی ہوگی جو پہلے بھیجی جا چکی ہے اور جسے اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر صاحب رجسٹروں میں باقاعدہ طور سے ملاحظہ فرما چکے ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام کارروائی اس طرح کرنے سے کیا فائدہ اور منشا ہے جس طرح سے نئے پرچے کے اجراء کے وقت کی جاتی ہے، خصوصاً جب کہ ہمارا فائل موجود ہے اور اس کے حوالے سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے، اور ہماری یہ درخواست موجود ہے کہ چند روز کے لئے اس معاملہ کو زیر تکمیل کاغذات میں رکھئے۔ نیا ڈکلریشن آتے ہی آپ کو مطلع کیا جائے گا۔ تازہ پرچہ کیسے بھیجا جا سکتا ہے اس کی تو اجازت ہی نہیں تھی اس کے نکالنے کے لئے تو یہ کوششیں ہو رہی ہیں، دوران سال میں چھاپہ خانہ کے کیپرا اور اخبارات کے پرنٹر و پبلشر بعض مجبوریوں کی بناء پر ہوتا بدلتے رہتے ہیں، اگر ہمیشہ یہی طریقہ کار اختیار کیا جائے جو بالکل نئی درخواستوں کے لئے کیا جاتا ہے تو دنیا کی گاڑی کا چلنا ہی دشوار ہو جائے اور یہ تو ماہانہ پرچہ ہے ورنہ روزانہ اخبارات کے لئے اس طریق کار سے نہ معلوم کیا انقلاب رونما ہو جائے، یہ سب سچ بولنے اور ایمانداری سے کام کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ہم سابقہ پرنٹر اور پبلشر کے نام سے ہی پرچہ نکالتے رہتے تو غالباً کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی اور یہ جھک جھک نہ کرنی پڑتی بہیجے یہ قصہ بھی ختم ہوا، انتظام کے لئے عقل کی ضرورت ہے ورنہ مشین ہر لحاظ سے آدمی سے بہتر ہے اس میں اور انسان میں صرف عقل و شعور کا ہی تو فرق ہے، آپ کسی جگہ بیٹھے ہوں اور ایک بچہ دوڑ کر آپ کی جگہ پر آجائے تو یقیناً آپ رک جائیں گے، لیکن اگر ایک مشین چل رہی ہو اور بچہ اس میں ہاتھ دیدے تو وہ فوراً دو ٹکڑے کر دے گی کچھ خیال نہیں کرے گی، اس لئے کسی کام کو کرنے کے لئے عقل سے کام لینا اشد ضروری ہے ورنہ محض مشینوں کی طرح کام کرنے سے گاڑیوں کا باہم ٹکرا جانا یقینی ہے اور سب کے لئے خطرناک ہے، خصوصاً اس شخص کے لئے زیادہ نقصان کا باعث ہے جو اس کو انجام دیتا ہے اور جو اس کا کرنا دھرتا کہلاتا ہے کاش! بابو صاحب اس رمز کو سمجھنے کی کوشش کریں! یہ قصہ ذرا طویل ہو گیا ہے اور ہمیں انتہائی ندامت اور افسوس ہے کہ ہم نے رسالہ کا کافی حصہ اس میں ضائع کر دیا لیکن یقین جانئے کہ اس مضمون میں اگرچہ علمیت اور ادبیت نہیں ہے تاہم ایسی بات ضرور ہے جو سب کے لئے غور طلب ہے اور جو محکمہ ڈاک کے افسران کے طریق پر روشنی ڈالتی ہے اور تاریخی حیثیت سے وزن رکھتی ہے جس کی اہمیت گو اس وقت قابل استہزا ضرور ہے لیکن معلوم ہو جائے گا کہ خشک اور خاموش لا کھوں میں بھی آداروں جان ہوتی ہے۔

سنگم کا مستقبل

کسی کڑیل سے کڑیل جوان کو اور ہٹے کٹے انسان کو دیکھ کر بھی گارنٹی نہیں دی جا سکتی کہ یہ اتنے سالوں تک زندہ رہے گا۔ صرف قیافہ اور ظاہری حالات سے ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح کسی ادبی پرچہ کے لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی عمر کتنی ہے حالات پر ہی دارومدار ہے خصوصاً جب کہ عام طور سے ملک کا مذاق خراب ہو اور ہمارا راستہ دوسرا ہو ہم کچھ چاہتے ہوں اور پبلک کچھ چاہتی ہو تو گاڑی کا کھینچنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اردو، اردو کا شور جتنا چاہو کر لو، جھنڈیوں کے ساتھ جتنا زور دار جلوس چاہو نکل والو، نعرے لگوا لو، گالیاں دلوا لو لیکن تعمیری کام کے لئے کہو تو خیر نہیں، گنتی کے چند آدمیوں نے اگر مدد کی تو کیا ہوا۔ سب بیکار ہے، ہماری ڈاک میں بہت سے خطوط ایسے ہوتے ہیں جن میں ہمیں فلمی تصاویر، افسانے، عشقیہ نظموں کا مشورہ دیکر لالچ دلایا جاتا ہے کہ پرچہ کی اشاعت تھوڑا کہیں سے کہیں پہنچ جائیگی ایسے بھی خطوط ہوتے ہیں جن میں پرچہ کو محض بچوں کا پرچہ بنا دینے پر زور دیا جاتا ہے، ہم سب محسنوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں، لیکن درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اس کو مدنظر رکھ کر وہ ہمارا اگر ہاتھ بٹانا چاہتے ہوں تو میدان میں نکلیں اور کچھ کرکے دکھائیں، ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ملک میں صحیح مذاق پیدا کرنے سے ہی ان کی بہت بڑی خدمت سمجھی جائے گی اور انھیں بہت جلد ہماری صداقت کا علم ہو جائے گا۔

جس سائز پر یہ پرچہ نکلتا ہے اس کے نصف سائز پر عموماً

تمام کتابیں ہوتی ہیں۔ سفید کاغذ کے ۱۶ صفحوں کی کتاب کی قیمت جس میں ۱۳ یا ۱۵ یا ۱۷ سطریں فی صفحہ ہوں دو آنے ہوتی ہے اور ٹائیٹل کا ایک آنہ ہوتا ہے بشرطیکہ وہ بلاک سے چھپا ہو گویا تین آنے قیمت ہوتی ہے، اسی حساب سے ۳۲ صفحے کی کتاب کے ۶ر ہوئے اب تک رسالہ سنگم کے نو نمبر نکلے ہیں جو اوسطاً بیس صفحے کے حساب سے ہیں گویا کتابی سائز کے ۴۰ صفحے ہوگئے اور فی صفحہ کم از کم ۲۷ سطریں ہوتی ہیں، گویا ڈیوڑھا مضمون پھر بلاک کی تصاویر بھی اکثر چھپتی رہی ہیں۔ گویا کتاب کے لحاظ سے ۹ر فی پرچہ سے کم قیمت نہیں ہونی چاہئے اور ہم نے صرف ۲ر فی پرچہ قیمت رکھی ہے۔ اور سال بھر کیلئے صرف دو روپے مع محصول ڈاک

ہم آپ کو نہیں بتا سکتے کہ سال بھر میں اس کے کتنے خریدار بنے ہیں۔ ہمیں ندامت معلوم ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ جی بھر کر روئیں اور محض تعریف کرنے والوں کے عقیدوں کا ماتم کریں۔ بس یوں سمجھئے کہ نو ماہ میں پونے دو سو روپے تو وصول ہوئے اور پونے گیارہ سو صرف ہوئے گویا سو روپے ماہوار کا نقصان رہا۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اردو کی خدمت اور اس کے چاہنے والوں کے عشق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں اور کب تک نبھا سکتے ہیں۔ لیکن دنیا بامید قائم جب ایک شخص ایسا بھی ہے جس نے بتیس سے زیادہ خریدار بنائے ہیں جس کا ذکر آپ دسمبر کے پرچہ میں پڑھ چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم مایوس ہوں اور اس تجربہ کو جاری نہ رکھیں۔

آپ اس تحریر سے کسی غلط نتیجہ پر نہ پہنچیے، ذیل کے خط کے جواب سے آپ کو مطمئن ہو جانا چاہئے۔

عبدالرحمٰن گنائی صاحب

بارہ مولا (کشمیر) سے ۱۵ اپریل ۵۵ء کو تحریر فرماتے ہیں، "نیازمند نے آپ کے رسالہ "سنگم" کا سالانہ چندہ مبلغ دو روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کر کے اس کی سالانہ خریداری قبول کی تھی اور رسید منی آرڈر کے موصول ہونے کے بعد صرف رسالہ "سنگم" کا ایک پرچہ ہی موصول ہوا۔ میں نے متعدد بار آپ کو کارڈ کے ذریعہ پرچہ نہ پہنچنے کی شکایت تحریر کی، مگر آپ نے نہ پرچہ ہی بھیجا اور نہ جواب ہی تحریر کرنا گوارا کیا۔ کیا وجہ ہے؟ اگر رسالہ سنگم بند ہوا ہے تو کیا یہ آپ کا فرض نہیں کہ آپ اس کا چندہ واپس کریں یا اس چندہ کی قیمت کی کوئی کتاب ہی ارسال کرنے اس حقیر رقم کے ہضم کرنے سے کیا آپ امیر بن جائیں گے؟ براہ کرم بواپسی ڈاک یا تو رسالہ جاری فرما دیں یا چندہ ہی واپس کریں یہی ایمانداری ہے، ورنہ چپ سادھنے سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا میں آپ کے جواب کا بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ فقط والسلام۔"

ہم نے رسالہ ہٰذا کے شروع میں ہی لکھا ہے کہ پرچہ نہ ملنے کے شکائتی خطوط موصول ہوتے رہے جن میں سے ایک دو کو جواب دینے میں کوتاہی ہوئی۔ اگرچہ اس آخری خط کا جواب ہم نے فوراً دے دیا تھا۔ تاہم مزید کیفیت درج کی جاتی ہے، گنائی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمارے بہت بڑے مہربان ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے جواب نہ دے کر ان کو تکلیف پہنچائی اور سخت ناراض کر دیا۔ ان کا یہ خط ہم نے صرف اس مقصد سے درج کیا ہے کہ انہی کا یہ خیال نہیں ہے بلکہ ان کے ہم خیال اور اصحاب بھی ہیں، ان سب کے اطمینان کے لئے ہم نہایت ایمانداری سے خدا کو حاضر و ناظر جان کر لکھتے ہیں کہ خریداران "سنگم" کا پیسہ ہمارے ذمے اس وقت تک قرض رہے گا جب تک ان کا حساب بے باق نہیں ہو جاتا۔

جو اصحاب اپنی خوشی سے پرچہ دیکھنے کے بعد خریدار بنتے ہیں اور سالانہ چندہ بھیج دیتے ہیں، وہ بھی اگر دوران سال میں کسی وجہ سے پرچہ کو پسند نہ فرمائیں اور اسے بند کرنا چاہیں تو ہمیں مطلع کر دیں ہم ان سے ۳ر فی ماہ کے حساب جتنے مہینوں کا پرچہ ان کو مل چکا ہوگا قیمت وضع کر کے باقی رقم انہیں بھیج دیں گے۔ منی آرڈر کمیشن ان سے وضع کر لیا جائے گا، لیکن اگر خدانخواستہ پرچہ بند کرنا پڑا تو دو روپے سالانہ کے حساب جتنے پرچوں کی قیمت باقی نکلتی ہوگی وہ ہم انہیں ضرور ادا کریں گے اور منی آرڈر کمیشن بھی اپنے پاس سے دیں گے۔ کیونکہ اس کا بار ہم پر ہے۔

> اس لئے پرچہ کا سالانہ چندہ بھیجنے میں آپ کو کسی قسم کا تردد یا فکر نہیں ہونا چاہئے خود بھی خریدار بنئے اور احباب میں بھی تحریک کیجئے۔

لائبریریوں کے منتظم صاحبان

اپنی لائبریری اور دارالمطالعہ کی زبوں حالی اور غربت کا افسانہ لکھ کر ہم سے نہایت رقت آمیز الفاظ میں "سنگم" مفت جاری کر دینے کی خواہش کا اظہار فرماتے رہتے ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ ہم ان کے

جذبۂ ایثار اور محنت کا احترام کر سکیے باوجود ان کے حکم کی تعمیل سے قاصر رہتے ہیں کیونکہ ملک بھر میں لاتعداد قومی اور امدادی کتب خانے ہیں اور ہم اگر سب کو بھیجنا شروع کر دیں تو جتنی تعداد میں پرچہ چھپتا ہے وہ بھی کتب خانوں کے لئے کافی نہ ہوگی، اور خریداروں کا نمبر تو آئیگا ہی نہیں، دو روپے تو محض حقیر سی رقم ہے اگر ایک ایک آنہ بھی کتب خانہ میں آنیوالوں سے وصول کیا جائے تو ایک سنگم نہیں دس "سنگم" آسانی سے خریدے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اگر "سنگم" کچھ مفید معلوم ہوتا ہو تو اس کے لئے دو روپے کی قربانی ضرور کیجئے اور پڑھنے والوں سے یہ رقم وصول کر کے بھجوا دیجئے، اور اگر چھپ نہیں ہے تو ہمارا کیوں نقصان کراتے ہیں اور ردّی چیز منگا نے اور لائبریری میں آنے والوں کا وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کساد بازاری کے زمانہ میں آپ کی سرپرستی کی جتنی ہمیں ضرورت ہے اتنی کسی دوسرے کو نہیں، ہماری داستان سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہئے۔

مفت پرچہ بھیجنا

بھی ضروری ہے اس سے بچا نہیں جاسکتا اخبارات و رسائل کے تبادلہ میں گرچہ اسے صحیح معنوں میں مفت نہیں کہا جاتا، قیمتی اور مفید پرچے دیکھنے کو ملتے ہیں جن سے عموماً بہت کچھ حاصل کیا جاتا ہے، تاہم ان کے لئے ہمیں انتظام تو کرنا پڑتا ہے، بعض مضمون نگاروں اور ملک کے اکثر ادیبوں اور شاعروں کو اپنی ضرورت کی بنا پر پرچہ بھیجنا پڑتا ہے "سنگم کتاب گھر" کے غیر معمولی سرپرستوں، ناشروں کتب فروشوں کو بھی نئی مطبوعات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پرچہ کا بھیجنا ضروری ہے، بعض کالجوں اور اداروں کو ہم سے ہر سال کتابیں خریدتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ہماری سرپرستی فرماتے رہتے ہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بعض احباب کو بھی نذرانہ دینا پڑتا ہے جو بغیر کسی معقول وجہ کے توقع رکھتے ہیں کہ انھیں سب سے پہلے پرچہ ملنا چاہئے، ورنہ وہ تعلقات کی بنا پر کچھ خفت سی محسوس کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے دل میں ان کی کوئی خاص وقعت نہیں ہے۔ مفت پرچہ طلب کرنے والے دارالمطالعوں، ریڈنگ روم کلب گھر اور کتب خانوں کی تعداد اگر دو چار ہوتی تو ہم بخوشی حاضر کر دیتے اب بھی بعض کو بھیجا جا رہا ہے۔ لیکن جس قدر حضرات کا مطالبہ ہے اس کی تعمیل فی الحال ہمارے لئے ممکن نہیں، اشاعت بڑھتی جائے گی تو پرچے کے زکوٰۃ یا خیراتی فنڈ میں بھی گنجائش نکالی جاسکیگی۔

مفت پرچہ بھیجنے کی ایک مد اور بھی ہے جو سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے وہ ہے ڈاک خانہ میں پرچہ کا گم ہو جانا۔ ہم نہایت احتیاط سے اور بہت اہتمام کے ساتھ پرچہ اپنی نگرانی میں ڈاکخانہ کے سپرد کرتے ہیں، لیکن پھر بھی بعض احباب سے پرچہ نہ پہنچنے کی شکایت موصول ہوتی رہتی ہے اس کے بدلہ میں پرچہ کا بھیجنا ہم پر بہت گراں گزرتا ہے، خواہ وہ ایک ہی پرچہ کیوں نہ ہو،

حمید اللہ صاحب زخمی

باغپت ضلع میرٹھ سے ہمارے بہت بڑے کرم فرما ہیں اور رسالہ کی اشاعت بڑھنے کے لئے واقعی بیتاب رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں پرچہ کئی ماہ بند رہا تو وجہ دریافت کی ہم نے جواب میں پرنٹر پبلشر کے چلے جانے سے جو صورت حال پیدا ہوگئی تھی اس سے انہیں مطلع کیا تو ایک خط میں لکھتے ہیں "اس قانونی نکتہ نے سنگم کی تیز رفتاری پر جو اثر کیا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے، اب پانچ چھ خریدار تیار ہوئے تھے، لیکن جب بھی کوئی مجھ سے یہ سوال کرتا ہے کہ "کہو بھئی تمہارا سنگم" آیا یا نہیں ؟" تو زخمی صاحب بکھئے کیا جواب دوں، دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ کبھی ڈاکخانہ کا ڈکلریشن نمبر نہیں ملتا۔ کبھی قانونی نقطہ کی جھپٹ میں آجاتا ہے، ابھی یہ، ابھی وہ، جب "سنگم" تمہارے پاس آنا شروع ہو جائے تب ہم سے کہنا"، بھائی صاحب آج کل پبلک کے پاس پیسہ نہیں رہا ہے، مگر جو اردو کے قدرداں ہیں وہ بھی رسالہ جات کو اپنائے جاتے ہیں (بشرطیکہ "سنگم" جیسے ہوں) ویسے میرے دوستوں کو "سنگم" بہت پسند ہے میرے خیال میں اگر آپ "سنگم" میں سوال و جواب کا اضافہ اور کر دیں تو اور اچھا ہو سکتا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟"

[زخمی صاحب! آپ نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے آپ کے احباب کے سوالات صحیح ہیں اور بہت پرلطف، طنزیہ انداز خوب اختیار کیا ہے، لیکن ہمارے واقعات بھی اپنی جگہ صحیح ہیں، اب امید ہے کہ پرچہ وقت پر ملتا رہے گا اور آپ کے احباب کو شکایت نہیں رہے گی جو مشورہ آپ نے دیا ہے، اس کے متعلق ہمارے

نہایت شریف بھائی لالہ رام دتال صاحب ساکن دانیوال ضلع جالندھر بھی اسی قسم کا خیال ظاہر کر چکے ہیں۔ جو اگست دسمبر ۱۹۵۴ء کے پرچہ میں رفتار سنگم کے تحت درج کیا جا چکا ہے، ہم اس کی پوری پوری تائید کرتے ہیں لیکن آپ سوال تو بھیجئے جواب بھی کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ دے ہی دے گا۔ اور ہاں ہمارے سوال کا جواب بھی تو دیجئے !!]

حقیقی ہمدرد کون ہے

حمید اللہ صاحب زخمی مدحون کو گذشتہ پرچہ پہنچنے کے بعد لکھتے ہیں: "کل سنگم مل گیا شکریہ۔ اعرصہ کے بعد جو ملا ہے تو عید کے چاند کی طرح محسوس ہوا اب کی بار سنگم میں ادبی مواد زیادہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ خوب اور زیادہ پسند کیا جائے گا۔ اب امید ہے کہ "سنگم" وقت پر ملتا رہیگا

ہمارے مہربان کے عنوان سے فروری و مارچ ۱۹۵۵ء کے صفحہ ۲ پر جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر تعریف کے پانچ حرفوں کے ساتھ ایک خریدار بنانے کی اطلاع بھی دی جایا کرے تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی ہمارے ساتھ حقیقی ہمدردی ہے" میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں ایسا ہی ہونا چاہیئے، سب سے اچھا ہمدرد وہ ہے جو بجائے زبان چلانے کے ہاتھ پیر چلائے اور اپنے دوستوں کو سنگم کا خریدار بنائے ہر آدمی آج کل فقط زبان سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اردو کا حامی ہوں مگر اردو کو اپنانے ہوئے ڈرتا ہے کیونکہ ..... (یہاں جو فقرہ درج ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے لیکن ہم اسے آئندہ کسی مناسب موقعہ پر خود ہی ظاہر کریں گے۔ ادارہ) ایک خریدار کا پتہ لکھتا ہوں، انہیں آپ وی، پی بھجوا دیجئے، وہ چھڑا لیں گے۔

[بھائی زخمی صاحب ! آپ کی تائید کا شکریہ لیکن ہم نے وی، پی نہ بھیجنے کا اصول بنا لیا ہے آپ ان سے دو روپے وصول کر کے منی آرڈر بھجوا دیجئے، اس وقت تک جن اصحاب نے وی، پی بھیجنے کے لئے تحریر فرمایا ہے، انہیں جب ہم نے منی آرڈر بھیجنے کو لکھا تو مشکل سے ایک یا دو اصحاب ہوں گے جنہوں نے توجہ فرمائی باقی سب نے چپ سادھ لی اگر انہیں "سنگم" سے دلچسپی ہوتی تو وہ یقیناً منی آرڈر بھیجکر اپنے آٹھ آنے کا خون نہ کرتے۔ لہٰذا "سنگم" سے دلچسپی پیدا ہونے یا نہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے]

رسالہ سنگم مفت بھیجا جائیگا

(۱) جو ادارے یا کتب خانے سنگم کتاب گھر کی مطبوعات ایک سو روپے کی سال بھر میں خریدیں گے، انہیں علاوہ معمولی کمیشن کے ایک سال کے لئے "سنگم" مفت بھیجا جائے گا

(۲) جو تاجران کتب ہم سے مال منگواتے رہتے ہیں ان کے لئے بھی شرط نمبر ۱ مندرجہ بالا کے مطابق یہی رعایت ہوگی۔

(۳) "سنگم بال سبھا" کے اراکین اگر اپنی رکنیت کی کتابوں کے علاوہ سال بھر میں پچیس روپے کی جو سنگم کتاب گھر کی شائع کی ہوئی کتابیں خریدیں گے تو انہیں بھی علاوہ مقررہ رعایت (کمیشن) کے سال بھر کے لئے "سنگم" مفت دیا جائے گا۔

(۴) عام خریداران جو وقتاً فوقتاً ہم سے مال منگواتے رہتے ہیں انہیں بھی سال بھر میں پچیس روپے کی مطبوعات سنگم خریدنے پر رسالہ مفت دیا جائے گا۔ بشرطیکہ اور کوئی رعایت نہ دی جا چکی ہو۔

پھر شکایت نہ کیجیئگا

بعض احباب کو اس میں خاص مزہ آتا ہے کہ وی، پی کے ذریعے کتابیں منگا کر وی، پی لینے سے انکار کر دیتے ہیں، اس سے نہ صرف کتابیں آنے جانے میں خراب ہو جاتی ہیں بلکہ محصول ڈاک اور رجسٹری کا کافی بار ہم پر پڑجاتا ہے اور ہمارے نقصان کا باعث ہوتا ہے اس لئے آئندہ ایسے اصحاب کا نام اور پتہ ہم رسالہ میں درج کرنا مناسب سمجھیں گے تاکہ ہمارے دوسرے معاصرین کو ان سے باخبر رہنے کا موقعہ ملتا رہے۔ بعض تو ایسے دلدادۂ اردو ہیں کہ وی، پی واپس آجانے کے بعد جب ان کو خط لکھا جاتا ہے تو خط کا جواب تک نہیں دیتے، اس سلسلہ میں ہم ایک لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں جس سے تفریحاً نقصان پہنچانے والے فرضی خریداروں کا سدباب کیا جا سکے۔

اعتبار اور بھروسہ کرنا سیکھئے

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں دوسرے ملکوں کی کمپنیاں قسطوں پر مال مہیا کرنے کی سہولتیں دیتی ہیں اور سالہا سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ کاروبار کر رہی ہیں، کپڑا سینے کی مشینیں ہزارہا آدمی قسطوں پر لیتے ہیں اسی طرح کئی کئی سو روپے کی کتابوں کے سٹ معمولی معمولی رقم کی ماہانہ قسطوں

بنائے جاتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے ملک میں خود اس قسم کی سہولتیں بہم نہ پہنچائیں اس لئے بعض اصحاب نے ہمیں ایسی کتابوں کے آرڈر دیئے جو ہماری مطبوعات بھی نہیں ہیں، اور وہ کئی کئی جلدوں میں ہیں، لیکن انھوں نے یہ لکھا کہ ہم چونکہ ملازم ہیں ایک دم اپنی تنخواہ سے پوری قیمت ادا نہیں کر سکتے اس لئے اگر آپ دو چار قسطوں میں ہم سے یہ رقم وصول کر لیں تو ہم ہر ماہ آپ کو اتنی رقم یا جو آپ مناسب خیال فرمائیں وہ تنخواہ ملتے ہی فلاں تاریخ تک بھیجدیا کریں گے، چنانچہ ہم نے ان کی خواہش کے مطابق مارکیٹ سے کتابیں خرید کر انھیں بھجوا دیں، ہمیں خوشی ہے کہ ہمارا تجربہ کامیاب رہا۔ اور اب تک ہمیں کسی نے شکایت کا موقع نہیں دیا۔

بعض تاجران کتب ہمیں لکھتے ہیں کہ اتنا مال بذریعہ ریل یا ٹرانسپورٹ کمپنی بھیجدیجئے اور بلٹی فلاں بینک کی معرفت بھیجدیجئے ہم نے مال بھیجدیا اور بلٹی بینک کی معرفت بھیجنے کی بجائے براہ راست انھیں بھیجدی کہ مال وصول ہونے پر رقم بھجوا دیجئے چونکہ یہ بات بالکل نئی تھی اور بھروسہ اور اعتبار کرنے کے متعلق تھی اس لئے انہیں بہت حیرت ہوئی اور خوشی ہوئی کہ ان پر اتنا اعتبار کیا گیا کہ بغیر کسی رقم کی وصولی کے مال بھیجدیا گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ اس میں بہت سے اندیشے ہیں اور یہ وادی پرخطر ضرور ہے، لیکن جب "سنگم" نے ملک میں اچھا علمی مذاق پیدا کرنے کے لئے لٹریچر شائع کرنیکا بیڑا اٹھایا ہے تو عملی طور سے ان شائقین علم کی مدد کیوں نہ کی جائے جو نادار ہیں، غریب ہیں اور جن پر محض اس وجہ سے اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی جیب میں اتنا پیسہ نہیں ہے کہ وہ ایک دم اپنی خواہش کے مطابق کتابیں خرید سکیں "غریب ہونا گناہ ہے اور ایماندار ہونا حماقت ہے" اس بُت کو توڑنے کی اشد ضرورت ہے اور اس کہاوت کو جھٹلانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ہم اپنے ایسے تمام مہربانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ "سنگم" کے تجربات کو کامیاب بنانے میں دل و جان سے ہماری مدد کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے ہم عصروں کی نظروں میں خفیف ہوں اور ہمیں ندامت سے کہنا پڑے کہ ہندوستان کے لوگ قابل اعتبار نہیں ہیں۔

ہمارا تجربہ کامیاب رہا تو ملک میں یہ طریقہ عام طور سے رائج ہو جائے گا۔ اور "سنگم" کو اس کی ابتدا کرنے کا ہمیشہ فخر رہے گا۔

قدیر احمد صاحب بریلوی تحریر فرماتے ہیں "میں نے آپکا پرچہ اسلامیہ انٹر کالج کی لائبریری میں دیکھا تھا حقیقت میں وہ قابل تعریف ہے، لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے اور میٹر بھی اچھا ہوتا ہے، میں کوشش کر رہا ہوں "سنگم" کے دو چار خریدار بنوانے کے لئے امید ہے کہ کامیابی ہوگی۔"

> رسالہ سنگم کے مضامین اخباری خبروں کی طرح نہیں ہوتے کہ انھیں سال بھر کے بعد ردی میں پھینکدیا جائے بلکہ ایک معیاری کتاب کا درجہ رکھتے ہیں ان میں بہت قیمتی معلومات ہوتی ہیں اس لئے آپ اس کے فائلوں کو محفوظ رکھئے۔ اگر گزشتہ سال کا مکمل فائل آپ کے پاس نہیں ہے تو پرانی قیمت پر ہی (تین آنے فی نمبر کے حساب) منگا لیجئے اور اگر آپ نے بالکل نہیں دیکھا تو دو روپے میں سال بھر کا فائل محفوظ کر لیجئے صرف چند جلدیں باقی ہیں، محصول ڈاک بھی آپکو ادا کرنا ہوگا

یہ اگر سچ ہے دہلی کے مشہور ہفتہ وار پرچہ "آئینہ" میں جو بلاشبہ قابل رشک پرچوں میں سے ہے اور نہایت قابلیت اور سلیقہ سے ایڈٹ کیا جاتا ہے ہر ہفتہ اس عنوان کے تحت کوئی نہ کوئی اہم واقعہ یا خبر درج ہوتی ہے اور اس پر بے لاگ تبصرہ ہوتا ہے، ۱۳؍ جون ۵۸ء کے پرچہ سے ہم مندرجہ ذیل نوٹ نقل کرتے ہیں:-

"اردو کو اس کے دشمنوں نے اتنا صدمہ نہیں پہنچایا جتنا خود دوستوں کے ہاتھوں پہنچا ہے، اس ایک جملے کی داستان تو لمبی ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف دو ایک تازہ واقعات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

مرکزی حکومت کی طرف سے تعلیم بالغان اور سوشل ایجوکیشن کے سلسلہ میں ہندی، اردو اور دوسری بڑی زبانوں میں عام لوگوں کی پڑھائی کے قابل FOLK LITERATURE

کی کتابیں یا کتابچے طلب کئے جاتے ہیں۔

کتابیں تیار کرنے والے اداروں اور مصنفوں کو گورنمنٹ کی طرف سے عام دعوت ہے کہ وہ چناؤ کے لئے اپنی اپنی کتابیں پیش کریں کتابیں تیار نہ ہوں تو مسودے ہی بھیجدیں۔ جو کتابیں یا مسودے منظور ہوں گے ان کی کئی کئی ہزار جلدیں بھی چھپوائی جائیں گی اور مصنفوں کو انعام بھی دیا جائے گا۔

۳۱ مئی اس چناؤ میں شریک ہونیوالوں کے لئے آخری تاریخ تھی، ہندی کے لیکھکوں اور پرکاشکوں کی طرف سے اندازاً پانچ سو کتابیں اس مقابلہ میں بھیجی گئیں، جن میں اچھی بھی تھیں بری بھی۔ لیکن اردو کی طرف سے بمشکل ایک درجن کتابیں پہنچیں، دلی میں پورا اردو بازار آباد ہے جہاں ایک پبلشر دوسرے پبلشر سے چند ٹکوں کی خاطر دونوں دست و گریبان رہتا ہے۔ لیکن پورے بازار سے دو کتابیں بھی اس مقابلہ میں شریک نہیں کی گئیں پچھلے سال ۵۰۰-۶۰۰ کتابیں اس چناؤ میں شریک ہونے کے لئے آئی تھیں جن میں پہلا دوسرا تیسرا انعام بانٹ دیا گیا۔ جس بورڈ پر سوشل ایجوکیشن کے لئے کتابیں چننے کی ذمہ داری ہے وہ اردو کی اس بے حسی یا بے بضاعتی سے اتنا بددل ہوگیا ہے کہ آئندہ اردو کتابوں کو مقابلے میں شریک کرنے کی دعوت سے ہاتھ اٹھا لینے کیلئے سوچ رہا ہے، جس کے بعد اردو والے نہ صرف ہائے واویلا کریں گے بلکہ اور زیادہ اداس ہو کر ایک دوسرے سے الجھنے اور ایک دوسرے کی کتابیں چھپا چوری چھاپ لینے کی ذلیل مہم اور تیز کر دینگے۔

ایسا ہی واقعہ پچھلے سال یوپی میں ہوا کہ حکومت یو۔پی نے تمام صوبے کی سرکاری نیم سرکاری لائبریریوں کے لئے کتابیں خریدنے کے لئے جو کئی لاکھ کی رقم منظور کر رکھی ہے اس میں تہائی سے کچھ کم حصہ اردو کی کتابیں خریدنے کے لئے وقف ہے۔ ان کتابوں کو چننے کے لئے اردو کے ادیبوں اور پروفیسروں کی کمیٹی بھی مقرر ہے، سرکاری بورڈ کی طرف سے بار بار کمیٹی کے ممبروں کو لکھا گیا کہ وہ اپنی میٹنگ کریں اور مقابلے کی کتابوں میں چناؤ کرکے اپنے فیصلے سے حکومت کو آگاہ کریں۔ تاکہ یہ کتابیں خرید لی جائیں لیکن پورا سال گزر گیا اور اردو کی بدولت آرام اور عزت کی زندگی بسر کرنے والے ان نامور اور ذی ہوش لوگوں کو میٹنگ کرنے کی توفیق نہ ہوئی، نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا کہ میعاد گزر گئی اور کتابیں ردی کی ٹوکری میں چلی گئیں، یوپی اور بہار سے دو ایسے ہی واقعات کی اطلاع ملی ہے جن میں اردو کتابوں اور ادیبوں کی حق تلفی خود علم برداران اردو کی وجہ سے ہوئی ہے۔

یہ اگر سچ ہے تو اردو والوں پر اسی ادبار کا نتیجہ ہے اور اسی غفلت اور تماش بینی کی دوسری شکل ہے جس کی پہلی شکل مشاعرہ بازی اور شاعر خیزی کی وبا کے طور پر ہمارے سامنے ہے اور اس کا انجام معلوم!

اب سنئے ہماری رائے

صاحب تبصرہ نے شروع میں ہی خود فرما دیا ہے: "کہ اس ایک جملہ کی داستان تو لمبی ہے ......" ورنہ ہم بھی اس داستان کو اپنے تاثرات کے مطابق پیش کرتے۔ اب اس سارے نوٹ کو ہم اس داستان کا ایک اہم جزو قرار دیتے ہیں۔

آئینہ اتنا اچھا پرچہ نکلتا ہے کہ ہم اس پر جتنا فخر کریں وہ کم ہے ہم اس کے کاشاف کے چھوٹے سے چھوٹے کارکن کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن اردو بازار کے پبلشرز کے متعلق جو جملہ انھوں نے استعمال کیا ہے اور جسے ہم نے جلی حروف میں درج کیا ہے وہ اگر صحیح بھی ہو تب بھی آئینہ جیسے موقر پرچے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے کسی طرح بھی جائز اور مناسب نہیں۔ گالی دیئے بغیر بھی ہمیں شرمندہ کیا جا سکتا تھا۔ بلکہ ہم تو نوٹ کے اصلی مطلب اور منشا سے ہی کافی نادم ہیں، پھر اس پر مزید تازیانہ لگانا اور ہمیں دنیا بھر میں ذلیل و رسوا کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ اردو بازار میں ممکن ہے کہ بعض کو بعض سے پرخاش ہو اور ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے رقابت کی آگ سلگتی ہو لیکن ہم بہت سے پبلشرز کے متعلق وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس ذلیل ریمارک سے بالکل بالاتر ہیں۔ خود سنگم کے متعلق ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے "چند ٹکوں" کی خاطر کسی سے "دست و گریباں ہونے" کا خیال تک نہیں آنے دیا۔ اس کی ساکھ اور صداقت تمام مارکیٹ میں ایک خاص وقعت رکھتی ہے۔

ہم مندرجہ بالا نوٹ کے صاحب تحریر سے مؤدبانہ درخواست کریں گے کہ وہ از سر نو غور فرمائیں۔ خصوصاً جب کہ ان کا یہ قول بھی صحیح نہ ہو کہ پورے بازار سے دو کتابیں بھی اس مقابلے میں

شریک نہیں کی گئیں۔ اگر مرکزی حکومت میں ان کا رپورٹر موجود ہے تو اس نے صحیح رپورٹ دینے میں احتیاط سے کام نہیں لیا ہے اور اگر نہیں ہے تو پھر اعداد و شمار فراہم کرنے کے بعد رائے قائم کرنی چاہیئے تھی۔

کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ دہلی میں اُردو پبلشرز کی ایک انجمن کچھ عرصہ سے قائم ہے جس کے جلسے کبھی کبھی اردو ہال میں یا دفتر "بلٹز" میں یا کسی دوسری جگہ ہوتے رہتے ہیں اور جس کے عُہدیداروں میں مالکانِ "آئینہ" کا بھی شمار ہے۔ پھر کیا اس انجمن کے لئے جو اُردو کی ترقی و بقا اور بہبود و تحفّظ حقوق کی دعویدار ہے مناسب نہیں تھا کہ کسی اعلان یا مراسلے کے ذریعے یا کسی پیغامبر کی معرفت تمام ناشرین کو اس اہم مقصد اور حکومت کے اعلان سے باخبر کرتی اور ان سے کتابیں تیار کرنے یا بھیجنے کے لئے کہتی۔ ہر پبلشر کی رسائی حکومت کے دفاتر تک نہیں ہے اور نہ ہی حکومت کا مراسلہ یا اعلان ہر پبلشر کو بھیجا جا سکتا ہے، پھر اس غریب کو اس اعلان کی خبر کیسے ہو۔ سرمایہ دار ناشرین اور خود غرض اصحاب چُپکے چُپکے یہ کام کرتے رہتے ہیں اور پھر حکومت کے کرتا دھرتا بابوؤں کے پاس بھی پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں اگر اُردو کی ترقی کی لگن ہو تو وہ کوشش کریں اور پروپاگنڈا کریں کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ کتابیں تیار کرائی جائیں۔ بہترین لکھائی چھپائی ہو۔ قابلیت سے لکھی گئی ہوں اور معیاری ہوں اور ملکی ضروریات اور وقت کی اہمیت کے مطابق ہوں۔ خصوصاً جب کہ ان بدبختوں نے اپنی انجمن بنا کر اپنا نفع و نقصان دوسروں کے سپرد کر دیا ہو ایسی حالت میں اُردو بازار والوں کی شکایت کرنا ان پر ظلم کرنا ہے۔ لیکن سال بھر سے زیادہ ہونے کو آیا ابھی تک تو اس انجمن نے اپنے قواعد و ضوابط بھی مُرتب نہیں کئے اور نہ ہی اس کے مقاصد کا علم اس کے اراکین تک کو ہے۔

کیا اس سلسلے میں ہماری شکایت پر بھی غور ہو سکتا ہے؟ ہمیں گذشتہ سال انعامی کتب کے سلسلے میں معلوم ہوا کہ کتب داخل کرنے کی تاریخ ۱۵ جون تک بڑھا دی گئی ہے۔ چنانچہ ۱۲ جون ۱۹۵۴ء کو ہم نے سوشل ایجوکیشن افسر دلی سٹیٹ (اولڈ سکریٹریٹ دہلی) کے نام ایک خط بذریعہ رجسٹری بھیجا جس میں چار کتابیں اور ہر ایک کی چار چار کاپیاں بھیجنے کی اطلاع دی کہ انہیں انعامی کتب کی فہرست میں شامل کر دیا جائے اور رجسٹری پیکٹ کے ذریعے سولہ عدد کتابیں بھیجیں جن کی رسید ۱۴ جون کو وہاں پہنچنے کی مل گئی۔ خدا معلوم ان کتابوں کا کیا حشر ہوا کیونکہ سوائے ڈاکخانے کی رسید کے اور کوئی اطلاع ہمیں نہیں ملی۔ یاددہانی کا بھی جواب نہیں آیا۔ انگریز کی ہر بات سے ہمیں نفرت نہیں کرنی چاہیئے وہ جو کچھ ہمیں ورثہ میں دے گیا ہے اس میں فرقہ وارانہ فسادوں کا ذکر کر کے اسے بدنام نہیں کرنا چاہیئے وہ تہذیب اور اخلاق بھی سکھا گیا ہے، دفتری آداب میں خطوں کا جواب دینا اور کتابوں کی وصولی کی اطلاع دینا بھی شامل ہے جس سے ہماری حکومت کے دفاتر تک عاری معلوم ہوتے ہیں اور غالباً اسے انگریز کا ورثہ سمجھ کر استعمال نہیں کرنا چاہتے۔ لطف یہ کہ کتابیں پہنچنے کی جو رسید ڈاکخانہ کی معرفت آئی ہے اس پر جامع مسجد کے ڈاکخانے کی (جہاں سے کتابیں رجسٹری سے بھیجی گئی تھیں) یا دہلی کے کسی بھی ڈاکخانہ کی کسی قسم کی مُہر نہیں ہے۔ صرف وصول کنندہ کے دستخط ہیں اور کسی قسم کی علامت ڈاکخانے میں جانے یا آنے کی نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ بڑے ڈاکخانہ کی ڈاک سے یہ رسید ہمیں واپس ملی ہے۔

"اس معاملے میں کیا رائے ہے؟"

اب رہا یو۔ پی کا معاملہ۔ وہاں اگر کمیٹی نے اپنی میٹنگ ہی نہیں بلائی تو حکومت کو چاہیئے تھا کہ ایک تاریخ مقرر کر کے ان کو متنبہ کرتی کہ اگر فلاں تاریخ تک فیصلہ نہ کیا گیا تو ہم دوسری کمیٹی مقرر کر دیں گے۔ یا اخبارات میں اعلان کرتی کہ فلاں فلاں صاحب کمیٹی کے رکن مقرر کئے گئے تھے لیکن انہوں نے باوجود متعدد بار یاددہانی کرانے کے کوئی میٹنگ نہیں کی اس لئے ان کی بجائے اب فلاں فلاں اصحاب کا تقرر کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر دیکھتے کہ عمر بھر کے لئے کمیٹی کے ارکان کا نشہ ہرن ہو جاتا۔ اور کاہلی سُستی اور لاپروائی کا خمار رفوچکر ہو جاتا۔ یا ادیبوں اور ناشرین کو ہی دادیلا کر کے اپنا یہ حق طلب کرنا چاہیئے تھا کہ ہمارا کیا قصور ہے۔ ہماری کتابوں کو کسی دوسری کمیٹی کے سپرد کیا جائے۔ اور بجٹ میں جو رقم ہمارے لئے مخصوص ہے اُسے ضرور صرف میں لایا جائے اس کی بچت نہ کی جائے۔

یہ صحیح ہے اور ہم "آئینہ" کے اس ریمارک سے متفق ہیں کہ "اُردو کو اس کے دشمنوں نے اتنا صدمہ نہیں پہنچایا جتنا خود دوستوں کے ہاتھوں پہنچا ہے"۔

ماؤنٹ ایورسٹ کی فتح

کے مصنف محمد امین صاحب ایم اے

اس ماہ ہم سرورق کو جناب محمد امین صاحب ایم۔ اے (جغرافیہ) کی شبیہ سے مزین کر رہے ہیں جو ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں جغرافیہ کے استاد اور لکچرر ہیں جغرافیہ ان کا خاص مضمون رہا ہے اسی وجہ سے انہیں اسی مضمون کے متعلق کتابیں لکھنے کا بہت شوق ہے خصوصاً بچوں کے لئے وہ عام فہم زبان میں اور نہایت سادہ انداز میں چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھتے ہیں، جسے بچے بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں یہ کتابیں پرائمری سے لے کر ہائی اسکول تک کے طلبا کیلئے ہیں ایک کتاب انھوں نے ماؤنٹ ایورسٹ کے متعلق لکھی جس میں مجمل طور سے ان تمام مہمات کا ذکر تھا جو وقتاً فوقتاً مختلف ممالک کے لوگوں نے ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھنے کے لئے اختیار کیں اور جن میں کئی قیمتی انسانی جانیں تلف ہوگئیں جب یہ چوٹی فتح ہوگئی تو "ایورسٹ کی فتح" کے نام سے ماؤنٹ ایورسٹ کا دوسرا حصہ لکھا اور اس میں مختصر طور سے اس مہم کے حالات لکھے جس نے اس بلند ترین چوٹی پر چڑھنے میں کامیاب ہونے کا دعویٰ اور اعلان کیا۔ ایک کتاب "مصنوعی بارش" کے نام سے لکھی جس میں بتایا گیا کہ جہاں خشک سالی ہوا اور بارش نہ ہوتی ہو وہاں مصنوعی طریقے سے کس طرح بارش کی جا سکتی ہے اور ایک ملک سے بادل دوسرے ملک میں کس طرح بھیجے جا سکتے ہیں۔ ایک اور کتاب "سورج اور اس کا خاندان" کے نام سے تحریر کی جس میں سیاروں کا ذکر ہے اور سال بھر میں ان کی حرکات کا راستہ اور اس کا اثر دکھایا گیا ہے اور بچوں کے لئے بہت مفید معلومات تصاویر کے ذریعے مہیا کی گئی ہیں "زمین کی کہانی چٹانوں کی زبانی" ایک اور کتاب زیر طبع ہے یہ سب کتابیں مکتبہ جامعہ سے شائع ہوئی ہیں۔ ایک کتاب "چاند کی کہانی" بھی تیار کی ہے۔ اس لئے اس مرتبہ ہم امین صاحب کی زندگی کے مختصر حالات بیان کر رہے ہیں جو یقیناً آپ کی دلچسپی کا باعث ہوں گے

تاریخ و مقام پیدائش

یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو یعنی گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک شروع ہونے کے ٹھیک جامعہ ملیہ کے قائم ہونے کے تین سال بعد ضلع اعظم گڈھ کے مقام سریاں میں پیدا ہوئے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی۔ نہایت ذہین اور ممتاز طلبہ میں سے تھے ہر جماعت میں اول آتے رہے پانچ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کر کے اردو کی تعلیم شروع کی ۱۹۲۸ء میں ان کے والد بزرگوار نے مدرسے سے اٹھا لیا اور انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا۔ داخلے سے پہلے والد محترم نے بیٹے سے دریافت کیا "انگریزی پڑھو گے؟" "کیوں نہیں ابا جان! آپ جو بھی تعلیم دلوائیں گے میں اسے شوق سے حاصل کروں گا۔" اسمتھ ہائی اسکول عظمت گڈھ (ضلع اعظم گڈھ) میں آٹھ سال تک انگریزی تعلیم حاصل کی اچھے درجہ میں اول دوم آتے رہے اور اسکول کی ادبی اور سماجی سرگرمیوں میں نہایت شوق سے حصہ لیتے رہے لکھنے پڑھنے میں اچھے ہونے کے ساتھ ساتھ کھلاڑی بھی بہت اچھے تھے۔ خصوصاً ہاکی سے بہت دلچسپی تھی گویا کہ اس امر کے قائل تھے کہ ہر کام وقت پر کرنا چاہیے، پڑھنے کے وقت پڑھنا اور کھیل کے وقت کھیلنا چاہیے ۱۹۳۸ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا اور جب اسکول سے رخصت ہونے لگے تو اساتذہ صاحبان اور دیگر کارکنان نے الوداع کہا۔ اور یہ محسوس ہوا کہ گویا ایک سپوت فرزند اپنی مادر درسگاہ سے جدا ہو رہا ہے، جارج اسلامیہ انٹرمیڈیٹ کالج گورکھپور سے آرٹس انٹر کا امتحان ۱۹۴۰ء میں پاس کیا۔ کالج کی زندگی بہت اچھی تھی اور امین صاحب نے اپنی زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ تعلیم حاصل کرنا ہو تو آدمی کو کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں انھیں ایسے احباب بھی ملے جو ایک طرف تو نظم و ضبط کے قائل، بہت حساس اور بیدار مغز اور محنتی و جفاکش تھے اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی ملے جو مکار، کینہ پرور اور منافق تھے۔ انہیں کئی بار کالج کی زندگی میں ایسے مواقع ملے جب کہ ان کے سامنے بھلا اور برا سب یکساں مسئلہ تھا۔ ہر موقعے پر انھوں نے بلا تامل سفید کو سفید اور سیاہ کو سیاہ کہا۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹۴۰ء میں بی۔ اے (تھرڈ ایر) میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں داخلہ لیا۔ بچپن میں ان کی شادی ہوگئی تھی جسے انھوں نے طلاق دے کر آزاد کر دیا۔ بی۔ اے کا پہلا سال تو مشاہدہ میں اور احباب کو پرکھنے میں گزرا۔ البتہ فائنل میں ان کو اپنے ہم خیال احباب مل گئے۔

۱۹۴۴ء میں انھوں نے علیگڈھ سے جغرافیہ کے مضمون پر سیکنڈ ڈویژن میں ایم اے پاس کیا بچپن سے انہیں اعلیٰ تعلیم

حاصل کرنے کی لگن تھی اور گاؤں میں رہنے اور مکتب میں ابتدائی تعلیم کا زمانہ گذارنے کے باوجود جو بات ٹھان رکھی تھی اس کو پورا کرکے ہی دم لیا اور ایم۔اے کر لیا۔

لیکن اب بھی انہیں اطمینان نہیں ہوا اس لئے ۱۹۳۳ء میں پی،ایچ،ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے ریسرچ کا کام شروع کیا۔ دسمبر ۱۹۳۵ء تک نہایت مستعدی سے یہ کام کرتے رہے تھے کہ جنوری ۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں جغرافیہ کے لکچرار مقرر ہو گئے سال بھر تک وہاں کام کرنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں جغرافیہ کے لکچرار کی حیثیت سے چلے گئے۔ وہاں ان کا جی نہ لگا اگرچہ وہاں کے پرنسپل مسٹر تیمور نے انہیں بہت روکنا چاہا۔ لیکن یہ علیگڈھ چلے آئے اور اپنا ریسرچ کا کام از سر نو شروع کر دیا اور دہلی میں دو تین ماہ قیام کرکے مقالہ لکھنے کی تیاری کرتے رہے۔

۱۹۳۶ء میں علیگڈھ یونیورسٹی میں جغرافیہ کے لکچرار مقرر ہو گئے اور علیگڈھ سے ان کو جو محبت اور انس تھا اس کی بنا پر وہ وہاں کی کشش سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے اور ۱۹۳۹ء تک لکچرار رہے، لکھنے پڑھنے کا جو شوق طالبعلمی کے زمانے سے تھا اس کے لئے علیگڈھ کا ماحول کچھ مفید ثابت نہ ہوا کیونکہ ان کے ساتھیوں کو کلب لائف کا جس قدر شوق تھا اتنا مضامین لکھنے، کتابیں مرتب کرنے یا تحقیقات کے کام کرنے کا نہیں تھا۔ تاہم انھوں نے علیگڈھ کی زندگی میں ہی یہ محسوس کیا کہ روزمرہ کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ انسان اور وہ بھی شائق علم انسان کو دنیا میں کوئی نہ کوئی اور بھی مفید کام کرنا چاہئے انھوں نے جغرافیہ کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول رکھی اور جغرافیہ ہی جغرافیہ ان کے تصورات اور خیالات میں بس گیا۔

مسلم یونیورسٹی اسٹاف میں تین سال تک شامل رہے اور وہاں کے ارباب حل و عقد سے تعلقات ہو جانے کے باوجود وہ وہاں کی لائف سے مطمئن نہ ہو سکے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں وہ جامعہ ملیہ دہلی میں چلے آئے اور یہاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ ہمیشہ اس امر کے شاکی رہے کہ علیگڈھ میں شعبہ جغرافیہ بھی سیاست کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں رہا۔ وہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب وائس چانسلر سے ملے اور ان سے وہاں کے مسائل پر گفتگو کی۔ ذاکر صاحب اور دیگر ذمہ دار اصحاب نے ہر طرح کی امداد کا وعدہ فرمایا۔

لیکن اس کے باوجود وہ اس کشمکش کو برداشت نہ کر سکے اور علیگڈھ کو خیرباد کہنا ہی پڑا۔

جامعہ میں آنے کے انھوں نے دو مقصد بیان کئے ہیں پہلا تو یہ کہ یہاں جغرافیہ کے مضمون کو بہت زیادہ مقبول بنا کر دم لیں گے۔ دوسرے یہ کہ اپنے فرائض کے علاوہ بھی طور سے لکھنے پڑھنے کا کام انجام دیتے رہیں گے۔

جامعہ میں آنے کے بعد اس میں کچھ شک نہیں کہ مدرسہ ثانوی۔ دہلی اسکول۔ اور کالج میں طلبہ کو اس مضمون سے خاص لگاؤ ہو گیا۔ انھوں نے جغرافیہ سوسائٹی کی بنیاد رکھی جامعہ کے تعلیمی میلوں کے موقعوں پر جغرافیہ کے متعلق طلبہ کے تیار کردہ چارٹس، نقشوں اور کتابچوں کی بہت اچھی نمائش کراتے رہے۔

انھوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا جس کا ذکر اس مضمون کے شروع میں ہم کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مضامین رسالہ "نئی روشنی" میں مسلسل شائع ہوتے رہے۔ "قومی آواز" اور "آجکل" اور دیگر اردو کے رسالوں میں جغرافیائی مضامین لکھتے رہے۔

آل انڈیا ریڈیو سے بھی کبھی کبھی ان کی تقریر سننے میں آ جاتی ہے انھوں نے اپنا مقالہ بھی تیار کر لیا ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ان کا ارادہ اپنے آپ کو جغرافیہ میں —— specialise کرنے کا ہے اللہ پورا کرے، آمین۔

امین صاحب فطرتاً خاموش طبیعت واقع ہوئے ہیں۔ ان میں صبر و تحمل بھی بہت زیادہ ہے انہیں کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو پیشانی پر بل تک نہیں آنے دیتے، وہ بہت بامروت اور با اخلاق انسان ہیں۔ ہر مسئلہ کو حقائق کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ انسانی بقا کے مسائل سے بہت گہری دلچسپی رکھتے ہیں جغرافیہ سے خاص لگاؤ ہونے کی وجہ سے وہ دنیا کے تمام ملکوں کے حالات سے بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں ان کا خیال ہے کہ جب تک کوئی طالب علم جغرافیہ نہیں پڑھے گا یا اس مضمون کو سیکھنے کا خاص جذبہ نہیں رکھے گا اس وقت تک وہ ملکی مسائل یا دنیا کے کسی ملک کے معاملات ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکیگا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ملک کے لئے اور زیادہ مفید بنائے۔ اور ان کی خدمت خلق کے جذبے کو اور زیادہ نمایاں کرے۔ آمین۔

(افسانہ)

خدا محفوظ رکھے

از شاہد علی خاں صاحب

[شاہد صاحب مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ جامع نگر دہلی کی شاخ واقع جامع مسجد اردو بازار دہلی کے انچارج ہیں بہت شریف محنتی اور ایماندار کارکن ہیں۔ باوجود دن رات مکتبہ جامعہ کے کاروبار میں مصروف رہنے کے علمی شغف بھی رکھتے ہیں۔ پچھلے دنوں وہ ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر وطن تشریف لے گئے، وہاں سے واپس آکر انھوں نے ہمیں ذیل کا مضمون برائے سنگم مرحمت فرمایا۔ جو نہایت دلچسپ ہے اور عام گھریلو ہندستانی زندگی کا بالکل صحیح خاکہ پیش کرتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہوئے تو ہچکچاتے ہیں کہ یہ ان کی اپنے ہی کسی عزیز گھرانے کی سچی کہانی ہے۔ لیکن تحریر کے انداز سے اتنا پتہ تو ضرور چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے آس پاس اس قسم کی زندگی کا نہایت دلچسپی کیساتھ مطالعہ کیا ہے اور ان میں اس کے پیش کرنے کی بہت اچھی صلاحیت ہے۔ وہ باوجود سنگم کتاب گھر کے بالکل متصل کام کرنے کے رسالہ کے خریدار ہیں اور مفت خوری کے جذبہ سے بالاتر ہیں اتنی سی بات سے ہی ان کی زندگی کے تمام پہلو اجاگر ہوجاتے ہیں۔ ہم مضمون شکریہ کیساتھ درج کرتے ہیں]

خدا رکھے ہماری خالہ کو جب سے ہمارے یہاں آئی ہیں سارے گھر میں بچے ہی بچے نظر آتے ہیں ایک اوپر ایک درجن تو اللہ رکھے ان کے اپنے ہی بچے ہیں اور پھر خدا جھوٹ نہ بلائے چھ بھائی اور دو بہنیں ہم خود ہیں۔ یعنی صرف دو گھر کے بچوں کی تعداد تیرہ اور چھ انیس اور دو اکیس۔ کل اکیس عدد۔ اپنے گھر میں سب سے بڑا میں ہوں میری عمر اس وقت سترہ سال کی ہے، نویں میں پڑھتا ہوں۔ خالہ جان کا سب سے بڑا لڑکا رحمت ہے اس کی عمر سولہ سال کی ہے تین سال سے چوتھے درجہ میں ہے، خالہ جان اسکے بے حد لاڈ کرتی ہیں جب اس کا دل چاہتا ہے اسکول چلا جاتا ہے۔ گھر میں کسی کی مجال نہیں جو اسے ڈانٹ ڈپٹ کرے اور اسکول بھیجے۔ ویسے عادت کا برا نہیں ہے۔ نقل تو بہت ہی اچھی کرتا ہے اور خاص طور پر چنے والے کی بس سنتے سنتے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں۔ ہاں تو میں آپ سے بچوں کی تعداد کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ دو گھر کے بچوں کی تعداد اکیس ہوچکی تھی — اب اور سنئے وہ کہتے ہیں نا — "مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی" تو آج صبح ہی صبح ہماری پھوپی جان مع اپنی فوج کے آدھمکیں اور اب بچوں کی یہ تعداد ایک کم تیس تک پہنچ گئی۔ بھلا سوچئے تو جس گھر میں اتنے بچے ہوں وہ گھر معلوم ہوگا یا مچھلی بازار۔ بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہوجاتی آگے چلئے۔ آپ نے بزرگوں کے منھ سنا ہوگا کہ روپیہ کو روپیہ کھینچتا ہے — بالکل اسی طرح بچے کو بچہ کھینچتا ہے اور سارے محلے کے لڑکے ہمارے یہاں جمع ہوجاتے ہیں اور پھر جو دھما چوکڑی شروع ہوتی ہے تو توبہ ہی بھلی۔ کیا مجال جو آپ اپنی آواز خود سن لیں۔ جب بھی سنیں گے بھاگنے کی آواز، کودنے کی آواز، چیخنے چلانے کی آواز، مارنے پیٹنے کی آواز۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز۔

ابا جان کہتے ہیں مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ جب کوئی مہمان آئے فوراً خدا کا شکر بجا لاؤ۔ اب بھلا بتلائیے جب رحمت یہ ہے تو عذاب کیا ہوگا۔ کون سمجھدار آدمی ایسے موقع پر شکر ادا کرے گا۔ میرا اپنا تو یہ خیال ہے کہ اگر کسی نے میرے گھر میں شکر ادا کیا تو اس کی سات پشت تک بہری پیدا ہوں گی

اور سناؤں آپ کو ایک مزے کی بات۔ کل شام کو خالہ جان اپنے چھوٹے لڑکے نعمت سے کہہ رہی تھیں۔ "بیٹا! اللہ میاں سے دعا کرو کہ وہ تمہیں ایک بھائی اور دیدے" اتفاق کی بات امی کے کانوں میں بھی یہ آواز پہنچی تو انھوں نے خالہ جان سے کہا "اے خدا کی مار تم پر تیرہ بچے ہوگئے اور اب بھی تمنا ہے!"

خالہ جان نے کہا "نہیں بہن یہ بات نہیں تین تیرہ برے ہوتے ہیں نا؟ میں تو اسی وجہ سے کہہ رہی تھی"

"تو پھر یہ دعا کیوں نہیں مانگتیں کہ انہیں میں سے ایک کم ہوجائے" امی نے جل کر کہا۔

بات یہ تھی کہ امی کئی دن سے غصے میں بھری بیٹھی تھیں۔ خالہ جان کے بچوں نے ان کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ کسی نے صراحی پھوڑ دی۔ کسی نے کیتلی توڑ دی — ایک نے پکتی ہوئی ہانڈی الٹ دی اور رحمت نے تو غضب ہی کر دیا۔ نقل کرتے کرتے امی کی عینک اس زور سے زمین پر دے ماری کہ اس کا شیشہ

اور کمائی چکنا چور ہوگئی۔ بچاری امی کے عینک بنوانے پر ساڑھے سات روپے لگے یہ تو تھیں خالہ جان کے بچوں کی حرکتیں جو ایک ہفتے سے ہمارے سارے گھر کو اپنا کھلونا سمجھ رہے تھے جو چاہا بھوڑ دیا۔ جو چاہا توڑ دیا۔ اب سنئے پھوپی جان کے بچوں کا حال جو بچارے آج ہی آئے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے اماں ابا کیسے ہیں۔ ہماری امی تو ایسی ہیں کہ اگر ہم کسی چیز کو ادھر سے ادھر رکھ دیں تو سمجھ لیجیے کہ آگئی مصیبت!

ہاں تو پھوپی جان کے بچوں کی حرکتیں سنا رہا تھا۔ دوپہر کو تین صاحبزادے اٹھا کر ابا جان کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ان کی کتابیں ادھر ادھر کر دیں۔ کوچ پر ننگے پاؤں چڑھے تو اسے میلا کر دیا۔ میز الٹ دی اور اس پر سواری کرنے لگے۔ نتیجہ کیا ہوا! میز کا پایہ ٹوٹ گیا۔ پھر انھوں نے سگریٹ کے ڈبے سے سگریٹ نکالے اور تینوں نے مل کر خوب پیئے اور جلتی ہوئی سگریٹ فرش پر ڈال کر واپس آگئے۔ نوکر جب کمرے کی صفائی کرنے گیا تو فرش کئی جگہ سے جل چکا تھا۔ اس نے آکر امی سے کہا۔ امی بچاری خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ کہتیں بھی کیا؟ سسرال کا معاملہ تھا۔ لیکن جب شام کو ابا جان آئے اور انھیں میز کے ٹوٹنے اور فرش کے جلنے کا حال معلوم ہوا۔ تو انہوں نے تینوں کو بلا کر خوب ڈانٹا اور ایک لڑکے کے تو کان تک اینٹھ دیئے بس پھر کیا تھا بھائی بہن میں لڑائی شروع ہوگئی۔ ابا جان نے پھوپی جان سے کہا "تم نے بچوں کی بڑی غلط پرورش کی ہے یہ بڑے ہوگئے لیکن کسی بات کی تمیز نہیں"

پھوپی جان نے بھی غصے میں کہا "بس تمیز تو تمہارے ہی بچوں میں ہے نا۔ میرے بچے جیسے ہیں ویسے ہی رہنے دو۔ پیار کرنا تو جانتے نہیں جب دیکھو ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے تو تم کبھی تھے نہیں۔ اس میں تمہارا قصور بھی کیا۔ یہ سب بابی کا کیا دھرا ہے۔ خدا معلوم کیا پڑھ کر پھونک دیا ہے اپر۔ تب ہی تو تمہیں میرا یہاں رہنا پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔"

ابا جان بچارے اس خیال سے کہ بات کہیں زیادہ نہ بڑھ جائے خاموش ہوگئے۔ لیکن پھوپی جان کی زبان کہاں بند ہونے والی تھی۔ وہ بہت دیر تک ہم لوگوں کو برا بھلا کہتی رہیں۔

آج خالہ جان کو ہمارے یہاں آئے پندرہ سولہ دن ہوگئے ہیں اور پھوپی جان کو صرف ایک ہفتہ۔ خرچ کا یہ عالم ہے کہ مہینے کی اٹھارہ تاریخ ہے۔ لیکن صبح امی کے پاس ایک دھیلا بھی نہیں تھا زہر کھانے کو۔ وہ تو خدا بھلا کرے دنیا میں "ادھار" چلانے والے کا۔ کوئی بہت ہی سمجھدار آدمی ہوگا۔ آج امیر اور غریب دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر ادھار کا سلسلہ نہ ہوتا تو اس زمانے میں اچھے اچھے گھرانوں میں بھی فاقے ہو جاتے اور زندگی اجیرن ہو جاتی۔ امی نے بھی اسی سے فائدہ اٹھایا۔ پڑوس میں ہماری ایک چچی رہتی ہیں امی نے ان سے پچاس روپے ادھار لئے تب کہیں جا کر خرچ چلا۔ امی بچاری بڑی پریشان ہیں۔ کہتی ہیں اگر خدانخواستہ خالہ جان یا پھوپی جان ناراض ہوگئیں اور پہلی سے پہلے ہی گھر جانے لگیں تو انہیں واپسی کا کرایہ کیسے دیا جائے گا۔ شاید اسی وجہ سے وہ سب کی سخت سست بات بھی برداشت کر لیتی ہیں۔ آج کل کے مہمان بھی تو ایسے ہیں کہ ایک دن کے لئے آئیں تو ایک ہفتہ ٹھہر جائیں۔ اور ایک ہفتہ میں ایک ماہ کی تنخواہ صاف کروا دینا ان کے لئے معمولی بات ہے۔

مجھے اس وقت رشید چچا کی بات یاد آرہی ہے۔ انھوں نے ایک دن باتوں باتوں میں کہا تھا "مہمان تین دن کا چوتھے دن کا بے ایمان" لیکن کہے کون؟

بات تو واقعی بری ہے لیکن دل یہی کہتا ہے "خدا محفوظ رکھے ایسی رحمتوں سے"

[redacted]

غریب کی دُنیا :- (افسانہ)

از قدیر احمد بریلوی

[قدیر صاحب کا یہ افسانہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے خدا کرے کہ جس مقصد کے لئے یہ لکھا گیا ہے اُسکی طرف اس کے پڑھنے والے خود متوجہ ہوں۔ اور دوسروں کو کرائیں۔ نہ معلوم کتنے دردناک واقعات اس قسم کے روزانہ ہوتے رہتے ہیں جن سے ہم بالکل بیخبر ہیں]

دم توڑتے ہوئے چراغ کی روشنی میں لاچار اور غریب اجیت نے آہ بھری اور کروٹ بدلتے ہوئے شانتا سے مخاطب ہوا "یہ راتیں ہمارے لئے کتنی بھیانک ہو گئیں ہیں شانتا!"

"ہاں —— لیکن کبھی تو یہ رات ختم ہو ہی جائے گی" شانتا نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہا۔

"نہیں نہیں شانتا —— غریب کی رات کبھی ختم نہیں ہوتی وہ کسطرح ختم ہو سکتی ہے جب تک ساہوکار اور دولت مند یہ چاہتے ہیں کہ ان کا دن ختم نہ ہو۔ کیا بارہ آنے کمانے والا مزدور کبھی خوشحال رہ سکے گا؟ اور اگر اسے دنیا کی نعمتیں نہیں تو سوکھی ہوئی روٹی بھی مل سکے گی؟ اور تو جانتی ہی ہے ہمارے سات بچے ہیں ایک لڑکا اور چھ معصوم بچیاں اور پگلی اب تو میں بوڑھا ہو رہا ہوں، جیسے جیسے دن گذرتے جائیں گے میری ایک غریب اور کمزور بوڑھے کی مزدوری کم ہی ہوتی جائے گی۔ کوئی بڑھا تو دے گا نہیں؟ مجھے پینشن تو ملے گی نہیں۔ اور جب میرے ان کمزور بازوؤں میں توانائی نہ رہے گی تو اس وقت ہم بھوکوں مرنے لگیں گے۔ ایک غریب اور کیا کر سکتا ہے ہمارے بس میں جو ہوگا وہی کریں گے۔۔۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ رات کے بعد دن ضرور آتا ہے" شانتا دھیرے سے بولی۔

"نہیں یہ غلط ہے بے معنی ہے"! اجیت نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔ غریب کی زندگی میں کوئی دن نہیں آتا۔ اس کی مسرتوں کا آفتاب کبھی طلوع نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی راستے میں پڑے ہوئے ایک کنکر کی طرح ہے جسے ہر وہ پاؤں جو اسے ٹھکرا سکتا ہے ٹھکراتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے، آخر راہ گیروں کی ٹھوکریں کھاتے کھاتے وہ کنکر ایک دن مٹی میں مل جاتا ہے اور وہ زندگی جسے زندگی کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور جو موت کی طرح تاریک سنسان اور بھیانک ہوتی ہے، وہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی تم نے اتنا بھی سوچا ہے اور اس بات کے سمجھنے کی کبھی کوشش کی ہے کہ ہم کس طرح خوش حال رہ سکتے ہیں یہ بڑی بڑی باتیں بنانے والے لوگ، یہ بڑی بڑی کتابیں لکھنے والے مصنف۔ یہ بڑے بڑے اصول بیان کرنے والے گیانی ہماری طرح غریب نہیں تھے۔ وہ صرف لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے تھے اور ہمارا دل بہلانا چاہتے تھے؛ وہ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ غریب کے سینے میں وہ دل نہیں ہوتا جو بہلایا جا سکے۔"

"لیکن ہمارا پرکاش پڑھ لکھ کر۔۔۔۔"

"بس بس شانتا یہ آرزوئیں آج پہلی مرتبہ تیرے دل میں جنم نہیں لے رہی ہیں یہ ہر زمانے کے غریب لوگوں کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ پرکاش کو پڑھانے کے لئے پیسے کی ضرورت ہے لیکن ایک غریب مزدور، گارا اور اینٹیں ڈھونے والا مزدور لوگوں کی خدمت کرنے والا مزدور۔ مجبور اور بے بس اجیت، جس کی دن بھر کی کمائی صرف بارہ آنے ہے کیا اپنے بیٹے کو پڑھا سکے گا؟ اور اگر یہ ہو بھی جائے تب کیا یہ بڑی بڑی توندوں والے امیر اور ساہوکار تیرے بیٹے کو اپنے بیٹوں کے مقابلے میں کہیں کامیاب ہونے دیں گے؟ اور کیا تیرے آنسوؤں میں تیری عقل اور بصارت بھی بہہ گئی ہے۔ دیکھتی نہیں وہ سامنے تیرا لال جس کے مستقبل کے بارے میں تو سنہرے خواب دیکھ رہی ہے ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بھوک کی شدت سے رو رو کر سو گیا ہے، دیکھ اس کے نزدیک جا کر دیکھ اس کے روئی جیسے جسم میں اس ٹوٹی ہوئی چارپائی کے بان ایسے گھسے جا رہے ہیں جیسے غربت ہماری نحیف اور کمزور روح کو دبوچنے کے لئے اپنے تیز اور نوکیلے دانتوں سے ہماری ہڈیوں کے اندر رینگتی ہوئی بڑھی جا رہی ہو۔ سُن وہ تجھ سے شام سے برابر اب تک روٹی کے ٹکڑے کے لئے بھیک مانگتا رہا۔ اور تو اس کی ماں ہو کر اس کو کچھ نہ دے سکی اور میں اس کا باپ ہو کر اس کو دھوکہ دیتا رہا ہوں اور اب دیکھ وہ بھوک کی شدت سے رو دھو کر سو گیا ہے۔ وہ یقیناً اب کوئی پریشان کن ڈراؤنا

خواب دیکھ رہا ہوگا۔ شانتا! غریب کے خواب بھی اجڑے ہوئے ہوتے ہیں، بے رونق ہوتے ہیں اور وہ دیکھ تیرے اور میرے خون کی شرکت سے بنی ہوئی چھ معصوم گڑیاں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی سو رہی ہیں۔ بھوک سے لاچار و مجبور، ان کے اوپر کوئی گرم کپڑا نہیں صرف پھٹی ہوئی بوری کا ایک ٹکڑا ہے، سردی کی وجہ سے یہ چھوٹی گڑیاں ایک دوسرے سے لپٹ جاتی ہیں اور دیکھ شانتا! تجھے پژمردہ دیکھ کر کیا مجھے سکھ ہو سکتا ہے۔ تجھے دکھی دیکھ کر میں سکھی نہیں رہ سکتا۔ تیرا کملایا ہوا چہرہ دیکھ کر کیا میں ہنس سکتا ہوں؟ ہم نے ایک غریب مزدور باپ کے گھر جنم لیا غربت کے سائے میں پلے، جوان ہوئے، اور میرے مزدور باپ نے میری شادی اپنے ہی طرح کے ایک مزدور باپ کی بیٹی سے کر دی ہم جب سے پیدا ہوئے ہیں دکھ سہہ رہے ہیں۔ بعض وقت میں سوچتا ہوں کہ غریب کے لئے خدا نے دکھ بنائے ہیں۔ یا پھر دکھوں کے لئے خدا نے غریبوں کو پیدا کیا ہے۔ شانتا! اب ہمیں بھی ان مزدور بیٹیوں کی شادی ایک نہ ایک دن کہیں کرنی ہی ہوگی۔ اس دنیا کی ریت جو نبھانا ہے — اس لئے نہیں کہ شادی کے بعد یہ چین و آرام سے رہیں۔ بلکہ اس لئے کہ یہ میری طرح کے ایک مزدور — بیکس مزدور کا گھر آباد کریں۔ اس کے لئے روٹی پکائیں۔ اور جب اسے ساری دنیا کاٹ کھانے کو دوڑے تو اسے اپنے کھردرے بازوؤں میں لے لیں۔ پھر وہی دنیا کی ریت۔ بچے پیدا کریں اور مزدوروں کے مزدور بچوں سے انہیں بیاہ دیں۔ تیری ان ننھی ننھی بچیوں کے شوہر بھی اس وقت جاڑے کی سخت سردی میں کسی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر اپنی ماں کی آغوش میں سو رہے ہوں گے"

"پھر ہم اس دنیا میں پیدا کیوں ہوئے؟" شانتا نے کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"ہم اس دنیا میں اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ امیروں اور ساہوکاروں کے کام کریں، ان کی گالیاں سنیں۔ یہ شہروں میں جو بڑی بڑی حویلیاں نظر آتی ہیں یہ سب ہماری بنائی ہوئی ہیں۔ ہم ہی نے ان کو ایک ایک اینٹ چن کر اتنا بڑا بنایا ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو یہ بڑی بڑی عمارتیں بھی نہ ہوتیں رہنے کے لئے یہ بڑے بڑے عظیم الشان مکان بھی نہ ہوتے اور سیٹھ ساہوکار بھی نہ ہوتے۔ انہیں اپنا کام کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کرنا ہوتا شانتا! اگر ان اینٹوں کو زبان مل جائے تو تجھے معلوم ہو کہ ان کے سائے میں دولتمند کیا کیا گل کھلاتے ہیں۔ کنواری لڑکیوں کی عزتیں لوٹی جاتی ہیں دنیا کے سب ہی برے کام ان اتنی بڑی بڑی عمارتوں کے سائے میں ہوتے ہیں اور دنیا بے خبر رہتی ہے۔ ہاں دیکھو پرکاش کو کل سے ہلکا ہلکا سا بخار ہے۔ کہیں سردی سے زیادہ نہ ہو جائے۔ لے! میرا یہ کوٹ اس پر ڈال دے"

"اور پھر تم سردی میں کیا کرو گے؟" شانتا نے وفور محبت سے کہا

اری تو نہیں جانتی مجھ سے دنیا کی ہر شے نفرت کرتی ہے شاید تو بھی تو، پھر بھلا بخار یا سردی مجھ پر کیا اثر کر سکتی ہے۔ میرا سرد جسم بخار کو بھی ٹھنڈا کر دے گا۔ اور پھر میں مصیبتوں کا کافی دل بہلا چکا ہوں اور ان سے کافی لطف اندوز ہو چکا ہوں وہ ظالم تو ہنستی ہیں۔ وہ نہ تھکی ہوں گی، البتہ میں تھک گیا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان کو بھی ایک صدمہ پہنچاؤں۔ یہ صدمہ انہیں میرے مرنے سے ہوگا۔ چل لے یہ کوٹ اس پر ڈال آ۔ گرمی تو ہے نہیں اس میں۔ اگر اس میں گرمی ہوتی تو بیچنے والا کیوں بیچتا۔ کوئی اچھی چیز تو بیچا نہیں ہے" اجیت نے شانتا کو سمجھایا۔

شانتا نے آہستہ سے کوٹ اٹھایا اور پرکاش پر ڈال دیا۔ بچے کے جسم کو ہاتھ لگا کر وہ ٹھٹک گئی۔

"ہائے میرا بچہ ——— شانتا کی آواز آئی"

"کیوں کیا ہوا؟" اجیت کی آواز فضا میں گونجی۔

"سرد ہوتا جا رہا ہے اس کا جسم" شانتا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا

صبح ہونے ہوتے پرکاش اس دنیا کی مصیبتوں سے بہت دور افق کے اس پار چلا گیا اب نہ اسے بھوک ستائیگی اور نہ اس سے جھوٹے وعدے کئے جائینگے۔ وہ ایسی جگہ چلا گیا جہاں سے اب تک نہ کوئی واپس آیا، اور نہ آئے گا۔

اور اجیت سوچ رہا تھا کہ غریب کی دنیا بھی کیا دنیا ہے جہاں سوائے مصیبت کے اور کچھ نہیں ہے ہر کہ وہ امیروں اور ساہوکاروں کا کام کرے ان کی خوشامد کرے ان کے ہاتھ پیر جوڑے پھر کہیں جا کر ان ساہوکاروں اور امیروں کے دماغ ٹھیک ہوتے ہیں۔ غریب کی دنیا میں ہمیشہ اندھیرا ہی رہے گا۔ اور شاید کبھی غریب کی دنیا میں سورج نہ چمکیگا۔ یہ ہے غریب کی زندگی اور اس کی آہوں کی سچی کہانی جس میں کہ ہر جگہ ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور پھر غریب اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے غریب نام ہی (مصیبت کا بس ساتھ مصیبتوں میں ہی اپنی زندگی پوری کرتا ہے۔ یہ غریب پیدا ہی اسلئے کیا گیا ہے کہ وہ مصیبتوں کو اپنائے۔ اور انہی میں اپنی زندگی گزار دے۔

گنیش جی

وہ دیوتا جس کا سر ہاتھی کا ہے

ہندو دھرم میں دیوتاؤں کی بابت جو عقیدے ہزاروں سال سے چلے آرہے ہیں ان کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے علیحدہ کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کی ہر اچھی یا بری قوت اعلیٰ و ادنیٰ درجہ خوبصورتی یا بدصورتی، دولت یا افلاس، بیماری یا تندرستی وغیرہ وغیرہ ہر امر کے لئے ایک دیوتا موجود ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندو بھائی جو عام فہم زبان میں سیدھے سادے خیالات کے ذریعے ان پر روشنی ڈال سکیں وہ ہمیں وقتاً فوقتاً مضمون بھیجکر ممنون فرماتے رہیں۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ ذیل میں انگریزی روزنامہ "اسٹیٹسمین" دہلی کے پرچہ مورخہ ۲۶ر اپریل ۱۹۵۵ء کے ایک مضمون کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ جو خواجہ محمد مجیب صاحب متعلم دلی کالج کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اور جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

ہندوستان کے چھوٹے چھوٹے (ہندو) دیوتاؤں میں سے کوئی بھی دیوتا گنپتی یا گنیش جی (جس کا سر ہاتھی کا ہے) سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ غریب اور اوسط درجہ کے گھرانوں میں اس کے لئے ہمیشہ ایک خاص جگہ رکھی جاتی ہے اور آج۔ جب کہ بنگالیوں کا نیا سال شروع ہو رہا ہے اس کی خاص عزت کی جائے گی۔

تجارتی حلقوں میں بھی اسے خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور کوئی بھی ہندو تاجر بغیر اس دیوتا کے اشیرواد لئے اپنی نئے سال کی حساب کی کتابیں کھولنے کا تصور تک نہیں کرے گا۔

اس دیوتا کا جسم گول مٹول مختصر انسان نما شکل کا ہوتا ہے مگر سر ہاتھی کا ہوتا ہے، امیر گھرانوں میں اس کو پھولوں اور جواہرات کے ہار پہنائے جاتے ہیں، اس کے ہاتھی جیسے سر پر ایک مخروطی شکل کا تاج پہنایا جاتا ہے، جو بہت محنت سے تیار کیا ہوا اور جڑاؤ ہوتا ہے۔



گنیش جی کا سر ہمیشہ ہی سے ہاتھی کا نہیں تھا۔ کسی زمانے میں وہ پاربتی کے خوبصورت بیٹے تھے۔ جو بڑے دیوتا شیو جی کی بیوی تھیں، اور وہ اتنے خوبصورت تھے کہ ان کی والدہ ان کی خوبصورتی کی تعریف کرتے کرتے کبھی بھی نہیں تھکتی تھیں اور جب دوسرے دیوتا ان سے ملنے آتے تو انہیں دکھاتیں، گنیش جی کی خوبصورتی کی شہرت دور دور پھیل گئی اور دوسری مائیں جن کے بچے کم خوبصورت تھے انہیں حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔ شیو جی نے پاروتی کو آگاہ کیا کہ ان کا گنیش جی پر حد سے زیادہ فخر کرنا ایک دن دونوں پر مصیبت لائے گا۔ ان کا یہ قول غلط نہ تھا۔ کیونکہ ایک دن جب گنیش جی ایک ریشم جیسے نرم بادل پر کود پھاند رہے تھے تو سانی (سیارہ زحل) جس میں ہر اس چیز کو تباہ کرنے کی قوت ہے جس پر اس کی نظر پڑ جائے افق پر نمودار ہوا اور بچہ کو دیکھ کر اسے اپنا بچہ بنانا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی خواہش پوری کر سکتا پاروتی اپنے بچہ کو بچانے کے لئے دوڑیں اور اس کا جسم اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ لیکن وہ اس کا سر نہ بچا سکیں جو کاٹ کر علیحدہ

کر دیا گیا اور غائب کر دیا گیا۔

پاروتی جی نے شیو جی سے درخواست کی کہ وہ سانپ کو سزا دیں اور ان کے بیٹے کا سر دوبارہ حاصل کر دیں۔ لیکن شیو جی نے ان کی تمام منت سماجت کا یہ جواب دیا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ لیکن پاروتی کو چین نہ تھی وہ دن رات دیوتاؤں سے دعائیں مانگتیں کہ کسی طرح ان کے بچہ کا سر واپس مل جائے۔ آخرکار برہم دیو کو ان پر رحم آ گیا اور انھوں نے وعدہ کیا کہ اصلی سر کو چھوڑ کر (جو غائب ہو گیا تھا) وہ کسی بھی ایسے آدمی یا حیوان کا سر لگا دیں گے جس نے کوئی بڑا گناہ کیا ہو اور جس کا پتہ پاربتی نہیں بتائیں گی۔

ہزاروں سال تک پاروتی دنیا بھر میں گھومتی رہیں، مگر کہیں بھی انہیں ایسا کم عمر بچہ نہیں ملا جس نے کوئی بڑا گناہ کیا ہو اور جانوروں میں بھی بچے ویسے ہی معصوم ملتے تھے۔ آخرکار وہ لنکا کے جزیرے میں آئیں اور یہاں جب کہ وہ ایک جنگل میں سے گزر رہی تھیں تو انہوں نے ایک حقیقی قابل ذکر نظارہ دیکھا۔ ایک ندی کے کنارے ایک ہاتھی کا بچہ سو رہا تھا اس کا سر بجائے مشرق کے شمال کی طرف تھا اور اس طرح اس کی پیٹھ طلوع آفتاب کی طرف تھی۔ پاروتی نے اس کے اس گناہ عظیم کی اہمیت کو سمجھ کر جادو کے زور سے اس کا سر الگ کر لیا اور اسے فوراً برہم دیو کے پاس لے گئیں تاکہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں۔

جب برہم دیو نے وہ ہاتھی کا سر بچے کے کندھوں پر رکھا تو وہ بچہ کی مذاقیہ صورت دیکھ کر ہنسنے لگے۔ لیکن اس تکلیف کو محسوس کر کے جو ان کے ہنسنے سے ماں کو ہوئی، انھوں نے محبت سے ان کے کاندھے کو تھپکا اور کہا۔۔۔

"پاروتی تم اپنے بیٹے کی خوبصورتی ختم ہو جانے سے بالکل رنجیدہ نہ ہو۔ یہ مذاقیہ شکل کا چھوٹا سا بچہ ہزاروں گھروں میں خوشی اور مسرت کا باعث ہوگا۔ یہ ترقی اور کامیابی کا نشان بنے گا اور اس کی مورتی کو ہر گھر میں خاص عزت کا درجہ حاصل ہوگا"

افکار شاد

(جناب بابو گن چند روشن ایڈووکیٹ بی اے بی ٹی نے جناب سید امجد راج سنگھ صاحب شاد فتح پوری ایم اے کرنال (پنجاب) کے تازہ افکار روانہ فرما کر بہت بڑا کرم فرمایا ہے ہم انہیں نہایت مسرت سے درج کرتے ہیں)

غم سہنے کی اب مجھ میں نہیں تاب و تواں اور
اٹھ سکتا ہستی کا نہیں بار گراں اور

مقصود ہے توحید اور مگر اسکا بیاں اور
ہوتا ہے ریاکار کا دل اور زباں اور

وہ ہوش جوانی ہے کہاں آنکھ کھلے گی
تو سمجھا نہ کچھ دیر ابھی خواب گراں اور

اف ضبط کی کوشش نے کیا درد کو افزوں
دبنے سے تو آتش یہ ہوئی شعلہ فشاں اور

کیوں اہل جہاں بات سمجھتے ہیں میری
کیا ان کی زباں اور ہے اور میری زباں اور

دنیا سے جو اکتا یا چلا جاؤں گا فوراً
بستے ہیں سا رد سے بھی تو جہاں اور

تو دیکھ نہ یوں مجھ کو محبت کی نظر سے
ہو جائے نہ دنیا کو کہیں وہم و گماں اور

غافل نہ کبھی چھوڑ رہ شرط وفا کو
دو روزہ ہے دنیا میں تری عمر رواں اور

دھل جانے دے کچھ اور ابھی دل کی کثافت
بہہ لینے دے آنکھوں سے ابھی سیل رواں اور

جب پھونک دیا میرا گلستاں ہی نشیمن
کیا میرا بگاڑے گی بھلا برق تپاں اور

اس بحر میں گو شاد غزل خوب ہے لیکن
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

غزل

(از ریاست علی صاحب ظفر بجنوری۔ دار العلوم سہارنپور)

عمر بھر منزل سفر نہ ملی
ہم سفر ان کی رہگزر نہ ملی

تیرے جلووں میں گم ہوئے ایسے
ہم کو اپنی کوئی خبر نہ ملی

برق سے مجھ کو لے اسیر چمن
لذت سوزش جگر نہ ملی

وہ کسی کی نگاہ روح نواز
ڈھونڈتے ہی رہے مگر نہ ملی

کیا ظفر ان کو بھول جاؤ گے
تم کو آسودگی۔۔ اگر نہ ملی

کیا ہوگا

(از ارشاد صاحب مشفق کانا دھوپوری تلمیذ بابا بسمل گلاکمپنی دہلی)

بڑھی بہار میں گر بیکلی تو کیا ہوگا
کھلی اگر نہ کوئی بھی کلی تو کیا ہوگا

رلائے بیٹھا ہوں جس پر تپش قلب و جگر
بچے فریب اگر دے وہی تو کیا ہوگا

مرے وجود کو نفرت سے دیکھنے والے
کبھی یہ وار دوں یہ زندگی تو کیا ہوگا

گلے جفا کے کروں گا نہ روز محشر بھی
مگر تری ہی نظر جھک گئی تو کیا ہوگا

بہت صحیح ہے ترا وعدۂ بہشت مگر
وہاں بھی گر نہ طبیعت لگی تو کیا ہوگا

سمجھ رہا ہوں جسے دل لگی ابھی کاشف
کبھی وہ بن گئی دل کی لگی تو کیا ہوگا

بچوں کی تعلیم و تربیت

علم مجلسی

اس عنوان کے تحت جو کچھ بھی ہم لکھتے رہے ہیں وہ خواہ نظم میں ہو یا نثر میں اس کا صرف یہ مقصد ہے کہ آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھنے کا صحیح طور طریقہ اور ایک دوسرے سے عزت، شرافت، محبت اور احسان مندی کے ساتھ برتاؤ کرنے کے آداب معلوم ہو جائیں۔ مثلاً اگر آپ عمر میں بڑے ہیں تو سوسائٹی میں اپنے سے چھوٹی عمر والوں کے ساتھ کس طرح ملنا چاہئے یا اگر آپ رتبہ اور دھن دولت میں دوسرے سے بڑے ہیں تو اس سے کیسے برتاؤ کرنا چاہئے۔ یا اگر آپ صاحب علم ہیں تو کم علم والوں کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہئے۔ اگر آپ افسر ہیں تو ماتحتوں کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ اگر بالکل تندرست ہیں تو بیمار کے ساتھ آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ یا اگر آپ چھوٹے ہیں تو بڑوں کے ساتھ آپ کے ملنے کے کیا آداب ہونے چاہئیں۔ ان سب باتوں کا آپ کو صحیح علم ہونا چاہئے، اور یہی باتیں اس عنوان کے تحت ہم بیان کیا کرتے ہیں۔ اور ہر مضمون میں سے کوئی شعر یا کوئی قول یاد کرنے کی ہمیشہ تاکید کرتے رہے ہیں تاکہ آپ کے علم میں اضافہ ہوتا رہے اور عملاً و نقلاً آپ اس سے سبق لیتے رہیں اور فائدہ اٹھاتے رہیں۔

انمول ہیرے اس مرتبہ ہم اپنے محترم ڈاکٹر طاہر دیالپوری کا ایک مضمون درج کرتے ہیں جو نہ صرف جسمانی مریضوں کے علاج اور دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں بلکہ ملک قوم کی سماجی خرابیوں کی اصلاح کے لئے بھی بے چین رہتے ہیں "نیلام" اور "کشمکش" ان کے اصلاحی ناول پڑھ کر ہر شخص ان کی طبیعت کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے اور نئے ناول "تپش" سے جو عنقریب شائع ہونے والا ہے معلوم کریگا کہ سوسائٹی کی خرابیوں کی اصلاح کے لئے وہ کتنا دلچسپ اور مؤثر انداز اختیار کرتے ہیں۔ اب انھوں نے مذہبی رنگ اختیار کر کے بچوں اور بڑوں دونوں کو بتایا ہے کہ مذہب اسلام کے سب سے بڑے پیشوا نے جسے رسول یا پیغمبر کہتے ہیں ہمیں اپنے والدین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے متعلق کیا کیا ہدایتیں دی ہیں اسمیں مذہب و ملت کی کوئی شرط یا قید یا پابندی نہیں ہے یعنی اگر ہم اور ہمارے ماں باپ سب مسلمان ہیں یا اگر ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ماں باپ دوسرے مذہب کے ہی ہیں تو ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کے کیا احکامات ہیں اس مضمون کا عنوان انہوں نے "انمول ہیرے" رکھا ہے۔۔۔

انمول ہیرے

آج کی صحبت میں حضرت محمدؐ کی ان ہدایتوں کو پیش کرتا ہوں جو آپ نے ہمیں بلا تخصیص مذہب و ملت ہمارے والدین سے متعلق دی ہیں۔

(۱) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا "یا رسول اللہ! سب سے زیادہ موزوں کون ہے جس کی صحبت میں رہنا میرے لئے بہت ہی اچھا ہے، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تمہاری ماں، تمہاری ماں پھر تمہاری ماں اس کے بعد تمہارا باپ پھر قریب ترین رشتہ دار لوگ، پھر دوسرے رشتہ دار لوگ۔

(حدیث متفق علیہ)

اس ہدایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ سب سے زیادہ اہمیت ماں ہی کو ہے پھر باپ کا درجہ آتا ہے، اس کے بعد رشتہ داروں سے علی قدر مراتب میل جول رکھنا چاہئے، اس حدیث میں ہمیں سوشل لائف کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ انسانی سوسائٹی کی بنیاد ہے

(۲) ابوہریرہؓ پھر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک دفعہ تین بار فرمایا کہ اس کی ناک خاک پر رگڑ دینے کے لائق ہے۔۔۔ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول کس کی ناک؟ آپ نے فرمایا کہ اسکی ناک جسے ضعیف والدین یا ان میں سے صرف ایک یا دونوں نصیب ہوں اور وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے۔ (حدیث مسلم)

دیکھئے ضعیف ماں باپ کی خدمت کرنے کی کتنی زبردست تاکید ہے، وہ شخص جنت میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جو والدین کی

خدمت نہیں کرتا۔ اور بوڑھے والدین کی خوشنودی حاصل نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ وہ سوسائٹی کا بھی مجرم ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ اس کی ناک خاک پر رگڑ دی جائے۔ آج دنیا اس قدر متمدن ہونے کے باوجود بھی بوڑھے والدین سے متعلق کوئی قانون نہ بنا سکی، آئے دن ان پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں، اور اس مہذب دنیا کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

(۳) اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میری ماں عہد نامۂ قریش کے وقت حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوئی تھیں، وہ میرے پاس آئیں تو میں نے رسول اللہ سے کہا۔ میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور میری تمنا کرتی ہیں۔ کیا میں ان سے میل جول رکھوں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں ان سے میل جول رکھو۔

(حدیث متفق علیہ)

مذہبی رواداری ملاحظہ فرمائیے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ پہلے انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دو پھر ان سے میل جول رکھو۔ بلکہ اس کا تذکرہ تک بھی نہیں کیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے ہمیشہ مذہبی رواداری کی تعلیم دی ہے۔

(۴) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ والدین کی اعلیٰ ترین فرمانبرداری یہ ہے کہ باپ کی موت کے بعد انسان اس کے دوستوں سے محبت کا برتاؤ کرے۔

(حدیث مسلم)

اس ہدایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ اپنے باپ کے صرف ان دوستوں سے محبت کرے جو اس کے ہم مذہب ہوں بلکہ یہ کہ وہ کوئی بھی ہوں، انہیں اپنے باپ کا دوست سمجھ کر خود بھی دوست رکھے، اس ارشاد میں کس قدر ادب، تہذیب، اخلاقی بلندی مذہبی رواداری اور سوشل فرائض کی وسعتیں موجود ہیں، اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔

لیکن مذہب کو تو آج سیاسی گیند یا پیٹ کی دوزخ بھرنے کا ایندھن بنا دیا گیا ہے۔ اگر آج اس حدیث پر انسان عمل کرنے لگے تو نفرت کی جگہ محبت کے سوتے جاری ہو جائیں۔ یہ عام تعلیم ہے ہر شخص اسے اپنا کر اخلاقی بلندی حاصل کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون میں چند الفاظ کوں کیلئے تشریح طلب ہیں۔

(۱-۲) **ابوہریرہؓ**:۔ یہ ایک صحابی کا نام ہے۔ صحابیؓ اسے کہتے ہیں جو پیغمبر اسلامؐ کے پاس اٹھنے بیٹھنے والا ہو۔ اور ابوہریرہ کے معنی بلی کے باپ کے ہیں۔ انہیں چونکہ بلی پالنے کا شوق تھا۔ اور ایک مرتبہ اسے بغل میں دبائے ہوئے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ انت ابوہریرہ: یعنی تو بلی کا باپ ہے۔ اس وقت سے یہ کنیت (ابوہریرہ) مشہور ہو گئی تھی۔ ان دونوں الفاظ کی تشریح صرف سنگم کے نئے پڑھنے والوں کے لئے کی گئی ہے۔ ورنہ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں ان کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

(۳) پیغمبر اسلامؐ کے قول کو جو انہی کے الفاظ میں دہرایا گیا ہو حدیث کہتے ہیں۔

(۴) متفق علیہ سے مراد یہ ہے کہ جتنے صحابیوں نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے وہ سب اس پر متفق ہیں۔ ان کے بیان میں کوئی فرق یا اختلاف نہیں۔

(۵) حدیث مسلم میں لفظ مسلم کے معنی مسلمان کے نہیں ہیں بلکہ یہ ان بڑے عالم اور بزرگ کا نام ہے جنہوں نے یہ یا اور سینکڑوں حدیثیں یعنی پیغمبر اسلامؐ کے اقوال ایک کتاب کی شکل میں محفوظ کر دئے ہیں اور جو بہت مستند اور معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔ گویا اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ حدیث امام مسلم کی مرتب کردہ کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

والدین کی خدمت یا اطاعت کے متعلق نہ صرف رسول کی حدیثیں ہماری ہدایت کے لئے ہیں۔ بلکہ خود قرآن کریم میں جو اللہ کا کلام ہے جابجا احکامات پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی اطاعت کیلئے بہت سخت احکامات دئے گئے ہیں۔ صرف ایک بات نہ ماننے کیلئے کہا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری اور اطاعت سے روکیں تو تم ان کا کہنا نہ مانو۔

قرآن شریف میں اس کے متعلق جو احکامات پائے جاتے ہیں ان کا ذکر پھر کسی دوسری اشاعت میں کیا جائے گا۔

> پارہ عم شمسی بچوں کو ضرور پڑھایئے سری نگر کشمیر کے مختلف مدارس میں نصاب دینیات میں منظور ہو چکا ہے، سری نگر میں ہمارے سول ایجنٹ شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب و مالکان قرآن منزل مائسیمہ بازار امیرا کدل سے ملے گا۔

تفریحات

ریاضی

اگر آپ نے ہماری بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا ہوگا اور انہیں یاد کر لیا ہوگا تو آپ نے ریاضی کے سمندر کو پلٹنے کا گویا گُر سیکھ لیا ہوگا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ جس بچے کو ایک سے سو تک گنتی الٹی سیدھی طاق یا جفت یا تین تین یا پانچ پانچ ہندسے چھوڑ کر یاد ہو گی اور جسے دو ہندسوں کی جمع اتنی تیزی سے یاد ہوگی جیسا کہ بجلی کا بٹن دبانے سے بجلی آجاتی ہے تو وہ ریاضی بہت جلد سیکھ سکے گا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ آدھی ریاضی سیکھ چکا ہے ہماری اس بات سے ہمیں کامل یقین ہے کہ ریاضی دان اور اعلیٰ ریاضی جاننے والے اصحاب کہتے ہوں گے کہ جو شخص ایسی بات کہتا ہے اسے معلوم ہی نہیں کہ ریاضی کیا چیز ہے اور کتنا وسیع علم ہے۔ ہم بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارے مفہوم کو ہی نہیں سمجھے۔ خیر اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں اب آگے چلئے۔

تفریق: ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب جمع آگئی اُسے سمجھئے کہ تفریق بھی آگئی۔ آپ بچے کو گھٹنے اور خرچ کرنے کا تصور پیدا نہ ہونے دیں، یعنی گھٹانے کے سوالات کو جمع کے تصور سے اور خرچ کے سوالات کو آمدنی کی خواہش سے حل کرانے کی کوشش کریں، مثلاً یہ نہ کہئے کہ ۷۵ میں سے ۵۷ گھٹاؤ بلکہ یہ کہیے کہ اگر تمہارے پاس ۵۷ چیزیں ہوں تو اور کتنی چیزیں تمہیں دی جائیں کہ کل ۷۵ ہو جائیں۔

یا تمہیں کسی شخص کے ۷۵ روپے دینے ہیں لیکن تمہارے پاس صرف ۵۷ روپے ہیں تو کتنے روپے اور شامل کرو کہ کل ۷۵ روپے ادا ہو جائیں۔

اب اس کو اس طرح حل کرو کہ ۵۷ کو ۷۵ بنانا ہے یعنی پہلا ہندسہ اکائی کا ۷ کی بجائے ۵ میں منتقل کرنا ہے تو سوچئے کہ ۷ کے بعد ۵ کب آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ۱۵ میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم کہیں گے کہ ۷ میں کیا جمع کر دیں کہ ۱۵ ہو جائے معلوم ہوا کہ ۸ لہٰذا ۵۷ میں ۸ جمع کریں گے تو ۶۵ ہو جائیں گے اب گویا اکائی کا ہندسہ تو ۵ آگیا اور ۶۵ کو ۷۵ بنانا ہے لیکن ہم ۶۵ بنا چکے ہیں تو اب دہائی کے ۶ کو ۷ بنانے کے لئے دہائی میں ایک جمع کرنا چاہئے لہٰذا سارا حل یوں ہوا کہ ۵۷ کو ۷۵ بنانے کیلئے اکائی میں ۸ اور دہائی میں ۱ یعنی ۱۸ جمع کرنا چاہئے جو مطلوبہ جواب صحیح ہے۔ اس کا یہی مطلب ہوا کہ ۷۵ میں سے ۵۷ گھٹانے سے ۱۸ آتا ہے، لیکن ہم گھٹانے کا تصور دلانا ہی نہیں چاہتے صرف آمدنی کی زبان ہی استعمال کرنا چاہتے ہیں جس سے آئندہ سوالات حل کرنے میں بہت آسانی رہے گی اور مدد ملے گی۔ اسی طرح آپ اس سوال کو لیجئے ۹۶ میں سے ۶۹ گھٹاؤ اسے آمدنی یا جمع کی زبان میں یوں کہیں گے کہ مجھے ایسی جگہ جانا ہے جو میرے گھر سے ۹۶ میل ہے لیکن جب میں نے سورج غروب ہونے پر معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ صرف ۶۹ میل چلا ہوں بتاؤ کتنے میل اور چلنا ہے۔

یعنی ۶۹ میں کیا جوڑیں کہ ۹۶ ہو جائے ۹ کے بعد ۱۶ میں ۶ آتا ہے لہٰذا ۹ اور کتنے = ۱۶؟ جواب ۷ یعنی ۶۹ + ۷ = ۷۶ اب ۷۶ میں کیا جوڑیں کہ ۹۶ ہو جائے جواب ہے ۲۰

لہٰذا ۶۹ + ۲۷ = ۹۶۔ علیٰ ہٰذا اس کی خوب مشق کیجئے اور متعدد سوالات بنا کر حل کیجئے اس کی بنیاد مضبوط ہوگی اور دماغ بہت جلد جلد کام

لطیفہ

حمید اللہ صاحب زخمی باغپت ضلع میرٹھ نے ایک لطیفہ بھیجا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ یہ سچا واقعہ ہے، استاد اور شاگرد دونوں موجود ہیں مگر اب پاکستانی ہیں۔

استاد اور شاگرد اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے ہیں ان دونوں کی چارپائیوں کے بیچ میں دو چارپائیاں اور ہیں غالباً ایک پر زخمی صاحب ہوں گے جنہوں نے اس واقعہ کی حقیقت کا یقین دلایا ہے، شاگرد کی چارپائی کے قریب مکان کا بیت الخلا (پاخانہ) ہے جہاں سے بدبو آرہی ہے۔ تنگ آکر شاگرد نے استاد سے کہا "بہت سخت بدبو آرہی ہے"

استاد نے جواب دیا "کچھ آہی تو رہا ہے جا تو نہیں رہا"
شاگرد خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایکدم زور شور سے بارش آگئی۔ کیونکہ ساون کا مہینہ ہے تمام سب آدمی ایک برآمدے میں ہوگئے۔ استاد کو مزید احتیاط کے خیال سے کمرے میں لٹادیا۔ مقدر کی بات کمرے کی چھت ٹپکنے لگی۔ استاد نے شاگرد کا نام لے کر کہا۔

"بھئی یوسف! چھت میں سے پانی آرہا ہے" شاگرد نے فوراً جواب دیا "مبارک ہو استاد صاحب! کچھ آہی تو رہا ہے جا تو نہیں رہا۔"
استاد صاحب پر اس جواب سے جو گزری ہوگی اس کا اندازہ آپ خود آسانی سے کر سکتے ہیں۔

آدمی محمد عظیم صاحب رکن ادارہ تعلیم و ترقی نے "آدمی" پر کتاب لکھی ہے جو بچوں کے لئے ہے اس پر حکومت ہند کی طرف سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا ہے اور ہندوستان کی ہر زبان میں ترجمہ ہونے پر دو دو ہزار جلدیں خریدنے کا آرڈر دیا گیا ہے اس کی قیمت ایک روپیہ چار آنے ہے لیکن ہم ایک روپیہ میں دیتے ہیں۔ دو رنگ میں باتصویر چھپی ہے۔ فی الحال اردو اور ہندی ایڈیشن تیار ہیں، سنگم کتاب گھر سے ملے گی۔

صحت اور علاج کی باتیں

آسان نسخے

ہفتہ وار اخبار "الفاروق" ۱۷ مئی مورخہ ۱۷ جون ۱۹۵۵ء میں شہر آمبور کی مشہور ہستی جناب آبکار حاجی عبدالشکور صاحب نے حضرت علامہ اسعد ملتانی کی ایک نظم اور ذیابیطس (شکر کی بیماری) کا ایک نسخہ شائع کرایا ہے جسے ہم اپنے ناظرین کی دلچسپی اور فائدے کے لئے بعد شکریہ نقل کرتے ہیں۔

جہاں تک کام چلتا ہو غذا سے	وہاں تک چاہیے بچنا دوا سے
اگر تجھ کو لگے جاڑوں میں سردی	تو استعمال کر انڈوں کی زردی
جو ہو محسوس معدے میں گرانی	تو پی لے سونف یا ادرک کا پانی
اگر خوں کم بنے بلغم زیادہ	تو کھا گاجر چنے شلغم زیادہ
جگر کے بل پہ ہے انسان جیتا	اگر ضعف جگر ہے کھا پپیتا
جگر میں ہو اگر گرمی دہی کھا	اگر آنتوں میں خشکی ہے تو گھی کھا
تھکن سے ہوں اگر عضلات ڈھیلے	تو فوراً دودھ گرما گرم پی لے
جو طاقت میں کمی ہوتی ہے محسوس	تو پھر ملتان کی مصری کی ڈلی چوس
زیادہ گر دماغی ہے ترا کام	تو کھایا کر شہد کے ساتھ بادام
اگر ہو دل کی کمزوری کا احساس	مربہ آملہ کھا اور انناس
جو دکھتا ہو گلا نزلے کے مارے	تو کر نمکین پانی سے غرارے
اگر ہے درد سے دانتوں کے بیکل	تو انگلی سے مسوڑھوں پر نمک مل
جو بد ہضمی میں تو چاہے افاقہ	تو کرلے ایک دو وقت فاقہ

نسخہ ذیابیطس ہومیوپیتھک طریقۂ علاج میں "کھیولا" یا "بیجا سر" کے نام سے ایک مشہور قسم کے درخت کی لکڑی جو صوبہ یو، پی میں عام لکڑی کے بھاؤ سے دستیاب ہوتی ہے لیجئے۔

طریقۂ استعمال:۔ دس تولہ وزن (آدھ پاؤ) کے گودے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں یعنی نصف انچ موٹے اور چار انچ لمبے ٹکڑے بناکر اسّی تولہ ٹھنڈے پانی میں رات کو دھات یا چینی کے برتن میں ڈال دیں (گرم پانی میں نہ ڈالیں) صبح کو پانی کا رنگ بالائی حصہ میں

نیلگوں اور درمیانی و نچلے حصے میں زردی مائل ہوگا۔ نہار منہ صرف آٹھ اونس استعمال کریں اور پھر ان ٹکڑوں کو دوبارہ اسی طرح بھیگنے ڈال دیں اور دن بھر میں جب بھی پیاس لگے استعمال کریں۔ ایک ہی لکڑی سے پانچ دن تک عرق نکالا جا سکتا ہے۔ پانچویں دن بدل دیں، اس طرح روزانہ دو ماہ تک مسلسل استعمال کریں انشاء اللہ شکر آنا قطعی بند ہو جائے گی۔ پرہیز وہی ہے جو اس مرض میں ڈاکٹر بتاتے ہیں۔ یہ نسخہ گرم مزاج والوں اور جگر کی حرارت کے لئے بھی مفید ہے۔

اس نسخہ کے متعلق جو نوٹ درج ہے اس میں لکھا ہے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں کے علاج سے مجھے جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو اس معمولی نسخہ سے بیماری پوری طرح جاتی رہی۔

اس لئے عوام کے فائدے کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ جن حضرات کو اس سے فائدہ پہنچے وہ دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ تجارتی نفع اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔

جن حضرات کو لکڑی دستیاب ہونے میں دقت محسوس ہو وہ پتہ ذیل سے خرچ ڈاک بھیجکر منگا سکتے ہیں۔

مانگوڑی عبد القادر صاحب تاجر چرم ہنساپوری ناگپور

کچھ ہنر سیکھئے

چینی یا شیشے کے برتن جوڑنے کا ایک نسخہ پچھلے پرچہ میں درج کیا جا چکا ہے اب چند اور اسی قسم کے نسخے نوٹ کر کے تجربے میں لائیے۔

شیشہ جوڑنے کا مصالحہ سفید سریش ایک پونڈ۔ چپڑا لاکھ ایک اونس۔ الکوہل شراب ایک پائنٹ خشک سفیدہ دو اونس۔ تارپین کا تیل ایک اونس۔

سفید سریش کو ڈیڑھ پائنٹ گرم پانی میں خوب حل کرو۔ چپڑا لاکھ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے الکوہل میں ڈال کر کسی بند منہ کی بوتل میں چند روز تک دھوپ میں رکھو کہ حل ہو جائے اب سریش اور لاکھ دونوں حل شدہ کو ملا دو۔ پھر اس میں سفیدہ ملا کر تارپین کا تیل ڈال دیجئے یہ ایسا ایسا مصالحہ تیار ہو گیا کہ جب اسے کانچ پر لگا کر ٹکڑوں کو جوڑ دینگے اور رہوا میں رکھ دیں گے تو تھوڑی سی دیر میں سیمنٹ کی مانند پختہ ہو جائے گا اور جڑ جائے گا۔

چینی جوڑنے کی ترکیب پنیر سکھا کر باریک کرلیں۔ اس میں سے دس اونس لے کر اس میں بے بجھا چونہ ایک اونس اور کافور دو اونس ملا کر ایک ایسی بوتل میں بھر دیں جس کی ڈاٹ کانچ کی ہو۔ جب ضرورت ہو اس میں سے تھوڑا پاؤڈر لیکر پانی میں گھوٹ کر لیئی بنالیں اور چینی کے ٹکڑوں کو اس سے جوڑ دیں۔ کچھ عرصہ میں جوڑ پختہ ہو جائے گا۔

بوتل کاٹنے کا ہنر بعض جگہ تم نے دیکھا ہوگا کہ ایک بوتل میں ایسی چیزیں رکھی ہوتی ہیں جو کسی طرح بھی اسکے منھ کی طرف سے اندر داخل نہیں ہو سکتیں مثلاً ایک انڈا گڑیا کا کھلونا۔ گڑیا کی چھوٹی چارپائی وغیرہ وغیرہ اور لوگ حیرت سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ چیزیں اس میں کیسے داخل کی گئیں جس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جادو کے زور سے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جادو وادو کچھ نہیں ہوتا صرف عقل سے کام لے کر بوتل کو عین اس کے پیندے کے پاس سے گولائی میں کاٹ لیا جاتا ہے اور پھر ایسے مصالحہ سے جوڑ دیا جاتا ہے کہ نظر نہ آئے اور جوڑ بالکل معلوم نہ ہو۔ اسے کاٹ کر جوڑنے سے پہلے اسکے اندر جو بڑی بڑی چیزیں اس میں رکھی جا سکتی ہوں وہ رکھ دی جاتی ہیں اور جادو کا نام لے کر لوگوں کو حیرت میں ڈالا جاتا ہے۔

بوتل کاٹنے کی بہت ہی آسان ترکیب ہے اور دو تین مرتبہ کرنے سے تم بہت آسانی سے کر سکو گے۔ بوتل یا گلاس کو جس جگہ سے کاٹنا ہو اس کے گرد ایک ڈورا مٹی کے تیل میں بھگو کر لپیٹ دیں اور ڈورے کو

یوم آزادی

۱۵ اگست ہمارا یوم آزادی ہے اس موقع پر ہر سال اخبارات و رسائل "آزادی" کی جدّوجہد کے متعلق اچھے اور بُرے سبھی قسم کے مضامین سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سُنا ہے کہ اب حکومت کے ایما سے کوئی ضخیم کتاب لکھی جارہی ہے جس میں آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے حالاتِ زندگی ہوں گے۔ اس کے لئے کوئی ایڈیٹوریل بورڈ بھی بنایا گیا ہے۔ یہ کام جتنا اہم اور مشکل ہے اس کا احساس ہر ایک کو نہیں ہے۔ چنانچہ بعض احباب اور بزرگوں کی شکایت پڑھنے اور سُننے میں بھی آئی ہے کہ اس بورڈ نے جو خاکہ تجویز کیا ہے یا جو کچھ اس خاکہ کے متعلق معلوم ہوا ہے وہ ناقابلِ اطمینان ہے اور اس میں جانبداری یا فرقہ پرستی کی بُو آتی ہے۔ کوئی اس جدوجہد کی تاریخ کو دو سو برس پہلے کی تحریکات سے شروع کیا جانا ضروری سمجھتا ہے کوئی غدر ۱۸۵۷ء کو پہلی جنگِ آزادی سمجھتا ہے کوئی کچھ اور سمجھتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس شوروشغف کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کو چونکہ حکومت کی سرپرستی حاصل ہوگی اس لئے اس کتاب یا ان کتابوں کی اہمیت بہت زیادہ ہوگی۔ لہٰذا ان حضرات اور بزرگوں کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہونا چاہیے جنھوں نے معترضین کے علم یا خیال کے مطابق اس جدوجہد میں حصّہ لیا۔ یہ بات اگرچہ اپنی جگہ پر ایک حد تک صحیح ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ شکایت کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے ہیرو (بہادرانِ تحریک) اور جاں نثارانِ ملک کے حالات قلمبند کریں اور اس کی ایک نقل اس بورڈ کے پاس بھیجدیں تاکہ وہ اس پر غور کرے اور اسے تاریخی نقطۂ نگاہ سے جانچے اور اسے اس کتاب میں شامل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرسکے۔ یہ کام بھی کسی جماعت کے تحت ہونا چاہیئے تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں بورڈ کو مدد مل سکے۔ جو مضامین بورڈ شاملِ تصنیف نہ کرے اس کی وجوہات پر اس جماعت کو غور کرنا چاہیئے۔ اور مزید خط و کتابت سے اس معاملے کو سُلجھانا چاہیئے۔ لیکن اس پر بھی اگر بورڈ کی رائے میں ان حالات کا شامل کیا جانا ضروری نہ ہو تو پھر کوئی دوسری راہ اختیار کرنی چاہیئے اور خود اس جماعت کی طرف سے ان لوگوں کے حالات پر مشتمل ایک نئی کتاب شائع کردینی چاہیئے۔ اتنی ردوکد کے بعد جو کتاب شائع ہوگی اس کی اہمیت بھی سرکاری کتاب سے کم نہ ہوگی۔ لیکن محض مخالفت میں کوئی کتاب شائع کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ذہنی کوفت کا کام ہرگز نہیں کرنا چاہیئے صرف ایماندارانہ اور منصفانہ طور سے یہ قدم اُٹھانا چاہیئے اور فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر یہ کام کرنا چاہیئے۔ لیکن قبل از مرگ واویلا کے ہم قائل نہیں ہیں پہلے دیکھیئے کہ بورڈ کی طرف سے کیا چیز آپ تک یا ملک کے سامنے پیش کی جاتی ہے اس کے بعد کچھ کیجیئے۔

یہ تو ہم نے اپنی رائے بغیر کسی خاص ضرورت کے درج کردی ہے۔ آزادی کے ذکر کے سلسلے میں جو بات ذہن میں تھی اسکو یونہی قلمبند کردیا تاکہ اس کے متعلق بات زیادہ بڑھنے نہ پائے۔ اور مفکّرین و متعلقین کو ملک کی آزادی کی وجہ سے خواہ مخواہ کی قلمی جنگ میں مُلوّث اور مُبتلا نہ ہونا پڑے۔

آزادی کے بعد ہمارے ملک نے بہت کافی کام کیا ہے اور اگر ملک تقسیم نہ ہوتا اور بٹوارہ کی مصیبت نازل نہ ہوئی ہوتی اور جو محنت بے گھروں اور تارکانِ وطن کو بسانے اور ان کے مسائل کو حل کرنے پر صَرف کی گئی ہے وہ نہ کرنی پڑتی تو یقین جانئے کہ ہمارا مُلک کہیں کا کہیں پہنچا ہوتا۔ پھر بھی جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ دُنیا کے سامنے ہمارا سر اونچا کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور ہمیں فخر اور مسرّت ہے کہ ہماری غیر ملکی پالیسی نے اور ہمارے بین الاقوامی تعلقات نے ہمیں ایک دم غلامی کے گڑھے سے نکال کر بہت اونچا کردیا ہے۔ جو ملک ہمیں طعنے دیتے تھے کہ تم چالیس کروڑ کی آبادی ہو کر مٹھی بھر انگریزوں کے غلام ہو اور ہمیں اپنی غلامی کی وجہ سے سب جگہ سے دھتکار ملتی تھی، اور کسی جگہ عزّت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ آج نہ صرف وہ ممالک بلکہ خود وہ ملک جس کے زیرِ اثر یا زیرِ حکومت ہم تھے ہم سے رشتہ جوڑنے یا اس کے قائم رکھنے کے خواہشمند ہیں اور متمنی ہیں کہ ہماری نظریں ان کی طرف سے سیدھی رہیں وہ ہم سے ہاتھ ملانے کو اپنی عزّت سمجھتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں لیکن ہمیں

اس خیال پر نازاں ہو کر تکبر یا غرور نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان خرابیوں پر نظر کرنی چاہیئے جن کو ہم اب تک دور نہیں کر سکے ہیں اور جن کی وجہ سے ہم اب تک مصائب و آلام میں مبتلا ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک ان کو دور نہیں کریں گے۔ بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ان خرابیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ہماری بین الاقوامی شہرت اور ساکھ پر آنچ نہ آئے ہمارا اثر نہ پڑے۔ ان خرابیوں میں سب سے بڑی لعنت فرقہ وارانہ کشیدگی ہے جسے جاہ پسند اور خود غرض لوگ اپنے اپنے نفع کے لئے قائم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر مذہبی رواداری ہم میں پیدا نہ ہوئی تو لکھ لیجئے کہ ہماری یہ ساری بنی بنائی عمارت دھڑام سے ایک دم گر جائے گی اور ہمیں اس وقت معلوم ہوگا کہ جو عمارت ہم نے بہت جلد کھڑی کر لی تھی اس کی بنیاد ریتے پر تھی اور وہ طوفان کا ایک معمولی سا ریلا بھی برداشت نہ کر سکی، ہماری نظر جہاں ملک کی ترقی کو دیکھتی اور اس کا اقرار کرتی ہے وہاں وہ اپنی عینک سے اس کیڑے کو بھی دیکھتی ہے جو اندر ہی اندر گھن کی طرح ہمیں ختم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور جس طرح ایک جماعت خدا ترسی اور رحمدلی کے طور پر محض ثواب کے خیال سے چیونٹوں اور حشرات الارض کی پرورش کرتی ہے اور انہیں خوراک بہم پہنچاتی ہے اور نہیں جانتی کہ یہ کھیتی اور زراعت اور عمارات کو کس قدر نقصان پہنچاتے ہیں اسی طرح ایک جماعت یا کئی جماعتیں ایسی بھی ہیں، جو فرقہ پرستی کی آگ کو ہوا دیتی رہتی ہیں اور اس کو ابھارنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں اور اسے ثواب سمجھ کر ملک اور اپنے فرقہ کی ترقی کے لئے ضروری سمجھتی ہیں مگر جس طرح ملک میں مہلک جراثیم کو مارنے کے لئے ڈی ڈی ٹی کا کارخانہ قائم کیا جا رہا ہے اسی طرح امید ہے کہ نیک لوگوں کی کوششیں اور حکومت کی منصف مزاج ہستیوں کی جد و جہد فرقہ وارانہ جراثیم کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہوگی۔ یہ کام باہمی تعاون اور ایک تنظیم کے ساتھ کئی جماعتیں مل کر کریں تو یقیناً بہت جلد خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔

علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ہم مذہب تنگ نظر ملا اور منافق تارک دنیا کے متعلق خبردار کیا ہے کہ سر سید مرحوم کی لوح تربت پر انہیں روح سید سے یہ پیغام ملا تھا کہ :۔

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں ‏ ‏ ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زباں ‏ ‏ چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے ‏ ‏ دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے
محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

اس سے آپ کو اقبال مرحوم کے خیالات اور خواہشات کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کاش پاکستان بننے کے وقت وہ زندہ ہوتے اور ہم ان سے ان کے خواب کی تعبیر پوچھتے۔ انہوں نے اپنوں کو جو نصیحت کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ کاش دوسرے ملکی بھائی بھی اس سے سبق حاصل کریں اور ملک سے اس مہلک وبا کو ختم کرنے کی جد و جہد میں جان کی بازی لگا دیں۔

اسی خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے جناب عزیز وارثی بچھرایونی کی نظم کا انتخاب کیا ہے جو "آزادی" پر مقامی اخبارات میں شائع ہوئی ہے اور جسے ہم بصد شکریہ نقل کرتے ہیں۔

"آزادی"

جناب عزیز وارثی بچھرایونی

اِک جرم تھا آزاد ترانوں کا سُنانا ‏ ‏ ہے میری نگاہوں میں ابھی تک وہ زمانہ
وہ جبرِ مسلسل بھی ابھی نقش ہے دل پر ‏ ‏ سُنتا ہی نہ تھا جب کوئی بیکس کا فسانہ
افلاس کی ہر سمت گھٹا جھوم رہی تھی ‏ ‏ افکار سے لبریز تھا ہر ایک ترانہ
حاکم تھے جدا جو تو حکومت تھی ستمگر ‏ ‏ مجبور کا اُس دور میں دشمن تھا زمانہ
اُس دورِ پُر آشوب میں اِک روز بالآخر ‏ ‏ میدان میں آیا وہی مجبورِ زمانہ
تاریخ کے اوراق اس انداز سے پلٹے ‏ ‏ ہر باب میں لکھا گیا آزاد فسانہ
لیکن مری فطرت میں ہوا ایسا تغیّر ‏ ‏ میں بھول گیا اپنی مصیبت کا زمانہ
تعمیر کی جانب نہیں جاتی مری نظریں ‏ ‏ تخریب کا پڑھتا ہوں شب و روز فسانہ
تفریق دلِ ملِ جل سے ہٹائی نہیں میں نے ‏ ‏ ہے اب بھی مری زیست کا پامال فسانہ
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اخلاق کی پستی ‏ ‏ اُمڈے ہی چلے آتے ہیں افکارِ زمانہ
کچھ روز اگر اور یہ حالت رہی میری
دُنیا میں رہے گا نہ کہیں میرا ٹھکانہ

ایڈیٹر کی ڈاک

رسالہ "سنگم" کی اشاعت اگرچہ ابھی بہت کم ہے تاہم اس کے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کافی ہے۔ خریداروں کے علاوہ دوسرے پڑھنے والوں کے بیشمار خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن کے متعلق اصرار ہوتا ہے کہ ان کو ضرور پرچہ میں شائع کیا جائے۔ بہت سے خطوط مختلف سوالات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہم سب کا جواب دینے کی "اہلیت" اپنے میں نہیں پاتے اور نہ سب کو شائع کرنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو فرقہ واریت کا رنگ لئے ہوتے ہیں اور بعض انفرادی اور ذاتی امور سے متعلق ہوتے ہیں۔ بعض اس قدر طویل ہوتے ہیں کہ ان کا جواب دینا تو درکنار ان کے پڑھنے کے لئے وقت نکالنا ہی مشکل ہوتا ہے اور کام کی بات ایک نہیں ہوتی بعض طعن آمیز ہوتے ہیں پھر جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ہمراہ نہیں آتے۔ ہمیں سب سے زیادہ فرقہ واریت کے خطوط سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہم ملک کی مسموم فضا کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور لوگ ہیں کہ اپنی رٹ لگائے چلے جاتے ہیں۔

آج ہم ایک خط شائع کرتے ہیں اس سے کسی بحث کا دروازہ کھولنا مقصود نہیں ہے اور نہ ہم اس سلسلہ میں کوئی مزید تحریر شائع کریں گے ہمیں لکھنے والے کی نیت پر بھی شبہ کرنے کا حق نہیں ہے تاہم ہم اس تحریر کے جواب میں اتنا ضرور عرض کرینگے کہ اگر اس مضمون کو دوسرے پیرایہ میں لکھا جاتا یا ان خیالات کو دوسرے انداز میں ظاہر کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ ۹ اپریل کو لکھتے ہیں۔ (عبارت بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے) :۔

شواؤ وشنو برہما سے ہمیں کیا کام ہم اس کے پجاری ہیں رحمٰن ہے جس کا نام
سلطان جگت کا ہے ایک، تین نہیں تین کی سلطنت سے ہوگا برا نام،
بت پرستی فنا ہو گی گھٹ گھٹ کر باقی رہ جائے فقط رحمٰن کا نام
شوالہ یا مسجد ان میں کوئی بت نہیں ہوا ہی ہوا ہے بس لو اللہ نام
ان ہاٹ سیتے، بے شکل ہے ہمارا بھگوان نور ہی نور بس یہی ہے خدا کا نام
لو نام رحمٰن ہے پیارا نام رام سے بس رحمٰن ہی رحمٰن یہی ہے اللہ نام

آج تو سوار ہوا شیطان پر مبارک ہو
تو مسلم نمبر بڑھے زندہ رہے اللہ نام

(یف۔ بچ۔ محمد عثمان سوار۔ مدراس)

جناب سنگم ایڈیٹر صاحب سنگم اگست ۶۴ء مطالعہ فرمایا۔
رام اور رحمٰن ہیں دونوں اللہ کے نام۔ ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی ہر آدمی اس کی ڈالی ہے۔ لفظ "مذہب" کو کاٹ کر "آدمی" لکھا ہوں اس سے پتہ لگتا ہے کہ رام کے پجاری اور رحمٰن کے پجاری دونوں ایک ہونا چاہتے ہیں۔ خوش آمدید، آپ کے لفظ "مذہب" میں شرارت ہے اور میرے لفظ "آدمی" میں سلامت سے لبریز ہے اس کے جوابات دو :۔

۱ یہ رام کون ہے؟ ۲ کیا سیتا کا شوہر؟ ۳ دسرتھ کا ولی عہد؟ ۴ لکشمن کا بھائی؟ ۵ خاکی اور فانی رام؟ اگر یہ نہیں تو اس کی تعریف؟ شوالہ میں کیا بت ہے رام کا؟ مسجد میں تو سوائے حصیروں (؟) کے کچھ اور نہیں۔

سنو، ہندو تین مورتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ برہما، وشنو اور شوا برہما خالق ہے۔ وشنو امن قائم رکھنے والا اور شوا برائی کو برباد کرنے والا، وشنو اور شوا کی الگ الگ جماعت۔ وشنو کے ۱۰ اوتار۔ شوا کے اوتار نہیں۔ رحمٰن کی کوئی مورت نہیں۔ وہ بیشکل ہے۔ رحمٰن کو رام سمجھتے ہیں تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، تو چلو ہم سب بھائی بھائی ہیں کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ۔ شوالہ کو بھی مسجد کے نام سے پکاریں گے۔ عبدالرام کیا عبدالرحمٰن۔ سب کا ہے ایک ایمان۔ ہر بچے کا باپ ہے ایک۔ سورج ہے ایک۔ چاند ہے ایک جو ستاروں کا صدر ہے۔ ہوا جس سے ہم سانس لیتے ہیں وہ بادشاہ و گدا کے لئے ہے ایک، ان سب کا خالق ہے ایک ہم سب اُس کے مخلوق۔ ان کے مذہب بھی ایک (دو نہیں) بس جدھر دیکھو اُدھر وہ ایک ہی ایک ہے۔

ایڈیٹر صاحب اس کو شائع کرنا۔ رام رام والسلام۔
گوپی ناتھ مہاراج کو میرا پرنام،
آپ کا بھائی یف۔ بچ۔ محمد عثمان سوار ۵ راجہ حیدر اسٹریٹ
ہونٹ روڈ۔ مدراس ۱۲

اب ناظرین کرام خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان کی کیا رائے ہے، ہم میں تو واقعی اس کے جواب کی اہلیت نہیں ہے ہمارے جس شعر کو انہوں نے نقل کیا ہے اور جس میں لفظ

"مذہب" کو شرارت سے تعبیر کیا ہے وہ مندرجہ ذیل تھا۔

تم رام کہو وہ رحمٰن کہیں۔ دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں۔ منشا تو اسی کی راہ سے ہے
کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے، یہ تیری خام خیالی ہے
ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی۔ ہر مذہب اسکی ڈالی ہے
وغیرہ وغیرہ

نہ معلوم ان اشعار کو بدل کر اپنا شعر کیوں لکھا۔ اور اس میں مذہب کی جگہ آدمی کیسے جڑ دیا۔ بہرحال کوئی صاحب اس خط سے کوئی غلط اثر قبول نہ کریں بلکہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

ع۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اللہ تعالےٰ ہمیں صراط مستقیم کی توفیق عطا فرمائے اور عقل سلیم کی دولت سے مالا مال کرے آمین۔

آپ کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے لکھا جاتا ہے کہ :-

(۱) جنوبی ہند میں ایف۔ ایچ۔ ایل۔ ایم۔ این۔ ایس۔ ایکس کا یف۔ یچ۔ یل۔ یم۔ ین۔ یس۔ یکس تلفظ کیا جاتا ہے۔

(۲) جن شری گوپی ناتھ مہاراج کو پرنام کیا گیا ہے وہ جناب امن صاحب لکھنوی دہلی کے سابق وزیر ہیں جن کی شبیہ اور سوانح حیات ماہ اگست ۱۹۵۴ء کے پرچہ میں شائع ہوئی تھی۔ ہم جناب امن صاحب کی خدمت میں یہ پرچہ بھیج کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ لیکن عثمان صاحب! آپ کو امن صاحب کی کلاوان و منزل کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔

کیا آپکو معلوم ہے کہ اردو کوئی زبان نہیں اگرچہ تمام ہندوستان کی زبانوں میں صرف اردو ہی ٹکسالی زبان رہی ہے۔ یوپی کے وزیر اعلےٰ کے خیال میں اردو کوئی زبان نہیں ہے لیکن انگریز کے زمانہ میں سو سال تک پورے ہندوستان کے چاندی کے سکوں پر انگریزی کے علاوہ صرف اردو حروف میں یک روپیہ، ہشت آنہ، چہار آنہ، دو آنہ لکھا جاتا تھا۔ نِکل کا سکہ رائج ہونے پر ایک روپیہ۔ آدھا روپیہ پاؤ روپیہ دو آنہ۔ ایک آنہ۔ آدھا آنہ سب سے اوپر لکھا جاتا تھا اور دو ایک دوسری زبانوں میں ادھر ادھر ہوتا تھا۔ نوٹوں میں اردو سب سے اوپر ہوتی تھی اور دوسری زبانیں نیچے۔ ابتک وہ سب رائج ہیں دیکھ لیجئے۔ آزادی کی جنگ اردو میں لڑنے کے بعد تھوڑی سکے والوں نے اردو کو گھر سے نکال دیا۔ صرف نوٹوں میں اسے سب زبانوں کے نیچے جگہ مرحمت فرمائی اس عمل کو کیا نام دیا جاسکتا ہے؟ رفاقت یا احسان فراموشی؟ انصاف یا محسن کشی؟ ہائے رے تنگ دلی!

(ف۔ ل)

تنقید و تبصرے

(ملا نوائش)

آئینہ یہ ایک ہفت روزہ پرچہ ہے جو ماہنامہ شمع دہلی کے دفتر سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۵۵ء کی آخری تاریخ کو جلوہ افروز ہوا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس پر تنقید یا تبصرہ یا اپنی رائے کا اظہار کس طریقہ سے کریں۔

ہمیں "شمع" پر جس قدر ناز تھا اس سے کہیں زیادہ "آئینہ" کے نکلنے سے مسرت ہوئی ہے،

اردو اردو کا شور کرنا تو بہت آسان ہے لیکن عملی کام کرنا بہت دشوار ہے۔ جو لوگ خاموشی سے کام کرتے ہیں اور عمل اور استقلال کا نام زندگی سمجھتے ہیں ان میں یقیناً مالکان شمع کا نام سب سے پہلے لیا جاسکتا ہے۔ وہ بغیر تلوار کے حریف کو شکست دینے کا گر جانتے ہیں وہ میدان صحافت کے بادشاہ ہیں۔ تمام دشمنان اردو، اور غداران وطن کتنا ہی شور مچائیں اور اردو پر خاک ڈالنا چاہیں، لیکن 'شمع' کو نہیں بجھا سکتے وہ اردو کے تمام رسائل میں سب سے زیادہ چھپنے والا پرچہ ہے جس کی تصدیق کے لئے کسی سرٹیفکٹ کی ضرورت نہیں۔ وہ نہ صرف کثیر الاشاعت ہے بلکہ سب سے زیادہ بہتر اور خوبصورت چھپنے والا پرچہ ہے۔ وہ شروع سے آخر تک بلاکس سے چھپتا ہے جو سب سے زیادہ گراں نسخہ ہے۔ اس لئے اردو کی خدمت کا دعویٰ اسی کو زیب دیتا ہے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ "جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا" یعنی چونکہ اس کی اشاعت زیادہ ہے اور بے حساب آمدنی ہے اس لئے وہ بلاکس میں چھپ سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی آمدنی کیوں زیادہ ہے اور اسکی اشاعت کیوں سب پر بھاری ہے؟ دولت اور سرمایہ کے ساتھ سلیقہ کی بھی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے مالکان کو دونوں چیزیں مرحمت فرمائی ہیں اور ان دونوں کے علاوہ ان کو بہت بڑا دل بھی دیا ہے ان کی عالی حوصلگی اور ان کا جذبۂ خدمت ہی ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔ وہ اگر کثیر مصارف برداشت کرکے خداداد ذہانت اور سلیقہ سے کام نہ لیتے اور قابلیت سے پرچہ مرتب نہ کرتے تو اس کی اشاعت ہرگز نہ بڑھتی، وہ اس طرح روز افزوں

ہم لوگ چلاتے رہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معموں کی وجہ سے بھی اسکی اشاعت زیادہ ہے۔ لیکن دوسرے لوگوں نے بھی تو اس کی نقل کی اور معمے شائع کرنے شروع کئے پھر بھی وہ درجہ نصیب نہیں ہوا بلکہ بہت سے پہچے تو محض اس وجہ سے زندہ ہیں کہ وہ شمع کے معموں کا حل تجویز کرکے اس کے ممکنات پر بحث کرتے ہیں اور لوگ ان کے مشوروں سے مدد حاصل کرتے ہیں۔

ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ حاسدوں نے در پردہ اس کو فنا کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ کسی کو تو یہ خار گزرا کہ ہمارے اس دعوے کے باوجود کہ "اردو کوئی زبان نہیں"۔ یا "یہ ہندوستان کی علاقائی زبان ہی نہیں ہے"۔ سب سے زیادہ تعداد میں چھپنے والا اُردو کا ہی پرچہ ہے اسے ختم کرانا چاہیئے، یا اس کی اشاعت دوسری زبانوں کے پرچوں کے مقابلے میں کم ہوجانی چاہیئے تاکہ ہمارے قول کی صداقت کا ثبوت دیا جاسکے۔ اور کسی کے کلیجہ پر یہ سانپ لوٹنے لگا کہ ہائے ایک ایک لاکھ کے انعامات یہ کیسے دے سکتے ہیں۔ نہ معلوم ان پر کتنا ہن برستا ہے لہٰذا قانون بنوانا چاہیئے کہ معموں پر پابندی لگائی جائے بہرحال ہر طرف سے یلغار ہونے لگی اور انگریزی کے السٹریڈ ویکلی (بمبئی و دہلی) کے لئے کسی کو خیال پیدا نہ ہوا کہ اس سے غریبوں کو لوٹا جارہا ہے۔ صرف یہی ان کی نظروں میں کھٹکا اور گول مول الفاظ میں تمام معمہ بازوں کا بہانہ کرکے قانون بنوانے کی سوجھی۔ "ملا کی دوڑ مسجد تک" ارے بھائی پبلک کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ معمہ والے چور ہیں ڈاکو ہیں ان سے بچو۔ حکومت کو سمجھانے چلے ہیں کہ قانون بناؤ۔ یہ بھی خبر ہے کہ شمع والوں کو معموں کی آمدنی کس طرح ہوتی ہے؟ ان کو کوئی رقم براہ راست ڈاک سے نہیں ملتی۔ جتنے منی آرڈر آتے ہیں ان سب کا ٹوٹل کرکے ڈاک خانہ والے ایک چک ان کے پاس بھیج دیتے ہیں اور منی آرڈر بھیجنے والوں کی فہرست ہمراہ آجاتی ہے گویا آمدنی کو چھپانے کا یا کم ظاہر کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں۔ اور موٹا موٹا خرچ بھی ایسے چک کے ذریعے ہوتا ہے جسے کوئی دوسرا کیش نہیں کراسکتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کو پوری آمدنی پر ٹیکس اور سُو پر ٹیکس ملتا ہے جو تقریباً چورانوے فی صدی کے قریب ہوجاتا ہے یعنی سو روپے میں تقریباً چورانوے تو حکومت کو ٹیکس کے بل جاتے ہیں، باقی میں سب کام چلتے ہیں۔ ان کی آمدنی پر تو ہائے ہائے ہے خرچ پر کسی کی نظر نہیں۔ قانون بن جائیگا تو سُو پر ٹیکسوں میں بہت فرق پڑجائے گا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اشاعت میں پھر بھی فرق نہیں آئے گا بلکہ بڑھتی ہی رہے گی۔ اور اُردو کو ان ہتھکنڈوں سے ختم نہیں کیا جاسکے گا۔ شمع خدا کے فضل سے سوا لاکھ کے قریب چھپتا ہے اور پاکستان میں بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا ہندوستان میں ہے۔ کیا یہ فخر کا مقام نہیں ہے، کہ پاکستان میں بھی کوئی پرچہ اتنی تعداد میں نہیں چھپتا جتنا ہندوستان میں یہ "بے علاقائی زبان" والا چھپتا ہے۔ شمع کے بعد بچوں کا پرچہ کھلونا اسی ادارہ کی طرف سے نکلنا شروع ہوا جو بلاشبہ بہت ہی اچھا ہے اور بہت مقبول ہے۔ چنانچہ سنگم میں جو ڈاک آتی ہے اس سے بھی کھلونا کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ اب السٹریڈ ویکلی کی طرح ہفتہ وار "آئینہ" نکلنا شروع ہوا۔ دو تین ماہ کے بعد ہی یار دوستوں کے ہاں شادیانے بجنے لگے کہ (خدانخواستہ) آئینہ بند ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کا بہت صدمہ ہوا۔ ہم نے مالکان کو کچھ نہ لکھا کیونکہ جب تک ہم میں اتنی قابلیت یا اہلیت نہ ہو کہ ہم اس کی پوری مدد کرسکیں اس وقت تک خالی خولی مشورہ دینے سے کیا فائدہ۔ بہرحال ہماری دلی خواہش اور تمنا تھی کہ "یاالٰہی آئینہ بند نہ ہونے پائے۔ الحاج حافظ محمد یوسف صاحب اور ان کے سپوت فرزندوں نے جس نیک نیتی سے اُردو کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے اس میں ان کی مدد کر اور ان کو استقامت بخش دے" اس کے بند کرنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ اس کی اشاعت کم تھی۔ بلکہ یہ ہفتہ وار پرچہ مع ٹائٹل کے ۳۶ صفحات پر نکلتا ہے اور ہر صفحہ کا سائز سنگم سے دوگنا ہے گویا سنگم جیسے بہتر صفحات پر نکلتا ہے اور کل کا کل بلاکس میں چھپتا ہے۔ اگر اسکی اشاعت کم ہوتی تو لیتھو پر بھی شائع ہوسکتا تھا اتنی دردسری کی کیا ضرورت تھی لیکن مالکان نے سوچ سمجھ کر کہ یہ پرچہ بہت جلد ترقی کرے گا شروع سے ہی اسے نہایت قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ بلاکس سے چھپوانا شروع کیا۔ ہر پرچہ میں متعدد تصاویر ہوتی ہیں

[redacted]

جو فوٹو بلاکس کی ہوتی ہیں۔ اس پر کس قدر خرچ آتا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ آسانی سے نہیں لگا سکتے۔ باوجود کثیر الاشاعت ہونے کے اور اشاعت کی رفتار روز بروز بڑھنے کے اس کے اخراجات آمدنی کے مقابلے میں اب تک بہت زیادہ ہیں اس لئے مالکان کو اس پر غور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ ذکر بھی ہوا ہو کہ اسے بند کر دیا جائے لیکن باہمت مالکان نے باوجود نقصان، اور بہت کافی نقصان کے اسے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا جس پر ہم انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔

ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں اُردو کا ہفتہ وار کوئی پرچہ اس کے مقابلے کا نہیں نکلا۔ مضامین اور پالیسی کے اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ بہادر اور دلیر صحافیوں کا پرچہ ہے۔ وہ حکومت کی خوشامد سے کوسوں دُور ہے اس کے لئے صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ ۲۵ر اپریل کی اشاعت میں "چتوڑ گڑھ کی فتح" اور اس کا پس منظر" پڑھیئے اور ان کی حمیّت قومی کی داد دیجئے۔ فرمائیے کس نے اس کے مقابلہ میں ایسا یا اس سے بہتر لکھا تھا؟ بڑے بڑے سورما لکھنے والے ان کے سامنے ماند پڑ گئے۔ دل چاہتا ہے کہ اس کے ایک ایک مضمون اور ہر پرچے سے اقتباسات پیش کئے جائیں۔ لیکن افسوس وقت اور گنجائش نہیں ہے۔ اس کا سالانہ چندہ صرف ۱۶ سولہ روپے ہے۔ ہم ہر حامیِ اُردو سے درخواست کریں گے کہ وہ اس پرچہ کو ضرور اپنائے اور بدقسمت ہے وہ لائبریری جو آئینہ کے وجود سے محروم ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے ہر ادیب سے اس نے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ ہر ایسے شخص نے اس کو سراہا ہے اور مُبارکباد دی ہے جس کی رائے کو ذرا بھی وقعت ہے اور جو اس کا شعور بھی رکھتا ہو۔ اس میں پورے پورے صفحے کی تصاویر (فوٹو بلاکس) کسی مشہور شاعر یا ادیب کی ہوتی ہیں۔ اور ہفتہ بھر کی خبریں بہترین تصاویر کے ساتھ تمام دنیا کے ممالک کی شائع کی جاتی ہیں جن کا عنوان کتنا موزوں اور پیارا ہوتا ہے۔ یعنی " آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے..... دُنیا بھر کی تازہ ترین خبریں کیمرے کی نظر سے" اس میں بہترین افسانے مشہور لکھنے والوں کے قلم سے ہوتے ہیں۔ باتصویر مُسلسل کہانی ہوتی ہے پُر لُطف مناظر اور ان کی کیفیت نثر و نظم میں ہوتی ہے۔ کارٹونوں کا تو کیا کہنا دیکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور تازہ پالیٹکس کی جان ہوتے ہیں۔ فلمی خبرنامہ بھی بہت خوب ہوتا ہے۔ تاریخی اور ادبی مضامین بھی ہوتے ہیں اور حالاتِ حاضرہ پر نہایت بیباکی سے تنقید ہوتی ہے اور نہایت سلیقہ سے اشتہار بھی ہوتے ہیں۔ ہنسنے اور ہنسانے کے بالتصویر چٹکلے بھی ہوتے ہیں مختصر سوانح حیات اور حالاتِ زندگی بھی ہوتے ہیں۔ غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ چاہتے ہوں، اور وہ اس میں آپ کو نہ ملے۔ اخبارات میں ٹیلی وژن کا نام اگر کسی پرچہ کو دیا جا سکتا ہے تو وہ آئینہ اور صرف آئینہ دہلی ہے جس میں آپ کو ہر چیز صاف نظر آئیگی۔

حقیقت میں اُردو کے معاملے میں ہمارا سر اس وقت تک بلند رہے گا جب تک آئینہ جیسے موقر پرچے زندہ رہیں گے اور ہمیں کسی کی مخالفت کا مطلق ڈر نہیں ہوگا۔ یہ ہندو اور مُسلمان دونوں میں مقبول ہے اور فرقہ واریت اور تنگ نظری سے بہت بالاتر ہے۔

اس کے مالک حافظ محمد یوسف صاحب دہلوی نے اپنے بیٹوں کو بیرونی ممالک میں بھیج کر صحافت۔ طباعت اور بلاک سازی وغیرہ جملہ جزئیات کا بغور مطالعہ کرنے ان کو سمجھنے اور ان کو عملی طریقہ سے انجام دینے کی صلاحیت پیدا کرا دی ہے اسی لئے یہ پرچہ اس شان سے نکلتا ہے۔ جاہل لوگ جو بے روزگاری سے تنگ آجاتے ہیں محض قلم دوات لے کر ایڈیٹر بن جاتے ہیں۔ اور فرقہ واریت کے جذبہ کے تحت قوم کے مالک بن جاتے ہیں اور ملک میں خونریزی اور عناد کا باعث بن کر اپنی دُکانداری چمکاتے ہیں اُن سے یہ بالکل مختلف ہے اور اس کی اشاعت محض اس کی ظاہری و باطنی خوبیوں کی بنا پر ہے۔ ایک پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ یا منی آرڈر بھیج کر منگوائیے مفت منگوانے کی عادت چھوڑیئے۔ ہم خود اس پرچہ کو خریدنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم لائبریری سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں لیکن نہیں ہم نے اپنے ہاں آنے جانے والوں کی غرض سے اس کو منگوانا ضروری سمجھا ہے اور یہ دوسرے پرچوں کے ساتھ ہماری میز پر ہمیشہ نظر آئے گا۔

ہم ان سازشوں سے بھی باخبر ہیں جو اس ادارے کو
م کرنے یا اسے نیچا دکھانے یا اسے مالی نقصان پہنچانے
رض سے کی جا رہی ہیں لیکن ہم اپنے محسن حافظ صاحب قبلہ
(چھوٹا منہ بڑی بات) نیازمندانہ مشورہ دیں گے۔ کہ وہ
یا تدبیر سے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ غصہ میں آئیں
و تحمل سے کام لیں۔ کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے "ضد" کا
ام عائد کیا جا سکے۔ اور پچھلے دنوں جیسی شورش بر پا کرائی گئی
اس سے رقیبوں اور یارانِ شاطر کو فائدہ اُٹھانے کا ہرگز
قع نہ دیں۔ اس میں نظرِ ثانی اور تدبر کی ضرورت ہے،
کی آپ میں کوئی کمی نہیں ہے۔

آخر میں ہم اپنے ناظرین کے سامنے یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے
ایک وہ ہیں جو سلیقہ سے ایک نہیں تین پرچے مختلف مقاصد
اصولوں کے تحت نکالتے ہیں۔ ایک ہم ہیں جنھیں ریویو کرنے کا
سلیقہ نہیں۔ مگر کیا کریں اس پرچہ کی خوبیوں نے اس قدر متاثر
ہے کہ جی چاہتا ہے کہ یہ طویل داستان سُناتے ہیں اور
سُنتے رہیں۔ اگر آپ اُردو کی ترقی کے خواہاں اور اس کے
دان ہیں تو یقیناً آپ اس سے خوش ہوں گے اور اس قدر
الی عبارت آرائی پر خفا نہ ہوں گے۔ (ف۔ا)

(باقی پرچوں اور کتب پر ریویو اگلے پرچہ میں کیا جا سکے گا)

ٹائٹل کے آخری صفحہ کی تصویر

اس شمارہ کے آخری صفحہ پر جو تصویر چھاپی گئی ہے وہ اس گروپ کی ہے جو لائبریری کی ٹریننگ کے لئے پانچ ماہ کے واسطے حکومتِ ہند کی طرف سے امریکہ بھیجا گیا تھا اور جس کا ذکر ہم پچھلے پرچہ میں کر چکے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں سے ایک درجن پُرانے تجربہ کار اور ٹرینڈ لائبریرین چُنے گئے تھے جن میں حافظ نبی احمد صاحب جامعہ ملیہ دہلی سے منتخب کئے گئے تھے جو ہمارے پرچہ سنگم کے پرنٹر اور پبلشر بھی تھے اور جن کے چلے جانے سے ڈکلریشن منسوخ ہو گیا اور نیا ڈکلریشن ذکی احمد صاحب کے نام سے لینا پڑا۔ اور اس گڑبڑ کی وجہ سے پرچہ کے انتظام میں نہ صرف غیر معمولی تاخیر ہوئی بلکہ بہت تکلیف ہوئی۔ یہ پورا گروپ ۹ رفروری کو ہوائی جہاز سے دہلی سے روانہ ہو کر ۱۲ رکو امریکہ پہنچ گیا اور مختلف مقامات کی بڑی بڑی لائبریریوں کو دیکھتا رہا جن میں سے ہر ایک میں ۲۵ سے ۳۵ لاکھ کتابیں ہیں! بعض مقامات پر ان کو دو دو تین تین مہینے ٹھہر کر انتظامی طریقہ کار دیکھنا اور عملی طور سے اسے انجام دینا پڑا۔ نبی احمد صاحب ۹ رجولائی کو دہلی واپس پہنچ گئے۔

تصویر میں انہیں سب سے پچھلی قطار میں (دائیں سے بائیں) نمبر ۲ پر عینک لگائے داڑھی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ اسی ہیئت میں وہ امریکہ میں رہے جس کی وجہ سے وہ نہایت عزت و احترام سے دیکھے گئے اور متعدد جگہ مدعو کئے گئے تفصیلات پھر کسی موقع پر قارئین کرام کی معلومات کیلئے درج کی جائینگی۔ ان کے دائیں طرف (نمبر ۵) مسٹر لارنس کھڑے ہیں جو ہندوستانی گروپ کی ٹریننگ اور جملہ انتظامات کے امریکہ میں ذمہ دار اور انچارج تھے۔ گروپ کے باقی اصحاب کے نام مع متعلقہ لائبریریوں کے تصویر کے نیچے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

کیا خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائیگا!

سنگم کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے رسالہ منادی دہلی پر تنقید و تبصرہ کرنے سے پہلے اس کے بانی مُصوّرِ فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی ذاتِ گرامی اور ان سے اپنی دیرینہ عقیدت اور نیازمندانہ تعلقات کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا ہمیں کیا معلوم تھا کہ اسکے بعد اب ہمیں ان کی درازیٔ عمر کی بجائے ان کی مغفرت کی دُعا کرنی ہو گی اور اپنے پچاس سالہ تعلقات پر نوحہ خوانی کرنی ہو گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انکی پرلطف صحبت سے محروم ہو جانے کا اعلان کرنا ہوگا۔ یہ لکھتے ہوئے قلم رُکتا ہے کہ میرے ناز بردار اور مجھے "مخلص" کے خطاب سے نوازنے والے خواجہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور انھوں نے سفرِ آخرت اختیار کر لیا ان کی تربت "میدانِ عرفات" میں ہے وہ عید الضحےٰ کے دن جبکہ ساری اسلامی دُنیا عید منا رہی تھی اپنی جاں نثار خواجہ بانو اور اطاعت شعار و صالح اولاد کو تڑپتا چھوڑ کر خلیل اللہ اور رسول اللہ کے پاس پہنچ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ پرچہ پریس میں جا چکا تھا کہ یہ حادثہ جانکاہ بجلی کی طرح ظہور میں آیا۔ ہم اپنے رنج و اضطراب کا اظہار کیسے کریں ہماری عقل مفلوج ہو گئی ہے۔ آئندہ پرچہ میں ممکن ہے کہ آپ کو شریکِ غم کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور تمام عزیزوں، دوستوں، معتقدین اور مریدین کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (فیاض)

اچھی کتابیں پڑھا کیجئے

آپ کا کتب خانہ ان کتابوں سے خالی نہیں ہونا چاہیے

سنگم میں پاکستان اور ہندوستان کی بہترین کتابیں ہر وقت موجود رہتی ہیں جو ختم ہو جاتی ہیں اُن کے آرڈر نوٹ کر لئے جاتے ہیں اور جلد سے جلد منگانے کی کوشش کی جاتی ہے سنگم کی اپنی مطبوعات ہی آپ کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں اور آپ کے مذاق کا معیار بلند کر سکتی ہیں، کوئی کتاب خراب نکلے تو واپس کی جا سکتی ہے۔ جن کتابوں پر × بنا ہوا ہے وہ اگرچہ مطبوعاتِ سنگم نہیں ہیں لیکن ہماری مطبوعات کا درجہ رکھتی ہیں۔ جو مطبوعاتِ سنگم ختم ہو چکی ہیں ان کا اندراج نہیں کیا گیا۔ سب کتابیں سنگم کتاب گھر اُردو بازار دہلی سے ملیں گی۔

اسلامیات		**تعلیمی معلومات و سائنس**		**ناول۔ افسانے و**		جادو کا ہرن	۷ر	جواہر ملیہ	۶ر
قاعدہ فرقانی	۱۲ر سینکڑہ	ترقی کے راز	۴ر	**مزاحیہ مضامین**		جواری	۴ر	× رسول مقبول (نعت)	۱۲ر
پارہ عم آخری ربع	۵ر	جادو کی کتاب	۷ر	آتش خاموش	۵ر	حسنہ کی مرغی	۴ر	کاروان سخن	۳ر
پارہ عم معری	۵ر	مصنوعی بارش	۳ر	بزم بے تکلف	۸ر	دوست کی تلاش	۸ر	کاروان و منزل	۸ر
پارہ تبارک الذی	۳ر	کیسے بچے ہیں؟ (گھڑی کی کہانی)	۱۲ر	× بیگم	۶ر	دولتی	۵ر	**× ادبی کتابیں**	
پارہ عم شمسی (مترجم مولانا		زندگی کا رُخ	۶ر	× پرائی عورت	۶ر	دھن کی پوری سون چڑیا	۶ر	پطرس کے مضامین	۶ر
اشرف علیؒ)	فی عصہ	سورج اور اسکا خاندان	۱۲ر	عذرا	۵ر	سرکس	۵ر	شرح دیوان غالب اُردو	
بیان انقلاب	عصہ	مکانوں کی کہانی	۸ر	× کاغذ کا داستہ ریو	۱۲ر	شکاری لڑکا	۴ر	(حصہ اول ردیف الف)	۱۲ر
سیرۃ قرآنیہ محمدؐ	۳ر	× آدمی (رعایتی)	عصہ	کشمکش	۱۲ر	فرشتہ کا انعام	۵ر	کاروان خیال (خط و کتابت	
مشکلات قرآن کا انقلابی حل	عصہ	**عام تعلیمی کھیل**		لال بجھکڑ (بچوں کا ناول)	۱۰ر	کھٹملوں کا اعلان جنگ	۵ر	مابین امام الہند مولانا	
مال بصیرت (اسلامی اہم مسائل	۱۲ر	تعلیمی تاش اردو قسم اول	۱۲ر	للن	۸ر	گلہری بیگم	۴ر	ابوالکلام آزاد و صدیار جنگ	
ثابت قرآن (سوال جواب)	۸ر	" " " دوم	۸ر	نمک پارے	۴ر	لومڑی اور خرگوش کی لڑائی	۵ر	مولانا حبیب الرحمان خاں	
سوانح		" " ہندی	۴ر	**بچوں کی کتابیں**		متر کی کھوج (ہندی)	۱۰ر	شروانی مرحوم)	۸ر
پیارے نبیؐ	۱۰ر	سلیکہ شکشک ۲ حصے	فی ۳ر	× اکبر اور بیربل کے لطیفے	۶ر	ننھو چلے سیر کو	۴ر	**زیر طبع کتابیں**	
حبیب خدا	۶ر	کرنی بھرنی (کھیل) اردو ہندی	۸ر	الو کا پیغام	۴ر	نیا کھلونا	۴ر	انوار تفکر (اسلامیات)	
خواتین (۳۳ مشہور اسلامی)	۱۲ر	کیلی گرانی کا مڈ (انگریزی حروف)	۸ر	اور مقدمہ چلتا رہا	۶ر	وعدے	۴ر	پارے قرآن شریف (")	
× بشریٰ (سوانح رسول اکرمؐ)	۱۲ر	**ڈرامے**		ایک بچے کی کہانی	۷ر	وفادار سانپ	۴ر	تاریخی کہانیاں	
چار ستارے (خلفائے اربعہ)	۸ر	امتحان	۹ر	بندر والا	۴ر	یاقوت	۴ر	تپش۔ تلخیاں (ناول)	
تاریخی		بنیادی حق	۱۰ر	بھولا بچہ	۵ر	**نظم**		زمین کی کہانی جانوروں کی زبانی [illegible]	
حکایات گاندھی	۸ر	جھوٹا لڑکا	۴ر	بھولی نمہ	۵ر	× بیسک ریڈنگ (انگریزی کی		سنگم کشیدہ کاری (مکمل)	
ماؤنٹ ایورسٹ	۸ر	چور لڑکا	۶ر	جادو کی بطخ	۴ر	بہترین نظموں کا اردو نظم		گھریلو دریاں (تجارتی)	
ایورسٹ کی فتح	۴ر	دیوان غالب صاحب	۶ر	جادو کی کرسی	۶ر	میں ترجمہ)	۱۰ر	نصیب کھلے پھول کھلے (بچوں کی)	

"افسوس ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے ٹیکنیکل کتابوں کی فہرست درج نہیں کی جا سکی۔ اگلے پرچہ میں درج کرنے کی کوشش کی جائے گی"

(خواجہ ذکی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا)

ماہنامہ
سنگم
جامعہ نگر۔ نئی دہلی

نگران۔ خواجہ حافظ فیاض احمد
ایڈیٹر۔ خواجہ ذکی احمد پالی ہیتی بی اے (علیگ)

سالانہ چندہ دو روپے
فی شمارہ تین آنہ۔ یہ پرچہ چھ آنے

پاکستان میں زرِ چندہ بھیجنے کا پتہ:۔ مینیجر ٹکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں ریلوے روڈ۔ لاہور

ملاحظہ فرمائیے:۔ (۱) یہ پرچہ بڑوں اور چھوٹوں دونوں کو اور لڑکیوں (دونوں) کیلئے ہے۔ (۲) چندہ منی آرڈر بھیجئے۔ وی۔ پی نہیں بھیجا جائے گا۔
(۳) اس پرچہ کا سال بھر کا چندہ بطورِ امانت محفوظ سمجھنا چاہئے جب چاہیں باقی رقم واپس لے سکتے ہیں۔ (۴) اجابی امور کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ نہ آیا تو جواب نہ ملیگا۔

سال دوم	بابتہ ماہ ستمبر، اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء مطابق محرم الحرام، صفر المظفر ۱۳۷۵ھ بھادوں، اسوج ۲۰۱۲ بکرم و سمبت ۱۳۶۲، ۱۳۶۳ ف	شمارہ سوم و چہارم

فہرست مضامین

اتحاد و امتحان

دوستی میں ہندو و مسلم رہیں ثابت قدم — تاک میں اغیار بیٹھے ہیں لڑانے کے لئے
دیکھ کر شاداب باغِ اتحادِ ہند کو — خار کھاتا ہے وہ ظالم گل کھلانے کیلئے
ورد لازم ہے سودیشی کی تمہیں اہلِ وطن — ہے بدیشی مال ہولی میں جلانے کیلئے
متحد آپس میں رہیے کامیابی ہے قریب — ورنہ مدت چاہیے سوراج[1] پانے کیلئے
امتحانِ جبر و استبداد ہے کس واسطے — مستعد ہے قوم ساری جیل جانے کیلئے
نوچ ڈالے قید کر کے بال و پر صیاد نے — مرغِ جاں بیتاب ہے اب آب و دانے کیلئے
صفحۂ ہستی سے ظالم تو ہی خود مٹ جائیگا — کوشش کرتا ہے کیا ہم کو مٹانے کیلئے

[1] سوراج اور اصل آزادی اسی وقت سمجھی جائیگی جب کہ ملک فرقہ وارانہ کشیدگی سے پاک ہوا اور سب مل کر آگے بڑھیں۔ (منتخبات اردو)

سرشاریاں

(اکرام الدین صاحب سرشار عمرانی بلند شہری)

جہانِ عشق میں غم سے نجات پا نہ سکے — تمہیں ہزار بھلایا مگر بھلا نہ سکے
نظر نظر سے ملاتے ہی ہو گئے بیخود — تمہارے جلوۂ رنگیں کی تاب لا نہ سکے
وہ چوٹ کھائی ہے جسکو یہ دل سمجھتا ہے — کہ حرفِ آہ بھی لب پر ہم آہ لا نہ سکے
خیال جب کیا مسکن کا برق ٹوٹ پڑی — تصورات کی دنیا بھی ہم بسا نہ سکے
نہ پوچھ ہم نشیں ان بیکسوں پہ کیا گزری — جو اپنے عہدِ مسرت میں مسکرا نہ سکے
جنونِ عشق کا عالم ارے معاذ اللہ — جو ان کو پا لیا ہم نے تو خود کو پا نہ سکے
جو بیخودی میں بنائی تو بن گئی تصویر — مگر جو ہوش میں چاہا تو کچھ بنا نہ سکے

ہمارے روبرو وہ خود بھی ہو گئے سرشار
نقابِ رخ کو اٹھا تو لیا گرا نہ سکے

رفتارِ سنگم

معذرت

ہم توہمات سے بچنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے رہتے ہیں کہ اس قسم کے لغو خیالات کو اپنے پاس ہرگز نہ پھٹکنے دو لیکن بعض اوقات دوسروں کی باتیں دل میں کچھ گڑبڑ ضرور پیدا کر دیتی ہیں۔ رسالہ سنگم کی اشاعت کا ذکر ہو رہا تھا۔ احباب نے پوچھا کہ اب کچھ خریدار بڑھ رہے ہیں؟ ہم نے نہایت ایمانداری کے ساتھ جواب دیا کہ ہماری محنت کے بدلے تو اسے ضرور بڑھنا چاہیئے تھا لیکن ہماری بے قاعدگی کی وجہ سے جو موجودہ خریدار ہیں اگر وہی باقی رہ جائیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

مگر ہمیں اس کے ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ ماہنامہ **سنگم** کا خون خود ہمارے ہاتھوں ہو رہا ہے اور جس طرح بچے کی غذا اور دیکھ بھال میں ماں کی بے قاعدگی بچہ کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اسی طرح سنگم کو وقت پر نہ نکالنے کی وجہ سے خریداروں کی رفتار دھیمی ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ بہت سے خریدار آئندہ کے لئے غالباً اس کی سرپرستی جاری رکھنے میں تامل کریں گے اور ہمیں ان سے شکایت کے لئے کوئی وجہ جواز نہ ہوگی۔

ہم نے بہت غور کیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ سنہ ۱۹۵۵ء ختم ہو رہا ہے اور اس میں کل تین پرچے ہی نکل سکے۔ اگر خریداروں کو ہر ماہ پرچہ نہ ملا جس کی وجہ سے وہ خریدار ہوئے تھے تو ان کو کیا غرض پڑی کہ وہ دو دو تین تین ماہ کے پرچے پڑھیں۔ کسی نے کہا کہ اس سال کا پہلا دن سنیچر تھا اور آپ کے سر پر سنیچر سوار ہو گیا ہے۔ اور یہ نحوست اس سال کے آخر تک رہے گی۔ اب فرمایئے کہ اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے جبکہ ہم ستمبر و اکتوبر کا یہ پرچہ نکال رہے ہیں اور نومبر و دسمبر کا چند روز بعد ہی نکال کر آئندہ سے اس کو ہر ماہ وقت پر لانے کی فکر میں ہیں، سنیچر کے اس اثر کو تو ماننا ہی پڑا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے لیکن توہم کا شکار تو ہم ہو ہی گئے۔ بہرحال ہم پرچے کی تاخیر کی کوئی وجہ نہیں پیش کرنا چاہتے اور نہ خریداروں کو اس سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم معقول وجوہات کے باوجود نہایت ادب سے معذرت چاہتے ہیں اور کوشش کریں گے کہ اب انتظار کی زحمت اپنے خریداروں کو نہ ہونے دیں۔

رجسٹریشن نمبر

اگرچہ اس مسئلہ نے بھی ہمیں بہت الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے لیکن جب تک ہم پرچے کو باقاعدہ نہ کر لیں اس وقت تک اپنے "کرم فرما" بابو صاحب کی شکایت میں ایک حرف بھی زبان پر لانا گناہ سمجھتے ہیں لیکن ہاں یہ بات آپ کے نوٹس میں لانی ضروری خیال کرتے ہیں کہ چونکہ سال ختم ہو چکا ہے۔ اور دوسرا سال شروع ہو گیا ہے اس لئے اب رجسٹریشن نمبر کے لئے اگر لکھا جائے گا تو از سرِ نو فہرست کم از کم پچاس ایسے خریداروں کی داخل کرنی ہوگی جن کا چندہ دوسرے سال کا وصول ہو چکا ہو لیکن ہماری ہمت نہیں پڑتی کہ ہم اپنے خریداروں سے تجدید چندہ کی درخواست کریں جب کہ ہم تاخیر اشاعت کے مجرم ہیں۔ تاہم سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے، ہم مجرم ضرور ہیں لیکن ہمارے مہربان تو وسیع الخیال اور وسیع القلب واقع ہوئے ہیں!! پھر ہمیں فکر کس بات کی؟

ہماری خوش نصیبی

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے چانسلر (امیر جامعہ) اور علی گڈھ کے رئیس اعظم اور ہمارے بہت بڑے محسن جناب **عبد المجید خواجہ صاحب بار ایٹ لا** اپنے گرامی نامہ مورخہ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۵ء میں تحریر فرماتے ہیں :-

آج آپ کا عنایت نامہ مولوی وائق صاحب نے دیا۔ ساتھ ہی سنگم کا جولائی و اگست کا مشترکہ پرچہ .... میری گذشتہ علالت سے کچھ مہینے پہلے سنگم کے ایک یا دو پرچے ملے تھے افسوس ہے کہ اپنے تاثرات آپ کو نہ لکھ سکا۔ سب سے پہلے تو مجھے نام ہی نے گرویدہ کیا۔ پھر اس کے محاسن نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور میں نے دعا کی آپ کے لئے۔ ایڈیٹر کے لئے اور خود پرچہ کے لئے۔ مشورے آپ کو بہت مل چکے ہوں گے اور ملیں گے اس لئے مشورہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، البتہ اس اشاعت کے صفحہ ۹ پر خطوط کے

چھپنے میں آپ کا نوٹ پڑھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر ماہوار رسالے جن میں معیاری مضامین مستقل حیثیت کے ہوتے ہیں ان پر ہر نمبر میں علیحدہ صفحات نہیں ہوتے بلکہ سلسلہ وار صفحات پر نمبر ڈالے جاتے ہیں اور سال کے آخر میں ایک انڈکس شائع کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہر پرچہ کے صفحات کے نمبر بھی دینے ہوں تو آپ اوپر سلسلہ کا نمبر اور نیچے ہر ماہ کے صفحہ کا نمبر دے سکتے ہیں۔ سنگم کی مالی حالت قابل افسوس و فکر ہے۔ میں عنقریب آپ کو خریداروں کی فہرست بھیجدوں گا۔ اس وقت مجھ سے زیادہ نہیں لکھا جا رہا۔ سردست مولوی فائق صاحب کے ذریعہ سے دس روپے بھیج رہا ہوں اس کو قبول فرمایئے یہ غیر مشروط ہدیہ ہے اور اس کے ساتھ میری دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جامعہ کے جملہ احباب کو سلام مسنون و شوق، پچھلے سال کی مکمل فائل سنگم کی بھیجدیجئے تو احسان ہوگا۔ والدعا۔ احقر العباد عبد المجید خواجہ عفی عنہٗ۔

[قبلہ خواجہ صاحب! آپ نے اپنی سابقہ روایات کے مطابق جس محبت اور خلوص سے باوجود اپنی علالت اور انتہائی کمزوری کے نہ صرف سنگم کی بلکہ سنگم والوں کی سرپرستی فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا کرنا بہت مشکل ہے اور یہ احسان تو عمر بھر نہیں بھلایا جا سکتا آپ نے سنگم کے متعلق نہایت ہمت افزا خیالات کا اظہار فرما کر زیادہ تن دہی سے کام کرنے کی لگن پیدا کر دی ہے۔ آپ نے جو دُعائیں دی ہیں ان سے یقین ہوتا ہے کہ سنگم اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب ہوگا۔ آپ نے جو مشورہ اس کی ترتیب کے متعلق دیا ہے وہ بہت مناسب ہے۔ انشاء اللہ کچھ دنوں کے بعد اس پر عمل کرنے کا انتظام ہو سکے گا۔ ابھی اس قسم کے مضامین قابل اطمینان اور زیادہ بلند معیار کے حاصل نہیں ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ بہت جلد یہ کمی پوری ہو جائے گی۔

بعض نادار طلبہ اور دار المطالعوں کے خطوط آئے ہوئے ہیں آپکے عطیہ سے ان کے نام پرچے جاری کر کے آپکے فیض کو عام کر دیا گیا ہے یقیناً وہ سب لوگ جو اس طرح فیضیاب ہونگے آپ کے حق میں دعا کریں گے۔ ہم سب بھی آپ کی صحت اور درازیٔ عمر کی دعا کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی نظرِ عنایت ہمیشہ اسی طرح رہے گی جس طرح گذشتہ ۴ سال سے رہی ہے اور اب تک آپ نوازتے رہے ہیں' ف۔د]

نیک مثال مکتبہ جامعہ کے زیر اہتمام خطاطی اور خوشنویسی کا جو ادارہ قائم ہوا تھا اس کے سابق پرنسپل جناب سید مصطفیٰ علی صاحب اخضر بریلوی عرصہ سے سنگم کتاب گھر کے خاص کرم فرما ہیں۔ اور رسالہ سنگم اپنے فرزند رشید جاوید اشرف سلمہٗ کے نام شروع سے ہی جاری کرا کر اس کے ابتدائی خریداروں میں سے ہیں موصوف نے ایک سال کی کاوش اور محنت سے ایک بہت اچھی کتاب کشیدہ کاری کی تیار کر کے ہمیں دی تھی جس کا اشتہار "سنگم کشیدہ کاری" کے نام سے کئی بار شائع ہو چکا ہے اور اسکے نمونے بھی دئے جا چکے ہیں۔ چونکہ بہت ضخیم کتاب ہے اس لئے محض کاغذ اور چند دیگر ضروریات کی وجہ سے ابتک چھپ نہیں سکی۔ ہم کوشش میں ہیں کہ جلد از جلد اسے اپنے کرم فرماؤں تک پہنچا سکیں۔

اب انہوں نے دس غریب اور نادار اصحاب یا کتب خانوں اور دار المطالعوں کے نام رسالہ سنگم جاری کرنے کی نیک خواہش کا اظہار ہم سے فرمایا ہے۔ ہم صاحب موصوف کی اس عنایت کے بجان و دل ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

جن اصحاب کو رسالہ سنگم پسند ہو اور وہ خود چندہ خریداری ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں ہمیں لکھیں۔ ہم ان کے نام پرچہ جاری کر دیں گے۔ دار المطالعوں اور کتبخانوں کو ترجیح دیجائیگی۔

محمد اسلم خواجہ صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے تحریر فرماتے ہیں:- اس ماہ کا آپ کا رسالہ "سنگم" دیکھا اس قدر پسند آیا کہ میں تعریف نہیں کر سکتا۔ میری دُعا ہے کہ خدا آپ کے رسالے کو اس سے زیادہ ترقی دے۔ (آمین) رسالہ کی ترقی کا سب سے بڑا حصہ مضامین پر ہوتا ہے اور مضامین دونوں قسم کے ہونے چاہئیں۔ یعنی ادبی بھی اور ایسے بھی جنھیں بچے بھی پڑھیں اور یہ دونوں باتیں آپ کے رسالہ میں ہیں۔

[خواجہ صاحب! آپ کی قدر دانی کا شکریہ! خدا کرے آپ کی نظرِ کرم اپنے والد محترم کی طرح سنگم پر رہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ادیب باپ کا بیٹا ادیب ہی ہوگا۔ آپ کا انہماک ادب کی طرف لائق تحسین ہے۔ آپ کے مضمون کا شکریہ جسے ہم علیحدہ درج کر رہے ہیں۔ ف۔د]

خواجہ مبشر احمد صاحب ایم بی انارکلی لائل پور سے

[redacted]

۱۰ جولائی کو انگریزی میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"جب میں نے سنگم کو دیکھا تو مجھ پر اس کا بہت اچھا اثر ہوا اور مجھے بہت خوشی ہوئی۔ سنگم واقعی ایک بہت اچھا پرچہ ہے۔ میں بھی ایسے پرچہ کی تلاش میں تھا جس میں اس قسم کے مختلف مضامین چھوٹی چھوٹی کہانیاں۔ دلچسپ مشغلے ہوں جو بڑوں اور بچوں سب کے لئے پسندیدہ ہوں۔ اس کی اشاعت نے اس کمی اور ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ قیمت بہت کم ہے۔

لیکن یہ کامیاب اسی وقت ہوگا جبکہ آپ اسے باقاعدہ وقت پر شائع کریں۔ براہ کرم ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر عابد حسین جیسے قابل لکھنے والے اصحاب کے تازہ مضامین و افکار حاصل کرنے کی کوشش کیجیئے تاکہ پرچہ کا وقار اور معیار اور اونچا ہو جائے۔

میں نے انگریزی میں اس وجہ سے خط لکھا ہے کہ میرا اُردو کا خط اچھا نہیں ہے اور آسانی سے نہیں پڑھا جاتا اور میں بامحاورہ اچھی اُردو بھی نہیں لکھ سکتا۔"

[بھائی خواجہ صاحب! آپ کی اس قدردانی کا بیحد شکریہ۔ پرچہ کی بیقاعدگی کی طرف اشارہ کر کے آپ نے ہماری دُکھتی ہوئی رگ پکڑ لی ہے۔ ہم خود معترف ہیں کہ ہماری کمزوری کا سب سے بڑا باعث یہی تاخیر اور بے قاعدگی ہے۔ دُعا کیجیئے کہ آئندہ ہم آپ کی اُمید کے مطابق خدمت بجا لاتے رہیں۔ ڈاکٹر ذاکر اور عابد اس قدر مصروف ہیں کہ ان سے کسی قسم کی فرمائش کرنا ان پر ظلم کرنا ہے اگر ہم ان سے قریب تر نہ ہوتے اور اُن کی مصروفیات کا علم نہ ہوتا تو یقیناً ہم ان سے ایسی درخواست کرتے۔ لیکن اب تو ہمت نہیں پڑتی۔ البتہ ہم آپ کی خواہش اُن تک ضرور پہنچا دینگے۔ ہمیں یقین ہے کہ انھیں آپ کی دل شکنی کبھی گوارا نہیں ہوگی اور وہ ضرور آپ کا خیال کریں گے۔ آپ اُردو میں ضرور لکھا کیجیئے ہم کوشش کریں گے کہ آپ کا خط پوری طرح پڑھ سکیں اور بامحاورہ اُردو تو لکھنے سے ہی آئے گی۔ آپ لکھنا شروع تو کیجیئے۔ ہم آپ کا بے محاورہ اور بے ربط مضمون ہی شائع کریں گے۔ ف۔ ا]

رومان انصاری صاحب

جن کی کہانیاں بچے بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور تعلیمی اعتبار سے بھی وہ بہت سبق آموز اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہیں ۱۵ ستمبر کو رام پور سے تحریر فرماتے ہیں :- "خلاف توقع سنگم ماشاء اللہ اب کی بار بڑی آن بان سے نکلا ہے۔ سارا کا سارا پُرلطف علمی ادبی اور افسانوی شاہکاروں سے پُر ہے۔ اگر میں خالی خولی شکریہ ادا کردوں تو کچھ زیبا نہیں۔ آپ نے سنگم بھیجکر مجھ پر ایک نئی فکر سوار کردی کہ آخر سنگم کے لئے کیا کیا جائے۔ حافظ صاحب نے سنگم یونہی نہیں بھیجا وہ مجھ سے سنگم کے لئے کوئی خدمت چاہتے ہیں......"

[جی صاحب! آپ کا خیال صحیح ہے۔ میں وہ چاہتا ہوں جو آپکے دل میں موجود ہے۔ تجاہلِ عارفانہ سے کام نہیں چلے گا۔ سنگم کے سارے مصنفین میں جس نے سب سے زیادہ فراخ دلی اور عالی حوصلگی کا ثبوت دیا ہے وہ رومان انصاری ہی ہیں۔ لیکن سنگم کتاب گھر کا معاملہ دوسرا ہے اور "سنگم" پرچہ کا مطالبہ بالکل جداگانہ ہے۔ ف۔ ا]

سید اشتیاق الحسن صاحب

سکریٹری مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول یونین علی گڈھ، لکھتے ہیں :-

"انجمن ترقی اُردو کے دفتر میں سنگم کا تازہ ترین پرچہ دیکھا۔ اس کا سرورق جاذب نظر ہونے کے علاوہ اپنے نقوش میں بہت سی خوبیاں پنہاں رکھتا ہے۔ یہ مثل تو بہت پرانی ہے لیکن حقیقت ہے کہ سنگم کی تعریف کرنا "سورج کو چراغ دکھانا ہے"

"سنگم" نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے اور آپ اس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔ رسالہ کی ترتیب' اسکے افسانے اور دوسرے مضامین دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس فلمی دور میں اس قسم کا رسالہ کیسے نکل آیا۔ آج کل رسالے اور اخبارات کی اشاعت کی غرض و غایت میں عُریانیت اور فحاشی کو خاص جگہ دی جاتی ہے تاکہ پیسے کمائے جائیں چاہے ملک قوم کا مذاق کتنا ہی کیوں نہ بگڑ جائے۔

کہانیاں اور افسانے بڑی حد تک سماج کی درستی کے ضامن ہوتے ہیں۔ اسی لئے پریم چند نے اصلاحی کہانیوں اور افسانوں کے ذریعے سماج کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالنے کا کام لیا اور اس میں انہیں ایک حد تک کامیابی ہوئی۔ آپ کے رسالہ میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی مخرب اخلاق یا تہذیب سے گری ہوئی بات مجھے نہیں ملی۔ یہاں تک کہ کوئی اشتہار بھی

اس قسم کا نظر نہیں آیا۔ چند عنوانات کا اضافہ کرکے آپنے رسالہ میں جان سی ڈال دی ہے۔ مثلاً آپ ہر ماہ کسی کتاب یا رسالہ پر تبصرہ کیا کریں گے بلاشبہ تبصرہ پڑھنے والوں کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں اور اس سے جانچنے اور پرکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ نظمیں سب ہی اچھی شائع کی گئی ہیں اور سبق آموز ہیں۔ مثلاً ایک نظم جو اساتذہ کے نام سے شائع کی گئی ہے اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچے گا۔ لطیفے بھی تہذیب سے گرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اس میں لطف کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کی چاشنی بھی موجود ہے۔

بچّوں کی تعلیم و تربیت کے عنوان سے آپ جو کچھ بھی لکھتے ہیں اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس سے سماج سدھار میں بڑی مدد ملے گی۔ ورنہ سماج میں جس طرح کی بدنظمی بے تیزی اور بیباکی پیدا ہوگئی ہے وہ ہماری زندگی کے لئے بہت ہی تباہ کن ہے۔ پہلے بڑے اپنے چھوٹوں سے اور چھوٹے اپنے بڑوں سے جس طرح پیش آتے تھے وہ نمونے اب ہم کو کہاں ملتے ہیں۔ بچّوں میں خود سری اور خود بینی پیدا ہوگئی ہے اور بڑوں نے چھوٹوں کو اپنی محبت و شفقت سے نہ معلوم کیوں محروم کر دیا ہے یہ موضوع امید ہے بہت ہی مفید ثابت ہوگا اور کامیاب رہے گا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اتنی خوبیوں کے باوجود آپنے اس کی قیمت بہت ہی کم رکھی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپکو اُردو زبان اور اُردو ادب سے اور اس ملک کے بسنے والوں سے کتنی محبت ہے اور اصلاح کا جذبہ آپ کے دل میں بے پناہ ہے۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں معلوم ہوتا کہ سنگم کو ہر لائبریری کی زینت بننا چاہیئے اور ہر شخص کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ سنگم ہر پڑھے لکھے بچّے کے ہاتھ میں نظر آئے۔ میں آپ کی خدمت کروں گا اور آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا اور رسالہ کے کچھ نہ کچھ خریدار پیدا کروں گا۔ خدا آپ کی مدد کرے اور آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوں اور ترقی و کامرانی آپکے قدم چومے۔ سنگم بال سبھا کے قواعد کی چند کاپیاں بھیجدیجئے۔

[اشتیاق صاحب! آپ کی طویل مدح سرائی کا شکریہ۔ لیکن ہم اپنی کمزوریوں سے غافل نہیں ہیں، آپنے آخر میں ہم سے کچھ وعدہ کیا ہے اور دعائیں بھی دی ہیں، آپ سیّد ہیں اس لئے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دُعا قبول فرماکر ہمیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کردے گا اور آپ قول و فعل کی اہمیت اور اپنے ہمت افزا الفاظ کی قدر کریں گے۔ ف۔ا]

ناظرہ خاتون صاحبہ بی۔اے

سنت نگر لاہور سے ۲۲ ستمبر کو تحریر فرماتی ہیں۔

"کل آپ کا روانہ کردہ رسالہ سنگم میرے نام ملا۔ بہت بہت شکریہ۔ خدا کرے اس کا علمی و ادبی مولوا اور زوردار ہو جائے۔ امّی جان بھی رسالہ انہماک سے پڑھ رہی تھیں کہ اچانک کچھ بددل سی ہوکر فرمانے لگیں۔ ہائے ہائے اس میں تو گنیش جی دیوتاؤں کے بارے میں بھی کسی مجیب صاحب نے لکھا ہے۔ جب میں نے کہا کہ یہ تو آپ کے ہی مجیب نے صرف ترجمہ کیا ہے۔ اس میں کیا بُرائی ہوگئی۔ کیا حرج اگر اس طرح ہندوؤں کے مذہبی حالات سے آپ اور ہم بھی واقف ہوجائیں لیکن وہاں تو بس جیسے کوئی بہت خطرناک بات ہوگئی ہو۔ جب میں بہت ہی سر کھپا چکی تو کہنے لگیں ہاں رسالہ اچھا ہے۔ حدیثیں بھی تو دی گئی ہیں۔ غرضکہ ایک خریدار مجیب صاحب کے ان گنیش جی اور صرف گنیش جی کی وجہ سے بگڑ بیٹھا۔

بہت دن سے خط لکھنے کا ارادہ تھا لیکن بیماری نے فرصت ہی نہ لینے دی۔ اگر ہو سکے تو اسی ماہ کا رسالہ مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرما دیجئے۔ "ذاکر حسین ...." ایک ذاکر صاحب کی طرف سے سالانہ قیمت کی رسید منی آرڈر اور ایک اپنی روانہ کر رہی ہوں۔ ایک دو لڑکیوں نے رسالہ دیکھ کر کہا کہ بھئی کس قدر کم سالانہ قیمت ہے۔ لیکن اگر گشیدہ کاری بھی تھوڑی بہت ہوتی تو ہم بھی خریدار بن جاتے وغیرہ وغیرہ۔

[جزاک اللہ ناظرہ بیٹی! عورتیں اپنے حقوق کا دعویٰ کرتی ہیں اور مردوں کے مُقابلہ کے لئے میدان میں آنے کو بیتاب ہیں واقعی تمہارے طرزِ عمل نے ثابت کر دیا کہ قول و فعل میں کس قدر تطابق ہے اور عورتوں کا دعویٰ کس قدر معقول دلائل پر مبنی ہے آپ نے پرچہ پہنچتے ہی جس طرح اس کے مضامین کو سمجھا اور دوسروں کی خصوصاً والدہ محترمہ کی غلط فہمی رفع کرنے کے لئے سینہ سپر ہوگئیں اور پھر نہ صرف خود خریدار بنیں بلکہ دوسروں کو بھی

آمادہ کیا۔ اس سے آپ کی ذہانت۔ قابلیت اور کام کرنے کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ ہم اپنے مرد محسنوں کی توجہ ناظرہ خاتون کی تحریر اور عمل کی طرف منعطف کراتے ہیں اگر ناظرہ کی سہیلیوں کو کشیدہ کاری کا شوق ہے تو وہ "سنگم کشیدہ کاری" کی طباعت کے انتظام میں ہماری مدد فرمائیں جس میں ساڑھے تین سو صفحات اور پندرہ سولہ باکس ہیں۔ پیشگی قیمت بھیجنے والوں سے ایک روپیہ رعایت کی جائے گی اصل قیمت چھ روپے ہوگی۔ اس کے باوجود ہم کوشش کریں گے کہ "سنگم کشیدہ کاری" کے نمونوں کے علاوہ پرچہ میں اور نمونے بھی دیا کریں لیکن محض کشیدہ کاری کے لئے پرچہ خریدنا بیکار ہے۔ ف۔ ذ]

جناب خیر بہوردی صاحب

نائب معتمد انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے ۸ ستمبر ۱۹۵۵ء کو اپنے سرفراز نامہ میں رقمطراز ہیں :-

سنگم ماہ جولائی و اگست ۱۹۵۵ء موصول ہوا۔ اُردو کی خدمت کا جو جذبہ آپ رکھتے ہیں اور جس خلوص اور ایثار کے ساتھ اسکی انجام دہی میں لگے ہوئے ہیں میری دُعا ہے کہ خدا اس کا بھرپور صلہ آپ کو عطا کرے۔ مدراس کے ایک بزرگ کا پتہ لکھتا ہوں ان کو لکھئے اور سنگم بھیجدیجئے .... "سنگم بال سبھا" مفید تحریک ہے اس کے متعلق ہماری زبان کی آئندہ اشاعت میں اظہار خیال کروں گا اور مآل بصیرت پر بھی تبصرہ ہوگا۔

ذیل کے پتوں پر سنگم اور سنگم بال سبھا کے دستور کی کاپیاں بھیجدیجئے .... خادم خیر بہوردی نائب معتمد

[قبلہ بہوردی صاحب! آپ کی ہمت افزائی کا شکریہ ادا کرنے کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا۔ آپ نے نہایت قیمتی سرٹیفکٹ مرحمت فرمایا ہے۔ یقین ہے کہ جن حضرات کے پتے آپ نے ارسال فرمائے ہیں وہ ہماری سرپرستی ضرور فرمائیں گے۔ ف۔ ذ]

حبیب خاں صاحب

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ سے ۱۰ ستمبر کو تحریر فرماتے ہیں:-

رسالہ "سنگم" کو آپ جس محنت کے ساتھ مُرتب کرتے ہیں اس سے آپ کے والہانہ ذوق اور اس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اُردو سے ہے۔ اس دَور میں جبکہ فلمی رسالوں نے عوام کے مذاق کو تباہ اور برباد کر دیا ہے ایسا ٹھوس پرچہ نکالنا بڑی جرأت کا کام ہے۔ "سنگم بال سبھا" کی تحریک بھی ایک مُبارک تحریک ہے اس کے لئے بھی آپ مستحق مُبارکباد ہیں۔ بچوں کی ذہنی تربیت کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ یہ ہر شخص کے بس کی بات ہے۔ مگر آپنے اس پر قابو پالیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپکے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑے کام کو آگے بڑھانا ہے۔ اس لئے کوشش کروں گا کہ "سنگم بال سبھا" کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ "سنگم" کا ایک پرچہ اور بال سبھا کے قواعد وضوابط کی چند کاپیاں بھیجیئے۔"

[حبیب من! آپ نے مرض کی تشخیص ایسے اچھے الفاظ میں کی ہے کہ نصف بیماری تو فوراً جاتی رہی اور باقی نصف بھی آپکی توجہ کی بدولت انشاء اللہ بہت جلد رفع ہو جائیگی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ کی اور آپ کی انجمن کی ہدایت کے مطابق پوری اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ عمل کریں گے اور اپنے اچھے معالج کو شکایت کا موقع نہ دیں گے۔ بس آپ جیسے ہمت افزا قدردان اگر ہماری پیٹھ ٹھونکتے رہیں تو بیڑا اللہ کے فضل سے بہت جلد پار ہو جائیگا۔ ف۔ ذ]

شاہ عبد القیوم صاحب

آنریری لائبریرین مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین علی گڑھ ۹ ستمبر کو لکھتے ہیں :- "ذکی صاحب! السلام علیکم۔ سچائی۔ نیکی۔ گیان اور محبت کا مخلص ترجمان۔ آپ کا۔ میرا اور اُردو نوازوں کا "سنگم" ملا۔ بہت بہت شکریہ۔

اس بار آپ نے سرورق پر علم وادب اور پیار ومحبت کے معنوں کو بلندی دی ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ رنگوں کا انتخاب آپ کی ذکاوت کا ثبوت ہے۔

احباب میں جب کبھی آج اور کل کی "دلّی" کا تذکرہ ہوتا ہے تو گفتگو ان جملوں پر دم توڑ دیتی ہے کہ میاں اب نہ دلی رہی اور نہ دلّی والے۔ زمانہ کی ریت ہی یہ ہے۔ تبدیلی تو اس کا خاصّہ ہے ایک زمانہ تھا جب دلّی دُلہن تھی۔ اب نہ وہ حُسن ہے نہ وہ سادگی۔ نہ وہ تہذیب رہی نہ وہ تمدن۔ مغلوں کے اقتدار اور عظمت و جلال کا آفتاب کیا غروب ہوا کہ ہر شے اندھیرے آکر اپنا رُوپ کھو بیٹھی۔ تمدن کا رنگ اُڑ گیا۔ زبان نے نیا قلب اختیار کر لیا۔ علم وادب کی مجالس ماند پڑ گئیں۔ مُشاعروں کا رنگ پھیکا ہو گیا۔

لیکن صاحب کیا کہنے۔ داد دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ اب بھی اگر کسی کو دلی کی منجھی ہوئی شستہ اور ٹکسالی زبان کا لطف لینا ہو تو "سنگم" کا دیباچہ پڑھے۔ داغ۔ غالب میر و مومن کی روانی۔ سادگی اور بے ساختگی کا مزا لینا ہو تو دلی میں اب بھی دو ہستیاں موجود ہیں۔ ایک مولانا احمد سعید اور ایک حافظ فیاض صاحب" پانی پت پر دلی کا ایسا گہرا رنگ قابل ستائش ہے۔ سنگم یقیناً ہر خیال اور طبقہ کی ادبی اور معاشرتی قدروں کا سنگم ہے۔ آپ کو سنگم کی اشاعت میں مستقل خسارہ ہوتا ہے اس کے ہم سب قصوروار ہیں خریدار فراہم کرنا ہمارا بھی فرض ہے۔ آپ کی پُر خلوص کوششیں قابل داد و تحسین ہیں۔ خدا کرے سنگم دن دُونی اور رات چوگنی ترقی کرے صفی صاحب سے سلام کہیئے گا؛

[عزیز من اعبد القیوم صاحب! آپ نے ضرورت سے بہت زیادہ غلو سے کام لیا ہے۔ ہم نے تو آپ کی طرز تحریر سے مرعوب ہو کر اور اپنے متعلق حد سے زیادہ تعریف اور شاعرانہ مبالغہ کی طرف سے آنکھیں بند کر کے آپ کی محبت بھری تحریر کو شائع کر دیا ہے۔ کاش ہم میں وہ خوبیاں ہوتیں جن کا ذکر آپ نے بہت بے تکلفی سے کیا ہے۔ ان خوبیوں کے مقابلہ میں تو ہمیں خسارہ برداشت کرنا بھی گھاٹے کا سودا نظر نہیں آتا۔ اب وقت امتحان ہے۔ دیکھئے آپ نے کوئی فرض اپنے اوپر لازم کیا ہے اسے ضرور مدنظر رکھئے۔ دلی کا ذکر جس انداز سے آپ نے کیا ہے وہ بھی موجودہ ادب کا ایک اہم پیراگراف اور ضروری ٹکڑا سمجھا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کئی بار پڑھا اور دل مسوس کر رہ گئے۔ ف۔ ق]

ڈاکٹر طاہر صاحب ڈیا پوری

برمو ضلع ہزاری باغ سے ۱۳ ستمبر کو ان الفاظ میں غمگسار ہیں:۔ "محترم حافظ صاحب سلام مسنون۔ آج سنگم کا مشترکہ شمارہ ملا۔ بے حد مسرت ہوئی۔ میں نے قبل عرض کیا تھا کہ ابھی سنگم کو دشوار گزار جھاڑیوں سے گزرنا ہے۔ لیکن میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ جھاڑیاں اتنی دشوار گزار اور اتنی خاردار ہونگی کہ ہر گام پر پائے استقلال میں اس قدر زیادہ کانٹے چبھیں گے کہ الامان! اس دفعہ سنگم کا اداریہ پڑھنے کے بعد میں آپ کی طاقت برداشت کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اداریہ کیا ہے بس ایسا لگتا ہے کہ کانٹے کی ہر چُبھن کا آپ مُسکراہٹ سے استقبال کر رہے ہیں۔ یہ وہ منزل ہے جہاں درد دوا بن جاتا ہے۔ مجھے اب یقین ہے کہ آپ کا جذبِ محبت کرائی مارکہ بابوؤں کے دل کو ضرور پگھلا دے گا۔ آمین! نہیں نہیں ہلا دے گا۔ ثم آمین!

[مسیحائے زماں! طاہر صاحب! کس قدر مظہر خیالات کا آئینہ ہے آپ کا یہ کرم نامہ؟ کیوں نہ ہو "کشت ملش" کے مصنف کو اگر ان باتوں کا احساس نہ ہو تو پھر اور کسے ہو سکتا ہے۔ آشنائے غم ہی تڑپنے والوں کی سوزش کی قدر کر سکتا ہے۔ اسی لئے تو "تپش" کی بھٹی تیار کی گئی ہے لیکن ہمارا جذب محبت نہ جانے کیا بلا ہے یا تو وہ اس شبِ فراق کی مانند ہے جس کے متعلق شاعر نے کہا ہے ؎

ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی ✦ نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

اور یا بابوؤں کا دل ان جلادوں کی مانند ہے جو اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ دوسروں کو تڑپتا دیکھ کر انھیں بہت چین اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ لیکن خاموش رہیے اور انتظار کیجئے۔ ہماری آہ کا بھی کچھ اثر دیکھ لینا۔ ف۔ ق]

مضمون نگار اصحاب

کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ رسالہ سنگم کا مقصد بچوں اور بڑی عمر کے لڑکوں و لڑکیوں کو آداب مجالس، ادب و شعور اور اخلاق و تمیز کی تعلیم دینا ہے۔ اور بڑوں کے ذہن نشین یہ بات کرنی ہے کہ وہ کوئی بیہودہ بات یا بدتمیزی کا کلمہ بچوں کے سامنے منہ سے نہ نکالیں یا کوئی مخرب اخلاق حرکت ان کے سامنے نہ کریں ورنہ ہمارا مقصد فوت ہو جائیگا اس لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ آپ کوئی افسانہ یا کہانی یا مضمون ایسا نہ بھیجئے جس میں عشق و محبت یا اسی قسم کی لغویت پائی جاتی ہو ورنہ اسے شائع نہیں کیا جائے گا اور اگر اسے درج کیا گیا۔ تو اس کے منافی اغراض حصے حذف کر دئے جائیں گے یا ان میں ترمیم کر دی جائے گی جو غالباً آپ کے لئے ناگواری کا باعث ہوگی۔ اگر آپ کو مضمون واپس منگانا ہو تو ٹکٹ ڈاک بھیجئے۔

جواب کیلئے ٹکٹ بھیجئے،
یا جوابی کارڈ لکھئے!
رسالہ کے چندہ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا
منی آرڈر کے ذریعے بھیجئے

ورنہ وہ ردی کی ٹوکری کے نذر کردیا جائے گا اور ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ اس پرچہ میں بھی بعض اشعار یا افسانوں کے بعض جملے ہمارے معیار کے منافی ہیں اور ہمارے اصولوں سے لگا نہیں کھاتے۔ صرف آپ کے نوٹس میں لانے کے لئے انہیں درج کیا گیا ہے۔ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ ہمارا خیال کہاں تک صحیح ہے مہربانی فرما کر آئندہ کے لئے احتیاط کیجئے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ایسے الفاظ یا جملوں کے بغیر مضمون میں جان نہیں پڑتی۔ یا دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ یا پڑھنے والوں کو لطف نہیں آتا۔ یاد رکھئے کہ یہ پرچہ سینمائی مذاق سے بہت بالاتر ہے اور حیوانی جذبات کو بھڑکانے سے روکنے میں مقدور بھر کوشش کریگا۔

معذرت

ایک بار ہم پھر معذرت چاہتے ہیں کہ پرچہ میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی بہت شرم محسوس ہوتی ہے اور وجوہات خواہ کتنے ہی معقول ہوں گناہ گناہ ہی ہے اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ' اس لئے اس مرتبہ آپ ہماری خامیوں پر چشم پوشی کیجئے۔

ہندستان آزاد نہیں ہوا

ہمیں نہایت افسوس اور رنج سے ہندستان کی غلامی کا ماتم کرنا پڑتا ہے۔ کہنے کو تو ہندستان آزاد ہو گیا لیکن اگر آزادی کے معنی صرف انگریز کے چلے جانے کے ہیں اور باقی تمام خرابیوں اور شرمناک عادتوں کا وجود ہم میں باقی ہے اور جو صفات ایک آزاد اور ایماندار قوم میں ہونی چاہئیں وہ ہم میں نہیں ہیں تو سمجھئے کہ غلامی کا طوق ابھی تک ہمارے گلے میں بدستور پڑا ہوا ہے اور ہم باعزت زندگی بسر نہیں کر رہے۔ سننے میں آیا ہے کہ آزادی کے بعد کامرس اور انڈسٹری کی منسٹری میں بیرونِ ہند سے متعدد شکایات موصول ہوئی ہیں کہ ہندوستان کے تاجروں سے جب کسی چیز کا نمونہ مانگا جاتا ہے تو وہ بہت ہی اچھا بھیجتے ہیں لیکن جب اس مال کا آرڈر دیا جاتا ہے تو وہ نمونہ کے بالکل برعکس ہوتا ہے اور ملاوٹ کے بغیر کوئی چیز نہیں بھیجتے۔ مثلاً مختلف تیل خالص نہیں پہنچتے مختلف مصالحوں میں آمیزش کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے وہاں کے تاجروں کی بدنامی ہوتی ہے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے تاجروں پر شبہ ہونے لگتا ہے اور ہمارے اعمالوں کی سزا انہیں بھگتنی پڑتی ہے۔ یہ بہت ہی شرمناک فعل ہے اور ہمارے ملک کی ساکھ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بٹّہ لگانے والا ہے۔ دوسروں کا ذکر تو دور کی بات ہے آپ ہماری ہی سنئے۔

ہم نے پچھلے پرچہ میں صفحہ ۸ پر "اعتبار اور بھروسہ کرنا سیکھئے" کے تحت لکھا تھا کہ ہندستان میں دوسرے ملکوں کی کمپنیاں قسطوں پر مال مہیا کرنے کی سہولتیں دیتی ہیں اور سالہاسال سے نہایت کامیابی کے ساتھ کاروبار کر رہی ہیں۔ لیکن خود ہندوستان کے تاجر یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہیں چنانچہ ہم نے اعتبار اور بھروسہ کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے خود یہ اسکیم شروع کی کہ قسطوں پر مال دینا شروع کیا یا بغیر وی پی کے مال بھیجنا مناسب خیال کیا اور اگر کسی تاجر نے مال بذریعہ ریل منگانے اور بلٹی بذریعہ بینک بھیجکر قیمت وصول کرنے کو لکھا تو ہم نے بلٹی براہِ راست تاجر صاحب کو بھیجدی اور لکھ دیا کہ مال چھڑا کر اطمینان کرنے کے بعد رقم بھیجدیجئے۔

ہمارے ہم پیشہ کاروباری اصحاب نے ہمیں آگاہ کیا اور منع کیا لیکن ہم نے کچھ پرواہ نہیں کی اور مال بھیجنا اور بغیر بینک کی وساطت کے بلٹی بھیجنا جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غریب اور متوسط درجے کے گاہکوں نے تو اپنی قسطیں طے شدہ شرائط کے مطابق ادا کردیں لیکن تاجران کتب نے اپنے قول پر قائم رہنا ضروری نہ سمجھا اور ہمیں سخت آزمائش میں مبتلا کردیا اور ہم اپنے ہمعصروں کی نظروں میں خفیف ہوئے اور ہمیں بہت ندامت سے تسلیم کرنا پڑا کہ اعتبار اور بھروسہ کے معاملہ میں ہم ابھی دوسرے ملکوں سے بہت پیچھے ہیں اور عزت سے زندگی بسر کرنے کی عادت ابھی ہم میں پیدا نہیں ہوئی۔

بعض تاجروں کو ہم نے چار چار پانچ پانچ سو کا مال بھیجا اور اب وہ طرح طرح کے عذرات اور مجبوریاں ظاہر کرتے ہیں اور رقم بھیجنے کا نام نہیں لیتے بعض نے تو دو ایک مرتبہ جواب دیا اور فوراً رقم بھیجنے کی امید دلائی لیکن بعد میں تو جواب تک نہ دینے کی قسم کھالی اور ٹس سے مس نہیں ہوئے اب فرمائیے کیا کیا جائے؟ مقدمہ بازی؟ نہیں خدا نہ کرے کہ اسکی نوبت آئے۔ چنانچہ اس مرتبہ تو ہم عام طریقہ سے شکایت کرتے ہیں آئندہ ان کا نام ظاہر کرنے پر مجبور ہونگے اور اگر اس کے بعد بھی رقم وصول نہ ہوئی تو پھر سوچینگے کہ کونسی ترکیب کی جائے کہ پُرامن طریقہ سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ خدا کرے یہ سطور ملاحظہ فرمانے کے بعد ہمارے بھائی جو غالباً کسی غیر معمولی مجبوری کی وجہ سے اپنے قرض سے سبکدوش نہیں ہو سکے اس معاملہ کو ختم کرنے کی کوشش فرمائیں اور کسی قسم کی ناگواری کا موقع نہ آنے دیں۔

افسانے

(۱) غلط فہمی

از

(خواجہ محمد اسلم خواجہ صاحب علی گڑھ)

خواجہ احمد فاروقی صاحب کے نام سے ادبی دنیا میں کون واقف نہیں۔ آپ دہلی یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر ہیں آپ نہ صرف ادیب ہیں بلکہ ادیبوں پر عالمانہ تنقید کرنے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ محمد اسلم صاحب انہی کے نورِ عین ہیں۔ اور مسلم یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے ہیں آپ نے یونیورسٹی یونین میں رسالہ سنگم دیکھا جسے آپ نے پسند فرما کر اس کے لئے ایک مزاحیہ افسانہ لکھا جو اس وقت آپ کے زیر مطالعہ ہے یہ افسانہ لکھنے کے وقت آپ ایف۔ اے کا امتحان دے چکے تھے اور اب جبکہ یہ شائع ہو رہا ہے آپ انشاء اللہ کامیاب ہو کر بی۔ اے میں داخل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے تو ہم اپنے عزیز اسلم صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ مدارج پر پہنچائے اور وہ اپنے لائق باپ کے سپوت فرزند ثابت ہوں آمین۔ ہمیں خوشی ہے کہ اسلم صاحب اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ انشاء اللہ بہت جلد آپ ملک کے چوٹی کے لکھنے والوں میں سے ہوں گے اور ملک و ملت کی صحیح خدمت انجام دیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ جناب محمد اسلم صاحب خواجہ آئندہ بھی "سنگم" کو نوازتے رہیں گے۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان کے والد محترم خواجہ احمد فاروقی صاحب بھی سنگم کے لئے کچھ وقت نکال لیا کریں جیسا کہ خود انہوں نے سنگم کے متعلق اچھی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے امداد کا وعدہ فرمایا تھا جو فروری و مارچ کے پرچہ میں ہم شائع کر چکے ہیں۔ لیکن ان کی مصروفیات اس قدر ہیں کہ ان سے بار بار کہتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ "سنگم" ابھی اس معیار پر نہیں آیا ہے جس میں خواجہ فاروقی صاحب اپنا مضمون شائع کرانا پسند فرمائیں لیکن جب تک ان جیسے قدردانوں کی مدد نہ ہوگی معیار کیسے بڑھے گا۔ اسلم صاحب! آپ ہی ابا جان سے سفارش کیجئے نا!

(ادارہ)

علی گڑھ یونیورسٹی میں انٹر ورسٹی ٹورنامنٹ ہو رہے تھے۔ ہمیں بھی جو شامتِ اعمال نے گھیرا تو سائیکل لے کر چل دئے کھیل دیکھنے کے لئے، چونکہ ہم کو سائیکل چلانی اچھی طرح نہیں آتی تھی لہٰذا اللہ کا نام لے کر سوار ہوئے۔ اور سائیکل کی حالت بھی بس ماشاء اللہ ہی تھی۔ بریک تقریباً ایک بالشت پر لٹکے ہوئے تھے جس کے لگانے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگتا تھا چوں چوں کی سخت آواز، ٹائر بھی گھسے ہوئے تھے جو کہ باوجود گھس جانے کے حق وفاداری ادا کر رہے تھے۔ سیٹ کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ خود بخود نیچی اونچی ہو جاتی تھی۔ پچھلے مڈگارڈ کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی تھی۔ وہ راہ گیروں کو اپنی آمد کی خبر دیتی تھی، گویا کہ گھنٹی کا کام کرتی تھی۔ اور راہ گیر خود بخود راستے سے ہٹ جایا کرتے تھے۔ ایسی باصفات سائیکل اور پھر ہم جیسا چلانے والا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی چلے ہوں گے کہ ہٹو میاں کی ایک آواز سُنائی دی، اور ایک سیکنڈ کے بعد، تانگہ کا وہ حصہ جو بم کہلاتا ہے۔ سینے شریف پر گھونسے کی طرح پڑا۔ اسی حادثہ نے بندہ کو اسپتال اور تانگہ والے کو کوتوالی بھیج دیا۔ ڈاکٹر نے والد صاحب سے کہا کہ معاملہ میرے بس کا نہیں ہے۔ حالت نازک ہے بہتر ہے ان کو دہلی لے جایا جائے۔ چنانچہ دوسرے روز میں والد صاحب کے ساتھ دہلی چلا گیا۔ میرے جانے پر سب نے آنسو بہائے۔ لیکن مجبوری تھی۔ والد صاحب مجھے اسپتا[illegible] داخل کر کے اپنی ملازمت پر چلے گئے۔

اسپتال کے اندر مجھے بیس روز میں کافی افاقہ ہوگیا میں اپنی خیریت سے والدہ کو مطلع کرتا رہا۔ چند یوم کے بعد مجھے صحت کلی ہوگئی۔ میں نے والد صاحب کو جو کہ بمبئی کسی دورہ پر تھے دہلی آنے کے لئے لکھا۔ اور گھر پر ایک تار دیا کہ پرسوں دہلی میل سے پہنچ رہا ہوں۔ تار کا بھیجنا قیامت ہوگیا۔ والدہ صاحبہ نے جو یہ سنا کہ دہلی سے تار آیا ہے دروازہ پر ہی سے رونا شروع کر دیا۔ اب بہنوں نے جو ماں کو روتے دیکھا بلا تکلف نوحہ و غم میں شرکت کر لی۔ ان تمام آوازوں نے وہ کام کیا جو کسی مل یا کارخانہ میں خطرہ کی گھنٹی کرتی ہے۔ کسی کو میرے مرنے کی خبر دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ کیونکہ میرے حادثے اور دہلی جانے کا سبب سب محلے والوں کو معلوم تھا غرضیکہ سب نے آکر تسلی اور تشفی دی کہ اللہ غریق رحمت کرے بڑا نیک لڑکا تھا وغیرہ وغیرہ۔

رونا یا گانا کوئی مذاق تو ہے نہیں ایک دو گھنٹے قائم کرنے کے بعد یکبارگی سب پر سکوت طاری ہوگیا والد صاحب بھی دہلی مجھ سے ملنے آگئے تھے۔ مگر چونکہ والد صاحب صرف دو دن کی رخصت لے کر آئے تھے اس لئے فوراً بمبئی روانہ ہوگئے۔

اب ہم دہلی سے چند ساڑیاں، کپڑے اور پھل لے کر چلے۔ اور میل سے خوشیاں مناتے ہوئے روانہ ہوئے مگر جب گھر پہنچے تو وہاں ہمیں مرے ہوئے تیسرا روز تھا۔ مکان پر آواز دی — ایک نہیں کئی — مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ اگر اندر سے کنڈی نہ لگی ہوتی تو شاید ہم داخل ہو جاتے۔ مگر چونکہ مکان کرایہ کا تھا اس لئے ہم نے خیال کیا کہ شاید مکان تبدیل کر دیا ہو۔ تانگے والے کو ابھی کرایہ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ اس لئے واپس آکر میں اپنے دوست مسٹر اقبال احمد کے مکان پر گیا۔ تاکہ ان سے معلوم کروں کہ میرے گھر والوں نے کون سا مکان کرایہ پر لیا ہے۔ یہ میرے بچپن کے دوست ہیں۔ اور بہت ہی ان سے گہری دوستی ہے انھوں نے دیکھتے ہی پوچھا کہ بھائی اسلم! کیا آپ زندہ ہوگئے ہیں؟ میں یہ سمجھا کہ یہ اپنی عادت کے مطابق مذاق کر رہے ہیں۔ لہذا مذاق ہی میں میں نے انھیں جواب دے دیا۔

ان سے معلوم ہوا کہ تار نے گھر والوں پر غضب ہی ڈھا دیا۔ تب تو ہمیں اپنی زندگی ہی میں مرنے کا بڑا افسوس ہوا۔ اپنے اوپر فاتحہ پڑھی۔ پھر میں نے اقبال سے کہا کہ میرے زندہ ہونے کی خبر گھر تو سنا آؤ۔ اور حضرت آپ تو انگریزی جانتے ہیں۔ پھر آپ نے تار کیوں نہیں پڑھ کر سنا دیا۔ اور گھر بھی کوئی زیادہ دور نہیں تھا۔ جو آپ کے پاس تار کی خبر تک نہ پہنچی ہو؟ انھوں نے کہا کہ سناتا تو جب کہ جب وہاں تار ہوتا۔ آپ کی والدہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رونے پیٹنے میں نہ جانے کیا ہوگیا میرے حواس کہاں ہیں جو ڈھونڈوں۔"

میں گھر میں داخل ہوا تو سب نے مارے خوشی کے رونا شروع کر دیا۔ جب ذرا سکوت ہوا تو میں نے والدہ سے کہا کہ آپ نے بغیر تار پڑھوائے مجھے کیوں مردہ تصور کر لیا۔ غصہ میں آکر بولیں۔ "مجھے پڑھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمھارے دادا کا جب انتقال ہوا تو ایک تار آیا تھا۔ اور پھر جب میرے بھائی کا انتقال ہوا تو ایک تار آیا تھا۔ اور پھر اب تمہاری دادی بی کے انتقال پر ایک تار آیا۔ آخر روتی نہ تو کیا کرتی؟

(۲) مجبورِ محبت کی قسمت

(قدیر جاوید پریمی)

قدیر احمد صاحب بریلوی کے نام سے جولائی و اگست کے سنگم میں ایک افسانہ "غریب کی دنیا" آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب انہوں نے اپنا نام بدل لیا ہے اور مطلع کیا ہے کہ آئندہ سے وہ "قدیر جاوید پریمی" کے نام سے موسوم کئے جائیں اور اسی نام سے ان کا افسانہ شائع کیا جائے۔ قدیر تو خیر ان کے نام کا اصلی جزو ہے۔ اب انہوں نے جاوید اور پریمی کی نسبت اپنے ساتھ شامل کرلی ہے۔ ان افسانہ نگاروں کی باتیں اللہ ہی جانے۔ بہر حال پریم سے پریمی بہت نیک فال ہے اور جاوید کے لئے ہماری دعا ان کے شاملِ حال ہو کر آمین کہتی ہے۔ قدیر صاحب یا پریمی صاحب اگر اس میدان میں نئے نئے ہیں تو یقین جانئے کہ وہ دن دور نہیں کہ جب وہ اچھے افسانہ نگاروں میں سے ہو جائیں گے اور اگر کچھ لکھ چکے ہیں تو بھی ابتدا اچھی ہے اور کچھ اور مشق کے بعد وہ پڑھنے والوں کی نیندیں حرام کرنے لگ جائیں گے۔ اس افسانہ میں کچھ باتیں ایسی ضرور ہیں جن سے ہم اپنے مسلک کے مطابق کچھ بچنا ہی چاہتے ہیں لیکن ہم بالکل زاہدِ خشک بھی نہیں ہیں اور نہ ہم اپنے پڑھنے والوں کو چھوئی موئی کا پودا بنانا چاہتے ہیں اس لئے اس افسانہ کو شائع کرکے اپنے ناظرین کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔ پریمی صاحب نے اس میں ہلکی سی چاشنی ملادی ہے جسے فی الحال ہم برا نہیں سمجھتے۔ لیکن اندیشہ ہے کہ اس چاشنی کا مزہ خمار میں تبدیل نہ ہو جائے۔ (ادارہ)

خان بہادر اختر حسین نے تحکمانہ انداز سے پوچھا "اچھا تم بہت تنگ دستی کی حالت میں ہو۔ اور میرے پاس اس غرض سے آئے ہو کہ تمہیں ملازمت مل جائے۔ پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تم کیا کام کرنا جانتے ہو اور اس کے لئے تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم جس قدر صورت سے مفلس نظر آرہے ہو۔ پھٹے پرانے کپڑے اور گفتار سے معلوم ہوتے ہو حقیقت میں ایسے ہی ہو"؟

مصیبت زدہ نوجوان نے جس کی عمر تقریباً پچیس برس کی تھی آسمان کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور عاجزانہ لہجے میں بولا "حضور ــــ میں کیا کام کرسکتا ہوں اس کا جواب ایک ہی لفظ میں دئے دیتا ہوں کہ آپکی "خدمت" جو کچھ کرسکتا ہوں اپنی جان کی بازی لگاکر کروں گا۔ کہنے کو میرا نام آفتاب ہے ــــ لیکن بھکاری ہوں ــــ دکھی ہوں ــــ زمانہ کا ستایا ہوا ہوں ــــ میری آہ میرا ثبوت ہے ــــ میرا نام میری ضمانت ہے ــــ میں کسی حد تک تعلیم یافتہ بھی ہوں۔ میں مالی کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہوں ــــ خدارا مجھ پر رحم کھائیے ــــ میرے حالِ زار پر نظرِ شفقت کیجئے ــــ یہی میری درخواست ہے ــــ"! اتنا کہہ کر نوجوان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس کی آواز بھرّا گئی ــــ اس نے آنسو روکنے کی کوشش کی مگر بے سود ــــ وہ زار و قطار رونے لگا۔

خان بہادر جو فطرتاً رحمدل واقع ہوئے تھے۔ نوجوان کو دیکھ کر ان کا دل بھی بھر آیا ــــ اور اُن کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ دراصل وہ کسی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے تھے اور وہ ایک ہونہار مالی کی تلاش میں تھے ــــ کیونکہ انکا پہلا مالی کچھ دن ہوئے چلا گیا تھا۔ انہوں نے نوجوان کو دلاسا دیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوگئے "آفتاب آج سے تم ہمارے مالی ہو اور تمہیں بیس روپے ماہوار اور کھانا ملے گا۔" "حضور! تنخواہ کی مجھے ضرورت نہیں ــــ مگر ہاں آپ کی خدمت ہی میری تنخواہ کے برابر ہے۔" اس نے بیخودی کی حالت میں کہا۔ خان بہادر صاحب نے نہ معلوم، یہ الفاظ سُنے یا نہیں کیونکہ وہ اندر داخل ہوچکے تھے۔

"آفتاب صبح سے شام تک باغ کی صفائی میں محو رہتا ہے۔ میں نے آج تک ایسا دیانتدار اور ہونہار مالی نہیں دیکھا۔" انھوں نے بیگم کو مخاطب کرکے کہا۔ بیگم دو تین روز سے باغ میں

نہیں گئی تھیں ـــ یہ سُن کر متحیر ہوکر پوچھنے لگیں "اچھا تو کیا آپ نے کوئی نیا مالی بھی رکھ لیا ـــ خوب مجھے تو خبر بھی نہ ہوئی۔"

"ہم نے یہ مالی بڑی سفارش سے منگوایا ہے۔ چلو تمہیں بھی دکھائیں۔ تاجور! تم بھی چلوگی"؟ خان بہادر صاحب نے کہا۔

"چلئے دیکھئے ہرج ہی کیا ہے"! بیگم نے اپنی نوجوان اور اکلوتی لڑکی کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔

تینوں باغ میں ٹہل رہے تھے ـــ اور آفتاب کی محنت کی داد دے رہے تھے۔ جس نے صرف تین ہی دن میں باغ کی حالت بدل دی تھی۔ کہیں پتے اور کوڑے کا نام و نشان نہیں۔ روشیں نہایت صاف ہر سو صفائی ہی صفائی نظر آرہی تھی۔ "اچھا وہ ہے کہاں۔ ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں"؟ بیگم اور تاجور نے یک زبان ہوکر پوچھا

"یہیں کہیں ہوگا۔ دیکھ لینا کچھ نہ کچھ کام ہی کرتا نظر آئے گا۔"

تھوڑی دور آفتاب ایک پلاٹ پھول بونے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ پلاٹ کی شکل انگریزی حرف (T) جیسی تھی ـ وہ اپنا کام بڑے انہماک سے کر رہا تھا۔

یہ تینوں خاموش پیچھے کھڑے ہوکر اس کی اتنی محویت کو دیکھنے لگے۔ آفتاب نہایت ادب سے "ٹی" کو دوزانو ہوکر سلام کرتا ہوا اٹھا۔ اور پیچھے مڑکر جو دیکھا تو خان بہادر اور بیگم اسے دیکھ کر ہنس پڑے۔ مگر تاجور کے چہرے پر حیرت اور استعجاب کے آثار نمایاں ہونے لگے ـــ خلافِ توقع حیا کی سُرخی اس کے گالوں پر دوڑ گئی۔ آفتاب کی بھی حالت دِگرگوں تھی ـــ اُس نے خان بہادر کو مخاطب کیا "حضور! میں ایسے ہی اور کئی پلاٹ تیار کروں گا۔" خان بہادر اور بیگم نے یک زبان ہوکر کہا "ہاں ہاں! اچھے پلاٹ ہیں ضرور بنانا۔" قدرے خوف اور جوش اس میں اتار چڑھاؤ کا عالم پیدا کر رہے تھے۔ خان بہادر صاحب اور بیگم تاجور کی غیر معمولی خاموشی دیکھ کر

اسے نوجوان اور حیا کا تقاضہ سمجھ کر آفتاب سے گویا ہوئے۔ "خوب تم نے قابلِ قدر کام کیا ہے ـــ تم قابلِ قدر ہو"۔ بیگم نے بھی اُن کی تائید کی اور کوٹھی کی جانب روانہ ہوگئے۔

تاجور نے کوٹھی میں داخل ہوتے وقت مُڑ کر دیکھا ـــ اور تعظیم میں سر جُھکایا ـ وہ تو اندر داخل ہوگئی۔ لیکن آفتاب خدا جانے کس سوچ میں پڑ گیا کبھی دیوانہ وار اُٹھتا کبھی بیٹھتا اور کبھی سر ہلاتا ـــ نہ معلوم کون سا درد تھا جس کی تکلیف اس کو اس قدر بے چین کئے ہوئے تھی ـ کون سا درد تھا جو دل ہی دل میں اسے تکلیف پہنچا رہا تھا۔

وہ اس وقت دُنیا و مافیہا سے بے نیاز تھا ـــ وہ زمین پر لیٹ گیا۔ شام ہوگئی اور چاند تارے پوری تابانی سے آسمان پر جلوہ افروز ہوگئے ـــ مگر وہ نہیں اُٹھا دس بج گئے نہیں اُٹھا۔ حتے کہ بارہ کا گھنٹہ بج گیا ـ لیکن اس نے جنبش تک نہ کی ـــ نہ معلوم یہ پردیسی آفتاب کس خواب میں مدہوش تھا ـــ یکایک گلاب کے پیچھے سے ایک سایہ نمودار ہوا۔ ہوتے ہوتے وہ سایہ ایک حسین و جمیل لڑکی میں تبدیل ہوگیا ـــ اس کا حُسن چاند تاروں کو شرما دینے والا۔ اس کے عارض کے آگے کشمیر کے سیب بھی ہیچ تھے سیاہ خم دار لانبے بال جیسے سیاہ رات بالکل تاریک، اس کے ہونٹ گلاب سے زیادہ نازک مناسب قد اور گدرار جسم نے مل کر اسے مجسم پیکرِ حُسن بنا دیا تھا ـــ یہ تاجور تھی جو آفتاب کے پاس آئی تھی! اسے اب بھی جنبش نہ ہوئی ـــ وہ سو رہا تھا! تاجور نے فرطِ شوق سے اس کی جانب دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ وہ آفتاب کو پہلے سے جانتی ہے ـــ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ آفتاب کے پاس پہنچکر تعظیم سے جُھکی ـــ! اور اسی وقت آفتاب نے کروٹ لی۔ وہ غالباً خواب دیکھ رہا تھا۔ "کیا یہ سچ ہے"؟ یہ

آفتاب کی آواز تھی۔ تاجور ڈر کر پیچھے ہٹ گئی ــــ مگر پھر ہمت کر کے آگے بڑھی اور بہت پھرتی سے اُس نے آفتاب کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا ــــ وہ ابھی تک سو رہا تھا۔

"اٹھو! کب تک سوؤ گے میرے دل کے مالک!"
اُس نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

اُس نے بالکل اس طرح آنکھیں کھول دیں جیسے مُردہ امرت سے زندہ ہو جائے۔

اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اپنے کو تاجور کی آغوش میں پایا۔ وہ کچھ کہنے کو ہی تھا کہ تاجور کی سُرمگیں آنکھوں سے دو آنسو نکل کر اس کے چہرے پر گرے وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ "تاجور! تمہاری خوشی میں میں نے اپنی مسرّت محسوس کی۔ میں نے تمہیں کبھی رنجیدہ ہونے کا موقع نہیں دیا ــــ مگر آج تم نے یہ کیوں اشکوں سے داستانِ محبّت کھولی ــــ گو آج میں پورے چھ ماہ کے بعد مل سکا ہوں لیکن وہی میں ہوں اور وہی میرا دل ہے۔" اس نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

تاجور کے آنسو کم ہونے کے بجائے اور تیز ہو گئے ــــ آفتاب سے نہ رہا گیا وہ اب تک ضبط کئے ہوئے تھا لیکن اب تحمّل کا بند ٹوٹ چکا تھا ــــ اُس نے تاجور کو اپنے سینے سے لگا لیا ــــ جب قدرے سکون نصیب ہوا تو تاجور نے پوچھا "یہاں کیوں اور کیسے آئے؟ یہ حالت! مالی کی شکل میں! ایم۔ اے پاس، الٰہ آباد کے دولتمند بیرسٹر کا لڑکا آج ایک مالی کی شکل میں صرف میری محبّت کے لئے؟ ــــ پروردگار مجھے یہ دن دیکھنے سے پہلے ...."

اور اُس نے اُس کے مُنھ پر ہاتھ رکھ دیا ــــ
"ایسا نہیں کہتے ہیں" اُس نے اُسے سمجھایا۔

"آخری ملاقات کے بعد سے میرا بُرا حال تھا ــــ میں تمہارے سامنے دل چیر کر نہیں رکھ سکتا لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ہر وقت بس تمہارا ہی تصوّر تھا ــــ تم آ گئیں، اور میرے دل پر چنگاری رکھ آئیں۔ مجھے دیوانہ بنا دیا سوچا کہ خودکشی کر لوں لیکن ایک آرزو تھی۔ ایک دفعہ تمہیں اور دیکھ لوں۔ گھر پر کہہ دیا کہ ایک دوست کے ہاں لکھنؤ جا رہا ہوں ــــ ویسے تو تم سے ملنے کی اُمید تھی نہیں اس لئے مالی کے بھیس میں آ گیا ــــ اور یہ تدبیر کارگر ہو گئی ــــ اچھا اب جاؤ بہت دیر ہو گئی۔"

تاجور نے سب کچھ سُنا اور صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ ع
یہ دُنیا دو دلوں کو ایک جا ہونے نہیں دیتی! وہ چلی گئی ــــ اور ایسا معلوم ہوا گویا چاند تاروں کی روشنی بھی اپنے ساتھ لے گئی ــــ وہ فضا جو اس کی موجودگی میں کیف زا لمحات پیدا کر رہی تھی ــــ اب خاموش تھی ــــ چاروں طرف ایک لامتناہی خاموشی طاری تھی ــــ چاند بھی اُداس سا نظر آ رہا تھا ــــ بہار جو چلی گئی تھی۔ سچ وہ ایک بہار ہی تو تھی ــــ جو فضا کو اُداس کر کے چلی گئی تھی۔

آفتاب ابھی تک وہیں لیٹا ہوا غور سے چاند کو دیکھ رہا تھا ــــ گویا چاند ہی میں تاجور تھی۔

تاجور دبے پاؤں اپنے کمرے میں داخل ہوئی ــــ اس کی آیا بےخبر سو رہی تھی۔

وہ مسہری پر لیٹی ہی تھی کہ اسے برابر کے کمرے سے باتوں کی آواز آئی ــــ اس نے کان لگا کر سُنا۔

"آپ کو کچھ خیال بھی ہے یا نہیں؟ تاجور ماشاء اللہ اب جوان ہو گئی ہے اس کی شادی کی فکر بھی کریں یا نہیں"؟
یہ اُس کی ماں کی آواز تھی ــــ وہ مضمحل ہو گئی ــــ لیکن کچھ اُمید تھی۔

"شکیل احمد جو میرے دوست بیرسٹر جمیل احمد کا لڑکا ہے اس نے اس سال ایم۔ اے کیا ہے۔ میرے خیال میں وہی ٹھیک ہے۔ کیوں کیا خیال ہے تمہارا"؟ خان بہادر صاحب بیگم سے رائے طلب کر رہے تھے!

"وہی شکیل ــــ الٰہ آباد والا جس کے والد کا تار آیا تھا کہ میرا شکیل ایم۔ اے میں پاس ہو گیا ہے" ــــ لیکن آپ نے اسے دیکھا بھی ہے"؟ بیگم کہہ رہی تھیں۔

"ہاں وہی شکیل ہے ــــ جب وہ دس گیارہ سال کا تھا تب دیکھا تھا۔ لیکن اسکی شکل آفتاب سے

بہت ملتی ہے۔" خان بہادر صاحب نے گویا کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے ـــــ جو آپ کی پسند وہی میری" بیگم نے رضامندی ظاہر کی ـــــ !

مسرّت سے اُس کی باچھیں کھل گئیں ـــــ اُسے کائنات کا ذرّہ ذرّہ رقص کرتا ہوا معلوم ہوا۔ اسے ہر سُو بہار ہی بہار نظر آئی ـــــ اُس کے چہرے سے مسرّت جھلک رہی تھی ـــــ اُس کے لبوں پر مُسکراہٹ رقص کر رہی تھی !

وہ دبے پاؤں اٹھی ـــــ اور باغ کی جانب روانہ ہو گئی !

آفتاب ابھی تک وہیں لیٹا ہوا تھا ـــــ وہ جاگ رہا تھا ! تاجور نے چپکے سے پہنچکر اس کی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے بند کر دیں ـــــ وہ چونک پڑا ـــــ اس نے اپنے ہاتھوں سے آنے والے کو پہچاننا چاہا ـــــ لیکن وہ ناکام رہا۔ اور جب کسی کی چوڑیوں پر اس کا ہاتھ گیا تب وہ پہچان گیا ـــــ "تاجور" ہے۔" اُس نے کہا اور تاجور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ گویا چاند تارے مُسکرا اُٹھے۔ جیسے بہار مُسکرائی ـــ کائنات مُسکرا دی۔

"میری شادی ہو رہی ہے۔" اُس نے نیچی نگاہ کر کے کہا۔

"کہاں ـــــ" ؟ آفتاب نے بے قراری سے پوچھا اس کے چہرے سے اضطراب اور اُداسی نمایاں تھی !

"اب تم یہاں سے چلے جاؤ ـــــ ورنہ پاپا بہت خفا ہوں گے۔" اُس نے اُسے دوسری اُلجھن میں مُبتلا کر دیا اس کا دماغ پریشان ہو گیا ـــــ اسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آنے لگی۔ وہ تصوّرات کے محلات جو اس نے تعمیر کئے تھے سب کے سب مسمار ہو گئے تھے !

اور اسی وقت تاجور کی نظر کوٹھی کے برابر والے مکان پر پڑی جو آگ کی لپٹوں میں گھرا ہوا تھا۔ آفتاب نے بھی وہ منظر دیکھا ـــــ اور اس میں انسانی فرض پوری طرح عود کر آیا ـــــ اُس نے تاجور کو اندر جانے کو کہا اور خود آگ بجھانے پہنچ گیا ـــــ شعلے کافی بھڑک رہے تھے کچھ لوگ کھڑے ہوئے چیخ رہے تھے ـــــ لیکن مدد کو کوئی نہیں دوڑ رہا تھا ـــــ اسی اثنا میں اُس کے کانوں میں آواز آئی۔ "میرے پروردگار میری معصوم بچی کو بچا لے" اور اس کا دل تڑپ اُٹھا۔ یہ درد بھری فریاد سُن کر ـــــ ایک مادرانہ جذبہ کتنا پُر اثر ہوتا ہے۔

اُس نے لڑکی کے والد سے مکان کا وہ حصّہ معلوم کیا جہاں لڑکی تھی ـــــ انھوں نے اسے تعجب سے دیکھا۔ "کیا تم وہاں جا سکتے ہو"؟ جی ہاں ! براہِ مہربانی جلدی سے بتائیے مجھے کس راستے سے جانا ہوگا ؟ اس نے شعلوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اور انہوں نے اسے راستہ بتا دیا ـــــ عام دروازہ ابھی بچا ہوا تھا اور بچی اوپر کے کمرے میں تھی۔ شعلے بلند ہو کر آسمان کو چھُونے کی کوشش کر رہے تھے۔ زینہ ابھی تک محفوظ تھا ـــــ وہ جلد جلد قدم بڑھاتا ہوا اوپر کمرے میں پہنچ گیا ـــــ کمرہ دُھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ اسکا سانس گھٹنے لگا ـــــ تاہم اس نے غیر معمولی ہمّت سے کام لے کر اِدھر اُدھر ٹٹولا ـــــ اور اس کا ہاتھ ایک کھڑکی کی کنڈی پر پڑا۔ اُس نے پھرتی سے کھڑکی کھولدی ـــــ اور دُھواں آہستہ آہستہ باہر نکلا کچھ روشنی ہوئی اور اُس نے دیکھا ایک چار سالہ معصوم لڑکی پلنگ پر چادر اوڑھے سو رہی ہے۔ اُس نے بچّی کو اُسی چادر میں لپیٹ لیا ـــــ کھڑکی کے پاس ہی جامن کا درخت تھا۔ اس نے مضبوطی سے ایک ٹہنی پکڑی اور اسے کھینچکر دیکھا۔ وہ کافی مضبوط تھی ـــــ وہ ٹہنی کے سہارے تنے پر پہنچ گیا۔ اور ہوشیاری سے نیچے اُترنے لگا ـــــ اس کے کمرے سے نکلتے ہی شعلوں نے کمرے کو بھی اپنی آغوش میں لے لیا۔

لڑکی کے والد نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اُسے پانچ سو روپے دینے چاہے۔ لیکن اُس نے انھیں ادب کے ساتھ واپس کر دیا۔

دوسرے دن صبح کو خان بہادر صاحب نے تمام کوٹھی دیکھ ڈالی۔ لیکن انھیں آفتاب کہیں نظر نہ آیا۔ وہ اپنے گھر پہنچ چکا تھا۔

جب سے وہ گھر گیا تھا ـــــ ہر وقت کھویا

کھویا سا رہتا۔ نہ کھاتا نہ پیتا۔ بس ہر وقت اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچا کرتا رہتا۔ یہی ہے آج کی محبت ـــــ میری بے لوث محبت کا نتیجہ" ـــــ اور اس پر کس بیباکی سے کہا "تم یہاں سے چلے جاؤ"۔ دھوکے باز فریبی مکار ـــــ عورت تیرا نام بے وفائی ہے"۔ اُس نے خوب بُرا بھلا کہا۔

اِدھر اُس کے والدین نے اُس کی شادی طے کردی۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ میں بھی دکھا دوں گا کہ اگر وہ شادی کرسکتی ہے تو میں بھی کرسکتا ہوں۔

اور اس کی شادی ہوگئی ـــــ بارات لکھنؤ گئی تھی ـــــ خان بہادر نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ شرم سے کٹ گیا۔

کمرہ خوشبوؤں سے مُعطّر تھا ـــــ معلوم ہوتا تھا گویا کسی نے ہر طرف خوشبو پھیلادی ہو! وہ کمرے میں داخل ہوا ـــــ شیروانی اور صافہ اُتار کر ایک کرسی پر ڈال دیا ـــــ اور آہستہ آہستہ وہ مسہری کی طرف بڑھا۔ اور جب اس نے گھونگٹ اُلٹا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے سامنے اس کی ہی تاجور شرمائی لجائی بیٹھی ہوئی ہے ـــــ وہ مسرت سے کھِل گیا۔

تاجور نے اسے بتایا کہ اُس دن وہ پوری بات نہ بتاسکی تھی ـــــ شرم کی وجہ سے۔ حالانکہ وہ کہنے یہی آئی تھی کہ تمہارے ہی ساتھ شادی ہو رہی ہے۔ ـــــ اور ان لوگوں نے دہلی کو خیرباد کہہ دیا تھا ـــــ کیونکہ خان بہادر صاحب کا تبادلہ لکھنؤ ہوگیا تھا۔

ایک بج چکا تھا ـــــ رات کی تاریکی بڑھتی جارہی تھی ـــــ دو بچھڑے ہوئے دل مدّتوں کے بعد مِل رہے تھے ـــــ دو محبت کے متوالے ـــــ محبت کے پجاری!!

غزلیات

(از جناب منظور علی صاحب فاروقی تمنّاؔ بجنوری۔ علی گڈھ)

یوں تو وہ ذرّہ ذرّہ میں جلوہ کناں ملے
کچھ پردۂ حجاب مگر درمیاں ملے

یہ تمنّا ہیں کہ چمن میں اماں ملے
محفوظ بجلیوں سے کبھی آشیاں ملے

دُکھ ہی ملے ہیں تو جہاں میں جہاں ملے
اب وہ زمیں ملے نہ جہاں آسماں ملے

حُبِّ علی کرم سے سوا انس، وجاں ملے
جب مل گئے نبیؔ تو خدا بے گماں ملے

رگ رگ میں اک خلش ہے ہر زخم اِک ٹیس
اے کاش! کچھ تو لذّتِ سوزِ نہاں ملے

اب تنکے آشیانے کے ہیں اس پہ متحد
کرلیں اسیر گر کہیں برقِ تپاں ملے

اللہ رے تغافلِ حُسن و غرورِ ناز
انجان بن کے مجھ سے ملے وہ جہاں ملے

منزل اسے کہوں کہ فریبِ تصوّرات
احساس ہو رہا ہے کہ اب کارواں ملے

منظر یہ امتزاجِ جفا و وفا کا ہے
برہم کبھی ملے وہ کبھی مہرباں ملے

افسردگی لب متقاضی اسی کی ہے
کچھ تازگی لذّتِ آہ و فغاں ملے

اِک دست و پا شکستہ کا اے پیکرِ اجل
کہیو! اسلام گر کہیں عمرِ رواں ملے

دل کی خلش ہی حاصلِ لُطفِ حیات ہے
رکھ لوں جگر میں گر کہیں دردِ نہاں ملے

ارزاں پسند! دیکھ یہ سودائے عشق ہے
اُتنا لطیف تر ہے کہ جتنا گراں ملے

خودداریٔ جبین رہی مانعِ سجود
ملنے کو راہِ عشق میں سو آستاں ملے

یہ ہم سے پوچھئے یہ مقاماتِ عشق ہیں
طے منزلِ یقیں ہو تو حدِ گماں ملے

زاہد! فضائے مست، یہ موسم، لے پی شراب
یہ کیا ضرور ہے کہ پھر ایسا سماں ملے

آئی بہار کھلنے کو غنچے کھِلے، مگر
افسردگی بدوشِ گُل و گلستاں ملے

آزادیٔ چمن پہ یہ رنگِ بہار ہے
ہر ہر روش پہ منظرِ جبرِ خزاں ملے

ہیں بس حجابِ ناز تمنّاؔ بقدرِ ذوق
مجھ کو تو ذرّے ذرّے میں وہ ضوفشاں ملے

(از جناب ارشاد صاحب کاشفؔ مدھوپور)

گرم آنسوؤں کا تذکرہ پیہم نہ کیجئے
تشہیرِ سوزِ قطرۂ شبنم نہ کیجئے

دُنیا نے دل میں آگ لگادی تو کیا ہوا
اشکوں سے اپنی آنکھ کو پُرنم نہ کیجئے

وہ آپ کو مٹا کے اگر شاد کام ہیں
تو شاد رہنے دیجئے کچھ غم نہ کیجئے

اپنا اگر خیال نہیں ہے، نہیں سہی
اُن کا خیال دل سے کبھی کم نہ کیجئے

بزمِ تصوّرات میں آنا نہ چھوڑیئے
ویراں مرے خیال کا عالم نہ کیجئے

رنگینیٔ حیات اسی کے سبب سے ہے
کاشفؔ غمِ حیات کا ماتم نہ کیجئے

(از جناب وراثت علی صاحب فاروقی غافلؔ بجنوری)

کسی پہلو ہمیں قرار نہیں
ان کو اس کا بھی اعتبار نہیں

شرحِ اسرارِ عشق ممکن ہے
دل پہ لیکن کچھ اختیار نہیں

اللہ اللہ درازیِ شبِ غم
روزِ محشر بھی ہم کنار نہیں

حُسن آمادہ کرم ہو جاؤ
بخدا یہ بھی ساز گار نہیں

کون سُنتا ہے نالے بلبل کے
صحنِ گلشن بھی غمگسار نہیں

ہے تجلیِ طور اب بھی وہی
کوئی موسیٰ "طلب شعار" نہیں

چشمِ مے یار سے ہے سرشاری
ورنہ مجھ پر کوئی خمار نہیں

عشق مشقِ ستم رہا لیکن
نگہِ حُسن اشکبار نہیں

مانا صادق ہے تو مگر دل کو
تیرے وعدوں کا اعتبار نہیں

غمِ دل بن کے اشک بہہ بھی چکا
دل کو لیکن ابھی قرار نہیں

لوٹی دورِ خزاں نے صبح بہار
نم مگر چشمِ لالہ زار نہیں

کس سے غافلؔ کہو گے حالِ چمن
کوئی بھی طالبِ بہار نہیں

مہاتما گاندھی علیگڈھ کالج میں پہلی بار

۲ر اکتوبر کو مہاتما گاندھی کا جنم دن تھا۔ تمام مُلک میں حسبِ معمول خوب جلسے ہوئے۔ پربھات پھیریاں نکلیں اور پرار تھنیں ہوئیں۔ چرخے کاتے گئے۔ اور نہ معلوم کیا کچھ ہوا۔ لیکن سچ پوچھئے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ دکھاوے کی چیزیں سب بیکار ہیں۔ اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوئی امیر یا غریب کوشش نہیں کرتا۔ اُن کی خوبیوں کا ذکر کر کر کے جتنا جی چاہے دُھواں دھار تقریریں کر لیجئے۔ فصاحت و بلاغت کی داد لیجئے اور دیجئے۔ مُشاعرے مُنعقد کیجئے باپو کی یاد میں منافقانہ انداز اختیار کر کے خراجِ تحسین حاصل کیجئے۔ اور لوگوں کو بیوقوف بنائیے۔ لیکن جب تک اُن کی تعلیم پر عمل نہیں ہوگا، اُن کے نصب العین کو مدِ نظر نہیں رکھا جائے گا، اُن کے اُصولوں کو اپنایا نہیں جائے گا اُس وقت تک کوئی کام نہیں ہو سکے گا اور حقیقی آزادی حاصل نہیں ہوگی اور ذہنی طور سے ہم غلام کے غلام ہی رہیں گے۔ اس مُعاملہ میں سب سے زیادہ مجرم حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار اور گدّی نشین وزراء ہیں۔ مہاتما جی کو اقلیتوں کے خوش رکھنے کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ وہ ہر شخص کو انسان سمجھتے تھے اور دُنیا میں سب کو سوسائٹی کے اعتبار سے مساوی درجہ دینا چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ چھوت چھات کے سخت دشمن تھے۔ وہ اگر زندہ رہتے تو مُلک کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا اور اکثریت کے دل میں اقلیتوں کی محبّت اور رواداری کا جذبہ ہوتا۔ ہم نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں سب سے پہلے اُن کا نام اُس وقت سُنا جبکہ وہ افریقہ سے ۱۹۱۲ء میں ہندوستان آئے اور ملکی آزادی کی مُہم شروع کی۔ اُس وقت ہمارا قیام میرٹھ کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں تھا۔ مہاتما جی میرٹھ تشریف لائے اور ایک عام جلسہ میں تقریر کی۔ گویا سب سے پہلے اُن کی شکل ہم نے وہاں دیکھی اور ان کی تقریر بھی پہلی مرتبہ وہاں ہی سُننے میں آئی۔ جہاں تک اتحاد و اتفاق اور سواراج کا ذکر انہوں نے کیا وہاں تک تو ہم بہت خوش تھے

کیونکہ سب باتیں ہماری مرضی کے مطابق تھیں اور ہم خود انگریز سے جلے ہوئے تھے۔ لیکن جلسہ میں ایک بات انہوں نے ایسی کہی جس سے ہمیں تکلیف محسوس ہوئی اُس کا ذکر اس وقت ہم نہیں کرنا چاہتے۔ کسی اور موقع پر کہیں گے۔ تاہم اتنا ضرور بتا دیں کہ اب اُن کے بعد ہوا وہی جو انہوں نے فرمایا تھا اگرچہ اس درمیانی عرصہ میں اُن کی رائے اس معاملے میں بالکل بدل چکی تھی اور اگر وہ سفاک کے ہاتھوں ایک دم ہم سے جُدا نہ کر دئے جاتے تو یقیناً وہ ہماری تکلیف کی تلافی ضرور کراتے۔

اس کے بعد جب ہم پھر دوبارہ ۱۹۱۳ء میں علی گڈھ کالج میں داخل ہوئے تو مسٹر ٹول پرنسپل رخصت پر تھے اور اُن کی جگہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب (مرحوم) پرنسپل تھے۔ سال بھر کے بعد ٹول صاحب آگئے اور ہم کو فورتھ ایئر بی ایس سی کلاس سے ڈاکٹر صاحب (مرحوم) نے کالجیٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر ای ٹی گیج کی خواہش پر اُئی اسکول میں ریاضی پڑھانے کے لئے بھیجدیا۔ اس تمام عرصہ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ انگریز کو ہم بالکل فرعون سمجھنے لگے اور ہمیشہ اس کے تکبر اور فرعونیت کو توڑنے کی کوشش میں رہنے لگے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی اور انگریز کا دماغ خراب ہونے لگا۔ ٹول صاحب پرنسپل پھر رخصت پر چلے گئے اور ان کی جگہ مسٹر ڈی رینل پرنسپل کی قائم مقامی کے فرائض انجام دینے لگے۔

اس دوران میں معلوم ہوا کہ گاندھی جی علی گڈھ آرہے ہیں جب وہ علی گڈھ وارد ہوئے تو رینل صاحب نے نوٹس لگا دیا کہ مسٹر گاندھی کو کالج کے احاطہ میں لانا ممنوع ہے وہ یہاں نہیں آسکتے۔ لیکن کچھ طلباء بہت جوشیلے اور نیشلسٹ قسم کے تھے انہوں نے کہا کہ دیکھا جائے گا جو ہوگا سو ہوگا ہم تو انہیں ضرور لائیں گے۔ چنانچہ کچھ طلبہ گاندھی جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کالج میں بھی تشریف لانے اور طلبہ سے یونین ہال میں خطاب فرمانے کو کہا۔ گاندھی جی آئے اور وکٹوریہ گیٹ سے سرسید کورٹ نامی بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوئے اور تمام کمروں کو دیکھا۔ اس وقت طلبہ کے کمرے پکی بارک (سرسید کورٹ) میں نہایت عمدہ فیشن ایبل ہوتے تھے بلکہ اب تک یہی حال ہے لیکن اب وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی، غرض بعض کمرے تو اس قدر آراستہ پیراستہ ہوتے تھے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ کانچ کی ہری لال نیلی پیلی نلکیوں اور شیشے کے منکوں سے تیار کئے ہوئے پردے دروازوں پر یا نہایت عمدہ پھول دار ریشمی کپڑوں کے پردے کمرے کے اندر دروازوں پر لٹکتے رہتے تھے۔ نہایت عمدہ دریوں اور قیمتی قالینوں کا فرش ہوتا تھا اور نرم گدے دار کرسیاں اور نہایت شاندار مسہریاں کمروں کے اندر بچھی ہوئی ہوتی تھیں۔ گاندھی جی کی طبیعت سے لوگ واقف نہیں تھے اس لئے اور بھی زیادہ تصنع سے کام لے کر کمروں کو خوب سجایا گیا تھا اور دیواروں پر نہایت دل آویز تصاویر جو آویزاں تھیں اُن کو اور زیادہ پُرکشش بنایا گیا تھا تاکہ گاندھی جی پر خوب رُعب جم جائے۔ گاندھی جی نے بس تین چار کمرے دیکھ کر ہی اور کمروں میں جانا پسند نہیں کیا اور دریافت فرمایا کہ پڑھنے والے یعنی کالج کے لڑکوں کے کمرے کہاں ہیں۔ کہا گیا کہ یہی تو ہیں۔ گاندھی جی نے مکرر پوچھا کہ یہ کمرے ان کے اُستادوں کے اور پروفیسروں کے ہیں یا خود اسٹوڈنٹس کے ہیں؟ اسٹوڈنٹس کا لفظ جواب میں سُنکر مہاتما جی خاموش ہو گئے۔ اور سیر کرانے والوں کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی کہ گاندھی جی یہ کہدیں کہ بہت سلیقہ سے اور نہایت صاف ستھری حالت میں یہاں کے لڑکے رہتے ہیں بلکہ انہوں نے جو اثر قبول کیا وہ آگے چل کر ابھی ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کچی بارک میں جو سیّد محمود کورٹ کے نام سے موسوم تھی اوسط درجہ کے طلبا معمولی حالت میں رہتے تھے اس میں انہیں نہیں لے جایا گیا کہ کہیں ان پر غلط اثر نہ پڑے حالانکہ وہی چیز اصلی تھی جس سے وہ خوش ہوتے لیکن نہیں وہ ان کو نہیں دکھائی گئی اور اس سے انھیں پرے پرے ہی رکھا گیا۔ کالج کی عمارت اور لٹن لائبریری اور مسجد دکھانے کے بعد اور سامنے سے محض اشارہ کرکے دوسرے ہوسٹلز دکھانے کے بعد گاندھی جی کو طلباء کے یونین ہال میں لایا گیا تاکہ وہ اپنے تاثرات اور ارشادات سے مستفید فرمائیں۔

گاندھی جی نے حسب معمول افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ شرمناک سلوک پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ "وہاں کی بےچینی کا علاج صرف ہندوستان کی غلامی دور کرنے سے ہی ہوسکتا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک کے لوگ ہندو مسلمان سب مل کر رہیں اور آپس میں لڑیں نہیں۔ بغیر ہندو مسلم میل اور اتحاد کے غلامی دور نہیں ہوگی۔ لہٰذا اپنی گردنوں سے یہ جوا اُتارنے کی حتی الوسع کوشش کرو اور ملک کی آزادی کے لئے مل کر جد وجہد کرو وغیرہ وغیرہ"۔ پرنسپل رینل صاحب اور دیگر انگریز پروفیسروں اور مقامی انگریز افسروں کے ہاں تو صفِ ماتم بچھ گئی اور اُن کی آنکھوں سے خون برسنے لگا لیکن انگریز بہت دانا قوم ہے۔ اُس وقت تو وہ اس کو پی گئے اگرچہ ان طلبہ یا ممبرانِ اسٹاف کے نام نوٹ کرلئے گئے جنھوں نے یہ جرأت دکھائی تھی۔ اور باوجود ممانعت کے گاندھی جی کو کالج کے اندر لاکر تقریر بھی کرادی تھی۔ آزادی اور غلامی کی یہ باتیں کرنے کے بعد گاندھی جی نے اب کالج کی سیر کے متعلق تاثرات بیان کرنے شروع کئے۔ اور چونکہ پہلی مرتبہ وہ علی گڈھ کالج میں آئے تھے اس لئے انہوں نے صاف صاف باتیں کہنی شروع کیں۔ جب وہ لڑکوں کے کمروں کی آرائش اور سجاوٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تو فرمایا کہ "مجھے یہ کمرے دیکھ کر یقین نہیں آیا کہ یہ کالج اسٹوڈنٹس کے ہیں۔ میں نے تو بڑے بڑے نوابوں رئیسوں اور اعلیٰ سے اعلیٰ افسروں اور لفٹنٹ گورنروں کے ڈرائنگ روم دیکھے ہیں۔ لیکن سچ کہتا ہوں کہ وہ بھی اتنے سجے ہوئے نہیں ہوتے تھے جتنے کہ آج میں نے آپ لوگوں کے دیکھے ہیں۔ جب آپ اتنے ٹھاٹھ سے رہیں گے اور فضول روپیہ ضائع کریں گے، تو آپ پڑھائی کی طرف اپنا دھیان کیسے لگائیں گے اور غریبوں کا خیال کیسے کریں گے اور اس عیش اور آرام کو چھوڑ کر غلامی کو دور کرنے کے لئے تکلیفیں کیسے برداشت کریں گے۔"

اگرچہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہم بھی اس پکی بارک میں اسی انداز اور ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر چکے تھے جس کا نتیجہ اب تک بھگتنا پڑ رہا ہے اور جس کا ذکر پھر کسی موقع پر کیا جائیگا۔ لیکن گاندھی جی کی ایک ایک بات اور اُن کا ایک ایک حرف ہمارے دل میں اُترتا جا رہا تھا اور اپنی جگہ لے رہا تھا اور ہم پر ان کی تقریر کا خاص اثر تھا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی ہم چونکے اور ہمارے دل پر ایک بار پھر چوٹ لگی، اور دو سال پہلے جو زخم میرٹھ کی تقریر سننے سے ہمارے دل پر لگا تھا وہ ہرا ہوگیا اور ہم دل مسوس کر رہ گئے اور ہمیں بے حد افسوس ہوا کہ ہائے اس قدر قابل شخص اور اسلامی معلومات اور ان کی تاریخ سے اس قدر بے بہرہ! انھوں نے فرمایا کہ "میں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ سادہ زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالیئے اور یہ بات آپ ہندوؤں سے سیکھیئے اور ہندوؤں سے سیکھنے کے لئے میں نے اس وجہ سے زور دیا ہے کہ ان کا مذہب انھیں سادہ زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔"

بس جناب یہ فقرہ کہ "ہندوؤں کا مذہب انھیں سادہ زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے" ہمارے لئے توپ کا گولا بنکر ہمارے سینہ پر لگا اور ہمارا کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ ہائے افسوس! گاندھی جی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مسلمانوں کے پیشوا محمدؐ کے گھر میں چمڑے کا صرف ایک گدا ہوتا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے اور جب مہمان آتے تھے تو وہ گدا ان کے نیچے بچھا دیا جاتا تھا اور وہ خود زمین پر بیٹھ جاتے تھے۔ جب دوسرے ممالک کے سفرا اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو لوگوں میں محمدؐ کو بیٹھا دیکھ کر انھیں گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ انکا ہادی یہاں موجود ہے اور وہ پوچھتے تھے کہ آپ کے سردار کہاں ہیں؟ اور جب انہیں بتایا جاتا تھا کہ یہ موجود ہیں تو وہ حیرت میں رہ جاتے تھے۔ ہائے افسوس! کیا گاندھی جی نے اتنا بھی نہیں پڑھا کہ رسول کا ایک خلیفہ جب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو اونٹ کی پیٹھ پر غلام بیٹھا تھا اور اونٹ کی مہار خلیفہ کے ہاتھ میں تھی۔ کیونکہ باری باری سے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر سفر کرنا منزل بہ منزل طے ہوا تھا اور شہر میں داخلہ کے وقت غلام کی باری تھی جس سے غلام تو ندامت سے سر جھکائے ہوئے تھا لیکن خلیفہ مطمئن اور خوش تھے کہ اللہ نے انصاف اور سچ پر قائم رکھا۔ اس سے بڑھکر مثالیں ذرا کوئی بتائے تو ہم جانیں۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ

مُسلمانوں کو سادگی ہندوؤں سے سیکھنی چاہیئے کہ ان کا مذہب انھیں سکھاتا ہے، کاش چند دنوں کے لئے کوئی مسلمان گاندھی جی کے ساتھ رہ کر یہ سب باتیں انہیں بتادے!

اُس وقت ہمیں اپنی بداعمالیوں کا احساس ہوا کہ ہائے ہماری وجہ سے اسلام کس قدر بدنام ہورہا ہے اور اُسی وقت ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ ملک میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے مذہب سے بھی واقفیت حاصل کی جائے۔

خصوصاً ان لیڈروں کو تو گوارا نہ ہونا چاہیئے خیر گاندھی جی اپنی تقریر کرکے رخصت ہوگئے اور ہمارے دل میں یہ خلش پیدا کر گئے اور ان کی آمد کی جو خوشی ہمیں تھی اور اُن کے لانے میں جو ہمارا ہاتھ تھا اُس کا مزہ کرکرا ہوگیا۔ کیونکہ ہمارے انگریز پرست ساتھی جو اسکول میں اُستاد تھے ہم سے کہنے لگے "اور بلاؤ گاندھی کو اور ان ڈائرکٹلی مسلمانوں کو ذلیل کراؤ۔ گویا ہمارا مذہب عیّاشی سکھاتا ہے اور ہندوؤں کا سادگی اور غریب پروری! خوب! خوب!! کیوں بھئی حافظ صاحب! اب بھی اطمینان ہوا یا ابھی اور کسر باقی ہے؟"

ہم سچ کہتے ہیں کہ ہمیں کئی دن تک نیند نہیں آئی۔ اور پہلا اور موجودہ دونوں زخم دونوں طرف چُبھتے تھے اور ہم کسی کروٹ چین سے نہیں لیٹ سکتے تھے۔ لیکن انگریز نے جو سلوک ہمارے ملک کے ساتھ کیا تھا اور پھر جنگ عظیم میں ٹرکی اور خلافت کے متعلق مُسلمانوں کے ساتھ وعدے کرکے جنگ کے ختم ہوجانے پر ان وعدوں کی نہ صرف خلاف ورزی کی تھی بلکہ اُلٹی لال جھنڈی دکھا کر رولٹ ایکٹ کو ہمارے سروں پر لا بٹھایا تھا اس سے انگریز کے خلاف ہمارے جذبات بدستور قائم رہے بلکہ اور زیادہ بھڑک گئے اور مسلمانوں نے دورانِ جنگ میں جس بےحیائی سے خانہ کعبہ پر خود گولہ باری کرکے اسے برداشت کیا تھا اور انگریز کی استبدادیت کو مضبوط بنالیا تھا اس کا صلہ مسلمان رہنماؤں اور لیڈروں کی نظربندی اور جیلوں میں دھڑا دھڑ ٹھونسا ٹھانسی سے ملنے لگا تو ہم نے گاندھی جی کی ان سب باتوں کو بھلا دیا اور مذہب اسلام سے ان کی عدم واقفیت پر ان کو بےقصور سمجھا۔ اور اس مجبوری کو جائز سمجھ کر ہم نے عدم تعاون کی تحریک میں ان کی قیادت کو بسروچشم منظور کیا اور علی گڈھ کالج کی ملازمت سے استعفےٰ دیکر اور یہاں کی آرام و عیش کی زندگی پر لات مار کر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں منتقلی کو ترجیح دی اور وہاں ۵×۳=۱۵ مربع فٹ غسل خانہ کو رہائشی کمرہ بنا کر مولانا محمد علی جوہر مرحوم و مغفور (جو پہلے پرنسپل بنے تھے) کے اس عطیّہ کو محل سمجھ کر اس میں نہایت فخر و مباہات کے ساتھ زندگی بسر کرنی شروع کی اور سارا چولا بدل ڈالا۔

اے میرے مولیٰ! وہ دن کیسے عجیب تھے! کیسی لگن تھی؟ کیا کیا ارادے تھے اور کتنی ہمّت اپنے میں محسوس کی جاتی تھی! اور کس قدر بھاری تھے ہم دوسروں پر! دُنیا کی کل کائنات ہمیں اپنے سامنے رقص کرتی معلوم ہوتی تھی اور قیصر و کسریٰ کی کچھ بھی حقیقت ہم نہیں سمجھتے تھے۔ محمد علی کا کامریڈ اور ابوالکلام کا الہلال کیا درس دیتے تھے! اور کس قدر انسانیت اور وطنیت سکھاتے تھے اور کیسا سچّا جذبہ پیدا کرتے تھے؟

آج جب کہ کہنے کو میدان فتح ہوچکا ہے۔ ان کے سپاہی اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ لیکن کس حالت میں ہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر فوج کے کمانڈر کچھ اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں اور کچھ ہیں بھی تو بیچارے بےبس ہیں اور فتح کے بعد ان کے ہتھیار کُھنڈے اور بےکار ہوچکے ہیں اور وہ میدان کے زخمیوں کی تیمارداری بھی نہیں کرسکتے! اللہ رے انقلاب! ہائے ہائے! کیا اسی دن کی آس باندھی تھی کہ جگر پاروں کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے۔ کیا اسی کا نام آزادی تھا کہ بیٹا یہاں ہو اور ماں وہاں ہو، بھائی وہاں ہو اور بہن یہاں ہو، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میاں کہیں ہو اور بیوی کہیں۔ اور قانون انھیں ملنے نہ دیتا ہو!!

گاندھی جی! تم کہاں چلے گئے؟ آزادی حاصل کرنے کے لئے اس کو قائم رکھنے کی تربیت بھی دی ہوتی! لیکن نہیں، ہمیں اعتراف ہے کہ آپ نے تو اپنی سی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ زندہ رہتے تو یہ مصیبت نہ آتی

[redacted]

لیکن ہمیں اس کا افسوس ہے کہ آپ کے ہی بعض پیروکاروں اور معتقدوں نے آپ کی بنا ڈالی ہوئی عمارت کو نقصان پہنچانا اور آپ کے اصولوں کو توڑ کر ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ آپ یہ باتیں دیکھتے تو تزکیۂ نفس کے لئے برت رکھتے اور اُن لوگوں کو عقل آتی لیکن اب کیا کیا جائے؟ بناہنا تو ہے ہی۔ بس اللہ سے دُعا ہے کہ وہ بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لادے اور مُلک کے وقار کو قائم رکھنے اور اسکی ساکھ بڑھانے میں جس چیز کی اشد ضرورت ہے اسکا احساس انھیں دلادے آمین،

لیجئے بات کچھ ہو رہی تھی اور ذکر چھڑ گیا کچھ اور۔ ہم گاندھی جی کی تقریر پر اپنے تاثرات کا ذکر کر رہے تھے چنانچہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہماری دُعا قبول ہوئی اور گاندھی جی کو جیل میں مولانا ابوالکلام اور دوسرے علماء کرام کا ساتھ نصیب ہوا۔ اور گاندھی جی نے قرآن اور اسلامی تاریخ کا خصوصاً پیغمبر اسلام کی سیرۃ اور خلفاء کے عہد کا مُطالعہ بہت غور سے کیا اور انہیں صحیح حالات معلوم کرکے اپنی بیگانگت اور لاعلمیت کا احساس ہوا۔ اور تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی اتنی شاندار اور بے مثل تاریخ اور ان کے سلف کے یہ کارنامے؟ اور اب ان کی یہ حالت!! شرم کی بات ہے، چنانچہ اس کے بعد انہوں نے جب کبھی ذمہ دار اصحاب کے سامنے تقریر کی تو ہمیشہ خلیفہ دوم کی زندگی کو مدنظر رکھنے کی تلقین کی ان کی متعدد تقریریں ایسی ہیں جن میں انہوں نے مسلمانوں کو نہیں بلکہ ہندوؤں سے کہا ہے کہ وہ مُسلمانوں کے خلیفہ دوم کی طرح زندگی بسر کریں۔ اور حکومت کی گدی پر بیٹھ کر بھی ان کی مثال سامنے رکھیں لیکن وہ چلے گئے اور اپنی نصیحت بھی ساتھ لیتے گئے یہاں ان کا سُننے والا کون؟ یہاں تو انگریز کی فرعونیت نے آواگون کا ثبوت دیا ہے اور فرقہ پرستی کے روپ میں نیا جنم لیا ہے۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دل میں جو خلش پیدا ہو گئی تھی اسے گاندھی جی اپنی زندگی ہی میں ہمارے دل سے نکال گئے۔ اور انہیں مطلق خبر نہیں ہوئی کہ ان کی طرف سے ہمارے اور نہ جانے ہماری طرح اور کتنوں کے دلوں میں اس قسم کی بدگمانی پیدا ہو گئی تھی۔

بس اس مرتبہ گاندھی جینتی کے متعلق تو ہم گاندھی جی کی زندگی کا یہ واقعہ بتانا ہی کافی سمجھتے ہیں جو کسی دوسری جگہ آپ کے سننے میں نہ آیا ہوگا۔ آئندہ پھر کبھی اور بہت سی باتیں بتاسکیں گے بشرطیکہ زندگی نے موقع دیا۔

کاش ہم اس واقعہ سے کوئی اچھا نتیجہ اخذ کریں اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اُتار کر گاندھی جی کے کردار پر نظر ڈالیں اور ان کی غیر منافقانہ اور سیدھی سادی زندگی اور تعلیم کو مدنظر رکھ کر اس پر عمل پیرا ہوں۔ ورنہ نہ معلوم یہ جینتیاں کتنی مرتبہ آئیں گی اور شور و شر کے مجمعے کب تک ہوتے رہیں گے جن سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور روپیہ اور وقت دونوں ضائع ہوں گے اور بے چینی اور اندرونی خلفشار بڑھتا رہے گا جو کسی بھی ملک کی بقاء کے لئے سمِ قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ اچھا خدا حافظ (فیاض احمد)

عبدالغفّار صاحب مدہولی

(جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ایک مایۂ ناز فرزند)

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مدرسہ ابتدائی (پرائمری اسکول) میں اگر آپ میں سے کسی کو جانے کا موقع ملے تو آپ وہاں مدرسہ کے استاد عبدالغفار صاحب سے ضرور ملئے۔ ایک بہت سادہ سا انسان جو آج کل کے فیشن سے کوسوں دور ہے اور جس کے لباس اور وضع قطع سے آپ یقیناً اس کے متعلق صحیح اندازہ نہیں لگا سکیں گے، اور نہیں کہہ سکیں گے کہ اس میں اس قدر گن ہیں، اور وہ اپنے اصولوں کا اس قدر سختی سے پابند ہے جس کا ذکر ہم ذیل میں آپ سے کر رہے ہیں:-

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم ہر مہینے اپنے پرچہ کے سرورق پر ایک فوٹو شائع کرتے ہیں جو سنگم کی مطبوعات میں سے کسی کتاب کے مصنف کا ہوتا ہے اور اسی پرچہ کے اندر اس کے مختصر حالاتِ زندگی ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے شمارہ یعنی جولائی ۱۹۵۴ء کے پرچہ میں جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ کی شبیہ شائع کر کے بسم اللہ کی گئی تھی۔ اس وقت جناب ڈاکٹر صاحب موصوف تشریف فرما نہیں تھے اس لئے جس تصویر کا بلاک بنوایا گیا وہ زیادہ اچھی نہیں تھی اور عجلت میں کوئی اور دستیاب بھی نہ ہوسکی۔ اسی طرح ان کے حالاتِ زندگی بھی محض ایک دو کالم میں دیئے گئے تھے۔ کیونکہ جب سے جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری فلسفہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۶ء میں وہ جامعہ میں تشریف لائے تھے اسی وقت ہم ان سے واقف ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کے حالات کا ہمیں علم نہیں تھا۔ اور جب جولائی ۱۹۵۴ء میں ہم نے ان کے ذکر خیر سے اپنے پرچہ کی ابتدا کرنی چاہی تو اس وقت وہ تشریف فرما نہیں تھے کہ خود ان سے مل کر ان کے ابتدائی حالاتِ زندگی معلوم کئے جاتے اس لئے ہمیں جس قدر اہم اور ضروری معلومات تھیں انہی پر اکتفا کیا گیا اور ان کی کتاب "بزم بے تکلف" پر تبصرہ کیا گیا اور اس کے منتخب مضامین پیش کئے گئے لیکن طبیعت سیر نہیں ہوئی اور دل میں یہ کھٹک اب تک باقی ہے کہ ایسے قابلِ قدر اور باعثِ فخر انسان کے حالاتِ زندگی اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق ہم شائع نہیں کر سکے جبکہ ہمیں ان کی رفاقت میں مدتوں جامعہ میں کام کرنے کا شرف بھی حاصل رہا ہو۔ تاہم اُمید ہے کہ اس کمی کو بہت جلد پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس کے بعد سری گوپی ناتھ امن (لکھنوی) کے حالات سے ہم نے اپنے صفحات کو زینت دی اور ان کی تصویر شائع کی اور ان کے کلام پر جو بصورتِ کتاب کاروان و منزل کے نام سے شائع ہوچکا تھا تبصرہ کیا گیا اور اس کے نمونے پیش کئے گئے۔ ان کے حالات کے لئے ہم نے ماہنامہ "نرالی دنیا" دہلی سے مدد لی جس کا فائل جناب روشن لال صاحب دھاون سابق ایڈیٹر نے ہمیں مرحمت فرما دیا تھا یہ حالات پڑھنے کے قابل ہیں۔

اس سے اگلے شمارہ میں پنڈت چاند نراین صاحب چاند (ڈپٹی کمشنر جالندھر) کے ضروری حالات مع ان کی شبیہ کے شائع کئے اور ان کے کلام کاروانِ سخن کے نمونے پیش کر کے نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کیا بلکہ جوش صاحب اور کیفی صاحب جیسے چوٹی کے شعرا کی رائے کا اظہار کیا گیا، جو انھوں نے چاند صاحب کے مجموعۂ کلام اور ان کی شاعری کے متعلق تحریر فرمائی تھی۔ اسی طرح مابعد کے پرچوں میں مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری پروفیسر جامعہ ملیہ و مشہور مورخ اسلام کی تصانیف و حالاتِ زندگی اور سید سخی حسن صاحب نقوی سپرنٹنڈنٹ تعلیمات امروہہ اور فیاض حسین صاحب نسیم جامعی موجد تعلیمی تاش و مصنف متعدد مطبوعات اور محمد امین صاحب ایم۔ اے لکچرار جغرافیہ کے حالات پیش کئے جا چکے ہیں، ان سب حضرات کے متعلق کسی کتاب سے یا ان کے احباب سے مدد لے کر یا اپنی ذاتی معلومات اور نجی واقفیت کی بنا پر بلکہ خود انہی حضرات سے بہت سی معلومات حاصل کر کے ہم حالات لکھتے رہے ہیں لیکن اس مرتبہ پھر وہی دقت محسوس ہو رہی ہے کہ عبدالغفار صاحب چھ ماہ سے رخصت پر ہیں وہ اپنی

[redacted]

خرابیِ صحت کی بناء پر جون میں سری نگر تشریف لے گئے تھے. لیکن اب تک اس قابل نہیں ہوئے کہ واپس آجائیں اس لئے ان کے حالاتِ زندگی کے متعلق بہت سی باتیں نامکمل رہجائینگی یا بعض دلچسپ چیزیں ہم پیش ہی نہ کرسکیں گے۔ حالانکہ ان کے حالات اس قابل ہیں کہ دوسروں کے سامنے بطور نمونہ اور مثال پیش کرنے کے لئے ہم جتنا بھی ہوسکے اُسے اُجاگر کرکے بتائیں لیکن مجبوری ہے۔ ہم نے ان کے جانے سے پہلے جب وہ یہاں موجود تھے دو تین مرتبہ تقاضہ کیا لیکن وہ اپنی مصروفیت کے باعث اس سلسلہ میں ہماری مدد نہ کرسکے اور جب وہ کشمیر چلے گئے تو انکی علالت کی وجہ سے ہماری ہمت نہیں ہوئی کہ ان سے اس قسم کا مطالبہ کریں اس لئے ذیل میں ہم صرف انہی حالات پر اکتفا کرتے ہیں جو ہمیں ذاتی طور سے معلوم ہیں۔ جو باتیں ایسی رہ جائیں گی جو کسی کی سوانح حیات کا اہم جز سمجھی جاتی ہیں انھیں پھر کسی موقع پر پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

گاندھی جی نے عدم تعاون کی تحریک کا ۱۹۲۰ء میں آغاز کیا جس میں منجملہ دیگر چیزوں کے سرکاری تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ بھی تھا یا اُن درسگاہوں کا جو حکومت سے امداد لیتی ہوں، چنانچہ علی گڈھ کالج کے طلبہ نے لبیک کہا اور اپنی روایتی قوم پرستی کے تحت ایک عدیم المثال جوش وخروش سے میدان میں نکل آئے۔ حکومت نے اپنی فوج کی سنگینوں کی مدد سے انھیں اور اُن کے مددگار اساتذہ کو کالج سے نکالدیا اوران اولوالعزم جانبازوں نے کھلے میدان میں ڈیرے ڈال دئے۔ صرف ایک ہندو بہادر اور جواں مرد نے مولانا محمد علی مرحوم کو اپنی چھوٹی سی کوٹھی کی پیش کش کی جو "کرشنا آشرم" کے نام سے موسوم تھی اسی مختصر کوٹھی کے مسقف حصے میں ضروری سامان رکھ دیا گیا اور باہر احاطہ میں فوجی والنٹیروں اور سپاہیوں کی طرح متعدد خیمے نصب کئے گئے جس میں عرصہ دراز تک سردی وگرمی اور برسات میں نونہالانِ قوم خندہ پیشانی اور ہمت واستقلال سے زندگی بسر کرتے رہے اس کے چند دن بعد ہی سخت وطن پرست نواب عام مصطفےٰ خاں مرحوم ومغفور رئیس اعظم نے اپنی بڑی کوٹھی جو "ڈگی والی" کے نام سے مشہور تھی اپنے پُرانے دوست رئیس الاحرار کے سپرد کردی جس سے بہت زیادہ سکون نصیب ہوا پھر محبِّ وطن عبدالمجید خواجہ صاحب بار ایٹ لا کی ہمشیرگان نے ڈگی کوٹھی کے قریب ہی اپنی اپنی کوٹھیاں ہمارے حوالہ کردیں بلکہ ان میں حسب ضرورت ترمیم واضافہ بھی کردیا اور خود خواجہ صاحب نے جامعہ میں اپنی خدمات پیش کر دیں اور مولانا محمد علی مرحوم نے انھیں پرنسپل کی ذمہ داری سپرد کردی. خواجہ صاحب کا پورا خاندان جامعہ کے لئے وقف ہوگیا. چنانچہ خواجہ عبدالحمید صاحب جو آج کل بمبئی کی (انگریزی ادویات کی) مشہور فرم سپلا کمپنی کے بانی اور روح رواں ہیں بحیثیت پروفیسر کیمسٹری جامعہ میں تشریف لے آئے اور موجودہ سپلا کمپنی کی تمام اسکیم وہاں ہی بنائی جسے اُس وقت ہم محض شیخ چلی کے خواب سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ یہ سب باتیں جن کا ذکر ضمناً آگیا ہے ایک علیحدہ مضمون کی محتاج ہیں اس لئے ان اشاروں کے بعد ہم پھر اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔

جامعہ ملیہ قائم ہوچکی ہے مولانا محمد علی مرحوم جو جامعہ کے پہلے پرنسپل تھے اور علی گڈھ کالج سے اپنی باغی پارٹی کے ساتھ سنگینوں اور بندوقوں کی مدد سے نکالے گئے تھے اب جیل میں مع اپنے بڑے بھائی شوکت علی مرحوم اور دوسرے ساتھیوں کے بند ہیں۔

عبدالمجید خواجہ صاحب بھی آگرہ کی جیل سے ہوا کھاکر اور "تازہ دم" ہوکر واپس آچکے ہیں۔ سیاسی تبلیغ اور کالج کی جماعتوں کے علاوہ مدرسہ کی تعلیم کا بھی سلسلہ شروع ہوچکا ہے۔ اور جامعہ ملیہ کچھ عمارتوں میں کچھ خیموں میں کچھ چھپروں میں نہایت شان اور رُعب وداب سے چل رہی ہے۔ اطراف ملک سے ہندو اور مسلمان صحیح معنوں میں اس "ودیا مندر" اور علوم وفنون کے مرکز کو دیکھنے اور اس کے "پجاریوں" کی زیارت کو آرہے ہیں۔ سب جگہیں ضرورت سے زیادہ پُر ہوچکی ہیں اور مزید داخلوں کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ ایک غریب طالبعلم بغیر کسی قسم کی خط وکتابت یا اطلاع کے ایکدم علی گڈھ پہنچ جاتا ہے

دریافت کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد سے آیا ہے۔ "ارے بھائی تم کیسے آگئے؟ حیدرآباد کے نظام پر تو حکومت انگریزی کا دباؤ پڑ رہا ہے کہ اپنی رعایا کو جامعہ جیسی باغی اور سرکش جماعت سے علیحدہ رکھو اور کسی کو نہ آنے دو۔ تم یہاں پڑھو گے تو واپس کیسے جاسکو گے؟" "جب واپس جانے کا زمانہ آئیگا تو دیکھا جائے گا۔"

اسی قسم کے اور بھی حیدرآبادی لڑکے موجود ہیں۔ جو کھاتے پیتے گھرانوں کے ہیں لیکن سب کے دلوں میں ایک خاص جذبہ ہے اور ملکی تحریک کا سمندر موجزن ہے یہ بھی اسی ٹولی میں شامل ہو جائے گا لیکن بالکل مفلس ہے۔ ایک پیسہ بھی جیب میں نہیں ہے۔ اس طرح اور لڑکے بھی آتے رہے تو کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سوالات و خیالات تھے جو پریشانی کا باعث تھے۔ غرض صبح ہوتی ہے جامعہ کا وقتِ تعلیم شروع ہو جاتا ہے اور پرنسپل صاحب کی تشریف آوری کا وقت بھی ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب (عبدالمجید) دفتر میں تشریف فرما ہیں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔ کہ آواز آتی ہے "میں اندر آسکتا ہوں؟" "آئیے! کہاں سے آئے اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں حیدرآباد سے آیا ہوں مدہول کا رہنے والا ہوں جامعہ میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں؟"

"آپ نے کہاں تک تعلیم پائی ہے؟"

"میں نے اردو مڈل پاس کیا ہے اور نارمل کی (ٹریننگ کی) بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ اب انگریزی اور ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

"آپ اپنا خرچ خود برداشت کریں گے؟"

"جی نہیں۔ میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہے میں بہت غریب اور یتیم ہوں"

"آپ کا سرپرست کون ہے؟"

"والدہ اور بڑے بھائی ہیں۔ لیکن بڑے بھائی بہت ہی قلیل مشاہرہ پر کام کرتے ہیں جو خود ان کے بال بچوں کے لئے بھی کافی نہیں ہوتا اور پھر والدہ کی کفالت بھی انہی کے ذمہ ہے۔"

"آپ نے کوئی خط و کتابت کی تھی؟ یہاں سے پراسپکٹس (دستور العمل) منگا کر پڑھا تھا؟" "جی نہیں"

"پھر آپ کیسے آگئے؟"

"میں نے سنا تھا کہ دہلی میں ایسا مدرسہ قائم ہوا ہے جو آزادی اور وطن پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور جس کے سرپرست ملک کے بڑے بڑے رہنما ہیں بس اسی شوق میں چلا آیا۔"

"مگر عزیز من! انہیں داخلہ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد اتنا دور دراز کا سفر اختیار کرنا چاہیے تھا۔ خصوصاً جبکہ تم اپنا خرچ خود نہیں برداشت کر سکتے تھے سب انتظامات مکمل کرکے اور پورا اطمینان کرنے کے بعد چلنا چاہیے تھا۔ یہ کوئی ایک دو دن کی بات تو تھی نہیں کہ کسی کے ہاں مہمان بن کر ہی گزارہ ہو سکتا ہے یہ تو سالوں کی بات ہے اور سینکڑوں کا خرچ ہے۔ یوں آنکھ بند کرکے آجانے سے دوسروں کو تکلیف میں مبتلا کرنا بہت بری بات ہے۔ یہ دیکھئے دستور العمل میں نہایت موٹے حروف میں ہدایت لکھی ہے کہ وظیفہ کی درخواست دینے والوں اور امداد چاہنے والوں کو اس وقت تک ہرگز نہیں آنا چاہیئے جبتک ان کے پاس منظوری کی اطلاع نہ پہنچ جائے۔ اب تمہیں کہاں سے امداد دی جاسکتی ہے؟"

"جناب! میرا خیال تھا کہ وہاں غریب کی مدد کے لئے اللہ کوئی نہ کوئی سامان کر ہی دے گا اس لئے اس کے بھروسہ پر چلا آیا۔ آپ میرے حال پر کرم فرمائیے اور مجھے داخل کر لیجئے۔"

"عزیز من! یہ تو اصول کا سوال ہے۔ اگر اسی طرح اور طلباء آگئے تو ان کو انکار کس طرح کیا جاسکے گا؟ وظائف کی مد کی تمام رقومات ختم ہو چکی ہیں اب مطلق گنجائش نہیں ہے۔ افسوس آپکا داخلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ واپس چلے جائیے۔"

"لیکن میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں واپس جانے کا کرایہ کہاں سے لاؤں؟"

"مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں۔ آپ کچھ بھی انتظام کیجئے میں تو داخل کرنے سے مجبور ہوں۔"

یہ طالب علم جس کا نام عبدالغفار ہے نہایت مایوسی کی حالت میں

[redacted]

آنکھوں میں اشکوں کا دریا لئے ہوئے جائے قیام پر واپس آجاتا ہے۔ حیدرآبادی طلبہ ہمدردی سے پوچھتے ہیں کہو داخلہ ہوگیا؟ کیا کہا خواجہ صاحب نے؟ پریشاں حال پردیسی خاموش ہے۔ جواب دینے کی ہمت نہیں ہے آواز نہیں نکلتی۔ سسکیاں بھرتا ہے۔ آخر کار ساری داستان بیان کرتا ہے۔ ساتھی دلاسا دیتے ہیں اور کہتے ہیں گھبراؤ نہیں۔ ہمارے پاس چند دن ٹھہرو۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔

اب ساتھی اور دوسرے طلبہ اور بعض اساتذہ اسکے داخلہ کی کوشش کرتے ہیں لیکن مالی امداد کی طرف سے پریشان ہیں۔ کیونکہ سب کی حالت سقیم تھی۔ کئی بار خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی گئی لیکن خواجہ صاحب اگرچہ بہت ہمدرد نیک دل اور نرم طبیعت کے انسان تھے لیکن ڈسپلن اور ضابطہ کی وجہ سے ذرا متامل تھے اور سفارشوں کی مثال قائم کرنا نہیں چاہتے تھے بہت دوراندیش تھے۔ تاہم بعض لوگ کہتے تھے کہ "میاں کچھ نہیں ہے بس راج ہٹ ہے۔ ایک مرتبہ منہ سے نہ نکل چکی ہے تو اسی پر جمے ہوئے ہیں۔ رئیس آدمی ہیں وہی چیز دماغ میں گھسی ہوئی ہے اب اپنی قسم توڑ کر ہیٹی نہیں کرانا چاہتے کہ طالب علم کی نظروں میں ہلکے ہوں کہ دیکھا آخر ہم جیت کر ہی رہے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان کا ٹس سے مس ہونا بہت مشکل ہے۔ اس غریب کا تو بس اللہ ہی مالک ہے"۔

غرض یہ مسئلہ اپنی نوعیت کا بالکل جداگانہ شکل کا بن گیا ایک طرف عبدالغفار صاحب کی قوت ارادی اور داخلہ کی جدوجہد اور دوسری طرف اگرچہ ہمدردی لیکن مجبوری اور انکار۔

حیدرآبادی طلبہ نے دو ڈیڑھ مہینے تک عبدالغفار صاحب کو مہمان رکھا اور اُن کو مایوس نہیں ہونے دیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود عبدالغفار صاحب کو پوری امید تھی کہ میں اب یہاں سے تعلیم پاکر ہی جاؤں گا۔ کچھ دنوں کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ فی الحال مدرسہ میں تو داخلہ نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ چاہیں تو جامعہ پریس میں کام کریں۔ اور چونکہ وہ اس کام کی شُد بُد سے بالکل واقف نہیں ہیں اس لئے ہینڈ پریس پر بیچ کشی کی خدمت انجام دے سکتے ہیں جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ چھاپنے والے کی مدد کے لئے ہینڈ پریس کے ہینڈل (دستے) کو گھمائے چنانچہ عبدالغفار صاحب نے فوراً اس تجویز کو منظور کرلیا اور وہ تمام کپڑے اُتار کر صرف چھوٹا سا جانگیہ پہن کر جو لنگوٹ سے کچھ ہی بڑا ہوتا ہے، پریس میں بیچ کشی کی خدمت انجام دینے لگے اور تمام دن محنت شاقہ کرکے پریس کا کام سیکھنے لگے۔ ان کی محنت اور دلچسپی کو دیکھ کر تمام پریس والے ان کا خیال کرنے لگے اور انکی بات ماننے لگے۔ انھوں نے پریس کے ہیڈ کمپوزیٹر سے کہا۔ کہ میں خالی وقت یا فرصت اور چھٹی کے وقت میں کمپوزیٹری سیکھنا چاہتا ہوں انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ اور وہ کام سیکھنے لگے مگر اس کا علم کسی کو نہیں ہوا۔ ایک روز جامعہ میں بیٹو کلب کا جلسہ تھا اور امتحان تھا کہ دیکھیں کون زیادہ کھاتا ہے۔ (اس جلسہ کا ذکر بہت دلچسپ ہے کسی اور موقع پر ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے گا)

اس جلسہ میں مہمان کی حیثیت سے عبدالغفار صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا (وہ زیادہ نہیں کھاتے تھے محض تماشبین یا معزز مہمان کی حیثیت سے دعوت دی گئی تھی) جب وہ آئے تو اس جلسہ کے صدر کی طرف سے یا استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے (ٹھیک بات یاد نہیں رہی) ایک مطبوعہ خطبہ اپنے ہمراہ لے کر آئے جو اُردو ٹائپ میں چھپا ہوا تھا اور جس کے متعلق معلوم ہوا کہ خود عبدالغفار صاحب نے ہی کمپوز کیا تھا۔ اور انہوں نے ہی اسے چھاپا تھا اور بالکل جیبی سائز یعنی ۲۰×۳۰/۳۲ یہ تھا۔ اس وقت یہ راز کھلا کہ انہوں نے اپنے شوق سے یہ کام بھی سیکھ لیا ہے۔ اس سے خود جناب شیخ الجامعہ (پرنسپل) خواجہ صاحب کے دل میں عبدالغفار صاحب کی قدر کا احساس پیدا ہوا اور وہ بہت خوش ہوئے۔ چونکہ راقم الحروف جامعہ میں مختلف خدمات کے علاوہ جامعہ کا محاسب اور دارالاقامہ میں مدرسہ کے تمام بورڈنگ ہاؤسوں کا سپرنٹنڈنٹ تھا، (ہر بورڈنگ ہاؤس میں ٹیوٹر علیحدہ ہوتے تھے) اس لئے عبدالغفار صاحب وقتاً فوقتاً مجھ سے بھی مشورہ کرتے رہتے تھے اور میری پوری ہمدردی ان کے ساتھ تھی۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئے کہ میں آپ کی جماعت میں روزانہ ایک گھنٹہ کیلئے آکر ریاضی پڑھنا چاہتا ہوں۔ میں نے بخوشی منظور کرلیا اس پر

انہوں نے شیخ الجامعہ کو درخواست دی کہ پریس سے ایک گھنٹہ روزانہ غیر حاضر رہ کر فلاں جماعت کے ساتھ ریاضی کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی جائے استاد جماعت کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور پریس کا یہ گھنٹہ میں اپنے اوقات پریس کے بعد پورا کر دیا کروں گا۔ جناب خواجہ صاحب نے فوراً درخواست منظور کرلی اور عبدالغفار صاحب روزانہ باقاعدہ میری جماعت میں آکر بیٹھنے لگے۔ چار پانچ ماہ بعد میں نے لکھا کہ عبدالغفار صاحب ریاضی میں بہت اچھے ہیں اور بہت دلچسپی سے کام کرتے ہیں۔ پریس کا کام بھی وہ سیکھ گئے ہیں اُن کی خواہش ہے کہ وہ باقاعدہ تعلیم حاصل کریں۔ اور اب نیا سال بھی شروع ہو رہا ہے اس لئے اُن کے معاملہ پر نظر ثانی کی جائے اور اُنکا باضابطہ داخلہ منظور کیا جائے اور ان کو فری اسٹوڈنٹ کے طور پر رکھا جائے۔ خواجہ صاحب نے ازراہِ عنایت ان کا داخلہ منظور کرلیا اور وہ باقاعدہ داخل ہوگئے اور اُن کی دلی مُراد بر آئی اور قوّتِ ارادی نے ان کو کامیاب کیا۔ اور جامعہ کی طرف سے ان کے اخراجات کا بھی انتظام ہوگیا۔

اب سُنئے۔ جامعہ کے مدرسوں کے دارالاقاموں کے آس پاس کوئی بازار نہ تھا بہت تکلیف تھی۔ علی گڈھ کالج کی دُکانیں فاصلہ پر تھیں لیکن آنے جانے کی دشواری کے علاوہ چیزیں بہت مہنگی ملتی تھیں۔ خصوصاً مٹی کا تیل جلانے کے لئے تو بہت گراں ملتا تھا۔ میں نے شہر سے ایک کنستر خریدا اور اپنے کمرے میں رکھا اور دو پیسے کم پر بوتل دینی شروع کی۔ جس سے

عبدالغفار صاحب مدہولی کے حالات آپ کو ضرورت سے زیادہ طویل معلوم ہو رہے ہوں گے۔ یہ اُنکے ہی حالات نہیں ہیں بلکہ ان کے زمانہ کی اور بہت سی سیاسی اور تاریخی معلومات اس میں آپ کو ملیں گی جن کی اہمیت کا اندازہ آپ کو اس کے پڑھنے سے ہی ہو سکے گا۔ اس میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ابتدائی دَور کی دلچسپ اور مفید باتیں آپ پڑھیں گے جن کا ذکر کسی دوسری جگہ کبھی بھی آپ نہیں سُن سکیں گے۔ اس لئے آپ اس مضمون کی طوالت سے نہ گھبرائیے یہ کئی مختلف عنوانات کے تحت درج کیا جاسکتا تھا لیکن ہم نے اس کو مدہولی صاحب کے ذکر کے سلسلہ میں ہی درج کرنا مناسب سمجھا کیونکہ کسی نہ کسی طرح انکا تعلق ہر اُس امر سے ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

آخر میں چار آنہ کی بچت ہوئی اور کنستر علیحدہ بچا جس کی قیمت اُس وقت چار آنہ ہوتی تھی۔ گویا دوسری جگہ کے مقابلہ میں دو پیسہ فی بوتل کم بیچنے پر آٹھ آنے کی بچت ہوئی۔ اس پر مجھے خیال ہوا کہ کیوں نہ کوآپریٹو اصولوں پر ایک اتحادی دوکان جاری کی جائے چنانچہ بورڈنگ ہاؤس کے طلبہ کو جمع کیا اور یہ ساری کیفیت بتائی اور اپنی تجویز پیش کی کچھ طلبہ نے تو معاملہ کو صحیح سمجھ کر تجویز سے اتفاق کیا اور کچھ نے بورڈنگ ہاؤس کے افسر کی خوشنودی کے خیال سے ہاں کرلی اور باقی ناداری کی وجہ سے معذور رہے۔ بہرحال پانچ روپے کا حصہ قرار پایا جو چار قسطوں میں وصول ہونا طے ہوا۔ اس تجویز کو تمام جامعہ میں گشت کرایا گیا لیکن صرف مدرسے کے طلبہ نے اس میں سرگرمی دکھائی۔ کالج کے طلبہ کو چونکہ دشواری نہیں تھی اور وہ ہم سے فاصلہ پر رہتے تھے اور دُکانیں بھی ان کے قریب تھیں اس لئے انہوں نے اس تحریک سے کوئی دلچسپی نہیں لی بعض کو اس کی کامیابی پر شبہ تھا۔ یہ بھی خیال ہوا ہوگا کہ رقم خورد بُرد ہوجائیگی تمام کالج میں سے صرف ایک مردِ میدان تھا جسے جامعہ کی روحِ رواں کہنا نہایت مناسب ہے اور وہ ہمارا محبوب ساتھی شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم تھا جس نے اس تحریک کو نہایت مفید سمجھ کر اس میں شرکت کی اور وہ نقد پانچ روپے یکمشت مرحمت فرما کر اتحادی دُکان کے حصّہ دار بن گئے۔

اس اتحادی دُکان یا کوآپریٹو اسٹور کا کل سرمایہ -/83 روپے تھا اس میں طلبہ کی ضروریات کی کل چیزیں، مثلاً کاغذ۔ کاپیاں

[redacted]

قلم۔ دوات۔ پنسل۔ ربڑ۔ روشنائی۔ سُوئی دھاگہ۔ بوٹ پالش منجن۔ بٹن۔ دُودھ۔ بسکٹ۔ چینی۔ دیاسلائی۔ مٹی کا تیل۔ صابن کنگھے۔ سر میں لگانے کا تیل وغیرہ وغیرہ رکھی گئیں۔ غریب اور نادار طلبہ کو پندرہ پندرہ دن کی ڈیوٹی پر رکھا گیا کہ وہ ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام وقتِ مقررہ پہ دُکان کھولا کریں تاکہ ضرور تمند بورڈرز اور دوسرے گاہک بھی سامان خرید سکیں۔

ڈیوٹی پر کام کرنے والوں کی کوئی تنخواہ نہیں تھی صبح کو ایک بڑا بسکٹ اور ایک پیالہ دُودھ اور شام کو ایک بسکٹ اور ایک پیالہ چاء، اور مہینے میں دو کاپیاں دو نبیں ایک پنسل اور روشنائی کی ٹکیاں مفت دی جاتی تھیں،

میں نے اس کی نگرانی اپنے ذمّہ رکھی لیکن حساب کتاب کا تمام کام عبدالغفار صاحب کے سپرد کیا۔ کیش بک۔ ڈے بک۔ کھاتہ عام کھاتہ ذاتی حسابات، ماہانہ گوشوارے آمد و خرچ وغیرہ سب کام ان سے لیتا تھا۔ ان کو ان کتابوں کا لکھنا سکھایا اور سمجھایا اور ماہانہ گوشوارں کی میزانیں نہ ملنے کی صورت میں غلطیوں کا چیک کرنا بتایا گیا۔ اور کیش بک کی میزانیں کھاتہ عام سے اور کھاتہ کی میزانیں آمد و خرچ کے گوشوارے سے ملانی بتائیں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی مسرت ہوتی ہے کہ عبدالغفار صاحب نے نہایت محنت اور شوق سے اس کام کو کیا اور ہمیشہ وقت پر کیا اور وہ بہت جلد اس کام میں ماہر ہو گئے۔ دس ماہ کے بعد جامعہ کے متعلق طے پایا کہ علیگڑھ سے دہلی منتقل کر دی جائے لہٰذا حسب تجویز جملہ اراکین طے پایا کہ اتحادی دکان کو ختم کر دیا جائے اور وہاں جا کر از سرِ نو جاری کیا جائے چنانچہ دس ماہ کا حساب کر دیا گیا اور پانچ روپے کے حصہ دار کو دس روپے نقد ادا کر دئے گئے۔ گویا دس ماہ میں سو فی صدی نفع ہوا جبکہ تمام چیزیں مقابلہ میں کم نرخ پر فروخت کی گئیں اور دودھ تو ایسا دیا گیا کہ سب لوگ عش عش کرتے تھے کہ اتنا اچھا اور خالص دُودھ کسی جگہ نہیں مل سکتا حصہ داروں کے علاوہ پچاس روپے کی مالیت کا سامان میرے حصہ میں آیا، جس میں سے کام کرنے والوں کو بونس کے طور پر بھی دیا گیا۔

عبدالغفار صاحب کے اس کام سیکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ علی گڈھ سے دہلی منتقل ہو گئے تو جامعہ کے ابتدائی (پرائمری) مدرسہ میں انہوں نے بچوں کا بینک۔ بچوں کی دوکان وغیرہ نئی نئی چیزیں جاری کیں۔ اور ان کو نہایت عمدہ پیمانہ پر چلایا جو اب تعلیم کا ایک جزو سمجھی جانے لگی ہیں۔ گویا علی گڈھ میں جو اتحادی دُکان قائم کی گئی تھی اس کی شاخیں جامعہ ملیہ کے مدرسہ ابتدائی کا بچوں کا بینک۔ بچوں کی دُکان اور خوانچہ (پھلوں کی دُکان) ہیں جن میں بچوں کو مختصر پیمانہ پر بینک کی اور تجارتی کاروبار کی تعلیم دی جاتی ہے اور حساب کتاب کا رکھنا سکھایا جاتا ہے۔

علی گڈھ سے جامعہ ملیہ کو دہلی منتقل کرنے کی داستان بڑی دردناک ہے بہرحال جب جامعہ علی گڈھ سے منتقل ہو رہی تھی تو کسی خاص مجبوری کی بنا پر ہمیں چھٹی لے کر گھر جانا پڑا۔ جاتے وقت ہم نے عبدالغفار صاحب کے سپرد اپنا تمام سامان کر دیا کہ دہلی جب جاؤ تو میرا یہ سب سامان بھی لیتے جانا۔ میری میز پہ علاوہ اور سامان کے ایک ٹوٹا ہوا ہولڈر بغیر نب کا ایک ٹوٹی ہوئی دوات اور چند آلپین اور مستعملہ نبیں بھی پڑی تھیں۔ آپ کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ جب ہم مکان سے لوٹ کر دہلی پہنچے تو ایک کمرے میں جو ہمارے لئے تجویز ہو چکا تھا۔ ہماری میز پہ وہ سب شکستہ اور بیکار چیزیں بجنسہٖ موجود تھیں۔ اس سے آپ عبدالغفار صاحب کی احتیاط اور ذمّہ داری کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جب ایسی چیزیں وہ اس قدر احتیاط سے لائے تو دوسری چیزوں کی کیسی نگرانی کی ہوگی اور کس احتیاط سے لائے ہوں گے۔

دہلی میں جب جامعہ ۶ر جولائی ۱۹۲۵ء کو آئی تو ملک کی عجیب حالت تھی۔ ہم لوگ قرول باغ میں لائے گئے جو دہلی کے غرب میں ایک نئی بستی تھی جسے دہلی کے سابق ڈپٹی کمشنر بیڈن صاحب نے نئے طرز سے بسایا تھا۔ دہلی اور قرولباغ کے درمیان اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں تمام سڑکیں اور گلیاں کچی تھیں۔ مٹی کے تیل کی لالٹینیں سڑکوں پر صرف اپنے وجود کا پتہ دیا کرتی تھیں ورنہ روشنی کا نام تک نہیں ہوتا تھا۔ پانی کے لئے کنوئیں استعمال ہوتے تھے۔ نالیاں نہیں تھیں۔ گلیوں میں گندا پانی کھڑا رہتا تھا۔ رات کو کسی بھی قیمت پر کوئی ٹانگہ والا وہاں نہیں جاتا تھا بلکہ دن میں بھی وہاں جاتے ہوئے گھبراتا تھا۔ پہاڑیوں میں رہزن چھپے رہتے تھے اور موقع کے لحاظ سے

تاک میں رہتے اور لوٹ مار کرتے تھے۔ حکومت ہمیں باغی اور دشمن سمجھتی تھی مسلمان ہمیں کانگریسی اور ہندوؤں کا غلام سمجھتے تھے اور ہندو ہمیں مسلمان اور گئو ہتیا کرنے والا جانتے تھے کیونکہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چل رہی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ ہمیں کوئی منہ نہیں لگاتا تھا اور سب کی آنکھ میں ہم کھٹکتے تھے۔ سوائے خدا کے کوئی ہمارا مددگار نہیں تھا بلکہ ہماری بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے اللہ میاں بھی ناراض تھے۔

اسی زمانہ میں جنوبی ہند میں مذاہب عالم کی کوئی کانفرنس ہوئی جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی مدعو کئے گئے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب نے اسلام پر مقالہ پڑھا جو بے حد پسند کیا گیا۔ اس کانفرنس میں بہت قابل قابل لوگ بیرونِ ہند سے آئے تھے۔ امریکہ کے نمائندگان سے دورانِ گفتگو میں ملکی معاملات کا کچھ ذکر ہوا اور اسی سلسلہ میں جامعہ ملیہ کا ذکر آ گیا۔ امریکن مشنریوں نے کہا ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہمیں صرف یہ تکلیف محسوس ہو رہی ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو معلمی کی ٹریننگ نہیں دلوا سکتے کیونکہ ہماری اسناد کو حکومت تسلیم نہیں کرتی اس لئے ان کا داخلہ کسی جگہ نہیں ہو سکتا یہ سنکر ان میں سے ایک صاحب نے ایک خط فوراً لکھ کر ڈاکٹر صاحب کو دیا اور کہا کہ موگا ضلع فیروز پور میں ہمارے مشن کا ایک ٹریننگ اسکول ہے آپ یہ خط وہاں کے پرنسپل صاحب کو بھجوا دیجئے وہاں آپ کے طلبہ داخل کر لئے جائیں گے اور انہیں ٹریننگ مل سکیگی۔ ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا اور بہت کامیاب واپس آئے۔ گویا اس سفر میں بھی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جامعہ کی دشواریوں میں سے ایک بہت بڑا مرحلہ طے کر آئے۔ آتے ہی موگا خط لکھا گیا جہاں سے فوراً جواب آیا اور انہوں نے ہمارے طلبہ کو ٹریننگ کے لئے داخل کر لینے پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلے عبدالغفار صاحب کو منتخب کیا گیا اور وہ وہاں بھیجے گئے۔ ان کی طبیعت میں قدرت نے جدت کا مادہ ودیعت کر رکھا ہے۔ محنت کے وہ ہمیشہ سے عادی ہیں اس لئے وہاں جا کر انہوں نے نہایت محنت سے کام کیا اور شرافت سے زندگی بسر کی۔ تمام استاد اور طلبہ ان کی عزت کرنے لگے وہاں انہوں نے مختلف انجمنوں کی بنا ڈالی اور بہت سی نئی چیزیں جاری کیں جس سے وہاں کے پرنسپل اور مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر بیحد خوش ہوئے اور ان کے متعلق تعریفی خطوط ڈاکٹر صاحب کے پاس آئے۔ جب نتیجہ نکلا تو عبدالغفار صاحب کے اتنے زیادہ نمبر آئے کہ تمام سابقہ ریکارڈ انہوں نے توڑ دیئے تھے اور وہاں کے ذمہ دار کارکن ان پر فخر کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے پرنسپل صاحب نے عرصے سے یہ عہد کر لیا تھا کہ مسلمان کو داخل نہیں کریں گے کیونکہ وہ ان سے بہت نالاں تھے اور پریشان ہو چکے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ بعض مسلمان طلبہ جھگڑالو ثابت ہوئے تھے اور بعض نے تعلیم حاصل کرنے کی بجائے وہاں عیسائی طلبہ میں اسلامی تبلیغ کا کامیاب سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ بعض میں کچھ اور خرابیاں تھیں اس لئے وہاں کے ہیڈ ماسٹر کا بیان ہے کہ "امریکن مشنری صاحب کا خط آنے پر ہم نے بہت تأمل کے بعد ہاں کی تھی کیونکہ ہم مسلمان کے لینے سے گھبراتے تھے لیکن عبدالغفار صاحب نے تو ہمارے تمام خدشوں کو غلط ثابت کر دیا اور نہ صرف خود ان کے متعلق ہماری رائے اچھی ہے بلکہ ہم مسلمانوں کو جو سمجھتے تھے اسے بھی ہم نے اپنے دل سے نکال دیا ہے چنانچہ پوری قوم کے متعلق عبدالغفار صاحب نے ہماری رائے میں انقلاب پیدا کر دیا ہے"۔ ان کی اس نمایاں کامیابی سے بعد میں اور طلبہ کے داخلہ میں ہمیں بہت آسانی ہو گئی اور ہم نے متعدد استادوں کی ٹریننگ کرائی جس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا اور ہمارے استادوں کی کافی تعداد ٹرینڈ ہو گئی۔

عبدالغفار صاحب جامعہ میں مدرسہ ابتدائی (تعلیمی مرکز) کے ہیڈ ماسٹر رہے وہ عرصہ دراز تک دارالاقامہ میں نگراں رہے۔ انہوں نے بچوں کی دیکھ بھال بہت اچھی طرح سے کی۔ ان کی صحت اگر اچھی ہوتی تو نہ معلوم وہ کیا کیا کر گزرتے۔ انہوں نے اردو پڑھانے کا نیا طریقہ جاری کیا جس کی وجہ سے ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور پنجاب کے مختلف شہروں سے انہیں مدعو کیا جانے لگا۔ کرنال کے نارمل اسکول میں وہ نمونہ کا سبق دینے کے لئے بلائے گئے۔ بچے ان سے اس قدر مانوس ہوتے ہیں کہ شاید ہی کسی اور استاد سے اتنے ہوتے ہوں

وہ بہت محبّت سے پڑھاتے ہیں کبھی نہیں مارتے۔ حساب کے ابتدائی چار قاعدے اس قدر آسانی سے ذہن نشین کرا دیتے ہیں کہ بچّے ذرا دقّت محسوس نہیں کرتے۔ انہوں نے اُردو کے متعدّد قاعدے لکھے ہیں۔ مکتبہ جامعہ میں اُردو کا بنیادی قاعدہ انہی کا مُرتّب کردہ ہے۔ انہوں نے متعدّد کتابیں لکھی ہیں۔ وہ اپنے تاثرات سے مدرسوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ جامعہ میں ڈراموں کی بنیاد انہی کے دم سے پڑی چنانچہ چور لڑکا۔ جھوٹا لڑکا ایک ایک ایکٹ کے ڈرامے کئی بار چھپ چکے ہیں۔ کیمپ فائر کی نقلیں انہی کے دم سے دلچسپ ہوتی ہیں۔ اس سال جامعہ کے سالانہ تعلیمی میلہ کے وقت وہ موجود نہیں تھے لہٰذا کیمپ فائر کا پروگرام ہی ملتوی رہا۔ جامعہ کے بیسک ٹریننگ اسکول میں جہاں ڈپٹی انسپکٹر مدارس اور ہیڈ ماسٹر صاحبان اور اعلیٰ تعلیمیافتہ لوگ آکر داخلہ لیتے ہیں وہ نہایت کامیابی سے اسباق کا نمونہ پیش کرتے ہیں انہوں نے "معلم کی زندگی" نام کی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جو دو جلدوں میں ہے اور جس میں اپنے تمام تجربات اور حالات کے علاوہ جامعہ کی تاریخ کا ایک خاکہ بھی درج کر دیا ہے جس نے کتب کی اہمیت بہت بڑھا دی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے زیادہ نفس کُش اور کوئی دوسرا شخص مشکل سے ملے گا جو جامعہ کی تاریخ مُرتّب کر سکے۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں دہلی اور جامعہ میں رہنے کی وجہ سے جو کچھ حالات دیکھے اور جو مُعتبر روایات ذمّہ دار اصحاب سے سُنیں ان کو ایک کتاب کی شکل میں قلمبند کیا ہے جس کا نام "امن کا راستہ" ہے۔ ایک چھوٹی سی کتاب بچّوں کی تربیت کے لئے لکھی جس میں انہیں اپنے وعدوں پر پابند رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور تاریخی واقعات پیش کر کے راجپوتوں اور عربوں کے اپنے وعدوں پر قائم رہنے کی مثالیں دی ہیں۔ اس کتاب کا نام بھی "وعدے" ہی رکھا گیا ہے۔ ان کے بہت سے مسودے ابھی تک ناشرین کی توجہ کے محتاج ہیں اور عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں۔ جامعہ کی خصوصیات میں وقت کی پابندی ایک خاص چیز ہے جسکے ہیرو عبدالغفار صاحب ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ روایت قائم کی کہ نہایت اہم جلسے عین وقت پر بغیر ایک منٹ اِدھر اُدھر کئے شروع کرائے خواہ حاضرین کی تعداد صرف چار پانچ ہی ہو۔ انہوں نے کبھی دوسروں کے انتظار کو اہمیت نہیں دی انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ جو نہیں آئے وہ اس پروگرام سے محروم رہیں گے جو اُن کے آنے سے پیشتر ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ عبدالغفار صاحب کی نظروں میں کسی کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کہ اس کا انتظار کیا جائے وہ تو وقت پر جلسہ شروع کر دیتے ہیں اس لئے بعد میں لوگ وقت پر آنے لگے اور جامعہ کے متعلق مشہور ہو گیا کہ وہاں کارروائی وقت پر شروع ہو جاتی ہے دیر سے آنے والوں کی وجہ سے چونکہ وقت پر آنے والوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اس لئے وہ وقت پر آنے والے ادنے سے ادنے شخص کی دیر سے آنے والے بڑے سے بڑے کے مقابلہ میں زیادہ عزّت کرتے تھے۔ عبدالغفار صاحب تو جلسوں کا ریہرسل کر کے معلوم کر لیتے تھے کہ ہر مُقرّر یا شاعر کتنا وقت لے گا لہٰذا پروگرام اسی کے مطابق مُرتّب کرتے اور یہ بھی اعلان کرتے کہ جلسہ فلاں وقت شروع ہو کر اتنے بجے ختم ہو جائیگا۔

عبدالغفار صاحب نے اس بے مائگی کے باوجود جوڑ توڑ کر کے احباب سے قرض لے کر کچھ نادادوں سے ادائگی میں سہولتیں حاصل کر کے جامعہ نگر میں ایک قطعہ اراضی پر ایک معقول مکان تعمیر کر ڈالا جس کا نام اس کی لاگت کے لحاظ سے پنجہزاری رکھا جسے غفار منزل بھی کہتے ہیں۔ چونکہ علالت کے اخراجات کی وجہ سے قرض ادا نہ ہو سکا اس لئے انہوں نے اسے جامعہ کے ہاتھ اصل لاگت پر فروخت کر دیا جو سالہا سال تک کالج کے طلبہ کیلئے بورڈنگ ہاؤس کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور اب اسٹاف کے لوگ اس میں رہتے ہیں۔

مُدّتوں وہ اپنے وطن نہیں جا سکے کیونکہ اخراجات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ البتّہ والدہ اور بھائی کی مدد کے لئے کچھ نہ کچھ بچا کر بھیجتے رہتے تھے۔ بعد میں جب زمانہ کچھ سازگار ہوا تو یہ پروگرام بنا کہ تعطیلات موسم گرما میں ایک سال وطن جاتے ہیں اور ایک سال کسی پہاڑی مقام پر مثلاً مسوری۔ نینی تال یا کشمیر چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کی صحت اچھی نہیں رہتی۔ بچپن میں شادی ہوئی تھی لیکن بیوی انتقال کر گئیں۔ اب وہ آزادی

اور یکسوئی سے دن رات جامعہ کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔

تمام کام وقت کی پابندی سے کرتے ہیں جیسے نماز۔ کھانا سیر۔ اخبار۔ ریڈیو وغیرہ سال بھر کا پروگرام مرتب ہے مقررہ تاریخ پر گرمی کے کپڑے اتار کر گرم کپڑے پہنتے ہیں مقررہ تاریخ پر ان کی گرمی شروع ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ باقاعدہ تیرنا بھی۔ بسنت۔ جنم اشٹمی وغیرہ تہوار موسم کا پتہ دیتے ہیں اس لئے وہ بھی پروگرام میں شامل ہیں۔ اسی طرح ہولی دیوالی سب موسمی اہمیت رکھتے ہیں۔ نماز باقاعدہ پڑھتے ہیں اور مجلس دینیات کے نائب معتمد بھی ہیں۔ روزے بھی صحت کے لئے نہایت مفید سمجھتے ہیں اور باقاعدہ رکھتے ہیں کتنا ہی اہم جلسہ ہو لیکن اگر ان کے پروگرام کے مطابق وہ وقت ختم ہو چکا ہو اور کسی دوسرے کام کے لئے مقرر ہو تو وہ جلسے سے چلے جائیں گے اور اپنے پروگرام پر عمل کریں گے۔ کسی کو گھڑی ملانی ہو تو ان کی گھڑی صحیح تسلیم کی جائے گی۔ وہ ریڈیو کی خبریں باقاعدہ سنتے ہیں۔ پہلے ہندی میں ہندوستان کی، پھر اردو میں پاکستان کی پھر اردو میں بی بی سی کی۔ یہ سب پندرہ پندرہ منٹ کے لئے ہوتی ہیں اور ترتیب وار ۸ ½ بجے شروع ہو کر ۹ بجے شب کو ختم ہوتی ہیں۔ عبدالغفار صاحب بہت باقاعدہ زندگی بسر کرنے والے۔ وقت کے پابند اور دھن کے پکے سلیقہ شعار اور قابل استاد ہیں اور جامعہ کو ان پر بہت فخر اور اعتبار ہے۔ ہاں ایک طریقہ ان کو ایسا یاد ہے کہ جس چیز کی دھن سوار ہو جاتی ہے اسے وہ کرا کر ہی دم لیتے ہیں۔ تعلیم کا کوئی سامان منگانا ہو کسی جگہ نصاب میں ترمیم کرانی ہو کوئی جلسہ کرانا ہو۔ کوئی انعام دینا ہو۔ کسی کو انتخاب میں ووٹ دے کر کامیاب کرانا ہو۔ کسی کو مدعو کرنا ہو۔ غرض کوئی بھی کام ہو اسے وہ ضرور کرا کر چھوڑیں گے۔ جو بات ان کے دماغ میں آجائے اس کی تعمیل و تکمیل ضرور کریں گے لوگوں کو کسی کا شاگرد ہونے پر فخر ہوتا ہے لیکن ہمیں ان کا استاد ہونے پر بلکہ جامعہ میں پہلا استاد ہونے پر فخر ہے۔ ہماری طبیعت کے خلاف بس ایک ہی کمزوری ان میں ہے اور وہ ان کا بیڑی یا سگرٹ پینا ہے اور وہ بھی بچوں کے سامنے۔ ان کا قول ہے کہ کوئی کام چھپ کر نہیں کرنا چاہیئے۔ سب کے سامنے کرنا چاہیئے۔ ہم بچوں کے ساتھ بورڈنگ میں رہ کر یا ان کے سامنے بیڑی یا سگرٹ نوشی کو معیوب سمجھتے ہیں اور نفسیاتی طریقہ سے بچے پر خراب اثر ڈالنے والی شے خیال کرتے ہیں تاہم وہ بہت خوبیوں کے مالک ہیں اللہ انہیں تندرست رکھے آمین!

اب حد بندی کمیشن کی رپورٹ شائع ہو گئی ہے۔ جس میں حیدرآباد کے حصے بخرے کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ دیکھئے اب ہمارے عبدالغفار صاحب کا تعلقہ مدہول کہاں رہتا ہے۔ اور وہ حیدرآبادی رہتے ہیں یا کسی اور پردیش میں شامل ہو کر پردیسی بن جاتے ہیں، انقلاب کے کرشمے ہیں جو کچھ بھی ظہور میں آئے وہ کم ہے۔

ہم نے یہ مضمون ختم کیا ہی تھا کہ خبر ملی کہ عبدالغفار صاحب کشمیر سے واپس آگئے ہیں لیکن ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔

(فیاض احمد)

[redacted]

بچّوں کی تعلیم و تربیت

علمِ مجلسی

اس عنوان کے تحت ہم بچّوں کے لئے کوئی نہ کوئی نصیحت آمیز اخلاق کو درست کرنے والی اور سوسائٹی میں درجہ بلند کرنے والی چیز شائع کرتے رہتے ہیں جس پر عمل کرنے اور اسے یاد رکھنے سے دُنیا میں وہ ہمیشہ کامیاب زندگی بسر کریں گے اور اس سے انہیں بہت فائدہ ہوگا۔ نہ صرف بچّے بلکہ بڑے بھی اس سے فیض حاصل کرسکتے ہیں۔ لیجئے اس مرتبہ ایسی انمول چیز پیش کی جاتی ہے کہ جو انسانیت کی جان ہے اور دُنیا میں کامیابی کا ستون ہے اسے یاد کیجئے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ننھی بھر خاکی جسم کو نہایت مضبوط بنا۔ اس قدر مضبوط جو سنگین قلعہ سے بھی زیادہ محکم ہو لیکن اس کے اندر ایسا دل ہو جو دوسروں کے دُکھ درد سے بے قرار ہو جائے اور ان کے کام آئے جیساکہ پہاڑ کے پتھروں میں سے میٹھے پانی کا چشمہ نکل کر پیاسوں کی پیاس بجھاتا اور فیض پہنچاتا ہے۔

تنے پیدا کن از مُشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ او دلِ دردِ آشنائے
چو جوئے در کنارِ کوہسارے

دیکھئے۔ اسے یاد ضرور کر لیجئے۔ اور ایک ایک لفظ کے معنی بھی سمجھ لیجئے۔ یہ بہت کام کی چیز ہے۔

اسلامیات

ڈاکٹر طاہر و پالپوری صاحب نے اس مرتبہ پھر چند اور باتیں مسلمانوں کے ہادی اور اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے متعلق لکھ کر بھیجی ہیں۔ جن سے بلا تخصیص مذہب ہر شخص سبق حاصل کرسکتا ہے۔

اس کا عنوان بھی وہی 'انمول ہیرے' ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :۔

انمول ہیرے

(۱) ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہؐ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ اس کی تلافی میرے لئے کیا ہے آپ نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے اُس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے دریافت کیا تمہاری خالہ ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(حدیث ترمذی)

بزرگ رشتہ داروں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کی کتنی بہتر تعلیم ہے۔ ماں کے بعد خالہ کا درجہ ہے اس کی عزت کرنے سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ سچ ہے جو شخص بزرگوں کی عزت کرتا ہے وہ اخلاقی بلندی کو چھو لیتا ہے اور باوقار زندگی بسر کرتا ہے۔ آج کی تہذیب یہ کہتی ہے کہ اپنی عزت آپ کرو تب دوسرے بھی تمہاری عزت کریں گے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی عزت کے دھوکہ میں غرور کا شکار ہو جاتا ہے اور خود غرضی کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے یہاں یہ نفسیاتی گُر بتایا ہے کہ بزرگوں کی عزت کرنے سے اپنی عزت ہوتی ہے ـــــ گناہ الگ دُھلتے ہیں ـــــ

(۲) حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کی موت کو آسان کردے گا اور اُسے جنت میں داخل کریگا یعنی کمزوروں پر رحم ، والدین پر مہربانی اور اس کے ساتھ بھلائی جس کا وہ آقا ہو۔

دیکھئے اس تعلیم میں کس قدر وسعت نظری اور رواداری ہے۔ آپ نے کمزوروں پر رحم کہا ہے۔ کسی خاص فرقہ کے

کمزوروں پر رحم نہیں کیا۔ بلکہ کمزور پر رحم کھانا گویا جنّت میں جاتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ کمزور کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو لیکن مشکل تو یہ ہے کہ مذہب کو لوگ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ مذہب تو بساط سیاست کا ایک مُہرہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر آج لوگ کمزور پر رحم کھانے لگیں تو نو آبادیات کے مسئلے ایک پل میں حل ہو جائیں اور فرقہ پرستی کا خاتمہ ہو جائے۔

(۳) عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا باپ کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی ہے اور باپ کی رنجش میں خدا کی رنجش مضمر ہے۔ (حدیث ترمذی)

آج کی تہذیب ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ باپ اگر بوڑھا ہو جائے تو اسے نکال باہر کرو۔ اس حرکت سے انسان نفسیاتی طور پر اتنا گر جاتا ہے کہ وہ ایک درندہ کی طرح خود غرض ہو جاتا ہے اور سوسائٹی کے لئے وہ مضرّت رساں ثابت ہوتا ہے۔ بوڑھے باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے انسان اخلاقی حیثیت سے بہت بلند ہو جاتا ہے اور اس کا کردار ٹھوس ہو جاتا ہے۔ قوم و ملک کی خدمت کرنے کی تعلیم کے لئے والدین کا وجود گویا مکتب ہے۔ یہیں سے نکل کر ایک انسان قوم و ملک کی بے لوث خدمت اور خدا کی دل سے عبادت کر سکتا ہے۔ اس کسوٹی پر پورا اُترنا گویا کندن ہو جانا ہے۔ اسی لئے تو پیغمبر اسلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ باپ کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے اور باپ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔

سلام

مُسلمانوں کا نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے جو خوشی کا مہینہ نہیں ہے بلکہ غم کا ہے۔ لیکن کیسا غم؟ جس میں اس کا سر فخر سے اونچا ہوتا ہے اور ندامت سے نیچا۔ یہ کیا بات ہوئی کہ سر اونچا بھی ہوتا ہے اور نیچا بھی، سُنئے، تمام قومیں نیا سال شروع ہونے پر نوروز مناتی ہیں۔ اور خوشیاں کرتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے محرم کا چاند دیکھا اور تمام لہو و لعب اور رنگ رلیوں کے جلسے یکدم ختم ہوئے۔ ہمارے رسولؐ کے نواسے اور جگر کے ٹکڑے جن سے انھیں اتنی محبت تھی کہ اگر رسولِ خدا سجدہ میں ہوتے اور حسین ابن علی کھیلتے کھیلتے ان کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے تو جب تک وہ خود بخود نہ اُترتے رسولِ خدا سجدہ سے سر نہ اُٹھاتے۔ ایسے پیارے اور محبوب ترین امام کو یزید ملعون کی فوج نے جو "مسلمان" تھی، سفر کرتے ہوئے راستہ میں گھیر لیا۔ امام حسین علیہ السلام اپنے اہل و عیال اور چند رفقاء کے ساتھ بغیر کسی جنگ و جدل کے ارادہ کے جا رہے تھے۔ ایسی حالت میں ان کو روک لینا اور عورتوں اور بچوں تک کو پانی سے محروم کر دینا اور پیاس کی شدّت کے دباؤ میں ان سے بیعت کرانے کی کوشش کرنا انتہائی بزدلی اور کمینگی کا ثبوت ہے۔

بہرحال جو کچھ ان پر گزری اور جو کچھ کربلا کے میدان میں ظہور میں آیا اس کا ذکر اس وقت نہیں کیا جا رہا بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جان کے خوف سے جناب امام علیہ السلام نے یزید کی اطاعت قبول نہیں کی اور خلافت جیسی مقدس چیز کو جو رسول خدا کی گدی پر بیٹھنے کا دوسرا نام ہے ایک فاسق فاجر شرابی اور زانی کے سپرد کرنا بہت بڑا گناہ سمجھا اور اپنے نانا کے مشن کے بالکل منافی خیال کیا۔ اپنے سب ساتھیوں کو اسلام کی لاج رکھنے کے لئے قربان کرا دیا اور خود بھی شہادت عظمیٰ کا مرتبہ پایا۔

انھوں نے نہایت بہادری سے ہزاروں کو جہنم رسید کر کے اپنے نانا جان کی اُمّت اور صداقتِ اسلام کی خاطر جان دیدی اور کفر کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ ہے وہ چیز جس سے ہمارا سر فخر سے اونچا ہے، اور ندامت سے اس وجہ سے نیچا ہے کہ ہم نے امام حسین کو شہید کرا کر بھی عبرت حاصل نہیں کی اور فسق و فجور سے توبہ نہیں کی بلکہ انہی گناہوں میں مُبتلا ہیں جنھیں یزید ملعون نے اختیار کر رکھا تھا۔ یزیدی سُنّت پر عمل پیرا ہونا اور رسولِ خدا صلعم کی محبّت کا دم بھرنا باعثِ شرم و ندامت نہیں تو کیا ہے۔

بہرحال امام حسین علیہ السلام قیامت تک کے لئے اپنا نام روشن کر گئے اور ایسی مثال پیش کر گئے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

اس موقع کے لئے منظور علی صاحب فاروقی تمنّا بجنوری کیشیئر مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ نے سلام لکھ کر بھیجا ہے جس سے آپ بھی فیض حاصل کیجئے۔

سلام

بحضور جناب سیّد الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام

حسین ابن علی۔ خامسۂ شہ بطحا
حسن کی روحِ رواں جانِ فاطمہ زہرا
غریبِ بیکس و مظلوم سیّد الشہدا
شہیدِ خنجرِ کیں۔ محوِ خوابِ دشتِ بلا
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

بپاسِ شدائدِ کرب و بلا۔ نہ خوف نہ بیم
مقیم منزلِ صبر و رضا بقلبِ سلیم
زباں پہ شکر مصائب سے حالِ قلب سقیم
صحیح نمونۂ ایثار و عکسِ خلقِ عظیم
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

قسیمِ چشمۂ کوثر و ساقیِ تسنیم
امینِ سرِّ امامت۔ کریم ابنِ کریم
بصد ہجومِ مصائب بصرفِ ضبطِ عظیم
کیا رضائے الٰہی میں خم سرِ تسلیم
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

حسین۔ برجِ امامت کے مہرِ تابندا
حسین۔ درجِ شہادت کے گوہرِ یکتا
بحشر وجہِ نجات و بہ دہر اسیرِ بلا
سوارِ دوشِ رسالت مگر پیادہ پا
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

امیرِ یثربِ بطحا۔ امامِ ہر دو جہاں
چراغِ بزمِ رسالت سراجِ نور افشاں
اساسِ محکمِ توحید و کلمۂ یزداں
کریم۔ ساقیِ کوثر۔ امامِ تشنہ دہاں
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

جہاں کو دے گیا درسِ حیات خونِ حسین
ہے بالا از حدِ دستِ ممات خونِ حسین
بنا ہے غازۂ روئے نجات خونِ حسین
بڑھا گیا ہے سلماں کی بات خونِ حسین
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

یہ دن حیات کے روضے سے دور رہ کے کٹے ۔ شہا بسوئے غریباں ز لطف یک نظرے
کبھی جو موقع مقدر سے حاضری کا ملے ۔ وہاں پہنچ کے تمنّا بصد نیاز کہے
علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک

(تمنّا۔ بجنوری)

تفریحات

ریاضی

آج ہم چھوٹے بچوں کی بجائے بڑے بچوں کو جنھوں نے اعشاریہ (Decimals) یعنی دو شملو کا قاعدہ پڑھ لیا ہے ایک دلچسپ بات بتائیں گے۔

یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ اگر کسی عدد کو اس سے بڑے عدد پر تقسیم کریں اور جواب میں وہی ہندسے بار بار آئیں، تو اسے اردو میں اعشاریہ متوالی۔ انگریزی میں Recurring Decimal اور ہندی میں آورت دو شملو کہتے ہیں۔ مثلاً ۲ کو ۳ پر تقسیم کرنے سے اعشاریہ چھ چھ چھ... آتا ہے جیسے (۰٫۶۶۶....) ....666. یا 6̇. لکھتے ہیں اوپر نقطہ دے دینے کے یہ معنی ہیں کہ یہی ہندسہ بار بار آتا ہے۔ اگر کئی ہندسے بار بار آئیں جیسے 357 357 357. تو بجائے ہر ایک ہندسہ پر نقطہ دینے کے پہلے اور آخری ہندسوں پر نقطے لگا دیتے ہیں جیسے 3̇57̇. جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک کے ہندسے بار بار آئیں گے۔

اب اگر ۱ کو ۷ پر تقسیم کریں تو ۱̇۴۲۸۵۷̇. جواب آئے گا یعنی ۱ سے ۷ تک جتنے ہندسے جواب میں آئے ہیں وہ سب بار بار آتے رہیں گے۔

ہمیں دلچسپ بات جو بتانی ہے وہ یہ ہے کہ ۱ سے ۶ تک کسی ہندسہ کو اگر ۷ پر تقسیم کریں تو جواب میں جو ہندسے آئیں گے ان کی ترتیب وہی ہوگی جو اوپر درج کی گئی ہے یعنی ۱ کے بعد ۴ اور ۴ کے بعد ۲ اور ۲ کے بعد ۸ پھر ۵ اور پھر ۷، اور پہلا ہندسہ سلسلہ وار وہ ہوگا جو ۱ سے ۸ تک اس جواب (یعنی ۱̇۴۲۸۵۷̇.) میں آتا ہے۔ مثلاً

1/7 کا جواب ۱̇۴۲۸۵۷̇. ہے۔

2/7 " ۲̇۸۵۷۱۴̇. ہے۔

3/7 " ۴̇۲۸۵۷۱̇. ہے۔ کیونکہ ۳ کا ہندسہ موجود نہیں ہے اس لئے ۲ کے بعد ۴ آیا۔

4/7 " ۵̇۷۱۴۲۸̇. ہے۔

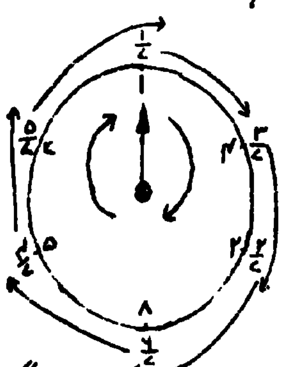
6/7 کا جواب ۸̇۵۷۱۴۲̇. ہے کیونکہ ۵ کے بعد ۶ کا ہندسہ موجود نہیں ہے اس لئے ۷ آیا۔

5/7 " ۷̇۱۴۲۸۵̇. ہے۔

ان جوابات میں دیکھئے پہلا ہندسہ ۱ سے ۸ تک سلسلہ وار ہے سوائے ان ہندسوں کے جو جواب میں ہی نہیں آئے اور جواب کے ہندسوں کی ترتیب بالکل یکساں ہے یعنی ایک ہندسہ کے بعد دوسرا ہندسہ جو آتا ہے وہ سب جوابات میں اسی ترتیب سے ہے۔ مثلاً ۸ کے بعد سب میں ۵ ملے گا۔ ۴ کے بعد سب میں ۲ ملے گا علیٰ ہذا۔

۷ کی تقسیم کے ان تمام جوابات کو ہم یکجائی طور پر دائرہ (حلقہ) کی شکل میں درج کر سکتے ہیں جس سے بہت آسانی ہو جائے گی اور وہ یہ ہے:-

مثال:-



1/7 کو ۷ پر تقسیم کیا تو 1/7 کے سامنے دائرہ کے اندر ۸ لکھا ہے لہٰذا جواب میں پہلا ہندسہ ۸ ہوگا اور ہندسوں کی ترتیب وہی ہوگی جو دائرہ کے اندر تیر کے نشانوں سے ظاہر ہوتی ہے اور جو گھڑی کی سوئی پھرانے سے ظاہر ہوگی یعنی ۸̇۵۷۱۴۲̇.

اسی طرح 5/7 کا جواب دائرہ کے اندر دیکھنے سے ۵ سے شروع ہوتا ہے اور گھڑی کی سوئی کے مطابق چلتا ہے۔ یعنی ۵ کے بعد ۷ پھر ۱، ۴، ۲، ۸ گویا ۵̇۷۱۴۲۸̇. ہوگا۔

آپ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے اور دیکھئے کس قدر دلچسپ ہے۔ پہلا ہندسہ معلوم کرنے کے لئے سلسلہ وار ۱ سے ۸ تک کا وہ ہندسہ ہوگا جو اس میں موجود ہے اور اس کے بعد وہی ترتیب ہوگی جو سب میں پائی جاتی ہے اور جس کا نقشہ اوپر صاف نظر آ رہا ہے۔ (ف۔ ل)

"سنگم" کے پچھلے پرچوں میں اسی قسم کی بہت دلچسپ حسابی باتیں درج ہیں۔ منگا کر پڑھئے۔

بچوں کا اپنا صفحہ

برسات کی بہاریں

"پرچہ دیر سے شائع ہونے کی وجہ سے اس نظم کا لطف جاتا رہا۔ تاہم برسات کی یاد ابھی تک ہمارے سب کے دلوں میں تازہ ہے اور ہم برسات کا خیال کرکے ہی لطف اٹھا سکتے ہیں"

رم جھم رم جھم بوندیں آئیں خوشیوں کا سندیسہ لائیں
مست ہوائیں جھوم رہی ہیں کلیوں کا منہ چوم رہی ہیں
دھرتی کی یہ سوندھی خوشبو باغوں میں کویل کی کو کو
بادل بھورے اودے کالے کومل جیسے روئی کے گالے
ٹھنڈی ٹھنڈی نرم پھواریں دل کو برماتی ملہاریں
بادِ صبا ہے بہکی بہکی پھلواری ہے مہکی مہکی
آموں کی ڈالوں پر جھولے آم رسیلے پھولے پھولے
جامن میٹھی کالی کالی گاتی ہیں چڑیاں متوالی
آؤ بھائی ڈھیرے ڈھیرے کھیت میں چل کر کھائیں کھیرے
اچھلیں، پھسلیں، موج منائیں آم بھی چوسیں، جامن کھائیں

یارو اب کس بات کا ہے غم
آتو گیا برسات کا موسم

(مظفر حنفی ہسوی)

بچوں کی نئی کتابیں

سنگم کتاب گھر نے حال ہی میں بچوں کیلئے مندرجہ ذیل کتابیں شائع کی ہیں جنھیں بچے بیحد پسند کرینگے۔ یہ کتابیں تحفہ یا انعام کے طور پر دی جاسکتی ہیں۔

تاریخی کہانیاں حصہ اوّل و دوم: پہلے حصہ میں تین اور دوسرے میں دو مشہور خواتین کے نہایت سبق آموز حالات زندگی درج کئے گئے ہیں۔ جاسوسی ناول کے مالک ماتاسینٹر کی ایک نہایت قابل استانی نجمہ سلطان کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ ان خواتین کے فوٹو بھی دیے گئے ہیں۔ قیمت فی حصہ ۶ر

شہزادی کی سزا: بھوپال کی ہونہار لڑکی مس حسن بانو تبسم نے بہت اچھا انتخاب کرکے یہ کتاب لکھی ہے۔ قیمت ۵ر

غریبی کس طرح دور ہوئی

(کسی خدمت کو ذلت نہ سمجھو)

"ابو جان میرے لئے کھلونے، میرے لئے مٹھائی اور میرے لئے سونے کے بندے لائے؟" شوکت کے گھر میں قدم رکھتے ہی اس کے تینوں بچے لپٹ گئے۔

"ارے بھئی ذرا ٹھہرو تو سہی —— تم سب لوگ تو گھبرا گئے —— بھئی میں نے تم سب کی چیزیں خرید تو لی ہیں لیکن کیا کروں اتفاق سے ایک دوست کی دکان پر بھول آیا —— اب تو اس کی دکان بند ہو گئی ہو گی۔ کل کو یاد کرکے لیتا آؤں گا ——"

"نہیں ہم تو ابھی لیں گے ابو جان —— آپ روزانہ ایسے ہی باتیں کرتے ہیں۔ کل شام امی نے بھی یہی کہہ کر کھانا نہیں دیا تھا کہ اب دکانیں بند ہو گئی ہیں اس وقت سو رہو صبح کو اس وقت کے حصہ کا کھا لینا —— اور جب صبح کو ہم نے کھانا مانگا تو بہت دیر محلہ میں چکر کاٹنے کے بعد انہوں نے ہمیں اتنا کھانا پکا کر دیا کہ ہمارا پیٹ بھی نہیں بھرا اب ہمیں بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔"

"ہٹو بدتمیزو" —— زاہدہ نے آتے ہی تینوں بچوں کے ایک ایک چپت رسید کر دیا۔ اور وہ تینوں روتے ہوئے دالان میں چلے گئے ——

"زاہدہ یہ تم نے اچھا نہیں کیا —— آخر میں بھی تو ان بچوں کا باپ ہوں —— کیا انھیں مجھ سے بولنے اور بات کرنے کا حق نہیں ہے؟ —— ایک وہ بھی تو بچے ہیں جن سے خود ان کے ماں باپ پوچھا کرتے ہیں کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اور ایک ہمارے بچے ہیں کہ جو ہم سے مانگتے ہیں اور ہم انھیں ان کے شوق کی چیز نہیں دے پاتے —— پھر بھی میں انھیں جھوٹے وعدوں سے دلاسا دینے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے کہ کہیں ان کا بھی ننھا سا معصوم دل ٹوٹ نہ جائے ——

پھر تمھیں بیچ میں بولنے کی کیا ضرورت تھی ـــــ میں بھی تو انھیں مار کر بھگا سکتا تھا ـــــ یہ میری بھی تو اولاد ہیں یا تم ہی ان کی والدہ اور سرپرست ہو ـــــ"

"آپ اس وقت کیسی باتیں کر رہے ہیں ـــــ چلئے پہلے اندر تو چل کر بیٹھیئے۔ دل و دماغ ٹھیک کیجئے۔ پھر میں آپ کو وجہ بھی بتا دوں گی ـــــ" زاہدہ نے مسکرا کر اپنی دونوں مرمریں باہنیں اس کی گردن میں حمائل کر دیں۔

"نہیں! جاؤ میرے سامنے سے" شوکت نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا ـــــ اور کمزور اور فاقہ کش زاہدہ ایک ٹوٹی ہوئی ٹہنی کی طرح زمین پر آ رہی اور اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔

"زاہدہ!" شوکت گھبرا گیا اور اس نے اُسے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا ـــــ

"میرے سرتاج! آپ تو بلاوجہ ناراض ہو گئے۔ میں نے تو بچوں کو اس وجہ سے مار کر بھگایا تھا کہ ایک تو ویسے ہی آپ کو نوکری کی تلاش میں دن بھر مارا مارا پھرنا، ٹھوکریں کھانا اور پریشان ہونا پڑتا ہے، اور گھر میں آنے پر بھی وہی خیالات آپ کے اِرد گرد چکر کاٹتے رہیں ـــــ اور آپ کبھی بھی مُسکرا کر بات نہ کر سکیں ـــــ مجھے ڈر ہے کہ یہ دن رات کی بے روزگاری کی پریشانی شیطان کے کان بہرے آپ کے دماغ پر کوئی اثر نہ کر بیٹھے ـــــ اور پھر ہم سب کا کیا ہو گا ـــــ ہم بھی تو آپ ہی کے دم سے وابستہ ہیں۔ او خدا نہ کرے آپ کے دشمنوں کو بھی کچھ ہو گیا تو ہماری تو زندگی برباد ہو جائیگی۔ ـــــ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کم از کم آپ جتنی دیر گھر پہ رہیں اتنی دیر تو طبیعت بحال رہے ـــــ" زاہدہ کی آنکھوں سے آنسو گر کر شوکت کے کندھوں کو تر کرنے لگے۔

"مجھے معاف کر دو زاہدہ! ـــــ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا ـــــ یہ میرا قصور ہے جس کی وجہ سے تم بے سبب گھائل ہوئیں ـــــ" شوکت نے دفورِ محبت میں بھر کر اسے بھینچ لیا۔

"یہ قصور آپ کا نہیں میرے سرکار! اس پیٹ کا ہے جس کی وجہ سے آپ دن بھر چکر کاٹتے ہیں اور جب شام کو ناکام ہو کر گھر لوٹتے ہیں تو آپ پر دن بھر کی کوفت اور پریشانی کی وجہ سے جھنجھلاہٹ سوار ہو جاتی ہے اور آپ کو معمولی باتوں پر غصہ آنے لگتا ہے۔"

"تم کتنی اچھی ہو زاہدہ! ـــــ کیا بتاؤں جب سے نوکری چھوٹی ہے۔ اب تک تمام محکموں اور دفتروں میں چکر لگا چکا ہوں لیکن ہر جگہ "جگہ خالی نہیں ہے" کا جواب مل جاتا ہے ـــــ اب بتاؤ میں کیا کروں ـــــ سوائے اس کے کہ بی۔ اے۔ پاس ہو کر یا تو رکھشا چلاؤں ـــــ یا پھر ڈلیا ڈھوؤں؟"

"آپ فکر نہ کیجئے میں نے آمدنی کا ذریعہ سوچ لیا ہے صرف آپ کو اتنی تکلیف تو ہوا کرے گی کہ آپ درزیوں سے کپڑا لا کر مجھے دیدیں اور پھر میں سی کر دیدیا کروں گی ـــــ"

"نہیں زاہدہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تم روزی کماؤ"

"اور ہاں آج ایک سپاہی کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ میں صبح کو کوتوالی میں درخواست دیئے دیتا ہوں ـــــ زاہدہ! آج تم نے کپڑے سینے کی اسکیم پیش کر کے مجھے پیٹ کی خاطر، بچوں کی خاطر معمولی سے معمولی کام کرنے کی ترغیب دی ہے ـــــ کیا ہوا میرے باپ بھی تو داروغہ تھے میں تو ...."

"لیکن چوراہے کی نوکری سے بہتر تو گھر پہ سلائی کرنا ہے" زاہدہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو زاہدہ! ـــــ مگر یہ تو سوچو کہ اس نوکری میں ترقی کے امکانات ہیں اور سلائی میں یہ ہے کہ اگر کسی دن خدانخواستہ طبیعت خراب ہو جائے تو گھر میں فاقہ ہو درزی کے پاس کام کی کمی ہو تو پھر وہی دقت ـــــ روز روز درزیوں کی چیخ پکار کہ آج یہ چیز خراب سلی ہے، یہ ہم نہیں لیں گے، اس کے کاج ٹھیک نہیں ہیں اس کے بٹن غلط لگے ہوئے ہیں ـــــ اور پھر یہ بھی کہ پیسے کل لے لینا۔ پرسوں لے لینا۔

[redacted]

یہ تمام شکلیں بھی تو سلائی میں لگی رہیں گی۔"

"ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں!"

"تو پھر کل میں درخواست دے ہی دوں گا ـــــ"

"جیسے آپ کی مرضی" زاہدہ نے کہا۔

دوسرے دن شام کو شوکت نے زاہدہ کو یہ خبر بڑی مسرت سے سُنائی کہ اس کی درخواست منظور ہو گئی اور کل سے وہ نوکری پر جائے گا۔

اور جب پہلے دن وہ چوراہے پر وردی پہن کر کھڑا ہوا تو اس کے دوستوں اور رشتہ داروں میں بہتوں نے تو اُسے دیکھ کر نفرت سے مُنہ پھیر لیا اور کچھ نے مُسکرا مُسکرا کر اُس پر طنز کئے اور وہ خاموشی سے سُنتا رہا ـــــ اور کسی طنز کا خیال نہ کیا ـــــ وہ اپنا کام بڑی خوبی سے انجام دیتا رہا اور چونکہ وہ بی۔ اے پاس بھی تھا اس لئے بھی اُسے ترقی کرنے میں آسانی رہی ـــــ اور اس طرح وہ منزل بہ منزل بڑھتا رہا اور ایک دن ایسا آیا کہ داروغہ ہو گیا ـــــ

وہی لوگ جو اس سے نفرت کرنے لگے تھے اب اس کی خوشامد میں لگے رہتے تھے اور اس نے سپاہی کی نوکری کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ معمولی نوکری کرنے میں شرم کی بات کیا ہے۔

اور جب پہلے دن اسے معلوم ہوا کہ وہ داروغہ ہو گیا ہے تو وہ بہت خوش ہو کر گھر آیا اور زاہدہ کو بُلا کر اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا:-

"زاہدہ! یہ تمہاری ہی وجہ ہے کہ آج میں سپاہی سے داروغہ بنا دیا گیا ہوں۔ اگر تم مجھے راہ نہ دکھاتیں تو آج میں ہرگز اس منزل پر نہ پہنچتا ـــــ اب انشاءاللہ مجھے اپنے بچوں کی فرمائشوں کے لئے بھی بہانے تراشنے کی ضرورت نہیں ہو گی ـــــ اور تمھیں بھی گھر کی ضروریات میں تکلیف اُٹھانی نہیں پڑے گی۔ اور نہ ہی کبھی فاقے ہوں گے۔"

"خدا کا شکر ہے" ـــــ زاہدہ خوشی اور مسرت سے کھل گئی۔ اور شوکت نے فرطِ محبت سے زاہدہ کی پیشانی کو چوم لیا ـــ (طاہر سعید رومانی از بریلی)

ٹوٹے ہوئے ہاتھ والی کیٹ بارلس

(خواجہ صفی احمد صاحب جامعہ ملیہ جامعہ نگر دہلی)

اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ جیمز اوّل ایک اچھا بادشاہ تھا۔ لیکن آج سے تقریباً پانچ سو سال پہلے جب وہ تخت پر بیٹھا تو ملک کی حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ اسے طاقتور امیروں اور نوابوں کا سر کچلنے کے لئے بہت سخت ہونا پڑا جس کی وجہ سے ان میں سے بہت سے اس سے نفرت کرنے لگے تھے ـــــ اور کچھ نے سر رابرٹ گراہم کی سرکردگی میں بادشاہ کو قتل کرنے کی سوچی۔

اب ہوا یہ کہ ایک سردی کے زمانہ میں وہ شہر پرتھ گیا تاکہ وہاں ایک بڑا میلہ منایا جا سکے، اس کی ملکہ اور دوسری عورتیں اس کے ساتھ تھیں۔ اس نے پرتھ کے گرجا گھر میں قیام کیا۔ لیکن اس کے وفادار ہمراہی شہر میں مختلف جگہ منتشر ہو گئے۔ یہیں دغابازوں کو اسے نہتا پکڑنے کا موقع مل گیا۔ معاملہ کو آسان کرنے کے لئے کچھ نوکروں کو سازش میں شریک کیا گیا اور دروازوں سے پیچ اور چٹخنی وغیرہ نکلوا دی گئیں۔ ایک رات کو انھیں موقع مل گیا، جب کہ بادشاہ کے تمام آدمی گرجا گھر سے جا چکے تھے، اور بادشاہ مع ملکہ اور دوسری خواتین کے بغیر کسی اسلحہ کے بیٹھا تھا، اسی عرصہ میں اسلحہ کی جھنکار سُنائی دی، اب اس نے اندازہ لگایا کہ اس کے دشمن اسے قتل کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ اور وہ نہتا ہونے کی وجہ سے ان سے لڑ بھی نہیں سکتا۔ لیکن فرش کے تختوں کے نیچے ایک تہ خانہ تھا۔ اس نے تختے اٹھائے اور اندر داخل ہو گیا، عورتوں نے باغیوں کے آنے سے پہلے جلدی سے تختے پھر لگا دیئے۔ باغیوں نے جب بادشاہ کو نہیں پایا تو اوپر نیچے اور اِدھر اُدھر اس کی تلاش شروع کی۔ بادشاہ اور دوسری عورتوں نے یہ سوچ کر کہ خطرہ ٹل گیا ہے تختے ہٹانے شروع کئے تاکہ جیمز باہر نکل سکے۔

لیکن اسی وقت انہوں نے پھر اسلحہ کی آواز سُنی کیونکہ غداروں میں سے ایک کو تہ خانہ یاد آگیا تھا اور وہ جلد جلد لوٹ رہے تھے، بادشاہ کے بھاگ نکلنے کی اب کوئی امید نہیں تھی اور ان تمام تختوں کو ڈھکنے کا وقت بھی نہیں تھا، بدقسمتی سے دروازہ میں کوئی چٹخنی یا سلاخ بھی نہیں تھی، صرف چھلّے تھے جن میں سلاخ ڈال کر دروازہ کو بند کیا جاسکتا تھا، لیکن سلاخ غائب کی جاچکی تھی۔

خیال کی تیزی کے ساتھ، ملکہ کی ایک نوکرانی جس کا نام کیتھرائن ڈگلس تھا دروازہ کی طرف جھپٹی اور اپنا ہاتھ ان چھلّوں میں ڈال دیا تاکہ دروازہ نہ کھل سکے اور چلّاتی رہی کہ آدمی اندر نہ آئیں، کمرے میں سوائے عورتوں کے اور کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں تھا، لیکن غصّہ سے بھرے ہوئے آدمیوں نے اس کی چیخوں پر کان نہیں دھرا۔ اور برابر دروازے پر زور لگاتے رہے، آخر کہاں تک ایک نازک ہاتھ، مردوں کی قوّت کے آگے لوہے کی سی طاقت لاکر دروازہ کو بند رکھ سکتا، افسوس! غریب کیتھرائن کے ہاتھ کی دھجّیاں اُڑ گئیں، اور وہ غدّار اندر داخل ہوگئے اور فرش کو دیکھ کر تختے اُٹھادئے اور بادشاہ کو قتل کردیا۔

یہ بہادرانہ فعل اگرچہ بے کار تھا لیکن کیتھرائن ڈگلس کا نام تمام ملک میں پھیل گیا۔ اور لوگ اسے کیٹ بارلس کے نام سے یاد کرنے لگے۔

آہ! غریب نوکرانی! جس نے دروازہ کو اپنے نازک ہاتھوں سے روکنے کی کوشش کی، اس امید میں کہ شاید بادشاہ کی جان بچ جائے!!

پیارے بچّو اور بچیو! تم نے دیکھا کہ کس طرح ایک بہادرانہ فعل سے اس نوکرانی نے اتنا نام پیدا کیا اگر تم بھی دنیا میں نام حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہمیشہ اپنے محسن کے ساتھ وفاداری کرو۔ تو آؤ وعدہ کرو کہ کبھی کسی کو دھوکہ نہ دوگے۔ (ترجمہ)

لطیفہ

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ایک دفعہ خان خاناں اور راجہ مان سنگھ شطرنج کھیلنے بیٹھے۔ شرط یہ لگی کہ جو ہار جائے وہ بلّی کی بولی بولے۔ خاں صاحب نے جب دیکھا، کہ بازی ہارنے لگے تو جھٹ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے ایک بات یاد آگئی ہے جو بادشاہ سلامت کے پاس جاکر کہنی ہے۔ واپس آکر پھر کھیلوں گا۔ راجہ نے جھپٹ کر دامن پکڑ لیا کہ یا تو کھیلو ورنہ ہار مان کر بلّی کی بولی بولو۔ خاں صاحب نے دیکھا کہ اب مشکل آپڑی، تو آپ بلّی کی آواز کی طرح آواز نکال کر بولے:-

"راجہ بگزارید (راجہ چھوڑ دو) می آیم۔ می آیم۔ می آیم۔ می آیم" (میں ابھی آتا ہوں۔ آتا ہوں۔ آتا ہوں۔ آتا ہوں) راجہ مان سنگھ یہ سُن کر خوب ہنسے اور دامن چھوڑ دیا۔

(دربار اکبری از آزاد دہلوی)
(منقول از منتخبات اُردو)

براہ کرم یہ چند باتیں نوٹ فرمالیجئے

۱۔ جواب کیلئے ہمیشہ جوابی کارڈ لکھیئے یا ٹکٹ بھیجیئے۔

۲۔ رسالہ کا وی پی نہیں بھیجا جاتا اسمیں آپکے نو آنے زیادہ صرف ہونگے اس لئے اس کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیے۔

۳۔ منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نام اور پتہ بہت صاف لکھئے۔

۴۔ پہلے سال کے خریداروں کی خدمت میں نہایت ادب اور معذرت کے ساتھ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ دوسرے سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

۵۔ پچھلے سال کی مکمل فائلیں ابھی کچھ باقی ہیں آپ دو روپے میں منگا لیجئے محصول ڈاک اور رجسٹری کا خرچ ہم ادا کرینگے۔ پرانی فائلیں اخبارات کی خبروں کی طرح بیکار نہیں ہیں بلکہ نہایت قیمتی مضامین اور معلومات سے پُر ہیں۔

۶۔ اپنے بچّوں کو سنگم بال سبھا کا ممبر بنایئے یا تو ۸ روپیہ ماہانہ ادا کیجئے یا ایک مُشت پانچ روپے ادا کیجئے جسکے عوض سال بھر میں چھ روپے کی کتابیں بچانیگی اور محصول ڈاک بھی ہمارے ذمّہ ہوگا۔ کتابیں بچوں کی عمر اور قابلیت کے لحاظ سے دلچسپ اور پُر از معلومات ہونگی جو کتاب ناپسند ہو اسکے بدلے دوسری لے سکتے ہیں۔

۷۔ رسالہ میں درج ہونے کیلئے جو مضامین بھیجے جائیں وہ کاغذ کے ایک ہی طرف ہونے چاہئیں اور روشنائی سے صاف لکھے ہوئے ہوں۔

[redacted]

طبی چٹکلے

معمولی سے معمولی مرض سے بھی غفلت نہ برتو۔ فوراً کسی اچھے حکیم کو دکھاؤ۔ اگر ڈاکٹر یا حکیم جلدی نہ مل سکیں تو پھر اس قسم کے چٹکلوں اور ٹوٹکوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے جو ہم وقتاً فوقتاً درج کرتے رہتے ہیں۔ جب حکیم آجائے تو اسے بتادو کہ ہم نے مریض کو یہ دوا دی ہے۔

قے اور متلی روکنے کے لئے

(۱) اُجلے چندن (سفید صندل) کو پانی میں پیس کر لیپ جیسا بنا لیجئے ایسا دو تولہ لیپ اور چار تولہ آملہ کا رس ملا کر شہد کے ساتھ چاٹنے سے متلی بہت جلد رُک جائے گی۔

(۲) بڑی الائچی کے دانوں کو چار یا پانچ گھنٹہ تک پانی میں بھگو لیجیے پھر اس پانی کو چھان کر پینے سے متلی کو فائدہ ہوگا۔

(۳) پیپل کے درخت کی سوکھی ہوئی چھال کو جلا کر سُرخ کر لیجیے اور اسے مٹی کے برتن میں پانی ڈال کر بجھا لینا چاہیے۔ اس بجھے ہوئے پانی کو چھان کر پینے سے قے آنا بہت جلد بند ہو جاتا ہے۔ متلی روکنے کی یہ بہت اچھی دوا ہے۔ اور گاؤں میں پیپل کی چھال کا ملنا بہت آسان بھی ہے۔

(۴) گرج کے ایک تولہ رس میں آدھا تولہ شہد ملا کر پینے سے متلی میں فائدہ ہوتا ہے۔ تازہ گرج کا رس ملے تو بہت اچھا ہے ورنہ اس کا کاڑھا بنا کر رکھ لینا چاہیے۔

(۵) مور پنکھی کو مٹی کے برتن میں مٹی کے ڈھکنے سے بند کر کے کپڑے اور مٹی سے منہ بند کر دیجیے پھر اُپلے (کنڈے) کی آگ میں رکھ دیجیے مور پنکھی جل کر کالے رنگ کی راکھ بن جائیگی۔ اسے شہد کے ساتھ کھانے سے متلی کی بیماری بہت جلد اچھی ہو جاتی ہے۔ دو یا تین رتی سے زیادہ نہ کھائیے اور بچوں کو انکی عمر کے لحاظ سے آدھی یا چوتھائی خوراک دینی چاہیے۔

(۶) چھوٹی الائچی۔ لونگ۔ ناگ کیسر۔ ناگرموتھا۔ بیر کی گٹھلی کے اندر کا گودا دھان کا لاوا۔ لال چندن اور پیپل ان سب کو ہموزن لیکر کوٹ پیس کر چھان لیجئے یہ چورن قے اور متلی کی بہت اچھی دوا ہے۔ ایک یا دو ماشہ سفوف مصری یا شہد کے ساتھ کھانے سے بہت جلد فائدہ ہوتا ہے۔ سخت سے سخت قے اور متلی کی بیماری فوراً بھاگ جاتی ہے۔ (منقول)

کوہی راج سنگھ رلم پرشاد بی ایس سی ایوویدیہ

پسلی چلنا

بچوں میں پسلی چلنے کی بیماری بہت مہلک ثابت ہوتی ہے ذیل کا نسخہ استعمال کرنے سے یقیناً فائدہ ہوگا:— نیولے کو مار کر زمین میں دفن کر دیں تقریباً بیس بائیس دن میں گوشت ختم ہو جائیگا صرف پسلیاں رہ جائیں گی انھیں نکال کر باریک پیس کر رکھ لیں ذرا سا یہ سفوف پانی میں گھول کر پسلی پر لیپ کر دیں پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیں۔

ہچکیوں کی بیماری

دو ماشہ رائی پیس کر تھوڑے سے پانی میں گھول کر رکھ دیں بیس منٹ کے بعد وہ پانی پی لیں ہچکی بند ہو جائیگی۔

دانتوں کی بیماری

پھٹکری کی کھیل (آگ پر) کرلو اور باریک پیس کر شیشی میں رکھ لو صبح کو اس سے دانت مانجھنے سے موتی کی طرح چمکنے لگیں گے اور بدبو بھی دور ہو جائیگی۔ ہمیشہ استعمال کرنے سے دانت مضبوط رہیں گے۔ بہت سستا اور مجرب نسخہ ہے۔

چہرہ کی خوشنمائی کے لئے

گرم پانی میں لیموں کا عرق ملا کر منہ دھونے سے چہرہ کی رنگت صاف ہو جاتی ہے اور کالی شکل کے انسان کا رنگ بھی گورا ہو جاتا ہے اور سیاہی میں بہت کمی ہو جاتی ہے۔ (ستارہ۔ رام پور)

تنقید و تبصرے

سبزی کی کاشت

جب سے یونیورسٹی کمیشن نے ۱۹۵۰ء میں سفارش کی تھی کہ جامعہ ملیہ کو ایک دیہی یونیورسٹی میں منتقل کر دینا چاہیئے اس وقت سے جامعہ کے ذمہ دار کارکن اس کی ترقی میں ہر وہ قدم اُٹھانے کی فکر میں رہتے ہیں جو جامعہ کو دیہی یونیورسٹی بنانے میں مدد معاون ہو سکے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے اپنے قابل پروفیسر معاشیات جناب محمد عاقل صاحب ایم اے کو انگلستان اس غرض سے بھیجا کہ وہاں وہ مختلف اداروں میں گھوم پھر کر اور ان مسائل کے ماہروں سے مل کر معلومات حاصل کریں کہ جامعہ ملیہ کو دیہی یونیورسٹی بنانے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ تقریباً ایک سال تک مشاہدہ کرنے اور اعداد و شمار فراہم کرنے اور ماہرین سے مشورے کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اپنے محدود وسائل کی بناء پر جامعہ کو فی الحال ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں جو دیہی اور زرعی مسائل کی تحقیقات کر سکیں، اور دیہات میں تعلیمی اور سماجی کام شروع کر سکیں۔ چنانچہ منجملہ دیگر اداروں اور شعبوں کے ایک ادارہ "انسٹی ٹیوٹ آف اگریکلچرل اکنامکس اینڈ رورل سوشیالوجی آف جامعہ ملیہ نئی دہلی" یعنی "ادارہ معاشیات زرعی و اجتماعیات دیہی" کے نام سے ستمبر ۱۹۵۲ء میں قائم کیا گیا جس کا ڈائرکٹر پروفیسر عاقل صاحب کو بنایا گیا۔

عاقل صاحب نے دہلی شہر کے جنوب مشرقی علاقہ کے اکیس ۲۱ دیہات کا ایک حلقہ بنا کر وہاں کے بعض مسائل کا جائزہ لینے کا پروگرام مرتب کیا اور سب سے اوّل دودھ کی پیداوار اور سبزی کی کاشت کی تحقیقات کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ صرف چھ مہینے کی مدّت میں ان کاموں کی مکمل تحقیقات اور مطالعے کے بعد نہایت مفید اور پُر از معلومات رپورٹ تیار کرائی۔ یہ کام انہوں نے اپنے لائق اور ہوشیار شاگردوں سے لیا جنھوں نے بہت محنت اور ذمہ داری سے اپنے فرائض انجام دئے اور ایسے اعداد و شمار فراہم کئے جو نہ صرف اس حلقہ کے تمام دیہاتی بھائیوں کے لئے بلکہ ہر اُس شخص کے لئے جسے ان مسائل سے دلچسپی ہو بہت مفید اور کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں اور جنھیں بغور مطالعہ کرنے اور ہر موقع پر مدِنظر رکھنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے سے اُن کے کاروبار کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور وہ دودھ کی پیداوار یا سبزی کی کاشت میں بہت ترقی کر سکتے ہیں اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے ہر قسم کے نقصانات سے بچ سکتے ہیں۔

اس ادارہ نے دودھ کی پیداوار کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی پیداوار کو بڑھانے اور بہتر بنانے کے لئے جو رپورٹ تیار کی ہے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے جس کی قیمت اڑھائی روپے ہے لیکن یہ کتاب فی الحال انگریزی زبان میں شائع کی گئی ہے۔

دوسری کتاب جو زیر تبصرہ ہے اور جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں "سبزی کی کاشت" ہے وہ اردو زبان میں ہے۔ یہ جامعہ کے گریجویٹ عبدالستار صاحب کی محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ عبدالستار صاحب نے اپنے طالب علمی کے زمانے ہی میں جبکہ وہ ہائی اسکول میں تعلیم پاتے تھے جامعہ کے متصل کاشتکاروں سے زمینیں پٹہ پر لے کر تعلیم کے ساتھ ساتھ سبزی کی کاشت کا کام شروع کر دیا تھا جسے وہ اب تک نہایت نامساعد حالات میں بھی کرتے رہے اس لئے اس ادارہ میں کام کرنے سے کئی سال پہلے سے وہ اس کا بہت زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو رپورٹ مرتب کی اور اعداد و شمار فراہم کئے اس کے بہت اہم حصّے کتابی شکل میں ادارہ کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں بقیہ حصّے کہ وہ بھی قیمتی معلومات سے پُر ہیں محض اس وجہ سے شاملِ کتاب نہیں کئے گئے کہ کتاب کی طباعت کے مصارف بہت بڑھ جاتے۔ اب بھی لاگت کی لاگت پر اس کی قیمت مقرر کی گئی ہے اس کتاب میں ۱ سبزی کی کاشت کے طریقوں سے مکمل بحث کی گئی ہے۔ ۲ سبزی کے ساتھ دوسری جزوی پیداواروں کا ذکر ہے۔ ۳ فی بیگھ آمد و خرچ میں کمی بیشی کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ۴ کچھ نمونے کی آمدنیاں اور لاگتیں بھی درج کی گئی ہیں۔ پھر ۵ سبزی کی لاگت اور آمدنی کا مقابلہ اناج سے کیا گیا ہے۔ ۶ دہلی میں سبزی بونے والی برادریوں، اور

[redacted]

عـ۷ اصل کاشتکاروں کا ذکر ہے۔ عـ۸ گرمی۔ عـ۹ سردی۔ عـ۱۰ برسات کی سبزیوں کی تفصیل دی گئی ہے اور عـ۱۱ ان سبزیوں کی کاشت کے آمد و خرچ کے نقشے اور گوشوارے بہت محنت سے تیار کئے گئے ہیں۔ ان گوشواروں سے مندرجہ ذیل معلومات ایک ہی نظر میں حاصل ہو سکتی ہیں (۱) نام سبزی (۲) بیج ایک بیگہ میں (۳) بونے کا وقت (۴) پود بدلنے کا وقت (۵) کاشت کا طریقہ (۶) فصل تیار ہونے کا وقت (۷) اوسط پیداوار فی بیگہ وغیرہ وغیرہ۔

ہم جامعہ ملیہ کو۔ اس کے اس ادارہ کے ڈائرکٹر پروفیسر محمد عاقل صاحب اور کتاب کے مصنف عبدالستار صاحب بی اے کو ایسی مفید کتاب تیار کرنے پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت دہلی کی وزارت ترقیات اس کتاب کو اپنے صوبہ کے لئے نہایت مفید خیال کرے گی اور اس کے مندرجہ اعداد و شمار سے فائدہ حاصل کریگی۔ ہماری خواہش ہے بلکہ ہم پر زور سفارش کرتے ہیں کہ جن اصحاب کو سبزی کی کاشت کا شوق یا اس سے لگاؤ ہو وہ ضرور اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر اس کے مصنف کے تجربوں سے فائدہ اٹھائیں یہ کتاب نہایت عمدہ کاغذ پر اور $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز پر نہایت عمدہ چھپی ہے اور پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت اڑھائی روپے (عـ۲/۸) ملنے کا پتہ سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار۔ دہلی۔

گیان سروور

مرکزی حکومت کی خواہش پر مکتبہ جامعہ نے ہندی میں بچوں کے لئے انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کا کام شروع کیا تھا جو تقریباً مکمل ہو چکا ہے اور اب اس کی چھپائی ہو رہی ہے۔ فی الحال پہلی جلد چھپ کر مارکیٹ میں آگئی ہے۔ بقیہ جلدیں بھی جلد آجائیں گی۔

عام طور سے انسائیکلوپیڈیا حروف تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے لیکن یہ کتاب بچوں اور معمولی پڑھے لکھے عوام کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے مختلف عنوانات کے تحت اور مختلف مضامین کے لحاظ سے لکھی گئی ہے تاکہ ہر قسم کی باتوں کے متعلق تھوڑا تھوڑا علم ان کو ہو سکے۔ اس میں زمین۔ آدمی۔ ہندوستان کے پڑوسی ممالک دنیا کے بڑے بڑے انسانوں، ادیبوں، شاعروں، پرند و چرند حشرات الارض۔ زراعت۔ ایجادات۔ گھریلو دستکاریوں کھلے میدان کے کھیلوں مشہور عمارتوں۔ پہاڑوں وغیرہ وغیرہ کے متعلق مفید معلوماتی مضامین مناسب عنوانات کے تحت درج کئے گئے ہیں اور ان سب کے متعلق جا بجا متعدد دلچسپ فوٹو بلاکس اور مختلف خاکے دیئے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ جلدوں میں بھی مضامین کی ترتیب مختلف معلومات کے لحاظ سے ہی رکھی گئی ہو گی۔ کتاب بہت شاندار چھپی ہے اور کاغذ اور چھپائی کے لحاظ سے مغربی ممالک کا مقابلہ کرتی ہے۔ اور چونکہ حکومت کی طرف سے شائع کی گئی ہے جس نے ملک میں تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے نیک نیتی سے پروگرام مرتب کیا ہے اس لئے اس کی قیمت بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ ٹائپ میں عمدہ کاغذ پر ایسی باتصویر حسین چھپائی کی ۲۱۴ صفحات کی کتاب $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز پر مجلد اور خوشنما گرد پوش کے ساتھ صرف دو روپے (عـ۲) میں دی جاتی ہے۔

اس کی ہندی بالکل آسان ہے۔ جو عام طور سے روز مرہ بولی جاتی ہے جس کا دوسرا نام ہندستانی ہے۔ ہم مکتبۂ جامعہ کو اس کتاب کی تیاری اور اشاعت پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ اور ہمیں یقین کامل ہے کہ جو شخص بھی اس کتاب کو دیکھے گا وہ یقیناً ہماری رائے سے اتفاق کریگا۔ اور اس کا گرویدہ ہو کر مزید جلدوں کی تیاری کا بے تابی سے منتظر رہے گا۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ صاحب استطاعت حضرات اسے خرید کر بطور انعام کے یا تحفہ کے طور پر دوسروں کو پیش کریں۔ یہ کتاب سنگم کتاب گھر سے بھی انہی داموں میں مل سکتی ہے۔

نئے زاویے

دہلی سے یوں تو سینکڑوں پرچے نکلتے ہیں جن میں اردو کے روزنامے، سہ روزے۔ ہفتہ وارئے پندرہ روزے۔ ماہنامے۔ سہ ماہی وغیرہ لاتعداد ہیں۔ لیکن بھاٹک حبش خاں کی زمین سے جو پودا نکلتا ہے وہ اپنی خوشنمائی۔ ترو تازگی نفاست سلیقہ اور مقبولیت اور عوامی کشش میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ کون نہیں جانتا کہ ماہنامہ شمع اپنی مقبولیت اور کثرت اشاعت میں سب پر فوقیت لے گیا اور ہندستان و پاکستان میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی ہاتھوں ہاتھ نکل جاتا ہے۔ بچوں کے لئے ماہانہ کھلونا اور

عوام کے لئے آئینہ ہفتہ وار بے مثل اور کثیر الاشاعت پرچے اس ادارہ کی طرف سے شائع ہوتے ہیں۔

اب اسی علاقہ سے ایک ننھا مُنّا سا پرچہ چھبی سائز پر جناب شفیق الرحمٰن صاحب دہلوی کی ادارت میں ہر مہینے جون ۱۹۵۵ء سے نکلنا شروع ہوا ہے جو $\frac{18 \times 22}{16}$ سائز پر ہے۔ یہ اگرچہ بہت چھوٹا سائز ہے لیکن چونکہ فوٹو بلاکس میں چھپتا ہے اس لئے اس کا ٹائپ بھی باریک ہو جاتا ہے اور اس کا چھوٹا صفحہ اسلئے دو چند صفحے کے مضمون سے کم نہیں ہوتا اس کی ضخامت بھی مع ٹائٹل ۸۸ صفحے کی ہے۔ نہایت عمدہ آرٹ پیپر استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹائٹل پر ہر مرتبہ نہایت عمدہ سینری کا عکس ہوتا ہے اور اندر مضامین کے لحاظ سے فوٹو بلاکس کی متعدد تصاویر ہوتی ہیں۔ اس تمام محنت اور سلیقہ کے اعتبار سے قیمت پانچ روپے سالانہ بہت کم ہے۔

مضامین کے لحاظ سے البتہ صحیح رائے دینی بہت مشکل ہے مگر اس میں ہر مذاق کے لوگوں کے لئے دستر خوان ضرور بچھا ہوا ہے اور ہر شخص نہایت مزے لے لے کر لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ بچوں کے لئے۔ بڑوں کے لئے۔ ادیبوں کے لئے۔ شاعروں کیلئے سائنسدانوں کے لئے عورتوں کے لئے فلمی پرستاروں کے لئے۔ سب کیلئے مضامین بہت اچھے اور معیاری نظر آتے ہیں۔ معمّوں کا سلسلہ اس کا ہمیں بہت پسند آیا اور اس میں یقیناً جدت کی گئی ہے اور دماغ لڑانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حسابی معمّے ہیں اور غالباً اپنی نوعیت کے لحاظ سے سب سے پہلے اس شکل میں پیش کئے گئے ہیں۔ خوان نعمت کے تحت مختلف کھانوں کی ترکیبیں، حلوے، اچار وغیرہ کا نہایت قیمتی معلوماتی ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کی ورزشیں۔ افزائش حُسن کے لئے طبّی اور دوسرے مشورے اس میں آپ کو ملیں گے۔ کوڈ اردو کے نام سے بہت جدت آمیز سلسلہ تحریر شروع کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی کو ایسا خط لکھنا ہو جسے کوئی اور نہ سمجھ سکے صرف مکتوب الیہ یا جو اس طرز اور طریقہ سے واقف ہو وہی سمجھ سکتا ہے وہ کس طرح یہ خفیہ تحریر کا طریقہ اختیار کرے اس کی مناسبت سے اسکا نام کوڈ اردو رکھا گیا ہے کہ اردو میں اگر خفیہ خط لکھا جائے تو کن حروف یا کن الفاظ کے کیا معنی لئے جائیں گے۔ یا وہ حروف کس طرح استعمال کئے جائیں گے۔ غرض تمام خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ افسانے اور نظمیں یا بچوں کے لئے مضامین سب معیاری ہیں اور با مذاق خیالات کا آئینہ اور نچوڑ ہیں۔ لیکن دو چیزوں کی شکایت نہ کی جائے تو دل نہیں مانے گا۔ ایک تو وہ تصویر ہے جو ہر ماہ اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے دی جاتی ہے کہ "آئندہ نسلوں میں بقائے حُسن کے لئے ایسی خوش اندام ہیئت کا تصور بھی لازمی ہے" اس تصویر کو ہم اپنے بچوں یا لڑکیوں کے سامنے نہیں رکھ سکتے اگرچہ موجودہ دور میں ایسی تصویروں کو آرٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ان کی مقبولیت بڑھتی جاتی ہے لیکن ہم ذرا اس سے کچھ مختلف خیال کے مالک ہیں تاہم ان میں بھی بعض مرتبہ کم اعتراض کی ہوتی ہیں جنھیں ایک حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے۔ دوسری چیز اس کا باریک فوٹو ٹائپ ہے جو اگرچہ بہت صاف اور ستھرا ہے لیکن پھر بھی کچھ دیر تک مسلسل پڑھنے کے بعد آنکھوں اور دماغ پر یقیناً تکلیف دہ اثر پیدا کرتا ہے اور اگر روشنی زیادہ اچھی نہ ہو نورات کو پڑھنے میں تو بلاشبہ دشواری محسوس ہوتی ہے یا دن میں بند کمرے میں بھی آسانی سے پڑھنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے کمزور نظر والوں کے لئے تو باعث تکلیف ہے ہی بچوں کے لئے بھی خرابی کا باعث بن جاتا ہے تاہم شفیق الرحمٰن صاحب اور اُن کے رفقائے کار کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اردو کی بقاء اور تحفظ کے لئے ایک خاص مقام پیدا کر لیا ہے اور وہ اپنے مشن میں ہر طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ خدا کرے یہ پرچہ پھلے پھولے اور "اردو کوئی زبان نہیں" کہنے والوں کو ترماتا رہے۔ ہم ہر اردو جاننے والے سے سفارش کریں گے کہ وہ کم از کم ایک پرچہ ضرور منگا کر پڑھیں جس کی قیمت آٹھ آنے ہے۔ مفت منگانے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔

ماہنامہ مسیح الملک دہلی

حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم و مغفور دہلی کے مشہور ... اندان کے نہایت لائق طبیب تھے۔ حکومت نے "... دیا تھا لیکن ملکی خدمت کا جذبہ ان ... وطن کے سچے شیدائی تھے۔ گاندھی ... شروع کی تو حکیم صاحب نے پوری ... جو حکومت انگریزی کا عطا ...



ورنلے احسانات کا

فوراً "مسیح الملک" کا خلعت پہنایا۔ وہ یونانی اور آیورویدک طریقہ ہائے علاج کی ترقی کے بہت خواہاں تھے چنانچہ اس کی ازسرِ نو تنظیم کا بیڑا اُٹھاکر انہوں نے انھیں زندہ کرنے اور عروج پر پہنچانے کا منصوبہ باندھا۔

انہوں نے محسوس کیا کہ ملک میں انگریزی علاج (ایلوپیتھک) کے میڈیکل کالج اور اسکول تو ہیں لیکن دیسی علاجوں کا کوئی باقاعدہ مدرسہ نہیں ہے اور فنِ طبابت کی تعلیم سینہ بسینہ نجی طور سے ہوتی ہے اور شائقین علمِ طب مختلف حکیموں اور طبیبوں کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے اور انہی سے فیض حاصل کرتے ہیں یہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے باقاعدہ نصابِ تعلیم مرتب ہونا چاہیے اور باضابطہ کالج قائم ہونے چاہئیں۔ چنانچہ دہلی میں انہوں نے طبیہ کالج قائم کیا جس میں یونانی اور آیورویدک دونوں علاجوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور مستند اُستاد اور وید ملازم رکھے اور ایک شاندار عمارت اور ہوسٹل اور شفاخانہ اور مریضوں کے رہنے کے کمرے تیار کرائے اور طبیہ یونیورسٹی بنانے کی اسکیم مرتب کی۔ انہوں نے عورتوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا بلکہ ان کی طبی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ اس عمارت (طبیہ کالج) کا سنگِ بنیاد وائسرائے کے ہاتھ سے رکھوایا گیا لیکن اس کا افتتاح مہاتما گاندھی سے کرایا گیا۔ گویا اس عرصہ میں دُنیا بدل چکی تھی، اور خیالات پلٹا کھا چکے تھے۔ اس درسگاہ کے مستقل اخراجات کے لئے آپ نے ہندوستانی دواخانہ قائم کیا جس میں اپنے خاندانی مجربات کے علاوہ تمام مُفرد اور مُرکب ادویات کے نہایت خالص اور عمدہ مہیا کئے جانے کا خاطرخواہ انتظام کیا اور اس کی کل آمدنی طبیہ کالج کے لئے وقف کر دی۔

حکیم صاحب کو ایک اور لگن جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تھی جسے علی گڈھ سے دہلی منتقل کرانے میں ان ہی کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا تاکہ یہاں اس کی نگرانی آسانی سے کرسکیں، ابھی یہ ادارے ابتدائی حالت ہی میں تھے کہ حکیم صاحب کا انتقال اچانک رامپور میں ہو گیا جبکہ وہ نواب صاحب کے بلانے پر وہاں گئے ہوئے تھے۔ اور ان کا جنازہ دہلی لایا گیا،

ان کی آنکھ بند ہوتے ہی دونوں اداروں میں ہلچل مچ گئی، وَسیا سلہ دونوں کو مختلف پیچیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ حکیم صاحب حشرات الارض تاج کے بادشاہ تھے اور ملکی آزادی کی تحریک میں گاندھی جی کو جتنا اعتبار ان پر تھا اتنا کسی اور پر نہ تھا۔ جب کبھی گاندھی جی کی نظربندی یا گرفتاری کا حکم آیا۔ انہوں نے ہمیشہ حکیم صاحب کو ہی اپنا جانشین نامزد کیا۔ حکیم صاحب کی شرافت، منکسر المزاجی اور قومیت کی کہانی بہت طویل ہے۔ اس وقت تو صرف سرسری طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی بدقسمتی صرف اتنی تھی کہ وہ ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے تھے جو ہندوستان میں مُردہ پرستی کے باوجود انکی یادگار بلکہ کسی بھی محسن رہنما کی یادگار قائم نہیں کرسکی۔ یا اس میں یادگار قائم کرنے کی حس ہی نہیں رہی۔

لاکھوں جانیں انہوں نے اپنے لاجواب علاج سے بچائی ہوں گی۔ ہزاروں حاجتمندوں کی ضرورتیں پوری کی ہوں گی۔ سینکڑوں کو مُفید مشوروں سے مالا مال کیا ہوگا۔ لیکن ان کے مرنے کے بعد کسی نے بھی سر جوڑ کر بیٹھنے اور ان کی یادگار پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بے حسی کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔

ملک میں اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ کسی سڑک کو ان کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے یا کوئی پارک ان کے نام سے پُکارا جاتا ہے بس اللہ اللہ خیر صلّا۔

ان کا اصلی کام طبیہ کالج تھا اس کے انتظام کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں رہے اور ہندوستانی دواخانہ کی لاکھوں کی آمدنی کس کے حکم سے صَرف کی جائے اس پر جھگڑے شروع ہوگئے اور جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔ آخر کار اس کی نیا ڈگمگانے لگی اور وہ منجدھار میں پھنس گئی اور اب تو گاندھی جی کے مرنے کے بعد ملک کی فضا ایسی مسموم ہوگئی ہے کہ معاملہ بہت زیادہ پیچیدہ ہوگیا ہے۔ ہم تو یہی رونا رو رہے تھے کہ حکیم صاحب سے مسلمانوں نے بے اعتنائی برتی اور کوئی بھی کام ان کی یادگار کے لئے نہیں کیا۔ لیکن اب پورے ملک سے شکایت ہے کہ وہ حکیم صاحب مرحوم کی خود قائم کردہ چیز کو بھی قائم نہ رکھ سکا۔ بلکہ اس فن کو ہی ملک سے نیست و نابود کرنے کی فکر میں ہے جس کی ترقی سے پورے ملک کا وقار بڑھتا ہے اور جس سے ملک کی تقریباً ستّر فی صدی آبادی مستفید ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں بھی فرقہ وارانہ جذبات سے کھیلا جارہا ہے۔ ایک جماعت مغربی طریقہ علاج (ایلوپیتھی) کی دلدادہ ہے۔ حالانکہ حکیم صاحب نے بھی اس کو مفید سمجھ کر طبیہ کالج کے نصاب میں اس کے بعض مفید حصّوں کو داخل کیا تھا۔ خصوصاً

سرجری کو نہایت ترقی یافتہ اور بے مثل قرار دے کر اس میں مہارت پیدا کرنا ضروری قرار دیا تھا اور دونوں طریقہائے علاج (دیسی اور انگریزی) کو باہم ملانے کی کوشش کی تھی جس کے لئے ایک شعبۂ ریسرچ کا بھی قائم کیا تھا۔ ایک جماعت ایسی ہے جو دیسی علاج کی حمایت میں صرف آیورویدک کی سرپرستی کرنی چاہتی ہے اور یونانی کو زندہ دفن کر دینا چاہتی ہے۔ جس کی غالباً یہ وجہ ہے کہ یہ فن عربی۔ فارسی اور اردو کی کتابوں میں محفوظ ہے اور اسے صرف مسلمانوں کا سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال اس وقت ان باتوں کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ اتنا جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کام کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا جائے جس کا بیڑا بہت سے حامیانِ طب یونانی نے اٹھایا ہے اور وہ کانفرنسیں منعقد کر کے، لٹریچر شائع کر کے، یونانی شفاخانے قائم کر کے۔ مفت علاج کر کے اور بہت سے دیگر ذرائع اختیار کر کے اس اہم خدمت کو انجام دے رہے ہیں کہ ملک کو ان آندھیوں اور طوفانوں سے محفوظ رکھا جائے۔

ہمیں خوشی ہے کہ حکیم صاحب مرحوم کی یاد منانے کے لئے آخرکار ان کے انتقال کے "صرف" ستائیس سال بعد دہلی میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی اور چند ذی حس اصحاب کو اس کا خیال تو پیدا ہوا۔ چلئے ہم سمجھ لیتے ہیں "دیر آید درست آید" یہ کمیٹی حکیم صاحب کے مشن کو نہ صرف دہلی میں بلکہ ملک کے دوسرے حصّوں میں بھی کامیاب بنانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

دہلی سے بہت سے طبی پرچے نکلتے ہیں بلکہ ملک کے دوسرے حصّوں سے بھی شائع ہوتے ہیں* اور تمام ملک میں ایک خاص شہرت کے مالک ہیں۔ اس وقت ہم ماہنامہ "مسیح الملک" کے "اجمل ڈے نمبر" کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ دہلی سے "مسیح الملک" نام کا ایک ماہانہ پرچہ نکلتا ہے جس کا سالانہ چندہ چار روپے مقرر ہے۔ اس کا اکتوبر ۱۹۵۵ء کا پرچہ جو سترھویں جلد کا دسواں نمبر ہے "اجمل ڈے نمبر" کے نام سے نکالا گیا ہے۔ جس میں حکیم اجمل خاں میموریل کمیٹی کی تشکیل اور اس کے مقاصد کے ذکر کے علاوہ ۳۰۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۴ء میں ملک بھر میں عموماً اور دہلی میں خصوصاً جو اجمل ڈے منایا گیا اس کی روداد درج ہے۔ دہلی میں جو کچھ ہوا اس کی تقریباً پوری تفصیل درج ہے بلکہ جن جن شرکاءِ جلسہ نے جو جو تقریریں کیں ان کا خلاصہ اور ضروری حصّہ بھی درج کیا گیا ہے جس سے حکیم صاحب کے متعلق مقتدر ہندو اور مسلمانوں کے خیالات و جذبات کا پتہ چلتا ہے اور آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مرحوم کس قدر زبردست شخصیت کے مالک تھے اور ملک میں ان کا وقار کیسا تھا۔ کاش! لوگوں میں اس کے پڑھنے سے ہی یہ احساس پیدا ہو کہ ان کی یادگار کی طرف سے غافل رہنے سے ہم کتنے بڑے "جرم" کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اب بھی وقت ہے کہ ہم اس کمی کو پورا کریں۔ اور جو کام اب تک نہیں کیا ہے اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں۔

اس ماہنامہ میں دس فوٹو بلاکس بھی پورے پورے صفحے کے دئے گئے ہیں جن میں خود حکیم صاحب مرحوم اور مہاتما گاندھی کے علاوہ اجمل ڈے کے جلسوں کے متعلق ہیں۔ اس میموریل کمیٹی کے جنرل سکرٹری جناب پروفیسر حکیم محمد مظہر الدین صاحب اجملی ہیں جو ماہنامہ مسیح الملک کے ایڈیٹر، جامعہ طبیہ کے پرنسپل، مجلس اطبا کے صدر اور اجملی شفاخانہ کے مالک ہیں۔ اور علاقہ کانگرس کمیٹی کے روحِ رواں اور صدر بھی ہیں۔

اجمل ڈے کی کارروائی اور اجمل میموریل کمیٹی کے مقاصد وغیرہ کے ضروری اقتباسات انگریزی اور ہندی میں بھی شائع کر کے اس رسالہ کا ایک جزو بنا دئے گئے ہیں۔ گویا یہ نمبر تین زبانوں میں ہے اور لکھائی چھپائی وغیرہ کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے اور سلیقہ سے مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اجمل ڈے کی کارروائی کا حال دس ماہ بعد کیوں شائع کیا گیا ہے۔ یہ تو جلد از جلد پبلک کے ہاتھوں میں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ اور اس شمارہ سے نومبر ۱۹۵۵ء کے آئندہ یادگاری جلسوں کے لئے حامیانِ طب شیدایانِ اجمل کو تیار کرنا چاہئے تھا۔

بہرحال ہم حکیم اجملی صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے بہت اچھے کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں جن میں سے ہر ایک منزلِ مقصود کی طرف لے جاتا ہے۔ اور حکیم صاحب مرحوم کی روح یقیناً خوش ہوتی ہوگی۔ ہمیں ندامت ہے کہ ہم خود حکیم صاحب مرحوم کے شایانِ شان کوئی خدمت انجام نہیں دے سکے بلکہ ان کے لگائے ہوئے باغ میں مزے سے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔

پروفیسر مظہر الدین صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حکیم صاحب کی یادگار قائم کرنے کی طرف جو قدم اٹھایا ہے وہ بہت نیک فال ہے کم از کم سال بھر میں ایک مرتبہ ان کی یاد میں جمع ہونے اور انکے احسانات کا

* اور وہ اپنی بساط کے مطابق خدمت انجام دے رہے ہیں جن میں سے بعض تو بہت ہی مفید ثابت ہوئے ہیں۔

ذکر کرنے کا سلسلہ تو شروع کیا۔ اور "جو قومیں اپنے محسنوں کو یاد رکھتی ہیں انہی میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں" کے تحت ہمیں اپنی زندگی کی کوئی کرن تو دکھائی دی اور مایوسی کی گھٹاؤں کے بادل چھٹنے کی اُمید تو بندھی۔

آخر میں ایک مشورہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آج کل ہر متنازعہ فیہ مسائل پر رائے شماری کا بہت شور سُنا جاتا ہے اور یہ ہے بھی ٹھیک کہ پبلک کی رائے سے تصفیہ کیا جائے لہٰذا یونانی طب کی اہمیت اور اس کی بقا کے لئے پبلک سے رائے لی جائے۔ عام طور سے غریب یا امیر لوگ اس وجہ سے انگریزی دواؤں کے شفاخانوں میں جاتے ہیں کہ انھیں وہاں مُفت دوائیں مل سکتی ہیں اور ایک پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ ان اگر یقین کے ساتھ یہ کہا جائے کہ آئندہ یونانی علاج کے شفاخانوں میں بھی مُفت دوائیں ملا کریں گی اور فیس بھی کچھ نہیں لی جائے گی۔ آپ دیسی علاج کرانا چاہتے ہیں یا انگریزی؟ تو پھر رائے شماری سے معلوم کیجئے کہ مُلک کا رُجحان کدھر ہے اب بھی جبکہ دوائیں خود خریدنی پڑتی ہیں اور اُن کی بیاری میں بھی سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ حکیموں کے مطب میں چلے جائیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مریضوں کی تعداد کتنی ہے۔ صبح ۷، ۸ بجے سے لے کر ۲ بجے تک تانتا بندھا رہتا ہے اور حکیم صاحب کو ایک منٹ کے لئے بھی فرصت نہیں ملتی۔

جب یہ صورتِ حال ہے تو اس کو ملک بدر کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے لیکن یہ چیز انشاء اللہ ضرور باقی رہے گی۔ لہٰذا ہمیں حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم و مغفور کی یادگار منانے کے لئے صرف ان کے مُرتب کردہ پروگرام کی اشاعت و حمایت کرنی چاہیئے اور یونانی طب کی شاندار بقا کے لئے ٹھوس کام کرنا چاہیئے۔ مگر اس سلسلہ میں باہمی رقابتوں۔ عداوتوں اور سازشوں کو ختم کرکے ایک دل ہو کر اور قدم ملا کر چلنا بہت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد کرے اور ملک میں سب کو باہمی اتحاد و محبت سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (ف۔ ا)

ماہنامہ تصویر

اتر پردیش کے حاکم اعلیٰ کا فتویٰ ہے کہ اُردو کوئی زبان نہیں اور یہ کسی جگہ کی علاقائی زبان قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس کے متعلق بہت شور و شغب ہوا مضامین لکھے گئے۔ جلسے کئے گئے۔ بائیس لاکھ اُردو لکھنے پڑھنے والوں کے دستخطوں سے ایک محضر نامہ راشٹرپتی جی کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کی رہنمائی ایسے شخص نے کی جس کی وطن پرستی اور بے لوث خدمت اور بے مثال ایثار و قربانی سے ملک کا کوئی بھی ایماندار شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن ان سب باتوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ ابھی تک ظہور میں نہیں آیا۔ ہمیں حیرت ہے کہ اتر پردیش میں اُردو کے وجود کے سرکاری انکار کے باوجود وہاں سے اُردو کے پرچے دھڑا دھڑ نکل رہے ہیں۔ نہ جانے یہ کہاں بیچے جاتے ہیں۔

بچپن میں ہم سُنا کرتے تھے کہ مٹھائیاں عام طور سے شام کو بنتی ہیں اگر صبح کو بنیں تو دن بھر میں فروخت ہونے کے لئے کافی وقت مل سکتا ہے۔ یہ شام کے وقت بنتی ہیں تو رات کو کیسے بکتی ہوں گی خواہ مخواہ باسی کرکے اگلے روز بیچنے سے کیا فائدہ۔ تو بوڑھی عورتیں بتایا کرتی تھیں کہ رات کو جب عام طور سے خاموشی چھا جاتی ہے اور لوگ سونے کے لئے چلے جاتے ہیں تو حلوائیوں کی بکری بہت زور سے ہوتی ہے اور تنہائی میں جنات آتے ہیں جو انسانی شکل اختیار کئے ہوتے ہیں اور وہ تقریباً تھال کے تھال خالی کرا جاتے ہیں اور بہت بڑی مقدار میں مٹھائی لے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج مغرب کے وقت آپ کو جن مٹھائیوں کے انبار دکھائی دیتے ہیں وہ اگلے روز صبح کے وقت آپ کو نظر نہیں آئیں گے۔

یہی حال ہم ان اُردو کے پرچوں کے متعلق سمجھتے ہیں، کہ جب اُردو کا وجود ہی نہیں ہے۔ مدرسوں میں بھی نہیں پڑھائی جاتی تو پھر یہ نت نئے جو پرچے نکلتے رہتے ہیں ان کی کھپت کہاں ہوتی ہے۔ جہاں مال کی کھپت اور ضرورت ہی نہ ہو وہاں اس کی منڈی بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ لیکن ہم اس کے خلاف کیفیت پاتے ہیں تو یا تو جنات کے نام انسانوں کے فرضی ناموں سے پرچے بھیجے جاتے ہیں اور یا پھر کوئی اور بات ہے۔ اخبارات و رسائل کا رجسٹریشن نمبر دینے والوں کو اچھی طرح جانچ پڑتال کرنی چاہیئے اور ڈاک خانے والوں کو سنسر بٹھانا چاہیئے تاکہ صحیح بات کا پتہ چل سکے۔

اس تمہید کے بعد ہم بتانا چاہتے ہیں کہ جولائی ۱۹۵۵ء سے مراد آباد سے ایک ماہنامہ نکلنا شروع ہوا ہے جس کا نام تصویر ہے اور جو سنگم کے ہی سائز پر ہے اور چندہ بھی دو روپے سالانہ ہے۔ اس میں نظم اور نثر دونوں قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ نثر میں افسانے

اور شاعروں کے کلام پر تنقید ہوتی ہے یا کوئی اور ادبی مضمون ہوتا ہے اور یہ سب دلچسپ اور پُر از معلومات ہوتے ہیں۔ جن میں سے بعض کہنہ مشق لکھنے والوں کے قلم سے ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ جاذبِ نظر اور قابلِ کشش چیز جو اس میں ہوتی ہے وہ "ہر شمع معموں" پر بحث، جو لوگ شمع معمے حل کرتے ہیں انھیں اس بحث سے ایک حد تک مدد ملتی ہے۔ اور وہ اس سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ یہ بحث کافی دماغ سوزی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ اس کے نتائج یا قیاسات کا مقابلہ شمع معمے کا حل شائع ہو جانے کے بعد کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس حد تک صاحبِ تصویر کا دماغ شمع کی روشنی جذب کئے رہتا ہے۔ یہ پرچہ لکھائی چھپائی کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے اخباری کاغذ مستعمل ہوتا ہے اور علاوہ ٹائٹل کے سولہ صفحات ہوتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تصویر کو مقبولیت عطا فرمائے اور ماہر الظمی صاحب مدیرِ اعلیٰ اور ان کے ساتھیوں کو ہمت و قوت دے کہ وہ اسے استقلال اور کامیابی کے ساتھ چلاتے رہیں کہ اردو کی بقا اور تحفظ کا عملی طریقہ یہی ہے باقی تمام کاغذی کارروائیاں ضدی طبائع کے لئے بیکار ہیں۔

ناظم رام پور

رام پور سے جو کبھی اسلامی ریاست تھی ناظم نام کا ایک روز نامہ نکلتا ہے جس کی جلد ۱۸ کا ۲۴۹ واں نمبر میلاد نمبر کے نام سے نکالا گیا ہے۔ اس پرچہ کے ڈائرکٹر ایم اے قادری صاحب اور ایڈیٹر خان کمال صاحب ہیں۔

اس کے پہلے صفحہ پر مسجد نبویؐ کا نقشہ اور گنبدِ خضریٰ مع مینارِ مسجد فوراً دل میں یہ خواہش اور بے تابی پیدا کرتے ہیں کہ کاش یہ کاغذی تصور اصلیت میں تبدیل ہو جاتا اور ہم بھی درِ مصطفےٰ پر حاضر ہو کر اپنی بداعمالیوں پر اظہارِ ندامت کرتے اور حالی مرحوم کا صرف ایک ہی شعر پڑھتے کہ :-

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

اسی صفحہ پر حضرت راز یزدانی کا کلام تو اس سے بھی زیادہ شکوہ کرتا ہے اور وہ بھی حضرت جبریل کی طرف سے مالکِ افکار کی درگاہ میں پوری زمین کے متعلق۔

لیجئے آپ بھی حضرت جبرئیل کی جائز شکایت سُن کر ندامت سے سر جھکائیے اور ہو سکے تو عبرت حاصل کیجئے۔

یزدانی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے لکھتے ہیں :-

ختمُ المرسلین

جبریل نے کی عرض خداوندِ جہاں سے
اے مالکِ افلاک زمیں پر بھی نظر ہے؟

سجدہ ملائکہ نے وہ ڈھائی ہے قیامت
حسن سے تری مخلوق میں اندیشۂ شر ہے

دنیا میں ترا نام بھی لیتا نہیں کوئی
ہر سمت خداوندیِ دریا و شجر ہے

عالم میں صداقت کہیں پائی نہیں جاتی
یہ حاصلِ تکمیلِ تمنائے بشر ہے

کب تک یہ ستم اہلِ فلک کو ہو گوارا
پھر مجھ کو فرشتوں میں بغاوت کا خطر ہے

آئی یہ ندا بات تری ٹھیک ہے جبریل
ہم غیب کے عالم ہیں ہمیں سب کی خبر ہے

ہر چند کہ انساں کا دماغ اب نہیں ملتا
ہر چند کہ دنیا میں بہت فتنہ و شر ہے

اِک بار ابھی اور سنواریں گے جہاں کو
لے دیکھ یہ میلادِ محمدؐ کی سحر ہے

اس تمام میلاد نمبر میں نظم و نثر کے سب مضامین بہت اچھے ہیں اور اس قابل ہیں کہ انہیں میلادِ نبی کے جلسوں میں پڑھا جائے۔ اب تک میلاد کی پرانی کتابوں سے ہی میلاد کی محفلیں گرم کی جاتی ہیں اور وہی مضامین بار بار ہر جگہ سنائے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بہت کم لوگ فیض یا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے ان محافل اور مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ زیادہ تر شیرینی کے لالچ میں جاتے ہیں۔ کم سمجھ بچے اگر ایسا کریں تو نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے لیکن بڑوں کے لئے تو ہمیں ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ ان میں دلچسپی پیدا ہو اور وہ سننے اور فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے شریک ہوا کریں۔ اور وہ اسی طریقہ سے ممکن ہے کہ ان کے سامنے وہی واقعات نئے انداز اور مختلف پہلوؤں سے پیش کئے جائیں۔ چنانچہ اس میلاد نامہ میں یہ بات موجود ہے۔

اس میں بزم انصاری کا سلام شوق۔ دانش عنایتی کا پیامِ ایثار، بہت اچھی نظمیں اور وقت کے لحاظ سے نہایت موزوں ہیں۔ دوسری نظمیں اور مضامین بھی قابلِ ذکر ہیں چنانچہ یہاں گاؤں میں بہت سی میلاد کی محفلوں میں ناظم کے ان مضامین سے استفادہ کیا گیا اور انھیں جلسوں میں پڑھا گیا۔

[redacted]

کتابت کی بعض غلطیاں پائی جاتی ہیں لیکن آج کل کا معمار اگر صحن یا چھتوں کا ڈھال غلط یا اُلٹا نہ رکھے تو وہ معمار ہی نہیں اسی طرح اگر کاتب نقل کرتے وقت کتابت میں ترمیم و تنسیخ یا قطع و بُرید نہ کرے تو وہ کاتب ہی نہیں۔ اس لئے اس میں کارپردازانِ اخبار کا قصور نہیں خصوصاً روزنامہ کی غلطیوں کی اصلاح ذرا مشکل ہوتی ہے کیونکہ وقت بہت کم ہوتا ہے۔ البتہ ایک مشورہ دینا نہایت ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے، اس پرچہ میں "محمد صلعم کے متعلق دوسرے مفکروں کی رائے" کے تحت بہت سے مشہور رہنماؤں کی رائے درج کی گئی ہے مثلاً لینن۔ برناڈ شاہ۔ گاندھی جی۔ پنڈت نہرو۔ ٹالسٹائی۔ لین پول وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ اس مضمون کو رضا انٹر کالج رام پور کے متعلم ناظر علی خاں صاحب نے مُرتب کیا ہے اس لئے اور بھی ضروری ہوگیا ہے کہ طالب علموں کو اس کے متعلق مشورہ دیا جائے کہ ان راؤں کے متعلق آپ ان بزرگوں کے نام کے ساتھ اس کتاب یا رسالہ کا نام مع صفحہ کے درج کیجئے جہاں سے وہ رائے نقل یا اخذ کی گئی ہو بغیر سند کے یہ رائیں مستند نہیں ہو سکتیں۔ حوالہ کے درج کرنے سے مکمل ہو جائیں گی۔ ورنہ اس کے بغیر آپ جو چاہیں اور جس کے متعلق چاہیں لکھ سکتے ہیں،

ہم اس پرچہ پر متعلقہ حضرات کو مُبارکباد دیتے ہیں۔ لیکن پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس زبان (اُردو) کے پڑھنے والے یو۔ پی میں موجود ہیں؟ کیا فرماتے ہیں عمالِ حکومت اتر پردیش؟

مغربی بنگال

لیجئے یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد۔ ہمیں تو اب معلوم ہوا کہ اُردو کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے کہ اسے سب جگہ سے دھکے مل رہے ہیں اور کوئی اسے اپناتا نہیں۔ آپ سمجھے بھی کیوں؟ اجی جناب! یہ کم بخت ہرجائی ہے ہرجائی۔ اگر کسی ایک کی ہو کر رہتی تو وہ اسے سر پر بٹھاتا آنکھوں میں جگہ دیتا۔ کلیجے سے لگاتا۔ لیکن اب اس ہرجائی کو کون مُنھ لگائے۔

ہم نے نومبر ۱۹۵۴ء کے سنگم میں تبصرے کے تحت پاسباں کے متعلق تفصیل سے لکھا تھا کہ حکومت پنجاب کے "پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ" نے اپنی ہندی اور پنجابی (گورمکھی) کو چھوڑ کر اردو میں جو اس صوبہ کی زبان ہی نہیں سمجھی جاتی دیہات سدھار اور دوسری مفید معلومات کیلئے یہ ماہانہ پرچہ نکالا ہے جس کا نام بھی اُردو میں نہیں بلکہ فارسی میں تجویز کیا اور اس میں لکھنے والے اور کارکن تقریباً سب کے سب ہندو ہیں جو نہایت اچھے مضامین لکھتے ہیں اس سے محبت اور اتحاد کی روح اور سچے جذبہ کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح اس مرتبہ ہم ایک اور پرچہ کا ذکر کرتے ہیں جو حکومت مغربی بنگال کے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے اس کے ڈائرکٹر پی ایس ماتھر صاحب کی ادارت میں کلکتہ سے نکلتا ہے اور جس کا نام بھی "مغربی بنگال" ہے۔ نہایت اچھے سفید دبیز کاغذ پر عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور کلکتہ ہی میں چھپتا ہے۔ یہ ماہانہ نہیں ہے بلکہ پندرہ روزہ ہے اور باتصویر پرچہ ہے جس میں فوٹو بلاکس کی تصاویر دی جاتی ہیں۔ زیر تبصرہ پرچہ اکتوبر ۱۹۵۵ء کا ہے جو جلد ۲ کا "شمارہ ۱۲" ہے (نمبر کی بجائے "شمارہ" ہی پرچہ پر لکھا ہے) اس میں مرکزی حکومت اور صوبہ کے سرکاری مُفید کاموں کے متعلق معلوماتی مضامین اور تصاویر کے علاوہ افسانہ۔ اشعار و قطعات اور لطیفے اور مُفید خبریں ہیں۔ مثلاً وزیر اعلیٰ مغربی بنگال کی تقریر (سنٹرل کلکتہ ڈسٹرکٹ کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر) ہیرا کڈ پروجکٹ مشین ٹول۔ قومی توسیعی سروس۔ خبریں وغیرہ تو محکمہ نشر و اشاعت کی طرف سے ہیں اور ایک افسانہ بشکل ڈرامہ "دہن گل جب وا ہوا" (ذرا عنوان مدنظر رکھئے) سوشیل رتن چوپڑہ کے قلم سے ہے اور "........ کے خط کا جواب (منظوم) شوکت پردیسی صاحب کے خیالات کا مظہر ہے اور مہیش چند نقش کے سات قطعات درج ہیں وہ کیسا لکھتے ہیں۔ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:۔

کٹ گئی آخر شبِ ہجرِ دراز ٭ مختصر غم کی کہانی ہو گئی
آنسوؤں نے کر دیا افشا یہ راز ٭ آگ جب پگھلی تو پانی ہو گئی

ایک لطیفہ جو اس پرچہ میں درج ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔ ایک شخص جو لکھنؤ کے کٹّر صاحبِ زبان کہلاتے تھے ایک دواخانہ میں گئے اور پوچھنے لگے "کیوں جناب! آپ کے ہاں عرق نعناع موجود ہے؟" دوکاندار ان کے تلفّظ سے گھبرا کر بولا "جی ہے تو لیکن اس قدر گاڑھا نہیں ہے بو دینے کا عرق"۔

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ بنگالی زبان کے صوبہ سے یہ پرچہ حکومت کس کے لئے شائع کرتی ہے؟ اے کم بخت ہرجائی اُردو! تجھے بس اللہ ہی کا حوالہ۔ اور کیا کہوں؟ خیر تیری عمر بھر کی رفاقت کے خیال سے یہی صدا دل سے نکلتی ہے کہ "خدا تجھے سدا سہاگن رکھے"۔

(ف۔ ل)　(بقیہ تبصرے آئندہ)

کچھ ہنر سیکھئے

کہتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب آپ لکھ رہے ہوں تو اس کے ساتھ ہی دانتوں میں مسواک یا منجن نہیں کر سکتے یا موٹر چلا رہے ہوں تو کشیدہ کاری کا کام نہیں کیا جا سکتا یا کھانا کھا رہے ہوں تو مشین سے کپڑا نہیں سی سکتے یا بوٹ پر پالش نہیں کر سکتے یا فائل میں کاغذ نہیں لگا سکتے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہاتھ جو ایک کام کرنے میں استعمال ہو رہے ہوں کوئی دوسرا کام اسی کے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر آپ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہے ہوں تو اسی میں محنت اور یکسوئی سے کام کیجئے ڈاکٹری یا مصوّری یا کسی اور پیشہ کی تعلیم کی طرف توجّہ نہ کیجئے ورنہ دونوں ادھورے رہ جائیں گے اور کسی میں بھی آپ کمال حاصل نہ کر سکیں گے۔ کوئی اور کام دستکاری یا تجارت کا کرنا چاہتے ہوں۔ تو صرف اسی کو استقلال اور محنت سے کیجئے مختلف کاموں میں ہاتھ نہ ڈالئے۔

تعلیم کے متعلق یہی اصول تھا کہ اسی میں ہی سارا وقت صرف کرنا چاہیئے۔ کسی اور طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھنا چاہیئے لیکن اب اقتصادی حالات نے یہ نظریہ بدل دیا ہے۔ اب تو یہ صورت ہے کہ اگر آپ کسی ایک جگہ ملازم ہیں تو مقررہ اوقات میں وہاں اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد آپ ویسا ہی کام یا کوئی دوسرا کام نسبتاً تھوڑے وقت کے لئے دوسری جگہ بھی انجام دے سکتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ معلّمی کے فرائض انجام دیتے ہیں تو مدرسہ کے اوقات کے علاوہ آپ نجی طور سے پرائیویٹ بچّوں کو دو ڈیڑھ گھنٹے کے لئے پڑھانے کا کام کر سکتے ہیں اور اس طرح مدرسہ کی تنخواہ کے علاوہ پرائیویٹ ٹیوشن سے کچھ آمدنی بڑھا سکتے ہیں یا کسی قسم کی خرید و فروخت کے لئے کمیشن ایجنٹ کے فرائض انجام دے سکتے ہیں یا کوئی گھریلو صنعت جانتے ہیں تو اس میں وقت اور محنت صرف کر کے اپنی آمدنی بڑھانے کی فکر کر سکتے ہیں۔ کوئی کتاب لکھ سکتے ہیں یا ترجمہ کر سکتے ہیں۔ یا کسی تاجر کے ہاں دو تین گھنٹے حساب کتاب کا کام کر کے روزمرّہ کا حساب کتابوں میں درج کر سکتے ہیں اور انھیں مکمل رکھ سکتے ہیں۔

پچھلے چند سالوں سے اب تعلیم کا نظریہ بھی بدل گیا ہے اور اس میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے۔ اس کا نام رکھا گیا ہے "Earn while you learn" یعنی کماؤ بھی اور تعلیم بھی حاصل کرو، یہ نظریہ زیادہ تر تقسیم ملک کے بعد سے نمایاں ہوا ہے تعلیم حاصل کرنے کے شوقین طلبا اپنے اخراجات تعلیم ادا نہ کر سکنے کی صورت میں اور گھر کے اخراجات کی تنگی سے مجبور ہو کر اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی جگہ ملازم ہو جائیں اور ملازمت کے اوقات سے فارغ ہو کر تعلیم حاصل کریں اس لئے اب تعلیم کا انتظام شام کو یا رات میں بھی ہونے لگا ہے اور اسکول یا کالج کی تعلیم ایک مرتبہ صبح کو ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ شام کو یا رات کو ہوتی ہے جسے دوسری شفٹ کہتے ہیں اس سے طلبہ کی صحت پر خراب اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ دن بھر کام کرنے کے بعد دماغ تھکا ہوا ہوتا ہے اس وقت تعلیم حاصل کرنا اور دماغ سے کام لینا وہ بات پیدا نہیں کرتا جو صبح کے وقت تر و تازہ دماغ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ تعلیم صبح کے اوقات میں ہی حاصل کی جائے اور دوسرے وقت میں کوئی ہلکا سا کام کیا جائے جس میں دماغی محنت کم صرف ہو۔ کیونکہ دن بھر میں جو تعلیم پائی ہے اسے یاد کرنے اور سمجھنے کے لئے بھی تو وقت، اور دماغی محنت کی ضرورت ہوگی۔ اور وہ ہلکا سا کام صرف گھریلو صنعت، یا کوئی ہنر جاننے سے ہی ہو سکتا ہے۔

آئندہ ہم آپ کو بہت سے مفید کام کرنے کیلئے بتائیں گے امید ہے کہ آپ ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

اچھی کتابیں پڑھا کیجئے

آپ کا کتب خانہ ان کتابوں سے خالی نہیں ہونا چاہئے

سنگم میں پاکستان اور ہندوستان کی بہترین کتابیں ہر وقت موجود رہتی ہیں جو ختم ہو جاتی ہیں اُن کے آرڈر نوٹ کر لئے جاتے ہیں اور جلد سے جلد منگانے کی کوشش کی جاتی ہے سنگم کی اپنی مطبوعات بھی آپ کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں اور آپکے مذاق کا معیار بلند کر سکتی ہیں۔ کوئی کتاب خراب نکلے تو واپس کی جا سکتی ہے جن کتابوں پر × بنا ہوا ہے وہ اگرچہ مطبوعات سنگم نہیں ہیں لیکن ہماری مطبوعات کا درجہ رکھتی ہیں۔ جو مطبوعات سنگم ختم ہو چکی ہیں ان کا اندراج نہیں کیا گیا۔

سب کتابیں سنگم کتاب گھر، اُردو بازار دہلی سے ملیں گی

اسلامیات

- قاعدہ قرآنی ۶ار سیکڑہ
- پارہ عم آخری ربع صہ ” ”
- پارہ عم معریٰ سہ ” ”
- پارہ تبارک الذی سہ ”
- پارہ عم شمسی (مترجم۔ مولانا اشرف علیؒ) فی عصہ
- اعلان انقلاب عصہ
- پیمان انقلاب عصہ
- سیرۃ قرآنیہ محمدؐ ۲ر
- مشکلات قرآن کا انقلابی حل عصہ
- آلِ بصیرت (اسلامی اہم مسائل) ۱عہ
- نکات قرآن (سوال و جواب) ۸عہ

سوانح

- پیارے نبیؐ ۱۰ر
- حبیب خدا ۶ار
- خواتین (۳۳ مشہور اسلامی) ۸عہ
- ×بشریٰ (سوانح رسول اکرم) ۱۲ر
- چار ستارے (خلفائے اربعہ) ۸ عصہ

تاریخی

- حکایات گاندھی ۸ر
- ماؤنٹ ایورسٹ ۵ر
- ایورسٹ کی فتح ۴ر

تعلیمی معلومات و سائنس

- ترقی کے راز ۴ر
- جادو کی کتاب ۷ر
- مصنوعی بارش ۳ر
- کتنے بجے ہیں؟ (گھڑی کی کہانی) ۱۲ر
- زندگی کا رخ ۶ار
- سورج اور اس کا خاندان ۱۲ر
- مسلمانوں کی کہانی ۸ر
- ×آدمی (رضائی) عصہ

عام تعلیمی کھیل

- تعلیمی تاش اردو قسم اول ۱۲ر عصہ
- ” ” دوم ۸ر عہ
- ” ” ہندی ۴ر عہ
- سلیکہ شکشک ۲ حصے فی ۳ر
- کرنی بھرنی (کھیل) اردو ہندی ۸ر عہ
- کیلی گرافی کا مدّا (انگریزی حروف) ۸ر

ڈرامے

- امتحان ۹ر
- بنیادی حق ۱۰ر
- جھوٹا لڑکا ۴ر
- چور لڑکا ۶ر
- دیوان غالب صاحب ۶ر

ناول۔ افسانے و مزاحیہ مضامین

- آتش خاموش صہ
- بزم بے تکلف ۸عہ
- ×بیگم ۶ار
- ×پرائی عورت ۶ا
- عذرا صہ
- ×کاغذ کا واسدیو ۱۲عہ
- کش مکش ۱۲عہ
- لال بجھکڑ (بچوں کا ناول) ۱۰ر
- لگن ۸عہ
- نمک پارے ۴عہ

بچوں کی کتابیں

- ×اکبر اور بیربل کے لطیفے ۶ر
- انوکھا پیغام ۴ر
- اور مقدمہ چلتا رہا ۶ر
- ایک بچے کی کہانی ۷ر
- بندر والا ۴ر
- بھولا بچہ ۵ر
- بھولی بہنیں ۵ر
- تیس مار خاں ۴ر
- جادو کی شطرنج ۴ر
- جادو کی کرسی ۶ر
- جادو کا ہرن ۷ر
- جواری ۴ر
- خسرہ کی مرغی ۴ر
- دوست کی تلاش ۸ر
- دولتی ۵ر
- دلہن کی پوری سون چڑیا ۱۶ر
- سرکس ۵ر
- شکاری لڑکا ۴ر
- شہزادی کی سزا ۵ر
- فرشتہ کا انعام ۵ر
- کھٹملوں کا اعلان جنگ ۵ر
- گلہری بیگم ۴ر
- لومڑی اور خرگوش کی لڑائی ۵ر
- منتر کی کھوج (ہندی) ۱۰ر
- سنو چلے سیر کو ۴ر
- نیا کھلونا ۴ر
- وعدے ۴ر
- وفادار سانپ ۴ر
- یاقوت ۴ر

نظم

- ×بیسک ریڈنگ (انگریزی کی بہترین نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ) ۱۰ر

(ادبی)

- جواہر طبیہ ۱ر
- ×رسول مقبول (نعت) ۴ عصہ
- کاروان سخن سے
- کاروان و منزل ۸عہ

×ادبی کتابیں

- پطرس کے مضامین ۶ا
- شرح دیوان غالب اردو (حصہ اول ردیف الف) ۴عہ
- کاروان خیال (خط و کتابت مابین امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد و صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم) ۸عہ

زیر طبع کتابیں

- انوار تفکر (اسلامیات)
- پارے قرآن شریف (”)
- تاریخی کہانیاں حصہ اول دوم
- تپش تلخیاں (ناول)
- زمین کی کہانی چاند کی زبانی (سائنس)
- سنگم کشیدہ کاری (ٹیکنیکل)
- گھریلو مرغیاں (تجارتی)
- نصیب کھلے پھول کھلے (بچوں کی)

”افسوس ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے ٹیکنیکل کتابوں کی فہرست درج نہیں کی جا سکی۔ اگلے پرچہ میں درج کرنے کی کوشش کی جائے گی“

(خواجہ ذکی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔ اور یونین پرنٹنگ پریس اُردو بازار دہلی میں طبع ہوا)

ماہنامہ

سنگم

جامعہ نگر، نئی دہلی

سالانہ چندہ — دو روپے
فی شمارہ تین آنہ — یہ پرچہ چھ آنے

چیف ایڈیٹر و نگراں: خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی۔
ایڈیٹر: خواجہ ذکی احمد بی۔ اے (جامعہ)

پاکستان میں زرِ چندہ بھیجنے کا پتہ: منیجر ٹکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں ریلوے روڈ لاہور

سال دوم | بابتہ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۵۵ء مطابق ربیع الاول و الآخر و جمادی الاول ۱۳۷۵ھ کارتک ۔ مگھر ۔ پوہ سمت ۲۰۱۲ بکرم ۱۳۶۴ فصلی | شمارہ پنجم و ششم

امرِ واقعی: (۱) یہ پرچہ علمی دسترخوان ہے جس پر بیک وقت بڑے چھوٹے، لڑکے اور لڑکیاں سب مل کر اپنی اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق سیر ہوتے ہیں۔ اسے صرف بچوں کا رسالہ سمجھنا چاہئے۔ (۲) وی۔ پی میں نو آنے زائد صرف ہوتے ہیں اس لئے سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجئے۔ وی۔ پی نہیں بھیجا جائیگا۔ (۳) اس کا سالانہ چندہ بطور امانت محفوظ سمجھنا چاہئے۔ جب چاہیں باقی رقم واپس منگوا سکتے ہیں۔ (۴) آپ کسی ماہ سے بھی خریدار بنیں ہم نئے سال یعنی جولائی سے جون تک شمار کریں گے اور فائل پورا کرنے کے لئے سابقہ پرچے بھیجدیں گے۔ (۵) جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

فہرستِ مضامین

پیامِ امید

[شری گوپی ناتھ امن لکھنوی سابق وزیر دہلی سٹیٹ اردو کے زبردست حامی ہیں آپ کا مجموعۂ کلام سنگم کتاب گھر نے "کاروان و منزل" کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے۔ آپ آزادی کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ آپکا کلام نہایت پاکیزہ اور ملکی سیاست کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے۔ ہر شخص کو اسے پڑھ کر لطف اندوز ہونا چاہئے۔ پیامِ امید بھی اسی میں سے پیش کیا جا رہا ہے]:-

طبیعتیں ہیں وہی پرانی مگر چمن کی فضا نئی ہے — ابھی سے کیا شکوۂ بہاراں ابھی ابھی تو خزاں گئی ہے
جدید خاکے ابھر رہے ہیں قدیم نقشے بگڑ رہے ہیں — نئے شگوفے بھی کھل رہے ہیں پرانے پتے بھی جھڑ رہے ہیں
چھپائے ہیں دلربا ابھی تک اگرچہ سورج نکل چکا ہے — یقیں نہیں آئے یار آئے مگر زمانہ بدل چکا ہے
عمل کا میدان بہت بڑا ہے ولیکن جوشِ عمل نہیں ہے — میسر [illegible] بہت کم ہے ابھی [illegible]
عبور کا دور ہے ابھی تک ہو نا امید یہ یاس کیوں ہے — طرب کا ساماں ہو رہا ہے یہ سونی محفل اداس کیوں ہے
نہیں ہے چھپایا اب چمن میں یہ [illegible] — [illegible]

کریں گے گلشن کی آبیاری شہیدِ الفت کے خوں کے قطرے
کرو تحمل برائے چندے مٹیں گے جورِ خزاں کے خطرے

کلامِ چاند

[پنڈت چاند نراین صاحب رینہ چاند ڈپٹی کمشنر شملہ سر تیج بہادر سپرو کے داماد ہیں اور ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں اردو بہت ناز و نعم سے پلی ہے آپ کا کلام "کاروانِ سخن" کے نام سے سنگم کتاب گھر نے شائع کیا تھا جو نہایت مقبول ہوا۔ نہایت اعلیٰ کاغذ پر چھپا ہے اور صرف تین روپے قیمت ہے۔ چاند صاحب علامہ اقبال مرحوم کے بہت مداح ہیں اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ چاند صاحب کا کلام آپ ضرور پڑھئے۔ ایک غزل پیش کی جاتی ہے]:-

ہماری دنیا بدل گئی ہے نہ اب وہ دل ہے نہ دل لگی ہے — اک عہدِ رفتہ کی یاد باقی تھی وہ بھی دل سے نکل گئی ہے
قدم قدم پر پیچھے پڑے تھے نظر میں پہلے سے بے بسی ہے — اسی کو کہتے ہیں راہ ہستی اسی کا کیا نام زندگی ہے
جبیں کو ہے شوق سجدہ ریزی یقین ہے دل مگر تہی ہے — گماں کا عنصر ہے جس میں شامل وہ زندگی [illegible]
کوئی ہے لطف و کرم کا پیاسا کسی پہ رحمت برس رہی ہے — کسی کی کشتی [illegible] کسی کی ساحل [illegible]
نئے معاصر نئے تصادم کبھی ہیں جیتے کبھی ہیں ہارے — سکونِ دل کی اگر ہے دشمن کوئی وہ دشمن [illegible]
بچائے رکھا ہے اس امانت کو میں نے [illegible] — ازل کے دن جو ملی [illegible]
ہماری حالت پہ ہنسنے والو [illegible] — [illegible] ابھی جی ہے
یا بزمِ فطرت ہوئی ہے برہم یا میری طرزِ نظر نہیں وہ — [illegible] کی ظلمت بدل گئی ہے

میں بے خبر لغزشِ نگہ سے رواں ہوں اے چاند سوئے منزل
کہ راہِ ہستی میں میری رہبر [illegible] طبیعت کی سادگی ہے

رفتارِ سنگم

تاخیر حالات نے ایسا رُخ اختیار کر لیا ہے کہ پرچہ ماہانہ کی بجائے دو ماہی نکل رہا ہے اور غالباً ابھی جلد ہی اس سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔ لیکن تاخیر اتنی ہو گئی ہے کہ اگر ہر ماہ پرچہ دُگنی ضخامت کا نہ نکالا جائے تو دو ماہی کا حساب بھی پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ ہم کوشش میں ہیں کہ جلد ہی اس کمی کو پورا کر دیں۔ لیکن ایک آدمی کیا کیا کر سکتا ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ کب معاف کرتا ہے اور بابِ رحمت کب وا ہوتا ہے۔ اب بھی اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی عنایت سے ہماری گھٹ گھٹ تو جاری ہے۔

رجسٹریشن نمبر ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں سر بہ سجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

اور اب تو یہ مصیبت ہے کہ ؎

یار کی کوئی خبر لاتا نہیں ٭ دم لبوں پر ہے نکل جاتا نہیں

فلمی مذاق کا اثر سنگم بال سبھا کی بہت سرگرم رکن فرحت جہاں ہاشمی اور رسالہ سنگم کی خریدار حیدرآباد دکن سے تحریر فرماتی ہیں :- "مجھے سنگم سے بہت ہمدردی ہے اور میں خریدار بھی بننا چاہتی ہوں۔ لیکن خدا معلوم آج کل کی لڑکیوں اور لڑکوں کو فلمی دُنیا سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی ہے کہ کوئی بھی سنگم کا خریدار بننا پسند نہیں کر رہا ہے"

ہمیں حیدرآباد دکن کی ایک شریف بچّی سے یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ وہاں بھی ماحول ایسا ہو گیا ہے کہ تہذیب و تمدن پر شریف گھرانوں کی تربیت اور کنٹرول کا اثر ختم ہو چکا ہے یا ختم ہوتا جا رہا ہے اور چھوٹی عمر میں ہی فلمی مذاق کے جراثیم بچّوں میں سرایت کر رہے ہیں اور والدین یا تو غافل ہیں یا بے بس ہیں دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پردہ میں مقید رہنے کے باوجود تحصیل علم کی شائق حسن بانو تبسم بھوپال سے تحریر فرماتی ہیں :- ابھی میں روٹی بیل رہی تھی کہ سنگم ملا۔ بے چینی کچھ ایسی ہوئی کہ توا الگ کر کے سنگم کو دیکھا اور پھر اس کو اپنی الماری میں بند کر آئی۔ روٹی پکانے کے بعد اطمینان سے سنگم کا مطالعہ کیا۔ اس نئی شان کے حسین پرچے کو دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی۔ ہر مضمون اپنی مثال آپ ہے۔ آج کے دور میں "عبد الغفار صاحب مدہولی" جیسے مضامین کی ہی ضرورت ہے کس کس مضمون کی تعریف کی جائے سب ہی قابل تعریف ہیں۔ اور یہ سب کچھ آپ کی ہی محنت اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے "سنگم" آسمانِ ادب پر ہی نہیں دُنیا کے لوگوں کے دلوں پر چھا جائے۔ آمین ثم آمین

آپ نے دہلی کی نمائش میں آنے کے لئے لکھا ہے قبلہ! ہم جیسی لڑکیاں جو ہمیشہ گھر کی چہار دیواری میں رہیں وہ کیا کسی نمائش میں جائینگی شاید آپ کو یقین نہ آئے آج تک میں نے ریل کا سفر بھی نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود ریل کے سفر پر دلچسپ مضمون لکھ سکتی ہوں۔ کتابوں کے ذریعے سب جگہ کی سیر ہو جاتی ہے........."

[عزیزہ من! سنگم کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے وہ تمہاری سعادتمندی اور نیک خیالات اور اچھے ماحول کا نتیجہ ہے۔ پردہ کے متعلق تو ہم بھی اسکی موافقت میں ہیں لیکن نہ اس قدر سختی کے قائل ہیں کہ گھر سے باہر قدم ہی نہ رکھا جائے اور دنیا کی مفید چیزوں کو بھی نہ دیکھا جائے۔ کسی بھینس کو گھر میں رات دن کھونٹے سے بندھا رکھا جائے اور نہایت عمدہ چارہ اور دیگر چیزیں کھانے کو دی جائیں اور خوب خدمت کی جائے تو بھی وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی جو اُسے باہر چراگاہ میں چرنے یا ندی تالاب میں ڈبکیاں لگانے سے میسّر ہو گی۔ پردہ میں رہ کر بھی یہ تمام باتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ بھوپال سے دہلی نمائش دیکھنے کے لئے آنا اگر اس وجہ سے مشکل ہے کہ اس میں خرچ کا سوال ہے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اس وجہ سے محروم رہنا کہ گھر کی چہار دیواری سے باہر قدم رکھنا ممنوع ہے حتّٰے کہ ریل بھی نہیں دیکھی اور اگر دیکھی ہے تو اس میں سوار نہیں ہوئیں۔ تو یہ اس زمانہ میں ضرورت سے زیادہ پابندی ہے۔ ہم آپ کے والدین سے سفارش کریں گے کہ وہ معقول انتظام کے ساتھ اس میں ترمیم کریں۔ چشم بصیرت اور بصارت میں جو تعلق ہے اس کو ملحوظ رکھیں۔ آج کل بازاروں میں لڑکیاں جس بے باکی سے

اور ضرورت سے زیادہ آزادی سے پھرتی ہیں ہم اس کے بھی قطعی خلاف ہیں لیکن سخت قید اور بے روک آزادی کے درمیان بھی ایک راستہ ہے جسے حیا اور شرم کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ہم آپ کی سعادت مندی اور اپنے والدین کی دل سے فرماں برداری کرنے پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ہمیں آپ جیسی بیٹیوں پر فخر ہے۔)

پاکستانی بیٹی

ناظرہ خاتون بی اے سنت نگر لاہور سے لکھتی ہیں۔ "بہت انتظار کے بعد کل قصور سے واپس آکر رسالہ ملا۔ رات سرسری طور پر پڑھا لیکن پھر بھی بہت ہی دلچسپ معلوم ہوا۔ اور بقول کسے آپ کی تحریر پڑھ کر واقعی لطف آجاتا ہے۔ اماں کو لگاتار قلب کے تین شدید دورے پڑ گئے۔ رات بھی گیارہ بجے سے لے کر ڈیڑھ بجے تک اثر رہا۔ میں سخت پریشان ہوں۔ ماشاءاللہ پچھلے سال ٹھیک رہیں اور بی۔ اے فائنل کی طرح اب پھر میرے (ایم۔ اے) فائنل ایر ہی میں دورے پڑنے لگے۔ خدا رحم کرے۔ یہ خط آپ کو بہت ہی جلدی میں لکھ رہی ہوں صرف اس غرض سے کہ آپ اس کو پاتے ہی مندرجہ ذیل دو پتوں پر رسالہ فوراً روانہ کردیں۔ مہربانی ہوگی۔ میں نے پچھلے خط میں بھی لکھا تھا کہ ان لوگوں کے روپے میرے پاس رکھے ہیں لیکن یاد ہی نہیں رہے رات آکر رسالہ پر نظر پڑتے ہی پہلا کام یہ کر رہی ہوں۔ پھر اطمینان سے رسالہ پڑھ کر آپ کو مفصل خط لکھوں گی بشرطیکہ اماں خدا کرے تندرست ہوں۔

(پیاری بیٹی ناظرہ! اللہ تعالیٰ میری ہمشیرہ یعنی تمہاری جاں نثار ماں کو ہر بلا سے محفوظ رکھے اور صحت کلی عطا فرمائے۔ مجھے انکی علالت سے بہت تشویش ہوگئی ہے۔ رسالہ پڑھ کر مفصل خط تو بعد میں لکھنا سب سے مقدم کام تو ان کی خیریت سے جلد جلد مطلع کرنا ہے وہ ضرور کرتی رہو۔

جو خط بھی لکھتی ہو اس میں سنگم کی امداد کا عملی ثبوت ہوتا ہے اس مرتبہ بھی ایسا ہی کیا ہے باوجود والدہ کی علالت کی پریشانی کے سنگم کی خدمت جاری رکھی اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اس احسان کا بدلہ کیسے ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو سکون عطا فرمائے اور آپ میں خدمت کا جذبہ اور زیادہ کرے آمین! بس وہی اس کا اجر آپ کو دے گا۔ ن۔ا)

دیگر معاونین

کا بھی خاص طور سے شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے سنگم کی اشاعت میں ہماری امداد فرمائی خصوصاً صوفی طاہر حسن صاحب عثمانی دیوبندی بی اے بی ایڈ (علیگ) سہارنپور، محمد امین صاحب ایم۔ اے (جغرافیہ) جامعہ نگر، اور مولوی محمد فائق صاحب فاروقی جامعہ نگر، نے اس میں اتنی ہی دلچسپی لی جتنی اپنے ذاتی کام میں کوئی شخص لے سکتا ہے۔

اولیاء صاحب برہانپوری

جامعہ کے ایک بہت پرانے طالب علم محمد سراج الدین صاحب اولیاء، مالک فرم "اولیاء بیڑی فیکٹری برہانپور" ایک وفد کے سردار ہو کر دہلی تشریف لائے تھے تاکہ کانگریس کے ہائی کمانڈ اور متعلقہ حضرات سے مل کر اس امر کی کوشش کریں کہ برہانپور کا علاقہ مدھیہ پردیش میں ہی رہے کسی دوسرے صوبہ میں نہ ملا دیا جائے۔

باوجودیکہ جامعہ نگر نئی دہلی سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور شہر آنے جانے کے لئے سرکاری بسیں ہی ہیں، جو ہمیشہ بے وقت چلتی ہیں اور جب تک ہر شخص کو گھنٹہ دو گھنٹہ کا انتظار نہ کرالیں نہیں آتیں جس سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ عموماً اس تاخیر کی وجہ سے وہ مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے جس کے لئے سفر کیا جائے مثلاً ریل نہیں ملتی کسی تقریب میں شرکت کرنا ہو تو وہ ختم ہو چکتی ہے۔ بیمار کو ہسپتال لے جانا ہو یا اس کے لئے دوا لانی ہو یا کسی سے ملنا ہو یہ سب باتیں وقت پر نہیں ہو پاتیں۔ ان تمام تکالیف کے باوجود ہمارے سراج الدین صاحب جامعہ نگر ہی میں مقیم ہوئے کیونکہ انہیں جامعہ سے خاص عشق ہے۔ وہ مع اپنے رفقاء کے روز شہر جاتے اور رات کو یہاں واپس آجاتے۔ انہوں نے جامعہ کے تمام طلبہ کو مٹھائی تقسیم کی۔ میٹرک کے درجوں میں اور کالج کی جماعتوں میں جو طلبہ عربی اور اسلامیات کا مضمون لیں ان میں سے دو کے لئے دس دس روپے ماہانہ کے مستقل وظائف مقرر کئے اور سنگم کتاب گھر سے اس کی شائع کردہ ہر کتاب کا ایک ایک نسخہ خریدا اور دوسرے پبلشرز کی تاریخی اور اسلامی مطبوعات کا آرڈر دیا۔ اور اپنے بچے ظفر الدین اولیاء سلمہ کو سنگم بال سبھا کا رکن بنانے کے علاوہ رسالہ سنگم کا خریدار بنایا اور اپنی فرم کے بعض خاص خاص ایجنٹوں کے نام رسالہ جاری کرایا۔ غرضکہ شاہ ابن سعود نے جس طرح ہندوستان میں اپنی شاہانہ فیاضی کا ثبوت دیا اسی طرح اولیاء صاحب نے جامعہ سے اپنی دلی محبت اور عقیدت کا عملی اظہار فرمایا اور ہر چیز میں

دلچسپی لی۔ جمعیۃ العلماء ہند کو بھی انہوں نے فراموش نہیں کیا۔ اور وہاں بھی دستِ سخاوت وا کیا۔ فرمائیے اس کا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟۔

باپ کو سعادتمند بیٹے کے نیک افعال پر جو مسرّت اور خوشی ہوسکتی ہے وہی ہم محسوس کرتے ہیں۔ اس میں شکریہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ سراج سلمہٗ کو عزت و آبرو اور تندرستی کے ساتھ ملک و ملّت کی خدمت کرنے کا موقع دے اور زیادہ جذبہ پیدا کرے۔ ان کے کاروبار میں وسعت و ترقی ہو آمین۔ ف۔م

ضروری تصحیح

جناب منظور علی صاحب فاروقی تمنّا بجنوری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ارقام فرماتے ہیں:۔

ماہ ستمبر و اکتوبر کا پرچہ دو ماہ ایک قالب کے روپ میں پہنچا۔ تاخیر اور بدنظمی قابلِ معافی۔ اس پر اگر روشنی ڈالی گئی تو آپ سے زیادہ اپنا نقصان ہوگا۔ پرچہ کے معیاری اور مُفید ہونے میں شک نہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، لیکن کاتب صاحب کی "ایجادِ بندہ" کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے صفحہ ۱۵ پر میری غزل اور صفحہ ۳۲ پر میرا سلام بحضور سید الشہدا علیہ السلام شائع ہوا ہے۔ غزل کے چوتھے مطلع اور سلام کی بیت کے مصرعہ میں جو تصرّف کیا گیا ہے اور سلام کے چوتھے بند کے مصرعۂ اولٰی میں جو اختیارات خصوصی استعمال ہوئے ہیں اس سے تکلیف پہنچی براہ کرم آئندہ اشاعت میں اگر مناسب خیال فرمائیں تو تصحیح شائع فرما دیجئے بشکریہ۔ غزل کے چوتھے مطلع کا مصرعۂ اولٰی (جو صفحہ ۱۵ پر ہے) یہ ہونا چاہیئے تھا:۔ حُبّ علی سے قُربِ شہِ انس و جاں ملے۔

اور سلام کے بیت کا مصرعہ

"علی کے بعد خدا کے ولی سلام علیک"

کی بجائے "علی کے نعل خدا کے ولی سلام علیک" ہونا چاہیئے۔

نیز سلام کے چوتھے بند کا مصرعۂ اولٰے

بصد رشد اُمدِ اعدا۔ بلا ہراس و بیم　　چاہیئے تھا۔

دُعا کرتا ہوں کہ پرچہ دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل کرے اور اللہ پاک آپ کو اس خدمت کا اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

[محترمی! پرچہ کے متعلق کلماتِ خیر اور ہمّت افزائی کا شکریہ خدا آپ کی دُعا قبول فرمائے آمین۔

محترمی! اتفاق سے یہ کاتب جنھوں نے ستمبر و اکتوبر کا پرچہ لکھا ہے (منشی سید لئیق حسن صاحب امروہوی) ایسے کاتب ہیں کہ ان جیسا دوسرا مشکل سے ملے گا۔ صفحے کے صفحے لکھوا لیجئے کیا مجال جو ذرا سی بھی غلطی ہو۔ کہیں کوئی نقطہ رہ جائے یا کوئی شوشہ چھُوٹ جائے تو اور بات ہے ورنہ اتنی بڑی غلطی کبھی نہیں کریں گے جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے۔

سلام کے بیت میں یعنی ہر بند کے بعد جو مصرعہ دہرایا گیا ہے اس میں آپ نے نعل کو اس طریقہ سے تحریر فرمایا کہ وہ بعد بھی پڑھا جاتا تھا اور نعت بھی۔ اور چونکہ آپ عام طور سے اپنی تحریر میں نقطے کہیں کہیں استعمال کرتے ہیں ورنہ عام طور سے بے نقط ہی کام چلتا ہے اس لئے یہاں چند شعراء سے مشورہ کیا گیا سب نے بالاتفاق بعد کا فتویٰ دیا کیونکہ ایک دو جگہ آخری لام کے نیچے نقطہ کی قسم کی چیز بھی نظر آتی تھی اور لفظ بعد سے مطلب بھی فوت نہ ہوتا تھا۔

آپ کے دونوں مسودے موجود ہیں۔ غزل میں لفظ "قُرب" بالکل نہیں ہے بالکل وہی لکھا ہے جو رسالہ میں چھپا ہے۔ اور سلام کے چوتھے بند کا پہلا مصرعہ تو آپ نے بالکل ہی بدل ڈالا۔ ورنہ آپ کے قلم سے بالکل وہی لکھا ہوا ہے جو رسالہ میں طبع ہوا ہے۔ بہرحال آپ کی تصحیح حسب فرمائش درج کر دی ہے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ ستمبر و اکتوبر (پچھلی اشاعت) کے پرچہ میں حسب خواہش جناب تمنّا صاحب تصحیح درج فرمالیں تاکہ غزل اور سلام دونوں صحیح ہوجائیں۔ اور اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

کیا آپ نے دوسرے سال کا چندہ بھیج دیا ہے؟
اگر نہیں بھیجا تو براہِ نوازش اب بھیج دیجئے۔ بہت بڑا کرم ہوگا۔

رومان انصاری صاحب

(از حافظ ریاض احمد)

عرصہ ہوا بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب آنریری سکرٹری انجمن ترقی اردو نے بعض مشہور مصنفین، شعراء اور ادیب کے حالات قلمبند فرمائے تھے جن میں سے بعض تو ایسی تحریریں تھیں جو ان بزرگوں کی وفات پر لکھی گئی تھیں اور کچھ کتابوں کے تبصرے کے ضمن میں آگئی تھیں۔ یہ مضامین مرحوم شیخ چاند ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ) نے مختلف رسالوں۔ کتابوں اور تحریروں سے بڑی محنت اور جانفشانی سے تلاش کے بعد جمع کئے تھے جو ان جوانمرگ کی زندگی میں شائع نہ ہوسکے بلکہ ان کے بعد انجمن ترقی اردو نے انہیں "چند ہمعصر" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا جو انجمن مذکور کا سلسلہ نمبر ۱۰۳ تھا۔ ان میں جہاں مولوی چراغ علی، مولوی عزیز مرزا، سید علی بلگرامی۔ خواجہ غلام الثقلین۔ نواب محسن الملک۔ وحید الدین سلیم۔ مولانا محمد علی اور حالی جیسے مشہور اور نامور بزرگوں کا تذکرہ ہے وہاں دو ایک کم معروف ہستیوں کا بھی ذکر ہے مثلاً گدڑی کا لال نور خاں وغیرہ۔

چنانچہ ان کا ذکر اس طرح شروع کیا گیا ہے:۔

"لوگ بادشاہوں اور امیروں کے قصیدے اور مرثیے لکھتے ہیں۔ نامور اور مشہور لوگوں کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔ میں ایک غریب سپاہی کا حال لکھتا ہوں اس خیال سے کہ شاید کوئی پڑھے اور سمجھے کہ دل لیتے دل۔ امیروں اور بڑے لوگوں کے حالات ہی لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لئے سبق آموز ہوسکتی ہے۔ انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے۔ اور انسان ہونے میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہے۔

پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی ایک شان ہے۔ ..."

اسی نظریئے کے تحت ہم اپنے گزشتہ شماروں میں، جہاں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب یا شری گوپی ناتھ امن جیسی شخصیتوں کے حالات درج کرتے رہتے ہیں وہاں ہم نے فیاض حسین صاحب نسیم عرف لقمان اور عبدالغفار صاحب مدہولی جیسی کم معروف لیکن خاموش کام کرنے والی ہستیوں کے بھی تفصیلی سوانح حیات پیش کئے ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ پڑھنے والوں نے اسے بیحد پسند فرمایا۔

اس شمارہ میں ہم جناب رومان انصاری صاحب کے حالات درج کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم صاحب موصوف سے خود بھی پہلے سے واقف نہیں تھے سنگم کے قیام کے بعد ہی ان کی کہانیوں کی اشاعت کے سلسلہ میں ان سے جان پہچان ہوئی۔ اب تک بھی ہم ان کے متعلق ایسی اچھی معلومات نہیں رکھتے جیسی کہ ہماری خواہش ہے۔ حالانکہ دو تین مرتبہ ان سے ملاقات بھی ہو چکی ہے۔ ہم نے جب انہیں لکھا کہ ہم ہر مہینے اپنے پرچہ کے ٹائٹل پر سنگم کی مطبوعات کے مصنفین میں سے کسی ایک مصنف کا فوٹو شائع کرتے ہیں اور اسی پرچہ میں اس کے حالات زندگی جس قدر بھی معلوم ہوسکیں درج کرتے ہیں لہٰذا آپ بھی اپنے حالات لکھ کر بھیجئے تو بہت اصرار کے بعد ان کا جواب آیا کہ:۔

"حالات روانہ کر رہا ہوں لیکن کہنا صرف یہ ہے کہ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ حالاتِ زندگی بھی معمولی ہیں نہ تو میں نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے نہ کوئی ایسا تیر مارا ہے جس کو اپنے لئے قابلِ فخر خیال کروں۔

شکوہ اس بات کا ہے کہ آپ اپنی عنایت سے بہت جلد معقول قسم کے لوگوں کی صف میں کھینچ رہے ہیں حالانکہ میں اپنی رائے میں فی الحقیقت کچھ بھی نہیں ہوں۔"

اس سے آپ ان کی انکساری کا پتہ چلا سکتے ہیں سنگم نے بہت پرانے کہنہ مشق لکھنے والوں کی کہانیاں شائع کیں لیکن جو لطف رومان صاحب کی کہانیاں پڑھ کر آتا ہے اور جس دلچسپی اور شوق سے بچے اور بڑے سب ان کی لکھی ہوئی کہانیوں کو پڑھتے ہیں اتنی کسی دوسرے کی کہانیوں کو نہیں۔

ان کی کہانیاں ملک کے مشہور پرچوں میں جو بچوں کے لئے نہ صرف ہندستان میں بلکہ پاکستان میں بھی شائع ہوتے ہیں نکلتی ہیں جنھیں انہوں نے کتابی شکل میں چھاپنے کے لئے سنگم کتاب گھر کو پسند کیا کیونکہ جیسی ان کی کہانیاں اچھی ہیں ایسی ہی سنگم کتاب گھر کی مطبوعات نہایت عمدہ صاف اور خوشخط چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور یہ ادارہ نئے مصنفوں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرتا ہے اور

بہت مناسب اور اچھی شرائط پیش کرتا ہے۔

رومان صاحب نے اپنے متعلق نہایت مختصر حالات لکھ کر بھیجے ہیں جنہیں ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اگر ہمیں ان سے پہلے سے تعارف ہوتا یا کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ان کی ابتدائی زندگی سے کماحقہٗ واقف ہو تو غالباً ہم اس میں اپنی طرف سے کچھ اور کام کی باتیں بڑھا دیتے لیکن اب تو اسی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ انہوں نے آخر میں اپنے نئے شوق کے اظہار کے سلسلہ میں موجودہ ملازمت سے علیٰحدگی کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اور رومانی یا یوں کہئے فلمی لائن اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ان کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔ تاہم ان نوجوان کو ہم مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے خیر خواہ احباب سے جو واقعی خیر خواہ اور ہمدرد ہوں مشورہ کریں اور خوب غور کریں اور فلمی لائن میں جو کام کر چکے ہوں ان سے بھی پورے حالات کا جائزہ لیں، اس کے بعد اس قسم کے خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ دیں۔ ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ساری کی امید میں آدھی سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں اسی سلسلہ میں غور طلب ہیں جن کے اظہار کا یہ موقع نہیں ہے۔

خدا آپ کو نظرِ بد سے بچائے اور اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔ ایسا نہ ہو کہ کہانیوں کا لکھنا "اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی" بن کر سامنے آئے۔

پیدائش یو۔پی کی مشہور ریاست رام پور میں ۷، رفروری ۱۹۳۴ء کو انصاری خاندان کے ایک اچھے گھرانے میں جنم لیا والدین اور رشتہ داروں نے عبد الماجد نام رکھا سب سے چھوٹا ہونے کے باعث والدین اور بھائی بہن کی محبّت کا مرکز تھا۔ والد رام پور ریاست میں ایک تھانے کے نگراں تھے۔ اس لئے بچپن بے حد سکون۔ آرام اور آسائش سے بسر ہوا۔ لیکن جب سنِ شعور کو پہنچا تو ناگہاں والد پر نواب صاحب رام پور کا عتاب نازل ہوا۔ اور وہ اپنی نوکری سے برطرف کر دئے گئے۔ والد کی نوکری چھوٹ جانے سے گھر کے مالی حالات اس حد تک ٹھیک نہ رہ سکے۔

اچھی طرح سمجھ بوجھ آجانے پر میں مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ ذہنی طور پر چست اور چالاک ہونے کے باعث جلد ہی مکتب کے درجے پھلانگ کر ذوالفقار اسکول میں جا دھمکا جہاں فارسی اُردو اور انگریزی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو صرف آٹھویں کلاس تک تھا۔ اُردو زبان سے مجھے خاص طور پر دلچسپی رہی ہے اور یہی سبب تھا کہ جب میں اُردو اچھی طرح پڑھنے لگا تو میری سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ میں کہانیوں کی زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھوں اور یہ خواہش اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اسکول جاتے وقت سارا راستہ کہانیاں پڑھنے میں گزرتا۔ اور جب اسکول سے آتا تو بھی کتاب پڑھتا ہوا۔ اور اپنی اس محویت کے باعث میں کئی بار سائیکلوں اور تانگوں وغیرہ کے حادثوں سے بال بال بچا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ تیسری جماعت سے آخری یعنی آٹھویں جماعت تک میں اسکول میں ہمیشہ سائنس اور اُردو کا ذہین ترین لڑکا اپنی کلاس میں سمجھا گیا اور ہمیشہ اعلیٰ نمبر حاصل کرتا رہا۔ جوں جوں میری اُردو قابلیت بڑھتی گئی مجھ میں پڑھنے کے علاوہ لکھنے کا شوق بھی پیدا ہونے لگا۔ میرا شوق دیکھ کر بڑے بھائی صاحب نے رسالہ پیامِ تعلیم اور بچوں کا باغ جاری کرا دیا جن کا میں ہر ماہ بڑی بے چینی سے انتظار کرتا رہتا۔ تیسری جماعت سے لیکر آٹھویں جماعت تک کوئی اور بات قابل ذکر نہیں۔ آٹھویں جماعت میں آکر لکھنے کا شوق بہت زیادہ بڑھ گیا اور پہلی بار میں نے اپنے اسکول میگزین کے لئے چند نظمیں لکھیں جن میں سے ایک رسالہ "تحفہ" دہلی میں بھی شائع ہوئی۔

آٹھویں جماعت سے فارغ ہو کر نکلا تو مالی حالت اس قابل نہیں تھی کہ اگلی کلاسوں میں داخلہ لیا جا سکے۔ تاہم ایک طرف پڑھنے کا شوق تھا اور دوسری طرف مالی مشکلات۔ لیکن پھر بھی جیسے تیسے کرکے حامدیہ ہائی اسکول میں نویں جماعت میں داخلہ لے لیا۔

اب صورت یہ تھی کہ کچھ ٹیوشن کرکے میں مالی امداد حاصل کرتا اور کچھ والد اور بھائی امداد کرتے۔ اسکول کی زندگی میں مجھے کبھی کسی کھیل سے دلچسپی نہیں رہی۔ البتّہ اسکول کی لائبریری کا میں خاص طور پر ممبر تھا۔ اسی زمانے میں رسالہ کھلونا دہلی میں بھائی بہن کے پتے شائع ہوتے تھے تاکہ قلمی دوستی کی جائے۔ اپنی دلچسپی کے لئے یہ شغل بھی اختیار کیا۔ لیکن چند ایک کے سوا جن میں بہن مسعود جہاں علی گڑھ، ناز ناگی اور مظفر حنفی تھے جو بچّوں کے لئے اچھا خاصا لکھتے ہیں مجھے اور کوئی پسند نہ آیا اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب ان میں سے بھی میرا کوئی دوست نہیں رہا البتہ سب سے اچھی دوست

مسعود جہاں ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بارہا اپنے خطوط سے میری امداد کی ہے۔ میری ہر ناکامی پر تسلی دی اور مجھے آگے بڑھنے کی تلقین کرتی رہیں۔

اپنے زمانۂ تعلیم ہی میں میں نے خوب زور شور سے لکھنا شروع کر دیا تھا اور ع۔م انصاری کے نام سے رسالوں میں مضمون بھیجتا رہا۔ پہلے پہل تو مجھے سخت ناکامی ہوئی کیونکہ جب میں کسی رسالہ کو کچھ روانہ کرتا تو وہ بجنسہٖ واپس آ جاتا۔ یا ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا جاتا۔ اپنی ناکامی کو دیکھ کر میں گھبرایا نہیں۔ بلکہ واپس آئی ہوئی تحریروں کو جانچتا کہ ان میں کیا خامیاں ہیں۔ اور جب میں ان خامیوں کو دور کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میری لکھی ہوئی چیزیں شائع ہونے لگیں۔ ہائی اسکول پاس کرنے تک میرے مضامین ہندوستان کے "پھلواری"۔ "کھلونا" اور "تحفہ" میں اور پاکستان میں "بھائی جان" اور "ساتھی" میں چھپنے لگے۔

ایک دن میں نے محترمہ رضیہ سلطانہ چمن دہلوی کی ترتیب دی ہوئی کتاب "ہماری عیدیں" دیکھی۔ جو چھوٹے چھوٹے واقعات پر مشتمل تھی۔ کتاب دیکھ کر سوچا کہ ایسی ہی دو چار کہانیاں میں ترتیب دے ڈالوں تو کیا شائع نہیں ہو سکتی؟ چنانچہ اسی خیال کے زیرِ اثر جو کہانیاں میں نے ترتیب دیں وہ رام پور کے ہی ایک ادارہ ادبستان بک ڈپو نے "جن کے تحفے" کے نام سے شائع کیں اور جس کا معاوضہ مجھے پندرہ روپے ملا۔ یہ پہلا معاوضہ تھا جو مجھے اپنی کہانیوں کے سلسلے میں ملا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اب تک جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ سب اپنے ہی دماغی تخیل کا نتیجہ ہوتا تھا کسی کی امداد اس میں شامل نہیں ہوتی تھی۔ اور اس سلسلے میں مجھے افسوس ہے کہ کسی کو اپنا استاد نہیں بنایا۔

سنہ۱۹۵۱ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اور پھر مالی حالات سے مجبور ہو کر میں نے فکرِ معاش کی جستجو شروع کی۔ پہلے رامپور کے پوسٹ آفس میں عارضی طور پر ایک ماہ کام کیا۔ وہاں جی نہ لگا تو مردم شماری کے آفس میں چلا آیا اور جب وہ محکمہ ختم ہو گیا تو ایک معزز شخص کی سفارش پر کرنل جے ایم قریشی سول سرجن رامپور نے مجھے صدر ہسپتال کا جنرل اسٹور کیپر مقرر کر دیا۔ اور اب تک وہیں ہوں اور اسی جگہ پر سرکاری خدمات انجام دے رہا ہوں۔

سنہ۱۹۵۱ء تک برابر بچوں کے رسالوں میں ع۔م۔ انصاری کے نام سے لکھتا رہا پھر یکایک ایک رومانی نام "رومان انصاری" اختیار کر کے ادبی دنیا میں آنے کی جسارت کی۔ اور اس نئے نام کا سہارا لے کر بہت کچھ لکھ ڈالا۔ اس سلسلہ میں غالباً یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ جو کچھ بھی میں بچوں کے لئے لکھتا ہوں وہ کسی نہ کسی نصیحت کے جذبہ کے تحت یا کسی اصلاحی نقطۂ نظر سے لکھتا ہوں تاکہ بچوں میں کہانی کی دلچسپی کے ساتھ وہ مقصد بھی ان کے ذہن نشین ہو جائے دوسری بات یہ ہے کہ میں صرف بچوں کے لئے ہی لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے بچوں کے لئے لکھنے میں لطف آتا ہے۔ بڑوں کیلئے تو بہت سے اچھے اچھے اور قابل لکھنے والے ہیں۔

مالی تکلیف کم ہو جانے اور آسائش کی صورت پیدا ہو جانے پر کچھ دبے ہوئے شوقوں نے بھی سر اٹھایا ہے۔ جن میں سے پہلا شوق ہے۔ عکاسی۔

دوسرا۔ بڑے اور مشہور ادیبوں کی تصاویر حاصل کرنا۔

اور تیسرا مشہور شہروں کی سیر و سیاحت کرنا۔

خیال اور ارادہ یہی ہے کہ جلد ہی اس طبی لائن کو چھوڑ کر کسی رومانی لائن میں شرکت کر لوں۔ پتہ نہیں یہ ارادہ پورا ہوتا ہے یا نہیں۔

[رومان انصاری صاحب نے مندرجہ بالا مضمون میں اپنی صرف ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جو رام پور کے ادبستان بکڈپو نے "جن کے تحفے" کے نام سے شائع کی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کسی اور ادارہ کی طرف سے بھی کوئی کتاب شائع ہوئی ہے یا نہیں۔ سنگم کتاب گھر نے اب تک ان کی چھ کتابیں شائع کی ہیں یاقوت۔ فرشتہ کا انعام۔ جواری۔ انوکھا پیغام۔ مرمر کی موریاں اور جاسوس لڑکے۔ آپ بھی ان کتابوں کو پڑھئے اور انعام میں دیجئے یا بطور تحفہ پیش کیجئے۔ (ادارہ)]

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

(خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں)

جولائی و اگست ۱۹۵۵ء کا پرچہ پریس میں جا چکا تھا کہ ہمیں ٹیلیفون پہ اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی کہ ہمارے پچاس سالہ کرم فرما جناب خواجہ صاحب عین عیدالضحےٰ کی صبح کو ایسے سفر پر روانہ ہو گئے جہاں سے وہ اپنے سفر نامہ کا روزنامچہ نہیں بھیج سکیں گے۔ ہم نے اسی پرچے میں ایک نوٹ کی جگہ نکال کر "کیا خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا" سرخی کے تحت اس روح فرسا واقعہ کو محض ایک خبر کے طور پر درج کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "ممکن ہے کہ آئندہ پرچہ میں ہم آپ کو شریکِ غم کر سکیں"۔ بعض وجوہات کی بنا پر ہم ستمبر و اکتوبر کی گذشتہ اشاعت میں کچھ نہیں لکھ سکے اور "ممکن ہے" کا جو جملہ احتیاطاً ہم نے استعمال کیا تھا اس سے ہم وعدہ خلافی کی زد سے بچ گئے۔ اب اس پرچہ میں ہم تبرکاً کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن "مصورِ فطرت" کے ذکر کے لئے جن الفاظ کی ضرورت ہے وہ نہیں ملتے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے متعلق کس کس امر کا ذکر کیا جائے۔ ان کی ہر بات نرالی تھی۔ ان کے ہر کام میں جدت تھی۔ ان کے کلام میں ذہانت، فصاحت بلاغت کے ساتھ ساتھ نہایت سادگی ہوتی تھی۔ ان کی سینکڑوں تصانیف اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہیں۔ اور جتنی مرتبہ انہیں پڑھئے اتنی ہی مرتبہ زیادہ لطف آئے گا۔

فروری و مارچ ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں رفتارِ سنگم کے تحت ماہنامہ "منادی" دہلی کی رائے کا ذکر کرتے ہوئے جو "سنگم" کے متعلق منادی میں تبصرہ کے طور پر شائع ہوئی تھی ہم نے اپنے تعلقات کی طرف اشارہ کیا تھا اور پھر اسی پرچہ میں "تنقید و تبصرے" کے تحت رسالہ منادی پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے اپنے نیازمندانہ تعلقات پر جو پچاس سال سے جناب خواجہ صاحب قبلہ سے تھے کچھ روشنی ڈالی تھی اور باہمی میل ملاپ میں جو واقعات گزرے تھے ان میں سے دو چار اہم کا ذکر کر کے ان تعلقات کی حقیقت اور سالمیت واضح کی تھی اور کوشش کی تھی کہ خواجہ صاحب کی اولاد۔ ان کے متعلقین اور معتقدین کو اگر کچھ غلط فہمی ہو تو وہ رفع ہو جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ خواجہ صاحب کی بے لاگ محبت کا اثر ہم پر کیسا ہے اور ہمیں کتنا فخر ہے کہ ہمیں ایسی مقتدر ہستی کا قرب نصیب تھا اور ہم ان کے ایسے رفقاء اور خادموں میں سے تھے جن پر انہیں پورا اعتماد تھا اور وہ اس سے زیادہ ہماری عزت اور آؤ بھگت کرتے تھے جس کے ہم مستحق تھے اور وہ ہماری ترش و تلخ باتوں کو مصری سمجھ کر پی جاتے تھے اور انہیں اخلاص پر مبنی سمجھ کر ہمیں "مخلص نکتہ چیں" کے خطاب سے انہوں نے نوازا تھا جس سے وہ تمام معتقدین خاموش بلکہ مطمئن ہو گئے جو ہماری تحریروں سے ناخوش اور ناراض تھے اور اپنے پیر کے خلاف ہمارے خیالات کو گستاخی سے تعبیر کرتے اور ہمیں صاف صاف الفاظ میں گردن زدنی سمجھتے تھے اور اجازت مانگتے تھے کہ حکم ہو تو ایسے گستاخ کو فوراً ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک بار خواجہ صاحب نے ہمارا خط نظام المشائخ میں شائع کر دیا۔ اگرچہ اس کا بہت اچھا اور محبت آمیز جواب بھی درج کر دیا لیکن پھر بھی مریدین کی بے چینی کا یہ حال تھا کہ جب میں چند روز کے بعد اُن کی خدمت میں دفتر نظام المشائخ کوچہ چیلان دہلی میں حاضر ہوا تو نہایت ہنس کر فرمانے لگے کہ ذرا اندر کوٹھری میں جاؤ۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ تین چار بوریاں کاغذوں سے بھری پڑی ہیں۔ میں نے کہا یہاں کیا دیکھوں؟ ردی کی بوریاں رکھی ہیں۔ فرمانے لگے اسی ردی میں ہاتھ ڈال کر کوئی کاغذ نکال کر پڑھو۔ اب جو کاغذ نکالتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو خطوط ہیں جو خواجہ صاحب کے نام نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصوں سے بلکہ بیرون ہند سے خصوصاً جنوبی افریقہ سے آئے ہوئے تھے۔ جس خط کو بھی پڑھتا ہوں اس میں خاکسار کے خلاف غم و غصہ کا اظہار۔ گالیوں کی بوچھاڑ اور "ختم" کرنے کی اجازت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اگرچہ میں پہلے سے ہی ان کے اثر اور ان کی مقبولیت سے واقف تھا لیکن ان خطوط سے خواجہ صاحب کی عزت و عظمت اور ان سے عقیدت کا اور زیادہ علم مجھے ہوا۔ خواجہ صاحب نے حسبِ عادت مذاق میں پوچھا۔ "دیکھا آپ نے۔ آپ کے خلاف کس قدر فوج تیار ہے"؟ میں نے کہا اس میں تو میں اپنی بڑائی سمجھتا ہوں۔ ایک جان! تو اس کے لئے اتنی تیاری! ان خطوط سے وائسرائے ہند تو یقیناً بہت مرعوب ہو جائیگا اور وہ کچھ انتظام کی بھی ممکن ہے فکر کرے۔ لیکن یہاں تو تنِ واحد کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں۔ اس کے لئے اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت ہے۔ میرا سر تو ہر وقت آپ کے لئے حاضر ہے۔ میں مرید نہیں ہوں لیکن آپ کے مریدوں سے زیاد

عزت اور عقیدت میرے دل میں ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ خواجہ صاحب! آپ کا مخلص نکتہ چیں تو اب بھی ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا فرمانے لگے کہئے۔ میں نے کہا چھوٹا منہ بڑی بات، آپنے ان خطوط کا جواب دینے کی بجائے انہیں ردی میں ڈال دیا ہے۔ کم از کم ایک بات تو انہیں ضرور لکھ دیجئے تاکہ آپ کی تعلیم ادھوری نہ رہ جائے۔ اور وہ یہ کہ بھائیو! تمہاری جاں نثاری کا شکریہ۔ لیکن جس شخص کو تم نے گردن زدنی لکھا ہے وہ تو یقیناً قصور وار ہے لیکن اس کی ماں نے کیا قصور کیا ہے جسے تم نے گالیاں لکھی ہیں۔ خواجہ صاحب! میری والدہ بہت جید حافظ ہیں۔ آپ کوئی لفظ کلام مجید کا منہ سے نکالئے وہ فوراً پوری آیۃ پڑھ دیں گی اور بتا دیں گی کہ کلام پاک میں یہ آیۃ کہاں آئی ہے۔ وہ بہت عبادت گذار ہیں اُن کی دعا اللہ میاں بہت جلدی سنتے ہیں اور ان کی زبان میں اثر ہے۔ مجھے دیکھ کر رنج ہوا کہ قصور تو میرا اور مطعون ہوں میری ماں۔ اور مطعون بھی کیسی؟ گالی کے ساتھ اور گالی بھی الزامی! اللہ بچائے اور معاف کرے اُن لوگوں کو۔

خواجہ صاحب پر اس کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے بہت شفقت و محبت سے میری تائید کی۔ اس کے بعد پھر وہی دلچسپ و افیہ گفتگو شروع ہو گئی۔ ایسی ایسی پُر لطف صحبتیں افسوس اب کہاں نصیب ہو سکتی ہیں۔

خواجہ صاحب قبلہ کے انتقال پر متوسلین جمع تھے تو ذکر ہو رہا تھا بلکہ نجی طور سے طے ہو رہا تھا کہ جلد از جلد ایک کمیٹی کی تشکیل کیجائے جو جناب خواجہ صاحب مرحوم و مغفور کی سوانح حیات مرتب کرے۔ احباب کے دو ملکوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے یہ کام اگرچہ بہت مشکل ہو گیا ہے تاہم ایسے لوگ موجود ہیں جو خواجہ صاحب کے ہر قسم کے حالات۔ خیالات۔ کمالات۔ عادات اور عبادات سے واقف ہیں اور ان پر بخوبی قلم برداشتہ لکھ سکتے ہیں۔ یوں تو مختلف رسائل و اخبارات میں ان کے متعلق مختلف حضرات کے قلم سے ان کے تاثرات شائع ہو رہے ہیں اور ایک عرصہ تک شائع ہوتے رہیں گے۔ تاہم سوانح حیات کے مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ بہت سے ایسے حضرات بھی اب پا در رکاب ہیں، کہ جو کچھ ان سے معلوم ہو سکتا ہے اس سے بھی محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے تجویز کنندگان کو اس میں ایک لمحہ کا بھی تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم جناب شوکت علی صاحب فہمی مالک "دین دنیا" اور جناب مخدوم عزیز حسن صاحب بقائی مالک "پیشوا" اور عزیزی خواجہ حسن ثانی نظامی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اس طرف متوجہ ہوں۔ پاکستان میں علاوہ دیگر حضرات کے جناب مُلّا واحدی صاحب مالک نظام المشائخ اور بھیا احسان الحق صاحب ایسے اصحاب ہیں جنھیں سب سے زیادہ قرب حاصل رہا ہے اور وہ سب سے زیادہ مواد فراہم کر سکتے ہیں۔ یوں تو ان کے روز نامچے ہی سے کافی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں یہاں ہم چند سبق آموز باتیں درج کرتے ہیں:۔

ایک مرتبہ میں حاضر خدمت ہوا۔ آپ اس کمرہ میں مع چند احباب کے بیٹھے ہوئے تھے جو حضرت امیر خسروؒ کے پائیں جنوب ہر دیو لائبریری کی بالائی منزل پر واقع ہے اور جسے غالباً ایمان خانہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی جس میں سے ہو کر خواجہ صاحب کے مکان سے درگاہ کو راستہ جاتا ہے۔ اس کمرہ کی دیواروں پر عجیب عجیب چیزیں لکھی ہوئی تھیں آیات۔ احادیث اور اقوال بزرگاں۔ چنانچہ سب سے پہلے مجھے وہاں معلوم ہوا کہ اسلام میں بیک وقت ایک ہی بیوی کرنے کی اجازت ہے چار کی نہیں کیونکہ اس میں سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ "بشرطیکہ تم انصاف کر سکو اور مساوات رکھ سکو"۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص دوسرا نکاح کرے گا اور پہلی بیوی موجود ہو گی جس میں کوئی خرابی نہ ہو گی اور کوئی روگ نہ ہو گا۔ اولاد بھی ہو گی۔ جھگڑالو یا مریض نہ ہو گی تو یقیناً وہ کسی لالچ سے یا دوسری عورت کی اندھی محبت میں گرفتار ہو کر کرے گا جس کی بنا پر وہ پہلی کے مقابلہ میں اس کا زیادہ خیال کرے گا اسی سے زیادہ ربط ضبط رکھے گا اس لئے انصاف اور مساوات کا کوزہ تو وہاں ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ اور جب دو کی صورت میں ہی یہ حال ہے تو چار کیلئے تو معاملہ بہت ہی زیادہ کٹھن ہو جاتا ہے اس لئے اس شرط کے تحت عام اجازت نہیں ہے اور جن حالات کے تحت وہ اجازت جائز ہو سکتی ہے ان کا امکان فی زمانہ بہت کم ہے جن پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ غرض میرا مُدعا یہ ہے کہ اس آیت کو دیکھ کر غور کرنے کا موقع مجھے وہاں ملا تھا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہوا تھا:

"میری زندگی کے چار محبوب۔ اللہ۔ احمد۔ انسان۔ اُردو"

میں نے عرض کیا جناب خواجہ صاحب آپ تو بہت باریک بیں ہیں اور ہر بات میں کوئی نہ کوئی لطیف نکتہ پیدا کرتے ہیں لیکن یہاں تو آپ چُوک گئے۔ فرمانے لگے وہ کیسے؟ میں نے کہا جناب آپ کی زندگی کے چار محبوب ہیں۔ تین تو چو حرفی ہیں یعنی اللہ، احمد

اور اُردو۔ لیکن چوتھا پنج حرفی ہے۔ کیا اچھا ہوتا چار محبوب کے لحاظ سے چوتھا محبوب بھی چار حرف کا ہی ہوتا۔ اس کے علاوہ تین بے نقط ہیں اور چوتھا نقطہ والا ہے۔ یہ بھی بے نقط ہوتا۔ یہ سُنتے ہی پھڑک گئے اور واہ واہ واہ واہ کئی مرتبہ بلند آواز سے کہہ کر بہت داد دی۔ پہلے فرمایا "آدمی" لکھ دیا جائے؟ میں نے کہا اس میں ی کے نیچے اگرچہ نقطے لکھے نہیں جاتے لیکن ی حاملہ تو ہے۔ اس حاملہ کے لفظ پر دوسری بار پھر محظوظ ہوئے۔ میں نے کہا اگر آپ آدمی تجویز کرکے "آ" کو ایک حرف نہ مانتے تو میں آدم تجویز کرتا کیونکہ آ دراصل دو الف کا مرکب ہے۔ لیکن جب تاریخ وغیرہ نکالتے ہیں تو حروف کے اعداد شمار کرتے وقت آ کو ایک ہی حرف مانا جاتا ہے اس لئے بھی آدم ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ فرمانے لگے واقعی آپ نے بہت عجیب نکتہ پیدا کر دیا ہے۔ میں اس پر غور کروں گا۔ افسوس ہے کہ پھر کبھی اس موضوع پر گفتگو کرنے کا خیال ہی نہیں رہا۔ اور انسان بدستور اپنی جگہ پر موجود رہا۔

علالت کے آخری زمانہ میں وصال سے چند یوم پیشتر حاضر خدمت ہوا۔ صاحب فراش تھے۔ ہچکی کا زور بھی تھا۔ اٹھتے اٹھتے بستر پر پیشاب خطا ہو جاتا تھا یا دست نکل جاتا تھا۔ اس تکلیف کے باوجود آنے والوں کی خاطر باتیں برابر کرتے رہتے تھے۔ جو لوگ دُور سے ملنے کے لئے آتے ان سے اگر ملاقات نہ کرائی جائے تو طبیعت نہیں مانتی تھی اور اگر ملنے کے لئے اندر اُن کے کمرہ میں پہنچا یا جائے تو وہ باتیں ضرور کرتے تھے جس سے ہمیں بے حد ندامت ہوتی تھی کہ ہماری وجہ سے انہیں ناحق تکلیف ہو رہی ہے۔ بہرحال بچوں نے جب مجھے دیکھا تو فوراً اندر لے گئے۔ میں نے پہلے تو تامل کیا لیکن جب دیکھا کہ اور لوگ پہلے سے موجود ہیں تو میں بھی اندر چلا گیا۔ بہت خوش ہوئے۔ نہایت تپاک سے لیٹے لیٹے ہاتھ پھیلا دیئے۔ کیا معلوم تھا کہ یہ معانقہ آخری بار ہو رہا ہے۔ کاش وہ علم و برکت جو اُن کے سینہ میں محفوظ تھا میرے سینہ میں منتقل ہو جاتا یا کوئی ایسی ترکیب ہوتی کہ یہ اثاثہ میں چوری ہی کر لیتا اور اپنے قبضہ میں کر لیتا۔ خیر سلسلۂ کلام جاری تھا۔ میں بھی اس صحبت سے فیضیاب ہونے لگا۔ اپنے تعلقات کے سلسلے میں پاکستان کے گورنر جنرل اور وزرائے اعظم اور دیگر وزراء اور ہائی کمشنر راجہ غضنفر علی خاں صاحب سے بہت گہرے مراسم کا اظہار فرمایا۔ اور پھر ایک واقعہ سنایا جسے ناظرین سنگم کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

فرمانے لگے کہ جب میں پاکستان گیا تو وہاں ٹینس کے کھیل کے مقابلہ کے لئے باہر سے کھلاڑی آئے ہوئے تھے۔ اس کھیل کے دیکھنے کے لئے بہت شور و شر تھا۔ وزیر اعظم صاحب نے مجھے بھی خاص طور سے چلنے کے لئے کہا۔ میں نے کہا مجھے کھیل دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن انہوں نے اِصرار کیا۔ اور جب کھیل شروع ہو گیا تو خاص طور سے آدمی بھیجکر مجھے بُلوایا۔ میں گیا اور کھیل دیکھنے لگا کھیل خوب زوروں پر ہو رہا تھا۔ وزیر اعظم (افسوس ہے کہ مجھے اس وقت نام یاد نہیں رہا کہ مسٹر محمد علی کا دور دورہ تھا یا ناظم الدین صاحب کا) نے کہا دیکھئے کس قدر شاندار طریقہ سے کھیل ہو رہا ہے۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے یہی فقرہ دہرایا اور اس مرتبہ بھی جب میں خاموش رہا اور کچھ نہ بولا تو وزیر اعظم مجھ سے پوچھنے لگے آپ بالکل خاموش ہیں کیا آپ کو کھیل بالکل پسند نہیں آرہا؟ میں نے جواب دیا کہ آپ کھیل کی تعریف کر رہے ہیں اور میں گیند کو دیکھ دیکھ کر گہرے فکر اور سوچ میں کھویا جا رہا ہوں۔ وزیر صاحب نے پوچھا کیا مطلب؟ میں نے کہا میں دیکھ رہا ہوں گیند ادھر آتی ہے تو زور سے بلّا مار کر دوسری طرف بھگا دیا جاتا ہے۔ وہ غریب اُدھر جاتی ہے تو وہاں اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ غرض جتنی زیادہ زور سے پٹتی ہے اور جتنی زیادہ مسلسل چوٹیں اس پر لگتی ہیں اتنا ہی زیادہ واہ واہ کا شور بلند ہوتا ہے۔ اس غریب گیند پر کسی کو رحم نہیں آتا۔ میں گیند سے پوچھتا ہوں کہ تو جانتی ہے کہ تیرا یہ حشر کیوں ہو رہا ہے لیکن وہ پٹتی جاتی ہے اسے جواب دینے کی مہلت کہاں۔ میں اس سے کہتا ہوں اگر تیرے اندر یہ خودی کی ہوا نہ بھری ہوتی تو کوئی تجھے نہ پیٹتا۔ تو اپنی خودی کو چھوڑ دے اور چین سے زندگی بسر کر۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جن میں کوئی قابلیت نہیں ہوتی۔ اندر سے بالکل کھوکھلے اور خالی ہوتے ہیں محض شوں شاں کی ہوا بھری ہوتی ہے اور اس ہوا کے بل بُوتے پر اکڑ کر دھونس جماتے ہیں وہ بھی اسی طرح پٹتے ہیں۔ اگر وہ عجز اور انکساری سے رہیں اور یہ اکڑفوں جو محض خالی ہوا ہوتی ہے چھوڑ دیں تو بہت اطمینان سے اور عزت سے رہ سکتے ہیں۔ یہ سُن کر پاس والوں نے جو میرے

قریب بیٹھے تھے بہت دلچسپی اور مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ باتیں سُننے میں کہاں آتی ہیں۔"

اگرچہ خواجہ صاحب علیل تھے اور بات کرتے ہوئے ہچکی کی تکلیف کی وجہ سے رُک رُک جاتے تھے، اور اُن کی تکلیف دیکھ کر دل کُڑھتا تھا لیکن سچ جانئے ایسی باریک بینی اور ایسی نتیجہ خیز گفتگو سُننے کو دل یہی چاہتا تھا کہ سلسلہ جاری رہے۔ افسوس یہ علمی اور ادبی صحبتیں اب کہاں باقی ہیں۔ جو جاتا ہے اپنی جگہ خالی کر جاتا ہے اور پھر کوئی دوسرا اس کی گدی نہیں سنبھال سکتا اور خواجہ صاحب جیسا فطرت شناس اور نکتہ سنج تو پیدا ہونا ہی مشکل ہے۔ ان کا دماغ اللہ نے خاص طور سے بنایا تھا اور وہی سب سے بڑی دولت اُن کے پاس تھی۔

بڑے سے بڑے افسروں اور عہدہ داروں سے انکے تعلقات تھے یعنی نہ صرف خواجہ صاحب ان کے ہاں جاتے تھے بلکہ افسران بھی ان کے ہاں بارہا مدعو ہوتے تھے اور والیانِ ریاست انہیں مانتے تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد تو خاص طور سے ان کے معتقد اور مرید تھے خود اعلیٰحضرت میر عثمان علی خاں والیٔ حیدرآباد دکن ان کے ہاں مکان پر تشریف لائے تھے۔ دوسرے والیانِ ریاست بھی ان کی اسی قدر عزت اور احترام کرتے تھے۔ اس قدر بڑائی کے باوجود وہ غریب لوگوں سے بھی نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ انکی آؤ بھگت کرتے تھے۔ ان کے بہت سے کام نکالتے تھے اور مالی امداد سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ ان کی صحبت میں جا کر بیٹھنے سے ایک خاص قسم کی بڑائی خود ہم اپنے اندر محسوس کرتے تھے۔

ہم نے کسی گذشتہ اشاعت میں اپنے تعلقات کے بارے میں لکھا تھا کہ پہلی ملاقات ۱۹۰۷ء میں علی گڑھ کالج میں ہوئی تھی۔ اگرچہ ان کی تحریریں ۱۹۰۵ء سے پڑھنے کا اتفاق ہوچکا تھا۔

حیدرآباد دکن میں تین بڑی پائگاہ تھیں جن کے ساتھ خواجہ صاحب کے خاص تعلقات تھے۔ ان میں سے دو پائگاہوں (نوابین) کے لڑکے اعلےٰحضرت حضور نظام کے حکم سے علی گڈھ کالجیٹ اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیجے گئے تھے جن کی تعداد آٹھ تھی۔ ان کے ہمراہ ایک انگریز ٹیوٹر بھی آئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد انگریز ٹیوٹر کو حیدرآباد واپس بلالیا گیا اور ہیڈ ماسٹر مسٹر ایڈمنڈ نے (یہ بھی انگریز تھے) غلام محمد صاحب کو (جو اس زمانہ میں کالج میں پروفیسر تھے اور آج کل ریٹائرڈ گورنر جنرل پاکستان ہیں) اس انگریز کی جگہ مقرر کیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہ خیال کیا کہ بجائے اس کے کہ ان نوابین حیدرآباد کے بچوں کو دوسرے طلبہ سے علیحدہ ایک بنگلہ میں رکھا جائے۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ انہیں ایک ایسی عمارت میں رکھا جائے جس کو بورڈنگ ہاؤس کی شکل دی جاسکے اور اس کا نام پائگاہ بورڈنگ ہاؤس رکھا جائے اور ان کے ساتھ چند ایسے طلبہ رکھے جائیں جو انگلش ہاؤس میں رہتے ہیں اور جو خاندانی عظمت و وقار کے لحاظ سے ان کے مساوی حیثیت رکھتے ہوں تاکہ بورڈنگ ہاؤس کی کچھ زندگی تو انہیں مل سکے۔ چنانچہ نواب لیاقت علی خاں کے چھوٹے بھائی خورشید علی خاں مرحوم اور شاہ بخارا کا صاحب زادہ اور نواب ڈھاکہ کا لڑکا اور اسی طرح کے پانچ لڑکے اور ملاکر کل تیرہ ۱۳ کا ایک بورڈنگ ہاؤس بنایا گیا۔ غلام محمد صاحب نے اسی زمانہ میں فنانس کا امتحان دیا تھا اس میں وہ کامیاب ہوکر ریلوے کے سرکاری اعلیٰ عہدے پر چلے گئے اور انکی جگہ عمر حیات صاحب ملک اور راقم الحروف کا تقرر عمل میں آیا (عمر حیات صاحب ملک بھی غلام محمد صاحب کی طرح میرے بہت گہرے دوست تھے۔ اور آج کل پاکستان کی طرف سے جرمنی میں سفیر ہیں۔ پہلے انڈونیشیا میں بھیجے گئے تھے) ابھی مجھے اس دارالاقامہ میں کام کرتے ہوئے کچھ دن ہی ہوئے تھے کہ خواجہ حسن نظامی صاحب علی گڈھ تشریف لائے اور ان پائگاہ والوں سے ملنے کے لئے انہیں اور ان کے ہمراہ نابالغ نواب صاحب ماناوور کو مع ان کے سکریٹری کے عصرانہ پر مدعو کیا گیا اس کے بعد فوٹو لیا گیا جس میں پائگاہ کے نواب بچے اور خواجہ صاحب اور دوسرے مہمان شریک ہوئے۔ راقم الحروف بھی اس میں آپکو ملیگا یہ واقعہ سنہ ۱۹۲۰ء کا ہے۔ خواجہ صاحب کے تعلقات ان بچوں کے گھر والوں سے بہت زیادہ تھے۔

یہ فوٹو اسی اشاعت کے آخری صفحہ (ٹائٹل) پر آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ خواجہ صاحب ماشاءاللہ کس قدر خوبصورت اور کس شان کے انسان تھے اور انکی موجودگی سے محفل میں کس قدر جان پڑجاتی ہوگی۔ اللہ کے فضل سے خاکسار کی صحت بھی بُری نہیں تھی۔ اور جس شخص نے ہمیں آجکل اس آخری زمانہ میں ہی دیکھا ہے وہ تو ہماری پہلی تصویر دیکھ کر یقین ہی

نہیں کرسکتا کہ ہم ایسے تھے۔ اسی صفحہ کے اندر کی طرف ہم نے دو تصویریں اور شائع کی ہیں تاکہ آپ معلوم کرسکیں کہ وہ دوست جو ۱۹۳۰ء میں اس شکل کے تھے وہ ۵۴-۱۹۵۵ء میں بڑھاپے کے ہاتھوں کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ہم نے بہت تلاش کے بعد خواجہ صاحب کی یہ آخری تصویر حاصل کی ہے اس کے بعد کوئی تصویر کسی فوٹوگرافر کی کھینچی ہوئی آپ کو نہیں ملے گی البتہ گھر میں بچوں نے بزمانۂ علالت یا استقال کے بعد کھینچی تھیں۔ لیکن ہمارا مطلب ان سے حل نہیں ہوسکتا تھا۔ خواجہ صاحب کی یہ تصویر سلطان جی میں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کی غربی جالیوں کے باہر نشست کی حالت میں لی گئی تھی۔ اس کے بعد شاید پھر خواجہ صاحب کو وہاں آنے کا بھی موقع نہیں ملا اور وہ بیمار ہو کر سفرِ آخرت اختیار کر گئے۔ اس لئے خواجہ صاحب کی یہ تصویر بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے اور خواجہ صاحب کی دونوں تصویروں کا مقابلہ کیجئے کس قدر مقدس ہستی تھی ان کی!

اللہ میاں کی شان بھی عجیب ہے۔ پیدا کرتے ہیں اور مٹاتے ہیں جس طرح بچے کھیل میں زمین پر طرح طرح کی شکلیں بناتے اور مٹاتے رہتے ہیں۔ یا مٹی کے کھلونے بناتے اور بگاڑتے رہتے ہیں اسی طرح اللہ میاں کا بھی یہ کھیل جاری ہے اور جاری رہے گا۔

ذاتی محنت کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا۔ ایک اخبار بیچنے والا غریب سید زادہ کس عروج پر پہنچ گیا اور دنیا میں کس قدر نام پیدا کر گیا۔ لاکھوں روپیہ پیدا کیا اور اتنا ہی راہ مولا میں تقسیم کیا ہزاروں گمنام قبروں پر کتبے نصب کرا کر دوبارہ انہیں زندگی بخشی صوفیائے کرام کے مزاروں پر جو کچھ شرمناک حرکتیں ہوتی تھیں ان میں کافی حد تک اصلاح کی اور سجادگان کو اُن کے فرائض سے آگاہ کر کے انھیں خوابِ غفلت سے جگایا۔ غرض ہر لحاظ سے وہ نہایت خوش قسمت انسان تھے۔ کیا بلحاظ اولاد کیا بہ اعتبار جائداد کیا بلحاظ علمِ بصیرت کیا بہ اعتبار چشمِ بصارت، کیا بلحاظ روحانی فیض کے کہ لاکھوں مرید اب بھی سر دھنتے ہیں اور فرقت و جدائی میں روتے ہیں۔ ایسی ہستی کے متعلق جس کی اتنی بڑی مخلوق معتقد ہو خود خالق کو بھی لحاظ آتا ہے اور اس کے جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اس خالقِ ارض و سماء سے دعا کریں کہ وہ خواجہ صاحب کو اپنے مقبول بندوں کی صف میں جگہ مرحمت فرمائے۔ اور جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کے گناہ معاف کرے آمین ثم آمین۔

خواجہ صاحب کی کہانی ایسی نہیں ہے جو ایک وقت میں ختم ہو جائے۔ کس کس چیز کا ذکر کیا جائے۔ جی چاہتا ہی نہیں کہ یہ ذکر ختم ہو۔ پاکستان سے میرے محترم بھائی مُلّا واحدی صاحب خواجہ صاحب کے متعلق نہایت پیاری زبان میں اور نہایت سیدھے سادے انداز میں اپنے مخلصانہ جذبات کا اظہار محبت بھرے الفاظ میں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں میری کیا حقیقت ہے تاہم عقیدتمندانہ پھول چڑھائے بغیر دل نہیں مانتا خواہ ان میں خوشبو ہو یا نہ ہو۔
انشاء اللہ کسی اور موقع پر پھر اسی سلسلہ کی دوسری کڑی پیش کی جائیگی۔

(حافظ) فیاض احمد

آپ سنگم کے خریدار کب سے ہیں؟

کیا آپ شروع سے ماہنامہ سنگم کے خریدار نہیں ہیں؟ اگر ہیں اور پچھلے پرچے محفوظ نہیں رکھے تو بہت بڑی غلطی کی، اور اگر نہیں ہیں تو پچھلے پرچے ضرور پڑھئے آپ کی خوش قسمتی ہے کہ چند مکمل فائل ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر کوئی پرچہ گم ہو گیا ہو اور آپ اپنا فائل مکمل کرنا چاہتے ہوں تو ہم وہ پرچہ بھی بھیج سکتے ہیں۔

آپ پچھلے پرچے کیوں پڑھیں؟

اس لئے کہ (۱) ہر پرچہ بطور خود ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جس میں مختلف مضامین اور دلچسپ چیزیں آپکو ملینگی۔
(۲) کسی پرچہ کے مضامین کا تعلق کسی گذشتہ یا آئندہ پرچہ سے نہیں ہے ہر مضمون مکمل ہے کسی میں باقی آئندہ کا جھگڑا نہیں ہے۔
(۳) ہر پرچہ کا ہر مضمون مسلسل ہے۔ کسی جگہ بھی آپکو یہ نہیں ملے گا کہ "ملاحظہ ہو فلاں صفحہ" اور یہ ایسی خوبی ہے جو سوائے سنگم کے اور کسی پرچہ میں آپ کو نہیں ملے گی۔ ہم نے اس کا خاص لحاظ رکھا ہے۔
(۴) قیمت بھی وہی دو روپے سال ہے حالانکہ پچھلے پرچوں کی قیمت عام طور سے دگنی تگنی ہوتی ہے۔
(۵) ہر پرچہ کا کاغذ نہایت عمدہ اور سفید ہے۔ اخباری نہیں ہے اور ہر پرچہ کا سرورق مختلف رنگ کا ہے جس میں فوٹو بلاک کی تصاویر بھی ہوتی ہیں۔
(۶) کوئی مضمون مخربِ اخلاق نہیں ہے بلکہ بچوں اور بڑوں دونوں کے اخلاق کو بلند کرنے کا مسیحائی حکم رکھتا ہے۔
کیا اب بھی آپکو یقین نہیں آئیگا کہ ہمارا مقصد خدمت ہے روپیہ کمانا نہیں؟ (منیجر)

بھوک

(ڈاکٹر طاہر صاحب پالپوری)

(محترم جناب ڈاکٹر طاہر پالپوری صاحب کا یہ افسانہ پڑھنے کے بعد ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سنگم کے متعلق بھی ہمارے ناظرین میں اس قسم کی بدگمانی پیدا نہ ہو جائے جس کی طرف اس میں اشارہ ہی نہیں بلکہ وضاحت کی گئی ہے اور جملہ خیر سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک ناول کشمکش بھی سنگم کتاب گھر کی طرف سے عرصہ ہوا شائع کیا جا چکا ہے اور دوسرا تپش زیر طباعت ہے بلکہ اور بھی تیار ہیں اور اشاعت کے منتظر ہیں۔ آپ قسم لے لیجئے اگر ہمیں طاہر پالپوری کو افسانہ نگاروں یا ناول نویسوں کی صف میں لانے کے لئے چھدام بھی ملے ہوں۔ یا کسی قسم کا لالچ بھورے جیسا جاں نثار نے پالپوری صاحب کی طرف سے دیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کے متعلق ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ارشد یا جعفری جیسے ادیبوں کی امداد سے بالکل بے نیاز ہیں اور ماشاء اللہ اپنی شہرت کے آپ مالک ہیں۔ ف۔ و)

"اماں بھورے!"

"سرکار!"

"تو میرا بڑا نمک حوار ہے۔ وفادار ہے۔ رازدار ہے۔ خدا نے تیری کھوپڑی میں تھوڑی بہت عقل بھی دی ہے۔ تو اکثر آڑے وقتوں کام بھی آیا۔"

"یہ سب حضور کی مہربانی ہے، نوازش ہے، عنایت ہے ورنہ میں کس لائق ہوں۔ میں تو حضور کی جوتیوں کی خاک ہوں میری حقیقت ہی کیا ہے۔ میرا تو بس یہی حال ہے کہ ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں بھورے کی آبرو کیا ہے

"بس بس رہنے دے۔ میری اتنی تعریفیں نہ کر۔ یہ شعر کب سے ہوا؟"

"حضور اس شہر کو میں ..... سچ پوچھئے تو ساری دنیا کو میں شطرنج کی بساط سمجھتا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے مہرے تو بہت ہیں مگر حضور!!؟ واللہ کیا کہنے ہیں!!! حضور تو ان مہروں میں بس بادشاہ کی طرح نمایاں ہیں۔"

"بھئی واللہ! کمال کر دیا تو نے اس وقت بھورے! کیا ٹیپ کا بند لگایا ہے؟ تیری انہی باتوں نے تو مار رکھا ہے۔ تیری اسی ذہانت نے تو تجھے کفش بردار سے مصاحب خاص بنا دیا ہے۔"

آداب عرض کرتا ہوں سرکار! کورنش بجا لاتا ہوں۔ یقین مانئے حضور! میں کسی لائق بھی نہیں ہوں۔ یہ تو حضور کی عنایت ہے حضور کی نگاہوں کا کرشمہ ہے۔ حضور کی نگاہ تو وہ ہے کہ اگر ذرہ پہ ٹھیک سے پڑ جائے تو وہ چشم زدن میں ایٹم بم بن جائے۔ اب مجھی کو دیکھئے نا۔ میں کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ ایک ذرہ سے بھی گیا گزرا۔ مگر حضور کی ایک ہی نگاہ سے آج سارے شہر میں میر بھورے صاحب بنا پھرتا ہوں۔ ایک شعر یاد آگیا جو عرض کئے دیتا ہوں ؎

تیری نگاہ کرتی ہے تخلیق حسن کی

لاحول ولا قوۃ۔ دوسرا مصرعہ دماغ سے سٹک گیا۔

حضور مصرعہ لاجواب ہے۔

"ہوگا بھئی۔ میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ ادھر چند سال سے میں بے حد تکلیف میں مبتلا ہوں ——"

"تکلیف اور حضور کو؟ ایسی بدشگونی تو نہ نکالئے سرکار! تکلیف ہو حضور کے دشمنوں کو ——"

"میں سچ کہتا ہوں بھورے"

"کیا یہ غلام سننے کی جرأت کر سکتا ہے؟"

"اسی لئے تو بلایا ہے تمہیں ——"

"ارشاد ارشاد ——"

"میں بھوکوں مر رہا ہوں بھورے"

"کیا فرما رہے ہیں سرکار! اُف میرے کان پھٹ کیوں نہیں جاتے۔ حضور کے غلام در غلام تو کھا رہے ہیں اور ڈنڑ پیل رہے ہیں۔ یہ کیا سن رہا ہوں میرے آقا؟"

"تم ٹھیک ہی سن رہے ہو بھورے! میری بھوک تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ بھوک کی گرمی سے دماغ پھنکا جا رہا ہے اور غذا نہیں ملتی۔ میں فاقوں مر جاؤں گا ——"

"اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے۔ میری تیمیں کا خیال فرمائیے

اور ایسی بدشگونی مُنہ سے نہ نکالئے۔ میں تو یہ کلمات سُن سُن کر ہی یتیم ہوا جا رہا ہوں ——"

"میں سچ کہتا ہوں بھورے! اگر یہی حال رہا تو میں زندہ نہیں رہ سکتا ——"

"یا اللہ۔ یا اللہ، رحم رحم۔ اے زمین تو پھٹ کیوں نہیں جاتی۔ ارمی ظالم تو پھٹ بھی جا، تاکہ میں سما جاؤں......
مجھے آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضور کی حالت اتنی سقیم ہے۔ ارے ہاں! ابھی یاد آیا۔ آج ہی گھر سے خط آیا ہے۔ بچہ بیمار ہے اجازت ہو تو ذرا اسے دیکھ آؤں ——"

"بات یہ ہے بھورے کہ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ دولت گھر کی لونڈی ہے، ثروت کنیز ہے۔ مگر مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے ——"

"یہی تو میں کہوں کہ بھلا حضور کو کس بات کی تکلیف ہو سکتی ہے۔ میں رہوں گا سرکار اور بیچ کھیت رہوں گا۔ بچہ بیمار ہے تو ہوُا کرے۔ ایسے ایسے لاکھوں بچے آپ پر قربان کر دوں مگر یہ تو بتائیے سرکار کہ آخر حضور کو کس چیز کی بھُوک ہے؟"

"مجھے ادبی بھُوک ہے بھورے۔ میں ادیب کی حیثیت سے شہرت چاہتا ہوں۔ اور شہرت کم بخت ہے کہ چھلاوے کی طرح دور بھاگتی ہے ——"

"حضور کے افسانے تو نخلستان، دغدغہ، قہقہہ جیسے متعدد رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ میں ادبی رسالے تو پڑھتا نہیں بات یہ ہے کہ ادبی رسالے میری سمجھ میں کچھ کم ہی آتے ہیں۔ لیکن ان رسالوں کے ایڈیٹروں کا تانتا حضور کی ڈیوڑھی پر جو بندھا رہتا ہے اس سے میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ حضور کافی مشہور ہیں۔ انہی ایڈیٹروں سے معلوم ہوا کہ آپ کے افسانے ان کے رسالوں میں چھپتے بھی ہیں۔"

"آہ یہ ایک المناک راز ہے بھورے جس کا انکشاف آج کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے کوئی ترکیب نہ سوچی تو یہ بھوک مجھے لے مرے گی۔ میں خودکشی کر لوں گا ——"

"ہے ہے، قربان جاؤں سرکار! ایسی بات مُنہ سے نہ نکالئے۔ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ کچھ فرمائیے تو سہی آخر بات کیا ہے۔ میں خون پسینہ ایک کر دوں گا۔"

"دو دو سو اور چار چار سو ایک افسانے کے عوض میں ان ایڈیٹروں کو دے رہا ہوں لیکن ہنوز روزِ اوّل ہے۔ مٹھی بھر بھر کر روپیہ لُٹا رہا ہوں لیکن وہی ڈھاک کے تین پات ——!"

"کچھ وضاحت تو فرمائیے میرے حضور!"

"اماں میں نے ایک افسانہ لکھا جس کا عنوان تھا جل مانُس۔"

"واہ واہ واہ۔ واللہ کیا اچھوتا عنوان تھا۔ بن مانس تو سنا تھا یہ جل مانس خاص حضور کی اختراع ہے ——"

"بھئی بات تو سنو ——"

"ارشاد ارشاد ——"

"میں نے اس افسانہ کو نخلستان کے ایڈیٹر کو سنایا۔ کم بخت کہنے لگا کہ اس میں جان ڈالنے کی ضرورت ہے۔ افسانہ بالکل بے جان ہے ——"

"مردود کہیں کا! خدائی کا دعوے کرنے لگا۔ یہ کوئی فرعون ایڈیٹر معلوم ہوتا ہے۔ وہ کیا چاہتا تھا کہ افسانہ لنگور کی طرح اُچھل کود کرنے لگے۔ افسانہ کوئی ذی روح تھوڑی ہوتا ہے۔ عجب جاہل ایڈیٹر سے آپ کو پالا پڑا ہے سرکار!"

"اماں بات تو سنو۔ سمجھتے بوجھتے تو خاک نہیں، بکے جاتے ہو ——"

"ارشاد ارشاد ——"

"ارے بھئی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہاں تو اس نے دو سو روپے کا مطالبہ کیا۔ میں نے منظور کر لیا اور افسانہ شائع ہو گیا۔ میں نے پھر ایک افسانہ لکھا جس کا عنوان رکھا "خشک پری" اسے دغدغہ کے ایڈیٹر کو دکھایا۔ وہ افسانہ پڑھ کر بالکل گمبھیر ہو گیا۔ میں فوراً جیب سے نوٹ نکال کر گننے لگا۔ وہ موا ڈھیلا پڑ گیا۔ میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولا کہ افسانے میں بہت زیادہ جان ڈالنے کی ضرورت ہے اور پلاٹ بھی بدلنا ہو گا۔ میں نے سو سو کے چار نوٹ اسے تھما دئے اور یہ افسانہ بھی شائع ہو گیا۔ قہقہہ کے ایڈیٹر کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ طے ہوا۔ چنانچہ میں افسانے لکھتا رہا

بیڑ جان ڈالتے رہے اور میں ان کی جیبیں بھرتا رہا۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا
ان کا مطالبہ بڑھتا گیا۔ وہ کہنے لگے کہ جان پہ جان ڈالنے کے
وجود افسانے پھڑکتے نہیں حتےّٰ کہ کلبلاتے تک نہیں۔ اس لئے
وپیگنڈے کی ضرورت ہے۔ میرے لئے سیف القلم یہ سلطان القلم
یسے الفاظ تراشنے کی ضرورت ہے۔ اب میں اندھا دھند انہیں
پے دینے لگا۔ مگر چند ہی سال کے اندر ان کا آنا بند ہو گیا۔ پتہ
لانے پر معلوم ہوا کہ وہ متعدد مکانات بنا کر لینڈ لارڈ ہو گئے
لخیہ قہقہہ اور دغدغہ سارے کے سارے بند ہو گئے اور میں
یاں تھا وہیں رہ گیا ——"

"اُف حضور ان ڈاکوؤں کے پالے پڑ کر ہمت ہار بیٹھے؟"

"اماں نہیں میں نے ایک ناول بھی لکھا۔ اس کا نام
ہوں چراچوں، رکھا۔ اس کا ڈی لکس ایڈیشن آرٹ پیپر پر چھپوایا۔
پہلے تو مشکل یہ ہوئی کہ کوئی ناشر تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے
ب گریجویٹ کو کافی پونجی دے کر ناشر بنایا۔ چوں چراچوں جب
ائع ہوا تو دو دو سو روپے دے کر میں نے چار سو خریدار مہیا کئے
کہ شہر میں کافی پروپیگنڈا ہو جائے۔ پندرہ بیس گرگے پالے کہ
ں ناول کا خوب پروپیگنڈا کریں۔ مگر مجھے اس قدر دلشکن رپورٹ
ی کہ میرا دل بیٹھ گیا۔"

"وہ کیا —— ؟"

"معلوم ہوا کہ لوگ ایک آدھ ورق پڑھ کر اپنے بچوں
کو کھیلنے کے لئے دے دیتے تھے۔ چونکہ اس میں تصویریں
بھی تھیں بچے شوق سے کھیلتے تھے۔ یہ بے عزتی مجھ سے سہی
نہیں جاتی۔ شہرت کی خاطر میں نے رہا سہا بھرم بھی کھو دیا۔ اب تو
کوئی مجھ سے مسکرا کر بھی ملتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ وہ
چوں چراچوں" پڑھ چکا ہے اور میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔ میرا تو
یسا جی چاہتا ہے کہ دو تولے افیون کھا کر سو رہوں ——"

"ایسا نہ کہئے حضور۔ ورنہ میں زہر کھا لوں گا۔ آخر یہ جاں نثار
کس دن کام آئے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ حضور نے اس معاملے
میں خاکسار کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ کاش مجھ سے کچھ پوچھا تو ہوتا۔"

"میں نے سمجھا کہ تم اس لائن کے آدمی نہیں ہو ——"

"جب حضور کی نگاہِ کرم ذرہ کو ایٹم بم بنا سکتی ہے تو کیا مجھ
بھورے کو ہر فن مولا نہیں بنا سکتی —— ؟"

"تو کیا میری اس ادبی بھوک کی تسکین اب بھی ممکن ہے؟"

"تسکین ہی نہیں، مجھے تو ڈر ہے کہ خاکم بدہن حضور کو بدہضمی
نہ ہو جائے۔"

"بھئی بھورے معاف کرنا۔ میں نے تمہیں پہچانا نہ تھا۔
ہاں تو وہ ترکیب کیا ہے۔ مجھے کن کن منزلوں سے گزرنا ہوگا ——"

"اگر میرے رہتے ہوئے حضور کو کوئی تکلیف ہو جائے تو میرا
نام بھورے نہیں۔ مزا تو جب ہے کہ حضور چین سے سوئیں اور
شہرت آپ کے پیر دابے ——"

"کیا اس قدر آسان ہے؟ بھئی تمہارے دماغ کا لوہا تو میں
ہمیشہ سے مانتا ہوں۔ اس میدان میں کچھ کرتب کھاؤ تو جانوں ——"

"حضور جتنا آسان آج کل ڈاکٹر بننا ہے یہ اس سے بھی سہل تر ہے"

"اماں ڈاکٹر بننا تو بہت مشکل ہے برسوں پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

"میری مراد ہومیوپیتھک ڈاکٹر سے ہے۔ ایک کتاب پڑھ لیجئے۔ اور
دواؤں کا ایک چھوٹا سا بکس منگا لیجئے، چلئے بن گئے ڈاکٹر۔"

"میرے دل میں ابھی سے لڈو پھوٹ رہے ہیں کچھ بتا تو بھورے!"

"حضور ابھی کچھ نہ پوچھئے۔ میں جو کہوں اس پر عمل کیجئے۔ اگر
کامیابی نہ ہو تو سو جوتے مار کر کھڑے کھڑے ڈیوڑھی سے نکلوا دیجئے،
بات یہ ہے کہ حضور نے جو راہ اختیار کی تھی وہ کانٹوں سے بھری پڑی
ہے اور میں جس راہ پر لے جانا چاہتا ہوں وہ پھولوں سے سجی
سجائی ہے۔ بس پھول سونگھئے اور شہرت کا رقص دیکھئے ——"

"میں تیار ہوں۔ تم جو کہو گے کروں گا۔ کاش معلوم ہوتا کہ
گھر ہی میں گنگا بہہ رہی تھی اور میں جوہڑ جوہڑ مارا پھر رہا تھا ——"

"تو سنئے سرکار! اس وقت سنتا ہوں کل پرچوں میں کوہ طور
بہت مشہور ہے۔ اس کے ایڈیٹر ارشد صاحب جو ہیں نا؟ ان کی
مالی حالت خراب ہے۔ انہوں نے ساری دولت شراب و شاہد
میں لٹا دی ہے۔ وہ کوہ طور کو مع اپنے نام کے بیچنا چاہتے ہیں۔
آپ اسے خرید لیجئے۔ کل مجھے فجن سے معلوم ہوا تھا وہ ذرا اپنے
کو ادیب سمجھتا ہے اس لئے ان باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ وہ سات ہزار
مانگتے ہیں مگر پانچ ہزار میں یہ سودا پٹ جائے گا ——"

"ارے بھئی میں تو اس راہ میں بیس پچیس ہزار تک خرچ

کرچکا ہوں پانچ ہزار تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ کوہ طور کا ایڈیٹوریل بہت زوردار ہوتا ہے۔ اس کا مزاحیہ کالم بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ یہ دونوں چیزیں ارشد صاحب خود لکھتے ہیں۔ جب وہ رہیں گے نہیں، تو ایڈیٹوریل میں اور مزاحیہ کالم اگر تم لکھو گے تو رسالہ کا حشر کیا ہوگا ـــــ؟ "

"حضور کو وہ دن یاد ہوگا جب ہم لوگ بارش کی وجہ سے کلو خاں کے ہوٹل میں پناہ لینے کے لئے گئے تھے۔ وہاں ایک گوشہ میں ٹوٹی ہوئی کرسی پر ایک دُبلے پتلے سانولے سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سر پر میلی سی کالی ٹوپی تھی۔ آنکھ پر کالی کمانی کا پُرانا چشمہ تھا شیروانی پھٹی ہوئی تھی پاجامہ میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ہاں تو ان کا نام جعفری صاحب ہے۔ یہ سات بچوں کے باپ ہیں۔ مالی حالت بہت خراب ہے۔ لجن کہہ رہا تھا کہ ان کا ادبی ذوق اس قدر بلند ہے کہ شاید و باید مگر اپنا افسانہ لے کر جہاں جہاں وہ گئے ایڈیٹروں نے ان کے افسانے کو ان کی پھٹی ہوئی شیروانی سے ناپا اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ انہوں نے ایک بلند پایہ ناول لکھا مگر وہ بھی ان کی پھٹی ہوئی شیروانی کی زد میں آگیا۔ اور ناشروں نے بغیر دیکھے واپس کردیا۔ ارشد صاحب جب کوہ طور نکالنے کی سوچ رہے تھے تو اچانک جعفری صاحب سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ان کی دُوربین نظر نے جعفری صاحب کو ایک ہی نگاہ میں بھانپ لیا اور ان کی غربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں سو روپے ماہانہ پر نوکر رکھ لیا۔ مگر شرط یہ طے پائی کہ جعفری صاحب گمنام زندگی بسر کریں۔ ہاں تو یہی جعفری صاحب کوہ طور کا ایڈیٹوریل اور مزاحیہ کالم لکھتے ہیں۔ اور وہ ناول 'مریخ' جو ہے نا جس کے شائع ہوتے ہی ارشد صاحب نے ادبی معراج حاصل کی، وہ بھی انہی جعفری صاحب کا لکھا ہوا ہے تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ جعفری صاحب کو ہم لوگ سو روپیہ دینگے اور رسالہ اسی شان سے دندناتا رہے گا ـــ"

"خیر یہ تو آمدنی کی صورت ہوئی لیکن اس سے میری شہرت کیسے ہوگی؟ "

"حضور پہلے یہ کام تو کرلیں۔ باقی میں کرلوں گا۔ افسانوں اور مضامین کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ کوہ طور چونکہ مشہور پرچہ ہے اس لئے افسانے تو ٹڈی دل کی طرح آئیں گے۔ حضور کا کام یہ ہوگا کہ ان افسانوں کو اپنے جوتے سے مسل مسل کر ان میں جان ڈالینگے۔ جعفری صاحب رات کے وقت اپنی جھونپڑی میں مٹی کے تیل کے چراغ کی مدد سے پڑھ کر دو ایک افسانے چُن لیں گے اور کوہ طور میں جب وہ چھپ جائیں گے تو لوگ افسانے کو نہیں بلکہ کوہ طور کو پڑھیں گے اور پسند کریں گے۔ اس کے بعد میں ایک ایسی ترکیب کروں گا کہ آپ کا نام بام ادب پر چڑھ کر اس طرح چمکے گا، گویا آفتاب آسمان سے اتر آیا ہے ـــــــــ"

"اچھا بھئی میر بھورے صاحب جو چاہو کرو۔ اور جتنا روپیہ چاہو خزانہ سے خرچ کرو ـــــــ"

"اب حضور ایک سال کے بعد باتیں ہونگی۔ اس وقت تو حضور آسمانِ ادب پر درخشاں و تاباں ہوں گے ـــــ"

"آمین ـــــ"

(۲)

"اماں بھورے ـــــــ"

"فرمائیے حضور ـــــــ"

"ارے بھئی یہ تم نے کیا جادو کردیا؟ یہ ایک ہی سال میں کیا انقلاب آگیا! آج تک کوہ طور کا ایک پرچہ بھی میں نے نہیں پڑھا۔ چونکہ سارا کام تم پر چھوڑ دیا ہے۔ مگر عالم یہ ہے کہ روزانہ پچاسوں خطوط آرہے ہیں۔ کوئی صاحب تو گڑگڑا گڑگڑا کر خوشامد کررہے ہیں کہ ایڈیٹر صاحب سے ذرا سفارش کردیجئے تاکہ میرا افسانہ چھپ جائے۔ کوئی صاحب اپنے نئے ناول پر اچھی تنقید کرنے کیلئے ناک رگڑ رہے ہیں۔ کوئی جناب میری ادبی بلندیوں کا راگ الاپ رہے ہیں۔ بھئی بات آخر کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے افسانے لکھے، ناکام رہا۔ ناول لکھا مگر معاملہ بالکل ٹھپ ہوگیا۔ میں نے لاکھ کوشش کی مگر ایک نہ چلی۔ اور آج یہ عالم ہے کہ چین کی بنسری بجا رہا ہوں اور دُنیا بھر کے ادیب مجھے پوج رہے ہیں ـــ میں پوچھتا ہوں کہ آخر تم نے کیا تو کیا کیا؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یار تم انسان نہیں ہو بلکہ جنات میں سے ہو۔ حیرت ہے واللہ!!!!"

"یہ سب حضور کی جوتیوں کا صدقہ ہے"

"بھئی کچھ تو کہو آخر بات کیا ہے۔ تم نے تو وہ کر دکھایا جو علاؤالدین کے چراغ سے بھی ممکن نہ تھا۔ وہ سب کچھ کرسکتا تھا لیکن کسی کو ادبی شہرت نہ دے سکتا تھا ـــــــ"

"بات یہ ہے حضور کہ آپ اس وقت ادبی حیثیت سے ملک کے بہت بڑے نقاد ہیں ـــــــ"

"ارے میں اور نقاد ـــــــ !! ؟"

"اس وقت آپ کی تنقید نگاری کی دھوم مچی ہوئی ہے ـ"

"ارے یہ تنقیدیں لکھتا کون ہے ـــــــ ؟"

"میں لکھتا ہوں سرکار ـــــــ"

"یہ اور کہی ـ میں تو سمجھا جعفری صاحب لکھتے ہونگے ـ"

"حضور! جعفری صاحب صحیح معنوں میں ادیب ہیں ـ انہیں اتنی فرصت کہاں ـ وہ تو کوہ طور کے نظم و نسق میں دن رات چھپے چھپے مشغول رہتے ہیں ـ حضور نے وہ مقولہ نہیں سنا ہے کہ بگڑا ادیب نقاد بن جاتا ہے ـ تنقیدیں تو میں لکھ سکتا ہوں یا حضور لکھ سکتے ہیں ـ لیکن میں نے سوچا کہ میرے ہوتے ہوئے حضور کیوں تکلیف فرمائیں اس لئے میں ہی لکھ دیتا ہوں ـ اور نام حضور کا دے دیتا ہوں ـــــــ"

"حیرت، سراسر حیرت! کیا یہ اس قدر آسان ہے ؟"

"حضور اگر اسے پیشہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو آسان ہی نہیں بلکہ سہل ہے بالکل چٹکی ـــــــ"

"بھئی آخر کرتے کیا ہو ـــــــ"

"جس طرح گانوں کی دھن ہوا کرتی ہے ٹھیک اسی طرح تنقید کی بھی ایک دھن ہوتی ہے ـ تنقید کرنے کے لئے کتاب پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ـ صرف سرگم کو درست کرکے تنقید کو فٹ کرنا ہوتا ہے ـ اس کے علاوہ تنقید کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں طلب کرتا ہوں ـ یہ کاروباری ٹرک ہے ـ ورنہ پڑھنے کے لئے ایک جلد کافی ہے ـ مگر کتاب کو پڑھتا کون کافر ہے ـ یہاں تو صرف فٹنگ کی ضرورت ہے ـ اور ہاں تنقید کا پیشہ نفع بخش بھی ہے ـ میں نے افراسیاب کتب فروش کے ساتھ کنٹراکٹ کرلیا ہے ـ وہ ہفتہ میں ایک بار آتا ہے ـ کل کتابیں لے جاتا ہے اور ہر ماہ حساب بیباق کر دیتا ہے ـــــــ"

"بھئی یہ تنقید کی فٹنگ (Fitting) کیا ہے ؟"

"تھوڑی سی مہارت کے بعد یہ بالکل آسان ہو جاتی ہے ـ پہلے تنقید کا سا رے ـ گا ـ ما ـ پا ـ دھا ـ نی یاد کرنا ہوتا ہے ـ اس میں مصنف کا نام، کتاب کا نام، ناشر کا نام، ملنے کا پتہ اور کتاب کی ضخامت ہے ـ اسے اس طرح فٹ کیا جاتا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ کسی کتاب کا نام کرنیں ہے تو اسے اس طرح فٹ کیا جائے گا ـــــــ

ـــــــ "کرنیں" آر ـ جی ٹوپ کے افسانوں کا مجموعہ، پبلشر نورانی دواخانہ ـ ارے توبہ دواخانہ نہیں کتب خانہ ـ کتب خانہ، نور منزل، فرشتہ روڈ، ڈاک خانہ فردوس نمبر ۲۴، ضلع آسمان نگر ضخامت ۲۴ صفحات، مصنفہ آدم خاں"

"بھئی خوب ـ یہ تو عجیب دلچسپ مشغلہ ہے ـ ہاں تو پھر اس کے بعد کیا کرنا ہوتا ہے ـــــــ ؟"

"کچھ نہیں ـ بس اسی ڈھانچے میں علیٰ قدر مراتب رنگ روغن بھر دیجئے ـــــــ"

"وہ کیا ـــــــ بھئی وہ کیا ؟! ـــــــ"

"صرف کتاب کا سرورق دیکھ لیجئے ـ اگر مصنف کا نام نیا ہو یا اس سے کوئی خاص لگاؤ نہ ہو تو دبی اوپر والی سا ـ رے ـ گا ـ ما ـ پا ـ دھا ـ نی کی فٹنگ کافی ہوگی ـ اور اگر مصنف نیم شہرت کا مالک ہے تو اس کی کتاب کھول کر کہیں کہیں سے دو چار جملے پڑھ لیجئے اور انکو اچھال دیجئے ـ مثلاً غربی صاحب خوب لکھتے ہیں ـ کیکڑے کا بیاہ انہوں نے خوب لکھا ہے ـ خصوصاً ان کا یہ جملہ کہ کیکڑا اپنی دلہن کو دیکھ کر رقص سرطان کرنے لگا، چوم لینے کے قابل ہے اور بچھوؤں کا عشق لکھ کر دنیائے ادب پر غربی صاحب نے خاص احسان کیا ہے ـ خاص طور سے ان کا یہ جملہ کہ بچھو اپنے دلربا کو دیکھ کر اپنے ڈنک سے سلام کرنے لگا ـــــــ ـــــــ اس کے علاوہ اولّو ان ادیبوں کی کتابیں جو اپنی قوت بازو سے عوام میں مقبول ہوگئے ہیں تنقید کے لئے آتی ہی نہیں اور اگر بھولی بھٹکی آبھی گئیں تو ان کے نام کو چاند کی طرف اچھالنا پڑتا ہے ـ مثلاً آفتاب چند کے نام سے کون واقف نہیں ہے ـ آپ جب لکھنے پر آتے ہیں تو قلم توڑ دیتے ہیں ـ پنسل گھس دیتے ہیں ـ کاغذ پھاڑ دیتے ہیں ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ آنکھوں میں چھلانگ لگا کر گھس جاتا ہے اور دل میں کود کر قلابازیاں کھانے لگتا ہے ـ جس سے پڑھنے والوں کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں اور وہ چلا چلا کر رونے لگتا ہے ـ وغیرہ وغیرہ ـ مختصر یہ ہے کہ پوری کتاب پڑھ کر تنقید لکھنا اناڑیوں کا کام ہے اور زندگی کے کھیل میں اناڑی ہار جاتا ہے اور کھلاڑی گوئے سبقت لیجاتا ہے ـــــــ"

"اگر تنقید یہی ہے تو واللہ یہ تو ہم خرما و ہم ثواب ہے۔"
"جب ہی تو حضور اس قدر مشہور ہو گئے۔"
"کیا اس تنقیدی مخلوق کا یہی ایک طبقہ ہے۔ یا کوئی اور گروہ بھی ہے؟"
"ایک گروہ اور ہے جو اپنے آپ کو اشرف النقاد کہتا ہے لیکن یہ گروہ اس قدر سست ہے کہ مارکیٹ کی دوڑ میں ہمارے گروہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اس گروہ میں پارٹی بندیاں ہیں۔ اس لئے موجودہ مارکیٹ پر اس وقت اپنے ہی گروہ کا قبضہ ہے۔"
"بھئی واللہ کمال کر دیا۔ آج سے تم میرے دوست ہو خدا اس دوسرے گروہ کو سست ہی رکھے۔"
"اس کے علاوہ اس دوسرے گروہ کے اکثر و بیشتر افراد قنوطی اور مغرور ہیں۔ وہ خوبصورتی کو چھوڑ کر محض بدصورتی کو اُجاگر کرتے ہیں اس سے ان کے جذبۂ قنوطیت اور غرور کو غذا ملتی ہے۔ اپنی کامیابی کا راز یہی ہے ——"
"واللہ تم نے کمال کر دیا۔ بھئی تمہیں تو لیڈر ہونا چاہیئے تھا ——"
"میں کس لائق ہوں۔ یہ تو محض حضور کی نظرِ کرم ہے کہ میں ایک ہی نگاہ میں ایٹم بم ہو گیا —— مگر حضور یہ جعفری صاحب جو ہیں نا، اِدھر دو تین مہینے سے خون تھوک رہے ہیں ——"
"میں جانتا ہوں اس قسم کے لوگ بہت جلد خون تھوکنے لگتے ہیں۔ اچھا ایک کام کرو، اگر دوسرا ان کے مقابلہ کا مل جائے تو ان کو برخاست کر دو۔ ورنہ کسی ڈاکٹر کی مدد سے انہیں تھوڑا بہت مرمت کروا کے چالو کئے رہو۔ تاوقتیکہ میری یہ ادبی بھوک سیر نہ ہو جائے ——"
"حضور اگر شہرت کا یہی عالم رہا تو آپ کسی کو گالی بھی دیں گے تو اسے ادبی شہ پارہ سمجھا جائے گا ——"
"تو اس کا خیال رکھو کہ اس وقت سے پہلے یہ جعفری مرنے نہ پائے۔"
"ایسا ہی ہوگا میرے آقا۔"

ایسا کیوں ہے؟

محلہ کی گلیوں میں کام کے اوقات میں کبھی آپ نے بچے آوارہ پھرتے دیکھے ہیں؟ گالی گفتار کرتے ہوئے لڑتے جھگڑتے ہوئے کبھی آپ کو بچے نظر آئے ہیں؟ بھیک مانگتے ہوئے اچھے خاصے تندرست کام کے لائق بچے آپ تک کبھی پہنچے ہیں؟ گیڑیاں کھیلتے یا گلی ڈنڈا کھیلتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے کنستر یا لکڑی کے بکس کی گاڑی بنا کر اسے گھسیٹتے ہوئے اور شور مچاتے ہوئے بچے آپکو ملے ہیں؟ بارش کے پانی میں اور گندی نالیوں میں پانی اُچھالتے ہوئے کسی بچے کو آپ نے دیکھا ہے؟ کبوتر اڑانے کا شور مچاتے یا پتنگ بازی کے شوق میں گرمی سردی کی پرواہ کئے بغیر مکانوں کی منڈیروں پر پھلانگتے یا میدانوں میں بے حال ہوتے اپنے محلہ یا آس پڑوس کے "نونہالوں" میں آپ نے کبھی دلچسپی لی ہے؟ یا انکو کوٹھے پر سے گر کر "شہادت کا درجہ" حاصل کرتے ہوئے کبھی سنا ہے؟ اسکول کے بہانے گھر سے نکل کر لیکن اِدھر اُدھر چکر لگا کر اور وقت خراب کر کے دیر سے گھر لوٹتے ہوئے بچوں سے کبھی واسطہ پڑا ہے؟ کئی کئی دن کے نہائے ہوئے بلکہ بلا منہ دھوئے اور آنکھوں میں چیپڑے لگے ہوئے بہتی ہوئی ناک والے، آستین یا کرتے کے سامنے والے دامن سے ناک منہ پونچھنے والے میلے کچیلے بچے افلاس اور "غربت" کا عذر لئے کبھی آپ کی توجہ کا مرکز بنے ہیں؟

یہ کون ہوتے ہیں؟ کیا ان کا نام دریافت کئے بغیر آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ کیا آپ انہیں صرف "ہندوستانی" کہہ کر دل کو تسکین دے سکتے ہیں تاکہ فرقہ واریت کا الزام آپ پر نہ آئے؟ کیا واقعی اس موقع پر "مسلمان" کا لفظ کہہ دینے سے تعصب اور فرقہ واریت کے جذبات سے کام لیا جائے گا؟ کیا اپنی بدنصیبی پر پردہ ڈالنے سے آپ کوئی بڑی قومی خدمت انجام دیں گے؟

اگر ایسا نہیں ہے اور ہماری سب باتیں صحیح ہیں تو آپ نے اس کا کیا علاج سوچا ہے؟ سیکولر اسٹیٹ کے خیال میں نہ رہیئے اب تو رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ آوارگی سے غلامی بھی نہیں ملے گی۔ بلکہ موت بھی مشکل سے نصیب ہوگی۔

اس کا علاج اسی پرچہ میں کسی جگہ تلاش کیجئے۔

(ف۔ ل)

افسانہ

"جمّو دادا"

(از جناب شاہد علی خاں صاحب)

[شاہد علی خاں صاحب کا ایک افسانہ جولائی و اگست کے پرچہ میں شائع ہوچکا ہے جسے بے حد پسند کیا گیا۔ اب یہ دوسرا پیش کیا جا رہا ہے شاہد صاحب کے افسانہ میں کتنی خوبی ہے کہ نہایت مختصر ہونے کے باوجود بہت دلچسپ ہے۔ وہ ہمیشہ ایسی چیز لکھتے ہیں جو عام طور سے گھروں میں دیکھنے میں آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ ہم اپنے تمام لکھنے والوں سے درخواست کریں گے کہ وہ بھی جہاں تک ممکن ہو سکے اختصار کو مدِ نظر رکھیں تاکہ دوسروں کیلئے بھی گنجائش نکل سکے۔ مدیر مختصر والوں کو زیادہ طویل لکھنے والوں پر ترجیح دی جائے گی۔ "ادارہ"]

بیمار کون نہیں پڑتا۔ میں بھی پڑتا ہوں۔ آپ بھی پڑتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے دنیا میں ہر سانس لینے والا بیمار پڑتا ہے۔ لیکن جمو دادا کی بیماری؟ ارے توبہ! وہ اپنے ساتھ گھر والوں کو کیا پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی بیمار ڈال دیتے ہیں۔ اگر چھینک آ جائے تو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ ڈبل نمونیے کی شکایت ہو گئی۔ ہاتھ میں درد ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ کمپاؤنڈ فریکچر ہو گیا اور اگر خدانخواستہ پیٹ میں درد ہو جائے تو یقین جانئے انھیں دیکھ کر اچھی اچھی تندرست مائیں بھی کچھ سوچ کر سہم جائیں۔ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے ہیں بچارے۔ یوں تو اکثر وہ اپنی بہادری کے بڑے بڑے کارنامے سُناتے ہیں اور اگر کوئی بیماری کے دوران انھیں دہرا دے تو برس پڑتے ہیں اور کہتے ہیں "تم میرا مذاق اُڑاتے ہو۔ جب خود بیمار پڑو گے تب پتہ چلے گا۔"

آپ سمجھ رہے ہوں گے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" لیجئے آپ بھی سُن لیجئے۔ ابھی پچھلے دنوں جمو دادا کے پیٹ میں درد ہوا۔ اور درد ہوا بھی تو کم بخت بہت بے وقت وہ بچارے اسی دن الہ آباد جانے والے تھے۔ لیکن اب کیسے جاتے؟ درد کی شدت نے انھیں ذرا دیر میں پلنگ پر لا لٹایا۔ ہائے ہائے کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور یا اللہ، یا معبود کا کلمہ پچیس مرتبہ فی منٹ کی رفتار سے پڑھا جانے لگا۔ بستر پر بُری طرح کروٹیں بدلنے لگے۔ بچاری دادی سب کام چھوڑ چھاڑ جمو دادا کی تیمارداری پر تعینات ہو گئیں۔ بشو اور کلو نے ان کے اشاروں پر کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ درد کی وجہ سے بچارے بولنے کے لائق تو رہے نہیں تھے۔ فوراً نوکر کو بھیج کر خالو ابا کو بلایا گیا جمو دادا نے ان سے بہت ہی مدھم سُروں میں کہا "بھائی حکیم کو بلاؤ!"

خالو ابا حکیم کو لینے گئے اور جمو دادا پھر آل انڈیا ریڈیو کی طرح پکے راگ الاپنے لگے۔ لمبی لمبی تانیں کھینچنے لگے۔ پاس پڑوس کے لوگوں کو خبر ہو گئی کہ جمو دادا بیمار پڑ گئے۔ بس پھر کیا تھا لوگ جوق جوق انھیں دیکھنے آنے لگے۔ بچاری دادی کبھی عیادت کرنے والوں کو بیماری کی رپورٹ سُناتیں کبھی جمو دادا کو تسلی دیتیں اور انہیں صحتیاب ہونے کا یقین دلاتیں۔ اچانک چار چھ عورتوں کا ایک گروہ اور آیا۔ یہ عورتیں شاید محلے میں کسی کے ہاں مہمان آئی ہوئی تھیں۔ وہاں انھیں جمو دادا کی بیماری کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی عیادت کو آ گئیں۔ دادی ان عورتوں کو دیکھتے ہی جمو دادا کے پلنگ پر سے کھڑی ہو گئیں۔ ایک کونے میں پلنگ بچھایا سب عورتوں کو اس پر بٹھایا۔ اور پھر بیمار کا حال بڑے مؤثر انداز میں سُنانے لگیں۔ "اے بہن اچھے خاصے تھے۔ صبح سے الہ آباد جانے کی تیاری میں لگے تھے۔ خدا جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی کہ پیٹ میں درد ہوا۔ پہلے تو درد کی شدت کو برداشت کرتے رہے اور کام کرتے رہے۔ پھر جب درد نے زور پکڑا تو پلنگ پر لیٹ گئے اور اُس وقت سے اب تک تڑپ رہے ہیں۔" سب عورتیں سُن کر افسوس کرنے لگیں اور صحت کے لئے دُعا کرنے لگیں۔ دادی تو ان عورتوں کو حال سُنا رہی تھیں کہ اتفاق سے جمو دادا کو پیاس لگی۔ پہلے تو انہوں نے ٹھیم راگ میں دادی کو پکارا۔ گھر میں عورتوں اور بچوں کا اس قدر شور تھا کہ آواز دادی کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ بس پھر کیا تھا۔ جمو دادا فلک شگاف قسم کی آواز میں چیخ پڑے۔ "ارے سنتی ہو؟ کہاں گم ہو گئیں بیمار کو

اکیلا چھوڑ کر؟ میرے مرنے کے بعد بھی بہت سے لوگ آئیں گے اُس وقت اطمینان سے باتیں کرلینا۔" دادی نے جیسے ہی سُنا سر پر پیر رکھ کر بھاگیں۔ جلدی سے پانی لاکر پلایا اور سرہانے بیٹھ کر سر دبانے لگیں۔ اتنے میں باہر سے خبر آئی کہ حکیم صاحب آگئے۔ سب عورتیں پردے میں ہو گئیں۔ خالو ابا حکیم صاحب کو لے کر اندر آئے۔ حکیم صاحب نے اطمینان سے جمو دادا کو دیکھا اور بولے: "کوئی خاص بات نہیں معمولی سا پیٹ میں درد ہے۔ میں ابھی دوا بھجوائے دیتا ہوں۔ پیتے ہی آرام ہو جائے گا۔"

جمو دادا یہ سُن کر فوراً بول پڑے "آپ کیوں زحمت کریں گے۔ جب معمولی سا درد ہے تو بغیر دوا پئے ہی جاتا رہے گا۔" پھر حکیم صاحب کی طرف پیٹھ کرکے بولے:۔ "مرض پہچاننا تو جانتے نہیں چلے شفاء الملک بننے۔ میں تو مرا جا رہا ہوں اور آپ کہتے ہیں معمولی سا درد ہے۔" حکیم صاحب نے سُن لیا۔ لیکن کچھ بولے نہیں۔ ہاں باہر جاکر انہیں اپنی بے عزتی کا احساس ہوا اور انہوں نے دوا دینے سے انکار کر دیا خالو ابا نے جمو دادا سے کہا۔ جمو دادا بولے: "ارے اگر وہ دوا نہ دیں گے تو کیا میں مر جاؤں گا۔ جاؤ کسی اور کو لے آؤ۔ شہر کے اور حکیم کوئی رخصت پر تھوڑی ہی گئے ہیں۔" خالو ابا نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ایک نئے ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں انھیں بلا لاؤں۔ بڑی تعریف ہے ان کی شہر میں۔" جمو دادا نے کہا "جاؤ انھیں کو بلا لاؤ۔" تھوڑی دیر بعد وہ ڈاکٹر صاحب بھی آگئے۔ جمو دادا اُس وقت بھی بُری طرح تڑپ رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ مسخرے تھے انہوں نے آتے ہی جمو دادا کی آنکھیں، پپوٹے، دیکھنا شروع کر دیئے۔ جمو دادا پھر بول پڑے "اطلاعاً عرض ہے کہ درد میرے پیٹ میں ہے آنکھوں میں نہیں۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔ "مجھے آنکھوں میں بھی کچھ خرابی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں"؟ جمو دادا سوالیہ نشان بن گئے۔

"اس لئے کہ آپ کے پیٹ میں درد کچی روٹی کھانے سے ہے اور کچی روٹی آپ اسی وقت کھا سکتے ہیں جب آپکی آنکھوں میں کچھ خرابی ہو۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ اور تمام گھر میں قہقہے ابل پڑے۔ جمو دادا بھی مسکرا دئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر اطمینان سے انھیں دیکھ کر بیگ سے پیڈ نکالا اور دوا لکھ کر نسخہ خالو ابا کے حوالے کر دیا۔ اور جمو دادا سے بولے:۔

"یہ دوا آپ پی لیجئے۔ اللہ چاہے گا تو فوراً فائدہ ہو جائے گا بہت معمولی سا درد ہے۔" درد کی کمی کوشش کر جمو دادا پھر بگڑ گئے اور بولے "اس شدت کے درد کو معمولی درد بتا رہے ہو۔ تم نے ڈاکٹری کی ڈگری بازار سے خریدی ہے یا پڑھ لکھ کر حاصل کی ہے؟"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ "جناب پڑھ لکھ کر حاصل کی ہے اور وہ بھی لکھنؤ سے۔"

جمو دادا نے کہا۔ "اچھا تو تم ایک کام کرو۔ اپنی ڈگری بذریعہ رجسٹری انہیں واپس کردو اور لکھ دو کہ آپ لوگوں سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں اس کا اہل نہیں تھا۔ اس سے تمہاری عزت بھی بڑھ جائے گی۔ میڈیکل کالج کے ذمہ داروں کو اپنی غلطی کا بھی احساس ہو گا اور ملک کے ہزاروں مریض تمہیں منہ بھر بھر کے دعائیں دیں گے۔"

ڈاکٹر صاحب جمو دادا کی اس نصیحت سے کچھ گھبرا سے گئے۔ لیکن پھر سنبھل کر بولے۔ "اچھی بات ہے جب آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو کالج کو خط آپ ہی سے لکھواؤں گا۔" اتنا کہہ کر ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔ ذرا دیر بعد دوا آئی۔ خالو ابا اور دادی نے زبردستی "اللہ شافی" کہہ کر دوا پلائی۔ دوا پیتے ہی درد کافور ہو گیا۔ لیکن جمو دادا ایک ہفتہ تک پلنگ سے نہیں اٹھے۔ کہتے تھے طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن کمزوری اب بھی باقی ہے۔

بے رحم دُنیا

(نصیر محمد اشرفی مرادآبادی)

مُنشی کئی فاقوں کے بعد بھی اس کا ہاتھ بجلی کی سُرعت کی طرح چل رہا تھا۔ شام کے ساڑھے پانچ بجے تھے۔ پورا دفتر خالی ہو چکا تھا مگر وہ اسی طرح مستعدی سے اپنے کام میں منہمک تھا۔

"بابو جی!"

اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اُسکے سامنے کھڑا تھا۔

"بلدیو —کہو آج کیسے تکلیف کی؟"

"یہاں سیٹھ دیارام کی کوٹھی پر آیا تھا۔ دفتر کھلا دیکھ کر خیال گزرا چلو بابو جی کو بھی سلام کرتا چلوں۔"

چند سکنڈ خاموش رہ کر بلدیو نے مزید کہا۔

"اُس درخواست کا کیا ہوا۔ بابو جی! اس لئے پوچھنا تھا۔"

"وہ۔ ہاں۔ وہ ابھی صاحب کے سامنے نہیں گئی ہے۔"

پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا:۔

"بڑے بابو انکوائری تو کر آئے تھے مگر وہ ابھی یونہی پڑی ہوئی ہے۔ کچھ خیال ہی نہیں رہتا۔"

"تو کب تک ہو جائے گا میرا کام؟" بلدیو نے کسی قدر مُسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید آج ہی ہو جائے —— مگر —— کچھ ——"

اور اُس نے پنسل اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں گاڑ دی۔

"لیکن — بابو جی — آج تو میری جیب میں صرف ایک اٹھنی پڑی ہے —— بچوں کی مٹھائی کے لئے بھی کچھ پیش نہیں کر سکتا۔" بلدیو نے کچھ مایوسانہ لہجہ میں کہا۔

"خیر —— لاؤ —— وہی بہت ہے ——"

بلدیو نے کچھ سوچا اور اپنی جیب سے اٹھنی نکالکر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن — بابو جی میرا کام ——"

"ہاں۔ ہاں فکر نہ کرو۔ میں کام ختم کر لوں، پھر تم میرے ساتھ صاحب کے سامنے چلنا۔" اور پھر وہ سامنے رکھی ہوئی فائل کے کاغذوں میں اُلجھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت جب اس نے کام ختم کر کے ہاتھ سے پنسل چھوڑی۔ کلاک نے چھ بجائے وہ بے تابی سے کرسی سے اُٹھا اور فائل لے کر صاحب کے کمرہ کی طرف بڑھا لیکن جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے قدم ڈگمگائے اور یک لخت اس کی زبان اس کے خشک لبوں پر گردش کرنے لگی۔ بالائی، توس، کیک۔ انڈے۔ پیسٹری۔ کباب اور نہ جانے کیا کیا...... ....! وہ فوراً ہی لوٹنا چاہتا تھا۔ مگر۔

"آؤ۔ آؤ۔ اجمل کیا بات ہے؟"

اجمل کمرے میں داخل تو ہو گیا۔ لیکن میز پر چُنے ہوئے ناشتہ نے اس کی بھوک اور بھی تیز کر دی۔ اسے اپنی آنتوں میں اینٹھن اور شعلے بھڑکتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

"کام ختم ہو گیا۔ آپ چیک کر لیجئے اور پھر مجھے...... !"

"اچھا —— تم جانا چاہتے ہو جاؤ۔ میں دیکھ لوں گا۔"

"لیکن۔ مجھے تو تنخواہ چاہئے۔ آج مہینہ کی پندرہ تاریخ ہو گئی۔"

"تم سے کہہ تو دیا کہ تمہاری تنخواہ ہیڈ آفس سے ابھی نہیں آئی ہے۔"

"لیکن میری ہی تنخواہ کیوں رُک گئی؟"

اجمل نے مزید کہا:۔

"میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے؟"

"یہ بحث ہم سے مت کرو۔ ہم اس معاملے میں کچھ نہیں جانتے —— اور ہاں۔ کل بلدیو نے پارک میں مجھ سے کہا کہ تم نے اس کی درخواست کی کوئی پرواہ نہیں کی اور

اُس کا کام ایک ماہ سے ادھورا پڑا ہے۔"

" وہ ـــــ وہ ـــــ "

اجمل بوکھلا سا گیا۔

" وہ ـــ وہ ـــ کچھ نہیں۔ اجمل میں دیکھ رہا ہوں تم اپنے کام میں غافل اور سست ہوتے جا رہے ہو۔"

صاحب کہے جا رہے تھے اور اجمل غصّہ سے کانپ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ صاحب پر ہاتھ چھوڑ دیتا۔ مگر اس نے ضبط سے کام لیا۔ اور غصّہ کے تلخ گھونٹ پیتا ہوا کمرہ سے نکل آیا۔

"یہ بڑے لوگ ظالم۔ کمینے۔ انسانیت کو بدنام کرنے والے شیطان۔ تعلیم پر بٹہ لگانے والے غنڈے۔ اگر آج میں اس ملک کا بادشاہ ہوتا تو ان غریبوں کا خون چوسنے والے ناگوں کے ٹکڑے کر دیتا۔ زندہ دفنا دیتا" ـــــ "ہم سے بحث مت کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم غافل اور سست ہوتے جا رہے ہو۔"

وہ انھیں خیالات کے اُتار چڑھاؤ میں ڈوبا سوچتا ہوا سر جھکائے سڑک کے کنارے چلا جا رہا تھا۔ اور جب وہ چوراہے سے دائیں ہاتھ والی سڑک پر مڑا تو اُس کی ٹکر بڑے بابو سے ہو گئی۔ اُس نے نظریں اوپر اُٹھا کر دیکھا اور بڑے بابو کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا:۔

"بڑے بابو آپ اچھے موقع پر مل گئے۔ لائیے آج وہ دس روپے جو آپ نے چار ماہ پیشتر بطور قرض لئے تھے۔ مجھے واپس کر دیجئے ـــــ"

"لیکن! اس وقت تو میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتا۔"

"بڑے بابو۔ آپ کو کچھ نہ کچھ تو دینا ہی پڑے گا۔"

اجمل کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی آگئی۔ "میری بیوی بیمار ہے۔ ننھا حسن روٹی کے لئے ترس رہا ہو گا۔ گھر میں ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں۔ قسم لے لو۔ جو کل سے ایک کھیل بھی مُنہ میں اُڑ کر گئی ہو۔ بس کئی دن سے روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر گذارہ ہو رہا تھا۔ سو وہ بھی پرسوں رات ختم ہو گئے۔ اب محلّہ والوں نے بھی قرض دینا بند کر دیا۔"

"ارے اجمل! میں تجھے اتنا بیچ نہیں سمجھتا تھا۔ کہ صرف دس روپوں کے لئے اتنی باتیں بنائے گا۔"

بڑے بابو نے قدرے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ بابو میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ آپ میری شکل سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ نہ جانے کب سے شیو بھی نہیں کیا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی جا رہی ہیں۔"

"اجمل تم بہت ذلیل طبیعت کے انسان ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔ کم از کم اپنی نہیں تو میری عزت کا تو خیال کرو۔ میں بڑا بابو ہوں۔ اور تم یہاں سڑک پہ اپنے چند پیسوں کا اتنا زبردست تقاضہ کر رہے ہو۔"

"جہاں تم بڑے بابو ہو راجندر! وہ آفس ہے۔ اور یہ سڑک ہے جہاں تم ذلیل سے ذلیل انسان سے زیادہ ذلیل ہو۔ تم غریب کو لوٹ کر جیبیں بھرنا چاہتے ہو۔ جو کچھ دے سکتے ہو دیدو۔ ورنہ۔ یہ قرضہ تمہیں اپنی عزت سے چکانا پڑے گا۔"

اسی تُو، تُو۔ مَیں، مَیں نے ایک جھگڑے کی شکل اختیار کر لی۔ راہ گیر رُک گئے۔ آس پاس کے دُکان داروں نے اپنی گدّی چھوڑ دی۔ بھیڑ بھاڑ کو دیکھ کر پولیس مَین اپنی جگہ چھوڑ کر اس ہنگامہ میں پہنچ گیا۔ اور اجمل کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی ـــ اجمل نے انتہائی کوشش کی اُسے سمجھانے کی کہ وہ قطعی نردوش ہے۔ اُس نے صرف اپنے روپوں کا تقاضہ کیا ہے ـــ مگر ـــ وہ ایک غریب تھا۔ پُرانے اور بوسیدہ نہیں تو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور پولیس مَین بھی تو یہ سوچ رہا تھا۔ کہ آج بمشکل تمام دن بھر میں صرف چار آنے ہی تو ہتے چڑھے ہیں۔ بڑی دیر میں شکار پھنسا ہے!

راجندر ایک آفس کا بڑا بابو تھا۔ اور پھر یہ کہ وہ کوٹ پتلون میں ملبوس تھا۔ اس پر کوئی کیسے ہاتھ ڈالتا۔!

غرض اجمل مجرم ٹھہرا۔ اور وہ کشاں کشاں تھانہ لے جایا گیا۔

وہ تھانیدار کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت سے کھڑا تھا۔ اور تھانیدار اس پر بُری طرح برس رہا تھا۔ اجمل کو غصّہ آرہا تھا اور وہ بید کی طرح لرز رہا تھا۔ جب تھانیدار سب کچھ کہہ چکا تو اجمل نے اپنے اصل حالات اُسکے

سامنے پیش کئے۔ اور نہ جانے وہ کن کن جذبات سے مغلوب ہو کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتا۔ مگر — تھانیدار نے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا۔

چند منٹ بعد جب اجمل کی آنکھ کھلی تو اُسے سخت تعجب ہوا۔ کہ۔ ایک سنگدل آدمی کیسے موم ہو گیا۔ تھانیدار کی آنکھوں میں آنسو لرزاں تھے۔ اجمل اپنی جگہ سے اُٹھا اور تھانیدار کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"اجمل تم شریف ہو۔ میرے الفاظ مجھے واپس کر دو۔ اور یہ لو۔ تمہیں فوراً گھر پہنچنا چاہیئے۔ چاہو تو میری سائیکل لے جا سکتے ہو ——"

آس پاس کھڑے ہوئے سپاہی متحیر تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"شکریہ" وہ نہیں چاہتا تھا۔ مگر۔ اُس کا ہاتھ خود بخود دس کے نوٹ کی طرف اُٹھ گیا۔

اس کے بعد وہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو سکا گھر پہنچا لیکن جب وہ کمرہ میں داخل ہوا۔ تو اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اُس کی آنکھیں حد سے زیادہ پھٹی ہوئی تھیں۔ سیّدہ اس کی محبوب بیوی فرش پر بیہوش پڑی تھی۔ وہ گھبرا کر اس کی طرف بڑھا۔ اُٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ اور پھر پانی کی چھینٹیں دیں۔ سیّدہ نے آنکھیں کھولیں۔

"آپ آ گئے" سیّدہ نے نحیف آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ۔ نہیں۔ تنخواہ ملی؟"

"نہیں لیکن تم غم نہ کرو۔ دو چار وقت کا انتظام ہو گیا ہے — اور میرا پیارا حسن —— کہاں ہے؟"

"وہ — وہ۔ بھوک سے تڑپ تڑپ کر ابدی نیند سو چکا ہے" سیّدہ زور زور سے رونے لگی۔

"تم نے بھی کوئی انتظام نہ کیا؟"

"بہت خوشامد کی۔ بہت کہا سُنا۔ مگر کسی پڑوسی نے ایک پیسہ بھی دینا گوارا نہ کیا"

—— اور اجمل۔ اپنے ننھے حسن کی سرد لاش پر جُھک گیا۔

سچی بات کڑوی ضرور ہوتی ہے لیکن دوا کا کام دیتی ہے

ہم نے اسی پرچہ میں (صفحہ ۱۸ پر) "ایسا کیوں ہے؟" کے تحت کچھ طنزیہ سوالات لکھے ہیں جو سولہ آنے صحیح ہیں اور جن کا بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس سے ہمارا مقصد قومی نقطۂ نظر سے کسی فرقہ کی ذلت کرنا یا کسی دوسرے فرقہ کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے خود اپنی ذلت کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہم کب چاہتے ہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی جماعت کی بداعمالیوں یا شرمناک حرکتوں پر مُہر لگائیں اور دوسروں کے لئے دستاویزی ثبوت مہیا کریں۔ لیکن مجبور ہو کر ایسا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

قصہ یہ ہے کہ ہم بچوں کی پرورش میں احتیاط سے کام نہیں لیتے انجام کو نہیں سوچتے۔ ماحول کا خیال نہیں رکھتے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور کسے بھگتنا پڑے گا۔ غریبی کے معنی ہرگز نہیں ہیں کہ انسان میلا رہے۔ کپڑے گندے رہیں، یا پھٹے ہوئے ہوں۔ اگر اس قدر غربت ہے کہ صابن نہیں خرید سکتے، تو بغیر صابن کے ہی دھو لیجئے۔ کسی جوہڑ تالاب پر، دریا پر، کنوئیں پر، نل کے نیچے جہاں بھی پانی میسر ہو سکے جا کر دھو لیجئے کسی سے سوئی دھاگہ لے کر بُرا بھلا جیسا بھی ہو سکے پھٹا ہوا سی لیجئے ایسی ہیئت تو بنا لیجئے کہ دوسرے کو دیکھ کر نفرت نہ پیدا ہو۔

اکثر مسلمان عورتیں اندر خواہ کتنے ہی صاف اور عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں اور شکل صورت کے لحاظ سے بھی بُری نہ ہوں لیکن ایسا میلا اور چیکٹ سفید برقعہ پہنے ہوئے ہوتی ہیں کہ ریل میں۔ بس میں۔ ٹرام میں تانگہ میں کسی جگہ بھی کوئی پاس بٹھانا پسند نہیں کرتا اور سخت نفرت کرتا ہے اور پوری قوم بدنام ہوتی ہے۔ ہمیں تو جب کبھی ایسی گندے برقعہ والی عورت نظر پڑتی ہے تو ندامت سے زمین میں گڑ جانے کو جی چاہتا ہے۔ ان کی ضمیر مُردہ ہو چکتی ہے اور بے حسی کا غلبہ ہوتا ہے۔ مسلمان قوم کو سب سے پہلے اپنے لکچروں کو بہتر شہری پیدا کرنے کے سانچے میں ڈھالنا چاہئے اس کے بعد حقوق کی جنگ لڑنے کی شہ دینی چاہیئے۔ جس کا بدن گندہ ہے اس کی روح مُردہ ہے۔ اور جس کی روح مُردہ ہے وہ انسان کہاں؟ پھر حقوق کا مطالبہ کیسا؟ دیکھئے بُرا نہ مانیئے۔ (ف۔ ل)

زندہ لاش

(طاہر سعید رومانی بریلوی)

"خدا کے لئے ابّا جان میری شادی چاند پور میں نہ کیجئے۔ میں آپ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہوں۔"

"خاموش رہو قیصر میں کہتا ہوں یہ شادی ہوگی اور ضرور ہوگی۔"

"لیکن.... ...."

"لیکن ویکن کچھ نہیں —— میں وعدہ کر چکا ہوں —— اب میری عزّت اور خاندان کے وقار کا سوال ہے۔"

"ابّا جان وعدہ توڑا جاسکتا ہے۔ لیکن ٹوٹا ہوا دل نہیں جوڑا جاسکتا۔"

"بند کرو یہ بکواس"

"ابّا جان ذرا سوچئے تو سہی —— ایک تو میں نے لڑکی کو دیکھا ہی نہیں —— دوسرے وہ بالکل جاہل ہے اور میں ایم۔ اے پاس —— میری اور اس کی سوسائٹی میں زمین آسمان کا فرق —— بس یہ سمجھ لیجئے وہ آگ تو میں پانی۔ یا وہ پانی تو میں آگ —— اور آپ ان دونوں کا ملاپ کر دینا چاہتے ہیں! —— شیر اور بکری کو ایک ہی گھاٹ پانی پلانا چاہتے ہیں —— یہ کیسے ممکن ہے؟ —— شادی میری ہو رہی ہے اور وعدہ آپنے کیا ہے۔ —— زندگی مجھے گزارنی ہے —— اور میری قسمت کا فیصلہ آپ کر رہے ہیں! —— آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

"میں اب کچھ سُننے کو تیار نہیں۔ قیصر تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔"

"ابّا جان آج مجھے نہ روکئے اور مجھے سب کچھ کہہ لینے دیجئے —— کیا اسی لئے آپ نے مجھے پڑھا لکھا کر پرورش کیا تھا کہ میں مستقبل میں مصیبتوں اور پریشانیوں میں پھنسا رہوں؟ اگر آپ کا یہ خیال تھا تو بچپن ہی میں میرا گلا گھونٹ دیا ہوتا —— تاکہ آج میں آپ سے انکار نہ کرسکتا —— لیکن اب میں جان بوجھ کر اپنی زندگی کی نیّا بھنور میں پھنسا دوں —— یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا —— مجھے ہرگز یہ شادی منظور نہیں ہے۔"

"تو کیا یہ تمہارا اٹل فیصلہ ہے؟"

"جی ہاں"

قیصر الکنی سے غصّہ کی حالت میں اپنے کمرے میں پہنچا اور پھر گیرج سے کار نکال کر تیزی سے روانہ ہو گیا۔

بریلی اور پیلی بھیت کے درمیان چاند پور واقع ہے —— یہیں قیصر کی ہونے والی سُسرال تھی —— کہنے کو تو یہ گاؤں ہے لیکن قیصر کے خسر خانصاحب عبدالملک نے کافی روپیہ خرچ کرکے اپنی کوٹھی میں بجلی، ٹیلیفون اور ریڈیو کا انتظام کرالیا تھا۔

کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی —— قیصر اپنے خیالات میں غرق ہو کر اپنی ہونے والی سُسرال جا رہا تھا —— ایک تو ویسے ہی تعلیم وغیرہ کی وجہ سے اسکا چاند پور جانا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا —— اور دوسرے چونکہ ان دونوں کی منگنی بچپن میں ہو گئی تھی اس لئے لڑکی کا قیصر سے پردہ رہتا تھا —— اس کا خیال تھا کہ شاید میری التجا میرے رشتہ کے چچا صاحب یعنی ہونے والے خُسر صاحب ہی مان جائیں اور ایسی شادی کو پوشیدہ طریقہ سے ختم کردیں

قیصر کو سفر کرتے ہوئے ایک گھنٹہ کے قریب بیت گیا۔

"ارے باپ رے" وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔ اور فوراً کار کا بریک جام کرکے نیچے آیا —— اس کے سامنے قریب دو گز کے فاصلہ پر ایک لڑکی کی زندہ لاش پڑی تھی —— دوشیزہ کا سر پھٹ گیا تھا اور مُنہ سے خون جاری ہو گیا تھا —— لڑکی بے انتہا حَسین تھی —— چند منٹ تو قیصر کو کچھ ہوش بھی نہ رہا اور وہ اس کے حُسن کی رعنائیوں میں کھو سا گیا۔

لیکن جلد ہی لڑکی کے گاڑھے گاڑھے سُرخ خون نے اسے چونکا دیا ـــــ اس نے فوراً لڑکی کو ہاتھوں پر اُٹھا کر کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا لیا اور پھر کار تیزی سے روانہ ہو گئی۔

"ڈاکٹر صاحب! ۔۔۔ ذرا جلدی ۔۔۔ ۔۔۔ ذرا جلدی اس مریض کا معائنہ کیجئے ۔۔۔ ۔۔۔ ورنہ ۔۔۔ ۔۔۔ ورنہ یہ مر جائے گا ۔۔۔ ۔۔۔ اور پھر مجھے ۔۔۔ ۔۔۔ مجھے بھی خودکشی کرنا پڑے گی ۔۔۔ ۔۔۔" گھنٹہ بھر بعد قیصر علی صاحب نے ایک ہسپتال میں ڈاکٹر صاحب سے کہہ رہا تھا ـــــ

ڈاکٹر صاحب کار میں ہی لڑکی کا معائنہ کرنے لگے۔

"اب آپ اس مریض کا علاج ۔۔۔ ۔۔۔ جلد شروع کر دیجئے ڈاکٹر صاحب! ـــــ آپ جو مانگیں گے بس وہ دونگا ـــــ لیکن خدا کے لئے اس وقت میری حالت پر رحم کھائیے۔ میں آپ سے التجا کر رہا ہوں۔"

"میاں صاحبزادے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ـــــ شدید چوٹ آئی ہے ـــــ مگر جلد ہی ٹھیک ہو جائیگی۔"

"شکریہ" قیصر نے سَو روپے کا ایک نوٹ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے مسٹر؟"

"آپ کی فیس!"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ ہسپتال ہے؟ ـــــ یہاں پر گورنمنٹ نے ہمیں اپنے خرچ پر صرف اس لئے نوکر رکھا ہے کہ ہم لوگوں کا مفت علاج کریں ـــــ یہ رشوت ہے ـــــ اور رشوت لینا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ اور پھر میں سرکار کو دھوکا نہیں دے سکتا ـــــ یہ تم لوگوں کی بھول ہے جو ۔۔۔ ۔۔۔"

"بس کیجئے ڈاکٹر صاحب یہ باتیں فرصت کی ہیں ـــــ اور ہمارے پاس اس وقت زیادہ وقت نہیں ـــــ لائیے یہ نوٹ مجھے واپس کر دیجئے اور جلدی سے اس کا بینڈیج کر دیجئے میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے فوراً ہی مریض کو وارڈ میں پہنچوایا ـــــ زخموں پر مرہم لگا کر پٹی باندھی ـــــ اور پھر ہوش میں آنے کی دوا دے کر باہر چلے آئے ـــــ انہوں نے ایک نرس سے قیصر کا نام و پتہ رجسٹر میں درج کرایا اور پھر اسی کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے بھیج دیا ـــــ اور پھر ڈاکٹر صاحب قیصر سے گفتگو کرنے لگے

کچھ دیر بعد لڑکی کو ہوش آیا اور اس نے بہت ہی نحیف آواز میں پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

"ہسپتال میں، آپ کے معمولی سی چوٹ آگئی تھی لیکن اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

"مجھے یہاں کون لایا؟" لڑکی نے پھر پوچھا۔

"قیصر صاحب لائے ہیں آپ کو یہاں"

"قیصر صاحب؟"

"جی ہاں، وہ باہر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے ہیں میں ابھی بلائے لاتی ہوں۔" نرس وارڈ سے باہر چلی گئی۔

"کہئے مس صاحبہ! کیسے مزاج ہیں؟ ـــــ" قیصر نے وارڈ میں داخل ہوتے ہی سوال کیا۔

"ٹھیک ہوں۔ لیکن آپ نے میری خاطر اتنی تکلیف کیوں اُٹھائی؟"

قیصر نے کوئی جواب نہ دیا ـــــ کیونکہ وہ تو اس وقت ایک پتھر کی مورتی بن کر اسے تک رہا تھا۔

وہ شرما گئی، اس نے نظریں جھکا کر پھر سوال کیا:۔

"کیا میں آپ کا نام و پتہ پوچھ سکتی ہوں ـــــ؟"

"جی ضرور، میں بریلی میں ذخیرہ میں رہتا ہوں۔ میرے والد صاحب کا نام رشید خاں صاحب ہے۔"

"کیا میں بھی آپ کا نام معلوم کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

"جی، جی کیوں نہیں، مجھے شا۔ شہناز کہتے ہیں۔"

"قیصر صاحب میں نے آپ کے رہنے کا بندوبست کرا دیا ہے ـــــ اب آپ جا کر آرام کیجئے۔ جب انکی طبیعت کچھ سکون پر آجائے تو عہد و پیمان کیجئے گا ـــــ مریضہ سے زیادہ بات چیت کرنا ٹھیک نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر صاحب نے وارڈ میں داخل ہو کر کہا۔ اور قیصر شہناز کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا چلا گیا ـــــ

شہناز بے حد حسین تھی۔ اور قیصر تو اس کے حُسن کا بالکل

بچاری سا بن گیا تھا ——— وہ اپنا زیادہ وقت شہناز کے پاس ہی گزارتا تھا۔ اور اسے بھی قیصر سے دلچسپی ہو گئی تھی۔

"تمہاری شادی ہو گئی؟" ایک روز قیصر نے پوچھا۔

"جی نہیں، اور آپ کی؟"

"میری بھی نہیں ——— لیکن اب کرنے کا ارادہ ہے۔"

"کس کے ساتھ؟"

"تمہارے ساتھ۔"

"ہٹیئے بھی ہمیں ایسی باتیں پسند نہیں،" شہناز نے شرما کر اپنا چہرہ دوپٹے کے پلو سے ڈھانپ لیا۔

"قیصر صاحب! آپ نے انہیں دوا پلا دی؟" ڈاکٹر صاحب نے وارڈ میں داخل ہو کر پوچھا اور قیصر نے جواب میں سر ہلا دیا۔

قیصر اتنا بے تکلف ہو گیا تھا کہ اس نے شہناز کو اپنے گھر سے ناراض ہو کر سسرال جانے کی داستان از اول تا آخر سنا دی ——— آخر ایک روز شہناز کو ہسپتال چھوڑ دینے کی اجازت بھی مل گئی۔

ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد شہناز اور قیصر بریلی کی طرف روانہ ہو گئے ——— راستے میں شہناز نے پوچھا:

"آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کونسی چیز عزیز ہے؟"

"تمہاری جان"

"سچ؟"

"اپنی جان کی قسم"

"تو آپ کو میری جان کی قسم کار روک دیجئے" ——— بریک جام ہو گیا۔

"میں جا رہی ہوں ——— وہ دیکھئے سامنے میرے بھائی صاحب آ رہے ہیں" ——— شہناز نے دور سے ایک گاؤں والے کی طرف اشارہ کر کے کہا اور وہ کار سے اتر گئی۔

"نہیں نہیں، شہناز یہ نہیں ہو سکتا ——— تم میری ہو ——— میں تمہارے بغیر ....!"

"آپ کو میری قسم، آپ مجھے بھول جانے کی کوشش کریں ——— اور اپنے گھر جا کر اپنے والدین سے معافی مانگ کر ان کی مرضی کے مطابق شادی کے لئے رضامند ہو جائیں ——— اب خدا کے لئے جائیے ——— ورنہ اگر وہ نزدیک آ گئے تو نہ جانے کیا کر ڈالیں گے ———"

کار اسٹارٹ ہو گئی ——— وہ اپنی کوٹھی پر لوٹ آیا ——— شہناز بھی اپنے گھر چلی گئی ——— دونوں نے اپنے والدین سے معافی مانگ کر انہیں راضی کر لیا۔

آج رشید خانصاحب کے ہاں عید جیسی خوشیاں منائی جا رہی تھیں اس لئے کہ ان کا اکلوتا بیٹا قیصر لوٹ آیا تھا اور پھر اس نے اپنی منگیتر سے شادی کرنے کا بھی اقرار کر لیا تھا ———

آٹھ روز بعد قیصر کی بارات عبدالملک خانصاحب کے گھر پہنچ کر چار روز بعد واپس آ گئی ——— خاص طور سے دولہا دلہن کے والدین تو آپس میں مل کر بے انتہا مسرور ہوئے ——— لیکن قیصر سنجیدہ تھا اس نے آرسی مصحف میں نظر اٹھا کر بھی دلہن کو نہ دیکھا تھا۔ لیکن جب سہاگ کی رات کو اس نے گھونگھٹ اٹھایا تو وہ چلا اٹھا شہناز! اور شہناز نے قیصر کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

شہناز جس کا اصلی نام شاہین تھا اس نے قیصر کو بتایا کہ ——— "جب تم گھر سے نکلے تھے تو تمہارے والدین نے ٹیلیفون پر ہم سے کہہ دیا تھا۔ میں تمہارے گھر چھوڑ دینے کی خبر سنکر گھر سے نکل گئی تھی کہ راستے میں یہ حادثہ ہو گیا۔ بڑی خیریت تو یہ ہوئی کہ میرے والدین نے میرے گھر سے بھاگنے کا راز پوشیدہ رکھا۔ ورنہ تو بڑی بدنامی ہوتی ———"

"چھوڑو ان باتوں کو ——— قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔ لیکن تم نے مجھے پہلے سے کیوں نہیں بتایا تھا؟" "اس لئے کہ جس طرح آپکی وجہ سے ہمارے والدین پریشان ہوئے اسی طرح آپ بھی تو کچھ دنوں پریشانی اٹھائیں۔"

قیصر مسرت سے پاگل سا ہوا جا رہا تھا ——— اسکے والدین کی مرضی پوری ہو گئی تھی۔ اور پھر اس نے بھی اپنی محبت اور زندگی کھو کر دوبارہ حاصل کر لی تھی۔ اس نے جوش میں آ کر شاہین کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ قیصر کے سامنے اس دن والے حادثے کا منظر رقص کرنے لگا اور وہ سمجھا جیسے اس کے ہاتھوں میں شاہین نہیں ——— بلکہ اس کی زندہ لاش ہے ——— وہ چونک پڑا اور اس نے گھبرا کر کہا۔

"شاہین! شاہین!"

"کیا بات ہے میرے سرتاج؟" شاہین نے مسکرا کر جواب دیا ———

"کچھ نہیں شاہین" اور پھر قیصر نے شاہین کی پیشانی کو چوم لیا۔

بچّوں کی تعلیم و تربیت

علم مجلسی

والدین اور سرپرستوں سے درخواست ہے کہ وہ ہمارے پرچہ کے اس حصّہ کو خاص طور سے اپنی توجّہ کا مرکز بنائیں، اور ان صفحات میں ہم جو کچھ انمول موتی بکھیر چکے ہیں انہیں ضائع نہ ہونے دیں۔ ہم چُن چُن کر ایسی باتیں لکھتے ہیں جن سے آپ کی اولاد کو بہت فائدہ ہوگا اور ان کی تربیت میں آپ کو ان باتوں سے بہت زیادہ مدد ملے گی۔ ہر بات جو ہم درج کرتے ہیں اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک علمی اور دوسرا عملی۔ عمل میں تو اچھے سے اچھا انسان چُوک جاتا ہے اور اس سے لغزش ہو جاتی ہے اس لئے حتی الوسع کوشش کرنی چاہیئے کہ نہ صرف آپ کی اولاد بلکہ آپ خود اس پر عمل پیرا ہو کر ان کے سامنے نیک مثال قائم کریں لیکن علمی حصّہ کا جہاں تک تعلق ہے وہاں تک تو ہم آپ سے نہایت اصرار اور بہت زور دے کر التجا کریں گے کہ آپ انہیں یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں اور یاد کرا دیں۔ یہ چیز اگر ان کے دماغ میں محفوظ ہو گئی تو آپ دیکھیں گے کہ ایک نہ ایک دن یہ خود بخود اپنا رنگ اور اثر دکھائے گی۔ اور بہت نیک اور مفید نتائج برآمد ہوں گے۔

بچّو! ہم تم سے بھی نہایت پیار اور محبّت سے کہتے ہیں کہ تم علم مجلسی کی باتوں کو خوب غور سے پڑھا کرو۔ آئندہ چل کر ملک اور قوم کی باگ ڈور تمہارے ہی ہاتھ میں ہوگی اور تم ہی ملک کے رہنما اور رہبر بنو گے اور لوگ تم سے ہی مشورے لیا کریں گے اور تمہاری باتوں پر کان دھرا کریں گے۔ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے، اپنے قول کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اپنی تحریر و تقریر کو مؤثر بنانے کے لئے یہ باتیں تمہارے لئے نہایت بیش قیمت دولت کا کام دیں گی۔ اس لئے گزشتہ تمام پرچوں کی باتوں کو ایک جگہ اپنی پاکٹ بک میں لکھ لو، اور انہیں یاد کر لو اور موقع بموقع انہیں استعمال کیا کرو۔ پھر دیکھو تمہاری دھاک کتنی بیٹھتی ہے اور تمہاری قابلیت کا سکّہ کتنا چلتا ہے اور سوسائٹی میں تمہاری کتنی قدر ہوتی ہے اور اگر تم ان پر عمل بھی کرو جو نہایت ضروری چیز ہے اور جو ان باتوں کے لکھنے اور تمہارے سامنے بیان کرنے کا ہمارا اصلی مقصد ہے تو تم ایسے اچھے لوگوں میں شمار ہونے لگو گے کہ لوگ تمہیں نہایت نیک، شریف اور ولی سمجھنے لگیں گے اور تمہاری ایسی عزت ہونے لگے گی کہ جیسے کسی کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ تم اپنے جذبات اور احساسات مُردہ نہ ہونے دو گے بلکہ ہمیشہ انہیں اپنے نیک خیالات اور پسندیدہ عمل سے زندہ رکھنے کی کوشش کرتے رہو گے۔

آج کل بچّے بلکہ بڑی عمر کے طلبہ بھی بڑوں اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے گھبراتے ہیں اور اسے تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ بیہودہ باتیں اور شرمناک مذاق کرتے ہوں جن سے بچنا اور علیحدہ رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اچھے مذاق والوں کے ساتھ بیٹھ کر اُن کی باتوں سے آداب مجلس اور آداب گفتگو کا حاصل کرنا ہے لیکن ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ جہاں دو تین شخص باہم مل کر مشورہ کر رہے ہوں یا کسی بات پر غور کر رہے ہوں وہاں تم بھی جا دھمکو۔ یا کوئی میٹنگ ہو رہی ہے اس میں جا کر بیٹھ جاؤ بلکہ جب دیکھو کہ کوئی بڑا شخص آیا ہے اور لوگ اس کی باتیں سُننے یا اس سے ملاقات کرنے کے لئے آ رہے ہیں یا کسی جگہ روزانہ پڑھے لکھے بزرگ یعنی تمہارے والد کے ہم عمر جمع ہوتے ہوں اور علمی باتیں ہوتی ہوں تو تم بھی نہایت خاموشی سے ان کی باتیں سُنا کرو کوئی بات تم سے دریافت کی جائے تو معقولیت اور ادب و شرافت سے جواب دو۔ ورنہ ہمیشہ خاموش بیٹھو اور سُنو کہ وہ آپس میں کس طرح علمی بحث کر رہے ہیں۔ تمہیں اگر کسی کے خیال سے اتفاق نہ ہو تو بھی تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ آپس میں نمٹ لیں گے تم تو یہ دیکھو کہ دوسرا کیا جواب دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کیا دلائل پیش کرتے ہیں یا کون کون سے باریک نکتے پیش کرتے ہیں مثلاً اسی پرچہ میں ہم نے جناب خواجہ حسن نظامی صاحبؒ کا

حال لکھا ہے اس میں ایک واقعہ بیان کیا ہے جبکہ وہ پاکستان کے دورہ کے دوران میں ٹیسٹ کا کوئی معرکۃ الآرا میچ دیکھنے کے لئے خاص طور سے مدعو کئے گئے تھے۔ اور مدعو کرنے والے وزیر صاحب نے ان سے میچ کے اچھے یا بُرے ہونے پر رائے دریافت کی تھی تو اسکے جواب میں انہوں نے عریب گیند کی بپتا بیان کرتے ہوئے کیسا اچھوتا خیال ظاہر کیا اور کیسا پھڑک دار نکتہ پیدا کیا تھا۔ یا راجہ بیربل اور شہنشاہ اکبر کے سوالات وجوابات اور اکبر الہ آبادی کے خطوط یا مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط سے اسی قسم کے ادبی نکات تم معلوم کروگے۔ آج کل گندے اور فحش ناولوں کا بہت زور ہے۔ تم اچھے لوگوں کی کتابیں پڑھا کرو تاکہ تمہیں علم حاصل ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ اپنے ہی مذہب والوں کی کتابیں پڑھو بلکہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی نصیحت آمیز اور سبق آموز کتابوں کا بھی ضرور مطالعہ کیا کرو اور اپنی عمر اور سمجھ کے لحاظ سے کتابوں کا انتخاب کیا کرو جس کے لئے اپنے اچھے استادوں اور والدین اور دوسرے سمجھدار لوگوں سے مشورے کرتے رہو اور کتابوں کے انتخاب میں ان سے مدد لیتے رہو۔ بڑی عمر کے مسلم طلبہ کو جہاں اسلام کے پیرو بزرگوں کے حالات پڑھنے چاہئیں وہاں ہندوؤں سکھوں عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے پیشواؤں کی زندگی سے بھی واقف ہونا ضروری ہے اس کے بغیر تم ایک دوسرے سے بالکل اجنبی رہو گے اور تمہیں مطلق معلوم نہ ہوگا کہ اس زمین پر خصوصاً ہندوستان کی زمین پر کیسی کیسی قابل احترام ہستیاں گزر چکی ہیں اور تمہارے لئے کیا کیا کارنامے انجام دے گئی ہیں۔ تمہاری رائے میں یا تمہارے بزرگوں اور استادوں کے خیال میں اگر کوئی شخص بُرا بھی گزرا ہے تو بھی اس کے حالات پڑھو اور معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس نے کوئی کام اچھا بھی کیا ہے یا سب کام شروع سے لیکر مرتے دم تک بُرے ہی بُرے کئے ہیں۔ مثلاً سیواجی مہاراجہ رنجیت سنگھ۔ اور اورنگ زیب کو لو اور ان کے متعلق ان کے ہم مذہبوں نے جو حالات لکھے ہیں اور ان کے مخالفین نے جس انداز سے پیش کئے ہیں انہیں پڑھو اور دیکھو کہ آیا سیواجی کی حکومت میں مسلمان تھے یا نہیں۔ کوئی عہدہ دار یا افسر مسلمان تھا یا نہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں کسی مسلمان کی عزت تھی یا نہیں یا مسلمانوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا گیا یا نہیں۔ اورنگزیب کے دربار میں کوئی ہندو تھا یا نہیں کسی ہندو کو کوئی جاگیر یا انعام ملا یا نہیں۔ راجدھانی میں یا اس کے اطراف میں اکثریت ہمیشہ ہندوؤں کی رہی یا کبھی مسلمانوں کی بھی ہوئی؟ یہ سب باتیں پڑھنے سے ہی تم خود بخود سمجھ جاؤ گے کہ صحیح بات کیا ہے اور مخالفین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کیا منشا ہے۔ اور ملک میں اتحاد و اتفاق کے لئے کن کن باتوں کی ضرورت ہے۔

مذہبی کتابوں کے لئے بھی ہم کہیں گے کہ کبھی کبھی قرآن کا ترجمہ پڑھ کر اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ گیتا کا ترجمہ دیکھتے اور سمجھتے رہو گرو گرنتھ صاحب میں دیکھو کہ کیسی اچھی تعلیم دی گئی ہے اور گرو نانک صاحب کیا فرما گئے ہیں، اور آیا اس میں کوئی بات ایسی ہے جو مسلمانوں کو راہِ راست سے بھٹکاتی یا غلط تعلیم دیتی ہو۔ یا ان کے مذہب کے منافی ہو۔

اس مرتبہ کوئی نئی بات بتانے کی بجائے بس اسی نصیحت پر اکتفا کرتے ہیں۔ آئندہ پہلے کی طرح مزے مزے کی باتیں بیان کریں گے۔ (ف لی)

سلام | پچھلے پرچہ میں ہم نے ماہ محرم کی وجہ سے سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام کے حضور میں مولوی منظور علی صاحب فاروقی تمنا مجبوری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا سلام پیش کیا تھا۔ اس مرتبہ ہم ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے حضور سرکار دو عالم سرورِ کائنات رسالت مآب جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تمنا صاحب ہی کا لکھا ہوا سلام پیش کرتے ہیں جو عید میلاد النبی کے موقع پر تحریر کیا گیا تھا۔ لیکن چھوٹا منہ بڑی بات۔ ہم جناب تمنا صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش کریں گے کہ ہم نے محض احتراماً و عقیدتاً یہ سلام درج کر دیا ہے ورنہ وہ اس قدر ادق زبان میں ہے کہ ایک طرف اگر ریڈیو کی ہندی رکھی جائے تو دوسری طرف اس سلام کی اردو آسانی سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ ہم تو ایسی زبان چاہتے ہیں کہ محفلِ میلاد کی تقریبات میں عام لوگ اس سلام کو سنکر کچھ سمجھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ خصوصاً عورتیں اسے پڑھیں یا سنیں تو اُن کے بھی پلے کچھ پڑجائے ورنہ ہم تو اسے اس خطبہ سے تشبیہ دئے بغیر نہیں رہ سکتے جو اب تک محض عربی میں ہر جمعہ کو منبر پر کھڑے ہوکر پیش امام صاحب تلاوت فرماتے ہیں اور نمازی بیٹھے اونگھا کرتے ہیں اور ایک حرف نہیں سمجھتے۔ اس کے آخری تین بند پھر بھی غنیمت ہیں اگرچہ انہیں بھی اور آسان بنانے کی ضرورت ہے۔

اس غیر معمولی عبارت سے ہم نے اس وجہ سے کام لیا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا پرچہ جو شخص بھی پڑھے وہ اس کا ایک ایک حرف بخوبی سمجھ سکے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ ان چند جملوں کے لئے ہم نہایت ادب سے معذرت چاہتے ہیں۔

سلام

بحضور سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم محمدِ عربی بنائے عالمِ امکاں۔ ظہورِ سرِّ خفی
ضیائے لمعۂ انوارِ حضرتِ احدی زہے یہ پیکرِ انساں جمالِ لم یزلی
حبیبِ حق۔ شہِ ہر دو سرا سلام علیک

دعائے خلیل کی نکلی دعا بہ شانِ اثر نویدِ حضرتِ عیسےٰ بشکلِ نوعِ بشر
پیامِ رحمتِ خلّاقِ دو جہاں گستر افق سے ظلمتِ تکفیر کی نمودِ سحر
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

ضیائے عارضِ تاباں مفسّرِ والنور فروغِ جلوۂ رخ۔ علّتِ صبحِ جلوۂ طور
نمودِ سورۂ واللیل گیسوؤں کا ظہور زبانِ پاک خدا کی تراجمِ منشور
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

رسولِ ہاشمی۔ ختمِ رسل۔ ذوالاکرام وہ دستگیرِ دو عالم۔ وہ انبیاء کا امام
بہ ارض خاک نشین و بہ چرخِ عرش مقام لبِ مشیّتِ یزداں کا آخری پیغام
حبیبِ حق۔ شہِ ہر دو سرا سلام علیک

فرازِ عرشِ مشیّت کا مہرِ تابندہ سریرِ بزمِ رسالت ز نورِ رخشندہ
شفیعِ خلق۔ بد و نیک کا نوازندہ لباسِ ختمِ رسالت بہ جسم زیبندہ
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

پناہِ عالم و تسکینِ قلبِ مضطرباں بنامِ پاک سراپا سکونِ مہجوراں
زمیں پہ ایک مجسّم مشیّتِ یزداں فروغِ زینتِ عرشِ بریں۔ مگر انساں
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

گداؤں۔ گدا دوست اور گدا پرور وہ تاج بخشِ غریباں وہ بیکسوں کی سپر
معینِ عاصیاں۔ گم کردہ راہ کا رہبر ہوا۔ نہ ہے۔ کوئی ہوگا نہ حشر تک ہمسر
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

زہے کمال۔ زہے عظمتِ شہِ لولاک فدائے ذرہ کو بخش خزانۂ ہفت افلاک
غلام در کے ہے یقیناً بلائے حشر سے پاک جو محترم ہو رضا جو تو کیا حساب سے باک
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

(تاریخِ عرب)

مٹائی جلوۂ ایماں سے کفر کی ظلمت دلوں کو کر دیا روشن ز لمعۂ وحدت
بنائی بگڑی ہوئی ملک و قوم کی حالت جو پست تھے انہیں کر دی عطا فلک رفعت
حبیبِ حق بشہِ ہر دو سرا سلام علیک

مرے بھی حال پہ شاہا نگاہِ لطف و کرم مریضِ عشق و محبت ہوں وقفِ رنج و الم
اٹھاؤں تا بہ کجا ہجر کے ستم پیہم شرابِ دید پلاؤ کہ ہے لبوں پہ دم
حبیبِ حق۔ شہِ ہر دو سرا سلام علیک

تمنا ہند میں اب ہے بتہا بہ حالِ زبوں خلش ہے دردِ محبت کی اب تو روز افزوں
یہ آرزو ہے مدینہ میں اڑ کے جا پہنچوں پکڑ کے روضۂ اقدس کی جالیوں کو کہوں
حبیبِ حق۔ شہِ ہر دو سرا سلام علیک

(تمنا مجوری علیگڑھ)

ایک علاج تو یہ ہے

صفحہ ۱۰ اور صفحہ ۲۳ پر کچھ قومی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض اور بگڑی ہوئی حالت کی طرف ہم نے صاف اور صریح الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آپ اچھا ماحول پیدا کرنے کی طرف توجہ کیجیے۔ ہندوؤں نے ہر ضروری بات کو مذہب کا جزو قرار دیا ہے۔ مثلاً صبح کو غسل کرنا نہایت ضروری ہے۔ کتنی ہی کڑاکے کی سردی پڑتی ہو لیکن ہندو بغیر نہائے کھانا نہیں کھائے گا۔ اس سے صفائی کے علاوہ بدن میں جان پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان کیلئے پانچ وقت وضو کرنا ضروری ہے جس سے بدن کا وہ تمام حصہ دھلتا ہے جو ننگا رہتا ہے اور اس طرح ہر وقت صاف رہتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو مذہبی احکامات پر غور کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ فرصت کے اوقات میں قصے کہانیاں ہی نہ پڑھا کیجیے بلکہ مذہبی لٹریچر کا ضرور مطالعہ کیجیے اس کے بغیر نہ ملک ترقی کر سکتا ہے اور نہ کوئی قوم۔ سیکولر اسٹیٹ کا مطلب آپ غلط سمجھتے ہیں، پس بچوں کو صفائی کا عادی بنائیے۔

تفریحات

لو بھئی بچو۔ اس مرتبہ ہم تمہیں ایک کام کی بات بتاتے ہیں بشرطیکہ تم اس پر یقین بھی کرو۔ تم نے دیکھا ہوگا بہت سے لوگ بڑے بڑے پنڈتوں اور نجومیوں و سیانے ملاؤں کے پاس جا کر ان سے کہا کرتے ہیں کہ ذرا یہ تو بتا دیجئے کہ ہمارا فلاں کام ہو جائے گا یا نہیں۔ ہمیں اپنے ارادہ میں کامیابی ہوگی یا نہیں، ہمارے دل کی مراد پوری ہوگی یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ لوگ اپنی کتابوں کو الٹ پلٹ کر اور کچھ حساب لگا کر جواب دیا کرتے ہیں جن پر سوال کرنے والے یقین کر کے خوش یا رنجیدہ ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک ترکیب ہم بھی بتاتے ہیں کہ تمہیں کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہو اور خود گھر بیٹھے معلوم کر لیا کرو کہ تمہیں اپنے ارادہ میں کامیابی ہوگی یا نہیں یا تمہارے دل کی مراد پوری ہوگی یا نہیں۔

اسے فال دیکھنا کہتے ہیں۔

ذیل میں ہم ایک فالنامہ درج کرتے ہیں جسے عام طور سے فالنامہ خواجہ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کہا جاتا ہے اس میں فال دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص بھی فال دیکھنا چاہے یعنی اپنے دل کی بات کا نتیجہ معلوم کرنا چاہے اسے سب سے پہلے نہایت سچے دل سے یہ رباعی پڑھنی چاہیے :-

آں چہ از سرِ غیب گو پیدا از ٭ ہست دیوانِ خواجہ شیراز
حسبِ حالِ من شکستہ و زار ٭ آں چہ دانی بروئے کار بر آر

یعنی خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان میں فال دیکھنے سے چھپا ہوا بھید معلوم ہو جاتا ہے۔ مجھ غریب ناتواں اور کمزور کے متعلق بھی جو کچھ اللہ کو علم ہے وہ مجھ پر ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد اللہ کا نام لے کر فالنامہ کے کسی خانہ پر آنکھیں بند کر کے انگلی رکھ دے اس کا نمبر اور حرف علیحدہ لکھ لے۔ پھر اس خانہ کے بعد تین خانے چھوڑ کر چوتھے خانے کا حرف لکھ لے۔ پھر اس خانہ سے تین خانے چھوڑ کر چوتھے خانے کا حرف لکھ لے اور اسی طرح آخر تک کرتا چلا جائے۔ جب نقش ختم ہو جائے تو اوّل خانہ سے اس خانہ تک جس پر انگلی رکھی تھی بدستور تین خانے چھوڑ کر چوتھا حرف لکھتا جائے۔ جو حروف حاصل ہوں ان کو ملا کر پڑھے اس سے جو مصرعہ حاصل ہو وہی فال غیبی سمجھنی چاہیئے۔

مثال - مثلاً ہم نے خانہ نمبر ۳ پر انگلی رکھی اور حرف ب لکھ لیا۔ اسکے بعد تین خانے چھوڑ کر چوتھے خانہ نمبر ۹ کا حرف ر لکھ لیا۔ اسی طرح تین تین خانے چھوڑ کر چوتھے خانہ کا حرف لکھتے رہے یعنی نمبر ۱۳۔ ۱۷۔ ۲۱۔ ۲۵۔ ۲۹۔ ۳۳۔ ۳۷۔ ۴۱۔ ۴۵۔ ۴۹۔ ۵۳۔ ۵۷۔ ۶۱۔ ۶۵۔ ۶۹۔ ۷۳۔ ۷۷ کے حروف لکھے اور اس کے بعد تین خانے چھوڑے تو نقش ختم ہوگیا۔ تو نمبر ۱ کا حرف لے لیا اور بس سب پورا ہوگیا کیونکہ اس کے بعد چوتھا خانہ وہی نمبر ہے جس پر ہم نے انگلی رکھی تھی۔ لہٰذا اب ان تمام خانوں کے حروف کو دیکھا تو یہ حروف حاصل ہوئے (ب ر ا ی و د ر ی ن ف ا ل ا ل ب ت ہ ک ا م) اب انہیں ملا کر پڑھا تو یہ مصرعہ بنا "بر آید دریں فال البتہ کام" یعنی اس فال میں تمہارا کام ہو جائے گا۔

(۲) اگر نمبر ۲۶ پر انگلی رکھی گئی ہے تو یہ مصرعہ بنتا ہے :- "کہ شاید مطالب ترا بہ شوند" کہ ممکن ہے کہ تیرے ارادے بہتر ثابت ہوں (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ناکام رہیں)

(۳) اور اگر ۶۳ پر انگلی جا پڑی تو "جواب ہمیں باتو گویم جواب" نکلتا ہے۔ یعنی میں تجھے صاف انکار بتاتا ہوں ——— اور

(۴) اگر ۷۶ پر انگلی آگئی تو "دریں فال بے شک شوی بہرہ ور" بنے گا۔ یعنی اس فال میں بے شک تو کامیاب رہے گا۔

اب نقشہ ملاحظہ ہو :-

آٹھ قطاریں ہیں۔ ہر قطار میں دس دس خانے ہیں کل ۸۰ خانے ہوئے اس حساب سے آپ کے ہر جواب میں بیس بیس حروف ہوں گے۔

فالنامہ خواجہ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

۱ م	۲ د	۳ ب	۴ د	۵ ب	۶ ک	۷ ج	۸ ر	۹ ر	۱۰ ہ
۱۱ و	۱۲ ی	۱۳ و	۱۴ ش	۱۵ و	۱۶ ن	۱۷ ی	۱۸ و	۱۹ ب	۲۰ ف
۲۱ د	۲۲ ی	۲۳ ہ	۲۴ و	۲۵ د	۲۶ د	۲۷ م	۲۸ ل	۲۹ ر	۳۰ م
۳۱ ی	۳۲ ب	۳۳ ی	۳۴ ط	۳۵ ن	۳۶ ی	۳۷ ن	۳۸ و	۳۹ ب	۴۰ ش
۴۱ ف	۴۲ ل	۴۳ و	۴۴ ک	۴۵ و	۴۶ ب	۴۷ ت	۴۸ ش	۴۹ ل	۵۰ ت
۵۱ و	۵۲ و	۵۳ و	۵۴ ر	۵۵ ع	۵۶ ی	۵۷ ل	۵۸ و	۵۹ و	۶۰ ب
۶۱ ب	۶۲ ب	۶۳ ی	۶۴ ہ	۶۵ ت	۶۶ ہ	۶۷ م	۶۸ ر	۶۹ ہ	۷۰ ش
۷۱ ج	۷۲ ہ	۷۳ گ	۷۴ و	۷۵ و	۷۶ و	۷۷ و	۷۸ ن	۷۹ و	۸۰ ر

چونکہ حافظ شیرازی کی زبان فارسی تھی اس لئے اس فال نامہ کے جوابات بھی فارسی میں ہیں ہم نے اوپر ان جوابات کا ترجمہ اُردو میں بھی کر دیا ہے۔ کچھ مشق کے بعد آپ آسانی سے معلوم کر سکیں گے اور فوراً بتا سکیں گے کہ جس خانہ پر اُنگلی رکھی ہے اس کا جواب کیا آئیگا۔ گویا اگر آپ اپنے کسی دوست سے کہیں گے کہ آنکھیں بند کر کے اور اللہ کا نام لے کر اور وہ رباعی پڑھ کر جو شروع میں ہم نے درج کی ہے کسی خانہ پر اُنگلی رکھ دو اور جس بات کے متعلق فال دیکھنی ہو اسے دل میں سوچ لو تو اس کے اُنگلی رکھتے ہی آپ فوراً بتا دیں گے کہ کیا جواب ہے۔ حرفوں کو لکھنے اور ملا کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی بس تھوڑی سی مشق کی ضرورت ہے اور دماغ پر زور ڈال کر سوچنے کی بات ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ ہم فوراً جواب بتا دیا کریں گے۔ گویا اس طرح آپ پنڈتوں اور نجومیوں کا پارٹ ادا کریں گے اور اگر آپ نے منہ میں آہستہ آہستہ کچھ کلمہ وغیرہ پڑھنا بھی شروع کر دیا، اور انگلیوں پر کچھ حساب لگا کر یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ واقعی آپ کچھ حساب لگا رہے تھے اور اس کے بعد آپ جواب دیا کریں گے تو آپ کے دوست اور دوسرے لوگ آپ کے بہت معتقد ہو جائیں گے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ایسے جواب جو اُنگلی رکھنے کے بعد آپ بتایا کریں گے عموماً صحیح ہوا کریں گے۔ بس اعتقاد کی بات ہے۔ یہ نقشہ پنڈتوں کے زائچہ کا کام دیگا اور سیانے ملاؤں کی کرامات کے برابر سمجھا جائیگا۔

کوئی بات اس کے متعلق دریافت کرنی ہو تو ہم بخوشی اس کا جواب دیں گے بشرطیکہ جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجا جائے۔

دوسرا علاج

صفحہ ۱۸ اور ۲۳ پر مندرجہ خراب عادات کی اصلاح کا ایک علاج تو ہم نے صفحہ ۲۹ پر بتایا ہے دوسرا علاج یہاں لکھتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ آوارہ پھرنے والے اور وقت ضائع کرنے والے بچے قوم کی رسوائی کا باعث اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ لاڈ پیار کی وجہ سے یا ماں باپ کے محنت مزدوری میں مصروف رہنے کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی اور انہیں کوئی کام نہیں سکھایا جاتا اس لئے ضرورت ہے کہ ہر ایسے بچہ کو کوئی نہ کوئی ہنر یا صنعت و حرفت کا کام سکھایا جائے مثلاً ریڈیو کا کام بجلی کا کام فوٹوگرافی صابون سازی موٹر ڈرائیوری۔ درزی کا کام۔ کھانا پکانا۔ جادو کے کھیل وغیرہ وغیرہ اس سے وہ مصروف رہ کر پیسہ کمانے لگیں گے اور تمام عیبوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ کام سکھانے کے لئے اگر تمہیں کوئی استاد نہیں ملتا تو سنگم کتاب گھر دہلی سے کوئی کام سیکھنے کی کتاب منگا کر سیکھ لیجئے اور دوسروں کے محتاج نہ رہئے۔

بچوں کا اپنا صفحہ

ہندستان میں اُردو کا مستقبل

[بھوپال کے ایک شریف گھرانے کی پردہ کی پابند بچی حسن بانو تبسم کا ذکر "ماہنامہ سنگم" کے بعض اسی پرچہ میں آپ نے پڑھا ہوگا۔ یہ شریف لڑکی گھر کا سارا کام سینا پرونا پکانا ریندھنا خود اپنے ہاتھ سے کرتی ہے اور پھر وقت بچا کر لکھنے پڑھنے میں بھی مصروف رہتی ہے اور کسی نہ کسی طرح ادبی پیاس بجھا ہی لیتی ہے۔ حال ہی میں او ہنری کی ایک بہت اچھی کہانی کا ترجمہ کتابی شکل میں مرتب کیا ہے جسے سنگم کتاب گھر نے "شاہزادی کی سزا" کے نام سے شائع کیا ہے۔ ہمیں اس کہانی کے انتخاب سے ہی اس ہونہار بچی کا رجحانِ طبع معلوم ہو گیا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے بچوں اور بچیوں کی موجودگی سے ہمیں اُردو کی بقا کی طرف سے پورا اطمینان ہے موصوفہ نے ذیل کا مضمون بھیجکر ہمیں اُردو کے مستقبل کے متعلق یقین دلا دیا ہے کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اس مضمون میں ملک کے اتحاد کے لئے جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس پر تو بڑے بڑے سیاست والوں کو سوچنا پڑے گا۔ بہت پتہ کی باتیں قلم سے نکل گئی ہیں جو سچے جذبہ کا نتیجہ ہیں۔ بیٹی حسن بانو! شاباش!]

اپنے پیارے موقر رسالے سنگم کے لئے مضمون ارسال کر رہی ہوں۔ اس میں دو باتیں ایسی ہیں جن پر ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب یا صاحبہ اعتراض کریں۔ نمبر ۱ پبلک پریس کمیشن کی رپورٹ نمبر ۲ اُردو افسانے دنیا کی بہترین ترقی یافتہ زبانوں کے شانہ بشانہ ہیں۔

ان دونوں کے متعلق میں اس قدر عرض کئے دیتی ہوں کہ:-

(۱) پریس کمیشن رپورٹ شاید ۱۹۵۳ء کے کسی اخبار میں پڑھی تھی جو کہ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔ اگر واقعی یہ قابلِ گرفت ہو تو آپ اس کی اصلاح کر دیجئے۔

(۲) کسی اخبار یا رسالہ میں کچھ عرصہ ہوا پڑھا تھا کہ کیلیفورنیا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اپنے بیان میں کہا کہ اُردو افسانے دُنیا کی بہترین ترقی یافتہ زبانوں کے شانہ بشانہ ہیں۔

یہ بات بھی بس دماغ میں یونہی سی محفوظ رہی تو مضمون میں لکھ دی لیکن نکتہ چیں حضرات سے (نقاد سے نہیں) ڈر لگتا ہے۔

[ہم ان دونوں باتوں میں کوئی بھی بات قابل اصلاح نہیں سمجھتے بلکہ نکتہ چینوں کی صوابدید پر ہی چھوڑتے ہیں۔ ادارہ]

قبل اس کے کہ ہم اُردو کے مستقبل کے بارے میں ابھی کوئی رائے قائم کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کا ماضی اور حال ہمارے سامنے ہو۔ اسکے بعد ہی ہم اُردو کے مستقبل کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔

اُردو کے ماضی کے متعلق تاریخ ہمیں مختصراً یہ بتاتی ہے کہ دُنیا کی تمام زبانوں میں جس زبان نے آخری جنم لیا ہے وہ ہماری ہی زبان اُردو ہے جس کو فارسی اور سنسکرت نے دودھ پلایا. اور تمام دوسری زبانوں نے گلے سے لگایا۔

اگر ہم تاریخ اُردو پر نظر ڈالیں تو تاریخ گواہی دے گی کہ برعظیم میں مغلوں کے زمانے سے پہلے ہی اُردو کی بُنیاد پڑ چکی تھی. اور مغلوں کے دَورِ حکومت سے پہلے ہی اُردو کے کئی مشہور شاعر گزرے ہیں۔ جلال الدین خلجی کے دَورِ حکومت کے مشہور شاعر خسرو ہی کو لیجئے۔ خسرو کی شاعری ایک ایسا سنگم ہے جس میں گنگا اور جمنا (ہندی اور فارسی) مشترک ہیں۔ امیر خسرو کے ایک ہی شعر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے کلام میں اُردو اور فارسی کی آمیزش کس قدر ہے۔ ؎

بیا برادر آدُرے بھائی ؛ بنشیں مادر بیٹھ ری مائی

امیر خسرو کے علاوہ کبیر گرو نانک اور دوسرے صوفیائے نے اسی زبان کو اپنے اظہار خیال کے لئے استعمال کیا۔ اس کے نتیجے میں یہ زبان عوامی زبان بن گئی۔ جو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک برعظیم میں بولی اور سمجھی جانے لگی۔ گوکہ مسلمان سلاطین کے دربار میں اُردو نے جگہ نہیں پائی اور نہ ہی اس کی کسی حکومت نے سرپرستی کی لیکن عوام کی یہی چہیتی زبان رہی اس لئے اُردو، درباروں کی بجائے بازاروں گلی کوچوں میں بولی اور سمجھی جانے والی زبان بن گئی۔

البتہ مغلوں کے آخری دَور میں جبکہ ان کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھ جانے والا تھا اس وقت اس کی رسائی درباروں تک ضرور ہو گئی تھی. غالب جس کی شاعرانہ عظمت مُسلّم ہے وہ خود ہی اپنے فارسی کلام پر نازاں تھے۔ اُردو ان کے نزدیک کوئی زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی. لیکن آج اُردو ہی کی بدولت غالب غالب ہے۔

اب اُردو کی موجودہ حالت کو لیجئے۔ آج بھی اُردو برعظیم میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔ ابھی پچھلے سال ہی ہندوستان میں پبلک پریس کمیشن نے رپورٹ دی تھی کہ سب سے زیادہ روزنامے اور رسائل اُردو زبان ہی میں شائع ہوتے ہیں۔ آج اُردو میں ہر طرح کا ادب مل سکتا ہے "آج اُردو افسانے دُنیا کی بہترین ترقی یافتہ زبانوں کے شانہ بہ شانہ ہیں"

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ادب میں اُردو زبان کا مقام دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں سے کمتر نہیں ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد بھارت نے جنم لیا۔ حیوانیت کے پُتلوں، انسانیت کے دشمنوں نے خون کی ہولیاں کھیلیں. ہزاروں ماؤں کی گودیاں ویران کیں۔ دُلہنوں کو بیوگی کا رُوپ دیا. چمن خوش گوار میں ناخوش گواری پیدا کر کے چمنِ اُردو کو بھی ویران کر دینا چاہا. بدقسمتی سے اُردو بھی فرقہ وارانہ تحریک کا شکار ہو گئی۔ ملکی سیاسیات نے جو رُخ اختیار کیا ہے اس سے اُردو کو بھی زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے. کیونکہ موجودہ حکومت نے اُردو کو اپنے دفاتر سے نکال دیا ہے ہر صوبے کے لوگ اپنی اپنی زبان پر زور دے رہے ہیں. کہ یہ ہماری زبان ہے۔ اور اُردو کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔ بنگال میں بنگالی۔ جنوبی ہند میں تامل تلنگی، مہاراشٹر مدھیہ پردیش اور دیگر صوبجات میں ہندی سرکاری زبان بنی ہوئی ہے۔ اب کوئی صوبہ اُردو کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ حامیانِ اُردو اس وقت یو پی۔ حیدرآباد. بھوپال اور دوسرے مقامات پر اس کو سرکاری علاقائی زبان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اُردو کے رسم الخط میں جو خامیاں ہیں ت ط س ص ث۔ ذ ز ض ظ وغیرہ کا فرق مٹانے کی اور فارسی عربی کے مشکل الفاظ کی جگہ

سیدھے سادے الفاظ استعمال کرنے کی انتہائی کوشش کی جا رہی ہے اس طرح اردو کو آسان تر بنایا جا رہا ہے۔

اُردو کا خود یہ وصف ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی زبان کے مناسب الفاظ کو اپنا لیتی ہے۔ اس کا یہ وصف کچھ کم نہیں ہے شاید اسی وجہ سے اُس کو کھچڑی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کی وسعت میں دن رات اضافہ ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود ملک کی اُردو دشمن تحریک سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ آیا مستقبل میں اُردو اس ملک میں باقی رہ سکے گی یا نہیں؟

حکومت اُردو کو اپنے دفاتر سے نکال سکتی ہے لیکن لوگوں کے دلوں سے نہیں نکال سکتی۔ اور پھر ہم کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا ملک کی سیاسی حالت ایسی ہی رہے گی کیا فرقہ پرستی کا کبھی خاتمہ نہیں ہوگا؟

اس کا جواب یقیناً آپ یہی دینگے کہ فرقہ پرستی کو ایک دن ختم ہونا ہے ملک کو سیاسی طور سے طاقتور ہونے کے لئے تمام صوبجات کا اتحاد لازمی ہے۔ آج زبان کی بنیاد پر جو جو صوبے بن رہے ہیں اس سے ملک کا اتحاد کمزور ہو رہا ہے۔ ایک طاقتور مرکزی حکومت صوبوں کے اتحاد پر ہی قائم ہو سکتی ہے۔

اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہمارے سیاسی رہنما جب کبھی ٹھنڈے دل سے غور کریں گے اور وقت ان کو مجبور کرے گا اُس وقت اُردو پر ہی اُن کی نظرِ انتخاب پڑے گی۔

ہمیں اس وقت صوبجاتی اور مرکزی حکومت کی "اُردو کُش" پالیسی سے نااُمید نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اُردو کی تاریخ اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ وہ کسی بھی زمانے میں حکومت کے سہارے پروان نہیں چڑھی بلکہ عوام ہی کی گودوں میں پلی اور بڑھی ہے۔ اور عوام ہی نے اس کو جوان بنایا ہے۔ اُس میں خود یہ طاقت ہے کہ اپنا مقام آپ پیدا کرے۔ اس عوامی دَور میں یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اُردو ہندوستان میں نہ صرف زندہ رہے گی بلکہ ترقی بھی کرے گی۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اُردو کو ختم کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ

اُردو اپنی سرکار آپ ہے

راقمہ

حُسن بانو تبسّم۔ بھوپالی

۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

لالچ

(انگریزی سے ترجمہ)

[فرحت جہاں ہاشمی سلمہا کا ذکر بھی "تعارفِ سنگم" کے تحت اسی پرچہ میں ہم نے کیا ہے۔ یہ اکثر پرچوں میں مضمون لکھتی رہتی ہیں اور انعام بھی پاتی ہیں۔ عرصہ سے انہوں نے سنگم کو بھلا دیا تھا۔ ہم نے خط لکھ کر دریافت معلوم کی تو بہت سی تعلیمی مشکلات۔ مکان کی تبدیلی اور اس کی وجہ سے ایک اسکول سے دوسرے اسکول میں منتقلی اور امتحان کی تیاری اور مصروفیت وغیرہ بہت سی باتوں کے علاوہ یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ "تلنگو کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے جتنی بھی محنت کی جاتی ہے اتنی ہی یہ زیادہ مشکل نظر آتی ہے اور اب تو (لسانی صوبجاتی تقسیم کے بعد) یہ اور مشکل ہو جائے گی"۔ یہ ایک مدھم سی آواز ہے جو خاص حیدرآباد دکن سے ہمارے کانوں میں پڑی ہے اور ہم نے آپ تک پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالےٰ رحم کرے اور اس ملک کے ہر صوبے کے باشندوں کو اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ ہم اپنی سمجھدار بیٹی فرحت سے کہتے ہیں کہ وہ ہمّت و استقلال سے کام لیں اور مادرِ وطن کی سچی خادمہ بننے کی کوشش کریں۔ اہلِ علم تو بارہ بارہ زبانیں سیکھتے ہیں اور تم تین چار میں ہی گھبرا گئیں یہ کیا بات ہوئی]

کریم ایک لالچی آدمی تھا اس کی ایک آٹے کی گرنی (چکی) تھی اُس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ گرنی سے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ میاں بیوی آرام سے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی کریم کو اور روپیوں کی حرص تھی۔ ایک بار اس کے پڑوسی حسین کو ایک خزانہ ملا۔ کریم سوچنے لگا کہ حسین کوئی کام نہیں کرتا اور اس کے باوجود بھی اس کو اتنا زیادہ خزانہ ملا کہ وہ مالامال ہو گیا۔ اور میں دن رات محنت کرتا ہوں مجھے کوئی خزانہ نہیں ملتا۔ کریم کو یہ معلوم ہوا کہ حسین کو تین راتوں میں مسلسل خواب میں نظر آیا کہ اس جگہ خزانہ ہے نکالو۔ زمین

کھودنے پر اس کو خزانہ مل گیا۔ اب کریم بھی دن رات سوچتا رہتا کہ مجھے خواب نظر آئے اور میں خزانہ حاصل کر سکوں۔ وہ گرنی میں دل لگا کر کام بھی نہیں کر سکا۔ آخر کار اس کو خواب نظر آیا کہ اس کی گرنی کے قریب ایک خزانہ دفن ہے جو ایک بڑے پتھر سے بند ہے۔ کریم بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اور دو دن بھی یہی خواب نظر آیا۔ تیسرے دن صبح کو اُٹھ کر اس نے گرنی کے قریب کھودنا شروع کر دیا۔ آخر کار پتھر نظر آیا۔ اس پتھر کو وہ اُٹھا نہ سکا اور اپنی بیوی کو مدد کے لئے لے آیا۔ اور بڑی مشکل سے اس پتھر کو اُٹھایا۔ پتھر کے اُٹھاتے ہی اس کی مشین گڑھے میں گر گئی۔ کیونکہ کریم نے گرنی کے پائے کو کھودا تھا۔ اس طرح خزانہ تو کیا ملتا، اس کی آمدنی کے لئے جو مشین تھی وہ بھی گر گئی۔

دیکھا! لالچ بہت بُری بلا ہے، اس سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔

فرحت جہاں ہاشمی
کٹل منڈی۔ حیدرآباد۔ دکن

انعامی سوالات

۱۔ کون کون سی عورتوں کا درجہ ماتا (والدہ) کے برابر ہے؟
۲۔ وہ کون ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں مگر وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتا؟
۳۔ ہمارے سچّے مِتر (دوست) کون کون ہیں؟

صحیح جوابات آنے پر تین انعام دئے جائیں گے۔ ایک سے زیادہ صحیح جوابات آنے پر بذریعہ قرعہ اندازی انعام دئے جا سکیں گے۔ انعام بشکل کتاب دئے جائینگے جو حسب ذیل ہونگی۔ (۱) سُورج اور اس کا خاندان (۲) حکایات گاندھی (۳) چور لڑکا۔
جو سنگم پریمی اگلے ماہ میں سنگم کا نیا خریدار بنائینگے انہیں بھی ایک ایک کتاب مُفت نذر کی جائیگی۔ تمام جوابات اور اطلاعات میرے پتہ پر بھیجئے:۔

آپ کا بھائی امرلال، معرفت لالہ رام دتّامل صاحب صدر مدرس
مقام دائیوال۔ براستہ مہت پور۔ ضلع جالندھر (پنجاب)

(ہم اپنے سنگم پریمی عزیزی امرلال کے ممنون ہیں جنھوں نے رسالہ سنگم کی اشاعت میں امداد فرمانے کے لئے یا سنگم کتاب گھر کی کتابوں کی اشاعت کے لئے یہ عملی قدم اُٹھایا ہے جس میں آپ کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ گویا تعلیم کی تعلیم اور انعام کا انعام اور ہمارا کام کا کام، ہمیں امید ہے کہ رسالہ سنگم کے پڑھنے والوں میں سے ہر شخص ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کرے گا۔ جوابات کیلئے خریدار ہونے کی شرط نہیں ہے بلکہ ہر شخص بھیج سکتا ہے۔ ادارہ)

چار دوست

(فارسی سے ترجمہ)

[خدیجہ سلطانہ ہاشمی بھی اپنی بڑی بہن فرحت جہاں کی طرح سنگم بال سبھا کی ممبر ہیں اور نہایت شریف اور فرمانبردار بچی ہیں۔ اور بڑی بہن کا بہت ادب احترام کرتی ہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہے کہ انہوں نے فارسی سے ترجمہ کر کے مضمون بھیجا ہے جو مطلب اور نتیجے کے لحاظ سے بالکل ویسا ہی ہے جو ان کی بڑی بہن نے انگریزی سے ترجمہ کر کے ارسال کیا ہے۔ ہم دونوں بہنوں کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔ لڑکیوں میں تعلیم پھیلنے اور ان میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہونے سے ہمیں بے حد مسرّت ہے۔ ادارہ]

ایک گاؤں میں چار دوست رہا کرتے تھے۔ مگر سب کے سب بے روزگار۔ آخر ایک دن بے روزگاری سے تنگ آ کر وہ ایک عالم کے پاس گئے اور اسے اپنی دُکھ بھری کہانی سُنائی۔ عالم نے سننے کے بعد کہا "میں تم چاروں کو چار مُہریں دیتا ہوں۔ تم سب ان کو لیکر شمال کی طرف چلے جاؤ اور مُہر کو ہاتھ میں رکھو جس جگہ تمہارے ہاتھ سے مہر گر جائے تم اس جگہ کو کھود دو۔ جو بھی ملے خدا کا شکر کر کے لے لو۔"

چاروں دوست شمال کی جانب چل پڑے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک آدمی کی مُہر گر گئی۔ وہ آدمی اس جگہ کو کھودنے لگا اس کو سونا ملا۔ اس نے اپنے تینوں دوستوں سے کہا کہ "بھئی تم بھی یہاں ٹھہر جاؤ۔ لیکن وہ اپنی قسمت آزمانے آگے بڑھ گئے تھوڑی دور جانے کے بعد دوسرے کی مُہر گر گئی۔ کھودنے پر اس کو چاندی ملی اس نے بھی اپنے دوستوں سے ٹھہرنے کو کہا۔ مگر وہ دونوں دوست آگے بڑھ گئے۔ پھر تیسرے کی مُہر گری اور زمین کھودنے پر اس کو لوہا ملا۔ چوتھا آدمی پھر آگے بڑھا آخر کار اس کی بھی مُہر گر گئی۔ اور اس کو تانبا ملا۔ اسکو بہت افسوس ہوا۔ وہ تانبے کو وہیں چھوڑ کر اپنے دوست کے پاس گیا لیکن وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ اس کے بعد پھر دوسرے دوستوں کی جگہ گیا مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ آخر پھر اپنے تانبے کے پاس آیا۔ مگر اس کا بھی کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر کار مایوس ہو کر خالی ہاتھ رہ گیا۔

اپنی قسمت پر قانع رہنا چاہیئے۔ دوسروں کی حرص نہیں کرنی چاہیے۔

خدیجہ سلطانہ ہاشمی۔ حیدرآباد۔ دکن

کچھ ہنر سیکھئے

مکھن کو مدت تک محفوظ رکھنا

تازہ مکھن اگر ہر وقت دستیاب نہ ہو سکے تو تازہ کی مانند آپ حسب ذیل طریقہ سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ مکھن کو کپڑے میں رکھ کر آہستہ آہستہ دبائیے تاکہ پانی نکل جائے۔ پھر اس پر باریک پسا ہوا عمدہ نمک چھڑک کر دوبارہ کسی بوجھ کے نیچے دبا دیجئے تاکہ باقی رہا سہا پانی بھی نکل جائے۔ اس کے بعد اسے پارچمنٹ میں لپیٹ کر اور کپڑے میں بند کرکے رکھ دیجئے اگر پارچمنٹ نہ ملے تو بازار سے بٹر پیپر خرید کر استعمال کیجئے کافی عرصہ تک تازہ رہے گا اور خراب نہ ہوگا۔ نمک ملانے سے دو فائدے ہیں ایک تو فالتو پانی نکل جاتا ہے دوسرے بدبو اور سڑاند پیدا نہیں ہوتی۔

جیبی لیمپ

تیار کرکے دیکھو کس قدر کم لاگت پر کیسی کارآمد چیز بنا سکتے ہو۔ خود بھی استعمال کرو اور دوسروں کے ہاتھ فروخت کرکے کمائی بھی کر سکتے ہو۔

ایک چھوٹی لمبی سی سفید شیشے کی بوتل لو اور اس میں ایک چنے سے کچھ تھوڑی سی بڑی گولی فاسفورس کی ڈال دو اور اس میں تہائی حصہ شیشی کا روغن زیتون بھر دو مگر روغن زیتون کو بھرنے سے پہلے ۵ منٹ تک خوب گرم کر لو لیکن اس قدر تیز آنچ پر نہیں کہ تیل ابلنے لگے تیل بھرنے کے بعد شیشی میں خوب مضبوط کارک لگا دو۔ ڈاٹ لگتے ہی شیشی کے خالی حصہ میں چمکدار روشنی ہو جائے گی جو لیمپ کا کام دیگی۔ اگر کچھ عرصہ بعد روشنی مدھم ہونے لگے تو کارک کھول دو تاکہ اس میں تازہ ہوا داخل ہو جائے۔ اور پھر فوراً بند کر دو۔ روشنی پھر بدستور تیز ہو جائے گی۔ کافی عرصہ تک بلا خرچ کام لیجئے۔

شہد کی پہچان

شہد۔ گھی۔ دودھ۔ زعفران۔ میرہ سلاجیت ہینگ۔ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے خالص نہ ملنے کی وجہ سے فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ پچھلے پرچوں میں بعض چیزوں کی پہچان کا آسان طریقہ ہم بتا چکے ہیں۔ آج شہد کا ذکر کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خالص شہد کو کتا نہیں چکھتا۔ کوئی کہتا ہے کہ بتی کو شہد میں بھگو کر جلانے سے اگر نہ جلے تو خالص نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی پانی بھرے پیالے میں اس کی بوند ڈالو اور وہ نیچے تہہ میں جاکر جوں کی توں رہے تو اصلی ہے اور اگر راستہ میں گھلنے لگے تو نقلی سمجھو شیشے کا برتن یا گلاس استعمال کرنے سے آسانی سے پتہ چل سکتا ہے۔

خالص ہینگ کی پہچان

یہ ہے کہ شیشے کے گلاس میں پانی بھر کر اس میں ایک ڈلی ڈال دیجئے اگر وہ کچھ عرصہ میں سب کی سب گھل جائے، اور کوئی چیز باقی نہ رہے اور نہ کچھ گاد وغیرہ نیچے بیٹھے اور پانی کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو جائے تو اصلی ہینگ ہے ورنہ نقلی۔

بازار میں نقلی ہینگ کا عام رواج ہو گیا ہے جو ہینگ میں لہسن اور دال ماش کا آٹا ملا کر گھوٹ دینے سے بنائی جاتی ہے۔ لیکن وہ مندرجہ بالا آزمائش میں پوری نہیں اترتی۔ دوسری پہچان یہ بھی ہے کہ اگر آگ پر رکھتے ہی فوراً بو آئے تو خالص اور اگر دیر میں آئے تو نقلی سمجھو۔

زعفران

کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ گندھک کے تیزاب میں ڈالتے ہی اگر اس کا رنگ کالا ہو کر نیلا ہو جائے تو اصلی ہوتی ہے ورنہ نقلی۔

برتنوں پر قلعی کرنا

دھات (تانبا یا پیتل) کے برتنوں کا استعمال ہمارے گھروں میں زیادہ ہوتا ہے۔ ان برتنوں میں پکنے والی چیزیں دھات کے اثر سے خراب و زہریلی ہو جاتی ہیں اس لئے ان پر قلعی کرائی جاتی ہے۔

جس طرح اور چیزوں میں دھوکا اور بے ایمانی کی جاتی ہے اسی طرح قلعی گر بھی رانگ کی بجائے جست کی قلعی کر دیتے ہیں جو مضر صحت ہوتی ہے اور اس سے برتن سفید رہنے کی بجائے سیاہ پڑ جاتا ہے اس لئے رانگے کی قلعی کرنی چاہئے اگر آپ چاہیں تو خود کر سکتے ہیں۔ دو چار دفعہ کرنے کے بعد ہاتھ صاف ہو جائیگا اور آپ بغیر دقت کے کر سکیں گے۔ ترکیب یہ ہے:-

جس برتن پر قلعی کرنی ہو اسے خوب رگڑ کر مانجھ لیں جتنا صاف برتن ہوگا اتنی ہی اچھی قلعی ہوگی۔ کسی برتن میں رانگ ڈال کر پگھلائیں اگر اس میں میل دکھائی دے تو پسے ہوئے نوشادر کی ایک چٹکی ڈال دیں اس سے میل الگ ہو جائیگا اب رانگ کو نیچے اتار کر ٹھنڈا کر لیں جو پھر جم جائیگا جس برتن پر قلعی کرنی ہے اسے آگ پر خوب گرم کیجئے۔ نوشادر کو روئی میں لگا کر برتن کے اندر پھیر دیجئے اور رانگ کے دو تین چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چھوڑ دیجئے جب رانگ پگھلنے لگے تو روئی میں نوشادر لگا کر بہت ہوشیاری سے تمام برتن میں رانگ کو رگڑ کر پھیلا دیجئے کہ فوراً برتن چمکنے لگے گا اگر سب طرف ٹھیک قلعی نہ ہوئی ہو یا کھردری سی ہوئی ہو تو پھر دوبارہ اسی طرح کیجئے رانگ پھیلانے کے بعد برتن کو فوراً ٹھنڈے پانی میں ڈال دیجئے۔ (رہبر)

تنقید و تبصرے

کتابیں اور رسالے نکلتی اور چھپتی رہتی ہیں اور ان کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق بھی کوئی خاص وجہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اخبارات و رسائل کا نکلنا اور ایسے علاقہ یا صوبہ سے شائع ہونا جہاں کی علاقائی زبان بھی اُردو نہیں ہے کوئی معنی ضرور رکھتا ہے یا تو یہ پرچے محض دکھاوے اور دھوکہ دینے کے لئے نکالے جاتے ہیں تاکہ جھوٹ موٹ کہہ جاسکے کہ دیکھئے جناب آپ تو کہتے ہیں کہ "اُردو کوئی زبان نہیں اور اُردو اس علاقہ میں مطلق بولی یا سمجھی نہیں جاتی، لیکن یہ اُردو کے پرچے ایک دو نہیں بلکہ کافی تعداد میں کس کے لئے نکل رہے ہیں؟" اور یا واقعی اُردو اس علاقہ کی زبان ہے۔ اور کثیر تعداد میں لوگ اسے پڑھتے اور لکھتے ہیں لیکن محض راج ہٹ کی وجہ سے اس کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے۔

خیر ہم تو اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے صرف واقعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کسی نتیجہ پر پہنچنا آپ کا یا منکرین اُردو کا کام رہ جاتا ہے۔ سُنئے :—

شفق ناگپور مدھیہ پردیش کی راجدھانی سے یہ ماہنامہ چھوٹے یعنی درسی کتب کے سائز پر نکلتا ہے۔ جو اپنے کو "صحت مند ادب کا ضامن" بتاتا ہے۔ اس کے دو پرچے ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ نومبر اور دسمبر ۱۹۵۵ء کے۔ جو جلد اوّل کے تیسرے اور چوتھے شمارے ہیں۔ گویا ستمبر ۱۹۵۵ء سے یہ پرچہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ جب کہ چاروں طرف سے اُردو کی مخالفت ہو رہی ہو۔ اور اس غریب کو کوئی اپنے علاقہ میں جگہ دینا پسند نہ کرتا ہو اور یہ شہیوں میں پڑی کیمپ کی سی زندگی بسر کر رہی ہو۔ اس وقت اُردو کے پرچے نکالنے کی ہمت اور جسارت کرنا بہت بڑی بات ہے۔ اور یقیناً ہمیں سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ مدیر صاحب کی یہ اطلاع پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ "شفق بہت سے دشوار گزار مراحل طے کر چکا ہے اور اس کی اشاعت ٹھوس اور پختہ عزم و استقلال کے تحت کی گئی ہے"۔ الحمد للہ و جزاک اللہ! آگے چل کر لکھتے ہیں:- "شفق کو حوادث کے تُند و تیز جھونکے بھی متزلزل نہیں کر سکتے" مرحبا! انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا اور نیک ارادوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے۔ تیسرے پرچہ کے مضامین رابندر ناتھ ٹیگور کی "تعجیت" کی دوسری قسط۔ حکیم عمر خیام نیشاپوری کی سوانح حیات، حضرت نوح ناروی کا کلام۔ آذر سیمابی کی نظم خاک دامن گیر اور سیفی برہانپوری کی فریاد اور یونس سیکش ناگپور کا پیغام عمل۔ ایم اے منان صاحب کے قلم سے ڈرامہ "ایک تھا راجہ" خاصے اچھے اور مفید مضامین ہیں۔ پروف پڑھنے میں کچھ اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ مضامین مسلسل ہوا کریں تو اچھا ہے۔ اگر بقیہ حصہ کسی اور صفحہ پر درج ہو تو دونوں جگہ حوالے درج ہونے چاہئیں۔ مثلاً صفحہ ۲۴ کا بقیہ حصہ صفحہ ۱۲ پر درج ہے لیکن صفحہ ۱۲ پر حوالہ نہیں ہے کہ یہ کہاں سے آیا۔ اسی طرح صفحہ ۲۹ پر درج نہیں ہے کہ یہ صفحہ ۳۴ کا بقیہ حصہ ہے۔ اندرونی ٹائٹل پر مرتبین۔ معاونین اور فنکاروں کی فہرست درج ہے۔ اگر باقاعدہ فہرست مضامین ہوتی تو زیادہ بہتر تھا۔

چوتھے شمارہ میں "سرخیاں" کے تحت جو شکایت مخالفین اُردو سے کی گئی ہے اگر وہ اپنوں کے متعلق ہے تو ہم بھی تائید کریں گے اور روزمرہ کے مشاہدوں اور ذاتی تجربوں کی بنا پر کہیں گے کہ "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم" اور اپنوں کے اخلاق اور کیرکٹر کی گراوٹ اور ذاتی منفعت کی خاطر قومی نقصان پر ضرور ماتم کریں گے اور اگر وہ "بیگانوں" کے متعلق ہے جو کبھی اپنے تھے تو صنم کی بیوفائی کا کیا شکوہ۔ ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آتا ہے۔ صبر کیجیے۔ کشتی خدا پر چھوڑیے اور لنگر کو توڑ دیئے۔ پھر دیکھئے قدرت سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اللہ کے ہاں دیر ضرور ہے اندھیر نہیں ہے اور آثار تو ابھی سے دکھائی دینے لگے ہیں۔ ہماری دُعا ضرور قبول ہوگی۔ ؎

جس نے مرے حبیب کو مجھ سے جُدا کیا
وہ بھی مُراد اپنی نہ پائے خُدا کرے

اس کے علاوہ اس پرچہ میں محمد حنیف فاتح ایم۔ اے بی ٹی کا دوشیزہ اشریف اور نگ کے قلم سے خان بہادر کا قتل۔ آفتاب احمد تبسم کا نامۂ یار۔ حضرت مولانا ابوالحسن ناطق کے حالات زندگی ابراحسنی گنوری۔ شوکت جعفری۔ صمد الدین احمد صمدر۔ شارق جمال۔ آصف الہ آبادی۔ ریاض ناگپوری اور کامل بہزادی کی غزلیں اور نظمیں نیز آوارہ گرد کے قلم سے "ایک کہانی ایک حقیقت"

سید صفدر رضا کھنڈوہ اور محمد یوسف بی۔ اے کے افسانے اور زیب النساء شہزاد کے احساسات سب مضامین اچھے ہیں۔ غرض اسی قسم کے مضامین ہر ماہ حتی الوسع محنت سے پیش کئے جاتے ہیں۔ پرچے کی ضخامت ۳۲ صفحات ہے۔ دعا ہے کہ مدھیہ پردیش کا یہ ننھا منا رسالہ جس کا سالانہ چندہ دو روپے ہے پھلے پھولے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ دہلی میں چھپتا ہے۔ اتنی دور سے چھپوانے کا انتظام کرنا اور بھی زیادہ ہمت کا کام ہے جو قابلِ تعریف ہے۔

راہی ناگپور مدھیہ پردیش کی راجدھانی سے ہی ایک اور رسالہ ہر مہینے سنگم کے سائز پر علاوہ ٹائٹل کے ۱۶ صفحات پر نکلتا ہے۔ یہ بھی دہلی میں چھپتا ہے اور اس کی بھی لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ کاغذ اگرچہ اخباری ہے لیکن عمدہ قسم کا ہے۔ دسمبر ۱۹۵۵ء سے اس نے دوسرے سال میں قدم رکھا ہے جس پر ہم اس کے جملہ کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔ پہلے اس کا سالانہ چندہ صرف ڈیڑھ روپیہ تھا اور فی پرچہ دو آنے۔ لیکن دوسرے سال سے سالانہ چندہ ڈیوڑھا کر دیا گیا ہے یعنی سوا دو روپے۔ اور ایک پرچہ کی قیمت تین آنے۔ اس اضافہ کی وجہ نہ پہلے سال کے آخری شمارہ میں بیان کی گئی ہے اور نہ دوسرے سال کے پہلے نمبر میں۔ دوسرے سال کا شمارہ دیوالی نمبر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جو دسمبر کا پرچہ ہے۔ حالانکہ دیوالی ۱۲ر نومبر کو تھی۔ ممکن ہے کہ پرچہ کا دوسرا سال شروع کرنے کی غرض سے تبرکاً ایسا کیا گیا ہو اور یہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ تمام مشکلات یا بیش تر تاریکیاں ختم ہو چکی ہیں اور اب روشنی اور اجالے کا سماں آ گیا ہے اگر ایسا ہے تو مزید مسرت اور مبارکبادی کا باعث ہے۔

دیوالی نمبر کی ضخامت ۲۴ صفحات ہے۔ اگر آئندہ کے لئے بھی ضخامت بڑھا دی گئی ہے تو اضافہ بہت مناسب ہے۔ لیکن اردو کی ترقی کے لئے اور اس کی بقا کے لئے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے وہاں اس غفلت۔ بد شوقی، اور بے حسی کے دور میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو رسائل اور کتب کی قیمت کم رکھی جائے مگر ساتھ ہی ساتھ چیز بھی معیاری اور عمدہ پیش کی جائے۔ ہماری رائے میں اگرچہ اس کا چندہ سوا دو روپے زیادہ نہیں ہے لیکن شروع سے ہی اتنا ہوتا تو مضائقہ نہیں تھا۔ اب بڑھانے سے یہ بات بہت سے لوگوں کو کھٹکے گی اور ناگوار معلوم ہو گی۔ اگر بڑھانا ہی تھا تو فی الحال تہائی کا اضافہ کیا جاتا اور دو روپے سالانہ سے زیادہ نہ کیا جاتا۔ ہم خود اسی مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ لیکن کیا کریں مجبوری بھی سب کچھ کراتی ہے۔

یہ پرچہ کافی محنت اور کاوش سے مرتب کیا جاتا ہے اور مدھیہ پردیش جیسی سنگلاخ زمین میں لکھنؤ کے آموں کی قلم لگانے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک حد تک کامیاب ثابت ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ فہرست مضامین کی اس پرچہ میں بھی کمی ہے جس کی بے حد ضرورت ہے خواہ پرچہ کتنی ہی کم ضخامت کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ کس قسم کے مضامین کن کن ادیبوں یا شاعروں کے تخیل کا نتیجہ ہیں۔ اور پرچہ کا معیار معلوم کرنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ پرچہ ناول کی طرح پہلے صفحہ سے پڑھا جائے بلکہ ورق الٹ پھیر کر جو سرخی دل کو زیادہ بھلی لگتی ہے لوگ عموماً اسی کو پہلے پڑھتے ہیں، اس لئے اگر کسی صفحہ پر کسی مضمون کا بقیہ ٹکڑا درج ہو تو اس کا حوالہ دینا نہایت ضروری ہے۔ صفحہ ۲۲ پر "بقیہ فضول باتیں" صفحہ ، کا بقیہ ہیں لیکن حوالہ درج نہیں ہے کہ یہ کہاں سے آیا۔ اسی قسم کا سقم دوسرے شماروں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اس پرچہ میں ماہنامہ تصویر مراد آباد کی طرح (جس پر ہم گذشتہ اشاعت میں تبصرہ کر چکے ہیں) شمع کے معموں کے حل بھی تجویز کئے جاتے ہیں اور وجوہات بھی دی جاتی ہیں۔ پرچہ کی اشاعت اور کشش کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ ان صفحات کو اور وقت کو کسی بہتر مصرف میں لایا جائے۔ ایسا نہ ہو کسی وقت یہی حصہ باعثِ پریشانی ثابت ہو کیونکہ معموں کا مستقبل اردو اخبارات کے لئے تاریک معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اردو کے معموں کو مخصوص کر کے 'تعصب' کو کیوں ہوا دی ہے۔ اس پر اگر خود ہی غور کیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

'راہی' نہایت استقلال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور ہم اسے پھلتا پھولتا دیکھ کر بے حد خوشی محسوس کرتے ہیں اور

اس کے وجود کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں۔ کاش مدھیہ پردیش کے اُردو دوست حضرات صدق دل سے اپنے ہاں کے اُردو ادب کا جائزہ لیں اور گنتی کے چند پرچوں کی سرپرستی کی ذمہ داری لے لیں۔ جن کی سالانہ قیمت سینما کے ایک شو کے ٹکٹ کے برابر ہے۔ یہ تو علم کی زکوٰۃ ہے جو آپ کے علم میں برکت و اضافہ کا باعث ہوگی۔

ہم ابھی یہ لکھ ہی رہے تھے کہ جنوری کا پرچہ موصول ہوا۔ جو حسب معمول ۱۶ صفحات کا ہے (علاوہ ٹائٹل کے) اور جس پر سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ ہی درج ہے اس سے بے حد خوشی ہوئی۔ واقعی 'راہی' کے کارپردازان سمجھ بوجھ سے کام لے رہے ہیں۔ اس قیمت میں یہ پرچہ بالکل مُفت سمجھنا چاہیئے۔ مضامین کے معیار کے لحاظ سے بھی یہ پرچہ اچھا ہے۔ افسانے 'نظمیں' یادرفتگاں ہمعصر شعراء اور ادباء کے خطوط وغیرہ وغیرہ سب چیزیں مُفید اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ ہم اس کے مدیران شہزاد۔ اسلم صاحب و جمال الدین صاحب برق کو ان کی ہمت اور استقلال پر مُبارکباد دیتے ہیں کہ وہ نہایت سلیقہ اور باقاعدگی سے پرچہ کو ترتیب دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ اور ان کے بہی خواہوں کو عملی امداد کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہنامہ مستورات

کراچی سے محترمہ حبیب بلقیس بیگم کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ سنگم کے سائز کے ۴۰ صفحات ہوتے ہیں۔ رف یعنی اخباری کاغذ استعمال ہوتا ہے لیکن چھپائی اچھی نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ پاکستان سے جتنی کتابیں آتی ہیں وہ باوجود کاغذ کی کمی کے نہایت دیدہ زیب اور عمدہ چھپی ہوئی ہوتی ہیں اور ہم انہیں نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں اور رسالے بھی بہت اچھے چھپے ہوئے آتے ہیں۔ لیکن یہ رسالہ جاذبِ توجہ نہیں ہے۔ خصوصاً صنفِ نازک کا یہ پرچہ تو بہت ہی صاف ستھرا ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ مگر اس پرچہ کے مقاصد بہت اعلیٰ ہیں اور فی زمانہ جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن سب پر حاوی ہیں۔ چنانچہ اس کے مضامین اس کے مقاصد کا صحیح آئینہ ہوتے ہیں اور قابلیت سے مُرتّب کئے جاتے ہیں۔ کاش اس پرچہ کی ظاہری شکل و صورت بھی اچھی ہوتی تو پھر اس کی طرف انگشت نمائی کرنے کی جُرأت بھی کسی کو نہ ہوتی اور معنوی حُسن کی شکل ہی دوسری ہوجاتی۔

یہ بھی صحیح ہے کہ ؎

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا ؍ سُرخ و سفید مٹی کی مُورت ہوئی تو کیا

لیکن سیرت کے ساتھ ساتھ اگر صورت بھی اچھی ہو سکے تو سونے پر سہاگہ کا کام دے گی اور مقبولیت اور جاذبیت کا وہ عالم ہوگا کہ باید و شاید۔

زمانہ کی رفتار اور مذاق اگر اپنے مقاصد کے خلاف نہیں ہیں تو ان کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بازار میں کوئی چیز خریدنے جائیے تو سب سے پہلے پیکنگ کو دیکھ کر انسان متوجہ ہوتا ہے اس کے بعد دیکھتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ ہم کتابت و طباعت کی طرف پھر محترمہ مدیرہ صاحبہ کو توجہ دلائیں گے۔ اب رہا مضامین کا معاملہ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ واقعی وہ نہ صرف عورتوں کے لئے بلکہ مردوں کے لئے بھی بہت مُفید اور دلچسپ ہوتے ہیں اور قومی اور اصلاحی نقطۂ نظر سے نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ نہ صرف بڑی عمر کی یا جوان لڑکیوں کے لئے اس میں مواد ملے گا بلکہ چھوٹی بچیوں کے لئے بھی مزے مزے کی نظمیں یا سبق آموز تاریخی کہانیاں ہوتی ہیں۔ بچیوں کی تربیت اور مستورات کی معلومات کے لئے یہ رسالہ بہت مُفید ہے۔ کاش مُسلمان بچیاں اسکی طرف خاص طور سے توجہ کریں اور مائیں اور دوسری بڑی بوڑھی عورتیں اپنی بچیوں کے نام اس پرچہ کو جاری کرا کر بہن بلقیس بیگم کا ہاتھ بٹائیں اور ان کو اپنے مقاصد میں کامیاب بنانے میں مدد دیں جو دراصل پوری قوم کی اصلاح اور ترقی میں امداد دینے کے مترادف ہوگی۔

سالانہ چندہ سوا چھ روپے کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ غریب طلباء و طالبات کو سوا تین روپے میں دینے کی اطلاع بھی درج ہے۔

ہم محترمہ مدیرہ کی ہمت پر رشک کرتے ہیں اور آفرین کہتے ہیں، اللہ تعالےٰ انہیں عزم و استقلال کے ساتھ خدمت کرنے کی توفیق اور اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور ہم جیسے گنہگار پڑھنے والوں کو نیک عمل کی ہدایت دے۔ آمین۔

نئی کتابیں

سنگم کتاب گھر میں، رومان انصاری صاحب امروہوی کی دو کتابیں "مرمر کی مورتیاں" (۳؍) اور جاسوس لڑکے" (۴؍) اور مس حُسن بانو متبسم کی "شہزادی کی سزا" (۴؍) ابھی ابھی چھپ کر تیار ہوئی ہیں بچوں کو ضرور منگا دیجئے۔

آیئے اِن سے ملئے

جو انسان دوسروں کی بھلائی چاہتا ہو اور اپنا تمام وقت انسانوں کی خدمت میں گزارتا ہو وہی دُنیا میں سب سے زیادہ نیک ہے اور جو مرنے کے بعد بھی دوسروں کو فیض پہنچاتا رہے اس کی نیکی میں کس کو شُبہ ہوسکتا ہے۔ ایسے خوش قسمت لوگوں میں وہ مُصنّف بھی شمار ہوتے ہیں جو ایسی کتابیں لکھ جائیں جن سے ہر زمانہ میں ہر چھوٹا بڑا بلالحاظ مذہب و ملت فائدہ اُٹھاتا رہے۔ ایسے اشخاص ہزاروں کی تعداد میں گنوائے جاسکتے ہیں۔ آپ ان کے خیالات سے ضرور استفادہ حاصل کیجئے۔ اچھّی کتابوں سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی رفیق نہیں۔ یہ انسان کی تنہائی میں کام آتی ہیں۔ غمزدہ کی مدد کرتی ہیں۔ پریشان حال کا دل بہلاتی ہیں۔ بھٹکے ہوؤں کو سیدھا اور صحیح راستہ دکھاتی ہیں۔ شادی اور غمی کے آداب بتاتی ہیں۔ بے روزگاروں کو اپنی مدد آپ کرنا سکھاتی ہیں۔ انسان کی غیر معمولی قوتیں اور اس کے جوہر اس کے سامنے نمایاں کرکے رکھ دیتی ہیں۔ بچّوں کی تربیت اور اُن کی نشوونما میں ماں باپ اور اُستاد کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ غرض کوئی مُفید اور اچھّا کام ایسا نہیں ہے جس کی آپ کو ضرورت ہو اور یہ سلیقہ اور اطمینان سے آپ کی مشکلات میں مشعلِ ہدایت کا کام نہ کرتی ہوں۔

آپ کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ سنگم نے گذشتہ چار پانچ سال کے عرصہ میں باوجود اپنی کم مائگی اور قسم قسم کی پریشانیوں کے کم و بیش سَو کتابیں شائع کی ہیں اور تقریباً پچیس تیس زیرِ طبع ہیں، ان میں سے مُشکل سے ایک یا دو ایسی نکلیں گی جن پر ہماری لاعلمی یا ناتجربہ کاری یا محض مُروّت (یعنی غلط ہمّت افزائی) کی وجہ سے اُنگلی رکھی جاسکتی ہو کہ انہیں سنگم جیسے سنجیدہ اور اعلےٰ مقاصد والے ادارہ کی فہرست میں شامل نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن بے عیب تو محض خدا کی ذات ہے اس لئے اس چُوک کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتابیں ایسے مُصنّفین کے قلم سے لکھی گئی ہیں جو یا تو پہلے سے مُلک میں کافی نام پیدا کر چکے ہیں اور بہت اچھی شُہرت رکھتے ہیں یا نام پیدا کرتے جا رہے ہیں اور مُطالعہ کا شوقین طبقہ ان سے مانوس ہوتا جاتا ہے۔ اور یا ایسے نو عمر ہیں جو بہت جلد ادبی دُنیا میں اپنا مقام پیدا کرلیں گے اور جو حقیقتاً روپے کے لالچ سے نہیں بلکہ خدمت کے خیال سے یا اصلاحی نقطۂ نظر سے یا انسانی محبت سے مجبور ہو کر اپنا وقت صرف کرتے ہیں ہم ذیل میں اُن سب کے ناموں کی فہرست درج کرتے ہیں جن کی کتابیں سنگم نے شائع کی ہیں۔ ان کتابوں میں سے زیادہ تر اگلے صفحہ پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ ان موقر ہستیوں سے ملئے جو سنگم کے علمی دسترخوان پر آپ کے میزبان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیجئے وہ یہ ہیں :-

۱ ڈاکٹر سیّد عابد حسین صاحب (جامعہ ملیہ) ۲ حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی (لکھنؤ) ۳ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوریؒ (جامعہ) ۴ سیّد سخی حسن صاحب نقوی (امروہوی) ۵ صالحہ عابد حسین صاحبہ (جامعہ) ۶ مولانا محمد اجمل خاں صاحب (دہلی) ۷ شری گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی (دہلی) ۸ پنڈت چاند نرائن صاحب چاند (شملہ) ۹ سعید انصاری صاحب (جامعہ) ۱۰ مولوی شفیع الدین صاحب نیّر (جامعہ) ۱۱ مولوی الیاس احمد صاحب مجیبی (کراچی) ۱۲ منشی پریم ناتھ صاحب در ۱۳ مولوی کرم عظیم صاحب (سہارنپور) ۱۴ مولوی مقبول احمد صاحب سیوہاروی ۱۵ مولوی عبد الغفار صاحب مدہولی (جامعہ) ۱۶ فیاض حسین صاحب نسیم (لوقان) جامعی ۱۷ محمد امین صاحب (جامعہ) ۱۸ محمد انس صاحب (علی گڑھ) ۱۹ رومان انصاری صاحب (رام پور) ۲۰ مولوی محمود الحسن صاحب (علی گڑھ) ۲۱ شاہ فیاض عالم ولی اللہی (جامعہ) ۲۲ حسین حسّان صاحب (جامعہ) ۲۳ اطہر پرویز صاحب (جامعہ) ۲۴ مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی (چھپرہ) ۲۵ ڈاکٹر طاہر دیالپوری (برمو) ۲۶ کیلاش راہی (کرنال) ۲۷ محمد خلیق صاحب (جامعہ ملیہ) ۲۸ مولوی عبد الحلیم صاحب ندوی ۲۹ حُسن بانو تبسّم (بھوپال) ۳۰ مصطفےٰ حسین صاحب منظر جلیسری ۳۱ نجمہ سلطان صاحبہ (جامعہ) ۳۲ سیّد مصطفےٰ علی صاحب اخضر بریلوی۔ ۳۳ سعید اشرف صاحب نعمانی (جامعہ) ۳۴ شجیع اللہ صاحب و اشفاق علی صاحب (الہ آباد) ۳۵ آئی سبل ٹرکومان صاحب (لکھنؤ) ۳۶ عبد الستار صاحب بجنوری (جامعہ) ۳۷ جی الیس عالم صاحب ناولسٹ (بمبئی) ۳۸ ظہیر الدین احمد (کلکتہ) ۳۹ سیّد ابو طاہر صاحب۔ ۴۰ حبیب تنویر صاحب (ڈراما ئی) وغیرہ وغیرہ۔

اچھی کتابیں پڑھا کیجئے

آپ کا کتب خانہ اِن کتابوں سے خالی نہیں ہونا چاہیئے

سنگم میں پاکستان اور ہندستان کی بہترین کتابیں ہر وقت موجود رہتی ہیں جو ختم ہو جاتی ہیں اُن کے آرڈر نوٹ کر لیئے جاتے ہیں اور جلد منگانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ سنگم کی اپنی مطبوعات ہی آپ کی دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہیں اور آپ کے مذاق کا معیار بلند کرسکتی ہیں۔ کوئی کتاب خراب نکلے تو واپس کی جاسکتی ہے۔ جن کتابوں پر × بنا ہوا ہے وہ اگرچہ مطبوعاتِ سنگم نہیں ہیں لیکن ہماری مطبوعات کا درجہ رکھتی ہیں۔ جو مطبوعاتِ سنگم ختم ہو چکی ہیں ان کا اندراج نہیں کیا گیا۔

سب کتابیں سنگم کتاب گھر، اُردو بازار دھلی سے ملیں گی

اسلامیات

- قاعدہ فرقانی ۶ر سینکڑہ
- پارہ عم آخری ربع صہ ۔
- پارہ عم سوری صہ ۔
- پارہ عم قسمی (ترجمہ مولانا اشرف علی) ۱۲
- پارہ تبارک الذی سے سینکڑہ
- اعلانِ انقلاب عمہ
- بیانِ انقلاب عمہ
- سیرتِ قرآنیہ محمدؐ ۸ر
- آلِ بصیرت (اسلامی اہم مسائل) ۱۲ر
- مشکلاتِ قرآن کا انقلابی حل عمہ
- نکاتِ قرآن (سوال وجواب) ۱۲ر

سوانح

- × بشری (سوانح رسول اکرمؐ) ۱۲ر
- پیارے نبیؐ ۱۰ر
- حبیبِ خدا ۶ر
- خواتین (۳۳ مشہور اسلامی) ۸ر
- چار ستارے (خلفائے اربعہ) ۸ر

تاریخی

- × بھارت کے تہوار ۱۰ر
- حکایاتِ گاندھی ۸ر
- ماؤنٹ ایورسٹ ۵ر
- ایورسٹ کی فتح ۴ر

تعلیمی معلومات وسائنس

- × بجلی کی مکمل کتاب صہ
- ترقی کے راز ۴ر
- جادو کی کتاب ۷ر
- × چھوٹے ڈاکٹر بنا (اور ہوشیار بنا) ۱۲ر
- × ریڈیو پرائمر ۱۴ر
- × ریڈیو مرمت صہ
- زندگی کا رُخ ۶ر
- × زہروں کا علاج ۸ر
- سورج اور اس کا خاندان ۱۲ر
- × ضبطِ تولید ۴ر
- فوری علاج کا چارٹ ۴ر
- کیسے بجے ہیں! (گھڑی کی کہانی) ۱۲ر
- مصنوعی بارش ۳ر
- مکانوں کی کہانی ۸ر
- × آدمی (رعایتی) عمہ

عام تعلیمی کھیل

- تعلیمی تاش اردو قسم اول ۱۲ر
- " " دوم ۸ر
- " " ہندی ۱۴ر
- سلیکٹ شک ۲ حصے فی ۳ر
- کرکٹ (کھیل) اردو وہندی ۸ر
- کیلی گرافی کارڈ (انگریزی حروف) ۸ر

ڈرامے

- امتحان ۹ر
- بنیادی حق ۱۰ر
- جھوٹا لڑکا ۴ر
- چور لڑکا ۶ر
- دیوان غالب صاحب ۶ر

ناول، افسانے و مزاحیہ مضامین

- آتشِ خاموش صہ
- بزمِ بے تکلف ۱۲ر
- × بیسلم ۶ر
- × پرائی عورت ۶ر
- عذرا صہ
- × کاغذ کا واسدیو ۱۲ر
- کشمکش ۱۲ر
- لال بجھکڑ (بچوں کا ناول) ۱۰ر
- لگن ۶ر
- نمک پارے ۱۲ر

بچوں کی کتابیں

- × اکبر اور بیربل کے لطیفے ۶ر
- انوکھا پیغام ۴ر
- اور مقدمہ چلتا رہا ۶ر
- ایک بچے کی کہانی ۷ر
- بندر والا ۴ر
- بھولا بچہ ۵ر
- بھولی نمہ ۵ر

- × بتیس مار خاں ۷ر
- جادو کی بطخ ۴ر
- جادو کی کرسی ۸ر
- جادو کا ہرن ۷ر
- چواری ۴ر
- حسنہ کی مرغی ۴ر
- دوست کی تلاش ۸ر
- دولتی ۵ر
- دھن کی پوری سون چڑیا ۶ر
- سرکس ۵ر
- شکاری لڑکا ۴ر
- شہزادی کی سزا ۵ر
- × شیر ماموں ۶ر
- فرشتہ کا انعام ۵ر
- کھٹملوں کا اعلانِ جنگ ۵ر
- گلہری بیگم ۴ر
- لومڑی اور خرگوش کی لڑائی ۵ر
- متری کھوج (ہندی) ۱۰ر
- ننھو چلے سیر کو ۴ر
- نیا کھلونا ۴ر
- وعدے ۴ر
- وفادار سانپ ۴ر
- یاقوت ۴ر

نظم

- × چینی ریڈنگ (انگریزی کی بہترین نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ) ۱۰ر
- جواہر پلیہ ۶ر
- × رسولِ مقبول (نعت) ۸ر

- کاروانِ سخن عمہ
- کاروانِ منزل ۱۲ر

× ادبی کتابیں

- پطرس کے مضامین ۶ر
- شرح دیوانِ غالب اردو (حصہ اول ردیف الف) ۸ر
- کاروانِ خیال (خطوط کتابت مابین امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد و صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم) ۱۲ر

زیرِ طبع کتابیں

- انوارِ تفکر (اسلامیات)
- پارے قرآن شریف (")
- تاریخی کہانیاں حصہ اول ودوم
- تپش تلخیاں (ناول)
- دھوئیں کی پھانسی
- زمین کی کہانی، چٹانوں کی زبانی (معلومات)
- سنگم کشیدہ کاری (ٹکنیکل)
- گھریلو مرغیاں (تجارتی)
- نفیسے پھول کھلے بچوں کی

خواجہ ذکی احمد پرنٹر و پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس اُردو بازار دہلی میں طبع ہوا

ماہنامہ
سنگم
جامعہ نگر۔ نئی دہلی

چیف ایڈیٹر و نگراں
خواجہ حافظ فیاض احمد، پانی پتی
ایڈیٹر
خواجہ ذکی احمد، بی۔ اے (جامعہ)

سالانہ چندہ
۲ دو روپے
فی شمارہ ـــــ تین آنے
یہ پرچہ ـــــ چھ آنے

پاکستان میں زرِ چندہ وصول کرنے کے مجاز:۔ ٹکنیکل و کمرشیل بک کمپنی، چوک دال گراں، ریلوے روڈ۔ لاہور

سال دوم | بابتہ ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۵۶ء / شعبان و رمضان المبارک سنہ ۱۳۷۵ھ مطابق چیت و بیساکھ سمت ۲۰۱۳ بکرم / پھاگن و چیت سمت ۱۳۶۳ فصلی | شمارہ نہم و دہم

فہرست مضامین

انسانیت

(شری گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی، سابق وزیر دہلی)

یہ کہتے ہیں کہ سب مخلوق سے انسان افضل ہے ـــ نہ ہو جب جوہرِ ذاتی تو پھر دعویٰ یہ مہمل ہے
جو ظلم انسان کرتا ہے وہ حیواں کر نہیں سکتا ـــ وہ کون ایسی جفا ہے جو کہ انساں کر نہیں سکتا
تمدن کی ترقی میں ادائے جور شامل ہے ـــ فروغِ ارتقا میں ہم نشیں کچھ اور شامل ہے
جسے ہم علم سمجھے ارتقائے بربریت ہے ـــ کہ ایٹم بم بنانا آج شانِ آدمیت ہے
یہ رفتارِ ترقی کیا ہے اسکی کون منزل ہے ـــ ہے کیا مستقبلِ انساں سمجھنا سخت مشکل ہے
گھروندے ہیں حدودِ رنگ و نسل و قوم و مذہب کے ـــ ہوئے دل تنگ اور نظریں پیچھے ہوگئے سب کے
بتوں کے نام پر لڑنا، خدا کے نام پر لڑنا ـــ غرض ہر کام پر، ہر نام پر، ہر کام پر لڑنا
گرے انساں تو حیواں کی حد سے بھی گر جائے ـــ بنے شیطانِ ثانی آدمیت سے جو پھر جائے

[از کاروان و مہر، قیمت اڑھائی روپے]

پھریری

(۱) گھونگٹ میں چاند سا مکھڑا، مکھڑے میں نین رسیلے
او ساجن چھیل چھبیلے
انگیا کے بند ہیں ڈھیلے، جوبن کی مدھرا پی لے
(۲) کولھے پر مل کی گاگر، شانوں پر بال گھنیرے
کرتی ہوں کتنے پھیرے
اس آس پہ ساجن میرے، پنگھٹ پر کوئی گھیرے
(۳) باہوں میں پریم کے جھولے، جھولوں میں رنگ کی نیا
نیا کا کون کھویا
اے میرے پریم کنہیا! دھن دھا دھا دھن دھیا

عدم (گردشِ جام)

۲ دو شعر

نبستم کی سزا کتنی کڑی ہے ـــ گلوں کو کِھل کے مرجھانا پڑا ہے

دل ہے مندر تم اُس کی مورت ہو ـــ ہائے تم کتنی خوبصورت ہو
عدم

رفتار سنگم

اظہار ندامت اس مرتبہ ہمیں پرچہ کی تاخیر اشاعت کے متعلق ایک حرف بھی لکھتے ہوئے انتہائی شرم محسوس ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بچوں کی طرح جو ہمیشہ مکتب میں دیر سے پہونچتا ہو ہم کب تک اپنے ناظرین کو مختلف بہانوں اور عذرات سے خاموش کرتے رہیں گے لیکن ہم ایمانداری سے عرض کرتے ہیں کہ ہم کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے اور نہ کبھی دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے جب پرچہ نکالنا ہی ہے تو وقت پر کیوں نہ نکالا جائے دیر کرنے سے کیا فائدہ۔

ہمارے وہ کرمفرما جو پرچہ کی ترقی اور اشاعت بڑھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ہمیں برابر لکھتے رہتے ہیں کہ اگر آپ کا پرچہ وقت پر نکلنے لگے تو پھر دیکھئے کہ اس کی اشاعت کی رفتار کتنی تیز ہوتی ہے اور اس کے خریداروں کا نمبر کہاں سے کہاں پہونچتا ہے موجودہ صورت میں تو جو مستقل خریدار ہیں وہی بددل ہوتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہی صورت رہی تو پھر اس کا خریدار رہنا بیکار ہوگا ہم بعد میں اگر مناسب سمجھیں گے تو سال بھر کی پرانی فائل ہی کیوں نہ منگالیں گے گویا نئے خریدار پیدا ہونا تو درکنار پرانے خریدار بھی ہاتھ سے نکلے جارہے ہیں۔ اگرچہ ہم ۱۲ صفحے کی بجائے ۲۴ صفحات یعنی دوچند ضخامت کا پرچہ نکال کر مضامین کی کمی پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم بہت سی خامیاں باقی رہ جاتی ہیں مثلاً مصنفین مطبوعات سنگم کے حالات بجائے ہر ماہ ایک کے پیش کرنے کے دو ماہ میں ایک کے درج کئے جاتے ہیں اس طرح سال بھر میں ۶ کی کمی ہوجاتی ہے جس سے بہت کافی نقصان ہوتا ہے کیونکہ ان کے حالات میں بہت سی باتیں کام کی ہوتی ہیں جن سے بعض اصحاب کو یقیناً فائدہ پہونچتا ہے اور وہ ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں خصوصاً تازہ حالات پر اگر تبصرہ کرنا ہو تو وہ بہت پرانے ہوجاتے ہیں جن کا ذکر کرنا بے سود ہوجاتا ہے بعض اصحاب کو تو ہمارا عذر صحیح تسلیم کرنے میں بھی تامل ہوتا ہے ایسی صورت میں ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کا تو وقت ضائع کیا اور اپنے پرچہ کا کافی حصہ بے معنی چیخ پکار کی نذر کردیا۔ گویا "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم" والا مضمون ہوا جس کا اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس مرتبہ بہت ہی زیادہ شرم و ندامت محسوس ہو رہی ہے۔

بیان صالح لیکن ہم حقیقت حال کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کم از کم ریکارڈ کی تکمیل کی غرض سے فائل کا پیٹ بھرنا ضروری ہے کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ اس سے کبھی نہ کبھی فائدہ ضرور پہونچے گا۔ اسلئے خدا کو حاضر و ناظر جان کر ع

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ہوا یہ کہ ہم نے یہ کوشش کی تھی اور پچھلے پرچہ میں اعلان بھی کیا تھا کہ جنوری و فروری کا پرچہ مارچ میں اور مارچ و اپریل کا پرچہ اپریل شروع میں نکال کر مئی سے ماہ بماہ سنگم شائع کیا کریں گے چنانچہ ۲۶ مارچ کو کاتب صاحب کے ہاں سے جنوری و فروری کی کاپیاں کتابت ہوکر ہمارے پاس بغرض تصحیح پہونچ گئیں اور ہم انہیں صحیح کرکے ۸ اپریل تک پریس میں بھیجنا چاہتے تھے تاکہ ۲۱ یا ۲۲ تک پرچہ چھپ کر ناظرین کرام کی خدمت میں پہونچ جائے لیکن "ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال است" والا مضمون ہوا۔ ہمیں اچانک دمہ کا دورہ شروع ہوگیا۔ یوں تو یہ تکلیف تقریباً ہر روز ہی رہتی ہے جس میں ہم دن رات مبتلا رہتے ہیں اور محض دواؤں کے بل بوتے پر زندہ ہیں چنانچہ اس دورے کو بھی ہم نے زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن نہ معلوم کیوں اس نے ایسی شدت اختیار کی کہ ایک دم ہم پرمٹ آفس میں پہونچ گئے پورے ۲۰ گھنٹے چارپائی پر پاؤں لٹکا کر اور سامنے میز پر گاؤ تکیہ رکھ کر سر ٹکائے بیٹھے رہے ہلنا جلنا حتیٰ کہ پیشاب کے لئے بھی ادھر ادھر ہونا ناممکن تھا نتیجہ یہ ہوا کہ پاؤں سوج کر نیم ہوگئے اور ہم تکلیف کی شدت اور بے خوابی کی وجہ سے نیم پاگل ہوگئے آنے جانے والوں کا یہ حال کہ صبح ۷ بجے سے رات کے ۱۱ بجے تک معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میلہ لگا ہوا ہے یا کسی نمائش کو دیکھنے کے لئے بھیڑ ہو رہی ہے کچھ معلوم نہیں کہ کون آیا اور کون گیا۔ کیونکہ سانس ہی

نہیں آرہا تھا۔ اور ہم انتہائی مصیبت میں مبتلا تھے جب ہماری محرم راز اس دار فانی سے رخصت ہو رہی تھیں تو جنوری کی سردی عروج پر تھی لیکن ہم نے دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ ٹپ ٹپ گر رہا تھا جیسے موت کے پسینے کہتے ہیں۔ یہی حالت عام طور سے ہمیشہ سانس کے دورے میں ہماری ہوتی ہے کہ سردی کے موسم میں رات کے ۲۔۳ بجے اس قدر پسینہ ٹپکتا ہے کہ بالکل جانکنی کی سی حالت ہوتی ہے چنانچہ اب بھی بالکل ملاقات کے پنجے میں انتہائی گرمی محسوس کر رہے تھے انجکشنوں پر انجکشن لگ رہے تھے اور دونوں بازو اور کولے بالکل چھلنی ہو گئے تھے لیکن سانس صاحب خفا ہی رہتے تھے۔ خدا خدا کر کے پورے ۱½ ماہ بعد اس قابل ہوئے کہ چار پائی سے نیچے قدم رکھنا نصیب ہوا اور اب تک جبکہ نصف مئی بھی گذر چکا ہے گھر سے باہر نکلنا تکلیف کا باعث ہو رہا ہے بیس سال کے بعد اتنا سخت دورہ ہمیں پڑا ہے اور زندگی میں ایسا سخت یہ تیسرا دورہ ہے۔ آنے جانے والے تو اس امر کے منتظر تھے کہ اب خیر ملتی ہے کہ کلمہ پڑھنے کا وقت آگیا ہے اور اب دم اخیر ہو رہا ہے کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں بلکہ حالات سے اندازہ لگا کر ایسا خیال کرنے پر مجبور تھے لیکن احباب کی دعائیں تھیں اور بعض پرخلوص دلوں کی تمنائیں اللہ تعالیٰ سے عجز و انکساری کے ساتھ ہماری سفارش فرما رہی تھیں جن کو اس قادر مطلق نے شرف قبولیت عطا فرمایا اور ہمارے پرمٹ یا ویزا میں توسیع کر دی اور ہم پھر زندہ ہو گئے لیکن بجائے کچھ عبرت اور سبق حاصل کرنے کے پھر وہی رفتار بے ڈھنگی اختیار کر بیٹھے دنیا اسی کا نام ہے اور یہ کارخانہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب! اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور صراط مستقیم کی توفیق عطا فرمائے اب اگر اس نے دوبارہ موت کے چنگل سے بچا لیا ہے تو وہ ہمیں جلد از جلد ہماری خاص خاص ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنے میں ہماری مدد کرے۔ آمین ثم آمین۔

بس یہ وجہ ہے کہ سنگم کا پرچہ بجائے وقت پر آجانے کے اور دو ماہ مزید تاخیر سے نکلا یعنی جنوری و فروری کا پرچہ مئی کے آخر میں اور یہ جون میں نکل رہا ہے اب مئی و جون کا شمارہ باقی ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں کہ جولائی یعنی تیسرا سال شروع ہونے سے پہلے پہلے نکل آئے [لیکن افسوس ہے کہ نامساعد حالات کی بنا پر یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی اب تو بس اللہ ہی مالک ہے]

اب ہم کس منہ سے اپنے پرانے خریداروں سے کہیں کہ دوسرے سال کا پرچہ جولائی ۱۹۵۵ء سے برابر حاضر ہوتا ہے جو اگرچہ بہت تاخیر سے اور آپ کے صبر و انتظار کا امتحان لینے کے بعد حاضر خدمت ہو رہا ہے تاہم حاضر ضرور ہو رہا ہے اس لئے اس کا چندہ اور اگلے سال کا چندہ مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ ہمیں کچھ تو اطمینان نصیب ہو لیکن اپنی کوتاہیوں کے اعتراف کے باوجود ہم اصرار کرنے کی ہمت نہیں رکھتے محض آپ کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ کم از کم اگر خریداری جاری نہ رکھنے کا ارادہ ہو تو اسی اطلاع سے ممنون فرمائیے تا کہ ہم اس پر غور کر سکیں اور جنہوں نے بغیر مانگے خود بخود بھیجہ دیا ہے ان کے ہم بیحد شکر گذار ہیں۔

ہماری ذمہ داریاں

جن ذمہ داریوں کی طرف اوپر کی سطور میں ہم نے اشارہ کیا ہے اور جن سے سبکدوش ہونے کی ہم دل سے دعا کرتے ہیں اور جس کے لئے ہم اس بیماری میں برابر دعا مانگتے رہے ہیں ان کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے تا کہ ان احباب کو اطمینان ہو جائے جنہیں ہم سے معاملہ لوگوں سے واسطہ رہا ہو یا جن کے دل میں یہ وسواس ہو کہ اگر یہ شخص مر گیا تو معاملات کا کیا ہوگا اس لئے ازراہ کرم وہ صاحبان کس طور سے نوٹ فرمالیں کیا تعجب ہے کہ اللہ میاں نے ہماری پرمٹ میں اتنی ہی توسیع کی ہو کہ ہم جلد از جلد اپنے حساب نمٹا لیں اور یہی ہماری دعا بھی تھی کہ اے اللہ کم از کم تو مجھے اتنی مہلت دیدے کہ میں منظم کتاب گھر کے پیچیدہ حسابات ان لوگوں کو سمجھا دوں یا مکمل کر دوں جن سے لین دین چلا آتا ہے یا جن کے کھاتے بوجوہ مکمل یا صاف نہیں ہیں۔ اور جن کے حسابات میں ان کے نجی ذاتی حسابات کی رقومات بھی شامل ہیں یا بہت سی تصفیہ طلب باتیں باقی ہیں جن سے الجھن پیدا ہو گئی ہے اور اب تک صاف نہیں ہوئے۔ چنانچہ بیماری کے دوران میں بھی بعض خطوط تقاضوں کے موصول ہوئے جو تیمارداروں نے روک لئے اور مجھے نہیں دکھائے اور جن کے دیکھنے کا اب نمبر آرہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ رسالہ سنگم کو وقت پر لانے کے ساتھ ساتھ حسابات بھی مکمل کر دوں جو اگرچہ ذرا دیر طلب کام ہے لیکن انشاء اللہ بہت جلد

مکمل ہوسکے گا صرف قوت ارادی اور بدن میں جان آنے کی دیر ہے بعض صحاب کے تقاضوں کے خطوط پر تو ہمارے تیمارداروں کو بھی غصہ آیا۔ ان کے خطوط اللہ کی طرف سے وارننگ تھی اور وقت پر خبردار کرنا تھا اب بھی اگر اس مہلت سے ہم نے فائدہ نہ اٹھایا تو سمجھیے ہم سے زیادہ اور کون بدقسمت ہوگا اور ان کی بدگمانی حق بجانب ہوگی۔

سب سے پہلے ہم رسالہ "سنگم" کے خریداروں کو مطلع کرتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی کئی پرچوں میں اعلان کر چکے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے بھی خدانخواستہ یہ پرچہ بند ہوگیا تو دو روپے سال کے حساب سے جتنے مہینوں کا چندہ باقی ہوگا وہ سنگم کتاب گھر کے ذمہ واجب ہوگا اور خریداران کو ضرور واپس کیا جائے گا اور فیس منی آرڈر بھی سنگم کے ذمہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر پرچہ جاری ہے اور کوئی صاحب درمیان سال میں خریدار رہنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سال بھر میں جتنے مہینوں کے پرچے وصول کر چکے ہیں ان کی قیمت تین آنے فی ماہ کے حساب وضع کر کے باقی رقم واپس منگا سکتے ہیں البتہ منی آرڈر کی رقم انہیں ادا کرنی ہوگی۔

اس کے بعد ہم تمام مصنفین کو یقین دلاتے ہیں کہ ان کی رائلٹی کی رقم یا اُن کے حساب کی رقم انہیں ضرور ادا ہوگی اور جن سے لین دین سال بھر چلنا ہی رہتا ہے ان کو وقت مقرر کر کے ہم سے حساب صاف کر لینا چاہیئے تاکہ معلوم رہے کہ حساب کی صورت حال کیا ہے کیا لینا ہے یا کیا دینا ہے۔

بعض احباب تو ہم سے ذاتی طور پر عقیدت کی بنا پر مطمئن ہیں چنانچہ آج تک انھوں نے ایک حرف بھی مُنہ سے نہیں نکالا۔ اور بعض صحاب کو محض خط و کتابت کے ذریعے بغیر کسی سابقہ ملاقات کے ہم سے خوش فہمی اور عقیدت سی ہوگئی ہے اس لئے وہ بھی بالکل خاموش ہیں۔ یہ دونوں صورتیں ہمارے لئے بُری ہیں اور ہم انہیں اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ ہمارے تساہل اور ان کی طرف سے مطالبہ کا تقاضہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کی طرف توجہ نہیں کر سکے حالانکہ ہم اُن کے مقروض ہیں مثلاً ڈاکٹر طاہر دیالپوری۔ مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی وغیرہ وغیرہ ہم انہیں دلی معذرت اور ندامت کے ساتھ یقین دلاتے ہیں کہ اُن کا حساب اور معاملہ بالکل صاف اور سیدھا سادا ہے ہم بہت جلد سبکدوش ہونے کی کوشش میں ہیں۔ ان کی غیر معمولی کرمفرمائی سے ہم نے مزید کتابیں چھپوائی ہیں اُن کی رقم صرف کر دی جس سے اُن کی ادائگی ہونے میں تاخیر ہو گئی۔ اس کا ہمیں یقیناً بیحد افسوس ہے۔

ایسے بھی حضرات ہیں جنھوں نے پیہم کوشش کی لیکن چونکہ تاجر کا رحجان لینے سے پہلے کے حسابات سے ہمیں ذرا الجھن سی ہوتی ہے۔ اور چونکہ سب متعلقین حساب کا باہم جمع ہونا اور کافی وقت دینا قدرے مشکل ہے اس لئے معاملہ اٹک رہا ہے جس سے ہمیں خود کوفت ہے اور ہم جلد از جلد ان کے معاملہ کو صاف کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری رقم ان کے ذمے نکل رہی ہے اور ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم انہیں اُن کے مطالبہ سے زائد ادا کر چکے ہیں لیکن جب تک کاغذ پر معرض تحریر میں آ کر یہ بات صاف نہ ہوجائے قیاس آرائیوں سے کام نہیں چل سکتا۔ اور ہمیں اپنی کوتاہیوں اور مروّت کی وجہ سے سرد و گرم سب کچھ سہنا اور سننا پڑ رہا ہے۔ مثال کے طور پر ایک خط چند فقرے بطور عبرت محفوظ کئے جاتے ہیں:

مولوی مقبول احمد صاحب سیوہاروی مالک ندیم بکڈپو سیوہارہ ضلع بجنور اور مالک ادارہ آسان اردو حیدرآباد دکن حال مقیم بالائے جھامرہ گدڑی شاہی اجمیر شریف ۸/ اپریل کو تحریر فرماتے ہیں:—

"حافظ صاحب! حسابات کا جھمیلا زندگی کا بار ہے کب تک ملتا رہے گا۔ مجھے تو اپنی زندگی کا ذرا بھی بھروسہ نہیں آپ کی بابت کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کم از کم میرے سابقہ خط کا جواب تو دے دیا ہوتا"۔ چونکہ یہ خطوط ہماری شدت کی بیماری میں موصول ہوئے تھے اس لئے ہم نے منیجر کان سنگم کتاب گھر دہلی سے جواب دینے اور بیماری کی اطلاع کر دینے کے لئے کہا۔ اور اُن کے پاس وہ خط بھیج دئے۔ چنانچہ اُن کے جواب میں ۸/ اپریل کا لکھا ہوا مزید خط ملا جس میں درج تھا...... "میرے خطوں کا جواب یونس صاحب نے دیا جس سے آپ کی علالت کی شدت کی خبر ملی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صحت بخشے حسابات کا معاملہ اتنا طویل ہوگیا ہے جس کا اثر دل و دماغ کو بھی متاثر کرتا ہے اور ضرورتوں کو بھی دعوت تقاضہ دیتا ہے......

ورنہ یہ تو جانتا ہوں کہ اب اس کی تکمیل کے لئے عمر نوح کی دعا کرنی ہوگی۔ تقاضہ اس لئے کیا تھا کہ آپ پورے وثوق سے اپریل کا

ہمینہ مقرر فرمایا تھا......"

ان خطوط کا ایک ایک حرف صحیح ہے اسی لئے ہم نے بطور دستاویز کے اس کے ضروری حصے یہاں درج کر دئے ہیں لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیماری میں، اللہ تعالیٰ سے خاص طور سے آپ کے اور ایک اور اپنے ساتھی کے حسابات کے صاف ہو جانے تک کی مہلت مانگی تھی۔ کیونکہ آپ ہی دو صاحب زیادہ متفکر ہیں اور ہم صرف آپ کے حسابات کی وجہ سے زیادہ پریشان ہیں چنانچہ اس کا شکر ہے کہ اس نے دعا قبول کی اور مہلت عطا فرمائی۔ اب انشاء اللہ حسابات جلد صاف ہو جائیں گے مطمئن رہئے آپ دو کے علاوہ مولوی الیاس احمد صاحب مجیبی مالک اردو گھر ناظم آباد کراچی بھی خفا ہیں وہ یہاں تشریف لائے پھر اپنے وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد چلے گئے اور جب واپس آ کر حساب صاف کرنے کی انتظار میں رہے تو ہمیں بیماری سے نجات ہی نہ ملی اور وہ مجبوراً واپس کراچی چلے گئے ان کے حسابات میں نہ صرف سنگم کتاب گھر سے لین دین کا قصہ ہے بلکہ ان کے نجی حسابات کا بھی جھمیلا ہے۔ مثلاً یہ چیز خرید کر بھجوا دیجئے۔ عطریات کا وی پی لکھنؤ سے آئے گا وہ چھڑا لیجئے۔ فلاں شخص کو اتنی رقم بھجوا دیجئے۔ فلاں کتاب کے ٹائیٹل کا ڈیزائن ارسال ہے بلاک بنوا دیجئے۔ فلاں فلاں صاحب کو مطبوعہ کتب بھجوا دیجئے وغیرہ وغیرہ۔ مولوی مقبول احمد صاحب کا حساب بھی اسی قسم کی گڑبڑوں سے خالی نہیں ہے ــــــ اب ان تمام رقومات اور فروخت کتب کا حساب نقل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ خود تو مجیبی صاحب حساب رکھا نہیں سب حساب مع دو چیزوں کے ہم رکھیں اور وقت پر مرضی کے مطابق تعمیل ارشاد نہ ہو سکے تو خفا ہو جائیں۔ یہ سب "طویلے کی بلا بندر کے سر" والا مضمون ہے ایک آدمی کیا کچھ کرے۔ بس یوں سمجھئے کہ۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔ اسی وجہ سے سب کی ناز برداری کرنی پڑتی ہے اور ہم اسی تمنا میں رہتے ہیں کہ ع

آیا بود کہ گوشۂ چشم بما کنند

ان سب باتوں کا جواب ہماری علالت کے باعث خواجہ ذکی احمد صاحب سلمہ نے دیا تو خفا ہو گئے اور بہت زیادہ آزردہ خاطر ہو گئے۔ ہمیں ان کی تحریر درج کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ تاہم ہم معذرت چاہتے ہیں ہمیں اب معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں رمضان شریف کتنی مصیبت اور زحمت ساتھ لاتے ہیں اور کس قدر زحمت کا باعث ہوتے ہیں اور پھر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت میں تو روزہ کے سوا دوسرا کام کرنا یقیناً حرام سمجھا جانا چاہیئے۔ ہمیں افسوس ہے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی ہمیں مجیبی صاحب کے وقتی جوش سے امید ہے کہ اگر وہ خود اپنی تحریر پڑھیں گے تو انہیں افسوس ہوگا کیونکہ شرافت کا جو جوہر ان میں موجود ہے وہ اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہے گا۔ اور ویسے بھی وہ ہمیشہ ہم سے نہایت محبت اور عزت سے پیش آتے رہے ہیں۔ ہم ذاتیات سے ہمیشہ "سنگم" کے صفحات کو محفوظ رکھیں گے اور ضبط و تحمل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ کیونکہ اس سے پڑھنے والوں کے مذاق پر بھی خراب اثر پڑتا ہے جس کو صحیح رکھنا ہمارا سب سے پہلا اور سب سے بڑا اصول ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ انسانیت سے بعید ہوگا اگر ہم دو ہستیوں کا نہایت شکریہ اور فخر کے ساتھ ذکر نہ کریں ان میں سب سے اول "دیال پرنٹنگ پریس دہلی" کے منیجر ڈلیش صاحب ہیں جنہوں نے اپنے حسابات کا کبھی تقاضہ نہیں کیا اور اگر کبھی کیا بھی تو صرف اتنا کہا کہ "کبھی فرصت ہو تو ذرا ہمارے حساب کو بھی دیکھ لیجئے" اور کبھی ہمارے کام سے انکار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وقت پر ہماری خواہش کے مطابق مکمل کر کے ہمیں ممنون فرمایا ان کے اس انتہائی شریفانہ رویہ کا غیر معمولی اثر ہم پر ہے جس کے اظہار کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ دوسری قابل ذکر ہستی ہمارے دیرینہ کرم فرما حکیم ذکی احمد صاحب مالک جید برقی پریس کی ہے جنہوں نے پچھلے حسابات کے صاف کرنے کے لئے ہمیں کافی سہولت دی اور اس کی ادائگی کے لئے تاریخ و وقت کا ہم سے وعدہ نہیں لیا بلکہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا اور ایکبار بھی تقاضہ نہیں کیا۔

دنیا میں اگر ایسی شریف ہستیاں نہ ہوتیں تو ہم جیسے ناگہانی حالات سے مجبور لوگوں کا جینا مشکل ہو جاتا لیکن ہمیں بھی کلام نہیں کہ ہم نے بھی ایسے اصحاب کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ حسب توفیق و گنجائش جو کچھ ہو سکا وہ کیا اور انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری ساکھ اسی طرح قائم ہے اور نادہندہ یا چار سو بیس لوگوں کی فہرست میں ہمارا نام درج نہیں ہے

اس کے برعکس ایسے بھی مہربان ہیں جن کا ذکر ہم پچھلی اشاعتوں میں کر چکے ہیں کہ ہم نے ان کے اعتبار پر بڑی بڑی رقموں کا مال بذریعہ رجسٹری بھیجا یا بذریعہ ریل یا موٹر ٹرانسپورٹ بھیج کر بلٹی بذریعہ رجسٹری بھیجی۔ حالانکہ ان کی فرمائش تھی کہ بذریعہ بینک بلٹی بھیجی جائے لیکن ہم نے اس خیال سے کہ وہ مال وصول کرنے کے بعد اسے اچھی طرح دیکھ بھال کر روپیہ بھجوا دیں گے۔ ان کی ہدایت کے خلاف کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سال بھر گزر جانے کے بعد بھی اور کئی تقاضوں کے باوجود انھوں نے ڈکار تک نہیں لی اور خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔

ہم ملک میں باہم اعتبار کی راہ و رسم قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہیں کہ اس عمارت کی بنیاد ہی نہیں پڑنے دیتے۔ اس کی کیا وجوہات ہیں۔ یہ اب آئندہ کے لئے اٹھا رکھئے کیونکہ لین دین کا یہ قصہ ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا ہے۔ جو اگرچہ لغو اور فضول اور تضیع اوقات سے تعبیر کیا جائے گا لیکن اس کی قدر و قیمت بہت جلد آپ خود ہی محسوس کرنے لگیں گے۔ اخلاق اور کیرکٹر کی عمارت کا کھڑا کرنا آسان نہیں ہے۔

اب ذرا دو تین قدردانوں کے شکایت ناموں کے جواب میں ان کا شکریہ ادا کرنے کی اجازت دیجئے:۔

عبدالرحمٰن گنائی صاحب

بارہ مولا کشمیر سے تحریر فرماتے ہیں:

"ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے آج (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء) تک رسالہ سنگم کا کوئی پرچہ بھی موصول نہ ہوا۔ آج تک سنگم کی عدم وصولی کی شکایت نہ کی کیونکہ سنگم کی اشاعت تاریخ و وقت کی محتاج نہیں۔ سنگم واقعی دلچسپ رسالہ ہے اگر یہ ہر ماہ پابندی سے شائع کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ اشاعت کے لحاظ سے دوسرے ماہناموں پر فوقیت نہ لے جاتا اور اس کے ہمدرد دل کھول کر توسیع اشاعت میں حصہ نہ لیتے۔ آپ حتی الامکان اس کی کوشش کریں کہ رسالہ ہر ماہ پابندی سے شائع ہو خواہ اس کا حجم کم ہی کرنا پڑے اور توسیع اشاعت کا بار ہمدردوں پر ڈال دیں۔ اگر تائید ایزدی شامل حال رہی تو "سنگم" ضرور ترقی کرے گا۔ امید ہے کہ میری اس تجویز کی دوسرے ناظرین بھی تائید کریں گے اگر اکتوبر کے بعد کوئی پرچہ شائع ہوا ہو تو ضرور بھیج دیں۔"

[گنائی صاحب کا ایک خط مارچ ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں دوسرا اگست ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں ہم شائع کر چکے ہیں جن میں مفید مشورے بھی ہیں اور وقت پر شائع نہ کرنے کی وجہ سے خفگی کا اظہار بھی ہے اس مرتبہ پھر محبت آمیز مفید خط لکھا ہے۔ ہم ان کے مشوروں کی دل سے قدر کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ انکی طرح دوسرے خریدار بھی اسی طرح منتظر رہتے ہونگے ہم نے ان کو علیحدہ بھی جواب لکھ دیا تھا اور نومبر و دسمبر کا پرچہ دوبارہ بھجوا دیا تھا جو پہلے بھیجا جا چکا تھا لیکن انہیں نہیں ملا ہوگا ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جلد از جلد پرچہ کو وقت پر لے آئیں تاکہ گنائی صاحب سے ہم بھی کچھ مطالبہ کر سکیں اللہ مددگار رہے۔]

عارف محمد خاں صاحب

لائبریرین بچوں کی لائبریری سول لائنز علی گڑھ سے لکھتے ہیں:

"سنگم کو اپنے دوست کے پاس دیکھا، پڑھا، اور بغیر پڑھے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ رسالے کے مضامین کی ترتیب میں بڑی محنت سے کام لیا جاتا ہے سنگم کی رفتار کو بڑھتا دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے انشاء اللہ اپنی لائبریری میں ضرور منگاؤں گا ابھی وعدہ ہی ہے! اور سنگم کے دو چار دوست ضرور بناؤں گا۔ سنگم کا سالانہ چندہ دوسرے رسالوں کی نسبت بہت کم ہے۔ سنگم میں ادبی، مذہبی اخلاقی، سیاسی، تاریخی، غزلیں، کہانیاں ہر مضمون کی بوچھار کی جاتی ہے۔ کسی رسالہ کی ترقی کا انحصار "اس کی اشاعت ہر ماہ ہو" پر بھی ہوتا ہے۔ سنگم کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری اللہ سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ سنگم ہندوستان کی ہر لائبریری میں داخل ہو اور ترقی کرے۔ آمین۔"

[عارف صاحب! آپ کی ہمت افزائی کا بہت بہت شکریہ۔ خصوصاً اس حقیقت کا کہ رسالہ کی ترقی کا انحصار اس کی باقاعدہ اشاعت پر بھی ہوتا ہے۔ ہم خود اسے شدت سے محسوس کرتے ہیں آپ نے اللہ سے استدعا کی ہے کہ یہ رسالہ ہندوستان کی ہر لائبریری میں داخل ہو اور ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ دو چار دوست پیدا کرنے سے پہلے کم از کم اسے اپنی لائبریری میں تو جگہ دیجئے جس کا وعدہ بھی آپ نے کیا ہے۔ ایک اور خط میں آپ نے سنگم بال سبھا کا ممبر بننے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی جس کا لٹریچر آپ کو بھجوا دیا گیا تھا لیکن اسے دس ماہ کے قریب ہو چکے ہیں حالانکہ سرسید کے کارناموں کو آپ نے نمونہ رکھنا چاہئے تھا]

محترمہ ادا فاروقی

اہلیہ معصوم اللہ صاحب ہوش فاروقی سورون ضلع ایٹہ تحریر فرماتی ہیں:۔

"رسالہ سنگم جیسا سُنا تھا اس سے بہتر پایا۔ چندہ سالانہ بہت کم۔ مضامین دلکش۔ طرزِ تحریر اچھوتا۔ ٹائیٹل پیج شاندار۔ ہر اعتبار سے اس قابل ہے کہ منگایا جائے اور پڑھا جائے۔ اس دور میں آپ نے بڑا زبردست کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے رسالہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین! آپ رسالہ میرے نام برابر جاری رکھئے کیا اچھا ہوتا اگر رسالہ ہر ماہ کا علیحدہ علیحدہ شائع ہوتا اور ماہ بماہ آتا رہتا وغیرہ وغیرہ

[ہمشیرہ! آپنے سچے دل سے اپنے سنگم کی تعریف کی ہے تاخیرِ اشاعت کی شکایت عام طور سے سب خریداروں کو ہے۔ دعا کیجئے کہ ہمیں اس سے نجات ملے۔ آپکی قدردانی کا شکریہ ہیں آپ کی توجہ اور دعا کے ہم ہمیشہ منتظر رہیں گے۔ آپ پرچہ کو آئندہ اس سے بدرجہا بہتر پائیں گی کیونکہ نہ ہم کسی کی خوشامد کے زیرِ اثر ہیں اور نہ کسی کے خلاف دل میں کدورت رکھتے ہیں۔ سچ بات کہنے میں کبھی تامل نہیں کریں گے۔ ملک کی ترقی، قوم کی عزت، حکومت کا جائز احترام، اور اردو کی خاص حمایت و حفاظت ہمارے بنیادی اصول ہیں۔]

اب ہم اپنے مخلص محسنوں اور عملی سرپرستوں کا ذکرِ خیر کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں جنہیں ہرگز منظور نہیں ہے کہ ان کی تعریف کی جائے لیکن ہم اپنی عادت سے مجبور ہیں اور دوسرے قدردانوں کی اطلاع کے لئے بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ انھیں یہ معلوم ہو سکے کہ پرچہ کے قصیدہ خواں محض زبانی جمع خرچ ہی نہیں کرتے بلکہ اپنا وقت صرف کر کے اپنی دلی اور سچی ہمدردی کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور ہماری حقیر خدمات کے اعتراف میں اُن کے خلوص اور حقیقت کو بھی بہت زیادہ دخل ہے۔

حافظ مقبول احمد صاحب

آف میسرز ابراہیم محمد اسمٰعیل مقبول احمد صاحب دھرم تلا اسٹریٹ کلکتہ سنگم کے سب سے پہلے خریدار ہیں۔ آپ اپریل میں تحریر فرماتے ہیں:-

"رسالہ کی اشاعت میں مسلسل تاخیر ہو رہی ہے غالباً اس وجہ سے بھی خریداروں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوتا ورنہ ممکن ہے اشاعت کچھ بڑھ جاتی میں نے ابتک ایک سال کا چندہ روانہ کیا ہے میرے حساب میں مبلغ چار روپے جمع فرما کر پورے تین سال (یعنی جون ۱۹۵۶ء) تک کا چندہ وصول فرما لیجئے۔ نیز خالد میاں سلمہٗ (جن کا پتہ مال روڈ لاہور ہے) کا نام بھی شروع سے خریداروں میں درج فرما لیجئے اور چھ روپے اُن کے حساب میں جمع فرما کر تین سال کا حساب بیباق کر لیجئے اور شروع سے ابتک کے جتنے پرچے شائع ہوئے ہیں وہ سب بذریعہ رجسٹری انھیں بھیج دیجئے نیز خالد میاں کو سنگم بال سبھا کا ممبر بنا لیجئے اور علی الحساب پندرہ روپے ان کے نام سے جمع فرما لیجئے (حالانکہ بال سبھا کا سالانہ چندہ صرف پانچ روپے ہے) یہ روپے کسی خاص معین مدت کیلئے نہیں ہیں جب بھی ختم ہو جائیں مطلع فرمایئے میں انشاءاللہ تعالیٰ اور روپے بھیج دوں گا۔ جو کتاب وہ منگائیں انھیں بھیج دیں۔" گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتابیں صرف ممبری تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ جتنی بھی کتابیں منگائیں بھیج دیجئے۔ اس طرح مبلغ پچیس روپے کا منی آرڈر انھوں نے ارسال فرما کر ہماری ہمت افزائی کی۔ یہ ہے اصل ہمدردی جس کی مثال شاذونادر ہی ملے گی۔ اس کے جواب میں ہم جو کچھ بھی کہیں گے کم ہوگا۔ مقبول صاحب ہمارے نہ صرف دلی ہمدرد ہیں بلکہ ہماری غلطیوں کو نہایت تحمل سے درگذر فرما کر ہماری اصلاح بھی فرماتے رہتے ہیں۔

دلچسپ غلطی

ایک مرتبہ آپ نے کاروانِ خیال کا آرڈر دیا (یہ امامُ الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مرحوم و مغفور کی باہمی خط و کتابت کا مجموعہ ہے جو ۴ ستمبر ۱۹۴۲ء سے ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء تک کے درمیانی عرصہ پر مشتمل ہے) سنگم کتاب گھر نے اس کتاب کی بجائے امن لکھنوی کی کاروان و منزل بھیج دی آپ نے اُسے واپس فرما کر نہایت شفقت آمیز الفاظ میں ہماری غلطی کی طرف ہمیں متوجہ کیا۔ اس مرتبہ پھر سنگم کے منیجر صاحب پر کسی جادو صفت پیر کا اثر ہوا اور ایک تیسری کتاب کاروانِ سخن بھیج دی جو پنڈت چاند نرائن صاحب چاند کا مجموعہ کلام ہے اور جس کو دیکھ کر مقبول صاحب نے تحریر فرمایا کہ اس مرتبہ پھر غلط کتاب آگئی ہے چنانچہ وہ بھی انھوں نے واپس کر دی اور ایک لفظ بھی نا ملائم استعمال نہیں کیا بلکہ احتیاط سے کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اب جو کتاب بھیجی گئی اُسے وصول کرنے کے بعد تو مقبول صاحب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ زمین گول ہے کا مسئلہ حل ہوتا نظر آیا کہ پھر کاروان و منزل کی رجسٹری پہونچ گئی۔ مگر آفرین ہے اس حلیم الطبع شریف انسان پر کہ پھر انھوں نے نہایت

ہمدردانہ انداز میں خط لکھ کر کتاب واپس کر دی اور یہ کتابیں جو کلکتہ کی سیر کر کے واپس آ گئی تھیں ہم نے الماری میں بند کر کے کاروانِ خیال کو خاص طور سے نکال کر پیکٹ کی صورت میں تیار کر کے ڈاک خانہ بھیج دیا اور اس طرح یہ مرحلہ حل ہوا۔ ہوتا یہ تھا کہ جو کتاب واپس آتی تھی وہ بھی میز پر رکھی رہتی تھی اور کاروانِ خیال جو بھیجنے والی ہوتی تھی وہ بھی الماری سے نکال کر پہلی کے برابر رکھ دی جاتی تھی۔ اتفاق سے اس اثنا میں کوئی گاہک آ جاتا تھا اور ذہن سے صحیح بات اتر جاتی تھی۔ اور کاروانِ خیال کی بجائے یا تو وہی پہلی والی کتاب دوبارہ بھیج دی جاتی تھی یا دونوں کو اپنی اپنی جگہ الماری میں رکھ کر تیسری غلط کتاب جس میں کاروان کا جزو نام کا حصہ ہوتا تھا نکال کر بھیج دی جاتی تھی۔ جب آخری خط آیا تو میں اتفاق سے جامعہ نگر سے دہلی کتاب گھر میں جہاں آرڈر آتے ہیں موجود تھا۔ آپ آسانی سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اسے پڑھ کر میرا کیا حال ہوا ہو گا۔ اور عرقِ ندامت سے میری کیا کیفیت ہوئی ہو گی۔ ایسی بھول اور بد احتیاطی کی مثال مشکل سے ہی ملے گی بس یہی خیال آتا تھا کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جو یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے۔ بہرحال معذرت کے ساتھ کتاب بھیج دی گئی لیکن وہاں تو معذرت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اپنے احمقوں اور نادانوں کو نباہنا تو پڑتا ہی ہے۔ آپس میں معذرت بھی محبت کی جگہ لے لیتی ہے۔"

صوفی طاہر حسن صاحب عثمانی دیوبندی بی اے بی ایڈ

(علیگ)، اسلامیہ انٹر کالج سہارنپور میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے جب سے سنگم کی خریداری کو شرف بخشا ہے برابر سرگرمِ عمل ہیں اور نہایت خاموشی سے اس کے خریداروں کی تعداد میں اضافہ کے لئے منی آرڈر ارسال فرماتے رہتے ہیں۔ مارچ اور اپریل میں آپ نے خاص طور سے بہت کافی جد و جہد کی اور بعض احباب نے جس سرزمین کو بہت سنگلاخ قرار دیدیا تھا اور بنجر بتایا تھا آپ نے اسی میں اپنے دیسی ساخت کے ٹریکٹر سے کام لے کر اسے زرخیز ثابت کر دکھایا۔ اگرچہ ابھی زیادہ اگاؤ کی مہم باقی ہے۔ ہم آپ کے نہایت خاموش طریقہ کار کے بیحد معترف اور ممنون ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جس جذبہ کے تحت ان کا خلوص کارفرما ہے وہ پنجسالہ پلان سے بھی زیادہ موثر ثابت ہو گا

دوسرے ہمدرد

جن اصحاب نے ایک ایک دو دو خریدار بنوائے ہیں اور اپنے کتب خانوں کے لئے یا ذاتی مطالعہ کے لئے سنگم کتاب گھر کو نوازا ہے اور اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود دوسروں کو سنگم کی طرف متوجہ فرمایا ہے وہ بھی کم شکریہ کے مستحق نہیں ہیں ہم ان کے بھی اسی قدر ممنون ہیں جتنا دوسروں کے ہیں، ان میں جناب محمد عمر خاں صاحب ثمر چھتاروی سکریٹری ادارہ علم و ادب رسل گنج علی گڑھ اور محمد اسمٰعیل خاں صاحب ریلوے گارڈ ضلع سنتھال پرگنہ قابلِ ذکر ہیں

ایک صاحبہ

ہماری ایک بہت ہی شریف اور سلیقہ مند عزیزہ ہیں جو بیٹی سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ اور جن کا ذکر تقریباً ہر پرچہ میں ہم کرتے ہیں کیونکہ انھیں سنگم سے اس قدر دلچسپی ہے کہ وہ ہر خط میں اس کا ضرور ذکر کرتی ہیں اور کوئی خط بغیر ایسے منی آرڈر کی رسید کے ارسال نہیں کرتیں جو پاکستان میں ہمارے نمائندے کے نام کسی نہ کسی خریدار کی طرف سے ان کا بھیجا ہوا نہ ہوتا ہو۔ پچھلے سال وہ لاہور سے اپنی والدہ کی ہمراہ دہلی آئی تھیں۔ اور تقریباً دو ماہ رہ کر انھوں نے خود دیکھا تھا کہ اس عمر میں بھی ہم کس قدر کام کرتے ہیں خصوصاً دن کی نسبت رات کو جبکہ نہایت خاموشی اور سکون ہوتا ہے کتنا اچھا اور زیادہ کام ہوتا ہے اس سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ چنانچہ اس کی طرف بھی اشارہ کرتی رہتی ہیں۔

ان کی سہیلیوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ اپنا نام چھپوانے یا شہرت حاصل کرنے کے لئے سنگم کی اشاعت کے لئے کوشش کرتی ہیں چنانچہ اس کے متعلق پچھلے پرچہ میں ہم ایک نوٹ درج بھی کر چکے ہیں جبکہ ان کے نام کو ان کی سہیلیوں کے خوف سے بظاہر اخفا میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔

اس مرتبہ پھر ہم ان کا نام درج کئے بغیر ان کے ایک دو خطوط کے چند فقرے درج کرنے ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک پرانا خط ہے جس کا اقتباس بہت پہلے درج ہونا چاہیئے تھا لیکن اب درج کرنا بھی نامناسب نہیں ہے۔ لکھتی ہیں:-

"اب پھر میں اپنے مضمون کی طرف آتی ہوں آخر اس سنگم کو کیا ہوا ستمبر و اکتوبر کے بعد شائع ہی نہیں ہوا۔ دو خریدار تو بالکل

تیار بیٹھے ہیں کہ جب نیا رسالہ آئے تو ممبر بنیں کچھ بھی ہو رسالہ بند نہ ہونے دیا کریں۔ اس طرح پڑھنے والے کچھ بددل ہو جاتے ہیں آپ کی مصروفیت تو واقعی اتنی زیادہ ہے کہ میرے خیال میں رسالہ نکالنا بھی ہمت کا کام ہے لیکن اور لوگوں کو اس کا احساس کہاں ہوتا ہے"

اس کے بعد نومبر و دسمبر کا پرچہ ان کے پاس پہونچ گیا تو انھوں نے دو خریداروں کا چندہ بھجوا دیا اور پھر جنوری و فروری کے پرچہ کا انتظار کرتے رہے تھا۔ اگر مزید دو اور کے چندہ کی رقم بھجوا چکے ہیں۔ قدم کیا اور ہمیں احساس فرض کی طرف متوجہ کیا۔ ایسے کے ہم یہاں ان سے رسمی شکریہ پہ بنا اکتفا کرتے ہیں

بھاشاؤں کے دیس میں

اردو کی دلچسپی کا تقاضہ ہم ستمبر و اکتوبر کے پرچہ میں لکھ چکے ہیں۔ جب کہ تنقید و تبصرہ کے عنوان سے ہم نے نہایت حیرت کا اظہار کیا تھا کہ حکومت بنگال کے پبلسٹی ڈپارٹمنٹ کی طرف سے "مغربی بنگال" نام کا ایک ماہنامہ نکلتا ہے جو مضامین اور زبان کے لحاظ سے یو۔پی، دہلی کے کسی پرچہ سے کم نہیں ہے۔ اور جس کے بعض حصے ہم نے اپنے خیال کی تائید میں درج کر کے ثابت کیا تھا کہ اردو کس قدر ہر دلعزیز زبان ہے۔ رقیب اسے برا بھی کہتے جاتے ہیں اور سینہ سے بھی لگائے رکھتے ہیں اور یہ سب کے من کو موہ لینا جانتی ہے اپنے اور پرائے سب اسے چاہتے ہیں لیکن نہ جانے کس کے خوف سے اس سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم نے نہایت وثوق سے دعوے کیا تھا کہ اردو پورے ہندوستان کی زبان ہے ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے اور سب کی چہیتی ہے اور باوجود جلادوں کی تلواروں کی جھنکار کے فنا نہیں ہو سکتی۔ اس کے رموز اور اس کی اداؤں کو پورے طور پر صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو حسن و عشق اور محبت و پیار کی چاشنی سے واقف ہو۔ ان باتوں کو تو ہم تنقید و تبصرے کے تحت ہی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تو ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ جس سخت علالت اور شدید دورہ کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اس میں جہاں سعید و مقبول بندوں کی دعائیں اور فرض شناس بہادر معالج کی دوائیں اور غمخوار دوستوں کی شب بیداریاں اور احباب کی پریشانیاں ہماری صحتیابی کا باعث بنیں وہاں آپ یہ پڑھئے کہ مندرجہ بالا مخلص کرم فرما کی عنایتوں کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔ یقین جانئے دو سال میں اتنا ابر رحمت کبھی "سنگم" کے معاملہ میں ہم پر سایہ فگن نہیں ہوا جتنا ہماری بیماری کے زمانے میں دیکھنے میں آیا۔ ہر دوسرے تیسرے دن بلکہ بعض اوقات تو مسلسل کئی دن تک نئے خریداروں کی فرمائشیں موصول ہوتی رہیں اور بعض نے گذشتہ سالوں کے پرچوں کے مکمل فائل منگوا کر "سنگم" سے بڑی دلچسپی اور عقیدت کا ثبوت دیا۔ ہم ہل نہیں سکتے تھے لیکن منی آرڈر کی شکل دیکھتے ہی جیسے بھی بن پڑا خود اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے وصولی کی۔ اور خطوط یا کوپن کو اس وقت تک کے لئے محفوظ کر دیا جب کہ ہم جواب دینے کے قابل ہو جائیں۔ اس سے ہماری صحت پر بہت اچھا اثر پڑا اور ہم خطوط کے جواب دینے کی بیتابی کی وجہ سے وقت سے پہلے اٹھ بیٹھے کیونکہ ہمیں بڑی ندامت تھی کہ ایک تو احباب خاص طور سے محنت اور کوشش کر کے خریدار بنوائیں اور رقم بھجوائیں اور ایک ہم ہیں کہ جواب دینا تو درکنار محض رسمی شکریہ کی رسید تک بھی نہ بھیجیں جس سے ان کو کس قدر مایوسی ہوتی ہوگی لیکن ہم جانتے تھے کہ ہماری خاموشی سے وہ ضرور کچھ نہ کچھ متفکر ضرور رہے ہوں گے اور کسی خاص وجہ پر یقیناً محمول فرمانے ہوں گے چنانچہ صحت ہونے پر جو خط و کتابت ہم نے کی اس سے ہمارا خیال صحیح نکلا۔

ہاں تو ہم نے "بھاشاؤں کے دیس میں" عنوان قائم کر کے جو چیز ظاہر کرنی چاہی تھی اس کی تمہید ذرا طویل ہو گئی۔ لیکن کسی اور جگہ درج کرنے کی بجائے یہاں ہی اس کا ذکر کر دیا گیا ہم یہ کہنا چاہتے تھے کہ جس طرح "مغربی بنگال" کا پرچہ دیکھ کر ہمیں حیرت ہوئی تھی اسی طرح ہمیں اپنی بیماری کے زمانے میں یہ دیکھ کر بیحد حیرت اور مسرت ہوئی کہ بنگال سے ہی اللہ میاں نے ایک اور ایسا مخلص ہمدرد پیدا کر دیا جس نے نفس شناسی کا حیرت انگیز ثبوت دیا۔ اور جس صوبہ یا صوبوں میں ہم اردو کو علاقائی زبان بنانے کی کوشش میں ہیں ان کے مقابلہ میں انھوں نے چند دنوں میں ہی بنگال جیسے غیر علاقائی حصہ کی ایک ہی بستی سے "سنگم" کے خریدار اور "سنگم بال سبھا" کے ممبر اتنے بنا دئے جتنے متوقع جگہوں سے نہ بن سکے اس کی وجہ سوائے دل کی لگن اور اردو کی حقیقی محبت کے اور کیا ہو سکتی ہے!

اب اُن کے ایک دو خطوط کے چند اہم حصے ملاحظہ فرمایئے جس میں ایک پُر خلوص مشورہ دے کر انھوں نے ہمارے لئے گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل "جیسا اہم موضوع چھیڑ دیا ہے جس پر اگر خاموش ہی رہا جائے تو سب سے بہتر ہوگا لیکن نہیں اشارتاً تو کچھ نہ کچھ کہے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ اچھا ہے اس وسیع عمارت کی داغ بیل ابھی سے ڈال دی جائے تاکہ کسی مفید نتیجے کے نکلنے میں مدد مل سکے۔

محمد شریف صاحب

ہیڈ کلرک سپرنٹنڈنٹ آفس ایسٹرن ریلوے ہوڑہ رقمطراز ہیں:- ماہنامہ سنگم اور بال سبھا کی توسیع اشاعت کے لئے کوشاں ہوں۔ مگر کامیابی کی رفتار وہ نہیں جو اپنی دلی خواہش ہے۔ اول تو اپنا حلقۂ اثر درسہائے محدود ہے دوسرے اس صلاحیت سے بھی بے بہرہ ہوں جو موجودہ دور کے لوگوں پر اثر انداز ہو سکے۔ ایک دفعہ خیال گذرا کہ کیوں نہیں "سنگم کی خریداری مدرسہ ثانوی کے بچوں پر اسی طرح لازمی کر دیجائے جیسا کہ پیام تعلیم کی خریداری ابتدائی کے بچوں پر ہے اس طرح خسارہ کا وہ زبردست بار جو آپ پر ہے بہت کچھ ہلکا ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ اشاعت کی تاخیر اور بے قاعدگی کا بھی سدِباب ہو سکے جب اسکی اشاعت وقت پر ہونے لگے گی تو اس کی توسیع اشاعت کی جد و جہد کے زیادہ کامیاب ہونے کا امکان ہے۔ اس ناقص رائے پر غور فرمائیں۔ اب ایک قصہ سناؤں۔ ایک روز ایک اسکول میں حاضر ہوا تعطیل کا دن تھا اور اسکول بند منتظمین مدرسہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ خوش قسمتی سے اسکول لائبریری میں لائبریرین صاحب سے نیاز حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے "دستور سنگم بال سبھا" کا کتابچہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک رسالہ "سنگم" بھی ساتھ لیتا گیا تھا انھیں دکھایا۔ رسالہ کی طرف توجہ سے ملتفت ہی نہ ہوئے "سنگم کتاب گھر" کے مفہوم کی تشریح طلب کی۔ دریافت فرمایا کیا یہ کوئی کتب خانہ ہے؟ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ یہ ایک دارالاشاعت ہے اور بچوں کے لئے مفید کتابیں خصوصیت سے شائع کرتا ہے میں نے بال سبھا کی طرف اُن کی توجہ مبذول کی۔ فرمانے لگے۔ "اس قسم کے ہندی ناموں کا مفہوم ہی بچوں کو سمجھانا دشوار ہوگا"۔ کہیئے اس عصبیت کو آپ کیا کہیں گے؟ مسلمانوں پر ہندی کی مخالفت کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے کیا اس کی ذمہ داری اِن کوتہ اندیشوں پر نہیں؟ میں کتابچہ انھیں دے آیا تھا۔ موصوف نے وعدہ تو کیا ہے کہ وہ آپ کو لکھیں گے۔ گو امید کم سی نظر آتی ہے۔ اسی بستی میں ایک چھوٹی سی لائبریری دارالادب کے نام کی ہے اس کے ایک رکن سے ملا۔ یہ نوجوان ماشاءاللہ بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کے ہیں رسالہ کے نمونہ کے طالب ہوئے میں اپنے پرچوں میں سے دو ایک بھیجوں گا۔ بال سبھا کی تحریک سے انھوں نے ہمدردی ظاہر کی .... میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ .... حصہ میں جہاں مسلم آبادی ہے وقت نکال کر جاؤں اگر ہر حلقہ میں ایک خریدار بھی بن سکے تو امید کی جاسکتی ہے کہ پرچہ کے متواتر مطالعہ سے وہاں کے لوگوں کے مردہ احساس میں زندگی کے آثار پیدا ہوں۔ دونوں بچوں کے فارم ممبری سنگم بال سبھا بھی منسلک ہیں۔ دستور کی چند اور کاپیاں بھیجئے"

اس خط کا جواب ہماری علالت کی وجہ سے ایکماہ سے بھی زائد عرصہ کے بعد دیا گیا لیکن اس اثنا میں اُن کا ایک اور خط اور متعدد منی آرڈر برائے چندہ رسالہ سنگم و چندہ ممبری بال سبھا آئے انھوں نے ایک بات پر خاص طور سے زور دیا: "خدا کرے کہ پرچہ کی اشاعت باقاعدہ ہونے لگے تاخیر اشاعت کی وجہ سے لوگ بددل ہونے لگتے ہیں میری نہایت مودبانہ التماس ہے کہ اس تاخیر اشاعت کی خامی کو رفع کرنے پر ساری توجہ مرکوز کر دی جائے توسیع اشاعت کی راہ میں یہ ایک بڑا روڑا ہے جس کا ہٹانا بہت ضروری ہے۔ نمونہ کے لئے تازہ پرچہ شائع ہوتے ہی بھیجد یجئے۔ پُرانے پرچوں کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا۔"

مندرجہ بالا خطوط کے جواب میں انھیں ہماری علالت کی اطلاع ہوئی تو بہت اچھا خط بھیجا اور ہماری صحت کے لئے بہت دعائیں لکھیں اور صحت کا خاص خیال رکھنے کا نہایت محبت آمیز انداز میں مشورہ دیا اور اپنے حسنِ ظن کا اسطرح اظہار فرمایا کہ "جب صحت برقرار رہے گی تب ہی تو آپ مسلمانوں اور اردو اور وطن کی خدمت کر سکیں گے"۔

اُن کی کاوش اور اشاعت مقاصد سنگم کا جو شکریہ میں نے ادا کیا تھا اس کے متعلق لکھتے ہیں "اول تو میں سنگم کی کوئی حقیقی خدمت کر نہیں سکا کہ اپنے کو شکریہ کا مستحق سمجھوں یہ جو حقیر سی خدمت کی ہے محض اپنا فرض سمجھ کر کسی نمود و نمائش یا داد طلبی کی غرض سے نہیں،

سچ کہتا ہوں کہ مجھے اس رسالے سے حقیقی محبت ہو گئی ہے۔ میری تمنا ہے کہ یہ رسالہ پھلے پھولے اور اردو نواز اس کی قدر کریں اور فائدہ اٹھائیں وغیرہ وغیرہ۔"

اس کے علاوہ ایک اور امر کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے جناب محترم شریف صاحب کی رسالہ سے حقیقی محبت کا بین ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جہاں ایک منی آرڈر کے ذریعے مختلف خریداروں کا چندہ ارسال فرمایا ہے وہاں آپ نے نمونے کے پرچوں کی قیمت بھی ارسال فرمائی ہے تاکہ آپ جب اشاعت سنگم کیلئے اپنے حلقہ احباب میں یا دوسرے لوگوں کے پاس تکلیف فرما کر جائیں تو رسالہ کا نمونہ پیش کر سکیں۔ ہم نے لکھا کہ یہ غیر معمولی تکلف آپ نے فرمایا ہے ہمیں اس سے بہت ندامت محسوس ہوئی یہی کیا کم ہے کہ آپ اشاعت کے لئے کوشش فرمائیں اور وقت کے علاوہ آنے جانے کا خرچ برداشت کریں نہ کہ نمونے کے پرچوں کی قیمت بھی آپ ہی ادا کریں۔ آپ ہمیں ان احباب کے نام اور پتے لکھ دیا کیجیے ہم انہیں نمونہ کا پرچہ بھیجدیا کریں گے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"نمونے کے پرچے قیمتاً منگانے کا کچھ خیال نہ کریں۔ اسے جذبۂ بیگانگی پہ ہرگز محمول نہ کریں۔"

دیکھا آپ نے! ایسے ایسے بھی حقیقی محبت کرنے والے اور اعلیٰ جذبۂ ایثار رکھنے والے موجود ہیں جن کے تان گاڑی چل رہی ہے اور ہم اپنی دھن میں لگے ہوئے چلے جا رہے ہیں کہ نیّا کے کھیون ہار تو موجود ہیں جن کی عنایت سے ساحل قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے "کشتی خدا پہ چھوڑ دو لنگر کو توڑ دو" کو مد نظر رکھا ہے۔ یہ امداد در اصل منجانب اللہ سمجھنی چاہئیے۔ اب ذرا ہمیں کچھ اور عرض کرنے کی اجازت دیجیے۔

(میرے محترم بھائی شریف صاحب! ہمیں یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی محسوس ہوتی ہے کہ جس پودے کو ہم نے مظلوم دلّی میں کسی زمانے میں قلعہ معلّٰی کی دلّی میں لال قلعہ والی دلّی میں جہاں اردو بڑھی اور پھلی پھولی۔ امیر خسرو کی دلّی میں جن کے تخیل نے اردو کو جنم دیا اور ملکی اور غیر ملکی کا قصہ ختم کر کے رعایا اور حاکم کو ایک جان اور ایک زبان کے روپ میں منتقل کر دیا اور اُس دلّی میں جہاں اردو کو پروان چڑھانے والے غالب، سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، راشد الخیری، خواجہ حسن نظامی جیسے ہزاروں کی ہڈیاں دفن ہیں اور اُن کی روحیں بے تاب ہیں۔ شاہجہانی مسجد کے سامنے اردو بازار میں اور جامعہ ملیہ کی بستی جامعہ نگر (اوکھلا) میں بویا تھا اس کی جڑ تیا بنگال میں فورٹ ولیم کالج، ڈھاکہ و کلکتہ تک پہنچ گئی ہے اور مقبول محمد اسمٰعیل جیسے اہل دل کے علاوہ (جن کا ذکر کسی جگہ ہو چکا ہے) آپ جیسے جفاکش اور عالی حوصلہ مالی اس کی آبیاری فرما رہے ہیں۔ غالباً اس وجہ سے بھی کہ اردو کا آخری تاجدار (بہادر شاہ ظفر) اسی راستہ سے رنگون جلاوطن کیا گیا تھا اور جس جس سرزمین پر اس کے قدم پڑتے گئے وہاں ہی اردو اپنی مظلومیت اور بے بسی کا نشان چھوڑتی گئی جو بعد میں پھوٹ نکلا اور اب پھل دینے لگا ہے۔ اور انگریزی مسلم کش پالیسی کے علاوہ "Divide and Rule" کے اہم مقصد کے تحت جب یو۔پی۔ کے لفٹننٹ گورنر مسٹر میکڈانل نے ہندی کی حمایت میں قدم اٹھایا تو علی گڑھ کالج کے آنریری سکریٹری نواب محسن الملک مرحوم نے (جو اس زمانہ میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے واحد لیڈر مانے جاتے تھے) لکھنؤ میں ایک بہت بڑے عظیم الشان جلسہ میں نہایت جرأت سے کام لیکر اور ملت کی طرف سے لاپرواہ ہو کر اعلان کیا کہ اس انگریز نے جسے مسلم حکمرانوں نے تجارتی مراعات اور سہولتیں دیں اور ہندوستان میں قدم جمانے کی اجازت دی، ۱۸۵۷ء کے بعد سے اپنے محسنوں کی اولاد سے جو شرمناک سلوک روا رکھا ہے اس کی نہایت دردانگیز مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ بے گناہ ظفر کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹوں کو قتل کر کے ان کے سروں کو دلی دروازے کے باہر اس دروازہ کی جگہ اب یہاں جو آجکل جیل کے پاس ہے اور خونی دروازہ کے نام سے مشہور ہے لٹکا دیا اُن کے گرم گرم خون کو پی کر انتقام کی آگ کو بجھایا اور خود شہنشاہ ہند کو مع ان کی بیگم زینت محل کے بے وطن کر کے رنگون بھیجدیا جہاں وہ کئی سال انتہائی بے بسی کے عالم میں زندگی کے دن کاٹ کر ڈیڑھ دو گز زمین میں پیوند خاک ہو گئے۔ ان کی سب املاک انگریز نے قبضہ کر لیا۔ ان کی اولاد اور بیگمات کو بیحد ذلیل و رسوا کیا۔ صرف ایک "زبان" باقی رہ گئی تھی لیکن ہائے افسوس آج وہ بھی کھینچ کر باہر نکالی جا رہی ہے اور ہمارے سوئے ہوئے شہنشاہ کو اذیت دی جا رہی ہے۔"

اب اندازہ نہیں لگا سکتے کہ جادو بیان نواب محسن الملک کے ان دردانگیز الفاظ کا جنہیں ہم نے نہایت بھونڈے پن سے لکھا ہے لاکھوں کے مجمع پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اور لوگ کس قدر دھاڑیں مار مار کر روئے ہوں گے۔ اس انقلابی تقریر سے گورنمنٹ کے محل میں کس قدر عظیم الشان زلزلہ آیا ہوگا۔ خود مسٹر میکڈانل کی دیوانگی اور پاگل پن سے کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اور ہندوستان سے لندن تک کس قدر تہلکہ مچا ہوگا۔

غرضکہ اس جھٹکے سے بھی اردو محفوظ رہی اور انگریز اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا کیونکہ نواب محسن الملک مرحوم نے فرقہ دارانہ جذبے کے تحت تقریر نہیں کی تھی وہ بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ کہتے تھے وہ اردو کو ملک کی زبان قرار دیتے تھے جیسا کہ حضرت امیر خسروؒ نے ملکی اور غیر ملکی کا قصہ ختم کرنے کے لئے اسے آسان فارسی اور پوربی ہندی کی آمیزش سے تیار کیا تھا جو لب کو خود بخود آپ ہی روش میں کھڑی ہوئی۔ اور اردو کے نام سے موسوم ہوئی یعنی لشکری زبان کہلائی گئی۔ اور ہندو مسلم کی مشترکہ میراث مانی گئی۔

> رفتارِ سنگم کو محض پرچہ کی اشاعت کا خبرنامہ یا اس کے خریداروں کی قصیدہ خوانی کا کشکول سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اسے غور سے پڑھا جائے اس میں جا بجا ایسی اہم تاریخی چیزیں آپ کو ملیں گی جو علیحدہ مستقل عنوان کے تحت درج ہونی چاہئیں۔ علاوہ ازیں ایسے نکات پوشیدہ نظر آئیں گے جو کسی دوسری جگہ آسانی سے نہیں مل سکیں گے اور ایسے واقعات معلوم ہوں گے جو عام خط و کتابت سے بھی پوری طرح واضح نہیں ہو سکیں گے اس کے لئے بصارت ہی نہیں بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔

محترمی شریف صاحب! ہمیں آپ کی تکلیف فرمائی اور پرچہ کی اشاعت میں دلچسپی لینے کا پورا پورا احساس ہے لیکن سب سے زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ اردو کا جال کس قدر پھیلا ہوا ہے اور یہ زبان کہاں کہاں تک اپنا قدم جمائے ہوئے ہے۔ ہوا کے دوش پر مختلف اوقات میں جب ہم انڈیا۔ افغانستان۔ امریکہ۔ انگلستان (بی بی سی لندن) ایران۔ ترکی۔ جاپان۔ روس۔ لنکا۔ مصر وغیرہ وغیرہ ممالک سے اردو کے بلیٹن، تقریریں اور گانے سنتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی جڑیں اس حد تک دنیا میں پھیل چکی ہیں کہ ان کا اکھاڑ پھینکنا اور صاف کر دینا اب کسی انسان کے بس کا روگ نہیں ہے اور ہم بالکل اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

محضرنامے، رزولیوشن، اور مفت کا شور و شر اور واویلا اپنی جگہ پر ہوتے رہیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہمیں تو اپنے ٹھوس کام میں منہمک رہنا چاہیئے۔ ہر قدم جو ہم اٹھائیں وہ پائدار ہونا چاہیئے اور مستقل ہونا چاہیئے کسی کو برا کہنے یا کوسنے کی ضرورت نہیں ہے مخالف یا دشمن کو شکست گالی یا کوسنے سے نہیں ہوا کرتی خاموشی اور ٹھوس کام ہی سب سے زیادہ اس کی ذلت اور شکست کا باعث ہوا کرتا ہے۔

آپ نے ازراہِ نوازش یہ مشورہ دیا ہے کہ "سنگم کی خریداری جامعہ میں مدرسہ ثانوی کے بچوں پر اسی طرح لازمی کر دی جائے جیسا کہ پیام تعلیم کی خریداری ابتدائی کے بچوں پر ہے" اس کا جواب بہت دقت اور جگہ کا محتاج ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ جس پودے کی نشوونما میں ہماری تھوڑی بہت حقیر سی خدمات کو دخل ہے یا جس کے متعلق ہم "من تو شدم تو من شدی" کا تخیل رکھتے ہوں اس کے ذیل میں ہم کوئی بات ایسی بھی کہیں جس سے اس جانبداری کے باہر انگشت نمائی کا موقعہ دیا جائے اس لئے ہم خاموش ہی رہنا مناسب سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ جیسے عزیز سے جنہیں سنگم اور جامعہ دونوں عزیز ہوں انہیں صحیح بات کو واضح کرنا بھی ہے۔ اوّل تو سنگم کا تعلق جامعہ سے براہِ راست کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی ادارہ کا جامعہ والوں سے متعلق ہونا یا ان کی سرپرستی یا نگرانی میں چلنا یا ان کے پیسہ سے چلنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا تعلق جامعہ سے ہے۔ دوسرے یہ خیال بھی غلط ہے کہ پیام تعلیم کی خریداری مدرسہ ابتدائی کے بچوں کے لئے لازمی ہے۔ یہ تو مدرسہ ابتدائی کے نگراں یا ہیڈ ماسٹر کی صوابدید پر ہے کہ انھوں نے بطور مطالعہ کے پیام تعلیم کی سفارش کر دی ہو۔ یا اس کی منظوری دیدی ہو کہ جو طالب علم چاہے اُسے خرید لے اور اس کے حساب میں سے اس کا سالانہ چندہ وضع کر کے ادا کر دیا جایا کرے۔ اس کے متعلق جو قانونی پہلو یا سقم آپ سمجھ سکتے ہوں اس پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے ہم تو جو چیز آپ سے چھپانا نہیں چاہتے وہ یہ ہے کہ ہم جامعہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے سنگم کا پرچہ

جامعہ کے کتب خانہ۔ مدرسہ ابتدائی کے بچوں کے کتب خانہ۔ مدرسہ ثانوی کی بزم ادب کے کتب خانہ۔ کالج کے کتب خانہ۔ ہستادوں کے مدرسہ کے کتب خانہ۔ رسالہ پیام تعلیم کے دفتر۔ رسالہ تعلیم و ترقی کے دفتر۔ اسٹاف کلب۔ شفیق کلب یعنی ادنیٰ ملازمین کی انجمن۔ دفتر شیخ الجامعہ۔ دفتر مشغلہ۔ دفتر محاسبی اور متعدد ممبران اسٹاف کی خدمت میں ہر ماہ مفت پیش کرتے ہیں۔ یہ تقریباً بیس رسالے مفت ضرور دیتے ہیں لیکن مدرسہ ابتدائی کے جس لڑکے سے بھی پوچھا گیا اس نے یہی کہا کہ ہماری (بچوں کی) جماعت کے کتب خانہ میں ہم نے کبھی آپکا سنگم نہیں دیکھا۔ آپ اپنے نتیجہ سمجھ سکتے ہیں اور یاد کر لیجئے۔ اب آگے چلئے سنگم کی پرانی فائل دیکھئے کتنی مرتبہ سو روپے کے انعامی مضامین کا اعلان کیا گیا۔ آج تک ایک مضمون بھی مدرسہ ثانوی سے نہیں آیا نہ لڑکے کو شوق پیدا ہوا۔ نہ کسی استاد نے اس قسم کی تحریک یا ترغیب دلائی۔ کسی پہیلی یا علمی سوالات کا جواب تک نہیں دیا گیا جیسے اگر آپ تشریف لائیں اور تماشائی کام ہر کمرہ میں ملاحظہ فرمائیں تو آپ آسانی سے یقین کر لیں گے کہ اگر علم و ذوق بر روئے زمین است ہمیں است و ہمیں است۔ ہم نے اکثر خطوط میں سوالات کئے گئے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ جامعہ کے طلبہ یا اساتذہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے تو ہم لکھ دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بعض استاد چندہ دیں ہم پرچہ مفت پیش کرنا چاہتے تھے وہ باقاعدہ سالانہ چندہ ادا کرتے ہیں اور دوسرے حضرات کتب خانوں میں پڑھ لیتے ہیں اور اس کے مضامین کا ذکر تنقیدی حیثیت سے بھی کرتے رہتے ہیں اور ہمارا استاد کیلئے ضروری نہیں کہ وہ سنگم ضرور پڑھے کیونکہ کتب خانہ میں ملکی اور غیر ملکی بیشمار رسائل آتے ہیں جو ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر اور علمی پیمانہ کے ہوتے ہیں۔ کوئی کہاں تک ان کو پڑھے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ تبادلہ میں جو اخبار یا رسائل آتے ہیں ان سب کو الف سے ی تک ہم پڑھ نہیں پاتے۔ پھر دوسروں کی شکایت کیسے کی جائے۔ ہم نے کبھی کسی استاد سے مضمون لکھنے کی درخواست بھی نہیں کی اس لئے یہ شکایت بھی غلط ہے۔ البتہ طلبہ کی بدشوقی کا ضرور گلہ ہے جب وہ آزاد رہ کر بھی انعامی مضامین یا دوسری اچھی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو جبریہ طور سے تو ان کے والدین پر دو روپے کا ٹیکس عائد کرنے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

چاہیئے تو یہ کہ وہ اپنے والدین کو سمجھا کر انہیں یہ پرچہ خریدنے کی اجازت دیتے یا اسکول سے کہیں۔ ورنہ ہم کبھی گوارہ نہیں کریں گے کہ خواہ مخواہ یہ بیگار بھی کر دیجائے اور جہاں اخراجات کو پہلے ہی گھٹانے کی ضرورت ہو وہاں اور اضافہ کر دیا جائے۔ ہم تو ان کی بہتری اور اس سمجھیں گے کہ وہ اسے پڑھ لیا کریں اور کبھی کبھی کوئی مضمون بھی لکھ دیا کریں۔ اس سے انہی کا زیادہ ہوگا ہماری کاوش و انہیں کے لئے کی گئی ہے ان شاء اللہ درست رہے گی۔

ہم نے ایک دو مرتبہ اس پر زور دیا ہے کہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کی "بزم بے تکلف" اس قابل ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسے کالج کے نصاب میں بطور مطالعہ کی کتاب کے ہی شامل کریں لیکن افسوس ہے کسی صاحب اقتدار نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ جب ایسی صورت ہو تو ہم "سنگم" کے متعلق کیا شکایت کر سکتے ہیں۔

ایک اسکول کے لائبریرین صاحب کا نسخہ آپ نے لکھا ہے جو یقیناً آپ نے دیکھی ہوں گے۔ ایسے ایسے متعدد صاحب تو نہیں اکثر با اثر تار رہتا ہے۔ ہم بھی کبھی کبھی اسی قسم کے دلچسپ فقرے پیش کرینگے آپ حقیقت میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں رسالہ کی خریداری پر آمادہ کرنا یا بال سبھا کے ممبر بنانا ہی آپ نے اپنے ذمہ نہیں لیا۔ بلکہ آپ تو ذہنیت بدلنے کا ہم جاری کر رہے ہیں جو حقیقت میں سنگم کی امداد سے بھی بڑھ کر کام ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ سنگم کے مقصد کی عملی اشاعت ہے۔

للہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے آپ کی اطلاع کے لئے اتنا اور عرض کر دیا جائے کہ ہندی ایڈیشن کا کام بھی ہم نے شروع کر دیا ہے لیکن کچھ عرصہ تک اس کی رفتار ذرا سست رہے گی لیکن بال سبھا کے ہندی جاننے والے اراکین کو ہم ہندی کی اچھی سے اچھی کتابیں سستے سے سستے ناشرین سے دلا کر بھیج سکیں گے۔ آپ بلا تامل بال سبھا کے ہندی شعبہ کے لئے ممبر بنانے کی ہم جاری رکھ سکتے ہیں۔ ہم نے آپ کا اشارہ پاتے ہی ہندی کے کام بھی چھپنے کے لئے دیدئیے ہیں۔ جو عنقریب آپ کی خدمت میں بھیجے جا سکیں گے۔

امر لال سکسینہ کی طرف سے نومبر دسمبر ۵۵ء کے پرچہ میں چند انعامی سوالات صفحہ ۴۴ پر درج

کئے گئے تھے۔ ہم نے ان کے والد محترم لالہ رام دتا مل صاحب کو ایک نجی خط میں لکھا تھا کہ امید نہیں کہ موجودہ ماحول میں کوئی شخص خواہ بڑی عمر کا ہو یا چھوٹی عمر کا ان سوالوں کی طرف توجہ کرے چونکہ جوابات دفتر سنگم میں نہیں آئے بلکہ براہِ راست امرلال سلمہٗ کے پاس جانے چاہئیں تھے اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ صورتِ حال کیا ہے لیکن لالہ جی موصوف کے خط سے حسب ذیل عبارت نوٹ کی جاتی ہے جسے آپ بھی اطمینان سے پڑھ سکتے ہیں:-

"ماہ مارچ میں جو نیا خریدار رسالہ سنگم کا بنا ہو اسکا مکمل پتہ تحریر کریں انعامی سوالات کے جواب کرتے بھیجنے تھے آپ کی بات تو بالکل صحیح نکلی۔ علمی اور گندہ لٹریچر پڑھنے والے اس طرف کب متوجہ ہوتے ہیں"

گویا کسی نے انعامی سوالات کا جواب لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ حالانکہ یہاں دہلی میں ہم نے خود کئی احباب سے کہا کہ بھائی اِن سوالات کا جواب ضرور لکھ کر بھیجنا۔ خواہ وہ غلط ہی ہوں لیکن سوال کرنے والے کو یہ تو اطمینان ہو جائے کہ ہاں رسالہ کے ایسے سوالات کی طرف بھی لوگ متوجہ ہونے شروع ہو گئے ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ باوجود پختہ وعدہ کے انھوں نے تساہل اور لاپرواہی سے کام لیا اور عدم دلچسپی کا ثبوت دیا۔

نومبر دسمبر کا پرچہ فروری کے آخر میں شائع ہوا تھا اس میں یہ اطلاع امرلال سلمہٗ کی طرف سے شائع ہوئی تھی کہ جو سنگم بریمی "اگلے ماہ" میں سنگم کا نیا خریدار بنائیں گے انہیں بھی ایک ایک کتاب مفت نذر کی جائیگی چنانچہ ماہ مارچ میں صوفی طاہر حسن صاحب عثمانی دیوبندی بی اے بی ایڈ (علیگ) محلہ قاضی سہارنپور نے دو خریدار اور محمد شریف صاحب ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ آفس ایسٹرن ریلوے ہوڑہ نے بھی دو خریدار بنائے۔ جو خود بخود ہوئے انکی تعداد علیحدہ ہے ان دو صاحبان نے اپریل میں بھی مزید خریدار بنائے ہیں لیکن اعلان کے الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف مارچ کے مہینے کا ہی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

قرآن شریف کا تحفہ

لالہ رام دتا مل جی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے دانیوال ضلع جالندھر میں پرائمری مدرسے کے صدر مدرس ہیں اور لائبریری کے انچارج بھی ہیں آپ بھی خانماں برباد لوگوں میں سے ہیں جو نہایت نیک اور شریف اور بے ضرر انسان ہونے کے باوجود مغربی پنجاب سے کلیجہ پر پتھر رکھ کر نکلنے پر مجبور ہوئے اور سب کچھ وہاں چھوڑ آئے بلکہ جن پہنچے ہوئے عارف کامل" کے پاس وہ اپنی امانت چھوڑ آئے تھے وہ بھی باوجود کئی یاد دہانیوں کے انہیں نہیں مل سکی۔ ہندوستان آکر ان کو ایک نسخہ قرآن شریف کا مل گیا جو لاہور کے مشہور تاجر کتب شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار کا شائع کردہ ہے اور مترا ہے اور ہر سی پارہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اس طرح ۷۲۰ صفحات میں ۱۵ سطری مسطر پر مکمل کلام مجید لکھا ہوا ہے وہ انہوں نے کسی اپنے جاننے والے کے ہاتھ ہمارے پاس بھجوا دیا اگرچہ بہت عرصہ کا ہے لیکن بالکل درست حالت میں ہے۔ کسی جگہ سے بھی پھٹا ہوا یا خراب شدہ نہیں ہے۔ عمدہ کاغذ ہے، جلد چرمی ہے ہم نے اس کو اپنے گھر کی مکتب میں ایک ایسی مستحق مگر غریب لڑکی کو ہدیۃً دیدیا ہے جو پڑھنے کی بے حد شوقین ہے اور گرمی ہو یا سردی، برسات ہو یا سخت دھوپ پڑتی ہو۔ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر وہ بھی ہماری مکتب میں پڑھتا ہے۔ پورا ایک میل پیدل چل کر روزانہ صبح کے وقت دوسرے گاؤں سے آتی ہے اور شام کو واپس جاتی ہے اور جس کی عمر صرف دس سال کے قریب ہے۔

ہم ممنون ہیں کہ محترم لالہ جی نے اس نسخہ کو تلف ہونے یا ضائع ہونے یا ردی میں فروخت ہونے سے بچا کر بحفاظت تمام ہم تک پہنچا دیا اور ۱۹۴۷ء کی آتش انتقام کی نذر نہیں ہونے دیا۔ غریب بچی کے استعمال میں رہنے سے جو ثواب اصحاب متعلقہ کو ہوگا اسکی برکت سے یقیناً لالہ جی کو بھی بہت فیض حاصل ہوگا۔ رواداری اور دوسرے مذاہب کی مقدس چیزوں اور کتابوں کی عزت و احترام کرنے کی یہ مثال بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ پرماتما یعنی پاک پروردگار انہیں جزائے خیر دے۔

حامیانِ اردو

کے عنوان کے تحت پچھلے پرچہ میں جو نوٹ ہم نے درج کیا تھا اس کے آخر میں لکھا تھا کہ "ہم نے اخبارات میں ایک طویل مضمون اس سلسلے میں شائع کرایا تھا کہ ہمیں عملی کام کس طریقہ سے اور کیا انجام دینے چاہئیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکے نہایت اہم اور ضروری حصے سنگم میں بھی ہدیہ ناظرین کریں اس پرچہ میں اسکی گنجائش نہیں ہے اس لئے اگلے پرچہ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے" ہمیں خوشی ہے کہ بعض اخبارات نے اس نوٹ کے کچھ اقتباسات نقل فرما کر اپنی تائید کا ثبوت دیا ہے۔ اس پرچہ میں بھی ہم اپنے موعودہ خیالات کیلئے گنجائش نہیں نکال سکے۔ آئندہ کسی اشاعت میں ذرا تفصیل سے بحث کرینگے کیونکہ ذمہ دار اصحاب سے ہمیں بہت سی شکایات بھی ہیں جنکی طرف انکی توجہ منعطف کرانا نہایت ضروری ہے۔

اطہر پرویز صاحب ایم اے

[پچھلے پرچہ میں ہم نے جناب محمد حسین حسّان صاحب کے حالات زندگی درج کئے تھے جو جامعہ کے طالب علم ہونے کے علاوہ سالہا سال تک رسالہ پیام تعلیم کی اڈیٹری کے فرائض نہایت قابلیت اور خوبی سے انجام دیتے رہے اور بعد میں جامعہ کے ادارہ تعلیم و ترقی میں منتقل ہو گئے جہاں اب تک وہ خدمت کر رہے ہیں۔ اُن کے منتقل ہو جانے کے بعد پیام تعلیم کی ذمہ داری اطہر پرویز صاحب ایم اے کے سپرد کی گئی تھی۔ ہم نے چاہا کہ سابق اڈیٹر کے بعد موجودہ اڈیٹر کے حالات بھی ساتھ کے ساتھ ہی سنگم کے اوراق کی زینت کا باعث بنائیں کیونکہ حسّان صاحب کی طرح پرویز صاحب بھی سنگم کے محسن اور مددگار ہیں اور ان کی کتاب بھی سنگم کی طرف سے شائع ہوئی ہے جو اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے یعنی بچوں کا ناول جس کا نام لال بجھکڑ ہے۔

لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ جب اُن کے حالات ہم پرچہ میں ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ اُس وقت وہ بھی حسین صاحب کی طرح سابق اڈیٹر "پیام تعلیم" بن چکے ہوں گے۔ اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جس کی زیر نگرانی پیام تعلیم شائع ہوتا ہے اُن کی خدمات سے محروم ہو چکا ہو گا۔ وجوہات کچھ بھی ہوں ہمیں افسوس ہے کہ وہ نہ صرف مکتبہ سے علیحدہ ہو گئے بلکہ خود جامعہ کو ہی خیرباد کہہ گئے۔ ان کے زمانہ میں بھی پیام تعلیم ایک خاص شان سے نکلتا رہا اور اس میں بہت اچھا مواد بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے پیش کیا جاتا رہا۔

پرویز صاحب سے ہم نے اپنی زندگی کے متعلق کچھ نوٹ ہم پہونچانے کے متعلق جب عرض کیا تو اس وقت جامعہ سے علیحدہ ہونے کا ذکر تک نہیں تھا انھوں نے ہنس کر نہایت خاکساری سے اُسے ٹال دینے کے حیلے استعمال کئے لیکن ہم نے مہینوں تک یاددہانیوں اور تقاضوں سے کام لیا حتےٰ کہ وہ جامعہ سے رخت سفر باندھنے لگے اور ہمیں مایوسی ہوئی کہ اب شاید ہماری خواہش کی تکمیل نہ ہو سکے لیکن ہمارے اصرار نے علی گڑھ تک ان کا پیچھا کیا اور وہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ بلکہ اب تو اور بھی ضروری ہو گیا کہ اس باب کو مکمل کر کے ہی دم لیا جائے۔

اطہر پرویز صاحب اس معاملہ میں نہایت خوش نصیب ہیں کہ ان کی اہلیہ محترمہ (صدیقہ بیگم) بھی اُن کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاتون ہیں اور ترقی پسند مصنفین کی صف اول میں اپنا مقام حاصل کر چکی ہیں۔ اور بہت اچھی افسانہ نگار مانی جاتی ہیں۔ ہم نے چاہا کہ پرویز صاحب کو اگر فرصت نہیں ہے تو اُن کی رفیقۂ حیات ہی اس معاملہ میں ہماری مدد فرمائیں لیکن بچوں کی پرورش۔ گھر کی دیکھ بھال اور خود لکھنے پڑھنے کے شوق کی وجہ سے اُن کے پاس پرویز صاحب سے بھی زیادہ عدیم الفرصتی کی دستاویز موجود ہے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ پرویز صاحب نے کسی نہ کسی طرح مجمل سے نوٹ مرتب فرما کر ہمارے حوالے کئے جنھیں ہم نے فی الوقت غنیمت جانا اور اپنے ناظرین کے لئے انھیں ہی کافی سمجھا۔ اگرچہ بہت سی اور کام کی باتیں باقی رہ گئی ہوں گی جو اگر شامل کر دی جاتیں تو سنگم پڑھنے والوں کے لئے نہ صرف دلچسپی کا باعث ہوتیں بلکہ اُن سے وہ بہت کچھ حاصل کر سکتے۔ تاہم اُن کی کسر نفسی کی وجہ سے جو کچھ بھی ہم درج کر رہے ہیں اس کے لئے بھی ہم اُن کے بہ جان و دل ممنون ہیں۔ وہ ایسی بہت اچھی جگہ چلے گئے ہیں جہاں وہ ملک و قوم کے لئے اردو کی کشمکش میں بہت زیادہ امداد کا باعث ثابت ہوں گے اور یہی اُن کی زندگی کا مقصد بھی ہے جس کے پورا کرنے کے اب پہلے سے بہت زیادہ مواقع انھیں حاصل ہو گئے ہیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری جناب آل احمد صاحب سرورؔ اُن کی خدمات سے کما حقہٗ فائدہ اٹھائیں گے اور خود پرویز صاحب بھی سرور صاحب کے ساتھ اشتراک عمل سے کام لے کر پورا پورا تعاون فرمائیں گے تاکہ اس پُر آشوب زمانہ میں اردو کی نیّا منجدھار سے نکل کر سلامتی سے کنارے آ لگے گویا پرویز صاحب اب اردو کے مرکز میں پہونچ گئے ہیں جہاں اُن کی صلاحیتوں کو ابھرنے کی زیادہ آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہم اُن کی کامیابی کے لئے دل سے دست بہ دعا ہیں اور انجمن کی ترقی اور معاونت کے

بھی خواہشمند ہیں [ادارہ]

پرویز صاحب تاریخ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۲ء الہ آباد میں پیدا ہوئے بچپن میں مکتب میں قرآن، بوستاں اور شاہنامہ پڑھا۔ مولوی صاحب گھر والوں کی خصوصی ہدایت پر خوب پیٹ پیٹ کر پڑھایا۔ اس کے بعد امریکن مشن میں انگریزی تعلیم شروع کرائی گئی، داخلہ کرایا گیا جہاں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم ہوئی۔ یہاں بائبل (انجیل) لازمی طور پر پڑھائی جاتی تھی۔ جو یہاں کی تعلیم کا گویا اوڑھنا بچھونا تھی اور جسے بظاہر حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ بائبل کا یہ مطالعہ لازمی طریقے سے نو سال تک جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اس کے اکثر حصے اب تک زبانی یاد ہیں۔ کالج کے زمانے میں انہیں شعر و شاعری کا بھی شوق پیدا ہوا چنانچہ ایک قطعہ ملاحظہ فرمائیے۔

خدا کا جو حق تھا خدا نے نہ پایا ملی دستِ انساں سے قیصر کو مایا
مگر ہائے حسرت کہ یہ بد نصیبی نہیں دستِ انساں میں کچھ بھی نہ آیا

یہ بائبل کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ حضرت عیسیٰ کو قائل کرنے کے لئے کچھ لوگوں نے انہیں قیصری سکہ دکھاتے ہوئے دریافت کیا تھا کہ یہ قیصر کو ٹیکس کی شکل میں دیا جائے یا راہِ خدا میں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ قیصر کو دیا جائے تو ہم کہیں گے کہ کیسا پیغمبر ہے جو راہِ خدا کے بجائے قیصر کو دینے کو کہتا ہے اور اگر یہ کہتے ہیں کہ نہیں راہِ خدا میں دو تو قیصر سے شکایت کریں گے کہ یہ لوگوں کو ٹیکس ادا کرنے سے روکتا ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ نے کہا "کہ اس پر کس کی تصویر بنی ہے؟"
لوگوں نے جواب دیا کہ "قیصر کی" اس پر حضرت عیسیٰ نے کہا کہ "Give unto Ceasar what is Ceasar's due and unto God what is God's."

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ اس پر مجھے جو کچھ لکھنا پڑا وہ یہ نتائج جانتا ہے۔ کالج کے زمانے میں قومی تحریکات سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ جنگ چھڑ چکی تھی۔ انفرادی ستیہ گرہ کا زمانہ قریب تھا۔ ستیہ گرہ سے پہلے پرویز صاحب اور ان کے ساتھی اپنے کالج میں ہندوستان کے ممتاز لیڈر سبھاش چندر بوس اور بھولا بھائی ڈیسائی کو لائے لیکن ان کی تقاریر کا اثر یہ ہوا کہ طلباء پر سختیاں اور بڑھ گئیں۔ پرنسپل ایک امریکن تھے وہ پرویز صاحب سے بہت ناراض ہو گئے۔

یہ زمانہ پرویز صاحب کی زندگی کے موڑ کا تھا یہی زمانہ تھا جب کہ وہ اپنے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہے تھے اسی زمانے یعنی ۱۹۴۱ء میں ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا جس کی خبر امتحان کے دوران میں انہیں ملی۔ آدھے سے زیادہ امتحان باقی رہ گیا تھا باقی پرچے خراب ہو گئے تاہم وہ پاس ہو گئے۔

جولائی ۱۹۴۲ء میں علی گڑھ کا رخ کیا علی گڑھ میں فرقہ پرستی روز افزوں تھی۔ یہاں پہونچکر مذہب سے بغاوت کا وہ بیج جو امریکن کالج میں بویا گیا تھا پروان چڑھتا نظر آیا۔ مذہب کے نام سے علی گڑھ میں جو گندگیاں اچھالی جا رہی تھیں اس نے ذہن پر بہت خراب اثر ڈالا۔ اور زیادہ انٹرنیشنلسٹ بنا دیا۔ یہاں کا ایک دلچسپ واقعہ پرویز صاحب نے اس طرح لکھا ہے۔ "میں بی اے میں فارسی میں آنرز لینا چاہتا تھا۔ پرو وائس چانسلر صاحب کے پاس صدر شعبہ کی سفارش لے کر گیا کہ مجھے آنرز میں داخلہ دیا جائے لیکن میری کھدر کی شیروانی دیکھ کر پرو وائس چانسلر صاحب برہم ہو گئے انھوں نے چاہا کہ میں آئندہ اس لباس کو ترک کر دوں لیکن میرے انکار پر انھوں نے میری درخواست مسترد کر دی مگر پھر ڈاکٹر ہادی حسن صاحب نے میری مدد کی اور مجھے آنرز کورس دلوایا۔ علی گڑھ میں ان کے نیشنلزم میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ اس سے بھی ان کی تسکین نہ ہوئی۔ کانگرس کی آزادی کی جدوجہد میں سمجھوتہ بازی انہیں کبھی بھی پسند نہیں آئی کیونکہ ان کی رائے میں اس جماعت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ کبھی پہلے کسی کی بات نہیں سنتی پھر آہستہ آہستہ اسے تسلیم کر لیتی ہے جناح صاحب نے کانگرس کی اس نفسیات کو دوسروں سے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اسی وجہ سے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی" ان کا بیان ہے کہ "کانگرس کی سمجھوتہ بازی سے اور خاص طور پر انگریزی حکومت کی پالیسی سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ چنانچہ اس زمانے میں اشتراکیت کا مطالعہ کیا اور دھیرے دھیرے کمیونسٹ تحریک سے بہت قریب ہو گیا۔ یہ زمانہ علی گڑھ کی فرقہ پرستی کے شباب کا تھا جو لوگ اس فرقہ پرستی کا مقابلہ کر رہے تھے وہ چند نوجوان تھے جو کمیونسٹ تحریک سے وابستہ تھے اسی لئے اس تحریک سے احترام کا جذبہ پیدا ہوا۔"

پھر لکھتے ہیں کہ "۱۹۴۵ء میں فارسی ادبیات میں ایم اے کیا۔ اور علی گڑھ کو خیرباد کہا۔ اسی زمانے میں نئی دہلی میں ایک ملازمت کا موقع مل رہا تھا۔ لیکن وہ کام جاسوسی کی قسم کا تھا اس لئے میں نے طے کیا کہ زندگی بھر کبھی کوئی سرکاری ملازمت نہ کروں گا اور یہ عہد آج تک قائم ہے اگست ۱۹۴۵ء میں صوبہ متوسط میں چلے آئے یہاں اُن کے والد کا ٹھیکیداری کا بہت بڑا کام تھا جسے ان کے بھائی کر رہے تھے اور جنہوں نے خواہش بھی کی کہ وہ ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ خاصا کام تھا۔ بہت بڑے پیمانے پر۔ مگر مزاج میں تو دار و رسن کی آزمائش لکھی تھی چنانچہ بھائی کی طرف جانے کے بجائے دوسری طرف نکل گئے۔ گوندیا میں رہنے لگے یہ شہر ہندوستان میں بیڑی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ کم و بیش ستر بڑے بڑے کارخانے تھے اس کے علاوہ "لاکھ" (Shellac) کے ۱۴۔۱۵ کارخانے تھے۔ یہاں سے انکی باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز ہوا ٹریڈ یونین تنظیم سے براہِ راست متعلق ہو گئے۔ تقریباً پانچ بڑی بڑی یونینوں کے سکریٹری بنا دئے گئے جس سے زندگی کے بڑے بڑے تجربے حاصل ہوئے عجیب عجیب انسانوں سے سابقہ پڑا سرمایہ دارانہ نظام کی تعاد کو دیکھنے کا موقع ملا۔ مثال کے طور پر وہاں کے سب سے بڑے بیڑی کے ایک کارخانہ کا حال سنئے۔ اس کارخانے کے مالکان تین بھائی تھے ایک انگریز کے پٹھو تھے۔ دوسرے کٹر مہاسبھائی اور تیسرے کانگرس کے ممتاز ترین لیڈر لیکن کارخانے کے مہتمم وہی انگریز پرست تھے۔ ہر کارخانے کی خصوصیت یہ تھی کہ جب مزدور ہفتہ کے دن بیڑی بنا کر لائے تو اس میں سے آٹھواں حصہ ضرور بیکار کہہ کر پھینک دیا جاتا تھا اور اس کی مزدوری نہ دی جاتی تھی۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ بیڑی ضائع کر دی جاتی تھی بلکہ اس بیڑی کو بھی شامل کر لیتے تھے اس طرح ان کو اس مزدوری کی بچت کا منافع ہوتا تھا۔ بیڑی کے کارخانے کے دو ایک مالکوں نے انہیں بتایا کہ ہم میں سے اکثر کی کوٹھیاں اسی چھانٹ کی رقم کی تھیں۔

پرویز صاحب نے اس زمانے میں (Part time) کچھ وقت کی ملازمت بھی کر لی تھی جو ایک میونسپل ہائی اسکول میں تھی لیکن یہ سلسلہ زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکا اسی زمانے میں مہتروں کی ہڑتال ہوئی جس کی رہنمائی ان کے سپرد تھی۔ یہ ہڑتال ۱۳ روز کامیابی سے چلی۔ بعد میں مہتروں کی مانگیں تسلیم کر لی گئیں۔ لیکن میونسپلٹی کے ارباب حل و عقد پرویز صاحب سے ناراض ہو گئے اور انہیں نوکری سے برطرف کر دیا۔ طلبا نے احتجاجی ہڑتال کی میونسپلٹی کو طلبا کی تعلیم سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ امتحان کا زمانہ قریب تھا۔ چنانچہ پرویز صاحب نے جلد ہی طلبا سے ہڑتال واپس کروائی۔ اب یہ تحریک گوندیا میں کافی مضبوط ہو گئی تھی۔ شہر کی سیاسی زندگی اُن کا اثر کافی گہرا پڑا۔ چنانچہ وہ اب پورے وقت کام کرنے لگے۔ جب یہ سلسلہ شروع ہوا تھا تو وہ اکیلے تھے لیکن بہت جلد بقول مجروح کے:۔

ع غیر ساتھ آتے گئے اور کارواں بڑھتا گیا۔

ساتھیوں کی تعداد اب کل ملا کر ۱۶ ہو گئی تھی۔ ان میں سے ایک ساتھی کا ذکر خاص طور سے کیا ہے:۔

"ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مجھے شہر سے چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں کسانوں کے ایک جلسے میں تقریر کرنی تھی مجھے اتفاقاً ایک اور میٹنگ کے سبب دیر ہو گئی۔ بہر حال لوگ انتظار کر رہے تھے۔ جب جلسہ ختم ہوا تو کافی دیر ہو گئی تھی مجھے فوراً ہی واپس آنا تھا کیونکہ لاکھ (Shellac) کے کارخانوں میں بھی ہنگامے ہو رہے تھے کافی اندھیرا سا ہو گیا تھا۔ میں جب آ رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی اور شخص بھی میرے ساتھ آ رہا ہے۔ ایک بار اس نے مجھے آواز دی: "ماسٹر صاحب" لیکن یہ آواز کچھ اس کے گلے میں اس طرح گھٹ کر رہ گئی کہ مجھے اپنی سماعت پر شک ہوا اور میں چلتا رہا۔ جب میں پل کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے روکا اس کو دیکھ کر تو میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا یہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ نہ کوئی آدم نہ آدم زاد۔ اور یہ شہر کا مشہور غنڈہ تھا جو اس کے ساتھ ساتھ قاتل بھی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے قتل کا سُراغ کبھی نہ ملتا تھا۔ یہ شخص بالمقابل کھڑا تھا۔ کچھ نہ پوچھئے میرا کیا حال تھا اندر کا سانس اندر اور باہر کا باہر تھا۔

لیکن وہ شخص ہاتھ جوڑے کھڑا تھا کہنے لگا "ماسٹر صاحب! مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ کسانوں اور مزدوروں کی بھلائی کی باتیں کرتے ہیں اور ان کا کام کرتے ہیں۔ آج تو آپ بچ ہی گئے ورنہ میں تو آپ کو مارنے آیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ آپ دیر سے آئے اور میں نے سوچا کہ سبھا کے بعد دیکھا جائے گا رات بھی ہو جائے گی۔ پھر سبھا میں چلا گیا۔ آپ کا بھاشن سُن کر میرے اوپر بہت اثر ہوا۔ اب میں آپ کا غلام ہوں۔ آج سے اپنی زندگی بدل دوں گا۔ میری حالت کچھ نہ پوچھئے کیا تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ اندر سے دل

دھک دھک کر رہا تھا۔ مگر پھر اطمینان ہوا معلوم ہوا کہ "سیٹھ لوگوں" نے اسے کافی روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ دار و رسن کی پہلی آزمائش تھی۔ یہ شخص وہ تھا جو اکثر شاموں کو لاٹھی لے کر نکلتا اور "سیٹھ لوگوں" سے کہتا "لالٹین کا حرچہ دیجئے۔ تیل ختم ہو گیا ہے" اور انکار کی جرأت کس میں تھی کون اسے اپنی جان کے پیچھے لگواتا۔ چپ چاپ دس روپے کا نوٹ حوالے کر دیتے"

"لیکن اب اس انسان کا کردار بدل چکا تھا۔ مزدوروں کی جدوجہد میں پیش پیش تھا جس نے میری زندگی پر ایک بڑا گہرا نقش چھوڑا ہے۔ ایک بار ایک مقدمے میں ہم لوگوں کے ساتھ یہ بھی ماخوذ ہو گیا ہم لوگوں نے مل کر معاملے کی صفائی کے سلسلے میں خوب غور و خوض کیا لیکن اس مقدمے کی سیاسی اہمیت کافی تھی اس لئے کافی مزدور عدالت میں آ جایا کرتے تھے۔ جس روز ان حضرت کا بیان تھا انہوں نے سارا الزام اپنے سر لے لیا اور تحریر یہ تقریر کر ڈالی :۔"

"مجسٹریٹ صاحب! میں اب تک آپ کی عدالت میں بدمعاش غنڈے جواری اور شرابی کی حیثیت سے آیا۔ لیکن آج میرا سر اونچا ہے کیونکہ میں نے اپنے بھائی بندوں کی بھلائی کے لئے سب کچھ کیا ہے۔ آپ مجھے سزا دیدیں مجھے افسوس نہ ہوگا کیونکہ راجنیتی (سیاسی) جیون سے کون شرما سکتا ہے۔ آج میرے مقدمہ کا فیصلہ آپ کو آزادی کے کنارے کے بیچ میں سنانا پڑے گا۔"

"غرضکہ عدالت کے منع کرتے کرتے اس نے تقریر کر ڈالی۔ اسے چھ مہینے کی سزا ہو گئی۔ ہم لوگ بری ہو گئے لیکن پھر ہم نے اسے اپیل میں چھڑا لیا۔"

"اب یہ آدمی ہمارے ساتھیوں میں تھا اور کام کرنے میں، تکلیف اٹھانے میں سب سے آگے۔ کبھی کبھی فاقے کی نوبت بھی آئی لیکن اس نے کبھی منہ نہ موڑا بلکہ ہماری ہمت بڑھائی۔ اب گوندیا میں ہمارے کافی ساتھی ہو گئے تھے۔"

"پھر میں ناگپور آ گیا۔ کامٹی میں ملٹری انجنیرنگ سروسز کی یونین کی تنظیم کی۔ مہتروں کی یونین بنائی۔ کام بڑی تیزی کے ساتھ بڑھا۔ میں یہاں Part Time کے طور پر ہائی اسکول میں استاد بھی تھا۔"

"اسی زمانے میں میرے چھوٹے بھائی کو ڈاکٹروں نے ٹی۔بی بتایا چنانچہ ۱۹۴۶ء میں مدھیہ پردیش چھوڑ کر الہ آباد آنا پڑا۔

الہ آباد میں گھریلو پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک اخبار "ہمارا اخبار" میں نائٹ ایڈیٹر ہو گیا۔ اس کے مدیر اسرار احمد کریوی تھے جو ڈاکٹر عبد الحق کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ ان کے ساتھ کافی دنوں کام کیا مگر پھر اس اخبار پر پابندی لگ گئی اور یہ بند ہو گیا۔ اب "نیا دور" سہ روزہ میں کام کرنے لگا بعد میں یہی روزنامہ ہو گیا۔ اسی زمانے میں دو ایک "پبلشنگ ہاؤس" میں بھی کام کیا۔"

اکتوبر ۱۹۴۹ء میں ناگپور میں گرفتار ہو گیا۔ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت میرے خلاف کئی ایک وارنٹ جاری تھے۔ ناگپور سے مجھے بھنڈارا جیل بھیج دیا تھا۔ کانگریس کی حکومت تھی لیکن جیلوں کی حالت ناقابل بیان۔ کتابوں کے سلسلے میں بے شمار پابندیاں۔ یہاں تک کہ پنڈت نہرو کی کتابیں بھی بمشکل تمام ملتی تھیں۔ اس زمانے میں مجھے مطالعے کا خوب موقع ملا۔ ۔ ۔ ۱۴ صفحے روزانہ کی اوسط سے مطالعہ کیا یہ پہلے جشنِ جمہوریہ کا زمانہ تھا۔"

"یہاں مختلف قسم کے قیدیوں سے ملنے کا موقع ملا۔ ایک قیدی تھا شنکر نامی۔ بہت دلچسپ آدمی تھا۔ اس کی زندگی کے چند واقعات ہمیں اپنے ملک کے Criminal Procedure Code کو سمجھنے کا موقع مل سکتا ہے۔ یہ شخص چوری کے سلسلے میں ماخوذ ہو گیا چھ مہینے تک مقدمہ چلتا رہا۔ اس زمانے میں Under Trial کی حیثیت سے جیل میں رہا۔ مقدمہ میں بری ہو گیا۔ اپنے گاؤں پہنچا گاؤں میں دو تین روز رہا ہوگا کہ پاس کے گاؤں میں چوری کی واردات ہو گئی۔ چونکہ شنکر جیل سے چھوٹ کر آیا تھا پولیس والوں نے اسے مشتبہ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ پھر سات آٹھ مہینے مقدمہ چلتا رہا۔ اس بار چھ مہینے کی سزا ہو گئی جیل میں رہ کر اس نے بہت کچھ زندگی دیکھ لی تھی۔ شنکر کا کہنا تھا کہ مجھے اب بالکل یقین ہو گیا کہ ایک آزاد شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنی ممکن نہیں ہے اس لئے جیل میں ہی میں نے طے کر لیا تھا کہ اس بار باقاعدہ ڈاکے ڈالوں گا چنانچہ باہر نکل کر موقع پا کر گاؤں جانے کی بجائے غائب ہو گیا اور چاندا کے علاقے میں ایک بڑا اونچا ڈاکا ڈالا۔ جس میں ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ حصے میں پڑا۔ مگر پھر گرفتار ہو گیا۔ اب چار سال کی سزا کی مدت پوری کر رہا تھا۔ جس میں دو سال باقی تھے۔ شنکر کا بیان تھا کہ اب جیل سے چھوٹنے کے بعد وہ باعزت شہری کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ شنکر بڑا دلیر تھا۔

جیل کے حکام اس سے ہمیشہ ڈرتے تھے۔"

"اس کے علاوہ ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ جیل میں زیادہ تر قیدی Under Trial تھے ان میں آدھے کے قریب دفعہ ۱۰۹ کے مقدمے میں ماخوذ تھے اور دس بارہ قیدی ایسے تھے جو سال سال بھر سے جیل میں تھے۔ اور ان کو عدالت کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ حوالات جاتے اور پندرہ دن کے بعد مقدمے کی تاریخ بڑھ جاتی۔"

"آخر ایک قیدی نے راستہ کھول دیا۔ یہ بیچارا چودہ ماہ سے جیل میں تھا چنانچہ جب اسے عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے پہلی پیشی میں اپنے جرم کا اقبال کر لیا اور عدالت سے سزا کی درخواست کی۔ اسے چھ ماہ کی سزا ہو گئی جس وقت وہ واپس جیل خانے آیا تو ہم سب کو حیرت تھی کہ اس نے اپنا جرم کیسے مان لیا۔ اس پر اس نے کہا کہ بھائی نہ مانتا تو نہ جانے کتنے دن مقدمے کے فیصلے میں لگتے۔ اس طرح اب مدت تو معلوم ہو گئی۔ چھ مہینے کی قید کی سزا کاٹ کر چلے جائیں گے۔"

"پھر تو گویا سب کو راستہ معلوم ہو گیا۔ چنانچہ سب نے اسی طرح عدالت کے سامنے پیش ہونے پر یہی کیا۔"

"جیل کی کہانیاں تو بہت سی ہیں۔ کون کون سی سناؤں۔"

"اپریل ۱۹۵۰ء میں رہا ہو کر آیا۔ سیاسی ماہنامے "نئی زندگی" میں کام کرنے لگا۔ اور صحافتی ہنگامے میں شریک ہو گیا پھر مکتبہ جامعہ میں ملازمت مل گئی۔ یہاں چھ سال تک ملازمت کی۔ بہت بے کیف زمانہ گزرا۔ تاہم زندگی کا مشاہدہ بہت زیادہ ہو گیا۔ یہاں آ کر زندگی کا وہ رخ دیکھا جو پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ زندگی کے اس تجربے پر بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ ہنگاموں سے فرصت ملے تو کچھ لکھوں گا اس وقت نامکمل بات لکھنے سے کیا فائدہ۔ ۲۰ مئی ۱۹۵۶ء کو یہاں سے علیحدہ ہو کر انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ میں آ گیا جہاں "مہتمم مطبوعات" کی خدمات میرے سپرد کی گئیں۔"

پرویز صاحب نے اپنی گھریلو زندگی کے متعلق صرف اتنا اشارہ کیا ہے کہ ان کی شادی ۱۹۴۶ء میں ہوئی تھی لیکن محترمہ صدیقہ بیگم کے متعلق کچھ لکھنے سے اس وجہ سے خاموشی اختیار کی کہ مضمون طویل ہو جائیگا کیونکہ ان کے حالات ایک علیحدہ مضمون کے محتاج ہیں۔

اپنے مشاغل کے سلسلے میں پرویز صاحب نے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ بچوں کے ادب کے سلسلے میں دلچسپی مکتبہ میں آ کر پیدا ہوئی تھی جہاں تقریباً ایک سو کہانیاں بچوں کے لئے لکھ چکا ہوں۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ (۱) ماہنامہ چیکوسلواکیا (۲) ایوریسٹ کی فتح (۳) شرابی (ڈراما) (۴) لال بجھکڑ (بچوں کا ناول) (۵) نجومی آپا وغیرہ وغیرہ اور چند چھوٹی چھوٹی کہانیاں۔

ابتدا میں تنقیدی مضامین بھی لکھے تھے۔ لیکن اب صرف بچوں کے لئے لکھتے ہیں۔ خیالات کے لحاظ سے اشتراکی ہیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ابھی تک زندگی محض تجربوں میں گزاری ہے کسی تجربہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ کاش کہ آگے مل سکے لیکن زندگی بھرپور گزاری ہے۔ جامعہ میں اگر تضادات کو دیکھنے کا بہت زیادہ موقع ملا کیونکہ یہاں سماج کا دائرہ کافی تنگ ہے۔"

ہم اس آخری فقرے کو بار بار پڑھتے ہیں اور حیرت سے اپنی تمام گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔ لیکن اس کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ کاش وہ اس کی ذرا وضاحت بھی کر دیتے۔ جامعہ ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ یعنی پرویز صاحب کے سن پیدائش سے دو سال پہلے، اور ہمارا تعلق جامعہ سے اسی وقت سے ہے۔ گویا جامعہ سے ہمارا تعلق پرویز صاحب کی عمر سے دو سال زیادہ ہے۔

اسی وجہ سے ہم پرویز صاحب سے جامعہ کے متعلق ان کے جذبات و خیالات سننے کے بہت زیادہ متمنی اور بے تاب ہیں۔ خدا کرے انہیں "ہنگاموں سے فرصت" جلد از جلد ملے تاکہ وہ اپنا وعدہ ایفا کر سکیں اور مضمون کا جو حصہ تشنہ رہ گیا ہے اس کی تکمیل کر سکیں کیونکہ ہمیں سب سے زیادہ دلچسپی قدرتاً ان کے اسی حصہ سے ہو سکتی ہے جہاں کا ماحول ہمارا دن رات کا اوڑھنا بچھونا رہا ہو خواہ اس میں کتنے ہی پیوند کیوں نہ ہوں! بہر حال پرویز صاحب کی خدمات کو بھی آسانی سے بھلایا نہیں جا سکتا۔

افسانہ "ملاپ"

(از جناب قدیر جاوید پریمی)

[قدیر جاوید پریمی صاحب کے متعلق پچھلے پرچہ میں ان کے افسانہ "بچھڑے ہوئے دل" کے تحت جو نوٹ ہم نے درج کیا تھا اسکو انہوں نے صحیح تسلیم فرما کر اپنی غلط فہمی رفع کردی جسکے لئے ہم ان کے بیحد ممنون ہیں۔

انہوں نے چند افسانے ایک کتاب کی شکل میں مرتب فرمائے ہیں، جسکی اشاعت کا ارادہ ظاہر فرماتے ہیں۔ سنگم کتاب گھر تو ہر خدمت کو حاضر ہے لیکن جب تک ہمارے پاس پہلے کی آئی ہوئی کتابیں چھپ جائیں ہم ان کی خواہش پوری نہ کرسکیں گے اس لئے ان کے مسودہ کو منگوانے کی جسارت بھی نہیں کی کیونکہ پھر ایک بوجھ ہم پر آپڑتا اور وہ خود بھی تاخیر ہونے سے پریشان ہوتے اس لئے ہم درخواست کریں گے کہ اگر وہ کچھ انتظار کرسکتے ہوں تو ذرا توقف فرمائیں انشاء اللہ دیر آید درست آید والا مضمون ہوگا۔

اس مرتبہ انہوں نے ملاپ کا عنوان تجویز فرما کر افسانہ کی شکل دی ہے جس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے اسے محبت کی حدود سے بہت دور ہو کر تحریر کیا ہے امید ہے آپ کو ضرور پسند آئیگا۔ گویا کہ ہم محبت کے قریب ہونے والے افسانہ کو پسند نہیں کرتے یعنی کہ ہم اپنے سینہ میں درد بھرا دل نہیں رکھتے، ارے بھائی پریمی صاحب ذرا آئیے تو سہی ہم آپ کو پریم اور محبت کی وہ باتیں سنائیں جو اگرچہ بالکل صحیح واقعات پر مبنی ہوں گی لیکن آپ سمجھیں گے کہ ہم طلسماتی دنیا سے بول رہے ہیں اور آپ کو مشکل سے یقین آئیگا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں ان میں کچھ حقیقت بھی ہے اور سب کو حقیقت سمجھنا تو قطعاً ناممکن ہوگا۔ کاش محبت کے متعلق جو دو چار سطریں ہم نے درج کردی تھیں ان سے ہی آپ کوئی نتیجہ اخذ کرسکتے اور جس جگر اور گردہ والے کی تلاش ہمیں تھی اس کی فہرست میں آپ اپنا نام بھی درج کراتے۔ اشاروں کی بھی تو کچھ وقعت کیا کیجئے۔

آپ نے پرچہ کی ترتیب کے متعلق جو مفید مشورے دیئے ہیں ان پر غور ہو رہا ہے آپ کی اس محبت اور ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔

یہ معلوم کرکے کہ آپ نے سنہ ۱۹۵۵ء سے لکھنا شروع کیا ہے اور اس قلیل مدت میں آپ کے افسانے ۱۔ روہیلکھنڈ اخبار ہفتہ وار بریلی۔ ۲۔ صبح امید بمبئی ۳۔ گیت دہلی ۴۔ خرمن پٹنہ۔ ۵۔ تصویر۔ مرادآباد۔ ۶۔ نئے زاویے دہلی۔ ۷۔ معیار میرٹھ۔ ۸۔ پگڈنڈی۔ امرتسر۔ ۹۔ رہنمائے تعلیم دہلی۔ ۱۰۔ فلم آرٹ (ویکلی) دہلی۔ ۱۱۔ چترا (ویکلی) دہلی۔ ۱۲۔ فنکار کراچی۔ ۱۳۔ جام نو کراچی۔ ۱۴۔ علم و ادب، سیالکوٹ ۱۵۔ نونہال کراچی۔ ۱۶۔ پھلواری دہلی۔ ۱۷۔ کھیل بریلی۔ ۱۸۔ امدادگار معمر سکھر۔ ۱۹۔ ملاپ روزانہ دہلی۔ ۲۰۔ ترانہ رامپور۔ ۲۱۔ غنچہ (ویکلی) بجنور میں شائع ہوتے رہے ہیں بیحد مسرت ہوئی لیکن عشق و محبت کی زبان میں سنگم تو آپکے ہرجائی پن پر کچھ ایسا ویسا خیال بھی پیدا ہوتا ہے جسے رقابت کا نام دیتے ہوئے قدرے تامل بھی ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ اپنی مقبولیت اور ہمہ گیری کو نظر لگتے دیکھ کر برہم ہو جائیں لیکن نہیں "ملاپ" کے لکھنے والے سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ہم اتنے تنگ نظر اور خودغرض ہیں کہ دوسروں کو فیضیاب ہوتے دیکھ کر کڑھنے لگیں۔

اب ایک بات اس افسانہ کے متعلق بھی کہنے کی اجازت دیجئے۔ اسکے آخر میں لکھا ہے کہ کیشو نے اپنی ماں کے اس سوال کے جواب میں کہ "تم دنیا میں سب سے زیادہ بری چیز کسے سمجھتے ہو" جواب دیا کہ "روپے کو" اور پھر آگے چل کر کہتا ہے کہ "ماں! روپے کے سوا ایک شے اور بھی بہت بری ہے اور وہ ہے عورت" جس کی وجہ اس نے یہ بیان کی ہے کہ "بیوی کے کہنے میں آکر میں نے یہ کیا جس سے ہم بھائیوں بھائیوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا"۔ کیا خوب! فعلِ بد تو خود کرے اور نام رکھے شیطان پر۔

کون ہے جو نہیں چاہتا کہ میری تعریف ہو اور سب سے اچھا سمجھا جائے۔ یہ آتشِ رقابت عورتوں میں خصوصاً بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو ایک قدرتی چیز ہے۔ اسی جذبہ کے تحت وہ یہ نہیں چاہا کہ اس کے پاس جو ہار ہے اس جیسا اسکی جیٹھانی کے پاس بھی ہو، بس اتنی سی بات پر عورت بذاتِ خود بری ہو گئی جس کی محبت میں وہ خود اندھا تھا۔ عورت تو نہایت لطیف شے ہے، اس کو اچھا رکھنا بھی آپ کی فراست پر مبنی ہے اور برا بنانا بھی آپکے افعال پر منحصر ہے۔ عورت نہ ہو تو محبت کا نام بھی کوئی نہ لے۔ حسن و عشق اور حیا و پاکدامنی زہد و تقویٰ اور زندگی کی سب لذتیں عورت اور صرف عورت کے محور کے گرد گھومتی ہیں۔ ہمیں عورت کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے والے خیالات سے کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے ہزاروں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ سب اپنے اعمال و کردار کا نتیجہ ہوتا ہے۔

عورت غریب کا اس حیثیت الجماعت اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ انفرادی طور سے تو مرد عورتوں کی نسبت زیادہ ملوث نظر آتے ہیں اور عورتوں کی بےحیائی اور بداعتدالیوں کی تہ میں اگر آپ ڈھونڈیں گے تو مرد کا ہاتھ ضرور نظر آئے گا۔ خواہ وہ آپ کا اپنا ہو یا کسی غیر کا، البتہ کبھی کبھی اس کلیہ سے استثنیٰ کا ثبوت بھی ملتا ہے لیکن بہت ہی کم، ویسے افسانہ بہت اچھا ہے، اور ہماری عین خواہش اور پالیسی کے مطابق ہے۔ امید ہے کہ جاوید صاحب آئندہ بھی سنگم پر نظرِ عنایت رکھیں گے۔ (ف۔ا)]

تارے آہستہ آہستہ ٹمٹماتے ہوئے ـــــ سورج کی کرنوں میں ڈوب رہے تھے ـــــ روشنی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی ـــــ گاؤں کے مندر میں پوجا پاٹ شروع ہو چکی تھی ـــــ اور گاؤں میں نئی صبح مسکراتی ہوئی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

روپا نے انگڑائی لی ـــــ "اوہ سویرا ہو گیا ـــــ اور تم ابھی تک پڑے سو رہے ہو" ـــــ اس نے برابر کے پلنگ پر لیٹے ہوئے اپنے شوہر کیشو سے کہا۔

"اونہہ ابھی صبح کہاں سے ـــــ ابھی تو صرف پانچ بجے ہونگے" کیشو نے یہ کہہ کر چادر تان لی۔

"تو تمہارے لئے صبح دس بجے ہوگی شاید ـــــ سب گھر والے جاگ اٹھے ـــــ جیٹھ جی کھیت پر چلے گئے ـــــ بھابی جی گھر میں جھاڑو لگا رہی ہیں ـــــ اور ماں چکی پیس رہی ہے ـــــ لیکن راجہ جی ابھی تک پڑے ہوئے ہیں"! روپا نے گویا اسے یہ کہکر اٹھانا چاہا ـــــ اور جب کیشو نے یہ سنا کہ سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے تو وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا ـــــ لیکن پلنگ نہ چھوڑا ـــــ اسی اثناء میں اس کی بھابی ہاتھ میں جھاڑو لئے مسکراتی ہوئی آئی۔ "ابھی کیا کرو گے دیور جی اٹھ کر ـــــ بہو تو انہیں لوریاں دے کر سلا دے تو نیند جلدی آ جائے گی۔" بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کیشو نے مسکرا کر روپا کی طرف دیکھا ـــــ اس کا پلو دانتوں میں دبا ہوا تھا اور وہ آہستہ آہستہ نظریں جھکائے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ "اچھا لاؤ میں ہی ـــــ لوریاں سناؤں ـــــ آجاری نیندیا تو آجا میرے۔ ...."

کیشو نے بھابی کی بات بناوٹی غصے سے کاٹ دی "دیکھ بھابی مجھے پریشان نہ کر ـــــ ورنہ اچھا نہ ہوگا"۔

"اچھا میرے بھیا جی ـــــ اب پریشان نہ کروں گی چلو اٹھو" یہ کہتے ہوئے اس نے کیشو کی بانہہ پکڑ کر پلنگ سے اٹھا دیا۔

کیشو کا بڑا بھائی دھنی رام صبح ہی سے اپنے کھیتوں پر چلا جاتا ـــــ لیکن کیشو ہمیشہ ہی دیر سے اٹھنے کا عادی تھا ـــــ اور وہ بھی اس وقت اٹھتا جبکہ روپا، ماں یا بھابی اسے اٹھاتیں ـــــ ورنہ تو وہ دن بھر پڑا سوتا ہی رہتا ـــــ اسے اپنے کھیتوں کی ذرا پرواہ نہ تھی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ بھائی ان کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے ـــــ اسی وجہ سے تو وہ اور بھی زیادہ بےفکر تھا ـــــ بھائی اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا ـــــ اس وجہ سے وہ کیشو سے کھیتوں پر جانے کے لئے زیادہ حجت نہ کرتا۔ بلکہ خود اکیلا ہی سب کھیتوں کی دیکھ بھال کرتا ـــــ اور سارے گھر کا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے مسرت سے پُر زندگی میں مسکراہٹیں بکھیرتا ہوا چلا جا رہا تھا ـــــ گھر میں کوئی دکھی نہ تھا۔ سب سُکھ کے دن بتا رہے تھے ـــــ ایک کا ذرا سا بھی دکھ دوسروں کی نیند میں لوٹ لیتا ـــــ کھانا پینا مشکل کر دیتا ـــــ

کیشو اور اس کا بھائی دھنی رام اپنی ماں کا بہت آدر کرتے تھے۔ وہ جو بھی کہتی دونوں اسے پورا کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے ـــــ دونوں کو ماں سے حد درجہ محبت تھی ـــــ وہ اسے کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے ـــــ وہ اس سے کہتے "ماں اب تو بوڑھی ہو گئی ہے ـــــ تیرے آرام کرنے کے دن ہیں ـــــ تو آرام کر اور بہوؤں کو گھر کا سارا کام کاج سنبھال لینے دے۔" لیکن ماں اس پر مسکراتی ہوئی کہتی "نہ بیٹا! میں ان پھول سی بہوؤں کو کیوں دکھ دوں۔ ابھی تو ان کے سُکھ کے دن ہیں ـــــ وہ ابھی سے کام کاج کر کے کیا کریں گی ـــــ انہیں ابھی آرام کے دن بتانے دو ـــــ کام کرنے کے دن تو ابھی بہت پڑے ہیں۔" یہ سنکر وہ اپنی ماں کی محبت پر پھولے نہ سماتے۔

بیٹوں کی طرح ہی وہ اپنی بہوؤں سے بھی بے پناہ محبت کرتی تھی ـــــ دونوں کو یکساں چاہتی ـــــ جو چیز ایک کے لئے ہوتی وہی دوسری کے لئے بھی ضروری تھی ـــــ دونوں بہوئیں بھی اس سے اسی طرح محبت سے پیش آتیں جس طرح وہ ان سے محبت و پیار سے پیش آتی ـــــ وہ اسے کام کاج کرنے کو منع کرتیں لیکن وہ انہیں بھی وہی جواب دیتی جو کہ بیٹوں کو دیتی۔

ایک روز روپا پنگھٹ کے پاس سے کیشو کو کھانا دینے کھیت پر جا رہی تھی ـــــ کہ کنوئیں پر جو عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ انہوں نے

اسے دیکھ کر نفرت سے کہا "اسے دیکھو تو کیسی مٹکتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ اسے تو ذرا سا بھی ساس کا خیال نہیں ہے کہ وہ کتنی کمزور ہو گئی ہے سارا کام کاج وہ بیچاری کرتی رہتی ہے ـــــ لیکن اسے اس سے کیا یہ تو سکھ سے زندگی بِتا رہی ہے ـــــ سارے گھر کا کام ساس بیچاری اور دھنی رام کی بہو کرتی رہتی ہے ـــــ اور یہ ٹھاٹھ سے مزے اڑاتی ہے۔" یہ سنکر روپا کا منھ غصّے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں ان عورتوں کو برا بھلا کہتی ہوئی کھیت پر جا پہنچی۔ کھانا کیشو کو دے کر وہ اُلٹے پاؤں واپس گھر آئی ـــــ کیشو کی ماں اس وقت بیلوں کو سانی دے رہی تھی۔

"ماں جی!" اس نے دروازے میں ہی سے کہا۔

"کیا ہے بہو؟" ماں نے پوچھا۔

"آج سے گھر کا سارا کام میں اکیلی کروں گی، اب آپ اور جٹھانی جی آرام کریئے۔"

"کیوں تو کیوں کرے گی"؟

"اس لئے کہ سب مجھے کام چور کہتے ہیں۔" اور پھر اس نے ان عورتوں کی باتیں ماں سے کہہ دیں جنھیں سنکر ماں کا چہرہ لال ہو گیا۔

"کون کون تھا وہاں"؟ اس نے غصّے سے پوچھا۔

"ننھے کی ماں تھی ـــــ گلّو کی بہو اور راجو کی بہن وغیرہ یہی سب تھیں۔"

اور ماں اسی وقت کنوئیں پر غصّے میں بھری ہوئی پہنچی۔ "میں کہتی ہوں کہ تمہیں اس سے کیا کہ میری بہو کام کرتی ہے یا نہیں۔ خبردار جو آئندہ کبھی ایسی بات منھ سے نکالی۔" اس نے ان عورتوں کو خوب برا بھلا کہا ـــــ اور وہ سب خاموشی سے اس کی جھڑکیاں سنتی رہیں ـــــ کیونکہ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ ـــــ اگر اب اس سے بحث کی تو ہمیں ہی ہار ماننا پڑے گی۔

کیشو کے ایک رشتے کے چاچا اسی گاؤں میں رہتے تھے ـــــ بوڑھے آدمی تھے ـــــ اور دمہ کے مریض ـــــ کوئی اور ان کا اس گاؤں میں نہ تھا سوائے کیشو کے گھر والوں کے ـــــ وہی لوگ ان کی تیمارداری کرتے رہتے تھے اور ان کے کھیت کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے ـــــ بوڑھا انسان ویسے ہی چراغِ سحری ہوتا ہے ـــــ آخر کار ایک روز رات کو ایسا زبردست جھونکا آیا کہ ـــــ چراغ گُل ہو گیا ـــــ روح جسم سے پرواز کر گئی ـــــ سانسوں کا رشتہ جسم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ـــــ اور کیشو کا چاچا ہمیشہ کے لئے ہر مرض سے نجات پا گیا۔

اس کے کریا کرم کے بعد ان لوگوں کو چاچا کی زمین کی فکر ہوئی۔ چاچا کے چار کھیت تھے اس لئے دو دو دونوں بھائیوں کو ملنے چاہئیں تھے ـــــ ادھر کچھ دنوں سے کیشو کی بہو اور دھنی رام کی بہو میں آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا ـــــ اور جھگڑے کی بنا صرف وہ ہار تھا جو کیشو شہر سے روپا کے لئے منگا کر لایا تھا ـــــ ہار بہت خوبصورت اور قیمتی تھا ـــــ روپا اسے پہن کر اپنے کو کہیں راجکماری سمجھنے لگی۔ وہ ہار پہن کر بہت شان کے ساتھ سینہ نکال کر چلتی ـــــ اسے اس حالت میں دیکھ کر دھنی رام کی بہو کا بھی دل چاہا کہ ویسا ہی ہار پہنے اس نے دھنی رام سے کہا لیکن اس وقت دھنی رام کے پاس روپے نہ تھے اس لئے وہ ہار خریدنے سے مجبور تھا ـــــ اور پھر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ روپا کے ہار کا نمونہ دکھائے بغیر ہار کیسے بن سکتا تھا ـــــ دھنی رام کی بہو نے اس سے ہار مانگا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ "آخر تمہیں میرے ہی ہار کی طرح اپنا ہار بنوانے کی کیا ضرورت ہے ـــــ واہ میں تو اپنا ہار نہیں دوں گی ـــــ گاؤں بھر میں ایسا ہار کسی کے پاس نہیں نکلے گا۔" اس نے اپنے خوبصورت ہار کو دیکھتے ہوئے جواب دیا ـــــ اور دھنی رام کی بہو اس دن سے روپا سے ناراض ہو گئی ـــــ دونوں میں بات چیت بند ہو گئی ـــــ روپا اپنے من میں سوچتی "اگر میں نے جٹھانی کو ہار نمونے کے لئے دیا تو پھر ایک ہی طرح کے دو ہار ہو جائیں گے اور میری تعریف جو لوگ کرتے ہیں ـــــ پھر وہ جٹھانی کی بھی کرنے لگیں گے ـــــ میں اپنا ہار کبھی بھی نہیں دونگی۔" ادھر دھنی رام کی بہو نے سوچا "اگر میں ہار بنواؤنگی تو ایسا ہی ورنہ نہیں"۔ اس نے کیشو سے بھی ہار بنوانے کے لئے کہا لیکن اسے تو روپا پہلے ہی منع کر چکی تھی کہ بھابی جی کو ایسا ہار بنوا کر نہ دینا ـــــ وہ بھلا اپنی پیاری بہو کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔

غرضکہ اسی ہار کی بدولت دونوں میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہو جاتا ـــــ ماں دونوں کو سمجھاتی لیکن وہ غصّے میں اسکی ایک بھی نہ سنتیں اور پھر بڑھتے بڑھتے بات مردوں تک پہنچ جاتی ـــــ بیویوں کی وجہ سے بھائیوں میں بھی کشیدگی ہونا شروع ہو گئی ـــــ

دونوں میں بات چیت بند ہو گئی۔ اور پھر ایک دن تو ایسا آیا کہ دونوں بھائی الگ الگ ہو گئے ــــ ماں اکیلی رہ گئی ــ دونوں یہ چاہتے تھے کہ ماں ہمارے پاس رہے ــــ لیکن ماں نے اکیلا رہنا ہی پسند کیا۔ اور دونوں بھائی الگ الگ رہنے لگے۔

الگ ہونے کے بعد بھی ــ جھگڑا اپنی جگہ قائم تھا ــ دھنی رام کی بیوی اپنے شوہر کو ہار کے لئے ہر وقت ٹوکتی رہتی ــ لیکن اسکے ہاتھ میں ابھی اتنا پیسہ نہیں تھا کہ ہار بن سکتا ــ اور ابھی فصل کٹنے میں بھی دو مہینے باقی تھے ــ چاچا کے چار کھیت بھی آپس میں بانٹ لئے گئے تھے ــ دو دو دونوں بھائیوں نے لے لئے تھے ــ لیکن کاغذ ابھی تک ماں کے ہی پاس تھے ــ اور وہ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح ان دونوں کا جھگڑا ختم ہو جائے ــ اور پھر وہی دن لوٹ آئیں جن میں سُکھ تھا چین تھا ــ خوشیاں تھیں ــــ وہ رات دن سوچتی رہتی کہ کس طرح ان لوگوں کا جھگڑا ختم ہو لیکن کوئی مناسب ترکیب اسکی سمجھ میں نہ آتی

اسی طرح ایک ماہ گزر گیا ــــ دونوں بھائی برابر ماں کے پاس آتے رہے اور بہوئیں بھی تقریباً روز ہی ماں کے پاس آتیں ــــ سب کو الگ ہونے کا دُکھ تھا ــ کیونکہ اب وہ آرام اُن سے چھِن گیا تھا جو کہ اکٹھا رہنے میں تھا ــــ لیکن کسی کی بھی یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ ماں سے مل کر رہنے کو کہے ــــ کیونکہ ماں نے تو سب کو پہلے ہی الگ ہونے سے منع کیا تھا ــ لیکن ان لوگوں نے اس کی ایک نہ سنی اور علیحدہ ہو گئے۔

ایک روز دھنی رام ماں کے پاس آیا ــ ماں نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیوں بیٹا دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ پیاری کونسی چیز ہے؟" دھنی رام نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "ماں"

"اچھا تو میری ایک بات مانوگے"؟ اس نے دوسرا سوال کیا۔

"ماں میں تیری ہر ایک بات مانوں گا"۔

"لیکن الگ ہوتے وقت تو تو نے میری ایک نہ سُنی"۔ ماں نے اسے نادم کرنا چاہا اور وہ سچ مچ شرمسار ہو گیا۔

"ماں مجھے افسوس ہے کہ اس وقت غصے میں تیری بات نہیں مانی اسی کا تو آج پھل مل رہا ہے"۔ اس نے درد بھرے لہجہ میں کہا۔

ماں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ کیشو آ گیا۔ "بیٹا کیشو ــ تم دنیا میں سب سے زیادہ بڑی چیز کسے سمجھتے ہو"؟

کیشو نے پہلے تو اسے حیرت سے دیکھا ــ پھر سوچ کر جواب دیا۔

"ماں میں تو سب سے زیادہ بڑا روپے کو سمجھتا ہوں ــ کیونکہ یہی سب جھگڑوں کی جڑ ہے ــــ اسی کی وجہ سے آپس میں حد سے زیادہ محبت کرنے والوں میں بھی جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اور بنے بنائے گھر اُجڑ جاتے ہیں"۔

ماں یہ سُنکر مسکرائی۔ "جب تم یہ کہتے ہو کہ روپیہ سب سے بڑی چیز ہے ــــ اور پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ روپے کی ہی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں ــــ تو اگر تم اپنی بھابی کے لئے ہار لا دیتے تو کیا ہو جاتا تمہیں معلوم تھا کہ اس وقت بھائی کے پاس روپے نہ تھے ــــ اگر اسے روپے دے دیتے تو کیا ہو جاتا؟"

یہ سُنکر کیشو کی گردن ندامت سے جھک گئی ــــ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر میں نے روپا کا کہنا کیوں کیا ــــ کیوں نہ بھابی کے لئے ہار لا دیا ــــ کیوں بھائی سے جھگڑا کیا؟

"ماں روپے کے سوا ایک شے اور بھی بہت بُری ہے ــ اور وہ ہے ــــ عورت ــــ اگر میں روپا کے کہنے میں نہ آتا تو آج کو ہم سب الگ الگ نہ ہوتے ــــ۔ اس کے ہی کہنے میں آ کر میں نے ہار نہیں بنوایا ــــ اور الگ ہو گیا ــــ"

اتنا کہہ کر اس نے پہلے ماں سے معافی مانگی پھر بھائی کے چرن چھو کر اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ دھنی رام نے اسے سینہ سے لگا لیا ــــ اور ماں نے دونوں کو آشیرواد دی ــ

"ماں جی! ہمیں معاف کر دو"۔ دونوں بہوؤں نے ایک ساتھ داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ماں جی! مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔ جیٹھانی جی! مجھے معاف کر دینا ــــ میں نے اس وقت ہار کے غرور میں تمہیں ہار نمونہ کے لئے نہیں دیا اور نہ ہی انہیں روپیہ دینے دیا"۔ روپا نے ماں اور جیٹھانی سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہوئے کہا۔

اور ماں مُسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی "اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

افسانہ

جنازہ

(از تصویر بن قمر تمنائی، مُراد آباد)

【پچھلے پرچہ میں ہم نے تصویر بن قمر صاحب کا افسانہ "پستی سے بلندی تک" شائع کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ بعض مضمون نگاروں میں سے کثیر تعداد ایسے اصحاب کی ہوتی ہے جن سے ہمیں پہلے سے نیاز حاصل نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب سے اس میدان میں طبع آزمائی فرما رہے ہیں وغیرہ وغیرہ چنانچہ تصویر صاحب کا خود اپنا ارشاد تھا کہ "آپ کے لئے میں قطعی اجنبی ہوں" لیکن اب وہ اجنبیت ایک حد تک رفع ہو چکی ہے۔ اور ہمیں کم از کم یہ تو اندازہ ہو گیا ہے کہ قمر صاحب کے سپوت فرزند تصویر صاحب روزمرہ کے واقعات کی تصویر کیسی کھینچ سکتے ہیں۔ ہم اپنی رائے کو اس معاملہ میں زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ کیونکہ پڑھنے والے نہایت آسانی سے خود اندازہ لگا سکیں گے کہ جو چیز وہ پیش کرتے ہیں اور روزمرہ کے واقعات کو جس طرح وہ بیان کرتے ہیں وہ حقیقت پر کس قدر مبنی ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ "جنازہ" لکھ کر انہوں نے ہندوستانی گھروں کی اندرونی حالت کا بہت صحیح نقشہ کھینچا ہے اور جس بہو کو نہایت چاؤ اور چوچلے سے اور بہت محبت کے ساتھ بیاہ کر لایا جاتا ہے اس کی درگت چند ہی دنوں بعد کیا بنتی ہے اور ساس نندیں اس کے لئے کس قدر وبالِ جان بن جاتی ہیں اور وہ اپنی زندگی سے کتنی بیزار ہو جاتی ہے اور آخرکار اندر ہی اندر جل کر راکھ ہو جاتی ہے اور دیکھنے والے اس کو روزانہ گھٹتے دیکھ کر کس قدر حیران و پریشان ہوتے ہیں اور سننے والے ایک دم اس کے سفرِ آخرت اختیار کر جانے پر سکتہ کی حالت میں رہ جاتے ہیں۔

ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ تصویر بن قمر صاحب نے بالکل صحیح خاکہ کھینچ کر ہمیں متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسے ایسے واقعات تقریباً ہر گھر میں روزانہ پیش آتے رہتے ہیں۔ اور اگر سوسائٹی نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا تو حقوق کی جنگ میں عورتوں کے بالکل کامیاب ہو جانے کے باوجود بھی اس مصیبت کے خاتمہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوگی اور جس عورت کو ماں کا درجہ دیا جاتا ہے یا جس کو دیوی سمجھ کر اس کی پرستش کے دعوے کئے جاتے ہیں یا جس کے حصول کے لئے جان جوکھوں میں ڈالی جاتی ہے یہ سب دھوکہ اور فریب ثابت ہوگا۔

ماہنامہ تصویر مراد آباد میں ایک سلسلہ "اصلاح الاصلاح" کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے جس کے سب پرچے نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم نے پورا تو نہیں پڑھا ہے لیکن جتنا بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ادبی نقطۂ نظر سے وہ بہت مفید ہے۔ اور یکجائی صورت میں اس کا شائع ہونا ایک اچھی خدمت ثابت ہوگا۔ ف - ا】

امین صاحب کہہ رہے تھے :-

"وحید صاحب آپ نے لڑکی مانگی ہے، میں لڑکی دینے سے انکار نہیں کرتا، لیکن دھن دولت کی تمنا نہ رکھئے، میں آج کل کے رواج کے مطابق آپ کو نقدی اور سب ساز و سامان نہ دے سکوں گا مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ کچھ نہ کر سکوں ——— آپ خود سوچئے دس سال سے ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ فالج کی زد میں آئی ہوئی ہے۔ اس مجبوری کی حالت نے مجھے محنت مزدوری کے لائق نہیں چھوڑا۔ دس سال پہلے کی کمائی ہوئی پونجی ہی نے اب تک ساتھ دیا۔ لیکن اب تو حکومت سے صرف پچیس ۲۵ روپے ماہوار پنشن کے ملنے سے کام چل رہا ہے ———"

وحید صاحب بولے :-

"امین صاحب فکر نہ کیجئے۔ خدا کے فضل اور آپ کی دعا سے سب کچھ موجود ہے، میں تو صرف رشتہ چاہتا ہوں۔ آپ نے میرے لڑکے کو قبول کر لیا مجھے اور کیا چاہئے۔ دھن دولت تو نیچ ذات میں دیکھی جاتی ہے ہم لوگ سوائے ذات پات کے اور کچھ نہیں دیکھتے ———"

"بات معقول ہے، روپیہ پیسہ تو چار دن کی بہار ہے ——— مگر وحید صاحب اس کا بھی خیال رکھئے گا کہ میری بیٹی آجکل کی لڑکیوں کی طرح بی۔ اے۔ ایم۔ اے نہیں ——— ہاں خط پتر لکھ لیتی ہے ———"

"بس بس یہی چاہئے بھی تھا۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کرا کے کوئی دفتر میں تھوڑی بٹھانا تھا ———"

امین صاحب نے میٹھے کی طشتری وحید صاحب کے آگے سرکا دی، تیسری ہی ملاقات میں تمام باتیں طے ہو گئیں ——— امین صاحب نے لڑکا پسند کر لیا اور وحید صاحب نے لڑکی

چند دن بعد عورتیں آئیں اور دونوں جانب کی عورتوں نے بھی اپنے اپنے معاملے سُلجھا لئے۔ بات پکّی ہو گئی۔

آج بلقیس کی شادی تھی۔ پورا گھر بھرا ہوا تھا۔ اپنے پرائے سب ہی شریک تھے۔ کنواری لڑکیاں ڈھولک پر لہک لہک کر سہاگ گا رہی تھیں۔ بڑی بوڑھیاں گھر کے کام کاج میں لگی ہوئی تھیں۔ بلقیسا کی ماں بھی آج اپنے اندر نئی زندگی محسوس کر رہی تھی، رہ رہ کر سوچتی تھی ——"میری بیٹی کتنی خوش قسمت ہے، اُسے کتنا مالدار اور پڑھا لکھا شوہر ملا ہے —— عیش کرے گی عیش ——"

امین صاحب اپنے مہمانوں کے ساتھ باہر بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی آج بہت خوش تھے، ان کے جھرّیوں دار چہرے پر شادابی تھی۔ کمزور اور لاغر جسم میں توانائی تھی —"میری بیٹی مالدار گھر بیاہی جا رہی ہے داماد کافی پڑھا لکھا اور خوش سیرت ہے ——" یہ خیال انہیں سب سے زیادہ مسرت بخش رہا تھا ——

بارات آگئی، شام تک حسب روایت تمام رسوم ادا کی گئیں رخصت کے وقت والدین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے —— خالہ، ماموں، چچا اور تایازاد بہنیں بلقیس سے چمٹ چمٹ کر روئیں بڑی بوڑھیوں نے دعائیں دیں —— چلتے وقت امین صاحب نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پدرانہ شفقت سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا:۔

"بیٹی! تم ہمارے پاس بطور امانت تھیں، اب تم اپنے شوہر کے یہاں جا رہی ہو، وہی تمہارا اصلی گھر ہے۔ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے والدین کی عزّت اور خاندانی وقار پر کوئی حرف آئے —— بیٹی! والدین کے گھر سے لڑکی کا ڈولا اُٹھتا ہے اور شوہر کے گھر سے جنازہ ——"

بارات رخصت ہو گئی۔ بلقیس امین صاحب کی اکلوتی بیٹی تھی۔ انھوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جہیز دیا۔

رات کے دس بجے تھے۔ وحید صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے دوسرے دن ہونے والے ولیمے کے پروگرام پر غور کر رہے تھے۔ کچھ لوگ لڑکے کی شادی پر مبارکباد دیکر چلے گئے تھے۔ اور خاص مہمان کھانے دانے سے فارغ ہو کر آرام کر رہے تھے —— وحید صاحب کی بیوی کمرے میں داخل ہوتی ہوئی بولیں:۔

"دیکھ لیا نا تم نے! میں پہلے ہی کہتی تھی کہ امین صاحب کے یہاں سے کچھ ملنے کی اُمید نہیں —— سامان معمولی اور مختصر ہے اور نقدی بھی کچھ نہیں ——"

"ہمیں اچھے خاندان کی نیک بیٹی چاہیئے تھی۔ وہ ہمیں مل گئی دھن دولت، روپیہ پیسے کا ہمیں کیا کرنا ہے۔ خدا کا فضل ہے —— اُس نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے ——"

"تمہاری تو ہمیشہ ایسی ہی باتیں رہتی ہیں' ہم نے تو اس ارمان سے شادی کی تھی۔ کہ خوب بہت سا جہیز ملے گا۔ نقدی میں کئی ہزار روپے اور سونے چاندی کے قیمتی زیورات ملیں گے —— کتنا سر مارا کہ "جج" صاحب کے یہاں پیغام دید و مگر نہیں مانے اب یہاں بیٹھے ہو ذرا جا کر ان مہمانوں کی زبانیں پکڑو جو کہہ رہے ہیں کہ —— وحید صاحب نے لڑکے کی قسمت پھوڑ دی ——"

"ہاں ہاں کہنے دو انھیں، وہ کیا جانیں کہ شریف لوگ دولت کے بجائے اونچا خاندان اور نیک بیٹی ڈھونڈتے ہیں ——"

"تمہاری اس خالی شرافت کو لے کر کوئی کیا کرے۔ میرے بچے کی شادی مالدار جگہ ہوتی تو "مال" ملتا، دو چار اپنے پرائے دیکھ کر واہ واہ کرتے کتنی عزّت ہوتی —— معاف کرنا، آج کل شرافت اور عزّت جو کچھ بھی ہے بس دولت ہی ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہی شریفوں کا شریف ہے ——"

"اس وقت میرا دماغ خراب نہ کرو۔ تم شرافت اور دولت کا فرق کیا جانو۔ اس مبارک دن بھی تم نے بدشگونی شروع کر دی ——"

"ہوں ——" وحید صاحب کی بیوی کمرہ سے نکل گئیں۔

جب تک وحید صاحب حیات رہے بلقیس ساس اور نندوں کے لئے ہتھیلی کا چھالہ بنی رہی۔ وحید صاحب کا مرنا تھا کہ قیامت آگئی —— ایک ہی سال میں اس کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب آیا۔ سُسر کی زندگی میں ساس اور نندوں نے اُسے گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا تھا— دو نوکرانیاں گھر کا تمام کام کرتی تھیں —— لیکن جب سُسر کا

انتقال ہوا تو اُس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ـــــ اُس نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا کہ تعلیم یافتہ اور مالدار خاندان میں بہو بن کر آنے کے بعد اسے یہ دن بھی دیکھنے پڑیں گے ـــــ اب سارے گھر کا بار صرف اُس کی اکیلی جان پر تھا ـــــ نوکرانیاں علیٰحدہ کر دی گئیں ـــــ وہ کام سے تو کبھی نہیں گھبرائی اُسکے والدین کے گھر نوکرانیاں نہیں تھیں وہ خود ہی تمام کام کرتی تھی ـــ اور جب سے اس کی ساس نے گھر کا بار اس پر ڈالا تھا اس نے ہر کام کے کرنے میں ایک سکون آمیز مسرت محسوس کی تھی ـــــ لیکن ہر وقت کے لعن طعن نے اسے انتہائی دُکھی کر دیا تھا ـ ساس کہتی ـــ "اے ہے سالن میں اتنی مرچیں بھلا کون کھاتا ہے ـــ بہو تو کوئی کام بھی سلیقے سے کرتی ہے ـــــ ؟" اور وہ یہ سُن کر دوسرے وقت ہانڈی میں مرچ کم کر دیتی تو ساس ناک بھوں چڑھا کر چلاتی ـــ "لے جا اس سالن کو ـ پھینک دے کہیں ـــ مریضوں کا سا پکا کر رکھا ہے ـــ"

نندیں شہہ دیتیں ـ

"بیچاری بھابی کو کبھی کوئی چیز پکانی نصیب ہوئی ہوتی تو جانتی بھی ـــــ"

اس بات پر اُس کا دل جل ہی تو جاتا ـ ایک دن اُس نے کسی بات پر جواب دے دیا ـ ساس کے آگ لگ گئی بھڑک کر بولی :ـــ "یہ اکڑ اور غصّہ کس پر؟ وہ اور ہوں گے جو تمہاری دھونس میں آئیں گے ـــــ ہماری بلّی ہم ہی سے میاؤں ، یہ غصّہ کس بات پر دکھاتی ہو، تمہارے "میّا باوا" نے ہمیں کون سی دولت بخش دی ہے جس کا احسان ہے، وہی چند کپڑے دو چار برتن بھانڈے اُس پر اتنی اکڑ ہے ـ کچھ لے کر آتیں تو نہ جانے کتنے پہاڑ ڈھاتیں ـــــ" وہ خاموشی سے سر جھکائے سب کچھ سنتی رہتی ـــ

یہی طعن و تشنیع دن بدن بڑھتے رہے، وہ صبر کرتی رہی ـــ اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آتا ـ مگر آنکھیں ضرور بھیگ جاتی تھیں ـــــ وہ ساس نندوں کی برابر جھڑکیاں سنتی اور دل ہی دل میں گھُٹ کر رہ جاتی ـــ اسی گھُٹن نے اسے آخری حدود تک کمزور کر دیا ـــ اختلاجِ قلب ہونے لگا ـ بخار ٹھہر گیا ـ اُٹھتے بیٹھتے چکر آنے لگے ـــ شاداب چہرے کی ہڈیاں اُبھر آئیں، غزالی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے، سڈول جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ـ لیکن اس پر بھی اُسے نندوں اور ساس کے طعنوں نے فرصت نہ دی ـ کبھی وہ کسی کام میں مشغول ہوتی ـ یکایک چکر آ جاتا اور وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ جاتی ـــــ ساس کہتی :ـ

"کیسی بیٹھی ہے سر پکڑے جیسے سچ مچ ہی چکر آ گیا ہے اس صورت اور اس جسم پر یہ نخرے ہیں ـ اگر کچھ ہوتی تو نہ جانے کیا ہوتا ـــــ" وہ یہ بات سن کر رحم طلب نظروں سے ساس کو دیکھ لیتی تو جواب ملتا :ـــ

"گھور کر کیسے دیکھتی ہے جیسے ابھی ابھی ڈس لیگی ـ"

رفتہ رفتہ اس کو اس ماحول، اس گھر اور ساس نندوں سے نفرت ہو گئی ـ کبھی وہ اپنے شوہر سے اپنے دل کی بات کہہ دیتی تو ایک اور تازہ ناسور پیدا ہو جاتا ـــ وہ بھلا اس کی بات کا یقین کیسے کر لیتے ـ وہ تو اپنی ماں کے سعادت مند بیٹے تھے ـ یہ تمام باتیں اُسے کشاں کشاں اُس منزل کی جانب لئے جا رہی تھیں جہاں زندگی کا مختصر سفر ختم ہو جاتا ہے ـ

جب کبھی وہ اپنے والدین کے گھر آتی، ماں باپ پوچھتے ـ

"بیٹی تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے ـــ تمہیں وہاں کیا تکلیف ہے ـــــ"؟

وہ مُسکرا کر خوشی سے جواب دیتی :ـ

"کچھ نہیں مجھے وہاں کیا تکلیف ہو سکتی ہے ـــ"؟

ایک دن امین صاحب کو اطلاع ملی کہ ان کی اکلوتی بیٹی کو ساس اور نندیں نقدی نہ ملنے اور جہیز کی کمی پر طعنے دیتی رہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ موت کے قریب ہوتی جا رہی ہے ـ امین صاحب تڑپ اُٹھے ـ اُن کا دل رو دیا ـ

شام کا وقت تھا ـ امین صاحب کے بوڑھے قدم تیزی سے اپنی بیٹی کے گھر کی جانب اُٹھ رہے تھے ـ آج انہوں نے اپنے بزرگوں کے چھوڑے ہوئے دونوں مکان صرف دس ہزار روپے میں فروخت کر دیئے ـ جن کی مجموعی قیمت تیس ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی تھی ـــ لیکن امین صاحب کے نزدیک

خاندان کی عزت اور بیٹی کے چین و آرام کے لئے جان دے دینا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اُن کے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈیاں دبی ہوئی تھیں — وہ سوچ رہے تھے کہ آج بیٹی کی ساس کی ناک پر نوٹوں کی یہ گڈیاں دے ماریں گے اور کہیں گے:۔

"دولت کے بھوکے انسانو! اپنے دل کی پیاس بجھاؤ لیکن کسی غریب کی عزت سے اس طرح نہ کھیلو — یہ لو نقدی — دس ہزار روپے کے نوٹ، مگر میری بچی کو آئندہ کوئی تکلیف نہ ہو —"

امین صاحب دروازے پر جا کر رُکے؛ ابھی تنفس کی تیزی میں کچھ ٹھہراؤ بھی پیدا نہ ہوا تھا کہ ان کے کانوں نے یہ منحوس خبر سُنی کہ "بلقیس اُن کی اکلوتی بیٹی اللہ کو پیاری ہو گئی —"

وہ سکتے میں آ گئے — امین صاحب کی آنکھوں کے سامنے سب سے پہلے بلقیس کا بچپن آیا، پھر جوانی اور اس کے بعد شادی کا وہ دن جب انہوں نے اپنی بلقیس کو دُلہن بنے دیکھا تھا۔ یکایک اُن کے کانوں میں ایسے ہی کلمات گونج گئے۔

"بیٹی — **والدین کے گھر سے لڑکی کا ڈولا اُٹھتا ہے اور شوہر کے گھر سے جنازہ** —"

اُن کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو گئی، نوٹ مسل گئے:

بیٹی نے باپ کی بات کو ایسا پلّے باندھا تھا کہ مرتے دم تک اسے سینے میں محفوظ رکھا اور اُف تک نہیں کی: اطاعت، فرمانبرداری اور وفاشعاری کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ نہ جانے قدرت کو کیا منظور ہوتا ہے۔

تعلیم و تربیت

علمِ مجلسی

اس عنوان میں اس مرتبہ ہم نے دو لفظوں کی کمی کر دی ہے یعنی "بچوں کی تعلیم و تربیت" کی بجائے صرف تعلیم و تربیت کر دیا ہے۔ کیونکہ بعض حضرات تو اسے بچوں کے متعلق سمجھ کر پڑھتے ہی نہیں تھے اور بعض حضرات محض اس عنوان سے یہ نتیجہ نکال لیتے تھے کہ یہ پرچہ ہی بچوں کے لئے ہے۔ اس لئے وہ ہمیں لکھتے رہتے تھے کہ اس رسالے کو بچوں کے لئے ہی وقف کر دیجئے لیکن ہم جس چیز کو پیشِ نظر رکھ کر میدان میں نکلے ہیں وہ ہے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" یعنی اچھی باتوں کے کرنے کی ترغیب دینا اور بری باتوں سے منع کرنا۔

جس سے ہمارا مقصد تھا کہ بڑی عمر کے لوگ، تو ان باتوں کی اہمیت سمجھتے ہی ہیں اس لئے وہ اپنے بچوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں گے اور ان کی اصلاح کا ہر دم خیال رکھیں گے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معدودے چند گھرانوں کو چھوڑ کر باقی سب کے سب یہی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ خود بڑوں کو دینی باتیں جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے جو چھوٹوں کے لئے ہم ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے ہم نے آئندہ کے لئے اس عنوان کو سب کے لئے عام کر دیا ہے، تاکہ بچوں کو بھی یہ کہنے کا موقع ملے کہ بڑے تو اس پر عمل پیرا نہیں ہیں ہم سے ہی یہ کام کرنے کو کیوں کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اس کے تحت مذہبیات کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا تاکہ احکام دین و مذہب سے بھی واقفیت یا ان کی تکرار ہوتی رہے لیکن جو لوگ مذہب کو نہیں مانتے انہوں نے اس حصہ کو تھوڑا یا دیکھا یا نامناسب سمجھا حالانکہ ہم نے کسی خاص فرقے کے لئے مخصوص مسائل کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ ایسے معاملات و ہدایات کی طرف توجہ دلائی جو ہر فرقے یا خیالات کے لوگوں کے لئے مفید ہوں اور جن کی افادیت سے کوئی انکار نہ کر سکے گویا اخلاقیات کا جو درس مذہبیات کے تحت ملتا ہے اس کو اپنے پرچہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس مرتبہ ہم ایسی چیز درج کرتے ہیں جو علم مجلسی اور اخلاقیات دونوں کے لئے

مشترک ہو اور دونوں باتیں مذہبیات کے تحت آتی ہوں۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائی بھی اس طرف خاص طور سے متوجہ ہو کر ہماری معاونت فرمائیں گے۔

ہم پہلے بھی کئی بار لکھ چکے ہیں اور اب پھر اعادہ کرتے ہیں کہ دوسرے مذاہب میں جو تعلیم دی گئی ہے اس کے اقتباسات جو کسی مخصوص عقیدہ پر مبنی نہ ہوں بلکہ کل ہی نوع انسان کی بھلائی اور اصلاح کے لئے یکساں مفید ہوں اپنے سنگم کے لئے قلمبند فرما کر ہمارے پاس بھیجئے ہم انہیں بخوشی درج کریں گے۔ ملکہ ہماری تمنا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مذاہب کی عام تعلیم سے اپنے ناظرین کو واقفیت بہم پہنچاتے رہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ لکھنے والا اسی فرقہ کا فرد ہو بلکہ اگر کسی نے دوسرے مذہب کا مطالعہ کیا ہو اور اسے یہ باتیں بیان معلوم ہوئی ہوں تو وہ بھی لکھ سکتا ہے لیکن اگر خود اسی مذہب کا پیرو اس نیک کام کی طرف رجوع ہوتا تو بہت زیادہ بہتر ہوتا۔ مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہم کسی اختلافی مسئلہ کو درج نہیں کریں گے یا کوئی ایسی بات جائز نہیں سمجھیں گے جس پر ذرا سا بھی اعتراض کیا جا سکتا ہو۔ اتنی تمہید کے بعد اب ہم اصل مضمون پر آتے ہیں

(۱) لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا[۱]

(۲) وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا۔

مسلمانوں کی سب سے مقدس کتاب قرآن شریف ہے جسے آسمانی کتاب مانتے ہیں یعنی مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو حضرت محمدؐ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور حضرت محمدؐ کے پاس آسمان سے حضرت جبرئیلؑ فرشتہ یہ آیات موقع اور ضرورت کے لحاظ سے لایا کرتے تھے۔

قرآن کو آسانی کے لئے تیس مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ کو سی پارہ کہتے ہیں (سی کے معنی تیس کے ہیں اور پارہ کے معنی ہیں حصہ یا ٹکڑا) لیکن احکامات یا مضامین کے اعتبار سے پورے قرآن کو ۱۱۴ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جنھیں ہم تو اپنی زبان میں ابواب (باب کی جمع) اور انگریزی میں چیپٹرز (CHAPTERS) کہتے ہیں لیکن قرآن کی زبان میں ان حصوں کو سورۃ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر ہر سورۃ میں کئی فقرے ہوتے ہیں۔ قرآن کے ان فقروں کو آیات (آیۃ کی جمع) کہتے ہیں اور جس طرح ہر مضمون کے کئی ٹکڑے ہوتے ہیں جنھیں پیراگراف کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر سی پارہ یا ہر سورت میں بھی پیراگراف ہوتے ہیں جنھیں رکوع کہتے ہیں۔

تو اب آپ قرآن کے سی پارہ۔ سورۃ۔ آیۃ۔ رکوع کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے تاکہ آئندہ اگر کبھی ان چیزوں کا ذکر کیا جائے تو دوبارہ تشریح نہ کرنی پڑے۔ گویا یہ بھی ایک سبق ہے جو یاد کرایا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن شریف کے اٹھارویں سی پارہ (جس کا نام قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ہے) کے دسویں رکوع یعنی چوبیسویں سورۃ (جس کا نام نور ہے) کے چوتھے رکوع کی پہلی آیہ ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو تم دوسرے گھروں میں سوائے اپنے گھروں کے۔ تاوقتیکہ اجازت نہ لے لو اور اجازت کے بعد جب داخل ہو تو سلام کرو اس گھر کے لوگوں کو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ عجب نہیں کہ تم یاد رکھو۔"

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بعض مکانوں پر اور عام طور سے دفاتر کے باہر انگریزی یا اردو ہندی میں لکھا ہوتا ہے "بغیر اجازت اندر آنا منع ہے" لیکن قرآن کے اس حکم کے مطابق کسی ایسی تختی کی ضرورت نہیں جو لوگ اللہ کے احکام پر عمل کرنا اپنی عادت ثانیہ بنا لیں ان کے لئے اس قسم کی تختیاں بالکل بیکار اور غیر ضروری ہیں مثلاً ریل کے ڈبوں میں یا پلیٹ فارموں پر یا بعض اہم مقامات پر یہ ہدایات جا بجا لکھی ہوتی ہیں کہ "یہاں مت تھوکو" "تھوکنا نہیں" یہ ہدایت صرف ان لوگوں کے لئے ہوتی ہے جو بدتمیز اور گندے ہوتے ہیں۔ کسی مہذب ملک میں اس قسم کے احکامات نہیں دیکھو گے کیونکہ وہاں لوگ عادتاً صفائی پسند اور مہذب ہوتے ہیں اور سڑکوں پر، فرش پر، زینوں میں یا ایسی جگہ جو سب کی آنکھوں کے سامنے رہے تھوکتے نہیں اور گندگی نہیں پھیلاتے لہٰذا وہاں ایسی ہدایتوں کی تختیاں نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اگر ہم بلند اخلاق اور اونچے معیار کے ہو جائیں تو پھر کبھی کسی مکان یا دفتر پر اس قسم کی تختی کی ضرورت نہ رہے کہ "بغیر اجازت اندر آنے کی ممانعت ہے"۔ یہ حکم کس قدر اچھی تعلیم دیتا ہے اور بلا تفریق مذہب اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر اس کا دوسرا حصہ بھی کتنا اچھا ہے

---

[۱] مت داخل ہو دوسرے گھروں میں سوائے اپنے گھروں کے جب تک کہ تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو اس کے گھر والوں کو۔

کہ داخل ہونے سے پہلے سلام بھی کر لیا کرو تاکہ تم مغرور نہ خیال کئے جاؤ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ تم اپنے کو بہت بڑا سمجھتے ہو۔ بڑا ہو یا چھوٹا ہر شخص کو حکم دیا گیا ہے کہ داخل ہو تو سلام ضرور کرو۔ یہ عام حکم دیا گیا ہے اس میں خاندانی بڑائی چھوٹائی کی کوئی قید نہیں ہے اور کوئی استثنےٰ نہیں ہے۔

اور ذرا ملاحظہ کیجئے کہ تاکید کر دی گئی ہے کہ دیکھنا بھول نہ جانا یاد رکھنا اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ اس سے اگلی آیت میں آیا ہے کہ اگر تم کسی کے گھر جاؤ اور آواز دو اور گھر میں کسی کو نہ پاؤ یعنی کوئی جواب نہ دے تو بالکل مت داخل ہو جب تک کہ وہاں تمہیں اجازت نہ مل جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ یعنی اس وقت نہیں ملا جا سکتا تو ملا حو ہو چپ لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ اور … جو کچھ کرتے ہو سب جانتا ہے۔ اسی کے متعلق اور بہت سی تفصیلات اگلی آیات میں ہیں۔ لیکن اس وقت تو ہمارا مقصد صرف مندرجہ بالا آیتہ کے دو حصوں کو آپ کے ذہن نشین کرانا ہے۔ ایک تو یہ کہ بغیر اجازت کسی کے مکان یا کمرہ میں داخل نہ ہو اور دوسرا یہ کہ اس کے اندر تمام موجود لوگوں کو خواہ وہ اس گھر کے مالک یا رہنے والے ہوں یا نہ ہوں سب کو سلام کرنا ضروری ہے۔ جو حکم قرآن میں آتا ہے اس کا پورا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ جو شخص اس پر عمل نہ کرے وہ گنہگار ہوتا ہے اور جو ان احکامات کو ماننے سے انکار کر دے اور انھیں تسلیم ہی نہ کرے اسے منکر یا کافر کہتے ہیں۔ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ قرآن کی آیات موقعہ اور ضرورت کے لحاظ سے آسمان سے حضرت محمدؐ کے پاس جو اللہ کے رسول یا پیغمبر تھے۔ (پیغمبر کے معنی ہیں اللہ کا پیغام پہنچانے والا) بھیجی جایا کرتی تھیں۔ لہٰذا ہم بتانا چاہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے۔ یعنی اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ کیا تھی۔

اس وجہ کے بتانے سے پہلے ہم یہ بھی سمجھا دیں کہ حضرت محمدؐ مکہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے جب کہ ان کی عمر چالیس سال کی ہو گئی تو اللہ کے حکم سے مکہ میں ہی اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی کہ ایک اللہ کو مانو اور کسی اور کی پوجا نہ کرو۔ اس پر یہودی جو حضرت موسےٰ کو اللہ کا پیغامبر مانتے تھے اور عیسائی جو حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر مانتے تھے اور کفار جو بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے سب کے سب خفا ہو گئے اور حضرت کو تنگ کرنا اور ان کے سب ساتھیوں کو جو ان پر ایمان لے آئے تھے اور ان کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلتے تھے تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو کفار نے اپنی حرکتیں اور تیز کر دیں اور حد سے زیادہ تکلیف دینے لگے۔ اس وقت مسلمانوں کو حکم ہوا کہ مختلف ممالک میں چلے جائیں۔ کچھ عرصہ بعد خود حضرت محمدؐ بھی مکہ سے مدینہ چلے گئے اور بہت سے مسلمان بھی ان سے پہلے اور بعد میں مدینہ پہنچ گئے تھے۔ مدینہ میں حضرت کے پہنچنے سے پہلے دوسرے مسلمانوں کی کوشش اور ان کی تعلیم اور ان کے عمل کو دیکھ کر وہاں کے لوگ بھی کافی تعداد میں اسلام پر ایمان لا چکے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے وطن چھوڑ کر جانے والوں کی بہت آؤ بھگت کی اور ہر طرح سے ان کی مدد کی۔ مدد کرنے والوں کو انصار کہتے ہیں جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور وطن چھوڑ کر جانے والوں یعنی ہجرت کرنے والوں کو مہاجر کہتے ہیں۔

جیسا کہ ۱۹۴۷ء کے جھگڑوں کی وجہ سے جو لوگ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے انھیں مہاجر کہا جاتا ہے۔ بس یہاں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ مہاجر کسے کہتے ہیں اور انصار کا کیا مطلب ہے۔

اب واقعہ سنئے۔ ایک انصاریہ (یعنی انصار لوگوں کے ایک گھرانے کی عورت) نے رسول خدا کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ میں اکثر اوقات اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میرا کوئی عضو کھلا رہتا ہے۔ مثلاً سینہ پر دوپٹہ نہیں ہوتا یا بدن پر ٹھیک طریقہ سے کپڑا نہیں ہوتا ایسی حالت میں کسی غیر مرد کا ایک دم میرے گھر میں گھس آنا مجھے بیحد ناگوار گذرتا ہے۔ اپنا گھر ہی تو ہے عموماً ایسا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے مہربانی فرما کر اس معاملہ میں رہنمائی فرمائیے۔"

وہاں کیا دیر تھی۔ آنحضرت نے اللہ سے مدد چاہی کیونکہ سوسائٹی کے رواج کے خلاف خود اپنی طرف سے کوئی ایسا ویسا حکم آنحضرت نہیں دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ فوراً وحی نازل ہوئی اور مندرجہ بالا احکامات نافذ ہوئے۔ (اللہ کے ہاں سے فرشتہ حضرت جبرئیل جو حکم لاتے تھے۔ اسے وحی کہتے ہیں)

چنانچہ دیکھ لیجئے ایک شرم حضور اور پارسا عورت کے کہنے سے کس قدر عالمگیر حکم نازل ہوا جو کتنی اعلیٰ تعلیم کا حامل ہے۔ بس اس مرتبہ کے لئے یہ بہت کافی ہے۔ لہٰذا اگر آپ سب لوگ خواہ بچے ہوں یا بوڑھے۔ عورت ہوں یا مرد۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم، امیر و کبیر ہوں یا غریب و فقیر، عربی زبان کے یہ دو بول یاد کر لیں اور اس پر عمل بھی کریں تو آپ بہت بڑے اخلاق کے علمبردار ہوں گے اور وہ بول یہ ہیں:-

"لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا" اپنے دوستوں کے بچوں کو بھی یاد کرا دیجئے۔ (ف-ا)

تفریحات

آج ہم ایک ایسی چیز لکھتے ہیں جو عام طور سے ادیبوں اور شاعروں تک محدود ہے لیکن ہم اسے بچوں کو جمع سکھانے یا اس کی مشق دینے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ بچہ کو حافظہ پر زور دے کر جمع کرنے میں مدد ملے گی۔ یعنی اسے ہم عدد نہیں بتائیں گے جنہیں آپس میں جمع کرنا ہے۔ بلکہ وہ خود ان عدد کو معلوم کرے گا جنہیں جمع کرنا ہے۔ اور دوسرے اس سے مدد ملے گی یہ بات سمجھنے کی کہ اکثر لوگ تاریخی ناموں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں یا کسی کے مرنے کی تاریخ کے لئے شعر پڑھ دیا کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے پہلے آپ ایک آسان سی مثال لیجئے

آپ میں سے ہر ایک نے گھڑی یا گھنٹہ یا ٹائم پیس یا کلاک ضرور دیکھا ہوگا۔ ان میں وقت معلوم کرنے کے لئے ہندسے لکھے ہوتے ہیں۔ یہ ہندسے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض گھڑیوں میں تو انگریزی کے ہندسے ہوتے ہیں 1 2 3 4 5 6 7 8 9 10 11 12 لیکن اکثر میں عام طور سے انگریزی حروف لکھے ہوتے ہیں یعنی XII XI X ان تین حرفوں سے ہندسوں کا کام لیا جاتا ہے۔ انہیں رومن ہندسے کہتے ہیں یعنی رومن امپائر کے لوگوں نے حروف سے ہندسوں کا کام لیا تھا I (آئی) کی قیمت ایک مقرر کی اور V (وی) کی پانچ اور X (ایکس) کی دس L (ایل) کی پچاس C (سی) کی سو اور D کی پانچ سو اور M کی ایک ہزار اور یہ قاعدہ بنایا کہ اگر کوئی کم قیمت کا حرف بڑی قیمت کے حرف کے سامنے اس سے پہلے یعنی بائیں طرف لکھا جائے گا تو بڑے حرف کی قیمت میں سے چھوٹے حرف کی قیمت گھٹا دیں گے۔ مثلاً گھڑی میں نو بجے کی جگہ IX لکھا ہوتا ہے اس سے پہلے I (آئی) لکھنے سے IX ہو جاتا ہے۔ آئی کی قیمت ایک ہے اور وہ X سے پہلے ہے لہٰذا دس میں سے ایک گھٹا دیں گے تو نو ہوگا۔ لہٰذا جہاں نو بجنے کی جگہ ہے وہاں گھڑیوں میں IX لکھا ہوتا ہے۔ اور اگر کم قیمت کا حرف بڑے کے بعد لکھیں گے تو دونوں کی قیمتوں کو جمع کر لیا جائے گا مثلاً XI کے معنی گیارہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح XL، سے چالیس اور LX سے ساٹھ سمجھا جائے گا۔ چار سو لکھنا ہو تو چار مرتبہ CCCC لکھنے کی بجائے CD لکھیں گے کیونکہ D کی قیمت پانسو ہے اور C کی ایک سو ہے اور چونکہ C جو کم قیمت کا حرف ہے D سے پہلے آیا ہے۔ اس لئے C کی قیمت D کی قیمت میں سے گھٹا دیں گے۔ چنانچہ چار سو کے لئے CD لکھا جائے گا۔ نو سو لکھنا ہو تو CM لکھیں گے اور سات سو کے لئے DCC

علیٰ ہٰذا عام طور سے ایک ہزار تک کے لئے ہی حروف کی قیمتیں مقرر ہیں البتہ اگر M کے اوپر لکیر کھینچ دیں مثلاً M̄ تو اس کی قیمت دس گنا یعنی دس ہزار ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک ہزار سے زیادہ قیمت کا کوئی حرف نہیں ہے

رومن والوں نے تو بس ان سات حرفوں سے ہی کام لیا ہے جن کی قیمتیں علی الترتیب ایک۔ پانچ۔ دس۔ پچاس۔ سو۔ پانسو اور ایک ہزار مقرر کی ہیں۔ لیکن عرب والوں نے اپنے حروف تہجی کے ہر حرف کی قیمت مقرر کی ہے جس ترتیب سے حروف تہجی لکھے جاتے ہیں یعنی ا ب ت ث ج ح خ . . . . . وغیرہ اس ترتیب سے قیمتیں مقرر نہیں کی گئی ہیں بلکہ ان کی ترتیب قیمتوں کے لحاظ سے حسب ذیل ہے۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

گویا غ سب سے زیادہ قیمتی ہے جس کے لئے ایک ہزار مقرر کئے گئے ہیں۔ ان ۲۸ حروف کی ترتیب سے آٹھ الفاظ بنائے گئے ہیں جو یہ ہیں۔
اَبْجَد، ہَوَّز، حُطِّی، کَلَمَن، سَعفَص، قَرَشَت، ثَخَذ، ضَظَغ

فارسی اور اردو میں ان حروف کے علاوہ بھی اور حروف ہیں مثلاً پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ۔ ان کی وہی قیمتیں ہیں جو عربی میں ان کے ہم جنس حروف کی ہیں مثلاً ب اور پ، ت اور ٹ، ج اور چ، د اور ڈ، ر اور ڑ، ر اور ژ، ک اور گ

ہندی کے مرکب حروف جو اردو میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً جھ کھ ڈھ وغیرہ ان میں ھ اور دوسرا حرف دو علیحدہ علیحدہ حروف شمار ہوں گے۔

ء (ہمزہ) اور الف کی ایک ہی قیمت ہے کیونکہ عربی میں الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور جب الف پر کوئی اعراب یعنی زیر زبر پیش ہو یا جزم ہو تو اسے ہمزہ کہتے ہیں۔ الف نہیں کہتے۔ مثلاً اِنَّا میں پہلا حرف ہمزہ سمجھا جاتا ہے اور آخری الف الف کہا جائے گا۔

جس حرف پر تشدید ہو اسے دو حرف نہیں مانا جاتا کیونکہ لکھنے میں تو ایک ہی حرف آتا ہے۔ گویا ظاہری شکل کے مطابق قیمتیں لگائی جاتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ میں پہلا حرف ہندی کا جھ ہے۔ لیکن چونکہ دیکھنے میں ج اور ھ دو حروف ہیں اس لئے دونوں کی علیحدہ علیحدہ قیمت ج کے

اور ۵ کے ۵ لگائی جائے گی۔

اور نقّال میں تشدید کی وجہ سے دو دو برتے جاتے ہیں۔ لیکن لکھنے میں صرف ایک آتا ہے۔ اس لئے اس لفظ کی قیمت نکالتے میں ن ق ا ل چار حرفوں کی قیمتیں جوڑی جائیں گی۔ دو دو ف سمجھ کر ن ق ق ا ل کی قیمت نہیں نکالیں گے۔

اتنا سمجھ جانے کے بعد اب کوئی چیز مشکل نہیں رہتی۔ آپ اپنا نام الگ الگ حرفوں میں لکھئے اور دیکھئے اس کی کیا قیمت ہے۔ مثلاً ذاکر حسین نام ہے تو

ذ ا ک ر ح س ی ن ذاکر حسین
۷۰۰ + ۱ + ۲۰ + ۲۰۰ + ۸ + ۶۰ + ۱۰ + ۵۰ = ۱۰۴۹

یعنی "ذاکر حسین" کی قیمت ۱۰۴۹ ہوئی۔

اب یہ ماہرین اور دماغ سوزی کرنے والے عالم و فاضل کا کام ہے کہ کسی نوزائیدہ بچے کے لئے ایسا نام ڈھونڈیں جس کے حروف کے اعداد جوڑنے سے مجموعہ اس سن کے مساوی ہو جائے جس میں وہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ مثلاً کوئی بچہ اسلامی سن کے اعتبار سے ۱۳۷۴ھ میں پیدا ہوا ہے تو اس کے مختلف تاریخی نام نکالے جا سکتے ہیں۔ مثلاً افتخار محمد، خلیل احمد خان، ناظر الدین حسین وغیرہ وغیرہ ان ناموں میں سے ہر ایک کے حروف کے اعداد کا مجموعہ ۱۳۷۴ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مر گیا ہے تو اس کی یاد میں اگر کوئی مرثیہ لکھا گیا ہے اور آخری شعر میں مرنے کی تاریخ نکالی گئی ہے تو اس شعر کے جتنے حصے کو تاریخ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس کے حروف کے اعداد جمع کرنے سے وہ سن نکلے گا جس میں وہ فوت ہوا ہے۔

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ ہم اس سے بچوں کو جمع سکھانے کا کام لینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا پہلے انھیں ابجد، ہوز، حطی وغیرہ الفاظ یاد کرائیے۔ پھر ان لفظوں کے حروف کے اعداد یاد کرائے جائیں اس کے بعد ان سے کہا جائے کہ احمد آباد کے حرفوں کے اعداد جوڑ کر اس کی میزان بتاؤ۔

لہٰذا چند بچوں کی دو پارٹیاں بنا دی جائیں اور ان سے کہا جائے کہ باری باری ایک پارٹی دوسری پارٹی کے بچے سے سوال کرے کہ فلاں لفظ کے اعداد کو جوڑ کر جواب بتاؤ۔ نام بہت لمبے لمبے نہیں ہونے چاہئیں۔ عام طور پر جو نام سیدھے سادے ہوں۔ بس انھیں پر اکتفا کیا جائے اور اس کھیل یا مقابلہ کے لئے وقت مقرر کر لیا جائے۔ اس عرصہ میں جس پارٹی کے زیادہ صحیح جوابات ہوں گے وہ جیت جائے گی اور دوسری کی ہار ہو جائے گی۔ ۶۲

۴۲ آج کا سبق بہت زیادہ مفید معلومات پر مبنی ہے۔ غور سے کئی بار پڑھئے، بہت کام کی باتیں اس میں بتائی گئی ہیں۔ اگر پسند آئیں تو سنگم کا ایک خریدار بنانا آپ پر ہمارا حق ہو گیا۔ اسے پورا نہ کیا تو دیکھنا یہ سب باتیں بھول جاؤ گے۔ یاد رکھو۔ اچھا خدا حافظ (ف۔ ۹)

بچوں کا صفحہ

اس مرتبہ ہم بچوں کے لکھے ہوئے مضامین کی گنجائش نہیں نکال سکے البتہ چھوٹے بچوں کے مذاق کے مطابق جنہیں غیر فطری باتیں حیرت سے سننے میں لطف آتا ہے ایک کہانی درج کرتے ہیں جو سید افتدار حسین صاحب بی اے کے تخیل کی ایک جھلک ہے۔ جسے انھوں نے "بگو میاں کے سفرنامے" کی شکل میں مرتب فرمایا ہے۔ اگرچہ اب تک ہم نے اس قسم کے قصوں اور بالکل ہی غیر فطری قصوں کے اندراج سے اجتناب کیا ہے۔ لیکن بہت چھوٹے بچے جو نانی اماں اور دادی اماں سے کہانیاں سننے کے مشتاق رہتے ہیں عموماً ایسی باتوں سے خوش ہوا کرتے ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ آیا فطرتاً وہ ایسا کرتے ہیں یا ہم نے ہی ایسی باتیں سنا سنا کر ان کو اس کا عادی بنا رکھا ہے۔ ہم ماہر نفسیات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس پر اپنے خیالات کا اظہار فرما کر ہمیں مرہون منت فرمائیں اور بچوں کی اس فطرت کے متعلق ہمیں کچھ روشنی دکھائیں۔

ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کے گھر میں اگر چھوٹے بچے ہیں تو آپ ان کی نانی اماں یا دادی اماں کے ذریعہ یا ان بچوں سے کچھ بڑے بہن بھائیوں کی زبان سے یہ سفرنامے انھیں سنوائیں اور دیکھیں کہ ان پر اس کا اثر کیا ہوتا ہے۔ ہم نے بھی بطور آزمائش لے

درج کیا ہے۔۔ بڑی عمر کے مرد سے خواہ وہ باپ ہو یا بھائی انہیں سنوانا چاہئے کیونکہ بچے عام طور سے ان سے مانوس نہیں ہوتے اور جو لطف انھیں بڑی بوڑھیوں یا اپنے ہم عمر ساتھیوں سے سننے میں آتا ہے وہ کسی دوسرے سے نہیں آتا۔

ٹلو میاں کا سفرنامہ

(سید اقتدار حسین صاحب بی۔ اے۔ دہلی)

تاریخی اعتبار سے بلبلی نگر کی کیا اہمیت ہے۔ یہ شاید کسی کو معلوم ہو۔ ہزاروں سال قبل کی باتوں کا پتہ ٹلو میاں کے سفرنامہ سے چلتا ہے جو انھوں نے خود وہاں جاکر دیکھی ہیں۔ سچ یا جھوٹ اس کی ذمہ داری تو ٹلو میاں کے سر ہے۔ میں تو انھی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور سنائی ہوئی باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ٹلو میاں کا بیان ہے کہ دادا جان نے بلبلی نگر کے بارے میں چند ایسی باتیں بیان کیں تھیں جن کو سن کر میرے دل میں یہ خواہش اور تمنا پیدا ہوئی کہ میں بھی بلبلی نگر ضرور دیکھوں۔ آخر یہ تمنا اس وقت پوری ہوئی جب میں خود سات پوتوں کا دادا بن گیا اور ایک دن سفر کے لئے کمر کس ہی لی۔ چنانچہ جب میں بلبلی نگر کی سرحد کے قریب آیا تو کھنڈرات دکھائی دینے لگے۔ بالو کے بنے ہوئے حسین ترین محل اور ان کی برجیاں اب بھی موجود تھیں۔ صبح کا وقت گذر چکا تھا اور میری گھڑی میں دن کے بارہ بج رہے تھے۔ آسمان پر چاند اور تاروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ سامنے بہت بڑا دریا خراٹے لے رہا تھا۔ دریا کو پار کرنے کے بعد ہی شہر میں داخل ہو سکتے تھے۔ میں حیران تھا کہ کس طرح دریا کو پار کروں، اسی فکر میں گھنٹوں گذر گئے اور رات ہو گئی۔ آسمان پر سورج جگمگانے لگا۔ آخر مجھے دریا پر ریل آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں جلدی سے اس پر سوار ہو کر شہر کو چلا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے ملک میں ریلیں لوہے کی پٹریوں پر چلتی ہیں اور یہاں پانی کے اوپر۔ ڈرائیور کی جگہ بڑے بڑے سارس تھے جو اپنی چونچ سے انجن میں کوئلہ ڈالتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں شہر پہنچ گیا وہاں کے مردوں کا قد صرف چھ انچ اور عورتوں کا تقریباً گیارہ فٹ تھا۔ بڑے بڑے ہوٹل تھے۔ جہاں بلّیاں کھانا پکا رہی تھیں اور گدھے میز کرسیوں پر بیٹھے چھری اور کانٹے سے کھانا کھا رہے تھے۔ جب میرا گذر کھیتوں کی طرف ہوا تو میں نے دیکھا کہ بجائے آدمی یا بیل کے چوہے ہل چلا رہے ہیں۔ بلبلی نگر میں ہزاروں طرح کے جاندار موجود تھے۔ گھوڑے، بیل، شیر، ہاتھی، اونٹ یہ سب ہوا میں پرندوں کی طرح پرواز کر رہے تھے۔ اور پرندے زمین پر اچھل اچھل کر اور دوڑ دوڑ کر ادھر سے اُدھر گھوم رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اب بھی یہاں فوج تھی، شہر کی حفاظت کے لئے بری، بحری اور ہوائیہ فوج کے دستے موجود تھے۔ بری فوج کے سپاہی کھٹمل، بحری فوج کے مچھر اور ہوائی فوج میں چیلر تھے اور یہ سب اپنے اپنے محکمہ کی وردیاں پہن کر اپنی اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے۔ عورتیں دفتروں میں کام کرتی تھیں اور مرد گھر پر بچوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ مردوں کو کپڑے اور زیور کا بہت شوق تھا اور وہ مٹی اور دودھ کے بنے ہوئے موٹے موٹے کڑے اور اسی کے کانوں میں تُندے پہنتے تھے۔ ڈاڑھی اور مونچھ کا پتہ نہ تھا طرح طرح رنگ کے دلفریب لباس مردوں کے جسم پر زیب تن تھے۔ عورتیں مونچھ ڈاڑھی رکھنا فخر سمجھتی تھیں۔ عام طور سے سفید برف کے لباس پہن کر وہ دفتروں کو جاتی تھیں۔

ہاں خوب یاد آیا اقتدار صاحب! یہ بات تو بتانی بھولے ہی جا رہا تھا جو آپ نے سوال کرکے مجھے یاد دلادی کہ وہاں عورتیں نہیں بلکہ مرد بچے دیتے تھے۔

بلبلی نگر میں سولہ سال کی عمر تک لڑکیاں بالکل برہنہ رہتی ہیں اور لڑکے رنگین لباس پہن کر ناچ گانا سیکھتے ہیں۔ لڑکیاں عام طور سے کبڈی اور کرکٹ کھیلتی ہیں۔ چند دن بلبلی نگر کی تفریح کے بعد میرا گذر ایک ایسے غار کی طرف ہوا جہاں حکومت کا صدر دفتر تھا اور روزمرہ کے سارے کام اس غار میں پوشیدہ طور سے انجام دیئے جاتے تھے کھلے اور روشن میدانوں میں حکومت کے رازدارانہ کام انجام پاتے تھے اگر کسی چور کو چوری کرتے وقت پکڑ لیا جاتا تھا تو اسے دیوتا کی طرح پوجتے تھے۔ دودھ کی کوئی کمی نہ تھی۔ سارے نر دودھ دیتے تھے۔۔ شادی بیاہ کے موقع پر بلبلی نگر کے لوگ خوب نوحہ و بُکا کرتے تھے۔ اور جب کوئی مر جاتا تھا تو ناچ گانا بڑی دھوم سے کرتے تھے۔ بلبلی نگر میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ مچھلیاں درختوں پر اور بعض پرندے مثلاً عقاب مور شتر مرغ وغیرہ دریاؤں میں بسیرا لیتے ہیں۔

دس دن کی سیر و تفریح کے بعد میں دہلی آگیا۔ کافی دن ہو چکے ہیں پھر بھی بلبلی نگر کی یاد باقی ہے۔ سوچتا ہوں کہ میرے دودھ کے دانت ٹوٹ لیں ☆☆

☆☆ تو ایکبار پھر بلبلی نگر کا رُخ کروں۔ اچھا تو اجازت دیں۔ اس وقت میری طبیعت سُست ہے کیونکہ بلبلی نگر میں ایک جھینگے نے میرے لات مار دی تھی ؞

کچھ ہُنر سیکھئے

جتنا محسن۔ خاموش یا ان چیزوں سے بے نیاز ہم نے اپنے ناظرین کو پایا اتنا کسی پرچے کے پڑھنے والے نہیں ہوں گے ہر پرچہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پڑھنے والے اس میں دلچسپی لیتے ہیں اور مفید باتیں جو درج کی جاتی ہیں ان پر بحث کرتے ہیں اعتراض لکھ بھیجتے ہیں۔ غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کے متعلق استفسار کرتے ہیں بلکہ اپنے تجربہ کی باتیں بھی لکھ کر بھیجتے ہیں۔ جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچے لیکن ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس حصّہ کو چھوتا تک نہیں اور جس طرح بہت سے جاندار کسی چیز کو محض سونگھ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ ان کے مطلب کی اور کھانے کی نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے ناظرین بھی بس عنوان کو دیکھ کر ہی ورق الٹ دیتے ہیں کہ یہ حصہ بے کار ہے۔ اور ان کے مطلب کا نہیں ہے "مرغی جان سے گئی اور کھانے والے کو مزہ بھی نہ آیا" والی مثل صادق آتی ہے۔ ہم تو نہایت محنت سے یہ حصہ مرتب کرتے ہیں لیکن اس سے فیضیاب ہونے والے اسکو خاطر ہی میں نہیں لاتے۔ اس وقت تک ہم جتنی باتیں اس عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو آپ آسانی سے معلوم کر سکیں گے کہ ان سے کس قدر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن کام کرنے کی ہمت طبیعت میں جوش ولولہ و شوق اور خواہش ہونی چاہیئے۔

اس مرتبہ ہم کھانے کی ایک مزیدار چیز کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہر شخص کھانا کھانے کے بعد جو عموماً نمکین ہوتا ہے منہ میٹھا کرنا چاہتا ہے۔ یعنی اس کی طبیعت میٹھی چیز کھانے کو چاہتی ہے۔ کیونکہ روح کی طبعی غذا مٹھاس ہے۔ کھانے کے ساتھ میٹھی چیز کھانے سے خواہ وہ گڑ کی ڈلی ہی کیوں نہ ہو غذا جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے مولی جو بہت دیر ہضم شے ہے گڑ کھا لینے سے بہت ہی جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مولی کی بھل اور بدبو کو طبیعت پسند نہیں کرتی۔ لیکن مٹھاس کھا لینے سے اسے قبول کر لیتی ہے۔

یہ بھی تجربہ میں آچکا ہے اور آپ اسے ذہن نشین کر لیجئے کہ اگر کھانے کے بعد یا اس سے پہلے یا اس کے درمیان میٹھا کھا لیا گیا ہو اور کسی سبب سے قے ہو جائے تو قے میں میٹھی چیز نہیں نکلے گی جب تک کہ قے بار بار ہو کر انتہائی حالت کو نہ پہنچ جائے اور سب کھایا پیا نہ نکل آئے۔ اس لئے کھانے کے بعد تھوڑا سا میٹھا ضرور کھا لینا چاہیئے کیونکہ یہ غذا کے ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن زیادتی ہر چیز کی نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس لئے زیادہ مٹھاس بھی تکلیف کا باعث ہوگا چنانچہ مربے کا استعمال زیادہ مفید ہوتا ہے کہ وہ دوا اور غذا دونوں کا کام دیتا ہے اور اس کی مٹھاس اور ذائقہ بھی بہت لطیف ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی فائدہ ہے کہ سب پھل اور میوے ہر موسم میں تازہ میسر نہیں آسکتے اس لئے وہ چاشنی کے ذریعے مربوں کی صورت میں مدت تک رکھے جاسکتے ہیں اور ان سے وہی فوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں جو ان کی پیداوار کے زمانے میں ہوتے ہیں۔ اس لئے اس مرتبہ

مُربّا بنانے کی ترکیب بتائی جاتی ہے۔

۱۔ **اجزاؤں کے وزن**۔ ایک سیر پھل کے لئے تین سیر چاشنی ہونی چاہیئے۔ یعنی اس قدر ہو کہ پھل اس میں ڈھکا رہے اگر چاشنی سے باہر رہے گا تو سوکھ جائے گا اور سڑ بھی جائے گا۔

اگر سیر بھر شکر (چینی) ہو تو اس میں چار پانچ سیر پانی ڈال کر پکانا چاہیئے پکتے پکتے جب چاشنی ایسے تار چھوڑنے لگے کہ فوراً سخت ہو جاتے تب قوام ٹھیک ہوگا۔ چاشنی میں انگلی ڈبو کر انگوٹھے سے چپکا کر دیکھا جاتا ہے مگر چپکاہٹ درست ہو تو چاشنی بھی ٹھیک ہوگی۔ (گرم چاشنی میں انگلی نہ ڈبو دینا)

۲۔ **مربّا ڈالنے کا طریقہ** (الف) جو پھل پکے ہوئے اور نرم ہوں یا جن کے اوپر کا چھلکا نرم ہو اور اندر رس بھرا ہو جیسے انگور۔ رس بھری۔ بیدانہ۔ جامن۔ شریفہ۔ نارنگی وغیرہ وغیرہ ان کو چاشنی میں ویسے ہی ڈال دیتے ہیں (البتہ گرد اور غلاظت سے صاف کرنے اور دھو کر پانی خشک کرنے کے بعد)

(ب) جن پھلوں کا چھلکا سخت اور اندر کا گودا دلدار ہو اور وہ بہنے والا نہ ہو جیسے قلمی آم۔ سیب۔ بہی۔ گاجر۔ شلغم۔ سنگھاڑا۔ آلو۔ انناس وغیرہ۔ ان کو چھیل کر اور پھانکیں بنا کر چاشنی میں چھوڑتے ہیں۔

(ج) جو پھل زیادہ سخت ہوں ان کو جوش دیکر اور نرم کر کے ڈالتے ہیں۔ مثلاً سیب بہی۔ ہلیلہ۔ آلو۔ سنگھاڑا۔ سونٹھ وغیرہ (یعنی جو ب) میں اوپر آچکے ہیں لیکن نسبتاً زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

(د) جو پھل چھیلنے سے بکھر جانے والے ہوں۔ ان کو گھی میں تل کر اور پونچھ کر بھر ڈالتے ہیں۔ جیسے گھی کوار پیٹھا وغیرہ

(ہ) جس پھل کا جسم سخت ہو یا گودا دریان دلدار ہو اسے کانٹے سے گود کر

چاشنی میں ڈالو مثلاً سیب ۔ بہی ۔ آملہ ۔ پیٹھا ۔ بیر وغیرہ

مندرجہ بالا ب ۔ ج ۔ د ۔ و میں جو طریقے بتائے گئے ہیں ۔ ان کے انتخاب میں آپ کے اپنے فیصلہ اور سب سے تجربہ کار جاننے والوں کے مشورہ کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔

۳ ۔ مزید احتیاطیں : الف) جس پھل میں رطوبت زیادہ ہوگی اس کا مربا جلد خراب ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ اسکی رطوبت قوام کو پتلا کر دیتی ہے جیسے ناشپاتی ۔ شہتوت ۔ اناناس ۔ گنڈیری ۔ بانس ۔ کھیرا وغیرہ اس لئے ایسے پھلوں کو خاص گھی میں تل کر ڈالنا چاہیئے یا چاشنی بہت زیادہ سخت رکھنی چاہیئے (ب) شہد کا سخت قوام چاشنی کی نسبت زیادہ دیرپا ہو سکتا ہے ۔ (ج) مربے کے برتن کے منہ پر اگر گھی یا روغن بادام سے چکنا کپڑا باندھا ہوا ہو تو مربا جلد خراب نہیں ہوتا (د) اگر معمولی پانی کے پانچ چھ حصہ کا کشید کیا ہوا پانی ڈال کر یا عرق سونف یا گاؤزبان سے چاشنی بنائی جائے تو بھی مربا بہت دنوں تک ٹھیک رہتا ہے۔

مربا ڈالنے کے یہ عام طریقے ہیں جو بتائے گئے ہیں ۔ لیکن ہر پھل کا مربا ڈالنے میں کچھ علیحدہ علیحدہ کاروائی بھی کرنی پڑتی ہے جسے ان مخصوص پھلوں کے مربا ڈالنے کے ذکر میں بیان کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا ۔ کیونکہ ہر ایک کے لئے ایک ہی قسم کا عمل نہیں کیا جاتا ۔ اوپر جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ تو ہر قسم کے مربے کے لئے مشترک ہیں ۔ آپ ان چیزوں کو اہمیت دیں یا نہ دیں لیکن جس طرح ہر شخص ہوٹل سے اپنے گھر والوں کے کھانے کا انتظام نہیں کر سکتا اسی طرح ہر گھر والے بازار سے اچار مربے چٹنیاں وغیرہ نہیں منگا سکتے ۔ ان کا گھر میں ڈالنا ضرور آنا چاہیئے ممکن ہے کہ ابتدا میں نقصان رہے اور کچھ دنوں کے بعد مربا یا اچار خراب ہو جائے اسے پھپھوندی لگ جائے یا سڑ جائے لیکن دو چار مرتبہ کی مشق کے بعد یہ چیز نہایت نفع بخش ثابت ہوگی ۔ ان چیزوں کی موجودگی گھر کے کھانے کے بجٹ پر بہت اثر انداز ہوتی ہے اور اس میں بہت کمی ہو جاتی ہے اور لذیذ اور نفع بخش چیز کھانے کو علیحدہ ملتی ہے ۔ گھر کے ڈالے ہوئے مربے اور اچار بازار کی نسبت بہت کم خرچ میں تیار ہو جاتے ہیں اور مشق ہو جانے کے بعد بازار سے زیادہ لذیذ اور بہتر ہوتے ہیں ۔ کھانے پینے کی چیزوں کو سلیقہ سے تیار کرنا اور ان کو احتیاط سے رکھنا عورتوں کی تعلیم کا اہم جزو ہونا چاہیئے ۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے زمانہ خود بتادے گا کہ ہم کیا کہتے تھے ۔ اگر آپ کو گھر بسا کر رہنا ہے اور خانہ بدوشی کی زندگی اختیار نہیں کرنی ہے اور اولاد کو اور گھر کے انتظام کو ملازمین کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا ہے تو ان باتوں کی طرف توجہ کیجئے اور عورتوں کو ان سب چیزوں کی تعلیم دیجئے زمانہ بہت نازک آ رہا ہے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ۔

جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے ضروری ہیں ۔ پتہ خوشخط لکھئے ۔ ڈاک خانہ کا نام انگریزی میں بھی ہو تو اچھا ہے ۔

تنقید و تبصرے

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

سال بھر کے قریب ہوا ہم نے جولائی و اگست ۱۹۵۵ء کے سنگم میں دہلی کے ایک ہفتہ وار پرچے پر دلگیر اس کی فرمائش کے بے لاگ تبصرہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں اس کی جس قدر تعریف ہم نے کی تھی اس کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ ہم نے اب بھی پورا حق ادا نہیں کیا ۔ وہ نہ صرف دہلی کا بلکہ پورے ہندوستان کا اردو میں سب سے بہتر اور نہایت قابل تعریف پرچہ ظاہر کیا گیا تھا ۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی بھر میں اس سے بہتر کوئی دوسرا پرچہ اردو میں آج تک نہیں دیکھا ۔ اس کا نام ہفت روزہ آئینہ تھا جو ماہنامہ شمع کے دفتر سے نہایت سلیقہ اور حسن مذاق سے نکالا جاتا تھا ۔ یہ ماہنامہ سنگم کے دوگنے سائز پر تھا ۔ اس کے ۴۰ صفحات ہوتے تھے ۔ ہر صفحے میں ۳ کالم اور ہر کالم میں ۵۱ سطریں ۔ یہ نہایت شاندار باتصویر پرچہ تھا ۔ اس کا ایک ایک حرف بلاک سے چھپتا تھا ۔ ایک پرچہ کی قیمت چھ آنے اور سال بھر کا چندہ سولہ روپے تھا ۔ سرورق کے تقریباً پورے صفحہ پر کسی مشہور عمارت یا منظر یا مفید صنعتی و زراعتی کام کی تصویر ہوتی تھی اور اندر پورے صفحہ پر کسی مشہور شاعر ادیب یا فن کار کی شبیہ ہوتی تھی جس کے نیچے اس کی زندگی کے نمایاں پہلو اس طرح درج کئے جاتے تھے کہ دریا کوزہ میں بند نظر آتا تھا ۔ اسی طرح مختلف قیمتی مضامین ہوتے تھے جو سب کے سب باتصویر اور لکھنے والوں کی تحقیق اور کاوش اور پوری محنت کے ضامن ہوتے تھے ۔ ہفتہ بھر کے نہایت اہم واقعات جن کا کسی شخصیت سے یا کسی واقعہ سے تعلق ہوتا تھا تصویروں کے ذریعہ بتائے جاتے تھے ۔ تاریخی عمارات کی اہمیت اور ان کے شہروں کے حالات نہایت دل گداز پیرایہ میں درج ہوتے تھے ۔ متعدد کارٹونوں سے سلیقہ سنجیدگی ، شائستگی اور فہم و فراست کا پتہ چلتا تھا اور جس طریقے سے واقعات حاضرہ پر دلالت کرتے تھے وہ صرف " آئینہ " کا ہی حصہ تھے ۔ فنون لطیفہ کی اصلیت سمجھنے کے لئے اس کے اس حصہ کا مطالعہ ناگزیر تھا ۔ " دنیا کی تازہ ترین خبریں کیمرے کی نظر سے . . . " کا مفہوم تو آپ سمجھتے ہیں اس کیلئے ایک اور عنوان بھی ساتھ ہوتا تھا یعنی " آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے . . . " گویا خبریں بھی پڑھئے اور ان کی تصاویر بھی ملاحظہ فرمائیے ۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کتنی محنت اور دوڑ دھوپ اور حسن انتظام کی ضرورت ہے ۔ پھر روانی افسانے

بھی پرچہ خالی نہیں ہوتا تھا جس کی جاذبیت و دل کشی آپ آسانی سے ذہن میں لا سکتے ہیں۔ قدیم رسم و رواج، صحت و صفائی، سیاسیات ملکی و ملّی کے علاوہ مختلف و بہترین کلام، بچوں کے لئے علیحدہ صفحہ جس میں اُن کی اپنی لکھی ہوئی کہانیاں، ہنسی مذاق کی باتیں، لطیفے وغیرہ نہایت عمدہ اور سبق آموز درج ہوتے تھے۔ پھر ایک سلسلہ باتصویر مسلسل کہانی کا بھی ہوتا تھا۔ انعامی سوالات بھی ہوتے تھے۔ فلمی خبروں کے لئے بھی ایک باتصویر صفحہ مخصوص تھا۔ غرض زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر قلم کی خونکاریاں اس میں نظر نہ آتی ہوں۔ چنانچہ یہ ہندوستان کا نہایت مقبول اردو پرچہ تھا اور اس کی مقبولیت میں دن رات اضافہ ہو رہا تھا لیکن افسوس اسے بھی نہایت ذلیل سازشوں کا شکار ہونا پڑا۔ حاسدوں نے اس کے خلاف صف آرائی کی اور انھیں اس کی ترقی ایک آنکھ نہ بھائی۔ اردو صحافت کے بعض علمبرداروں نے تو اسے اپنی راہ میں کانٹا سمجھا اور خود تو اس قابل تھے نہیں کہ اس کی تقلید کرتے۔ اس سے کچھ حاصل کرتے یا اس کی خوبیوں کو اپناتے۔ انھیں تو بس یہ فکر ہوئی کہ اس کے سامنے ہمارا چراغ نہیں روشن رہ سکتا۔ اس لئے اسے بجھانے میں اپنی پھونک بھی شامل کر دینی چاہئے، اور اُردو کے مخالفین کے لئے تو ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ نہایت ہی اہم تھا اور اس کا وجود انھیں زہر کا بجھا ہوا تیر کیوں نہ معلوم ہوتا جب کہ اس بات کی رٹ لگائی جا رہی ہو کہ "اردو تو کوئی زبان ہی نہیں" اور اس نظریے کے حامیوں میں بڑے بڑے ذمہ دار لوگوں کا ہاتھ ہو۔ غرض کہ اس سازش کا نتیجہ یہ نکلا کہ "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" اور بدفطرت لوگ یہ نہ سمجھے کہ جس درخت کے سایہ میں تمام دوپہر آرام و چین سے بسر ہوتی تھی اسی کی ڈالیوں کو کاٹنا نہ صرف دوسروں کے لئے بلکہ اپنے لئے بھی تکلیف کا باعث ہوگا۔ لیکن حسد کا اور انسانی فطرت کا بُرا ہو جس پر روشن قانہ آسانی سے ملا جا سکتا ہے اور جس سے وہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے خود مرتکب کو شرم و ندامت سے جھکنا پڑتا ہے۔ اور وہ آخرکار اپنی موت خود مر جاتا ہے۔

ہم نے جولائی اگست ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں ہی صاف صاف لکھ دیا تھا کہ "ہم ان سازشوں سے باخبر ہیں جو اس ادارے کو بدنام کرنے یا اسے نیچا دکھانے یا اسے مالی نقصان پہنچانے کی غرض سے کی جا رہی ہیں۔" اور ہم نے اپنے محسن حافظ محمد یوسف صاحب سے بطور نیاز مندانہ مشورہ کے عرض بھی کیا تھا کہ اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش فرمائیں اور پرچہ کو بند نہ ہونے دیں جس سے یارانِ شاطر کی منہ مانگی مراد بر آئے۔ لیکن افسوس صد افسوس باوجودیکہ حافظ صاحب موصوف نے جو پرچہ ہذا اور ادارۂ "شمع" کے مالک ہیں حتی المقدور کوشش کی اور ڈیڑھ لاکھ روپے کا خسارہ تک اٹھایا اور جب کہ اس کی اشاعت بھی ہزاروں کی تعداد تک پہنچ گئی تھی اور روزانہ بہت تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ مالکان کو یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ ۱۳ ؍فروری ۱۹۵۶ء کے آئینہ کا سرورق کھولتے ہی سامنے جو چیز نظر پڑی وہ ان کا نہایت دل شکن اور درد انگیز اعلان تھا کہ "آئینہ کی اشاعت بند کی جا رہی ہے" اور "زیرِ نظر شمارہ آئینہ کا آخری پرچہ ہے" نہ پوچھئے اس عنوان کے تحت جو عبارت چھوٹے میں درج تھی اسے پڑھ کر ہمارے قلب کی کیا حالت ہوئی اور ہم اپنا دل مسوس کر کس طرح بیٹھ گئے اور ہم پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا اور ہم نے یقین کر لیا کہ ملک کی بدنصیبی کی اس سے بدتر مثال مشکل سے ہی ملے گی اور شاعر کا یہ مصرعہ اسی موقعہ کی پیشین گوئی کے لئے کہا گیا ہوگا۔ کہ

"حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

مرحوم آئینہ کی پیدائش ۲۰ ؍جنوری ۱۹۵۵ء کی تھی اور ۱۳ ؍فروری ۱۹۵۶ء کو چھپن واں شمارہ نکلنے کے بعد وہ ہم سے رخصت ہو گیا جس طرح ایک حد سے زیادہ عزیز کے مرنے کے بعد یقین نہیں ہوا کرتا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے بلکہ دل یہی گواہی دیا کرتا ہے کہ عزیز مذکور ابھی اِدھر سے یا اُدھر سے نکل آئیگا اور ہم پھر اسے پہلے کی طرح دیکھ سکیں گے۔ اسی طرح آئینہ کے متعلق بھی خیال ہوتا ہے کہ وہ ضرور ہم تک پھر پہنچے گا۔ آنکھیں اس کے دیکھنے کو ترستی ہیں اور دل سے دعا نکل رہی ہے کہ خدایا آئینہ کی جدائی ہم سے عارضی ثابت ہو اور وہ پھر ہم سے آکر ملے آمین! خزاں کے بعد پھر بہار آتی ہے اور غنچے پھر چٹکنے لگتے ہیں۔ کاش یہی صورت اس چمن کی بھی ہو!! اللہ کو سب قدرت ہے!

بہر حال ہمیں خوشی ہے کہ رخصت ہونے والا اپنا رنگ ضرور جما گیا۔ اور یہ اثر خاص طور سے چھوڑ گیا کہ اردو صحافت کے میدان میں بھی حافظ محمد یوسف دہلوی، یونس دہلوی اور ادریس دہلوی جیسے سورما موجود ہیں جو نہایت سلیقہ اور قابلیت سے ہندوستان کے ہندی، بنگالی اور انگریزی پرچوں کا تو کیا ذکر مغربی ممالک کے اچھے سے اچھے پرچوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور انھوں نے آئینہ نکال کر عملی طور پر ثابت کر دکھایا کہ واقعی اردو صحافت میں ان کا تجربہ اس زبان کی تاریخ لکھنے والے کبھی نہ بھلا سکیں گے اور آئینہ کا نام اردو کے بہترین جرائد کی فہرست میں ہمیشہ ایک نمایاں (بلکہ اعلیٰ) مقام پر رہے گا۔"

ہفت روزہ عبرت

یہ ہفتہ واری پرچہ جناب جوہر صاحب غازی پوری کی ادارت میں نہایت آب و تاب سے کلکتہ اور ہوڑہ سے ہر اتوار کو بیک وقت شائع ہوتا ہے۔ یہ مغربی بنگال کا علمی، ادبی

اصلاحی اور اخلاقی صحیفہ ہے جو نہایت بے باک اور آزاد پالیسی کے تحت نکالا جاتا ہے۔ ایک پرچہ کی قیمت ڈیڑھ آنہ ہے۔

اس کے متعدد پرچے دیکھنے کے بعد ہم نے اس پر اپنی ناچیز رائے کے اظہار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن پہلے اُردو کے متعلق بھی کچھ سن لیجئے۔

یوں تو اردو ہندوستان میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ اترپردیش میں یہ سب سے زیادہ بولی لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اگرچہ یہاں کے وزیر اعلیٰ جناب سمپورنانند جی کا خیال یا دعویٰ ہے کہ "اُردو کوئی زبان ہی نہیں ہے" اور بیس بائیس لاکھ انسانوں نے جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں اور جو سب کے سب اترپردیش کے رہنے والے ہیں۔ ایک محضر نامہ پر دستخط کر کے ہندوستان کے مشہور نیشلسٹ مسلم اور ماہر تعلیم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور حال وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی قیادت میں ایک وفد کے ذریعہ ہند کے راشٹرپتی (پریذیڈنٹ) کی خدمت میں استدعا کی کہ اردو کو یو۔پی کی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے اس محضر نامہ کو پیش ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں۔ اگر یہ کسی الماری میں بند ہے تو یقیناً اس کے ورق بھی آپس میں چپک گئے ہوں گے۔ اس پر خاک جم کر اپنا اثر کر چکی ہوگی اور اگر یہ بغرض کارروائی اِدھر سے اُدھر گھوم رہا ہے — تو اس کے اوراق کی وہی حالت ہو چکی ہوگی جو ٹی بی کے مریض کی کسی میڈیکل کالج میں طلبہ کی مشقی جانچ اور تشخیص کی آزمائش کے کارن ہو جایا کرتی ہے تاہم ہمیں یقین ہے کہ اندرونی طور پر اس کے متعلق کچھ نہ کچھ تو ہو ضرور رہا ہے اور محضر نامہ والوں کی انتھک شرائی کے لئے ممکن ہے کہ کچھ نتیجہ بھی برآمد ہو جائے۔ لیکن یاد رکھئے کہ انگریز کے سکھائے ہوئے گُر آسانی سے بے اثر نہیں بن سکتے۔

سمپورنانند جی کو اگر اترپردیش کی گدی پر قائم رکھنا ہے تو ان کی مرضی کے خلاف کوئی حکم جاری نہیں ہو سکتا ورنہ سارا نظام حکومت درہم برہم ہونے کا احتمال بلکہ یقین ہے ان کو سمجھا بجھا کر نرم کرنے کی پالیسی پر عمل ہو رہا ہوگا جس کی وجہ سے اتنی تاخیر ہو رہی ہے۔ لیکن وہاں تو لچک پیدا ہوتی نظر نہیں آتی کیونکہ انھیں ضد ہو گئی ہے۔ وہ اتنے بے خبر اور اپنے صوبہ کی حالت سے بے بہرہ نہیں ہیں کہ یہ نہ جانتے ہوں کہ واقعی اترپردیش میں اردو کی کیا پوزیشن ہے۔ اس علم کے باوجود انھیں چونکہ یہ دُھن ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہندی ہی ہندی ہو جائے اور ہر شخص بلا تخصیص مذہب و ملت ہندی کو اپنا لے اس لئے جب تک انھیں یقین نہ ہو جائے کہ واقعی اب سب ہندی لکھنے پڑھنے لگ گئے ہیں اس وقت تک وہ اردو کیا کسی بھی دوسری زبان کو جاری رکھنا پسند نہیں کریں گے۔ اور چونکہ یو۔پی میں ہندی کے مقابلہ میں صرف اردو ہی سب سے زیادہ طاقتور حریف ان کو نظر آتی ہے اس لئے وہ جب تک دھینگا مُشتی سے کام نہیں لیں گے۔ ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ علاقائی زبان کا فتویٰ صادر ہو جانے سے اردو پنپنے لگے گی وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ ارے میاں عمال حکومت اندرونی احکامات اور پالیسی پر عمل کرتے ہیں وہ اوپر والوں کے تیور دیکھ کر بات کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ بات ہمارے قلم سے نہ نکلوائیے۔ ورنہ راز کی بات کا انکشاف ہو جانے سے بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بن جائے گا۔ جو بات ہم ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی ہمت اور کوشش سے جو کچھ کر سکتے ہو وہ خاموشی سے کرو۔ لڑنے جھگڑنے اور واویلا بکنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آپ شانتی اور صبر سے کام لیجئے اپنی عملی کوششیں جاری رکھئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے پھر دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

> سنگم میں جو تنقید و تبصرے درج ہوتے ہیں
> ان میں بہت کام کی باتیں ہوتی ہیں۔ آپ اس
> حصہ کو نظر انداز نہ کیجئے بلکہ اسے غور سے پڑھئے
> یہ باتیں دوسری جگہ مشکل سے ملیں گی۔
> (ادارہ)

اب بھی اس زبان کے باوجود کہ "اردو کوئی زبان نہیں" سب سے زیادہ اردو ہی کے اخبارات اور رسائل نکل رہے ہیں حتیٰ کہ پنجاب میں بھی جہاں صرف ہندی اور پنجابی ہی دو زبانیں مانی گئی ہیں اور خود غرض لوگوں نے یتیموں کے مال کو غصب کر لیا ہے اور دیوناگری اور گورمکھی کو زبردستی سب پر ٹھونس کر ہی اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا ہے۔ انھیں اردو میں سرکاری پرچہ نکالنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ آپس میں ہی دست و گریباں ہو کر مظلوموں اور بیکسوں کی آہ کا تماشا دیکھنا پڑا جن کے دل سے یہ صدا نکلتی رہتی ہے "جس نے میرے یار کو مجھ سے جدا کیا وہ بھی مراد اپنی نہ پائے خدا کرے"۔

ہم انھیں بڑا کیوں کہیں جو اردو کو بُرا بھی کہتے جاتے ہیں۔ لیکن اپنا پیٹ بھی اسی کے ذریعہ بھرتے ہیں۔ آپ تو بس یہ دیکھئے کہ اس سے آپ کے مقصد کو تقویت پہنچتی ہے یا نہیں۔ ہم تو خوش ہیں کہ وہ بگڑتے بھی ہیں اور ملتے بھی ہیں۔

اسکی وجہ اشاعت پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے ۔ آپ کو معلوم نہیں کہ پاکستان سے آئے ہوئے یہ چند حضرات جو زیادہ شورش برپا کرتے ہیں اب تک پاکستان کے نمک خوار ہیں ۔ انھیں سانبھر کا نمک پسند ہی نہیں آتا ۔ یہ ہندوستان کے سمندری ساحلوں کا تیار کیا ہوا نمک بھی نہیں کھانا چاہتے بلکہ چوری چوری منگوا کر ہندوستانی کے مقابلہ میں آٹھ دس گنا قیمت ادا کر کے پاکستانی پہاڑی نمک ہی کھاتے ہیں ۔ پاکستان کے نمک خوار اور ظاہری طور سے اس کے خلاف ! !

یو پی اور پنجاب کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی اردو کو بہت کافی مقبولیت حاصل ہے ۔ جیسا کہ ہم مدھیہ پردیش سے نکلنے والے اردو کے اخبارات و رسائل میں سے چند پر تبصرہ کرتے وقت اپنے خیالات ظاہر کر چکے ہیں یا آئندہ بھی کریں گے کیونکہ ابھی بہت سے پرچوں پر تبصرہ باقی ہے ۔

بنگال ایک بہت بڑا صوبہ ہے اور اس کی اپنی ایک علیحدہ زبان ہے جو نہایت ترقی یافتہ اور ملک کے بیش قیمت ادبی سرمایہ کی حامل ہے ۔ ملک کا مشہور قومی ترانہ ہمارے ماترم اسی زبان کا گیت ہے اور ہماری کے مشہور شاعر کالیداس کے مقابلہ میں بنگالی کا شاعر ٹیگور بھی کچھ کم شہرت کا مالک نہیں ہے ۔ بنگالی میں ادب کا اس قدر ذخیرہ ہے کہ نہ صرف ہندوستان کے بلکہ پاکستان کے بنگالیوں نے بھی اسے سرکاری زبان منوا کر چھوڑا اور اس کی اہمیت قائم رکھنے کے لئے خون کی ندیاں بہا ڈالیں ۔ جو لوگ اردو کو پاکستانی زبان بتاتے ہیں انھیں پاکستانی بنگال کی اس جد و جہد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے اور اس سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہیئے اور محض الزام تراشی اور بغض و کینہ پر شرمسار ہونا چاہیئے ۔

جس صوبہ کا یہ حال ہو کہ ان کا اپنا لٹریچر موجود ہو وہاں اردو کا سرکاری پرچہ نکلنا جس کا ذکر ہم ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۵ء کے سنگم میں تفصیل سے کر چکے ہیں کچھ معنی ضرور رکھتا ہے ۔ جس پر سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے اس کے علاوہ متعدد پرچے اردو میں اور نکلتے ہیں جن میں سے اس وقت ہم صرف ہفتہ وار عبرت کا ذکر کریں گے ۔

ہمیں سب سے زیادہ خوشی اس پرچہ کو پڑھ کر جو ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ نہایت آزادی اور بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے نہایت زور سے سینہ سپر ہو کر حق صحافت ادا کرتا ہے اردو کا خاص طور سے حامی اور اس چمن کا فرض شناس مالی ہے ۔ اس پرچہ کی ترتیب بھی سلیقہ سے کی جاتی ہے اور اپنے پڑھنے والوں کے مذاق کا پورا خیال رکھا جاتا ہے ۔ اس کا پہلا صفحہ جو سرورق بھی ہوتا ہے کسی نہ کسی ذمہ دار افسر، حاکم یا وزیر یا ایڈیٹر یا جماعت کو مخاطب کر کے اس کی کسی فروگذاشت یا اس کے کسی فرض کی طرف متوجہ کرتا ہے اور فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت کا کام دیتا ہے ۔ ادبی مضامین ۔ اچھے لکھنے والوں کے قلم سے افسانے ۔ منجھے ہوئے شعرا کا کلام ۔ ظریف طبع لوگوں کے لطیفے اور چٹکلے ۔ پہیلیاں ۔ علمی معمے ۔ نوآموز شعرا کے کلام یا ادیبوں کے مضامین پر تنقید زیر عنوان "ادبی جائزے"۔ مذہبی مسائل پر عام فہم الفاظ میں مفید مضامین ، کچھ فلمی خبریں اور تنقیدی تبصرے وغیرہ اس پرچے کی چند خصوصیات کہی جا سکتی ہیں ۔ عام طور سے یہ پرچہ $\frac{18 \times 22}{4}$ کے سائز پر ۲۴ صفحات کا ہوتا ہے ۔ پھر اس کے متعدد خاص نمبر بھی نکلتے ہیں جو تقریباً معمولی ضخامت سے دو ڈھائی گنا ہوتے ہیں ، اور اُن مواقع کے لحاظ سے اس میں خاص مضامین اہل الرائے اور اہل قلم کی دماغ سوزی اور کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔ یکم جنوری ۱۹۵۶ء سے اسکی ستائیسویں جلد شروع ہوتی ہے جس سے اس کی عمر بلکہ اس کی مقبولیت کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

سب سے زیادہ قابل تذکرہ بات جو اس میں نظر آئی وہ اس کی غیر فرقہ وارانہ پالیسی ہے ۔ اس وجہ سے اس میں ہندو اصحاب کے بھی بہت سلجھے ہوئے خیالات پڑھنے میں آتے ہیں مثلاً سکے ۲۱ مئی ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں (جو عید نمبر ہے) بہن کملا دیوی کا مضمون "حضرت محمدؐ کے انمول کارنامے" جو نہایت محبت اور پریم سے لکھا گیا ہے ان کی عقیدت و معقولیت کو ظاہر کرتا ہے ۔ وہ لکھتی ہیں کہ "میں نے ہندی پاٹ شالہ میں تعلیم حاصل کی ہے اس لئے میں اچھے طور پر اردو زبان میں مضمون نہیں لکھ سکتی ۔ پرارتھنا کرتی ہوں کہ اس مجبوری کو شما کیجئے "۔

نفس مضمون کے شروع میں فرماتی ہیں "میں حضرت محمد صاحب کی زندگی کے حالات کو بہت ہی شوق سے پڑھتی ہوں ۔ کیونکہ اس کے پڑھنے سے میرے دل کو ایک سکون حاصل ہوتی ہے ۔ میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ حضرت محمد صاحب دنیا کے بہترین ریفارمر ہیں ۔ آپ کی لائف میں کوئی سمجھدار آدمی ایسا عیب نہیں بتا سکتا جو اعلیٰ انسانیت کے معیار سے گرا ہوا ہو ۔"

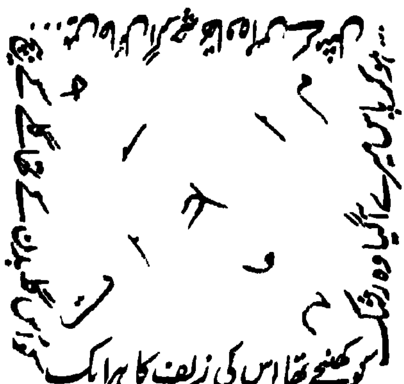
غریبوں کے ساتھ حسن سلوک ، اُن سے محبت اور عزت سے پیش آنا ، دشمنوں سے بدلہ نہ لینا بلکہ معاف کر دینا ۔ اچھوتوں کو ذلت اور تکلیف سے نجات دلانا اور عورتوں کو جاہل عربوں کے ظلم سے بچانا وغیرہ وغیرہ ہر چیز کو مختصر الفاظ میں نہایت خوبی سے پیش کر کے آنحضرت صلعم کے انمول

کارناموں کو گنوایا ہے۔ موصوفہ کے متعلق لکھتی ہیں کہ "حضرت محمد صاحب نے سب سے پہلے اس وحشیانہ قتل کو (یعنی جاہل عرب اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے) روکا اور پھر عورتوں کا ان کے ماں باپ بھائی اور دھرم پتی کے مال میں ان کا حصہ مقرر کیا۔ یہ حضرت محمد صاحب کا ایسا روشن کارنامہ ہے کہ کسی ریفارمر کی زندگی میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔" آخر میں لکھتی ہیں کہ "جب آپ ان کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اتنا سندر شکتیمان رشی اس دنیا میں کوئی دوسرا پیدا نہیں کیا گیا۔ بولو! شری محمد صاحب کی جے!!"

۱۵ اپریل ۱۹۵۶ء کا پرچہ پہلی بار ہمیں عبرت سے روشناس کرنے کا باعث ہوا۔ اس کا آخری صفحہ دیکھ کر نہ پوچھئے ہماری کیا حالت ہوئی بچپن کا سارا زمانہ بجلی کی طرح آنکھوں کے سامنے آگیا۔

چالیس سال کے قریب ہوتے ہیں کہ ہمارے وطن پانی پت میں حضرت مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاؒ کی درگاہ کے متعلقہ اور متصل احاطہ میں اس انجمن کا دفتر قائم کیا گیا تھا جو شہر کے اور بالخصوص محلہ مخدوم کے زادگان کے مسلمان بچوں میں علمی ذوق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی گئی تھی اور جس کے سرپرست اور نگراں محلہ کے بزرگ حاجی کریم عطا صاحب تھے جو در اصل اس بزم کے بانی اور روح رواں تھے۔ ہم ان دنوں انجمن حمایت اسلام لاہور کے اسلامیہ ہائی اسکول واقع شیرانوالہ دروازہ میں پڑھتے تھے۔ چھٹیوں میں وطن آنا ہوا تو اپنی ننھیال بھی گئے جو اسی محلہ میں تھی (ہماری نانی مرحومہ حضرت مخدوم صاحب کی اولاد میں تھیں) درگاہ میں فاتحہ پڑھنے کے بعد جب اس احاطہ میں پہنچے جہاں اس انجمن کا دفتر تھا اور جو بزم سخن یا بزم ادب کے نام سے موسوم تھی۔ (صحیح نام اس وقت یاد نہیں آرہا) تو ہم نے ایک نئے سے میٹرے کمرے کے دروازہ پر اس بزم کا بورڈ لگا دیکھا۔ ہم بلا تامل اندر داخل ہوگئے تو عجیب سماں نظر آیا جس نے دل پر بہت اچھا اثر پیدا کیا اور ایک پائدار نقش کندہ ہوگیا جو اب تک ذہن میں محفوظ ہے اور جب اس کا خیال آتا ہے تو دل کی حالت یہ ہوتی ہے کہ "تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں" اور ان صورتوں کے دیکھنے کو دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ وہاں بچوں اور بڑوں کی ٹولیاں الگ الگ مطالعہ میں مشغول تھیں۔ بعض ایک دوسرے سے علمی بحث میں مصروف تھے۔ کوئی خطاطی کی مشق میں مبتلا تھا۔ کوئی ڈرائنگ کے بہترین نمونے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی علمی معمے حل کر رہا تھا چنانچہ سب سے زیادہ جس چیز نے ہماری توجہ اپنی طرف جذب کی وہ وہ معمّا تھا جو ۱۵ اپریل ۱۹۵۶ء کے عبرت کے آخری صفحہ پر درج ہے اور جسے دیکھ کر ہمیں اپنی زندگی کے چالیس سال پہلے کا سماں یاد آگیا اور ہم بیتاب ہوگئے۔ کیونکہ وہ معمہ وہاں نہایت خوشخط لکھا ہوا چوکھٹے کی شکل میں دیوار کے ساتھ آویزاں تھا معلوم نہیں عبرت میں اس معمہ کا حل کسی نے بھیجا یا نہیں کیونکہ ہمیں تو بعد کے متعدد پرچوں میں بسیار تلاش کے بعد بھی اس کا جواب نظر نہیں آیا۔

لیکن جو قطعہ[1] اس میں درج کیا گیا ہے اس کے بعض مصرعوں کے الفاظ اس سے بالکل مختلف ہیں جو ہم نے اس بزم کے آئینے میں دیکھے تھے ہم اسے وہاں کے الفاظ درج کر کے اپنے ناظرین سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ اس کا جواب ہمیں لکھ کر بھیجیں ورنہ اگلے پرچہ میں ہم خود بتا دیں گے۔



بنگال جیسے علاقہ میں اردو کے پرچوں کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ملک میں اس کی کیا پوزیشن ہے۔ آپ اردو کے اگر سچے خادم ہیں تو اپنا کام کئے جائیے اور اپنے مقصد کی تکمیل میں خاموشی سے لگے رہیے کامیابی خود بخود آپ کے قدم چومے گی۔ بحث و مباحثہ اور الجھنے کا نہ یہ زمانہ ہے اور نہ ملک کی موجودہ فضا اس کے لئے مفید ہے "ایک چپ سو کو ہرائے" ہاں اگر آپ کا ایمان ہو تو پھر آپ تماشہ دیکھئے۔

ہم جناب جوہر صاحب غازی پوری اور ان کے رفقائے کار کو ایک بہت اچھا پرچہ نہایت کامیابی اور مستقل مزاجی سے نکالنے پر دلی مبارکباد دیتے ہیں یقین ہے کہ حامیان اردو ان کا ہاتھ بٹانے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کامیابی کے ساتھ استقلال کی مزید توفیق عطا فرمائے آمین۔

(ف۔ا)

---

[1] یعنی ذیل میں مربع کی شکل میں ایک قطعہ درج کیا گیا ہے اسے لکھ کر بتائیے کہ کیا ہے۔

اچھی کتابیں پڑھا کیجئے

آپ کا کتب خانہ ان کتابوں سے خالی نہیں رہنا چاہیئے

سنگم میں پاکستان اور ہندوستان کی بہترین کتابیں ہر وقت موجود رہتی ہیں جو ختم ہو جاتی ہیں ان کے آرڈر نوٹ کر لئے جاتے ہیں اور جلد منگانے کی کوشش کی جاتی ہے سنگم کی اپنی مطبوعات ہی آپ کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں اور آپ کے مذاق کا معیار بلند کر سکتی ہیں کوئی کتاب خراب نکلے تو واپس کی جا سکتی ہے۔ جن کتابوں پر X بنا ہوا ہے وہ اگرچہ مطبوعات سنگم نہیں ہیں لیکن ہماری مطبوعات کا درجہ رکھتی ہیں۔ جو مطبوعات سنگم ختم ہو چکی ہیں ان کا اندراج نہیں کیا گیا۔

سب کتابیں سنگم کتاب گھر اردو بازار۔ دہلی سے ملیں گی۔

پارہ عم شمسی قرآن پاک کا آخری پارہ عم مع سورہ فاتحہ کے کتابی سائز پر نہایت عمدہ سفید کاغذ پر شائع کیا گیا ہے جو مترجم ہے۔ اور حکیم الامت حضرت علامہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ ہے۔ شان نزول خواص، فضائل، تشریح آیات موضح القرآن۔ تفسیر حقانی، تفسیر بیان القرآن تفسیر مواہب الرحمن سے ماخوذ ہیں ٹائٹیل نہایت خوبصورت ہے لکھائی، چھپائی، کاغذ سب نہایت عمدہ ہیں۔ ۹۶ صفحات قیمت ایک روپیہ (عہ)

نکات قرآن مولانا محمد اسلم جیراجپوری نے قرآن کریم کے سینکڑوں نکتے بطور سوال و جواب درج کئے ہیں سوال بھی سورۃ وار قرآن میں سے کئے گئے ہیں اور جواب بھی قرآن سے دئے گئے ہیں۔ پڑھنے اور غور کرنے کے متعلق نہایت اہم کتاب ہے قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

مآل بصیرت مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی کی نہایت عالمانہ اور مفکرانہ تصنیف، اسلامی اہم مسائل پر غائرانہ نظر، ہر عنوان کے لئے غور و فکر کی دعوت، مقدمہ کے بعد فدیہ، حکمت، اُمّی، تزکیہ، مقام مسلمان، آدم، عبد۔ مشرک، اجنبی، وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل بحث۔ نہایت غور و فکر اور گہرے مطالعہ کے بعد مرتب کی گئی ہے اور قرآن پاک سے ہر امر کا ثبوت پیش کیا گیا ہے عمدہ سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہے قیمت مجلد دو روپے چار آنے

سیرۃ قرآنیہ محمد رسول اللہ صلعم مصنفہ الحاج مولوی محمد اجمل خان صاحب ایم اے۔ پرائیویٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد۔ رسول مقبول کی ہر بات، ہر قول و فعل۔ ہر غزوہ آیات کلام اللہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ اس وجہ سے سیرۃ قرآنیہ نام رکھا گیا ہے۔ سالہا سال کی دماغ سوزی اور فکر و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ پونے تین سو صفحات۔ مجلد قیمت تین روپے آٹھ آنے ۳؍

مشکلات قرآن کا انقلابی حل یہ بھی اجمل خان صاحب کی تصنیف ہے۔ اس میں اسلام اور قرآن کا پس منظر دکھایا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی اصل ترتیب نزولی ہے جس کے بعد کوئی مشکل قرآن سمجھنے میں باقی نہیں رہتی اور نہ سیرۃ نبوی بغیر اس ترتیب کے صحیح طور پر سمجھ میں آسکتی ہے۔ صفحات ۸۸ قیمت ایک روپیہ

بیان انقلاب سورہ فاتحہ کی انقلابی تشریح۔ قرآن کی ترتیب پر بحث نزولی، رسولی، مصحف عثمانی کی ترتیب کے نتائج پر بحث۔ مکی قرآن کا پس منظر مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے خیالات کا عکس۔ علماء کے مطالعہ کے لئے غور و فکر کی چیز ۸۰ صفحات قیمت ایک روپیہ

اعلان انقلاب اجمل خان صاحب کی تصنیف سورۃ ولی اول کا انقلابی پیغام صفحات قیمت ۱۲؍

پیارے نبی بچوں کیلئے پیارے نبی کے حالات جو کسی تعریف کے محتاج نہیں قیمت دو آنے

حبیب خدا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بصیرت افروز حالات پر ایک عمدہ کتاب جو ہر عمر کے مرد و عورت کے لئے مرتب کی گئی ہے اور جو تحفہ کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ قیمت دو روپے

چار ستارے خلفائے اربعہ کے حالات زندگی پڑھنے سے رسول مقبول کی سچی تعلیم کا صحیح نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور اسلام کا صحیح مقصد آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ

خواتین مصنفہ مولانا اسلم صاحب جیراجپوری جس میں ۳۳ مشہور اسلامی خواتین کی سوانح عمریاں اور ان کے مستند تاریخی حالات درج ہیں یعنی ۸ صحابیات، ۴ صالحات، ۸ ابیگمات اور تین عالمات کے ۲۴۸ صفحات عمدہ سفید کاغذ قیمت مجلد ساڑھے چار روپیہ

حکایات گاندھی ہندوستان کے مشہور اہل قلم و ماہر تعلیم جناب

حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی نے گاندھی جی کی زندگی کے بعض واقعات جو نہایت دلچسپ ہیں اور سبق آموز بھی اس کتاب میں جمع کئے ہیں۔ گاندھی جی کے دو فوٹو بلاک بھی ہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب نہایت عمدہ قیمت صرف آٹھ آنے

مکانوں کی کہانی یہ بھی حامد اللہ صاحب افسر کی تصنیف ہے اسمیں بچوں کو سمجھانے کے لئے نہایت آسان پیرایہ میں بتایا گیا ہے کہ انسان شروع میں کیسے رہتا تھا۔ درختوں پر، غاروں میں، جھونپڑیوں میں وغیرہ وغیرہ اور پھر آخر کار عالی شان کئی کئی منزلہ مکانوں میں رہنے لگا۔ قیمت ۸؍

کے بجے ہیں؟ جب دنیا میں کوئی گھڑی نہ تھی — ایک بھی نہیں — نہ اسپرنگ سے چلنے والی، نہ لنگر سے چلنے والی۔ تو لوگ وقت کیسے معلوم کرتے تھے؟ جناب محمد انس صاحب ایم اے لکچرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے نہایت دلچسپ انداز میں گھڑی کی کہانی لکھی ہے جس میں پرانے وقتوں کی تمام اقسام کی گھڑیوں کا حال مع تصاویر کے درج کیا ہے اسی صفحات کی کتاب نہایت خوشنما ٹائٹل بہترین لکھائی چھپائی عمدہ سفید کاغذ قیمت صرف بارہ آنے

ماؤنٹ ایورسٹ حصہ اول اس مختصر سی کتاب میں جناب محمد امین صاحب ایم اے پروفیسر جغرافیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ان تمام مہمات کا ذکر کیا ہے۔ جو مختلف اوقات میں مختلف ممالک کی طرف سے کوہ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھنے کے سلسلے میں آج تک روانہ ہوئیں اور جن میں سیکڑوں قیمتی جانیں تلف ہوئیں قیمت ۵؍

ایورسٹ کی فتح یہ ماؤنٹ ایورسٹ کا دوسرا حصہ ہے اس میں اس مہم کا ذکر ہے جو آخر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئی اور جس نے بغیر کسی نقصان جان کے پہاڑ کی چوٹی کو سر کر کے دم لیا اور جس کے فاتحین پر تمام اطراف عالم سے بیشمار قیمتی تحائف و انعامات کی بارش ہوئی قیمت صرف چار آنے

سورج اور اس کا خاندان یہ بھی جناب محمد امین صاحب کی تصنیف ہے جس میں سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیاروں کا حال نہایت آسان اور دلچسپ پیرایہ میں بچوں کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے

مصنوعی بارش سائنس نے حال میں کس قدر ترقی کی ہے اس کا اندازہ آپ کو اس چھوٹے سے کتابچے سے ہو جائیگا جن ملکوں میں بارش نہیں ہوتی وہاں اب مصنوعی طریقے سے بارش کی جا سکتی ہے۔ بلکہ امریکہ سے لندن تک بادل بھیجے جا سکتے ہیں اور وہاں بارش کرائی جا سکتی ہے جس کے کامیاب تجربے ہو چکے ہیں۔ یہ بھی پروفیسر محمد امین صاحب کی تصنیف ہے قیمت صرف چھ آنے

دیوان غالب صاحب یہ غالب کا دیوان نہیں ہے بلکہ ایک صاحب کا نام ہے جو ہر بات غالب کے اشعار میں کرتے ہیں۔ ہر سوال کا جواب دیوان غالب کے اشعار سے دیتے ہیں اس لئے ان کا نام دیوان غالب صاحب ہو گیا۔ یہ کتاب ایک دلچسپ اور سبق آموز ڈرامائی شکل میں لکھی گئی ہے ہائی اسکول نے اسے پسند کیا ہے جامعہ ملیہ کے ایک بی اے کے طالب علم شاہ فیاض عالم ولی اللہی نے اسے مرتب کیا ہے قیمت صرف چھ آنے

امتحان یہ ڈرامہ مخترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرکزی حکومت نے مصنفہ کو اس پر انعام دیا ہے اور مختلف کتب خانوں کے لئے ایک ہزار نسخے خریدے ہیں۔ قیمت صرف نو آنے

بنیادی حق یہ بھی صالحہ عابد حسین کا لکھا ہوا ڈرامہ ہے اور موجودہ روشنی کے زمانہ میں ایک اہم ضرورت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ قیمت صرف دس آنے

چور لڑکا جامعہ کے مشہور استاد عبد الغفار صاحب مدھولی کا نہایت سبق آموز اور اصلاحی ڈرامہ کہ ایک بچہ کی چوری کی عادت کیسے چھڑائی گئی۔ ہر مدرسہ میں مقبولیت کی نظر سے دیکھا گیا تھا۔

جھوٹا لڑکا یہ بھی عبد الغفار صاحب کا لکھا ہوا ڈرامہ ہے جس میں لڑکے سے جھوٹ بولنے کی عادت ترک کرانیکا اصلاحی طریقہ دکھایا گیا ہے قیمت صرف چار آنے

چند دیگر مطبوعات سنگم (جن کی تفصیل بوجہ عدم گنجائش نہیں دی جا سکی)

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
اسلامیات		× ریڈیو مرمت	۵؍
قاعدہ قرآنی ۶؍	سائنکرام	زندگی کا رخ	[illegible]
		سبزی کی کاشت	[illegible]
پارہ عم آخری پیج ۵؍	”	× زہروں کا علاج	۸؍
پارہ عم معری ۵؍	”	× مرغیوں کی پرورش	۶؍
پارہ تبارک الذی ۶؍	”	× بکریوں کی پرورش	۶؍
پارہ قد سمع اللہ ۶؍	”	× ضبط تولید	۸؍
تعلیمی معلومات و سائنس		فوری علاج کا چارٹ	۸؍
× بجلی کی مکمل کتاب	۵؍	× آدمی (رعایتی)	۶؍
ترقی کے راز	۸؍	**عام تعلیمی کھیل**	
جادو کی کتاب	۶؍	تعلیمی تاش انگریزی و اردو	[illegible]
× چھوٹے موٹے اور موٹے پتلا	[illegible]	” اردو	[illegible]
× ریڈیو بلڈر	[illegible]	” ہندی	[illegible]
		شری بھرتی و اخلاقی کھیل اردو ہندی	[illegible]

خواجہ ذکی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر۔ نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس اردو بازار دہلی میں طبع ہوا

چیف ایڈیٹر و نگراں :-
خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر :-
خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ)

ہمارا سنگم (دو ماہی)
جامعہ نگر - نئی دہلی

نرخ چندہ :-
سالانہ : ۲ روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ (دو ماہی) چالیس نئے پیسے
(وی پی نہیں بھیجا جائے گا)

پاکستان میں چندہ وصول کرنے کے مجاز :
(۱) ٹکنیکل و کمرشیل بک کمپنی، چوک دال گراں، ریلوے روڈ لاہور
(۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی، یوسفی ہاؤس، تین ہٹی کراچی

جلد ۳ | بابت ماہ ۳ نومبر / ۳۱ دسمبر مطابق یکم جمادی الاول / ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ و ۱۸ کارتک / ۱۶ پوہ سمبت ۲۰۱۶ بکرم / ۱۳۶۷ فصلی ۱۲ اگرہن / ۱۰ پوس سنہ ۱۸۸۱ شاکھا یوم سہ شنبہ / پنجشنبہ | شمارہ ۳

فہرست مضامین

(نوٹ) رسالہ ہذا میں صفحہ کے اوپر اس پرچہ کے صفحات کا نمبر ہے اور صفحہ کے نیچے اس جلد کے مسلسل صفحات کا نمبر ہے۔ فہرست ذیل میں پرچہ کے صفحات کا شمار ہے سرورق یعنی ٹائٹل کے صفحات کسی سلسلہ میں بھی شمار نہیں کئے گئے :-

ہر در پہ جو جھک جائے اُسے سر نہیں کہتے ... (بسمل سعیدی)

سر جس پہ نہ جھک جائے اُسے در نہیں کہتے
ہر در پہ جو جھک جائے اُسے سر نہیں کہتے

ہم اہلِ خرابات تنگ ظرف نہیں ہیں
لبریز نہ ہو جو اُسے ساغر نہیں کہتے

کعبہ میں مسلمان کو کہہ دیتے ہیں کافر
کافر کو بھی مے خانہ میں کافر نہیں کہتے

میخانہ کے باہر بھی وہ کہتے نہیں میخوار
جو بات کہ مے خانہ کے اندر نہیں کہتے

ہر بار نئے شوق سے ہے عرضِ تمنا
سو بار بھی کہنے پہ مکرر نہیں کہتے

کہتے ہیں محبت فقط اس راز کو بسمل
جس راز کو ہم اُن سے بھی اکثر نہیں کہتے

(منقول از ماہنامہ کردار نومارچ ۵۹ء جامعہ اسلامیہ منٹگمری (پاکستان))

رسالہ سنگم کے پچھلے پرچے

رسالہ سنگم کے مضامین اخباری خبروں کی طرح نہیں ہوتے کہ انہیں پڑھنے کے بعد ردی میں پھینک دیا جائے بلکہ ایک معیاری کتاب کا درجہ رکھتے ہیں ان میں بہت قیمتی معلومات ہوتی ہیں اسلئے آپ اس کی فائلوں کو محفوظ رکھئے۔ اگر گذشتہ سال کی مکمل فائل آپ کے پاس نہیں ہے تو صرف محصولڈاک بھیجکر منگا لیجئے۔ پورے سال بھر کے پرچے بذریعہ رجسٹری منگائیے۔ پچھلی دونوں جلدیں ڈیڑھ روپیہ آنے پر بذریعہ رجسٹری بھیجدی جائیں گی۔ پرچوں کی کوئی قیمت ہم نہیں لینگے بالکل مفت بھیجیں گے۔ (منیجر)

ظاہر میں پجاری چین کے ہیں ... (خان غازی کابلی)

ہیں خیر طلب امریکہ کے، ظاہر میں پجاری چین کے ہیں
ہم دونوں سے بے پروا ہیں اور دشمن ہر "بے دین" کے ہیں
اس دور میں موجیں اُنکی ہیں، اس دور میں چلتی اُن کی ہے
افیون پہ جن کی روزی ہے اور بیوپاری "کوکین" کے ہیں
سینوں میں کدورت ہے اُنکے ہونٹوں پہ صدائے امن و اماں
جنگوں کی اُدھر تیاری ہے سامان اِدھر تسکین کے ہیں
غازہ ملنے کی فکریں ہیں اوروں کے لہو سے رات اور دن
مغرب کی سیاست نے سوچے انداز نئے تزئین کے ہیں
خیبر شکنی کا نقشِ عمل سینوں میں بٹھایا ہے جس نے
اس شیرِ خدا کے یار ہیں ہم اور غازی لشکرِ دین کے ہیں
(روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۱۰ دسمبر ۱۹۵۹ء)

جواب کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا پندرہ نئے پیسے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے اپنا پتہ خوشخط اور صاف لکھئے، ڈاکخانہ کا صحیح نام انگریزی میں بھی لکھیئے

رفتار و گفتارِ سنگم

ہمارا مسلک

"ہمارا سنگم" کا یہ تیسرا شمارہ حاضر خدمت ہو رہا ہے۔ پہلے دو شمارے ایک ہی ٹائٹل میں جوڑ دئے گئے تھے جس کی وجہ بھی ظاہر کر دی گئی تھی۔ آپ نے اندازہ تو لگا لیا ہوگا کہ یہ پرچہ کس سلوک کا مستحق ہے، ہمارا خیال ہے کہ ملک کی عام فضا سے رفتہ رفتہ ہی راس آئیگی اور اگر یہ اپنے حقیقی ہمدرد ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا یا غیبی امداد اسکو نصیب ہو گئی تو ممکن ہے کہ یہ گھٹنیوں چلنے لگے کیونکہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر چلنا تو بہت مشکل ہے۔ اشاعت کم ہونے کی وجہ سے اشتہار بھی نہیں مل سکتے اور نہ ہمنے کبھی ان کے حاصل کرنے کی کوشش کی حالانکہ کثیر الاشاعت پرچے بھی بغیر اشتہارات کے اپنا خرچ پورا نہیں کر سکتے۔ یہ کسی پارٹی کا بھی پرچہ نہیں ہے کہ اس کی سرپرستی اس کے لئے امرت کا سامان بہم پہنچا سکتی۔ حکومت کی لغزشوں پر اسے آگاہ نہ کرنا بھی اس کے مسلک کے خلاف ہے یہ اپنوں کے لئے صراط مستقیم چاہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے بھٹکنے نہیں دینا چاہتا اس لئے اسکی باتیں کڑوا گھونٹ ضرور ہونگی لیکن ہم اسی کو اپنا حقیقی بہی خواہ سمجھتے ہیں جو ہماری تعریف کرنے کی بجائے ہماری غلطیوں سے ہمیں ہمیشہ آگاہ کرتا رہے اور وقت پر ٹوکتا رہے یہی ہم دوسروں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری گذارشات یا ہمارے خیالات کو بہی خواہی اور نیک نیتی پر محمول سمجھیں گے، اور ہماری جو بات انہیں ناگوار یا غلط معلوم ہو اس سے فوراً مطلع فرما کر ممنون فرمائیں گے ہم یقیناً نہایت ادب سے معافی مانگنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرینگے یا غلط فہمی دفع کرنیکی حتی المقدور کوشش کریں گے۔ اس کے سوا اگر ہمارے دل میں کوئی بھی بدگمانی یا کسی قسم کا بھی بغض و عناد ہو تو جیسی چاہو ہم سے قسم لے لو۔

گناہوں کی سزا

ملک کے بٹوارہ کی نحوست ابھی تک چلی جا رہی ہے۔ دہلی میں سترھویں کی مجالس میں قوالوں کی ایک ٹولی میلہ بچھڑ گیا" ایسے سوز و ساز سے گاتی ہے کہ تمام حاضرین و سامعین پر وجد اور سکتہ کا سا ایک عالم طاری ہو جاتا ہے اور ہم تو اپنی قلبی تکلیف کی حقیقت کا کسی طرح بھی صحیح طور سے اظہار نہیں کر سکتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کچھ تو اللہ کے مقبول بندے بٹوارہ کی نذر ہو گئے کچھ ہجرت کر کے میدان خالی کر گئے اور جو نہایت ہمت و استقلال سے جمے رہے انہیں اللہ میاں نے پے در پے اپنے یہاں بلانا شروع کر دیا۔ نہایت افسوس اور انتہائی رنج و غم کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس تھوڑے سے عرصہ میں کتنی مبارک ہستیاں جن سے ہم جیسے لاکھوں انسان روشنی اور فیض حاصل کرتے تھے ہم سے جدا کر لی گئیں اور اب ہم بالکل بے بس اور بے یار و مددگار رہ گئے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مصور فطرت خواجہ حسن نظامی، مجاہد اعظم مولانا حسرت موہانی وغیرہ کیسے کیسے اللہ کے مقبول بندے داغ مفارقت دے گئے! ان سے کسقدر دینی فضل اور تقویت قلب تھی وہ سب ختم ہو گئی۔ یہ سب ہمارے اعمال کی سزا ہے اور ہم قدر ناشناسوں کی انتہائی بدقسمتی کا ثبوت ہے۔

آہ! غریبوں کا سہارا مولانا احمد سعید رح

اب دلی کی آخری شمع بھی بجھ گئی اور سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب یکدم بغیر کچھ کہے سنے آناً فاناً میں "لبیک اللہم لبیک" کہتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! اب آپ لاکھ مضامین لکھا کیجئے لیکن گوہر مقصود تو ہاتھ آ نہیں سکتا۔ جس طرح ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم کا دستر خوان کبھی بھی کسی مہمان سے خالی نہیں رہا اسی طرح مولانا احمد سعید کا در فیض کسی لمحہ بھی حاجت مندوں کیلئے بند نہیں ملا۔ ان کے دل میں درد، ان کے ارادوں میں پختگی، ان کی زبان میں شیرینی، ان کے کردار میں ہمدردی اور ان کے اعمال میں خوف خدا ایک مستقل نعمت تھی جو باری تعالےٰ نے خاص طور سے انہیں عطا فرمائی تھی۔ ان کے بیان میں کسقدر لذت اور ان کے انداز میں کسقدر کشش تھی کہ سننے والے پر ایک خاص عالم محویت طاری ہو جاتا تھا اور وہ مسحور ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ مرتے دم تک وہ مخلوق خدا کے کام آتے رہے اور مصیبت زدوں کے لئے مضطرب اور بے چین رہے اور جہاں کسی نے جھوٹ موٹ سے بھی ذرا اپنی تکلیف کا اظہار کیا فوراً میدانِ عمل میں نکل کھڑے ہوئے اور اسکی مقصد برآری کرنے میں پوری مدد کی۔ قلب کی حرکت ایک دم بند ہو جانے سے وہ بتاریخ ۴ دسمبر ۱۹۵۹ء یوم جمعۃ المبارک بوقت ۴ بجے شام دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے، اور اگلے روز اپنے عمر بھر کے بزرگ ساتھی جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم کے پاس جہاں انہوں نے اپنی زندگی ہی میں آخری آرام گاہ تیار کرا رکھی تھی پہنچا دئے گئے۔ سدا نام رہے اللہ کا۔

مختلف قوموں کی اہم تاریخوں کا حساب

ملک الموت کا زبردست ہاتھ تو ہر وقت کہیں نہ کہیں اپنی قوت کا مظاہرہ کرتا ہی رہتا ہے، اور اسمیں نیک و بد یا بڑے چھوٹے کی کچھ تمیز نہیں لیکن بعض مہینے ایسے ہیں کہ ان میں چند اہم شخصیتیں ہم سے جدا ہو گئیں، صوفیائے کرام اور انبیائے عظام کے وصال کے لئے تو قمری مہینے مشہور ہیں ہندوں کے مذہبی پیشواؤں کے لئے ہندی مہینے مستعمل ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کے لئے عیسوی تاریخیں ہی اہم ہو سکتی ہیں لیکن اس کلیہ کے خلاف چونکہ ہندوستان میں سنہ عیسوی انگریز کے زمانہ سے رائج ہے اس لئے عیسائیوں کے علاوہ دوسری قومیں بھی عموماً اس

عیسوی سے ہی اپنی بہت سی اہم تاریخیں وابستہ کئے ہوئے ہیں مثلاً ۲۵ر دسمبر کو جبکہ عیسائی تمام دنیا میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا دن مناتے ہیں، پاکستان میں قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کا یوم پیدائش منایا جاتا ہے اور ہندوستان میں آج کل اسی روز پنڈت مدن موہن مالویہ وائس چانسلر ہندو یونیورسٹی کے جنم دن کی تقریبات نشر کی جاتی ہیں۔ رسالہ منادی دہلی بابت ماہ فروری ۱۹۵۱ء میں نسیم نظامی صاحب کے ایک مضمون میں صفحہ ۴۳ پر درج ہے کہ مصور فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی ولادت کی تاریخ بھی ۲۵ر دسمبر ہے لیکن صوفی بزرگوں میں ولادت کی نسبت وفات کے دن کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اسی لئے اتنی بڑی شخصیت کا یوم پیدائش ہمیں بھی معلوم نہیں تھا

جنم دن اور یوم وفات

ہم بھی جنم دن کی بجائے یوم وصال کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ علیگڑھ کالج میں یونیورسٹی قائم ہو جانے کے کئی سال بعد تک بھی سر سید کے یوم وفات پر قرآن خوانی اور جلسے وغیرہ کی کارروائی ہوا کرتی تھی لیکن دو چار سال سے وفات کی بجائے ان کا یوم پیدائش منایا جانے لگا مگر دونوں عیسائی تاریخوں کے حساب سے۔ لیکن یاد رکھیے عیسائیوں میں تو اسوجہ سے کرسمس کے دن کو اہمیت حاصل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق نہ صرف عیسائیوں کا بلکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ مصلوب نہیں کئے گئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور وہ پھر آئیں گے لہذا یوم وفات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مسلمانوں میں جناب پیغمبر آخر الزمان کے متعلق بارہ وفات کی تاریخ عام طور سے مشہور تھی بلکہ اب بھی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ رسول خداؐ کا وصال بارہ ربیع الاوّل کو ہوا نیز یہ بھی عام عقیدہ ہے کہ ان کی تاریخ پیدائش بھی بارہ ربیع الاوّل ہی ہے۔ لہذا ان دونوں دنوں یعنی پیدائش اور وفات کی ایک ہی تاریخ ہونے کی وجہ سے بارہ ربیع الاوّل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اب لوگوں نے اسکا نام میلاد النبی کر لیا ہے حالانکہ اکثر محققین کا خیال ہے کہ پیدائش ۹ ربیع الاوّل کو ہوئی تھی۔ گویا تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے لیکن تاریخ وصال میں کوئی اختلاف نہیں وہ ربیع الاوّل کی بارہ ہی ہے۔ تمام اولیائے کرام کے عرسوں کی سالانہ تقریبات دراصل تاریخ وفات ہی میں۔ بہت ہی کم مورخین ان کی تاریخ ولادت بتا سکتے ہیں، یہ جنم دن کا منایا جانا عیسائیوں یا ہندوؤں میں رائج تھا جسے اب مسلمان بھی اختیار کر چلے ہیں۔ آپ دور کیوں جائیں یہ تو بتلائیے کہ مہاتما گاندھی کے جنم دن اور ان کے یوم شہادت میں سے کس دن کو زیادہ اہمیت حاصل ہے قومی ملکی سیاسی، مذہبی اعتبار سے غور کیجئے کہ آپ کو ان کے پیدا ہونے کی خوشی ہے یا اس امر کا رنج ہے کہ انہوں نے وہ طریقہ اختیار کر کے جو کسی ملک اور کسی قوم نے بھی اختیار نہیں کیا تھا ہندوستان کو آزاد کرانے میں نہایت حیرت انگیز کامیابی حاصل کی لیکن خود اس کا پھل نہیں چکھ سکے اور چکھا تو یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر اور حکومت برطانیہ کی مہلک چال کو جو وہ نفاق کی صورت میں یہاں چھوڑ گئی تھی ختم کرنے کی جدوجہد میں اپنی جان قربان کر دی۔ وہ اگر زندہ رہتے تو ملک کے بٹوارہ سے تقسیم یا انتقال آبادی نے جو مسائل پیدا کر دئے ہیں ان کو حل کرا کر ہی دم لیتے اور عمر بھر کے لئے دلوں میں جو عناد اور کینہ پیدا ہو گیا ہے اسے ختم کراتے لہذا ان کے جنم دن کی بجائے اگر ان کی قربانی کے دن کو اہمیت دیکر جلسے کئے جاتے اور ان کے کاموں اور قربانیوں کا ذکر کر کے موجودہ پود کو خبردار کیا جاتا تو زیادہ مفید ہوتا۔ ہمیں حکومت کے علمبرداروں کے نقطۂ خیال پر سخت حیرت ہے کہ نہ معلوم کہ ان کے سوچنے کا کیا ڈھنگ ہے ارے بھائی! آپ کا باپ اگر بہت بڑی جائداد آپ کے لئے چھوڑ جائے آپ کے جانی دشمنوں سے آپ کو بچا جائے اور ان کے نرغہ سے آپ کو چھڑا کر آپ کو جائداد پر قابض کرا جائے اور دوسرے اور اہم کاموں کے سرانجام دینے میں محض آپ کی خاطر مصروف ہو لیکن اسی اثنا میں آپ کے بھائی بندوں میں سے ایک شخص بڑھ کر اسے جان سے مار ڈالے تو سچ بتائیے کہ آیا آپ کبھی بھی جرأت کریں گے کہ اس کی یاد میں جشن منائیں خوشیاں منائیں میلے کریں اور وہ جو دولت آپ کے لئے چھوڑ گیا ہے اسے خوب مزے لے لے کر صرف کریں؟ یہ عمل تو درکنار آپ کو تو ایسا خیال ظاہر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوگی اور آپ کو تو رہ رہ کر اس کی یاد ستائیگی آپ اس کے لئے خیرات کریں گے برسی منائیں گے نہ کہ اس کی سالگرہ، لیکن اگر آپ یہ جواب دیں کہ ۳۰ جنوری کو یعنی جس روز مہاتما گاندھی کا یہ حادثہ ہوا ہے ان کی سمادھی پر جا کر برسی کی تقریب تو منائی جاتی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انہوں نے دلّی والوں کے لئے یا مرکزی حکومت کے چند افراد کے لئے ہی اپنی زندگی بھر یہ تمام پاپڑ بیلے تھے؟ ہندوستان کے دوسرے شہروں میں اس روز کیا ہوتا ہے کیا کوئی چھٹی ہوتی ہے جسمیں جلسے وغیرہ کئے جائیں؟ یا کوئی کام بھی ایسا کیا جاتا ہے جس سے ان کے لئے دل میں تڑپ پیدا ہو اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی لگن پیدا ہو؟ لیکن نہیں، ہندو مسلم اتحاد کی جڑ پر ہی کلہاڑی چلائی گئی ہے اور غلط طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ بہرحال اسوقت تو اس ذکر سے یہ مطلب تھا کہ ہماری رائے میں جنم دن کی نسبت مرنے کے دن کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے بھی دیکھئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کر کے ایک فاسق و فاجر کو خلیفۂ اسلام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تمام عزیزوں اور دوستوں سمیت شہید تک ہونا گوارا کیا مگر غلط انسان کی اطاعت قبول کرنیکی مثال قائم نہیں کی، لہذا انہوں نے چونکہ یہ بہت اچھا کام کیا اس لئے ان کا جنم دن منایا جانا چاہیئے تھا اور اسے "میلاد حسینؑ" نام دینا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ جس روز وہ واقعہ ظہور پذیر ہوا اس دن کو عظمت دی گئی چنانچہ کربلا کے

میدان میں یوم عاشورہ (دسویں محرم الحرام) کرتو وقوعہ ہوا اس کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے میلادالنبی کے نام کا ذرا کھوج تو لگائیے کہ یہ کب سے رکھا گیا۔ چند برسوں سے ہی اس نے جنم لیا ہے، آپ خدا کے لئے سوچئے تو سہی کہ آخر ۳۰ رجنوری کا دن جو سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے خاص اہمیت رکھتا ہے اسقدر خاموشی سے کیوں گزر جاتا ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اس میں ان لوگوں کی فراست کو زیادہ دخل ہے جو ہندو مسلم اتحاد کے نام سے گھبرا اٹھتے ہیں اور جن پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں ۳۰ رجنوری کو ہمیشہ تعطیل رہی اور مہاتما جی کی یاد میں جامعہ بند ہوتی رہی، حالانکہ دہلی کا کوئی اور مدرسہ یا کالج خواہ وہ پرائیویٹ ہو یا سرکاری بند نہیں ہوا بلکہ برابر کھلا رہا۔ حقیقت میں جامعہ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا کیونکہ گاندھی جی مسلمانوں کی خاطر ہی ختم کئے گئے تھے اور ۱۹۴۷ء کے پر آشوب ہنگاموں میں مہاتما جی کی خاص مدد اور کوششیں ہی جامعہ اور جامعہ والوں کی زندگی قائم رہنے کا باعث بنی تھیں۔ احسان فراموشی اور محسن کشی ایک مسلمان کے وقار اور اس کے کردار کے بالکل خلاف ہے۔ اب سنہ ۱۹۵۹ء سے چھٹی ختم کر دی گئی ہے لیکن نصف روز کی تعلیم کی بجائے مہاتما جی کی یاد میں جلسہ کیا جاتا ہے جو شاید پہلے سے زیادہ بہتر صورت ہے۔

مرکزی حکومت کی تعطیلات

سنہ ۱۹۶۰ء کے لئے مرکزی حکومت نے تعطیلات میں کچھ کمی کر دی ہے تاکہ کام زیادہ ہو سکے لیکن وہ ایسے دماغ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے جو جان بوجھ کر حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دفتر میں کرسی پر بیٹھ کر قلم چلانے والا شخص اپنی شہری حیثیت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا مثلاً اسے معلوم ہے کہ شہر میں ہر جگہ گندگی کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ نالیاں سڑتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مکھیاں مچھر، مکڑی، چیونٹے، چوہے ہزاروں قسم کی بیماریاں پھیلاتے رہتے ہیں لیکن سال میں دو تین مرتبہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ خاکروبوں کی جماعت حشرات الارض کی طرح ایک دم پیدا ہو کر تمام علاقہ کی صفائی کرنے میں مشغول ہے۔ وجہ کیا؟ وجہ یہ کہ اسروز "صاحب بہادر" معائنہ کیلئے آنے والے ہوتے ہیں۔ وزراء کے لئے پولیس کی جمعیت اور میونسپل حکام کے لئے مہتروں کی جماعت ہمیشہ غیر معمولی طور سے نظر آیا کرتی ہے۔ بہرحال ہیلتھ آفسر صاحب صفائی کو دیکھ کر بہت مطمئن ہوتے ہیں اور رپورٹ میں داروغہ صفائی کے لئے نہایت ہمت افزا اور خوش کن الفاظ درج کر دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی حالت ہمیشہ ہی رہتی ہے اگرچہ وہ خود اصلیت سے خوب واقف ہوتے ہیں، بس یہی مثال تعطیلات میں برائے نام کمی کرنے والے افسر کی ہے وہ جانتے ہیں کہ دفتروں میں کیا ہوتا ہے۔ کاغذات کی کیا حالت ہے۔ فائلوں کا پتہ نہیں لگتا اور بہت سے کلرک بالکل بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ خوب باتیں ہوتی رہتی ہیں، سگرٹ اور بیڑی کے دھوئیں چکر کاٹتے رہتے ہیں اور کسی کو نہ افسروں کا خوف اور نہ فائل سے متعلق اہل ضرورت اور مصیبت زدہ کی پریشانی اور آہ و زاری کا احساس!

ایسی حالت میں جب ان کلرکوں کی جائز چھٹیاں کم کر دی جائیں گی تو دفتروں میں خیریت ہوگی یا زلزلے آئینگے؟ جناب من! جنتا کا راج ہے جنتا کا اب تجربہ آپ کو بتا دیگا۔ اب تو ہڑتالوں کے دباؤ سے کام ہوتا ہے۔ ہم ہمیشہ کہتے آئے ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کو اگر مذہب سے بیر ہے تو جانے دیجئے اسکا ذکر نہ کیجئے لیکن اور کتابیں تو پڑھئے ہمارے نزدیک صرف گلستان کا پڑھ لینا ہی کامیابی کے لئے بہت کافی ہے، یہ تو آپ نے سن رکھا ہوگا "مزدور خوش دل کند کار بیش" لہذا زیادہ کام کرانا مقصود ہو تو مزدور کو خوش رکھنے کی کوشش کیجئے۔ کم از کم جو حق دیا جا چکا ہے اسمیں کتر بیونت تو نہ کیجئے۔ جو ہیلتھ آفسر یا میونسپل افسر پہلے سے اطلاع کر کے کسی حلقہ کا دورہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے استقبال کو آئیں اسے تو چاروں طرف صفائی ہی صفائی نظر آئیگی اگر کبھی وقت بے وقت وہ گھر سے دفتر کے اوقات سے پہلے یا بعد ان گلیوں کا چکر کسی متعلقہ شخص کو اطلاع کئے بغیر لگائے اور اپنی پوزیشن (عہدہ) بھی ظاہر نہ ہونے دے پھر عام لوگوں کی رائے معلوم کرے تو اسے پتہ چل جائیگا کہ صحیح تصویر کیا ہے۔ اسی طرح چھٹیاں کم کرنیوالا شخص اگر افسروں کو تاکید کرے کہ وہ وقتاً فوقتاً ماتحت عملہ کی جانچ پڑتال کرتے رہیں۔ فائلوں کا جائزہ لیتے رہیں تو معلوم ہوگا کہ دفتروں میں کام کے مقابلہ میں ملازمین کی تعداد زیادہ ہے اور کام اوقات دفتر میں آسانی سے روز کا روز ختم ہو سکتا ہے اور چھٹیاں کم کرنیکی مطلق ضرورت نہیں ہے محض رپورٹوں پر انحصار رکھ کر عملہ کی تعداد بڑھاتے رہنا دانشمندی کے بالکل منافی ہے اور تجربہ کی کمی اور نااہلیت کو ظاہر کرتا ہے۔

حکام کا تربیتی نصاب

اس کے علاوہ حکومت کے تمام اہلکاروں، افسروں، وزیروں کے لئے کوئی ایسا تربیتی نصاب ضرور ہونا چاہیئے جس سے انہیں یہ معلوم ہو سکے کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کیسے شروع ہوئی اور کیوں شروع ہوئی اور ہر فرقہ یا قوم کا کردار کیا رہا ہے کس کس نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور ملک میں کیسے نظام کی ضرورت ہے اور ہم جس طرح ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں وہ "بدیشی راج" سے بہتر ہے یا اس سے بھی گھٹیا ہے اور ہم پر کیا کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، سابق حکمرانوں میں سے ہم جنہیں آئے دن برا بھلا کہتے رہتے ہیں ان کے مقابلہ میں ہمارا اپنا کوئی فعل تو قابل گرفت نہیں ہے اور جن بادشاہوں یا راجے مہاراجوں نے بہت مفید کام کئے ہیں ہم ان سے بھی بہتر کوئی کام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسا نصاب مقرر کرنا اور تربیت دینا مصلحت

کے خلاف ہو تو کم از کم ایسی کتابیں ضرور ہر زبان میں لکھی جانی چاہئیں جن کا پڑھنا ایسے لاعلم لوگوں کے لئے ضروری اور مفید ہو، خصوصاً ممبران پارلیمنٹ کے لئے تو ان کا جاننا ضروری ہے جو محض ووٹ خرید کر ملک کی قسمت کے مالک بن جاتے ہیں اور افسوس اگر کسی نہ کسی گروہ یا حلقہ بندی میں شریک ہو کر محض "ہاتھ اٹھانے" ہی کو ملک کی سلامتی سمجھتے ہیں، اور "جو نیت امام کی وہی میری" کی طرح پارٹی لیڈر کی ہاں میں ہاں ملا کر ہی اپنی عقل و فراست کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

یہ تمام "دعظ و پند" کی باتیں کہنے کی ہم نے اس وجہ سے جراُت کی ہے کہ ہم مرکزی حکومت کی تعطیلات کے متعلق کچھ اشارہ کرنا چاہتے تھے۔

غیر مسلم مذہبی چھٹیوں کی ترجمانی کرنیکا ہمیں حق نہیں ہے مسلم چھٹیوں کے متعلق کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے لیکن اس کے لئے ملک میں بہت سے ادارے اور اسلامی جماعتیں موجود ہیں یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اس کے لئے جد و جہد کریں البتہ مسلم پریس پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم بھی اپنی نحیف و کمزور آواز کو اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

شب برات کی چھٹی عرصہ سے بند ہے اور چونکہ یہ رات کی عبادت کا تہوار ہے دن میں کوئی تقریب نہیں ہوتی اس لئے کسی نے واویلا نہیں کی، لیکن دیوالی اور جنم اشٹمی بلکہ ہولی بھی تو رات کے ہی تہوار ہیں!! جمعۃ الوداع کو رمضان المبارک کا آخری جمعہ ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے لیکن اگر نماز جمعہ کے لئے مسلم عملہ کو جو عام چھٹی ڈیڑھ گھنٹے کے لئے ملا کرتی تھی وہ بدستور جاری رہے اور اس میں ملازمین کو شرکت کی اجازت مل جائے تو بھی ہم صبر و شکر کرکے خاموش ہو جائیں گے مگر عیدالاضحیٰ کی چھٹی بند کر دینے سے تو ہندوستان کا مسلمان اگر کوئی اثر قبول نہ بھی لے تو بھی یہ ضرور کہا جائیگا کہ حکومت کا یہ قدم کمیونزم کی طرف ہے جسکا پہلا وار مسلمان پر ہوا ہے، لہذا کمیونسٹوں کو برا کہنے والے اپنے اس فعل پر نظر رکھیں کیونکہ اس کے نتائج بہت دوررس ہیں، ورنہ صحیح بات تو وہی ہے جو ہم روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں بالوضاحت بیان کر چکے ہیں کہ یہ تہوار غالباً اس وجہ سے خارج کر دیا گیا ہے کہ اس روز جیو ہتیا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ نماز پر بھی چھری چلا دی گئی ہے

ہم نہایت ادب سے متعلقہ حکام سے عرض کرتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کا تہوار ایک بہت بڑی قربانی کی یادگار ہے اور ایام حج سے تعلق رکھتا ہے اور یہ تمام دنیا کے مسلمان مناتے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں اور حج ہوتا ہے مکہ معظمہ میں جو سعودی عرب میں واقع ہے جہاں تمام دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور جہاں مصر سے ہر سال خانہ کعبہ کا غلاف نہایت شان و شوکت سے لے جایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی اہمیت سب سے زیادہ بین الاقوامی بھی ہے اسکو بند کرکے بہت ہی غیر دانشمندی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ بیرونی مسلم حکومتیں اس میں خاموش ضرور رہیں گی لیکن اس کو اپنے دل میں، اپنے ریکارڈ میں بہت بڑی جگہ دیں گی جو سیکولر اسٹیٹ میں ممکن ہے دبی رہے لیکن یہ چنگاری بجھیگی نہیں اس لئے اس "مصلحت" کی نظر ثانی کی ضرورت ہے ورنہ نماز پڑھنے والا اور قربانی کرنے والا دونوں کام نہایت خوش اسلوبی سے کریگا کیونکہ جیو ہتیا یعنی قربانی کے ایام علاوہ عیدالضحیٰ کے دو اور ہیں اور قربانی کا وقت نماز فجر کے بعد سے مغرب تک رہتا ہے، اس سے تو بہتر تھا کہ اس کی بجائے میلاد النبی کی چھٹی بند کردی جاتی کیونکہ اس سے کسی مذہبی فریضہ کی ادائیگی میں کمی نہ ہوتی اور اس قسم کی شکایت پیدا نہ ہوتی۔

قومی چھٹیاں یوم آزادی اور یوم جمہوریت کی ہیں۔ اگر ۳۰ جنوری کی بھی چھٹی ہو تو ہم اسے بھی یقیناً قومی چھٹی تصور کریں گے لیکن گاندھی جینتی کو ہم قومی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ مذہبی چھٹی ہے کیونکہ مہاتما کا پیدائشی دن ہے۔

یوم بیساکھی اور جلیانوالہ باغ

یوم بیساکھی کی بعض کے نزدیک مذہبی اہمیت ہے اور بعض اسے نوروز کہتے ہیں لیکن ہم اسے آزاد ہندوستان کا سب سے بڑا قومی دن سمجھتے ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ چھٹیوں پر غور کرنے والے صاحب ۱۳ اپریل کی اہمیت سے بالکل ناواقف ہیں انہیں معلوم ہی نہیں کہ مہاتما جی آل انڈیا لیڈر محض اسی دن کی وجہ سے بنے ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کی زبردست لہر جس سے انگریز کانپ اٹھا اور آخر میں اسے اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑا اسی دن جلیانوالہ باغ سے اٹھی تھی۔ ۱۳ اپریل نہ صرف بیساکھی کا دن ہے بلکہ "جلیانوالہ باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ باغ کے نام سے دھوکا نہ کھائیے کسی زمانہ میں وہاں باغ ہوگا لیکن ۱۹۱۹ء میں تو ایک میدان تھا جس کے چاروں طرف کئی کئی منزلہ عمارتیں تھیں اور اس میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا جو محض آٹھ دس فٹ چوڑا تھا۔ وہاں ۱۳ اپریل کو ایک بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا جسکو منتشر کرنے کے لئے جنرل ڈائر مشین گن لے کر آیا اور اس راستہ کے منہ پر لگا کر حکم دیا کہ پانچ منٹ میں میدان خالی کردو ورنہ مشین گن چلادی جائیگی۔ چنانچہ پانچ منٹ کے بعد گولی چلنے لگی اور پرندوں کی طرح انسان ہو عورت بچے بوڑھے ہندو مسلمان سب گرنے لگے اور ہزاروں خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ بھاگنے کا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ اس زمانہ میں پنجاب کا گورنر سر مائیکل اوڈائر تھا اس کے حکم سے ایسا ہوا تھا۔ یہ جلیانوالہ باغ امرتسر میں واقع ہے اس حادثہ کے ساتھ ہی لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا جہاں وہ مظالم ہوئے جنہیں پڑھ کر بھی آپ یقین نہیں کر سکتے۔ انتہائی شرمناک داستان ہے جو کسی اور وقت کے لئے ملتوی رکھی جاتی ہے لہذا اس چھٹی کو بند کرنا ہندوستان کی آزادی کی بنیاد یعنی ہندو مسلم اتحاد

کاڈر پر کلہاڑی چلانے کے مترادف ہے۔ امسال تو ہر شہر میں حکمائے جلسے ہونے چاہئیں اور ان واقعات کو صاف صاف طور سے واضح کرکے بیان کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو غیرت آئے اور وہ آزادی کی قدر و قیمت سمجھ سکیں اور تعصب اور فرقہ وارانہ خیالات کا قلع قمع کرنے میں پوری سرگرمی دکھائیں۔ افسوس ہے کہ جو کام کرنے کے تھے نہیں چھوڑ دیا اور دولت کے نشہ میں نفسانفسی کی پڑ گئی لیکن بشارت ہو ان کو جو اپنے فرائض سے غافل ہیں یا دیدہ و دانستہ غریبوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے ان کی بہت زبردست پکڑ ہونے والی ہے مظلوموں کی آہ میں بہت اثر ہوتا ہے !!

ماہ دسمبر کا ڈر

ماہ دسمبر سے ہمیں بہت خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہمیں بہت سے صدمے برداشت کرنے پڑے ہیں۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ہماری شفیق ماں نے پردیس میں یعنی کرمال کے ہسپتال میں ہمیں آخری دعا دیکر اپنی زندگی کا سفر ختم کر دیا۔ دیگر اعزا اور احباب کے ذکر کو نظر انداز کر کے ہمیں قومی نقطۂ نظر سے جو نقصان پہنچا ہے اور جن متبرک اور مقدس ہستیوں کی سرپرستی سے ہم محروم ہو گئے ہیں ان میں سے زیادہ تر دسمبر میں ہی ہم سے جدا ہوئی ہیں۔ مثلاً ہمارے خاندان کے بزرگ اور ہندوستان کے مشہور شاعر اور اللہ کے نہایت مقبول بندے جن کا کلام اکثر لوگ نماز تہجد کے بعد پڑھ کر نہایت گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگتے اور توبہ استغفار کرتے ہیں، ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہی جنت کو سدھارے تھے یعنی شمس العلماء مولانا حافظ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم و مغفور، جو پانی پت میں حضرت بو علی شاہ قلندر کی درگاہ کے صحن میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف ایک حجرہ کے سامنے آرام فرما رہے ہیں، ہندوستان کی سب سے زیادہ مایۂ ناز ہستی اور یونانی طب کو مغربی جھٹکوں سے بچا کر بلند معیار پر لیجانے والے مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب بانیٔ آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج دہلی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پہلے چانسلر اور ان سے علی گڈھ سے دہلی لاکر اس میں اذسر نو جان ڈالنے والے دسمبر ۱۹۲۷ء میں ہی بمقام رام پور تمام عزیز و اقربا سے بہت دور بغیر کچھ کہے سنے تمام ملک کو یتیم کر گئے اور دہلی لاکر سپرد خاک کئے گئے۔ ہمارے علی گڈھ کالج کے ساتھی اور ہماری جامعہ کے ہر عزیز استاد تاریخ اسلام کے پروفیسر اور مشہور مصنف جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری بھی ۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کو ہی جامعہ نگر میں واصل بحق ہوئے اور جو جامعہ سے ایسے وابستہ ہوئے کہ انتقال کے بعد بھی جامعہ کے ہی قبرستان میں مستقل طور سے سکونت پذیر ہو گئے۔ تحریک آزادی کے علمبردار اور ہندوستان کے مسلمہ مقتدر رہنما اور عالم دین اور جمعیتہ علماء ہند کے سب سے پہلے صدر مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے بھی ماہ دسمبر کی ۳۱ کو ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہا تھا اور مہرولی میں درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دروازہ کے باہر کونے میں دفن کئے گئے تھے۔ اور جمعیتہ العلماء ہند کے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ بھی دسمبر ۱۹۵۷ء کی ۵ تاریخ کو دارالعلوم دیوبند میں اللہ کے دربار میں حاضری کے لئے ہم سے رخصت ہوئے تھے اور دارالعلوم سے خاص وابستگی کے باعث وہیں آپ کی زیارت خاص و عام ہے۔ ان کے پورے دو سال بعد جمعیتہ العلماء کے صدر جناب سحبان الہند مولانا احمد سعید نے مفارقت دے گئے اور دسمبر ۱۹۵۹ء کی ۵ کو ہی اپنے صاحب اپنے رفیق جناب مفتی اعظم کے پہلو میں بمقام مہرولی درگاہ حضرت قطب صاحب کے دروازہ کے باہر سپرد خاک کئے گئے۔ اسی طرح اور بہت سی ہستیاں ہیں جن کی وجہ سے دسمبر کا مہینہ ہمارے لئے بہت ہی نامانوس کا مہینہ ثابت ہو رہا ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقعہ پر ہم اتنی قابل تعظیم ہستیوں میں سے کس کی زندگی پر اپنی عقیدت کے پھول پیش کریں، جو قوم اپنے محسنوں کو فراموش کر دیتی ہے اس کا شمار زندہ قوموں میں ہونا انتہائی مشکل ہے کم از کم وہ اپنی خصوصیت اور جوہر سے تو ضرور محروم ہو جاتی ہے۔ یہ حضرات اگرچہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں لیکن ان کے نیک عمل اور بلند کارنامے اتنے روشن ہیں کہ ہم ہمیشہ ان سے عبرت و ہدایت حاصل کرتے رہیں گے اس مرتبہ ہم جامعہ ملیہ کے سب سے بڑے محسن اور ناخدا جناب مسیح الملک کی یاد میں نذر عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے لیکن جناب سحبان الہند کا سانحہ پیش آجانے کے باعث صرف دعاء مغفرت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اپنے کرمفرما اور انتہائی مخلص رہنما حضرت سحبان الہند کی یاد میں ایک نظم درج کرتے ہیں جو اگرچہ ہندو پاکستان کے مشہور شاعر اور بلند پایہ ادیب و صحافی جناب عبدالمجید صاحب سالک مدیر سابق اخبار زمیندار لاہور و روزنامہ انقلاب لاہور نے اپنے متعلق اپنی زندگی میں ہی لکھی تھی لیکن اس کا ایک ایک حرف مولانا احمد سعیدؒ پر بھی اسی طرح صادق آتا ہے جیسے ہم نے جریدہ "اطلاعات پاکستان" شائع شدہ از نئی دہلی بتاریخ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں پڑھنے کے بعد جو اثر قبول کیا اس کا اظہار بہت مشکل ہے کیونکہ سالک صاحب مرحوم سے بھی ہمارے بہت گہرے تعلقات تھے اسلئے اپنے مرنے کے متعلق اپنی زندگی ہی میں جو انہوں نے اظہار خیال کیا تھا اس کا ہم پر بہت گہرا اثر ہونا لازمی امر تھا اور اب مولانا احمد سعیدؒ کے وصال کے بعد تو ایسی چوٹ لگی کہ بیان سے باہر ہے چنانچہ ہم اسے اپنے ناظرین تک پہنچانا ضروری سمجھتے ہیں، ماہ دسمبر کو جہاں ہم نے رخصت ہونے والوں سے منسوب کیا ہے وہاں ہم شروع میں اُسے چند ایسی ہستیوں سے بھی منسوب کر چکے ہیں جو اس میں پیدا ہوئیں جو نام لئے جا چکے ہیں ان میں حضرت سالک کو بھی شامل کر لیجئے جن کی پیدائش کی تاریخ ۱۳ دسمبر ۱۸۹۴ء اسی جریدہ میں درج ہے۔ اب ہم جناب سالک صاحب کی نظم درج کرتے ہیں جسکا عنوان ہے:

ہم نہیں ہونگے

چراغ زندگی ہوگا فروزاں، ہم نہیں ہونگے   چمن میں آئیگی فصل بہاراں، ہم نہیں ہونگے

سلہ حکیم صاحب مرحوم نواب صاحب رام پور کے مہمان تھے، وہاں ہندوق کی گولی کا اسرار طریقہ پر چلنے سے بتاریخ ۲۹ دسمبر شہید ہو گئے تھے۔

جوانو! اب تمہارے ہاتھ میں تقدیرِ عالم ہے — تمہیں ہوگے فروغِ بزمِ امکاں، ہم نہیں ہونگے
جئیں گے جو وہ دیکھیں گے بہاریں زلفِ جاناں کی — سنوارے جائیں گے گیسوئے دوراں، ہم نہیں ہونگے
ہمارے ڈوبنے کے بعد ابھریں گے نئے تارے — جبینِ دہر پر چھٹکے گی افشاں، ہم نہیں ہونگے
نہ تھا اپنی ہی قسمت میں طلوعِ مہر کا جلوہ — سحر ہو جائیگی شامِ غریباں، ہم نہیں ہونگے
اگر ماضی منور تھا کبھی، تو ہم نہ تھے حاضر — جو مستقبل کبھی ہوگا درخشاں، ہم نہیں ہونگے
ہمارے دور میں ڈالیں خرد نے الجھنیں لاکھوں — جنوں کی مشکلیں جب ہونگی آساں، ہم نہیں ہونگے
کہیں ہم کو دکھا دو اک کرن ہی ٹمٹماتی سی — کہ جس دن جگمگائیگا شبستاں، ہم نہیں ہونگے

ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائیگا
یہی سرخی بنیگی زیبِ عنوان "ہم نہیں ہونگے"

سحبان الہند کے متعلق فوٹو بلاک

مولانا احمد سعیدؒ کے متعلق چند تصاویر ہم نے رسالہ ہٰذا کے سرورق پر درج کی ہیں۔ ان کے متعلق ایک ایک دو دو فقرے درج کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں:۔

ٹائٹل کے پہلے اور دوسرے صفحہ پر تو مولانا کی شبیہ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ تیسرے صفحہ پر مولانا کے مکان پر آخری دیدار کے لئے آنے جانے والوں کا ہجوم نظر آرہا ہے اس کے سب نام درج کرنیکی تو گنجائش نہیں تھی لہٰذا چند اہم ہستیوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جن میں خصوصیت سے عزت مآب جناب پنڈت جواہر لال نہرو وزیرِ اعظم ہند کی ذات گرامی ہے جنہیں مولانا سے بوجہ ان کے خلوص اور بے غرض ملکی و ملی خدمات کے بیحد عقیدت اور محبت تھی۔ آخری صفحہ کی تصویر نمازِ جنازہ ختم ہونے کے بعد سلام پھیرنے کے وقت کی ہے جس میں تبلیغی جماعت کے امیر جناب مولانا محمد یوسف صاحب کی امامت میں دوسرے ہزاروں مقتدی نظر آرہے ہیں۔ ان میں سے چند خصوصی نام درج کر دئے گئے ہیں۔ جو صاف طور سے سامنے موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور نہ صرف پسماندگان کو بلکہ پوری قوم کو صبر عطا فرمائے۔ دہلی کی یہ آخری نشانی تھی وہ بھی مٹ گئی۔ اللہ کے حکم کے سامنے کسی کی کیا مجال کہ دم مار سکے، خدا ان مظلوموں، بیکسوں، بیواؤں اور حاجتمندوں کا مددگار ہے جن کی سرپرستی کا بہت بڑا ذریعہ مولانا کی ذات گرامی تھی۔ فصبرٌ جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔

ملکی مسائل

آزادی کے بعد سے ہندوستان بہت سی ایسی مشکلات میں پھنس گیا ہے جو اس نے خود مول لے لی ہیں اور جن کو اختیار کرتے وقت اس کے ذمہ دار رہنماؤں نے انجام پر مطلق غور نہیں کیا اور اگر کچھ تکلیف اور دشواریوں کا انہیں احساس ہوا بھی ہوگا تو انہیں بہت معمولی سمجھا ہوگا اور آسانی سے ان پر قابو پالینے کا تصور رہا ہوگا لیکن جب سر پر پڑی تو حقیقت معلوم ہوئی خود بھی مصائب کے شکار ہوئے اور جنتا کو بھی انتہائی مصیبتوں میں پھنسا دیا۔ مثلاً ملکی تقسیم، کسی نیشنلسٹ مسلمان نے بٹوارے کے حق میں رائے نہیں دی سب مخالف تھے لیکن کانگریس کے چند نفوس آگے بڑھے اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اور یکسو ہو کر تعمیری کام میں لگنے کے خیال سے آمادہ ہو گئے کہ "پاک" کو ناپاک سے علیحدہ کر دیں، نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ طرفین کا کتنا وقت اور کتنا روپیہ ضائع ہوا اور ہو رہا ہے اور پھر اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھتا۔ وہ تو "خوش قسمتی" سے لاکھوں آدمی تہ تیغ ہو گئے جن کو گور و کفن تک نصیب نہیں ہوا ورنہ نہ جانے کہ ان کے رہن سہن اور اکل و شرب کے لئے اور کتنی دردِ سری مول لینی پڑتی۔ حکومتوں کی خوش قسمتی اور ہماری بدنصیبی لیکن وہ لوگ واقعی بہت خوش نصیب تھے جو ان تمام مصائب اور رسوائیوں سے نجات پاکر عدم آباد کو سدھار گئے۔ اس کے علاوہ اور جتنے "پیچیدہ" مسائل پیدا ہو گئے ہیں وہ بھی سب نتائج پر نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جس قدر منہ سے کہتے ہیں اتنا عمل نہیں کرتے۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ تحریکِ خلافت کے زمانہ میں بڑے گاندھی جی کی قیادت میں چل رہی تھی اور جس کے باعث ہندو مسلم اتحاد نے اسقدر مضبوط اور بظاہر پائندار شکل اختیار کر لی تھی کہ انگریز کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور وہ سر کھجا کر رہ جاتا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب ہمارا ہندوستان میں رہنا مشکل ہے لیکن اس نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے اور دماغ کی بساط پر سیاست کی چالوں سے بدستور کام لیتا رہا اور اسی بھروسہ پر وہ نہایت یقین سے کہا کرتا تھا کہ اگر ہم چلے بھی گئے تو تمہارے لئے ایسا سامان ضرور کر جائیں گے کہ تم اس کے چکر میں پھنسے رہو اور جتنا چاہو اتنا ہی کڑکڑاؤ۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نے ہماری کمزوریوں کو کتنی اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور وہ ہمارے لئے کتنے بکھیڑے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ ہم ان باتوں کو اس صحبت میں ملتوی رکھتے ہیں اس وقت تو صرف ایک بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ تمام ہندو اور مسلمان لیڈر یہ کہا کرتے تھے کہ دونوں قوموں کو لڑانے والا انگریز ہے یہ کم بخت چلا جائے تو سکھ کی نیند نصیب ہو، لیکن اس کے جانے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہی لیڈر اب خود ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ ان سے فرقہ واریت زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے کیونکہ اب "اپنوں" کی باتیں سن کر خیالات نشو و نما پاتے ہیں اور اپنوں کی روایات یقیناً زیادہ معتبر بھی جاتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی لغو اور بے سر و پا کیوں نہ ہوں اور انکو دل میں مستقل جگہ دینا دھرم کا جزو سمجھا جاتا ہے۔

سنتے ہیں کہ ہندوستانی لوگ زیادہ مردہ پرست واقع ہوئے ہیں لیکن، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی غلط ثابت ہو رہی ہے۔ تعصب نے آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی ہے کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ہم نے مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کے متعلق اوپر لکھا ہے کہ ہم صرف دعا پر اکتفا کرتے ہیں لیکن ملکی مسائل کے سلسلہ میں ان کا ذکر کرنا

ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ حکیم صاحب نے ملک کی کسقدر خدمت کی ہے اپنے فن طبابت میں تو وہ ایسے ماہر تھے کہ یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹر بھی جو اس دقیانوسی طب کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے سامنے کان پکڑتے تھے اور ان کے علم کا لوہا مانتے تھے اور نبض شناسی پر تو انتہائی حیرت کا اظہار کرتے تھے۔

سیاست میں وہ ایسا ٹھوس اور خاموش کام کرتے تھے کہ گاندھی جی کو ان پر سب سے زیادہ اعتماد تھا۔ گاندھی جی جب جیل بھیجدئے جاتے تھے تو ہدایت کر جاتے تھے کہ حکیم صاحب موجود ہیں انسے مشورہ کرتے رہنا اور ان کی رائے پر عمل کرتے رہنا۔ وہ صبح سے شام تک ہزاروں مریضوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر جہاں ان کے لئے تیر بہدف دوا تجویز کرتے تھے وہاں سیاست کی نباضی بھی خوب جانتے تھے۔ انہوں نے بغیر کسی شور وشغف کے یا جلسوں میں نام ونمود کے لئے تقریریں کرنے کے یا اور کسی نمائشی کاموں میں حصہ لینے کے گھر بیٹھے بیٹھے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو بڑے بڑے رہناؤں سے بھی نہ ہوسکے اور نہایت شرافت سے ملک کا توازن قائم رکھا۔

انہوں نے حاذق الملک کا سرکاری خطاب فوراً واپس کردیا اور پبلک کا عطا کردہ "مسیح الملک" نہایت فخر و مسرت سے قبول کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے یوم التاسیس کے موقعہ پر طلبہ کی انجمن اتحاد کے تحت ہندوستان کے تمام کالجوں کو آل انڈیا ڈبیٹ (کل ہند مباحثہ) میں شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ چنانچہ ۲۶ء میں اسی مباحثہ کا جلسہ ہو رہا تھا حکیم صاحب صدارت فرما رہے تھے مضمون کا عنوان تو اس وقت یاد نہیں رہا اتنا ضرور یاد ہے کہ وہ زمانہ بہت لے دے کا تھا اور احساسات نے بہت نازک شکل اختیار کر رکھی تھی اور آزادی حاصل کرنے کا بھوت سر پر سوار تھا اس لئے کوئی اس قسم کا مضمون تھا جس سے تحریک عدم تعاون کے حسن و قبح پر بحث کرنا مقصود تھا۔ دہلی کے سینٹ اسٹیفنس کالج کے ایک اعلیٰ جماعت کے ایسے ہونہار طالب علم تقریر فرما رہے تھے جو بعد میں ملازم ہو کر بہت قابل پروفیسروں میں شمار ہونے لگے تھے۔ خیر تو انہوں نے اپنی تقریر میں انگریزوں کے لئے کوئی غیر مہذب لفظ از قسم بدمعاش یا غنڈہ یا بے ایمان استعمال کیا۔ حکیم صاحب نے فوراً ٹوک کر کہا "ٹھہریئے! اگر آپ تہذیب سے تقریر نہیں کرسکتے تو بیٹھ جائیے۔ آپ کو انگریزی حکومت کے طریق کار سے شکایت ہے یا انگریزی قوم سے دشمنی ہے۔ انگریزوں کی بہت بڑی تعداد آپ کے مقاصد کی حامی بھی تو ہے مگر آپ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک کر پوری قوم کی قوم کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ یہ بہت برا ہے۔" اسپر مقرر صاحب نے اپنے الفاظ واپس لئے اور تقریر جاری رکھی۔

یہ تھا حکیم صاحب کی شرافت کا جوہر! وہ صرف اصل مقصد سے غرض رکھتے تھے کام کی باتیں کرنا جانتے تھے ادھر ادھر کی بے سروپا اور بے نتیجہ باتوں میں حصہ لینا اور وقت ضائع کرنا قومی نقصان کا باعث سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام قومی وملکی کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے کے باوجود وہ جیل نہیں گئے۔ اور آجتک کسی شخص کی زبان سے یہ سننے میں نہیں آیا کہ انہوں نے ملکی خدمات میں حصہ نہیں لیا کیونکہ جیل جانے کا پاسپورٹ ہی ملکی خدمات کا سرٹیفکیٹ سمجھا جاتا ہے۔

انہوں نے تحریک عدم تعاون سے پہلے ہی دیسی طب کی اہمیت محسوس کرانے کی ٹھان لی تھی اور دہلی میں طب کی باقاعدہ تعلیم دینے کے لئے کالج قائم کردیا تھا جسکا سنگ بنیاد وائسرائے سے رکھوایا گیا تھا لیکن جب کالج کی عمارت مکمل ہوگئی اور افتتاح کا وقت آیا تو تحریک عدم تعاون شروع ہوچکی تھی اسلئے افتتاح کی رسم مہاتما گاندھی کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اسمیں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ انہوں نے اس کالج کا نام "آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج" رکھا تھا یعنی آیورویدک کو یونانی سے مقدم رکھا۔ اس کالج میں آیورویدک کی تعلیم کے لئے بڑے بڑے ویدا اطبار رکھے گئے اور یونانی علاج کے لئے حاذق حکیم لیکن ساتھ ہی ساتھ ایلوپیتھی سے بھی استفادہ کرنے کے لئے ڈاکٹروں کا تقرر کیا بلکہ اس کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوگ ہی ہوتے تھے۔ اس مغربی طب میں سرجری کی تعلیم سے استفادہ کرنا زیادہ مقصود تھا چنانچہ طبیہ کالج سے جو حکیم کامیاب ہو کر نکلتے تھے انہیں سرجری میں بھی دخل ہوتا تھا اس کالج کے ساتھ مردانہ اور زنانہ دارالاقامے بھی تھے۔ لڑکیوں کے لئے تعلیم کا علیحدہ انتظام تھا اور اسکے اخراجات کے لئے اپنا ذاتی دواخانہ جو ہندوستانی دواخانہ کے نام سے اب تک موجود ہے طبیہ کالج کے لئے وقف کردیا تھا اور اس کی کل آمدنی طبیہ کالج کے اخراجات میں صرف کی جاتی تھی اسمیں عمدہ اور خالص ادویات کا نہایت اعلیٰ پیمانہ پر انتظام تھا۔ اسی یونانی دواخانہ کی آمدنی سے آیورویدک شعبہ کے اخراجات بھی پورے کئے جاتے تھے حالانکہ آیورویدک ادویات کی ایک دکان علیحدہ موجود تھی لیکن اسکی آمدنی اپنے شعبہ کے لئے کافی نہیں ہوتی تھی۔

ایسے شخص کی یادگار قائم کرنا تو درکنار خود اس کے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے کو بھی پانی نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے باغ میں خزاں ہی خزاں رہنے کا پروگرام کیا جارہا ہے۔ دہلی کے طبیہ کالج میں ہندوستان کے تمام صوبوں کے طلبا آتے تھے لیکن بعد میں دوسرے صوبوں میں بھی طبیہ کالج قائم ہوتے گئے اور حیدرآباد ریاست میں بھی جاری ہوگیا جسے اب ختم کرکے اس کی عمارت اور اثاثہ

آیورویدک کو دیا جا رہا ہے۔ ملک میں جا بجا آیورویدک کو ترقی دینے کے لئے اسکیمیں بن رہی ہیں۔ حکومتوں کی طرف سے گرانٹس منظور کی جا رہی ہیں اور ہر صوبہ میں بہت اہتمام سے آیورویدک کا حصہ رکھا جاتا ہے۔

شروع شروع میں تو جب تک راج کماری امرت کور وزیر صحت رہیں انہوں نے تو صرف مغربی طب کو ہی صحیح طب سمجھا اور دیسی طبوں کو بالکل لغو اور ڈھکوسلا سمجھ کر ان پر روپیہ صرف کرنا یا انہیں ترقی دینا ملکی سرمایہ کو محض برباد کرنے اور وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھا۔ (امرت کور کے نام سے دھوکا نہ کھائیے وہ ہندو نہیں ہیں)

آپ اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجئے کسی پرچہ میں آپ کو یہ نہیں ملیگا کہ آل انڈیا ریڈیو نے حکیم صاحب کی برسی کے دن یا کسی اور دن ان کے متعلق کوئی پروگرام رکھا ہے حالانکہ ۲۵ دسمبر کو کئی اسٹیشنوں سے پنڈت مدن موہن مالویہ کے متعلق خصوصی پروگرام نشر ہوتے ہیں یا دوسرے نیتاؤں کے متعلق خصوصی پروگراموں کا اعلان ہوتا ہے لیکن نہیں ہے تو حکیم صاحب کے لئے نہیں جو ہر متعصب فرنگی نگاہ میں بھی نہایت قابل تعظیم اور مخلص ہستی شمار ہوتے تھے کسی سڑک کا نام اجمل روڈ یا پارک کا نام اجمل پارک رکھ دینے سے یادگار کا حق تو ادا نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں نام بھی آزادی سے پہلے کے ہم خادمانِ حکیم صاحب کے رکھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اجمل پارک کو جواہر پارک میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

آل انڈیا ریڈیو کے پروگراموں پر غور کرنے اور مشورہ دینے کے لئے نیز سے ایک ایڈوائزری بورڈ بھی ہے جس میں ہمارے وہ بزرگ بھی شامل ہیں جو حکیم صاحب کے آگے پیچھے پھرا کرتے تھے اور ان کے ہاں حاضری دینا ہی اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے لیکن آج کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت آل انڈیا ریڈیو کے پروگراموں میں حکیم صاحب کے لئے بھی کوئی جگہ ہے یا نہیں۔ یہ حضرات اللہ کے فضل سے ان کے نازپروردہ ہونے کے علاوہ مسلمان بھی ہیں۔

معاملہ تو بالکل صاف ہے۔ کیا یہی قول صادق نہیں آتا کہ "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم" جب ہمارے اپنے آدمی ایڈوائزری بورڈ میں ہوں جو رکھے ہی اس مطلب سے جاتے ہیں کہ پبلک کے جذبات کا اور ان کے احساسات کا خیال رکھ کر پروگراموں کی ترتیب میں ہاتھ بٹائیں تو پھر شکایت پورے محکمہ کی کیسے کی جائے؟ کیا ایسے لوگوں پر اس محکمہ کا روپیہ بیکار صرف نہیں ہوتا؟ جو بغیر سوچے سمجھے جلسوں میں شرکت کرکے خیریت سے واپس چلے جاتے ہیں۔

ایک بیچارے حکیم مظہر الدین صاحب اجملی ہیں جو ہر سال حکیم صاحب کی یاد میں ایک ہفتہ منا لیتے ہیں اور جلسوں وغیرہ کا انتظام کرکے اپنے قلب کو تسکین دے لیتے ہیں۔ باقی سارے ہندوستان میں اور خود دہلی میں کیا ہوتا ہے اسکا حال خدا بہتر جانے۔ محسن کشی کی مثال اس سے بڑھ کر شاید ہی ملے۔ ہم دوسروں کی شکایت کیا کریں ہم خود ہی ٹوٹی ہوئی کشتی میں سوار ہیں جس میں چاروں طرف سوراخ ہیں۔

طب یونانی

اب رہا مسئلہ طب یونانی کا یہ مسئلہ بھی اردو ہی جیسا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں جتنے صوبے ہیں سب کی اپنی زبان علیحدہ ہے۔ پشتو۔ سندھی۔ بلوچی۔ پنجابی۔ ملتانی۔ بنگالی وغیرہ کسی صوبہ کی زبان اردو نہیں ہے لیکن ہندوستان کے حامیانِ ہندی" اردو کو پاکستانی زبان کہتے ہیں۔ اسی طرح یونانی طب کو اسلامی طب سمجھتے ہیں بھلا ان سے پوچھئے کہ اسلام تو دنیا کے بہت سے ملکوں میں برسر اقتدار ہے۔ یہ دیسی دوائیں ٹرکی سے آتی ہیں یا مصر سے یا بغداد سے یا مراکش سے یا عرب سے؟ آپنے عالمی زراعتی میلہ (ورلڈ اگریکلچرل اگزبیشن) میں جا کر ہمدرد دواخانہ کا سٹال دیکھا ہے؟ جہاں سینکڑوں بوٹیاں زمین میں بوئی ہوئی ہیں اور سب کے متعلق آپ کو بتایا جاتا ہے کہ ان کی پیداوار اپنے ملک میں کہاں کہاں ہوتی ہے اور کتنی آسانی سے انہیں کاشت کیا جا سکتا ہے اور ترقی دی جا سکتی ہے اور کسقدر سستی اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں؟

پھر آپ اسے مسلمانوں سے ہی کیوں مخصوص کرتے ہیں یہ تو بہت ظلم ہے کہ جو کام بھی مسلمان کریں اور جس پیشہ میں بھی وہ مہارت حاصل کریں وہ مسلمان کا سمجھ کر ختم کر دینا چاہیئے۔ ہم تمام ذمہ دارانِ یونانی طب سے درخواست کرتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ آپ تمام حکیموں کو ایک نظام میں منسلک کیجئے اور ایک خاص قسم کا رجسٹر چھپوا کر تمام حکیموں کے سپرد کیجئے کہ وہ ہر مریض کے علاج کے لئے اس کی خانہ پری کرنا اتنا ہی ضروری سمجھیں جتنا اپنی ضروریاتِ زندگی کی کوئی اور چیز یا مذہبی فرائض میں سے کوئی چیز' اس رجسٹر میں سالانہ سلسلہ وار نمبر۔ تاریخ۔ مریض کا نام۔ پیشہ۔ مذہب۔ جنس (مرد ہے یا عورت)۔ موجودہ شکوہ عمر۔ مرض۔ نسخہ۔ سابق نمبر (یعنی اس سے پہلے بھی اگر وہ اس مرض کے سلسلہ میں آ چکا ہو اس کا نمبر) بعد کا نمبر (بعد میں جب بھی وہ اسی مرض کے لئے مشورہ کرنے یا نسخہ بدلوانے آیا ہو اسکا نمبر) نتیجہ (یعنی علاج سے فائدہ ہوا یا کیا نتیجہ رہا) وغیرہ وغیرہ۔ جو اندراجات بھی آپ مناسب خیال فرمائیں ہونے چاہئیں۔ اور ہر حکیم مہینہ ختم ہونے پر ۵ تاریخ تک اپنے صوبہ کے دفتر میں ان اندراجات کے اعداد و شمار بھیجدے کہ فلاں ماہ میں اتنے مریض آئے جن میں زیادہ تر اس مرض کے تھے اور ان میں اتنے ہندو تھے اور اتنے مسلمان اور اتنے دوسرے غیر مسلم' اتنے مرد' اتنی عورتیں' اتنے بچے اور اتنے شفایاب ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اور ہر صوبہ اپنے ہاں کے یہی اعداد و شمار ضلع وار مرکز کو بھیجدے اور مرکز مختلف اخبارات کو

یہ اعداد و شمار سائیکلو اسٹائل کرکے بھیجنے کا باقاعدہ انتظام رکھے نیز صوبہ وار اعداد و شمار کی ایک نقل تمام صوبوں اور مرکز کے محکمہ صحت کو بھی بالالتزام بھیجتا رہے تاکہ حکومت کی مشینری کے علم میں یونانی طب کے فدائیوں کے متعلق مکمل اور صحیح معلومات آتی رہیں اور انہیں اردو کی طرح کہ "اردو کوئی زبان نہیں" یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ "یونانی طب کوئی مستند طریق علاج نہیں ہے یہ محض ڈھکوسلا بازی ہے اور غیر ملکی ہے وغیرہ وغیرہ" اس سے زیادہ اس معاملہ میں اور کسی قسم کی بحث کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے خاموشی سے کام میں لگے رہنا چاہیئے سوال جواب کرنے سے ضد پیدا ہوتی ہے اور معاملہ بد سے بدتر ہو جاتا ہے کیا آپ نے سُنا نہیں کہ ایک چُپ سو کو ہرائے" آپ اخبارات کی شعلہ فشانیوں بدزبانیوں طعن و تشنیع وغیرہ پر بالکل آنکھیں بند کرلیجئے اور زبان و قلم کو روک دیجئے جب دو چار مضامین کا جواب نہیں ملیگا تو اور کر خود بخود چُپ ہو جائینگے بدکلامیوں اور خرافات کا جواب دینے سے تو مفسدوں کو مزید مواد ملیگا جس سے ان کی دوکان خوب چمکیگی اور وہ جیت میں رہیں گے اس لئے سب سے بہتر چیز خاموشی ہے۔

لیکن طب یونانی والوں کو یہ بات ضرور ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ وہ اس علاج کو جہاں تک ممکن ہو سکے سہل اور سستا رکھنے کی کوشش کریں مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے زیادہ فیس وصول نہ کریں اور جہاں واقعی کسی غریب کا معاملہ آپ کے علم میں آجائے وہاں اسکا مفت علاج کریں۔ کوئی فیس وغیرہ نہ لیں اور دوا کی قیمت بھی حتی الوسع نہ لیں اور اگر لیں تو نفع بالکل شامل نہ کریں پھر دیکھئے کہ اس دوڑ میں آپ آگے رہتے ہیں یا نہیں۔ جن دواؤں کی تیاری میں دردسری کرنی پڑتی ہے ان کے لئے اگر کوئی نعم البدل تیار کرسکیں تو ضرور دلیا کیجئے کیونکہ جب امیر آدمی جسکے پاس نوکر چاکر رہتے ہیں دواؤں کے تیار کرنے کی زحمت سے گھبراتا ہے تو غریب مزدور کے لئے تو ان سب باتوں کا اہتمام کرنا اور بھی مشکل ہے پھر اس کے ہاں صفائی وغیرہ کا لحاظ بھی کم ہوگا جس سے دوا میں وہ بات پیدا نہیں ہوگی جو صاف برتن والی میں ہوگی، اشتہار اپنی دواؤں کا دیجئے جو مختلف مریضوں پر اچھی طرح آزمائی جاچکی ہوں اور مختلف ریاستوں کی آب و ہوا کا اثر ان کو غیر موثر نہ بنا سکے۔

ورنہ سمجھ لیجئے کہ خطرہ کی گھنٹی بج چکی ہے اور آزمائش کا بہت سخت دور آپہنچا ہے، امید ہے کہ ہماری سمع خراشی رائیگاں نہیں جائیگی اور ہمدرد سرپرست حکمائے طب اس فن کو اپنی غفلت اور سہل انگاری سے ملک بدر کرانے کا باعث نہیں ہونے دیں گے۔ اللہ آپ سب لوگوں کی مدد کرے اور آپ کے علاج میں شفا بخشے۔ آمین۔

اصلاحی افسانہ

آنریبل ڈانسر ؟؟؟

(از حسن بانو تبسم بھوپالی)

[آج کل کلچر کلچر کا اسقدر شوق ہے کہ "ہم حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی" اگر تعلیم کے ناخداؤں نے طالبات کے "جوہر" کو ایک قیمتی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کے لئے جلد ہی کوئی قدم نہ اٹھایا تو اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ہندوستان کی آب و ہوا ان باتوں کے لئے ہرگز موافق نہیں ہے جو مغربی دنیا میں ہو رہی ہیں۔ ہماری تمام تعلیم گاہوں کی حالت قابل رحم ہوتی جارہی ہے۔ ہم نہایت ادب سے تمام ذمہ دار تعلیمی کام کرنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ خود اپنی عزت کے لئے اور اپنے ملک کی آبرو کے لئے اس طرف خاص توجہ فرمائیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ بعض بڑی ہستیاں جیسے موجودہ وائس چانسلر صاحب دہلی یونیورسٹی آج کل کے کلچرل رجحانات کے سخت خلاف ہیں اس لئے امید کی کرن باقی ہے کہ ہمارا مشرقی کلچر مغرب کی لپیٹ میں آنے سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے جو نتائج نکلیں گے ان کی ایک جھلک مضمون ہذا میں آپ کو ملیگی جو خط و کتابت کی صورت میں ہماری ایک ہونہار اور شریف بیٹی نے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر طالبات میں غیرت کا یہ جذبہ پیدا ہو جائے اور ان کے خیالات سماجی خرابیوں کو دور کرنے کی فکر میں لگ جائیں اور وہ اس کے مقابلہ کے لئے ڈٹ کر میدان میں نکل آئیں تو پھر ہمیں کسی قسم کا اندیشہ اور خطرہ نہیں ہوگا۔ قوانین سے خرابیاں دور نہیں ہوا کرتیں بلکہ خود ذاتی طور پر اپنے کو بچانے کی تدابیر اور عزم سے ہی ڈوبتی نیا پار لگا کرتی ہے۔ ہم تبسم بیٹی کو انکے خیالات پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ف۔ ا]

(۱)

جمال پور۔ محمد حسن پورہ

۲ ستمبر ۱۹۵۵ء

ڈیر کمال۔ آداب

میں تمہیں خط لکھنے کی فکر میں تھا لیکن کیا بتاؤں کہ کوشش کے باوجود کیوں نہیں لکھ سکا۔ سنو یار! بات یہ ہے کہ آجکل میرا تمام وقت نسرین جمالی کے ساتھ گذر جاتا ہے اب تم پوچھو گے کہ یہ نسرین جمالی کون ہے؟ نسرین جمالی مسٹر جمال احمد ریٹائرڈ جج کی اکلوتی لڑکی ہے۔ بڑی حسین اور بیحد خوش اخلاق ہے۔ اسی سال الیف اے کے فرسٹ ایر میں اڈمیشن (Admission) لیا ہے ٹینس کی بہترین کھلاڑی ہونے کے علاوہ مشہور ڈانسر بھی ہے ٹینس

کے کھلاڑی اس پر جان دیتے ہیں تو ڈانس کے شوقین پروانہ وار نثار ہوتے ہیں۔ اس کو کالج میں آئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے پھر بھی یار لوگ مجسمۂ وحیدہ اقبال۔ روما اور شارد ا کو فراموش کر بیٹھے۔ لڑکے اور لڑکیاں سب ہی اس کا گیت گاتے ہیں۔ میری اور اُس کی ملاقات بھی بڑی عجیب تھی۔ ایک دن کالج سے چھٹی ہوتے ہی میں سائیکل پر اپنے خیالات میں گم چلا آرہا تھا۔ اور وہ اپنی کار دوڑائے چلی جا رہی تھی۔ میری سائیکل اس کی کار کی زد میں آہی جاتی اگر وہ اپنی پوری طاقت سے اسٹیرنگ گھما کر کار کا رُخ نہ بدل دیتی۔ سائیکل کو ایک معمولی سا جھٹکا لگا اور میں کوشش کے باوجود اپنے کو نہ سنبھال سکا اور چاروں خانے چت زمین پر آرہا۔ وہ فوراً گاڑی روک کر میرے پاس آئی اور معذرت چاہنے لگی۔ اور میں نے اسکو معاف کر دیا مگر کار آہستہ چلانے کی نصیحت کے ساتھ۔ اس معمولی حادثہ نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے بہت ہی قریب کر دیا — جانتے ہو پھر کیا ہوا —؟

تمہاری خیریت ہرگز نہ پوچھونگا۔ کیونکہ تم ڈاکٹر ہو اور بقول تمہارے تمہیں اس قسم کی کوئی بیماری نہیں ہو سکتی۔ شاید اب تمہیں میری قسمت پر رشک آرہا ہوگا۔ خط کا انتظار کروں گا۔ خدا حافظ

تمہارا اپنا۔ شارق

(۲)

جمال پور محلہ حُسن پورہ

۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء

پیارے کمال!

۲ اکتوبر کو کالج میں گاندھی جینتی بہت شاندار طریقہ پر منائی گئی۔ آرٹ سوسائٹی کی طرف سے ایک بہت ہی اچھا ڈرامہ "ڈائمنڈ ورائٹی شو" کے نام سے پیش کیا گیا۔ جسمیں نسرین نے کئی ڈانس کئے۔ پورا ہال لڑکے لڑکیوں اور دوسرے مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نوجوان سگریٹ کے مرغولے بنا رہے تھے اور لڑکیاں اپنے ریشمی آنچل لہرا رہی تھیں۔ سب کی نگاہیں پردہ پر تھیں۔ پردہ ہٹتے ہی سامنے اسٹیج پر کھڑی ہوئی نسرین جمالی سفید لباس میں ایک مرمریں مجسمہ نظر آرہی تھی۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ نسرین کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ بندے ماترم کا ترانہ وہ بڑی ہی پیاری اور دلکش آواز میں گا رہی تھی۔ اور سب کی نگاہیں اس کے ملیح چہرے کی بلائیں لے رہی تھیں۔ Nasional Song (قومی ترانہ) ختم ہوتے ہی پُر زور تالیوں سے ہال پھر گونج اٹھا۔ چند منٹ کے لئے پردہ پھیل گیا۔ پردہ ہٹتے ہی جو سین ہم نے دیکھا کاش وہ تم بھی دیکھتے!

نسرین رنگ برنگ کے جھل مل کرتے نیم عریاں لباس میں ڈانس کا بہترین پوز بنائے کھڑی تھی۔ اور پھر وہ ناگن کی طرح لہرانے لگی۔ اُس کا انگ انگ ناچ رہا تھا۔ ہر شخص اُسے پنجوں کے بل ہوا کے پروں پر رقصاں دیکھ کر محو حیرت تھا واقعی کمال! اُس کا جسم سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور قدرت نے یہ حسین شاہکار میرے لئے ہی بنایا ہے۔ "ڈائمنڈ ورائٹی شو" ختم ہوتے ہی پرنسپل مسٹر ایس۔ این آموجا اسٹیج پر آئے اور انہوں نے ایک مختصر مگر جامع اسپیچ دی۔ معلوم ہے نسرین کے لئے کیا کہا؟ — انہوں نے جو کچھ اُس کے لئے کہا۔ انہی کے الفاظ میں پڑھو۔ " ڈائمنڈ ورائٹی شو کی کامیابی کا سہرا مِس نسرین جمالی اسٹوڈنٹ فرسٹ ایر آف آرٹس کے سر ہے اُنکا لاجواب ڈانس شو کی جان سمجھنا چاہیئے۔ ہمیں کالج کی ایسی آنریبل ڈانسر پر فخر ہے۔ ڈانس ایک اچھا آرٹ ہے۔ میں مسٹر جمال احمد کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی بچی کو اس آرٹ کی تعلیم بطور خاص دلوائی۔ اور میں نسرین جمال کو بہت سے انعامات حاصل کرنے پر دلی مبارکباد دیتا ہوں"۔ ایک لڑکی کے لئے پرنسپل کے یہ الفاظ! کتنی خوش قسمت ہے وہ!! کیوں جل گئے کیا؟ اچھا اب کچھ نہیں بتاتا —

تمہارا ہی، شارق

(۳)

بمبئی۔ ڈاکٹر لین،

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

شارق! دعائیں!!

تمہارے خطوط ملے مگر اپنی انتہائی مصروفیت کے باعث تمہیں جواب نہیں دے سکا۔ تمہارے خطوط نے مجھے بتایا کہ تم کیا سے کیا ہوگئے ہو۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم ایسے نادان ہوگے۔ ایک رقاصہ سے تمہاری محبت مجھے اچھی نہیں لگی۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تمہیں کیا ہوگیا —؟ دوسروں کو کردار کا سبق دینے والا دوست آج خود ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اپنی بیوہ ماں کا خیال کرو جس نے تمہاری خاطر بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ مرحوم باپ کی خون پسینے کی کمائی سے خوب رنگ رلیاں منا رہے ہو اور شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ تمہاری منگنی تمہاز سے ہو چکی ہے۔ ایم۔ اے فائنل میں ہو، اپنے امتحان کا خیال کرو اور اُس ناگن کو بھول جاؤ — جو تمہارا پیچھا کر رہی ہے۔ اُس وقت جبکہ تم یہ خط پڑھ چکوگے تو یقیناً مجھے خشک مزاج ڈاکٹر کہہ کر گالیاں دوگے — اس لئے کہ میں نے تمہاری محبوبہ کی توہین کی ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔

تمہارا — کمال

———— (۴) ————

جمال پور

۱۸ اکتوبر ۱۹۵۴ء

کمال!

تمہارے خط کا عرصہ انتظار تھا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا جو میں ہمیشہ اس کا انتظار ہی کرتا رہتا۔ تمہارا خط پڑھ کر مجھے پسینہ آگیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایک عزیز دوست ہو کر اس طرح میری محبوبہ کی توہین کر دگے رقاصہ کہکر۔ شائد تمہارے سینہ میں دل کی جگہ پتھر ہے جو تم ایک خوبصورت بھولی بھالی معصوم لڑکی کی اس طرح توہین کر رہے ہو۔ وہ ہزاروں کے دل کی ملکہ ہے اور ایک ہر دلعزیز "آنریبل ڈانسر"۔ ڈانس کرتی ہے تو کیا ہوا۔؟ وہ بھی تو ایک آرٹ ہے۔ جانتے ہو کہ تم ایک آرٹسٹ کی توہین کر رہے ہو؟ رہا باپ کی جائداد کا سوال — تو میں ہی اُس جائداد کا مالک ہوں۔ اگر ختم ہو جائیگی تو تم سے بھیک مانگنے نہیں آؤں گا — تم فکر نہ کرو۔ اور وہ شہناز —؟ وہ ماموں زاد بہن ہونے کے علاوہ میری منگیتر بھی ہے۔ اس سے میری منگنی اس وقت ہوئی تھی جب کہ میں ناسمجھ بچہ تھا۔ میری طرف سے شہناز آزاد ہے۔ وہ جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے۔ منگنی تو محض ایک سماجی رشتہ ہے اور نسرین جمالی سے دل کا رشتہ ہے۔ وہ مجھ سے شادی کا وعدہ بھی کر چکی ہے ہم دونوں ایک دوسرے سے قریب اور بہت ہی قریب ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتی۔ فقط

شارق

———— (۵) ————

جمال پور

۷ مارچ ۱۹۵۵ء

پیارے دوست کمال! سلام مسنون!!

تم مجھ سے خفا ہو۔ ہاں ہونا چاہیئے۔ میں بہت ہی نالائق ہوں نا! بچپن میں جبکہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اچانک ابو کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ اس وقت تم ہی ایک ایسے تھے جس نے مجھے سہارا دیا تھا اور تم ہی میرے آنسوؤں کو اپنے دامن میں جذب کر لیتے تھے۔ میرا دل پڑھائی سے اُچاٹ ہو گیا تھا لیکن وہ تم ہی تو تھے جس نے مجھے پڑھائی کی طرف مائل کیا۔ میں بی۔اے میں فیل ہو گیا تھا اور خودکشی کر لینا چاہتا تھا۔ اسوقت تم نے ہی میرے دل میں زندگی سے محبت پیدا کی تھی۔ آج پھر میرا دل خودکشی کرنے کو چاہ رہا ہے زندگی تاریک نظر آ رہی ہے۔ نسرین جمالی میری خاموش زندگی میں چاند بن کر آئی تھی تو تم دوست سے ناصح بن گئے تھے اور مجھے تمہاری یہ ناصحانہ باتیں تیر و نشتر کی طرح لگنے لگی تھیں۔ نسرین کو پا کر میں نے دنیا پائی تھی۔ نسرین نے مجھ سے بڑے بڑے وعدے کئے تھے لمبے چوڑے خط لکھے تھے۔ ہر طرح سے میری جیون ساتھی بننے کا وعدہ کیا تھا لیکن آج صبح اُس نے ایک ایسا مختصر لیکن — دل سوز خط لکھا ہے کہ پڑھ کر میری دنیا ویران ہو گئی ہے میں اُس کے خط کو حرف بحرف نقل کر رہا ہوں:-

" مسٹر شارق!

۱۵ اپریل کو میری منگنی مسٹر جمیل کوثر کے ساتھ ہونیوالی ہے۔ اگر واقعی آپ کو مجھ سے حقیقت محبت ہے تو میرے مستقبل پر آنچ نہ آنے دیجئے اور میری تمام گذشتہ باتوں کو یکلخت بھول جائیے۔ یہ کیوں اور کیسے ہوا — خدا کیلئے یہ نہ پوچھئے۔ فقط۔

آپکی

نسرین جمالی "

میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ نسرین جمالی نے یہ کیسے گوارا کیا کہ اُس کی شادی میرے علاوہ کسی اور سے ہو۔ شادی کے معاملہ میں مسٹر جمال احمد نے اس کو پوری آزادی دے رکھی تھی۔ جمیل کوثر ایف۔اے کا طالب علم ہے اور ایک بہت ہی دولتمند سیٹھ کا لڑکا۔ اور اچھا رقاص بھی۔ گذشتہ ہفتہ اُس نے اُس کے ساتھ ڈانس ضرور کیا تھا — کیا نسرین جمالی نے محض دولت کی وجہ سے جمیل کوثر کو اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ میرا دل ٹوٹ چکا ہے اور آرزوؤں کا یہ جنازہ جو اٹھنے والا ہے مجھ سے دیکھا نہ جائیگا۔ مجھے تمہاری مدد کی ازلیس ضرورت ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں —؟

بدنصیب — شارق

———— (۶) ————

بمبئی۔ ۱۱ مارچ ۱۹۵۵ء

ڈیر شارق!

تمہارا خط کئی بار پڑھا۔ تمہاری قسمت کا یہ فیصلہ نسرین کے ہاتھوں جو ہوا ہے اس سے مجھے دلی خوشی ہوئی — لیکن ایک غم کے ساتھ۔ ہزاروں کے دلوں کی ملکہ اچھا ہوا تمہاری ملکہ نہ بنی۔ شمع محفل نہ کبھی چراغ خانہ بنی ہے اور نہ بنے گی۔ ہمارے سماج میں پیشہ ور طوائفیں کس ذلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کو سوسائٹی کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ سمجھا جاتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کا یہ روپ کسی بھی صورت میں قابلِ عزت نہیں ہے۔ شاید تمہیں یاد ہو میں نے نسرین جمالی کو رقاصہ لکھدیا تھا تمہیں کسقدر

تاکہ ان کا گذر اوقات بہتر ہو۔ وہ انھیں اپنے پیٹ کی خاطر ناچتی ہیں۔ اور یہ شریف زادیاں اپنے شوق کی خاطر، نام و نمود کے لئے مخصوص سوسائٹیز میں رقص کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ نیم عریاں جسموں کی نمائش کرتی ہیں اور یہ "پڑھے لکھے غنڈے" انہیں خوبصورت خطابات مثلاً آنریبل ڈانسر، اور قیمتی پرائزوں (انعامات) سے نوازتے ہیں۔ ایک ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلا کر روپیہ لیتی ہے اور دوسری کو لوگ فخریہ بطور تحفہ انعامات پیش کرتے ہیں یہ ہی فرق ہے نا یا کچھ اور ——؟؟ مغرب کے اندھے مقلد آزادیٔ نسواں اور ترقی کے نام پر نیم عریاں جسموں کے ساتھ ڈانس کرنے کو آرٹ کی معراج کہتے ہیں۔ حوا کی یہ بیٹیاں شریف زادیاں اور نسرین جمالیاں بہترین رقص کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ خوبصورت تمغے قیمتی پرائز حاصل کرتی ہے۔ جھوٹی ظاہری عزت اور شہرت سب کچھ حاصل کرتی ہیں لیکن قدرتی حسن اور نسائیت کھو بیٹھتی ہیں۔ اگر ایسی بے حیائی اور عریانی کا نام آرٹ ہے تو ایسے آرٹ پر لعنت اور ہزار بار لعنت۔ اللہ کا شکر کرو کہ تم نسرین جمالی کے جال سے خود بخود بچ گئے (قدرت نے بچا دیا) امید ہے کہ نسرین جمالی کی بے وفائی پر تم مطلق ماتم نہیں کروگے۔ جاؤ عروسِ مشرق، شرم و حیا کی دیوی پیکرِ رعنا شہناز تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

تمہارا اپنا

کمال

ہر لفظ میں محمدؐ

پندرھویں صدی عیسوی کے صوفی منش ہندی شاعر

کبیر داس کا دوہا

نام لیو ہر بست (چیز) کا کر لو چوگن داؤ

دو ۲ ر لاؤ۔ پنچ گن کر دو بیست ۲۰ بھاگ لگاؤ

باقی رہے کو نو ۹ گن کرکے دو ۲ اور ر لاؤ

کہت کبیر ہر بست میں نام محمدؐ ۹۲ پاؤ

(الجمعیۃ ۳۱ جنوری ۱۹۶۱ء)

تشریح : کبیر داس جی کہتے ہیں کسی چیز کے نام کے ابجد ہوز کے طریقہ سے اعداد نکال لو ان کو چار گنا کر کے اس میں دو جمع کر دو پھر پانچ گنا کر کے بیس سے تقسیم کر دیجیے۔ جو باقی بچے اسے نو گنا کر کے دو جمع کر دو جو جواب آئے گا وہ حضرت "محمدؐ" کے اعداد کے برابر یعنی

$$\left\{ \begin{matrix} \text{م} + \text{ح} + \text{م} + \text{د} \\ ۴۰ + ۸ + ۴۰ + ۴ \end{matrix} \right\} = ۹۲ \text{ ہوگا۔}$$

سنگم کی دنیا (طلباء اور طالبات کے خیالات)

شادی

(ایک عبرتناک افسانہ)

فرحت ہاشمی
حیدرآباد دکن

[عزیزہ فرحت جہاں ہاشمی سنگم بال سبھا کی بہت پرانی ممبر ہیں۔ ان کے کئی مضمون پچھلے پرچوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے سب ممبر و ادارکین بڑے ہوں یا چھوٹے —— ہماری پالیسی اور ہمارے مقصد کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے جو مضمون بھی وہ بھیجتے ہیں وہ نتیجہ کے لحاظ سے بہت اخلاقی اور وزن دار ہوتا ہے اور اگر اس کی روح کو سمجھ لیا جائے تو یقیناً لکھنے والے کا منشا پورا ہو جائیگا اور ہم اپنے آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب سمجھیں گے۔ (ف۔ ل)]

آج فرزانہ روتے روتے بے حال ہو گئی تھی۔ آہ آج اس کی قسمت کا فیصلہ ایک ایسے شخص سے کر دیا گیا جسکو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ بیوی کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ فرزانہ سوچ رہی تھی کہ کاش مجھے اچھا شوہر ملتا جو مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے دے سکتا لیکن سسرال میں تو ایک ایسی ساس اور شوہر سے سابقہ پڑیگا جو تعلیم جاری رکھنے کی ممانعت کے ساتھ دوسری باتوں میں بھی سختی کریں گے اور مجھے کسی طرح پڑھنے نہ دینگے۔ فرزانہ کو اپنے ابا سے یہ امید کبھی نہ تھی کہ وہ انگلینڈ ہو آنے کے بعد بھی اتنے پرانے خیالات کے ہونگے اور اس کی شادی اتنی کم عمری میں کر دینگے۔ ابھی فرزانہ کی عمر ہی کیا تھی، یہی کوئی ۱۵ سال کی ہو گی اور ابھی وہ نویں جماعت میں ہی تعلیم پا رہی تھی۔ اس کی بڑی بہن کی شادی بھی کم عمری میں کر دی گئی تھی اور شادی کے بعد سے اب تک وہ میٹرک پاس کرنے کے خواب ہی دیکھ رہی ہے فرزانہ کی امی تو شادی ابھی کر دینا چاہتی ہیں لیکن اس کے ابا کے دل میں نسیمہ بیگم کے مقابلہ میں کچھ دال برابر رحم زیادہ ہے جو فرزانہ کو ہم پاس کرنے دے رہے ہیں۔

اگر ویسے دیکھا جائے تو فرزانہ کے ابا زبیری صاحب نسیمہ بیگم کی کوئی بات نہیں سنتے لیکن نہ معلوم جہاں سے شادی کی بات شروع ہوتی ہے نسیمہ بیگم کیسے اپنے شوہر کو بہت جلد اپنا ہم خیال بنا لیتی ہیں اور اس کے ابا رضامند نہ ہوتے ہوئے بھی راضی ہو جاتے ہیں؟ یوں تو نسیمہ بیگم کا اپنے شوہر پر بس نہیں چلتا مگر جب سے شادی کی بات پکی ہوئی غریب فرزانہ پر سختی ہونے لگی۔

- - - - - - - - - - - -

آج فرزانہ کی شادی تھی اس کا دماغ کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا۔ کاش فرزانہ ڈاکٹری پڑھ سکتی! اس کے دل میں ڈاکٹری کی خواہش بچپن سے

تھی اور اس کے خیالات کتنے اعلیٰ تھے؟ وہ غریبوں کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی اور ہمیشہ یہی کہتی تھی ڈاکٹری پاس کرکے میں صرف غریبوں کی خدمت کروں گی وغیرہ وغیرہ۔

فرزانہ رو رہی تھی مجبور ہوکر اس کے دماغ میں صرف ایک خیال گھوم رہا تھا کہ خودکشی کر لوں۔ چنانچہ اس نے ایک بزدل کی طرح اپنی ہیرے کی انگوٹھی اپنے حلق کے پار ۔۔ تار لی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ دوسری دنیا میں پہنچ گئی!

آج جب میں نے فرزانہ کی ڈائری کھولی تو ایک صفحہ پر یہ چند سطور نظر پڑیں:۔ "میں حرام موت مر رہی ہوں کیوں؟ یہ میں خود بھی نہیں جانتی؟ میں زندگی بھر کی مصیبت میں مبتلا رہنا نہیں چاہتی۔ میں ہر مصیبت سے دور ہی رہنا چاہتی ہوں۔ اگر کوئی اس کو بزدلی سمجھے تو سمجھا کرے۔"

— — — — — — —

آج فرزانہ کو مرے ہوئے پورا ایک سال ہو گیا اور اس کی چھوٹی بہن کی شادی اُسی لڑکے سے ہو رہی ہے۔

نوٹ: ۔ فرحت ہاشمی صاحبہ نے جو خط اس افسانہ کے ہمراہ بھیجا تھا اس کے چند فقرے ملحوظ رکھئے:۔ "افسانہ "شادی" بھیج رہی ہوں حالانکہ وہ کچھ اچھا نہیں ہے لیکن میری مرحوم دوست نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ میرے متعلق ایک مضمون لکھنا چنانچہ یہ افسانہ کچھ کچھ اسکی زندگی سے ملتا ہوا ہے۔"

گویا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ جو نام اسمیں درج کئے گئے ہیں وہ اصلی نہیں ہیں لیکن قصہ سچا ہے، ہماری سماجی خرابیوں کی وجہ سے اس قسم کے واقعات کا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ روزانہ یہ باتیں دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں لیکن ہم انسے مطلق کوئی سبق نہیں لیتے!! (ادارہ)

سنیچر کے اثرات

حکومتِ ہند نے ۱۹۶۰ء سے سنٹرل پے کمیشن کی رپورٹ پر تعطیلات میں جو کتر بیونت کی ہے اسکا کچھ ذکر ہم صفحہ ۴۴ پر کر چکے ہیں ایک اور چھٹی کا حال بھی سُن لیجئے:۔

پہلے ہر سنیچر کو نصف دن کا دفتر ہوتا تھا۔ اب ایک مہینہ میں پہلے تین سنیچروں کو پورے وقت کا دفتر ہوا کرے گا۔ اس کے متعلق انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۶۰ء میں ایک نوٹ شائع ہوا ہے کہ "سنیچر کے نصف دن کی چھٹی ختم کرنے پر عام طور سے سب دفتر والوں نے بہت برا منایا ہے۔"

"پچھلی صدی میں سنیچر کو بہت سے کاموں کے لئے منحوس سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان میں کوئی اچھا ہندو سنیچر کی شام کو کوئی اہم کام شروع نہیں کرتا۔ سنیچر کے دن جو بچہ پیدا ہوتا ہے اُسے روزی کمانے کے لئے بہت سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جو بچہ اتوار کو پیدا ہوتا ہے وہ خوبصورت، عقلمند، خوش مزاج اور اچھی طبیعت کا ہوتا ہے۔ لیکن مشہور نقاد ولیم ہیزلٹ (۱۷۷۸ء تا ۱۸۳۰ء) کا کہنا ہے کہ سنیچر کے دن چھینک آنے سے کسی خوشخبری کی امید بندھتی ہے مثلاً جیسے "تم چاہتے ہو اس سے ملاقات ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ"

تفریحات

چرخے نامہ

میں ہوں آج وہ سشیرِ مردِ دلیر — کہ سو چیونٹیوں کا کروں دم میں ڈھیر
جو کاغذ سے زور آزمائی کروں — تو پرزے اڑا کر صفائی کروں
میں چٹکی سے دوں موڑ مکھی کی ناک — اُڑا دوں میں اک پھونک میں مشتِ خاک
ہڑپ کر لوں مل جائے گر مجھ کو کھیر — میں دم بھر میں دوں ٹانگیں مینڈک کی چیر
اگر کیلے ہوں ہزار ان ہزار — تو ہر وار میں توڑوں وہ دو قطار
کروں وار میں اک جو شمشیر سے — تو ہو جائیں دو ٹکڑے تربوز کے
کروں وار نیزہ سے گر دانت بھینچ — تو گھس جائے اس کی بینگن کے بیچ
جو ہو مارتا اس کے آگے رہوں — جو ہو بھاگتا اس کے پیچھے رہوں
نمک ڈال دس بیس جھٹکے جو دوں — تو ستو جامنوں کا بھی مرکر دوں

کروں ریل میں بیٹھ کر گر سفر
تو دو دن میں جا پہنچوں چندر نگر

(علیگڑھ کی پرانی یادداشتوں میں سے)

ادب برائے تضیع اوقات

پہلے "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" سُنا کرتے تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ نہیں "ادب برائے تضیع اوقات" زیادہ کام کی چیز ہے جس کی طرف یارانِ نکتہ داں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) پیلے نے کہا ماں سے میں پڑھنے نہ جاؤنگی — اک دُبلا سا لونڈا ہے وہ چٹکی دکھاتا ہے
(۲) ملنے پہ جو آئے ہیں ننھے بنے جاتے ہیں — تربوز کو کہتے ہیں یہ بھینس کا انڈا ہے
(۳) ان کے مدارج اس زمانے میں — جیسے کتے قصائی خانے میں
(۴) کہا دکان ہم کھولیں کہا دکان تم کھولو — کہا نقصان کا ڈر ہے کہا نقصان تو ہوگا
(۵) کہا ہم تم کو لے بھاگیں کہا تم ہم کو لے بھاگو — کہا چالان کا ڈر ہے کہا چالان تو ہوگا
(۶) کانے کی محبت کا سبب پوچھنے والو — اس بات پہ مرتا ہوں کہ اک آنکھ نہیں ہے
(۷) وہ جھرکے سے جو جھانکیں تو میں اتنا پوچھوں — بستر اپنا پسِ دیوار کروں یا نہ کروں

علامہ کرتن دہلوی (از پیام وطن دہلی۔ ۲۰ جون ۱۹۶۰ء)

اچھے استاد کے انمول موتی

ہمارے ایک مخلص بھائی لالہ رام دتا مل جن کا سنگم کے پچھلے پرچوں میں کئی بار ذکر آچکا ہے آزادی کی بھینٹ چڑھ کر پاکستانی پنجاب سے بھارتی پنجاب میں بمقام وانیوال ضلع جالندھر آبسے ہیں اور سرکاری مدرسہ میں صدر مدرس ہیں بچوں کو جیسی تعلیم و تربیت وہ دیتے ہیں اس کا ایک نمونہ ہم دوسرے مدرسین کی امداد اور تقلید یا رہنمائی کے لئے درج کرتے ہیں۔ انسپکٹر صاحب مدارس نے مدرسہ کے سالانہ معائنہ کے وقت ان کے تمام شاگردوں کو جنھوں نے اس قسم کے مضامین سنائے تھے نقدی کی صورت میں انعامات سے نوازا تھا۔ یقین ہے کہ خود لالہ صاحب موصوف کے لئے بھی نہایت اچھی رائے درج کی ہوگی۔ بچوں کو اچھا شہری اور بہترین انسان بنانے کی کسقدر ضرورت ہے جس کے لئے ایسی باتیں ذہن نشین کرا کر انہیں یاد کرانی چاہئیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان کی تعلیم کے دوسرے نمونے بھی پیش کریں۔

اے دوست کیا ہی اچھا ہو اگر تو جانتا ہے :۔

دینا ـــ تو ـــ خدا کی راہ میں دان دے
لینا ـــ تو ـــ غریبوں کی دعا لے
کھانا ـــ تو ـــ غم کو کھا
پینا ـــ تو ـــ غصہ کو پی
بچانا ـــ تو ـــ خوراک کو بچا
مارنا ـــ تو ـــ نفس امارہ کو مار
پہننا ـــ تو ـــ دیش بھگتی کا چولا پہن
بھگانا ـــ تو ـــ دیش سے نفاق کو بھگا
گانا ـــ تو ـــ دیش پریم کا گانا گا
لگانا ـــ تو ـــ ملک میں درخت لگا
ہٹانا ـــ تو ـــ کنبہ پروری اور رشوت کو ہٹا
مٹانا ـــ تو ـــ ملک سے جہالت کو مٹا
بونا ـــ تو ـــ صلح و آشتی کا بیج بو
ملانا ـــ تو ـــ ہندو مسلم اور اچھوت کو ملا
دور کرنا ـــ تو ـــ فرقہ پرستی کی لعنت کو دور کر
قائم کرنا ـــ تو ـــ ملک میں دیش کے پروانوں کی یادگار قائم کر
بچنا ـــ تو ـــ چوری۔ بری صحبت اور لڑائی جھگڑے سے بچ
ڈرنا ـــ تو ـــ رب سے ڈر۔ خدا سے ڈر۔ ناخدا سے نہ ڈر
بڑھانا ـــ تو ـــ اچھے کام اور اچھے دوست بڑھا
پڑھنا ـــ تو ـــ اچھی کتابیں پڑھا کر[1]

---

[1] جو سنگم کتاب گھر دہلی سے مل سکتی ہیں۔

مفید معلومات

۱۔ انسانی قد

بچو! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ قدرت نے جس طرح زمین۔ چاند۔ سورج ستاروں وغیرہ کی رفتار۔ فاصلہ۔ گردش وغیرہ کو ایک خاص حساب اور تناسب سے بنایا ہے اسی طرح خود تمہارے بدن کے اندرونی اور بیرونی حصوں میں تناسب رکھا ہے۔ زمین ۲۴ گھنٹے میں اپنے محور کے گرد ایک چکر لگاتی ہے اور سورج کے گرد ۳۶۵ دن میں۔ اسی طرح چاند کا بھی حساب ہے۔ تمہارے دل۔ تمہاری نبض۔ تمہارے سانس کے لئے بھی تعداد مقرر ہے کہ ایک منٹ میں اتنی حرکت کریں جس میں عمر کے لحاظ سے فرق پڑتا رہتا ہے۔ حرارت کے متعلق تو تمہیں تھرمامیٹر کا تجربہ پہلے سے ہوگا۔ آج ہم بتاتے ہیں کہ تمہارے قد کے متعلق بھی ایک حساب مقرر ہے۔ دیکھو حساب کتنے کام کی چیز ہے اس کی ضرورت ہر جگہ پڑتی ہے اسلئے دل لگا کر ریاضی میں محنت کیا کرو۔

قدیم یونانی لوگوں کے حساب کے مطابق انسانی قد اور جسم کے دوسرے حصوں میں مندرجہ ذیل تناسب ہے :۔

۱۔ پاؤں کا ناپ ایڑی کے آخری سرے سے (تلوے کی طرف سے لیکر) انگوٹھے کی نوک تک چھ گنا کرنے سے قد کی لمبائی آجاتی ہے۔
۲۔ پیشانی کے اوپر کے حصہ سے ٹھوڑی تک کا فاصلہ دس گنا کرنے سے قد کی لمبائی آجائیگی۔
۳۔ ہاتھ کی کلائی سے بیچ کی انگلی کی نوک تک کا فاصلہ بھی دس گنا کرنے سے قد کی لمبائی آجائے گی۔
۴۔ سینہ کا فاصلہ تمام قد کے چوتھائی کے برابر ہوتا ہے۔
۵۔ سینہ کے وسط سے پیشانی کے اوپر کے حصہ تک کا فاصلہ کل قد کا ⅓ ہوتا ہے۔
۶۔ ایک انسان اگر دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو جائے تو دونوں کا درمیانی فاصلہ اس کے قد کے برابر ہونا چاہیئے۔
۷۔ پیشانی کے اوپر کے حصہ سے ٹھوڑی تک کا فاصلہ (۲ مندرجہ بالا) اگر تین مساوی حصوں میں تقسیم کرنا ہو تو پہلا حصہ اوپر سے شروع کر کے بھنووں کے ملنے کی جگہ تک ہوگا اور دوسرا حصہ دونوں مونچھوں کے ملنے کی جگہ تک یعنی اوپر کے ہونٹ کا بیچ کا حصہ۔

انہی اصولوں کے تحت بتوں کے مجسمے بنائے جاتے تھے۔ کوشش کیجئے کہ بدن کے دوسرے حصوں کا بھی تناسب آپ معلوم کرسکیں۔

اگر مندرجہ بالا تناسب کے مطابق آپ کا قد یا دوسرے اعضا نہیں ہیں تو سمجھئے کہ ان میں خامی ہے اسے پورا کرنے کی کوشش کیجئے اور قدرت نے جس حساب سے انسانی جسم کے حصوں کا تناسب مقرر کیا ہے اسکے مطابق آپ نہیں ہیں تو ورزش کرنے اور دیگر ہدایتوں پر عمل کرنے سے یہ کمی رفع ہو سکتی ہے۔

(ماخوذ از روزنامہ الجمعیۃ دہلی، ۱۹ جنوری ۱۹۵۹ء)

[redacted]

۲۔ ماہ دسمبر کی انقلابی اہمیت

اس پرچہ میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ "ماہ دسمبر سے ہمیں کیوں ڈر لگتا ہے اور اسمیں ملکی و قومی نقصانات کا کسقدر ناقابل برداشت سلسلہ چلتا رہتا ہے اب اس کی ۲۳ تاریخ کی انقلابی اہمیت بھی نوٹ کر لیجیے۔ آزادی کی جدوجہد کی تاریخ میں یہ چیزیں بہت کام کی ہیں :۔

مہاتما گاندھی کی تحریک تو اہنسا پر مبنی تھی کہ کسی کو مارے پیٹے بغیر خود اپنی جان پر کشٹ اٹھا کر کام کیا جائے لیکن ان کی تحریک سے پہلے ملک میں ایک جماعت اور تھی جو مار مار کر ملک کو بدیشی راج سے پاک کرنا چاہتی تھی اسے انقلابی جماعت کہتے ہیں اب سُنیئے :۔

(۱) ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند کے جلوس پر چاندنی چوک دہلی میں بم پھینکا گیا۔

(۲) ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ ریڈنگ کی ٹرین کو نظام الدین ریلوے اسٹیشن کے قریب اڑا دینے کی کوشش کی گئی۔

(۳) ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آنجہانی ہری کشن نے گورنر پنجاب پر اپنے پستول سے فائر کیا جو پنجاب یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ ہری کشن کو پھانسی دی گئی اور جن اشخاص کو گرفتار کئے گئے تھے ان میں فسادکے وکیل مسٹر درگا داس اخبار ملاپ کے منیجنگ ایڈیٹر مسٹر رنبیر اور مسٹر چمن لال شامل تھے جو آج کل نینی تال کے قریب بالا مور میں کھیتی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی سزائے موت دی گئی تھی لیکن قسمت نے یاوری کی اور بری کر دئے گئے۔

(۴ بھگ) ار دسمبر ۱۹۲۸ء کو لاہور میں بھگت سنگھ۔ راج گرو۔ چندر شیکھر آزاد اور سکھدیو جیسے فدائے ملک حضرات نے مسٹر سانڈرس کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔

ان تمام واقعات اور اسی قسم کے دوسرے انقلابی کارناموں کے متعلق آپ اپنے استادوں سے دریافت کیجئے اور کتب خانہ میں تاریخوں کا مطالعہ کیجئے۔

(ماخوذ از الجمعیۃ دہلی ۱۶ دسمبر ۱۹۵۸ء)

۳۔ تیرہ کی نحوست

ہم نے ماہ جنوری فروری ۱۹۵۸ء کے پرچہ میں "جشن جمہوریت اور جیبوں کا جال" میں تین "تیرہ" اور "تئیس" کی نحوست کا ذکر کیا تھا۔ تین کے متعلق تو اسی پرچہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ۲۳ کے متعلق اوپر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب ذرا تیرہ کے متعلق بھی توہمات سُن لیجیے۔ بعض لوگوں کا تو عقیدہ ہے کہ تیرہ کا عدد بہت منحوس ہے لیکن ہمارا بالکل نہیں ہے البتہ عام طور سے اس عدد کو اچھا نہیں سمجھا جاتا خصوصاً جن پر اس تاریخ میں کوئی غیر معمولی افتاد پڑی ہو وہ تو یقیناً اسے منحوس ہی سمجھیں گے مثلاً

مسٹر سہروردی سابق وزیر اعظم پاکستان کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ انہوں نے ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو وزارت عظمیٰ کا چارج سنبھالا تھا اور ان کی کابینہ کے اراکین کی تعداد بھی تیرہ تھی اور ان کی کوٹھی کا نمبر بھی ۱۳ تھا اور غالباً کار کا نمبر بھی تیرہ ہی تھا اور وہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۷ء تک یعنی تیرہ مہینے ہی اس عہدہ پر فائز رہے اس لئے سب کرشمہ ۱۳ کے عدد کا ہے۔ کہئے آپ کا کیا خیال ہے یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اخبارات کے نام اس خبر کو ڈھاکہ سے بھیجنے کی تاریخ بھی ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۷ء ہے جو ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے الجمعیۃ سے ہم نے نقل کی ہے۔

۴۔ قطعہ

آزادیٔ افکار سے ہے ان کو تباہی — رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار — انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

ریاست دہلی ۲۶ ستمبر ۱۹۵۶ء

۵۔ لنڈن پلٹ غزل

(جاوید زیدی)

"لنڈن" سے جب پلٹ کے وطن آنا مانگتا — اپنے کو بابو "ساب" کہلوانا مانگتا
کپڑا زمیں پہ ڈال کے کھانا نہیں پسند — کانٹے چھری سے میز پہ ہم کھانا مانگتا
لاؤ کسی ولایتی "ٹوبیکو" کا سگار — تم فون کا ہے دیسی چُرٹ لانا مانگتا
لڑکی گھر اب والا ہے ہم کو نہیں پسند — ہم LOVE کا بات کرنا و شرمانا مانگتا
گل شیر خاں کیسا ہے رکھتا ہے منہ پہ بال — ہم داڑھی مونچھ بیٹھ سے منڈوانا مانگتا
وہ ملچھ "تیم" "پریئر" کو مسجد میں جاتا ہے — ہم صرف "ایوننگ" میں کلب جانا مانگتا

سالنامہ بے داغ ویکلی دہلی ۳۰ جون ۱۹۵۸ء

۶۔ سنیچر کے آدھے دن کی چھٹی ختم ہونے پر

انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین دہلی نے مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں جو نوٹ لکھا ہے۔ ہمیں درج ہے کہ سنیچر کے نصف دن کی چھٹی جو مرکزی حکومت نے ختم کر دی ہے اس سے جیمز جوائس کے کلنڈر کی یاد تازہ ہو گئی ہے جس میں اسنے مصیبت زدہ لوگوں کے نقطہ نظر سے ہفتہ کے دنوں کے نام اس طرح رکھے تھے :۔

Moans-day	آہ و زاری کرنے والا دن
Tears-day	زخمی کرنے والا 〃
Wails-day	گریہ و زاری والا 〃
Thumps-day	ٹھُکّے (ڈھول دھپّہ) والا 〃
Fright-day	دہشت والا 〃
Shatter-day	پاش پاش (ابتر) کرنیوالا 〃

اور یہ سنڈے کا پیش رو بھی ہے۔

(خواجہ ذکی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر رسالہ "ہماسنگم" جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا)

چیف ایڈیٹر و نگراں:۔
خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر
خواجہ ذکی احمد بی۔ اے (جامعہ)

ہمارا سنگم (دو ماہی)

جامعہ نگر ــــ نئی دہلی

سالانہ چندہ
دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ (دو ماہی) چالیس نئے پیسے
(وی پی نہیں بھیجا جائیگا)

پاکستان میں زرِ چندہ وصول کرنیکے مجاز:۔
(۱) مکنیل اینڈ کمرشیل بک کمپنی۔ چوک دال گراں ریلوے روڈ۔ لاہور
(۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی یوسفی ہاؤس۔ تین ہٹی۔ کراچی

جلد ۳ | یکم جنوری ۱۹۶۰ء / ۲۹ فروری مطابق یکم رجب ۱۳۷۹ھ / یکم رمضان المبارک | ۱۷ پوہ / ۱۸ پھاگن سمت بکرم ۲۰۱۶ | ۱۷ پوہ / ۱۷ پھاگن ۱۳۶۷ف | ۱۱ پوش / ۱۰ پھاگن ۱۸۸۱ شکا | شمارہ ۴۵

فہرست مضامین

نوٹ:۔ ہر صفحہ کے اوپر شمارہ کے صفحات کا نمبر ہے اور صفحہ کے نیچے جلد کے صفحات کا مسلسل نمبر ہے۔ فہرستِ ذیل میں شمارہ کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے:۔

نوٹ: چونکہ ستمبر و اکتوبر کا پرچہ وسط دسمبر میں شائع ہوا تھا اس لئے وقت کم ہونے کی وجہ سے اس مرتبہ بھی دو شمارے یعنی نومبر و دسمبر ۱۹۵۹ء اور جنوری و فروری ۱۹۶۰ء کے پرچے ایک ساتھ شائع کئے جا رہے ہیں۔ ان شاء اللہ دو ماہی شمارہ وقت پر نکلا کرے گا۔

پیامِ اقبالؒ

عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے — اور وں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
یہی سنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے — طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم!
کہتا تھا مورِ ناتواں لطفِ خرام اور ہے — آتی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات ہے سکوں
اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے — جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمنِ حجاز کا
گردشِ آدمی ہے اور، گردشِ جام اور ہے — موت ہے عیشِ جاوداں ذوقِ طلب اگر نہ ہو
غم کدۂ نمود میں شرطِ دوام اور ہے — شمعِ سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز

سیاسی جیل

آدمی کے واسطے بزمِ جہاں ایک جیل ہے — اس کے پنجہ سے کوئی آزاد ہونا کھیل ہے؟
ہے اُجالا لیمپ میں باقی جہاں تک تیل ہے — ساتھ ہے عہدِ جوانی کے حکومت حسن کی
میں سمجھتا ہوں مرا دل بھی سیاسی جیل ہے — ایسی برسوں سے مقید ہیں نہ رہا ہوں آرزوئیں
ہے بشر خیل مسافر، عمر گویا ریل ہے — کاٹتی رہتی ہے ہر دم زندگی کی منزلیں
دوستوں سے دشمنی، دشمن سے گہرا میل ہے — کچھ عجب ترکیب ہے اس دشمنِ ایمان کی
آجکل کیا حضرتِ راسخ کا انجن فیل ہے؟ — کیوں خبر آتی نہیں اے تیر کرمِ یار کی؟

(تیرا صدی۔ اجمیری، از منتخبات اردو)

قطعات

یہ کہتے تھے اک لالہ باوقار — کہ عربی حروف اب تو ہم پہ ہیں بار
کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال — ہٹے حائے حطی[1] رہے رام لال

(اکبر الہ آبادی) از صبحِ نو، نومبر ۱۹۵۹ء

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی! — جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا!

(اقبالؒ)

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری — رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ — نہیں ممکن امیری بے فقیری (اقبالؒ)

[1] جس حے سے حلوا لکھا جاتا ہے اسے ابجد ہوز حطی میں حائے حطی کہتے ہیں جو عربی الفاظ حرام و حلال کا پہلا حرف ہے۔ اگر ان دونوں لفظوں سے شروع کا یہ عربی حرف ہٹا لیا جائے تو رام لال رہ جاتا ہے! (ف۔ ا)

"سنگم" کے پچھلے پرچے ضرور پڑھیے کیونکہ

(۱) ہر پرچہ بطورِ خود ایک مکمل کتاب کی طرح ہے۔
(۲) کسی پرچہ کے مضامین کا تعلق کسی گزشتہ یا آئندہ پرچے سے نہیں ہے۔ کسی مضمون میں "باقی آئندہ" کا جھگڑا نہیں ہے۔
(۳) ہر مضمون مسلسل ہے۔ کسی میں یہ نہیں ملے گا کہ "بقیہ ملاحظہ ہو فلاں صفحہ پر" اور یہ ایسی خوبی ہے کہ سوائے سنگم کے اور کسی پرچہ میں آپ کو نہیں ملے گی۔
(۴) اردو کی خدمت اصلی مقصد ہے اسلئے ڈیڑھ روپیہ محصول ڈاک اور فیس رجسٹری آنے پر مفت بھیجا جا سکتا ہے (بکلا پیکٹ)
(۵) کسی پرچہ کا کاغذ اخباری نہیں ہے بلکہ نہایت عمدہ اور سفید ہے۔
(۶) ہر پرچہ کا سرورق مختلف رنگوں میں ہوتا ہے اور اس میں کسی نہ کسی مصنف کی کوئی بلاک کی تصویر بھی ہوتی ہے۔
(۷) اکثر پرچوں میں کئی اور تاریخی تصاویر کے بلاک بھی ہیں۔
(۸) کوئی مضمون مخربِ اخلاق نہیں بلکہ بچوں اور بڑوں دونوں کے اخلاق کو بلند کرنے میں مسیحائی کا حکم رکھتا ہے۔
(۹) یقین جانئے سنگم کا مقصد روپیہ کمانا نہیں۔
(۱۰) س۔ ن۔ گ۔ م سے سچائی۔ نیکی۔ گیان اور محبت کا ثبوت نہ ملتا ہو تو ہم محصول ڈاک کی رقم بھی واپس کر دیں گے۔

رفتار و گفتارِ سنگم

ملزم کون ہے؟

ملک و ملت کی حالت ہر روز ایک نیا رنگ پیش کرتی رہتی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کس موضوع پر قلم اٹھایا جائے اور کسے مورد الزام قرار دیا جائے۔ اگر صرف ملک کی مجموعی حالت کو مدنظر رکھ کر کچھ لکھا جائے تو پریشان حال مسلمان طعنہ دیتے ہیں کہ پہلے یہ تو دیکھو کہ تمہارے بھائیوں پر کیا گذر رہی ہے اور کیا انہیں آدھا تہائی پیٹ بھرنے کو سوکھا ٹکڑا اور تھوڑا بہت تن ڈھانکنے کو موٹا جھوٹا کپڑا بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کے خیالی پلاؤ پکانا اور اگر مسلمانوں کی حقیقی تکالیف کی طرف جھوٹ موٹ سے بھی اشارہ کیا جائے تو برادرانِ وطن کی چاروں طرف سے لے دے شروع ہوجاتی ہے کہ لیجیئے یہ فرقہ واریت اپنا رنگ جما کر نہ معلوم کیا گل کھلائیگی لیکن ہم ان باتوں سے نہ تو خود خائف ہیں اور نہ کسی لالچ کی وجہ سے دوسروں کو مرعوب و مطعون کرنا چاہتے ہیں۔ نہ خوشامد پسند ہیں اور نہ دوسروں کو غلط سجدہ کرنا جانتے ہیں، ہماری تشخیص تو یہ ہے کہ یہ ماحول ہمیشہ اسی طرح رہیگا اور جوار بھاٹے کی طرح کبھی زور دوں پرستدی کی شکل اختیار کریگا اور کبھی "ہم ہیں بھائی بھائی" کے وقتی راگ الاپنے لگیگا۔ لہٰذا آنسو بہانے سے کچھ فائدہ نہیں پہلے تو عمل کی محض تلقین ہی کی جاتی تھی مگر اب وقت آگیا ہے کہ تلقین کرنے والے خود عمل کا نمونہ بن کر میدان میں آئیں ورنہ سننے والوں میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیئے کہ وہ کھڑے ہوکر "لیڈر صاحب" سے دریافت کریں کہ حضور! یہ آپ جو ہمیں نصیحت فرمارہے ہیں کہ "یہ کرنا چاہیئے وہ کرنا چاہیئے" پہلے آپ تو بتلایئے کہ آپ خود کیا کررہے ہیں اور آپ نے اس معاملہ میں جسکی ہدایات ہمیں دی جارہی ہیں اور جسکی بے شمار خوبیاں بیان کرنے پر آپ اسقدر زور دے رہے ہیں کیا کیا کارروائی کی ہے اور کس حد تک آپ کو کامیابی ہوئی ہے۔

سچ جانیئے اگر پبلک اپنا رویہ بدل لے اور "مصلحین" اور "دردمندوں" سے ان کے اعمال کا محاسبہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے تو سارے مسائل دم بھر میں حل ہوجائینگے۔ یقین جانیئے کہ نہ تو یہ خواہ مخواہ کے "خود ساختہ رہنما" ہماری بھلائی چاہتے ہیں اور نہ حکومت کے نمائندے جو ووٹ خرید کر کرسیوں پر براجمان ہوتے رہتے ہیں اور بھانت بھانت کی بولیاں بول کر ہماری ناک میں نکیل ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں دل سے چاہتے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر چلیں۔ ہر غلط روش کا نام نہایت "شستہ" اور "مہذب" تجویز کرلیا ہے۔ مثلاً کلچر، فیملی پلاننگ، منصوبہ "کنواری ماؤں کا گھر" وغیرہ وغیرہ۔ ان سب چیزوں پر ہم ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۹ء کے پرچہ میں کچھ اشارہ کے طور پر آپ کی سمع خراشی کرچکے ہیں جس کے متعلق ہمارے کانوں تک یہ آواز پہنچی ہے کہ یارانِ وقت نے ہمیں "اولڈ ٹائپ" کا انسان قرار دیکر ان سب باتوں کو لایعنی قرار دیا ہے مگر عنقریب وقت آئیگا کہ انہیں اصل حقیقت معلوم ہوجائیگی کہ ہماری بات "مجذوب کی بڑ" تھی یا "الہامی تنبیہ" تھی۔

یاد رکھیئے کہ ان سب خرابیوں کی جڑ نہ لیڈر ہیں اور نہ حکومت بلکہ ہماری اپنی کمزوری، مروت، ضمیر فروشی اور بدبختی ہے۔ سارا قصور ہمارا اپنا ہے ورنہ کسی کی کیا مجال کہ ہمیں صراطِ مستقیم سے بھٹکا دے۔ ہم جانتے ہیں کہ کون شخص اچھا ہے اور کون مطلب کا یار ہے لیکن ہم چاپلوسی میں آکر یا روپے کے لالچ میں اندھے ہوکر غلط آدمی کو اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں اور اسے اپنی قسمت کا مالک بنالیتے ہیں جو کامیاب ہونے کے بعد ہی فوراً آنکھیں بدل لیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ آپ نے کونسا مجھ پر احسان کیا ہے میں نے تو روپیہ دیکر یا آپ کا فلاں کام کرنے کے بدلے میں آپ کا ووٹ حاصل کیا ہے۔ اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ میرا جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ میں کہاں سے پورا کروں۔ لاؤ ہاتھ لاؤ۔ اور آپ اپنی غرض کو ہاتھ بڑھا کر مٹھی گرم کردیتے ہیں۔ بھائی صاحب! قوت دیجاتی ہے لی نہیں جاتی، اب تو آپ سمجھ گئے قصور کس کا ہے اور مجرم یا ملزم کون ہے؟

غلامی یا آزادی؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غلامی میں ہم اچھے تھے یا اب آزادی میں خوش ہیں؟ اسکا جواب دینا بہت مشکل ہے کیونکہ ایک طرف تو ضمیر کی آواز ہے اور دوسری طرف قانون کی تلوار، ضمیر تو یہ کہتی ہے کہ گھر کی تکلیفیں اور آپس کے اندرونی جھگڑے تو ہوا ہی کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں غلامی بدترین چیز ہے۔ ہمیں ان جھگڑوں کو عقل و دانشمندی سے حل کرنا چاہیئے اور اطمینان سے ملک کی آزادی کے تحت تعمیری کاموں میں لگے رہنا چاہیئے۔ بات تو بالکل صحیح ہے اور ہمیں یہی روش اختیار کرنی چاہیئے لیکن جب ہم اپنے صبر کا پیمانہ دیکھتے ہیں کہ وہ لبریز ہوکر چھلکنے لگا ہے اور اب ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں تو پھر بے تابی میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھ جاتی ہے اور بے اختیار زبان سے نکلتا ہے ؎

جس نے میرے یار کو مجھ سے جدا کیا وہ بھی مراد اپنی نہ پائے خدا کرے

ارے میاں! اطمینان ہو تب ہی تو تعمیری کام ہوسکتا ہے ورنہ جو لوگ بظاہر تو ہمیں تعمیری کام میں لگانے کی فکر میں گھلے جارہے ہیں اور دروں پردہ ہمارے وجود سے ہی متنفر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم کل کے مرتے آج ہی غارت ہوجائیں وہ ہمیں اطمینان کب نصیب ہونے دینگے اور ہر روز ایک نیا مسئلہ کھڑا کرکے ہماری جان عذاب میں کئے رہینگے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ نہ تو کسی نے اپنے ویدا اور شاستروں کو دیکھا بھالا ہے اور نہ قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہوکر انسانیت کا صحیح اور سچا نمونہ پیش کرنیکی اہمیت محسوس کی ہے اسلئے یہ ساری خرابیاں درپیش ہیں اور ہمیشہ پیش آتی رہینگی اور ہمیشہ یہاں انکے سامنے کھڑی رہا کرینگی۔ ڈکیتی اور ... کی کثرت، سفر میں جان و مال کا خوف، عورت کی عفت و عصمت بالکل خطرہ میں، ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے بازی اور تو تو میں میں تک پر بیر می سے چلے۔ غرض دنیا کا معمولاتِ زندگی کا ایک

بن جانا، عورت کا سستی ہو جانے کے جذبہ سے نکل کر بید معرک دوسرے کی آغوش میں چلے جانا، شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر عریانی (نیچرل روش) اختیار کر لینا۔ یتیموں اور مظلوموں کا مال ہڑپ کر لینا یا چنگیزیت اختیار کر لینا۔ کھانے پینے کی چیزوں تو درکنار ادویہ تک میں ملاوٹ کرنا، چور بازاری، رشوت وغیرہ وغیرہ میں سے کسی ایک کا نام لے دیکھیے جو انگریز کے وقت میں اتنی کثرت سے تھی جتنی اب ہے۔ پھر اگر "تنگ آمد بجنگ آمد" کے تحت مجبوری سے لوگ آپس میں چپکے چپکے یہ کہنے لگیں کہ "ہائے کہاں گیا میرا صاحب! خراب کر کے مجھے"۔ تو وہ کیوں گردن زدنی قرار دئے جائیں؟

تعصب ہماری عمر کا تقریباً سارا حصہ ایسے ماحول اور سوسائٹی میں بسر ہوا ہے جہاں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی بھی کثیر تعداد تھی اور دن رات انہی میں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا لیکن باہمی تعلقات اتنے اچھے رہے کہ شاید عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی ایسے نہ رہے ہونگے۔ اخباروں میں تعصب اور مار پیٹ کی خبریں پڑھ پڑھ کر ہمیشہ حیرت ہوتی تھی کہ نہ جانے مسجد کے سامنے باجہ بجانے پر، تعزیوں کے نکلنے کے لئے سڑک کے اوپر پیپل کے درخت کی شاخوں کو جو رکاوٹ کا باعث ہوتی تھیں چھانٹ دینے کی وجہ سے۔ یا بقر عید کے موقعہ پر قربانی کے باعث یا ہولی کے دنوں میں بچوں کی شرارت پر اسقدر مار پیٹ اور خون ریزی کیوں ہوتی ہے اور پھر گرفتاریاں اور مقدمہ بازیاں اور سازشیں، جھوٹ سچ سے آسمان کے قلابے ملانے اور سینکڑوں روپیہ اور قیمتی وقت صرف کرنے کی نوبت کیوں آتی ہے جبکہ اپنے ملنے والے ہندوؤں سے ہماری اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ پنجاب کے بعض گاؤں میں سکھوں کو ہرگز گوارا نہیں تھا کہ وہاں دو چار مسلمان جو رہتے ہیں وہ مسجد بنائیں یا کوئی چبوترہ اس کام کے لئے مخصوص کر کے نماز کے لئے اذان دیدیں۔ اذان سے ان کو خاص چڑ تھی۔ حالانکہ گرو نانک صاحب اور حضرت میاں میر صاحبؒ میں انتہائی محبت اور میل ملاپ تھا اور خود گرو گرنتھ صاحب میں بہت سی بانیاں ایسی صاف طور سے ملتی ہیں جن سے سکھوں اور مسلمانوں میں زیادہ اچھے تعلقات پیدا ہونے چاہئیں۔ امرتسر کے مشہور گولڈن ٹیمپل کی بنیاد ایک مسلم یعنی حضرت میاں میر صاحب کے مقدس ہاتھوں سے رکھوائی گئی تھی اور اس گوردوارہ میں جہاں اور چیزیں قابل تعظیم ہیں وہاں جناب بابا فرید صاحب کی گدڑی بھی ایک تھیلی کی شکل میں سی ہوئی زیارت کے لئے نہایت متبرک سمجھی جاتی ہے۔ یہی سب باتیں سکھوں کو دوسرے غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں سے زیادہ قریب کرتی ہیں پھر نہ معلوم کس خود غرض اور جاہل نے ان پڑھ اور گنوار سکھوں کو جنہیں جٹ کہا جاتا تھا یہ مت (تعلیم) دی کہ "تستوں (مسلمانوں) کو بانگ (اذان)" نہ دینے دینا ورنہ تمہاری تیلویاں (عورتیں) بانگی جائینگی (یعنی اذان کی آواز سے تمہاری عورتوں کے استقرار حمل ہونے لگیگا) استغفر اللہ! اسی وجہ سے وہ اذان کے سخت خلاف تھے۔ میرے والد محترم نے ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر میں چالیس سال تک وکالت کی۔ میری ابتدائی تعلیم کا زمانہ وہاں ہی صرف ہوا۔

ایسی ایسی خبریں وہاں آیا کرتی تھیں پھر ان اضلاع سے بھی جو اب پاکستان میں چلے گئے ہیں ایسی ایسی لغویات بہت زور شور سے پہنچا کرتی تھیں۔ آخر میں جب جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ سے منتقل ہو کر جولائی ۱۹۲۵ء میں دہلی آئی ہے اسوقت ہندو مسلم تعلقات بہت ہی زیادہ کشیدہ تھے کیونکہ سوامی شردھانند جی نے شدھی اور سنگٹھن کی تحریکات چلا رکھی تھیں۔ ہم سب کا قیام قرول باغ میں گوردوارہ روڈ پر تھا جو سکھوں سے آباد محلہ تھا۔ اس کشیدگی کے باوجود ہمارا میل جول ہندوؤں اور سکھوں سے بہت زیادہ تھا اور ایک روز کے لئے کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی تو تو میں میں کی یا کسی قسم کی رنجش کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔

اسوقت خیال ہوتا تھا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا لوگوں کے رہن سہن میں فرق ہے کہ چاروں طرف سے تو الٹی سیدھی خبریں آتی ہیں لیکن ہمارے تعلقات بہت ہی زیادہ استوار ہیں حالانکہ لاہور سے آنیوالے ہندو مسلم اخبارات زہریلی خبروں سے بھرے ہوتے تھے اور ہمارے سامنے پڑھے بھی جاتے تھے لیکن کبھی کوئی بات آپس میں انگشت نمائی کی پیدا نہیں ہوئی۔

بات دراصل یہ ہے کہ جہاں اور مختلف پیشے ہیں اور روٹی کمانے کے طریقے ہیں وہاں بہت سے اسی قسم کے قابل [illegible] پیشے ہیں۔ جن سے مقصد صرف روٹی کمانا ہوتا ہے مثلاً عدالتوں میں جائیے کسی شہادت کی ضرورت ہو یا کسی دستاویز کی رجسٹری کے وقت شناخت کی ضرورت ہو تو فوراً وہاں ہی پیشہ ور لوگ مل جاتے ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ دو روپے لیکر شناخت کی شہادت دیدیتے ہیں کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ایسے بہت سے لوگ تو عام بازاری قسم کے پیشہ ور ہوتے ہیں اور بعض وکیل یا اسی قسم کے تعلیمیافتہ "معتبر" لوگ ہوتے ہیں جنہیں عدالت بھی دل میں جھوٹا سمجھتے ہوئے مجبوراً "معتبر" تسلیم کر لیتی ہے اور ان کی شہادت قلمبند کر دیتی ہے۔

خود ہمارے ساتھ اس قسم کے "حادثات" بیسیوں مرتبہ پیش آچکے ہیں بعض لوگ دوسروں کو گرفتار کرانے یا ان کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کے لئے آمادہ رہتے ہیں کیونکہ ان کے روٹی کپڑے کا ذریعہ یہی ہے۔ اکثر چوروں یا بدمعاشوں کے ہاں سے چوری کا مال یا شراب کی بوتلیں پکڑی جاتی ہیں اور وہ گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اب وہ لوگ میدان میں آتے ہیں جو ایسے موقعوں کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور وہ پولیس سے مل کر اور انہیں کچھ دے کر مجرم کو چھوڑ دینے پر رضامند کر لیتے ہیں یا شہادت کمزور کرانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ مقدمہ میں بری ہو جائے۔ وہ پھر مجرم سے پولیس افسران کو "نذرانہ" دینے کی غرض سے

مقدر رقم وصول کرتے ہیں اور اسمیں سے اپنا "مناسب" حصہ رکھکر باقی رقم آگے "پہنچا دیتے ہیں" افسران کی ایسی آمدنی اب بالکل جائز سمجھی جانے لگی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جب کسی لڑکی کے لئے رشتہ کا پیغام آتا ہے تو بیٹی والے پوچھتے ہیں کہ لڑکا کیا کرتا ہے کتنے کا نوکر ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ چار سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے تو پھر یہ سوال بہت ضروری اور لازمی طور سے کیا جاتا ہے کہ "اور بالائی آمدنی کیا ہے" دیکھا آپ نے ملک کی حالت اور قوم کا مذاق؟ جب یہ حالت ہو تو پھر اصلاح کی کیا صورت، اسی طرح حکومت کی بھی گاڑی نہیں چل سکتی جب تک آپسمیں سر پھٹول نہ ہو۔ ایک دوسرے کے خلاف خبریں تو اسی وقت ملیں گی جبکہ رعایا کے آپسمیں تعلقات کشیدہ ہوں، اسی میں نمک مرچ لگا کر لوگ رپورٹیں کرتے ہیں اور حکومت کی گاڑی بغیر کسی رگڑ کے بہت صاف صاف چلتی رہتی ہے۔

پس تعصب ایک قسم کا پیشہ ہے جو پیٹ بھرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے کسی کو دس بیس روپے دیدیجئے اور کسی باعزت شخص کی سر بازار توہین کرا دیجئے۔ یا سو دو سو دیکر کسی بیگناہ کو قتل کرا دیجئے۔ یا کسی لڑکی کو اٹھوا دیجئے یا کسی کے ہاں آگ لگوا دیجئے۔ غرض یہ سب کام ذاتی عداوت سے نہیں ہوتے بلکہ پیشہ کے طریقے سے ہوتے ہیں۔

اسی شدھی اور سنگٹھن کے زمانہ میں جبکہ ہندو مسلم اخبارات ایک دوسرے کے خلاف سنگینیں چڑھا کر میدان میں کود آئے تھے ایک روز ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جبکہ ایک جگہ ہمیں کسی غرض سے جانے کا اتفاق ہوا اور ہم نے وہاں دیکھا کہ وہی ہندو مسلم جرنلسٹ جو ایک دوسرے کے جانی دشمن خیال کئے جاتے تھے ایک مسلمان اخبار نویس کے ہاں مدعو ہیں اور ان کے دسترخوان پر بیٹھے خوب مزے لے لیکر دعوت اڑا رہے ہیں اور خوش گپیاں کر رہے ہیں۔ ہم سے نہ رہا گیا ہم نے فوراً کہا "ہیں! یہ کیا؟ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ ارے بدبختو! ہمیں ہی لڑانے کے لئے فالتو سمجھ لیا ہے اور خود یہ مزے اڑاتے ہو، ہماری نیندیں خراب کرتے ہو اور خود پاؤں پسار کر خراٹے بھرتے ہو؟" سب کا متفقہ جواب ملا کہ "جناب یہ سب روٹی کمانے کے دھندے ہیں۔ ہماری آپس کی کوئی دشمنی نہیں!" سنا آپ نے؟ یہ ہے دنیا کی حالت جسے اب بھی روزانہ ہم دیکھتے اور سنتے ہیں۔

البتہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت تو ضرور ایسی ہوا چلی تھی جسے پاگل پن اور خرابیٔ دماغ کہا جا سکتا ہے، لیکن یقین جانئے ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں کہ اسمیں بڑوں بڑوں کا ہاتھ تھا انہوں نے بھی اسی وجہ سے لاکھوں کا خون کروایا اور ایجنٹوں کے ذریعے یہ زہریلی آب و ہوا پیدا کی کیونکہ ان کا پیٹ عوام سے زیادہ بڑا تھا لیکن اس بحث کو ہم نہیں چھیڑنا چاہتے مگر اسکا اثر اسقدر دیرپا ہے کہ مدتوں ہم اسمیں گرفتار رہیں گے اور پنڈت نہرو جیسے مخلص انسان کے وعظ سے بھی تریاق کا اثر پیدا نہیں ہوگا جو اس زہر کو آسانی سے ختم کر دے۔

ملکی مسائل

گاندھی جی نے جو اصول اپنے لئے بنا رکھے تھے اور جن اصولوں پر وہ ملک کو چلانا چاہتے تھے کیا وہ اصول اب بھی قائم ہیں اور کیا گاندھی سمادھی پر باقاعدہ جمع ہونے والے اور پرارتھنا کا سمبندھ کرنے والے واقعی ان باتوں اور نصیحتوں پر کاربند بھی ہیں یا صرف خانہ پُری کر کے لوگوں کو خوش کرنے اور اپنے کو گاندھی جی کا سچا خادم ظاہر کرنے پر ہی اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ یہ آپ ہم سے نہ پوچھئے آپ کا دل خود بخود گواہی دیگا اور آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ملک کو تباہی کی طرف کون لیجا رہا ہے اور بیچاری جنتا کو مصیبت میں کون پھنسا رہا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ ملک کے اہم مسائل کون سے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے سیکولر اسٹیٹ کا سوال ہے۔ کیا واقعی یہ سیکولر رہ پائیگی یا صرف "کتاب قانون" میں اسکو سیکولر کا نام دیدینے کی وجہ سے اسے سیکولر سمجھا جاتا ہے؟

(۲) اسکے بعد کیا ملکی تقسیم اور اس کے صوبوں کی حدود میں ردوبدل واقعی ضرورت کو مدنظر رکھکر کیا گیا ہے یا محض اسوجہ سے کہ انگریز کے ہر کام کو برا سمجھکر اسمیں ترمیم کرنی ضروری ہے مثلاً کانپور کو انگریزی میں سی (C) سے شروع کیا جاتا تھا اب حکم ہوا ہے کہ کے (K) سے لکھا کرو کیونکہ ک کی آواز کے لئے C غلط ہے K ہونا چاہیئے لیکن کلکتہ میں ابھی تک دونوں سی موجود ہیں، اسی طرح انگریزی حروف میں لکھنے سے درمیان میں جو او (O) آتا ہے اُسے وی اے (VA) میں تبدیل کر دیا جائے دریائے جمنا کی جیم کو ی میں بدل کر "یمنا" کہنا چاہیئے۔

بنارس کو واراناسی بولنا چاہیئے۔ دہلی کو دلّی کہا جائے لیکن دیکھئے ہمارے پاس عبداللہ پور کو یمنا نگر میں بدل دینے سے سیکولرزم پر تو حرف نہیں آتا؟ اسی قسم کی اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟

نیز فراست بھی کبھی کبھی انسان کو بیوقوف اور سڑی بنا دیا کرتی ہے۔ انگریز کی جمائی ہوئی اینٹ کو بے ضرورت اکھاڑ دینے سے دیکھئے لسانی صوبوں کے کتنے جھگڑے پیدا ہو گئے اور کتنا قیمتی وقت پبلک کا اور خود حکومت کا ضائع ہو رہا ہے اور مفت کی مصیبت سر پر آ پڑی ہے جو لوگ پیشہ ور ہیں انہیں ایک نیا منصوبہ ہاتھ لگ گیا اور نیا سستی لیڈروں کو بھی دکان چمکانے کا موقعہ مل گیا۔ صوبوں کی اس تقسیم کا جھگڑا خود پنڈت نہرو جی کی اپنی تجویز کا نتیجہ ہے جسپر غالباً انہوں نے غور نہیں کیا ہوگا، اسی وجہ سے ان کی نیک نیتی نے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچایا اس سے جتنی اذیت ان کے قلب کو پہنچی ہوگی اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے اسی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے "کہ بکائی تھی کھیر ہو گیا دلیہ"۔

(۳) تیسرا بہت سخت تکلیف دہ جو مسئلہ ہے وہ ہے محکمہ کسٹوڈین کا۔ اگر ہماری زندگی رہی تو ہم انشاءاللہ ایک بہت ضخیم کتاب اس کے متعلق مرتب کر کے اپنے دل کا ارمان پورا کرینگے اور اس سے جو نقصان ذاتی طور سے ہمیں پہنچا ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں پر جو مصائب و مظالم کے پہاڑ ٹوٹے ہیں ان کی سچی تصویر بطور تاریخی دستاویز کے پیش کر کے اپنے پژمردہ دل کو تسکین دینگے۔ ہندوستان کی تاریخ جنگ آزادی تو جیسی لکھی جائیگی اسکا راز تو افشا ہو چکا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس تاریخ کو اب تک اگر مسلمان چاہتے تو اس حصہ کو جو مسلمانوں کے کردار کے متعلق ہے اب تک نہایت شرح و بسط سے شائع کر دیتے لیکن یہ کام بہت محنت اور کاوش کا ہے۔ ہندو محققین اور ایماندار ذی علم اصحاب نے مسلمانوں کی دوڑ دھوپ اور قربانیوں اور جانفروشیوں پر وقتاً فوقتاً جو مضامین ملک کے اخبارات میں لکھے ہیں انہیں بھی مع ان کے ناموں کے اور ان حوالوں کے جو انہوں نے اپنے مضامین میں درج کئے ہیں نہایت ترتیب اور سلیقہ سے درج کر کے اس کتاب میں شامل کر دینا چاہیئے تھا تاکہ ملک کی جو فضا بگڑتی جا رہی ہے اسمیں وہ کام آتی۔ اور خود ہندو اصحاب کے خیالات اور انکی رائیں ہی عین وقت پر مسلمانوں کے لئے ڈھال اور سپر کا کام دیتیں۔

ایسی کتاب کے لئے کوئی جماعت میدان میں نکلتی اور باہمی امداد کے ذریعے اسکو شائع کرتی اب بھی وقت ہے کہ اس کام کو فوراً کیا جائے۔ اگر ہندوستان کی بر سر اقتدار جماعت اسے کوئی اہمیت نہ دے تو پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ دنیا کے تمام متمدن ممالک اسکو ہاتھوں ہاتھ لینگے اور آزادی کے لئے جو جد و جہد مسلمانوں نے کی ہے اس کو خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا اور اس سے مسلمانوں کے تاریخی کارناموں میں ایک بیش قیمت اضافہ ہوگا۔ اگر کسٹوڈین اور دوسرے محکموں کے متعلق ابواب کو شامل نہ بھی کیا جائے تو بھی مسلمانوں نے جو سر دھڑ کی بازی لگا کر اپنا فرض ادا کیا ہے اور اب اسکے صلے میں جن مصائب کا سامنا انہیں کرنا پڑ رہا ہے اس سے قطع نظر کم از کم یہ تو ثابت ہو جائیگا کہ غیر ملکی اقتدار کے خلاف سب سے پہلے مسلمانوں نے علم بلند کیا تھا۔ موجودہ تنگ نظر فرقے اسے تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن آنیوالا دور اسکو ایک قیمتی اور معتبر تاریخ سمجھنے پر مجبور ہوگا۔

بہرحال تاریخ آزادی لکھنا تو کسی بڑی جماعت کا کام ہے ہم تو اپنے میں اسکی اہلیت مطلق نہیں پاتے اور نہ فن تاریخ نویسی سے ہم واقف ہیں، البتہ چونکہ کسٹوڈین کے محکمہ کی سب باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے گزری ہیں اس لئے اس کو نہایت ایمانداری سے مرتب کرنے کی کوشش کرنا نامناسب نہ ہوگا بلکہ اگر احباب نے صدق دلی سے ہمارا ساتھ دیا اور چیدہ چیدہ اہم واقعات کا مواد ہم پہنچایا تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس خدمت کا سرانجام دینا زیادہ دشوار نہ ہوگا اور یہ ملک و ملت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

حاشا کہ اللہ ہمارے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں ہے کہ ایسی کتاب مرتب کرنے سے کسی فرد واحد کی تذلیل کی جائے یا کسی جماعت کی توہین کی جائے یا حکومت کو مطعون کیا جائے اور اسے بین الاقوامی نظروں میں لاپرواہ یا محسن کش ثابت کیا جائے بلکہ اس سے مقصد یہ ہوگا کہ ایسے زبردست انقلاب کے بعد ایسے واقعات و حالات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے البتہ اگر ارباب اقتدار ذمہ داری سے کام لیتے تو اقلیتوں کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ کوئی انتقامی جذبہ کارفرما ہے تاہم اس سے آئندہ کے لئے انہیں یقیناً سبق ملیگا اور ملکی حالات میں بہتری کی صورت پیدا ہونیکا امکان ہوگا، نیز یہ بھی ثابت ہوگا کہ باوجود ان تمام باتوں کے ہندی مسلمان نے کوئی غلط روش اختیار نہیں کی جس سے اسکی وفاداری اور حکومت کے ساتھ تعاون پر حرف آئے بلکہ وہ وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے ثابت قدم رہا اور استقلال سے جما رہا۔

کسٹوڈین کے ارباب اقتدار کے اور کارنامے تو علیحدہ رہے حیرت و استعجاب بلکہ غصہ اور رنج تو ہمیں ان اشتہارات کو دیکھ کر بہت زیادہ محسوس ہوتا ہے جو کہ روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں ان مقدمات کے بارے میں شائع ہوتے رہتے ہیں جو کہ سنی مجلس اوقاف دہلی کی طرف سے ڈسٹرکٹ جج صاحب دہلی کی عدالت میں دہلی کی مسجدوں کی واگزاری کے متعلق وقف ایکٹ کے تحت دائر کئے جاتے ہیں۔ سنی مجلس اوقاف کا روپیہ اور وقت مفت میں ضائع ہو رہا ہے اور خود حکومت کا بھی، جبکہ دنیا کے ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسجد خواہ پبلک کے چندہ سے بنی ہو خواہ کسی فرد واحد نے بنوائی ہو ہمیشہ اللہ کے نام وقف سمجھی جاتی ہے۔ اگر فرد واحد نے کسی عمارت کو مسجد ظاہر کر کے نماز کے لئے مخصوص کر دینے کا اعلان کر دیا ہو تو اس کے بعد خود اسے بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ اسے شہید کر دے یا کسی کے ہاتھ فروخت کر دے۔ جب یہ صورت ہے تو پھر تو مسجد خود بخود وقف سمجھی جاتی ہے اور چونکہ عبادت خانہ ہے اس پر کسٹوڈین کا دخل کیا معنی رکھتا ہے وقف کی بنی جائداد اگر کسی ایسے شخص کے نام ہے ہو جو ہندوستان سے پاکستان چلا گیا ہے تو البتہ اس کا حق کسٹوڈین صاحب کو پہنچ سکتا ہے لیکن اللہ تو بھاگ کر کہیں نہیں گیا وہ تو یہاں ہی موجود ہے یہ اور بات ہے کہ کسٹوڈین کے منکروں کو نظر نہ آتا ہو پھر اس کے نام کی جائداد "ایویکوئی" (نکاسی) کیوں قرار دی جائے۔

ابھی کچھ روز ہوئے نہایت فخر سے اس امر کا اعلان پنجاب کی کیروں حکومت کی طرف سے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ پنجاب میں ۶۵ مسجدیں واگزار کر دی گئی ہیں۔ اس اعلان کو ڈھلی کے ساتھ گایا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔ ارے صاحب تین سو کے قریب مسجدیں تو صرف ایک قصبہ پانی پت میں ہیں۔ آپ نے سارے پنجاب میں ۶۵ کا ذکر کر کے

[redacted]

معلوم کونسا تیر مارا ہے بس یہی باتیں ایسی ہیں جنہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے حکومت کے لئے پارٹیوں کی ضرورت نہیں قابل آدمیوں کی ضرورت ہے جب تک "Right man in the right place" کا اصول نہ اپنایا جائیگا اور غلط آدمیوں میں یہی عہدے بانٹ دیئے جائیں گے اسوقت تک ملک پر چیلوں اور کوؤں کی حکومت رہے گی۔ اسی سے "خویش و اقربا پروری" کا جذبہ پیدا ہوتا اور ملک کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے۔ پارٹی بازی بھی کی شاخ خویش پروری ہے پھر اسکو برا کیوں سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کے سب باشندے ایک ہیں خواہ وہ کسی علاقہ کے ہوں اور کوئی زبان بولتے ہوں۔ آپ سب میں سے بہترین صالحین اور لائق انسانوں کو حکومت میں لیجئے عہدہ اور منصب خود بخود ان کو صحیح راستہ بتادیگا جب قابل آدمیوں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہوگی اور پارٹی بازی کا جذبہ کارفرما نہ ہوگا تو یقین جانئے ہر شخص اپنے فرض منصبی کی ایمانداری سے حفاظت کریگا اور ملک کیلئے وہ دن بہت مبارک ہوگا۔

(۴) چوتھی چیز تعلیم ہے۔ جب انگریزی حکومت تھی تو "دیش بھگت" کہا کرتے تھے کہ انگریز نے ایسی کتابیں نصاب میں داخل کر رکھی ہیں جن سے ہندوستان کے لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہیں گے اور ایک دوسرے کے دور حکومت کو ظالموں اور غاصبوں کا زمانہ سمجھتے رہیں گے اور یہ تعلیم محض کلرک پیدا کرتی ہے۔ ہندوستان آزاد ہوئے بغیر صحیح تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ قسم قسم کے اندیشے اور خطرے بیان کئے جاتے تھے اور آزاد ہونے کے بعد سبز باغ دکھائے جاتے تھے لیکن ہوا کیا۔ وہی کتابیں اور وہی کورس، سائنس اور حساب میں امریکہ اور یورپ کی کتابوں کا چربہ۔ کوئی کتاب لے لیجئے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ محض امتحان پاس کرانے کے لئے کسی مخصوص صوبہ میں وہاں کی یونیورسٹی کے مجوزہ نصاب کے مطابق لکھی گئی ہے جس سے مقصود روپیہ کمانا ہے علم میں اضافہ کرنا نہیں ہے۔ تاریخ میں انگریز کے زمانے سے زیادہ بدتر لغویات اور بے سروپا جھوٹ بھرا ہوا ہے۔ فرقہ واریت بہت زیادہ نمایاں ہو گئی ہے۔ ادب کی عام ریڈروں میں دوسروں کے مذہبی پیشواؤں کی شان میں گستاخانہ الفاظ کی بھرمار ہے۔ پھر لطف تو یہ ہے کہ لیڈران قوم جلسوں میں طلبہ کو ایسی مت دیتے ہیں جن سے طلبہ اور طالبات میں بیجا خودسری اور بے لگامی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان میں نہ استاد کا ادب ہے اور نہ ماں باپ کی اطاعت، ذرا خیال کیجئے اگر کوئی لڑکا امتحان میں نقل کرتا ہوا پکڑا جائے تو بیچارے نگران امتحان کی خیر نہیں۔ نقال کہتا ہے یا تو نقل کرنے دو ورنہ باہر چل کر تمہیں نمٹ لونگا۔ اگر ڈاکٹری، انجینیری یا کوئی اور امتحان نقل کرنے سے پاس کیا اور ڈاکٹری یا انجینیری کی سند حاصل کرکے ملازم ہو گئے تو پبلک کا کیا حشر ہوگا۔ شفاخانوں میں مریض کس کی جان کو روئیں گے۔ البتہ فیملی پلاننگ والوں کو جو یہ اندیشہ ہے کہ پیدائش کے مقابلہ میں اموات بہت کم ہوتی ہیں اس سے آبادی بہت سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے اس اندیشہ کا علاج ان ڈاکٹروں کے ہاتھ میں آجائیگا۔ اور اموات کا تناسب بھی پیدائش کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ جائیگا۔

انجینیروں کے متعلق اب بھی ادھر ادھر سے خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں عمارت کی چھت ایک دم بیٹھ گئی اور اتنے آدمی دب گئے یا زخمی ہو گئے۔ فلاں پل ٹوٹ گیا اور اس پر سے گزرنے والی بسیں یا آدمی غرق ہو گئے یا فلاں جگہ جانکاہ حادثہ ہوا جسمیں صرف اتنے کروڑ کا نقصان ہوا اور اب اس کی مرمت میں اتنے کروڑ کے صرف کا اندازہ ہے۔ مثلاً بھاکڑہ ڈیم وغیرہ وغیرہ یہ تو غیر قابل انجینیروں کی نگرانی کا نتیجہ ہے نقل کرکے پاس ہونیوالوں کا کارنامہ تو اس سے بدرجہا "شاندار" ہوا کریگا۔

ایک مشہور قومی رہنما کو صرف انگریزی زبان سے چڑ ہے باقی سب چیزیں انگریزی ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ وہ طلبہ کو تلقین فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں تمہارے استاد انگریزی میں لکچر دیں تو تم بہت شور و غل مچاؤ اور یا کلاس چھوڑ کر چلے آؤ۔ فرمائیے کیا رائے ہے۔ حکومت نے اس پرانے گھاگ کی زبان بندی کے لئے کیا کیا ان کو "مہمان خانہ" میں کیوں نہیں پہنچایا جو لڑکوں کو بے ادب اور بے تمیز بنا رہے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکے اب ہاتھ سے نکل رہے ہیں اور جب چاہتے ہیں مدرسہ یا کالج چھوڑ جاتے ہیں اور جب کوئی بات مرضی کے خلاف دیکھتے ہیں تو بند کر دو بند کر دو کے نعرے لگا کر کل ساز و سامان کو ہی آگ لگا دیتے ہیں اور استاد پر بھی ہاتھ صاف کر بیٹھتے ہیں، لیکن ہماری رائے میں یہ صرف تعلیم کا ہی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے، بداخلاق استادوں کی صحبت اور اثر کے باعث ہے۔ ورنہ نوجوان طلبہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا انہیں سمجھ لیا گیا ہے۔ ملک کی محبت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی یا باہمی اتحاد و اتفاق سے رہنے کی مطلق تعلیم نہیں دی گئی ادب اور تمیز سے رہنے کی نہ تلقین کی گئی اور نہ عملی نمونہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ نمونہ پیش ہی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ اس معاملہ میں خود کورے ہیں۔ یونیورسٹی کے نصاب سے پہلے تو استادوں کی تعلیم و تربیت کے معاملہ پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں استادوں کے معاملہ میں مطلق رعایت یا نرمی نہیں کرنی چاہیئے۔

پانی پینے کی مٹی کی دو آنے کی ٹھلیا جب کمہار کے ہاں سے خریدی جاتی ہے تو اُسے بھی اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیا جاتا ہے کہ کہیں Crack (تیڑ) تو نہیں ہے جس سے پانی ٹپکنے لگیگا۔ اسی طرح جب استاد کا انتخاب کیا جائے تو خوب دیکھ لینا چاہیئے کہ اس میں Crack تو نہیں ہے اور اس کی تعلیم طلباء کے لئے مفید بھی ہوگی یا سب بیکار جائیگی۔ ہمارا عمر بھر کا تجربہ ہے کہ ہر اسٹرائک میں جو طلبہ کرتے ہیں کسی نہ کسی استاد کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ ہر ہڑتال جو مزدور یا کوئی جماعت کرتی ہے کسی لیڈر یا خود غرض شخص یا اشخاص کے شہ دینے اور ورغلانے سے کی جاتی ہے۔ طلبہ کو اگر آئندہ کے لئے ملک کا اچھا شہری بنانا مقصود ہو تو ابھی وقت ہے کہ اس کی طرف

سب مل کر توجہ کریں ورنہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آیا کرتا ۔

یہاں تک تو تعلیم کا اخلاقی اور سماجی پہلو تھا جس پر ہم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مذہبی تعلیم کے ذکر کو ہم نے ابھی چھوا تک نہیں اسے کسی آئندہ اشاعت کے لئے ملتوی رکھتے ہیں، البتہ ایک بات رہ گئی ہے جس کے لئے آزادی سے پہلے بڑھ چڑھ کر دعوے کئے جاتے تھے اور پہلی تعلیم کو مطعون کیا جاتا تھا کہ وہ کلرک پیدا کرتی ہے ۔

خودداری نہ معلوم کلرکوں نے کبھی لیڈروں کے اس طعن آمیز بیان کا برا منایا یا نہیں اور کبھی کسی قسم کی صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں کہ " انگریز نے تو محض کلرک پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے " گویا کلرک بہت نیچ قسم ... ہے یا بہت نفرت انگیز جماعت ہے جو انگریزی تعلیم کا نتیجہ ہے ۔ اگر تعلیم اچھی ہوتی تو کلرکوں کے بجائے فرشتے پیدا ہوتے، اب بارہ سال ہوگئے ہیں اب تک کسی نصاب میں کوئی خوشگوار یا اہم تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی بلکہ یہی سننے میں آرہا ہے کہ ہر سال یونیورسٹیوں سے پاس ہو کر نکلنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے کہ ہر ایک کے لئے نوکری کا ملنا مشکل ہے اس سے بے روزگاری میں خطرناک اضافہ ہو رہا ہے لہٰذا آئندہ ہر شخص کو یونیورسٹی تعلیم کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ جو درجۂ اول یا دوم میں پاس ہوں انہیں ہی اجازت ہونی چاہیئے یا ممکن ہے کہ ان کے لئے بھی کوئی اور شرط لگا دی جائے حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ جس طرح ایک کھلاڑی جو کرکٹ میں کبھی سنچری بناتا ہے اور کبھی محض انڈا لے کر واپس چلا آتا ہے اسی طرح وہ طالب علم جو اپنی جماعت میں سب سے نمایاں رہا ہو اور جس سے دوسرے لڑکے بہت کچھ سیکھتے رہے ہوں اور استاد بھی اس کی قابلیت کے معترف ہوں وہ بُری طرح امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے۔ مگر ایک دوسرا لڑکا جو ساری عمر کھلنڈرا ہی رہا ہو اور اس نے کتاب کھول کر دیکھنے کا نام ہی نہ لیا ہو وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک لڑکا ذہین ہے اور محنت کرنے سے دوسرے محنتی لڑکوں سے بھی آگے نکل سکتا ہے مگر وہ اب محض تھرڈ کلاس پاس ہوا ہے لہٰذا وہ آئندہ تعلیم سے محروم کر دیا جائیگا ۔ بہرحال نصاب میں کوئی ایسی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی جس سے لڑکے علم کو علم کی غرض سے پڑھیں اور نوکری کی خاطر اسے حاصل نہ کریں ۔

یہ جتنے " قابل " لوگ انگریز کو طعن دیتے پھرتے ہیں یہ کہاں کی پیداوار ہیں ؟ انہی کلرک زاد یونیورسٹیوں کی ! ان سے پوچھئے کہ آپ نے ان کے مقابلہ کے کتنے آدمی پیدا کئے ہیں اور وہ نصاب کہاں ہے جس سے وہ فرشتے پیدا ہوتے جن کے خواب دیکھے گئے تھے ؟

ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو ویسے کلرک بھی پیدا نہیں کرسکے جیسے پہلے پیدا ہوتے تھے۔ کسی دفتر میں چلے جایئے اور کوئی فائل اٹھا کر دیکھ لیجئے، نہ خط پڑھا جاسکتا ہے نہ زبان درست اور نہ املا صحیح ہوتی ہے نہ اندراجات غلطیوں سے پاک ہوتے ہیں اور نہ کاغذات کی ترتیب صحیح ہوتی ہے بلکہ اہم کاغذ ہی غائب ہوتے ہیں اور بعض جگہ تو فائل کا فائل ہی ہضم ہو جاتا ہے ۔

افسر سے لے کر ماتحت تک فن " کلرکی " میں کورے نظر آتے ہیں کیا ایسے موقعہ پر یہ نہیں کہا جاسکتا " چھوڑ دی بلی میں تو لنڈورا ہی بھلا " یا ذرا شاعرانہ انداز میں یوں کہیں گے " میں باز آیا دل کے لگانے سے " بھائی ! ہمیں تو وہی تعلیم اچھی تھی جو سلیقہ کا کلرک اور فرض شناس بحر پیدا کرتی تھی ۔

کونسا وزیر، کونسا لیڈر، کونسا پردھان ایسا ہے جسے اچھے یا برے کلرک کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ یہ کلرک ہی کی جماعت تو ہے جس کے تاں حکومت کی گاڑی چل رہی ہے۔ کلرک چاہے تو گاڑیوں کی ٹکر کرادے، ہوائی جہازوں کو غارت کرادے کشتیوں کو سمندر میں الٹ وا دے ۔ بہرحال جانداروں پر حکومت پٹواری کی ہے اور دفتری اعتبار سے حکومت کلرک کی ہے۔ کاش ہم اچھا کلرک ہی پیدا کرسکیں !

تعلیم کا موضوع بہت زیادہ گہرے مطالعہ کا محتاج ہے اور بہت تفصیلات چاہتا ہے اس لئے فی الحال اسے یہیں ختم کرتے ہیں ۔ نئی تعلیم کا تجربہ جامعہ ملیہ سے بہتر ابھی تک کسی جگہ نہیں ہوا ہے اس لئے جب اس موضوع پر لکھا جائیگا اس وقت تعلیمی تجربات کا بھی ذکر کیا جائیگا ۔

(۵) پانچویں چیز یونانی طب کا مسئلہ ہے اور چھٹی چیز اردو زبان کی بقاء یا ترقی کا سوال ہے، یونانی طب کے متعلق تو ہم نومبر دسمبر کے پرچہ میں کچھ اظہار خیال کر چکے ہیں ۔ اردو کے متعلق چند باتوں کا اعادہ اور چند کا مزید اضافہ کسی دوسری جگہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ۔

جنوری اور فروری کے مہینوں کی اہمیت ماہ دسمبر کے مقابلہ میں اسی اعتبار سے جس کا ذکر پچھلے شمارہ میں کیا جا چکا ہے کچھ کم نہیں ہے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ ہے ۔ ذاتی اعتبار سے تو ہمیں جنوری میں دو زبردست صدمے برداشت کرنے پڑے ۔ ایک ۲ جنوری ۱۹۲۵ء کو جبکہ ہماری شریک زندگی نے عین عالم شباب میں جمعہ کی نماز کے وقت ہماری رفاقت کا لحاظ کئے بغیر سفر آخرت اختیار کر لیا اور دو لڑکوں کو جن کی عمریں بارہ اور دس سال کی تھیں ہماری ذمہ داری پر چھوڑ دیا ۔ اور ہمیں ایک شاعر کا یہ شعر کہنا پڑا ؎ مجھ سے نفرت سہی اور غیر سے لڑائی ۔۔۔ بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشہ کوئی دن اور شعر میں لڑائی کے لفظ کو دیکھ کر غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے اس نیک بخت کی کبھی سے

[redacted]

بھی رذالی نہیں تھی وہ تو نہایت خوش سیرت، خوش صورت اور بہت ہی بلند اخلاق کی نیک بندی تھی اسی وجہ سے اس پر ملک الموت کا زبردست حملہ ہوا اور وہ اپنی عمر کا بقیہ حصہ ہمارے حق میں ہبہ کر کے رخصت ہو گئی اور ہم اب تک زمین پر بوجھ بنے قیامت کے بورے سمیٹ رہے ہیں۔ اس کے بعد ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء کو ہمارے سر سے ہمارے شفیق باپ کا سایہ اٹھ گیا اور ہم بالکل تنہا رہ گئے۔

ملکی اور قومی اعتبار سے تو جنوری کے مظالم اور صدمے اسقدر ہیں کہ انکا ذکر کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور رنج و غم کا ایک پہاڑ سا ہم پر ٹوٹ پڑتا ہے کیونکہ ملک کے سب سے بڑے نیتا مہاتما گاندھی اسی جنوری ۱۹۴۸ء کی ۳۰ تاریخ کو ہندو مسلم اتحاد کی قربانگاہ پر ایک ظالم ہندو کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بنے تھے اور اس کے لئے اپنی جان قربان کر دی کا جو بچن دیا تھا انہوں نے پورا کر دکھایا نیز انکے مخلص ساتھی اور ہندوستان میں تحریک آزادی کے نہایت سچے علمبردار اور مسلمانوں کو غلامی سے نجات پانے کے لئے انگریز کا ڈٹ کر اور بے خوف ہو کر مقابلہ کرنے کی ہمیشہ تلقین کرنے والے اور ہندوؤں کے دوش بدوش چلنے اور ان سے محبت و اتحاد سے رہنے کی سختی سے تاکید کرنے والے نیز عالمی سیاست کے ماہر اور آل انڈیا کانگریس کے صدر نیز انگریزی زبان کے بے مثل ادیب اور ان سب سے زیادہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانی مولانا محمد علی جوہر نے جنوری ۱۹۳۱ء کی ۴ تاریخ کو لندن میں اپنے اس قول کو پورا کر دکھایا جو انہوں نے وہاں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا تھا کہ میں یا تو آزادی لے کر جاؤں گا یا یہاں ہی مر جاؤں گا اور غلامی کی حالت میں واپس نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ وہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی آغوش رحمت میں لے لیا اور ان کے قول کی لاج رکھ لی نیز اسقدر بلند مرتبہ عطا فرمایا کہ بیت المقدس جیسی پاک سرزمین میں انہیں آخری آرامگاہ نصیب ہوئی۔

۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا جانکاہ حادثہ ظہور پذیر ہوا اور ہم ایک عظیم شخصیت کے فیض سے محروم ہو گئے اور اب ۴ فروری ۱۹۶۰ء کو جامعہ کے ایک بہت بڑے سرپرست اور ملک کے ایک بہت بڑے روشن دماغ نواب حمید اللہ خاں صاحب سابق فرمانروائے بھوپال اس دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد ہو گئے۔ ان میں سے کونسی شخصیت ایسی ہے جسکو نظرانداز کر دیا جائے جی چاہتا ہے کہ ہر ایک ہستی پر دل کھول کر لکھا جائے اور ان کے محاسن ایک ایک کر کے گنوائے جائیں لیکن اپنے پرچہ کی ضخامت پر نظر کرتے ہیں تو اس کی گنجائش نہیں نکل سکتی لہٰذا صرف عقیدت کے پھول پیش کر کے کسی آئندہ صحبت کے لئے ملتوی کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اعلیٰ مدارج عطا فرمائے اور ان پر رحمت کی بارش کرے آمین!

اور ہم سب کو راہ مستقیم کی توفیق و استقامت بخشے۔ آمین!

اُردو کی دارو

اُردو کو جو روگ لگ گیا ہے اس کی دارو کے لئے آپ جتنی بھی کوشش کریں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک کہ آپ گھریلو علاج کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ اس کے متعلق اب زیادہ وضاحت سے لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے سنگم کے پرانے پرچے اٹھا کر دیکھ لیجئے ہم نے جو کچھ لکھ دیا ہے اسے پتھر کی لکیر سمجھئے، جو کچھ وہی جسکو ہم بالوضاحت عرض کر چکے ہیں اب ایک بار اور سن لیجئے۔ ہندوستان کی زبان ہندوستانی ہندی نہیں ہوگی بلکہ سنسکرت زدہ ہندی ہوگی جسے آگے چل کر خالص سنسکرت میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ وجوہات سن لیجئے:-

ا۔ راشٹرپتی جی کی خدمت میں جو محضرنامہ پیش کیا گیا تھا اور جس کے ساتھ بائیس لاکھ انسانوں کے دستخطوں کی جلدیں بھی پیش کی گئی تھیں اُسے چند سال تو ہو گئے ہونگے مگر اس کا کوئی جواب باوجود تقاضوں کے "باضابطہ" سے نہیں ملا۔ اردو کا معاملہ تو ایک طرف رہا راشٹرپتی جی کے اس طرز عمل کا اثر یہ ہوا کہ کسی بھی دفتر میں مسلمانوں کی تکلیف کی درخواست پیش کی جائے جواب نہیں ملیگا۔ اور یہ خرابی اللہ کی عنایت سے اس قدر گہری جڑ پکڑ رہی ہے کہ رفتہ رفتہ یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے اور اب اس میں ہندو مسلم کی کوئی تخصیص نہیں رہیگی چنانچہ دفتروں کی جو حالت آپ سن رہے ہیں وہ اس کی تصدیق کے لئے کافی ہے اور اس کا سوت راشٹرپتی بھون کے مغل گارڈن میں ہے۔ ہم نے "مغل گارڈن" کا نام بوجہ لیا ہے تاکہ خرابی کا باعث کچھ "مغل" کے نام کے ساتھ بھی وابستہ ہے گاندھی جی کے خاص رفیق اور ملک کے نہایت جفاکش نیتا سے ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ بائیس لاکھ انسانوں کی درخواست کا جواب نہ دے۔ دستخط کنندگان میں اگر خودداری کا جذبہ ہے تو وہ غور کریں کہ ان کی یاد دہانیوں پر بھی خاموشی ہی کی مہر لگائی گئی ہے۔ اور آیا انہیں حق ہے کہ وہ موافق یا مخالف "ہاں یا نہ" "منظوری یا نامنظوری کا مطالبہ کریں"۔ "باضابطہ" کا لفظ ہم نے اسلئے استعمال کیا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے نجی طور سے فرمایا کہ اس درخواست کا کیا جواب دیا جائے جو پالیسی حکومت کی ہے وہی میرا جواب ہے اب یہ معلوم نہیں کہ حکومت کی پالیسی سے ان کی کیا مراد ہے۔ آیا سمپورنانند جی کی حکومت خود اختیاری یا نہرو جی کی مرکزی حکومت؟ ہم تو مرکزی حکومت سے مراد لیتے ہیں اور غالباً اس سے مراد وزارت داخلہ ہوم منسٹری ہے۔ بہرحال جس محکمہ کی بھی وزارت ہو وہ مرکزی کہلائی جاتی ہے۔

چنانچہ ۳ر فروری ۱۹۷۰ء کا ایک مراسلہ حکومت ہند کے پریس انفارمیشن بیورو کی طرف سے ہمیں موصول ہوا ہے جو تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور جس کا مضمون اسی شب میں ساڑھے نو بجے کی اردو خبروں کے بعد آل انڈیا ریڈیو سے "حالات حاضرہ پر تبصرہ" کے تحت نشر بھی کیا گیا تھا۔ اس کا عنوان ہے "اردو کی تعلیم و استعمال کے لئے سہولیات" اور "مختلف ریاستوں کی حکومتوں نے مرکز کو اپنے اقدامات سے مطلع کیا" اس میں تمام طفل تسلیاں دی گئی ہیں لیکن کسی جگہ یہ نظر نہیں آتا کہ اس غریب لاوارث کا کوئی وطن بھی ہے یا نہیں اور اسے کسی ریاست کی یا ریاست کے کسی حصہ کی علاقائی زبان بھی تسلیم کیا گیا ہے یا نہیں، کون نہیں جانتا کہ دہلی اور لکھنؤ اردو کے آبائی وطن ہیں۔

لیکن ذرا دیکھئے کہ اس اطمینان بخش مراسلہ میں لکھا کیا ہے! فرماتے ہیں

"..... دہلی کے ان اسکولوں میں جہاں اردو بولنے والے کم از کم چالیس طالب علم یا ایک جماعت میں ایسے ہی کم از کم دس طالب علم موجود ہیں وہاں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا انتظام کیا گیا ہے" دیکھا آپ نے! دہلی میں کم از کم چالیس طالب علم یا ایک جماعت میں کم سے کم دس اردو بولنے والے طالب علموں کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے۔

دہلی میں اردو بولنے والے دس طالب علم کسی جماعت میں ہوں تو اردو کی تعلیم کا انتظام ہوگا یا اسی قسم کی بات ہے کہ یوں کہا جائے کہ لندن کے کسی اسکول میں اگر چالیس طلباء یا اس کی کسی جماعت میں دس طالب علم انگریزی بولنے والے ہوں گے تو انگریزی کا انتظام ہوگا ورنہ نہیں وہاں تو لاطینی زبان میں ہی تعلیم دی جائیگی۔ ہندوستان کے باہر کے لوگ جو مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں اور علم حاصل کرنے کے لئے دنیا کا چپہ چپہ دیکھ ڈالتے ہیں انہیں بھی معلوم ہے کہ دہلی اور لکھنؤ اردو کی جنم بھومی ہیں اور اس نے انہی مقامات میں پرورش پائی اور وہ یہیں بڑھی اور پھلی پھولی۔ اس کے بعد پنجاب والوں نے اس پر فریفتہ ہو کر اس کو اپنایا اور اس کو چار چاند لگا دیئے۔

پھر اب دس لڑکے اردو بولنے والے دہلی میں تلاش کرنا جن کے بل بوتہ پر اردو کا پربندھ کرنے کی خاص عنایت کی جائے گی ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ راجستھان کے موجودہ گورنر جب دہلی اسٹیٹ کے وزیر اعلیٰ تھے یہ سب انہی کے بیج بوئے ہوتے ہیں۔ خدا معلوم انہیں اردو سے اتنی پرخاش کیوں ہے حالانکہ وہ راشٹرپتی کی وہ زبان مطلق نہیں سمجھتے جو وہ ملک و قوم کے نام پیغام دینے میں استعمال کرتے ہیں مثلاً "امر تیہ یوم جمہوریت کے موقعہ پر جو کچھ راشٹرپتی نے آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے ہم سے فرمایا ہم نے بہت کوشش کی کہ ہمارے پلے بھی کچھ پڑ جائے لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔ اور ہمیں اگلے روز انگریزی اخبار میں اس کا ترجمہ پڑھ کر معلوم کرنے کے لئے انتظار کرنا پڑا ان کا اصول۔ اس میں کچھ شک نہیں بالکل صحیح ہے کہ جب تک یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جائیگا ہندوستان میں ہندی کا عام ہونا یا اس کا قومی زبان بننا ناممکن ہے، لیکن ہمیں تو ان سے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ آپ اگر سنسکرتی ہندی ہی چاہتے ہیں تو ذرا دھیرے دھیرے قدم بڑھائیے ورنہ جس طرح تبرک کے طور پر کسی جلسہ کی ابتدا سنسکرت کے اشلوکوں سے یا قرآن شریف کی آیتوں سے کی جاتی ہے اور اس کا مطلب کوئی نہیں سمجھتا اس طرح پیغام نشر کرنے سے کیا فائدہ؟

بہرحال دہلی میں جناب گورمکھ نہال سنگھ کے دور حکومت میں لسانی کمیٹی نے بھی دہلی کے لئے اردو زبان کو تسلیم کیا تھا مگر انہوں نے ایسا بریک لگایا کہ گاڑی چل کر ہی نہیں دی، اس موقعہ پر ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ یقین کیجئے کہ وہ سو فی صدی سچا واقعہ ہے۔

ایک لطیفہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے تقریباً ایک یا دو استاد بیرون ملک (امریکہ۔ انگلستان۔ جرمنی۔ فرانس وغیرہ) "اعلیٰ" تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاتے رہتے ہیں جنہیں عموماً کوئی نہ کوئی وظیفہ ملتا ہے بعض لوگ اپنے خرچ پر بھی چلے جاتے ہیں اور وہاں جاکر کوئی کام ایسا ڈھونڈ لیتے ہیں جس سے ان کے اخراجات میں مدد مل سکے چنانچہ جامعہ سے ایک صاحب کو جو جامعہ کے گریجویٹ اور بیسک ٹرینڈ بھی تھے۔ انگلستان بھیجا گیا کہ وہ وہاں جاکر علم زراعت و کاشت کا مطالعہ کریں اور اس میں مہارت پیدا کرکے واپس آنے کے بعد جامعہ کے شعبۂ باغبانی کی نگرانی کریں۔ پہلے بھی ان کے متعلق یہی کام تھا اب باقاعدہ ٹریننگ کے خیال سے انہیں بھیجا گیا تھا۔ وہاں جانے کے بعد انہوں نے خط لکھا کہ ویسے تو سب خیریت ہے لیکن یہاں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ یہاں کا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی کم بخت انگریزی ہی بولتا ہے یعنی اردو ہندی وغیرہ بولنے والا نہیں ملتا لہذا یہاں ٹھہرنا اور کچھ حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ نہ میری وہ سمجھتے ہیں اور نہ ان کی بات میرے پلے کچھ پڑتی ہے یہاں سے کئی تاکیدی خط لکھے گئے کہ ایسا ہرگز مت کرنا۔ وہاں جم کر رہو اور سمجھنے کی کوشش کرو لیکن نہ بابا! وہ کب کسی کی ماننے والے تھے گھبرا کر چار ہی مہینے میں خیریت سے لوٹ آئے۔ اور جیسے کورے گئے تھے ویسے ہی آگئے غنیمت تو یہ ہے کہ اپنے ہی خرچ پر گئے تھے ورنہ نتیجہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں!

دہلی کی زبان اردو کا بھی یہی حال ہے تعجب ہے کہ حکومت کو دلی کے اسکولوں کے لئے دس دس طالب علموں کی شرط لگاتے ہوئے ذرا جھجک معلوم نہیں ہوئی

بےحیائی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے حالانکہ اکثر دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ جب کسی دوسرے صوبہ کا رہنے والا شخص دلی کے کسی محکمہ میں افسرِ اعلیٰ کے عہدہ پر مامور ہونے کے باعث کسی پبلک جلسہ میں تقریر کرنے کے لئے مدعو کیا جاتا ہے تو وہ معذرت کرتا ہے کہ مجھے ایسی اچھی اردو یا ہندوستانی نہیں آتی جیسی آپ بولتے ہیں اس لئے اگر میں انگریزی میں بولتا تو اچھا ہوتا لیکن اب مجبوراً آپ کی زبان میں بولوں گا لہٰذا جو غلطیاں ہوں ان کو نظر انداز کر دیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے باوجود حامیانِ ہندی کو دہلی میں دس طالب علم بھی اردو بولنے والے نہیں ملتے!! مگر ہاں جو شخص بھی اردو میں تقریر کرتا ہے اسے اخباروں کی "سازشی" جماعت ہندی ہی کہتی ہے۔ حتیٰ کہ پنڈت جی کی تقریر جو خالص اردو میں ہوتی ہے ہندی کے نام سے مشتہر کی جاتی ہے ایسی صورت میں کیا کیا جاسکتا ہے؟

راشٹرپتی جی کا بے ضابطہ جواب کسی نجی صحبت میں سوال کا جواب جو ہم نے اخبار میں پڑھا تھا وہ یہ ہے کہ "جو پالیسی حکومت کی ہے وہی میرا جواب بائیس لاکھ دستخطوں کے محضرنامہ کے متعلق ہے" جہاں تک حکومت کی پالیسی کا تعلق ہے وہ تو پنڈت جی کی تقریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو زبان وہ خود بولتے ہیں وہی حکومت کی پالیسی ہے لیکن وزیر اعظم کی پالیسی غالباً اس معاملہ میں واجب تعظیم یا قابل عمل نہیں ہے اسکا تعلق شاید وزارت داخلہ سے ہے اور وہ پنڈت پنتھ جی کی ہے۔ پنتھ جی تو اپنا جانشین سمپورنانند جی کو بنا کر آئے ہیں۔ اگر ان کی پالیسی اردو کے حق میں ہوتی تو سمپورنانند جی اتنی جرأت سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ "اردو کوئی زبان نہیں" جب تک اوپر کا حکم صادر کرنے والا شخص کمر پر ہاتھ نہ رکھے اور سر پر شفقت کا ہاتھ نہ پھیرے اسوقت تک کسی کو ٹالنے یا مخالفت کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا سرکلر جاری کرنا بالکل بے معنی چیز ہے جب تک اس پر سختی سے عمل نہ کرایا جائے۔

کوئی برا مانے یا بھلا ہم تو دل کی بات منہ پر آجانے کے بعد چھپا نہیں سکتے، حقیقت یہ ہے کہ اردو تمام ہندوستان میں ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ اس کے سامنے کسی دوسری زبان کا چراغ نہیں جل سکتا۔ یہ بالکل عام بولی ہے اور اسی وجہ سے اس کو کسی خطہ کی علاقائی زبان قرار دینا بہت بڑا ظلم ہوگا۔ اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو ہندی تو مطلق ترقی نہیں کرسکتی باوجودیکہ وہ قانونی طور سے ہندوستان کی سرکاری زبان بنادی گئی ہے۔ چنانچہ اردو کو بجائے کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔ زبردستی دھینگا مشتی سے ہر جگہ وہ ختم کی جارہی ہے اور کوئی جگہ بھی تمام ہندوستان میں اسکو علاقائی زبان بنانے کے لئے نہیں دی جاسکتی۔ نہایت سختی سے اس کے لئے تمام پھاٹک بند کر دئے گئے ہیں۔ اور کسی جگہ بھی داخلہ کی اجازت نہیں ہے اور جہاں یہ موجود ہے وہاں اس کا نام ہندی ہے، اور اب یہ بے گھری ہے۔

ارے میاں جب ہم ہندوستان میں ہی رہنے کے باوجود ساری عمر کالجوں میں ٹھوکریں کھانے اُس کی وار ڈکیٹیوں کی صدارت کرنے اور گاندھی جی کے بائیکاٹ کے زمانہ میں دلی کا ڈپٹی کلکٹر رہنے اور دلی اور ملتان جیل کی سیر کرنے، جھجھانی کا بھی مزہ چکھنے اور پاؤں میں بیڑیاں پہننے اور چکی پیسنے اور تحریک عدم تعاون سے بھی بہت پہلے سے انگریز کو ملک بدر کرنے کی تحریکوں میں منہمک رہنے اور قیام جامعہ ملیہ کے زمانے سے اب تک نہایت ذمہ دارانہ حیثیت سے کام کرنے کے باوجود شہر بدر کر دئے گئے اور مکان کوڑیوں کے مول نیلام کر دیا گیا، زرعی زمینیں الاٹ کردی گئیں اور اب تک کسٹوڈین صاحب کی عنایت اور کیرل صاحب کی فراست سے ہزاروں جگر پنجاب کی عدالتوں کے لگائے جاچکے ہیں سینکڑوں روپیہ برباد کیا جاچکا ہے لیکن واپسی جائداد کا کوئی ذکر تک نہیں اور جب ہم دلی میں رہتے ہوئے بھی بے وطن ہوچکے ہیں تو اردو بیچاری بھی ہماری طرح اگر دلی میں ہی بے گھری اور بے علاقائی ہوگئی ہے تو کونسی بڑی بات ہے بس نام رہے اللہ کا۔

یہ کتنی بڑی سازش ہے کہ عملاً تو "اردو کوئی زبان نہیں" کا ثبوت دیا جا رہا ہے لیکن آجکل "مشاعرے پڑھوالو" کی صدائیں بہت زور شور سے لگ رہی ہیں۔ اسی بیماری میں سب مبتلا ہوتے جارہے ہیں اس سے گویا سمجھتے ہیں کہ اردو ترقی کررہی ہے۔ بہرحال ان مشاعروں کا اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں کسی ہندو وزیر یا اعلیٰ افسر کو مدعو کیا جاتا ہے اور صدارتی تقریر اس سے کرائی جاتی ہے۔ ایسے موقعہ پر وہ غریب کیا کہیگا سوائے اس کے کہ اردو بہت ہی پیاری زبان ہے۔ عام فہم ہے ہر جگہ بولی جاتی ہے، بہت میٹھی اور سریلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے آپ پھول جائیں گے اور سمجھیں گے کہ ابھی ذمہ دار لوگوں میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو اردو کے بیحد حامی ہیں۔ حالانکہ یہ سب آپ کو بہلانے پھسلانے اور مفلوج کرنے کی باتیں ہیں اس سے آپ عملی کام کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہونگے اور آسمان سے من وسلویٰ اترنے کی امید میں رہیں گے۔ اور مشاعروں کی واہ واہ اور غلط بحروں کی داد سے اردو کو پروان چڑھانے کے خیال میں مست رہیں گے۔ بہرحال "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" ہماری بے توجہی، بے عملی اور غلط تعریفوں کی مسرت اور خوشامدانہ افراط سے اردو ملک بدر ہورہی ہے۔

ہم مدت سے اس مسئلہ پر کافی توجہ دلا رہے ہیں اور جو کچھ ہوسکتا ہے وہ عملی کام بھی کررہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ چار آدمی بھی سر جوڑ کر نہیں بیٹھتے کہ

اس مسئلہ پر نیک نیتی سے اور بغیر کسی ذاتی مفاد یا نام ونمود کی خواہش کے غور کریں۔ سنگم کے پچھلے شمارے اردو کی عدالت میں گواہی دیں گے۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ذرا سی ہمت کرنے سے ہم ہیورنا مندری کے قلعے مسمار کر سکتے ہیں اور اردو کو ان کی قید سے اسی طرح نکال سکتے ہیں جس طرح بہادر قیدی نکل آیا کرتے ہیں ہم اپنے مسئلہ ناموں کا حل بھی خود کر لینا جانتے ہیں۔

اب نئے انتخابات کا زمانہ قریب آرہا ہے ذرا خبردار رہیئے۔ اردو کے لئے بہت بڑھ چڑھ کر وعدے اور دعوے کئے جائیں گے لیکن وہ بالکل ہوائی باتیں ہوں گی جو کچھ کرنا ہے وہ خود ہمیں کرنا ہے۔ یہ ووٹ لینے والے اور خوشامدانہ سرپرستی کرنے والے ہرگز کچھ نہیں کریں گے ان کے دھوکے میں ہرگز نہ آیئے۔

اگلے پرچہ میں ہم اعداد وشمار سے ثابت کریں گے کہ اردو کی پوزیشن کیا ہے اور باوجود روڑے اٹکانے کے گاڑی ایک ہی پہیے پر کس خاموشی سے چل رہی ہے۔ یاد رکھئے مایوسی کو پاس نہ آنے دیجئے اور احساس کمتری کا تصور تک نہ کیجئے، مظلوم اردو کی آہ نمک حرامی کا بدلہ لے چکا کر رہے گی۔

جنرل ایوب خاں

ہم پاکستان کی کسی سیاست میں پڑنا نہیں چاہتے کیونکہ کسی نے کہا ہے "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو" لیکن وہاں کی اگر کسی بات کی زد یہاں ہم پر پڑتی ہو تو ہم کچھ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جنرل ایوب خاں کو ہم پاکستان کا مصطفیٰ کمال پاشا سمجھتے ہیں۔ یورپ کی پہلی جنگ عظیم میں جب ترکی کو سخت نقصان پہنچا اور اس کے حصے بخرے کر دئے گئے تو اللہ نے مصطفیٰ کمال پاشا کو غیب سے پیدا کر دیا اور اس مرد میدان نے شکستہ دلوں کو ہمت اور عزم و استقلال کی تلقین کی اور منتشر فوجوں کی از سر نو تنظیم کرکے اپنے ملک کو ہر قیمت پر بچانے کا ارادہ کر لیا اور ٹھوس اقدامات شروع کر دئے۔ اس وقت انگلستان کے تمام اخبارات انہیں چند ڈاکو لٹیرا اور اسی قسم کے دوسرے ناموں سے موسوم کرکے نہ معلوم کیا کیا الٹی سیدھی باتیں لکھنے لگے۔ لیکن اللہ نے تو اسے خود خاص مطلب کے لئے میدان میں نکالا تھا اس لئے چند ہی روز بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ اس لٹیرے اور ڈاکو نے اپنے ملک کی کیسی کایا پلٹ دی اور وہی بے حیا اخبار اس کی تعریفوں کے پل باندھنے لگے اور آخر کار ساری دنیا نے اس کا لوہا مان لیا اور ترکی جو یورپین اقوام کے نزدیک ایک "مرد بیمار" کی حیثیت رکھتا تھا پھر اپنے پاؤں پر سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

اسی طرح پاکستان میں جب "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" کے تحت ملک کے ناخداؤں نے ہی دیمک بن کر اندر ہی اندر سے چاٹنا شروع کر دیا تو اللہ نے جنرل ایوب خاں کو پیدا کر دیا اور ملک کا "یورپ والا تقلیدی نظام" جسے جمہوریت سے یاد کیا جاتا ہے لیکن جس سے خود جمہوریت کو شرم آتی ہے ختم کر دیا گیا اور فوجی نظام کے تحت ملک کی باگ ڈور اس اللہ کے شیر نے اپنے ہاتھ میں سنبھال لی۔ اس "حادثہ" کے رونما ہونے کے بعد چاروں طرف سے پاکستان میں "جمہوریت ختم" کا شور برپا ہو گیا اور مخالفین نے بغلیں بجانی شروع کر دیں اور پاکستان کے لوگوں کی "ہمدردی اور خیر خواہی" میں شوشے بہائے جانے لگے۔ لیکن جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ کیسا فوجی نظام ہے جس میں دوست ہو یا دشمن کسی کے بھی خون کا ایک قطرہ نہیں گرا اور ملک کی تمام خرابیاں ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگیں اور بڑے بڑے مجرموں کے حلق میں انگوٹھا ڈال کر سب کھایا پیا اگلوا لیا گیا ہے کہ تولہ دو تولہ یا سیر دو سیر یا من دو من نہیں بلکہ سیکڑوں من سونا جو سمندر کی تہہ میں چھپایا ہوا تھا نکال کر خزانہ عامرہ میں داخل کر لیا گیا تو پھر پتہ لگا کہ اللہ جس پر رحم کھاتا ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ بارہ سال تک مظلوم اور بے زبان پاکستانیوں کا خون ان کے رہنما ہی چوستے رہے اور جن ڈالیوں پر آشیانہ تھا وہی ہوا دینے لگیں تو اللہ نے ان کی بھی سن لی اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ پرتاپ جیسے اخبار کو اور ماسٹر تارا سنگھ جیسے لیڈر کو دعا کرنی پڑی کہ اے واہگرو یہاں بھی کوئی ایوب پیدا کر دے، ہم نے یہ تعریفی کلمات اس وجہ سے نہیں کہے کہ پرتاپ اور دوسرے مہاشوں کو یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ دیکھا ہم نہیں کہتے کہ "ہندوستان کے مسلمان کا جسم تو یہاں ہے اور دل پاکستان میں ہے" یہ دیکھئے سنگم میں کیا لکھا ہے "بلکہ اس کی دو وجہ ہیں سن لیجئے:-

ا۔ ہندوستان میں مسلمان "بالکل نالائق" ہونے کی وجہ سے ہر میدان میں پیچھے ہے بلکہ ملک کے لئے "ناسور" سمجھا جاتا ہے اسی لئے کسی ملازمت کا مستحق نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ مسلمان ڈاکٹروں اور حکیموں کے پرائیویٹ مطب میں بھیڑ لگی رہتی ہے جس میں ہندوؤں کی تعداد بھی بکثرت نظر آتی ہے یا مسلمان مکینک کی یا دوسرے کاریگروں کی زیادہ پوچھ ہے لیکن سرکاری محکموں میں تو ان کا نام (نالائق) کے خانہ میں مستقل طور سے لکھا جا چکا ہے۔ یا ہمارے دوست رفیع احمد قدوائی نے وہ کام کیا کہ ہندوستان کا ہر شخص ان کے گن گاتا ہے اور انہیں یاد کر کرکے روتا ہے لیکن معلوم ہوا کہ وہ تو آواگون کے عمل میں کچھ غلطی ہو گئی ورنہ وہ اس جنم سے پہلے کسی دوسرے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بہرحال مسلمان کو نالائقی کا مستقل سرٹیفکیٹ ملا ہوا ہے۔ اب اگر پاکستان اسی ڈھچر پر چلتا جس پر اس کے خود غرض اور نااہل خود حاکم چلا رہے تھے تو بلاشبہ ہمیں بھی اس طعن آمیز قول کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پینا پڑتا کہ دیکھا مسلمان کی نالائقی کہ اس سے قبضہ کرا دو

کیا مثال ہوگی کہ ان سے ایک بالشت بھر ملک بھی نہیں سنبھالا گیا۔ اور "ہم" اتنے بڑے ملک کو جو برِ اعظم کی حیثیت رکھتا ہے نہایت "اطمینان" اور "انتظام" سے چلا رہے ہیں۔ اس لئے اللہ نے فی الحال تو اس طعن سے محفوظ رکھا، اگرچہ ہم اس سے بہت پہلے مسلمانوں کے گنہگار رہنے کے باوجود مطمئن تھے کہ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مسلمان نہ ہوں اور کوئی ملک ایسا نہیں جہاں جانے کے لئے راستہ میں کسی مسلم حکومت سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔ اور دن میں پانچ وقت اللہ اور اسکے رسول کا نام بلند نہ ہوتا ہو۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تک دونوں ملکوں میں باہمی رابطۂ اتحاد قائم نہ ہوگا اس وقت تک اطمینان سے کوئی کام نہ ہوگا اور اتحاد اسی وقت ہو سکتا ہے جب دونوں ملکوں کی بین الاقوامی پوزیشن میں نمایاں فرق نہ ہو اور اندرونی طور سے ایک ملک دوسرے سے بین طور سے کمزور نہ ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ پاکستان کا استحکام ہمارے اپنے ملک کی فلاح کے لئے زیادہ ضروری ہے۔

اس کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے اصلی موضوع پر لوٹیں جس کیلئے ہم نے جنرل ایوب خاں کا نام لیا ہے۔

جب کسی شخص یا جماعت یا ملک کی تعریف کی جاتی ہے تو نہ معلوم اس سے ایسی حرکت کیوں سرزد ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو خواہ مخواہ شکایت کا موقعہ ملے اور اس کی خوبیوں پر پانی پھرنے لگے۔ اسی مہینے خبر آئی ہے کہ جنرل ایوب خاں نے فرمایا ہے کہ پاکستان میں جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں انہیں سب کو ملا کر ایک نئی زبان بنائی جائے جسکا نام پاکستانی ہو، خصوصاً بنگالی اور اردو کے ملانے سے یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں زبانیں سنسکرت سے نکلی ہیں! ہم جناب جنرل صاحب سے نہایت ادب سے درخواست کرینگے کہ وہ صرف ملکی انتظامی مسائل کی طرف ہی اپنی توجہ مبذول رکھیں اس لسانی جھگڑے میں نہ پڑیں، ہندوستان کے لسانی جھگڑوں سے ہی سبق لیجئے ورنہ یہ نہ سمجھئے کہ اب تک اگر کسی نے آپ کے حکم کے خلاف سر نہیں اٹھایا تو اس معاملہ میں بھی وہ خاموش رہیں گے۔ مسلمان جائز بات کو تو ہر وقت آمنا وصدقنا کہیگا لیکن غلط روش کے خلاف وہ اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کریگا۔ کیا بنگالیوں کو انجیکشن دیکر اردو کی طرف مائل کرنے کے لئے یہ بات کہی گئی ہے؟ یا اردو میں کوئی خرابی نظر آئی ہے؟ یا اسے دلّی اور لکھنؤ کی بدیشی زبان سمجھ کر خارج کیا جا رہا ہے؟ وہ غریب تو پہلے ہی ہندوستان میں 'Evacuee' (نکاسی) قرار دی جا چکی ہے اور اسے پاکستانی سمجھ کر مارا مارا بھگایا جا رہا ہے۔ آپ نے غور بھی کیا کہ اس سے سمپورنا نند جی کی کمان کتنی چڑھ جائیگی جو بار بار اعلان کرتے رہتے ہیں کہ "اردو کوئی زبان نہیں" اور ہندوستان میں حامیانِ اردو کے لئے جناب کے یہ خیالات کتنی مشکلات پیدا کریں گے۔ پہلے اگر اپنے ادیبوں سے مشورہ کر لیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔

ہندوستان میں تو سنسکرت کو زندہ کیا جا رہا ہے اور اب تو آپ کے ارشاد گرامی سے اور بھی جان پڑ جائے گی۔ کیا اچھا ہوتا اگر دنیا میں "سب سے بڑی" اسلامی سلطنت کے مالک "عربی" کو "پاکستانی" "نئی زبان" پر ترجیح دیتے اور نئی تعمیر میں روپیہ اور وقت ضائع کرنے کی بجائے پرانی مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر ہی کام کرتے جس سے آپ دوسرے ممالک سے زیادہ قریب ہو جاتے۔ نیز یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ بنگالی اپنی زبان پر کسی دوسری زبان کو ترجیح نہیں دیں گے اور رسم الخط رومن تجویز کرنے سے اگرچہ مغربی ممالک کی آسانی کو مدنظر رکھا گیا ہے جس کا دوسرا نام بین الاقوامی قرار دیا گیا ہے لیکن اس میں "غلامی" کی بو ضرور آتی ہے۔ اگر الٹے ہاتھ والا ہی رسم الخط اختیار کرنا ہے تو پھر ہندی میں کیا برائی ہے جو سننے میں آیا ہے کہ اردو سے بلکہ تمام دیگر زبانوں سے بہت زیادہ آسان ہے۔ اور انسان بہت جلدی سیکھ لیتا ہے اور جس میں بشری کو اس قسم کے شبہات بھی پریشان نہیں کرتے جو "ملک" جیسے لفظ کے پڑھنے میں پیش آتے ہیں کہ آیا مُلک ہے یا مَلَک ہے یا مِلک ہے، نیز ہندی یعنی دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے سے ہندوستان کے ساتھ اتنا گہرا تعلق پیدا ہو جائیگا کہ کسی کے توڑے سے بھی نہیں ٹوٹیگا۔ گھر بیٹھے دولت ہاتھ آجائے گی اور ایک "پنتھ" دو کاج کا معاملہ ہوگا۔

امید ہے کہ پاکستانی حضرات خواہ وہ اردو کے حامی ہوں یا بنگالی کے اس پر غور کریں گے کہ اس وقت پاکستان کیلئے "عربی" پر تمام تر توجہات مبذول کرنی کسقدر ضروری ہیں۔

غزل

از مفتی نصیح الدین صاحب صدیقی نصیح فانی
ڈرافٹس مین۔ سیول سنٹر

وہ تو آئے تھے میری موت کا ساماں ہوکر
خود ہی کیوں چل دئے بالیں سے پریشاں ہوکر

میرا ویرانۂ دل آج بہت ویراں ہے
اب تو آجائیے صاحب مرے مہماں ہوکر

میری اردو کو بھٹک نے ابھی کچھ اور ذرا
پھر یہ رہنا ہے یہاں زینتِ گلستاں ہوکر

جس چمن میں کبھی پھولی تھی پھلی تھی ڈالی
اسی گلشن سے چلی آج تو نالاں ہوکر

کب کہا ہم نے کہ تم ہم پہ عنایات کرو
ہم کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہوکر

اہلِ دنیا نہ سنو میری زبوں حالی پر
تلخیِ زیست پھو بے سروساماں ہوکر

کون سمجھے گا یہاں شعر ترے اے فانی
کیا کرے گا تو یہاں بار غزل خواں ہوکر

قطعہ (اردو کی مدح میں)

افتخار احمد اقبال بی۔ اے بی ایڈ

تیر و غالب نے بنایا اسے ہمراز اپنا
اور حکمت نے بخشا اسے اعجاز اپنا

ہند نے سوز تو ایران نے دیا ساز اپنا
ہے بجا اسکو محبت کا جو سنگم کہئے

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۴ جولائی)

جشن جمہوریت اور ایک سوال

جنوری جس نے ہمارے دلوں پر وہ دو چرکے لگائے ہیں، جن کا ذکر آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں ملک کے لئے خوشی کا باعث ہے کہ اس کی ۲۶ تاریخ کو ہندوستان میں ہماری آزاد حکومت نے جمہوری نظام اختیار کیا اور اس کا اپنا ضابطہ قانون جاری ہوا۔ اس تاریخ کو تمام ملک میں عام طور سے اور راج دھانی میں خاص طور سے بہت زور کا جشن منایا جاتا ہے۔ بہت بڑے پیمانہ پر جلوس نکلتا ہے جس میں مختلف صوبوں کے فوجی دستے۔ بری۔ بحری اور فضائی سورماؤں کے گروپ اپنے اپنے بینڈ بجاتے ہوئے اور راشٹرپتی کو سلامی دیتے ہوئے گزرتے ہیں۔ مختلف ریاستوں کی جھانکیاں اپنے ہاں کی کسی نہ کسی خصوصیت کا مظاہرہ کرتی ہوئی اور عام پبلک سے جو بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتی ہے داد تحسین لیتی ہوئی گزرتی ہیں۔ مختلف مدارس کے طلباء اور طالبات قسم قسم کی ٹولیوں میں نہایت دلفریب منظر پیش کرتے ہوئے بے تکان چلے جاتے ہیں جن میں نرسری اسکول کے چھوٹی چھوٹی عمر کے بچے بہت ہی پیارے پیارے ہوتے ہیں۔ پھر ٹینک۔ توپ خانے اور مختلف آلات حرب بھی عوام کو محو حیرت کئے ہوئے گزرتے ہیں۔ خود راشٹرپتی کا جلوس راج بھون سے سلامی کی جگہ تک۔ نہایت شاندار طریقہ سے نکلتا ہے جہاں وزیر اعظم اور دوسرے اکابر ان کا استقبال کرتے ہیں اور تمام ملکوں کے سفراء اور بیرون ممالک سے آئے ہوئے معزز مہمان اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے یہ دلفریب منظر دیکھتے ہیں اور ہندوستان کی روائتی عظمت کا ایک گہرا اثر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ہوائی جہاز اور راکٹ الگ سلامی دیتے گزرتے ہیں۔

یہ جلوس کئی میل لمبا ہوتا ہے اور نئی دہلی کے مشہور بازار اور سڑکوں سے گزرتا ہوا پرانی دلی کے بارونق بازاروں سے ہوتا ہوا شاہجہانی لال قلعہ میں جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ کئی دن تک راشٹرپتی بھون اور دوسری سرکاری عمارتوں پر چراغاں ہوتا ہے اور شام کو نہایت عجیب اور حیرت میں ڈالنے والی آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ غرض بہت دھوم دھام سے یہ تقریب منائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بہت سے دل ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اس تقریب کو دیکھ کر قسم قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے دماغوں میں طرح طرح کے خیالات کا چکر چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ایک نمونہ ہم پیش کرتے ہیں جو ہفتہ وار پیام مشرق دہلی کی اشاعت مورخہ ۲۶ جنوری سے لیا گیا ہے۔ غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ صابر کریمی صاحب نے کس انداز میں ملک کا نقشہ کھینچ کر جشن منانے والوں کو بتایا ہے کہ خوشی کے وقت میں دوسروں کی مصیبت کو بھی ذہن میں رکھئے کہ اصلی اور سچی خوشی وہی ہے جو دوسروں کو بھی اپنی خوشی میں شامل کرنے کا باعث بن سکے :-

شہید کی قبر پر کھڑا ہوں میں باغِ ہندستان کا مالی　　بہت ادب سے یہ پوچھتا ہوں اے میرے گلشن کے باغبانو!
تمہیں قسم ہے بتاؤ مجھ کو شہیدانِ بامروت کی جاں گئی کیوں　　ذرا بتاؤ کہ میرے پیارے وطن کے باوصف پاسبانو!

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

ذرا بتاؤ مجھے پلاسی کی جنگ کا مدعا وہ کیا تھا؟　　حسین جو نوخیز زندگی کی حسین دولت لٹائی کیوں تھی؟
ذرا بتاؤ کہ تیغ و تیر و تفنگ سینوں پہ کھائے کیوں تھے؟　　ذرا بتاؤ سراج الدولہ نے اپنی گردن کٹائی کیوں تھی؟

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

ذرا بتاؤ وہ کونسا جذبۂ مقدس تھا جس کی خاطر　　غیور حیدر علی نے بھی بڑھ کے موت کا جام پی لیا تھا؟
وہ کونسی آگ تھی جو ٹیپو کے پاک دل میں دہک رہی تھی؟　　وطن کی خاطر وطن کی قربان گاہ پہ سر کٹا دیا تھا؟

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

وہ کونسی تھی ادا وطن کی ظفر کے دل کو جو بھا گئی تھی؟　　جنون عشق وطن میں اپنا جنھوں نے سب کچھ لٹا دیا تھا
حسین و کڑیل جوان بیٹوں کا دیس کی آبرو کی خاطر　　قدم پہ اس مادرِ وطن کے کٹا ہوا سر چڑھا دیا تھا

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

غریب دلی کا ذرہ ذرہ یہ طرز فریاد کہہ رہا ہے　　پچاس سے کچھ ہزار زیادہ شہید مجھ میں گڑے ہوئے ہیں
اگر ہو آنکھیں تو آؤ دیکھو فضا کے ہر ایک پیچ و خم میں　　ہزاروں لاکھوں شہید خونی کفن پہ بیٹھے کھڑے ہوئے ہیں

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

مٹایا کچھ اس طرح سے میرے چمن کے پھولوں کو دشمنوں نے　　کسی کو سولی چڑھا دیا تھا کسی کو زندہ جلا دیا تھا
کسی کو گولی سے بھون ڈالا کسی کو بھوکا ہی مار ڈالا　　غرض اسی طرح سے ہمیشہ کی نیند ان کو سلا دیا تھا

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

ذرا بتاؤ کہ یاد بھی ہے تمہیں وہ جھانسی کی نیک رانی؟　　وہ شیر دل جس نے خود کو اپنے وطن پہ قربان کر دیا تھا
وہ قاضی تیا ٹوپے اک بہادر جواں سپاہی نے ہنستے ہنستے　　اجل کو اپنے گلے لگا کر فضا میں ہیجان بھر دیا تھا

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

ذرا بتاؤ اور دھر کی فکر وہ نانا صاحب وہ جینا بائی　　بھلا نہیں کیوں شمع وطن پہ جلنے میں لطف آیا!
وہ سر زمین وطن کو نور نگہ آہ آغوش موت میں بھی　　ذرا ذرا بعد کو بھلا کے جس نے وطن کی عظمت کا گیت گایا

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

ذلیل ڈائر کی گولیوں نے جہاں شہیدوں کا خون چاٹا　　بھلا بتاؤ کوئی وہ کیسے نشان مقتل مٹا سکے گا؟
تمہیں بتاؤ جہاں پہ لاشیں مجاہدوں کی تڑپ رہی تھیں　　کوئی وہ جلیاں والا باغ شہید کیسے بھلا سکے گا؟

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

وہ چندر شیکھر سا نغیر اب بھی مری نگاہوں میں پھر رہا ہے　　بھگت سا باغی جوان بھی جو وطن پہ قربان ہو گیا تھا

ملیر شفاق جس نے انقلاب کے ہاتھوں سکون پایا   خدائی جب ہو گئی تھی دشمن عدو کا مہمان ہو گیا تھا

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

وہاں سینہ کھولے بھالے لئے زیب بار کے عزیز پہنچے   کمر پہ باندھ کر جو دشمن کے استقبال ہی میں ہو گئے تھے
نہ پیچھے تو انکے جسموں سے ہو کے جیوت شنکر گزرے   تو پھر پھیرتی کے لال سرتی کی گودیوں میں ہی کھو گئے تھے

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

غرض اسی طرح کتنے مرتے یہ سرفروشوں کی فوج گزری   سروں سے اپنے کفن لپیٹے ۱۹۴۲ء بیالیس کی منزلوں سے
جہاں پہ دشمن کی ہتن زنا بیگیاں بین کمر تاکہیں   کسی کے سینے کو پھاڑ ڈالا گذر گئی تھیں کہیں دلوں سے

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

ذرا بتاؤ وہ باغ ہندوستان کے مالی کا جرم کیا تھا؟   عظیم آتما وہ جس نے بھارت کے ہاتھ کی ہتھکڑی تھی کھولی
وہ شانتی کا امر پجاری عدم تشدد کا ایک حامی   جس کے سینے میں ایک پاپی گنوار پاگل نے ماری گولی

شہید وہ کس لئے ہوئے تھے؟

میں اے شہیدو تمہیں سے پوچھتا ہوں اے گلشن کے باغبانو   شہید کیا اس لئے ہوئے تھے کہ باغ میں فصل گل نہ آئے
خزاں مسلط ہے ہمیشہ ہر ایک برگ و شجر شجر پر   نہ کوئی بلبل سنائے نغمہ نہ کوئی گل کھل کے مسکرائے

شہید کیا اس لئے ہوئے تھے؟

ابھی ابھی تک شکستہ دلیں بشر کے قلب شکستہ ہمدم   ابھی وہی رات ہے مسلط سحر کا نام و نشاں نہیں ہے
قریب آ تمہیں دکھاؤں ہر ایک چہرہ پہ غم کا عالم   اداسیوں کی مہیب ظلمت بھلا وطن میں کہاں نہیں ہے

شہید کیا اس لئے ہوئے تھے؟

ابھی ابھی نفرتوں کی آگ دل کے ہر ایک گوشہ میں جل رہی ہے   ابھی ابھی امیر زر کے تختے غریب لوگوں پہ چل رہے ہیں
ابھی تعصب کی گرم آندھی چمن کے دل کو جھلس رہی ہے   ابھی ابھی مذہب کی آڑ لے کر ہزاروں انسان کٹ رہے ہیں

شہید کیا اس لئے ہوئے تھے؟

ابھی ابھی بیکاریوں کے بادل ہر ایک گھر پر گھر رہے ہیں   ابھی ابھی غربت کے تیز نیزے دلوں کو چھلنی کئے ہوئے ہیں
ابھی ابھی دولت کی بربریت مرے وطن سے گئی نہیں ہے   ابھی ابھی بازار عصمتوں کے قدم قدم پر سجے ہوئے ہیں

شہید کیا اس لئے ہوئے تھے!

شہید وہ اس لئے ہوئے تھے کہ ملک میں امن و شانتی ہو   شہید وہ اس لئے ہوئے تھے کہ کوئی بھوکا نہ سونے پائے
شہید وہ اس لئے ہوئے تھے کہ اس تعصب کی چوٹ لگ کے   ہمارے جنت نشان گلشن کا کوئی غنچہ نہ رونے پائے

شہید وہ اس لئے ہوئے تھے؟

بہن کلثوم سایانی

ایڈیٹر پندرہ روزہ اخبار 'رہبر' بمبئی کو ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ راشٹرپتی جی نے انہیں یوم جمہوریت کے موقعہ پر ان کی انتھک قومی خدمات کے صلہ میں "پدما شری" کے خطاب سے نوازا ہے، مگر ان کے کاموں کو دیکھتے ہوئے تو وہ "پدما بھوشن" کی مستحق تھیں!۔ (سنگم)

افسانہ

ڈاکٹر

نکہت عنا بدایونی

[ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۴ء کے پرچے میں ہم نکہت شوکت کا ایک افسانہ شائع کر چکے ہیں آج ان کا دوسرا اصلاحی افسانہ درج کیا جا رہا ہے۔ خود فراموشی اور دوسروں کی خدمت کا جذبہ اس میں بھی کارفرما ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے نتائج اگر ان میں اس قسم کے خیالات پیدا کردیں تو یقیناً حامیان تعلیم نسواں کے پیش نظر جو مقصد ہے وہ کما حقہ پورا ہوگا اور کسی شخص کو اس کے خلاف کہنے کی جرأت نہ ہوگی۔ خدا ہم سب کو ان خیالات کے عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔] (ادارہ)

"ڈاکٹر صاحب زکام ہو گیا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب بخار آ گیا ہے"۔ "ذرا اس بچہ کو دیکھنا ڈاکٹر صاحب! کان میں درد ہے شاید"۔ "کچھ کھایا نہیں جاتا ڈاکٹر، منہ میں چھالے پڑ گئے ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے جملوں کی بارش میں اشرف دن بھر گھرا رہتا۔ اکثر تو وہ جھنجھلا جاتا تھا پورے دن مستقل ایک ہی قسم کا ماحول... ایک سے ہی جملے۔

اور پورے دن پر ہی کیا منحصر ہے جب سے اس نے تعلیم ختم کر کے پریکٹس شروع کی تھی یہی سب ہوتا رہتا تھا۔ سارے دن مرض سننا اور نسخے لکھنا یہی اس کی زندگی تھی اور یہ سلسلہ اگر دن بھر ہی رہتا تو بھی خیر لیکن وہاں تو رات کو بھی چین نہیں تھا۔ کبھی دو کبھی تین بجے غرض جب ہی کوئی بلانے پہنچ گیا اشرف صاحب ہیں کہ اس کے ساتھ چلے جا رہے ہیں۔

لیکن ان سب مصروفیتوں اور بے آرامیوں کے باوجود بھی اشرف خوش تھا کیونکہ پورے شہر میں کیا شہر کے باہر بھی وہ مشہور تھا۔ مریضوں کو اس پر اعتماد تھا۔ انکا اعتقاد تھا کہ عام طور سے کسی مریض نے دو دن سے زیادہ اشرف کی دوا استعمال نہیں کی ویسے مرض ہی اگر مہلک ہو تو دوسری بات ہے۔

آج اشرف کا ذہن بہک رہا تھا ہاتھوں سے وہ نسخے لکھ رہا تھا کانوں سے مرض سن رہا تھا مگر ذہن میں اس کی نئی نویلی دلہن کی تصویر رقص کر رہی تھی جو شادی کے دو ماہ بعد ہی عجیب سے مرض میں مبتلا ہو گئی تھی۔ شروع میں تو کوئی خاص بات نہ تھی مگر رفتہ رفتہ اس کا مرض خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا اور دو تین دن سے تو اس کا بخار ۱۰۴ ڈگری پر آ کر رک گیا تھا۔ اشرف نے اتنے دنوں میں کئی مشہور مشہور ڈاکٹروں کا علاج کرایا خود اپنا سارا تجربہ ختم کر دیا مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا کسی کی سمجھ میں مرض ہی نہیں آ رہا تھا۔ دیکھنے میں تو صرف بخار تھا مگر وہ بخار کسی دوا سے بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

صبح ڈسپنسری آتے وقت اشرف نے چاہا کہ وہ آج نہ جائے مگر اس کے

ذہن میں بہت سے مریضوں کے اداس اور مایوس چہرے گھوم گئے جن کی ادا کیا ختم کرنا اسی کے ہاتھ میں تھا اور اسی وجہ سے وہ ڈسپنسری آ گیا جہاں سینکڑوں مریض اس کے منتظر تھے اداس کو دیکھ کر ان کے چہرے اس چراغ کی طرح روشن ہو گئے جو تیل ختم ہو جانے کی وجہ سے بجھنے لگا ہو اور دفعتہً کوئی اس میں تیل ڈال دے تو لو بھڑک کر تیز ہو جائے۔ کچھ مریض اچھے ہو گئے.... اور جن کی موت آ گئی تھی وہ مر گئے ---- کچھ اچھے بھلے لوگ بیمار پڑ گئے.... اشرف مرض سنتا رہا.... نسخے لکھتا رہا۔

غرض چار دن تک یہی سب ہوتا رہا۔ آج ڈاکٹر کا چہرہ جو کئی دن سے مرجھایا ہوا تھا کسی نوخیز کلی کی مانند شگفتہ نظر آ رہا تھا...... اسکی بیوی..... جیتی رفیقۂ حیات کا بخار اتر گیا تھا صرف حرارت باقی تھی جب اتنا تیز بخار اتر گیا تو حرارت کیا چیز ہے۔ بہرحال حالت قابل اطمینان تھی اس لئے اشرف خوش تھا مگر قدرت (مشیت) دور کھڑی اس کی قسمت (تقدیر) پر مسکرا رہی تھی، نہ معلوم کیوں ---- ؟؟

قریب ساڑھے سات بجے کے ایک نوکر بوکھلایا ہوا ڈسپنسری میں داخل ہوا اور مریضوں کو ہٹاتا ہوا سیدھا اشرف کے پاس پہنچا۔ صاحب جلدی چلئے بیگم صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ اشرف کے ذہن میں کسی نے سوئیاں چبھا دیں وہ فوراً کھڑا ہو گیا لیکن ایک شخص کی آواز نے اُسے روک دیا جو کہہ رہا تھا "ڈاکٹر صاحب میری بچی مر رہی ہے ڈاکٹر صاحب ذرا جلدی دیکھ لیجئے میں گاؤں سے آیا ہوں"

اشرف کچھ دیر تک اس دیہاتی کو آنکھیں پھاڑے گھورتا رہا۔ یہاں دو بیویوں کا سوال تھا۔ ایک اشرف کی اپنی بیوی اور دوسری ایک گنوار کی۔ جس کی طرف سے تغافل برتا جاتا تو اُس کی زندگی خطرے میں تھی۔ اشرف چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر جھپٹ کر اس شخص کی بیوی کے پاس آیا جو موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار تھی اور کسی ایک طرف جانے کے لئے جد و جہد کر رہی تھی۔ اشرف تھوڑی دیر تک اسکو دیکھتا رہا پھر انجکشن کی تیاری کرنے لگا۔ فی الحال وہ اپنی محبوبہ...... اپنی بیوی کی بیماری اور نوکر کی موجودگی کو بھول چکا تھا ادھر اس نے مریضہ کے بازو میں انجکشن کی سرنج داخل کرنا چاہی اُدھر زندگی و موت کی لڑائی میں حیات کو شکست ہو گئی۔

اشرف گھر آ گیا راستہ اس نے کس طرح طے کیا یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا وہ سیدھا اپنی بیوی کے کمرے میں پہنچا "آپ آ گئے" اس کی بیوی نے بہت ہی نحیف آواز میں کہا۔

" ہاں بیگم ذرا دیر ہو گئی۔ میں ابھی انجکشن دیتا ہوں" انجکشن؟ اسکی کمزور ناتوان بیوی نے اتنے زور کا قہقہہ لگایا کہ اشرف سہم گیا وہ خوفزدہ نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیوی نے انتہائی تلخی سے کہا "آپ ڈاکٹر ہیں ایک کامیاب اور مشہور ڈاکٹر لیکن موت سے اب تک کوئی نہیں جیت سکا۔ اتنا کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اشرف نے جلدی سے انجکشن لگا دیا اور کئی طرح کی دوائیں استعمال کرتا رہا اس کی بیوی نے کچھ دیر بعد پھر آنکھیں کھول دیں۔

" آپ میرے بعد ضرور دوسری شادی کر لیجئے گا" اس نے بغیر کسی تمہید کے اشرف سے کہا۔ "نہیں بیگم موت تم کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کبھی نہیں" اشرف ہذیانی انداز میں چیخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ غالباً وہ اپنے ترکش کا کوئی اور تیر استعمال کرنے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر انجکشن لگا رہا تھا۔ بیوی نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی "اب آخ ... ری ... وقت ... تو ... بدن چھلنی مت ..... کیجئے .... پھر رک کر بولی جو کچھ غلطی ہوئی ... ہو ... معا ... ف کر دینا" وہ اشرف کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور یہ مسکراہٹ ابدی بن گئی ..... "بیگم!" ... اشرف زور سے چیخا اور بیہوش ہو کر گر پڑا لیکن بیگم نے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا وہ اس کی آواز کی پہونچ سے بہت دور چلی گئی تھی۔ موت کو محبت نہیں ہرا سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو ممتاز محل شاہجہاں سے کبھی جدا نہ ہوتی۔

اشرف جو ایک ڈاکٹر تھا اور نہ جانے کتنے مریضوں کو حیات نو بخش چکا تھا اپنا کل تجربہ صرف کرنے کے بعد بھی ایک عورت کو نہ بچا سکا جو اس کی بیوی تھی اور جس کو وہ بہت چاہتا تھا۔ جب اشرف کو ہوش آیا تو وہ بے تحاشا قہقہے لگا رہا تھا، پُر زور اور وحشیانہ قہقہے۔

اشرف کی ڈسپنسری میں تالا لگ چکا ہے آج بھی کتنے ہی مریض وہاں آتے ہیں تاکہ وہ صحت مند ہو سکیں وہ اشرف کی تلاش کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں ---- اور اشرف ---- وہ اس وقت ایک کمرے میں بند قہقہے لگاتا ہوتا ہے وہی وحشیانہ قہقہے۔ کل تک جو دوسروں کا مرض دور کرتا تھا آج خود علاج کا مستحق ہے۔

اردو کی روشنی ...... (افتخار احمد اقبال بی۔ اے۔ بی ایڈ)

صبح کا نور بہاروں کی کہانی لے کر ۔۔۔ مست پھولوں کی جنوں خیز جوانی لیکر
اور تسنیم کی موجوں کی روانی لے کر ۔۔۔ اپنی راہوں میں جلائیگی محبت کے چراغ

الجمعیۃ دہلی ۲ جولائی ۶۸ء

تفریحات

پنڈت نہرو کی خوش مذاقی

انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین مورخہ ۲۰ دسمبر کے صفحہ ۱ کالم ۵ میں ان کے ساتھ رپورٹر نے مندرجہ ذیل خبر شائع کرائی ہے :۔

"وزارت اطلاعات و نشریات کی طرف سے جو دعوت نامہ جمعہ (۱۹ دسمبر) کے سلسلہ وگیان بھون میں ہونیوالی ایک تقریب کے لئے پنڈت نہرو کو موصول ہوا تھا اسے دیکھ کر وہ بہت برہم ہوئے اور فرمانے لگے کہ "یہ خود نمائی کی بیماری کے رجحان پر مبنی ہے"۔ دعوت نامہ زبان کو ٹیڑھا تر مروڑ کر لکھنے والی ہندی میں تھا جس میں یہ الفاظ تھے "مدران اور اکلپان کی اتکرش تتھا پر راج پرسکار"

"Mudran aur atalpan ki utkrash tatha par raj puraskar."

جسکا ترجمہ یہ ہے "کتابوں کے بہترین ڈیزائن اور اعلیٰ طباعت پر حکومت کی طرف سے انعامات :۔

پنڈت جی نے حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ "مجھے یہ جان کر مسرت ہوگی کہ آپ میں سے کتنے اسے سمجھتے ہیں اور اگر چاندنی چوک میں فوری طور پر رائے شماری کی جائے تو کتنے اسے سمجھنے والے ہونگے؟" پنڈت جی نے پھر فرمایا :۔

"یہ ایک نمونہ کی مثال کہی جا سکتی ہے جس سے حکومت ہند کے رازدارانہ کام کرنے کے ڈھنگ کا پتہ چلتا ہے اور عموماً ہندوستان میں طرز انشا کا بھی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ خیالات کی نشر و اشاعت ایک محدود دائرہ تک ہی رہتی ہے"۔

قطعہ — اردو اور ہندی

معنی جنگ اردو و ہندی   میں یہ سمجھا بہ عالم رندی
یعنی ہے جس میں لطف وصلِ زباں   خوب مل کر لڑی زباں سے زباں

(دو دوستوں کا آپس میں زبان کو زبان سے ملانا انتہائی محبت کی علامت ہے اس ملانے کو زبان کا زبان سے لڑنا بھی کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ ہندی زبان اور اردو زبان کا لڑنا وصل یعنی محبت کی علامت ہے۔

قطعہ — اردو اور ہندی

اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود   پھر کیا سبب جو اس سے نہیں انحراف ہے
یعنی اُردو ہے چیز انہیں کے مذاق میں   اردو کے تین جز ہی صاف صاف ہے

(یعنی اردو کے چار حرف ہیں ان میں سے پہلے تین حرفوں سے اُرد (ماش) کی دال بنتی ہے جو ہندوؤں کے مذاق کی خاص چیز ہے۔ تو جب اردو کے تین چوتھائی حرف ہندوؤں کے استعمال میں آتے ہیں تو پھر انہیں اس سے عداوت کیوں ہے)

دال ماش اور شکر نعمت

دالِ ماش تو بی مثالِ سر شیں
از ہمہ دالہا ست قدر تو بیش
ہندواں می خورند و میگویند   شکر نعمت کنند از پس و پیش

یعنی اے دال ماش تیری خوبیوں کا کیا ذکر۔ تو تو سر پیش کی مانند ہے اور سب دالوں سے تیری قدر زیادہ ہے ہندو لوگ اسے کھاتے ہیں اور خوب زور سے ہوا خارج کرتے ہیں گویا منہ کے علاوہ پیچھے سے بھی تجھ جیسی نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یعنی دو طرفہ شکر ادا کیا جاتا ہے۔

ارے ناؤ تو ذرا سی ہے
دریا کیسے پار کریں ؟

ایک آدمی اپنی بیوی اور دو بچوں کو ساتھ لے کر جمنا پار کرنا چاہتا تھا لیکن کشتی بہت چھوٹی سی موجود تھی۔

اس آدمی کا وزن دو من تھا اور اس کی بیوی کا بھی اتنا ہی تھا۔ دو بچوں میں سے ایک لڑکا تھا اور دوسری لڑکی۔ دونوں کا وزن ایک ایک من تھا۔ اس کشتی میں دو من سے زیادہ بوجھ لادنے سے ڈوب جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے انہیں فکر ہوئی کہ دریا کیسے پار ہو۔

اس کا جواب معلوم کرنے سے پہلے تم خود اپنے دماغ پر زور ڈالو اور سوچ کر جواب دو اس کے بعد اپنے جواب کا ہمارے جواب سے مقابلہ کرکے معلوم کرو کہ صحیح ہے یا نہیں۔ تو سنو :۔

۱۔ پہلے دونوں بچے جائیں جن کا وزن ملا کر پورا دو من ہوتا ہے اب لڑکا دریا کے پار اتر کر لڑکی کو واپس بھیجدے۔

۲۔ اب صرف اکیلا باپ جائے کیونکہ اس کا وزن دو من کا ہے وہ دریا پار اتر کر لڑکے کو واپس بھیجدے۔

۳۔ اب پھر دونوں بہن بھائی کشتی میں بیٹھ کر دوسرے کنارے پر چلے جائیں اس مرتبہ لڑکی باپ کے پاس رہ جائے اور لڑکا ماں کے پاس واپس آجائے۔

۴۔ اب ماں اکیلی جائے اور دریا کے پار اتر کر لڑکی کو واپس بھیجدے۔

۵۔ اب پھر تیسری مرتبہ دونوں بہن بھائی کشتی میں بیٹھ کر جائیں اور اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائیں۔

کیوں بھئی مشکل حل ہو گئی یا نہیں ؟

کیا لیسے ایسے چٹکلے

اور لطیفے تمہیں

اور بھی یاد ہیں !

ہمیں بھی بتاؤ

(خواجہ حسن نظامی پرنٹر پبلشر نے دفتر رسالہ ہمارا سنگم جامع مسجد دہلی سے شائع کیا اور یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع ہوا)

چیف ایڈیٹر و نگراں:-
خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر:-
خواجہ ذکی احمد بی۔اے (جامعہ)

سنگم کتاب گھر اور سنگم بال سبھا کا پیغامبر

ماہنامہ ہمارا ....

جامعہ نگر نئی دہلی

زرچندہ
سالانہ سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ۔ بیس نئے پیسے
(وی۔پی نہیں بھیجا جائیگا)

پاکستان میں زرچندہ وصول کرنے کے مجاز:-
(۱) ایجوکیشنل وکمرشیل بک کمپنی، چوک دالگراں، ریلوے روڈ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی، یوسفی ہاؤس، تین ہٹی کراچی ۵

جلد ۲ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۱ء مطابق جمادی الاول ۱۳۸۱ھ (اسوج کارتک) سمت ۲۰۱۸ بکرمی اسوج سمت ۱۳۶۹ فصلی آسو ناسمت ۱۸۸۳ ساکا | شمارہ ۱۰

فہرست مضامین

ساقی کوثر کے حضور میں ..... (محمود پرویز کارکوری)

در پہ تمہارے شاہِ مدینہ اک فریادی آیا ہے
آنکھ سے گرتے تاروں کا گوندھ کے گجرا لایا ہے

سارے جگ کی تم رحمت ہو تم جگ داتا کے پیارے
نور دلانگ پیرو پیمبر کی آنکھوں کے ہو تارے
ملک عرب میں تم نے بہائے خلق و محبت کے دھارے
تم سے ہیں کونین کے جلوے رنگ برنگے اور نیارے

غم کی کہانی اے شاہا! بے مایہ گدا کی سن لو ذرا
رنج و الم سہہ سہہ کر جگ میں دل کا ہے اب حال برا
بغض و حسد کے طوفانوں سے پیار کا ہر گلشن اُجڑا
مسلک ہے نیا۔ تہذیب نئی۔ تعلیم نئی اور طور نیا

"امر و نہی" بس ممبر سے پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہے
قرآں سے رنگیں طاقوں کو گھر گھر میں سجایا جاتا ہے
آیاتِ کریمہ لکھ لکھ کر آسیب بھگایا جاتا ہے
"قولِ نبی" کو مقصد کا عنوان بنایا جاتا ہے

پیر کلیسا کے سانچے میں نسلِ مسلماں ڈھلتی ہے
مغرب کی بتائی راہوں پر پود نئی اب چلتی ہے
حرص و ہوا کی وادی میں قوم یہ ساری پلتی ہے
دیکھ کے رنگ محفل، شمع حسرت و غم سے جلتی ہے

در پہ تمہارے شاہِ مدینہ اک فریادی آیا ہے
آنکھ سے گرتے تاروں کا گوندھ کے گجرا لایا ہے

(مدینہ بجنور ۱۸ رمضان ۱۳۷۹ھ)

(خواجہ ذکی احمد پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ "ہمارا سنگم" جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا اور منشی عبدالعزیز صاحب خورجوی کی کتابت کے بعد دیال پرنٹنگ پریس فوارہ چاندنی چوک دہلی میں طبع ہوا)

خطبہ (بے نقط)
در حمد و ثنا و درود و سلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِکِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الْحَیِّ عَلَی الْمَحْمُوْدِ بِکُلِّ حَامِدٍ وَالْمَدْحِ الْکَامِلِ لِمَمْدُوْحِ کُلِّ مَادِحٍ، لَا مَوْلُوْدٍ وَّلَا وَالِدٍ وَصَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ اِسْمُہٗ عَلَی السَّمَآءِ اَحْمَدُ وَسَمَّاہُ کَاِسْمِہٖ مُحَمُوْدٌ مَحْسُوْدٌ لِکُلِّ حَاسِدٍ لَوْحَسَدَ وَکُلُّہٗ مُطَہَّرٌ مَسْعُوْدٌ، وَالسَّلَامُ عَلٰی اٰلِہِ الرُّؤَسَاءِ وَاَوْلَادِہِ الْاَطْہَارِ سَلَامًا دَائِمًا کَامِلًا سَرْمَدًا عَدَدَ الْاَمْطَارِ وَمِلَاءَ الْاَمْصَارِ ؕ

(ترجمہ) سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو بادشاہ ہے۔ ایک ہے یکتا ہے۔ بے نیاز ہے۔ بلند مرتبہ ہے۔ ہر حمد کرنے والے کی حمد کا مقصود و مصداق ہے اور ہر مدح کرنے والے کے ممدوح کے لئے مدح کامل ہے۔ وہ نہ تو کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ۔ اور اللہ رحمت اور سلام نازل فرمائے اپنے رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلم پر) جن کا آسمانی نام احمد ہے اور انکی ذات ان کے نام کی طرح قابل تعریف ہے۔ (اور جو) ہر رشک کرنیوالے کے لئے قابل رشک ہیں اور سرتاپا پاکیزہ اور مبارک ہیں۔ اور سلام ہو ان کی برگزیدہ آل اور پاکیزہ اولاد پر۔ ایسا سلام جو کبھی ختم نہ ہونے والا ہو اور کامل ہو۔ جو بارش کے قطروں کی طرح لاتعداد ہو اور تمام شہروں کی فضاؤں کو بھر دینے والا ہو۔

مندرجہ بالا خطبہ تمام بے نقط حروف میں لکھا گیا ہے۔ اس میں پانچ جگہ حرف "تی" بھی آیا ہے جن کے نیچے ہم نے نشان x بنا دیا ہے۔ لہٰذا اعتراض ہو سکتا ہے کہ جبکہ "تے" کا استعمال ہوا ہے تو یہ تمام کا تمام بغیر نقطوں کے کیوں کہا جائے لیکن آپ آسانی سے معلوم کرلیں گے کہ پڑھنے میں یہ "تی" الف کی آواز دیتی ہے اسلئے اس کو ایسی حالت میں بے نقط حروف میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ "سنگم" کے پڑھنے والے اس صنعت کی داد دیں گے۔ اور مؤلف یعنی مولانا مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مولوی فاضل مترجم کتاب الشفا کے حق میں اور جملہ مسلمین کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں گے۔ اور صحیح عقیدہ کے ساتھ عملاً تعلیمات قرآن پر کاربند ہونگے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

قرآن حکیم کا ترجمہ عام معلومات کے لئے یہ بتانا یقیناً بہت مفید ثابت ہوگا کہ کلام الٰہی جس کی زبان عربی ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا تھا۔ سرزمین عرب کے علاوہ دوسرے ممالک کے لئے اس کی تعلیمات اسی وقت پورے طور سے قابل عمل ہو سکتی ہیں جبکہ وہاں کے رہنے والے اس کے ایک ایک حرف کے معنی سمجھ سکیں۔ اگرچہ مبلغین نے ترجمہ سے زیادہ محنت شاقہ برداشت کرکے اس کے تمام احکامات کو لوگوں تک پہنچایا اور انشاء اللہ اسلامی جذبہ سے انہیں ایمان کی دولت سے مالا مال کیا لیکن پھر بھی ضرورت باقی رہی کہ وہ لوگ خود اپنی زبان میں اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔ لیکن ترجمہ کرنے والے بہت ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی حرف کا ترجمہ کم و بیش ہو جائے یا اصلی مفہوم سے قدرے ہٹا ہوا ہو جائے یعنی کوئی کسر رہ جائے جس سے یوم آخرت میں زبردست پکڑ ہو۔ تاہم ان تمام احتیاطوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہندوستان میں سید نا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ۱۱۵۱ھ میں فارسی زبان میں تفسیر قرآن فتح الرحمٰن مدون فرمائی۔ فارسی زبان کا رواج کم ہو جانے پر آپ کے صاحبزادے جناب شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے احتیاط کامل کے خیال سے اردو میں تحت اللفظ ترجمہ کیا اور اس کے بعد زمانہ کی [illegible] اردو زبان کے طرز بدلنے پر ۱۲۰۵ھ میں شاہ ولی اللہ صاحب کے دوسرے فرزند جناب شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے بامحاورہ ترجمہ کی سعادت حاصل کرکے دوسروں کو فیض پہنچانے کا ثواب حاصل کیا۔ اس کے بعد دوسرے علماء کے لئے ترجمہ کے تمام دشوار گذار راستے صاف ہو گئے۔ اور مختلف اصحاب نے اور زیادہ بامحاورہ زبان کے خیال سے یا زیادہ وضاحت کی ضرورت سمجھ کر قوسین ( ) کا استعمال کرکے انہی حدود میں رہتے ہوئے ترجمے شائع کئے جو شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادگان نے احتیاطاً اختیار کی تھیں۔

زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبان کے وطن دہلی میں اردو کے بہت سے محاورات متروک الاستعمال ہوتے گئے نیز ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسا ترجمہ شائع کیا جائے جس میں زبان کے مروجہ محاوروں کے استعمال کو مد نظر رکھنے کے علاوہ آیات کا شان نزول بھی جہاں تک ممکن ہو مختصراً اگر جامع الفاظ میں معلوم ہو سکے تاکہ احکامات الٰہیہ کی اہمیت زیادہ بخوبی سمجھ میں آسکے جس سے ایمان میں زیادہ پختگی پیدا ہوتی ہے۔ مولوی عاشق الٰہی صاحب کی خوش قسمتی سے انہیں ایک قلمی حمائل شریف قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں منشی فرحت اللہ صاحبؒ دستیاب ہوگئی جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی محمد حسینؒ بن مولوی رفیع الدین صاحبؒ سے حاصل ہوئی تھی،

جبکہ حواشی پریشان نزول کا نہایت بے بہا ذخیرہ موجود تھا جو شاہ صاحب کے خاندان کا جمع کردہ سرمایہ تھا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ تفسیر بیضاوی مظہر العجائب۔ لباب المنقول اور اتقان از مولانا جلال الدین السیوطیؒ جلالین شریف وغیرہ وغیرہ کتب سے بھی استفادہ حاصل کرکے ترجمہ کیا گیا جس کو ہم نے مدنظر رکھا اور آئندہ بھی اپنے ناظرین کو اس سے مستفید ہونے کے مواقع بہم پہونچانے کی کوشش کرتے رہیں گے، یہ ۱۳۲۰ھ میں عمدۃ المطابع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ اللہ ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان نیک ہستیوں کے طفیل ہم گنہگاروں کے بھی حال پر رحم کرے۔ آمین۔

تکملت اس افتتاحیہ مضمون (خطبہ) کو ختم کرنے سے پہلے ہم ایک بار پھر اپنے محترم دیرینہ ساتھی اور رفیق خاص جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری مرحوم و مغفور پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتابچہ "جواہر ملیہ" میں سے ان کی ایک مثنوی "شمع ملت" کا ایک بند درج کرتے ہیں۔ جو سنگم ماہ جولائی ۱۹۵۴ء میں بھی شائع ہو چکا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن نشین یہ امر اچھی طرح ہو جائے کہ قرآن کریم پر عمل پیرا نہ ہونے سے کیا حالت ہو گئی ہے:-

تو نے اے مسلم! کبھی دل میں کیا یہ بھی خیال ملت اسلام پہ کیوں آگیا آخر زوال؟
شانِ محبوبِ حق، رسوائی و ذلت نہیں پھر ہے یہ خیر الامم کیوں خستہ و آشفتہ حال؟
حق نے فرمایا ہے "مسلم پہ نہیں کافر کو راہ" کفر نے اسلام کو پھر کر دیا کیوں پائمال ہم
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے امت بٹ گئی اغیار میں اب نہ عزت ہے نہ شوکت ہے نہ حشمت ہے نہ مال ہم
اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا کوئی قومی عذاب دشمنوں کو بھی الٰہی! غیر کے بس میں نہ ڈال؟
دیکھ کر یہ خواریاں دنیا میں کہہ سکتا ہے کون؟ ہے یہی امت جو ہے مقبول رب ذوالجلال؟
کارواں یہ کٹ گیا خود راہِ حق کو چھوڑ کر ورنہ اس درگاہ سے وعدہ خلافی ہے محال؟
امت اسلام کا جب تک تھا قرآں پہ عمل اس کی شوکت ساری دنیا میں ہی ضرب المثال

چھوڑ کر قرآن کو مسلم حق سے بیگانہ ہوا
دین کو بھی رسوا کیا اور آپ بھی رسوا ہوا

اشارات و کنایاتِ سنگم

حالِ دل لیجیے یہ جان بار آپ کا "سنگم" پھر نمودار ہو گیا۔ مگر اس مرتبہ ہمیں اپنی ساکھ قائم رکھنے میں بہت دشواری محسوس ہوتی ہے تاہم ایسے قدردان اب بھی موجود ہیں جو حالاتِ زمانہ سے ناآشنا نہیں ہیں اور وہ ہماری مجبوری پر یقین کرتے ہوئے ہماری سرپرستی سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

یہ پرچہ ہماری ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ "سنگم کتاب گھر" کا نقیب ہے، اردو کا علمبردار ہے۔ ملک و ملت کا خادم ہے مظلوموں کے دل کی فریاد ہے مسلمانوں کی عزت و ناموس کا پاسدار ہے۔ حکومت کے نشہ میں مست بے راہ رووں کے کردار کا آئینہ ہے۔ متلاشیانِ حق کا رہبر صادق ہے اور "انقلاب زندہ باد" کے نتائج کی صحیح اور سچی تاریخ ہے۔ اور خود ہمارے اپنے اعمال اور گناہوں کا بھی انڈکس ہے۔ اس لئے بار بار منہ چھپا کر بھی پھر ایک دم نظر آنے لگتا ہے۔ آپ "سنگم کتاب گھر" کا رسالہ مفت منگا کر دیکھئے تو آپ کو اس کے مقاصد و اغراض سے اس کی اہمیت معلوم ہو جائے گی۔

مختصر تاریخ سنگم کتاب گھر ۱۵ اگست ۱۹۵۰ء کو یوم آزادی کی تیسری سالگرہ کے موقع پر قائم ہوا تھا۔ لیکن اخبار "سنگم" جولائی ۱۹۵۱ء سے شائع ہونا شروع ہوا ہے مگر اس کے پرنٹر و پبلشر کے ایکدم امریکہ چلے جانے سے مارچ ۱۹۵۵ء کے بعد فوراً پرچہ بند کرنا پڑا۔

اس کے بعد جولائی ۱۹۵۵ء سے پھر دوسرے پرنٹر پبلشر کے نام سے جاری کیا گیا مگر ڈاکخانہ کا رجسٹرڈ نمبر نہ ملنے کی وجہ سے مالی مشکلات کی بنا پر اپریل ۱۹۵۶ء کے بعد شائع نہ ہو سکا۔ اگرچہ جون ۱۹۵۶ء تک کا پرچہ تیار ہو چکا تھا لیکن طباعت کی نوبت آنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ [ڈاکخانہ سے رجسٹرڈ نمبر ملنے سے دو نئے پیسے کے ٹکٹ میں ایک پرچہ جاتا ہے اور نہ ملنے کی صورت میں چوگنے دام یعنی آٹھ نئے پیسے فی پرچہ محصول ڈاک کے دینے پڑتے ہیں] اس کے بعد کچھ اخبارات کے قوانین میں بھی تبدیلی ہو گئی اور ہمیں "سنگم" کی بجائے "ہمارا سنگم" نام رکھنا پڑا۔ محصول ڈاک کی کفایت کے خیال سے پرچہ دو ماہی کرنا پڑا۔ پھر بھی ڈاک کا خرچ اس قدر ہی برداشت کرنا پڑا۔ غرض بہت سی دیگر مجبوریوں کی وجہ سے ہمیں مجبوراً

کے حاصل کرنے کی سب سے زیادہ مشکل تھی۔ یہ دوماہی پرچہ جو "ہمارا سنگم" کے نام سے منظور ہوا تھا جنوری سنہ ۶۶ء سے جاری ہوا اور اس بار خریداروں نے اس کے بار بار بند ہو جانے کی وجہ سے اسکا عذر قابل التفات نہ سمجھا، اور خریداروں کی تعداد اتنی کم رہی کہ فروری سنہ ۶۶ء کے بعد ہماری ہمت نے جواب دے دیا اور پرچہ بند ہو گیا۔ لیکن ہم نے اپنے عزم و استقلال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور پھر ڈکلریشن کی درخواست دی جو خدا خدا کر کے کئی ماہ کی مسافت طے کرنے اور کئی ٹھوکریں کھانے کے بعد ۲ ستمبر سنہ ۶۹ء کو منظور ہوئی۔ چنانچہ اب اکتوبر سنہ ۱۹۶۹ء سے چوتھی مرتبہ یہ جاری ہو رہا ہے جسکا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے چونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے اس لئے عجلت میں اسے شائع کیا جا رہا ہے۔ دوسرا پرچہ نومبر اور دسمبر کا یکجائی شکل میں نکلیگا تاکہ اس کے بعد ماہنامے وقت پر نکل سکیں۔

ہماری امیدیں ہم نے ارادہ تو یہ کیا ہے کہ اس مرتبہ یہ پرچہ ضرور جاری رکھا جائے اور اسے کسی صورت سے بھی بند نہ ہونے دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی کے ہاتھ میں ہماری عزت و ذلت ہے وہ جس طرح بھی چاہیگا اسی طرح ہمارا کام ہوگا۔ البتہ ہمیں اس کی امداد پر پورا بھروسہ ہے اور ہمارے عزائم میں پہلے سے زیادہ امیدوں کا دریا موجزن ہے اسلئے ہم اپنے سرپرستوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مرتبہ ہمارے وعدہ کا لحاظ کریں۔ اور ہر صورت سے ہماری امداد فرمائیں۔ ہم نے جو پروگرام بنایا ہے وہ حکومت کے کروڑہا روپے کے مختلف پلانوں سے بھی زیادہ شاندار ہے جسکا ذکر قبل از وقت معلوم ہوتا ہے اور وہ اسوقت محض مجذوب کی بڑ سے تعبیر کیا جائیگا۔ اگر عمر نے وفا کی اور زمانہ نے ساتھ دیا اور سب سے زیادہ یہ شرط ہے کہ آپ نے بھی دل سے اور محبت سے ہماری سرپرستی کی تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے قول و فعل میں کہاں تک مطابقت ہے اتنی سمع خراشی کرنے اور آپ کا وقت ضائع کرنے کی معذرت قبول فرمایئے جن اصحاب کی مدت چندہ ختم ہونے سے پہلے ہی پرچہ بند ہو گیا تھا ان کی رقم بطور امانت محفوظ ہے اور ان کے نام پرچہ اس وقت تک جاری رہیگا جب تک ہم پر ان کا قرض باقی ہے۔

ملکی حالات اس عرصہ میں سینکڑوں واقعات ایسے ظہور پذیر ہو گئے کہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ملک میں انتہائی انتشار ہے۔ نہ صرف ملک میں بلکہ پوری دنیا میں خیانت

کے آثار نمودار ہیں۔ کوئی برائی ایسی نہیں جسے سائنس کی ترقی کم نہ کر دیا ہو۔ طبیہ کالج دہلی کا افتتاح مہاتما گاندھی کے ہاتھ سے حکیم اجمل خاں مرحوم نے کرایا تھا اس وقت مہاتما جی نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ ملک میں جتنے شفاخانے یا دواخانے قائم ہوتے جاتے ہیں اتنی ہی بیماریاں اور نئے نئے روگ جنم لیتے جا رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان اسباب پر غور کیا جائے جن سے یہ بیماریاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور صحت نیک چلن بننے، سچ برتنے، کھانے پینے میں احتیاط برتنے اور قناعت قائم رکھنے اوقات کی پابندی کرنے جسمانی ورزش کرنے، پرمیشور کو یاد کرنے اور تپسیا کرنے اور اپنے بھائیوں، ساتھیوں اور کل انسانوں کا بھلا چاہنے اور ان کی سیوا کرنے سے ہی کم ہو سکتی ہیں۔ علاج کی نسبت پرہیز زیادہ اچھی چیز ہے۔"

بالکل اسی طرح آجکل ہم دیکھ رہے ہیں کہ جوں جوں مختلف ملک آزاد ہوتے جاتے ہیں۔ آپس کی خلش، چپقلش اور عداوتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ خود اپنے ملک میں جان کی کوئی قیمت نہیں رہی جہاں دو پیسے پر جھگڑا ہوا فوراً جیب سے چاقو نکالا اور قصہ ختم کر دیا گیا' استاد کی عزت تو منہ چھپائے پھرتی ہے۔ ماں بہنوں کی عصمت کا جوہر بالکل نایاب ہوتا جا رہا ہے جبکہ "فیملی پلاننگ" کی بدسلیقگی نے اور بھی پردہ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ زبان کے جھگڑوں نے "یار من ترکی است و من ترکی نمیدانم" کی جھنجھٹ میں ڈالدیا ہے۔ مسجد و مندر کی اہمیت ختم کر کے "سیکولرزم" کی آڑ لی جانے لگی ہے۔ اپنی بہو بیٹیوں کو نچوانے اور ان کے گانا سننے کی دلفریب بے حیائی کو "کلچر" کا مقدس خطاب عطا کیا گیا ہے۔ غریبوں پر بیچارگی کے عالم میں ظلم ڈھانے کے خلاف انصاف چاہنے کا نام "فرقہ پرستی" رکھ دیا گیا ہے۔ درسی کتب میں پیشوایان دین کو گالیاں دیئے

سلہ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ دہلی کے آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج کا سنگ بنیاد گاندھی جی نے رکھا تھا جیسا کہ دہلی کے انگریزی ماہنامہ مرآۃ نے اسی دسمبر کے پرچہ میں درج کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ طبیہ کالج کا سنگ بنیاد تحریک عدم تعاون سے پہلے وائسرائے ہند کے ہاتھ سے حکیم اجمل خاں صاحب نے رکھوایا تھا اسوقت وہ انگریزی سرکار کے خطاب یافتہ "حاذق الملک" تھے اور جب اس کا افتتاح ہوا اس وقت وہ جنگ آزادی کے خاص علمبرداروں میں سے تھے اور سرکاری خطاب کو ٹھکرا کر قوم سے "مسیح الملک" کی عزت حاصل کر چکے تھے۔ (ف۔ ۹)

اور انہیں طرح طرح سے ملعون کرنے کا منصوبہ "قومی یک جہتی" کے تحت بتایا جاتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ تو آبادی کی کثرت کی بنا پر وزارت خوراک کی امداد کے طور پر کی جانے لگی ہے اور دواؤں میں ملاوٹ اس تردد کو رفع کرنے کے لئے ضروری سمجھی گئی ہے۔ جو "پیدائش کے مقابلہ میں اموات کی کمی" کی وجہ سے وزارت صحت کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ رشوت کو اس وجہ سے قومی کردار کا جزو سمجھا جانے لگا ہے کہ اس سے حقوق کی دوڑ میں دوسروں پر بہرصورت فوقیت حاصل ہو جاتی ہے اور بے خوفی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ نیز شادی بیاہ کی بات چیت میں علاوہ تنخواہ کے "بالائی آمدنی" کے سوال سے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ چوری، ڈاکے، خون، جاسوسی، بے ایمانی سب اسلئے زندگی کا جزو بنتے جاتے ہیں کہ انسے بے روزگاری کی تکلیف رفع ہونے میں بہت مدد ملتی ہے کیونکہ جیل میں "اجرت" پر بہت کام مل جاتا ہے اور پکی پکائی روٹی مل جاتی ہے اور رہنے سہنے کی ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ نہانے کے لئے شاور باتھ تک کے لئے غور ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ، کہئے صحیح ہے نہ؟ غرض اتنے مسائل ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایک طویل بحث چاہتا ہے جس پر وقتاً فوقتاً اور حسب ضرورت اظہار خیال ہوتا رہے گا۔

اظہار تشکر

جن قدردانوں نے پرچہ بند ہو جانے پر تشویش اور رنج وغم کا اظہار فرمایا ان کی اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں اور جن مالکان جرائد و رسائل نے تبادلہ میں پرچہ بھیجنا شروع کیا تھا اور وہ اب تک برابر بھیجتے رہے ہیں انسے ہم بہت نادم ہیں اور انتہائی خلوص کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں ہم پر ان کا جو احسان بلکہ قرض حسنہ ہے اسے ہم بخوبی محسوس کرتے ہیں خدا کرے کہ ہم اس کی تلافی کر سکیں۔ خصوصاً ماہنامہ "کردار نو" جامعہ اسلامیہ منٹگمری (پاکستان)۔ ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند۔ ماہنامہ "تعلیم و ترقی" جامعہ نگر۔ پریس انفارمیشن بیورو حکومت ہند نئی دہلی۔ ماہنامہ "آستانہ" دہلی ماہنامہ "منادی" دہلی۔ ماہنامہ "ہمدرد صحت" کراچی۔ ہفتہ وار "پیام مشرق" دہلی۔ ماہنامہ "کتابی دنیا" کراچی۔ ماہنامہ "حق کی کرن" خورجہ ضلع بلند شہر۔ انگریزی ماہنامہ "صراط" نئی دہلی۔ ہفتہ وار انگریزی "جرمن نیوز ویکلی" نئی دہلی وغیرہ

جن اخبارات و رسائل کے منتظمین نے کافی انتظار کے بعد ناامید ہو کر پرچہ بھیجنا بند کر دیا انہوں نے بہت ٹھیک کیا۔ ہمیں ان سے مطلق شکایت نہیں ہے۔ بعض ناشرین یا مصنفین نے اپنی مطبوعات بغرض تنقید و تبصرہ وقتاً فوقتاً ارسال کی ہیں انپر انشاء اللہ عنقریب لکھنا شروع کیا جائیگا۔ ہم ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کتاب کو پڑھے بغیر جھوٹ موٹ کی رائے لکھنا ہمارے اصول کے خلاف ہے اس لئے تاخیر ہونا لازمی امر ہے۔

سنگم کتاب گھر کے مصنفین سے

سنگم کتاب گھر کی مطبوعات کے بعض مصنفین کا حساب رائلٹی یا کمیشن عرصہ سے نہیں ہوا ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں جن کے اظہار کا یہ موقعہ مناسب نہیں ہے۔ نجی طور سے بذریعہ خط و کتابت جو وجوہات یا عذرات ہم انہیں لکھتے رہے ہیں انہیں بالکل صحیح سمجھا جائے تاہم اپنی ذمہ داری اور احساس فرض سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ سے زیادہ انکم ٹیکس والوں کا ہتھوڑا ہمارے سر پر نہایت خوفناک شکل میں خون خشک کئے دے رہا ہے۔ ذرا خیال کیجئے کہ ہماری چھتر سال کی "ننھی" سی جان پر اتنی مصیبتیں اور اسقدر بوجھ!! بس اللہ ہی مالک ہے۔

اللہ کے پیارے

پرچہ بند رہنے کے زمانہ میں جہاں دنیا نے بہت سے انقلابات دیکھے اور بہت سے حادثات برداشت کئے جن سے ہمیں بھی دوچار ہونا پڑا وہاں سب سے زیادہ صدمہ ہمیں اپنے نہایت مخلص اور محترم دوست اور ملک و ملت کے انتہائی سچے اور سرگرم رہنما اور غضب کے پرکشش اور پراثر سحر البیان علامہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے سانحۂ ارتحال سے پہنچا خدا انکی مغفرت کرے اور پسماندگان کو جن میں ہم سب گنہگار بھی شامل ہیں قوت برداشت عطا کرے۔ آمین۔ اس اللہ کے مقبول بندے کے متعلق اپنے تاثرات پھر بیان کریں گے۔

سنگم بال سبھا

پہلے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں سنگم بال سبھا کی رکنیت کے متعلق لاتعداد خطوط موصول ہوئے اور بہت سی ناراضگیوں کی یاددہانیاں بھی آئیں لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ سوائے ایک دو کے ہم نے کسی کا جواب نہیں دیا جو یقیناً تہذیب اور انسانی شرافت کے خلاف امر ہے لیکن ایسا کیوں ہوا اس کا جواب "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا جائیگا۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ جب "سنگم کتاب گھر" کو ہی ہم ٹھیک طرح سے اس کے مقاصد کے مطابق نہیں چلا سکے تو بال سبھا کو جو اس کا ایک اہم جزو ہے کس طرح زندہ رکھ سکتے تھے۔ اگرچہ گاہ بگاہ انجمنوں کے بل پر وہ زندہ اور قائم رہا لیکن

"وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی" لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب ہم اسکی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس قابل ہوگئے ہیں کہ اس کے خواہشمندوں کو مایوس نہ ہونے دیں گے اور ان کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ یا بدگمانی باقی نہیں رہنے دیں گے۔ چند بچوں کا حساب ہمارے ذمہ ہے اور چندے کے ذمہ ہماری رقم نکلتی ہے۔ ہماری رقم دینے والے جب مناسب خیال فرمائیں اس کی بیباقی کی طرف توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ ہمارے ذمہ جو بقایا ہے وہ ہم ان کو بال سبھا کے مقاصد کے تحت اور اس کے قواعد و ضوابط کے مطابق ادا کرنا شروع کر رہے ہیں۔ جن کرم فرماؤں نے قواعد و ضوابط اور رکنیت کے فارم منگائے ہیں ان کی تعداد چونکہ کافی ہے اس لئے یقین ہے کہ ۲۰ر دسمبر تک سب کی خدمت میں پہنچ جائیں گے اور آئندہ انشاء اللہ وقت پر بہت باقاعدہ جواب دیا جاتا رہیگا۔

ایک ضروری امر

جس کی طرف خاص طور سے توجہ دلانے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ایک یا دو حضرات نے ماہنامہ سنگم کا یا بال سبھا کا چندہ کرنسی نوٹ کی صورت میں لفافہ میں بند کرکے بھیجنے کی اطلاع دی ہے جس کی رقم بھی ایک روپیہ لکھی ہے لیکن رقم تو درکنار ان کا لفافہ ہی ہمیں نہیں ملا خط و کتابت کے رجسٹر و مولّت میں بہت ڈھونڈا انکے نام کا اندراج ہی نہیں ملا اس لئے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ انہوں نے غصہ میں ہم پر ایک روپیہ کی بے ایمانی کا الزام لگایا ہے۔ البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ لفافہ ہی کسی مسمرزیم والے کے ہاتھ لگ گیا ہو لیکن چونکہ ایسی شکایتوں کی تعداد دو تین سے زیادہ نہیں ہے اور رقم کی مجموعی مقدار بھی دو تین روپے سے زائد نہیں ہے اس لئے اگر وہ واقعی اسے غصہ کا نتیجہ نہیں بتائیں گے تو ہم اس رقم کی تلافی کر دیں گے لیکن جو امر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ دس روپے تک منی آرڈر پر پندرہ نئے پیسے ڈاک خانہ کو ادا کرنے پڑتے ہیں اور مضمون کے لئے کوپن کے دونوں طرف کافی جگہ ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پندرہ ہی پیسے کے لفافہ میں ایک یا دو یا پانچ سات روپیہ بند کرکے بھیجے جائیں جن کے پہنچنے کا بھی یقین نہیں ہو سکتا حالانکہ منی آرڈر کی تو باضابطہ رسید آتی ہے۔ لہذا مہربانی فرما کر کوئی صاحب منی آرڈر کے علاوہ کوئی اور ذریعہ ایسی چھوٹی چھوٹی رقمیں بھیجنے کے لئے اختیار نہ فرمائیں ورنہ "سنگم" پر ذمہ داری نہیں ہوگی۔ البتہ کتابوں کی خریداری کے لئے اگر زیادہ رقم ارسال کرنی ہو تو بینک کے چیک یا بیمہ کے ذریعہ بھیجئے۔ اسے خوب نوٹ کر لیجئے۔

سنگم کے خصوصی مضامین

پرچہ چوتھی مرتبہ خاص اس غرض سے نکالا جا رہا ہے کہ ہم اپنی عمر کے بہت سے ایسے واقعات قلمبند کر دیں جو عام طور سے دوسری جگہ نہیں ملیں گے یا مصلحتاً دوسرے لوگ انہیں قلمبند کرنا اور اسکی تشہیر کرنا بلکہ ان کا اظہار کرنا بھی پسند نہیں کرینگے لیکن ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا کسقدر خود غرض اور کتنی مکار ہے۔ ہمدرد بنی نوع انسان کا ملنا بالکل دشوار نظر آتا ہے جن لوگوں کے متعلق اُن باتوں کا گمان تک بھی نہیں ہو سکتا جن کی طرف ہم اشارہ کرینگے یا جن کو ہم وضاحتاً بیان کریں گے اور جن کو انسے منسوب کرتے ہوئے خود ہمیں تامل ہوتا ہے۔ ان کے افکار و کردار سے آپ کو بہت سبق ملے گا اور بہت عبرت حاصل ہوگی۔ حاشا کہ اللہ ہمیں کسی کی بدنامی یا ہجو مقصود نہیں ہے اس کے برعکس بعض حضرات کی خوبیوں اور افعال کے بیان کرنے سے آپ خود اپنے اوپر افسوس کریں گے کہ کاش ہم بھی ایسے ہی ہوتے یا اب بھی ان جیسا کوئی کام کر جائیں مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری زندگی کے تجربوں کا نچوڑ ہوگا جن میں بعض ناگوار اور بعض خوشگوار معلوم ہونگے۔ ہم نے ان باتوں کو تین دوروں میں تقسیم کیا ہے:۔ (۱) تعلیم کا زمانہ علیگڈھ کالج میں داخل ہونے سے پہلے (۲) تعلیم کا زمانہ علیگڈھ کالج میں اور پھر وہاں ہی ملازم ہو جانے کے بعد (۳) تحریک ترک موالات کے بعد جامعہ کی زندگی علیگڈھ اور دہلی میں اور وہاں سے چالیس سال گزارنے کے بعد ہمارا اخراج "استعفے" کی آڑ میں۔ نیز سیاسی اعتبار سے بھی تین دور ہیں: (۱) قبل از تحریک عدم تعاون (۲) عدم تعاون کے بعد کانگریس اور جمعیتہ العلماء کی رکنیت اور رہنمایان ملک و ملت کی "بت اور" "تماشائے اہل کرم" (۳) ملک کے سب سے بڑے دشمن اور غدار وطن کی نہایت دلسوز کہانی اور ہماری آہوں کا اثر، یہ سب ہوائی باتیں نہیں ہوں گی بلکہ مستند ثبوتوں کے ساتھ پیش ہوا کریں گی۔ یہ سب چیزیں یقیناً عوام کی دلچسپی کا باعث بھی ہونگی۔

"سنگم" کے پچھلے پرچے

یہ پرچے معلومات کی انسائکلوپیڈیا ہیں پچھلی پوری جلدیں صرف محصول ڈاک مع فیس رجسٹری موصول ہونے پر مفت بھیجدی جائیں گی۔

ہمارا سنگم اور ماہ اکتوبر

چوتھی جلد ہم نے پچھلے سالوں کی طرح اس پرچہ کی نئی جلد کا پہلا شمارہ (نمبر) جولائی سے شروع کرنے کی بجائے اس مرتبہ اکتوبر سے شروع کیا ہے جسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسکا ڈکلریشن ہی ستمبر کے وسط میں منظور ہوا تھا بلکہ اس وجہ سے کہ اکتوبر کے مہینہ کی بہت بڑی اہمیت اور عزت ہمارے دل میں ہے۔ اول تو یہ کہ اس مہینہ کی دوسری تاریخ ہمارے ملک کے سب سے بڑے رہنما اور آزادی کے لئے ڈٹ کر میدان میں آنے والے سب سے پہلے ناخدا اور عدم تشدد کے بغیر اسے حاصل کرنے کی تحریک کے بانی مہاتما گاندھی کا جنم دن ہے۔

دوسری وجہ اس کی ۲۹ تاریخ میں مضمر ہے جو ملک کی نہایت مشہور اور اہم درسگاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا یوم التاسیس ہے جس کا قیام مہاتما گاندھی کی تحریک عدم تعاون کے تحت علی برادران اور دیگر مسلم سیاسی رہنماؤں کی قیادت میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے مبارک خطبہ افتتاحیہ سے عمل میں آیا تھا۔ اور اس روز دیوبند کے خالص دینی "دارالعلوم" اور علیگڈھ کے "دنیاوی تعلیمی" "مدرسۃ العلوم" کے سنگم کا اعلان "مسلم نیشنل یونیورسٹی" کے نام جناب شیخ الہند مرحوم نے فرمایا تھا اور جسکو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے نام سے تمام ملک میں بلکہ بیرون ہند میں بھی دیوبند اور علی گڈھ کے علمی مراکز کی طرح بہت شہرت حاصل ہو چکی ہے۔

جامعہ ملیہ سے ہمارا تعلق اس کے قیام کے وقت سے ہے۔ اگرچہ ۱۹۵۹ء میں ہمیں اس کی "خدمت" کا دور تو ختم کر دینا پڑا لیکن بہ حیثیت اس کی سب سے بڑی کارکن جماعت کے حیاتی رکن ہونیکا شرف ابھی تک باقی ہے

تیسری وجہ بالکل نجی اور ذاتی ہے وہ یہ کہ ہماری منجھلی پوتی (ذکیہ النساء جو جامعہ سے ہائر سیکنڈری میں کامیاب ہو کر علی گڈھ کی پری میڈیکل کلاس میں زیر تعلیم ہے) اسی ماہ کی ۲۸ تاریخ کو پیدا ہوئی تھی۔

جامعہ کا یوم التاسیس ہم چاہتے تھے کہ سب سے پہلے گاندھی جی کے جنم دن کی تقریبات اور ان کے جلسوں کی اہم تقریروں نیز ان کے عملی پہلوؤں پر اظہار خیال کریں لیکن یہ مسئلہ بہت زیادہ وقت اور جگہ چاہتا ہے جسکی اس شمارہ میں گنجائش نہیں۔ اس لئے فی الحال اسے ملتوی کرتے ہیں۔ اگرچہ بغیر جنم دن کے بھی ان مسائل کو چھیڑا جاسکتا ہے جن پر ہم بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسوقت تو صرف بطور تبرک جامعہ کے یوم التاسیس پر دو چار کلمات کہنے کو جی چاہتا ہے۔

۱۹۶۱ء میں بھی ۲۹ اکتوبر کو جامعہ میں یوم التاسیس منایا گیا کسی زمانہ میں جامعہ کے یوم التاسیس کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی (بزم) جامعہ کے تحت اسکا انتظام ہوتا تھا۔ نامی گرامی شعراء باہر سے بلائے جاتے تھے اور مغلیہ دور کے مشاعروں کا سا سماں (جسکی کیفیت پرانی یادداشتوں سے ہی معلوم ہو سکتی ہے) بندھ جاتا تھا۔ طلبائے جامعہ (یونین) کی "انجمن اتحاد" کی طرف سے کسی ادبی یا سیاسی بحث پر "آل انڈیا ڈبیٹ (مباحثہ)" کا انتظام ہوتا تھا جس میں اطراف ملک کے کالجوں کے طلباء حصہ لیتے تھے۔ اور یہ بہت ہی دلکش پروگرام ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں کسی مشہور ہستی کو مدعو کر کے اس کے خیالات سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ نہایت پرلطف صحبتیں ہوتی تھیں۔ سال بھر کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا تھا اور بعد معہ کی ہر چھوٹی بڑی جماعت کے طلبہ یا استادوں اور طلبہ کی انجمنوں یا مختلف اداروں کی طرف سے جناب شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں کوئی اچھا سا تحفہ پیش کیا جاتا تھا جو جامعہ کے ہی مفید مقاصد کے لئے شیخ الجامعہ کی طرف سے وقف کر دیا جاتا تھا۔ اور جس طرح فٹ بال میں ہر نئے کھیل کے موقعہ پر تازی ہوا بھر کر اسے بہت زیادہ جاندار بنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر یوم التاسیس کی تقریبات کمزور دلوں میں نئی روح پھونک دیتی تھیں اور تعداد طلبہ کی کمی۔ مالی ذرائع کی دشواریاں۔ ساز و سامان کی محتاجی اور عام غربت کے احساسات کی وجہ سے اگر کسی قسم کی مایوسی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ آج کے دن نئی امنگوں اور نئے ارادوں میں ایک دم منتقل ہو کر پورے جوش اور ولولہ سے استقلال کی ڈھال کے ساتھ نئے نئے پروگراموں کو اپنانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی مختصر لیکن ہمت افزا تقریر نہایت جاذبیت کے ساتھ دل میں اترتی چلی جاتی تھی اور حقیقی جادو کا اثر رکھتی تھی۔ دل کی لگن کو بہت بڑا سکون حاصل ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ باتیں خواب و خیال ہوتی گئیں اور اب اس تاریخی دن کی اہمیت "ڈالڈا" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ ہر سال طلبہ کی کسی نہ کسی انجمن کی طرف سے ایک رسمی جلسہ کر لیا جاتا ہے۔ جس میں بڑوں کے علاوہ دس دس بارہ بارہ سال کے بچے بھی کسی سے سُن سُنا کر ان لوگوں کو بھی جامعہ کی تاسیس کا حال بتاتے ہیں جو اتفاق سے جامعہ میں ابھی تک

موجود ہیں اور جنھوں نے جامعہ کے قیام کے وقت جلسہ گاہ میں شیخ الہند مرحوم کا خطبہ افتتاحیہ خود اپنے کانوں سے سُنا تھا اور مولانا محمد علی مرحوم کی دل ہلا دینے والی اور زمین و آسمان ایک کر دینے والی تقریر پر حسرت و ندامت کے آنسو بہائے تھے۔ کالج اور اسکول کے موجودہ طلبہ یا جامعہ کے کثر استاد تو یقیناً اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جس کی تاریخ آدھی صحیح اور آدھی غلط سنائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر صرف اتنا ہی کافی ہے۔ اس سے تجاوز کرنا اس وقت مناسب نہیں ہے۔

انجمن اتحاد

اس سال یہ رسمی جلسہ انجمن اتحاد کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا جو کسی زمانہ میں طلبائے جامعہ (یونیورسٹی) کی یونین تھی اور شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) اس کے صدر رہتے تھے۔ ذاکر صاحب کے بعد یہ جنگِ اقتدار کا شکار ہو کر بند کر دی گئی اور اس نے جامعہ میں جو اہم خدمات انجام دی تھیں ان پر کیدم قلم پھیر دیا گیا۔ پھر اس کا جنم آدان گوں کے عقیدہ کے مطابق ایک نئی شکل میں ایک جلسہ چوڑے ختر مرغی نام سے ہوا۔ جس کی "سرکاری زبان" کے متعلق خود شیخ الجامعہ کو بھی لاعلمیت کا اظہار کرنا پڑا۔ اور یک جہتی کا مسئلہ حضرت شیخ بھی طے نہ کر سکے اور دلی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر مسٹر راؤ کے ہاتھوں جو پودا لگوایا گیا تھا اسے باغ کے مالی زندہ نہ رکھ سکے اور وہ سوکھ کر جھڑ گیا۔ اب پھر جامعہ کالج نے انجمن اتحاد کے نام کو زندہ کیا ہے لیکن اس مرتبہ وہ محض کالج کی یونین ہے جس کے صدر جامعہ کالج کے پرنسپل ہیں۔ پہلے کی طرح جامعہ کے وائس چانسلر صدر نہیں ہیں۔ خوش قسمتی سے محترم جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب آنریری قائم مقام شیخ الجامعہ نے جامعہ کے اس تاسیسی جلسہ میں شرکت کے لئے ہمیں "بصورت خاص" خود دعوت دی تھی۔ چنانچہ جلسہ کی کارروائی دیکھنے اور سننے کے ساتھ ساتھ ہم برابر اس مخلص اور بے لوث خدمت کرنے والے کے متعلق سوچتے رہے جو مسلم نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں سے زیادہ جامعہ کی خدمت کرنیوالا اور مرتے دم تک اپنے کام میں ثابت قدمی سے بنے والا تھا اور جس نے بیماری کی حالت میں بھی کبھی طلباء کے اسباق اور ان کی تعلیم کا حرج نہیں ہونے دیا اور آخر کار جماعت کو پڑھانے کے بعد واپس آ کر کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ جامعہ پر نثار ہو گیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا۔[1] اس شخص کی خواہش تھی کہ انجمن اتحاد چونکہ کالج کے طلبہ کی انجمن ہے لہٰذا اس کا صدر بحیثیت پرنسپل کالج کے ہونا چاہئے لیکن باوجود اس کے احترام کے طلبہ یہ کہتے تھے کہ ایسا ہو جانے سے انجمن کا وہ Status یعنی اس کی حیثیت کم ہو جائے گی اس لئے مرحوم کی خواہش اپنی پوری نہ ہو سکی لیکن ان کے بعد پرنسپل نے مطالبہ جاری رکھا اور آخر کار انجمن ٹوٹنے کے بعد اب جب پھر زندہ کی گئی تو اس خیال سے کہ نہ ہونے سے تو ہونا ہی بہتر ہے۔ اس مطالبہ پر انکار کی بجائے خاموشی اختیار کر لی گئی۔ کالج کے طلبہ بھی تو ملا نما اور شاہ مرغی گندم سے زیادہ "متقی" نہ تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم اسے خود داری کے خلاف سمجھتے ہوئے "گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است" سے تعبیر کرنے کے بجائے کہتے ہیں کہ یہ ترقی کی علامت نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ اب جامعہ میں ایک ہی کالج نہیں ہے بلکہ اور بھی کالج ہیں اور کالج کی حیثیت کے چند اور ادارے بھی ہیں اس لئے اب کو طلبائے یونیورسٹی کی یونین بنانی چاہئے تھی جس کا صدر شیخ الجامعہ ہوتا اور مقصد بھی پورا ہو جاتا۔

یوم التاسیس ۱۹۶۰ء کی ایک جھلک

بہرحال خوشی کا مقام ہے کہ اس سال جلسہ کی صدارت کے لئے جامعہ کے بہت پرانے طالب علم اور جامعہ کے گریجویٹ سی کرشن نائر صاحب کو مدعو کیا گیا تھا جو ملک کے بہت بڑے قومی کارکن ہیں اور ہمہ وقت ملکی خدمات میں مصروف رہتے ہیں۔ دلی کے قریب نرملا ایک گاؤں ہے جو اب اچھا خاصہ قصبہ ہو گیا ہے اس میں عرصہ تک نائر جی گاندھی جی کے اصولوں اور ان کی تعلیمات کے مطابق آشرم چلاتے رہے۔ بعد میں دہلی پردیش کانگرس کمیٹی کے صدر بھی بن گئے اور آخر میں پارلیمنٹ کے ممبر بھی منتخب ہو گئے۔ انہوں نے نہایت خوبی سے جلسہ کی صدارت کے فرائض انجام دئے ہمیں ان سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔ پرانے زمانہ کا ذکر چھیڑ کر انہوں نے یاد تازہ کر دی اور طلبہ کو خاص خاص باتیں بتائیں۔ انہیں اس کا بے حد افسوس تھا کہ جامعہ میں اب اس کی اصلی روح نظر نہیں آتی۔ اس جلسہ میں اچھی خاصی تقریریں اردو، ہندی اور انگریزی میں ہوئیں جن میں مسلم اور غیر مسلم طلبہ نے اور جامعہ کے ہر تعلیمی ادارہ یا شعبہ یا جماعت نے نمائندگی کا پارٹ ادا کیا۔ جامعہ کی ہیلی سبھا کی طرف سے جنابہ محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ نے لڑکیوں یعنی جامعہ کی طالبات کو مخاطب کر کے نہایت زوردار الفاظ میں ان کی خامیوں کی طرف توجہ دلائی اور ان کی قابل گرفت حرکتوں اور غلط طور طریقوں پر بہت موثر انداز میں فہمائش کی اور ان سے کہا کہ کوئی حرکت ایسی نہیں کرنی چاہئے جس سے جامعہ پر حرف آتا ہو اور اس کے نام کو بٹہ لگتا ہو اور باہر والوں کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہو کہ "یہ دیکھئے! یہ جامعہ کی کیسی لڑکیاں ہیں" حیا اور شرم عورت کا ایک خاص جوہر ہے اور ادب و تہذیب جامعہ کا مخصوص شعار رہا ہے۔ ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے۔ کاش محترمہ

---

[1] یہ ظاہر جناب پی جے کیلاٹ صاحب کی طرف ہے جو مدراس کے رہنے والے اور عیسائی تھے اور جامعہ کالج کے پرنسپل مرتے دم تک رہے۔ (ن۔ ۹)

تقریر کیا جائے۔ اپنے خیالات کا اظہار تحریری مضمون کی صورت میں کریں تو ہم نہایت فخر سے اسے سنگم کے اوراق کی زینت بنانے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ امید ہے کہ جامعہ سے تعلق رکھنے والی تمام چھوٹی بڑی لڑکیاں اور خواتین محترمہ صالحہ عابد حسین کی قیمتی نصیحت کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گی۔

اب ہم جامعہ کی ایک طالبہ جمیلۃ النساء کا ایک مضمون درج کرتے ہیں جو اس نے جلسہ میں پڑھ کر پیش کیا تھا۔ وہ ہائر سیکنڈری کی دسویں جماعت میں میڈیکل سائنس کے مضامین لئے ہوئے ہے اور نیز اپنے اسکول کی ادبی انجمن کے قلمی پرچہ "امنگ" کی سال رواں کے لئے منتخب شدہ مدیرہ بھی ہیں۔

جمیلہ نے پڑھا | جناب صدر، بزرگو اور اچھے ساتھیو!

میں اس وقت آپ کے سامنے جامعہ کے ماضی اور حال پر روشنی ڈالنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں کہ وہ کیوں قائم ہوئی۔ اس کے مقاصد کیا تھے اور آیا وہ مقاصد پورے ہو گئے یا ابھی باقی ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں ان حالات کا جائزہ لینا ہوگا جن میں جامعہ کا قیام عمل میں آیا تھا اور ان وجوہ اور اسباب کو تلاش کرنا ہوگا جو جامعہ کے قیام کا باعث ہوئے تھے۔ مجھے اپنی بات گذشتہ چالیس پچاس برس پہلے سے شروع کرنی ہوگی۔ ہندوستان کے اس دور کی تاریخ دہرانی ہوگی جس کے متعلق ایک بہت بڑے سیاستداں نے یہ کہا تھا کہ انگریزوں نے اس دور میں ہندوستانی عوام کو جان بوجھ کر سیاسی اور معاشی اعتبار سے کافی پیچھے کر ڈالا۔ ان کا اشارہ تھا سترہویں صدی کی طرف جبکہ انگریز ہندوستان میں تاجروں کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے لیکن یہاں کی داخلی سیاست کی خرابیوں اور خانہ جنگیوں نے ان کی ساکھ مضبوط کرنے میں کافی مدد کی۔ یہ وقت ہندوستانی عوام کے لئے ذہنی خلفشار اور معاشی انتشار کا تھا۔ ایک نئی اور اجنبی تہذیب دھیرے دھیرے جنم لے رہی تھی۔ ہمارے آباؤ اجداد کی قدریں نئی تہذیب کی چمک دمک میں ماند پڑتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک تو غنیمت تھا لیکن ستم اس وقت ہوا جب انگریز افسروں نے ہندوستانی فوجیوں کے لئے اس قسم کے فرمان جاری کئے کہ داڑھیاں نہ رکھی جائیں۔ کانوں میں کچھ نہ پہنیں اور ماتھے پر کسی قسم کا نشان نہ ہو۔ یہ ایک ایسا فرمان تھا جس نے ہندوستانیوں کی رہی سہی تہذیب کو بھی ختم کرنا چاہا۔ مزید برآں تعلیمی اعتبار سے بھی ہندوستانی طریقۂ تعلیم پر ایک کاری ضرب لگائی اور ان پر ایک نئی زبان مسلط کرنا چاہی۔ انگریزوں کی ان اصلاحات میں ایک انتقامی جذبہ کارفرما تھا۔ یہ وہ جذبہ تھا جو ان تلخ حالات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جن کا ذکر اس وقت ایک نئی بحث کا باعث بن جائے گا جو مناسب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غدر ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے لوگوں کے خلاف بھی انگریزوں کے دل میں کافی تعصب اور خوف تھا جس کا نتیجہ قدرتاً یہ نکلتا تھا کہ علاوہ قتل و غارتگری اور لوٹ مار کے انگریزوں نے نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ بعد میں سب ہندوستانیوں کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔ چنانچہ اسی کے تحت تعلیم میں ایسا نصاب مقرر کیا گیا جسکو پڑھ کر عقائد اور خیالات پر وہ ردعمل ہوا جس کے متعلق ایک مشہور شاعر نے کہا تھا کہ "دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے"۔ بہرحال ان حالات میں قوم اور ملک کے چند مخصوص لوگوں کی ایک جماعت کو اسکا بہت زیادہ احساس ہوا نیز اس الحاد اور دہریت کا یقین ہونے لگا جس کا نتیجہ ان کے بنائے ہوئے اور جاری کئے ہوئے نصاب سے نکلتا۔ مگر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر زمانہ کا ساتھ نہ دیا گیا تو سیاسی معاشی اور سماجی اعتبار سے ان کا مزید نقصان ہوگا۔ چنانچہ ضرورت محسوس ہوئی ایسے اداروں کی جن میں پڑھنے والے طلباء خصوصاً مسلم طلباء جدید تعلیم سے واقفیت رکھتے ہوئے مذہبی معلومات بھی رکھتے ہوں۔ ان کا ہر کام میں اخلاقی پہلو نمایاں ہو جو مذہبی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔ اگر ایک طرف وہ سائنس اور جدید علوم میں ماہر ہوں تو دوسری طرف مذہبی پیشواؤں کی روحانی تعلیم سے بھی فیضیاب ہوں۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا جب کہ ہماری تعلیم حکومت کی جکڑبندیوں سے آزاد ہو۔ چنانچہ اس خیال کو مدنظر رکھ کر جامعہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے قیام کا مقصد آزاد تعلیم کے علاوہ انگریزوں کی غلامی سے ملک کو آزاد کرانا بھی تھا نیز مادری زبان میں تعلیم دینا ضروری سمجھا گیا تاکہ غیر ملکی زبان کی وجہ سے علوم سمجھنے میں زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کی قیادت میں پورے ملک میں عدم تعاون کی تحریک جاری کی گئی جسے مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا حسرت موہانی جیسے رہنماؤں نے بہت سرتوڑ کوششیں کیں۔ حتیٰ کہ ہندوستان کی سب قومیں متفق ہو کر میدان میں آگئیں۔ سارے ہندوستان میں اتحاد و یکتا کی لہر دوڑ گئی جس سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور آخرکار ہم نے ملک کو آزاد کرا کر دم لیا۔ اس تحریک میں جامعہ کے کارکنوں اور طلباء نے بہت نمایاں خدمات انجام دیں اور اپنے تعلیمی مقصد کو پورا کر دکھایا لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر ملک میں باہم رواداری کی وہ ہوا قائم نہ رہ سکی

اور انگریزی سیاست نے ملک کا بٹوارہ کرا دیا اور بھائی بھائی سے جُدا ہو گیا جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ بٹوارہ کے بعد بھی ایک ہی ملک کے رہنے والوں میں ایک دوسرے سے بدلہ لینے کی روش شروع ہو گئی اور نہ صرف مذہبی اعتبار سے بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی ایک ہی مذہب کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے لہٰذا اب ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہم جامعہ میں ایسی تعلیم کی طرف توجہ کریں جو ملک میں اتفاق اور اتحاد کا باعث ہو۔ ایسا اتحاد جسے کوئی سازش اور کوئی خارجی قوت توڑ نہ سکے اور ہمارے کاموں کی وجہ سے تمام دنیا میں جامعہ کا جو نام پیدا ہو گیا تھا اور جس میں بہت بڑی حد تک کمزوری آگئی ہے وہ پھر دوبارہ قائم ہو جائے اور ہم اپنے مقصد کے مطابق صحیح معنوں میں کام کر کے زمانہ کو پھر اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ یہ کام باہر کے سیاسی لیڈروں پر نہ چھوڑ دیجئے بلکہ تمام جامعہ کے اساتذہ سے درخواست ہے کہ وہ ایسا ماحول پیدا کریں اور ایسا نصاب بنائیں اور ایسی تربیت بچوں کو دیں کہ ہماری جامعہ ایک مثالی درسگاہ ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ملک میں ابھی ہماری ساکھ باقی ہے ہم جہاں جاتے ہیں ہماری عزت کی جاتی ہے۔ جامعہ کا نام بہت احترام سے لیا جاتا ہے۔ جتنے کہ ملک کا بٹوارہ کر کے یہاں سے چلے جانے والے بھائی بھی جامعہ کی قدر کرتے ہیں۔ امید ہے کہ میرے ان چند خیالات پر توجہ کی جائے گی اور مجھ سے اگر کوئی نازیبا بات لکھی گئی ہو تو اسے بطور ایک مہربان اُستاد کے معاف فرمائیں گے۔

آپ کی ناچیز خادمہ۔ جمیلہ

اس جلسہ میں جامعہ کے چھوٹے خدمتگاروں کی انجمن (جو شفیق کلب کے نام سے موسوم ہے) کے ایک رکن حبیب احمد صاحب نے جو لائبریری میں کام کرتے ہیں۔ جامعہ میوزیم کے ایک پُرانے چارٹ سے جو جناب اختر حسن صاحب فاروقی آرٹسٹ جامعہ کی زیرِ نگرانی محفوظ ہے۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق شیخ الجامعہ (حال گورنر بہار) کی تقریر کا وہ حصہ نقل کر کے سنایا جو تیس سال پہلے انہوں نے جامعہ برادری کے سامنے جس کی تعداد بہت تھوڑی تھی اس زمانہ میں کی تھی جبکہ جامعہ قرول باغ دہلی میں تھی اور ابھی جامعہ کی موجودہ بستی کا وجود بھی نہیں تھا۔ اس سے آپ نہایت آسانی سے اندازہ لگا سکیں گے کہ جامعہ کس طرح پروان چڑھی اور کس خوبی سے ڈھارس بندھا بندھا کر اور امیدوں کی ماہ دکھا دکھا کر اس پودے کی آبیاری کی گئی۔ یقین جانئے کہ جامعہ کے بانیوں اور اس کے کارکنوں کے کردار کی مثال سارے ہندوستان میں تو کہیں نہیں ملے گی۔ اس کے تمام کارکنوں نے اپنے ماہانہ مشاہرہ میں حیرت انگیز کمی کر کے بلکہ اگر حالات بالکل ہی سازگار نہ ہوں بلا معاوضہ خدمت انجام دینے اور فاقہ کر کے زندگی بسر کرنے کا عزم کر لیا تھا اور اس کے لئے کم از کم بیس سال تک کام کرنے کا تحریری اقرار نامہ لکھا تھا اور حالات ناساعد ہونے پر یہی کیا گیا جو ظاہر ہے اس کے پہلے باضابطہ شیخ الجامعہ نے جواب اس کے امیر جامعہ (چانسلر) ہیں یعنی جناب عبدالمجید خواجہ صاحب نے بیرسٹری ترک کر کے مسلسل پانچ سال تک بلا معاوضہ کام کیا۔ وہ صبح سے شام تک اس کے کاموں میں منہمک رہتے تھے۔ اس وقت جامعہ کا پورا خرچ مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے ذمہ تھا اور خواجہ صاحب کا مشاہرہ خلیب خلافت نے چار سو روپیہ ماہانہ مقرر کر رکھا تھا جو وہ آسانی سے لے سکتے تھے۔ لیکن قربانی کی پہلی مثال انھیں نے قائم کی۔ خلافت کمیٹی کی امداد بند ہونے پر تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ چپراسی تک نے جسے پندرہ روپیہ ماہانہ ملتے تھے، ایثار کا ثبوت دیتے ہوئے صرف بارہ روپے لینے پر اصرار کیا۔ اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسی شخصیتوں نے تین سو روپے کی بجائے صرف ستّر روپے پر قناعت کی اور وہ بھی دس دس مہینے تک نصیب نہیں ہوئے، اور اگر ملے بھی تو پانچ پانچ دس دس روپے کر کے۔ اس میں ان تمام کارکنوں کی بیویوں کا صبر آزما دور نہایت قابلِ تحسین ہے۔ جنہوں نے اُف تک نہیں کی اور اپنے مردوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اور گھر کی گاڑی کسی نہ کسی طرح چلاتی رہیں۔

بہرحال یہ تو چند الفاظ جامعہ کی گزشتہ زندگی کے متعلق ضمنی طور پر قلم سے نکل گئے۔ اصل مقصد تو اس تقریر کا پیش کرنا تھا جس نے اس ایثار کے لئے جادو کا کام کیا اور جو ہر مخلص کارکن کے لئے جو اپنی جماعت کی خدمت نہایت ایمانداری سے انجام دینا چاہتا ہو مشعلِ ہدایت ثابت ہوگی۔

(یہ تقریر اگلے صفحہ سے شروع کی گئی ہے)

آدمی اس کتاب پر مرکزی حکومت کی طرف سے محمد خلیق صاحب صدیقی کو انعام مرحمت کیا گیا تھا۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ادارہ تعلیم و ترقی کے شعبہ تصنیف و تالیف کے رکن ہیں۔ یہ کتاب ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ نہایت اعلیٰ کاغذ پر بہت خوشخط چھپی ہے اور تقریباً ہر صفحہ پر بلاک کی رنگدار تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اب سے لاکھوں برس پہلے آج جیسی نہ آدمی کی صورت تھی اور نہ آج جیسا اس کا رہن سہن تھا، یہ صورت اور رہن سہن لاکھوں برس کی تبدیلی کے بعد پایا ہے۔ اور یہ تبدیلی کیسے ہوئی؟ حکومت کی طرف سے اس کی قیمت سوا روپیہ ہے مگر ہم اسے صرف ایک روپیہ میں دیں گے۔ خواہ اردو کی لیجئے خواہ ہندی کی)

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی تقریر

جامعہ کا مونوگرام



موجودہ نشان — سابق نشان

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے جامعہ کے ہرے پرچم (جھنڈے) سے پہلا معمہ کے سلسلہ بالخصوص ہوئے سابق مونوگرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جامعہ برادری کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا:-

"اس نشان کا مطلب بھی سمجھے؟"

"دیکھو! اس میں سب سے اوپر ایک ستارہ ہے جس میں لکھا ہے "اللہ اکبر"

جب اندھیری رات میں غریب مسافر جنگل بیابان میں سفر کرتے ہوئے راہ بھٹک جاتے ہیں کوئی راہ بتانے والا نہیں ہوتا تو وہ ستاروں کو دیکھ کر راستہ نکالتے ہیں، جامعہ والوں کو راستہ بتانے والا یہی اللہ اکبر کا ستارہ ہے، ان کی نظر اسی پر جمی ہے۔ یہی دنیا کی اندھیاری میں راہ انہیں بتاتا ہے، اس لئے کہ یہ جتاتا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے جس نے اس کے آگے سر جھکایا اس نے سچی زندگی کا پتہ پا لیا۔ اس کے سامنے جھک کر پھر یہ سر کسی اور کے سامنے کیسے جھک سکتا ہے؟

اس چمکتے ہوئے ہدایت کے تارے کے نیچے ایک کتاب ہے جس پر لکھا ہے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ یہ کتاب قرآن پاک ہے۔ اس سے خدا نے اپنے بندوں کو اپنی مرضی کا پتہ دیا کہ وہ کیا چاہتا ہے کس طرح نیکی کرکے آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی جان کر، غریب امیر کا فرق مٹا کر، رنگ روپ کی تمیز مٹا کر، آقا اور غلام کی تقسیمیں اٹھا کر، اس کے بندے اچھے سچے بندے بن سکتے ہیں۔ اس کتاب نے آدمیوں کو تاریکی سے روشنی میں پہنچایا، اور جو راہ بھٹک گئے تھے انہیں راہ بتائی۔ اور اس کتاب کے لانے والے نے اپنی پاک زندگی کی مثال سے، اپنی آنکھ کی تاثیر اور گرمی سے ایک گروہ ایسے نیک آدمیوں کا تیار کر دیا جس نے دنیا سے طرح طرح کی برائیوں کو مٹایا اور اس میں خدا کی سچی حکومت اور آدمیوں کی سچی برادری قائم کی۔

اس کتاب کے دونوں طرف کھجور کے دو پیڑ ہیں۔ یہ کیا؟ یہ اس دیس کا نشان ہیں جہاں خدا کا آخری پیغام لانے والا پیدا ہوا۔ اس بنجر وادی کا نشان جس میں یوں تو کچھ اگتا نہ تھا پر جہاں دین الٰہی کے پودے نے جڑ پکڑی، جو لوگ ناموافق حالات سے اپنے کاموں میں گھبرا جاتے ہیں ان کے لئے یہ درخت ڈھارس کا سامان ہے کہ اس دیس سے جہاں ان کھجوروں کے سوا اور کوئی پھول پودا نام کو نہ تھا ہدایت کے چشمے ابل پڑے جن سے دلوں کی بستیاں سیراب ہو گئیں پھر تم ظاہر حالات کو دیکھ کر کیوں تھڑدلے ہوتے ہو؟

سب سے نیچے ایک پتلا سا ہلال ہے جس کے نیچے لکھا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ یہ ہلال ابھی چھوٹا سا ہے لیکن جیسے ہلال بڑھ کر چودھویں رات کا چاند بن جاتا ہے، اسی طرح یہ جامعہ جس کے کام کی ابھی ابتدا ہے، انشاء اللہ بڑھ کر روشن چاند جیسی اور دیکھنے والوں کی آنکھ کا نور اور دل کا سرور ہوگی۔

مجھے یقین ہے کہ جامعہ کے سب طالب علم ان باتوں کو اپنے دل میں جگہ دیں گے جو جامعہ کے اس چھوٹے سے نشان میں چھپی ہیں، اور بڑے ہو کر ایسے اچھے آدمی بنیں گے کہ ان کی بھلائی سے خود ان کا، ان کے خاندان کا، ان کے دیس کا، اور ساری انسانیت کا نام اجاگر ہوگا۔"

کہئے جامعہ کی اساس کس چیز پر ہے اور کیا اب بھی لفظ اسلامیہ سے فرقہ پرستی کی بو آتی ہے۔ کوئی ہے جو اس تعلیم کے خلاف ایک لفظ کہنے کی بھی جرأت کر سکتا ہو؟ پھر کیا چودھویں رات کے چاند نظر آنے کا ابھی تک وقت نہیں آیا؟ آیا ہے اور بے شک آیا ہے لیکن اتفاق سے اس پر تنگ نظری اور تعصب کے بادل چھا گئے ہیں اب یہ جامعہ کے کارکنوں کا فرض ہے کہ انہیں گہرا نہ ہونے دیں بلکہ انہیں ہٹانے کی کوشش کریں تاکہ طلبہ کو وہ سب چیزیں صاف صاف نظر آنے لگیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس میں خاص طور سے صرف طلبہ کو ہی مخاطب کیا گیا ہے اس لئے تمام کارکنوں پر جو استاد کی حیثیت سے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان سیاہ بادلوں کے طوفان سے جو آسمانِ سیاست پر منڈلا رہے ہیں ہر وقت آنے سے پہلے ہی جامعہ کی حفاظت کا اس کے مقاصد کے مطابق پورا پورا بندوبست کر لیں۔

"قومی یکجہتی اور وفاداریٔ وطن"

ڈاکٹر کاٹجو صاحب کی عملداری مدھیہ پردیش کے جبلپور اور ساگر وغیرہ شہروں میں اور چودھری چرن سنگھ صاحب کی عملداری اتر پردیش کے علی گڑھ، بابا پنڈا اور میرٹھ وغیرہ میں قومی یکجہتی کی تحریک کے فوراً ہی بعد "بہی خواہانِ وطن" نے چین سے مقابلہ کرنے کے مطالبے کے جواز میں "شجاعت اور مردانگی" کا جو مظاہرہ بلا وجہ پیش کیا، اس سے متاثر ہو کر ہمارے ایک شاعر آغا حیدر علی صاحب نے دیوبند سے نہایت دبے ہوئے الفاظ میں مندرجہ ذیل شکایت نامہ بشکل استفسار قلمبند فرمایا ہے۔ دیکھئے اُن سوداؤں میں سے کس کے کان پر جوں رینگتی ہے اور کون ناسوری زخم پر مرہم رکھتا ہے۔

کب تک رہیگا؟

یہ دورِ پُرفتن کب تک رہیگا؟ — خزاں دیدہ چمن کب تک رہیگا؟
چھپیں گی بدلیاں ظلمت کی کب تک؟ — عدوئے چرخِ کہن کب تک رہیگا؟
کہر آلود ہے صبحِ تمدن — یہ عہدِ گرد و فن کب تک رہیگا؟
تہی دامان فنا ہے بزم تو سے — چراغِ انجمن کب تک رہیگا؟
رگِ ہر سنگ سے خوں پھوٹ نکلا — تو بے تیغ و کفن کب تک رہیگا؟

نہ جانے حشر در آغوش اکبر
میرا پیارا وطن کب تک رہیگا؟

(منقول ایڈیشن الجمعیۃ ۸ اکتوبر ۶۲ء)

ہم ان واقعات پر کسی قسم کی نوحہ خوانی نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ اتنا جانتے ہیں کہ مسلمان ہی مارا جاتا ہے۔ اسی کو گرفتار کیا جاتا ہے۔ اسی کا گھر بار جلایا جاتا ہے۔ اسی کی دکانیں آگ لگا کر اور اس کی دستکاری اور صنعت کو تباہ کر کے اسے بے روزگار بنایا جاتا ہے اور اسی کے بال بچے اور پسماندگان بھوک و پیاس کا نشانہ بنا کر ملک کی اقتصادی زندگی کو اور زیادہ کمزور کر دینے کا باعث بنائے جاتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو ہی تباہ شدوں کی امداد اور "پھر بساؤ" یا مقدمات کی پیروی کے لئے امدادی فنڈ جاری کرنے کی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اور ان تمام باتوں کی تان کہاں جا کر ٹوٹتی ہے؟ پاکستان کی جاسوسی یا اس سے سازباز پر! یہ باتیں قومی یکجہتی کی نہیں ہیں جو محض رزولیشنوں سے حاصل نہیں ہوا کرتی۔ اب بھی اگر اخلاص کی یا ہمدردی دیکھنے سننے میں آرہی ہے وہ صرف ہونے والے [illegible] کی بدولت ہے۔ اسکے بعد یہ نام نہاد یکجہتی جو سنبھالا لے گی وہ وقت اصلی ہوگا جس کے آئینہ میں صحیح شکلیں دکھائی دیں گی۔ اللہ مسبب الاسباب ہے وہ [illegible] کرنے والا ہے مگر "بترس از آہِ مظلوماں" کو بھی یاد رکھئے!!

وفاداریٔ وطن

عام یہ اعتراض یا الزام کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان کا جسم تو یہاں ہے مگر دل وہاں ہے۔ ایک حد تک بالکل صحیح ہے جس پر ہم کسی آئندہ صحبت میں بحث کریں گے اور ثابت کریں گے کہ اس حقیقت کے باوجود اُن کی وفاداریٔ وطن پر حرف نہیں آسکتا۔ سب سے پہلی حقیقت تو ابھی ان سے یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمان کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سب سے زیادہ عزیز ہیں اور پاکستان یا کسی بھی اسلامی ملک کی ان شہروں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن کیا آپ اس حقیقت سے منکر ہو جائیں گے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے مقدس تہوار مثلاً عید الفطر، عید الضحیٰ (بقر عید)، شب برات، محرم وغیرہ اس روز نہیں مناتے جس روز مکہ یا مدینہ والے مناتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں بظاہر لازمی طور سے اُن کا ساتھ دینا چاہیئے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ہم مکہ اور مدینہ کے چاند پر ہندوستان کی رویتِ ہلال کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب یہاں چاند نظر آتا ہے اُسوقت عید مناتے ہیں۔ ہر سال مکہ میں حج (جو بقر عید سے ایک دن پہلے کا ہے) ہندوستان کی بقر عید سے کم سے کم دو دن پہلے اور بعض اوقات تین دن کے فصل سے ہوتا ہے۔ بیچارے پاکستان کا تو کیا ذکر، جب ہم اپنے مذہبی تہواروں میں بھی مکہ اور مدینہ والوں کا ساتھ نہیں دیتے بلکہ ہندوستان کے چاند کی اطاعت کرتے ہیں تو اس سے بڑھ کر آپ وفاداری کا اور کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ لائیے کسی قوم کی مثال اس کے مقابلہ میں پیش کیجئے!

وفاداریٔ وطن کی بحث کے لئے ہم فرصت کا انتظار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم ہار گئے تو یقیناً "دیس نکالا" کے مستحق ہوں گے۔

ضروری اطلاع | جوابی طلب امور کے لئے جوابی کارڈ لکھئے۔
اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھئے بلکہ ممکن ہو سکے تو مقام اور ڈاکخانہ کا نام انگریزی حروف میں بھی لکھئے۔

مفید معلومات

زبانیں واشنگٹن (امریکہ) کی جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے ماہرین لسانیات کی ایک جماعت گذشتہ سات سال سے (آخر فروری ۱۹۵۳ء تک) دنیا کی مختلف زبانوں کی درجہ بندی کر رہی ہے ان کی تحقیقات کے مطابق دنیا میں تقریباً چھ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں سے ۱۴۰ زبانیں دس لاکھ باشندوں کی ہیں اور دنیا کی مجموعی آبادی تین چوتھائی سب کے لگ بھگ ہے۔ بارہ زبانیں نہایت اہم سمجھی گئی ہیں جن کے بولنے والوں کی تعداد حسب ذیل ہے :-

چینی	۴۶ کروڑ	جاپانی	۹½ کروڑ
انگریزی	۲۵ کروڑ	عربی	۸ کروڑ
اردو	۱۹ کروڑ	بنگلہ	۷½ کروڑ
اسپینی	۱۴ کروڑ	پرتگالی	۷½ کروڑ
روسی	۱۳ کروڑ	فرانسیسی	۶½ کروڑ
جرمنی	۱۰ کروڑ	اطالوی	۵½ کروڑ

(الجمعیۃ دہلی ۹ مارچ ۱۹۵۳ء)

اور سنسکرت ؟ ہند پارلیمنٹ کے سپیکر شری آئنگر صاحب کے خیال میں اس کی تعداد یعنی صفر ملیوہ ہونا چاہیئے جس کا ثبوت کیسکر صاحب منسٹر نشر و اشاعت کے "آکاش وانی" پروگراموں سے ملتا ہے۔

رہی ہندی ، اسکا نام ہم نے اردو رکھا ہے کیونکہ اس کے حامیان بلکہ پنڈت نہرو جی کی اردو تقریر کو ہندی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ، اردو بہت سخت جان زبان ہے لاکھ بندشوں کے بعد بھی قیدخانہ کے کسی نہ کسی جھروکہ سے جھانکتی ہی رہتی ہے۔ ہم اس کی اس ڈھٹائی سے بہت نالاں ہیں۔ کم بخت اسقدر سخت جانی ہے کہ خدا کی پناہ ! بے حیا کہیں کی !

مشہور شعراء کی عمریں :-

نام	ولادت	وفات	عمر سال
مرزا اسد اللہ خاں غالب	۱۷۹۷ء	۱۸۶۹ء	۷۰
میر انیس	۱۸۰۲ء	۱۸۷۴ء	۷۲
مرزا دبیر	۱۸۰۳ء	۱۸۷۵ء	۷۲
ابراہیم ذوق	۱۸۰۶ء	۱۸۸۴ء	۶۹
امیر مینائی	۱۸۲۹ء	۱۹۰۰ء	۷۲
نواب مرزا داغ دہلوی	۱۸۳۱ء	۱۹۰۵ء	۷۴
خواجہ حافظ الطاف حسین حالی	۱۸۳۷ء	۱۹۱۴ء	۷۷
سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی	۱۸۴۶ء	۱۹۲۱ء	۷۵
مولانا فضل الحسن ملقب حسرت موہانی	۱۸۷۵ء	۱۹۵۱ء	۷۶
سیماب اکبر آبادی	۱۸۸۰ء	۱۹۵۱ء	۷۱
ڈاکٹر سر محمد اقبال	۱۸۷۳ء	۱۹۳۸ء	۶۵
محمد شوکت علی خاں فانی	۱۸۷۹ء	۱۹۴۱ء	۶۲
حکیم مومن خاں مومن	۱۸۰۰ء	۱۸۵۱ء	۵۱
پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی	۱۸۱۱ء	۱۸۴۳ء	۳۲

(الجمعیۃ دہلی ۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء)

ہم نے بعض بدیہی غلطیوں کو تو صحیح تفریق کے نقطۂ نظر سے صحیح کر دیا ہے لیکن ان کی صحت کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ جو صاحب مندرجہ بالا سنوں میں غلطی دیکھ کر مطلع فرمائیں گے ہم اسے شائع کر دیں گے۔

خواجہ ذکی احمد ایڈیٹر سنگم

اپنے گھر کے آدمیوں خصوصاً اپنے بچوں کے متعلق کوئی ایسا کام کرنا جو پروپیگنڈا یا تعریف کی شکل میں ہو نہایت نامناسب فعل ہے اور ہم اسے اپنی خاندانی تہذیب کے بھی خلاف سمجھتے ہیں لیکن بعض وجوہ کی بنا پر جن میں ملک کے بٹوارہ کے تحت ہمارے بچھڑے ہوئے عزیز اور احباب اور خود سنگم کے پرچے کے بعض خریداروں کا اصرار اور خواہش کو بڑا دخل ہے ہم خواجہ ذکی احمد مدیر رسالہ ہذا کی شبیہ باہر سرورق پر اور ذیل میں ان کے حالات پر ایک مختصر سا نوٹ شائع کرنے کی معذرت چاہتے ہیں۔ یہ حافظ نبی احمد صاحب بی۔اے (جامعہ) ناظم و مہتمم کتب خانہ جامعہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ نبی احمد صاحب کی بھی پوری تعلیم شروع سے آخر تک جامعہ میں ہوئی سوائے حفظ قرآن کے اور لائبریرین کی ٹریننگ حاصل کرنے کے۔ اسی طرح ذکی سلمہٗ نے بھی بی۔اے تک پوری تعلیم جامعہ میں پائی۔

یہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۵۴ء میں بی۔اے کی سند حاصل کی۔ نجی طور سے انگریزی ٹائپ کا کام سیکھا اور کافی مہارت حاصل کر لی جس کی وجہ سے جامعہ کے دفتر میں شیخ الجامعہ کے ٹائپسٹ ہو گئے لیکن اس خدشہ پر کہ محض ٹائپسٹ کی بجائے سٹینوگرافر کی ضرورت ہے انہیں وہاں سے دہلی سوشل ویلفیئر بورڈ کے تحت اوکھلا ویلفیئر ایکسٹینشن پروجیکٹ کا جو جامعہ کی نگرانی میں کام کر رہا تھا اکاؤنٹس کلرک بنا کر منتقل کر دیا گیا جہاں ان کے ذمہ متعلقہ دیہات کے مرکزوں میں دورہ کرنا اور دیہاتیوں کی سود بہبود کے متعلق سوشل کاموں کے جلسے منعقد کرنا بھی فرائض میں شامل تھا اس سے انہیں بہت فائدہ پہنچا۔ اور ان کی معلومات اور تجربہ میں نمایاں فرق ہو گیا۔ اور دیہاتیوں میں نہایت عزت اور محبت سے دیکھے جانے لگے لیکن ابتدائی سال کے بعد بورڈ کی بعض مالی دشواریوں کے باعث یہ جگہ تخفیف میں آ گئی۔ لیکن یہاں کے سنٹر کی انچارج صاحبہ نے جو جامعہ کالج میں تعلیمی خدمات بھی انجام دیتی تھیں ایک آدمی کی ضرورت پر اصرار کیا چنانچہ بورڈ نے انہیں پارٹ ٹائم کام کرنے کے لئے استفسار کیا۔ انہوں نے آئندہ کی امید پر ڈیڑھ دو گھنٹے روزانہ دینے پر رضامندی ظاہر کر دی لیکن دو تین مہینے تک تو انہیں الاؤنس ملتا رہا لیکن بعد میں باوجود دو گھنٹے کے بجائے چار پانچ گھنٹے مصروف رہنے کے کچھ نہیں ملا اور تین مہینے انتظار کرنے پر بھی کسی رقم کے ملنے سے ناامید ہو کر علیحدہ ہو گئے اور وہ سلسلہ ختم ہو گیا کچھ دن بعد

نے سنگم کتاب گھر کے حسابات وغیرہ مرتب کرنے اور سنگم کا کام دیکھنے میں صرف کئے اور چونکہ پریس میں بھی حصہ دار تھے اس لئے پریس کا باقاعدہ کام کرنے کے لئے اس کی مشینری کی دیکھ بھال کا تجربہ حاصل کرنا اور کام سے پورے طور سے واقف ہونا ضروری سمجھا۔ چنانچہ خضری شام ناتھ میر دلی کارپوریشن کے مشہور چھاپہ خانہ دلی پرنٹنگ ورکس میں جانے لگے جہاں محترم شام ناتھ جی نے ہم سے پرانے تعلقات کی بنا پر انہیں بالکل آزادی دے دی کہ یہ تمہارا اپنا ہی پریس ہے جس مشین پر چاہو کام کرو اور جو بات معلوم کرنا چاہو معلوم کر سکتے ہو۔ لیکن وہاں کے مشین مینوں نے جو تقریباً سب کے سب مسلمان ہی تھے غالباً یہ سمجھا کر اگر بی۔اے پاس مشینوں پر کام کریگا تو پھر یہ ہم پر مسلط ہو جائیگا۔ اس لئے انہوں نے کچھ ایسا رویہ اختیار کیا کہ یہ کسی سے بغیر کہے سنے چلے آئے اور انہوں نے ۱۹۶۰ء میں پوسا انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی میں جہاں پریس کا باقاعدہ کام سکھانے کا انتظام تھا داخلہ لے لیا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ جامعہ نگر سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا سردی کے موسم میں صبح ۷ بجے سورج نکلنے کے وقت چل دیتے تھے اور شام کو ۵ بجے جبکہ سورج غروب ہوتا ہے چھٹی ہونے کے بعد چلتے تھے اور رات کے ۹ بجے گھر پہنچتے تھے۔ آخر کار محنت کا پھل پایا اور جولائی ۱۹۶۱ء میں سالانہ امتحان میں سب سے اول نمبر پاس ہوئے۔ چونکہ نہایت ملنسار اور ظریف الطبع واقع ہوئے ہیں۔ اور خاندانی تہذیب اور روایات کے حامل ہیں اس لئے پرنسپل صاحب سے لیکر تمام استاد اُن کی عزت کرتے تھے اور بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ انسٹی ٹیوٹ سے مارچ ۱۹۶۱ء میں ایک پرچہ "ٹکنیک" کے نام سے نکالنا شروع کیا جو انگریزی، ہندی اور اردو میں تھا۔ اس کے اردو سیکشن کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ تمام ساتھیوں میں ہر دلعزیز تھے۔ کامیاب ہو جانے کے بعد ان سے کہا گیا کہ تم یہاں ہی استاد بن جاؤ اور کام سکھاؤ مگر دوسری شفٹ میں کام کرنا ہوگا جو رات کو ہوتی تھی۔ اول تو ٹھہرنے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اپنا پریس بھی موجود تھا جسے بڑھا کر اچھے پیمانہ پر چلانے کا خیال تھا اور امید تھی کہ کسٹوڈین نے ہماری وطنی جائداد اور زمین جو ہم سے چھین کر دوسروں کو دیدی یا نیلام کر دی ہے اس کی معقول رقم ملنے پر ایک یا دو اچھی مشینیں خرید کر اعلیٰ پیمانہ پر کام کیا جا سکیگا۔ اس لئے ملازمت سے انکار کر دیا گیا۔ لیکن رقم ادا کرنے کے حکم کو چار سال ہو گئے اور اس کی امید ہی امید میں یہ کسی باقاعدہ کام کو اختیار نہیں کر سکے۔ تھوڑے سے سرمایہ سے ایک مشین خریدی تھی اور خاماں آن پریس کے نام

سے ڈاکر شین بھی منظور کرا کر کام شروع کر دیا گیا تھا لیکن بعض وجوہ کے باعث کام بند کرنا پڑا۔ کہنے کو تو سنگم کتاب گھر اور دوبین پیسہ موجود ہیں لیکن وہ بھی اور وہ اطمینان نصیب نہیں۔ انقلاب زندہ باد کے چکے ہیں اور یہ سب ہمارے افعال کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ پاکستان میں ان کی بہت مانگ ہے اور بہت خطوط آتے رہتے ہیں۔ لیکن اخلاقی اصول کی بھی قلت ہوتی ہے جس کی اہمیت کو نہ سمجھنا اخلاقی موت اور بے کاری کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہے مختصر سی داستان آپ کے ایڈیٹر کی، دعا کیجئے کہ اللہ مدد کرے۔ آمین۔

(ف۔ ل)

انوار تفکر

"تاالبصیرت" کی طرح یہ کتاب بھی علامہ مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی کی نہایت عالمانہ اور مفکرانہ تصنیف ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ترجمان القرآن جلد ۱ میں صفحہ ۔ ا پر تحریر فرمایا ہے " اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹا دیں جو مختلف گوشوں کے خارجی مؤثرات نے، اس کے چہرہ پر ڈال دئے ہیں۔ پھر آگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت، خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں"۔ اور علامہ مولوی عبدالباری صاحب لکھنوی نے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا ہے،

" غم و غصہ دونوں زیادہ مسلمانوں کے حال پر آتا ہے جو اس زندہ کتاب پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور پھر زندگی کا راستہ دوسروں سے پوچھتے اور ادھر ادھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ ان کو تو صرف اسکی ضرورت تھی کہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں بس اسی کتاب کو بطور ایک زندہ کتاب کے استعمال کرنے،

انوار تفکر چند ایسے اہم اجتہادی مضامین کا مجموعہ ہے جن پر نہایت محنت اور کاوش کے بعد بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن کریم کے بعض مسائل کو بہت خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ پڑھنے اور سمجھنے کی چیز ہے، یہ کتاب کاغذ و کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی سنگم کی بہت عمدہ اور معیاری کتابوں میں سے ہے۔ ۲۲۴ صفحات کے مقابلہ میں قیمت صرف پونے تین روپے بہت ہی کم ہے۔

پیارے نبی بچوں کیلئے پیارے نبی کے حالات جو کسی تعریف کے محتاج نہیں قیمت ۵۰ نئے پیسے

حبیب خدا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بصیرت افروز حالات پر ایک عمدہ کتاب جو ہر عمر کے مرد و عورت کے لئے مرتب کی گئی ہے اور جو تحفہ اور انعام کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ قیمت دو روپے۔

آپ کا سچا رفیق کون ہے؟ اچھی کتابیں!
تنہائی میں دل بہلانے والا کون ہے؟ دلچسپ کتابیں!
مصیبت اور مایوسی میں غمگسار کون ہے؟ کارآمد کتابیں!
اچھی، دلچسپ، کارآمد اور سیدھا راستہ بتانے والی کتابیں کہاں ملتی ہیں؟
"سنگم کتاب گھر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵" میں!

سنگم میں پاکستان اور ہندوستان کی بہترین کتابیں ملتی ہیں، جو ختم ہو جاتی ہیں، ان کے آرڈر نوٹ کر لئے جاتے ہیں اور جلد سے جلد منگانے کی کوشش کی جاتی ہے، اگر سنگم کی مطبوعات ہی آپ کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں اور آپ کی کتب بینی کے مذاق کا معیار بلند کر سکتی ہیں۔ کوئی کتاب خراب نکلے تو واپس کی جا سکتی ہے۔ سنگم کی جملہ کتب (سوائے ایک یا دو کے) عمدہ سفید کاغذ پر نہایت اچھی کتابت کے ساتھ بہت صاف اور خوشنما چھپی ہوئی ہیں، قیمت بھی جہاں تک ممکن ہو سکا بہت کم رکھی گئی ہے۔ تاجروں، تعلیمی اداروں، کتب خانوں اور زیادہ قیمت کی کتابیں خریدنے والوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔ سنگم بال سبھا کے اراکین کے لئے خاص رعائت کی جاتی ہے۔ فحش اور مخرب اخلاق کتابیں ہمارے ہاں نہیں ملیں گی۔ چند کتابیں درج کی جاتی ہیں:۔

صبح امید

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے منتخب سیاسی تعلیمی اور مذہبی مضامین و خطبات کا مجموعہ دو جلدوں میں شائع ہو رہا ہے جس کی تحریری اجازت خود مولانا نے اپنے قلم سے لکھ کر مرحمت فرمائی تھی۔ اس تحریر کا عکس پہلا کبھی شامل کتاب ہے اس کے علاوہ اس میں آپ چند اہل نظر اور صاحب بصیرت کے تخلیقی محل کی سیر فرما کر بہت محظوظ ہوں گے کہ اب سے چالیس سال پہلے انہوں نے مولانا کی کس قدر صحیح تصویر کھینچی تھی۔ یہ وہ مضامین ہیں جن سے ایمان کی حرارت تیز ہوتی ہے اور جن کو پڑھ کر ملک و ملت کی صحیح خدمت اور غلامی کی زنجیریں توڑنے کا سچا جذبہ پیدا ہوا تھا اور خواب غفلت سے ہندی مسلمان بیدار ہو کر جنگ آزادی کے میدان میں نکلا تھا اور جابر بدیشی حکومت کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔

سائز $\frac{22\times18}{8}$ اسطر ۲۳ کاغذ عمدہ سفید، لکھائی چھپائی دیدہ زیب، متعدد نایاب عکسی تصاویر صفحات ۳۲۰ مجلد مع دو رنگا گرد پوش، پہلی جلد کی قیمت صرف چھ روپے، دوسری ابھی زیر طبع ہے۔

پارہ عم شمسی

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جانے کہ اس کی مقدس کتاب قرآن شریف میں کیا لکھا ہے۔ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا وہ دوسروں سے پوچھا کرتے تھے۔ بیچ اور حسب توفیق عمل کرے اسی چیز کو مدنظر رکھ کر متعدد جگہ صبح کی نماز کے بعد جب موقعہ وگنجائش تھوڑی دیر کے لئے علمائے کرام نے مساجد میں ترجمہ سنانے اور اس کا مطلب سمجھانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر مسجد کا امام اسے اپنے روزمرہ کے پروگرام میں داخل کرے اور ثواب دارین حاصل کرے۔

عام طور سے آخری سیپارہ نمازوں میں زیادہ پڑھا جاتا ہے ہم نے اسی وجہ سے پارہ عم مع سورہ فاتحہ کے کتابی سائز پر شائع کیا ہے جو مترجم ہے اور حکیم الامت حضرت علامہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ ہے شان نزول۔ خواص۔ فضائل۔ تشریح آیات۔ موضح القرآن۔ تفسیر حقانی۔ تفسیر بیان القرآن۔ تفسیر مواہب الرحمٰن سے ماخوذ ہیں۔ ٹائٹل نہایت خوبصورت ہے بعض مدارس کے دینیات کے نصاب میں داخل ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب عمدہ ہیں۔ ۹۶ صفحات قیمت ایک روپیہ۔

اسلام اور بیمہ

بیمہ کے جواز کے متعلق علمائے کرام کی رائے اس کی صحیح صورت حال کو سمجھنے کے بعد اب عام طور سے اس کے حق میں ہوتی جاتی ہے۔ موجودہ کتاب علامہ موسیٰ جاراللہ مشہور مفکر اسلام کی معرکۃ الآرا کتاب تامین الحیاۃ والاموال والاملاک کا اردو ترجمہ ہے جو مطیع اللہ الافغانی صاحب نے کیا ہے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے بیمہ کو ضروری اور جائز ثابت کرکے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ علامہ محمد احمد صاحب سبزواری ایم۔ اے نے مقدمہ لکھ کر نہایت مدلل اور بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

دینیات

یہ بلند پایہ کتاب غیر منقسم ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور اور جید علماء اسلام کے بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ ہے جن کو پڑھ کر بلاشبہ ایمان تازہ

ہو جاتا ہے۔ نیز ان مشاہیر شعراء کا کلام بھی شامل ہے جنہوں نے اپنے بہترین کلام سے مسلمانوں کی بیداری کے لئے اپنی عمریں گزاری ہیں۔ میلاد النبی کے خاص جلسوں میں تو اس کا کوئی بھی مضمون عام پڑھے لکھے انسان کو سنانے سے کسی بڑے سے بڑے عالم کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بہت نایاب اور کمیاب کتاب ہے۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت سب نہایت اعلیٰ۔ ۵۰۰ صفحے قیمت پانچ روپے۔

مآل بصیرت

اس کتاب کے متعلق اخبارات نے بہت اچھی رائیں لکھی ہیں۔ مفکرین نے اس کتاب کو غور وفکر کے لئے نہایت اہم اور مفید قرار دیا ہے۔ جو مسلمان اپنے آپ کو اس وجہ سے مسلمان نہیں کہلوانا چاہتے کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے مسائل اور نکات کو سمجھ کر مسلمان بننا چاہتے ہیں انہیں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے جس کا ہر مضمون بہتا ہوا دریا ہے اور جس میں قرآن پاک سے ہر امر کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ مصنفہ علامہ مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی۔ قیمت سوا دو روپے۔

نکات قرآن

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سابق پروفیسر تاریخ و دینیات مولانا محمد اسلم جیراجپوری مرحوم نے قرآن کریم کے سینکڑوں نکتے بطور سوال وجواب درج کئے ہیں۔ سوال بھی سورۃ وار قرآن میں سے کئے گئے ہیں اور جواب بھی قرآن ہی سے دئے گئے ہیں۔ پڑھنے اور غور کرنے کے متعلق نہایت اہم کتاب ہے قیمت مجلد اڑھائی روپے۔

چار ستارے خلفائے اربعہ کے حالات زندگی پڑھنے سے رسول مقبول کی سچی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کا صحیح نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ایمان میں تازگی پیدا ہو کر اسلام کا اصلی مقصد آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے قیمت ایک روپیہ ستر نئے پیسے

خواتین مصنفہ مورخ اسلام مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری جس میں آٹھ صحابیات۔ چار صالحات اشارہ بیگمات اور تین عالمات کے مستند تاریخی حالات درج ہیں۔ ۲۸۴ صفحات قیمت ساڑھے چار روپے۔

(اگلے پرچے ضرور بھی پڑھیئے)

۱۔ از جناب مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ

سنگم کتاب گھر اور سنگم بال سبھا کا پیغامبر

ماہنامہ
سنگم
جامعہ نگر نئی دہلی

چیف ایڈیٹر و نگراں: خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر: خواجہ ذکی احمد بی۔ اے (جامعہ)

زر چندہ: سالانہ سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ: بیس نئے پیسے
(وی۔ پی نہیں بھیجا جائیگا)

پاکستان میں زرِ چندہ وصول کرنیکے مجاز:
(۱) ٹکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک مال گراں، ریلوے روڈ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی ۵

جلد ۵ | بابت ماہ جولائی، اگست ۱۹۶۲ء مطابق ۲۸ محرم الحرام، ۲۹ صفر ۱۳۸۲ھ و ۱۶ اساڑھ، ۱۴ ساون سمبت بکرمی ۲۰۱۹ و ۱۳ اساڑھ، ۱۴ ساون سمت ۱۳۶۹ فصلی، ۱۰ اساڑھ ۱۸۸۴ سمت شالباہن، ۱۰ شراون [illegible] | شمارہ

حمد (باری تعالیٰ)
تو ہی تو

بلندی میں تو اور پستی میں تو، خرد مندی و جوش و مستی میں تو
چمن میں بیاباں میں بستی میں تو، غرض نیستی اور ہستی میں تو
خدایا ہے کونین میں تو ہی تو

گلوں میں ہے تو صورت رنگ و بو، عنادل کے دل میں بھی ہے آرزو
بہاروں میں پنہاں لباس نمو، ہوائے چمن میں ہے تو جستجو
خدایا! ہے کونین میں تو ہی تو

فلک میں ثوابت کی لرزش ہے تو، جو سیارے ہیں ان میں گردش ہے تو
محبت کے سینے میں سوزش ہے تو، دل کیفؔ میں فکر و کاوش ہے تو
خدایا! ہے کونین میں تو ہی تو

(مولوی عبدالرب کیفؔ ایڈوکیٹ الٰہ آباد، یکم دسمبر ۱۹۶۱ء)

(از "کیفستانِ" ملہارؔ)

سلام (در مدح شبیر علیہ السلام)

سلام اس پہ دو عالم میں شہرہ جس کا ہے، جھکا جس کی تعظیم کو آسماں ہے
ادھر ہے چھپایا ہوا دین کی اطاعت، خدا کی رضا اس طرف بھی عیاں ہے
فدائی ہو تجھ پہ کے وہ غضب، تہِ تیغ لب شاہ کا امتحان ہے
جگر دارِ شبیر مقتل میں دیکھا، وہ دنیا کے پردے پہ کیا امتحاں ہے
نہ مانگی دعا جس نے ردِ بلا کی، مسیحائے بالا وہ عرش آشیاں ہے
تہِ تیغ سجدے میں سر کو جھکایا! خدایا غضب کا ترا امتحاں ہے
کرے مدح شبیر کی کیفؔ کیوں کر
نہ عالم نہ فاضل نہ وہ خوش بیاں ہے

(ایضاً ۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

"گرو نانک اور گرو بانی"

گھٹا معصیت کی جو عالم پہ چھائی، تو نانک مجاہد نے بانی سنائی
حقائق کی دھن اور توحید کی لے، زباں سے نکلتے ہی دل میں سمائی
جگا ہی دیا جس نے خوابیدہ جگ کو، بڑی پر اثر تھی وہ نغمہ سرائی
جگت کا گرو اور درویش کامل، ہر اک بات اچھی ہی اس نے بتائی
وہ پر نور چہرہ وہ ریش مبارک، جلالی جمالی چمک جن پہ آئی
ہندو اور مسلم ثنا خواں ہیں کیا کیا، شریک عقیدت ہوئے دونوں بھائی
موحد ہے، عارف ہے پیارا ہے نانک
مری آنکھ کا کیفؔ تارا ہے نانک

(منقول از کیفستان صفحہ [illegible])

فہرست مضامین پرچہ ہذا

(خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ) پرنٹر پبلشر نے دفتر ماہنامہ سنگم جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا، جامعہ پریس میں [illegible] صاحب کی کتابت کے ساتھ [illegible] منظم ایک سو [illegible] طبع [illegible])

اشارات وکنایات "سنگم"

رسالہ "ہمارا سنگم" کی جلد پنجم بحیثیت اصل "سنگم" کا چھٹا سال ہے، شروع کرنے کے لئے ہمارا خیال تھا کہ ہم دو ماہ جولائی اگست کا پرچہ یک جائی طور پر یوم آزادی کے موقعہ پر نکالیں اور اس میں ملک کی حالت کا صحیح جائزہ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کریں لیکن نہ معلوم اللہ کو کیا منظور ہے کہ خوشی تو ہمارے نصیب میں ہے ہی نہیں۔ جب سے آزادی کی جدوجہد میں مہاتما گاندھی اور علی برادران کی قیادت میں ہم نے اپنے کو وقف کر دیا تھا اس وقت سے حتیٰ اور حصولِ آزادی "بہ شکل تقسیم ملک" کے بعد سے خصوصاً ہمیں اپنے "انقلاب زندہ باد" کے نعروں کا جو انجام دیکھنا پڑا ہے اس کے متعلق اپنے صحیح جذبات اور "وفاداری" یا "غداری" کا ناقابلِ تردید ریکارڈ پیش کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن سخن درپیچ خیال و فلک درپے خیال ماست" کے تحت کون پَر مار سکتا ہے اور مشیتِ ایزدی کے خلاف کون چوں و چرا کر سکتا ہے۔ پانی پت کا پورا شہر مسلمانوں سے زبردستی خالی کرانے اور ہمارے جملہ عزیزوں کو سرحد سندھ سے پرے دھکیل دینے اور خون کو خون سے جدا کر دینے کے صدمۂ عظیم کا ذکر اسوقت کیا کریں جس نے سینکڑوں ناسور تمام جسم و جان میں ڈال رکھے ہیں اسوقت تو مطلب کا ذکر کرتے ہیں۔

جن آنکھوں نے محمد علی کے کامریڈ اور ہمدرد کا مطالعہ کیا ہو اور جس دل نے ابوالکلام آزاد کے الہلال و البلاغ سے جسم کی تمام رگوں میں خون کی ہیجانی کیفیت محسوس کرکے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی ہو اور جس دنیا پرست غافل گنہگار نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا خطبۂ افتتاحیہ مسلم یونیورسٹی کے قیام کے وقت بزبان مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (کیونکہ حضرت شیخ اگرچہ جلسہ گاہ میں تشریف فرما تھے مگر نہایت سخت علالت کی وجہ سے بیجد کمزور تھے) سنکر آزاد تعلیم کا صحیح مقصد سمجھا ہو اور جس کی صدا اب تک کانوں میں گونج رہی ہو، اور جس نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کی صحبت میں ایمان تازہ کیا ہو، جس نے مولانا شوکت علیؒ اور مولانا نورالدین بہاریؒ کی ہمیشہ ہمت افزا گفتگو سے سبق پڑھ کر احساسِ کمتری کو خیرباد کہہ دیا ہو یا جسے اللہ کے مقبول بندوں یعنی حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ اور سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ کی انتہائی محبت کا شرف حاصل رہا ہو اور جس کو خوش نصیبی سے غدارانِ ملک حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کے ہاں نہایت مؤدبانہ مگر بے تکلفانہ طور سے متعدد بار حاضر ہو کر تہذیبِ ہند کا صحیح نقشہ دیکھا ہو اور ملک و ملت کی لگن اور تڑپ محسوس کی ہو جس نے شمع دلی آصف علی مرحوم کی زندگی اسکول لائف سے آخری دم تک بغور مطالعہ کی ہو، جس نے مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی کی بذلہ سنجی اور جدتِ طبع کی پُرکیف خصوصی صحبتیں حاصل کی ہوں۔ جس نے مولانا ظفر علی خاں اور علامہ ڈاکٹر اقبال کے دربار سے بھی بہت کچھ سیکھا ہو اور سب سے بڑھ کر ہندوستان کے مجسم رہنما اور پیکرِ آزادی مولانا فضل الحسن صاحب حسرت موہانی کی ساری زندگی کو مع ان کی انتہائی شریف و صابر اہلیہ باوفا شریکِ حیات کے جو اب تک سوائے رب العزت کے اور کسی سے تعلق نہیں رکھتیں، مصائب و آلام سے صد درجہ معمور پایا ہو اور اسلامی روایات کو اصلی روپ میں دیکھا ہو اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے پُروقار اور پُرعظمت چہرہ اور گفتار سے بہت کچھ عبرت حاصل کی ہو یا علامہ سید سلیمان ندوی کے فارغ التحصیل ہونے کے وقت سے علامہ شبلی نعمانی کا پورا نقشہ دیکھا ہو نیز ان کے علاوہ بہت سے مشہور قومی رہنما مثلاً ہمارے اپنے مولانا حالی جن سے ذاتی تعلقات کے علاوہ قرابت داری بھی تھی یا وہ حضرات جو اگرچہ بہت زیادہ سرگرم اور مخلص کارکن تھے لیکن آل انڈیا شہرت کے مالک نہیں تھے ان سب سے اس فانی دنیا کے بہت سے نشیب و فراز سمجھنے کی کوشش کی ہو اور آخرکار وہ سب کے سب ایک ایک کرکے داغِ مفارقت دیتے چلے گئے اور ہم نہیں نہ جانے کس طرح دل پر پتھر رکھ کر برداشت کئے ہوئے تھے کہ اب یوم آزادی کے پروگرام بننے سے پہلے ہی وہ جانکاہ حادثہ اس دلِ نامراد کو سہنا پڑا جس کا ذکر یقین جانئے کسی طرح معرضِ تحریر میں نہیں آسکتا اور جس کا تاریخی عنوان ہم ماہنامہ "ستارہ" دہلی ماہ ستمبر کے مضمون از جناب سید مہدی نظمی صاحب بی۔ اے (علیگ) سے انتخاب کرکے درج کرتے ہیں:

مجاہدِ ملت حضرت "مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات"

عنوان کی موزونیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ اس میں تاریخ وفات بھی شامل ہے لیکن اب ہم کہیں تو کیا کہیں؟ کونسا قومی اخبار ہے اور کونسا رسالہ ہے

بس نے اپنے مذاق یا تعلقات کے مطابق جناب مجاہد ملت کے حادثہ کی خبر شائع نہ کی ہو۔ سینکڑوں اشعار نظمیں مختلف صنعت کے ساتھ مرحوم کی یاد میں شائع ہو چکی ہیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے اور وہ رہ کر ان کی یاد ستا رہی ہے آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ کیوں آنسو بہائے جا رہے ہیں؟ کیوں طویل و مختصر حالات شائع ہو رہے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے سے اور پاکستان کے ہر شہر سے ان کے غم میں لوگ اشکبار ہیں؟ وہ تو ہم جیسے ہی انسان تھے ہماری طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے تھے پھر ان کے لئے اس قدر بیتابی و بیقراری کیوں ہے؟ سینکڑوں بیوائیں اب کیوں اپنے کو بیوہ محسوس کرنے لگی ہیں؟ ہزاروں یتیم اب کیوں لاوارث ہو گئے ہیں؟ قومی کارکنوں کی فوج کی فوج بھی اب بغیر سردار کے رہ گئی ہے۔ مسلم لیڈر شپ کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ جمعیۃ العلماء تو ایک "مذہبی جماعت" کہلاتی ہے تو کیا اب وہ مذہبی علماء اور پیشوایان دین سے محروم ہو گئی ہے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان سے کہیں بڑھ کر عالم باعمل موجود ہیں اور جن سے نہ صرف ہند بلکہ دوسرے ممالک خصوصاً بلاد اسلامی بخوبی واقف ہیں اور ان کو مستند اور مسلّمہ نائب رسول سمجھتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ بہت بڑا خلا محسوس کیا جا رہا ہے؟ اور چاروں طرف ماتم بپا ہے؟

ارے بھائی ان کی تو جنوری ۱۹۰۱ء کی ولادت بتائی جاتی ہے اور ہم جون ۱۸۸۷ء کی پیدائش ہیں لیکن کیا ہمارے مرنے پر بھی اتنی دعائیں مل سکیں گی؟ ہم تو ان سے چودہ سال بڑے ہیں لیکن نہیں، کان میں یہ آواز آتی ہے کہ "بزرگی بعقل است نہ بسال" اس کے علاوہ وہ عالم باعمل تھے۔ ہم نے ان کی تقریریں سنی ہیں۔ رسول عربی کے پیغام کو ایسے دلکش انداز میں عوام الناس تک پہنچاتے سنا ہے کہ سوائے "خود بینوں" اور "حاسدوں" کے باقی سب کے منہ سے "مرحبا مرحبا جزاک اللہ" کی آوازیں نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ حقوق العباد، پڑوسیوں کے ساتھ سلوک خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، عورتوں کے حقوق۔ غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ۔ وطن کی خیر خواہی اور سلامتی۔ دشمنوں کے ساتھ رواداری اور خاموشی۔ غریبوں کے ساتھ عملی ہمدردی اور خدمت الناس بیان کی دھواں دھار تقریروں نے جو مسلسل کئی کئی گھنٹے تک جاری رہتی تھیں۔ حاضرین جلسہ کو ہمیشہ ایسا مسحور کیا کہ وہ اپنے کو بالکل فراموش کر کے ہمہ تن گوش ہو کر نہایت خاموشی اور صبر و سکون کے ساتھ سنتے رہتے تھے اور بالکل نہیں چاہتے تھے کہ تقریر ختم ہو، بلکہ اور زیادہ سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ ہمارے حفظ الرحمٰن بھائی۔ غریبوں اور مسکینوں کی نہایت خاموشی اور نامعلوم طریقے سے امداد فرماتے تھے انکی ضرورت رفع کرنے میں ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ جہاں کہیں سے فرقہ وارانہ فسادات اور خون ریزی کی خبر آتی تو فوراً بے چین ہو جاتے تھے۔ بارہا شدید علالت کی حالت میں بھی سینکڑوں میل کے سفر پر روانہ ہو جاتے تھے اور مطلق خیال نہ کرتے تھے کہ وہاں پہنچ کر ان کے ساتھ فسادی لوگ کیا سلوک کریں گے۔ وہ جلتی آگ میں کودنے اور بے گناہوں اور مظلوموں کو بچانے میں سینہ سپر ہو کر میدان میں بے دھڑک نکل آتے تھے۔ پارلیمنٹ یعنی لوک سبھا میں نہایت مدلل اور مسکت تقریریں کرتے تھے ایسی کہ کسی اور کو اسکی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔ بس یہی کام تو ہیں جو انہیں ہم جیسے "بڈھوں" اور معمر لوگوں پر فوقیت دلانے کا باعث تھے اور ہر جگہ ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ جسے کفر کی زبان میں "انسانی پوجا" سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

۱۹۴۷ء کے تاریخی اور عدیم المثال ہنگاموں اور خون ریزیوں کے پاگل پنے کے دور میں ان کی بے نظیر قربانیوں اور خدمات کا ذکر تو ایک پرانی بات ہو گئی ہے۔ آپ قریب کے زمانہ میں ہی بھوپال جبلپور وغیرہ کے یادگاری ہنگاموں کو ہی لے لیجئے جنہیں بعض مقامی اخبارات نے پاکستان کے خلاف زہر اگلتے ہوئے اسے "گھر کی بات ہے" تعبیر کیا ہے اور پاکستان کو اس کے ذکر پر لعنت ملامت کی ہے اور فرمایا ہے کہ "ہندوستان اتنا بڑا ملک ہے کہ اس میں ایسے معمولی معمولی واقعات کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے یہ تو محض گھریلو جھگڑے ہیں جو ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، دوسرے ملک کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ ارے بھائی صاحب! اسلامی رشتہ تو بھاڑ میں گیا "بنی آدم اعضائے یکدیگر اند" کا سبق ہی آپ شیخ سعدیؒ سے سیکھ لیجئے۔ کیونکہ گیتا تو محض عزت سے نام لینے کے لئے ہے عمل کرنے کے لئے نہیں ہے تاہم اسے بھی ذرا کھول کر پڑھئے تو سہی یا مہا بھارت کبھی پڑھ کر دیکھئے کہ کیا لکھا ہے۔

کیا تیس چالیس یا کم و بیش انسانوں کو ایک کمرہ میں بند کر کے زندہ جلا دینا یا ایک پولیس کانسٹبل کا ایک ماں کی گود سے شیر خوار بچہ کو چھین کر زمین پر پٹخ دینا اور ٹھوکروں سے مار ڈالنا "محض خانگی" اور "معمولی قسم کے آپس کے جھگڑے" کہلائے جا سکتے ہیں؟ وہ تو غنیمت ہے کہ محترمہ اندرا گاندھی باوجود انتہائی روک تھام اور منع کرنے کے موقع پر پہنچ ہی گئیں اور کاٹجو صاحب کے حسن انتظام کی شہادت لے آئیں ورنہ "یکجہتی کمیٹی" میں اسکا اظہار بالکل الزام اور جھوٹ بلکہ جرم سمجھا جاتا۔ اور بیان کرنیوالا "بڑے گھر" پہنچا دیا جاتا۔ یہ تو بات ہے مدھیہ پردیش کی۔ اب خود ان کے

مسجد کی بے حرمتی علیگڈھ، چاندوسی وغیرہ کے ہنگاموں کے واقعہ کا اثر تو ابھی تک باقی ہے جس میں مولانا بہ حالت شدید علالت کے گئے اور جناب چودھری چرن سنگھ جی بہادر، ج وزیر اخلاقیات یوپی کو اپنا محور کرم فرما دیں تنگ کی تھی مگر انہیں اپنی بانفشانی کا احساس تو کیا ہوتا الٹے مولانا کے خلاف نہایت شرمناک ذاتی حملوں پر اتر آئے جس کا ہمیں آج تک پتہ نہ چلا کہ مولانا کے وہ کون سے دفتر اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے نزنگ ہیں جن کا حوالہ جناب وزیر صاحب موصوف کو دینا پڑا کہ مولانا کو انسے اپنے متعلق حقیقت معلوم کرنی چاہیئے تعجب ہے کہ اتنا بڑا ذمہ دار شخص استقدر بڑا بول بولے مگر ایک مثال تک پیش نہ کر سکے! ان زبردست حاکموں کے حامی اور سرپرست اخبار یہ سفید جھوٹ لکھتے ہوئے بھی نہیں شرماتے کہ ہندستان کے مسلم اخبارات کو پاکستانی اخبارات یا وہاں کے حکام کے خلاف لکھنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔

ارے صاحب شین گن لگانے سے تو رہے ورنہ اخبار الجمعیۃ دہلی میں تو ہم نے بارہا لکھا دیکھا ہے اور وہ مسلسل لکھتا بھی رہتا ہے کہ پاکستان کو ہماری ہمدردی سے باز رہنا چاہیئے۔ ہم خود آپس میں نمٹ لینا جانتے ہیں۔ اجی حضور اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ جیسے حضرات نے تو پنڈت نہرو کی چودہ سالہ محنت پر پانی پھیر دیا ہوتا اور پنڈت جی نے جو ہندستان کا سر اونچا کیا ہے اور ایک غلام اور ذلیل ملک کو دنیا کے بہترین ملکوں کی صف اول میں لا کر کھڑا کر دیا ہے اور چار دانگ عالم میں اس کی عزت و توقیر بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اگر ہندستانی مسلم اخبار ملک کا ساتھ نہ دیتے اور پاکستان کو دھتا نہ بتاتے تو آج آپ کو کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھتا۔ آپ مغربی پنجاب یا سندھ وغیرہ کو پاکستان سمجھتے ہیں؟ بھائی صاحب! آپ کا تو سارا ملک چاروں طرف پاکستانوں سے گھرا ہوا ہے۔ ذرا بین الاقوامی سیاست کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ نئی دولت ہاتھ آنے کے زعم میں نہیں رہنا چاہیئے آپ نے سنا نہیں کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" (ایک من علم کے لئے دس من عقل کی ضرورت ہوتی ہے) اس لئے آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ طعن و تشنیع کی بجائے باہم مل کر تعمیری کام کیجئے۔ کافی وقت ضائع ہو چکا ہے۔ یہ وزارت تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ یہ الکشن اور محض ووٹوں کا طفیل ہے ورنہ وزارت کے فرائض انجام دینے کے لئے ووٹوں کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے جسے شد لطیف کہتے ہیں اسے حاصل کرنے کے لئے وقت نکالئے اور گیتا کا بغور مطالعہ کیجئے جس کا اردو ترجمہ حفظ الرحمٰن جیسے "نام نہاد" قومی کارکن ورنہ در اصل "کٹر فرقہ پرست" کے علمی ادارہ ندوۃ المصنفین نے بھی نہایت اعلیٰ شان کے ساتھ شائع کیا ہے اور اس کے علاوہ بیسیوں مسلم حضرات نے اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

ہم اپنے موضوع سے بہت دور چلے گئے۔ مقصد یہ ہے کہ مولانا کو در اصل ان فسادات نے ہی زخمی کر دیا تھا جس سے ناسور بن گیا اور آخرکار وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اور اللہ نے انکو وطن میں واپس بلا کر اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔ بیماری تو محض بہانہ تھی اصل چیز تو صدمہ اور بدزبانی اور بدسلوکی اور بدتمیزی ہی تھی۔ وہ ہندستان کے نہ صرف مسلمانوں کی سب سے بڑی ملی جماعت کے ناظم عمومی (جنرل سکریٹری) تھے۔ بلکہ کانگریسی خیال اور اس کے ہم نوا آزادی کے علمبردار مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے سردار تھے جو غیر مسلموں کے لئے بھی اتنی ہی تندہی اور سرفروشی سے کام کرنے والی ہے جتنی اپنے مسلم بھائیوں کیلئے۔ دو قومی نظریہ کے خلاف علامہ اقبال سے جسقدر مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے مضامین لکھ کر بحث کی ہے اتنی کوئی غیر مسلم لتنے شدومد سے نہیں کر سکتا۔ اب اگر احسان فراموشی ہی آپ کا جزو ایمان ہے تو یاد رکھئے اس کا بدلہ قدرت سے بہت سخت ملیگا۔ اس کے ہاں دیر ضرور ہے لیکن اندھیر نہیں ہے۔ بیہودگی سب کا ہے صرف مسلمانوں کا ہی نہیں ہے لیکن بے حیائی کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے!

ایک نظر ادھر بھی

اس رسالہ کے ایڈیٹوریل نوٹوں کو سنگم کتاب گھر کی اشاعت کا خبر نامہ یا (کبھی کبھی اس کے متعلق) ناظرین کی قصیدہ خوانی کا کشکول سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ انہیں غور سے پڑھا جائے۔ ان میں جا بجا ایسی اہم تاریخی چیزیں آپکو ملیں گی یا حالات حاضرہ پر بے لاگ تبصرے نظر آئیں گے جو علیحدہ مستقل عنوان کے تحت درج ہونے چاہئیں۔

علاوہ ازیں ایسے پوشیدہ نکات غیر مبہم الفاظ میں درج ہوتے ہیں جو کسی بھی دوسری جگہ آسانی سے نہیں مل سکیں گے اور ایسے واقعات معلوم ہونگے جو عام خط و کتابت سے بھی پوری طرح واضح نہیں ہو سکتے۔

ان سب کے لئے بصارت ہی نہیں بلکہ بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔ یاد رکھئے احساس کمتری ایک شرمناک مرض ہے جو جرأت، ہمت اور قوت عمل سے ہی اچھا ہو سکتا ہے اور یہ نسخہ سنگم کے ہر پرچہ میں آپ کو ملیگا۔

مولانا کا فسادات اور خونی ہنگاموں کی خبریں سنتے ہی مقام واردات پر پہنچ جانا بھی اگرچہ دشمنان ملک کو بہت ناگوار گزرتا تھا لیکن سب سے زیادہ قصور جس سے وہ "یک جہتی" کے منکر گردانے گئے اور ایک دم "خود ساختہ آقاؤں" کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ وہ انکی زندگی کا آخری کارنامہ ہے جسے "آل انڈیا مسلم کنونشن" کے نام سے ہمیشہ تاریخ میں بہت اہمیت کی نظر سے پڑھا جایا کرے گا اور اس کے معرکۃ الآرا جلسوں اور مختلف سب کمیٹیوں کی روئدادوں کو نمایاں جگہ ملتی رہے گی۔ اس کنونشن کی اہمیت اسوجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں فسادزدہ علاقوں کے نہایت معتبر شریف اور منصف مزاج ہندوؤں نے بھی شرمناک واقعات کی تصدیق کی اور بھرے جلسہ میں غنڈوں اور ان کے سرپرست عمال کے ظالمانہ بے رحمانہ کردار کی روئداد بیان کی۔

مولانا کو سب سے زیادہ صدمہ تو اس بات کا تھا کہ جس آزادی کو ہم نے اتنی مصیبتیں جھیل کر حاصل کیا ہے اور جس کا معاوضہ لاکھوں بیگناہوں کو آزادی کی دیوی کی بھینٹ چڑھا کر ادا کیا ہے اس کا اثر اب تک منافرت کی شکل میں روز مرہ کے جھگڑوں اور بعض بعض کر باتیں کرنیوالے منافقوں کے دل میں بدستور باقی ہے۔ جس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ نیشنل انٹگریشن (قومی یک جہتی کمیٹی) کے قیام کے بعد ہی نہ صرف مسلم خون سے ہولی کھیلی گئی بلکہ مسلم اداروں پر ہاتھ صاف کرنے کا بھی عزم بالجزم کر کے نہایت غیر شریفانہ قسم کا مظاہرہ کیا گیا اور اب تک کشتی منجدھار میں ہے نہ معلوم اس کا کیا انجام ہوگا اور صفائی قلب کا یہ حال ہے کہ مولانا کو نہ تو اس کمیٹی کا رکن بنانا مناسب سمجھا گیا اور نہ ان سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تاہم بیماری کی حالت میں بھی مولانا نے اپنی نیک خواہشات کا پیغام قومی یک جہتی کمیٹی کے نام ارسال کیا اور اس کی کامیابی کی دعا مانگی تاکہ ہندوستان کا بول بالا رہے اور اس کی عظمت گھٹنے نہ پائے۔

ہمارے لئے مولانا کے ساتھ "یاران عقل" کا یہ سلوک کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہوئی جبکہ نہرو رپورٹ پر محض جزوی اختلاف کی بنا پر مولانا محمد علی جوہر جیسا قابل اور نہایت سخت نیشنلسٹ مسلمان جو کہ کانگریس کا ایک [illegible] صدر رہ چکا ہو اور جو نہ صرف ہندوستان بلکہ سیاست عالم پر پورا عبور رکھتا ہو جس کی معمولی تحریروں سے خود انگریز بھی لرز جاتا ہو اور جس کے طفیل ملک کی حالت سے بے خبر اور غافل مسلمان کروڑوں کی تعداد میں جنگ آزادی میں شریک ہو کر کانگریس کی عظمت اور غیر معمولی اہمیت اور شہرت کا باعث ہوا ہو، دودھ میں سے مکھی کی طرح نکالا جا چکا ہو اور جیسے موجودہ نسلیں اسی طرح بھول گئی ہوں جس طرح کچھ دنوں بعد مولانا حفظ الرحمن کو بھی "فرقہ پرستوں" کے عجائب گھر میں مقید کرکے پاسبان وطن ان کا نام تک لینا گوارا نہیں کرینگے۔

اس مضمون سے ہمارا مقصد ان کی سوانح حیات لکھنا نہیں تھا اس لئے ہم نے وہ سب رسمی چیزیں سوانح نگار کے لئے چھوڑ دی ہیں ہم نے تو مجبوراً تازہ واقعات کو جن کی وجہ سے انکا ماتم گھر گھر کیا جا رہا ہے اور جو واقعات سب کے دلوں میں اب تک محفوظ ہیں بیان کر کے اس امر کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

ہمارا اپنا احساس

ہم نے جو کچھ بھی مندرجہ بالا سطروں میں درج کیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے قلب کی کیا کیفیت ہوگی۔ ہمیں سب سے زیادہ افسوس اور رنج اس امر کا ہے کہ جب سے وہ لوک سبھا کے الکشن میں کامیاب ہوئے تھے اسوقت سے ہم نے ان کی زیارت تک نہیں کی۔ وہ علیل تھے اور انکے دیکھنے کا وقت (کیونکہ بات چیت کرنا ان کے مرض میں اضافہ کرنے کے مترادف تھا) ملاقاتیوں کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ اس لئے خواہ مخواہ تکلیف دینا ہمیں بہت نامناسب معلوم ہوتا تھا، وہ بمبئی بھی علاج کی غرض سے گئے پھر ۲ فروری کو دہلی واپس آگئے جبکہ ان کے پرتپاک استقبال کے لئے کثیر تعداد میں احباب اور دہلی کے معزز شہریوں کا مجمع ریلوے اسٹیشن دہلی پر بوقت شب دیکھنے میں آیا وہ نہایت کمزور تھے۔ ریل سے اتر کر مصافحہ کرنے کے بھی قابل نہیں تھے اور کئی جگہ بیٹھ بیٹھ کر باہر آئے اور موٹر میں بیٹھ کر مکان چلے گئے۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ سدا نام رہے اللہ کا۔ اس کے بعد ۱۶ اپریل ۱۹۶۲ء کو بی۔ او۔ اے۔ سی کے جہاز سے پالم کے ہوائی مستقر سے پونے دس بجے شب میں امریکہ کی میڈیسن یونیورسٹی کے کینسر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں علاج کی غرض سے روانہ ہوگئے وہاں سے مختلف خبریں آتی رہیں اور آخر کار ۲ جولائی کو میڈیسن سے روانہ ہو کر نیویارک پہنچے اور ۸ کو وہاں سے لندن آگئے جہاں دو روز قیام فرمانے کے بعد ۱۱ جولائی کو دہلی کے لئے روانہ ہو کر انڈیا ایئر لائنز کے طیارہ سے بتاریخ ۱۲ جولائی بروز جمعرات بوقت صبح ٹھیک ۵ بج کر ۲۰ منٹ پر پالم پر پہنچ گئے۔ راستہ میں جہاز انہیں فرینک فورٹ (جرمنی) روم (اٹلی) بیروت (لبنان) اور تہران (ایران) کی فضاؤں میں اڑاتا ہوا لایا۔ احباب نے پر جوش خیر مقدم کیا معلوم ہوا کہ کینسر کا شکل نہیں رہا لیکن ہمیں مطلق یقین نہیں آیا کیونکہ ابھی تک تو اس موذی مرض کے تجربے ہی ہو رہے

ہیں کس نا قدری کی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔ ممکن ہے کہ وقتی طور سے تکلیف میں کمی ہوگئی ہو لیکن صحیح بات تو یہ ہے کہ ان ماہرین علاج "نے اپنی ذمہ داری اور اس کے افسوسناک نتیجہ کی خبر سے بچنے کے لئے مولانا کو صحتیاب ہو جانے کا مژدہ سنا کر روانہ کر دیا کیونکہ ان کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہیں تھی۔ لہذا ان کا پردیس میں تا حیات کی زیر نگرانی انتقال فرما جانا بہت سی توجیہات کا باعث بن جاتا، ویسے بھی اللہ کی خاص عنایت تھی کہ انہیں پردیس میں سپرد خاک ہونے سے بچا لیا اور وہ اپنوں میں آ کر اپنے ہی ملک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہو گئے۔ انھوں نے مرنے کے بعد بھی وطن کی خاک میں رہنا باعث فخر سمجھا اور وفاداریٔ وطن کا ناقابل تردید ثبوت بہم پہنچا دیا۔ البتہ اس کو گوارا نہیں کیا کہ اس وزیر کی حکومت میں دو گز زمین بھی اپنی ذات کے لئے جائز سمجھیں جو آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر ان کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ اسے کہتا ہے خودداری!! وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ، انھوں نے اس خودداری پر اپنے عزیز و اقارب اور اپنے اس شہر کو بھی قربان کر دیا جو ان کی جنم بھومی اور خاندانی سکونت کا مرکز تھا اور جس کی خاک کا ذرہ ذرہ ان کے قدموں کے نیچے بچھنے کے لئے بیتاب تھا کیونکہ اب پورا ملک اور پوری ملت سے ان کی عزیز داری تھی اور ملک کی راجدھانی ان کا وطن بن چکی تھی اور جہاں ہزاروں بیکسوں اور مظلوموں کے غم میں ان کی امداد کے لئے وہ رات دن منہمک رہتے تھے۔

ہمارا تعلق ہمارا ان سے کئی قسم کا رشتہ تھا۔ (۱) پہلا رشتہ تو وہ تھا جس کا علم جامعہ کے موجودہ ارباب حل و عقد کو بھی نہیں ہے اور جس کا نام سن کر وہ بالکل حیران و ششدر رہ جائیں گے یعنی جامعہ کے قیام کے وقت ایک عہدہ ناظر المعارف کا بھی تھا جس کا مطلب بھی غالباً بعض کی سمجھ سے بالاتر خیال کیا جائیگا وہ عہدہ اگر قائم رہتا تو بہت سی بے ضابطگیوں اور من مانی کارروائیاں کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور وقتاً فوقتاً محاسبہ ہوتا رہتا۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب کے بڑے بھائی بدرالدین صاحب مرحوم و مغفور اس منصب پر سرفراز تھے یہ عہدہ انسپکٹر آف اسکولز کی قسم کا تھا جو جامعہ کے علی گڑھ میں قیام کے وقت تک قائم رہا جامعہ اس وقت تک حقیقتاً بطور ایک خاندان کی حیثیت کے سمجھی جاتی تھی جس کے ایک رکن بدرالدین صاحب بھی تھے۔ گویا مولانا کا جامعہ سے خاندانی رشتہ اس کے قیام کے وقت سے تھا اور اب آخر میں وصال سے سال ڈیڑھ سال پہلے وہ انجمن جامعہ اور اس کی مجلس منتظمہ دونوں کے رکن بڑی کوششوں کے بعد بنوائے گئے تھے کیونکہ عاملین جامعہ کو بہت سے خدشے تھے۔ حالانکہ ممبر پارلیمنٹ ہونے کی وجہ سے وہ تمام نشیب و فراز کو خوب سمجھتے تھے اور موقعہ شناس تھے۔

چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ وہ اگرچہ قومی کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے جامعہ کے سب جلسوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن جتنے جلسوں میں بھی حاضر رہے ان کی موجودگی نہایت مفید ثابت ہوئی اور اپنے تعاون سے انھوں نے ثابت کر دیا کہ مولوی لوگ بھی تعلیمی درسگاہوں میں نہایت مفید خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ اور اگزیکٹو کونسل کے بھی رکن تھے جہاں انھوں نے آخری دور میں یونیورسٹی کو نہایت ہنگامی حالات میں تباہی اور موت کے منہ سے نہایت خوش اسلوبی سے نکالا اور مخالفین کو بھی ہمنوا بنا کر بہت بڑی خدمت انجام دی۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے بھی اشغالی رکن تھے اور نہایت اطمینان سے خدمت کرتے تھے۔ سال بھر میں بہت ہی کم آرام کرنے کا موقعہ انہیں نصیب ہوتا ہوگا۔ ورنہ بالعموم رات دن دفتر جمعیۃ کے کاموں میں انہماک یا دور دراز مقامات کا سفر ان کے اطمینان قلب کا باعث ہوتا تھا۔ وہ ہندوستان سے باہر جنوبی افریقہ بھی جمعیۃ کی اور ملت کی بے لوث خدمت کے لئے گئے اور اب اس کے مستقل صدر دفتر کی عمارت کے لئے جد و جہد میں مصروف تھے کہ اللہ نے انہیں یہ خوشی دیکھنے سے محروم رکھا اور اپنے ہاں طلب کر لیا بہت سے اہم قومی کام ان کے پیش نظر تھے جن میں سب سے زیادہ قومی و ملکی اتحاد کے لئے وہ دن رات بے چین رہتے تھے لیکن مشیت ایزدی میں کیا چارہ، غرض جامعہ ملیہ سے ان کا تعلق ابتدائے قیام سے اپنی زندگی کے آخری ایام تک بطور ایک خاندان کے فرد کے رہا۔

(۲) دوسرا تعلق ہمارا ان سے ذاتی عقیدت محبت اور لگاؤ کی بنا پر تھا وہ میرے سخت مضامین کو جو عموماً الجمعیۃ میں حکومت پر نکتہ چینی کے طور پر شائع ہوتے تھے یا پیام مشرق میں حکومت جامعہ ملیہ کی اصلاح کے لئے ہوتے تھے یا طنز کا پہلو لئے ہوتے تھے اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اس معاملہ میں ان کا مسلک میری زندگی کے سب سے بڑے رفیق، محسن اور سرپرست ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق شیخ الجامعہ سے پوری مطابقت رکھتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی میرے مضامین سے شکایت رہی ہے۔ بنفس مضمون سے نہیں بلکہ اس کے لب و لہجہ سے لیکن جو چیز کسی کی فطرۃ ثانیہ ہو جائے اس کا چھٹنا بہت ہی مشکل ہے۔ آپ مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کے صدق جدید کو پڑھئے کس قدر خلوص سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن ان کے طنز آمیز طرز تحریر کو بہت سے لوگ پسند نہیں کرتے۔ اگرچہ اس معاملہ میں میں ان کی دل سے تائید کرتا ہوں کیونکہ حالات مجبور کرتے ہیں کہ اس روش کے بغیر گزارہ نہیں۔ اور اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو مُشارٌ الیہ اسے ہماری شرافت پر محمول نہیں کریں گے بلکہ شکست

مغلوب اور مفلوج سمجھیں گے اور ہم احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ ہم اس اصول کو لائحہ عمل تصور کرتے ہیں۔

صنعت ملے، کمال ملے یا ہنر ملے　　دولت ملے، منال ملے یا کہ زر ملے
سب ہاتھوں ہاتھ بلائے نہ عزت مگر ملے　　اعدا کے ہر ذرکے جیتے پہ انساں مرے ملے

ایڈیٹر صاحب الجمعیۃ کو ہم جیسوں کے مضامین کو احتیاط سے درج کرنے یا ان پر سنسر بٹھانے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ اس کی بھی سختی کے ساتھ تنبیہ کرتے تھے کہ "الجمعیۃ کے کسی اداریہ میں احساس کمتری کی جھلک نظر نہ آئے کیونکہ ہماری زندگی تو اس کے خلاف جہاد کرنے میں گزری ہے اور بات کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو اور کتنی ہی بیباکی سے کیوں نہ کہی جائے اگر کہنے یا لکھنے کا سلیقہ نہ ہو تو بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے"۔ بجنسہٖ یہی بات ہمارے معمار جامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (موجودہ آپ راشٹرپتی) نے متعدد بار نہایت خلوص اور محبت سے مجھ سے فرمائی ہے۔ مگر باوجود کوشش کے قلم بے راہ نہیں جاتا۔

مولانا سے ایک دو مرتبہ اخبار الجمعیۃ کی بعض شرمناک غلطیوں، لاپرواہیوں اور کوتاہیوں پر بھی گفتگو اور تحریر میں ضرورت سے زیادہ سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی غلطی ہم سے سرزد ہوئی مگر جب یہ مرض لا علاج معلوم ہوا اور مولانا کو ہم نے بے بس پایا تو مجبوراً کسی مناسب موقعہ کے لئے اس قصہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ ان تمام گستاخیوں کے باوجود مولانا میرے مخلصانہ جذبہ کی قدر کرتے تھے اور مجھے انتہائی ندامت ہوتی تھی کہ جب کبھی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا خواہ وہ کتنے ہی مصروف ہوں یا کتنے ہی معزز حضرات کا مجمع کیوں نہ موجود ہو ہمیشہ کھڑے ہو جاتے اور باوجود عاجزانہ درخواست کے کہ اس قدر شرمندہ نہ کیجئے وہ اس نالائق خادم کی عزت افزائی فرماتے اور نہایت محبت و اخلاص سے پیش آتے اور نہایت منکسر المزاجی سے گفتگو فرماتے۔ ہائے یہ باتیں اب کہاں نصیب ہوں گی! اور اس قدر وسیع القلبی اور اعلیٰ اخلاق کا اظہار کہاں اور کون کرے گا؟

اس دور زرگری اور نفس پروری میں جبکہ جنگ اقتدار کی ہوائیں چاروں طرف زناٹے کے ساتھ چل رہی ہوں حفظ الرحمان جیسے مخلص انسان کی یاد ہمیشہ تڑپاتی رہے گی۔ جمعیۃ العلماء کے دفتر میں جاتا ہوں تو آنکھیں کسی کو تلاش کرتی ہیں اور گدی خالی دیکھ کر کلیجہ میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے جسکا تدارک کسی کے بس کا روگ نہیں۔ کہتے ہیں کہ

؎ طبیعت کو ہو گا قلق چند روز　　سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائیگی

مگر شدت بیقرار ہی جاتی ہے۔

(۳) ایک تیسرا تعلق ان سے اور بھی تھا جو دراصل پہلے رشتہ کا ہی ایک اہم جزو سمجھنا چاہیئے وہ یہ تھا کہ ان سے صاف طور سے معلوم کرایا جائے کہ جس جامعہ کی بنیادی غرض و غایت جناب شیخ الہندؒ کے خطبۂ افتتاحیہ یا جناب شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین مدظلہٗ کے "جامعہ کے پچیس سال" یا حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے "خطبۂ تقسیم اسناد" یا ڈاکٹر سری پتی رائے کے "کنووکیشن ایڈریس" یا مولانا محمد علی مرحوم کے مضمون "جامعہ ملیہ ہے کیا؟" یا جامعہ کے مختلف سابق سالوں کے دستور العمل اور نصاب تعلیم میں درج ہے۔ کیا یہ وہی جامعہ ہے اور اس کے "بنیادی مقاصد" وہی ہیں یا ان حالات میں جنہیں "بدلے ہوئے حالات" سے تعبیر کرکے گمراہ کیا جا رہا ہے۔ واقعی وہ اب ایک داستان پارینہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور ان پر ملت اسلامیہ کو فاتحہ پڑھ لینی چاہیئے تاکہ موجودہ یا آنے والی نسلوں کے لئے جو اثاثہ ہم چھوڑ جائیں اس کی وضاحت صاف طور سے کر دی جائے۔ اور وہ ان ریکارڈوں سے جو تلف کئے جانے سے اتفاقاً بچا لئے گئے ہیں دھوکہ میں نہ رہیں اور انہیں "تاریخی اعتبار" سے بھی محفوظ رکھنے کی ضرورت نہ رہے، اور ہم خود انہیں "نظریہ بد" سے بچانے کے لئے اپنے سامنے ہی دفن کر جائیں، اس پر غور ہو ہی رہا تھا اور منزل مقصود قریب آنے والی ہی تھی کہ یاروں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور معاملہ ادھورا رہ گیا۔ اب صدائے حق بلند کرانے کے لئے پھر جد و جہد شروع کرنی بہت مشکل ہے۔ اللہ کو جو منظور ہو گا وہی ہو کر رہے گا۔ مگر یہ خط کشیدہ فقرہ ایسا ہے جس کی تصدیق "احباب دیوبند" کے ان الفاظ میں بھی کی جاتی ہے کہ جب سب کام اللہ ہی کی مرضی کے تابع ہیں اور اس کے حکم کے بغیر پتہ نہیں کھڑک سکتا اور نہ پرندہ پر مار سکتا ہے تو پھر شراب پینے یا جوا کھیلنے یا دوسروں کا مال غصب کر لینے والے کو گنہگار کیوں سمجھا جاتا ہے اور غریب شیطان کو ملعون کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے جواب میں سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰن؟ غیر جیسا ہم نے مضمون کے شروع میں لکھا ہے کہ مولانا کے متعلق ہر شخص اپنے زاویہ نگاہ سے اظہار خیال کرے گا اور اسی اعتبار سے ان کے سوگ میں حصہ لے گا۔ اسی کے تحت ہم نے اپنے مختصر خیالات کو قلمبند کر دیا ہے جو اس وقت یقیناً بہت سوں طبائع پر گراں گزریں گے لیکن آنے والا وقت خود ہمارا ضامن ہو گا اذ یوم الحساب قائم ہو گا۔

اظہار تشکر و احسان

یہ خاص مضمون کا تاریخی عنوان ماہنامہ "ستارہ" دہلی سے سرقہ کیا ہے۔ لیکن اسے سرقہ کیوں کہا جائے جبکہ رسالہ کے پہلے اور آخری سرورق پر جو فوٹو بلاک آپ کو ہمیشہ مولانا مرحوم کی زیارت کراتے رہیں گے وہ بغیر کسی تامل کے ہمارے پیارے

بھائی اور دیرینہ کرمفرما النقیب الاولیاء جناب صاحبزادہ نقیب حسن صاحب فاروقی چیف ایڈیٹر ہومیو ہفت روزہ پیام مشرق دہلی و ماہنامہ آستانہ دہلی نے ہماری خواہش پر نہایت خوشی سے مرحمت فرماکر ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مرہون منت فرمایا بلکہ ہمارے سب ناظرین بھی یقیناً ان کے شکرگذار ہوں گے کہ ان کے اس عطیہ نے ہم کو چار چاند لگادئے ہیں اور جس کے پہلے ورق سے تو انہیں مولانا کا دیدار نصیب ہوا اور ٹائٹل کے چوتھے صفحہ سے مولانا کے آخری سفر کی تیاری کا زمانہ آٹھ آٹھ آنسو رُلاتے ہوئے اہل دل کے لئے باعث عبرت ہوگا۔ اس تصویر میں آپ کو جناب محترم مولانا محمد میاں صاحب جو نہ صرف مولانا کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے رہے ہیں بلکہ عرصہ دراز سے جمعیۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے ملک کے گوشہ گوشہ میں اسی ہمت اور بے جگری سے اللہ کا نام لے کر پہنچ جاتے ہیں جس سے مولانا حفظ الرحمن کام لیتے تھے اور مسلمانوں کی تکالیف و مصائب کی خبر سنکر اس قدر بے چین ہو جاتے ہیں کہ اس ضعیف العمری میں بھی بدن کا خشک ڈھانچہ لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ یقیناً جس طرح فیاضی اور غربا پروری کے لئے دولت کی ضرورت نہیں بلکہ وسعت قلب اور ہمدردیٔ بنی نوع انسان کی ضرورت ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بچانے کے لئے یا اس کے تدارک کے واسطے جلتی ہوئی آگ میں کود جانے کے لئے کسی تنخواہ کی وارد کی تلاش نہیں کی جاتی بلکہ ہمت مرداں مدد خدا ہی سب سے زیادہ موثر علاج سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی کے تحت حضرت کا پیشہ شیریں قومی خدمات انجام دینا رہتا ہے جو اس تصویر میں اپنی مقدس ریش مبارک کے ساتھ نظر آرہا ہے۔ انہی کے قریب آپ کو وہ باہمت نیکی کا فرشتہ نظر آتا ہے جس نے یونانی طب کے کٹر مخالفوں کے دانت کھٹے کردئے ہیں اور اس کو ایسی مضبوط بنیاد پر قائم کیا ہے کہ دشمن سے دشمن انسان بھی ان کے عزم و استقلال محنت اور صداقت کا لوہا مان گیا ہے اور اب یونانی طب کو ننگ دنیا یا اس کو خارج البلاد کرنا کسی بڑے سے بڑے اور زبردست سے زبردست انسان کے بس کی بات نہیں رہی خصوصاً جبکہ ایلوپیتھی کے موجد اور اس کے خاص سرپرست یورپین ڈاکٹر بھی یہاں آکر اس کے گورکھ دھندے کو اور عظیم الشان کام کو دیکھتے ہیں تو اس کی اصلیت اور صداقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور یونانی طب کو بھی ایک جاندار اور پائدار چیز سمجھتے ہیں۔ اس مجاہد بنی نوع انسان کا نام نامی جناب حکیم عبدالحمید ہے جو ہمدرد دواخانہ کے روح رواں اور مالک ہیں لیکن جسے انہوں نے عوام کے فائدے کے لئے وقف کردیا ہے اور ہزاروں روپے کے انعامات طبی مضامین لکھنے والوں اور اچھی صحت والے بچوں کو ہر سال بھیج عوام میں تقسیم کرتے ہیں اور جن کا طبی لٹریچر ملک کی جملہ زبانوں میں اتنی کثیر تعداد میں شائع ہوتا ہے کہ کاغذ کی کمی کا بہانہ کرکے سرکار کو اس پر کٹ لگانے کی کوشش کی گئی اور انہیں مایوس ہوکر اپنے مفید کام کی اشاعت میں کمی کرنی پڑی۔ تمام ادویات اور جڑی بوٹیاں ہندوستان کے ہی جنگلوں اور پہاڑوں کی پیداوار ہیں یہاں سے نہیں منگائی جاتیں جیسے "یونانی طب" کے نام سے "قومی یک جہتی" کے علمبرداروں کو قلبی بغض اور خواہ مخواہ کا بیر ہے۔ اس دواخانہ کی عظیم الشان شاخیں اطراف ملک میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں اور جس طرح باٹا کے جوتوں کی دکان آپ کو سلیقہ کے ساتھ نظر آتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ سلیقہ اور ترتیب سے ہمدرد دواخانہ کی شاخیں آپ کو ملیں گی۔ جہاں محض دوائیں ہی نہیں بلکہ قابل حکیموں کا بھی انتظام معاوضہ کی طرف سے کیا گیا ہے جن کا سارا بار مرکزی دواخانہ کے ذمہ ہوتا ہے اور جس کا باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً معائنہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ کسی شاخ کے متعلق کوئی شکایت ہو اور وہ مقامی طور سے رفع نہ ہوسکتی ہو تو آپ دہلی کے دفتر کو لکھئے فوراً تدارک کیا جائیگا۔ حکیم صاحب آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے صدر ہیں اور نہایت سلیقہ اور حسن انتظام سے یونانی طب کو فروغ دینے میں رات دن مصروف رہتے ہیں۔ ان کے حسن انتظام کا اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہوگا کہ ان کے تمام ملازمین نہایت خوش اور مطمئن ہیں اور کبھی کسی قسم کی شکایت سننے میں نہیں آتی۔ مختلف جلسے پارٹیاں پک نک "کلچرل" [illegible] پروگرام آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور اب ایک بہت بڑی اسکیم کا آغاز کیا گیا ہے جس کا تفصیلی حال اخبارات میں شائع ہوچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں نظر بد سے بچائے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب کرے۔ آمین۔

ان کے ہاں خالص اور بہترین مفرد اور مرکب ادویات بہت کم قیمت پر ملتی ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی حکیم عبدالسعید صاحب پاکستان میں ہمدرد دواخانہ کراچی کے انچارج ہیں اور ہندوستان کی طرح اس کی بھی شاخیں مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہیں اور لاکھوں بیماروں کی دعائیں لے رہی ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے والد محترم ان دونوں کو بچپن میں ہی یتیم کر کے اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ اس طب کو جو ترقی نصیب ہوئی وہ حمید و سعید کی نیکی، شرافت، اولوالعزمی اور خداداد ذہانت سے ہوئی اور حکمت کی تکمیل بھی انہوں نے خود اپنی محنت سے کی۔ لہٰذا اس لحاظ سے یہ تصویر بہت زیادہ قابل قدر ہے کہ آپ کو گھر بیٹھے مفت میں ایسی عظیم الشان ہستیوں کی زیارت نصیب ہوگی۔

یہ مولانا مرحوم سے ان کی تکالیف کی کیفیت دریافت فرما رہے ہیں۔

جسکو نہایت بہترین گوشہ ہو کر ایک تیسرے صاحب بھی سینہ سپر اتحاد کیے جسکے انتہائی رنج و کرب کے ساتھ شش رہے ہیں یہ ہیں ہمارے محسن صاحبزادہ محمد محسن فاروقی صاحب جن کی بیکرشی اور دریادلی سے ان تصاویر کا فیض عوام تک پہنچانے کے لئے ہم پر خاص عنایت کی گئی ہے ورنہ کہاں ہم اور کہاں یہ سعادت اور یہ نوازش!! زیادہ لکھنے سے تصاویر کے عطیہ کی وجہ سے خوشامد کی بو آنے لگے گی۔ آپ ان کے چہرے پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ کس بیباکی سے یہ احساس کمتری دور کرنے میں یا "آستانہ" کے ذریعہ ادیٔ برحق کی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ "اللھم زد فزد" آمین ثم آمین!

ان کے پیچھے ایک اور چہرہ نظر آتا ہے۔ جانتے ہیں آپ یہ کون ہیں؟ یہی تو ہیں سینہ سپر ہو کر انگریز کی طاقت کا طاقت سے مقابلہ کرنیوالے نوجوان جنرل شاہ نواز! جناب نائب وزیر ریلوے ہیں، اور ملک کے مشہور نیتا سبھاش چندر بوس کی آزاد فوج کے کمانڈر! کون بوس؟ وہ جو انگریزی حکومت کی سی آئی ڈی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہندوستان سے صاف نکل گئے تھے تاکہ اطمینان سے مقابلہ کے لئے فوج تیار کریں اور جن کے زندہ ہونیکا گمان اب تک بہت سے محبانِ وطن کے دلوں میں ہے اور جو اُن کے ہوائی جہاز کے حادثہ میں شکار ہوجانے کی عینی شہادت تک پر یقین نہیں کرتے!!

ایک جانباز فوجی افسر جسکا مقدمہ دلی کے لال قلعہ میں مدتوں چلتا رہا اور جس کے متعلق یقین تھا کہ بغیر سزائے موت کے اور کوئی فیصلہ نہیں ہوگا لیکن وہ تو ملک کے قابل فخر وکیل اور ماہر قانون جناب محترم بھولا بھائی ڈیسائی اور دوسرے لائق ترین قانونی مشیروں کے پُر زور دلائل اور ان کی قوت بیانیہ اور حیران کُن بحث کا نتیجہ تھا کہ جنرل شاہ نواز موت کے چنگل سے چھوٹ گئے اور آزادی ملنے کے بعد فوجی بہادری کے صلہ میں ریلوے سے منتقی کر دئے گئے۔ کیا خوب میل ہے! اس نسبت کی وجہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں؟ کاش سبھاش جی زندہ ہوتے تو پھر آپ اس شخص کا مقام دیکھتے کہ وہ کس منصب سے سرفراز ہوتا!

کہئے اب اس تصویر کی کوئی قیمت آپ کی نگاہ میں رہی؟ چلئے اس قصہ کو ختم کیجئے کیونکہ آں قدح بشکست و ساقی نماند۔ جب مولانا ہی ان جھگڑوں سے آزاد ہوگئے تو سب باتیں بیکار ہیں،

تدفین اب اسی سلسلہ میں آخری بات عرض کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے مولانا کا سپرد خاک کیا جانا کس قدر بد انتظامی! اللہ اکبر! وہ بلم ٹیر (والنٹیر) جو وزرا کے استقبال کے لیے جھنڈا روبان پہنکر اپنے تئیں نمایاں کرنیکی انتہائی سرگرمی دکھلانے میں کہاں چلے گئے تھے۔ مولانا شوکت علی (زبان پر بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟) کے انتقال پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اس بے ہنگم بھیڑ اور اس بدنظمی کو دیکھ کر اللہ سے پناہ مانگی تھی۔ بڑے آدمی کی موت بھی ایک مصیبت ہے لیکن مسلمانوں کو جس تنظیم کی تعلیم جابجا دی گئی ہے جب وہ وقت پر ہی کام نہ آئی تو اس کا نام لینے سے سوائے شرمساری کے اور کچھ حاصل نہیں۔

اس کے علاوہ اگر مولانا کو جناب صاحبزادہ محمد محسن صاحب فاروقی اور ان کے ہم خیال اصحاب کی رائے کے مطابق پریڈ گراؤنڈ میں شاہ کلیم اللہ صاحب کے مزار کے قریب ہی دو گز زمین نے کر سپرد خاک کر دیا جاتا تو عوام الناس اور مولانا کے مقربین اور معتقدین کو فاتحہ کے لئے حاضر ہونے میں بہت آسانی رہتی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دیار میں تو خاص خاص ہی اصحاب حاضر ہوتے ہیں۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں جو تحریک آزادی کا علمبردار اور دلّی کا بے تاج بادشاہ تھا اس کے مدفن پر کتنے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ عوام الناس کے لئے آسانی پیدا کرنیکی اشد ضرورت تھی۔ اب چند روز کے بعد کسی کے دماغ میں بھی یہ بات محفوظ نہیں رہے گی کہ سیوہارہ اور بجنور کے عزیز و اقارب کے قبرستان کو چھوڑ کر دلی کی خاک کے لئے مرٹنے والا انہی لوگوں سے دور پھینک دیا گیا۔ جن کے لئے رات دن وہ بے چین رہا کرتا تھا۔ ہمیں ان کے وہاں دفن کئے جانے سے شدید اختلاف اور انتہائی صدمہ ہے۔ جب نماز جیسی سب سے زیادہ اہم عبادت کے لئے امام کو حکم ہے کہ بوڑھے اور کمزور مقتدیوں کا خیال رکھے اور قیام میں اختصار کو ملحوظ رکھے تو محض فاتحہ کے لئے حاضر ہونے والے نہ صرف دلی نواسیوں بلکہ پردیسیوں کے لئے اور خصوصاً غیر مسلموں کیلئے ایک ایسی جگہ مقبول عام رہنما کو دفن کرنا جہاں پہنچنے میں یقیناً دشواری ہو بہت زیادہ تکلیف دہ امر ہے جسکا تدارک اب عمر بھر نہ ہوسکیگا۔ چند حضرات کی من مانی کارروائی کا یہ بین ثبوت ہے جمہور کی رائے کو فوقیت دینی چاہیئے تھی خصوصاً جبکہ زمین کے ملنے میں کوئی دشواری نہیں تھی اور خود دینے والا پیش کر رہا تھا ہم تو جنگ وہاں نہیں پہنچ سکے اور گرد و غبار کے طوفانی ہیجان میں تو تین مٹھی مٹی دینے کا تو نمبر ہی نہیں آسکتا تھا ہمیں یقین ہے منتظمین کو اب خود اپنے اس فیصلہ پر غور کرنے سے انتہائی رنج و افسوس محسوس ہوا ہوگا۔

تواریخ خیر یہیں تو ان کے رخصت ہو جانے سے رنج ہوا ہی ہے مگر آستانہ کے اس مضمون

سے جسکا عنوان ہم نے اختیار کیا ہے ذیل کے شعر سے آپکو معلوم ہوگا کہ ان کے لئے تیخ و محن کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے :-

آسماں عاجز گریہ و گر خوں ببارد بر چمن — بہر وفات حفظ الرحمن رہبر قوم و وطن

اب پیام مشرق دہلی مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۲ء سے تین اشعار درج کرتے ہیں جن میں سے ایک سے سن ہجری کی تاریخ نکلتی ہے اور دو سے سن عیسوی کی :-

(۱) کہو تاریخ مرگ حفظ الرحمن — "گئے وہ آج آغوش اجل میں" (انور صابر جلالپوری)

یہی قطعہ رضی جلالپوری کے نام سے الجمعیۃ مورخہ ۹ اگست میں درج ہے، حالانکہ رضی صاحب نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی ہے :-

(۲) اے رضی تاریخ مرگ حفظ الرحمن یوں کہو — آج اک مخزن ادب ملک و قوم و ملت ہوگیا

(۳) کیا تجھ کو اپنے موضوع میں آنے کا ہوش ہے
انور! اگر مجاہد ملت خموش ہے (علامہ انور صابری)

بہار اشعار مولانا حفظ الرحمن صاحب کے متعلق ملک کے مختلف اخبارات میں متعدد مضامین لکھے گئے ہیں اور ان کے قومی کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ تعریفی و توصیفی الفاظ میں مدح سرائی کی گئی ہے۔ خود الجمعیۃ اخبار مجاہد ملت نمبر شائع کر رہا ہے۔ مختلف شعراء نے سن وفات ہجری اور عیسوی اعتبار سے قطعات اور اشعار میں مختلف صنعتوں سے نکالے ہیں۔ ہمارے لئے ان سب کا درج کرنا مشکل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ الجمعیۃ بکڈپو یا اخبار الجمعیۃ کے کوئی کارکن کوشش کر کے جہاں تک ممکن ہوسکے ان سب کو یکجا کر کے کتاب کی شکل میں شائع کریں۔ بعض شعراء نے لمبی لمبی نظمیں مولانا کی مدح میں اس صنعت سے لکھی ہیں کہ ہر شعر[1] کے پہلے حرف کو ایک جگہ لکھنے سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان کو درج کر کے ناظرین شگم کے لئے دلچسپ ادبی مواد اکٹھا کر دیں مگر فرصت اور پرچہ کی ضخامت اس خواہش کی تکمیل میں حارج ہے۔ لہذا ہم صرف اخبار الجمعیۃ کے دو ماہ کے پرچوں سے "چند تاریخیں" انتخاب کر کے درج کرتے ہیں۔ دیگر اصحاب یہ نہ سمجھیں کہ ان کا کلام اندراج کے قابل نہیں سمجھا گیا بلکہ جو وجوہات بیان کی گئی ہیں انہی کو صحیح سمجھئے۔ بعض "مرثیے" یا "نوحے" بہت ہی دردناک اور المناک ہیں لیکن چونکہ ان میں کوئی شعر تاریخ وفات کے متعلق نہیں ہے اس لئے انہیں درج نہیں کیا گیا۔

مایوسی بعض اصحاب کا خیال ہے کہ تمام اخبارات کے مضامین سے ایک قسم کی مایوسی ظاہر ہوتی ہے اور مسلم لیڈرشپ کا خاتمہ ثابت ہوتا ہے۔ اسکے متعلق صرف عرض کر دینا کافی ہے کہ مسلم لیڈرشپ کے لئے ہم کسی اگلے پرچہ میں حالات کا جائزہ لے کر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ فی الحال اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو سب سے بڑا رہنما بلکہ واحد رہنما تو ہمارا قرآن پاک ہے اور اس کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچانے والے اس کا کلام ہمارے دل نشین کرنے والے بھی ایسے ایسے موجود ہیں کہ باید و شاید لیکن شرط یہی ہے کہ ہم اس کے سننے اور عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔

سُنئے کہ اس حادثہ سے احساس کمتری پیدا ہوگیا ہے یا اسکے متعلق مولانا مقبول الرحمن صاحب خیال سیوہاروی کا منظوم کلام جو خود مولانا کے ہم وطن ہیں بلکہ ممکن ہے کہ انسے قرابت داری بھی ہو دیکھئے منظوم کر مایوسی سے دور رہنے کا کیسا اچھا سبق دیا ہے۔ ہم اسے الجمعیۃ کے ۱۸ ستمبر کے سنڈے ایڈیشن سے نقل کرتے ہیں۔

ڈوبتے ستارے

نہ پوچھ ان آنسوؤں کو خون سے چھلکائے ہیں میں نے
ہزاروں چاند کھو کر یہ ستارے پائے ہیں میں نے

غم و آلام کی صبر آزما منزل سے گزرا ہوں
میں طوفاں تک پہنچنے کے لئے ساحل سے گزرا ہوں

جناب شیخؒ کو کاندھا دیا میرے مقدر نے
غم آزادؒ سینہ پر لیا میرے مقدر نے

وفات مفتی اعظمؒ کو بھی انگیز کر ڈالا
ان اشکوں میں غم احمد سعیدؒ آمیز کر ڈالا

اور اب اے حفظ رحمانؒ تیرا ماتم کر رہا ہوں میں
مقدر کو نئی گردش سے محرم کر رہا ہوں میں

یہ سب کچھ کیا ہے اس کا ماحصل پہچانتا ہوں میں
نتائج کیا اشارہ کر رہے ہیں جانتا ہوں میں

سمجھتا ہوں کہ قسمت کا ستارہ جھلملاتا ہے
ستارہ جھلملا کر موت کا پیغام لاتا ہے

یہ میں بھی جانتا ہوں مجھ کو رونا چاہیئے ہمدم
شریک ماتم تقدیر ہونا چاہیئے ہمدم

مگر میں اور ہی تعبیر لیتا ہوں ستاروں سے
میں کیوں مایوس ہو جاؤں مشیت کے اشاروں سے

ستارے جھلملاتے ہیں تو یوں ہی جھلملانے دے
نہ روک اے کوشش ناکام ان کو ڈوب جانے دے

تجھے کیا جانے کہ ان کے ڈوبنے کے بعد کیا ہوگا؟
ستارے ڈوب جائیں گے سحر کا چاند نما ہوگا

زمانہ مسکرائے گا سحر کے مسکرانے پر
سحر موقوف ہے لیکن ستارے ڈوب جانے پر

---

[1] اس ضمن کے پرچہ میں ہمارے کرمفرما "نیاز احمد سیوہاروی محرر چھتاری، علیگڑھ" نے مجموعہ سخن اشعار میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے جسکے ہر مصرعہ کے پہلے حروف کے اعداد کو جمع کرنے سے ۱۹۶۲ء نکلتا ہے نیز اس کے عنوان "قطعہ تاریخ وفات جانسوز حضرت مجاہد ملت" سے بھی ۱۹۶۲ء تاریخ نکلتی ہے کاش کہ ہم پوری نظم درج کر سکتے!

اس کے بعد اب ہم الجمعیۃ کے مختلف پرچوں سے مولانا کی تاریخ وفات کے متعلق اشعار درج کرتے ہیں ہر شاعر کے کلام میں سے صرف وہی اشعار لئے ہیں جن سے تاریخ نکلتی ہے۔ پوری پوری نظمیں نقل کرتے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی۔ البتہ ایک دو جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے لیکن پورا مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا اس کو واضح کرنے کے لئے دو شعر درج کر دئے ہیں۔ بعض اصحاب نے تاریخ کے لئے پورا مصرعہ تک نہیں لکھا بلکہ مصرعہ کے ایک ٹکڑے سے ہی تاریخ کی میزان پوری کر دی ہے جس سے کوئی مطلب حل نہیں ہوتا بہر حال ہم چونکہ شاعر نہیں ہیں اس لئے اس پر اچھی یا بُری تنقید کرنے کے مجاز نہیں ہیں ہم نے تو بجنسہٖ نقل کر دئے ہیں بعض جگہ الجمعیۃ کے کاتب صاحب سے بھی سہو ہو گیا ہے کہ جن الفاظ سے تاریخ نکلتی ہے ان سب پر خط نہیں کھینچا گیا ہے بلکہ کچھ الفاظ خط سے محروم ہو گئے ہیں۔

ہمیں سب تاریخی الفاظ کو ان کی قیمت کے اعتبار سے جانچ لینا چاہئے تھا لیکن اس کے لئے بہت وقت درکار تھا تاہم بعض جگہ ہم نے تصحیح کر کے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ ناظرین سنگم سے درخواست ہے کہ وہ بھی خود جانچ کر لیں۔ مارچ اپریل ۱۹۵۴ء کے سنگم میں ہم پورے حروف تہجی کی قیمتیں بتا کر تاریخ نکالنے کے طریقہ پر بحث کر چکے ہیں اب دوبارہ درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہر شعر کے شروع میں اخبار الجمعیۃ کے پرچہ کی تاریخ اشاعت درج کی گئی ہے شعر کے بعد سن ہجری یا عیسوی جو بھی شاعر نے نکالا ہے درج کیا گیا ہے اس کے بعد شاعر کا اسم گرامی ہے، اگر کسی شاعر کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہو تو اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے ہم نے تو محض نقل کی ہے، اور نقل را چہ عقل" آپ نے سن رکھا ہو گا۔ ملاحظہ فرمائیے :-

۳ اگست ۱۹۶۲ء (۱) سُونا سُونا ملا ہے جو یا میر — گلشن جنت جماعت ہے (علامہ انور صابری)

(۲) سُوئے گلزار خلد از دُنیا — آہ نقل مکانِ فخر وطن ״

(۳) خوشنما قبر مجاہد کی قسم — سنگ لوح تربت پا سنون دیکھو ״

(۴) کوئی ذہنوں سے یہ سُن کر غم مٹا سکتا نہیں
عمر بھر داغ دل بے ہوش جا سکتا نہیں ״

(۵) از احقر الزمن محمد سلطان الدین قمر الجمیدی سنبھلی
کردم فریدہ فکر پئے سال عیسوی
ہاتف بگفت "واحفظ شیر پُر مقال مُرد"

۵ اگست (۶) سال منقوط ہے سالک کہ دم جمع ہوئے
شب کی سیاہی سے الگ مولوی حفظ الرحمٰن (سالک ناصری دہلوی)

(نوٹ - ہر ورڈ میں ملا ہوا نقطے والے حروف کے اعداد سے تاریخ نکلتی ہے)

(۷) صفت منقوط میں ذاہر کیو رخصت ہوا
شہسوار دانشِ معنی شاعر باغ ارم (ذاکر نواب چھپرونی)

(۸) ہو گئے "آج فرقِ رحمت" حفظ رحمٰن مجاہد ملت (رضی جلالپوری)

(۹) کہی تاریخ علی نے بیک ہو — سید شہر فردوس آشیاں ہے ۱۳۸۲ھ (غلام احمد علی فتحپوری مسلم ہائر سکنڈری سکول دہلی)

۶ اگست (۱۰) کیوں نہ ہم خون کے آنسو روئیں
ہائے جاتے رہے حفظ الرحمٰن (حکیم عزیز قدوسی کاشوری)

۸ اگست تاریخ ولادت ۳ جنوری ۱۹۰۱ء سیوہارہ صدیقی خاندان مولوی شمس الدین صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند
״ وفات ۲ اگست ۱۹۶۲ء صبح ۳ بجے

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا — ملک میں اک چراغ تھا نہ رہا (۱۳۸۲ھ)

(۱۱) مجاہد ملت بہشت نصیب
(۱۲) حفظ الرحمٰن جاں باز
(۱۳) پئے سالش تمنا گفت ہاتف — بجنت حفظ رحمان سید قوم (منشی تمنا بجنوری)

(۱۴) آہ محبوب حفظ الرحمٰن
(۱۵) بصد اندوہ و غم ہاتف نے دی آواز اے عرشی
کر دو محبوب جمعیت جو تھا غرقاب رحمت ہو (عرشی سوریانی)

۸ اگست (۱۶) عرش کی آواز سُن اے کامگار — وارث جنت ہے رحمت کا سار ۱۳۸۲ھ (رشید صدیقی نہالوی)

۱۰ اگست (۱۷) ہاتف غیب یا وحید حزیں — "حفظ الرحمٰن بخلد باد" گفت (الحاج سید عبدالوحید حزیں ...)

۱۱ اگست (۱۸) نوائے غم ہُوا الم (مسیح نہارسی)

۱۲ اگست (۱۹) از انگشت تاریخ رو بگذر دو سال — یک ہزار و نہ صد و شصت و دوم (انعام تھانوی)

(۲۰) کہا یہ ہاتف غیبی نے مجھ سے آزاد
غروب کوکب دین نبی اسے کہئے (مولانا عبدالصمد صاحب ناظم مجلس دارالعلوم دیوبند)

(۲۱) حفظ رحمان مجاہد ملت — سارے عالم سے نیے گئے غفلت
اُن سے خوشتر لحد یا سید بیچھیں — ہائے اب یہ بھی ہو گئے رخصت
(۲۲) رہبر قوم میں شامل مجاہد ملت — جہاں ہو خلد میں اب مجاہد ملت
ملیگا آپ سا دنیا میں اب کہاں ہم کو — خطیب عالم و کامل مجاہد ملت
(۲۵) گشائیں کے ہر سمت جہاں کیں خوشتر — بجز ہو بزم سے رخصت مجاہد ملت (ممتاز خوشتر کھنڈوہ)

۱۳ اگست (۲۶) چوں رسید ایں خبر بمن بسمل — فکر کردم پئے سن رحلت
بہر جہد گفت ہاتف غیب — کرد رحلت مجاہد ملت (ج کے صد ۳ گھٹانے سے) (بسمل سنہاروی گیاوی)

(۳۰) ہمہ گرسر بزرو سے فلک + شد بجنت مجاہد ملت
۱۳۸۲ھ = ۱۳۸۲ (بسمل شہاب الدین گیاوی)

۱۳ اگست (۳۱/۳۲) نوحہ غم بحت بے ریا
مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن والا زاد
کز عارضۂ سرطان شجر و اپسیں فرمود
از غم نا رسا تنہا بجوری (منظور علی فاروقی تمنا بجوری)

۱۴ر (۳۱) ہے رُخ "انا الیہ راجعون" تاریخ حفظ رحمن کا وصال
(محمد مسلم شبلی کالج اعظم گڑھ)

۱۹ر (۳۲) سالِ رحلت میں ندا دی مجھے ہاتف نے رفیق
نیک حال آ سکے ہیں فردوس میں حفظ الرحمن (محمد عبدالغفار رفیق جمیل آباد)

(۳۳) زندگی بھر وہ تو دنیا کے لئے روتے رہے
روئے دنیا اب محمد حفظ رحمان کے لئے (فطرت انصاری سکندرآباد)

۲۰ر (۳۴) کہا مجھ سے ہاتف نے تاریخ لکھئے (محمد جمیل الرحمن
سکونت ہوئی ان کی جنت کے اندر (دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

۲۲ر (۳۵) گئے از دنیا قدسی نژاد مرد مجاہد حفظ الرحمن
۱۲۱۲ ۲۹۶ ۲۳۹ ۱۱۲
۱۹۶۲ (الیس محمد حسن آدشٹ میرٹھ)

۲۳ر (۳۶) میں نے با افسوس بھی یہ لکھی تاریخ غم
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی بجھ گئی (لیمی دیوبندی)
۱۳۸۲ھ

۲۵ر (۳۷) ہاتف غیب کی صدا آئی (اشرف سعودی باقری متعلم
رہا لعل شب چراغ وطن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

۲۶ر (۳۸/۳۹) تاریخ وفات نیم آہنگ
حفظ الرحمن وحید بلاد
آوردہ در صنعت تو شیخ وکامل الاعداد

(۴۰) قافلہ رہبر مرد چھا گئی حسرت دور غم کب اب وائے
۱۳۸۲ھ

(۴۱) وائے قائد داغ فرقت دے گیا
اثر قلم بندۂ حق اسلم قاسمی

(۴۲) ہے قادری بیکل اب فکر سالِ رحلت کی
فلک سے ہاتف غیبی نے خود صدا یہ دی
جسے بھی دیکھو ہے مصروف ماتم رحلت
گئے ہیں خلد جناں کو مجاہد ملت (شاغل قادری)

۲۹ر (۴۳) ہاتف غیبی نے فرمایا لکھو
چل بسے ملت کے وہ پشت و پناہ (مولانا مفتی محمد عزیز الرحمن صاحب سیوہاروی)

(۴۵) حیف رخصت ہوئے حفظ الرحمن جو جرأت میں تھے بے مثل یہاں
یوں لے تاریخ لکھی اس نے وقت وائے ولی حفظ الرحمان (اسیر اچھولی)
(ندرت حسین سیوہاروی)

۱۰ ستمبر ۱۹۶۲ء (۴۶) خامۂ ناچی ہے غرق، لکھو کر یہ تاریخ وفات
حیف ملت کا مجاہد حفظ رحمن اب گیا (حکیم عبدالوہاب ناچی)

(۴۷) چل دئے تم بھی ملک عدم کو آہ جناب حفظ الرحمن
(۴۸) فکر تاریخ ہے تو اے شبیر کہدے الحمد مجاہد ملت (شبیر احمد خاں شبیر)

ستمبر (۴۹) مصرعۂ تاریخ لکھدو یا رہے دنیا کاٹ کر
حیف دنیا سے وہ میرکاروان جاتا رہا (ثمر انصاری)

(۵۰) لوح مزار کے لئے "فیہ حفظ رحمان" ۱۳۸۲ھ
(مولوی محمد عبداللہ خاں مدرس مدرسہ محمودیہ چھتاری)

۱۵ ستمبر (۵۱) وَهُوَ الْمُبِيْتُ الْغَنِيُّ الْبَصِيْرُ
(۵۲) سن وصال ممدوح آفاق مولانا حفظ الرحمن
(۵۳) راغب غمگیں یہ تاریخ اک نویدِ غیب ہے
پاک باطن حفظ رحمن کو ملا قصرِ جناں
(حکیم نورالعین حسن راغب چھتاروی لیکچرار طبیہ کالج علی گڑھ)

(۵۴) مجاہد ملت بہشت نصیب
(۵۵) لیے سالش تمنا گفت ہاتف بجنت حفظ رحمان سید قوم (تمنا)

۱۷ ستمبر (۵۶) هُوَ الْغَفَّارُ الْوَحِيْدُ
(۵۷) سال وصال مجاہد ملت رحمہ اللہ الملک القدوس
(۵۸) کہا سروش نے راغب سے سالِ رحلت میں
ہوئے بہشت مکیں وہ مجاہد ملت (حکیم نورالعین راغب چھتاروی)

(۵۹) کردے سالِ وفات تو بھی بیاں
حفظ رحمان ہائے آپ کہاں (راغب صدیقی)

۱۸ ستمبر (۶۰) سالِ رحلت کی ہوئی فکر جو مجھ کو الطاف
غیب سے آئی ندا لکھدے جناب مغفور
(الطاف احمد انصاری کابر ...)

۲۳ر (۶۱) سالِ رحلت گفتہ ام آمین بہ دل
آہ عالی منزلت رحلت نمود (؟)

(۶۲) ہر طرف ہے شور ماتم "ہائے وہ
عالم اسرار رخصت ہو گیا" (؟)
۱۹۶۲

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

آپ کا مخلص اور سچا رفیق
تنہائی میں دل بہلانے والا ساتھی
مصیبت اور مایوسی میں مددگار کون ہے؟
اچھی دلچسپ کتابیں یا .... سنگار امداد

ایسی اچھی کتابیں کہاں ملتی ہیں؟

سنگم کتاب گھر جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵ میں!

سنگم کی کتاب پڑھ کر ہر انسان اسے مندرجہ ذیل شعر لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

تو اے کتاب مجھ کو نہایت عزیز ہے
تو نے سکھائی ہے مجھ میں یہ جتنی تمیز ہے

سنگم میں پاکستان اور ہندوستان کی بہترین کتابیں ملتی ہیں۔ ختم ہو جاتی ہیں ان کے آرڈر نوٹ کر لئے جاتے ہیں اور جلد سے جلد منگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر سنگم کی مطبوعات ہی آپ کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں اور آپ کی کتب بینی کے مذاق کا معیار بلند کر سکتی ہیں۔ کوئی کتاب خراب نکلے تو واپس کی جا سکتی ہے۔ سنگم کی جملہ کتب سوائے ایک یا دو کے، عمدہ سفید کاغذ پر نہایت اچھی کتابت اور احتیاط کے ساتھ بہت صاف اور خوشنما چھپی ہوئی ہیں۔ قیمت بھی جہاں تک ممکن ہو سکا دوسرے ناشرین کے مقابلہ میں بہت کم رکھی گئی ہے۔ بچوں کے لئے تو سنگم کی کتابیں ماہرین تعلیم کی رائے میں معیاری اور بہترین سبق آموز تسلیم کی گئی ہیں۔ تاجروں، تعلیمی اداروں، کتب خانوں اور زیادہ قیمت کی کتابیں خریدنے والوں کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔ سنگم بال سبھا کے اراکین کے لئے خاص رعایت کی جاتی ہے۔ فحش اور مخرب اخلاق کتابیں ہمارے ہاں نہیں ملیں گی۔ چند کتابیں درج کی جاتی ہیں:-

مذہبیات اور اخلاقیات

اسلام اور بیمہ | بیمہ کے جواز کے متعلق علمائے کرام کی رائے اس کی صحیح صورت حال کو سمجھنے کے بعد اب عام طور سے اس کے حق میں ہوتی جاتی ہے۔ موجودہ کتاب علامہ موسیٰ جار اللہ مفکر اسلام کی معرکۃ الآرا کتاب التامین علی الحیاۃ والاموال والاملاک کا اردو ترجمہ ہے جو طلیع اللہ الافغانی صاحب نے کیا ہے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے بیمہ کو ضروری اور جائز ثابت کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ علامہ محمد احمد صاحب سبزواری ایم۔ اے نے مقدمہ لکھ کر نہایت مدلل اور بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

اعلان انقلاب | مصنفہ الحاج مولوی محمد اجمل خاں صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر اسلامیات شانتی نکیتن و سابق پرائیویٹ سکریٹری الامام الہند مولانا ابوالکلام صاحب آزاد۔

اس کتاب میں وحی اول کے انقلابی پیغام سے بحث کی گئی ہے۔

صفحات ۸۰۔ قیمت ایک روپیہ

انوار تفکر | یہ کتاب علامہ مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی کی نہایت عالمانہ اور مفکرانہ تصنیف ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ترجمان القرآن جلد ۱ میں صفحہ ۱ پر تحریر فرمایا ہے "اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اسکی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹا دیں جو مختلف گوشوں کے خارجی اثرات نے اس کے چہرہ پر ڈال دئے ہیں۔ پھر آگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں" اور علامہ مولوی عبدالباری صاحب لکھنوی نے اپنے خیالات کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

"غم و غصہ دونوں زیادہ مسلمانوں کے حال پر آتا ہے جو اس "زندہ کتاب" پر ایمان کا دعوے رکھتے ہیں اور پھر زندگی کا راستہ دوسروں سے پوچھتے اور ادھر ادھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ ان کو تو صرف اس کی ضرورت تھی کہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں بس "اسی کتاب" کو بطور ایک زندہ کتاب کے استعمال کرتے۔

انوار تفکر چند ایسے اہم اجتہادی مضامین کا مجموعہ ہے جن پر نہایت محنت اور کاوش کے بعد بحث کی گئی ہے۔ اور قرآن کریم کے بعض مسائل کو بہت خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ پڑھنے اور سمجھنے کی چیز ہے، یہ کتاب کاغذ و کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی سنگم کی بہت عمدہ اور معیاری کتابوں میں سے ہے۔ ۲۲۴ صفحات کے مقابلہ میں قیمت صرف پونے تین روپے مجلد مع گردپوش بہت ہی کم ہے۔

پارہ عم۔ آخری ربع | یہ پاؤ پارہ ہر چھوٹے بڑے مسلمان بچہ، مرد عورت کو حفظ یاد ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی سورتیں بہت چھوٹی ہونے کی وجہ سے نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ ہم نے اسے نہایت عمدہ کاغذ پر جلی قلم سے بہت خوشخط چھپوایا ہے۔ زبر، زیر، پیش، جزم، تشدید، مد وغیرہ نہایت احتیاط سے لگوائے گئے ہیں۔ حرفوں میں بھی فاصلہ کافی رکھا ہے۔ عم کا پورا سیپارہ پڑھتے پڑھتے جو کہ بچے کئی سپارے پھاڑ دیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے صرف آخری پاؤ ہی عمدہ دبیز کاغذ پر چھاپنا مناسب بلکہ ضروری سمجھا تاکہ بے حرمتی نہ ہو اور بچہ کو جلدی ختم کرلینے میں خوشی محسوس ہو۔ کتابی سائز ۹ سطری مسطر صفحات ۲۰ ہدیہ فی نسخہ ۱۵ نئے پیسے (سینکڑہ دس روپے)

(نوٹ) جن کتابوں کے نام کے ساتھ ضرب کی علامت (×) بنی ہوئی ہے وہ سنگم کی مطبوعات تو نہیں ہیں لیکن ہم انہیں نہایت مفید اور ضروری سمجھتے ہیں اور جن قیمت پر اصل پبلشر سے ملتی ہیں ہم سے ملیں گی۔

پارہ عم معریٰ | بڑا عام سائز (۲۲×[illegible]) رف کاغذ نگر عمدہ، ہدیہ ۱۰ نئے پیسے (سینکڑہ آٹھ روپے)

ایضاً | کتابی سائز (۲۰×۳۰) رف کاغذ گیارہ سطری مسطر ۴۰ صفحات، ہدیہ ۱۵ نئے پیسے (سینکڑہ دس روپے) اس سپارہ میں یہ پانچ خوبیاں ہیں:— (۱) ہر حرف کا زبر زیر پیش اس کے اوپر یا نیچے صاف صاف علیحدہ درج کیا گیا ہے۔ (۲) ہر سورۃ کا نمبر قرآن شریف کی ترتیب کے لحاظ سے اس کے نام کے سامنے ہر صفحے کے اوپر درج ہے۔ (۳) ہر سورۃ کا وہ نمبر بھی جس کے اعتبار سے وہ نازل ہوئی تھی ہر سورۃ کی بسم اللہ کی آیتہ کے گول دائرہ میں لکھدیا ہے۔ (۴) ہر سورۃ کی آیتوں کا نمبر ہر آیتہ کے گول دائرہ میں سلسلہ وار درج ہے (۵) حاشیہ میں رکوع کی ع کے اوپر اس سورہ کے رکوع کا نمبر ہے اور نیچے کا نمبر سپارہ کے رکوع کا ہے اور بیچ کا نمبر اس رکوع کی آیتوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے۔

پارہ تبارک الّذی معریٰ | رف کاغذ، عام سائز ہدیہ دس نئے پیسے (سینکڑہ آٹھ روپے)

پارہ قدسمع اللہ معریٰ | عمدہ سفید کاغذ، عام سائز، پندرہ سطری مسطر پر ۴۴ صفحات۔ ہدیہ پندرہ نئے پیسے (سینکڑہ دس روپے) اس سپارہ میں بھی وہ پانچوں خوبیاں نہایت احتیاط سے مدنظر رکھی گئی ہیں جن کا ذکر پارہ عم کتابی سائز میں درج ہے۔

پارہ عم شمسی مترجم | ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جانے کہ اس کی مقدس کتاب قرآن شریف میں کیا لکھا ہے، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا وہ دوسروں سے پڑھوا کر سُنے، سمجھے اور حسب توفیق عمل کرے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھ کر متعدد جگہ صبح کی نماز کے بعد حسب موقعہ و گنجائش تھوڑی دیر کے لئے علمائے کرام نے مساجد میں ترجمہ سنانے اور اسکا مطلب سمجھانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر مسجد کا امام اسے اپنے روزمرہ کے پروگرام میں داخل کرے اور ثواب دارین حاصل کرے۔

عام طور سے آخری سپارہ نمازوں میں زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ ہم نے اسی وجہ سے پارہ عم مع سورہ فاتحہ کے کتابی سائز پر شائع کیا ہے۔ جو مترجم ہے اور حکیم الامت علامہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ ہے۔ شان نزول۔ خواص۔ فضائل تشریح آیات او موضح القرآن۔ تفسیر حقانی تفسیر بیان القرآن۔ تفسیر مواہب الرحمٰن سے ماخوذ ہیں۔ ٹائٹل نہایت خوبصورت ہے بعض مدارس کے دینیات کے نصاب میں داخل ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ سب عمدہ ہیں۔ ۹۶ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ۔

پیارے نبیؐ | پیغمبر اسلام کے حالات زندگی کے متعلق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اتنی کسی بھی انسان کے لئے نہیں لکھی گئیں۔ ہر عمر، ہر مذاق اور ہر قابلیت کے مردوں عورتوں بچوں اور بوڑھوں، علماء اور عوام کے لئے مختصر اور تفصیلی ہر قسم اور ہر نوعیت سے لکھی گئی ہیں اور تا قیامت لکھی جاتی رہیں گی۔ ہر مصنف نے کسی نہ کسی پہلو کو خاص طور سے مدنظر رکھ کر اپنی طرز میں لکھا ہے۔ بچوں کیلئے بھی بہت اچھی اچھی سوانح حیات شائع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب "پیارے نبیؐ" بھی بچوں کے لئے نہایت آسان زبان میں ان کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر بچوں کے ادیب اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بہت پرانے کارکن جناب الیاس احمد صاحب مجیبی مرحوم و مغفور نے تصنیف فرمائی تھی جس کے متعدد ایڈیشن ہندوستان اور پاکستان میں دونوں جگہ ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ ہر بچہ کے گھر میں اسکا ہونا باعث برکت ہوگا اور اس کی معلومات کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ ۲ صفحات قیمت۔

بیان انقلاب | یہ بھی "اعلان انقلاب" کے مصنف الحاج مولوی محمد امین خاں صاحب کی تصنیف ہے جس میں سورۂ فاتحہ کی انقلابی تشریح۔ قرآن کی ترتیب پر بحث نزولی۔ رسولی مصحف عثمانی کی ترتیب کے نتائج پر بحث کی قرآن کا پس منظر ہندوستان کے مشہور انقلابی عالم مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے خیالات کا عکس۔ علما کے مطالعہ کے لئے خاص طور سے غور و فکر کی چیز ہے، ۸۸ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ۔

چار ستارے | خلفائے اربعہ کے حالات زندگی پڑھنے سے رسول مقبولؐ کی سچی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کا صحیح نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ایمان میں تازگی پیدا ہو کر اسلام کا اصلی مقصد آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے

حبیب خدا | رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بصیرت افروز حالات پر ایک عمدہ کتاب جو ہر عمر کے مرد و عورت کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ اور جو تحفہ اور انعام کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ قیمت دُو روپے۔

خواتین | مصنفہ مورخ اسلام مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوریؒ جس میں آٹھ صحابیات، چار صالحات، اٹھارہ بیگمات اور تین عالمات کے مستند تاریخی حالات درج ہیں۔ ۲۰۴ صفحات قیمت ساڑھے چار روپے مجلد

دینیات | یہ بلند پایہ کتاب غیر منقسم ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور اور جید علمار اسلام کے بصیرت افروز مضامین کا مجموعہ ہے جن کو پڑھ کر بلاشبہ ایمان تازہ ہوتا ہے۔ نیز ان مشاہیر شعراء کا کلام بھی شامل ہے جنھوں نے اپنے آتشیں کلام سے مسلمانوں کی بیداری کے لئے اپنی عمریں گزاری ہیں۔ میلادالنبی کے خاص جلسوں میں تو اس کا کوئی بھی مضمون عام پڑھے لکھے انسان کے

پڑھنے والے کو کسی بڑے سے بڑے عالم کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بہت نایاب اور مکیاب کتاب ہے۔ کاغذ، کتابت، طباعت سب نہایت اعلیٰ ۔۔۴ صفحات۔ قیمت پانچ روپے۔

سیرۃ قرآنیہ محمد رسول اللہ صلعم | مصنفہ الحاج مولوی محمد اجمل خاں صاحب۔ رسول مقبولؐ کی ہر بات۔ ہر قول و فعل۔ ہر غزوہ آیات کلام اللہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ اس وجہ سے "سیرۃ قرآنیہ" نام رکھا گیا ہے سالہا سال کی دماغ سوزی اور فکر و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ پونے تین سو صفحات مجلد قیمت ساڑھے تین روپے۔

رسول مقبولؐ | جناب مصطفیٰ حسین صاحب منتظر جلیسری کا نعتیہ کلام ہے جس میں ہادی برحق، اللہ کے سچے نبی اور پیغمبر آخر الزمان جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی منقبت میں ایمان تازہ کرنے والی بیشمار نعتیں و سلام ہیں ہر جلسۂ میلاد النبی میں بلکہ ہر محفل میں پڑھنے سے انوار و اکرام کی بارش ہوتی ہے اور رحمت کے فرشتے نازل ہو کر باعث برکت ہوتے ہیں۔ خود پڑھئے۔ دوسروں کو سنائیے اور لطف اندوز ہونے کے علاوہ سعادت دارین حاصل کیجئے۔ ۸۰ صفحات مجلد مع خوشنما و مقدس گرد پوش کے صرف سوا روپے میں۔

صبح امید | امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے منتخب سیاسی تعلیمی اور مذہبی مضامین و خطبات کا مجموعہ دو جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ جس کی تحریری اجازت خود مولانا نے اپنے قلم سے لکھ کر مرحمت فرمائی تھی۔ اس تحریر کا عکسی بلاک بھی شامل کتاب ہے۔ پہلی جلد میں "پیش لفظ" اور "اعتراف عقیدت" کے علاوہ آپ آٹھ اہل نظر اور صاحب بصیرت کے "شیش محل" کی سیر فرما کر بہت محظوظ ہوں گے کہ اب سے چالیس سال پہلے انھوں نے مولانا کی کس قدر صحیح تصویر کھینچی تھی اور کن کن القابوں سے یاد فرمایا تھا۔ خود مولانا نے اپنے حالات کی ایک جھلک "نمود غبار اور جلوۂ سراب" کے تحت دکھائی ہے۔ اس کے بعد مولانا کے بیش بہا مضامین ہیں جن سے ایمان کی حرارت تیز ہوتی ہے اور جن کو پڑھ کر ملک و ملت کی صحیح خدمت اور غلامی کی زنجیریں توڑنے کا سچا جذبہ پیدا ہوا تھا اور خواب غفلت سے ہندی مسلمان بیدار ہو کر جنگ آزادی کے میدان میں نکلا تھا اور جابر بدیشی حکومت کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ یہ مضامین مقاصد اور موضوع کے اعتبار سے پانچ مختلف عنوانات میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ (أ) الہلال کے مقاصد (ب) تعلیم اور تعلیمی اداروں (ج) ادب (د) عالم اسلام (ہ) رشد و ہدایت جس میں ان کا الوداعی پیغام اور آخری تقریر ہے۔ غرض ان کی پوری زندگی کا نچوڑ ہیں۔ پڑھئے اور سر دھنئے۔ سائز ۲۲×۱۸/۸ سطر ۲۳ کاغذ عمدہ سفید، لکھائی چھپائی دیدہ زیب، ایک درجن کے قریب نایاب عکسی تصاویر، صفحات ۳۰۴ مجلد مع دو رنگا گرد پوش، پہلی جلد کی قیمت صرف چھ روپے، دوسری ابھی زیر طبع ہے۔

مآل بصیرت | مصنفہ علامہ مولوی عطاء اللہ صاحب پالوی، اس کتاب کے متعلق اخبارات نے بہت اچھی رائیں لکھی ہیں۔ مفکرین نے اس کتاب کو غور و فکر کے لئے نہایت اہم اور مفید قرار دیا ہے۔ جو مسلمان اپنے آپ کو اس وجہ سے مسلمان نہیں کہلوانا چاہتے کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے مسائل اور نکات کو سمجھ کر مسلمان بننا چاہتے ہیں انہیں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے جس کا ہر مضمون بہتا ہوا دریا ہے اور جس میں قرآن پاک سے سر اسر کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد دو روپے صفحات ۲۴۰ مجلد

مشکلات قرآن کا انقلابی حل | مصنفہ مولوی محمد اجمل خاں صاحب۔ اس میں اسلام اور قرآن کا پس منظر دکھایا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی اصل ترتیب نزولی ہے جس کے بعد کوئی مشکل قرآن کے سمجھنے میں نہیں رہتی اور سیرۃ نبوی اس ترتیب سے صحیح طور سے جلد سمجھ میں آسکتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔ صفحات ۸۰،

نکات قرآن | جامعہ اسلامیہ دہلی کے سابق پروفیسر تاریخ و دینیات مولانا محمد اسلم جیراجپوری مرحوم نے قرآن کریم کے سینکڑوں نکتے بطور سوال و جواب درج کئے ہیں۔ سوال بھی سورۃ وار قرآن میں سے کئے گئے ہیں اور جواب بھی قرآن ہی سے دئے گئے ہیں۔ پڑھنے اور غور کرنے کے متعلق نہایت اہم کتاب ہے۔ قیمت مجلد اڑھائی روپیہ۔ صفحات ۱۹۲

قاعدہ فرقانی | قرآن شریف یا عربی پڑھنا شروع کرنے کے لئے سب سے پہلے عربی کا قاعدہ پڑھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مختلف قاعدے رائج ہیں۔ لیکن قاعدہ بغدادی کا نام بہت زیادہ چلتا ہے۔ تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ اس میں جہاں پرانے طرز سے پڑھانے کی چند خوبیاں پائی جاتی ہیں وہاں اس میں وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے۔ ہم نے اس میں تھوڑا اصلاح و بدل کر کے اس کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ نہ صرف جلد ختم ہو سکے بلکہ پڑھنا بھی آسان ہو جائے۔ چنانچہ اس کو پڑھ لینے کے بعد کلام مجید کو روانی سے پڑھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی اور بچہ نہایت آسانی سے سیپارہ عم پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ رف کاغذ پر صرف پانچ نئے پیسے میں اور عمدہ کاغذ پر دس نئے پیسے میں ملتا ہے۔ (چار روپے اور سات روپے فی سینکڑہ لئے جاتے ہیں)۔

ضروری اطلاع | ہمارے معیاری خطوط کے علاوہ ہر جواب طلب امر کیلئے جوابی پوسٹ کارڈ کیجئے لفافوں میں ٹکٹ یا نوٹ نہ بھیجئے کیونکہ دس روپے تک کے منی آرڈر پر بھی پندرہ نئے پیسے ادا کرنے ہوتے ہیں۔ منیجر سنگم

مثالی حکمران

مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی ناظم دینیات و پروفیسر اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے یہ بے مثل کتاب مرتب فرما کر بہت بڑی اسلامی و قومی خدمت انجام دی ہے۔ عام ہندوؤں اور غیر مسلموں کا تو کیا ذکر مہاتما گاندھی جیسے قابل اور تعلیمیافتہ اور ملک کے سب سے بڑے رہنما تک کو معلوم نہیں تھا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ مسلمان سوائے عیش پرستی کا ڈکٹی اور ظلم و استبداد اور تلوار سے اسلام پھیلانے کے اور کچھ نہیں جانتا لیکن جب انہیں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے علماء کی صحبت نصیب ہوئی اور اسلامی تاریخ کا بغور اور بالتفصیل مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تو پھر تو وہ ایسے گرویدہ ہوگئے کہ بات بات میں ملک کے حکمران طبقہ کو تاکید کیا کرتے تھے کہ حکمرانی کے اصول اور رعایا کی خبر گیری کے طریقے اسلام کے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی زندگی کے حالات پڑھ کر معلوم کرو اور ان پر عمل کرو۔ یہ کتاب اسلام کی کم از کم اٹھارہ نہایت مستند کتابوں کا نچوڑ ہے اور بہت محنت سے پورے اطمینان کے بعد لکھی گئی ہے۔ قرآن پاک کے احکامات بابتہ جمہوریت اور مساوات، شاہ و گدا کے مابین امتیازات، تقسیم دولت و انصاف، رعایا کے حقوق و مراتب، ان کی دلجوئی اور آزادی کی صحیح تصویر اور عملی اقدامات کے خاکے اس کتاب کے مطالعہ سے بہتر اور کسی جگہ نہیں ملیں گے۔ اگرچہ یہ کتاب صرف ۱۲۵ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اسقدر جامع ہے کہ حقیقت میں دریا کو کوزہ میں بند کردیا گیا ہے۔ خود مسلمانوں کو علم نہیں کہ ان کے سلف کیسے بزرگ اور متقی تھے اور کیا وجہ ہے کہ باوجود چاروں طرف سے اتنی تکالیف پہنچنے اور شدید مصائب و آلام کی گھٹاؤں کے اسلام کی روشنی پھیلتی ہی جارہی ہے اور دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے والے اور وحدہٗ لاشریک کے سامنے خاک زمین پر ناک و پیشانی رگڑ کر سجدہ کرنیوالے کا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ خلفائے راشدین کے دور حکومت کی خود ان کے اپنے اور ان کے ماتحت حکمرانوں کے طرز عمل کی ایسی مختصر مگر مستند تاریخ ہے کہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ بھی اس سے بہتر نظام کا دعویٰ یا نمونہ پیش نہیں کرسکتے۔ اس کتاب کو نہ صرف خود پڑھئے بلکہ غیر مسلم احباب کو بطور تحفہ دیجئے۔ خصوصاً عمال حکومت کا کوئی گھر اور کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہیں رہنا چاہیئے۔ فہرست مضامین کتاب کے شروع میں دی گئی ہے۔ قیمت مجلد صرف دو روپیہ۔

قاموس القرآن

انقلابی شہر میرٹھ کے مسلم قاضی اور مشہور عالم و مؤرخ جناب مولانا زین العابدین صاحب سجاد پروفیسر اسلامیات و عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے یہ قرآن کریم کی نہایت مفید اور قابل قدر لغت (ڈکشنری) ہے جو حروف تہجی کے اعتبار سے نہایت کاوش اور محنت سے مرتب کی گئی ہے اور تمام قرآنی الفاظ کے معنی نہایت سادہ اور آسان اردو میں لکھے گئے ہیں بعض مضامین کی تشریح کے علاوہ ضروری حوالے بہت احتیاط سے بقید صفحہ و جلد درج کئے گئے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور استاذ الاساتذہ مولانا محمد اعزاز علی صاحب شیخ الادب دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اسے ملاحظہ فرماتے ہی بہت سی دعاؤں سے بھرا ہوا خط تحریر فرمایا تھا اور یقین کے ساتھ لکھا تھا کہ نہ صرف میں بلکہ اور وہ طبقہ جو فہم قرآن کے لئے بے چین ہے۔ شکر گذار اور دعا گو ہوگا کہ آپ نے ایک سہل اور خالی از خطر راستہ اصلی مقصد تک پہنچنے کے لئے بنا دیا ہے۔

تفسیر قرآن کے نکتہ سنج حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس قاموس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بیان فرمائی تھی کہ وہ محض لغات قرآنی کا حل ہی نہیں ہے بلکہ بہت سے مضامین قرآنی کا بھی ایک قابل قدر ذخیرہ ہے۔ کیونکہ جابجا تشریحی نوٹ ان الفاظ کے استعمالی مفہوم کو سمجھنے کے لئے بھی دئے گئے ہیں جس سے یہ محض لغت ہی نہیں رہی بلکہ قرآنی الفاظ کی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت میں آگئی ہے۔ چنانچہ میں تصدیق کرتا ہوں اور دوسرے اہل علم بزرگوں کی تائید کرتا ہوں کہ جس طرح بھی ہوسکے اس گنج گراں مایہ کی ایک جلد قرآن کریم پڑھنے والے ہر شخص کو اپنے پاس محفوظ رکھنی چاہیئے۔ احقر کے نزدیک اس کی سب سے زیادہ قابل قدر خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم میں جو نام آتے ہیں ان کی لغوی تحقیق کے ساتھ ساتھ انکے مستند حالات بھی مختصر مگر جامع طور سے تفسیری اور دلچسپ انداز میں بیان

ہمارا مشورہ بطور آزمائش قبول کیجئے کہ "سنگم" کے پچھلے پرچے ضرور پڑھئے کیونکہ

(۱) یہ پرچے مفید معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہیں۔
(۲) ہر پرچہ بطور خود ایک مکمل کتاب کی طرح ہے۔
(۳) کسی پرچہ کے مضامین کا تعلق کسی پچھلے یا اگلے پرچہ سے نہیں ہے یعنی کسی مضمون میں "باقی آئندہ" کا جھگڑا نہیں ہے۔
(۴) ہر مضمون مسلسل ہے کسی میں یہ نہیں ملیگا کہ "بقیہ ملاحظہ ہو فلاں صفحہ پر" اور ایسی خوبی ہے کہ سوائے "سنگم" کے کسی اور رسالہ یا اخبار میں آپ کو نہیں ملے گی۔
(۵) کسی پرچہ کا کاغذ اخباری نہیں ہے بلکہ نہایت عمدہ اور سفید ہے۔
(۶) ہر پرچہ کا سرورق مختلف رنگوں میں ہوتا ہے اور اس پر کسی نہ کسی مصنف یا قومی رہنما کی فوٹو گرافک تصویر بھی ہوتی ہے جسکے مختصر حالات اندر پرچہ میں درج ہوتے ہیں۔
(۷) اکثر پرچوں میں کئی اور تاریخی تصاویر کے بلاک مع انکی تشریح اور وضاحت کے ہوتے ہیں۔
(۸) کوئی مضمون مخرب اخلاق نہیں ہوتا بلکہ بچوں اور بڑوں دونوں کے اخلاق کو بلند کرنے میں بیحد حکم رکھتا ہے
(۹) یقین جانئے "سنگم" کا مقصد روپیہ کمانا نہیں بلکہ محض اردو کی خدمت اسکا نصب العین ہے۔
(۱۰) بچوں اور طالب علموں کے لئے خاص طور سے اسکا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔
(۱۱) اس کے نام کے حروف ہیں س۔ ن۔ گ۔ م۔ یعنی سچائی نیکی گیان اور محبت کا ثبوت نہ ملا ہو تو ہم کل رقم مع محصولڈاک کی رقم کے واپس کردیں گے۔
(۱۲) ایک جلد کا مکمل سٹ ڈو روپے میں مع محصولڈاک بذریعہ رجسٹری بھیجا جائیگا۔
سنگم پال سبھا کے ممبروں کو جو تھائی رقم معاف!

کو سمجھ سکیں۔ اسی طرح مقامات کی بھی تشریح کر دی گئی ہے۔ اور جغرافی اعتبار سے ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اس طرح یہ قاموس القرآن مختصر قصص القرآن اور ارض القرآن بھی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تحریر کے مطابق مصنف کی تمام قابل قدر اور مقبول تصانیف میں قاموس القرآن سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ آٹھ سو صفحات کی مجلد کتاب صرف نو روپے میں کوڑیوں کے مول ہے جبکہ نہایت عمدہ کتابت وطباعت سے اعلیٰ قسم کے سفید کاغذ پر موتی بکھرے ہوئے ہیں۔

بیان اللسان | عربی اردو ڈکشنری (لغت) جناب الحاج مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی کی بے نظیر اور مقبول عام تصنیف ہے جو نہایت محنت سے مرتب کی گئی ہے۔ طلبا اور عام شائقین عربی سب کے لئے یکساں مفید اور ضروری کتاب ہے۔ اس کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) تیس ہزار قدیم و جدید عربی لغات و محاورات کا جامع ذخیرہ (۲) قرآن کریم کے تمام لغات و اصطلاحات کا مجموعہ (۳) مصر و شام و دیگر عربی اخبارات و رسائل کے جدید الفاظ کی تشریح (۴) ہر لفظ کی (مادہ سے قطع نظر) اپنی اصل صورت میں انگریزی ڈکشنریوں کے طرز پر ترتیب (۵) ہر عربی لفظ پر اعراب (زبر زیر پیش) (۶) ہر لغت سے متعلق ضروری امور، واحد، جمع، مذکر، مونث، باب و صلہ وغیرہ (۷) بہ نظر اختصار اشارات و رموز کا استعمال، (۸) زبان سادہ و سلیس (۹) شروع میں قواعد عربی پر مشتمل ایک جامع رسالہ (۱۰) سب سے زیادہ اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے قلم سے محققانہ مبسوط مقدمہ بھی ہے (۱۱) جن مشاہیر علم و قلم نے کتاب کے محاسن کا پرزور الفاظ میں اعتراف کیا ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جن پر کسی قسم کا شک و شبہ کیا جائے۔ مثلاً

شیخ الاسلام حضرت علامہ حسین احمد صاحب مدنی، مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندی، حضرت مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب فرنگی محلی۔ رحمہم اللہ اجمعین، مولانا نیاز فتحپوری، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، مولانا نصراللہ خاں صاحب عزیز، پرنسپل ڈاکٹر عبداللہ صاحب ایم۔اے وغیرہ

(۱۲) اس کتاب کی خوبی اور عمدگی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ صفحات نو سو کتابت وطباعت نہایت عمدہ کاغذ اعلیٰ قسم سفید چکنا مضبوط سرورق رنگین قیمت مجلد صرف دس روپے۔

جواہر ملیہ | یہ چھوٹا سا ۳۲ صفحہ کا منظوم کتابچہ جس میں سے ایک مثنوی "شمع ملت" کا ایک بند ماہ جولائی ۱۹۵۵ء کے سنگم میں اور دوبارہ اکتوبر ۱۹۶۱ء کے پرچہ میں نقل کر کے بطور نمونہ اس لئے شائع کیا جا چکا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن نشین یہ امر اچھی طرح ہو جائے کہ قرآن کریم پر عمل پیرا نہ ہونے سے ان کی کیا حالت ہو گئی ہے مسلمانان ہند کی قومی اور ملی جدوجہد کی عکسی تصویر ہے۔ اور اُس زمانہ کی سرفروشی اور انگریزی ظلم و استبداد کے مصائب اور قید و بند کی انتہائی سختیاں برداشت کرنیکا ناقابل تردید اعتراف ہے جبکہ تحریک عدم تعاون (نان کوآپریشن) کا نام نشان تک نہیں تھا اور گاندھی جی بھی افریقہ سے ہندوستان آئے نہیں تھے۔ یہ کتاب دس منتخب سیاسی، ملی اور تاریخی نظموں پر مشتمل ہے جن سے بیان میں پختگی اور انسان کی رگوں میں جذبۂ عمل کے ساتھ خون کی روانی بڑھتی ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے نہایت ہردلعزیز اور قابل مورخ و مفکر اسلام جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری مرحوم و مغفور کے اس زمانہ کی فکر طبع کا نتیجہ ہے جبکہ وہ علیگڑھ کالج میں (مسلم یونیورسٹی بننے سے پہلے) درس دیتے تھے۔ اسمیں آپ کو علی برادران کی ان شاندار اور سرفروشانہ خدمات کا اعتراف بھی ملیگا جن کا ذکر انگریزی دور میں تو قدرتاً جرم اور قابل گرفت تھا ہی لیکن اب بھی اُن کے ہی خون سے سینچی ہوئی آزادی کے زمانہ میں ان کا نام تک لینا خود اپنوں ہی کے دلوں میں رعشہ اور لرزہ پیدا کر دیتا ہے۔ ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند مولانا محمد علی اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی مرحوم جن کا ڈنکا پشاور سے راس کماری تک تحریک خلافت و عدم تعاون کے زمانہ میں نہایت شدومد کے ساتھ بجتا رہا ہے۔ مولانا اسلم کے بہت معتقد تھے اور بہت عزت کرتے تھے۔ علی برادران کی گرفتاری اور قید و بند سے رہائی کے موقعوں پر گویا ہر موقعہ پر مولانا نے ان دونوں بھائیوں کی شان میں قصیدے لکھے جو ہزاروں کے مجمع میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ پڑھے گئے۔ اس کے علاوہ مختلف قومی و ملکی تحریکوں سے متاثر ہو کر آپنے اپنے خیالات کا اظہار جن اشعار میں کیا ہے وہ سب محفوظ کر لئے گئے۔ بعض پرانے تاریخی واقعات کو بھی آپنے نظم فرمایا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں جب تحریک خلافت و ترک موالات شروع ہو چکی تھی تو مولانا نے "شمع ملت" کے نام سے ایک مثنوی تصنیف فرمائی تھی جو اس کتاب میں خاص چیز ہے اور جو اب بھی اتنی ہی سبق آموز ہے جتنی چالیس سال پہلے تھی۔ سنگم کتاب گھر سے صرف چالیس نئے پیسے میں منگا کر ایمان تازہ کیجئے اور ان کی ملکی و ملی جانبازیوں پر بالعموم متلاشیان اقتدار، محسن کشوں وطلاد کانگریس کی اسلام فروشی اور محسن کشی پر ماتم کیجئے۔

آہنگ سرمدی | یہ کتاب سری کرشن جی کی مقدس کتاب گیتا کا منظوم

ترجمہ ہے جو "عرفان مختوم" یا "آہنگ سرودی" کے نام سے جناب آلم مظفر نگری نے نہایت عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ شروع میں پیش لفظ "حرف تحسین" کے عنوان سے ۱۶ صفحات میں اس مقدس کتاب کے متعلق تفصیلی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہے۔ آلم صاحب لکھتے ہیں کہ "گیتا" فلسفہ ہنود کی ایک قدیم اور مستند کتاب ہے۔ اگرچہ اس کا مرتبہ ویدوں کے بعد ہی سمجھنا چاہیئے لیکن اس کی بعض خصوصیات اتنی ممتاز اور اعلیٰ ہیں جن کی وجہ سے اسکو ویدوں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ دنیا کی کئی مشہور اور قدیم زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ عہد اکبری میں علامہ فیضی نے فارسی زبان میں اس کا منظوم ترجمہ کیا اور ایسا کہ زبان و بیان کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں چونکہ علامہ موصوف سنسکرت، عربی اور فارسی کے متبحر عالم تھے اور ان کی شاعرانہ حیثیت بھی مسلم تھی اس لئے ان کا ترجمہ ہر طرح سے بہتر سمجھا جانا چاہیئے اور گیتا کا مقصود جیسا فیضی کی مثنوی سے سمجھا جا سکتا ہے کسی اور کتاب سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ عرصہ سے میرا خیال تھا کہ اگر علامہ فیضی کی مثنوی کا اردو میں ترجمہ کر دیا جائے تو جو حضرات سنسکرت اور فارسی سے ناواقف ہیں ان کے لئے بیحد مفید ہوگا۔ اسمیں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام خود کر سکیں گے۔

اس کتاب میں اٹھارہ ابواب ہیں، اور جہاں تک مضامین کا تعلق ہے وہ عمل بے غرض، محبت الٰہی اور عرفان حقیقی کی تائید و تشریح پر مشتمل ہیں عمل بے غرض کی تلقین کا نام گیتا میں "کرم یوگ" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے بغیر کسی بھی عبادت و ریاضت سے کوئی مفید ثمرہ مرتب نہیں ہو سکتا۔

جنگ مہابھارت کے زمانہ میں سری کرشن جی نے ارجن کو بطور وعظ گیتا سنا کر تلقین کی تھی کہ اپنے گمراہ بھائی سے جنگ نہ کرنا درحقیقت نفس پرستی اور تفوق پر مبنی ہے جو بھائی سے جنگ کرنے کے مقابلہ میں زیادہ عظیم گناہ ہے گیتا تزکیۂ نفس کی اور نیکی و بخیل کی لعنت کی تعلیم دیتی ہے فیضی کے منظوم ترجمہ کے علاوہ تین اور کتابوں کو مؤلف نے پیش نظر رکھا ہے (۱) گیتا سبود دھنی کا فارسی ترجمہ از لالہ بہاما مل (۲) گیتا اور قرآن از پنڈت سندر لال (۳) گیتا رہسیہ مؤلفہ تلک آنجہانی جسکا اردو ترجمہ جناب شانتی نارائن نے کیا ہے۔ اس کتاب کے ناشر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ہے جو جمعیۃ العلماء کے چوٹی کے اراکین کا ادارہ ہے جس کے ایک رکن محترم چودھری چرن سنگھ وزیر اتر پردیش کے معطون مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب مرحوم و مغفور بھی تھے، ۲۰۰ صفحات کی یہ مجلد کتاب مع گرد پوش کے نہایت عمدہ دبیز کاغذ پر اعلیٰ کتابت و طباعت کے ساتھ سترہ سطری مسطر پر شائع ہوئی ہے جس کے لیے صرف دو روپے بہت مناسب قیمت رکھی گئی ہے۔

ہم امر ہیں | اس کتاب پر مرکزی حکومت کی طرف سے محمد خلیق صاحب صدیقی ایم۔ اے انچارج رکن شعبہ تصنیف و تالیف ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کو انعام مرحمت فرمایا گیا تھا۔

یہ نہایت لطیف پیرایہ میں ایک خواب کی صورت میں مغل بادشاہ بہادر شاہ کے وقت سے حصول آزادی ۱۹۴۷ء تک جنگ کی داستان ہے کہ کس کس طرح ملک کو غیر ملکی سامراجیوں سے آزاد کرانے کی جد و جہد کی گئی تھی۔ یہ ایک سادھو اور ایک مسلم فقیر کے خاموش کام کی کہانی ہے جس میں بعد کو ایک تیسرا فقیر بھی شامل ہو گیا تھا جس کا نام موہن داس کرم چند گاندھی تھا نیز کانگریس کے قیام ۱۸۸۵ء کو نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ ہندو مسلم تفرقہ پیدا کرنے کی پیشین گوئی جو سادھو نے کی تھی اور کانگریس کو کمزور کرنے کی جو ترکیبیں انگریزی سرکار نے کی تھیں اس کا صحیح خاکہ جو مصنف نے اپنے خواب میں خود دونوں فقیروں کے ساتھ رہ کر حاصل کیا تھا۔ اس کتاب میں آپ کو حرف بہ حرف صحیح نظر آئیگا فی الحال گذشتہ جنگ آزادی کی صد سالہ تاریخ خواب کی شکل میں پیش کی گئی ہے۔ ۲۰×۲۰ سائز کے نہایت قیمتی کاغذ پر بیس سطری مسطر پر بہترین لکھائی چھپائی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ مصنف نے بصورت خاص اس کو شائع کرنے کی اجازت سنگم کتاب گھر کو دی تھی۔ پورے صفحات کی چار تصویریں بھی بلاک کے ذریعہ چھاپ کر شامل کتاب کرنے سے اسکی قدر و قیمت میں اضافہ کا باعث ہوا ہے اس کی سرکاری منظور شدہ قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے لیکن "سنگم" نے عوام کی سہولت اور دلچسپی کے لئے نصف قیمت کر دی ہے۔

آدمی | یہ کتاب بھی محمد خلیق صاحب صدیقی کی تصنیف ہے اور مرکزی حکومت کی طرف سے انعام کی مستحق قرار دی گئی تھی اور اردو و ہندی دونوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ نہایت اعلیٰ کاغذ پر بہت خوشخط چھپی ہے اور تقریباً ہر صفحہ پر بلاک کی رنگدار تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اب سے لاکھوں برس پہلے آج جیسی نہ آدمی کی صورت تھی اور نہ آج کل جیسا اس کا رہن سہن تھا۔ یہ صورت اور رہن سہن لاکھوں برس کی رفتہ رفتہ تبدیلی کے بعد پایا ہے اور یہ تبدیلی کیسے ہوئی؟

اس کتاب کی تیاری میں انگریزی کی آٹھ مشہور کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ جن کے نام مع مصنفین کے کتاب کے آخر میں بطور حوالے درج

کر دیئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں انسان کی اب تک کی ترقی اور معاشرت کا ذکر ہے اس کا سائز بھی ۲۰×۲۷ ہے اور مسطر بھی ۲۰ سطری ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ ٹائٹل سب اعلیٰ درجہ کے "ہمارے ہیں" کی طرح ہیں۔ حکومت نے اس کی قیمت سوا روپیہ منظور کی تھی مگر "سنگم" نے عوام کے نقطۂ نظر سے اس کی بھی قیمت چھہتر نئے پیسے کر دی ہے (خواہ اردو کی لیجئے خواہ ہندی کی)

جامعہ کی چند کھوپڑیاں

از نمونہ انشائے برکت علی سابق استاد ریاضی جامعہ

یہ کتاب جامعہ کے اس کارکن کی فکر طبع کا نتیجہ ہے جس نے ملک کی آزادی کی ہر تحریک میں ابتدا سے آخر تک سرفروشانہ حصہ لیا اور قید و بند کی سب منزلیں طے کیں اور جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے وقت علی گڑھ کالج کی جامع مسجد میں (مسلم یونیورسٹی بننے سے پہلے) ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء بروز جمعۃ المبارک حاضر تھا جس نے حضرت شیخ الہندؒ کا بصیرت افروز خطبہ اور مولانا محمد علی جوہرؒ کی ولولہ انگیز اور رقت آمیز تقریر سنی تھی اور جس نے تحریک ترک موالات دہاں کی ملازمت ترک کر کے جامعہ میں آکر بوجہ قلت مکان ایک سلسلہ میں قیام کو قیصر و کسریٰ کے محل سے زیادہ آرام دہ سمجھا تھا حصول آزادی کے مقصد کے بعد جب زمانہ نے نئی کروٹ بدلی اور حالات نے پلٹا کھایا تو بنیادی مقاصد کو خود کارپردازان جامعہ کے ہاتھوں چند کاغذی سکوں کے بدلے حکومت کے قدموں میں بھینٹ چڑھتے دیکھ کر اس سے نہ رہا گیا اور ایک ہیجانی کیفیت ملک میں پیدا ہو گئی اور پرانے کارکنوں کا نام و نشان مٹایا جانے لگا تو خیال پیدا ہوا کہ ان نیک طبع اور بزرگ ہستیوں کا نام محفوظ رکھنے کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ یادداشت مرتب کرنی چاہیئے۔ اور اس کو ہر خواہشمند اور شائق کی آسانی کے لئے چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کر دینا چاہیئے۔ نیز ایک صاحب کے متعلق جن کے حالات سے کچھ غیر معمولی دلچسپی لئے جانے کی توقع ہے ان کی خاص خصوصیت کو اجاگر کر کے دکھایا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ کتاب ہے جو جامعہ کے چہل سالہ غیر متوقع خصوصی جشن منانے کے موقع پر اس کے یوم التاسیس یعنی ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو شائع کی گئی تھی جس میں ایک درجن اصحاب کا ذکر ہے جن کا تعلق جامعہ کے ابتدائی دور سے تھا بلکہ ان میں سے دو تو اب تک موجود ہیں۔ ہر شخص کی خصوصیت پڑھ کر نہ صرف آپ محظوظ ہوں گے بلکہ حیرت میں رہ جائیں گے۔ جامعہ کے مدرسہ ثانوی کے استاد ریاضی ماسٹر برکت علی صاحب جو آزادی کے دس سال بعد جامعہ سے علیحدہ ہو کر اپنے تمام عزیزوں کے پاس (جو سب کے سب "ہجرت" کر گئے تھے) پاکستان چلے گئے اور وہاں انہیں زبردستی "جامعہ تعلیم ملی ملیر کراچی" میں کام کرنے پر آمادہ کر لیا گیا۔ ایک خاص اصول کے انسان تھے اور ان کا طرز تحریر بھی چونکہ ایک خاص اسلوب لئے ہوئے تھا اس لئے ان کے حالات قدرے تفصیل کے ساتھ مع ان کے نوک پلاک کی تصویر کے شائع کئے گئے ہیں۔ تمام طلباء ان کا ادب و احترام کرتے تھے بلکہ تمام اساتذہ بھی ان کی خوبیوں کے معترف تھے۔

اس کتاب کا نام رکھنے کی وجہ بھی نہایت وضاحت سے اس میں درج کر دی گئی ہے۔ اسکے مضامین کی قدر و قیمت اس کے "ڈیڈیکیشن" (معنون) سے معلوم ہو سکتی ہے جسکو ہو بہو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اپنے ان مخلص اور انتھک ساتھیوں کے نام

" جنھوں نے جامعہ کے ڈیروں اور جھونپڑیوں میں فاقہ مستی کے ساتھ مسرت و انبساط کی وہ زندگی بسر کی جو اب سر بفلک عمارتوں والوں کو اپنے سیم و زر کے باوجود میسر نہیں ۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔ ۔ اور

جن کے جلائے ہوئے مٹی کے ٹمٹماتے دیوں نے اپنی پرکیف روشنی سے سارے ملک کو اس قدر جاگر کر دیا تھا کہ اس میں آجکل کی تیز سے تیز روشنی والے قمقموں کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ بصارت کی قوت اور بصیرت کی دولت دکھائی دیتی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ نیز

جن کی نحیف و کمزور ہڈیوں کی بنیادوں پر نام و نمود کے قلعے تعمیر کرنے والوں کو باد صبا ہمیشہ یہ سبق آموز پیغام پہنچاتی رہے گی کہ بے بسی اور کس مپرسی کے دور میں بھی ملک و ملت کی آبرو صرف خاموشی اور بے نفسی سے کام کرنے والے ہی حاصل کر سکتے اور قائم رکھ سکتے ہیں!! (فلو)

۵۲ صفحات ۱۹ سطری مسطر نہایت اعلیٰ کاغذ بہترین کتابت و طباعت قیمت ۷۵ نئے پیسے۔

حکایات گاندھی

گاندھی جی کی روزمرہ کی زندگی کے بعض واقعات جو دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی، ملک کے مشہور ادیب و شاعر جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب فرمائے ہیں جسے "حکایات گاندھی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

افسر صاحب نفسیات اور تعلیمات کے ماہر ہیں اور بچوں کے مذاق سے بخوبی واقف ہیں، یہ کتاب نہ صرف بچوں کا کیرکٹر بنانے میں مدد و معاون ثابت

ہوگی بلکہ بڑوں کے لئے بھی بیحد دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اس میں آپ کو گاندھی جی کی حق گوئی۔ خدا پرستی۔ عدم تشدد۔ انصاف۔ شرافت و ظرافت کی جیتی جاگتی تصویر نظر آئے گی اور آپ کو معلوم ہوگا کہ گاندھی جی اپنی وضع کے کس قدر پابند تھے اور جو اصول زندگی انھوں نے اپنے لئے مقرر کر لئے تھے ان سے دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں نہیں ہٹا سکی۔ ہندوستان کے ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ تحفہ یا انعام کے طور پر دینا تو بچے کے لئے بہت زیادہ مسرت کا باعث ہوگا۔ گاندھی جی کا فوٹو بلاک بھی شامل کتاب ہے کتابت و طباعت سب شمع کے معیار کے مطابق، ۵۶ صفحات۔ قیمت صرف ساڑھے چھ پیسے۔

کے بجے ہیں؟

جب دنیا میں کوئی گھڑی نہ تھی ——— ایک بھی نہیں ——— نہ اسپرنگ سے چلنے والی۔ نہ کلن سے چلنے والی تو لوگ وقت کیسے معلوم کرتے ہونگے؟ جناب محمد انس صاحب لکچرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے نہایت دلچسپ کہانی کے انداز میں گھڑی کی کہانی لکھی ہے۔ جس میں پرانے وقتوں کی تمام قسموں کی گھڑیوں کا حال مع تصاویر کے درج کیا ہے۔ اسی صفحے کی کتاب نہایت خوشنما ٹائیٹل۔ بہترین لکھائی چھپائی۔ سفید کاغذ۔ قیمت نوے نئے پیسے۔

تاریخ آزاد پٹھان جلد اول×

صوبہ سرحد مغربی پاکستان اور قبائلی علاقہ سے متعلق نہایت دلچسپ اور معلوماتی حقائق اس کتاب میں نہایت محنت اور قابلیت سے جمع کئے گئے ہیں۔ انگریزوں کی چیرہ دستیوں چال بازیوں اور پٹھانوں کے جذبہ اور جوش جہاد کا بالتفصیل ذکر اس میں ملے گا۔ یہ مسئلہ کہ افغان اور پٹھان کون ہیں ہمیشہ متنازعہ فیہ رہا ہے۔ اس کا حل نہایت قابل قدر طریقہ سے کیا گیا ہے۔

یہ آزاد قبائل کی پہلی اور نہایت مستند تاریخ ہے۔ سرداران قبائل کے چہرے اس کتاب کو دیکھ کر چمک اٹھے۔ جناب جنرل ایوب خاں صدر مملکت پاکستان نے بطور انعام کے مصنف کتاب جناب اللہ بخش یوسفی صاحب کو نقد عطیہ سے نوازا ہے۔ پاکستان کے تمام اخبارات۔ وزراء اور زعماء ملت نے اس پر بہت اچھی آرا کا اظہار کیا ہے۔ متعدد تصاویر سے بھی مزین ہے۔ قیمت ساڑھے چار روپے جلد مع گرد پوش ساڑھے تین سو صفحات، سب سے زیادہ قابل مسرت یہ امر ہے کہ مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی تین ہٹی کراچی نے اس تاریخ کا قابل قدر سلسلہ شروع کیا ہے جو نہایت مقبول ہوا ہے اور اقتباسات کی شکل اور ضخیم جلدیں شکل میں نکل چکی ہیں جس کے لئے محترم یوسفی صاحب قابل مبارکباد ہیں۔

جانوروں کی عقلمندی

حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی نہایت مشہور مصنف ہیں۔ ان کی تمام تصانیف بہت سی بہترین کتابوں سے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد نہایت محنت سے لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ نفسیات کے ماہر ہیں اس لئے انہیں ہمیشہ اس کا احساس رہتا ہے کہ ان کی کتاب کسی خاص طبقہ کے لئے ہی نہ ہو بلکہ سماجی اعتبار سے اس کے پڑھنے والوں کی عمر، قابلیت اور ان کے ماحول کے مطابق ہو اور ایسی آسان زبان ہو جسے لوگ عام طور سے روزمرہ بولتے اور سمجھتے ہوں اور ایسی دلچسپ ہو کہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے اسے نہ چھوڑا جا سکے۔

انسان ہی عقلمند نہیں ہوتا بلکہ جانور بھی اپنی ضرورت کے مطابق کافی ذہین اور عقلمند ہوتے ہیں بس فرق اتنا ہے کہ جانور انسان کی طرح بات چیت نہیں کر سکتے مگر وہ مختلف آوازوں سے ہی ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھا کر اپنا کام بخوبی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں تیس کے قریب جانوروں کی عقلمندی اور ان کے عجیب و غریب کارناموں کو واقعات کی روشنی میں نہایت دلچسپ طور سے بیان کر کے پیش کیا گیا ہے۔ ہر صاحب عقل کی رائے میں اچھے مصنف کی خدمت کا اعتراف اس کی تصنیف کا ہر کتب خانہ اور ہر گھر میں موجود ہونے کے سوا اور کسی صورت سے ممکن نہیں۔ اس لئے جانوروں کی عقلمندی پڑھ کر آپ اپنے بچوں کو بتا سکتے ہیں کہ عقل کیا چیز ہے اور جانوروں سے ہم کیا کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ۱۹ سطری مسطر پر اور نہایت عمدہ کاغذ پر بہترین چھپی ہوئی ہے۔ ۳۶ صفحے مع دو رنگا سرورق قیمت۔ صرف ۔۔ پیسے

ضروری نوٹ

اس فہرست میں کتابوں کی صرف قیمتیں درج ہیں محصول ڈاک یا محصول ریلوے پارسل اسکے علاوہ ہے زیادہ فرمائش کی کتابوں پر اکثر اوقات کمیشن کے علاوہ محصول میں بھی رعایت کر دی جاتی ہے۔ شمع کی سب کتابیں مجلد ہوتی ہیں، دوسرے ناشرین کی کتابیں جو بہت زیادہ ضخامت کی ہوتی ہیں یا آٹھ یا نو سو صفحات کی وہ محصول ڈاک بڑھ جانے کے خیال سے یا قیمت میں اضافہ کی وجہ سے غیر مجلد بھی ملتی ہیں۔ لہٰذا فرمائش کرتے وقت مجلد غیر مجلد کی وضاحت کر دینی چاہیئے۔ پتہ خصوصاً ڈاک خانہ یا قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام نہایت خوشخط اور صاف لکھنا چاہیئے۔ بہتر ہو انگریزی کے بڑے حروف میں بھی لکھا جائے ذیل

[illegible]

ماہنامہ

جامعہ نگر۔ نئی دہلی

چیف ایڈیٹر و نگراں:۔
خواجہ حافظ فیاض الحق پانی پتی
ایڈیٹر:۔
خواجہ ذکی احمد بی اے جامعہ

سالانہ چندہ
سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ بیس نئے پیسے
(وی پی نہیں بھیجا جائے گا)

پاکستان میں زر چندہ وصول کرنے کے مجاز:۔
(۱) جنرل کمرشل بک کمپنی چوک دال گراں ریلوے روڈ۔ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر کوآپریٹو سوسائٹی یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی نمبر ۵

جلد ۵ | بابت یکم ستمبر ۱۹۶۲ء مطابق یکم ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ بمطابق ... سموات ۲۰۱۹ بکری ... شمارہ ۴۳

اشتباہ اور دعا

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے | پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے | کوئی ان میں سوتا کوئی جاگتا ہے

جو سوتے ہیں مست خواب گراں ہیں | جو بیدار ہیں ان پہ خندہ زناں ہیں
کوئی ان سے پوچھے کہ اے ہوش والو! | کس امید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو؟
برا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو | نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو
بچو گے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے | اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

الٰہی بحق رسول تہامی[1] | ہر ایک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی
چلے دور لے جو بیک تھے سب گرامی | ہوا بڑھتے گی وہ بھی دشامی
شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا | بروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا
طفیل اس کا اور اس کی عترت کا یا رب | پکڑ ہاتھ جلد اس کی امت کا یا رب
اک ابر اس پہ بھیج اپنی رحمت کا یا رب | غبار اس کے جو دھوئے ذلت کا یا رب
کہ امت کو ہے تنگ ہستی سے اس کی | ہوا پست اسلام پستی سے اس کی
بچا ان کو اس ننگ نامے بلا سے | کہ رستہ ہو گم رہرو و رہنما سے
نہ امید یاری ہو یار آشنا سے | نہ چشم اعانت ہو دست دعا سے
چھپے دل اس جہاں فقیر جہاں میں | دلوں میں شیاطین کی ہا سر جہاں میں
انہیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے | ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دے
کہیں گا و بازی دوراں دکھا دے | جو ہونا ہے کل آج ان کو سمجھا دے
چھٹیں پاٹ لیں تاکہ باراں سے پہلے
سفینہ بچا رکھیں طوفاں سے پہلے (از مسدس حالی پانی پتی)

[1] تہامی، تہامہ کا رہنے والا جو حجاز کے مشرقی حصہ کا نام ہے اس میں علاوہ اور شہروں کے مدینہ منورہ بھی شامل ہے ... ذرتی۔ ... کا رہنے والا ... عترت یعنی اولاد۔

بارگاہ محمد میں

نذرِ عقیدت

(از ماتا بھگوان داس صاحب بھگوان)

کلام اللہ تلاوت و محبوب خدا ہاشمی | محمد مصطفیٰ دمنزل صلی علیٰ ہاشمی
امام المرسلین ختم النبیین جلوہ یزداں | فروغ دو جہاں شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ ہاشمی
مجسم تاللہ بذات نور بعزہاں شان تو | امین راز توحید و حبیب کبریا ہاشمی
توئی مصدرِ قرآنی توئی سرِ یزدانی | نقیب صحبت یزداں رسول دو سرا ہاشمی
توئی ہادی و آخر توئی در ظاہر و باطن | توئی مولا توئی والی امیر اتقیا ہاشمی
کلیم و عیسیٰ و یحییٰ، خلیل و آدم و نوحی | سلام اے خواجہ بطحیٰ کہ فخر انبیا ہاشمی
سلام اے ہادیِ انساں سلام اے خواجہ کیہاں
خدا کے پاک نام تو محمد مصطفیٰ ہاشمی

(الجمعیۃ دہلی ... ایڈیشن ...)

فہرست مضامین

خواجہ ذکی احمد ... جامعہ نگر ... نے دفتر ... سے شائع کیا ...

اشارات و کنایاتِ "سنگم"

دعا: رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝ وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝

(ترجمہ) اے پروردگار! عطا فرما مجھ کو حکمت اور ملا مجھ کو نیک بندوں میں، اور رکھ میرے لئے ذکرِ خیر بعد کے آنے والوں میں (الشعراء آیت ۸۳-۸۴)

"ایمرجنسی" زمان رسالہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا کہ چھپنی مضمون کے سلسلہ میں صدر جمہوریہ عزت مآب جناب ڈاکٹر فخرالدین علی احمد صاحب کا ملکی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے تحت "ایمرجنسی" زمان (ہنگامی حالات) کا اعلان ہو گیا۔ اس لئے ہمیں پرچہ کی ترتیب کو بدلنا پڑا اور تقدم و تاخر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہٰذا سب سے پہلے ہم

پاکستان والوں سے

پہلی مرتبہ چند کلمات عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پرچہ سیاسی نہیں ہے اور نہ ہم رموزِ مملکت سے واقف ہیں یا واقف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اپنی فرد فروں کو اپنے حسبِ حال پورا ہوتا نہ دیکھتے ہوئے اختلافِ رائے یا مشورہ کے طور پر وقتاً فوقتاً اپنا خیال ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں اس کا پورا یقین اور احساس رہتا ہے کہ ہمیں اگر کوئی تکلیف "اپنوں" سے یا حکومت سے کہ وہ بھی "اپنی" ہی ہے پہنچتی تو وہ ہمارے اپنے گناہوں اور اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم خود اپنے انفرادی طور سے یا مجموعی طور سے غور کرنے کی ضرورت سمجھتے ہیں دوسرے کو بعد میں مورد الزام قرار دیتے ہیں۔ سیاست کے پچھلے دور میں اور جنگِ آزادی کے زمانہ میں ہمارے سب سے بڑے رہنما مہاتما گاندھی نے جب کبھی کوئی پروگرام شروع کیا اور اس تحریک میں ان کی توقعات کے خلاف ملک کے کسی حصہ سے یا پبلک کے کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ سے گڑبڑ کا اظہار ہوا تو انہوں نے نہ صرف تحریک کو ملتوی کرنے یا ختم کرنے کا اعلان کیا بلکہ اسے اپنی کسی نامعلوم کوتاہی پر محمول کر کے تزکیۂ نفس کے لئے برت رکھنا شروع کر دیا جس کا سلسلہ لگاتار کئی دن تک جاری رہتا تا آنکہ ملک کے معتمد اصحاب آکر انہیں یقین دلاتے اور وعدہ کرتے کہ وہ اس بدعملی کا پورا پورا تدارک کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور جب انہیں پوری طرح اطمینان ہو جاتا تب وہ کھانا پینا شروع کرتے۔ اسی چیز کو ہم مدِ نظر رکھتے ہیں لیکن صرف خیالی طور سے عملی طور پر نہیں۔ بہر حال اس وقت کسی کو مورد الزام قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ تلخی کو کم کرنے کی ضرورت ہے لیکن بغیر صحیح بات سے ابتدا کئے کام نہیں چلتا۔

کون شخص ہے جو ملک کے بٹوارہ سے خوش ہے؟ یہ کیوں ہوا؟ اس کی ابتدا ایک گمراہ کن نام سے ہوئی جسے "ڈائرکٹ ایکشن ڈے" سے موسوم کر کے اعلان کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ محرک کا وہ منشا نہ ہو جو اس خوفناک نام سے ظاہر ہوتا ہے مگر جب مسلمان ہی سہمے میں پڑ گئے تھے کہ یا الٰہی! اس کا انجام کیا ہوگا تو ہندوؤں کا تو یقیناً بہت زیادہ چوکنا ہو جانا قدرتاً لازمی امر تھا اور ہندو بھی کون ہندو؟ وہ جنہوں نے انگریز کو اپنی قوتِ عمل سے مجبور کر دیا تھا کہ وہ بنگال کی تنسیخ کا اعلان کرے۔ چنانچہ ڈائرکٹ ایکشن کی تاریخ مقرر ہوتے ہی مشارٌ الیہ جماعت نے جان کی بازی لگا کر مقابلہ کی تیاری شروع کر دی اور اس طرح بے گناہ لوگوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور پھر ہوا! راولپنڈی میں اس گھمنڈ بھری کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ اس سے انتہائی کشیدگی اور عمر بھر کے لئے تنفر اور حقارت آمیز ذلت کے سوا اور کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ اس کے باوجود بھی اس ہلاکت آفریں تحریک کے بانی نے تمام خونی "تماشہ" دیکھنے کے بعد گاندھی جی کی رفاقت کی خواہش کا اظہار کیا جسے قومی یک جہتی کے علمبردار اور اتفاق و اتحاد کے مجسم فرشتہ خصلت انسان نے بغیر کسی تامل اور پس و پیش کے اپنے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح رکھ کر ملک میں دورہ کرنا شروع کر دیا اور دلوں کی تلخی دور کرنے کی جد و جہد کا عزم کر لیا۔ یہ نہایت کٹھن منزل تھی جسے طے کرنے کے لئے بہت زیادہ وقت درکار تھا لیکن خدا کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ بیگناہوں کا خون رنگ لائے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ انگریز نے تو ہم سے ۱۹۴۷ء ہی کو ہندوستان کی تاریخ کا نہایت "مقدس" سال ہے اور جسے دیکھنا نہ

سے آنے والی نسلوں کو بھی کبھی نصیب نہیں ہوگا نہایت وثوق سے کہہ دیا تھا جس کے لئے ہمارے کان اور ہماری آنکھیں گواہ ہیں کہ ہم جیتے جی جائیں گے لیکن ایسا پاکستان دے جائیں گے جس کا پھل نہایت تلخ ہوگا اور ہمیشہ نصیبیں یہ یقین رکھیگا کہ کبھی آزادی یا سوراج یا "سلف گورنمنٹ" کا منہ نہ دیکھ سکیں گے۔ چنانچہ پہلا پھل تو ملک کے بٹوارہ کی شکل میں جو کونین کی گولی سے بھی زیادہ تلخ ہے نہ صرف چکھنا بلکہ کچھ نگلنا کچھ حلق میں رکھنا اور کچھ زبان کے نیچے دبانا پڑا جسکی تلخی نہ معلوم کب تک برداشت کرنی پڑے گی۔ گھر گھر کہرام مچ گیا شریف خاندان اُجڑ گئے۔ عفت مآب بہو بیٹیاں اپنی اصلی دولت کھو بیٹھیں اور نہایت بیدردی کا نشانہ بنیں۔ غنڈوں کے دن پھر گئے اور وہ لوٹ کھسوٹ سے مالامال ہوگئے۔ خون خون سے جدا ہوگیا۔ آنے والوں کو خبر نہیں کہ یہاں کیا گزری اور نہ جانے والوں کو معلوم کہ آنے والوں کے ساتھ وہاں کیا سلوک ہوتی کہ پندرہ سال گذر جانے پر بھی کل کا پرزہ اپنی جگہ پر ٹھیک نہیں بیٹھا اور گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ برابر سنائی دے رہی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان کسے پہنچا اور دائمی تکلیف میں کون مبتلا ہوا؟ "صاحب ڈائرکٹ ایکشن" کے ہم مذہب بے گناہ انسان!!

حدود کا تعین دو ملکوں کی حدود فاصل مقرر کرنے کے لئے یا تو پہاڑ ہوتا ہے یا دریا لیکن مغربی پاکستان کے بعض حصوں کے متعلق تو معلوم ہوا ہے کہ ایک گاؤں کی سڑک کے ایک طرف ہندوستان ہے اور دوسری طرف پاکستان گویا نیچے بچہ میں مقابلہ کرنے والے ایک چھلانگ میں ادھر سے ادھر آجاسکتے ہیں۔ شاید خاردار تاروں نے وطن کے لالہ زار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے "نشترستان" کی دیوار سے "نفاقستان" اور "ہندوستان" میں منقسم نہ کر دیا ہو۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انگریز نے جو ورثہ اور ترکہ چھوڑا اس کا پہلا ثبوت خود اس کی پیشین گوئی کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہی ختم ہوتا کو مل گیا تھا کہ جن اضلاع میں "پاکستان پائندہ باد" کا ترانہ گایا گیا اور ہلالی سبز جھنڈا لہرایا گیا وہاں تین دن کے بعد ترنگے جھنڈے "بندے ماترم" نے صفِ ماتم بچھا دی۔ اور کشمیر کا معاملہ الجھاؤ میں ڈال کر صاف صاف کہہ دیا کہ اسے قبول کرنا ہوگا۔ کیا کسی ملک کا بٹوارہ سرسبز و شاداب کھیتوں میں ڈولے بنا دینے سے یا ریگستان میں لکڑیاں گاڑ دینے سے ہزارہا میلوں تک حد قائم کر دینے کی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ جو اثبات مشرقی اور مغربی جرمنی کی مثال دے کر خود شہر برلن کے ٹکڑوں کو پیش کیا جائیگا

لیکن نتیجہ ظاہر ہے۔

ہمارے مرحوم وطن شہر پانی پت کے مسلمانوں کو جو دس ہزار ہندوؤں کے مقابلہ میں چالیس ہزار تھے یہ یقین دلایا گیا تھا کہ تقسیم کے فارمولے کے تحت یہ اسلامی شہر "پاکستان" میں لازمی طور سے شامل رہیگا جیسا کہ جوناگڑھ کے والیٔ ریاست جنہیں غالباً انسانوں سے زیادہ کتوں سے محبت تھی اسی غلط فہمی میں رہے کہ تو ریاست ہند کی طرح تقسیم ملک کے قوانین بھی انگریز کے حکم کے تابع رہیں گے اور جغرافیائی حالت کو مدنظر رکھے بغیر جھٹ پاکستان کا حصہ بن بیٹھے۔ اور ان حضرات نے ایک منٹ کے لئے بھی یہ نہ سوچا کہ انگریز نے جو منصوبہ بنا کر غلطی سے اس کا اظہار بھی کسی نہ کسی طرح کر دیا تھا اس کا کیا مطلب ہے اور حکمرانی کی سیاست کیا کہتی ہے۔ ملک تقسیم ہو رہا تھا یا مختلف پاکستانی جزیروں یا خاکناؤں کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی۔ ان تک پہنچنے اور آمد و رفت کے لئے راستہ کہاں سے ملیگا؟ دوسرا ملک اپنی زمین راستہ کے لئے کیوں دے گا؟

بہرحال اتنی طویل داستانِ پارینہ دُہرانے سے کیا حاصل؟ چند گنتی کے اصحاب کو چھوڑ کر آپ دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں پر کیا گذری۔ بعض لوگ جو مشکل سے پندرہ بیس روپے ماہانہ یہاں کماتے تھے وہ وہاں کوٹھیوں پر قابض ہیں اور موٹروں میں لدے لدے پھرتے ہیں اور آمدنی کے غلط ذرائع سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ ہم نام لے کر ان کی روزی میں حائل کیوں ہوں؟ جبکہ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ پر بھی ہمارا ایمان ہے اور اس میں نیک اور گناہ گار کی کوئی قید نہیں ہے بعض دنیاوی زندگی کے متعلق ہے۔ اور وہ غریب نیک بخت جو عزت سے دو وقت روکھی سوکھی چٹنی روٹی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے اور آندھی بارش یا گرمی سردی سے بچنے کے لئے اپنا ذاتی جھونپڑا رکھتے تھے اور رعایا میں اور قدیم قدرے اطمینان و سکون سے زندگی بسر کرتے تھے وہ اب تک اس حال میں ہیں جسکا ذکر کرنے سے خواہ مخواہ کی شکر رنجی یا دل آزاری کا سبب پیدا ہو جائیگا۔ پاکستان کا تو کیا ذکر خود ہندوستان میں جن اصحاب نے "مسلم لیگ زندہ باد" کے نعرے لگا کر "اسلامی ملک" بنوانے میں بغیر انجام پر نظر کئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں سے اب بھی ایسے موجود ہیں جو کفِ افسوس ملتے ہیں اور خود غرض جانے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔ کہ ہائے افسوس ہم نے تمہارا کہنا مانا تمہاری مدد کی تم نے ہماری بات تک نہ پوچھی اور آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر چل دئے۔ بمصداق شعر

کہ ع دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست ÷ در پریشاں حالی و درماندگی

یہی ہیں جو جن عظیم الشان مساجد میں تم ناک اور پیشانی رگڑتے تھے اور جن کے سربفلک مینار (مثلاً جامع مسجد دہلی) میلوں تک بھاگنے والوں کو تکتے رہے کہ شاید مڑ کر دیکھیں لیکن تم بالکل بے پرواہ ہو کر سیدھے چلے گئے اور بالکل اجنبی بن گئے یا جن مقدس اور جرأت مند ہستیوں کو اپنا ایمان تازہ کرنے کے لئے واسطہ بنا کر دعائیں مانگا کرتے تھے اور جن بزرگوں نے بے لوث ہو کر تمہارا جابر سے جابر والیانِ ملک کو خاطر میں لائے بغیر ساتھ دیا قدم جاتے تھے انہیں چھوڑ کر ایک دم بھاگ لئے یا جن کے دربار میں حاضر ہو کر کشائش رزق کے لئے، مقدمات جائز و ناجائز میں فتحیابی کے لئے، سخت علالت سے بچ کر ملک الموت کے پنجے سے بچنے کے لئے، یا دیگر آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہنے کے لئے ہاتھ پھیلا پھیلا کر اور گریہ و زاری کر کے استعانت اور امداد کی درخواست کرتے تھے کہ اللہ سے تمہارے لئے سفارش اور دعا کریں انہیں اب بالکل بے اثر سمجھ کر چھوڑ گئے اور یہ یقین کر بیٹھے کہ اب اللہ میاں انکی بھی نہیں سنیگا۔ یہ مقدس ہستیاں وہ تھیں بلکہ ہیں جنہوں نے بلا کسی جبر و اکراہ مصیبتیں اٹھا کر دفعا انگنا مزلیں طے کر کے تمہاری سرپرستی کرنے کے لئے اور تمہارے مولا کا نام زندہ رکھنے کے لئے اور تمہارے ہادیٔ برحق کا جھنڈا گاڑنے کے لئے اس سرزمین پر آ کر قیام کیا تھا اور جنہوں نے اپنے وطن اور عزیز و اقارب کو تم پر قربان کر دیا تھا اور تمہیں صراطِ مستقیم کا نقشہ دکھایا تھا ان سے بغیر دعا سلام کئے چلے گئے!! محسن کشی کی اس سے زیادہ بدتر مثال کہاں مل سکتی ہے؟

بہرحال تم چلے گئے اچھا ہوا۔ مولا کی یہی مرضی تھی اور ممکن ہے (بقول آپکے) کہ وہ بزرگانِ دین بھی آپ کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے ہوں اور ہمارے لئے صرف اینٹ چونے کے ڈھانچے یہاں چھوڑ گئے ہوں باقی اصلی مقدس روحیں مع "جسد خاکی" کے وہاں ہی آپ کے عشق میں مبتلا ہو کر اور آپ کی فرقت کی تاب نہ لا کر آپ کے ہمراہ چلی گئی ہوں اور وہاں با وجود آپکی باہمی جنگ اقتدار کے، آپ کی چور بازاری کے، آپ کی دیگر "بظاہر" منافیٔ اسلام ذہنی تباہ کاریوں کے یا جدید "کلچرل" آزادی کے دھنیا پسند کرتی ہوں اور آپ یہاں محض ان کے "مکانات" کی زیارت یا ان کی شکست و ریخت کا جائزہ لینے کے لئے سالانہ چکر لگاتے ہوں کیونکہ حکومت پاکستان نے آپ کے مکانوں کے کلیم منظور کر کے اُن کا معاوضہ تو ادا کر دیا ہے لیکن "اُن کی بیٹھکوں اور مقبروں کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے گنجائش نہ ہو اور نہ ہی انتقالی کلیم نے غور کیا ہو اس لئے آپ کو اپنا وطن مبارک ہو اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بنانا اور فخر "جائز" طور سے باعث اطمینان ہو اور شاعر بے بدل علامہ اقبالؒ کے اس مصرعہ کی کہ "وطن سب سے اچھا ہمارا" تفسیر ہماری سمجھ سے بالاتر ہو۔

مسلمانوں پر غداری کا الزام

لیکن ہم یہ پوچھنے پر مجبور ہیں کہ کانگریسی ہندو پرست مسلمان کو تو آپ غدار سمجھتے ہیں لیکن اس سے تو پہلا ہی ڈالئے جس صوبہ کے مسلمان اپنے علاقہ کو پاکستان بنا ہی نہیں سکتے تھے اور جانتے تھے کہ ہم ایسی جگہ ہیں جو بقیہ ہندوستان بن جائیگی ان میں اگر اکثریت نے آپ کے حق میں ووٹ دے کر آپ کو ملک کے ایک حصہ کا مالک بنا دیا اور پھر ان کی کافی تعداد آپ یہاں ہی چھوڑ گئے اور ان کو معاوضہ میں قربانی کا بکرا بنا گئے اس کا مواخذہ کبھی ہوگا یا نہیں؟ ان پر اگر یہاں بھروسہ نہیں کیا جاتا اور بے اعتمادی ظاہر کی جاتی ہے تو اس کا الزام کس پر ہے؟ جن لوگوں نے یہاں اسمبلی میں شام کو پاکستان کے خلاف زہر اگلا اور صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ وہ تقریر ہم نے خواب میں سنی تھی بلکہ وہ راتوں رات ہی ہوائی جہاز سے پاکستان اُڑ گئے۔ فرمائیے اب ہم "غیر مسلمین" کو نشان پیشانی پر لگائیں جن سے معلوم ہو کہ ہم مشکوک اور ناقابل اعتماد نہیں ہیں یا ہم الف سے لیکر ی تک بٹوارہ کے خلاف تھے۔ ہماری زندگی آپ لوگوں نے کیوں تباہ کر رکھی ہے؟ اور ہمیں یہاں کے ہندوؤں میں غدار کیوں بنا رکھا ہے؟

مذہب اور سیاست

اگر آپ کی اسلامی ریاست ثابت کرتی کہ سیاست اور مذہب ایک ہی چیز ہے اور سیاست میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کے متعلق صریح احکام صاف لفظوں میں قرآن میں نہ آ گئے ہوں۔ یعنی تقسیم وراثت کے قوانین، شادی بیاہ کے احکامات، تقسیم دولت (جسے آپ کمیونزم سے تعبیر کرتے ہیں) کے متعلق، سرمایہ داری کے خلاف ضابطہ اور زبردست سزائیں (دنیا اور آخرت میں)۔ عورتوں کے حقوق، چھوٹوں کے آداب، بڑوں کی عزت، والدین کی اطاعت، پڑوسی کے حقوق (بلا تخصیص مذہب یا فرقہ) حکمرانی اور رعایا کی حفاظت کے طریقے، عزبا پروری، مساوات انسانی، چوری، ڈاکہ، قتل، زنا، شراب خوری، خودکشی، سود خوری بلکہ دوسرے مذاہب کے بتوں اور معابد کی بے حرمتی کے خلاف زبردست احکامات، مذہبی رواداری، غرض کونسی چیز ایسی ہے جس کے لئے تعزیرات ہند کو ڈھونڈنا پڑے اور قرآن اس پر خاموش ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم پاسداری کر کے یہاں کہہ سکتے کہ دیکھو حکومت اس کا نام ہے اور سیاست و مذہب ایک ہی چیز ہے۔ لیکن آپ نے تو ہماری رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی۔ دوسرا کلمہ خانے

قائم کر چکے اور شکر یا ایکا پیدا کرنے کو ترقی نہیں کہتے۔ حکومت جس کا نام ہے
یہ جس کیلئے ہم نوز سینہ سپر ہو کر یہاں کی حکومت سے خوب لڑتا جانتے
ہیں وہ دور جو ہے لیکن ہم مثال پیش کریں تو کس کی ؟

ان الفاظ سے آپ خدا کے لئے یہ نہ سمجھئے کہ ہم آپ کی توہین کر
رہے ہیں یا مسلم لیگ اور کانگریس کے حق و ناحق پر بحث کر رہے ہیں !
دوسروں کی نظروں میں ذلیل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ہمارے لکھنے سے کیا
ہوتا ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" پر ہماری پوری نظر ہے۔ ہم تو اسلام کے ناطے سے
شکایت کر رہے ہیں، اپنی عزت اور جان و مال اور خود ایمان کے بچاؤ
کے لئے آپ کو اللہ میاں کا واسطہ دے رہے ہیں، اس حیثیت سے آپ
غور کیجئے باوجود جدائی کے پھر بھی ہم اپنا یہ حق محفوظ سمجھتے ہیں۔

کشمیر کا معاملہ | انگریز نے جو کہا تھا وہ پورا ہو رہا ہے۔
چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم نہایت رواداری سے بُردباری سے صلح و آشتی
سے کشمیر کے مسئلہ کو نہایت عقل و دانش سے حل کرتے تاکہ انگریز کی چال
دھری کی دھری رہ جاتی اور اسے ناامیدی کا منہ دیکھنا پڑتا، لیکن وہ تو
اس سے زیادہ تباہ کن پریشانی میں ہمیں مبتلا کر گیا جو خود اس کے ذہن میں بھی
اور اب گھر بیٹھے ہم پر ہنس رہا ہے اور پھبتیاں کس رہا ہے۔ اور جلتی
ہوئی آگ میں دھکیلنے کی جائز فکر میں ہے۔

کشمیر کا معاملہ آپ نے اسقدر خراب کر دیا کہ بیان سے باہر ہے۔ اگر
حق خود اختیاری پر ہی آپ کا اب بھی زور ہے اور ہندوستان کے موجودہ
طریق کار کو آپ حق خود اختیاری نہیں سمجھتے تو پہلے تو پختونستان کا معاملہ حل
کر کے اپنی وسعت قلبی کا ثبوت دیجئے۔ انگریز "بہادر" تو قبائلیوں کو زیر کرنے
میں کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ وہ روپیہ بھی دیتا تھا مگر قتل بھی ہزاروں کا
کرتا تھا۔ آپ نے بھی حکومت کے زعم میں ہزاروں کو گولیوں کو خاموشی سے
"چلتا" کر دیا اور دیکھئے الجزائریوں سے کم بہادر نہیں ہیں وہ لوگ۔ اگر آپ انہیں پختونستان
کی اجازت پاکستان کے تحت ہی دیدیں تو کونسا حرج ہو گا بس فرق اتنا ہے
کہ عبدالقیوم خاں کو خون بہانے کا موقع نہیں ملیگا اور سہروردی صاحب کو شاطرانہ
چالیں دکھانے کے مواقع نصیب نہیں ہوں گے۔ کتنے آدمی پاکستان میں ہیں
جنھوں نے جان کی بازی لگائی اور مصائب برداشت کر کے پاکستان بنوانے
کے لئے جد و جہد کی ہو ؟ سب نے ہندوستان کو انگریز سے صرف آزادی حاصل
کرنے کی فکر کی تھی۔ ایمانداری سے سینہ پر ہاتھ رکھوا کر عوام الناس سے پوچھ لیجئے

اقتدار کی کشمکش میں مبتلا رہنے والے چند نفوس کے علاوہ سب ملک کے بٹوارہ کے
خلاف آپکو ملیں گے۔ جو حد سے زیادہ دُکھی بھی ہوں گے۔

اس وقت کشمیر کے معاملہ پر بحث کا نہ موقعہ ہے اور نہ گنجائش ہے بہرحال
"پہلے انڈا یا مرغی" کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ شہروں کے بعد آپ نے حملہ
کر دیا تھی اسپر پہلے حملہ پاکستان کی طرف سے ہوا آپ کیا یا نہیں لیکن یہ تو مان لیجئے کہ راستہ
آپ نے دیا۔ قبائلیوں کو نہ اس سے تعلق تھا اور نہ کوئی حق کہ اسے فتح کر کے
اُسپر حکومت کریں جب وہ غریب پختونستان سے ہی محروم رہے تو اتنی لمبی چھلانگ
لگا کر کشمیریوں پر حکومت کیسے کرتے گویا آزاد ریاست کو جسکا قانون اور اسمبلی
وغیرہ اب تک ہندوستان سے علیٰحدہ ہیں قابو میں لا کر آپ کے حوالے کرتے۔ ہم تو محض مسلمان
کی حیثیت سے بات کر رہے ہیں، سیاست (جسکا دوسرا نام وقت کی چال یعنی ریاکاری
بھی ہے) کے تحت نہیں کہہ رہے۔ اگرچہ سیاسی معاملات سیاست کی زبان میں
ہی ہونے چاہیں۔ شیخ عبداللہ نے جو کشمیریوں کے بہت محبوب لیڈر تھے (اور
شاید اب بھی ہوں) نہایت دانشمندی سے مسلمانوں کی ۹۵ فیصد آبادی کو پاکستان
میں قدرتاً شامل ہونے سے بچانے کے لئے اس کے لئے بالکل آزاد رہنے کی قانونی
اجازت کے تحت) تدبیر مناسب سمجھی اور اُن کے "غوث" ہو جانے کے الزام
میں گرفتار ہو جانے کے بعد بخشی غلام محمد صاحب نے بھی ہی ہوکر پا سے آزاد ہی
رکھنا ضروری سمجھا۔

اگرچہ ہندوستان سے الحاق کا اعلان مہاراجہ نے کر دیا تھا لیکن اسکا
درجہ امتیازی باقی رہا جسے حکومت ہندوستان نے بھی تسلیم کر لیا اسکے باوجود ہندوستان نے
اسپر لاکھوں روپے صرف کرڈالے اور اسے ترقی دینے میں بہت بڑی عالی ظرفی
سے کام لیا۔ اب اگر پاکستان اسپر اپنا حق جتاتے ہوئے اس کے ایک ایک حصہ
کو بھی ہندوستان کے لئے حرام قرار دیتا ہو اور ہندوستان بھی بار بار اسی قسم
کا اعلان کر چکا ہو تو سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر باہمی گفتگو سے مصالحت کی گنجائش
کہاں رہتی ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کو پبلک کے مفاد پر خرچ کئے جانے
والی رقم کا کثیر حصہ فوجوں پر خرچ کرنا پڑ رہا ہے اور محض خوف اور
"فرضی اندیشہ" نے بے اعتباری پیدا کر کے ایک دوسرے کو عمر بھر کے لئے
دشمن بنا رکھا ہے۔

باہمی کشمکش کا راز | صرف کشمیر کی وجہ سے ہندوستانی اور پاکستانی
مسلمان مصیبت میں مبتلا ہیں اور کشمیری غریب جو دنیا بھر میں اپنی صنعت
کیلئے رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اسی طرح غریبی میں مبتلا ہے ہندوستان
کا مزدور بھی اچھی حالت میں ہو گیا ہے اور پاکستانی بھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتا

بلکہ غیر ممالک اس کی صنعت کے لالچ میں بھاگے بھاگے چلے آتے ہیں لیکن خود ان کے نزدیک حالات ابھی تک جیسی ہونی چاہیئے تھی ویسی نہیں ہیں کیونکہ فوجی جنونی اخراجات سے نجات ملے اور سکون و اطمینان نصیب ہو تو کاڑی چلے۔

تعجب تو یہ ہے کہ باہمی گفتگو کا میدان اسقدر وسیع ہونے کے باوجود عالمین سیاست کوئی سبیل نہیں نکال سکے۔ آپ کے پاکستان نے تو یہ پروپگنڈا کر رکھا ہے کہ ہندو تمہیں غلام بنا کر دادی پر خود قابض ہو جائیں گے اور تم مار کر نکال دئے جاؤ گے اور ہندو اور باتوں کے علاوہ سب سے زیادہ معقول عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ "سیکولر" اسٹیٹ ہونے کے باوجود مسلمان ہندو اکثریت کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا اپنا ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جو مسلمان ہیں وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ فسادات اور خونریزی کا سلسلہ محض بے اعتمادی کی بنا پر جاری ہے۔ حالانکہ کشمیر کے متعلق دو چار موٹی موٹی باتیں نہایت آسانی سے طے کر کے ان تمام باتوں کا تدارک کیا جاسکتا ہے لیکن حکومت کے مشیر اسے کب گوارا کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے ہیں جس سے اپنی ناکامی پر پردہ ڈال کر گرم بازاری سے کام لیا جاتا ہے۔

پاکستان کا ضابطہ قانون (دستور)

آپ پہلے اپنی ریاست کا مستقل ضابطہ اور قانون تو بنا لیجیے تاکہ ہم بھی تو مطمئن ہو جائیں کہ آپ کشمیریوں کو لیکر محض "جہاد" کی مفروضہ اجازت سے "جائز" فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں یا واقعی ان سے دلی ہمدردی کی بنا پر انہیں ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ اچھی حالت میں رکھنے کی ٹھوس تجویز پیش کرتے ہیں۔ اب تو آپ کی ریاست ماشاء اللہ آزادی کے سولہویں سال میں داخل ہو چکی ہے۔ اس کے دستور نامہ کی فکر کب ہوگی؟ اور ہم سے بہتر کون ملیگا؟ مگر ہم تو کچھ مانگتے بھی نہیں محض گھر کا رہن سہن دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ بغیر "دوڑ دھان" کے معلوم نہیں ہو سکتا اسلئے جلد ہی سلوک اور یکجہتی سے کام کر کے دکھائیے تاکہ ہم رشتہ ناطہ کا صحیح پیغام دے سکیں ورنہ "گڈول مشن" "مشاعرے" "ثقافتی وفود" محض سیاحی اور پبلک کا روپیہ ضائع کرنے کے لئے ہیں۔ دونوں ملکوں کے ہندو مسلمان ننگے سر، تنگ قمیض (بوشرٹ) پہنے، پتلون کی جیب میں ہاتھ دئے، داڑھی مونچھ بالکل صفا چٹ کئے پھرتے نظر آتے ہیں جس سے "دو قومی" نظریے کی صاف تردید سامنے نظر آتی ہے۔ چند پرانے خیال کے لوگ جو اپنی کاہلی اور سستی کی وجہ سے یا غالباً پیسے کی بچت کے خیال سے ٹھوڑی پر بال لگائے جو اکثر "کلچرل مشن" والے بھی چپکا لیا کرتے ہیں نظر ضرور آتے ہیں مگر ہندوستان میں تو وہ ہر جگہ آپ کو آزادی سے چلتے پھرتے دکھائی دیں گے لیکن ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جنہیں پاکستان کے ننھے بچے اور وہ جوان جو سکھ نہیں بہت ہی چھوٹے ہوتے تھا ڈاڑھی کی عورتیں سمجھ کر اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ ان کے سر پر لمبے لمبے بال عورتوں سے بھی زیادہ لمبے ہوتے ہیں (اور جنہیں ہندوستان میں سکھ کہتے ہیں) وہ اگر پاکستان میں آزادی کے ساتھ بغیر کسی تعرض یا "مزاح" چل پھر سکیں تو ہم سمجھیں گے کہ "گڈول مشن" والوں کا منشا پورا ہو گیا ورنہ محض دعوتیں کھا جانا یا مشاعروں میں واہ واہ کا شور کروا جانا اور سرحد پر مہمان نوازی کے قصیدے پڑھ جانا بالکل مہمل اور لا یعنی چیز ہے۔

لارڈ جارج کا قول

ہم تو طرفین کا عملی مقابلہ سے جانچ کرنا چاہتے ہیں۔ فی الحال تو آپ لارڈ جارج وزیر اعظم انگلستان کا قول صحیح ثابت کر رہے ہیں جسکی وجہ سے نہرو رپورٹ معرض وجود میں آئی تھی کہ "یہ لوگ حکومت تو کیا کریں گے انہیں حکومت چلانے کے لئے ضابطہ بنانے تک کا تو شعور ہی نہیں" تاہم ہندوستان نے جیسا بھی ہوسکا برا بھلا دستور بنا تو لیا لیکن آپ کی حکومت تو سن شعور کو بھی پہنچ چکی ہے پھر بھی اس جوان بیٹی کی کوئی فکر نہیں بہت سے خاندان باہمی کشمکش سے ہی آفت میں مبتلا رہتے ہیں۔

عزیزوں سے ملنے کی دشواریاں

ہندوستان آنے کے لئے پشاور کے علاقے سے روانہ ہو کر کراچی پہنچنا اور ویزا بنوا کر پھر واپس آکر لاہور کے راستہ امرتسر کی گاڑی پکڑنا کونسی دانشمندی ہے اور کرنیل شینوں کے دل پہ نہ معلوم کیوں اثر نہیں کرتا یا بمبئی سے چل کر دہلی پہنچنا اور ویزا لے کر پھر واپس بمبئی آنا اور پانی کے جہاز سے کراچی جانا یا امرتسر کے علاقہ سے دہلی جا کر ویزا حاصل کرنا اور پھر واپس امرتسر سے لاہور جانا نہ معلوم کیوں انسانی دل کے گوشت کے لوتھڑے کو پتھر سے بھی زیادہ سخت بنائے ہوئے ہے یا کسی مصیبت زدہ عورت کا پاکستان سے چل کر جنوبی ہند (بنگلور) جانا اور پھر تین ماہ قیام کر کے لوٹ کر آنا اور صرف پچاس یا سو روپیہ کی اجازت میں تمام اخراجات کو پورا کرنا ریلوے کی کونسی کرنسی ہے جسے کھینچ کر بغیر اس کے لوٹنے کے خوف کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ خود ہمارے ایک ہی گھر کے عزیز پاکستان میں سات مقامات پر ہیں۔ ایبٹ آباد، راولپنڈی، گوجرانوالہ، لاہور، کوئٹہ، بہاولپور، کراچی۔ ان سب کے ہاں مختلف تقریبات میں شرکت کے لئے جانا اور بچوں کے لئے یا نئی دلہنوں کے لئے تحفے تحائف لیجانا یا روپیہ کی شکل میں پیشکش کے لئے رقم لیجانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جبکہ ویزا صرف دو مقامات سے زیادہ کا نہیں ملتا اور رقم کی اجازت بھی بجائے تمام ملک کے صرف ... کے ساتھ زنانہ کپڑوں کی شکل میں تحفے نہیں لے جائے جاسکتے۔ یہ تمام مشکلات

کیسے نہ ہو سکیں؟ اسلامی سب سے بڑی سلطنت نے! اور کیوں کیں اور کی کس بنا پر کیں؟ غریب مسلمانوں پر، کیونکہ ان کے جگر پارے اسلامی حقوق میں کھلے کٹ کے دئے گئے، کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ اب تک یہ حالت ہے کہاں باپ یہاں ہیں تو بیٹا وہاں ہے۔ بہن یہاں ہے تو بھائی وہاں ہے اور سب کو دھکے کر میاں اور بیوی مختلف نیشنلٹی کے ہیں۔ ہزاروں مصیبت زدہ ایسے کو ملیں گے جو ان قصوں سے بالکل سروکار نہ رکھتے تھے لیکن کسی نہ کسی طرح پھندے میں پھنس گئے اور اب ماں باپ یا بہن بھائیوں کے مرنے تک میں شرکت نہیں کر سکتے اور وہ عمر کبھی میسر نہیں کر سکتے۔ یہاں ایسے قابل رحم معاملات کو پیش آتے رہے ہیں کہ ایک لڑکی جس کے تمام عزیز ماں باپ بہن بھائی یہاں موجود ہیں لیکن شوہر اس کا خاوند آپ کے ہاں ڈر کر بھاگ گیا اور اس غریب کو بھی ساتھ لے گیا جسے مجبوراً جانا پڑا لیکن وہ کلام پاک کی اس آیت سے غافل تھا کہ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ {النساء ع ۲ پ ۵} یعنی "تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تم کو پکڑ ہی لے گی اگرچہ تم مضبوط گنبدوں کے اندر ہو" یا "موت کا جو وقت مقرر ہو چکا ہے اس سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی" [۶۳: ۱۱]

چنانچہ اس کے تحت ملک الموت نے اسے وہاں ہی جا دبوچا اور وہ غریب نئی دلہن جہاں لڑکی بالکل تن تنہا رہ گئی۔ نہ بچنے کو مکان نہ کھانے کو دانہ نہ پہننے کو کپڑا اور نہ کوئی عزیز یا سر پر ہاتھ رکھنے والا اب وہ واپس ماں باپ اور عزیزوں میں آنا چاہتی ہے لیکن دوسرے ملک کی قومیت اسے کسی صورت سے بھی اجازت نہیں دیتی۔ فرمائیے وہ کیا کرے؟ کئی کیس ہمارے علم میں ہیں جن کے لئے جمعیۃ العلماء ہند نے بڑا وقت اس کی مشکل حل کرنے میں صرف کر کے اسے واپس آنے کی اجازت دلائی۔ لیکن اگر کوئی قانون آپ لوگ ایسے بے کسوں کی آہوں سے بچنے کے لئے بنوا لیتے تو خود بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار نہ ہوتے اور یہاں کے کارکنوں کا وقت بھی کسی اور تعمیری کام میں صرف ہوتا لیکن تماش بینی اگر مقصد میں داخل ہو گئی ہو تو رحم کہاں سے آ سکتا ہے؟

دنیا اس طرح چل رہی ہے اور آپ کے علم میں ہے پھر وادیٔ کشمیر کی خواہش کس برتے پر ہے جبکہ یہ معمولی معمولی قوانین نہیں بن سکتے اور بہو بیٹیوں کی ناموس کی حفاظت کا خیال تک نہیں کیا جاتا؟

آپ یہ نہ سمجھئے کہ ہمیں آپ سے کوئی پرخاش یا عداوت ہے۔ آپ سنگم کے پچھلے تمام پرچے اٹھا کر دیکھئے۔ ہم نے اپنی حکومت کے خلاف اسقدر زہر اگلا ہے کہ آپ کا کوئی اخبار بھی سوائے گالی دینے کے اور منہ چڑانے کے اس طرح نہیں لکھ سکتا اگر ایک لفظ بھی خوشامد کا آپ ہماری تحریر میں دکھا دیں تو جو چور کا حال وہ ہمارا سمجھئے اور ہم پر دائمی لعنت بھیجئے۔ شاعر کو تو آپ نے اپنا لیا اور اس کی پوجا کرنے لگے لیکن اس کے اقوال کو ہم سینہ میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں بلکہ اس کے مصرعہ میں اور زیادہ ترمیم کر دی ہے۔ وہ کہتا ہے "تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں" ہم اپنی ستر سالہ عمر ہونے کی بنا پر کہتے ہیں کہ "تیغوں کے سائے میں ہم رہ کر بڈھے ہوئے ہیں"۔ اس سے یہ نہ سمجھئے کہ تیغوں کے سایہ میں رہنے کی وجہ سے بڈھے ہو گئے ہیں بلکہ آپ کا شاعر تو جوانی تک ہی تیغوں کے سایہ میں پلنا بتاتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ہماری تو ساری عمر اسی حالت میں گزری ہے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہر مصیبت کا مقابلہ کیا ہے اور خوب ڈٹ کر کیا ہے۔ اور ہماری زندگی کا ہر ورق آپ کے سامنے ہے۔ اس سخت تنقید کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرانی تعزیرات ہند کی کسی دفعہ کے تحت یا نئے ودھان کے مطابق تو کوئی جرم عاید نہ کیا جا سکا البتہ "ملاں کی دوڑ مسجد تک" ہی بس چل سکا یعنی جو دعوت نامے سرکاری بڑی سے بڑی تقریبوں کے لئے آتے تھے وہ اب ہر تقریب پر رکے کو تول جاتے ہیں اور "فرقہ پرست"۔ "غدار"۔ "ملک دشمن" کے خوفناک ناموں سے موسوم کئے جانے والوں تک کے لئے بھی جائز ہیں۔ لیکن غلط روش سے خبردار کرنے والے بہی خواہ کو اور ملک کو صحیح ڈگر پر چلانے کا مشورہ دینے والے گنہگار کو فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔ کیوں نہ ہو دونوں فرق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں لیکن اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچا؟ تنگ دلی کم ظرفی۔ صحیح و غلط کے امتیاز سے محرومی۔ دوست و دشمن کی پہچان میں تہی دستی مختصر یہ کہ محسن کشی جیسے القابات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا آئے دن ثبوت نہ ملتا ہو یا مشاہدہ میں نہ آتا ہو۔ لیکن یہ سب چیزیں محض اپنوں کی بدولت ہیں جن کے اظہار کا موقعہ نہیں ہے اگرچہ اس پر بھی علیحدہ روشنی ڈالی جائے گی تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور "ممدوحین" عبرت حاصل کریں۔ مگر یہ سب اپنے گھر کی باتیں ہیں اس سے پاکستان کو کوئی تعلق نہیں نہ ان کو بغلیں بجانے کا موقعہ دینے کے لئے سپرد قلم کی جاتی ہیں بلکہ یہ جتانا مقصود ہے کہ ہماری پوزیشن کیا ہے ایک سے اسلامی رشتہ ہے دوسرے سے قومی ملکی۔ دونوں اپنے ہیں غیر کسے کہا جائے۔ ذرا اگلا مضمون "کھلا خط" بھی دیکھ لیجئے۔

شرمناک | یہ سب باتیں لکھنے کے بعد اب اصلی مطلب کی طرف آیا جاتا ہے جس کے لئے اتنی لمبی تمہید باندھی گئی ہے تاکہ ایک ہی مرتبہ تفصیل سے بیان کر دی جائیں اور بار بار یہ نام کہانی نہ اٹھانی پڑے اور اپنے مصائب

سوچئے نہ کھولنا پڑے آپ سے بھی "قوم" کے ساتھ غداری کا سرٹیفکیٹ اور سیکولر اسٹیٹ کے ساتھیوں سے بھی غدار اور جاسوس ہونے کے تمغے میں ملوث!!! یہ ہے حق گوئی کا انجام یا خیر خواہی کا انعام!!

یہ صرف ملک کے بٹوارہ کا ہی نقصان نہیں ہے بلکہ "قائد اعظم" کی عنایت سے ہر مسلم گھرانے کے دو حصوں میں بٹ جانے کی مصیبت کی بدولت ہو رہا ہے۔ پاکستان کے قدیمی باشندے اس کو محسوس نہیں کر سکتے وہ تو بچے جانے اپنے گھروں یا اپنے وطن میں بیٹھے ہیں اور نہ یہاں کا اصلی باشندہ اس بے وطنی کا صحیح مفہوم سمجھ سکتا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ پاکستان کا وطنی "مسلمان" "مسلم مہاجر بھائی" کو بالکل پسند نہیں کرتا اور اسے اپنے لئے ایک عذاب الٰہی سمجھتا ہے اور تقسیم شدہ ہندوستان کا ہندو پنجاب سے آنے والے شرنارتھی کے متعلق جن خیالات کو صبر سے دل میں دبائے ہوئے ہے اور کبھی کبھی بھولے بھٹکے یا غلطی سے آپے سے باہر ہو کر اظہار بھی کر دیتا ہے۔ اس کا ذکر "امیر جنسی" "یعنی ہنگامی حالات" کے اعلان کے بعد کسی کو کسی گھسیٹ میں آسکتا ہے۔ اس لئے باوجود "مہاشہ" پرتاپ کے بقول لوگوں کے یہ بات تو طے شدہ ہے کہ مذہب کی بنا پر کسی کو کسی سے محبت یا ہمدردی نہیں ہے۔ انگریز کے زمانے سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے جو سلسلہ چلا آرہا ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے، یہ موضوع بالکل جداگانہ ہے اس لئے اب صرف آپ مختصراً اور عرقی موضوع دو چار فقروں میں بیان کر کے ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ سمجھ سکیں گے کہ اس سخت لفظ "شرمناک" سے ہمارا کیا مطلب ہے۔

جہاد کیا یہ صحیح ہے کہ جن زر پرستوں نے "خلفائے" وقت سے دب کر جان کے خوف سے چند احادیث "موضوع" کر کے رسول خدا سے انہیں منسوب کر دیا تھا اور جس کی وجہ سے امت محمدی میں دو گروہوں یعنی اہل حدیث اور اہل قرآن نے جنم لیا۔ اسی قسم کی پیداوار اب ملک کے بٹوارہ کے بعد پاکستان میں یہاں بیٹھ کر ہندوستان کے خلاف "جہاد" کا فتویٰ دینے والی ہے؟ انہوں نے غالباً اسی ڈر کے مارے اپنے کو "سیکولر اسٹیٹ" بنائے جانے کا اعلان کیا تھا کہ اب نہ ہو کہ "کفار" کا ملک سمجھ کر اس پر مسلمان ٹوٹ پڑیں اور انگریز نے عمر بھر جو اسلامی ہوتے کا خوف دلایا تھا کہ دیکھو افغانستان۔ ایران ترکی مصر اور عرب مل کر تمہیں کھا جائیں گے اس لئے آزادی تمہارے لئے موت کا باعث بھی بن جائے گی اور مسلمانوں کو پھر جھنڈا بلند کرنے کی اس لئے ترغیب دی جا رہی تھی کہ تم آٹھ کروڑ ہو اور وہ چالیس کروڑ ہیں اکثریت تمہیں ہڑپ کر جائے گی لہذا جب جو کام کرتے ہو اور ان چالبازوں کی باتوں میں نہ آؤ۔

اگر یہ صحیح ہے تو زیادہ قرآنی آیات میں بھی [illegible] مسلمانوں والے ملک پر جب تک وہ سیکولر کہلائے "فرضی" [illegible] اور ضابطہ بنا کر دنیا کے تمام ممالک سے اپنا رشتہ منقطع ہونے پر "جہاد" کے احکامات نافذ ہو سکتے ہیں۔ ابھی تک تو ایشیا کا سب سے بڑا دارالعلوم [illegible] اور دینی رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے اور جس کے استاد وقت کی جوتیاں آپ کے علماء نے سیدھی کر کے سند حاصل کی ہے۔ ہندوستان ہی میں ہے بلکہ [illegible] اور مظاہر العلوم سہارنپور اور جامعہ ملیہ اسلامیہ اور حضرات [illegible] کا مرکز [illegible] ابھی تک زندہ ہیں اور احمدیہ فرقہ کا بانی اور ان کا "مقدس شہر" قادیان بھی ہندوستان میں ہی ہے ان سب کی موجودگی میں "جہاد"؟ یہ جہاد نہیں بلکہ جاہلوں کی باتیں اور فساد کی باتیں، ملک گیری کی ہوس اور جنگ اقتدار کی باتیں ہیں۔ آپ جہاد کا اعلان کر کے بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لیجئے دیکھئے غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ بو علی قلندر جس کو تاتاریوں نے [illegible] میں [illegible] کئے رکھا آفتاب تک زندہ ہے۔ اپنے اعمال نامہ کی گٹھری ساتھ لئے آئیگا اور پھر خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی۔ حضرت باقی باللہ، حضرت محبوب الٰہی۔ کلیر شریف کے حضرت صابری۔ حضرت مخدوم صاحب کبیر الاولیاء پانی پتی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت شیخ کلیم اللہ حضرت روشن چراغ دہلوی اور ہندوستان کے چپہ چپہ کے مقدس مزارات پر جہاد کا بزن بول کر ان کو بھی اپنی فوج میں شامل کر لیجئے گا تاکہ وہ بھی کشمیر کی وادی کی سیر آپ کو کرا سکیں، کیونکہ جہاد کی وجہ صرف جھیل ڈل کے پر لطف مناظر کی ہوس ہے۔ وادی کشمیر مل جائے تو جہاد کی وجہ ختم ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کے باعث یہاں کا ہندو حصہ میں آگ بگولا ہو کر اور مسلمان [illegible] نہایت خاموشی سے شب خون مارے اور آپ کشتیوں اور جشنوں کی آغوش میں مست ہو کر دنیا و مافیہا سے بالکل لاپرواہ ہو جائیں اور مسلمان بے گناہ خون میں لت پت ہوتا رہے۔ اسی کا نام "جہاد فی سبیل اللہ" ہے! اسی لئے ہمارے مولانا اسلم نے "شمع ملت" میں کہا تھا "دین کو بھی رسوا کیا اور آپ بھی رسوا ہوا" ہم جہاد کا فتویٰ دینے والے علماء کا اسم گرامی سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ مناسب ہے کہ چار بیویاں بیک وقت کرنے کے "شرعی" قوانین پر ہندوستان میں چند جائز پابندیاں لگانے سے متاثر ہو کر کسی پاکستانی عالم نے عورتوں کے اس مطالبہ پر مہر ثبت کر دی ہے کہ جب مرد کو چار بیویاں کرنے کی اجازت ہے اور اسلام مساوات کا حامی ہے تو عورتوں کو بھی چار شوہر کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ ابھی جناب اس تو پہلے ہی چار چھوڑ چالیس [illegible]

ہو سکتے ہیں۔ لاہور کا بچنا بانا ہی شہادت کے لئے کافی ہے۔ آجکل معلوم نہیں دانشمند صاحبان آزادی آباد ہیں یا نہیں؟ ہمارا الاٹمنٹ عمل بھی سن لیجئے جو گورداسپور کے پنڈت شوز کے فرمانے کے مطابق ہے:-

دل میں کچھ اعتقاد پیدا کر مشکلوں میں بھی سیکھ لے جینا
ایک نازک سا غم ہے حیات چیرتا ہے زمین کا سینا

ہم حقیقت میں یہی لیکن زمین کا شق کرنا بھی اللہ کے حکم سے ہمیں معلوم ہے۔

آپ ہماری فکر نہ کیجئے ہمیں مرنے دیجئے۔ اپنوں کے ہاتھوں پہلے کیا کچھ نہیں ہوا اب ہم فوت کریں آپ ماددی لے کر ہمیں اسپر آرسی کر دیجئے۔ کچھ پرواہ نہیں۔ ہمیں یہ کیا کم خوشی ہوگی کہ آپ کا مطلب تو پورا ہوگیا لیکن یہ سمجھنا کہ اس سے قصہ ختم ہو جائیگا اور آپ چین سے بیٹھ جائیں گے وقت ہی بتا سکیگا اور آپ کی بھی سمجھ میں اس کے بعد ہی آئیگا۔

لیکن شرمناک کا لفظ جو ہم نے استعمال کیا ہے وہ تو بہت ہلکا ہے اگر اس سے زیادہ سخت لفظ بھی کہیں ہم استعمال کر سکتے تو ہم اس سے بھی دریغ نہ کرتے۔ پاکستان پچھلے سے آپنے تبلیغ کا دروازہ تو بند کر ہی رکھا ہے کوئی غیر مسلم اگر بطور خود بھی اسلام قبول کرلے تو بھی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن آپنے تو تبلیغ کے وسائل پر بھی قلم کھینچ دیا ہے اور احکامات الہیہ کو چودہ سو برس کی پرانی بات سمجھ کر رد کر دیا ہے۔ اسلام نے پڑوسی کے حقوق اور اسکی حفاظت کی شدومد سے تعلیم دی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے اس کے علاوہ دشمن اگر بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کا ثبوت تو خود رسول خدا کے فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ جو عورت روزانہ راستہ میں آپ پر غلاظت کا ٹوکرا پھینکتی تھی جب کئی دن تک یہ تحفہ آپ کو نہیں ملا تو انہیں تجسس ہوئی اور وہ اس کی علالت کی خبر سنکر خود اس کے ہاں گئے۔ اور اس کی تیمارداری اور کام کاج تک کرتے رہے جب تک وہ صحتیاب نہیں ہوگئی۔ یہ مثال آپکے علاوہ ہمارے ملزم بتانے بھائیوں کے لئے بھی ہے جو تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے کا شور بلند کرتے ہیں۔ دشمن کی تیمارداری کے علاوہ یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ دشمن پر اگر مصیبت نازل ہو جائے تو اس کی مدد کرنی چاہیئے اور اپنی عالی ظرفی کا ثبوت دینا چاہیئے لیکن آپ کے ہاں سے یا آپ کے مقبوضہ کشمیر کی طرف سے روزانہ اعلانات ہو رہے ہیں کہ یہی وقت ہے کہ کشمیر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اگر ہندوستان نہ مانے تو طاقت سے حملہ کرکے اسے قبضہ میں کر لیا جائے۔ جناب صدر ایوب خاں صاحب کا اعلان تو یہ دیکھنے میں آیا کہ انھوں نے برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کو یقین دلایا ہے کہ چین کے حملہ کے دوران ہم کشمیر کا مسئلہ نہیں چھیڑیں گے لیکن غالباً مقبوضہ کشمیر کی پارٹی نے طاقت کے زور سے لینا چاہا ہے یاد ہو! آپ میں اتنا بل ہے؟ ایسے صاحب! اگر آپ کی طرف سے یہ خدشہ نہ ہوتا تو فوج آپ کی سرکوبی کے لئے پڑی ہے اسے چین کے مقابلہ میں لایا جاسکتا تھا نتیجہ یہ ہے کہ وہ فوجی نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ اور آپ نے یہ سوچ لیا ہے کہ اگر لداخ ہمارا نہیں رہتا تو جانے دیجئے چین لیجائے ہماری بلا سے مگر ہندوستان کے قبضہ میں نہ جانے پائے۔ جس چین کو آپ اس وقت اپنا آلٹی سمجھتے ہیں وہ کل آپ کی سرحدوں سے بھی تجاوز کرکے آپ کو دن میں تارے دکھا دیگا۔ اسے تو ایشیا پر چھا جانے کی تمنا ہے۔ ایسا ہوا تو آپ کی یہ نو تعمیر شاہی مسجد لاہور آپ جانتے ہیں کہاں ہوگی اور آپ کا کیا انجام ہوگا؟

ہمیں جناب جنرل ایوب خاں سے بدگمانی نہیں ہے لیکن آپ کے اندر سے جو آواز نکل رہی ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جیسے پہلے قبائلیوں کا بہانہ کیا گیا تھا ویسا ہی اب آزاد کشمیر کا عذر پیش کر دیا جائے گا کہ ہم اسکے معاملہ میں مداخلت نہیں کر سکتے اور یہ آپ کے ہاں کا بچہ تک جانتا ہے کہ آزاد کشمیر میں کتنی طاقت ہے کہ وہ ہندوستان سے تن تنہا مقابلہ کر سکے اس میں ضرور پاکستان کا خفیہ ہاتھ ہے اور اسی کی شہ پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے بس ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان چین کی مدافعت میں ہزارہا افراد اور لاکھوں روپیوں کو قربان کر رہا ہے آپ کو اس کی مدد کی توفیق تو کہاں نصیب کم از کم اس کی مصیبت سے تو نفع نہیں اٹھانا چاہیئے۔

یہ اعلان کہ یہی وقت ہے کشمیر کو ہندوستان کے پنجہ سے چھڑا لینے کا انتہائی کمینہ پن پر دلالت کرتا ہے اور تعلیمات اسلامی کے بالکل منافی ہے۔ ایسی صورت میں ہم اسلام کے کردار اور اس کے احکامات کی صداقت کو عملی شکل میں کیسے پیش کر سکتے ہیں اور کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے ہے۔ یہ سب چیزیں چند ہی روز بعد گرد بادل چھٹ جانے کے بعد ہمارے لئے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہونگی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو ہمیشہ یہی شکایت رہی اور آپ کے مشہور ناول نویس ایم اسلم نے تو خون مسلم میں ان کی شان میں جہاں اور باتیں اپنی تہذیب کے ثبوت میں لکھی ہیں وہاں ان کو SHOWBOY بھی لکھا ہے جناب ہمارے نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جنھوں نے مسلم قوم کی لاج رکھ لی اور چالیس سال تک فاقہ کشی کرکے تمام برصغیر میں آپ کی قوم کا سر اونچا کر دیا اور تعلیمی خدمات کا ایک کارنامہ کر دیا۔ وہ اب تعلقات کو بہتر بنانے میں صدر درجہ کوشاں

تھے لیکن آپ کے اعلانات نے تو ان کی کمر توڑ دی اور انہیں اس قابل بھی نہیں رکھا کہ وہ آپ کی طرف۔ یہ گمراہ کن اخبارات کی تردید میں ایک لفظ بھی لکھ سکیں۔ ابھی چند ہی دن ہوئے ہم نے وزیر کوان سے شرف نیاز حاصل کیا تو دیکھا کہ ان کو آپکے ناخداؤں کے کردار سے کس قدر صدمہ ہے۔ اے بھائیو! ایسے آدمی دنیا بار بار پیدا نہیں کرتی۔ خدا کا شکر ادا کرو اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ لیکن اگر آپ کا ارادہ اس موقعہ پر پیٹھ میں خنجر مارنے کا ہی ہے اور اس موقعہ پر آپ چودھری کی حسن ظنی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا چاہتے ہیں تو اس دن کو ذہن میں رکھئے جس کے متعلق قرآن کی چھبیسویں سورۃ (الشعراء) کی آیۃ ۸۸ یعنی پانچویں رکوع کی بیسویں آیۃ اعلان کرتی ہے کہ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد) اور دوسری جگہ آل عمران رکوع ۱۹ آیۃ ۵ میں ہے کہ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (اور نہیں ہے دنیا کی زندگی سوائے غرور (دھوکہ) کی پونجی کے) اس پر گھمنڈ نہ کیجئے۔ یہ حکومت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج میری کل تیری ہے

کہاں ہے سکندر اور کہاں ہے دارا مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے۔

بس ہم پھر کہیں گے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (النساء رکوع ۱۱ آیۃ ۸۲) کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ ہم تو قرآن کی آیۃ بھی پیش نہیں کر سکتے جبکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے دعویدار کا کردار یہ ہو۔ عمل کا نام ہی قرآن ہے اور بس گستاخی قرآن آمیزی کی دل سے معذرت قبول کیجئے۔ (ف۔ ا)

تحفے

اگر ہماری ہرزہ سرائی آپکو ناگوار گذری ہو تو سنئے مولانا حالی سے بھی چند اشعار سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

(۱) سکھائی نہیں نوع انساں پہ لعنت[۱] کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت

کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت شب و روز پہنچاتے ہیں اسکو راحت

وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں"

(۲) کرو مہربانی تم اہل زمیں پر[۲] خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

(۳) ڈرایا تعصب سے ان کو یہ کہہ کر[۳] کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر

ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اسکے یاور

نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرہ کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا

القاذف بنا آلنسان پہ آیہ۔ بشر و اہل دین تعصب میں مذہب کی کوئی قید نہیں۔ (ف۔ ل)

گاندھی جینتی

سال گذشتہ ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں ہم نے اس مہینے کی اہمیت کے متعلق اپنے خیال کے مطابق وہ بڑی وجہیں لکھی تھیں۔ ان میں پہلی اہمیت تو یہ تھا کہ گاندھی کا جنم دن ہے جو ۲ اکتوبر کو نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی منایا جاتا ہے۔ ہمارے اپنے ملک کی مختلف ریاستوں اور شہروں میں اپنی اپنی پسند کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ ہم چونکہ دلی میں رہتے ہیں اس لئے صرف یہاں کے پروگرام کے متعلق ہی ذکر کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ شہر کئی میلوں میں پھیلا ہوا ہے اور آبادی بھی چھبیس لاکھ کے قریب ہے۔ اس لئے شہر کے مختلف حصوں میں بھی جدا جدا پروگرام سننے اور دیکھنے یا اخبارات کے ذریعے پڑھنے میں آتے ہیں۔ ان پروگراموں میں سب سے زیادہ اچھا پروگرام تو گاندھی جی کی سمادھی پر علی الصبح جمع ہو کر پرارتھنا کرنے اور دعا مانگنے کا ہوتا ہے جس میں راشٹرپتی اور وزیر اعظم سے لے کر عوام الناس تک کثیر تعداد میں حاضر ہو کر عقیدت کے پھول پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد تحریک آزادی کی بنیادی چیز یعنی چرخہ کاتنے کا عمل ہوتا ہے جس میں گھنٹہ نصف گھنٹہ وزیر اعظم بھی صرف کرتے ہیں۔ اور جو تقریباً تمام دن جاری رہ کر شام کو پھر پرارتھنا پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا پروگرام میلے کا ہوتا ہے جو میونسپل کارپوریشن کی طرف سے ہر سال تین دن منایا جاتا ہے اور کارپوریشن کی عمارت کے قریب ہی اسی کے "ملکہ باغ" میں ہوتا ہے جس میں خوبصورت سجی ہوئی دکانوں کے علاوہ مختلف کھیلوں کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ مگر یہ تمام کام محض گاندھی جی کا نام زندہ رکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان کے قول و فعل اور ان کی دلی خواہش کے مطابق عملی کاموں کا اظہار کسی چیز سے بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً علاقہ پرستی، چھوت چھات کے خاتمہ کے لئے ملک کے دستور تک میں دفعات بڑھا دی گئی ہیں لیکن خود مجوزین دھونڈیں اور ہاتھ اٹھانے والوں کا کیا حال ہے بس یہ نہ پوچھئے۔ ۲ غریبوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کیا کیا سامان کئے گئے ہیں۔ ان کے بتلانے کی کسی کو فرصت نہیں ہے۔ تمام فائلیں نیچے سے اوپر تک لگی ہوئی وزارت خوراک کے دفتر میں جا کر دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو غریبی دور کرنے کی تجاویز سے بھری ہوئی ملیں گی۔ یہی کیا کم ہے؟ ۳ رشوت ستانی کو تو ایک غلط لفظ کے استعمال کے طور پر سمجھا جانے لگا ہے۔

---

[۱] یہ حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے احسن الی جارک تکن مومنا واحب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما۔ [۲] یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔
[۳] یہ حدیث بھی ملحوظ رکھئے لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة۔ ۱۲

بھائی! اپنا مطلب نکالنے یا اپنا کام حسب منشا کرانے کا جو معاوضہ آپ خود بخوشی ادا کرنا چاہتے ہیں اسے ہم تو نذرانہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں مگر جب وہی دوسرے کے منہ سے آپ سنتے ہیں تو اسے غلط لفظ یعنی رشوت کے نام سے موسوم کرکے بدنام کرتے ہیں جس طرح اب بعض "یونینوں" نے ہنگامے برپا کرکے گرانی الاؤنس کو جزو تنخواہ بنوا لیا ہے اسی طرح یہ نذرانے اس کام کے دیگر اخراجات کا ایک ضروری جزو ہو گئے ہیں۔ ۴۔ بیٹی کو کسی زمانہ میں بہت منحوس سمجھ کر پیدا ہوتے ہی ختم کر دیا جاتا تھا مگر اب اس کے جوان ہو جانے پر وہ بغیر آپ کے کچھ کہے سنے اپنے آپ خودکشی کر لیتی ہے اور دنیا کے عذاب سے چھٹکارا پاکر آپ کے لئے اطمینان کا سانس لینے کا سامان پیدا کر جاتی ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ ہمارا اشارہ لڑکیوں کی اس بدعملی اور بداخلاقی کی طرف ہے کہ جہاں وہ شادی کرنا چاہتی ہیں یا جس سے وابستہ ہو کر زندگی گذارنا چاہتی ہیں۔ اس میں آپ حائل ہو کر ان کی موت کا باعث ہوتے ہیں، نہیں بلکہ جس لڑکے کو آپ نے اپنی بیٹی کے لئے پسند کیا ہے وہ آپ کے انتخاب کا معاوضہ "جہیز" کی شکل میں منہ بولے داموں میں طلب کرتا ہے۔ اگر آپ اسے اپنی حیثیت یا قوتِ برداشت سے بہت زیادہ سمجھتے ہیں تو طالب جہیز آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے یا آپ کو مجبور کرتا ہے کہ قرض لے کر یا کوئی بھی انتظام کرکے اسکو پورا کرو ورنہ "صفا لال جھنڈی" دیکھ لو اور آرام سے گھر بیٹھ جاؤ یا کوئی اور دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ آپ انتہائی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور آپ کی رات کی نیند تک حرام ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں ماں باپ پر جان چھڑکنے والی بیٹی اندر ہی اندر گھٹتی رہتی ہے۔ اور آخر کار ان کی پریشانیوں کو دیکھتے دیکھتے عاجز آکر اپنے آپ کو ختم کر دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور آپ کو اپنی محبت کا ثبوت اس طرح دے جاتی ہے کہ آپ اس کی وجہ سے پریشان نہ ہوں اور یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔ اس کے علاج کے لئے جو قانون بنائے گئے وہ جناب "ماہرِ نفسیات" حضرت ریڈ کلف صاحب کے تقسیم ملک کے فیصلہ سے کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہیں اور فائلوں اور تختوں کے ریشمی غلاف میں ہی دفن ہو کر رہ گئے ہیں۔ ۵۔ شراب بندی کے خوش کن اخلاقی قوانین بنا کر غیر ملکیوں اور پارٹیوں کے لئے جو جواز کی دفعہ مستثنیٰ کے خانہ میں رکھ دی گئی ہے اس نے پہلے سے زیادہ بدتر حالت کر دی ہے۔ ۶۔ عصمت فروشی سے گانے کو علیحدہ کرکے اس کی جو سرپرستی کی گئی ہے اور اسے جرم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اسکا جو شرمناک حشر ہوا وہ محض تحریروں میں لا کر اپنے کو دوسرے ممالک تک کی نظروں میں ذلیل کرنے سے کم نہیں ہے۔ ۷۔ چور بازاری ۸۔ ملاوٹ ۹۔ مہنگائی وغیرہ کا تذکرہ تو اب صرف بڑے بڑے پوسٹروں تک ہی ڈھکوسلے کی شکل میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اگرچہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اتنے [illegible] یک دم قابو پالینے کی معذوری و مجبوری کو بھی صحیح مانا جاسکتا ہے اور بعض جگہ سزائیں بھی سننے میں آتی ہیں لیکن گاندھی جی جو چاہتے تھے اس کے مطابق عمل نہیں ہو رہا۔ غضب خدا کا! آزاد ملک ہو اور گذارہ کے لئے بھیک مانگے دوسروں سے! جس سے قسم قسم کے روگ لگ جائیں اور معدہ کے امراض طرح طرح کے پیدا ہو کر آپ کی کرنسی کا صفایا کر ڈالیں۔

ہم مذہبی تعصب۔ فرقہ پرستی اور آپس کی پھوٹ اور نفرت کو محض اتفاقی اور وقتی بات سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دیں اور محض "خرید کردہ" ووٹوں کی بنیادوں پر تیس مار خانوں کی صف میں نام لکھے جانے کے باعث جنگ اقتدار اور باہمی رسہ کشی میں مبتلا ہو کر رات دن اسی ادھیڑبن اور اکھاڑ پچھاڑ میں نیندیں تک حرام کر بیٹھیں اور جنتا کی بھلائی اور ان کی تکالیف کا مطلق خیال نہ کریں اور جب ان میں سے قسمت کا مارا کوئی غریب ہمارے سامنے آکر ہاتھ جوڑے اور گریہ و زاری کرکے داستانِ مصیبت سنائے تو ہم اسکو یہ جواب دینے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہ کریں کہ ہم نے تو تمہاری ووٹ لینے کے لئے اتنے روپے دئے تھے تم نے کونسا احسان کیا ہے جو امداد کے طالب ہو کر آئے ہو۔ ہم تو خود اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ خیر چلے جاؤ اور ذرا انتظار کرو۔ ان جھگڑوں سے فرصت کر ہم تمہارے معاملہ پر بھی سوچیں گے کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ یہ ہے مہاتما جی کے مشن کا انجام جو ہمارے ہاتھوں دیکھنے میں رات دن آرہا ہے!

گاندھی جی کا پرچار سالانہ میلوں اور کلچرل پروگراموں سے تو ان کی روح کو شانتی دینے کی بجائے ہم انہیں سخت سے سخت ایذا پہنچا رہے ہیں۔ کاش وہ بول سکتے یا کسی کو سپنے میں آکر ہی بتا سکتے کہ کیا میں یہی چیزیں زندگی کا مقصد بنانے کے لئے روز و شام کی پرارتھنا میں بتایا کرتا تھا؟ یاد رکھو وہ لال قلعہ پر جو ہر سال تم آزادی کا جھنڈا لہرائے جانے کا تماشہ دیکھتے ہو اسی قلعہ کے اندر کا رہنے والا آخری انسان جسے کبھی کبھی تم بھولے سے بھی جنگ آزادی کا ہیرو بنا دیتے ہو کہہ گیا ہے کہ ؎

ظفر آدمی اُسے نہ جانئے گا　　جو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی　　جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اُس جھنڈے پر اسے بھی لکھو یا قومی ترانہ میں اسے بھی جگہ دیدو تاکہ اس کے مکان کی دیوار پر جھنڈا دیکھنے کے ساتھ ساتھ اس کا قول بھی تمہارے کانوں

میں آتا ہے اور یہی چیز ہے جس کے لئے میں نے "اے عام آدمی" کہہ کر اپنی زبان بند کرلی اور میں تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ میرے سچے جانشین اور میرے دل کے ٹکڑے جواہر لال نہرو کی عزت تم محض اپنے کو بڑا سمجھنے کے لئے کرتے ہو۔ اس کے کہنے پر ذرا بھی دھیان نہیں دیتے اس کے دل سے پوچھو کہ تمہارے اس فعل سے کہ اس کے سامنے تو اس کے چرنوں میں ناک رگڑنے کو بہت بڑی عزت اور دولت سمجھتے ہو لیکن جو وہ کہتا ہے اُسے تم سنی ان سنی کر دیتے ہو۔ اس پر کیا گذر رہی ہے جس نے اپنے گرد اسے ساری دنیا میں تمہاری غلامی کے بدنما دھبّہ کو دھو کر تمہارا سر اونچا کر دیا اور اوّل نمبر کی قطار میں لاکر کھڑا کر دیا اس کا بدلہ تم نے صرف قصیدہ خوانی سے دیا۔ عمل سے تم کوسوں دور رہے؟

"سُنا ہے کہ اب کچھ فکر پیدا ہوئی تھی اور تم نے "گاندھی" حلف نامے بھی لینے شروع کر دیئے تھے جس کے ساتھ ہی ساتھ جو کچھ ہوا اس کی رپورٹ بھی "ہندوستانی" زبان کے ایک شاعر کے دکھی شبدوں میں میرے پاس پہنچی ہے جس نے کہا تھا کہ

بہاؤ خون تم اک دوسرے کا — اگر ہو جائے کچھ آپس میں اَن بَن
سمجھو کہ انتشر "اے اہنسا کے پاپش! — اسی کا نام ہے "انٹگریشن؟"

یہ پتہ نہیں چلا کہ جن لوگوں سے اس نے یہ سوال کیا ہے انھوں نے اس کا کیا جواب دیا اور کیا اثر قبول کیا؟ میں تو ساری زندگی اسی ایک بات پر زور دیتا رہا کہ اگر مل جل کر نہیں رہو گے تو آزادی ملنے پر بھی اسے جلد کھو بیٹھو گے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ میری بات کیا تھی؟ سردار (پٹیل صاحب کی طرف اشارہ ہے) تو میرے سے جلدی ہی آکر مل گئے تھے اور بعد کو اور ساتھیوں سے بھی ملنا ہوا۔ مگر مولانا آزاد (آزاد) سے ابھی تک ملنا نہیں ہوا۔ اب حال ہی میں سردار سے پھر ملاقات ہوگئی۔ نیتا جی بھی اتفاق سے آگئے تھے۔ میں نے کہا کہو میں کیا کہتا تھا! بتاؤ ملک کا کیا حال ہے؟ سردار نے بس اتنا ہی کہا کہ "آپ کو تو سب خبر ہے مجھ سے پوچھ کر کیا کریں گے؟" بس اب میں ایک بات اور کہہ کر جاتا ہوں۔ میرا ٹائم ہوگیا ہے اب باقی پھر کہوں گا۔ وہ بات یہ ہے کہ کلچرل پروگرام جو تم بہت زور شور سے مناتے ہو اور آج کل سارے دھندے چھوڑ کر اسی کی طرف جھک گئے ہو اور ودیارتھیوں کا سارا وقت اسی میں لگ جاتا ہے۔ ودّیا کی طرف دھیان کم ہوگیا ہے اور وہ اب اپنے استادوں اور گروؤں کی بات بھی نہیں مانتے۔ میں نے تو یہاں تک سُنا ہے کہ ودیارتھی اسٹرائک کا ہی نقصان کرنا سیکھ گئے ہیں۔ مکانوں کو آگ لگا دینا۔ فرنیچر کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دینا۔ کام کے ریکارڈوں کو جلا دینا۔ چھرے بازی کرنا یعنی آزادی سے پہلے ۱۹۴۷ء میں جو حالت تھی اس سے کہیں زیادہ اب خراب ہو گئی ہے اور جب ایسے کاموں میں لگے رہنے سے پڑھائی پوری نہیں ہو سکتی تو امتحان میں نقل کرنے کی زبردستی کرتے ہیں اور جو اس کام کی دیکھ بھال رکھنے والا ذمہ دار افسر منع کرتا ہے اسے چاقو، چھری مار کر ختم کر دیتے ہیں۔ تو میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس کی بڑی ذمہ داری ان استادوں پر آتی ہے جن کے شاگرد ایسی باتیں کرتے ہیں ان کو نکال دینا چاہیئے یا انہیں برت جیسی پوتر چیز اختیار کر کے اپنے من کو ٹھیک کرنا چاہیئے اور پرمیشور سے اپنی کمزوری دور کرانے کے لئے پرارتھنا کرنی چاہیئے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب ودیارتھی نقل کر کے ڈاکٹری، انجنیری، میکینکس وغیرہ کا امتحان پاس کریں گے تو ملک کی سیوا کیسے کر سکیں گے۔ ایسے ڈاکٹر لوگ تو بیماروں کو الٹی سیدھی دوا دے کر مار ڈالیں گے۔ اسی طرح دوسرے پیشے والے کریں گے۔ جنتا کو تو لیڈر لوگوں نے اپنے نام کی خاطر خراب ڈگر پر ڈال دیا ہے اور اصل مطلب سے بہت دور پھینک دیا ہے۔ تم ودیارتھیوں کو جنتا کے بہکانے والے نیتاؤں سے دور رکھو۔ انہیں تو بس اپنے ٹیچروں کا ہی کہا ماننا چاہیئے وہی ان کے لیڈر ہو سکتے ہیں۔ بچوں اور جوانوں کو بتا دو کہ اگر کلچرل پروگرام کرتے ہو تو اپنی پڑھائی کا بھی پورا خیال رکھو اور یہاں یورپین ملکوں کی "تہذیب" اپنے دیس میں نہ آنے دینا اور یہ بات ہمیشہ دھیان میں رکھنا کہ

استری ہے وہ استری جسے دنیا کی شرم ہے
سنسار میں بس لاج ہی ناری کا دھرم ہے"

"ہاں دو باتیں کہنی ہیں مجھے یاد نہیں رہی تھیں پہلی تو یہ ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کسی سچے مسلمان بھائی نے اپنے اخبار کے ۱۳ جنوری [illegible] کے پرچہ میں یہ شکایت لکھی ہے کہ واشنگٹن (امریکہ) میں ہمارے ہندوستانی سفارت خانہ کے وزیر مسٹر ڈی۔ این چڑجی نے اخباری نامہ نگاروں کو بیان دیتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ "اہنسا" کے معنی عدم تشدد کے غلط سمجھ لئے گئے ہیں۔ ہم نے کبھی اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے صحیح معنی ہیں کسی سے نفرت نہ کرنا۔ "عدم تشدد" تو اہل زبان نے ترجمہ گھڑ لیا ہے اس کے معنی ہیں "عدم نفرت"! تو بھی یہ شکایت تو

مسلم میر نے اپنی طرف سے نہیں کی اس نے تو میرے من کی بات کہی ہے میں بھی "اہنسا" کا مطلب وہی ٹھیک سمجھتا ہوں جو باہر والے سمجھتے ہیں۔ صرف چڑچی نے اب اس کے نئے معنی پیدا کر دئے ہیں۔ میرے کو تو ایسا لگتا ہے کہ وہ "تشدد" اور کسی کی جان لینے کو پاپ نہیں سمجھتے۔ یہ تو بہت بُری بات ہے"!

"دوسری بات جو اسی اخبار نے اس کے ساتھ ہی چھاپی ہے وہ تو میرے کو بہت دکھ پہنچانیوالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سمپورنا نند جی نے جو ملک کی بہت بڑی سیوا کر چکے ہیں اور اب اور بڑی ذمہ داری کا کام سنبھالے ہوئے ہیں اور سارے ملک میں محبت و پیار کا پرچار کرنے والی "نیشنل انٹگریشن کمیٹی" کے چیرمین بھی ہیں اور جسے مسلم اخبار والے بھائی نے "جذباتی ہم آہنگی کمیٹی" کے چیرمین کا نام دیا ہے۔ اخبار والوں کے سامنے یہ کہا ہے کہ "ہندوستان میں ہمیشہ جذباتی ہم آہنگی موجود رہی ہے مگر زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کے معنی ضرور بدلتے رہے ہیں۔ پُرانے زمانہ میں ہم آہنگی موجود تھی لیکن مسلمانوں کے آنے سے اسے دھکا لگا۔ کیونکہ حالات ہی کچھ ایسے پیش آئے تھے"۔ انھوں نے حالات کا ذرا بھی اشارہ نہیں کیا کہ وہ کیا تھے۔ میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔ میں بھی پہلے کچھ ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا۔ لیکن جب مولانا آجاد کی بتائی ہوئی کتابیں پڑھیں تو پتہ چلا کہ ہم میں لڑائی کرانے کو اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے دور رکھنے کو ایسی باتیں اڑائی گئی ہیں۔ سمپورنا نند جی تک کوئی بھائی میری یہ بات پہنچا دے کہ ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے کی کتابیں پڑھنی چاہئیں۔ اس کے بغیر تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دستخط کرانے پر وقت اور پیسہ برباد نہ کرو۔ سُنا ہے کہ سمپورنا نند جی نے "اردو کوئی زبان نہیں" کہہ کر میرے پرچار کی بات کو غلط سمجھا ہے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ ہمارے سارے دیس کی ایک بولی ہونی چاہیئے اس سے ایکتا پیدا ہوتی ہے اور وہ بولی ہندی ہو جسے دیوناگری لپی میں لکھا جائے۔ جب میں افریقہ سے دُکھی ہو کر ہندوستان آیا اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ جب تک ہم انگریز کے غلام رہیں گے اس سمے تک افریقہ میں ہماری کوئی پوچھ نہیں ہوگی اور ہم اچھوت سے بھی جیادہ (زیادہ) برے سمجھے جاتے رہیں گے ہن اسطے میں نے ساری باتیں آکر یہاں کی جنتا کو بتائی تھیں اور اس میں ایک "لینگویج" اور ایک "سکرپٹ" پر زور دیا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں میرٹھ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں ہزاروں ہندو مسلمان میری بات سُننے کو اکٹھا ہوئے۔ جب میں نے ایک بولی اور ایک لکھت کے واسطے ہندی اور دیوناگری کا سمجھاؤ ان کے سامنے رکھا تو مسلمانوں کے چند سچے سیوک میرے کو ملنے آئے تو میں سمجھا کہ اس سے میری بات آپس میں میل جول پیدا نہیں کرے گی تو پھر میں نے کہا کہ ملک میں جو بولی سب سے زیادہ بولی جاتی ہے وہ ہونی چاہیئے اس کا نام "ہندوستانی" کہو جو فارسی میں لکھی جائے اسے اردو کہو اور وہی بولی دیوناگری میں لکھی جائے تو اُسے ہندی کہیں گے مگر بولی یعنی زبان یا لنگویج ایک ہی ہونی چاہیئے۔ میرے آنے تک یہی بات سب ہندو مسلمان مانتے تھے۔ اب اگر انگریزی کی جگہ ہندی رکھنا پاس ہو گیا ہے تو اردو کو بھی اسی طرح ماننا ہوگا جس طرح ملک میں اور بہتر طرح کی بولیاں ہیں۔ کیا بنگالی کو ملک کی بولی نہیں مانو گے؟ سمپورنا نند جی سے کہہ دو کہ مجھے مسلمانوں کے دُکھ سے دکھ ہوتا ہے۔ ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیئں جس سے آپس میں دل نہ ملیں۔ آشتی اور پیار ملک کی آجادی کو قائم رکھنے کے واسطے بہت جروری ہیں۔ مجھے مسلمانوں پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ ملک کی زبان کو اپنائیں گے جیسے کہ پہلے زمانہ میں بھی کھُلے دل سے اور بڑے حوصلے کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ ان دونوں خبروں کے سچ ہونے میں مجھے ذرا وچار کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں جب اگلی بار تم لوگوں سے ملوں تو میلے ویلے کی باتیں سننے کی جگہ ان باتوں کا ٹھیک پتہ مجھے ملے کہ یہ سچائیں کہاں تک سچی ہیں۔ کیونکہ اگر کسی بازاری خبر یا اڑانے والے کے مُنہ سے نکلی ہوئی یہ باتیں ہوتیں تو مجھے کچھ چنتا نہ ہوتی۔ لیکن اب تو انہیں ملک کے منتریوں کی باتیں بتایا گیا ہے اس کارن میں جواب ملنے تک بے چین اور دکھی سا رہوں گا۔"

(جے رام)

انکساری

(گروئے اعظم بابا نانک جی)

اونچے پانی نا ٹکے　　　نیچے ہی ٹھیرائے
نیچا ہو سو بھر پیئے　　　اونچا پیاسا جائے

تشریح اور ترجمہ:۔ بابا نانک جو نہ صرف سکھوں کے ہی پیشوائے اعظم تھے بلکہ مسلمان بھی انکے اتنے معتقد تھے اور اللہ کا مقبول بندہ اور روحانیت کا سچا مظہر سمجھتے تھے کہ جب گرو صاحب کا وصال ہوا تو انہیں مسلمان کی طرح پیروں کے مساوی درجہ پر دفن کرنا چاہتے تھے لیکن ہندؤں اور سکھوں کے سامنے ان کی بات نہ چلی اور وہ مایوس ہو کر سکتے کے عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ ان کی تعلیمات "شری گرو گرنتھ صاحب" کی شکل میں روحانیت سے پُر اور نہایت سبق آموز ہیں جو سکھوں کی نہایت مقدس کتاب ہے۔

[ترجمہ:۔ وہ فرماتے ہیں کہ پانی اونچی جگہ نہیں رُکتا نیچے کی طرف جا کر ٹھہرتا ہے اور نیچے والا بھی جو جھکتا ہے وہ خوب جی بھر کر پیتا ہے لیکن جو غرور سے سر اونچا رکھتا ہے وہ پیاسا ہی رہ جاتا ہے۔] نتیجہ:۔ اور آپ جانتے ہیں کہ پھلدار درخت بھی نیچے ہی جھکتا ہے اسلئے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیرخواہ انسان وہ ہے جو اپنا سر انکساری سے جھکائے رکھے۔

یوم التاسیس جامعہ

اکتوبر کے مہینے کی اہمیت ہمارے خیال کے مطابق جن دو وجوہات
سے ہے ان میں سے ایک کا ذکر تو ہم گاندھی جینتی کے عنوان سے کر چکے ہیں۔
دوسری وجہ یوم التاسیس جامعہ ہے یعنی اسکا قیام ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو
علیگڈھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا
اس کے متعلق بھی تمام باتوں کا ذکر بار ہا ہم کر چکے ہیں۔ پچھلے سال اکتوبر
۱۹۹۱ء کے "ماہنامہ" کے پرچہ میں بھی کافی تفصیلات دی گئی تھیں۔
لیکن افسوس ہے کہ جامعہ میں بڑے سے لے کر چھوٹے تک کسی نے بھی اسکی طرف
توجہ نہیں کی۔ سال گذشتہ اس تاریخ کو یوم التاسیس منانیکا جلسہ کالج
کے طلبہ کی انجمن اتحاد کے زیر اہتمام ہوا تھا جسکی صدارت کے لئے جامعہ
کے اولڈ بوائے اور کانگریس کے سرگرم کارکن سی کرشن نائر جی کو خاص طور
سے مدعو کیا گیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ طلبائے ہائر سیکنڈری اسکول کی انجمن
کے تحت یہ جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ اس سوسائٹی کے سکریٹری جناب قاضی
عبداللہ صاحب نے ازراہ عنایت ایک دعوت نامہ ہمارے نام بھی بھیجا
تھا جسکی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یا تو ہماری پیتی کے ہم جماعت ہونیکے باعث
یا اپنے محترم والد مولوی عبدالرزاق صاحب (بمبئی) کے ناطے سے جو
ہمارے رفیق کار جامعہ کے انتہائی سرگرم اور مخلص کارکن اور صوم وصلوٰۃ
کے پابند نہایت ایماندارانہ چلن کے سچے ہمدرد بنی نوع انسان تھے اور
جامعہ جن ہستیوں کے ایثار اور طرز عمل سے پروان چڑھی ان میں ان کو شامل
نہ کرنا احسان فراموشی اور نا قدردانی سے تعبیر کیا جائیگا۔ چلئے کچھ بھی وجہ ہو
ہم اپنے چھوٹے "واحد" کی محبت کی قدر کرتے ہوئے شکرگذار ہیں۔ افسوس ہے
کہ ہمیں پہنچنے میں چند منٹ کی تاخیر ہو گئی اور جامعہ میں اب تک وقت کی
پابندی کا لحاظ رکھنے کے باعث ہم پرچم کشائی اور اس کے ترانہ کے
ختم ہونے کے وقت پہنچے۔ یہ تقریب جامعہ کے شیخ جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب
کے ہاتھوں ٹھیک ۹ بجے صبح کو انجام پائی۔ ہمیں اسمیں شرکت سے محروم
رہنے کا اسوجہ سے زیادہ ملال ہے کہ اسمیں پرچم کشائی کے بعد جو ترانہ
گایا جاتا ہے وہ ہماری جامعہ کے لائق استاد اور ملک کے مشہور "بچوں
کے شاعر" جناب محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ کی فکر وطبع کا ایسا شاہکار ہے
کہ ہمیں پورا یقین ہے کہ صرف ان کے اس مخلصانہ قومی جذبہ کے باعث ہی
اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں اپنے رحم وکرم کی بارش سے نوازتا رہیگا۔
ہمیں سننے یہ معلوم کر کے بہت صدمہ ہوا کہ اس ترانہ کو اب حالات وقت
کے تقاضوں کے باعث بدلنے یا ترمیم وتنسیخ کرنے کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔
اگر ایسا ہوا تو جامعہ کا اپنا پرچم بالکل بے جان اور بے روح ہو کر رہ جائیگا۔
اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی یہ موہوم یادگار بھی ختم ہو جائیگی جن کے اشارے
سے یہ الہامی کلام نیرؔ صاحب کے دماغ سے تحریری شکل میں ظہور پذیر ہوا تھا
اور جسمیں ڈاکٹر صاحب موصوف کی نیک خواہشات اور قدرت کی غیبی امداد
کو بہت بڑا دخل ہے۔

سوا نو بجے جلسہ شروع ہوا جسکی صدارت بھی جناب شیخ الجامعہ صاحب
نے فرمائی اور اسمیں وہی پرانی باتیں دہرائی گئیں کہ اسکی بنیاد ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء
کو رکھی گئی تھی پھر دہلی منتقل ہو گئی۔ اسکے کچھ عرصہ بعد جامعہ نگر اوکھلہ میں اپنی
عمارتوں میں آگئی وغیرہ وغیرہ۔

ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ان سنی سنائی غلط باتوں کی "تلاوت" کرنے
سے کچھ فائدہ نہیں۔ اگر یہ جلسہ انعامی مقابلہ کی شکل میں طلبہ کی مضمون نگاری
کی جانچ کے لئے ہو تب بھی کچھ فائدہ مرتب ہو سکتا ہے ورنہ اس نئی پود کو
"قومی یکجہتی" کی صحیح تاریخ بتا کر کارآمد باتیں ان کے کان میں ڈالنی
چاہئیں خصوصاً جبکہ ہمارے ہاں ایسے اصحاب موجود ہیں جو "قومی یکجہتی کمیٹی"
کے بھی سرگرم رکن ہوں اور دنیا کی تاریخ کے ماہر ہوں بلکہ مسلمانوں کی تاریخ
"حالات حاضرہ" کے مطابق تیار کر رہے ہوں اور جن کا شمار سات سمندر پار
تک "علمائے اسلام" میں ہوتا ہو اور اسلام کے موضوع پر اپنے "جدید"
خیالات سے نئی روشنی والوں کو مستفید فرمانے کے لئے مدعو کئے جاتے ہوں
جو جامعہ والوں کے لئے یقیناً باعث عزت وافتخار ہے! ملک کے بٹوارہ کے
بعد کچھ ایسی اکھاڑ پچھاڑ ہوئی ہے کہ جوڑ سے جوڑ نہیں ملتا اور بالکل اجنبیت
سی نہ صرف درسگاہوں میں بلکہ ہر آبادی میں محسوس کی جا رہی ہے، آئے دن
آپ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ پبلک سروس کمیشن کے سامنے پیش ہونے
والے "خوش قسمت" امیدوار جو ہزاروں کی تعداد میں سے اپنی "اعلیٰ تعلیمی اسناد"
کی بنا پر منتخب کر کے طلب کئے جاتے ہیں۔ کیسے کیسے جواب دیتے ہیں جنہیں لوگ
مضحکہ خیز بتاتے ہیں لیکن ہم انہیں ان درسگاہوں کے اساتذہ کے لئے باعث
ذلت ونفرت سمجھتے ہیں جن سے وہ یہ دولت حاصل کر کے اپنے کو نمیں مار خاں
سمجھنے لگتے ہیں اور ملک کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر نیّا پار لگانے کے دعویدار
ہو کر آتے ہیں۔ اگر ایسے قابل ڈگری یافتوں کی فہرست کے ساتھ انکی قابلیت

کو منسٹا اور اُس یونیورسٹی اور خصوصاً درسگاہ کا بھی ذکر کر دیا جایا کرے تو ہمیں پورا یقین ہے کہ وہاں کے کارکن ندامت محسوس کر کے مناسب اصلاحی تدابیر اختیار کر سکیں گے۔ لیجئے ایک مثال تو خود جامعہ کی ہے سُن لیجئے —

یہاں زمانہ کی بات ہے جبکہ جامعہ کے امتحانات کا انتظام کرنا اور اسکے تعلیمی و انتظامی مجالس کی رودادیں لکھنا اور اصحاب متعلقہ کو اس سے مطلع کرنا ہمارے سپرد تھا یعنی جس کو دوسرے الفاظ میں "رجسٹرار" کے لقب سے نوازا بخش کر "آفیسر" جامعہ کے نئے پی جگہ مخصوص فرمائی گئی تھی۔

جامعہ کا نصاب تعلیم، استاد محترم کی تجویز کے تحت اسکی "آزادی طبع" کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً بدلتا رہا ہے خصوصاً اسوقت سے جبکہ مولانا محمد السورتی مرحوم، مولانا شرف الدین مرحوم، جیسے ماہرین مضمون جو علم کو علم کی خاطر جاری رکھنے پر مصر رہتے تھے اور کسی طرح ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے جامعہ سے رخصت ہو گئے اور محض امتحان پاس کرنے کی تعلیم کو زیادہ اہمیت دینے والوں کے لئے جگہ خالی کر گئے تو بہت جلد جلد تبدیلیاں ہونے لگیں اور چونکہ محکمہ "احتساب" کا ذکر تک نہیں تھا اسلئے آسان سے آسان تر راہ نکالی جاتی تھی جسمیں محنت کم کرنی پڑے اور غریب طالب علم کو ہی سب کچھ جھیلنا پڑے۔ چنانچہ اردو کی کتابی تعلیم صرف منزل ثانوی کے آخری درجہ تک محدود ہو کر رہ گئی جو جامعہ سینیر یعنی الف اے، کا امتحان پاس کرنے پر ختم ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد بی۔ اے میں اردو کا وجود اس صورت میں باقی رکھا گیا تھا کہ طالب علم کو ایک مقالہ لکھ کر بی۔ اے کے آخری سال کا امتحان ختم ہونے پر رجسٹرار کے حوالے کرنا پڑتا تھا جو مختلف تاریخوں میں طلبہ کی آسانی کے لئے (رعائت کے طور پر) تاریخ مقررہ کے بعد بھی قبول کر لیا جاتا تھا اور جب تک سب کے پاس سے مقالے نہ آجائیں دفتر کی الماری میں محفوظ رہتا تھا۔ پھر سب کاپیاں ایک بنڈل کی شکل میں ممتحن صاحب کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔ اس سلسلہ میں ایک غیر متعلق لیکن نہایت اہم خبر بھی درج کر دینی نامناسب نہ ہوگی۔ جب ملک کا ودھان (دستور) پاس ہو گیا اور ہندی قومی زبان قرار دے دی گئی تو بی۔ اے کے اردو مقالہ کا بھی اخراج جامعہ سے ہو گیا اور اس غریب کو جلاوطن ہوتے دو ہی برس گذرے تھے کہ پھر از خود تسلیم ہونے کی منظوری مل گئی اور بی۔ اے کے نصاب میں شامل ہونیکی اجازت ہو گئی۔ اس واپسی کے رحم و کرم کی وجہ یہ سننے میں آئی کہ ہندو کالج دہلی کے اردو پروفیسر نے یہ شکایت کی کہ ہم تو اردو کو بی۔ اے کے بعد ایم۔ اے میں بھی علیحدہ مضمون کی شکل میں رکھنا چاہتے تھے لیکن آپ نے تو اسے بی۔ اے ہی میں سے ہی ختم کر دیا۔ اس لئے اعتراض ہوا ہے کہ جب جامعہ والوں نے اسے بی۔ اے میں بھی نہیں رکھا تو آپ ایم۔ اے تک کیوں اسکی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس غلطی کا احساس ہوا اور پھر مقالہ اپنے گھر واپس آ گیا۔ اب اس مقالہ کی کہانی سُنئے —

ایک ہندو طالب علم نے جامعہ سینیر (الف۔ اے) کے امتحان کے موقعہ پر درخواست دی کہ میں چونکہ ایسے صوبہ کا رہنے والا ہوں جہاں اردو بہت کم استعمال ہوتی ہے اس لئے میرا امتحان اردو ادب کی بجائے آسان اردو کے کورس میں لیا جائے اور دوسرے مضامین کے پرچے اردو کی بجائے ہندی یا انگریزی میں لکھنے کی منظوری دے دی جائے۔ چنانچہ حسب قاعدہ درخواست منظور ہو گئی۔ اسی تمثیل کو پیش کرتے ہوئے دو سال کے بعد بی۔ اے کے پرچوں کے لئے بھی انہوں نے اردو کی بجائے انگریزی یا ہندی میں جوابات لکھنے کی سہولت چاہی جو منظور کر لی گئی لیکن مقالہ کا لکھنا لازمی امر تھا۔ چنانچہ وہ انہوں نے حسب قاعدہ ہمارے حوالہ کر دیا۔ اس مقالہ کی جانچ کرنے والے آپ جانتے ہیں کون تھے؟ ملک کے مشہور ادیب جناب رشید احمد صاحب صدیقی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ! چنانچہ گنتی کی وہ چند کاپیاں ان کی خدمت میں بھیجی گئیں۔ پندرہ بیس روز کے بعد وہ کاپیاں واپس آگئیں۔ ہمارا یہ قاعدہ تھا کہ ہر ممتحن سے ان پرچوں کے جوابات کے متعلق جن کی وہ جانچ کرتے تھے۔ رپورٹ منگایا کرتے تھے۔ لہٰذا ان مقالوں کے متعلق بھی انہیں لکھا گیا کہ نمبروں کے علاوہ جماعت کی مجموعی حالت کے اعتبار سے ایک رپورٹ بھی مرتب کر کے اس کے ساتھ ارسال فرمائیں۔ چنانچہ ضابطہ کی پابندی کا کرتے ہوئے ممتحن صاحب نے تحریر فرمایا کہ مجموعی حالت بہت اچھی ہے اور فلاں رول نمبر کا مقالہ تو اتنا اچھا تھا کہ خود ممتحن نے اس سے بہت کافی استفادہ کیا اور اس کی معلومات میں اچھا خاصہ اضافہ ہوا۔ اب جو مذکورہ رول نمبر کے مطابق کاپی اٹھا کر دیکھی تو ہمارا ذکر تو چھوڑیئے۔ آپ خود یہ معلوم کر کے حیرت زدہ ہو جائینگے کہ وہ رول نمبر انہی "بزرگ" کا تھا جنھوں نے اردو سے پوری واقفیت نہ ہونے کا عذر پیش کیا تھا اور اردو میں جوابات لکھنے سے معذرت چاہی تھی۔ اس کاپی کی تحریر اس قدر خوبصورت اور خوشنما تھی کہ بڑے سے بڑے کاتب اور خوشنویس کو بھی مات کر رکھا تھا اور خیالات اور عبارت آرائی بھی غضب کی تھی۔ گویا کسی اچھے قابل اردو داں سے اور عمدہ کاتب سے لکھوا کر ہماری معرفت وہ کاپی ممتحن صاحب کے

پاس بھیجی گئی تھی۔ اور متعلقہ استاد یا پروفیسر کے ضابطہ کے دستخط بھی اس پر ثبت تھے جنھوں نے اس کے مجانب امیدوار ہونے کی تصدیق کی تھی کیونکہ قواعد نصاب میں یہ کہیں صراحت سے درج نہیں تھا کہ مقالہ طالبعلم کو خود اپنے ہاتھ سے لکھنا چاہیئے۔ کوئی بھی شخص اس کے خیالات کو اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں اس کی طرف سے صاف اور خوشخط طریقہ سے قلمبند کر سکتا ہے۔ امتحان خط کا نہیں ہے بلکہ اس کے علم کا ہے، اور اس کا علم سوائے خدا کے اور کس کو ہو سکتا ہے کہ اس مقالہ میں جو کچھ درج ہے وہ اس کے اپنے الفاظ ہیں یا کسی دوسرے کے۔ اس طرح وہ امیدوار اردو کے مضمون میں سب سے اول نمبر پہ تھے۔ اس سے کیا دوسرے ساتھیوں کی ڈویژن پر اثر نہیں پڑتا؟ اور وہ غریب مقابلہ کی دوڑ میں پیچھے نہیں رہ جاتے؟ ایسی صورت میں اگر پبلک سروس کمیشن کے سامنے کوئی شخص روم (ROME) کو اٹلی کا شہر بتانے کی بجائے رومن امپائر کے بادشاہ کا نام کہہ دے یا انڈونیشیا کے سکارنو کو اٹلی کا دارالسلطنت بتا دے اور پنڈت موتی لال نہرو کو موتیوں کے جزیرہ کا بادشاہ بنا دے تو کونسی حیرت کی بات ہے؟ اور اگر آپ ایسی ہی باتیں سننے سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو لیجیے ۱۹۴۲ء

بیالیس سال کا زمانہ

اور جب بیالیس سال پہلے کے تاریخی واقعات کے سلسلہ میں "جلیانوالہ باغ" یا "جنرل ڈائر" یا "گورنر اوڈوائر کے" "کارناموں اور مظالم" سے استاد تک واقف نہ ہوں کیونکہ وہ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا اگر پیدا ہو چکے تھے تو پانی کو "مم" اور پیشاب یا خانہ کو "چھی چھی" کہنے والی عمر میں ہوں گے۔ یا ملک میں موجود ہی نہ ہوں بلکہ باہر اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے ہوئے ہوں یا اگر ملک کے کسی جنوبی شہر میں ہوں اور محض اخباری خبریں پڑھ کر یا آنے جانے والوں سے سُن کر آدھی تہائی بات دماغ میں محفوظ رکھ سکے ہوں تو وہ شاگردوں کو کیا بتا سکیں گے اور جنگ آزادی کی پیداوار درگاہ کو اس کے اصلی مقام پر کیسے قائم رکھ سکیں گے؟ ان باتوں کو نئے داخل ہونے والے طالب علموں کے ذہن نشین کرانا یوم التاسیس کے پروگرام کا لازمی جزو ہونا چاہیئے۔ یا یہ بتانا کہ سال بھر میں جامعہ نے دوسروں کے مقابلہ میں کیا کیا اچھے کام کئے اور کہاں کہاں اس سے چوک ہوئی بہت ضروری ہے۔ اس موقعہ پر کسی ایسے مخلص اور سچے خادم ملک یا ماہر تعلیم کو خاص طور سے دعوت دینا چاہیئے کہ وہ آکر ہماری پوری آبادی کو جسمیں استاد اور طلباء کے علاوہ بستی کے دوسرے لوگ بھی ہوں اپنے خیالات سے اس طرح گرما دے کہ ہماری خفتہ قوتیں بیدار ہو جائیں اور ہم میں کام کرنے کا ایک نیا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اور جس مقصد کے لئے جامعہ قائم ہوئی تھی اس کو "بدلتے ہوئے حالات" میں کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے اس پر نہ صرف غور کیا جائے بلکہ عملی کام کرنے کا پروگرام پیش کیا جائے۔

سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۹۲ء

اس سال کا یوم التاسیس ایک خاص نوعیت کا تھا کیونکہ ہماری رائے میں اس کے قائم ہونے والے سال یعنی ۱۹۲۰ء میں اور آج کے سن یعنی ۱۹۹۲ء میں اس قدر مماثلت تھی کہ اب تک کبھی ایسی نہیں ہوئی۔ سنہ ۲۰ء میں بدیشی حکومت سے ملک کو آزاد کرانا تھا اور سنہ ۹۲ء میں اپنے دیس کو غیر ملکیوں کے حملہ آور ہو کر قابض ہونے سے بچانا ہے یعنی پہلے ایک کے قبضہ سے ملک کو چھڑانا تھا اور اب دوسرے کے قبضہ میں جانے سے بچانا ہے، سات آٹھ گاؤں میں سوشل ویلفیر کمیٹی قائم کرکے ایک اجتماعی نظام میں اوکھلہ ویلفیر بورڈ کے نام سے سب کو منسلک کرنا تو جامعہ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور مدتوں ان کے مرنے جینے میں شامل ہونے یا ان کو بھلائی کے کاموں میں لگانے کے لئے تو حکومت کی موٹریں اور جیپیں دوڑتی پھرتی ہیں اور جب حکومت کو ضرورت پڑی تو ان کو ایک مرکز پر لانے کے لئے ہم نے تساہل سے کام لیا۔ اس سے پورے گاؤں کو مایوسی ہوئی اور ہمارے علاقے کے لوگوں پر غیر علاقہ والوں نے اپنا اثر قائم کرکے حکومت کی خیرخواہی کا ثبوت دیا اور ہم کھڑے دیکھتے رہے۔ یوم التاسیس سے بہتر کوئی موقعہ نہیں تھا۔ جلسے سے فارغ ہو کر جب ہم آئے تو ہم سے گاؤں والوں نے کہا کہ لاجپت نگر کی ایک منڈلی یہاں آکر روپیہ اکٹھا کرکے پہلی قسط چار سو پانسو روپے کی صرف دکانداروں سے لے گئی ہے اور گاؤں کی دوسری آبادی کی طرف یا تو توجہ نہیں کی یا گاؤں والوں نے ہی کنی کاٹ لی۔ ہمیں یہ سُنکر بہت دکھ ہوا اگر اسی روز سرائے جلینا والے پنڈت سیس رام شرما اور مانک بھائی پنڈت دیپ چند شرما آئے کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری آبادی کا ہی ایک معزز اور شریف شخص جس کے ساتھ رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے کا ہمیں کئی سال تک ہمیں شرف حاصل رہا ہے اور جس نے ہر موقعہ پر ہمیں یاد رکھا اور آج کل بھی جو اپنے بال بچوں کے پاس آتا رہتا ہے بہتر تھا کہ آپ ماسٹر جی سے ہم تو اپنے علاقہ کا سارا روپیہ جو ڈیفنس فنڈ کیلئے جمع ہوگا پرائم منسٹر صاحب کی ہی نیک ہستی کے مبارک ہاتھوں بھیجا کئے

کیونکہ یہ علاقہ انہی کا ہے اور وہی ہمارے مکھیا ہیں جنہوں نے ہماری آنکھوں کے سامنے کیسی کیسی کٹھنائیاں برداشت کر کے ہمارے لئے ایک بہت بڑی سنستھا چلانے میں رات دن ایک کر دیا تھا اور ہمارے علاقہ کے سینکڑوں بچے ان کے چرنوں میں بیٹھ کر ودیا کی دولت اور اچھی اور نیک عادتوں سے مالا مال ہو گئے۔ چنانچہ اسی ناطہ سے وہ ان کی کوٹھی واقع مولانا ابوالکلام آزاد روڈ (نئی دہلی) پر یکم نومبر کو شام کے ۵ بجے ملنے وقت سے پہلے ہی ۴ بجے پہنچے جنہیں ان کے پرائیویٹ سکریٹری اور دیگر ملازمین نے بہت عزت سے ملاقات کے کمرہ میں بٹھایا اور ٹھیک ۵ بجے جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اپنی حسب معمول عادت کے مطابق خندہ پیشانی سے ہال کے کمرہ میں داخل ہوئے اور بہت تپاک سے ملے اور خیریت اور علاقہ کی حالت معلوم کرتے رہے اور ملک کو اس وقت جو پریشانی لاحق ہے اس کا ذکر کرتے رہے۔ دونوں پنڈت بھائیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے ہم نے عرض کیا جناب یہ آپ راشٹرپتی کے پاس نہیں آئے ہیں بلکہ اپنے پڑوسی اور اپنے اوکھلا باسی کے ناطہ سے حاضر ہوئے ہیں۔ جس پر فوراً انہوں نے فرمایا کہ اسی ناطہ ہی سے تو آنا چاہئے تھا اور مجھے مل کر بے حد مسرت ہوئی۔ ہم نے انہیں بتایا کہ یہ چاہتے ہیں کہ ڈیفنس فنڈ میں فرداً فرداً روپیہ بھیجنے کی بجائے اپنے میں سے کسی بڑے کی معرفت بھجوایا جائے اور چونکہ ہماری خوش قسمتی سے آپ یہاں موجود ہیں جو ہمارے ہی آدمی ہیں اس لئے پہلی قسط لیکر حاضر ہوئے ہیں تاکہ آپ کے متبرک ہاتھوں سے ہمارے محبوب پرائم منسٹر تک پہنچ جائے۔ ہم اور بھی جمع کر رہے ہیں لیکن سب رقم کے جمع ہونے تک انتظار کرنے میں دیر لگے گی اور ملک کو فوری ضرورت ہے۔ اس لئے ہم تھوڑی سی رقم لیکر حاضر ہوئے ہیں۔ باقی کے لئے بار بار آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ ہم براہ راست بھجوا دیا کریں گے۔ یہ تو صرف آپ کی برکت کیلئے ہے۔

ہم نے دونوں بھائیوں کی طرف سے ایک لفافہ پیش کیا جس میں ایک ہزار روپے کے کرنسی نوٹ تھے جو ادا کرنے کے لئے ان کے پتا جی پنڈت چمن سنگھ شرما (رئیس سرائے جلینا و اوکھلا) جامعہ نگر نے بھیجے تھے وہ چونکہ علیل ہیں اس لئے خود حاضر نہیں ہو سکے۔ دوسرا لفافہ اور پیش کیا گیا جس میں Rs. 821/- کے نوٹ تھے جو انہوں نے اپنے گاؤں کی منڈی میں اپنی دکانوں کے کرایہ داروں سے وصول کئے تھے اور جن کی فہرست مع رقوم کے منسلک کر دی گئی تھی اس کا اثر بہت اچھا ہوا۔ ایک تیسرا لفافہ اور پیش کیا گیا۔ جس پر خود انہوں نے فرمایا کہ "یہ آپ کی طرف سے معلوم ہوتا ہے؟"

وہ ایک چیک کی شکل میں جو چاندنی چوک دہلی کے بینک کے نام تھا اور جس پر ۲۹ اکتوبر کی تاریخ درج تھی اور یوم التاسیس کے جلسے میں شرکت کرتے وقت اس خیال سے ساتھ لے گئے تھے کہ اگر کوئی ایسی تحریک ہوئی تو یہ چیک پیش کر دیا جائیگا لیکن وہاں صرف اسٹاف کی ایک دن کی تنخواہ وضع ہونے کا اعلان اور طلبائے جامعہ سے حسب استطاعت دینے کی اپیل کی گئی۔ اولڈ بوائز یا دیگر متعلقین جامعہ سے کچھ نہیں کہا گیا اور نہ اوکھلے گاؤں کے لئے کسی معتبر اور ذمہ دار کمیٹی بنائے جانے کا اعلان کیا گیا اس لئے بادل ناخواستہ ہم جلسہ ختم ہونے پر چلے آئے اور اپنے پرانے رفیق اور محسن جناب اختر حسن صاحب فاروقی آرٹسٹ جامعہ سے اپنے تاثرات کا اظہار کر کے گھر لوٹ گئے مگر خدا کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمیں یہ خیال تک نہیں تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد ہماری مایوسی کے علاج کے لئے اللہ میاں بیٹھے بٹھائے غیب سے ہمارے دیرینہ کرم فرما پنڈت دیپ چند شرما کو مندرجہ بالا تجویز کے ساتھ بھیج دینگے جس سے ہمیں بہت خوشی ہوئی اور پھر وہ سب کچھ ہوا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے وہ تمام رقومات تو وزیر اعظم ڈیفنس فنڈ میں بھیجیں اور دفتر نائب صدر جمہوریہ سے معطیان کو شکریہ کے خطوط ان کی ہمت افزائی اور مزید کوشش جاری رکھنے کے لئے اپنے دستخطوں سے مزین فرما کر ارسال فرمائے جو ۳ نومبر کو سب کو مل گئے۔ یہ ان کی خاص کرم فرمائی ہے ورنہ باضابطہ رسیدات تو دفتر پرائم منسٹر سے آہی جاتیں۔ امید ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھیگا تاکہ اس کا سر ہمیشہ کی طرح اونچا رہے اور اب تو ماشاءاللہ تنخواہیں بھی کافی ہیں اور اسٹاف کی تعداد (چھوٹے بڑے سب ملا کر) اتنی ہے کہ خود جناب شیخ جامعہ یا خازن صاحب یا مستقل صاحب کو بھی غالباً جامعہ کے آفیسر (ہیں) معلوم نہیں۔

مہاتما گاندھی میموریل فنڈ میں ایک دم ہر شخص کی طرف سے اس کی تنخواہ (مع گرانی الاؤنس کا ۱۰٪) پنڈت جی کی خدمت میں فوراً بھیج دیا گیا تھا اس وقت بابو راجندر پرشاد اس فنڈ کے انچارج تھے اور ان کی طرف سے تمام رقومات مرسلہ کی رسیدیں آیا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی کرنا مناسب تھا۔ ایک ایک دن کی تنخواہ کا وضع کیا جانا کتنے عرصے کے لئے ہے اس کا پورا علم ہمیں نہیں ہے لیکن روپے کی تو اس وقت ضرورت ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ سامان خریدا جاسکے ورنہ تاخیر نقصان کا باعث ہوگی۔ ہم نے ذرا سی بات کو بہت طول دیا ہے۔ یہ ایک پرانا مرض ہے جو دمہ کی طرح اب تو دم کے ساتھ ساتھ چلیگا۔ اللہ جواب چند دن کی بات رہ گئی ہے لیکن جناب شیخ الجامعہ صاحب سے مودبانہ

درخواست جھک کر پہلے کی طرح ، سے کسی قسم کی نکتہ چینی یا مخالفت یا بدنامی یا بھول نہ کیا جائے بلکہ یہ ساری سعی خواتین بطور مشورہ کہی گئی ہے جس کے لئے ہم پچھلے پرچہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم کے ارشادات اور جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے نصائح میں مطابقت کا ذکر کر چکے ہیں اپنے سلیقہ کی کمی کا اعتراف کرتے ہیں اس سے قابل معافی ہیں ۔

ایک نہایت ضروری گذارش کچھ عرصہ سے ملک میں یہ طوفان بدتمیزی برپا ہے کہ ملک میں مختلف ناموں سے سینکڑوں پارٹیاں بنتی جا رہی ہیں جہاں کسی کو اختلاف ہوا وہاں وہ فوراً جھنڈا بلند کر کے صدر کی یا سپیکر کی حکم عدولی کرنے سے گریز نہیں کرتا اور احباب میں بیٹھ کر اپنی بدتمیزی کو ہمت جرأت یا بہادری سے تعبیر کر کے اس کا طالب ہوتا ہے اور اگر دو چار احباب تائید کرنے والے مل گئے تو ایک "آل انڈیا" پارٹی کسی نئے نام سے قائم کر لیتا ہے اور اگر اس سے مطلب حل ہوتا نظر نہیں آتا تو چند سرکش اور اسی قسم کے لوگوں کو جمع کر کے لوٹ مار اور فساد اور خونریزی پر آمادہ کر لیتا ہے ۔ اس طرح آگ لگا کر یا توڑ پھوڑ کر کے اپنے ہی ملک کا نقصان کرتا ہے اور جو روپیہ قوم کے لئے مفید کاموں پر صرف ہوتا وہ اس توڑ پھوڑ کی درستگی اور مرمت پر ضائع ہوتا ہے ۔ ان میں بعض اوقات پرانے لیڈروں کے نام بھی سننے میں آ جاتے ہیں جن کی دوکان کی رونق کم ہو چکی ہوتی ہے اور وہ اسے دوبارہ چلا دینے کے لئے اس قسم کی حرکتیں کرنے کے لئے جنتا کی ہمدردی کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور دس پانچ کو لاٹھی چارج سے زخمی اور تین چار کو بندوق کا نشانہ بنوا کر چپکے سے کھسک لیتے ہیں اور پھر لوگوں کی آمد و رفت ان کے ہاں شروع ہو کر دربارداری کا بازار گرم ہو جاتا ہے ۔ انہی کی دیکھا دیکھی یہ بیماری اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ میں بھی پھیلتی جا رہی ہے جو ادب و اخلاق کے منافی ہونے کے علاوہ ملک کے مستقبل کے لئے بہت زیادہ تشویشناک ہے ۔ طلبہ میں یہ رجحان یا تو غلط قسم کے لیڈروں کی خفیہ کارروائیوں سے پیدا ہو رہا ہے یا بدکردار استادوں کے اکسانے اور ان کی اپنی کسی خود غرضی کے لئے بھڑکا دینے کے باعث دیکھنے میں آتا ہے اس سے لائق طلبہ کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اور علم کے میدان میں ہم دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہوتے جا رہے ہیں ۔

یہ بات جامعہ میں نہیں تھی لیکن اب اس نے جنم لینا شروع کر دیا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر استادوں اور افسروں میں احساس کمتری کی بھی جھلک نظر آنے لگی ہے ۔ تعجب ہے کہ ان کے کردار پر اصلاحی کارروائی کرنے کے لئے کوئی افسر شعبہ یا نگران مدرسہ یا پرنسپل صاحبان کا تعاون یا ان کی فکر درون کی کشمکش جماعت میدان میں نہیں نکلتی اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی کوشش نہیں کرتی ۔ قوت مدافعت کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اور نوجوانوں کے دماغ میں اخلاق کی صدا کا بلند ہونا ناممکن سا ہو گیا ہے ۔ شیخ الجامعہ صاحب کو صدر رفقاء کے شعبہ والس چانسلر ز آفس سے تنخواہ نہیں ملتی بلکہ کالج سے ملا کرتی ہے [اس کی وجہ تو مالیات کمیٹی کے ارکان ہی بتا سکتے ہیں جو کلیم رہے ہیں اور ماشاء اللہ ایک دو کے سوا سب ہی تیس پینتیس برس سے چلے آ رہے ہیں اور یہ بہت بڑا عذاب ہے جو جامعہ والوں پر نازل ہے کہ ان کا کوئی منتخب شدہ نمائندہ نہیں ہے ۔ وہ حکومت سے نامزد کئے ہیں اور وہ حکومت جامعہ کے مقرر ہیں مگر اس وقت اس پر بحث کا موقع نہیں ہے] جب کالج سے تنخواہ ملتی ہے تو تعلیمی گھنٹہ نہ سہی اخلاق اور تربیت پر تو کبھی کبھی طلبہ کو مخاطب کر کے اس تنخواہ کے کھاتہ کو کالج بجٹ کی صحیح مدات میں شامل کر کے جائز کیا جا سکتا ہے ۔ بعض حواری " اس قسم کے اعتراضات پر علیگڈھ یا دلی کا حوالہ دیا کرتے ہیں ۔ قسم کھا کر وہ بتائیں کہ اس معاملہ میں علیگڈھ یا دوسری یونیورسٹیوں کا مسلک کیا ہے ۔ کالج کا پروفیسر ہونا تو طلبہ سے براہ راست روزمرہ کا واسطہ پڑنے کی بنا پر بہت بڑی ذمہ داری کا باعث ہو جاتا ہے ۔ دوسری جگہ خود وائس چانسلر بھی وقتاً فوقتاً طلبہ کو ان کے فرائض پر اور یونیورسٹی کے مقاصد پر توجہ دلاتے رہتے ہیں لیکن یہاں کا تو معاملہ ہی عجیب سا ہے ۔ جب یہ خاص مقاصد کی درسگاہ بھی جاتی ہے تو پھر نئے بھرتی شدہ استادوں کو یا ملک کی زہریلی آب و ہوا میں نشو و نما پانے والے ناظم و دیار نشینوں کو تو صحیح ڈگر پر لانے کے لئے کچھ وقت صرف کرنا ہی ہوگا ورنہ اخلاق کا صرف نام رہ جائیگا اور اصلی روح غائب ہو جائے گی ۔

جامعہ کے جو مقاصد اس کے چلانے والوں کے خطبوں یا مضامین میں درج ہیں ان کو بار بار دہرانا بالکل اسی طرح " بڑوں " کی جل آزاری کا باعث ہوتا ہے جس طرح کانے کو کانا کہنے سے وہ چڑتا ہے اور غصہ میں واہی تباہی بکنے لگتا ہے ۔ اس لئے اس مرتبہ ہم پرانی لکیر کو پیٹنا نہیں چاہتے البتہ بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہم بھی پانی کی طرح اپنی روش اختیار کرنے کا تجربہ کرتے ہیں کیونکہ جامعہ ایک " اکسپیریمنٹل " (تجرباتی) درسگاہ ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ پانی کو جس برتن میں رکھو اسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ اور شاعر بھی کہتا ہے " چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی " اس وقت ہمارے سامنے جامعہ کے بنیادی مقاصد اور اس کے اصولوں کے متعلق پرانے کاغذات

مشغلہ تو تقریباً موجود ہیں جو ہم نے محفوظ کر رکھے ہیں اور اپنی زندگی تک جان سے زیادہ عزیز رکھنے کی کوشش کریں گے اور ان کے ساتھ ہی ساتھ ہم ان کاغذات کو بھی جو گذشتہ سال جامعہ کے نئے دستور کے منظور کرانے کے لئے بطور تجویز شدہ تجویز کے ہمارے پاس بھیجے گئے تھے جس کا منشاء تھا کہ جلسہ میں حاضر ہو کر پہلے روایتی "اکل و شرب" میں شرکت کریں اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر "آمنّا و صدّقنا" کی فہرست میں نام لکھا دیں تا کہ یہ کہا جا سکے کہ جناب اس دستور کی منظوری دینے والوں میں تو آپ بھی شریک تھے گو ایسے ہو چکے تھے کہ عمر بھر ہم جامعہ کے روپے پیسے پر سانپ کی طرح پہرہ دیتے رہے اور ایک ایک پیسہ کے بل کی منظوری کے لئے ہماری طرف سے لعن طعن سنتے رہے کہ "واجب القتل" کا فتویٰ صادر ہونے کی تجویز کے وقت بھی اتفاق سے اللہ میاں نے اس خفیہ جلسہ کے موقعہ پر رات کی تاریکی میں اپنی قیام گاہ سے بارہ میل دور اس "محفوظ" کمرہ کے باہر اپنے کانوں سے ساری کی ساری صدا سننے اور اپنے احباب کی رطب اللسانی اور فصاحت و بلاغت سے لطف اندوز ہونے کے لئے پہنچا دیا تھا نیز تمام حساب کتاب خود لکھنے نیز ایک ایک پیسہ کی آمد و خرچ کے گوشوارے تیار کرنے نیز املاک جامعہ کا حساب کتاب وغیرہ مرتب کرنے میں رات دن مغز مارنے کے باوجود جامعہ کے گوشواروں پر غور کرنے کا جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وقت آیا تو بھولے سے بھی ہمیں خاندان کا ایک "اہم" رکن سمجھنے والے فلسفی اور اللہ کے نیک بخت بندوں اور ہاتھ پکڑانے والے ساتھیوں نے کبھی بات کان میں پڑنے کے خوف سے یاد تک نہیں کیا۔ ہم ماہر حساب نہ سہی واقفِ حساب اور محافظ مالیات تو تھے اور "اندھوں میں کانا راجہ" کے تحت شرکت کے مستحق ہی نہیں بلکہ قانونی اور اخلاقی اعتبار سے بھی حقدار تھے مگر وہ زمانہ عجیب تھا کبھی "ہم چو من دیگرے نیست" کا خیال تک نہیں آیا اور نہ کبھی دوسروں کی بدنیتی پر شبہ کیا۔ مگر اب وہ وقت جب یاد آتا ہے تو تمام نیک خیالات رنج و غم کی آہوں کے ساتھ بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں اور گناہوں کی پوٹ مختلف شکلوں میں باقی رہ جاتی ہے۔ اور ہمیں یقین نہیں آتا کہ یہ منافقت اور خود غرضی شروع سے ہی پلتی آ رہی تھی پھر بھی اس وقت معصوم لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی اور ہم تو اسی میں مگن تھے کہ "ما منزل (قرب) بلاغ" ہمیں ہمارے ایک ڈرامائی شاگرد نے خود ہمارے مرحوم بیٹے کے منہ سے ہمارے کام اور جامعہ کی حالت کو ایک گیت کے ذریعے ان الفاظ میں جو صرف اتنے ہی ہمارے دماغ میں محفوظ رہ گئے ہیں کہ "آپ ہی کُنجی آپ ہی تالا رہے" اس طرح مربوط کر کے سامعین سے داد لی تھی کہ اب تک وہ سماں ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور کانوں میں نغمے کی وہ آواز گونج رہی ہے۔ کیا حساب کتاب کے "موجودہ" ذمہ دار کارکن سینہ پر ہاتھ رکھ کر ایمانداری سے بتائیں گے کہ پچیس تیس سال تک خزینہ کا صرف بڑے نام انچارج رہنے بلکہ خود اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھنے کے بعد آپ اس "خرافت" کو برداشت کریں گے جو "انسلٹ پروف" بن کر برداشت کی گئی اور کن کے ہاتھوں؟ جس کے جواب میں فارسی کا صرف ایک مصرعہ کافی ہوگا "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم" دوسرا مصرعہ خود دل ہی دل میں پڑھ لیجئے۔

ایسی حالت میں طے شدہ دستور کے جلسہ میں شرکت کر کے اپنا نام شامل کرانے کی مطلق ضرورت نہیں تھی اور "وائک آؤٹ" کا سبق ہم نے سیکھا نہیں۔ میری نصیحت سب ذہن میں رکھیں کہ "بدلتے ہوئے موجودہ حالات" کے تحت جس طرح جامعہ کے مقاصد اور اصول بدل سکتے ہیں اسی طرح اخلاقی کتاب کے سنہری حروف بھی مندرجہ ذیل "فولادی" الفاظ میں بدلے جا چکے ہیں اور اگر آپ نے ان پر "فکری" طور سے غور نہیں کیا تو بہت گھاٹے میں رہیں گے۔ ان الفاظ کو اقوال کی صورت میں اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ "آجکل سچ بولنا گناہ ہے اور غریب ہونا جرم ہے"۔ اور ہماری حالت تو اس شعر میں سن لیجئے:-

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

اس کے معنی بھی "بدلتے ہوئے حالات" کے تحت وہ نہیں رہے جن میں ہم نے استعمال کیا ہے۔ "بدلتے ہوئے حالات" کے سمجھنے والے "ماہر نفسیات" سے اس کی شرح پوچھئے۔

لیجئے ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے اس کم بخت عادت کا کیا علاج کیا جائے۔ وہ ضروری گزارش جو ہم کرنا چاہتے تھے اور جس کی ابتدا ہم نے جامعہ کے طلبہ کو دوسروں سے ممتاز رکھنے کے لئے موجودہ بازاری طریقہ کار سے بچانے کی کی ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ آپ کو یاد دلائیں کہ گروہ بندی اور فرقہ پرستی نے خواہ وہ مذہبی اعتبار سے ہو خواہ سیاسی اعتبار سے کبھی ہمارے ہاں سر نہیں اٹھایا اور کسی کو انگشت نمائی کا موقعہ نہیں ملا۔ جنم سے یہاں قومی یکجہتی کا ظہور عملی طور سے رہا ہے۔ اقتدار پرستی کو آپ اس میں شامل نہ کیجئے وہ تو "بدلتے ہوئے حالات" میں اور بھی ضروری چیز بن گئی ہے۔ طلبائے جامعہ سے بھی ہاتھ جوڑ کر درخواست ہے (اگرچہ وہ ہم سے بہت چھوٹے ہیں لیکن نئی زمانہ بڑے کھوسٹوں کو اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ ان کی بات سنی جائے) کہ وہ اصلیت معلوم کئے بغیر محض کسی کے کہنے

سکھانے میں آکر کوئی غلط کام نہ کر بیٹھیں، جوش و خروش کو مناسب جگہ اور صحیح وقت پر استعمال کرنا چاہیئے۔ ہمارے ہاں جامعہ اور دفتر جامعہ کی صحیح خدمت کرنے کے بنیادی اصولوں کے مطابق مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یعنی کانگریسی، جن سنگھی، کمیونسٹ، شیعہ سنی تبلیغی سنگھٹنی آریہ سماجی سناتن دھرمی وغیرہ چیزوں کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ تعلیم اور صحیح تعلیم ہمارا مقصد رہا ہے ہاں اگر کسی سے اس قسم کی کبھی کوئی لغزش ظاہر ہوئی تو اسکا تدارک کیا جاتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی یقین جانئے بغیر کسی شور و شر کے اس پر عمل کیا جائے گا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوگی۔ ہمارے ہاں کمیونسٹ کا لفظ سننے میں تو آیا ہے لیکن دیکھنے میں نہیں آیا یعنی جسنے جامعہ کے مقاصد کو نظر انداز کرکے اس قسم کی کوئی حرکت کی ہو۔ دو بھائی جن میں آپس میں انتہائی محبت ہو کبھی نہیں چاہتے کہ میری زمین یا مکان کے حصہ پر دوسرا قابض ہو جائے اس لئے اگر کوئی کمیونسٹ ہو بھی تو وہ کبھی یہ نہیں چاہیگا کہ ہندوستان کے باہر کا کوئی ملک بھی آپ کے ملک کو ہتیا لے۔ جامعہ میں نورے گلفشے تین دن پہلے کی بات ہے کہ ایک چھوٹی بچی سے جو ماشاءاللہ بہت سمجھدار ہے ہم نے کہا کہ چین سے ہندوستان کی جنگ شروع ہوگئی ہے تو اس نے نہایت جوش سے ہاتھ کا مٹھی بند کرکے میز پر زور سے مکا مار کر کہا کہ خدا کی قسم اگر مجھے امی اور ابا جانیکی اجازت دیدیں تو میں اگر لڑ نہیں سکتی تو زخمیوں کو پانی تو پلا سکتی ہوں میں ان کی مرہم پٹی میں یا زخمیوں کے اور دوسرے کاموں میں مدد تو کر سکتی ہوں! میں ضرور جاؤں گی اور یہ سب کچھ کرکے دکھاؤں گی۔ ہمنے کہا "مگر تمہارے ابا تو سنا ہے بہت سخت کمیونسٹ ہیں" اس نے فوراً غصہ سے جواب دیا "اس سے کیا ہوتا ہے ملک تو ہمارا ہے ہم اپنا ملک دوسروں کے حوالے تو نہیں کر سکتے! ہم جان دیدینگے لیکن ملک نہیں دینگے"۔

یہ باتیں بغیر گھر کے صاف ستھرے ماحول کے بچہ کے منہ سے نہیں نکل سکتیں۔ ہمیں اس کے اس جذبہ سے بیحد خوشی ہوئی۔ یوں کہیئے کو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اجی! اسے پہلے ہی سے سکھا دیا ہوگا کہ تم سے کوئی اس قسم کا سوال کرے تو یہ جواب دینا۔ اب اس بدگمانی کا علاج تو ارسطو کے پاس بھی نہیں۔ خواہ مخواہ کی بدظنی پیدا کرکے فضا کو مکدر کرنا کمیونسٹوں سے بھی زیادہ نقصان پہنچانیوالا فعل ہے۔ کانگریس کے بعض بڑے بڑے نیتاؤں کے بھائی یا عزیز کمیونسٹ ہیں۔ اگر جوش میں آکر خواہ مخواہ ان پر ہاتھ اٹھایا تو کانگریس نیتا کو بھی دکھ ہوگا اور پوری جماعت کے نہیں تو اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے والے کے خلاف تو ضرور ہو جائیگا اس سے آپس میں پھوٹ پڑجائیگی اسلئے باتوں کو ملحوظ رکھ کر اس نازک وقت میں صحیح قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بعض شرارت پسند طبائع کانگریس اور کمیونسٹ دونوں جماعتوں میں ہیں یہ لوگ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اور ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے یا وہیہ لوٹنے کی غرض سے اس قسم کی کارروائیاں بھی کریں گے۔ ان سے دانائی سے تیج نظر رکھنے کی انتہائی ضرورت ہے۔ لہذا ارباب جامعہ کو جگہ پر کارکن کو خصوصاً ناظم الاقاموں کے نگرانوں کو بہت ذمہ داری اور دوراندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ہم اپنی کہانی سے بھی واقف ہیں اور سورج کو روشنی دکھانے کے معنی بھی سمجھتے ہیں پھر بھی اس وقت جامعہ کے مقاصد کے تحت ہم اتنا ضرور ہی کہینگے کہ

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

اس لئے ساری توجہ ایک مرکزی نقطہ پر ہونی چاہیئے۔ صرف روپے پیسے کی امداد یا فوج میں بھرتی ہونے سے ہی مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" کو بھی ملحوظ رکھئے۔ اپنے آدمیوں کی قدر کیجئے اور دشمنوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ دیجئے۔

<u>ہمارا پرانا نقطۂ نظر</u> ان تمام عذرات کے باوجود جو اوپر درج کئے گئے ہیں ہم اپنی عادت سے مجبور ہو کر اپنے پرانے نقطہ نظر کو دوسری طرح پیش کرکے یوم التاسیس کے عنوان کو ختم کرتے ہیں۔

مولانا حالی مرحوم کا کلام ہمنے ان کے مسدس سے نقل کرکے رسالہ کے پہلے صفحہ پر درج کیا ہے اس کے آخری تین (دعائیہ) اشعار پڑھ کر ذیل کے بند اور اشعار پڑھئے تاکہ ہمارے خیالات کو آپ واضح طور سے سمجھ سکیں:-

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے (۱) جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے
اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

بس اب اپنی گردن پہ رکھو جو اتم (۲) کرو حاجتیں آپ اپنی روا تم
چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے (۳) مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے
سراسر ہو گو سلطنت فیض گستر (۴) ہے ہمت کی فوقیت میں یہ باور

مگر کوئی حالت نہیں اس سے بدتر — کہ ہو بوجھ جو قوم کا سلطنت پہ

جو اس طرح ہاتھوں میں ہے اسکے رعیت — کہ قبضہ میں غسّال کے جیسے میت

وہی گر تجارت کے اس کو سکھائے (۱) — وہی صنعت اور حرفت اسکو بتائے

وہی کاشتکاری کے آئین سکھائے — وہی اسکو لکھوائے وہی پڑھائے

ملا جس رعیت کو ایسا سہارا — کیا آدمیت نے اس سے کنارا

حکومت کے روپیہ کی خاطر ہمارے سب سے بڑے اگر کتنا فنکر کوجس طرح چکر لگانے پڑتے ہیں اور در در کی خاک چھاننی پڑتی ہے اور قسم قسم کی شرائط پوری کرنی پڑتی ہیں انہیں سنکر جب ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے تو خواہ مخواہ مسلمانوں کی ضمیر کا کیا حال ہوگا بس شروع سے یہ شرائط نامہ ہی باعث وجہ اختلاف ہے باقی بیجا مداخلتیاں تو ہر جگہ ہوتی ہیں ان کے لئے بازپرس ہوسکتی ہے۔ اصلاح ہوسکتی ہے اندرونی انتظام بدلا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ ذلت برداشت نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لئے تو شاعر کہہ گیا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حکومت کا بس اتنا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ جس غرض کے لئے اس نے گرانٹ دی ہے وہ اسی صحیح طور سے صرف ہوئی ہے یا نہیں اور اس سے زیادہ اسکی بھی اسے اجازت دیجاسکتی ہے کہ ادارہ میں حکومت کے خلاف یا تعلیم کے مقصد سے ہٹ کر کوئی اور کام تو نہیں ہورہا بس اس سے زیادہ کی پابندی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر حکومت کی طرف سے زیادتی ہوگی تو اسکو مخاطب کرینگے اور اگر اپنوں کی بے علمت فرض ناشناسی ثابت ہوئی تو ان کو آڑے ہاتھوں لینگے اور دیکھینگے کہ آیا سیدھی انگلیوں گھی نکلتا ہے یا نہیں۔ مالی کا کام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ جس سبزہ یا تختہ کو گلزار بنانے کی خدمت اسے ملی ہے اور اسے جو پانی دیا جارہا ہے وہ مالک نے کسی دوسری جگہ کیلئے تو صرف نہیں کیا اور اگر کیا تو اسکا کوئی اعتراف تو نہیں کیا۔ مالک اگر کوئی اور درخت لگانا چاہتا ہے تو وہ اسے پانی دینے سے انکار کرے کیونکہ اسکی شرائط میں وہ چیز داخل نہیں تھی یا جب تک دوسرا معاہدہ نہ ہو جائے اسوقت تک نگہداشت کی ذمہ داری نہ لے۔ مالک خود انتظام کرے گا لیکن مالی ہمیں بندش کی قسم کی کوئی روک نہیں لگا سکتا مالک کو اپنی آزادی سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہی حال تعلیمی اداروں کا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے اس نوٹ سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوجائینگی اور مالی کی مثال دیکر جو مطلب ہم نے واضح کردیا ہے اس کے بعد اب کسی قسم کی گنجائش باقی نہ رکھی جائیگی۔ (ا۔ ف)

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

مسلمانوں کی جتنی تعلیمی درسگاہیں ہیں ان کے نام کے ساتھ لفظ اسلامیہ یا مسلم کا ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ فرقہ وارانہ تعصب یا علیحدگی کے رجحان کی وجہ سے ہے اور محض مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے بلکہ جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں صاف طور سے ظاہر کرچکے ہیں اور مولانا حالیؔ کے مسدس سے چند اشعار درج کرکے اُسے پوری طرح واضح بھی کرچکے ہیں، ان الفاظ کی ضرورت اس وجہ سے محسوس کی گئی کہ عوام الناس کے علم میں یہ بات لائی جائے کہ ان کے بانی مسلمان ہیں جنھوں نے ان کے چلانے اور جاری رکھنے کی پوری ذمہ داری اپنے سر لی ہے اور وہ کسی دوسری جماعت یا حکومت کے بل بوتے پر یا ان کے دست نگر ہوکر اس ادارہ کو قائم نہیں کئے ہیں۔ ان کا منشا ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خود اعتمادی کا جذبہ مسلمانوں میں پیدا ہو اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی عادت ڈالی جائے کیونکہ مسلمانوں میں جس قسم کی تعلیم کی ضرورت محسوس کرکے کوئی جماعت میدان میں نکلی ہے اور ملک کی دوسری جماعتوں سے بہت پیچھے رہ جانے کی جو وجہ وہ سمجھتی ہے وہ صرف اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہے جبکہ اس کا پورا انتظام خود اس جماعت کے ہاتھ میں ہو مگر وہ اس بات کو سب سے پہلے مدنظر رکھتی ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کی جائے جس سے کسی انسان کے خلاف عناد و بغض کا جذبہ پیدا ہو اور باہمی نفاق اور نفرت کے خیالات کی اشاعت ہو کیونکہ بچپن میں ہی اگر بچہ کے دل میں ان باتوں نے جڑ پکڑ لی تو بعد میں اگر درخت یا پودے کی چھٹائی بھی ہوتی رہی تو بھی اس جڑ کی وجہ سے وہ بار بار نمودار ہوتا رہے گا جیسا کہ گھاس کو آپ دیکھتے ہیں کہ بار بار کٹنے کے بعد بھی وہ پھر پھوٹ آتی ہے۔ اپنا انتظام خود کرنے سے وہ آزادی کے ساتھ بغیر کسی "اختلافی" مداخلت کے وہ اسے جاری رکھ سکینگے اور اپنے حسب منشا چلا سکینگے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں حکومت نے جو کہ خالص "اسلامی" تھی نظام تعلیم کو جب اپنے ہاتھ میں لینا ضروری سمجھا تو علماء نے اکٹھے ہو کر علم کا جنازہ نکالا تھا جو بہت بڑے ماتمی جلوس کی شکل میں تھا اور صاف طور سے اعلان کردیا تھا کہ بس آج سے علم کا صحیح مقصد فوت ہوگیا اور اب وہ حکومت وقت کی سنہری زود بدلی مصلحتوں کے مطابق چلا کریگا اور اس کی منشاء اور ضرورت کے تحت

نہایت "دانشمندی" سے اس کا نصاب اس طرح مرتب ہوا کریگا کہ بادی النظر میں کسی کو مطلق احساس تک نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔ گویا علم کی روح تو اسی زمانہ سے حکومت نے اپنے قبضہ میں کرلی تھی جو باقی بچی اس میں جب زمانہ کے "بدلتے ہوئے حالات" کے ساتھ ساتھ اور زیادہ انحطاط اور کمزوری محسوس ہونے لگی تو نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ ہر مذہب اور فرقہ کے لوگوں نے اس کو اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اپنے انتظام میں درسگاہیں جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ان کو چلانا شروع کیا لیکن حکومت کی کڑی نظر ہمیشہ اسپر رہی کہ ان مدرسوں میں کوئی بات حکومت کے وقار کو صدمہ پہنچانے یا اس کے خلاف طلباء کو ابھارنے اور اکسانے کی نہ ہو۔ یہ اسے ہماری بدبختی اور کم ظرفی کہئے یا حکومت وقت کی خوش نصیبی اور بلند اقبالی سمجھئے کہ نہ صرف طلباء میں بلکہ استادوں میں یا اس سے بھی بڑھ کر خود منتظمین میں سے اسے کوئی نہ کوئی اپنا "خیر خواہ" مگر "غدار جماعت" مل گیا جو ہر چھوٹی بڑی خبر اس کے کانوں تک پہنچاتا رہا۔ اور یہ سلسلہ ایسا منضبط ہوچکا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہیگا۔ اسکے باوجود یہ درسگاہیں جاری رہیں اور آئندہ بھی پیدا ہوتی رہینگی۔ پھر خود ان جماعتوں میں مختلف خیالات اور اصولوں کی بناء پر علیحدہ علیحدہ "اقسام" کی تعلیم گاہوں نے جنم لینا شروع کردیا جسکی وجہ سے خیالات میں وہ پاکیزگی باقی نہیں رہی جو "اپنی مدد آپ" کے تحت یقینی سمجھی گئی تھی۔

ہمارے مضمون کا موضوع یہ نہیں اس لئے صرف اشارۃً ایک مختصر سی تمہید لکھدی گئی ہے تاکہ آئندہ اس سے کام لیا جاسکے اور اس وقت ناظرین کے ذہن کو اُدھر منتقل کرنے میں آسانی پیدا ہوسکے۔ اسوقت تو ہمارا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ آجکل "اسلامیہ" اور "مسلم" کے الفاظ پر جو لے دے ہورہی ہے اور جسکی تائید میں ہمارے بعض "معصوم نیتا" بھی سب سے بڑھ چڑھ کر محض "وفاداری" کے جوش میں آکر پیش پیش نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کو غلط معنوں میں نہ لیا جائے۔ ان الفاظ کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ اس کے قائم کرنے والے مسلمان ہیں اور اسکے چلانے والے (منتظمین) مسلمان ہیں۔ لیکن یہ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ سب کے لئے ہے۔ کسی دوسرے فرقہ کے طلبہ کو کبھی بھی مذہب کی بناء پر داخلہ سے انکار نہیں کیا جائیگا۔ البتہ فرق صرف اتنا ضرور ہوگا کہ مسلمانوں کو خاص طور سے اس امر کی تعلیم بھی دی جائیگی کہ صراط مستقیم سے جو وہ بھٹک گئے ہیں ان کو اسپر پھر لایا جائے اور مذہبی تعلیم کو سیاست کا ایک اہم اور صحیح جزو سمجھا جائے مگر اس مضمون سے دوسرے فرقے کے طلبہ کو مستثنیٰ سمجھا جائیگا اور ان کو کبھی بھی اشارۃً و کنایۃً اس گھنٹہ میں حاضر ہونے کے لئے نہیں کہا جائیگا بلکہ اگر والی حالت نے اجازت دی تو ان کے لئے بھی اسی گھنٹہ میں ان کے مذہب کے مطابق ان کی صحیح تعلیم کا انتظام کیا جائیگا۔ یعنی مذہبی تعلیم کا مطلب دوسرے فرقے کے طلبہ کو حکماً و قانوناً اس کے پڑھنے پر مجبور کرنے کا ہے نہ کہ ایک ہی فرقہ والوں کے لئے ممانعت پر صادر ہوتا ہے۔

یوں تو ہندوستان میں مسلمانوں کے بے شمار تعلیمی ادارے ہیں جو نہایت مفید خدمت انجام دے رہے ہیں بلکہ اہمیت کے لحاظ سے بھی کم نہیں ہیں لیکن ہمارے پیش نظر صرف تین درسگاہیں ہیں جو دوسرے تمام اداروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور و معروف ہیں اور جو کسی نہ کسی غیر معمولی انقلاب کے باعث وجود میں آئیں۔ ایک دارالعلوم دیوبند۔ دوسری علیگڈھ مسلم یونیورسٹی۔ تیسری ہماری جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ ان سب میں علم کے ابتدائی اصولوں کے مطابق صرف دارالعلوم دیوبند ہے جو اللہ کے بھروسہ پر اپنے بل بوتہ پر قائم ہے اور باوجود حکومت کے سیم و زر کی چمک اور روشنی پڑنے کے اسکی آنکھوں میں تاریکی یا دھندلاہٹ اور خیرگی پیدا نہیں ہوئی اور اسنے کبھی اسپر نظر ڈالنے کا خیال تک پیدا ہونے نہیں دیا اور کئی لاکھ سالانہ کا خرچ بغیر حکومت کی امداد اور اسکی "غیر مشروط" پیش کش کے خود برداشت کر رہی ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ طلبہ کے جملہ اخراجات قیام و طعام۔ کتب و لباس وغیرہ دارالعلوم ہی کے ذمہ ہیں۔ دوسری جگہ تو بڑی بڑی ناقابل برداشت فیسیں لینے کے باوجود حکومت کی امداد کے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔ اس لئے تمام مسلمانان ہند کے لئے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے دارالعلوم دیوبند باعث فخر ہے کہ اس نے اب تک اسلامی روایات کو قائم رکھا اور بغداد کے مسلمانوں نے جس وجہ سے علم کا جنازہ نکالا تھا وہ یہاں پیدا نہیں ہونے دی بلکہ اس جنازہ میں روح پھونک کر اسے دفن نہیں ہونے دیا۔ خدا جانے کس نیک ساعت میں اسکی بنیاد رکھی گئی تھی اور کیسے مقبول بندے تھے وہ لوگ جنہوں نے اسکے قیام کے وقت ہاتھ پھیلا کر اسکے بقا کے لئے اور اسکی عزت و ناموس کے لئے دعائیں مانگی ہونگی کہ آج تک نہایت نیک نیت، بہترین منتظمین و مدرسین ملتے رہے کہ جن کے وجود پاک سے اسکا نام روشن ہے اور جہاں اسے اور قوم کو فخر ہے اسکی مثال دوسری اقوام کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ خدا سے فکر ہے کہ [قو]م بچائے اور انہیں اس سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند کی بے لوث خدمت کرنے والے خادمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالنا یا انکا تذکرہ کرنا ہمارے پیش نظر نہیں ہے بلکہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سال جامعہ کے ہائر سیکنڈری اسکول (مدرسہ ثانوی) میں حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے فرزند رشید محمد اعظم صاحب قاسمی داخل ہوئے ہیں جنھیں قابلیت کے معیار کے لحاظ سے مدرسے کے سال آخر کے قابل سمجھا گیا انھوں نے بہت جلد اپنے ساتھیوں میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کرلی اور استادوں میں بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ اپنی خاندانی شرافت و قابلیت کا سکہ ایسا جمایا اور ایسے ہر دلعزیز ہوئے کہ طلبہ نے اپنی ادبی انجمن کا انھیں صدر منتخب کیا۔ وہ کٹر قسم کے مولوی یا پرانے طرز کے ماحول میں پروردہ معلوم نہیں ہوتے حضرت خود انکے والد محترم کی زندگی سے کسی قسم کی نخوت نمائی کا ثبوت کسی کو مل سکتا ہے وہ ہر مہذب اور شریف سوسائٹی میں آسانی سے کھپ جاتے ہیں اور ہر ملاقاتی ان سے مل کر بیحد متاثر ہوتا ہے انہی باتوں کی جھلک اس ابتدائی عمر میں انکے صاحبزادہ محمد اعظم صاحب قاسمی میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ وہ ماشاء اللہ زندہ دل بھی واقع ہوئے ہیں مگر کسی قسم کی فحش یا بیہودہ گفتگو کبھی ان کے منہ سے سننے میں نہیں آئی۔ اپنے درجہ کے اسباق کے علاوہ وہ عام مطالعہ کا بھی شوق رکھتے ہیں اور ماشاء اللہ شعر و شاعری کی طرف بھی کافی رجحان ہے۔ جامعہ کا ہر تعلیمی ادارہ سے قلمی پرچے ہر ماہ باقاعدگی سے نکلتے ہیں جن سے بچوں میں مضمون نگاری کا شوق پیدا ہوتا ہے اور فن صحافت سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ مدرسہ ابتدائی، مدرسہ ثانوی، جامعہ کالج ہر درسگاہ سے یہ پرچے اپنے اپنے وقت پر شائع ہوتے ہیں ٹیچرز ٹریننگ کالج سے تو ایک سالنامہ انگریزی ہندی اور اردو تینوں زبانوں میں یکجائی طور پر طبع کرا کر شائع کیا جاتا ہے بعض اداروں سے تو ایک سے زیادہ پرچے نکلتے ہیں جن میں مدرسہ ثانوی کو خاص خصوصیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہاں سے ایک مصور پرچہ بھی طلبہ نکالتے ہیں جو المصور کہلاتا ہے۔ اردو کے پرچہ کا نام "امنگ" ہے۔ انگریزی کا پرچہ بھی نکلتا ہے لیکن اسکو غور سے دیکھنے کا وقت نہیں ملا۔ ان سب پرچوں کے مضامین طلبہ کی قابلیت کے معیار پر کافی روشنی ڈالتے ہیں اور وہ لکھے ہوئے بھی خود مضمون نگار کے اپنے قلم سے ہوتے ہیں بعض تحریریں یقیناً پڑھنے کے قابل اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ سال گذشتہ اکتوبر ۱۹۶۱ء کے پرچہ میں ہم یوم التاسیس ۱۹۶۱ء کی ایک جھلک کے تحت ذکر کرچکے ہیں کہ رسالہ "امنگ" کی مدیرہ جمیلۃ النساء نے جلسہ میں یہ مضمون پڑھا تھا جسے پورا کا پورا درج کیا ہے۔ اس سال بھی یوم التاسیس کے جلسہ میں اس کے مضمون کو پسند کیا گیا جمیلۃ النساء نے اپنی ادارت میں "امنگ" کا جو آخری پرچہ نکالا ہے (کیونکہ طلبہ کی انجمن کے عہدہ دار ہر سال نئے منتخب ہوتے ہیں اور رسالوں کے ایڈیٹران بھی سال بھر کے بعد بدل دئے جاتے ہیں) اس میں ہمارے ممدوح ہونہار طالب علم محمد اعظم صاحب قاسمی کی ایک مزاحیہ نظم ہماری نظر سے گذری جس سے انکی طبیعت کی افتاد کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے۔ ہم صاحب مضمون اور مدیرہ دونوں سے معذرت خواہ ہوتے ہوئے اسے شکریہ کے ناظرین کی ضیافت طبع اور دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ یہ طلبہ کی آپس کی چھیڑ چھاڑ اور دوستی کی باتیں ہیں لہٰذا اس نظم کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے کسی اور پہلو سے اس پر تنقید نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم اپنے محترم قبلہ جناب قاری محمد طیب صاحب کو دل سے مبارکباد دیتے ہیں کہ انکا نور چشم خدا کے فضل و کرم سے اپنے خاندان کا چشم و چراغ ثابت ہوگا اور انکی امیدوں کا مرکز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھے اور انکی عمر میں برکت دے۔ آمین۔

حدیثِ احمقاں

(از محمد اعظم قاسمی متعلم ثانوی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)

اپنے بچپن کے ساتھی اور قریبی دوست مسعود ہاشمی سے ایک بے تکلفانہ معذرت کے ساتھ جنکی کچھ بے ساختہ حماقت آمیز ادائیں میرے پیمانۂ فکر میں ڈھل کر موجودہ منظوم شکل اختیار کرگئیں۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ علامہ اقبال کی روح مجھ سے خفا نہ ہوجائے جنکی مشہور نظم "ہمالہ" کی یہ پیروڈی ہے۔

[نوٹ :- کسی شاعر کے سنجیدہ کلام کو کسی دوسرے مضمون کے لئے قدرے تبدیلی کیساتھ مذاقیہ انداز (بطور تضمین) اختیار کرنے کو انگریزی میں پیروڈی (Parody) کہتے ہیں۔ مدیر]

اے مسعودِ لمبا شہورا[1] اے بودمِ ہندوستاں چومتا ہے تجھ کو جھک کر احمقوں کا آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں عاقل نوازی کے نشاں حلقۂ طفلاں میں تو رہ کے ہے گویا جواں
درنگا و یار خود، تو اک چھوٹا آم ہے رنگ و بو جس میں نہ ہو، تو ایک ایسا جام ہے
جس میں سبزہ تک نہ ہو اک ایسا کہستاں ہے تو عقل والوں کیلئے دیوارِ ہندوستاں ہے تو
بھسم کر دینے کے جو قابل ہو وہ دیواں ہے تو جانب بربادگی دامن کشِ انساں ہے تو
حمق نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر خندہ زن ہے اک جہاں تجھ پہ بوم بچہ الو
میری نظروں میں ہے رقصاں تیری رنگیں انجمن لشکرِ جرّارِ طفلاں گھر کے در میں خیمہ زن
ہمرہانِ ژولیدہ نظروں کے ہے سرگرمِ سخن تو فلک پر اور یہ پستی زمیں تیرا وطن
منہ سے وہ بہتا ہوا شاید کوئی سیال ہے ہاں عزیزم! تو ضرورت مند یک رومال ہے
تیری آمد ہی تری وجہِ حماقت بھی بنی تیری گھبراہٹ عبث ہے بے نتیجہ بے کلی
بہتری تیری اسی میں ہے کہ رکھے خامشی زندگی بھر چین ورنہ تو نہ پائے گا کبھی
یہ ہنسی تیری کہے دیتی ہے افسانہ ترا گنجِ احمق خانۂ الفت ہے کاشانہ ترا
بے وقوفی آرہی ہے دورے گاتی ہوئی صاحبانِ ہوش کی عقلوں کو شرماتی ہوئی
آئینہ سا اپنے علامہ کو دکھلاتی ہوئی ہوش کی راہوں سے بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

بند کردے اے حماقت اس پریشاں ساز کو
قلبِ فرزانہ نہیں سنتا تری آواز کو

[1] مسعود کیلئے ہی اک دوسرا نام

محمد اعظم قاسمی یکم ستمبر ۶۲ء

ہماری ڈاک کا ایک اہم مکتوب

بلبل حریت مولانا محمد علی جوہر ایڈیٹر کامریڈ و ہمدرد اور جنگ آزادی کے بہت ابتدائی زمانہ کے علمبردار، حکومت برطانیہ کے انتہائی معتوب جنہیں اب دنیا حسب قاعدہ بھولتی جا رہی ہے۔ ان کے دیکھنے اور ساتھ کام کرنے والے تو ابھی لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن علی گڈھ کالج کے ساتھیوں اور ہم جولیوں میں سے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے ایک بہت گہرے دوست اور جاں نثار رفیق جناب میجر سعید محمد خاں صاحب جو خورجہ ضلع بلند شہر کے شہری ہیں (ان کے فرزند ارجمند کیپٹن خاں اقبال محمد خاں صاحب انجینیئر "نئی کرن" خورجہ میں بہت بڑے سوشلسٹ کارکن ہیں اور اب غالباً سوتنتر پارٹی سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ گویا پورا خاندان فرحی ہے اور دونوں میرے بہت بڑے مخلص کرمفرما ہیں) اب چین کے ناگہانی بلغی گھسنے سے ان کے پرانے خون میں پھر اُبال آیا اور رگ حمیت پھڑکنے لگی چنانچہ میجر صاحب نے مندرجہ ذیل مضمون ایڈیٹر "سنگم" کے نام ارسال فرمایا ہے جس میں ہندوستان کی آزادی پر جان قربان کرنے کے لئے انھوں نے ہر ہندوستانی کو کمربستہ ہو جانے کی ترغیب دیتے ہوئے ایک تاریخی خط و کتابت کی نقل ارسال فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:-

سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ

اس دور کی ظلمت میں جبکہ ایک زبردست حملہ آور نے ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ کر دینے کے لئے بلا کسی وجہ کے دست درازی شروع کر دی ہے اشد ضروری ہے کہ اس کو جیتا جاگتا رکھنے کے لئے ملک کا ہر متنفس مردانہ وار کمربستہ ہو جائے۔

اس جذباتی کیفیت کو جلد سے جلد پیدا کر دینا اسی وقت ممکن ہے کہ ہم بمصداق

"Lives of great men all remind us
We can make our lives sublime."

توجیہ: تمام بڑے بڑے اولوالعزم انسانوں کے حالات زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو بہت شاندار بنا سکتے ہیں" (ادارہ)

ایسے اولوالعزم جانباز سپاہیوں کی یاد کو تازہ کریں جنھوں نے اپنے ملک کی عزت اور آبرو کو قائم رکھنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور اپنی عزیز جانوں کو جان آفریں کے قدموں پر بلا کسی دھڑک یا کاوش کے رکھ دیا۔ ایسے جگرداد اور شجاعت کے بادشاہوں کی صف اول میں سب سے پہلا نام سلطان ٹیپو نور اللہ مرقدہٗ کا ہے۔

ایک زمانہ میں جبکہ میں نے ایک ملٹری اسکول کو کسی پیمانہ پر قائم کرنے کا قصد کیا تھا جیسا کہ ناسک میں ڈاکٹر مونجے نے شروع کیا تھا اور اس تصور میں تھوڑی سی جان پڑتی معلوم ہو رہی تھی اس وقت میں نے ڈاکٹر اقبال مرحوم سے اس تحریر کے ساتھ کہ جو سخنوروں کا بادشاہ "جن کے سایہ میں ہم پل کر جوان ہوئے ہیں" جیسے جواہر پارے سے دنیا کو مالا مال اور مستغنی بنا دے یقیناً اس کا حق ہے کہ ایک عسکری درسگاہ کو اس کے شاندار نام سے موسوم کیا جائے۔ اپنے ملٹری اسکول کو ان کے نام سے نامزد کرنے کی اجازت طلب کی چنانچہ انکار دل آویز جواب میں یہ تھا۔

"My dear Major,

Many thanks for your letter. To name a military school after a mere versifier does not seem proper.

I suggest that you name your school after Sultan Tipu. The grave of this brave soldier as I saw it in South India looked more alive than many of us who live or pretend to live."

ترجمہ:- "پیارے میجر صاحب! آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ ملٹری اسکول کو محض کسی شاعر کے نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے اسکول کا نام سلطان ٹیپو مرحوم کے نام پر رکھیں۔ اس بہادر سپاہی کی قبر سے جیسا کہ میں نے جنوبی ہند میں دیکھا ہے ہم میں سے ایسے بہت لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ زندگی پائی جاتی ہے جو زندہ ہیں یا زندہ ہونیکا دعوی کرتے ہیں۔"

اگرچہ اس وقت تک سلطان مرحوم کی یادگار ہندوستان میں اس کی شان کے شایاں قائم نہیں ہوئی ہے جو ہمارے لئے رنج یا اپنے انتہائی بے حسی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے ... [illegible]

ایک نہایت اہم اعلان
چین کے حملہ کی روک
اور
ملک کی آزادی کی حفاظت

کے لئے جو شخص مالی امداد دے گا اسکو سنگم کی طرف سے ایک نایاب تحفہ مفت پیش کیا جائے گا خواہ اسکی کم سے کم رقم ایک روپیہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسکے لئے اگلے پرچہ کا انتظار کیجئے۔ اس سلسلہ میں کسی قسم کی خط و کتابت نہیں کی جائے گی۔ (ادارہ)

[سنگم کی رائے میں ہندوستان میں ایسی جانبازی کی کثیر مثالیں ملیں گی نہ صرف مردوں میں بلکہ عورتوں میں بھی مثلاً چاند بی بی اور مہارانی لکشمی بائی عرف "جھانسی کی رانی" کی بے جگری بہادری اور جاں نثاری سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ہمیں ان سب سے سبق حاصل کرنا چاہئے مگر آجکل تو احسان فراموشی اور محسن کشی کی وبا پھیلی ہوئی ہے اور خود غرضی نے سب کو بیہوش کر رکھا ہے۔]

بچوں کو سنگم بال سبھا کا ممبر بنائیے

استادوں سے — بچوں کے اخلاق درست رکھنے اور ان کو اچھا شہری بننے کے لئے نیز ان میں علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ اچھی معیاری کتابیں پڑھنے کو دیجئے۔ فحش اور اخلاق کو تباہ کرنے والی کتابیں ہرگز ہرگز نہ دیجئے۔ ماہرین تعلیم کی متفقہ رائے ہے کہ سنگم کتاب گھر کی تیار کی ہوئی کتابیں ان تمام باتوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر اور مفید ہیں۔ بعض لائبریریوں میں تو بچوں کے لئے سنگم کی کتابوں کو سب سے پہلے جگہ دیجاتی ہے۔ یا ماہرین کے مشورے سے منگائی جاتی ہیں۔ اسکولوں میں اچھے کتب خانوں کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لئے بچوں کی انجمنیں قائم کی جائیں جہاں انہیں مضامین لکھنا یا تقریریں کرنا یا دیگر علمی دلچسپیوں میں حصہ لینا سلیقے سے سکھایا جائے۔ اور ان کو اپنی انجمن کی لائبریری بنانیکا شوق دلایا جائے۔ انجمن کے عہدہ داروں میں ایک عہدہ لائبریرین کا بھی ہونا چاہیئے جسکو انجمن کے اراکین دوسرے عہدہ داروں کی طرح اپنے ہی میں سے ہر سال منتخب کیا کریں جو روزانہ وقت مقررہ پر لائبریری کھولا کرے اور پابندی سے آیا کرے۔ اس کو اپنے احساس فرض شناسی میں کتابوں کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا چاہیئے جس کے لئے اس کی قدر اور اعزاز کا خیال انجمن کے جملہ اراکین کو رکھنا چاہیئے۔

کتب خانے قائم کرنیکا آسان طریقہ — کتب خانہ کے لئے چندہ یا بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بچوں کی انجمن کے ہر ممبر کو سنگم بال سبھا کا ممبر بننے کی ترغیب دینی چاہیئے جو بچے بال سبھا سے آئی ہوئی کتابیں پڑھنے کے بعد علیحدہ علیحدہ کتب خانہ کو دے دینی چاہئیں۔ ہر کتاب پر علیحدہ علیحدہ یا سال بھر کی

وصول شدہ کتابوں کی جلد بندھوا کر اس کے اندر لکھ دینا چاہیئے کہ یہ انجمن کے فلاں ممبر نے بطور عطیہ کے عنایت فرمائی ہے جس کے لئے انجمن ان کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اس کے نیچے انجمن کی مہر لگا دی جائے اور صدر اور سکریٹری کے علاوہ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل کے بھی دستخط ہونے چاہئیں نیز تاریخ مع سنہ کے لکھنی چاہیئے اور ہیڈ ماسٹر کی اور مدرسہ کی مہر بھی لگا دینی چاہیئے۔ انجمن کی سالانہ رپورٹ میں ان تمام طلباء کا خاص طور سے شکریہ کے ساتھ ذکر ہونا چاہیئے جنھوں نے مدرسہ کی انجمن کی اس طرح مدد کر کے کتب خانہ کو بڑھانے میں دلچسپی لی ہو۔ مدرسہ کو ایسے طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے اور انہیں ایسے قومی و ملی کاموں میں حصہ لینے کا شوق اور ترغیب دینے کے لئے وقتاً فوقتاً انعامات دیتے رہا کریں۔ اس سے وہ طلباء جو زیادہ رقم کا انتظام کر سکتے ہوں یا انجمن کی ممبری کی کتابوں کے علاوہ بھی اور کتابیں بطور عطیہ پیش کرنے کی طرف مائل ہوں گے اور ایک اچھی خاصی اور معیاری لائبریری نہایت آسانی سے بن جائے گی۔

احتیاط — لیکن منتظمین مدرسہ کو اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ کوئی طالب علم اپنے نام و نمود کے لئے زیادہ تعداد میں کتابیں عطا کرنے کے خیال سے مخرب اخلاق اور بازاری قسم کی کتابیں لا کر کتب خانہ میں جمع نہ کرا لے۔ ایسی کتابیں فوراً رد کر دی جائیں بلکہ اس کو تنبیہ کے طور پر ایسی کتابیں پڑھنے یا ان سے شوق اور دلچسپی رکھنے سے خاص طور سے منع کیا جائے اور سکھایا جائے کہ اگر آئندہ اس قسم کی کتاب تمہارے پاس کبھی گھر یا باہر سے معلوم ہوا کہ ایسی کتابیں پڑھتے ہو تو تمہارے نام کا باقاعدہ اعلان مع کتاب کے حوالے کے نوٹس بورڈ پر لگا دیا جائیگا۔

سنگم بال سبھا کے ممبر بننے کے فائدے

۱۔ ہر ماہ ایک نئی کتاب پڑھنے کو ملے گی۔
۲۔ محصول ڈاک سبھا کے ذمہ ہوگا۔
۳۔ ہر کتاب کے بھیجے کا ثبوت ڈاکخانہ کی پوسٹل سرٹیفکیٹ کی رسید ہوگی۔
۴۔ "ہمارا سنگم" کا پرچہ مفت ملیگا۔
۵۔ ممبر بننے پر جو کتاب بھیجی جائیگی وہ سنگم کی نئی کتاب ہوگی جسکی قیمت پچاس نئے پیسے تک ہوگی۔
۶۔ اگر سنگم کی کوئی نئی کتاب نہ چھپی ہوگی تو کسی دوسرے پبلشر کی اتنی ہی قیمت کی کتاب بھیجدی جائے گی۔
۷۔ اگر دوسرے پبلشر کی چھپی ہوئی کتاب کا انتخاب آپ خود اپنی پسند سے کرینگے تو وہ بھیجدی جائیگی بشرطیکہ وہ مارکیٹ میں موجود ہو ورنہ اس کے ملنے تک روانگی ملتوی رہے گی۔
۸۔ اگر کتاب میں کوئی خرابی پائی جائے تو اسکے واپس آنے پر دوسری بھیجدی جائیگی۔
۹۔ اگر کتاب زیادہ قیمت کی ہوگی تو آئندہ مہینوں کے حساب میں لگالی جائیگی۔
۱۰۔ اگر دو کتابوں کا آرڈر دیا گیا تو دوسرے خریداروں کے مقابلہ میں سنگم کی مطبوعات پر ایک چوتھائی قیمت کی رعایت کر دی جائیگی۔
۱۱۔ اگر ایک گھر سے کئی ممبر ہوگئے تو ان کی خواہش پر ہر ایک کو مختلف کتابیں بھیجی جائینگی۔
۱۲۔ اگر آپ زیادہ حفاظت چاہتے ہوں تو بذریعہ رجسٹری منگائیے رجسٹری کی فیس محصول ڈاک کے علاوہ ہوتی ہے جو ممبر کے ذمہ ہوگی۔ اس صورت میں سال میں صرف تین یا چار مرتبہ منگائیے۔
۱۳۔ ممبری کے فارم وغیرہ مفت بھیجے جاتے ہیں۔
۱۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ کا آنا ضروری ہے۔

پتہ:- ناظم سنگم بال سبھا جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

بداخلاقی کا ذمہ دار کون ہے؟ واضح رہے کہ ان سب باتوں کا دارومدار اور بچوں کے اخلاق درست رکھنے کی پوری ذمہ داری استاد پر عائد ہوتی ہے۔ آجکل کالج یا اسکولوں میں جو جھگڑے یا خون خرابے اور فسادات ہو رہے ہیں ان سب میں کسی نہ کسی استاد یا پروفیسر یا ذمہ دار کا کچھ نہ کچھ ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ کسی بدتمیز اور ناقدر ناپسند لیڈر کو بھی اس کا ذمہ دار گردانا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر سب استاد مل کر اتفاق سے کام کرنا چاہیں اور اپنے مدرسہ کا نام روشن کرنا چاہیں تو کسی بداخلاق اور گمراہ کن لیڈر کی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ اُدھر کا رُخ کر سکے اور اسکا جادو چل سکے۔

استاد کی اپنی اصلاح اگر استاد نے لڑکے سے خراب قسم کی کتاب چھین لی اور کتب خانہ میں دینے سے روک لی لیکن اسے تلف کرنے کی بجائے خود اپنے ساتھ گھر لے گیا اور "ضبط کئے جانیکا بہانہ" بنا دیا تو سمجھ لیجئے کہ استاد کا مذاق خراب ہے اور اس نے ضبطی کا بہانہ بنا کر اپنا شوق پورا کیا اس لئے منتظمین مدرسہ کو فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اس صورت میں کیا رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ بہتر ہو کہ مدرسہ میں ایسی ضبط شدہ کتابوں کی الماری علیحدہ مقفل رکھی جائے تاکہ ملک کے مذاق کا معیار (جو وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے) اور مصنفین اور ناشرین کی ناجائز طور سے روپیہ کمانے کی خواہش اور ملکی و ملّی مفاد میں انکا صحیح مقام معلوم ہونے کا ریکارڈ پبلک اور حکومت دونوں کے لئے محفوظ رہ سکے اور وقتاً فوقتاً ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکے نیز اس طالب علم کی تربیت کے ماحول کا بھی اندازہ لگانے میں مدد و معاون ہو سکے تاکہ مدرسہ کے ذمہ دار اصحاب اس کی اصلاح کے لئے مناسب تدابیر اختیار کر سکیں۔

اس طرح مدرسہ کی لائبریری کی ترقی کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت میں خاص مدد مل سکے گی اور ہم ملک کی قومی تعمیر میں نہایت اہم خدمت انجام دے سکیں گے اور کہہ سکیں گے کہ "آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام" کی مثل ایسے ہی موقعہ پر صادق آ سکتی ہے۔ اس کے بعد ہم بچوں کے مطالعہ کے لئے مناسب کتابوں کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

ضروری تنبیہ اگر یہ امر ضرور ملحوظ رکھئے کہ بچوں کو سنگم بال سبھا کا ممبر بننے پر مجبور نہ کیجئے اس کی مالی حالت کو بھی مد نظر رکھئے۔ نیز اگر کوئی طالب علم سبھا کا ممبر بن جاتا ہے لیکن اپنی کتابیں لائبریری کو نہیں دینا چاہتا بلکہ اسے خود اپنی لائبریری گھر پر بنانے کا شوق ہے تو بھی زبردستی نہ کی جائے اور اس سے کتابیں چھین کر کتب خانہ میں داخل نہ کی جائیں یا اسے اس کے لئے آمادہ کرنے کے واسطے دوسرے طلبہ کے سامنے شرمندہ نہ کیا جائے یا مختلف طریقوں سے بے عزت نہ کیا جائے ورنہ اس سے کتب خانہ کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچیگا اور دو چار طلبہ بھی ایسے آپس میں مل گئے تو ان کے [illegible] سے کتب خانہ ختم ہو جائے گا جسکی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس سے خود استاد کی نااہلیت ثابت ہوگی۔ لہٰذا ہر ایک کو آزادی اور خوشی کے ساتھ نیک جذبہ اور نیک نامی کی خواہش پر کام کرنے کا موقعہ دینا چاہیئے۔

کتابوں کی قیمتیں بعض باتیں جو ہم رسالہ سنگم میں درج کر چکے ہیں وہ جب تک تجارتی لحاظ سے طرفین کے سامنے نہ ہوں بہت دشواری پیش آتی ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں کی فہرست کے ساتھ ان کو بھی درج کر دیا جائے۔ یہ فہرست تو بطور ضمیمہ کے پرچہ کے ساتھ چھپی ہے اس لئے جب مکمل فہرست علیحدہ کتابچہ کی شکل میں چھپیگی اس وقت شروع میں یہ سب باتیں ایک مضمون کی شکل میں مختلف سرخیوں کے ساتھ درج کر دی جائینگی۔ لیجئے قیمتوں کے متعلق بھی سن لیجئے۔

بعض ناشرین مخصوص کتابوں پر قیمتیں درج نہیں کرتے اس لئے انہیں آسانی ہے کہ وقتاً فوقتاً کمی بیشی کرتے رہیں تو گرفت نہیں ہو سکتی لیکن ہماری سب کتابوں پر نہ صرف کتابوں کی قیمت بلکہ تعداد طباعت اور ایڈیشن کا نمبر نیز تاریخ طباعت بھی درج ہوتی ہے۔ کتابوں کی فروخت کی حالت دوسری تمام چیزوں سے مختلف ہے۔ مارکیٹ میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی افسانوں کی مانگ زیادہ ہوتی ہے اور کبھی ناولوں کی کیونکہ افسانے جلد ختم ہو جاتے ہیں اور ناول ذرا طویل ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ وقت لیتے ہیں۔ کبھی مختلف شعرا کے کلام یعنی دیوان یا کلیات یا انتخابات یا منتخب اشعار کا نمبر آ جاتا ہے۔ کبھی ادبی یا تنقیدی کتابوں کی پوچھ ہونے لگتی ہے۔ کبھی تفریحی یا جنسی کتابوں کے لئے خاموش مظاہرہ ہوتا ہے اس لئے اپنے مذاق کا معیار بہت کم لوگ قائم رکھتے ہیں۔ [illegible] وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اس اثنا میں بازار میں ہر چیز کی گرانی بڑھتی رہتی ہے جس ناشر کی کسی کتاب کا ایڈیشن ختم ہو گیا وہ دوسرے ایڈیشن میں یا تو اضافہ کرکے قیمت درج کر دیتا ہے یا قیمت ایک رکھ کر کاغذ اور طباعت اور جلد سازی میں کفایت کر لیتا ہے یا خود نفس مضمون میں نظر ثانی کے بعد قطع و برید کرکے اوسطاً سابق قیمت سے آگے نہیں بڑھنے دیتا اور گاہک چھپی ہوئی قیمت دیکھ کر ادائگی کر دیتا ہے لیکن جس ناشر کی کتاب کا پورا ایڈیشن ختم نہیں ہوتا مگر وہ تنخواہوں میں اضافے اور دوسرے اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے مطبوعہ قیمتوں میں اضافہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے او[illegible]

قارئین کو کیا "اضافہ شدہ قیمت" کی مہر لگا کر نئی قیمت درج کر دیتا ہے پھر گاہک بہت بگڑ تا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کتاب پر جو لاگت آئی تھی اس کے تناسب سے قیمت مقرر کی گئی ہو گی پھر اس میں اضافہ ہونے کی کیا وجہ ہے یہ اعتراض محض چھپی ہوئی قیمت میں تبدیلی کئے جانے کی وجہ سے کیا جاتا ہے ورنہ اس قسم کا اعتراض کبھی منڈی میں جا کر کسی اور کاشتکار سے نہیں کیا جاتا کہ تم نے فصل کے وقت تو پندرہ روپے من گندم خریدی جیسے سدا کے بھاؤ بکتے رہے۔ اب بیس کے بھاؤ کیوں دیتے ہو یا یا رہ آنے میں ایک پنسل لڑکی عام طور سے ملتی تھی تم نے خود اس سے بھی کم قیمت پر خرید کر اسٹاک جمع کیا تھا اور روپیہ ایک روپے میں دیتے ہو تم نہیں آتی ہو وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم نفع اندوزی کے خیال سے مطلق اضافہ نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع مارکیٹ میں نسبتاً کم قیمت پر ہی دینے کی کوشش کرتے ہیں

ایک اور بات ذہن میں ملحوظ رکھئے۔ رف کاغذ پر معمولی کاتب سے کم سطری سطر پر لکھائی ہوئی اور اغلاط سے پر کتاب جسکا پروف پڑھنے میں محنت نہ کی گئی ہو پچاس فیصدی کمیشن پر بھی مہنگی ہے بلکہ بعض کتابیں تو قوم سے لکھائی کرا کر اور اُس ناشر یا مطبع کا نام درج کرا کر بازار میں لا کر فروخت کی جاتی ہیں جس سے مصنفین کے معاوضہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے ان کو اور بھی زیادہ کم قیمت پر فروخت کر دینا مشکل نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے البتہ بعض سرمایہ دار آفسٹ پر ایک دم کئی کئی ہزار کا ایڈیشن شائع کرتے ہیں اس سے یقیناً کفایت ہوتی ہے اور وہ قیمت کم رکھ سکتے ہیں ان تمام مجبوریوں اور دشواریوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

ٹائٹل کے نمونے | آخر میں ایک اور بات واضح کرنی ضروری ہے جسے ہم کئی سال ہوئے جولائی و اگست ۱۹۵۹ء کے رسالہ "ہمارا سنگم" میں صفحہ ۱۴ پر وضاحت سے درج کر چکے ہیں اور اب پھر اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بعض تاجران کتب جن کے پاس ایجنٹ بھیجے جاتے ہیں کتابوں کے ٹائٹل دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کا نمونہ دیکھ کر آرڈر دیتے ہیں ورنہ ایجنٹ کو جواب دے دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ٹائٹل سے دھوکہ میں نہ آئیے۔ بعض کتابوں کے ٹائٹل تو اسقدر خوشنما اور دیدہ زیب ہوتے ہیں کہ ہم شاید عمر بھر بھی ایسے تیار نہ کرا سکیں لیکن اندر سے کتاب کو دیکھ کر آپ کو انتہائی مایوسی ہو گی۔ ٹائٹل سے اسکی لکھائی چھپائی اور کاغذ کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

حسین شکل کو دیکھ کر گرویدہ ہو جانا اور بعد میں عمر بھر کا روگ مول لے لینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اچھی شکل عمدہ لباس میں ملبوس اگر متعدی جسمانی مرض میں مبتلا ہے تو اس پر فریفتہ ہو جانا اپنے کو جلتی آگ میں جھونک دینا ہے۔ لہذا اس سے آپ کو احتیاط برتنی چاہیئے اور ٹائٹلوں کو دیکھ کر کتابوں کا معاملہ کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ للہ اس وبا کو عام کر کے ملک کا مذاق خراب نہ کیجئے۔ زندگی کا مقصد محض روپیہ کمانا ہی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ~~میسنگ~~ (گیان تجت / کھانے نیچی) کے چاروں حروف میں ہمارا جو اصول مضمر ہے اسے مد نظر رکھ کر ہماری صداقت پر بھروسہ اور اعتبار کرنا چاہیئے ہم نے کتابوں کے مضامین اور لکھائی چھپائی کے متعلق فہرست میں تفصیل اسی وجہ سے درج کی ہے تاکہ آپ مطمئن ہو کر اور پوری معلومات حاصل کر کے انہیں خریدیں اور محض اشتہاری نمائش سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ہماری کتابیں سیرت اور صورت دونوں لحاظ سے مقبول ہیں۔ اگر آپ کو ناپسند ہوں اور ہماری تحریر کے خلاف پائیں تو ہمارے خرچ پر واپس کر سکتے ہیں اس سے زیادہ ضمانت اور کیا دی جا سکتی ہے۔ امید ہے کہ اب آپ مطمئن ہو گئے ہونگے۔

تبادلۂ کتب | ہم دوسرے ناشرین سے تبادلۂ کتب کرتے تھے تو ہمیں اپنی ناتجربہ کاری یا دوسروں کی بے اصولی کی وجہ سے بعض اوقات بیحد ندامت اٹھانی پڑتی تھی اور دوسرے تاجروں کا نشانۂ ملامت بننا پڑتا تھا اور سخت دشنام طرازیوں سے بھرے ہوئے خطوط ملتے تھے کیونکہ خود دہلی سے ہی ہماری کتابیں اس سے زیادہ کمیشن پر انہیں مل جایا کرتی تھیں جو ہم خود مقامی تاجروں کو دیا کرتے تھے۔ اس کا ذکر ہم پہلے بھی کئی بار کر چکے ہیں خصوصاً جولائی و اگست ۱۹۵۹ء کے اسی صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ کیجئے جس کی وجہ وہاں تفصیل سے درج کی جا چکی ہے اس لئے اب ہم تبادلہ کنندگان کی عادت سے واقف ہو جانے کی وجہ سے احتیاط برتتے ہیں اور کتاب کو دیکھے بغیر یا اس کے متعلق صحیح معلومات حاصل کئے بغیر تبادلہ نہیں کرتے، یہ اور بات ہے کہ کوئی تاجر کسی دوسرے کی ساکھ کو بٹہ لگانے کی نیت سے خود اپنا نقصان برداشت کر کے قیمت خرید سے بھی کم قیمت پر اُس کا مال سپلائی کرنا شروع کر دے اور دوسرے کی تذلیل سے مسرت حاصل کرے!

نوٹ:۔ پچھلے پرچہ "ہمارا سنگم" میں جن کتابوں کے متعلق اشتہاری طور پر قدرے وضاحت سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کا اعادہ اس پرچہ کے صفحات میں نہیں ملیگا۔

(منیجر)

ڈاک کے اندراجات کیا آپ اپنی خط و کتابت کا اندراج کرتے ہیں؟ عام دفاتر کا تو کیا کہنا بعض اچھے سے اچھے دفتر اور تجارتی فرمیں اور محکمے بھی اپنی خط و کتابت کو محفوظ نہیں رکھتے جس کی وجہ سے انہیں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور ان کے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے اس خامی کی وجہ ان کی کاہلی سستی یا لاپرواہی یا کام سے جی چرانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی بعض لوگ اچھے رجسٹر حسب خواہش و ضرورت نہ ملنے کی وجہ سے بھی اس ضروری کام کی تکمیل میں تساہل برتتے ہیں اس لئے ہم نے تمام ایسی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر نہایت عمدہ لیجر پیپر پر اردو میں دو رجسٹر علیحدہ علیحدہ چھپوائے ہیں ایک تو آنے والی ڈاک کے اندراج کے لئے ہے دوسرا جانے والی کے لئے۔ ان دونوں رجسٹروں کے نام جنہیں رجسٹر موصولات اور رجسٹر مراسلات کہتے ہیں بلاکس کے ذریعہ چھپوائے ہیں ان فارموں کے ہر ورق پر اوپر کی طرف نظر ڈالتے ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ کونسا رجسٹر ہے۔ لیکن شعبہ یا فرم کے دفتر کے نام کے لئے جگہ خالی چھوڑی گئی ہے تاکہ آپ جس کے لئے بھی استعمال کرنا چاہیں اس کا نام لکھ لیں۔ اندراجات کے لئے حسب ذیل کالم یا خانے ہیں جن کے نام ہر صفحہ پر چھپے ہوئے ہیں اور جن سے اندراجات میں آپ کو آسانی رہے گی اور یہ یاد رکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ یہ خانہ کس اندراج کے لئے ہے۔

ہر رجسٹر کو کھولتے ہی آپ کو ہر صفحہ پر ڈاک کے اندراج کے لئے جو چیز نظر آئے گی اس کا نمونہ آپ کی آسانی اور رہنمائی کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس کے بعد پھر کسی امر کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

موصولات:- سنہ ۶ رجسٹر موصولات (ڈاک) دفتر ——— مقام ———

نمبر شمار	تاریخ	نام و پتہ فرستندہ	ڈاکخانہ و ضلع	نمبر و تاریخ حوالہ	خلاصہ مضمون	نمبر فائل	ٹکٹ برائے جواب	تاریخ مراسلہ جسکا جواب یہ ہے	تاریخ مراسلہ جو جواب میں بھیجا گیا	نمبر جواب	کیفیت

مراسلات:- سنہ ۶ رجسٹر مراسلات (ڈاک) دفتر مقام

نمبر شمار	تاریخ	نام و پتہ مکتوب الیہ	ڈاکخانہ و ضلع	خلاصہ مضمون	[illegible]	[illegible]	تاریخ موصولہ جسکا یہ جواب ہے	آمدنی برائے محصول ڈاک	[illegible]	بقایا در تحویل	تاریخ موصولہ جو جواب میں آیا	نقل محفوظ رکھی گئی یا نہیں	[illegible]	کیفیت

دونوں رجسٹروں کا سائز یکساں ہے۔ رجسٹر کی چوڑائی (دائیں سے بائیں) ۳۳ سنٹی میٹر (۱۳") ہے اور لمبائی (اوپر سے نیچے تک) ۴۱ سنٹی میٹر (۱۶½) ہے۔ کالم کی لائنیں تو پریس میں چھپی ہیں لیکن چوڑائی کی لائنیں رولنگ مشین کے ذریعے کرائی گئی ہیں جن کی کل تعداد اوپر سے نیچے تک ۳۶ (۱۶ + ۲۰) ہے اوپر کے صفحہ میں چونکہ کالم یا خانوں کے نام چھپے ہوئے ہیں اس لئے وہ جگہ نکال کر اوپر سے نیچے تک کی لمبائی 5-36 سنٹی میٹر (12.5) ہے۔ اس وجہ سے اوپر کے صفحہ میں ۱۶ سطریں ڈاک درج کرنے کے لئے ہیں اور نیچے کے صفحہ میں ۲۰ سطریں ہیں۔ اگر ہر سطر پر ایک ایک خط چڑھایا جائے تو دونوں صفحوں پر ۳۶ درج ہو سکتے ہیں جو یقیناً اچھی خاصی تعداد ہے اگر ایک ایک سطر چھوڑ کر لکھا جائے تو ۱۸ خطوط کا اندراج بھی بہت کافی ہے۔

اس نقشہ کے درج کرنے میں ہم نے بخل سے کام نہیں لیا یہ محض فہرست ہی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی دفتری انتظام کی اعلیم کا نقشہ بھی پیش کر رہے ہیں جس سے آپ کو ہماری محنت کا اندازہ ہو سکے گا مجلد رجسٹر کی صورت میں منگوانے میں محصول ڈاک بہت بڑھ جائیگا لہذا صرف فارم منگوا کر اپنی ضرورت کے مطابق جلد بندھوا لیجئے فارم چڑھنے کا پشتہ بنوا کر پشتہ کا نام آنے جانے والی ڈاک کا اندازہ کر کے ایک سال کے رجسٹر کے لئے جتنے فارموں کی ضرورت ہو وہ منگوا لیجئے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ آپ ان سے بہت خوش ہونگے کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا اندراج ضروری ہو اور وہ اس خاکہ میں نظر نہ آئے۔ آپ چاہیں تو ان نقشوں کے مطابق خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر دونوں رجسٹر علیحدہ علیحدہ تیار کر سکتے ہیں مگر ہمارے فارم کی بات ہی کچھ اور ہے!

کیلیگرافی گائڈ انگریزی حروف کی خوشخطی سکھانے والی اور ڈرائنگ کے طلبہ، ٹیچرز کے لئے نہایت کارآمد کتاب اور حروف کا سائز مستند کلیہ اور قاعدہ کے مطابق تناسب کے ساتھ لکھنے کے لئے اس سے بہتر استاد آپ کو نہیں ملے گا۔ تعلیمی چارٹس کے موجد فیاض حسین صاحب لوقان (جامعی) کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ رسالہ "ہمارا سنگم" کے سائز کے ۴۰ صفحات قیمت پچاس نئے پیسے۔

ترقی کے راز ادارہ تعلیم و ترقی (تعلیم بالغان) کے ایک جفاکش رکن جناب سعید اشرف صاحب نعمانیؔ کی تصنیف ہے جس میں ایسی کام کی باتیں لکھی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے انسان بلا مبالغہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ جن کی زندگی قسمت سے ہے چار چیزیں مراد لی ہیں:۔ شوق و چاہ، خود اعتمادی، عمل اور منزل مقصود۔ ان کا ذکر کرنے کے بعد پھر ترقی کے راز بتائے گئے ہیں اور زندگی بسر کرنے کے اُن سنہری اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اگر ہمارے چھوٹے اور بڑے اپنالیں تو کسی قسم کی مصیبت سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ تمام اچھی باتوں کا نچوڑ ملاحظہ کیجئے:۔

"اگر ہو سکے تو اپنی زندگی کو بادل کی طرح بناؤ جو اپنے فیضانِ باراں سے خشک زمین کو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے اور سمندر کی طرح وسیع بناؤ جو تمام دریاؤں اور ندی نالوں کے پانی کو اپنے اندر جمع کر کے بھی اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔" ۴۴ صفحات۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ سب عمدہ۔ قیمت ۴۰ نئے پیسے۔

دیوان غالب صاحب یہ مغلیہ عہد کے مشہور شاعر حضرت غالب کا دیوان نہیں ہے۔ بلکہ ایک صاحب کا نام ہے جو ہر بات غالب صاحب کے اشعار میں کرتے ہیں۔ ہر سوال کا جواب دیوان غالب کے اشعار سے دیتے ہیں اس لئے خود ان صاحب کا نام ہی دیوان غالب صاحب مشہور ہو گیا ہے نثر میں وہ بات کرنی جانتے ہی نہیں۔ یہ کتاب ایک ڈرامہ کی شکل میں لکھی گئی ہے کئی جگہ یہ ڈرامہ نہایت کامیابی سے دکھایا جا چکا ہے۔ ہر مدرسہ میں اس کو کرانا چاہیئے۔ غالب کے اشعار ہر بات کے جواب میں پڑھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ نہ صرف طلبہ کو بلکہ خود مدرسین کو اس سے بہت فائدہ پہنچیگا اور نہایت دلچسپی کا باعث ہوگا۔ جامعہ کے ایک طالب علم شاہ فیاض عالم صاحب بی اے آنرز نے اب سے دس بیس سال پہلے اُس زمانہ میں اسے مرتب کیا تھا جبکہ وہ بی۔اے میں تعلیم پا رہے تھے۔ لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ سب عمدہ ہیں۔ ۴۰ صفحات با تصویر قیمت صرف پچاس نئے پیسے۔

زہروں کا علاج جناب حکیم صابر رضا صاحب ادیب لکھنوی نے یہ کتاب نہایت محنت سے تیار کی ہے۔ اور وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے کونسا انسان ہے جسے کسی نہ کسی زہریلی چیز سے سابقہ نہ پڑتا ہو۔ دیدہ و دانستہ یا غلطی سے زہر پیٹ میں چلا جاتا ہے یا بچہ کھا لیتا ہے یا دواؤں کی شیشی پر لیبل نہ ہونے سے مالش یا بدن پر لگانے کی دوا بڑے آدمی بھی پینے کی دوا سمجھ کر پی لیتے ہیں جس سے جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ یا زہریلے جانور اور موذی کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض کاٹتے ہیں تو بہت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً بھڑ۔ بچھو۔ بشپ جونک۔ چیونٹی۔ چھپکلی۔ چوہا۔ کھٹمل۔ مچھر۔ کڑی مکھی (خصوصاً شہد کی مکھی) سانپ۔ بلی کتا۔ گرگٹ۔ سلو مڑی۔ نیولا وغیرہ وغیرہ کے کاٹنے یا سنکھیا، شنگرف۔ پارہ۔ ہڑتال تمباکو۔ بھنگ۔ جمال گوٹہ۔ دھتورہ۔ توتیا۔ افیون۔ کچلہ وغیرہ کے کھا لینے سے زہر کا نتیجہ بہت خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان سب کا علاج آپ کو اس کتاب میں

ہمارا مشورہ

پچھلے پرچہ میں بطور آزمائش ہمارا مشورہ قبول کرنے کی درخواست کے تحت لکھا تھا کہ "سنگم" کے پچھلے پرچے ضرور پڑھیئے اور اس کی وجوہات ایک درجن کے قریب درج کی تھیں۔ اس میں ایک دو اور اہم چیزوں کا اضافہ کر لیجئے:۔

۱۔ ان کا سب کا ٹائٹل آرٹ پیپر پر دو رنگ میں نہایت خوشنما چھپا ہوا ہے۔

۲۔ سرورق کے پہلے صفحہ پر ایک عدد فوٹو بلاک کی تصویر بھی ہوتی ہے جو عموماً سنگم کی شائع شدہ کتابوں میں سے کسی ایک مصنف کی ہوتی ہے۔

۳۔ رسالہ کے اندر اس کی خود نوشت سوانح حیات ہوتی ہے جس سے اسکی زندگی کے حالات پر بہت کافی روشنی پڑتی ہے اور آپ کو اس کے مصنف یا شاعر ہونے کے علاوہ اس کے اشغال۔ ماحول اور خاندانی حالات کے متعلق معلومات حاصل ہو جاتی ہیں بعض کے متعلق ہماری مستند اور مصدقہ معلومات درج ہوتی ہیں۔

۴۔ بعض تصاویر ملک کے مشہور رہنماؤں کے متعلق ہوتی ہیں جن سے ہمارے ذاتی تعلقات بھی ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ مختصر مگر اہم نوٹ اسی پرچہ میں آپ کو ملیں گے۔

۵۔ ان سب کے پڑھنے سے آپ کو اپنی زندگی میں جو فائدہ حاصل ہوگا اور اپنی زندگی کو کسی خاص سانچہ میں ڈھالنے کے لئے جو مدد ملے گی اسکا علم ہم سے زیادہ خود آپ کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہوتا رہیگا۔

۶۔ حسب اعلان سابق ایک جلد کا مکمل سٹ دو روپے میں مع محصولڈاک بذریعہ رجسٹری بھیجا جائیگا۔ اور سنگم بال سبھا کے ممبروں سے ایک چوتھائی رقم کی رعایت کی جائیگی۔

ملیگا۔ مختصر یہ کہ سب علاج اتنے آسان دیئے ہیں کہ ضرورت کے وقت بہت آسانی سے ان پر عمل کرنے سے انسان کی جان بچ سکتی ہے۔ ہر گھر میں خصوصاً بال بچوں والے تو ہر گھر میں اس کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ آپ کے تجربہ کے لئے چند مثالیں دی جاتی ہیں:۔

بچھو کے کاٹنے کے لئے ۳۸ علاج دیئے گئے ہیں تاکہ جس میں بھی آپ کو سہولت ہو اسپر فوراً عمل کیا جاسکے۔ (۱) ہینگ۔ گندھک اور لہسن پیس کر لیپ کریں۔ (۲) پیاز کے عرق میں ہم وزن نوشادر حل کرکے استعمال کریں۔ جادو اثر ثابت ہوگا (۳) کافور کو سرکہ میں ملاکر لگائیں (۴) مولی کا عرق لگائیں (۵) مولی کھلائیں (۶) بدن کے جس حصہ میں بچھو نے کاٹا ہو اس کے دوسری طرف کے کان میں ۵-۶ قطرے نمک پانی میں گھول کر ڈالدیں بہت آزمودہ لکھا ہے۔ اسی طرح بھڑ کے کاٹنے کے ۱۲ علاج بتائے ہیں غرض تمام زہروں کے متعدد نسخے درج ہیں۔

اس کتاب میں علاج ہی نہیں بلکہ حفظ ما تقدم کے طور پر ان سے محفوظ رہنے کے طریقے بھی درج ہیں۔ نہایت عجیب کتاب ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۹۶ صفحات۔ لکھائی چھپائی عمدہ ہے مگر کاغذ رف استعمال کیا گیا ہے بہتر ہوتا کہ اتنی محنت سے تیار کی ہوئی ایسی مفید چیز بادامی سفید کاغذ پر ہوتی اس لحاظ سے قیمت ڈیڑھ روپیہ بہت مناسب ہے۔ مصنف کے علاوہ سنگم کتاب گھر سے مل سکتی ہے۔

کاغذ کا واسدیو | پریم ناتھ در کے نو افسانوں کا نہایت دلکش مجموعہ "حلقہ ارباب ذوق" دہلی کی پیشکش جس کے متعلق مشہور شعراء اور ادباء مثلاً جوش ملیح آبادی، عبادت بریلوی اور راجندر ناتھ اشک کی متفقہ رائے ہے کہ "افسانوی ادبوں میں اس درخشندہ راہ کو جو پریم ناتھ در کی اپنی راہ ہے محفوظ رکھنا حلقہ کے فن کاروں کی کامیابی اور اس کی ادبی تحریک کی ایسی ذمہ داری ہے جو صاف عیاں ہے اس کے فن کی بلندی حلقہ کا اپنا فخر ہے" پیرائے بلاغت اس امر کی ضمانت ہے کہ کتاب دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہے سید احتشام حسین جیسے بلند ہوئے ادیب نے پیش لفظ لکھا ہے۔

فرصت کے اوقات صحت مند لٹریچر اور دلچسپ سبق آموز کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرنے سے بہتر اور کوئی مشغلہ نہیں ہو سکتا۔ چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے تو بعض اوقات بچوں کو بھی لطف نہیں آتا اور لمبے لمبے ناول پڑھتے پڑھتے بیچ میں ہی چھوڑنے پڑیں تو سارا مزہ جاتا رہتا ہے اس لیے پورا قصہ ایک بار ہی ختم کرلینے کے لئے افسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے اپنے مذاق پر منحصر ہے۔ لیکن فحش اور بداخلاق چیزیں پڑھنے سے نہ صرف روپیہ ضائع ہوتا ہے بلکہ تمام زندگی کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور جو کتاب کسی معتبر ادبی حلقہ کی طرف سے شائع کی گئی ہو۔ اس کے بہترین ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے اس بات کی تصدیق آپ خود اس کتاب کے پڑھنے سے کرسکیں گے۔ نہایت عمدہ چکنا کاغذ، اچھی لکھائی چھپائی مجلد معہ خوبصورت گرد پوش ۱۷۶ صفحات قیمت پانچ روپے

لال بجھکڑ | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ملک کے اردو داں طبقہ کا مذاق بلند کرنے کے لئے جہاں معیاری اور دلچسپ اخلاقی کتابوں کی بہترین اشاعت کا انتظام کیا تھا وہاں مختلف شعبوں کے لئے قابل اصحاب بھی جمع کئے تھے اور ایک نہایت صحت مند سوسائٹی کے قیام کو ملکی مفاد کے لئے نہایت ضروری خیال کیا تھا جن کا کام تھا کہ ہر وقت اچھی کتابیں مطالعہ میں رکھیں اور دوسری اقوام ممالک کے مشہور ادیبوں کی تصانیف کا گہری نظر سے مطالعہ کرکے اپنے ملک کے حالات اور ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے بہتر سے بہتر کتاب لکھ کر اردو ادب میں اضافہ کی کوشش کرتے رہیں۔ چنانچہ منجملہ ان اصحاب کے اطہر پرویز صاحب ایم۔ اے کا نام بھی لیا جاسکتا ہے جنہیں بچوں کے ماہانہ پرچہ "پیام تعلیم" کی ادارت سپرد کی گئی تھی۔ ان کے پورے گھر کا ماحول علمی اور ادبی ہے۔ کیونکہ ان کی اہلیہ محترمہ (صدیقہ بیگم) بھی ماشاءاللہ اچھی کتابیں لکھنے میں مصروف رہتی ہیں اور اعلیٰ تعلیمیافتہ ہونیکی وجہ سے ترقی پسند مصنفین کی صف اول میں اپنا مقام حاصل کرچکی ہیں۔ اور بہت اچھی افسانہ نگار ہیں جنہیں ملک بھر میں کافی مقبولیت حاصل ہے۔ پرویز صاحب نے بچوں کی نفسیات اور مذاق کو مدنظر رکھ کر ناول لکھنے کی ابتدا کی۔ بڑوں کے لئے تو آپ کو بازار میں صدہا ناول ملینگے لیکن بچوں کے لئے اچھا ناول لکھنے کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی جسکی زبان بھی اچھی ہو اور جس کا مضمون بھی نہ صرف بچوں کی دلچسپی کا باعث ہو بلکہ ان کے اخلاق کو صحت مند سانچے میں ڈھالنے اور نہایت خاموش اور نامعلوم طریقہ سے ان کو صحیح راستہ پر چلانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکے، اس کمی کو دور کرنیکی ابتدا "لال بجھکڑ" لکھ کر اطہر پرویز صاحب نے کی جسے سنگم کتاب گھر نے شائع کرکے ایک نہایت مفید کتاب ملک کے سامنے پیش کی اور جسے تعلیمی کام کرنے والوں نے بیحد پسند کیا اور بچوں میں بہت جلد اسے مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اس کتاب کے دلچسپ ہونیکا ثبوت تو خود اس کے پیارے انداز جو نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پرویز صاحب آجکل انجمن ترقی اردو ہند کے صدر دفتر میں مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات

مارچ و اپریل ۱۹۵۶ء کے "سنگم" میں پڑھ کر آپ کو بے حد لطف آئیگا۔ اور عجیب عجیب معلومات حاصل ہونگی۔ ۴۰ صفحے بہترین لکھائی چھپائی اور اعلیٰ کاغذ قیمت صرف تیرہ نئے پیسے۔

جادو کا ہرن | سوتیلی ماں کے عذاب سے کون واقف نہیں بعض عورتیں کتنی چالاک اور ہوشیار ہوتی ہیں کہ دن بھر بچوں کو طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا رکھتی ہیں اور شام کو جب خاوند تھکا ماندہ کام سے واپس آتا ہے تو سب سے پہلے نہایت شیریں زبان اور محبت کے الفاظ سے خیر مقدم کرنے کے بعد بچوں کی بدتمیزی اور شرارت کی جھوٹی شکایت اس انداز سے کرتی ہیں کہ وہ زن مرید خاوند بھی بیوی کی سب باتیں سچ سمجھ کر یا اس کی ناراضگی کے ڈر سے بچوں پر بری طرح برستا ہے اور ان بیکس مظلوم بچوں کو جو اپنی ماں کی محبت کو رات دن ترستے رہتے ہیں مزید مار کھانے اور مفت میں پٹ جانے کی مصیبت اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں ایسے ہی دو چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کا نہایت دردناک قصہ بیان کیا گیا ہے جو اپنی سوتیلی ماں کے سلوک سے تنگ آکر گھر سے نکل کر جنگل میں چلے گئے۔ ان کی ماں جادوگرنی بھی تھی۔ اس کم بخت نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور لڑکے کو ہرن بنا دیا۔ جس کی دیکھ بھال کے لئے بہن نے بیحد تکلیف اٹھائی۔ اور جب ایک شہزادے نے جو جنگل میں شکار کو گیا تھا ہرن کو زخمی کر دیا اور اس کے پیچھے پیچھے دوڑا اور اس کے گھر پہنچ کر خوبصورت شہزادی کو دیکھا تو انہیں اپنے ساتھ لے گیا اور شہزادی سے شادی کر لی سوتیلی ماں کو جب اس کی بھی خبر ہو گئی تو اس نے حسد کے مارے مزید تکالیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ان سب کا ذکر نہایت سنسنی خیز مگر دلچسپ پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ آخر کار جادوگرنی کو بھی اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنی پڑی اور زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے اور دونوں بہن بھائیوں کو آرام اور چین کی زندگی نصیب ہوئی۔ ملک کے مشہور ناول نویس اور افسانہ نگار اور بچوں کی کتابیں لکھنے والی محترمہ صالحہ عابد حسین کی دلکش تصنیف ہے۔ متعدد تصاویر کے ساتھ ۴۰ صفحات پر نہایت خوشنما طباعت قیمت صرف پچاس نئے پیسے۔

دوست کی تلاش | یہ کتاب بچوں کے لئے محمد خلیق صدیقی صاحب ایم اے نے لکھی ہے جنہیں حکومت ہند سے کئی کتابوں پر انعامات مل چکے ہیں۔ پوری کتاب شروع سے آخر تک بلاکس میں چھپی ہے اور ہر صفحہ کے دو تہائی حصہ میں تصویر ہے جو مضمون کتاب سے مختلف رنگ میں ہے۔ گویا ہر صفحہ دو رنگ میں بلاکس سے چھپا ہے جس سے کتاب نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہو گئی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن مندرجہ بالا ظاہری خوبیوں کے علاوہ مضمون کے لحاظ سے بھی معنی خیز ہے۔ ایک کتا جنگل میں اکیلا رہتے رہتے گھبرا کر کسی ساتھی اور دوست کی تلاش میں نکلا۔ پہلے لومڑی سے ملا پھر بھیڑیے سے پھر شیر سے پھر آدمی سے۔ ایک ایک روز سب کے ہاں مہمان رہ کر اس نے معلوم کیا کہ سب سے اچھا دوست آدمی ہے جسکی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اور جو ساتھی اسے پسند نہیں آئے اس کی وجہ بھی بتائی گئی ہے۔ انسان کی برتری کی بہترین مثال اس سے بہتر شاید ہی کسی اور جگہ ایسے خوبصورت انداز اور آسان زبان میں بچوں کو سمجھانے کے لئے پیش کی گئی ہو۔ کتاب کی قیمت اس کے مضمون اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے۔ خواہ وہ دو فقروں بلکہ دو لفظوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ ساٹھ پیسے میں منگا کر بچوں کو اس کتاب کی اصلی روح سمجھاتے اور ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی وجہ سے ہم نے اسے بلاکس کے ذریعہ چھاپ کر اس کی قدر و قیمت منوانے کی اشد ضرورت محسوس کی ہے۔ ایسی تعلیم کے بغیر ملک کی ترقی اور بچوں کی تربیت نہیں ہو سکتی۔

دستر کی کھوج | دوست کی تلاش کو دیوناگری حروف میں اور ہندی زبان میں اسی انداز سے بلاکس کے ذریعے مع تصاویر کے چھاپا ہے۔ قیمت بھی وہی ہوگی۔

کھٹملوں کا اعلان جنگ | یہ کتاب بالکل صحیح اور ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھی گئی ہے جس کا ایک ایک حرف سچائی اور حقیقت پر مبنی ہے۔ حکومت کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ اس سے ملک کے مفاد میں بلاشبہ بہت مدد ملی۔ مصنف اور پبلشر دونوں کی بھول سے نہیں بھیجی جا سکی مگر حکومت کو خود بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ سوسائٹی میں عام طور پر جو خرابیاں پیدا ہو کر راسخ ہو گئی ہیں مثلاً نفع خوری۔ چور بازاری۔ رشوت۔ قتل و غارت۔ ڈاکہ زنی۔ چوری۔ اغوا وغیرہ ان سب کا ذکر نہایت خوبی سے اسمیں کیا گیا ہے۔ اور کھٹملوں اور مچھروں کے انسانی خون چوسنے سے زیادہ خوفناک اور بدتر ان لوگوں کو بتایا گیا ہے جو اپنے ذاتی نفع کے لئے اپنے بھائیوں کا خون چوستے رہتے ہیں۔ کتاب باتصویر ہے اور نہایت دلچسپ انداز میں تعلیمی تاثر کے موجد فیاض حسین صاحب لوقان (جامعی) کی جدت طبع اور کاوش کا نتیجہ ہے۔ افسوس ہے کہ ایسا ذہین اور دن رات نئی نئی باتیں سوچنے والا انسان محض عسرت کی وجہ سے قومی معاشرہ کی غفلت اور عدم توجہی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ورنہ عام طور سے ایسے دماغ کے لوگ شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کیسے بنائی اسکی تفصیل اور دیگر حالات رسالہ "سنگم" بابتہ فروری و مارچ ۱۹۵۵ء میں آپ کی دلچسپی کا باعث ہونگے اور یقیناً سبق آموز بھی۔ ہمیں انتہائی افسوس ہے کہ کسی نامعلوم غلطی کی وجہ سے خراب کاغذ پر چھپ گئی تھی۔ اس کے باوجود سب نے شوق سے خریدا اور وہ

ایڈیشن ختم ہوگیا اب دوسرا ایڈیشن بلاکس کی تصاویر بنوا کر چھپوایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ہندی ترجمہ دیوناگری حروف میں مع بلاکس کی تصاویر کے شائع کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے مگر ابھی ذرا وقت لگے گا۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔ صفحات ۳۲۔

جادو کی کتاب | یہ دلچسپ اور بچوں کی تفریح کے لئے طرح طرح کی باتیں سکھلانے والی کتاب بھی فیاض حسین صاحب لوقانی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے دسمبر ۱۹۶۰ء میں اس کا پانچواں ایڈیشن چھپنے کے لئے پریس میں دیا گیا تھا جو ناقابل ذکر حالات کی وجہ سے اب اکتوبر ۱۹۶۲ء میں کتابی صورت میں تیار ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس کے پانچویں مرتبہ چھپنے سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ ۸۰ صفحات کی اس کتاب میں بچوں کے لئے جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں ان میں مسمریزم، شعبدے اور ہاتھ کی صفائی، حسابی کھیل اور دلچسپیاں، تفریحی اور جسمانی کھیل، ہاتھ کی صنعت، حسابی ہیر پھیر، عقلی کھیل، ادبی کھیل وغیرہ شامل ہیں اور تقریباً ۱۲۰ کھیل دئے گئے ہیں جس سے بچے کو سوچنے اور دماغ پر زور ڈال کر اسی قسم کے اور بیسیوں علمی سوالات کے جوابات بتانے اور ان کے حل کرنے میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے۔ بچے جب اپنے ہمجولیوں کے مجمع میں یہ کھیل دکھانے لگیں گے جس سے وہ حیران رہ جائیں گے اور آپ جادوگر مشہور ہو جائیں گے۔ اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بڑے بڑے جادوگر جو ہزاروں کے مجمع میں حیران کن تماشے دکھا کر نہ صرف داد اور شہرت حاصل کرتے ہیں بلکہ روپیہ بھی خوب کماتے ہیں۔ وہ بھی اس قسم کی مشق ذرا زیادہ اعلیٰ پیمانہ پر کر کے ہاتھ کی صفائی سے کام لیتے ہیں۔ قیمت صرف ۵۵ نئے پیسے۔

بھولی نجمہ | بچوں کی نفسیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والی ملک کی مشہور ادیبہ صالحہ عابد حسین کی یہ ۳۲ صفحہ کی نہایت خوش خط جلی حروف میں گیارہ سطری مسطر پر باتصویر چھپی ہوئی کتاب یہ سکھاتی ہے کہ ایک بھولی بھالی بچی کو جس کا نام نجمہ تھا چینی کے برتن توڑنے کی عادت اس لئے پڑ گئی کہ جب کبھی اس کی امی نے اس سے پوچھا کہ فلاں برتن تم نے توڑا ہے تو اس نے ڈرتے ڈرتے فوراً بلا کسی توقف کے "ہاں" کہہ کر اعتراف کر لیا اور ماں نے اس کے سچ بولنے پر ہمیشہ اس کو سب کے سامنے شاباش دی جس سے وہ یہ سمجھنے لگی کہ برتن خواہ کتنے ہی خوبصورت اور قیمتی کیوں نہ ہوں توڑ دینے سے امی بہت خوش ہوتی ہیں اور شاباشی دیتی ہیں ایک مرتبہ اگرچہ برتن توڑنے کو اس کا جی نہیں چاہتا تھا مگر ماں کی شاباشی اور خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اس نے برتنوں کی الماری کھول کر بادل ناخواستہ چائے کا نہایت قیمتی سیٹ ایک ایک کر کے توڑ ڈالا جو اس کے والد نے بذریعہ پارسل بھیجا تھا جس پر اس کی امی کو بھی بیحد رنج ہوا اور غصہ آیا لیکن جب تحقیقات شروع ہوئی تو سب کے انکار کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا گیا اس نے کہا "جی میں نے توڑا ہے مگر امی مجھے بہت دکھ ہوا"۔ امی نے کہا تو پھر توڑا کیوں؟ اس نے کہا آپ ہمیشہ برتن توڑنے پر مجھے شاباش کہتی ہیں اور پیار کرتی تھیں میں تو یہ جانتی تھی کہ آپ اس سے خوش ہوں گی اس لئے میں نے توڑ ڈالا۔ اس کا بھائی جاوید دانت پیستا اور گھونسہ دکھا کر مارنا چاہتا تھا لیکن امی نے اسے گود میں لے کر چھاتی سے لگا لیا اور کہا میری سچ بولنے والی بچی! اس نے پوچھا کہ امی تو کیا اب نہ توڑا کروں؟ امی نے جواب دیا۔ ہاں اب نہ توڑو تاکہ ہمیں رنج نہ ہو۔ اس دن سے کبھی بھی کسی برتن کو نہیں توڑا۔ امی نے اس کے سچ بولنے کی وجہ سے اسے کبھی نہیں مارا اور نجمہ نے خود ہی محسوس کر لیا کہ امی کو رنج ہوتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے لیکن مجھے کچھ نہیں کہتیں۔ اس لئے اس نے محض سچ بولنے کی وجہ سے کبھی بھی اپنے بھائی جاوید کی کوشش کے باوجود کہ اسے ان نقصانات پر سزا ضرور ملنی چاہیئے امی سے بُرا تک نہیں سنا اور عادت ترک کر دی اس کی چھوٹی سی ضمیر نے ہی اس کو اس خراب حرکت پر ملامت کی اور وہ بالکل راہ راست پر آ گئی۔ نفسیاتی مطالعہ کے لئے والدین اور استادوں کے واسطے بہت زیادہ قابل غور اور سبق آموز ہے۔ قیمت چالیس نئے پیسے۔

تاریخی کہانیاں | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مدرسہ ابتدائی (پرائمری) کے اسٹاف میں بگڑے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک قابل بہن "نجمہ سلطانہ" بھی کئی سال تک نہایت شرافت، متانت اور تندہی کے ساتھ خدمات انجام دیتی رہیں۔ بعد میں ان کی خدمات مرحومہ صدیقہ بیگم صاحبہ قدوائی (بیگم جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی ایڈیٹر "تعلیم و ترقی" جامعہ جو بعد میں وزیر تعلیم صوبہ دہلی ہو گئے تھے) نے باڑہ ہندو راؤ میں واقع نیا محل جامع مسجد دہلی میں منتقل کرا لیں جو لڑکیوں کی تعلیم اور انہیں سلائی وغیرہ کا کام سکھانے کے لئے جامعہ کی طرف سے مرحومہ کی زیر نگرانی نہایت مفید ثابت ہو رہا تھا۔ اور اب بھی محترمہ حبیبہ قدوائی صاحبہ کے انتظام میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر چل رہا ہے۔ نجمہ سلطانہ صاحبہ کو اس طرح جامعہ سے وابستہ ہوئے بارہ تیرہ سال ہو چکے ہیں۔ فرصت کے اوقات میں وہ مطالعہ کا شغل بھی رکھتی ہیں اور اس سے دوسروں کو فیض پہنچانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پانچ مختلف [illegible] لڑکیوں کی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے قلمبند فرمائے جن میں سے چار ہندوستان کی نہایت مشہور اور مایۂ ناز خواتین پر مشتمل ہیں۔ ہم نے انہیں "تاریخی کہانیوں" کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کر کے شائع کیا ہے۔ نجمہ سلطانہ کے حالات زندگی ہم [illegible] ۱۹۶۱ء [illegible] میں مع ان کے فوٹو کے شائع کر چکے ہیں۔ حصہ اول میں فلورنس نائٹنگیل کے سنسنی خیز حالات مع فوٹو کے علاوہ مسز سروجنی نائیڈو، رضیہ سلطانہ اور نور جہاں بیگم کے حالات مع فوٹو بلاک کے تصاویر کے درج کئے گئے ہیں۔ اور حصہ دوم میں ہندوستان کی دو نہایت بہادر اور نامور خواتین کے حالات مع تصاویر درج ہیں جنہوں نے سینہ سپر ہو کر ملک کی آزادی کے لئے جنگ کی اور جان تک قربان کر دی یعنی مہارانی لکشمی بائی (جھانسی کی رانی) اور سلطانہ چاند بی بی۔ لڑکیاں ان حالات سے متاثر ہو کر لڑکوں سے کہہ سکتی ہیں کہ دیکھو عورتوں نے بھی بہت بڑے بڑے کام کئے ہیں اور میدان جنگ میں سینہ تان کر لڑی ہیں۔ اور مردوں کے مقابلہ میں زیادہ نام پیدا کیا [illegible] حکومت کی باگ ڈور اپنی قابلیت سے سنبھالی۔ [illegible] ان دونوں حصوں سے سبق حاصل ہو کر [illegible] اپنے دلوں میں اسی قسم کی فضا پیدا کرنا چاہیئے۔ ہر حصہ کے ۴۸ صفحات [illegible] قیمت ۵۰ نئے پیسے۔ فی حصہ

بیادگار جناب عبدالمجید خواجہ صاحب بار ایٹ لاء امیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی رئیس اعظم علیگڑھ (مرحوم)

چیف ایڈیٹر و نگراں:- خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر:- خواجہ ذکی احمد بی۔اے (جامعہ)

سنگم کتاب گھر اور سنگم بال سبھا کا پیغامبر
ماہنامہ
ہمارا ...
جامعہ نگر۔ نئی دہلی

زر چندہ:-
سالانہ: سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی شمارہ:- بیس نئے پیسے
(وی۔پی نہیں بھیجا جائے گا)

پاکستان میں زر چندہ وصول کرنے کے مجاز
(۱) ٹیکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں، ریلوے روڈ۔ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی۔ یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی ۵

جلد ۵ | بابتہ نومبر ۱۹۶۲ء و دسمبر مطابق ۲ جمادی الثانی ۳ رجب ۱۳۸۲ھ | ۱۷ کارتک ۱۴ اگھن سمت ۲۰۱۹ بکرم | ۱۹ کارتک ۲۰ اگھن سن ۱۳۷۲ فصلی | ۱۰ کرتکا ۱۰ مرگشر سمت ۱۸۸۴ شالیواہن | پنجشنبہ (جمعرات) شنبہ (سنیچر) | شمارہ ۵-۶

دُعا

مادرِ ہند کو جنّت کا نمونہ کردوں

درد جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں کوئی بیمار اگر ہو، تو شفا بن جاؤں
دکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دعا بن جاؤں

اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں روشنی جن میں نہیں، نور جن آنکھوں میں نہیں
میں ان آنکھوں کے لئے نور و ضیا بن جاؤں

دور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی جب مسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں، راہ نما بن جاؤں

عمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں ناتوانی سے جو ہر روز جھکے جاتے ہیں
ان ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کردوں مادرِ ہند کو جنّت کا نمونہ کردوں
گھر کرے دل میں جو افسردہ صدا بن جاؤں

حامد اللہ افسر میرٹھی

بھکارن کا گیت

دُکھیا من ہے دُکھیا کایا چھوٹ گیا ہے اپنا پرایا دنیا کیا ہے؟ مایا! مایا!!
مایا کے سب میت ہیں لیکن مایا کس کی میت؟ بابا سن لو میرا گیت،

دنیا والے لوبھ کے بندے تن کے اُجلے من کے گندے جھوٹی دنیا جھوٹے دھندے
کوئی نہیں ہے سنگی ساتھی سب کی جھوٹی پریت بابا سن لو میرا گیت،

مایا ہی سے پیار ہے سارا جھوٹا یہ سنسار ہے سارا کھوٹا کاروبار ہے سارا
ریت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے سب کی کھوٹی ریت بابا سن لو میرا گیت،

جھوٹی ساری دنیاداری مطلب کے ہیں سب زرداری من کی دنیا سب سے نیاری
من کے ہارے ہار رہے بابا من کے جیتے جیت بابا سن لو میرا گیت،

فہرست مضامین

آدمی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر یہ آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب سے جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر اکبرآبادی

؎ آجکل کہاتا نہیں بولتے بلکہ "کہلاتا" کہتے ہیں۔

(خواجہ ذکی احمد بی۔اے (جامعہ) پرنٹر و پبلشر نے دفتر ماہنامہ ہمارا ... جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے منشی عبدالعزیز صاحب مجددی کی کتابت کے بعد یونین پرنٹنگ پریس کٹرہ نظام الملک اردو بازار جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

ارشاداتِ وکنایاتِ سنگم

دُعا: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۙ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ؕ (الشعراء: آیات ۸۹-۸۷، ع ۵)۔

ترجمہ: (پچھلے پرچہ میں منصبہ دعا کا مزید ٹکڑا:) اور (اے مولا) نہ کیجیو رسوا مجھے جس دن کہ لوگ اُٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ (اور) جس دن نہ کام آئیگا مال اور نہ بیٹے۔ مگر وہ جو آئیگا اللہ کے پاس ساتھ دل بے عیب کے۔

تشریح: مسلمانوں کو قرآن شریف میں سمجھا بتا دیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ اور ایک دن حساب کتاب ہوگا جسے روزِ قیامت کہتے ہیں۔ اس روز سب اپنا اعمالنامہ ساتھ لئے ہونگے اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا وہاں نہ تم کسی کو "رشوت" دیکر اچھی جگہ حاصل کرسکو گے اور نہ تمہارے محبوب ترین عزیز یعنی بیٹے تمہاری مدد کرسکیں گے کیونکہ ان کو خود اپنے حساب کتاب کی فکر پڑی ہوگی اور خوف دامنگیر ہوگا۔ وہ اپنا خیال کریں گے یا تمہارا؟ پس جو کچھ کرنا ہے خود اپنی زندگی میں کر جاؤ۔ اپنے ہاتھ سے غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کو جتنا دے سکتے ہو دیجاؤ۔ ان کی مدد ہر طرح سے کرو۔ ان کی بھوک کا علاج کرو، ان کو تن ڈھانکنے کو موٹا کپڑا بنا دو یعنی اللہ کے ہاں اچھی سیٹ رزرو کرنے کے لئے یہاں ہی اپنے سامنے انتظام کر جاؤ لیکن نیک دلی اور ایمانداری کے ساتھ۔ ایسا نہیں کہ کہیں سے مال چوری سے یا ظلم سے یا ناجائز طریقہ سے حاصل کرلیا اور دوسرے کو مدد کے طور پر دیکر اللہ کے ہاں نام رجسٹر کرانے کی اور اس کی 'Good List' میں اپنا کوشاں ہونے کی کوشش کرو کیونکہ وہاں دھوکہ بازی نہیں چل سکتی۔

ہم خود اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ اچھا کپڑا پہن کر جب وہ پُرانا ہوگیا اور اپنے پہننے کے قابل نہ رہا تو گھر والوں سے کہہ دیا کہ لو یہ کسی غریب کو بھجوا دو یا کھانا باسی ہوگیا۔ روٹی خشک ہوگئی اور سالن بھی اپنی طبیعت کے مطابق پسندیدہ نہ رہا تو کہہ دیا کہ فقیر کو دے دینا وغیرہ۔ یہ سب باتیں کھوٹے سکے کے مانند ہیں۔ آپ کھوٹے پیسوں سے خراب چیز بھی نہیں خرید سکتے مثلاً ردی کاغذ۔ پھٹے پرانے چیتھڑے، سڑی ہوئی کھاد کے لئے بھی کھرے پیسے ٹھونک بجا کر لئے جاتے ہیں۔ پھر آپ جنت حاصل کرنے کے لئے پھٹے اور میلے یا پرانے کپڑے۔ اور خراب کھانا دیکر کیسے توقع رکھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے متعلق یونہی چھوڑ دیگا اور باز پرس نہیں کریگا؟ اور دوسرا دل دُکھاؤ، دنیا کو شاں کرو اور ظلم کرکے یا دھوکہ دیکر جو گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہو اس کے نتیجہ پر بھی خوب سوچ و بچار کرو۔

یہ دعا جو کی گئی ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ہے۔ جو تمام نبیوں کے جدِ امجد تھے۔ جب ایسی مقدس اور برگزیدہ ہستیاں ایسی لجاجت سے دعا مانگتی تھیں اور اللہ سے ہر وقت ڈرتی رہتی تھیں تو ہم گنہگار، دن کو جو رات دن معصیت میں مبتلا رہتے ہیں اپنے انجام کی کیا توقع رکھنی چاہیئے؟ بس یہی ایک نکتہ ہے جس پر کسی کو غور کرنے کی نہ کبھی فکر ہوتی ہے اور نہ ہم اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔ آمین!

اس کے بعد اب ہم جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں اس کی ہمت نہیں پڑتی۔

سینہ ہمہ داغ داغ است۔ پنبہ کجا کجا نہم۔

اکثر یار دوست کہا کرتے ہیں کہ کبھی اچھی بات اور خوشی کا کلمہ بھی منہ سے نکال لیا کرو جب سنو "ہائے ہائے"! "افسوس یہ ہوگیا وہ ہوگیا"۔ انسان نہ معلوم کسقدر سخت دل ہے کہ اتنے صدموں اور تکلیفوں کے بعد بھی اپنے کو گھسیٹتا چلا جاتا ہے ورنہ ایسے حالات میں تو اُسے ختم ہوجانا چاہیئے تھا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا ہے اس میں کبھی راحت نصیب نہیں ہوسکتی البتہ وہ شخص اطمینان سے اور بےفکری سے زندگی بسر کرتا ہے جسے تکلیف میں صبر اور برداشت کی [illegible] اسے اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے صبر و استقلال اور خندہ پیشانی سے بغیر ایک لفظ بھی شکایت کا منہ سے نکالے برداشت کرتا ہے۔ ورنہ کا تو یہ حال ہے کہ خواہ کتنی ہی بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے وہ بہت کم اس کا احسان مانتا ہے۔ کافی فارغ البال ہوتے ہوئے بھی حرص اس پر اسقدر غالب آجاتی ہے کہ وہ اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہوتا اور ایک کلمہ بھی اللہ کے شکر و احسان کا اس کے منہ سے سُننے میں نہیں آتا۔

ماہ دسمبر ۱۹۵۹ء کے پرچہ میں ہم نے "ماہ دسمبر کا ڈر" کے ضمنی عنوان سے مفصل بیان چند ہستیوں کا ذکر کیا تھا جو مختلف سن عیسوی کے دسمبر کے مہینے میں ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتی رہیں۔ مثلاً ۲۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ہماری شفیق ماں ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہمارے خاندان کے بزرگ مولانا خواجہ حافظ الطاف حسین حالی

مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب ہماری جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پہلے امیر (چانسلر) ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو اور ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو ہمارے علیگڑھ کے ساتھی مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ اور ۳۱ر دسمبر کو مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور ۴ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو صدر جمعیۃ العلماء ہند حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب۔

آہ! خواجہ صاحب ابھی ہمارا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم دسمبر کو منحوس سمجھیں کیونکہ سال کے صرف بارہ مہینے ہوتے ہیں اور ہر مہینے ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی جاں بحق ہو جاتے ہیں جن میں سے زیادہ نہیں تو چار پانچ تو ضرور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہوں گے۔ اس لحاظ سے ہر مہینہ منحوس سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کم ظرفی اور جہالت کی مثال دنوں کے نام لے کر کی جا سکتی ہے کیونکہ کل سات ہی دن ہیں۔ ان میں سے ہر روز اموات ہوتی رہتی ہیں جن میں معروف و غیر معروف ہستیوں یا نیک و بد انسانوں کی خصوصیت نہیں ہے۔ جس کا وقت پورا ہو گیا وہ چپ چاپ روانہ ہو گیا۔ لیکن اگر ہمارے احباب، بزرگوں یا پیشوایان ملک و ملت کی زیادہ تعداد کسی خاص مہینے میں ہم سے جدا ہوتی رہی ہو تو ہم اس مہینے سے ڈرنے لگتے ہیں یہ بالکل فطری بات ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ہم اپنے امیر جامعہ عبدالمجید خواجہ صاحب بار ایٹ لا رئیس اعظم علی گڑھ کے داغ مفارقت دے جانے کا نہایت رنج و الم کے ساتھ تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

نان کوآپریشن گاندھی جی کی تحریک عدم تعاون ۱۹۲۰ء میں شروع ہوئی اور اس سلسلہ میں درسگاہوں کا بائیکاٹ بھی اس میں شامل کیا گیا تو علی برادران (مولانا شوکت علی و محمد علی جوہر) سابقون الاولون کے خیال سے گاندھی جی کو علی گڑھ لے آئے جہاں اساتذہ و طلباء کے علیگڑھ کالج کا ایک معرکۃ الآرا ہنگامی جلسہ ہوا۔ جسمیں اس تحریک پر کافی روشنی ڈالی گئی اور گاندھی جی کے علاوہ دوسرے قائدین نے بھی پرجوش تقریریں کیں۔ جب علیگڑھ کے ذمہ داران نے کالج بند کر دیا اور تمام طلبہ کو چلتا کر دیا تو مولانا محمد علی نے ایک آزاد درسگاہ کا اعلان کر دیا جسکی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے۔ غرض اسے جامعہ ملیہ (نیشنل مسلم یونیورسٹی) کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور مولانا محمد علی نے اس کی باگ ڈور بطور پرنسپل خود سنبھال لی لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ گرفتار کر لئے گئے۔ اس وقت تک اسکے انتظام کی کوئی باقاعدہ تشکیل نہیں ہوئی تھی کیونکہ ایک ہنگامی زمانہ تھا یہ قاعدے قوانین تو سکون و اطمینان کے وقت بنتے ہیں۔ آجکل بھی دیکھ لیجئے جہاں ملک میں کوئی گڑبڑ ہوئی فوراً فوجی حکومت ظہور میں آ گئی اور سب قانون و ضوابط دھرے رہ گئے۔ مولانا کے قید میں جانے کے بعد پنجاب کے ایک لائق بیرسٹر ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب جامعہ کے پرنسپل مقرر ہو گئے جو بہت ہی اچھے مقرر تھے اور سیاسیات میں بہت سرگرمی اور جوش کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ بیرسٹری کو تحریک ترک موالات کے تحت خیرباد کہہ کر مولانا محمد علی کے جھنڈے تلے جامعہ میں آ گئے تھے۔ ہمارے خواجہ صاحب بھی تحریک میں شریک ہو گئے اور بیرسٹری ترک کر کے الہ آباد سے علیگڑھ آنے کی بجائے آگرہ کی جیل میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب میعاد پوری کر کے باہر آئے تو مولانا محمد علی کی خواہش کے مطابق جامعہ کے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ ۱۹۲۳ء میں یو۔پی اسمبلی کے الکشن کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم حلقہ فرخ آباد قائم گنج وغیرہ کی طرف سے انتخاب لڑنے کے لئے کھڑے کئے گئے۔ انکے مقابلہ کے لئے خواجہ صاحب کو آمادہ کیا گیا۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے حق میں آراء حاصل کرنے کے لئے جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور دیگر کارکن حلقہ انتخاب کے مختلف ضلعوں، قصبوں اور دیہات میں نکل گئے۔ ہمیں بھی چند ساتھیوں کے ساتھ فرخ آباد اور اس کے نواح میں جانا پڑا۔ گھر سے باہر نکل کر دنیا و ما فیہا کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہاں عجیب و غریب چیزیں دیکھنے اور سننے میں آئیں ایسی کہ ان کے بیان سے زبان اور قلم دونوں عاجز ہیں۔ اگر اشارہ بھی کر دیا جائے تو احباب جو پہلے ہی سے فقرہ بازی سے باز نہیں آتے ہمکو کیا کیا خطاب عنایت فرما دیں گے۔ الیکشن کے موقعہ پر کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں اور سرکاری دباؤ کیسے ڈالا جاتا ہے اور کس قدر جھوٹ سچ بولا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں دیکھنے میں آئیں بلکہ یوں کہئے کہ سب سے پہلے تجربہ ان باتوں کا ہمیں وہاں سے ہی حاصل ہوا۔ دیہاتوں میں سرکاری ایجنٹوں اور پولیس کا کتنا رعب و اثر ہوتا ہے یا اُس زمانہ میں تھا یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ نتیجہ ہمارے خلاف رہا۔

ہمارا تعلق خواجہ صاحب سے اسی زمانہ سے تعلق شروع ہوا ورنہ اس سے پہلے تو ہم انہیں ایک خوبصورت نوجوان شرمیلا انسان، رئیس زادہ اور بیرسٹر جانتے تھے کیونکہ سب سے پہلے ان کی شکل و صورت سے ہم صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بار ایٹ لا کے بڑے صاحبزادے شمشاد احمد خاں صاحب کی شادی کے موقعہ پر واقف ہوئے تھے جہاں مولانا شوکت علی (جو اسوقت مسٹر شوکت ہوتے تھے) نے بھری محفل میں ان کو اپنی پھکڑپن کی عادت کے مطابق چھیڑنا اور ستانا شروع کیا اور اپنی جولانئ طبع سے جملہ حاضرین کو محظوظ و مسرور فرمایا۔ خواجہ صاحب کی وہ حالت "مانند دلہن کی سی" ہمیں یاد تھی کہ اب شیخ الجامعہ کی حیثیت سے ان کے تحت جامعہ کی خدمت کا موقعہ ملا۔ تمام باتیں لکھی جائیں تو ایک ضخیم کتاب کی

ضرورت ہے۔ یہاں ان کی سوانح حیات لکھنا مقصود نہیں ہے اور نہ سارے اچھے بُرے واقعات کا ذکر ہی کیا جا سکتا ہے جو ان کی رفاقت میں پیش آئے۔ بدقسمتی سے ڈاکٹر عابد نے مجھے جامعہ کے جملہ حسابات و مالیات کا شعبہ سپرد کر دیا تھا اور ہم ریاضی کے استاد کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ جامعہ کے محاسب بھی بن گئے۔ چونکہ یہ کام بہت کٹھن ہے اور ہر وقت دل کی دھڑکن کا باعث ہوتا ہے نہ مالک کو اطمینان اور نہ ملازم کو اپنی ایمانداری کا ثبوت دینے اور یقین دلانے کا کوئی نسخہ یاد۔ اس لئے شروع شروع میں خواجہ صاحب بہت محتاط رہے اور مختلف موقعوں پر انہوں نے ہماری کتابوں کو اور دو چیزوں کو ادھر اُدھر سے الٹ کر دیکھا اور کیش بک کا رسیدات مجاریہ اور موصولہ سے مقابلہ کیا۔ اور جب ہمارے پہلے سال ۳۲-۱۹۳۱ء کے حسابات کی جانچ دہلی کے سرکاری آڈیٹرز کو بلا کر کرائی گئی اور انہوں نے بہت اچھی رپورٹ لکھ کر ظاہر کیا کہ ایسے محاسب نہ صرف کسی ادارہ کے لئے بلکہ خود آڈیٹر کے لئے بھی بہت مفید ہوتے ہیں تو خواجہ صاحب ہم پر پورا بھروسہ کرنے لگے اور تمام مالی مطالبات میں خواہ نجی ہوں یا جامعہ کے متعلق ہوں مشورہ کرنے لگے بلکہ پورے اطمینان اور بھروسہ کے ساتھ اس پر عمل بھی کرنے لگے۔

رئیسانہ مزاج | جناب خواجہ صاحب کے مزاج میں پرانے زمانے کے رئیسوں کی خاص جھلک تھی لیکن ان کا برتاؤ ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کے ساتھ بہت شریفانہ اور خیر خواہانہ ہوتا تھا۔ ان کی ریاست یعنی جائداد کا انتظام کرنے کے لئے جو منشی صاحب یا مختار صاحب ملازم تھے ان کی تعریف میں بہت زیادہ غلو سے کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جامعہ میں بہت عظیم الشان جلسہ ہوا اس کی نوعیت اس وقت دماغ میں محفوظ نہیں شاید کسی کانووکیشن کا موقع تھا۔ خواجہ صاحب نے اس کے پنڈال، شامیانے وغیرہ وغیرہ کا سارا انتظام اپنے مختار کے سپرد کر دیا۔ جناب تصدق احمد خاں صاحب شروانی اس زمانہ میں جامعہ کے سکریٹری تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ دو دن میں یہ انتظام نہیں کر سکیں گے۔ وقت بہت کم ہے بہتر ہو کہ کسی ٹھیکیدار کے سپرد کر دیا جائے مگر خواجہ صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ دو دن میں وہ کام بہت خوش اسلوبی سے پورا ہو گیا اور جلسہ بہت شان سے ہوا۔ ان کے بلوں کی ادائیگی کی منظوری لینے کے لئے جب میں نے کاغذات پیش کئے تو منظوری کے علاوہ خواجہ صاحب نے یہ عبارت بھی لکھی "ہم شروانی صاحب کو تو یقین ہی نہیں تھا کہ یہ کام مکمل ہو جائیگا لیکن اب انہیں یہ دیکھ کر حیرت سے کہنا پڑا کہ اتنے کم عرصہ میں اتنا اچھا کام عام انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ جزاک اللہ میں خود بھی اعتراف کرتا ہوں اور مبارکباد دیتا ہوں" اور مجھ سے فرمانے لگے آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے کہا آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ فرمانے لگے "اس سے کام کرنے والے کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور آئندہ کے لئے بھی راستہ ہموار ہو جاتا ہے"۔

بدگمانی | اب ایک ناگوار قصہ کا بھی ذکر کر کے نہ صرف جامعہ کے موجودہ کارکنوں کے بلکہ دوسری جگہ کے بھی کل ذمہ دار افسران کے نوٹس میں یہ لانا چاہتا ہوں کہ رئیسانہ مزاج کا عادی افسر اگر عالی حوصلہ اور فراخ دل بھی ہو تو آئے دن کے جھگڑے ٹنٹے ختم ہو جائیں اور جامعہ کی گاڑیاں باہم ٹکرانے کی بجائے پٹری پر نہایت تیزی سے بغیر کسی خوف و خطر کے سفر کی منزلیں طے کرتی رہیں۔

جامعہ کی منتقلی | جامعہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ میں قائم ہوئی اور جولائی ۱۹۲۵ء کو دہلی میں منتقل ہو گئی۔ علیگڑھ کالج کے مقابلہ میں محض اس بنا پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا کہ تحریک عدم تعاون کے تحت حکومت سے گرانٹ نہ لینے کی تجویز کو ٹرسٹیان کالج نے نہیں مانا تھا بلکہ کالج بند کر کے پولیس اور فوج کے ذریعے محمد علی اینڈ کو کو احاطۂ کالج سے باہر نکلوا دیا تھا اس لئے یہ آزاد درسگاہ کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ اس کا خرچ پورا کرنے کے لئے یہ تجویز طے پائی تھی کہ مرکزی خلافت کمیٹی سے ایک مقررہ رقم جو اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو ماہ بماہ اس کو ملتی رہے۔ یو پی صوبہ کی یا دوسرے صوبوں کی خلافت کمیٹیوں سے کوئی رقم نہ لی جائے بلکہ وہ سب مرکز کو بھیجیں۔ چنانچہ مولانا شوکت علی کے دفتر خلافت بمبئی سے ہر ماہ دس ہزار کی رقم جامعہ کو ملتی رہی تھی جو ایک لاکھ بیس ہزار سالانہ ہوتی ہے۔ جامعہ کے علاوہ اور بہت سے مدرسے قائم ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری اور قومی ضروریات بھی تھیں جن کی ذمہ داری مرکزی خلافت کمیٹی پر تھی۔ حکومت اور حکومت کے بہی خواہ برابر توڑ جوڑ میں لگے رہے کہ کسی طرح یہ تحریک ختم ہو جائے اور اپنی موت آپ مر جائے۔ چنانچہ سوامی شردھانند جی جیل سے رہا ہوتے ہی "شدھی" کام میں لگ گئے یا لگا دیئے گئے اور اعلان ہو گیا کہ مسلمان راجپوتوں کی ایک کثیر جماعت جو کئی ہزار پر مشتمل ہے اور جنہیں "ملکانے" کہتے ہیں اسلام چھوڑ کر ہندو دھرم میں آ رہی ہے لہٰذا ان کی شدھی کی جائیگی۔ اس اعلان کے ہوتے ہی تمام مسلمان بھڑک گئے اور گاندھی جی نے قریہ قریہ پھر کر اور تحریک خلافت کو ہاتھ میں لے کر جو عدیم المثال اتحاد تمام ملک میں پیدا کر دیا تھا جس سے حکومت انگلشیہ کی چولیں ڈھیلی ہو گئی تھیں اور انگریز کی دوربین نگاہیں آنے والے انقلاب کو صاف طور سے دیکھنے لگی تھیں وہ پارہ پارہ ہو گیا اور ہندو مسلم بھائی بھائی نے "لڑکا بھائی" کی شکل اختیار کر لی جو آج کل "ہندی چینی بھائی بھائی" نے اختیار کر رکھی ہے۔ نتیجہ کے طور پر خلافت کمیٹی کی آمدنی میں بہت فرق پڑ گیا اور جامعہ ملیہ کو جو دس ہزار ماہانہ کی رقم ملتی تھی اس کے انتظام میں دشواریاں پیدا ہو گئیں اور وہ رقم ملنی بند ہو گئی۔ چونکہ حکیم اجمل خاں صاحب اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب بھی جامعہ کے

ذمہ دار ناخوش تھے اس لئے انہوں نے تجویز پیش کی کہ "جامعہ کو دہلی بھیجا جائے تاکہ ہم وہاں آسانی سے اس کی دیکھ بھال کر سکیں۔ ہمارے جیسے مصروف انسانوں کے لئے بار بار علیگڑھ آنا بہت دشوار ہے اور ہمارا پیشہ بھی اجازت نہیں دیتا کہ ایک لمحے کے لئے بھی ہم وقت ضائع کریں۔" چنانچہ طے پا گیا کہ تعلیمی سیشن ختم ہوتے ہی جامعہ کو علیگڑھ سے دہلی منتقل کر دیا جائے اور ۲۵ جولائی ۱۹۲۵ء کو دہلی میں سلسلہ تعلیم شروع کر دیا جائے مگر مولانا محمد علی نہیں چاہتے تھے کہ علیگڑھ کے مقابلہ میں کوئی مستقل درسگاہ قائم ہو کیونکہ مسلمانوں کی قوتوں کو منتشر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ علیگڑھ کالج کے کرتا دھرتا حکومت سے گرانٹ لینی بند کر دیں پھر جامعہ اس میں مدغم ہو سکتی ہے۔ یا اگر جامعہ کا علیحدہ وجود بھی ہو تو بھی علیگڑھ میں ہی رہنی چاہیئے تاکہ مسلمانوں کا تعلیمی مرکز علیگڑھ ہی رہے۔ ان دونوں بھائیوں کو علیگڑھ کالج سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ وہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور وجود میں لانا پسند ہی نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھئے چند دن کی بات ہے اگر جامعہ علیگڑھ میں رہی تو یہ لوگ مجبور ہو جائیں گے کہ کالج کو حکومت سے جو کچھ ملتا ہے اسے شکریہ کے ساتھ لینے سے انکار کر دیں۔ چنانچہ سیاست میں بہا بہا کی اہمیت رکھنے والے شریف الطبع اور نہایت سچے خادمان ملک وملت میں اس مسئلہ پر اختلاف رائے شروع ہو گیا لیکن دونوں کی اغراض ذاتی مفاد اور منفعت پر مبنی نہیں تھیں۔ دونوں یہی چاہتے تھے کہ وہ کام کیا جائے جس میں ملک وملت کا فائدہ ہو اس لئے وہ آستینیں چڑھا کر بھٹیاریوں کی لڑائی کا منظر پیش کرنے کی بجائے خاموش ہو گئے اور مولانا محمد علی نے حکیم صاحب کی عزت وعظمت کا اسی طرح احترام کیا جیسا کہ پہلے کرتے رہے تھے اور ان کی مخالفت نہیں کی بس اپنا خیال ظاہر کر کے خاموش ہو گئے۔

ہم نے چونکہ تعلیمی زمانہ کے علاوہ کالجیئٹ اسکول میں تعلیمی خدمت انجام دینے کے لئے کافی عرصہ تک زندگی بسر کی تھی اور مختلف شعبوں میں بھی "قابل ذکر" کام کیا تھا جسے کسی آئندہ موقعہ کے لئے ملتوی رکھئے اور ہم کالج اور اسکول کے معاملات سے نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے بلکہ ایک حد تک ان میں کافی دخل بھی تھا۔ اسی لئے ہمیں بھی علیگڑھ چھوڑنے کا قلق تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ جامعہ علیگڑھ میں ہی رہے۔ ہمارا نقطۂ نظر مولانا محمد علی سے قدرے مختلف تھا۔ وہ تو مسلمانوں کا ثقافتی مرکز علیگڑھ کو ہی بنانا چاہتے تھے اور علیگڑھ کالج کی گرانٹ بند ہو جانے کی امیدیں باندھے ہوئے تھے اور ہمیں علیگڑھ سے محض مکانی اور ماحول کی محبت تھی جیسا کہ بلی کو گھر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ علیگڑھ کالج کی گرانٹ بند ہو جانا ہم خود ناممکن سمجھتے تھے۔

جوابِ طلبی | جب علیگڑھ کو چھوڑنے کا زمانہ قریب آیا تو مدرسہ بند ہونے سے پہلے ہم نے اپنے مدرسہ کے تمام بورڈنگ ہاؤس کے طلبہ کی ادبی انجمن (بزم کمال) میں جس کے ہم صدر تھے لڑکوں کو اجازت دے دی کہ وہ مباحثہ کے دن اس موضوع پر بحث کر سکتے ہیں کہ "اس ایوان کی رائے میں جامعہ کو علیگڑھ سے دہلی منتقل کرنا مناسب نہیں ہے۔" اس بحث میں طلبہ نے ہم سے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی خواہش کی۔ قدرتی طور پر ہم نے اس کی موافقت میں حصہ لیا اور تجویز پاس ہو گئی اور حسب دستور مقررہ جلسہ ہائے انجمن کے رجسٹر میں یہ کارروائی بھی درج کر دی گئی۔

یہ کارروائی محض عام جلسوں کی حیثیت رکھتی تھی۔ کوئی باقاعدہ تجویز مجلس منتظمہ جامعہ یا افسران جامعہ کی خدمت میں بھیجنے اور ان کو اس پر غور کرنے کی غرض سے نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ کسی کی خدمت میں نہیں بھیجی گئی کیونکہ یہ کوئی سازشی جلسہ تو تھا نہیں جو افسران کے خلاف کیا گیا ہو۔ کھلے اجلاس میں بحثیں ہوئیں اور رائے شماری ہونے پر تجویز کے حق میں زیادہ رائیں آئیں۔ لیکن کسی من چلے نے یہ خبر شیخ الجامعہ تک بھی پہنچا دی۔ چنانچہ مسٹر حسن محمد حیات نے جو "لارڈ حیات" کے نام سے مشہور تھے اور علیگڑھ کالجیئٹ اسکول میں انگریزی کے مدرس تھے اور اب جامعہ میں ہیڈ ماسٹر اور رجسٹرار دونوں حیثیتوں میں کام کر رہے تھے (اور جو مولانا محمد علی کے ہمراہ خلافت ڈیلیگیشن کے سلسلہ میں ان کے پرائیوٹ سکرٹری بن کر لندن بھی گئے تھے اور جامعہ کے علیگڑھ منتقل ہو جانے کے بعد دہلی نہیں آئے تھے بلکہ بھوپال چلے گئے تھے جہاں نواب حمید اللہ خاں صاحب والئ ریاست نے سکرٹری شپ کے عہدہ پر ان کا تقرر فرما دیا تھا) اگلے روز میرے نام سپرنٹنڈنٹ جامعہ ہوسٹلز کی حیثیت سے ایک خط بھیجا کہ "معلوم ہوا ہے کہ رات آپ کی زیر صدارت طلبائے مدرسہ کی انجمن (بزم کمال) کا جلسہ ہوا جس میں جامعہ کے دہلی نہ جانے کی تجویز منظور کی گئی اور آپ نے بھی اس کی موافقت میں تقریر کی کیا یہ صحیح ہے؟" میں نے جواب میں لکھا "صحیح بالکل صحیح لیکن کیا آزاد یونیورسٹی میں طلباء کو آزاد مباحثوں کی اور اپنے خیالات آزادانہ طور سے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے؟

"ہم نے کوئی رزولیوشن پاس کر کے کارکنان اور ذمہ داران جامعہ کے پاس نہیں بھیجا ہے بلکہ جانے یا نہ جانے کے حق میں طلباء کے دلائل اور خیالات معلوم کرنے کے لئے جلسہ کیا تھا جس میں اس مضمون پر بحث کی گئی۔ عام طور سے جو موضوع ملک میں یا کسی ادارہ میں باہمی بحث کا مسئلہ بنا ہوا ہو خواہ وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی اس پر اگر پابندی لگائی گئی تو پھر سرکاری اور قومی درسگاہوں کی تعلیم اور انتظام میں کیا فرق رہیگا اور جس آزادی کے لئے ہم میدان میں نکلے ہیں اور اپنی نوکریاں چھوڑ چھوڑ کر اور مستقبل کو اللہ کے سپرد کر کے جہاد فی النفس کر رہے ہیں وہ کہاں ملیگی۔

مجھے تو افسوس یہ ہے کہ افسران جامعہ نے مجھ سے جواب طلب کرتے وقت تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ "ایں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است" ہم منزل مقصود سے بھٹکتے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس جواب نے کیا اثر کیا کیونکہ پھر صاحب تک کی آواز نہیں سنی۔

غیر جامعہ دہلی چلی گئی اور حیات صاحب مولانا محمد علی کے سکرٹری ہونے اور ان سے خاص تعلق رکھنے کی وجہ سے دہلی نہیں آسکے۔ یہاں آکر ہمارے ساتھ روزانہ ایسے واقعات پیش آنے لگے کہ خواجہ صاحب کو جو بھروسہ ہم پر تھا وہ جاتا رہا اور احباب کے حسد کی آگ نے خواجہ صاحب کو بھی ہم سے برگشتہ کرنے میں کسر نہیں چھوڑی۔ ہم جتنا ان سے قریب ہونا چاہتے تھے اتنا ہی وہ ہم سے دور ہونے لگے کیونکہ ہمیں خوشامد نہ کرنے کی جو تربیت ہمارے والد نے بچپن میں دی تھی اس نے ہمیں بالکل خشک لکڑی کی طرح بغیر کسی لچک کے بنا دیا تھا۔ اس لئے ہم نے "کشتی خدا پر چھوڑ دو اور لنگر کو توڑ دو" کے اصول کو مد نظر رکھا۔

<u>بدگمانی کی انتہا</u> | اب تو ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آجکل ہندوستان کے صاف گو مسلمان کو پاکستانی جاسوس کہہ دینے میں بڑے سے بڑے نیک عامل حکومت بھی تامل نہیں کرتے اور سی آئی ڈی یا مفسدوں کی غلط رپورٹ پر ایمان لے آتے ہیں اسی طرح خواجہ صاحب کو ان احباب نے (جن کا نام ظاہر کرنیکا ابھی وقت نہیں آیا) یقین دلا دیا کہ میں مولانا محمد علی کا آدمی ہوں اور محض جاسوسی کرنے دہلی آگیا ہوں۔ لہذا وہ چھوٹی موٹی بات پر چیں بہ جبیں ہونے لگے۔ مجھے چونکہ جھوٹ بولنے سے چڑ ہے۔ میں ہر قسم کے گناہ کو برداشت کرسکتا ہوں لیکن جھوٹ کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا اور اگر کوئی میری بات پر یقین نہ کرکے مجھے جھوٹا سمجھنے لگے تو اس سے بڑھ کر میں کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ چنانچہ ایک واقعہ ایسا ہوا کہ "برادران یوسف" نے جو دن رات میری تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے مجھ میں اور رخصت ہو جانے والے [illegible] میں (کہ ہم دونوں کا باہمی تعلق علیگڑھ کالج سے چلا آتا تھا) تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی اور جب میں نے ان کی الزامی گفتگو کی نفی کی تو انہیں یقین نہ آیا اور خواجہ صاحب کو بھر کر حکیم اجمل خاں صاحب کی خدمت میں بھیجا اس شکایت کے ساتھ کہ "حافظ فیاض محمد علی کا آدمی ہے اور وہ جامعہ کے دہلی آنیکا مخالف تھا۔ لڑکوں کو بھی اس نے اپنی تقریر کے ذریعے یہی سبق پڑھایا کہ جامعہ کو دہلی نہیں جانا چاہیئے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہاں طلبہ سے تعاون نہیں کرتے ہیں۔ آئندہ بھی اس سے خطرہ ہے۔" حکیم صاحب نے انہیں تحریری حکم لکھ دیا کہ ہر ممکنہ کوشش کرے کہ جامعہ کی خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔ شام کو کسی نے یہ خبر مجھ تک پہنچا کر کہا کہ "بھوکے شب درمیان ہے۔ سر پر کھڑا امتحان ہے۔ غضب میں بس تیری جان ہے" میں نے کہا "جو تھا مقدر بھی کہ وہ جو اس کی جان ہے۔" کہنے لگے "وہ کیا؟" میں نے کہا "مجھے اللہ کی امان ہے۔" بولے "بھئی خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ہم نے کہا "کیوں نہیں؟ اللہ کی امان کی دعا کہیں رائیگاں بھی جاتی ہے؟ سنا نہیں "کشتی خدا پر چھوڑ دو لنگر کو توڑ دو"۔ میرا دل آئینہ صاف ہے اور نیت نیک ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں ذلیل ہو کر جامعہ سے نکالا جاؤں!" رات بھر بیتابی میں گذری اور قسم قسم کے اچھے اور برے خیالات دماغ پر سوار رہے۔

<u>ہمارا جواب</u> | اگلے روز صبح کو میں دفتر گیا خواجہ صاحب اور عبدالعزیز انصاری صاحب نائب شیخ الجامعہ دونوں موجود تھے۔ میں نے کہا "السلام علیکم خواجہ صاحب!" جواب میں وعلیکم السلام کی دعا نصیب ہوئی۔ میں نے کہا "سنا ہے کہ آپ میرے لئے کوئی بشارت لائے ہیں؟" "کیسی؟" "یہی کہ اب آرام کرو جامعہ کو آپ کی ضرورت نہیں ہے۔" بس پھر بالکل سناٹا چھا گیا اور دونوں صاحبان میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جب میرے دوبارہ دریافت کرنے پر بھی سکوت ہی رہا تو میں نے کہا "خواجہ صاحب یہ بات کچھ سوئی کھٹکاتی ہے۔ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں، منافقت مجھ میں نہیں ہے آپ خواہ کچھ بھی خیال کریں مگر مجھے اپنے دل کی بات ظاہر کئے بغیر سکون قلب نصیب نہیں ہوتا۔ بیچارے محمد علی تو خواہ مخواہ لپیٹ میں آگئے اور حکیم اجمل خاں مفت میں بدنام ہوئے کہ وہ جامعہ کو دہلی لانے پر مصر ہوئے اور ان کی وجہ سے جامعہ یہاں لائی گئی۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ حکیم صاحب کو اس طریقے سے سبق پڑھایا گیا کہ اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا کہ وہ اسے دہلی لے آئیں۔ اس کے بند کر دینے یا اس سے دستکش ہونے میں ان کی سبکی تھی اور محمد علی صاحب کے ہم خیال لوگ طعنہ دیتے کہ بس حکیم صاحب کی ترکی تمام ہوئی چلائی جامعہ؟ جناب عالی یہ سب آپ کا اور آپ کے نائب صاحب کا سوچا سمجھا پلان ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اب گاڑی چلنی مشکل ہے اس لئے اس سے جان چھڑا لینی چاہیئے۔ علیگڑھ میں رہتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہونا آپ کے لئے بہت دشوار تھا اور بدنامی کا باعث بھی اس لئے آپ نے دہلی لانے کا پلان بنایا تاکہ اس کو حکیم صاحب کے سپرد کرکے اور سارا بار ذمہ داری ڈال کر واپس الہ آباد چلا جاؤں اور بیرسٹری شروع کر دوں۔ کیا ترک موالات کی تحریک ختم کر دی گئی یا باقی ہے بہرحال جب آپ بیرسٹری پر لات مار آئے تو اب پھر اسے اختیار کرنا کیا معنی؟ آپ کے عزیز نثار احمد خاں شروانی ڈاک خانوں کے سپرنٹنڈنٹ تھے انہوں نے ہزار بارہ سو کی نوکری ترک کر دی ان کا خیال آپ کو نہیں؟ علی گڑھ میں ڈاکٹر محمد عظیم کرامٹ سے سول سرجنی سے استعفیٰ دیکر نان کوآپریشن کی دیوی کی بھینٹ چڑھ گئے اور ماشاء اللہ بے شمار اولاد اور دیگر متعلقین کے سرپرست ہونے کے باوجود کسی کی پرواہ نہیں کی اور ماشاء اللہ کا نام لے کر جامعہ میں چلے آئے اب ان کا کیا حشر ہو [illegible]

خواجہ صاحب! نوٹ کر لیجئے میری یہ بات کہ جامعہ اب دلی آگئی ہے۔ آپ اور آپ کے یہ مشیر (عبدالعزیز انصاری کی طرف اشارہ کر کے) عنقریب یہاں سے چھٹی لیکر کوئی اور کاروبار کرنے کے لئے رخصت ہو جائیں گے۔ یہاں کون رہیگا آپ کا پیام فیاض، انشاءاللہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے پاؤں میں لغزش نہیں آسکے گی جن حالات کے تحت جامعہ قائم ہوئی تھی وہ ختم کہاں ہوئے ہیں پھر اس سے علیحدہ ہونے کے کیا معنی؟ آپ اس حکمنامہ کو صندوقچہ میں ہی بند رکھئے باہر نہ نکالئے گا ورنہ جامعہ کے حق میں بہت ہی برا ہوگا۔ آپ حکیم صاحب کے پاس جا کر میرا یہ پیغام مزید پہنچا دیں اس کے بعد ان کا حکمنامہ مجھے دیجئے، پیغام یہ ہے۔ حکیم صاحب! آپ کو کچھ بھی علم ہے کہ دلی اور پانی پت کا کیسا تعلق ایک دو صدی سے رہا ہے آپ کے آباؤ اجداد اگر لال قلعہ کے بادشاہوں کے طبیب خاص تھے تو میرے آباؤ اجداد بھی خاندان مغلیہ کے تخت نشینوں اور شاہزادوں کے معلم رہے ہیں۔ میرے والد کے دادا تک یہ سلسلہ قائم رہا ہے غدر ۱۸۵۷ء میں میرے دادا جو جوان تھے دوسرے عزیزوں کے ساتھ لال قلعہ سے نکلے تھے۔ دلی اور پانی پت میں جہاں اور مقابلے ہوتے تھے وہاں سب سے زیادہ مقابلہ پتنگ بازی کا ہوتا تھا۔ دریافت کیجئے کہ اس میں کون شہرت اور کامیابی کا تمغہ حاصل کرتا تھا۔ پانی پت والوں کا مانجھا اسقدر تیز ہوتا تھا کہ دلی والوں کی گڈی ان کے پتنگ کے سامنے ناچتی تھی اور پل بھر میں یہ جا وہ جا کا شور مچ جاتا تھا۔ حکیم صاحب یہ جامعہ میرے خون سے سینچی گئی ہے میں بہت اچھی اور عیش کی نوکری چھوڑ کر جامعہ میں آیا تھا مجھے سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہلا سکتا اس لئے آپ اپنا حکم واپس لے لیجئے اور معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ تعجب ہے کہ اتنا بڑا فیاض اور ذہین شخص محض سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر کے حکم صادر کرتا ہے۔ کبھی کسی مریض کا علاج بغیر نبض۔ قارورہ، زبان اور پیٹ کی کیفیت دیکھے صحیح ہو سکتا ہے انہیں مجھ سے دریافت کرنا چاہیئے تھا حالات کا جائزہ لے کر حکم صادر کرنا چاہیئے تھا چہ جائیکہ اس شخص سے لینے میں اگر اعوج کا نسخہ لکھا جو خود ہی دوسروں کا بہکایا ہوا تنگی تلوار سے وار کرتا ہے یاد رکھئے اللہ کی عدالت بہت بڑی ہے۔ آئیو! بے وقت سے ڈرو اور پناہ مانگو۔ اچھا خدا حافظ سلام علیکم" یہ کہہ کر میں چلا گیا۔ خدا جانے بعد میں کیا ہوا کیونکہ وہ حکم آج تک دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ لیکن خواجہ صاحب پر اس بے باکانہ گفتگو کا خاص اثر ہوا جیسا کہ ان کے بعد کے رویہ سے ظاہر ہونے لگا اور وہ پھر اسی طریقہ سے محبت۔ اخلاص اور عزت سے پیش آنے لگے کہ جو دلی آنے نہ آنے کے مسئلہ سے پہلے میرے متعلق ان کا تھا۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد پروفیسر طاہر الیس محمدی صاحب ایم اے کو چارج دے کر خواجہ صاحب چھٹی کی درخواست دیدی اور ہماری پیشین گوئی کے مطابق الہ آباد تشریف

لے گئے اور بیرسٹری شروع کر دی اور عبدالعزیز انصاری صاحب بھی اپنی شمع برقعہ کر کلکتہ چلے گئے جہاں وہ لائف انشورنس کے منیجر یا ڈائرکٹر ہو گئے۔ اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں حکیم صاحب کا انتقال ہو گیا اور ۱۹۳۱ء کی ۴ جنوری کو مولانا محمد علی صاحب نے اپنے قول کو پورا کر دکھایا۔ وہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کیلئے لندن گئے تھے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ میں آزادی لے کر جاؤں گا ورنہ یہیں جان دے دونگا اور غلام ملک میں قدم نہ رکھوں گا۔ چنانچہ وہ وہاں سے بیت المقدس کی پاک زمین میں لیجا کر اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس پہنچا دئے گئے۔ حکیم صاحب کے بعد ڈاکٹر انصاری امیر جامعہ منتخب ہوئے اور ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء کو وہ مرد مجاہد بھی ہم سے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالمجید خواجہ صاحب امیر جامعہ منتخب ہوئے۔

جامعہ کی خدمت| خواجہ صاحب شیخ الجامعہ ہو کر جامعہ کے لئے بہت کام کیا تھا اپنی بہنوں سے کہہ کر ان کی کوٹھیاں بغیر کرایہ کے جامعہ کو دلوائیں جو جامعہ کے استعمال میں اس کے دہلی آنے تک رہیں۔ چار سو روپے تنخواہ مقرر ہوئی تھی جو جامعہ ہی میں جمع ہوتی رہی اور اپنی ذات کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ وہ رات دن جامعہ کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ اور جیسا کہ رئیسوں کا دستور ہے وقت بے وقت کی کوئی قید نہیں تھی۔ رات دن کا کوئی خیال نہیں تھا۔ رسالہ سنگم میں اکثر ان کا ذکر آتا رہا ہے جہاں ان کی حبشیوں یا "پسانہ آن" اور "نہ" کا بھی ذکر ہوتا رہا ہے۔ رسالہ سنگم کے خاص سرپرست تھے درمیان میں جب ...

اختیارات| جامعہ والوں نے شروع شروع میں تو یہ سمجھا کہ امیر جامعہ کا بس یہ کام ہے کہ وہ انجمن کے سالانہ جلسوں کی صدارت کریں وہ اگر جلسہ میں نہ آسکیں تو انجمن کا کوئی رکن بھی اس روز کے جلسہ کا چیرمین منتخب کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا کام امیر جامعہ کا یہ سمجھا جاتا تھا کہ بی اے پاس کرنے والوں کی سندوں پر شیخ الجامعہ اور رجسٹرار کے علاوہ دستخط کرنا۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بالکل عضو معطل بنا دیا گیا۔ جب جامعہ میں کچھ بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی ہونی شروع ہوئی اور حالات نے جامعہ کو بالکل سرکاری درسگاہ بنانے کا رُخ اختیار کیا تو کچھ مضامین اخبار میں نکلنے شروع ہوئے لیکن وہ چونکہ صحیح حالات سے ناواقف لوگوں کے قلم سے نکلے ہوئے ہوتے تھے نیز اس لئے بھی کہ خود ہمیں جامعہ کے حالات ناقابل برداشت نظر آنے لگے تھے ہم نے اس کی اصلاح کی "موہوم" کوشش شروع کی اور پیام مشرق دہلی میں مسلسل مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ شروع شروع میں تو یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اتنے لمبے لمبے مضامین سے اخبار کے ناظرین گھبرا جائیں گے اور کہیں گے کہ جامعہ کا قصہ کبھی ختم بھی ہوگا یا یہ اخبار جامعہ کی تنقید کے لئے ہی وقف کر دیا گیا ہے لیکن جب اس کے تین چار نمبر نکل چکے اور جامعہ کے متعلق اصحاب میں ہل چل سی مچنے لگی تو غیر لوگ جامعہ کو بھی تشویش شروع ہوئی اور وہ اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اور جامعہ کے

...کے سال ان ہی صفحات پر ان پر تنقید کی گئی اور جواب دیا گیا۔

"ہم خود مالکان" نے جامعہ کا کانسٹی ٹیوشن (دستور) کو بغور مطالعہ کرنا شروع کیا جس سے اس صاف نتیجہ پر پہنچے کہ امیر جامعہ کو بہت کچھ اختیارات ہیں اور وہ بوقت خطا کار دوں سے جواب پرس کر سکتے ہیں۔ تب دھیرے دھیرے ان کے علم میں یہ معاملات لائے جانے لگے اور ان سے مشورے ہونے لگے۔ جہاں تک کہ معاملے کی نزاکت اور حالات کو جامعہ کے ناموافق دیکھ کر انہیں تحقیقات کی ذمہ داری سنبھالنی پڑی۔ لیکن چونکہ آنکھوں کی مجبوری تھی اس لئے سید اشفاق حسین صاحب ڈپٹی سکریٹری حکومت ہند کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس کی رپورٹ خود امیر جامعہ کی طرف سے مجھی جا چکی۔ چنانچہ انہوں نے متعلقہ اشخاص اور دیگر حضرات کو جو ان معاملات سے دلچسپی رکھتے ہوں یا ان سے متاثر ہوئے ہوں اپنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ دیا۔ اس طرح وہ سب باتیں کمیٹی کے نوٹس میں لائی گئیں اور محترمی اشفاق صاحب نے کافی تفصیلی رپورٹ مرتب کر کے خواجہ صاحب کے حوالے کر دی۔ یہ مضمون بازی کا سلسلہ چونکہ کافی دنوں تک رہا اس لئے خواجہ صاحب کئی بار دہلی تشریف لائے اور جلسہ میں شرکت سے پہلے ہمیشہ میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر مجھ کو جلسہ میں شرکت کے لئے نہایت اصرار کے ساتھ مجبور کیا۔ سید اشفاق حسین صاحب کی رپورٹ میں جا بجا میرا حوالہ دیا گیا تھا اور جب کہ خود سید صاحب نے دوران گفتگو مجھ سے فرما بھی دیا تھا کہ مجھ سے گفتگو کے بعد ان کے تمام خیالات جو ان کے دل میں میرے متعلق تھے بالکل بدل گئے تھے اور وہ بہت متاثر تھے۔ یہی چیز انہوں نے خواجہ صاحب سے فرمائی چنانچہ خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی قدر تو پہلے ہی تھی لیکن اشفاق صاحب نے تو آپ کی اسقدر تعریف کی ہے جس سے میں بیحد متاثر ہوا ہوں۔ میں نے کہا یہ تو ان کی اور آپ کی خاص عنایت ہے ورنہ تعریف کے قابل کوئی کام نہیں کیا۔ بظاہر تو میرا پہلو لوگوں کی رائے میں تخریبی تھا۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ آپ کے دل میں اگر کوئی غلط خیال میرے متعلق پیدا ہو گیا ہو گا تو وہ اب آپ کی گفتگو سے معلوم ہوا جاتا رہا ہے اور آپ کو میرے رویہ میں کسی عناد یا بغض یا تخریب کا پہلو نظر نہیں آیا مجھے تعجب ہے کہ جناب پروفیسر مجیب صاحب شیخ الجامعہ نے جامعہ کے لئے اتنی قربانی کی ہے اور نہایت ہی قلیل الاؤنس پر اپنی عمر کا سارا قیمتی حصہ اسی میں بسر کر دیا ہے اور نہ صرف طلبہ کی بلکہ بعض اساتذہ کی بھی مالی امداد فرمائی ہے جسکے ہم سب معترف ہیں اور ان کے شکر گذار ہیں مگر انہیں محض چند شکایات کرنے پر اسقدر غصہ آیا کہ اب تک انکی خفگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

عارضی پی اے: میری طبیعت میں کسی قسم کا شر یا بدگمانی نہ ہونے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خواجہ صاحب امیر جامعہ کا یہ خط شیخ الجامعہ کے نام آنے پر کہ میں خود تو آنکھوں کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے مجبور رہوں اس لئے کسی شخص کو مرتبے میرے پاس علیگڈھ بھیج دیا جایا کرے تا کہ مجھے وہاں کے ضروری کاغذات بھی دکھا جائے اور میں جس کو لکھواؤں یا جواب دلاؤں اس کی بھی تعمیل کر جایا کرے تو شیخ الجامعہ نے اپنے ہی پی اے یعنی عبداللطیف اعظمی صاحب کو اس کام کے لئے منتخب کیا چنانچہ اعظمی صاحب دونوں کے پی اے مقرر ہو گئے جس کی اطلاع خود خواجہ صاحب نے اعظمی صاحب سے لکھوا کر مجھے بھیجی پھر بھلا کون شخص ہے جو یہ کہہ سکتا ہو کہ میں مگر شیخ الجامعہ صاحب کو توجہ دلانے کے لئے مضمون لکھتا تھا تو وہ ان کی ذات کی مخالفت کے لئے ہوتے تھے۔ چنانچہ اعظمی صاحب نے تو میرے اگلے پچھلے خط امیر جامعہ کے نام دیکھے ہونگے جن کی تعداد مشکل سے تین ہو گی۔ ان میں کوئی بات مجیب صاحب کے خلاف انہوں نے دیکھی؟ جو شخص اس ہستی کا پی اے ہو جسکے "خلاف" میں مضمون لکھ رہا ہوں یا اس کا بھی پی اے ہو جس سے شکایت کی جا رہی ہے اور جس سے اصلاح کے لئے کہا جا رہا ہے۔ کیا اس کا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ شکایت کرنے والا کوئی ایسی بات نہیں لکھ سکتا جو پی اے صاحب کے ایک آقا کے خلاف ہو کیونکہ وہ راز میں نہیں رہ سکتی جیسے چھوٹے آقا کو پی اے صاحب واپس جا کر فوراً بتا دیں گے کہ کیا لکھا تھا۔ چونکہ مفاد اس قومی ادارہ کا مدنظر تھا جس کو ہم نے شروع سے ہی سینچا ہو اور تمام کٹھنائیاں برداشت کر کے نہ صرف بیس برس تک جامعہ میں خدمت کرنے کے عہد کو پورا کیا ہو بلکہ چالیس سال پورے کر دئے ہوں وہ اپنے ادارہ کے لئے جان قربان کرے گا یا کسی واحد شخص سے عداوت کا اظہار کریگا خصوصاً جبکہ وہ اسکی قابلیت اور اسکی عدیم المثال قربانیوں کا بھی معترف ہو۔ اس چیز کو خواجہ صاحب نے بخوبی سمجھ لیا تھا اس لئے ان تمام ناقابل ذکر باتوں کے باوجود خواجہ صاحب نے اپنی سرپرستی اور دفاقت سے محروم نہیں کیا۔

چنانچہ جب پبلک میں جامعہ کے متعلق ہیجان پیدا ہوا تو عوام الناس سے پھر رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور رسالہ ہمدرد جامعہ بند کر کے عوام کو جامعہ کے حالات سے لاعلم رکھنے کی جو غلطی کی گئی تھی اور شعبہ ہمدردان جامعہ کو ختم کر کے عوام کی امداد سے جو بے نیازی اختیار کرنی مناسب سمجھی گئی تھی اسکی تلافی کے لئے سلور جوبلی۔ گولڈن جوبلی۔ ڈائمنڈ جوبلی کے علاوہ ایک نیا جشن منانے کی جدت پیدا کی گئی جس کا نام جشن چہل سالہ رکھا گیا۔ غنیمت ہے کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہ کہنا چاہیئے۔ ہمارا منشا پبلک سے رابطہ قائم رکھنے کا تھا جو ختم کر دیا گیا تھا اس کی ابتدا اب جشن چہل سالہ سے کی گئی۔ چنانچہ اس جشن کے موقعہ پر جو تین دن تک جاری رہا مختلف جلسے اور "کلچرل" پروگرام ہوتے رہے۔ اتفاق سے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی اس میں آکر شریک ہو گئے اور "ایٹ ہوم" کے دن بھارت کے راشٹرپتی (صدر جمہوریہ ہند) جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد

بھی تشریف لائے۔ اس موقع پر جب امیر جامعہ جناب خواجہ صاحب ان کے ساتھ جلوہ افروز ہو رہے تھے تو خواجہ صاحب نے خاص طور سے ایک صاحب کو بھیج کر آپ کے اس خادم کو یاد فرمایا اور رجسٹرار شریف نبی صاحب سے ایسے تعریفی الفاظ کے ساتھ تعارف کرایا کہ مجھے بہت شرم محسوس ہوئی۔ اس تعارف سے متاثر ہو کر ماسٹر نبی صاحب نے اپنے پاس جگہ دے کر مزید عزت افزائی فرمائی۔ ایک صاحب نے جو کسی دور جگہ بیٹھے ہوئے تھے یہ منظر دیکھ کر فوراً کیمرہ لگا دیا جس سے ایک تصویر کھنچ آئی جو بوجہ زیادہ فاصلہ ہونے کے بہت نمایاں تو نہیں ہوئی مگر پھر بھی کچھ ظاہر کرتی ہے۔ ہم اس پرچہ کے آخری سرورق پر اس تصویر کا بلاک درج کر رہے ہیں۔ کہ یہ ایسے زمانہ کی یادگار ہے کہ ہمارے اصلاحی نقطۂ نظر سے لکھے ہوئے مضامین کے بدلے میں ہمارے چند پرانے ساتھیوں اور دوستوں نے میدان خالی پا کر اپنے کو جامعہ کا اجارہ دار سمجھ کر ایک خفیہ میٹنگ میں پروگرام طے کرنے کے بعد جس کا ذکر پیام مشرق دہلی کے کسی ایک مضمون میں وضاحت سے کیا جا چکا ہے جامعہ کے کل چھوٹے بڑے اسٹاف اور ملازمین کا جلسہ کیا جو اسٹاف کلب کی طرف سے نامزد کیا گیا تھا جس میں افسران اور ڈائرکٹر صاحبان شعبہ جات سے لے کر بھنگی بہشتی بیرے، موٹر ڈرائیور باورچی، چوکیدار، مالی وغیرہ سب شریک تھے۔ وہاں ہماری چالیس سالہ خدمات کا اور بغیر کسی مزید الاؤنس کے محض ستر روپے میں کئی کئی شعبوں کے فرائض رات دن ایک کر کے جس طرح بھی بن سکا انجام دینے کا) معاوضہ ایک ریزولیوشن کی شکل میں مرتب کر کے اور سب سے ہاتھ اٹھوا کر ہمارے پاس بھجوا دیا گیا تھا جو ہماری قوم کی چشم پوشی۔ حق شناسی۔ فیاضی اور فراخ دلی کی ایک غیر معمولی یادگار ہے۔ جس میں اور باتوں کے علاوہ دریا کو کوزہ میں بند کر کے ہمارے رویہ پر "اظہار بیزاری" یعنی "ووٹ آف سنسر" کا اظہار کیا گیا تھا۔ یہ اخلاق سکھلانے والی درسگاہ کے استادوں کے "گروہ" کا حال ہے جو قرآن شریف کو ریشمی رومال میں رکھ کر "آتش دان" پر رکھنا جانتے ہیں اور "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ" کو صرف اپنے "ان" کے لئے محفوظ رکھتے ہیں جن کا نام لینے سے بات بہت آگے بڑھ جائے گی کیونکہ بھائی صاحب! جیسی کہا ئے اس کی مجھائے "سا قول غلط نہیں ہے۔ ہم نے تمام زندگی ایسوں ہی کو نبھایا ہے اس لئے ہم پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ دشمن کو معاف کرنے کی تعلیم ہمیں بچپن میں دی گئی تھی اس لئے ہم ذاتیات پر کبھی نہیں آتے اور نہ اس سے مطلب نکل سکتا ہے،

اس تمام رام کہانی سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ خواجہ صاحب باوجود رئیس ہونے کے اتنے فراخ حوصلہ اور بڑے دل و دماغ کے مالک تھے کہ جب ہم نے اُنسے دل برداشتہ ہو کر ذرا تیزی سے گفتگو کی تھی تب بھی انھوں نے بُرا نہیں منایا تھا اس کے بعد پھر جب دوسروں نے ان کے کان بھرے تب بھی انہوں نے اس کا اثر قبول نہیں کیا۔ اور اب ہمارے ساتھیوں کے اس سلوک سے تو وہ بہت رنجیدہ تھے اور "اعلیٰ تعلیم یافتہ" اصحاب کی ذہنیت پر حیرت کا اظہار فرماتے تھے۔

ڈراپ سین | وہ عرصے سے کھانسی کے مرض میں مبتلا تھے۔ اکتوبر کی آخری تاریخ کو دہلی بغرض علاج تشریف لے آئے اور دریا گنج میں گولچہ سنیما کے متصل جید منزل میں اپنے قریبی عزیز نواب علیم اللہ جنگ بہادر کے ہاں مقیم ہوئے۔ ان کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادے اور بہت سے گھر کے افراد ان کی ہمراہ تیمارداری کے لئے آ گئے تھے انہوں نے دہلی پہنچ کر ایک خط اپنے صاحبزادہ "دوبند رحواجہ" سے لکھوایا جو ہمیں ۵ر نومبر کو ملا جس میں انہوں نے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی اور احباب اور جامعہ کے پرانے جان پہچان والوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تمام کو گھر گھر جا کر اطلاع کرنا میرے لئے مشکل تھا اس لئے میں نے الجمعیۃ میں اس خبر کو شائع کرا دیا تھا تاکہ نہ صرف جامعہ والوں کو بلکہ شہر کے دوسرے ملاقاتیوں کو بھی اطلاع ہو جائے۔ وہ باہم ان سے ملنے گئے۔ بہت محبت سے ملے لیکن صدر درجہ نقاہت کے باعث بول نہیں سکتے تھے۔ اس کے علاوہ کھانسی کی وجہ سے بھی بولنے میں تکلیف ہوتی تھی بہت مشکل سے بلغم خارج ہوتا تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کا وہ زمانہ بجلی کی طرح آنکھوں کے سامنے پھر گیا جبکہ انہیں پہلی مرتبہ نوعمری کی حالت میں شمس العلماء عرفان صاحب کی شادی کے دن دیکھا تھا۔ اور جس کا ذکر شروع میں کیا جا چکا ہے۔ دو ہفتہ کے بعد جب پھر ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے جانا ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ تو واپس علی گڑھ چلے گئے۔ دراصل ان کی آنتوں میں کینسر ہو گیا تھا اور ڈاکٹروں نے ان کی بیگم صاحبہ کی پریشانی کے خیال سے ان پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی لیکن جب مرض کی شدت بڑھ گئی تو مناسب سمجھا گیا کہ گھر والوں کو تو بتا دیا جائے۔ چنانچہ سب کے علم میں یہ بات آ گئی۔ نہ معلوم خواجہ صاحب کے کان تک بھی یہ پہنچی یا نہیں۔ بہرحال ۲ر دسمبر ۶۲ء کو علیگڈھ سے آمدہ ٹیلیفون کی بنا پر حلیم بھائی نے جامعہ میں خبر پہنچائی کہ خواجہ صاحب دارالبقا کے لئے رخصت ہو گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ افسوس ہم اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر نہ جا سکے لیکن جامعہ سے بھی ایک دو صاحب جو گئے وہ بھی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکے۔ سدا نام رہے اللہ کا۔ زندگی کا سارا کھیل ختم ہو گیا اور ڈراپ سین ہو گیا۔

تعلقات | پنڈت موتی لال نہرو سے الہ آباد میں قیام کی وجہ سے بہت گہرے تعلقات تھے اسی وجہ سے پنڈت جواہر لال نہرو بھی خواجہ صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ آزادی کے بعد پنڈت جی جتنی مرتبہ علیگڈھ گئے دوپہر کا کھانا (لنچ) خواجہ صاحب کے ہاں ہی کھایا۔ زندگی کے آخری ایام میں بسلسلہ علاج دہلی آ کر جب

خواجہ صاحب چند روز کے بعد ہی واپس جانے لگے تو پنڈت جی نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ دہلی میں ہی رہ کر علاج کرائیے لیکن وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ اب وقت قریب آپہنچا ہے اس لئے اپنے گھر پر ہی تمام بال بچوں کے ساتھ بقیہ وقت پورا کر دینا چاہیئے' اور مٹی جہاں کی ہوتی ہے وہاں ہی کام ... پورا ہو کر رہتا ہے، علیگڑھ کے اولڈ بوائز سے جو قومی و ملکی خدمات انجام دیتے ہوں خواہ سرکاری اعلیٰ عہدہ دار ہوں یا قومی رہنما ہوں، وزیر ہوں یا اللہ والے سب سے نہ صرف بخوبی واقف تھے بلکہ اکثر سے بہت زیادہ تعلقات تھے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ملک کی حالت تو درکنار مقامی آب و ہوا بھی منافقت کے اس دور میں موافق نہیں ہوئی۔ علیگڑھ میں جتنی مرتبہ فسادات ہوئے حکام ضلع نے (ان کے تعلقات اور اثر کا علم ہوتے ہوئے بھی) ان کی مسکنی جائداد کو جو شہر کے ہر حصہ میں تھی تباہ ہونے سے کبھی نہیں بچایا علاوہ ازیں کرفیو کے زمانہ میں کئی دن تک انہیں باہر نکلنے کا پاس تک نہیں دیا۔ جب بھی ٹیلیفون کیا یہ کہلوا دیا کہ "صاحب" موجود نہیں ہیں۔

انٹگریشن | اسی حالت ایسے زمانہ کی ہے جبکہ وہ "انٹگریشن" کے سرکاری طور پر وجود میں آنے سے پہلے ہی اس پر عامل تھے اور اتحاد و اتفاق کے لئے فنا ہوئے جاتے تھے یہاں تک کہ خود اپنے اور اپنے بچوں کے ناموں میں قدرے ترمیم کر کے "انٹگریشن" کا عملی ثبوت دے چکے تھے۔ جامعہ کی چہل سالہ جشن جوبلی کے زمانہ میں ایک دن شام کو چند احباب کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ پنڈت سندر لال بھی موجود تھے۔ میرے دل میں گدگدی سی اٹھی تفریح کے طور پر پنڈت سندر لال جی سے میں نے کہا "پنڈت جی! آپ خواجہ صاحب کے پورے نام سے بھی واقف ہیں؟" کہنے لگے "جی ہاں خواجہ عبدالمجید" میں نے کہا آپ نے غلط نام کے علاوہ ایک اور غلطی بھی کی ہے۔ 'خواجہ' کا لفظ اگر شروع میں ہو تو وہ اسے اپنا نام نہیں مانتے۔ چنانچہ عدالت سے اگر ایسا سمن آجائے جس میں ان کے نام کا پہلا جزو "خواجہ" ہو تو یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ یہ میرا نام نہیں ہے۔ جاؤ ٹھیک کر کے لاؤ یا جس کے نام ہو اُسے دیدو۔ یہ اے۔ ایم خواجہ لکھتے ہیں یعنی خواجہ کا لفظ شروع میں ہونے کے بجائے آخر میں ہونا چاہیئے۔ اور عبدالمجید نام تو انگریز کے زمانہ کا ہے۔ خواجہ صاحب نے آزادی کے بعد اپنی قومی حکومت بننے پر اس نام کو ہی ترک کر دیا تھا کیونکہ اس سے ہندو اور مسلم میں تفریق ہوتی ہے۔ اتحاد باہمی کے لئے خواجہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ نام ایسا ہونا چاہیئے کہ ہندو مسلم کی تمیز نہ ہو سکے ملا جلا ہونا چاہیئے اس لئے اے ایم خواجہ سے عبدالمجید خواجہ بھی ہوتا ہے اور امر ناتھ موہن خواجہ بھی۔ پنڈت جی اس جدت سے بہت محظوظ ہوئے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ "میں نے تو اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے نام بھی اسی طرح بدل دیئے مثلاً گلزاری دیوی۔ وغیرہ الفاظ لڑکیوں کے ناموں میں اور کملا، آنند وغیرہ لڑکوں کے ناموں میں لگا رکھے ہیں۔" میں نے فوراً کہا "مگر پنڈت جی! انگریز جو ملک چھوڑ گیا ہے وہ اس کی قیمت بھی بہت زیادہ وصول کر گیا ہے۔ دیکھ لیجئے خواجہ صاحب جیسا فراخ دل شخص ملک کے اعلیٰ نیتاؤں یعنی ڈاکٹر راجندر پرشاد، پنڈت موتی لال نہرو اور دوسرے بڑے بڑے سرداروں سے بہت گہرے تعلقات ہوتے ہوئے بھی فرقہ پرستوں کی زد سے نہیں بچ سکا۔ یہ انٹگریشن اور ناموں میں ترمیم وغیرہ کچھ کام نہ آئی۔ جب پولیس اور سول حکام بھی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر کھڑے تماشہ دیکھتے رہیں تو پھر یہ باتیں کب کام آئیں گی؟ مرنے والا جان سے بھی گیا مگر کھانے والے کو سواد ہی نہ آیا۔ "مسلم لیگ والوں کا کہنا سچ ہو رہا ہے کہ بھائی! جب قتل و غارت کا وقت آئیگا تو مارنے والا یہ نہیں دیکھیگا کہ یہ لیگی مسلمان ہے یا نیشنلسٹ، وہ تو بس "مسلمان" سمجھ کر ہی یلغار بول دے گا اور آپ لوگوں کے "اتحاد" کا یہ سانگ دھرا کا دھرا رہ جائیگا۔ پنڈت جی نے فرمایا "اس معاملہ میں استقلال کے ساتھ کوششیں جاری رکھنی چاہئیں اور جنتا کو سب باتیں سمجھا کر ملک کی سود و بہبود کی فکر میں لگا رہنا چاہیئے۔"

تالیفات | خواجہ صاحب نے کچھ مفید چیزیں کتابی صورت میں بھی ترتیب فرمائی ہیں لیکن یہ بہت پہلے کی باتیں ہیں لیڈری نے اچھے اچھے کام کے آدمی بیکار بنا دئے اور ذمہ داری کے عہدوں نے تو بالکل فرصت ہی نہیں لینے دی کہ لکھنے پڑھنے کا مشغلہ جاری رکھ سکتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد وزارت کے پھیر میں پڑ کر اپنی تالیفات کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ حتیٰ کہ ترجمان القرآن کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اگرچہ سننے میں آیا تھا کہ تمام جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب گورنر بہار اور نائب صدر جمہوریہ ہند بننے کے بعد اپنی دلی خواہشات کو پورا نہ کر سکے جس کے متعلق انہوں نے کئی بار فرمایا بھی تھا کہ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھ جاؤں۔ ممکن ہے کہ کوئی بات دوسروں کے کام آسکے۔ لیکن ہمارے اس خیال کی تردید بھی آسانی سے ہو سکتی ہے جبکہ ہم ملک کے سب سے بڑے نیتا گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو اور دیگر عظیم رہنماؤں پر نظر دوڑاتے ہیں کہ انہوں نے نہ معلوم کس طرح وقت نکال کر اتنا کافی مواد جمع کر دیا جو سمجھنے والوں اور عمل کرنے والوں کے لئے کافی ہے۔

خواجہ صاحب کی تالیفات پر ہم کسی آئندہ پرچہ میں روشنی ڈالیں گے جو پرانی کتابوں پر ریویو کے تحت درج ہو سکیگا۔

سابق جامعہ اور موجودہ جامعہ | چونکہ مولانا محمد علی جامعہ کے دہلی منتقل کئے جانے کے حق میں نہیں تھے اور اس وقت شدھی اور سنگٹھن کے جھگڑے عروج پر تھے جنہوں نے مسلم تنظیم و تبلیغ کو جنم دے دیا تھا۔ اس لئے ملک کے تمام

سرپا وہ لوگ ملکی معاملات میں مصروف و پریشان تھے۔ مولانا محمد علی بھی رات دن اسی ادھیڑ بن میں تھے اس لئے جامعہ میں آنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے تھے۔ تاہم کبھی کبھی ضرور آتے اور گھنٹوں ٹھہرتے۔ حکیم اجمل خاں کی وجہ سے بھی انہیں جامعہ کی طرف سے بےفکری تھی لیکن بعض احباب کو یہ خیال تھا کہ چونکہ وہ جامعہ کو دہلی لانا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے جامعہ کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لی ہے۔ یہ بات خواجہ صاحب کے دل میں پہلے ہی سے تھی اور چونکہ جامعہ کو دہلی لانے میں ان کا بڑا دخل تھا اس لئے وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ محمد علی والی جامعہ تو علیگڈھ میں ختم ہو گئی۔ یہ جامعہ تو وہ ہے جسے میں دہلی لے کر آیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس سے کیا جواب دیتے ہونگے۔ لیکن ایک دو مرتبہ جب میں نے انہیں یہی خیالات ظاہر کرتے سنا تو میں نے کہا آپ تو چھ ماہ کے بعد ہی چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری نے تو بھرے جلسہ میں ڈاکٹر ذاکر صاحب کی جرمنی سے واپسی پر ان کے سپرد کرکے دلی اطمینان کا اظہار فرما دیا تھا اس لئے یہ تو ڈاکٹر ذاکر کی ہے۔ لیکن وہ میرے اس جواب سے قدرے ناخوش اور مایوس سے نظر آتے تھے۔

جامعہ اور مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو تنگ نظروں سے بچانے کی جد و جہد

ہمیں یہ دعویٰ کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ ملک کی آزادی کے لئے جد و جہد کرنے اور قید و بند کی مصیبتیں اٹھانے میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا جو حصہ ہے وہ آبادی کے تناسب سے سب سے زیادہ ہے۔ چونکہ غیر مسلموں کی تعداد چالیس کروڑ تھی اور مسلمانوں کی دس کروڑ۔ اس لئے مجموعی تعداد کے لحاظ سے ملکی جد و جہد میں ہندوؤں کی تعداد اگر مسلمانوں کی کل آبادی کے بھی برابر ہو تو پچیس فیصدی ہوتی ہے۔ مگر مسلمانوں کا حصہ انگریزی عہد کے آخری الکشن میں ۲۰٪ تھا اگرچہ اس طرح مسلم لیگ کامیاب نظر آئی لیکن مسلم آبادی کے ووٹ دہندوں کی ۸۰٪ کے مقابلہ میں دوسروں کا تناسب اس سے کہیں کم تھا مگر نیشنلسٹ کی ناکامی کی وجہ سے تمام مسلمان غدار ٹھہرا دئے گئے۔ حالانکہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد میں سے ایک فرد واحد بھی ملک کے بٹوارہ کے حق میں نہیں تھا سب مخالف تھے لیکن کانگریسی رہنماؤں نے ذاتی نفع مدنظر رکھ کر ملک کے بٹوارہ کو اپنے لئے مفید سمجھا اور لاکھوں آدمی دونوں فرقوں کے نہایت بزدلی سے تختۂ مشق بنے اور آزادی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ مسلمانوں کے جتنے بڑے بڑے رہنما تھے وہ یا تو دیوبند کے تعلیم یافتہ چوٹی کے لوگ تھے یا علیگڈھ کالج کے جو بعد میں مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا۔ چونکہ کام کے سب آدمی انگریز کی گرفت میں آ کر مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اس لئے میدان جناحی لوگوں کے لئے خالی تھا۔ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کو سمجھانے کے لئے کوئی معقول آدمی نہیں رہا تھا اس لئے وہ مسلم لیگ والوں کے زیر اثر ہو گئے اور انہوں نے بعض بہت زیادہ بےتمیزی اور غیر ذمہ داری کے کام کر ڈالے جن سے یونیورسٹی حکومت کی نظروں میں معتوب ہو گئی اور اس کو ختم کرنے کے طریقے سوچے جانے لگے۔ اتفاق سے بعض خیر خواہ اہل دل اور اصحاب درد کے اصرار پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو اصلاحی نقطۂ نظر سے وہاں کا وائس چانسلر بننے پر آمادہ کر لیا گیا اور وہ وہاں چلے گئے جس سے یاروں کے چھکے چھوٹ گئے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اب کچھ اور بس نہ چلا تو اسمیں لفظ مسلم کو ایک قومی نظریہ کے خلاف سمجھا گیا اور اس سے فرقہ بندی کی بو آنے لگی۔ ان تمام تفصیلات میں جانا تو ایک علیحدہ عنوان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ جب سے علیگڈھ کے متعلق قسم قسم سے راگنیاں گائی جانے لگیں اس وقت سے خواجہ صاحب یونیورسٹی کی کورٹ کی میٹنگ اور دوسرے اہم جلسوں میں باقاعدہ جانے لگے اور سینہ سپر ہوکر یونیورسٹی کو غلط حملوں اور تباہی سے بچانے کے لئے نہایت سخت رویہ اختیار کرنے لگے تھے۔ جامعہ کے لئے بھی بہت غور و خوض کرنا شروع کر دیا تھا۔

استعفیٰ جامعہ کے معاملات جب زیادہ پیچیدہ ہو گئے اور انہوں نے کام کرنے والوں کا رجحان حکومت کی خوشنودیٔ مزاج کی طرف دیکھا تو چانسلری کے عہدہ سے اپنا استعفےٰ بھیج دیا کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ میں ہی اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ پنڈت جی پر ایسے لوگ سوار ہیں کہ وہ بالکل بےبس سے ہو گئے ہیں۔ اگر ہم سب لوگ بھی ہم خیال اور ہم آمادہ ہو کر اپنے جائز مطالبات پیش کریں تو بھی کچھ ہو سکتا ہے ورنہ اکیلا چنا بھاڑ کو پھوڑنے والا معاملہ ہے۔ انکا استعفےٰ ابھی جلسہ میں پیش ہی نہیں ہوا تھا کہ پیغام اجل آ گیا اور وہ دنیا کے سب کاموں سے ہی مستعفی ہو گئے۔

مالی قربانی اللہ نے ان کو "وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" کے مطابق اپنا خاص کرم فرما کر روپے پیسے سے بےنیاز کر رکھا تھا اس لئے جامعہ میں جو تنخواہ ان کی مقرر ہوئی تھی وہ انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے کبھی نہیں لی اور جب کبھی بھی اس رقم کو چھیڑا تو جامعہ کے مفاد کے لئے ہی صرف کیا۔ ان کی بہت خواہش تھی کہ جامعہ میں ایک مکان امیر جامعہ کے لئے "چانسلرز ہاؤس" کے نام سے تعمیر ہو جس کے لئے وہ اپنا ذاتی روپیہ صرف کرنا چاہتے تھے اور جامعہ کے لئے ہی نامزد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن راکشی امکانات کا یقین بنتے بنتے یہ زمانہ آ گیا اور وہ مکمل نہیں ہو سکا۔

اس کے علاوہ جامعہ کے ہاف کلب نے اپنی عمارت بنانی چاہی۔ ایک

سالِ جشن تاسیس کے موقع پر خواجہ صاحب کو دعوت دی گئی کہ وہ تشریف لاکر سنگِ بنیاد اپنے دستِ کرم سے رکھیں۔ چنانچہ سنگِ مرمر کی ایک تختی پر اسٹاف کلب کا سنگِ بنیاد رکھے جانے کی تاریخ وغیرہ کھدوا کر خواجہ صاحب کے دستِ مبارک سے یہ رسم ادا کرائی گئی جس کے لئے انہوں نے خاصی رقم کا چیک مرحمت فرماتے ہوئے وعدہ کیا کہ جب عمارت شروع ہو جائے گی تو مزید رقم بھی حسبِ ضرورت و گنجائش دیتے رہیں گے۔ کئی سالوں کی بات ہے کہ ہمارے سرپرست وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پانچ ہزار کی یا اس سے کچھ زیادہ رقم جامعہ کے اسٹاف کی خوشحالی کے سلسلہ میں دی تھی۔ کچھ عرصہ تک تو یہ بحث رہی کہ اسے اسٹاف کلب کی عمارت بنانے میں صرف کیا جائے یا نہیں۔ جب اسکی منظوری ہو گئی تو پھر سوال ہوا کہ اسٹاف سے کیا مراد ہے۔ آیا ٹیچنگ یا انتظامی یا دونوں اسٹاف۔ بہت رد و کد کے بعد یہ طے ہوا کہ انجمن اساتذہ کی عمارت بنوائی جائے اسمیں ایک یا دو کمرے شفیق کلب کے لئے بھی جو چھوٹے ملازمین کی انجمن ہے جز ا دے دیئے جائیں۔ پوری کارروائی کی روداد تو ذہن سے اتر گئی لیکن اب تو نہ وہ بنیاد کا پتھر موجود ہے اور نہ وہاں کسی ایسی عمارت بننے کا امکان ہے۔ جناب پروفیسر عابد صاحب جو اسوقت ناظم انجمن اساتذہ تھے اور جن کے اسی انہماک سے کام کرنے کی بنا پر انہیں دوسرے سال کیلئے بھی سکریٹری اسٹاف کلب منتخب کیا گیا تھا نہ معلوم کس قدر بے اطمینانی محسوس کرتے ہونگے کہ ان کی امنگیں اور ارادے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے، خواجہ صاحب نے ایک دو مرتبہ دریافت بھی فرمایا کہ اس عمارت کا کیا ہوا "ابھی انجمن کے ہاں سے منظوری نہیں ہوئی ہے" جواب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا۔ افسوس ہے اسٹاف کلب مزید امداد سے محروم رہا اور "وائس چانسلر ہاؤس" خوشنما ہی آئندہ کسی اور کے دستِ کرم کا ممنون ہو سکے۔

خواجہ صاحب کی یادگار ان کے ساتھ ساتھ ہی ختم کر دی گئی

آخر میں ہمیں یہ لکھتے ہوئے بہت دکھ ہوتا ہے اور ہمیں رنج ہے کہ ہم یہ وقت دیکھنے کے لئے زندہ کیوں رہے۔ خواجہ صاحب نے شروع میں ہی جامعہ کے حسابات اردو میں لکھنے کی ہدایت کی تھی۔ انگریزی کتابوں میں بائیں طرف کا صفحہ آمدنی کے لئے ہوتا ہے اور دائیں طرف کا خرچ کے لئے۔ اردو چونکہ دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے اس لئے اردو کی کتابوں میں آمدنی کے لئے دائیں ہاتھ کا صفحہ اور خرچ کے لئے بائیں طرف کا۔ رقم لکھنے کے لئے بھی انھوں نے ہدایت فرمائی کہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو اس طرح لکھی جائے کہ دائیں طرف کا بڑا خانہ ہو جس میں روپے درج ہوں۔ بیچ کا خانہ آنوں اور تیسرا پائیوں کے لئے اور یہ دونوں پہلے کے مقابلہ میں بہت چھوٹے ہونے چاہئیں۔ کیونکہ آنے اور پائیاں دو دو ہندسوں سے زیادہ نہیں ہوتیں، مجھے بحیثیت محاسب اس پر اعتراض تھا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ ہم جب کوئی رقم بھی بولتے ہیں تو پہلے روپے بتلاتے ہیں پھر آنے اور پھر پائی۔ اور چونکہ ہم اردو میں دائیں طرف سے لکھتے ہیں اس لئے پہلے روپے لکھنے چاہئیں اور پھر آنے پائیاں، میری دلیل یہ تھی کہ جب ہم کوئی رقم بولتے ہیں مثلاً ایک لاکھ ستاون ہزار دو سو پینتیس، تو یوں لکھتے ہیں ۱,۵۷,۲۳۵ آپ کے قاعدے کے مطابق رقم کا جو حصہ پہلے بولا جائے وہ پہلے ہی لکھنا چاہیئے اور بقیہ حصہ بعد میں اور وہ بھی اس طرح کہ دائیں سے بائیں کو ہوں لہٰذا یہ رقم اس طرح لکھی جانی چاہیئے۔ ۳۵۲۵۷۱ یعنی ایک لاکھ پہلے دائیں طرف ہو پھر اس کے بائیں طرف ۵۷ اور اس کے بعد بائیں طرف ۲ اور سب سے آخر میں بائیں طرف ۳۵ فرمائیے کہ کسی ملک میں یہ رائج ہے، جناب تمام ممالک خواہ عربی میں حساب رکھیں خواہ فارسی یا اردو میں یا انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی میں سب میں یہی بات مشترک ہے کہ دائیں طرف سے اگر بائیں کو جائیں تو ہر خانہ کی قیمت دس دس گنا بڑھتی جاتی ہے لہٰذا بڑی رقم بائیں طرف سے شروع کرکے دائیں طرف کو آتے ہیں۔ جب اُسے پڑھتے ہیں تو اسی ترتیب سے بائیں سے دائیں کو آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور سائنٹفک نقص آپ کی تجویز میں ہے مثلاً کسی دو رقموں کو باہم جوڑنا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:-

پائی	آنہ	روپیہ
۱۱	۱۳	۱,۵۷,۲۳۵
۴	۹	۹,۱۰,۴۹۸
۳	۷	۱۰,۶۷,۷۳۴

یعنی پہلے پائیوں کا جوڑ لگایا پندرہ پائیاں ہوئیں۔ ان کو آنوں میں منتقل کیا ایک آنہ اور تین پائی ہوئے۔ لہٰذا تین پائی لکھ کر ایک آنہ جو حاصل ہوا اُسے بائیں طرف برابر کے خانے میں جو آنوں کا خانہ ہے شامل کرکے میزان لگائی تیئیس آنے ہوئے جن کے روپے بنائے ایک روپیہ سات آنے ہوئے۔ سات لکھ کر ایک روپیہ پھر بائیں طرف کے ہندسوں میں جو روپوں کی اکائی کا خانہ ہے شامل کرکے جوڑا تو چودہ ہوئے چار لکھ کر حاصل (ایک) کو اگلے بائیں طرف کے خانہ کے ہندسوں میں جو دہائی کا خانہ ہے جمع کیا تو تیرہ ہوئے اسی طرح آگے جمع کرتے جائیے۔ یعنی پائیوں سے شروع کرکے روپوں کے آخری ہندسے تک مسلسل بائیں طرف سے

منہدسوں کی میزانیں لگائی جاتی ہیں لیکن اگر آپ کے حکم کے مطابق رقوم اس طرح لکھی جائیں

۱,۵۷,۲۳۵	۱۳	۱۱
۹,۱۰,۴۹۸	۹	۴
۱۰,۶۷,۷۳۴	۷	۳

تو جوڑ لگانے میں پائیوں کے بعد دائیں طرف چل کر آنوں کی میزان لگائی جائے گی اس کے بعد دائیں طرف کے تمام مہندسے چھوڑ کر بائیں طرف کے آخری ہندسوں میں جو اکائی کے خانہ میں ہیں وہ حاصل جمع کیا جائیگا جو آنوں کے روپے بنانے سے آیا تھا۔ گویا یہاں تک تو بائیں طرف سے چل کر دائیں طرف کو آنا ہوا اور بیچ میں یعنی آنوں سے۔ روپوں کی اکائی کے خانہ تک چھلانگ لگانی پڑی اس کے بعد جمع کا عمل پورا کرنے کے لئے اب دائیں سے بائیں کو چلیں گے۔ گویا پہلے بائیں سے دائیں کو اور پھر دائیں سے بائیں کو۔ یہ کس قدر غیر سائنٹفک چیز ہے۔ پہلے عمل میں جو دنیا کا عام مشترک طریقہ ہے دائیں سے بائیں کو مسلسل چلنا پڑتا ہے اور پائیوں سے شروع کرکے لاکھ روپے تک کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس لئے میں نہایت ادب کے ساتھ درخواست کروں گا کہ جو کلیہ مقرر ہو چکا ہے اس کے خلاف نہ کیا جائے۔ مگر خواجہ صاحب نے یہ جواب قابل اطمینان نہیں سمجھا اور اپنے قاعدے کی پابندی چاہی ہم نے بھی یہ خیال کرکے کہ جامعہ تو فی الحال تجرباتی (اکپیری منٹل) یونیورسٹی ہے۔ خواجہ صاحب کی خواہش کے مطابق ہی لکھ کر تجربہ کیا جائے چنانچہ جب تک دائیں طرف روپیہ اور بائیں طرف پائیاں والا رجسٹر تیار نہ ہوا پرانے اور عام قاعدہ کے مطابق ہی اندراجات ہوتے رہے۔ بعد میں جب رجسٹر نئے تجرباتی نمونہ کے مطابق تیار کرائے گئے تو جدید قاعدہ کی پابندی شروع کر دی گئی یہ سب رجسٹر موجود ہیں۔

<u>مشروط گرانٹ</u> جامعہ کی موجودہ تشکیل نو کی جدّ و جہد سے پہلے یعنی جب سے حکومت کی "مشروط" امداد ملنی شروع ہوئی تو جامعہ کی پوری مالیات صرف چار اصحاب کے قبضہ میں چلی گئیں جن میں سے دو حکومت کی طرف سے نامزد کردہ اور دو جامعہ کے عہدہ دار یعنی شیخ الجامعہ اور خازن۔ جن کی حیثیت بھی سرکاری سمجھنی چاہیئے کیونکہ وہ عہدوں کے اعتبار سے ہیں۔ جامعہ کی کسی باضابطہ یا بااختیار جماعت کی طرف سے منتخب شدہ نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب کا یہ عذر کہ شیخ الجامعہ اور خازن کو کون منتخب یا مقرر کرتا ہے؟ کیا وہ انجمن کے منتخب شدہ نہیں ہیں۔ بیشک ہیں لیکن ضروری نہیں کہ دونوں کو مجلس مالیات کے لئے بھی منتخب شدہ سمجھا جائے اس لئے ہم انہیں سرکاری نمائندہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن جن سے بازپرس کر سکیں یا اگر وہ جماعت کی توقعات کے مطابق صحیح فرائض انجام نہ دیتے ہوں تو انہیں علیٰحدہ کر سکیں ایسا نہیں ہے۔

چنانچہ بھانت بھانت کی بولیاں اور طرح طرح کے قواعد سننے میں آتے رہے اور عجیب عجیب قیود اور پابندیاں مشروط امداد کی وجہ سے عائد ہوتی رہیں۔ بیسیوں کے گلے پر کند چھری پھیر دی گئی۔ بہت سوں کو دیس نکالا ملا۔ بہت سوں کی روزی پر ہاتھ صاف کر دیا گیا۔ ہم نہ کسی خاص مظلوم کا نام لیتے ہیں اور نہ کسی خاص بے رحم و ظالم کا۔ اپنا ہو یا پرایا سے قدرت کی طرف سے انصاف کی عدالت کا حکم سننا پڑیگا۔ خدا ایسے وقت سے دشمن کو بھی بچائے۔ ہمیں جس غم کا رونا ہے وہ کیا ہے کہاں ہے انجمن ترقی اردو کے علمبردار جو آئے دن حکومت کو کوستے ہیں اور دوسروں کو پھنسا کر خود تماشہ دیکھتے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوہیاجی سوشلسٹ لیڈر؟ جن کو انگریزی سے اس قدر کد ہے کہ جو اسے بولے اس کی زبان کاٹ لینا جائز سمجھتے ہیں اور جو ایسی کتاب پڑھے اسے پھاڑ ڈالنا ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اگر پروفیسر انگریزی میں لکچر دے تو طلباء کو حکم دیتے ہیں کہ شور مچا کر ساری کلاس کو توڑ پھوڑ کر اس کے لکچر سننے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ خود بھی کسی مجبوری کی حالت میں ہی سہی انگریزی میں جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ اپنے کانوں میں انگریزی کی آواز سننے کے وقت بھی روئی نہیں ٹھونستے۔

<u>وائے اردو</u> بہرحال مژدہ ہو کہ فنانس کمیٹی کے حکم سے یہ طے پایا کہ چونکہ آڈیٹر صاحبان جو جامعہ کے حسابات جانچتے ہیں اردو نہیں جانتے اس لئے آئندہ تمام حسابات انگریزی میں رکھے جائیں۔ حالانکہ یہ جامعہ کے بنیادی مقاصد سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ فیصلہ ہو اُس فنانس کمیٹی کا جس کے انگوٹھے کے نیچے گرانٹ کی کنجی ہے۔ اس کے خلاف کون پر مار سکتا ہے۔ فنانس کمیٹی جو بجٹ پاس کرتی ہے اس کی منظوری کیلئے مجلس منتظمہ پابند ہے اور جامعہ کی بڑی انجمن صرف "کاؤنٹر سائن" کرنے کا حق رکھتی ہے۔

اب یہ سب باتیں وقت ضائع کرنے کی ہیں یا نہیں؟ غرض کہ اردو کو جامعہ سے (جس کا ذریعہ تعلیم بھی اردو مقرر ہے) اس ترکیب سے دیس نکالا مل گیا اور سب کتابیں رسید بہیاں وغیرہ نہایت ٹھاٹھ سے انگریزی میں چھپوائی

گئیں۔ ان دو حضرات سے جنھوں نے "بادشاہ گردی" سے مشورہ کے بعد فوراً یہاں میں ہاں ملادی دریافت کیا جائے کہ جو آڈیٹر اردو نہیں جانتا اس کے لئے ایک دکاندار کا روجہ انگریزی میں لازمی طور سے کیسے بنوایا جائیگا کیا اردو کے روجہ روں کا ترجمہ انگریزی میں ہوا کرے گا یا دو جرد وں کے ساتھ جو کیفیت درج ہوتی ہے کیا وہ بھی انگریزی میں ہوگی اور مجلس منتظمہ کے فیصلے جن کی بناپر تقرریات۔ ترقیاں۔ اور تنگیاں منظور ہوتی ہیں وہ انگریزی میں ہوا کریں گے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے دو ذمہ دار افسروں نے جامعہ کے بنیادی مقصد کو خوب جانتے ہوئے یہ حکم کیوں منظور کر لیا۔ اس "عزت" فروشی سے گرانٹ حاصل کرنا بہت ہی زیادہ قابل افسوس ہے۔

اب اگر ان مسائل کو چھیڑا جائے تو بات نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان کی عام زبان کے متعلق جس میں دہلی کا کاروبار خاص طور سے چلتا ہے آڈیٹر صاحبان نے یہ حکم کیسے لگا دیا۔ ان کو اگر زبان نہیں آتی تو دو ہی صورتیں ہیں حکومت سے کہدے کہ ہم ان کے حسابات نہیں جانچ سکتے۔ پھر جب حکومت حکم دے گی کہ انگریزی میں رکھو تو ہم خود سُلٹ لینگے یا ممبران کو کسی نائٹ اسکول میں داخلہ لے کر اردو انگریزی ہندسے اور اردو پڑھنا سیکھ لینا چاہیے۔ ہم لکھنا سیکھنے کے لئے مطلق زور نہیں دیتے۔ محض پڑھنے کے لئے اصرار ہے۔ ایک مہینہ میں وہ کام چلاؤ اردو سیکھ جائیں گے۔

افسوس خواجہ صاحب اُدھر گئے اور اِدھر یہ کتابیں آواگون کے مرض میں مبتلا ہو گئیں۔ اگر ہندی کا حکم ہوتا تب بھی ہمیں زیادہ اعتراض نہ ہوتا یہ "الٹی گنگا پہاڑ کو" والا مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر اردو کی بیخ کنی میں جامعہ کے افسرانِ اعلیٰ اور اس کی کارکن مجالس بھی خاموش کر نیوالوں کے سُر میں سُر ملانے لگے تو پھر تو اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ مرنے کے بعد بھی خواجہ صاحب کو سخت تکلیف پہنچی۔ اللہ رحم کرے اور ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ مرنے والے کی مغفرت کرے اور ہمارے گناہ بھی معاف کرے۔ آمین۔

قومی درد خواجہ صاحب کے حالات کے سلسلہ میں ایک نہایت ضروری بات لکھنے سے رہ گئی۔ دہلی میں علیگڑھ کے بعد سب سے اچھا اقامتی مدرسہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کا سننے میں آتا تھا جسکے روح رواں مولوی بشیرالدین صاحب ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ تھے۔ انہیں اپنے اسکول سے اتنی ہی لگن تھی جتنی سر سید احمد خاں کو علی گڑھ سے تھی۔

مولوی بشیرالدین صاحب نے سو برس سے زیادہ عمر پائی اور آخر دم تک اسکی خدمت کرتے رہے جسے انٹرمیڈیٹ کالج تک پہنچا چکے تھے اور اب ڈگری کالج کی تیاری کر رہے تھے کہ پیغام اجل آگیا تاہم موصوف کی انتہائی کمزور اعضاء کے ساتھ قوم کی خدمت میں لگے رہنا ہم سب کیلئے خصوصاً نوجوان نسلوں کیلئے یقیناً باعثِ حیرت ہی نہیں بلکہ باعثِ عبرت بھی ہوگا۔ مرحوم کے مدرسہ اور دارالاقامہ میں تعلیم و تربیت کا بہت ہی اچھا انتظام تھا ہمارے ڈاکٹر ذاکر حسین جو معمارِ جامعہ ہیں اور ذہانت و قابلیت و شرافت میں اپنی نظیر آپ ہیں اسی ہائی اسکول کے تربیت یافتہ اور فارغ التحصیل ہیں یہاں تعلیم ختم کر کے علیگڑھ کالج میں داخل ہوئے۔ خواجہ صاحب نے مولوی بشیرالدین کے انتقال کے بعد اسکی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اسکو بخوبی جاری رکھنے کیلئے جسقدر روپیہ کی کمی ہوتی اپنے پاس سے عطا کرتے اور دن رات اسکی ترقی کیلئے بے چین رہتے۔ یہ ہے سچے خادمانِ ملت کا کردار۔ وہ باتیں بنانے والے تربیت ملیں گے۔

شورش پسند جامعہ کے ماہانہ پرچہ میں جسکا نام بھی جامعہ ہے جناب عبداللطیف اعظمی صاحب کے قلم مبارک سے جنابِ امیرِ جامعہ عبدالمجید خواجہ صاحب مرحوم "کے مختصر حالات شائع ہوئے ہیں۔ اعظمی صاحب کا ذکر خیر اوپر کسی جگہ ہم نے کیا ہے۔ یہ جنابِ شیخ الجامعہ صاحب کے بھی پی اے تھے اور ہماری دردبھری داستان سُننے والے امیرِ جامعہ کے بھی عارضی سکتر بنائے گئے تھے۔ انکے قلم سے خواجہ صاحب نے جو خطوط مجھے لکھوائے میں ان میں سے دو خطوط کسی موقعہ پر پیش کرنیکا ارادہ ہے۔ فی الحال تنا عرض کرنیکی گستاخی کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا رسالہ جامعہ بابتہ ماہ جنوری ۱۹۶۲ء میں ایک فقرہ دیکھنے میں آیا کہ "کچھ عرصہ ہوا جامعہ کے خلاف "شورش پسندوں" نے مختلف اخبارات میں مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یہ لوگ خواجہ صاحب سے ملتے انکو خط لکھتے اور طرح طرح کی باتیں پہنچاتے۔ وغیرہ وغیرہ"۔ جامعہ کے "بانی کا نٹ" کے اشارہ سے تو ادنیٰ و اعلیٰ سینیر و جونیر اپنا اور پرائے سب ہی ملکر ہمیں وہ اعزاز بخشتا تھا جسکا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اب ان بھائی صاحب نے ہمیں "شورش پسند" کے خطاب سے نوازا ہے۔ حیرت تو صرف اس بات کی ہے کہ خواجہ صاحب کی خدمت میں تو چند روز تک محض چند گھنٹوں کیلئے حاضر ہو کر انہوں نے وہ سب خوبیاں معلوم کر لیں اور "خلوت" و "جلوت" سے بھی آگاہی حاصل کر لی جو ذمہ دارانِ جامعہ تیس چالیس سال تک ان کے مقابلہ میں خواجہ صاحب سے زیادہ قریب رہنے کے باوجود محسوس بھی نہ کر سکے ورنہ ان کو عضو معطل نہ رکھا جاتا۔ اتنا نبض شناس ہونیکے باوجود اعظمی صاحب کو پندرہ بیس سال تک ہمارے ساتھ ایک ہی کمرہ اور ایک ہی چھت کے نیچے برابر برابر بیٹھ کر کام کرنے اور "ہمارا ہاتھ بٹانے" سے صرف اسقدر معلوم ہو سکا کہ ہم شورہ پشت اور شورش پسند ہیں۔ اچھا بھائی اگر یہ رائے آپ کسی اور کے متعلق ظاہر کرتے تو ہم کچھ جرأت بھی کرتے لیکن اب ذاتی دشنام طرازی کے جواب میں سوائے شکریہ کے اور کیا کہا جائے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بین کس لالچ میں بجائی گئی ہے۔ اور کتنے مزار پر گھی کے چراغ جلائے گئے ہیں۔ رسالہ جامعہ کی مجلس ادارت کے بعض حضرات سے فریاد ہے کہ فریاد ہے! کسی زمانہ میں دہلی میں ٹرام چلا کرتی تھی جہاں کسیکو اترنا ہوا اور گاڑی کو رکوانا چاہا تو ڈرائیور کو متوجہ کرنے کے لئے کہا جاتا تھا "ذرا بانیہ کے" بس رسالہ جامعہ کے گاڑی بانوں کو متوجہ کرنے کے لئے یہی کہنا

مناسب ہوگا۔ اس کے علاوہ جو تصویر سرورق کے آخری صفحہ پر دی جا رہی ہے وہ غالباً "شورش پسندوں" کے جواب کے لئے کافی ہوگی!!

ضیغم اسلام مولانا شوکت علی صاحب خادم کعبہ

ہم نے جناب خواجہ صاحب امیر حمزہ کے متعلق اس سے پہلے مضمون میں لکھا ہے کہ ہم نے سب سے پہلے خواجہ صاحب کو جبکہ وہ ایک نہایت خوبصورت جوان تھے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کی شادی کے موقعہ پر آفتاب منزل علیگڈھ میں دیکھا تھا جہاں مولانا شوکت علی صاحب ان سے نہایت دلچسپی کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ شوکت صاحب سے بھی علیگڈھ کے قیام کے دوران کافی مراسم ہوگئے تھے، در تحریک خلافت کے زمانہ میں تو اور بھی زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق ہمارا ایک مضمون پاکستان کے ایک ماہنامہ ریاض میں کئی سال ہوئے اس کے ایڈیٹر رئیس احمد صاحب جعفری ندوی و جامعی کے ارشاد کی تعمیل میں درج ہو چکا ہے۔

یہاں تو صرف اپنے ناظرین کی عبرت کے لئے چند الفاظ پیش کئے جا رہے ہیں۔

انقلابی دلی | دلی ایک عجیب شہر ہے اُسنے بہت انقلابات دیکھے ہیں سینکڑوں کو تخت سے تختہ پر لاکر بٹھا دیا۔ ہزاروں اپنے عزیزوں کے سامنے خون میں لت پت ہو کر تڑپتے تڑپتے رخصت ہو گئے۔ اسی دلی کے صوفی منش بادشاہ کے حضور میں اس کے جوان بیٹوں کے سر ایک تھال میں رکھ کر بطور تحفہ پیش کئے گئے اور اس کے قلب کا امتحان لیا گیا۔ یہی دلی نے آج ایک کو اگر اپنا رہنما بنایا تو اگلے روز دوسرے کو سر پر بٹھا لیا۔ اس کی خاک میں اولیا اکرام کی کمی نہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر اللہ کے مقبول بندے یہاں آرام فرما رہے ہیں اور خالق کون و مکاں کی قدرت و قوت کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اس دلی میں "دکانوں" کے سائن بورڈ جلدی جلدی بدلتے رہتے ہیں۔ خود ہم نے اپنی زندگی میں ایسے مناظر دیکھے ہیں کہ ان کو بیان کیا جائے تو سوائے اس کے کہ خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالیں اور کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بہت مشکل سے یقین آئے گا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔ انسانوں کے متعلق تو فرشتوں نے ہی فسادی اور خونی ہونے کا شبہ ظاہر کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً خاموش کر دیا کہ تم کچھ نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جہاں فسادی اور خونی ہوں گے وہاں میرے مقبول بندے بھی ہونگے جو مجسم نیکی کا فرشتہ ہونگے اور دنیا کو اپنی رشد و ہدایت سے مالا مال کر دیں گے اور اندھیرے میں اجالا کر دیں گے۔

علیگڈھ کی شہرت | مولانا شوکت علی صاحب علیگڈھ کے کھلنڈرے مشہور تھے۔ انکی وجہ سے علیگڈھ کالج کی کرکٹ ٹیم نے تمام دنیا میں شہرت پائی۔ کم از کم ایک عرصہ دراز تک تو ہندوستان بھر میں کوئی ٹیم اس کے مقابلہ میں بازی نہ لیجا سکی۔ شوکت اور ان کے بھائی محمد علی کو علیگڈھ سے خاص محبت تھی۔ ان بھائیوں سے زیادہ انگریزی فیشن کا کوئی دلدادہ نہیں تھا۔ اور علیگڈھ کو ان کے اور ان کے ساتھیوں کے اچھے پن اور نہایت صاف و ستھرا رہنے کی وجہ سے نیز اپنے کو تہذیب اور اخلاق کے سانچے میں ڈھالنے کے باعث انگریزی مورخین نے مہر لگادی تھی کہ یہاں کا تعلیم یافتہ ہونا تہذیب و اخلاق کا مجسمہ ہونے کی ضمانت ہے۔ علی برادران نہ صرف کھانے پینے اور ملنے جلنے کے آداب میں ہی نمایاں حیثیت رکھتے تھے بلکہ قابلیت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے خصوصاً انگریزی تو محمد علی کی اتنی اچھی تھی کہ قابل سے قابل انگریز ادیب بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سیاسیات میں بھی اعلیٰ دماغ رکھتے تھے۔

قومی کارنامے | انکا مغربی فیشن کا دلدادہ ہونا کوئی مستقل چیز نہیں تھی ملک کو جب انکی ضرورت ہوئی اور اسلام کے لئے جب انہوں نے بے چینی محسوس کی تو سب آرام اور اعلیٰ ملازمت ترک کر کے میدان میں نکل آئے اور ایسا کام کیا کہ ہندوستان کا بچہ بچہ نہ صرف انکے نام سے واقف ہو گیا تھا بلکہ تن من دھن سے انکا دلدادہ ہو گیا تھا ترکوں سے اٹلی کی جنگ چھڑی تو تمام ملک میں ترکوں کی ہمدردی کے لئے آگ لگادی اور انکی امداد کیلئے ڈاکٹر انصاری مرحوم کی قیادت میں میڈیکل مشن زخمیوں کی دیکھ بھال اور علاج کے لئے بھیجدیا جس پر ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ خرچ آیا مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لئے حکومت کی طرف سے تیس پینتیس لاکھ روپیہ فراہم کرنے کی شرط لگائی گئی تھی تو شوکت صاحب نے سر آغاخاں کے ساتھ تمام ہندوستان کا دورہ کیا۔ اسی طرح تحریک ترک موالات کے زمانہ میں گاندھی جی کے ساتھ ہندوستان کے چپہ چپہ میں چکر لگا ڈالا اور علیگڈھ کالج کو سب سے آگے رکھنے کے لئے سب سے پہلے گاندھی جی کو علیگڈھ بلا لائے تھے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی مگر اب آپ مسلم یونیورسٹی کا پراسپکٹس اٹھا کر سارا دیکھ جائیے۔ اس کی تعلیم کی جدوجہد میں آپ کو شوکت کا نام نظر نہیں آئیگا کیونکہ دکان کا سائن بورڈ "حالاتِ حاضرہ" میں بدل گیا ہے اور قبلہ کا رخ بھی انگریزی کی طرف سے دوسری جانب ہو گیا ہے۔ انگریزوں کے زمانہ تک کرنسی کے نوٹوں پہ حاشیہ میں نوٹ کی مالیت ظاہر کرنے کے لئے ہند کی مختلف زبانوں میں جو سندے درج ہوتے تھے ان میں سب سے اوپر اردو کے ہوتے تھے "سیکولر" کا اعلان ہوتے ہی اردو سب سے نیچے گرا دی گئی اور دوسری زبانوں کے سندے اوپر بانس پر چڑھا دئے گئے۔ دھات کے سکوں پہ انگریزی کے علاوہ فارسی اور صرف فارسی زبان اور حروف میں اس سکہ کی مالیت درج ہوتی تھی۔ اب فارسی حروف ایکدم ایران پہنچ گئے۔ اسی کی وفادارانہ تقلید جامعہ ملیہ کے دستور العمل میں دیکھ لیجئے کہ اس کے بانیان کی فہرست میں مولانا محمد علی کا نام جو سب سے پہلے لکھا جاتا تھا اب ڈھونڈنے سے کہیں ایک طرف کسی کونے میں زیارت کی جا سکتی ہے۔ اسی دلی میں علی برادران کے جلوس کے مناظر دیکھنے والوں کو یاد ہیں کہ سروں پہ بٹھا کر جہاز کی شکل میں تمام شہر میں گھمائے جاتے تھے۔ آج ذرا کسی سے پوچھئے تو سہی کہ شوکت کہاں ہیں۔ جامعہ کو ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۸ء کے شروع تک دس ہزار روپیہ ماہوار "خادم کعبہ" کے ہاتھوں مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر بمبئی سے ملتا رہا۔ نئی پود کا تو ذکر ہی کیا ہے ذرا ان پرانے حضرات سے ہی جنھوں نے اس

دس دس ہزار کی رقم میں سے نمک حلال ہوگا معلوم کیجئے کہ شوکت کا بھی کچھ پتہ ہے؟

آخری آرامگاہ ڈاکٹر ضیاءالدین مرحوم جنھوں نے "نان کوآپریشن" کے زمانہ میں "علیگڈھ کالج" کو محفوظ رکھنے کے لئے کالج بند کر دیا تھا اور علی برادران کو مع ان کے ہم خیال طلب اور استادوں کے مسلح فوج کے ذریعے کالج کے احاطے سے باہر نکلوا دیا تھا، مولانا شوکت علی کے انتقال کی خبر سنتے ہی علیگڈھ سے دلی آئے اور فوجی افسران سے مل کر جامع مسجد کے سامنے پریڈ گراؤنڈ میں سید ہرے بھرے صاحب اور سرمد شہید کے مزارات کے قریب دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ لیکن اس خلیفۂ اسلام کی تربت کے گرد ایک آہنی کٹہرا لگا ہوا ہے جس پر پہلوانوں اور کبوتر والوں اور بٹیر بازوں کے جانگیے اور لنگوٹ دھو کر سکھائے جاتے ہیں بس انشاءاللہ خیر صلا۔ وہاں فاتحہ پڑھنے کے متعلق تو یہ بہت بڑا عذر موجود ہے کہ "کوئی دیکھ لے گا"!

اس اندوہناک حادثہ کی خبر سنتے ہی نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام اطراف ملک میں ایک عجیب سکتہ کا سا عالم ہوگیا۔ مولانا محمد علی کے بعد وہ تقریباً پونے سات سال زندہ رہے لیکن کس حالت میں اسکا ذکر نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ بہرحال چاروں طرف سے جنازہ میں شرکت کے لئے احباب، متوسلین اور معتقدین کے تار پہ تار آنے لگے۔ لہٰذا جنازہ اس روز کی بجائے اگلے روز ۲۸ نومبر کو ۱۱ بجے اٹھا۔ قرول باغ سے شیدی پورہ، باڑہ، صدر بازار، کھاری باؤلی، فتحپوری، کٹرہ بڑیان، لال کنواں، چاوڑی بازار، نئی سڑک، گھنٹہ گھر، چاندنی چوک، فوارہ ہوتا ہوا جامع مسجد ۱½ بجے پہنچا۔ پہلے جامع مسجد دہلی کے اندر پھر دوبارہ پریڈ گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی اور ۴ بجے شام کو سید ہرے بھرے اور سرمد شہید کے مزارات کے ساتھ ہی جانب شرق سپرد خاک کر دئے گئے۔

"تدفین کے بعد اسی میدان میں بصدارت جناب مولانا ظفر علی صاحب تعزیت کا جلسہ ہوا جو دعائے مغفرت پر ختم ہوا۔

جنازہ کی چارپائی میں بہت لمبے لمبے مضبوط بانس باندھے گئے تھے تاکہ مشتاقین اور معتقدین کندھا دینے سے محروم نہ رہ سکیں۔ ان کی زندگی میں جو جلوس نکلتے تھے ویسا ہی شاندار بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ آخری جلوس دیکھا گیا۔ یقین ہے کہ اس ہجوم کو دیکھ کر فرشتے بھی حیرت میں رہ گئے ہونگے اور اللہ سے کہتے ہونگے کہ "اے رب العالمین تیرے جس بندہ کی تیری مخلوق اتنا احترام کرتی ہے اسکے ساتھ یقین ہے کہ تیری رحمانیت کا جوش بھی غیر معمولی سلوک کریگا اور اسے اعلیٰ مراتب سے نوازیگا"۔ ہمیں پروردگار عالم سے امید ہے کہ وہ مولانا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دیگا۔ ہم نے محض انکے ذکر کو خیر و برکت کا ذریعہ سمجھ کر اور اپنے کو احسان فراموشی اور بندگان سے بے تعلقی کے الزام سے بچانے کیلئے چند سطور قلمبند کردی ہیں۔ انشاءاللہ [illegible] زندگی و [illegible] بھی سپرد قلم کی جائیں گی جو تاریخ کے صفحات پر کوئی نہیں مٹا سکیگا۔ مولانا شوکت علی جیسا بڑے دل و جگر کا انسان مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ کیسی کیسی مصیبت ہو مایوسی کو اس بہادر نے کبھی اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیا اور جس کسی کو اس مرض میں مبتلا دیکھا اُسے نہایت بزدل اور ذلیل سمجھا۔ مظلوم کی حمایت کرنا ہمیشہ مولانا شوکت علی کا مطمع نظر رہا۔ خدا ہم سب کو توفیق دے کہ خدمت خلق کا ایسا سچا جذبہ اور بے نفسی کے ساتھ کام کرنیکی ویسی صلاحیت پیدا کر سکیں۔ آمین!

ہمارا نہایت اہم اعلان

(صرف سنگم بال سبھا والوں کے لئے)

پچھلے پرچہ میں ہم نے اس امر کا اعلان کیا تھا کہ جو شخص ملک کی آزادی کی حفاظت کیلئے مالی امداد دیگا اس کو سنگم کی طرف سے ایک نایاب تحفہ مفت پیش کیا جائیگا۔ چنانچہ مطلع کیا جاتا ہے کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں جسکی قیادت مہاتما گاندھی نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی نے دس روپے، پانچ روپے، ایک روپیہ کی مالی امداد کیلئے نہایت خوبصورت رسیدیں چھپوا رکھی تھیں جسے لوگ عقیدت کے ساتھ نوٹ کے طور پر استعمال کرنے لگے تھے۔ اتفاق سے چند رسیدیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ مولانا شوکت علی کی اس جدت کی داد دینی چاہیئے۔ چنانچہ اگر آپ بھی اس رسید کو "تحریک آزادی" کی یادگار کے طور پر رکھنا چاہیں تو منی آرڈر بھیج کر منگا لیجئے آپ کا نام سنگم میں شائع ہوگا۔ اور روپیہ آزادی کی رکشا فنڈ میں بھیج دیا جائیگا۔

رسیدیں ختم ہو جانے کی صورت میں منی آرڈر واپس کر دیا جائیگا۔ جواب کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ لکھئے۔

ناظم
سنگم بال سبھا

بیت المقدس مولانا شوکت علی مولانا محمد علی کے ہمراہ لندن میں "راؤنڈ ٹیبل" کانفرنس میں شرکت کیلئے بھی گئے تھے۔ جب مولانا محمد علی کا ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں انتقال ہوگیا تو شوکت صاحب جو بڑے بھائی تھے (اور جنھوں نے ہی باپ کا سایہ اٹھ جانے کی وجہ سے چھوٹے بھائی محمد علی صاحب کو اعلیٰ تعلیم کیلئے آکسفورڈ یونیورسٹی بھیجکر پورا حق ادا کر دیا تھا) محمد علی کے جنازہ کو سپرد خاک کرنے کیلئے بیت المقدس تشریف لے گئے تھے اور نہایت مغموم اور رنجیدہ دل کے ساتھ واپس ہندوستان آئے تھے۔ بیت المقدس میں دفن کئے جانیکا حال کسی آئندہ اشاعت کے لئے ملتوی رکھیئے۔

آخری جلوس مولانا شوکت علی کا "آخری جلوس" انکے انتقال کے بعد جائے قیام سے مدفن تک پہنچانے کے لئے دہلی والوں نے نہایت جوش و عقیدت سے نکالا تھا۔

مولانا شوکت علی کا انتقال بتاریخ ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ء مطابق ۴ شوال ۱۳۵۷ھ یوم یکشنبہ بوقت ۹½ بجے صبح حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے بیگم مولانا محمد علی مرحوم کی قیام گاہ واقع قرول باغ دہلی میں ہوا تھا۔ صبح ۸½ بجے تک تو وہ خطوط لکھواتے رہے لیکن تین چار روز سے معمولی حرارت تھی۔ ذرا کمزوری سی محسوس ہونے لگی تو خطوں کا سلسلہ ملتوی کر دیا اور تھوڑی دیر میں ہی یہ جا وہ جا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

۵؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

فہرست کتب برائے اراکین سنگم بال سبھا

اچھی کتابیں پڑھا کیجئے

کتابوں کے اندر کیا لکھا ہے اس پر تبصرہ کی نوٹ لکھنے سے پہلے ہم چند مفید اور دلچسپ کتابوں کی فہرست مع ان کی قیمتوں کے درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ اراکین کو یا دیگر شائقین کتب یا تاجران کتب کو ان کی خریداری میں آسانی رہے اور یکجائی طور پر کتابوں کی فہرست نظر کے سامنے آجائے۔ تمام کتابوں کے ٹائٹل دو رنگ میں بلاکس سے چھپے ہیں اور سب سفید عمدہ کاغذ پر ہیں جنکی کتابت وطباعت نہایت نفیس ہے۔ بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی آرڈر کے آنے تک کوئی کتاب ختم ہو چکی ہو جسے دوبارہ چھپنے تک اس کی تعمیل مجبوراً ملتوی رہے گی۔ آجکل کاغذ بہت مشکل سے ملتا ہے اور وہ بھی چوگنا دام سے زیادہ قیمت پر۔ اس کے علاوہ کتاب کی لکھائی چھپائی وتیاری وغیرہ کے اخراجات بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ ان وجوہات سے ناشرین اور پبلشرز کے لئے بہت زیادہ دشواریاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ تاہم ہمیں امید ہے کہ ہم ملک کے بچوں کا مذاق صحیح رکھنے اور ان کے اخلاق کو بلند کرنے نیز اردو زبان کی ترقی واشاعت کے لئے پورے عزم واستقلال کے ساتھ اپنا منصوبہ جاری رکھیں گے۔ نیز جو کتاب ہم آسانی کے ساتھ اپنی مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندی میں شائع کر سکیں گے اسمیں ذرا بھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ کیونکہ اخلاق کی قدروں کو ہم اردو نہ جاننے والے بچوں کے لئے بھی اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا اردو داں بچوں کے لئے۔ لہٰذا ملک کے تمام بچوں کے لئے اعلیٰ اخلاق کے ہونے کی ذمہ داری ہم ان کے والدین، استادوں اور مصنفین وپبلشرز کی ہی سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی اور عادل حکومت کا بھی فرض ہے کہ کسی نظریہ یا جماعت یا خاص فرقہ کی طرفداری نہ کرتے ہوئے کتابوں کے مضامین سے پیدا ہونے والے نتائج پر بچوں اور عام پڑھنے والوں کی نفسیات کے تحت پوری نظر رکھے جب تک۔ اوپر سے نیچے تک سب کا باہمی تعاون نہ ہوگا ملک کی حالت درست نہیں ہوگی۔ جو لوگ انگریزی حکومت پر تعصب اور تفرقہ پیدا کرنے والی کتابیں پھیلانے کا الزام لگاتے تھے اب وہ خود برسر اقتدار ہونے پر اس سے زیادہ شرمناک لٹریچر پھیلانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔

بارہ علم خفشی (مترجم) مع مفید حواشی	ایک روپیہ	جھوٹا لڑکا (ڈرامہ)	۴۰ نئے پیسے	جاسوس لڑکے	۳۰ نئے پیسے	نقو چلے سیر کو	۴۰ نئے پیسے
		چور لڑکا "	۵۰	چالاکی	۳۰	نصیب کھلے پھول کھلے	۶۵
پیارے نبی	۸۰ نئے پیسے	دیوان غالب صاحب (ڈرامہ)	۵۰	حسنہ کی مرغی	۳۰	نیا کھلونا	۳۰
چار تارے	ایک روپیہ ۲۰	اسلم کے حیرت انگیز کارنامے	۴۰	دوست کی تلاش	۶۰	وعدے	۳۰
تاریخی کہانیاں حصہ اول و دوم	۵۰ فی حصہ	× اکبر اور بیربل کے لطیفے	۴۰	دولتی	۴۰	وفادار سانپ	۳۰
حکایات گاندھی	۶۰	انوکھا پیغام	۴۰	دھن کی پوری سون چڑیا	۵۰	× ہم امر ہیں	
ماؤنٹ ایورسٹ حصہ اول و دوم	۴۰، ۴۴	اور مقدس چنار	۴۰	زندگی کے اسٹیج پر	۵۰	(گاندھی بابا کی کہانی	۷۵
× آدمی (اُردو)	۷۵	ایک بچے کی کہانی	۵۵	سرکس	۴۰	یاقوت	۳۰
× " (ہندی)	"	بچوں کی محفل	۵۵	شکاری لڑکا	۳۰	× بیسک ریڈنگ	
ترقی کے راز	۳۰	بندر والا	۳۰	شہزادی کی سزا	۳۰	(انگریزی نظمیں اور ان کا ترجمہ	
سورج اور اس کا خاندان	۹۰	بھولا بچہ	۴۰	فرشتہ کا انعام	۴۰	اردو نظموں میں)	۷۵
کتاب کی کہانی	۵۰	بھولی نمنہ	۴۰	کھٹملوں کا اعلان جنگ	۵۰	جواہر تلیہ	۴۰
کیسے بنے ہیں؟	۹۰	تیس مار خاں	۵۵	گھڑی بیگم	۲۵	جامعہ کی چند کھوپڑیاں	۷۵
مصنوعی بارش	۲۵	جادو کی بطخ	۳۰	لومڑی اور خرگوش		جانوروں کی عقلمندی	۵۰
مکانوں کی کہانی	۵۰	جادو کی کرسی	۵۰	کی لڑائی	۴۰	لال بجھکڑ	۷۰
سیکھ کھیل حصہ اول و دوم	۳۵ فی حصہ	بچوں کی جادو کی کتاب	۵۵	منتر کی کھوج (ہندی)	۶۰		
کیلی گرافی گائڈ	۵۰	جادو کا برتن	۵۰	مرمر کی مورتیاں	۳۵		

آتشِ خاموش | ملک کی مشہور ادیبہ صالحہ عابد حسین کا نہایت دلچسپ ناول ہے جس میں انسانی کردار کی باریکیاں، ایثار کے نمونے، خاموش عشق و محبت کی چنگاریاں، انسانی خدمت اور سیوا کے قابل رشک نظارے، دلی کی ٹکسالی زبان اور نہایت دلنشین طرزِ بیان آپ کو مسحور کئے بغیر نہیں رہیگی۔ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ مجلد مع دیدہ زیب گرد پوش کے، صرف چار روپے میں ملیگی۔

عذرا | یہ بھی محترمہ صالحہ عابد حسین کی ابتدائی طبع کا شاہکار ہے نہایت مقبول ناول ہے شائقین کے بار بار تقاضوں سے مجبور ہو کر نیا ایڈیشن نظر ثانی کے بعد شائع کرایا گیا تھا سفید چکنا کاغذ کتابت و طباعت نہایت معیاری مجلد مع حسین گرد پوش کے قیمت چھ روپے۔

بزمِ بے تکلف | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مشہور پروفیسر جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ماہر فلسفہ و نفسیات جو انگریزی جرمن فارسی اور اردو کے بہترین ادیب بھی ہیں انہوں نے گاندھی جی کی خود نوشت سوانح عمری کا اردو ترجمہ "تلاشِ حق" کے نام سے اس انداز سے کیا ہے کہ ترجمہ بالکل معلوم نہیں ہوتا بلکہ اصلی کتاب خود کسی اردو کے ماہر مصنف کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور لطف یہ کہ گاندھی جی نے جو کچھ لکھا ہے اس کے ترجمہ میں نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے نہ کمی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اور بھی بہت سی مشہور اور نہایت مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد ایک ہفتہ وار اخبار "نئی روشنی" کے نام سے جاری کیا تھا جس کا پہلا پرچہ ۱۶ جون ۱۹۴۸ء کو نکلا اور ستمبر ۱۹۵۰ء میں مالی مشکلات کی بنا پر اسے بند کر دینا پڑا۔ اس میں "بزمِ بے تکلف" کے نام سے ایک مزاحیہ کالم ہوتا تھا جس کا مقصد سیاسی (ملکی و غیر ملکی) اور گھریلو زندگی کے مسائل پر ظریفانہ انداز میں روشنی ڈالنا ہوتا تھا جس سے ہنسی ہنسی میں بڑی بڑی پتہ کی باتیں معلوم ہو جاتی تھیں اور ہلکی ہلکی چوٹیں بھی ہوتی تھیں ایسی کہ متعلقہ اشخاص کو ناگوار بھی معلوم نہ ہوں اور وہ ان پر غور و فکر کرنے پر متوجہ بھی ہو جائیں۔ ڈاکٹر صاحب کا طرزِ بیان! بس کچھ نہ پوچھیے، پڑھئے اور سر دھنئے۔

"نئی روشنی" کے بند ہونے پر اصحابِ ذوق کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اصرار کیا کہ کم از کم "بزمِ بے تکلف" کے مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کی بیگم محترمہ صالحہ عابد حسین صاحبہ نے جو خود بھی بہت مشہور ادیبہ ہیں اور کئی کتابوں کی مصنفہ ہیں بہت محنت سے چیدہ چیدہ مضامین کا انتخاب کیا اور انہیں اسی نام سے کتاب کی شکل میں شائع کر دیا۔ ہر مضمون کے شروع میں بطور حوالہ نئی روشنی کی اشاعت کی تاریخ بھی درج کر دی ہے تاکہ پڑھنے والے اپنے ذہن کو ان واقعات یا ماحول کی طرف آسانی سے منتقل کر سکیں جو اس مضمون کے لکھنے کے محرک ہوئے تھے اور جن کے بغیر انہیں پورا لطف بھی نہیں آ سکتا اور جس سے ملک کی حالت کا ایک تاریخی اور صحیح نقشہ نہایت دلچسپ انداز میں سامنے آ جاتا ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۲۲۲ صفحات کا یہ مجموعہ سفید چکنے کاغذ پر مجلد مع گرد پوش کے صرف اڑھائی روپے میں مفت سمجھنا چاہیے۔ اردو

سنگم بال سبھا کے چند ضروری قواعد

۱۔ روزانہ صرف دو نئے پیسے بچا کر مہینے کے ختم پر ساٹھ نئے پیسے بذریعہ منی آرڈر "ناظم سنگم بال سبھا جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵" کے پتہ پر بھیجدیجئے۔ یہ بال سبھا کی رکنیت کی ماہانہ فیس ہے (آپ ماہانہ کی بجائے ہر دوسرے مہینے سوا روپیہ کا منی آرڈر کر سکتے ہیں)

یا

۲۔ صرف سات روپے کا منی آرڈر کر دیجئے جو سال بھر کی فیس سمجھی جائے گی۔ اس طرح ہر ماہ منی آرڈر کی فیس کی جو پندرہ نئے پیسے ہوتی ہے بچت ہو جائیگی اور صرف ایک ہی مرتبہ پندرہ نئے پیسے دینے پڑینگے اور ہمیں سات روپے سے زائد جو رقم آپ بھیجتے وہ بھی بچ جائیگی۔ گویا دو روپے کے قریب آپ کو کم ادا کرنے ہوں گے۔

۳۔ ہم آپ کو سال بھر میں چار روپے کی کتابیں اور رسالہ "ہمارا سنگم" بھیجا کریں گے۔ اس میں بھی آپ کو مزید سوا روپے کی بچت ہوگی۔

۴۔ ہم آپ کو ہر دوسرے مہینے بذریعہ بک پوسٹ کتابیں بھیجا کریں گے جس کی رسید پوسٹل سرٹیفکٹ کی صورت میں ڈاکخانہ سے لے لیا کرینگے۔ اگر آپ بذریعہ رجسٹری منگانا چاہیں جس میں پیکٹ کے گم ہو جانے کا خطرہ نہیں ہے تو اس کا خرچ جو محصول ڈاک کے علاوہ ہے آپکو برداشت کرنا ہوگا۔ اس صورت میں سال بھر میں صرف تین مرتبہ کتابیں بھیجی جائینگی کیونکہ تین مرتبہ کی جوابی رجسٹری کی فیس دو روپے کے لگ بھگ ہوتی ہے گویا نو روپے بھیجنے ہونگے۔ باقی باتیں رسالہ "مفید معلومات" میں جو فارم ممبری کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

۵۔ جواب طلب امور کیلئے جوابی پوسٹ کارڈ لکھئے یا دس نئے پیسے کا ٹکٹ بھیجئے۔

۶۔ پتہ اردو میں اور انگریزی کے بڑے حروف میں صاف لکھئے۔

۷۔ مقام اور ڈاکخانہ کا نام مع ضلع و صوبہ کے صحیح لکھئے۔ ڈاکخانہ کے نام پر خط کھینچکر ذرا نمایاں کر دیجئے۔

۸۔ ہمارا پتہ انگریزی میں بھی لکھنے سے اردو نہ جاننے والے چٹھی رساں کو آسانی ہوگی۔

ناظم سنگم بال سبھا
جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

"SANGAM BAL SABHA"
P.O. JAMIA NAGAR
NEW DELHI-25.

کے ادیبوں نے بہترین ریویو کئے ہیں ۔

نمک پارے | سید نخی حسن صاحب نقوی سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن امروہہ کے چودہ بہترین مضامین (افسانوں) کا مجموعہ جو ملک بھر میں نہایت مقبولیت کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے کتاب کے شروع میں "تقریب" کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ "سید نخی حسن صاحب کے "نمک پارے" ہلکے لٹریچر کا ایک اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ نخی حسن صاحب بہت تیز اور باریک بیں نظر رکھتے ہیں۔ ان میں زندگی اور فطرت کے گوناگوں مناظر کا تفصیل سے مشاہدہ کرنے، ان سے لطف اٹھانے اور دوسروں کو اس لطف میں شریک کرنے کی صلاحیت ہے جو عکسی تصویریں انہوں نے کھینچی ہیں۔ ان میں کہیں کہیں فکر و تخیل کی وہ نزاکت بھی جھلک اٹھتی ہے جو اوج کمال پر پہنچ کر ادیب کے قلم کو مصور کا قلم بنا دیتی ہے "۔

سرکاری پرچہ "آج کل" نے کیا خوب لکھا ہے کہ "نقوی صاحب کے نستعلیق مزاج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجموعے کی ابتدا " الائچی کی چڑیا " اور انتہا " غبارے " سے ہوئی ہے ——— " غرضکہ ہر مضمون نہایت دلچسپ اور شستہ ہے۔ ٹائٹل ڈسٹ کور نہایت پاکیزہ۔ کاغذ اور کتابت و طباعت بہت عمدہ مجلد صرف سوا دو روپے میں ملتی ہے۔

شیلیکھ شکشک | یہ کتاب ہندی حروف کی خوش خطی سکھاتی ہے۔ خانے کھینچ کر بڑے بڑے حروف بنانا۔ شیڈنگ ڈالنا۔ ہر قسم کے چھوٹے اور بڑے ٹائپ کی مشق، فیاض حسین صاحب جامعی موجد تعلیمی تاش نے بہت محنت سے تیار کی ہے۔ دو حصے۔ فی حصہ بیس نئے پیسے ۔

ہندی کے تیس سبق | اس کتاب کی مدد سے ایک ماہ میں ہندی لکھنا پڑھنا آجاتا ہے۔ ہزاروں آدمی اس کتاب کے مطالعہ سے ہندی سیکھ چکے ہیں۔ اس کتاب سے وہ لوگ زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو کچھ انگریزی سے بھی واقف ہوں۔ بہت ہی مفید کتاب ہے۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے ۔

مکانوں کی کہانی | ملک کے مشہور ادیب و مصنف جناب حامد اللہ صاحب افسر کی تصنیف ہے۔ اس میں بچوں کو سمجھانے کے لئے نہایت آسان پیرایہ میں بتایا گیا ہے کہ انسان شروع میں کیسے رہتا تھا۔ درختوں پر، غاروں میں۔ جھونپڑیوں میں وغیرہ وغیرہ اور پھر آخر کار عالیشان کئی کئی منزلہ مکانوں میں رہنے لگا۔ قیمت پچاس نئے پیسے

ماؤنٹ ایورسٹ | اس مختصر سی کتاب میں جامعہ ملیہ کے قابل ترین استاد اور ماہر جغرافیہ جناب محمد امین صاحب ایم۔ اے (جغرافیہ) نے بچوں کی معلومات کے لئے ان تمام مہمات کا ذکر کیا ہے جو کوہ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ پر کامیابی سے چڑھنے سے پہلے مختلف اوقات میں مختلف ممالک کی طرف سے روانہ کی گئی تھیں اور جن میں اکثر و بیشتر نے اپنی قیمتی جانیں گنوا دی تھیں قیمت چالیس نئے پیسے ۔

ایورسٹ کی فتح | یہ ماؤنٹ ایورسٹ کا دوسرا حصہ ہے اس میں اس مہم کا ذکر ہے جو آخر کار اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئی اور جس نے بغیر کسی نقصان جان کے پہاڑ کی چوٹی کو سر کر کے دم لیا اور جس کے فاتحین پر تمام اطراف عالم سے بے شمار قیمتی تحائف و انعامات کی بارش ہوئی اور یورپ اور ہندوستان میں بہت شاندار خیر مقدم کیا گیا ایک یادگاری تاریخی حیثیت کی مختصر کتاب ہے۔ قیمت تیس نئے پیسے ۔

یاقوت | رومان انصاری رام پور کے ایک نوعمر جوان ہیں۔ بچوں کے لئے انہوں نے بہت ہی دلچسپ کہانیاں لکھی ہیں۔ ایسی دلچسپ کہ بچے تو بچے بڑے بوڑھے بھی کئی کئی بار پڑھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ "یاقوت" نام کی کتاب میں دو کہانیاں ہیں "یاقوت" اور "سنہری بال" خود پڑھئے اور بچوں کو تحفہ میں دیجئے۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے ۔

فرشتہ کا انعام | یہ بھی رومان انصاری کے حسن مذاق کا نتیجہ ہے اس میں بھی دو کہانیاں ہیں "گھوڑی کا راز" اور "فرشتہ کا انعام" فرصت میں دل بہلانے اور بچوں کو جمع کر کے کہانیاں سنانے کے لئے بہت ہی مناسب کتاب ہے پہلی کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ مصیبت کے وقت سب سے بڑا ہتھیار ہوشیاری ہے اس کا انجام کھنا ہے

دو ڈرامے | مدرسوں میں کیمپ فائر بھی کسی تقریب کا جز و سمجھی جاتی ہے جس سے تعلیم میں ہر اعتبار سے مدد ملتی ہے اور بچے کو اسی قسم سے بات کرنے کا ڈھنگ آجاتا ہے جیسا موقعہ ہو اور اسی کے لحاظ سے چہرہ پر خوشی۔ غمی۔ حیرت۔ غصہ۔ عجز و انکسار۔ رعب و وقار وغیرہ کی شکل اختیار کر کے خیالات کے اظہار کا موقعہ ملتا ہے۔ کیمپ فائر عموماً کسی تقریب کے پروگراموں کا آخری نمبر ہوتا ہے جو رات کے وقت ہوتا ہے۔ اس کتاب میں کیمپ فائر کی دو نقلیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ راجپوتوں کا وعدہ اور عربوں کا وعدہ۔ بچوں کو بہترین اخلاق کی تعلیم و تربیت دینے کے لئے بہت اچھی کتاب ہے جو عبدالغفار صاحب مدہولی استاد مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے مرتب کی ہے۔ قیمت ۲۰ نئے پیسے

ایک بچے کی کہانی | جناب سعید انصاری صاحب سابق پرنسپل ٹیچرز کالج جامعہ ملیہ نے مشہور افسانہ نگار جونس بارڈ ہنگیرین کی کہانیوں کی کتاب سے ایک کہانی

کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے جس میں نفسیاتی اعتبار سے قدم قدم پر بچہ کی زندگی جھلکتی ہے۔ تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھنے والے استادوں اور والدین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور بچے خود بھی اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔
قیمت ۵۵ نئے پیسے

بھولا بچہ | یہ کتاب بھی جناب سعید انصاری صاحب نے ہندوستان کے مشہور ادیب ڈاکٹر ملک راج آنند کی کہانی کے طور پر انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اس سے بھولے بچے کی زندگی کا نفسیاتی مطالعہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ صرف چالیس نئے پیسے میں ملتی ہے۔

زندگی کا رُخ | جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی نشو و نما اُس ماحول کے مطابق ہوتی ہے جس میں وہ رکھا جاتا ہے اور اس کی زندگی کا رُخ اس اعتبار سے متعین ہو جاتا ہے۔ نہایت کارآمد کتاب ہے۔ سرپرستوں اور استادوں کیلئے یکساں مفید ہے۔ قیمت مجلد مع گرد پوش دو روپیہ (یہ بھی سعید انصاری صاحب کی گہرے مطالعہ اور تجربہ کے بعد لکھی ہوئی ہے)

بچوں کی محفل | فصیح احمد خاں صاحب کنزوری قصبہ بجیت پور ضلع اناؤ (یو۔پی) کے رہنے والے ہیں۔ ان کے مختصر حالات اس کتاب کے شروع میں درج ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اختر آفریدی لکھتے ہیں۔ ابھی اسکول میں ہی تھے کہ والد مشفق کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ انتہائی تنگی کے باوجود انہوں نے تعلیم جاری رکھی۔ بعد میں ملازمت کی ذمہ داریوں کے باعث جنگلات میں بھٹکنے لگے لیکن لکھنے پڑھنے کا شوق جاری رہا اور باوجود پریشانی اور مصروفیت کے طبیعت کسی قدر شوخ واقع ہوئی تھی اسلئے بہت سی شرارتوں کے نقشے جو خود ان سے سرزد ہوئی ہونگی یا دوسروں کو دیکھی یا سُنی ہونگی نہایت چٹپٹی زبان میں لکھ ڈالے۔ اس کتاب میں چار قصے ہیں جنہیں پڑھ کر ہنسنے ہنساتے اگر لوٹ پوٹ نہ ہو جاؤ اور پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں تو پورے دام واپس۔ ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کی شرارتوں کے اور بھی قصے شامل کئے جائیں۔ دو رنگے خوبصورت ٹائٹل پر دوستوں کے مجمع میں شرارتوں کے قصے سناتے نظر آتے ہیں۔ قیمت صرف ۵۰ نئے پیسے۔

انتخاب کلام مومن | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ایک سابق طالب علم عبدالودود خاں صاحب نے مومن خاں مومنؔ کے کلام کا انتخاب کیا ہے۔ مومن خاں دہلی کے نامور شعراء میں ہوئے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے مومنؔ کی پیدائش پر ان کے کان میں اذان کہی تھی۔ اور مومن خاں نام رکھا تھا۔ اگرچہ والدین نے دوسرا نام بھی تجویز کیا تھا مگر مومنؔ نام پر شاہ جیسے خدا رسیدہ بزرگ کی مہر لگ چکی تھی اس لیے یہی نام مشہور ہوا۔ عبدالودود صاحب چونکہ دہلی کے اسی محلہ میں رہتے ہیں جہاں حضرت شاہ صاحب اور مومن خاں رہتے تھے۔۔۔

اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ودود خاں صاحب نے خاص مناسبت سے بھی بہت عقیدت اور محنت کے بعد اس کلام کا انتخاب کیا اور جیسا کہ پیش لفظ کے طور پر مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی ریڈر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے تحریر فرمایا ہے کہ "انتخاب کی نوعیت کے بارے میں ہر شخص کا مذاق جدا ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک شخص کا انتخاب دوسروں کے ذوق کی بھی لازمی طور پر تسکین کرے تاہم یہ واقعہ ہے کہ عبدالودود خاں صاحب نے ایک ادبی خدمت انجام دی ہے۔ ملک کے ادبی حلقے کو ان کی ہمت افزائی ضرور کرنی چاہیئے۔"

اس مجموعہ کا انتخاب حتی الوسع نہایت صحت کے ساتھ کیا گیا ہے اور صحیح سے صحیح جو مطبوعہ نسخہ مل سکا اس سے بہت کاوش کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب غزلیات۔ قصائد۔ مسدس۔ مثنویات۔ تاریخ اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ شعر و سخن سے ذوق رکھنے والے اور کیفیات قلب کا مختلف اوقات اور مختلف ماحول میں اندازہ لگانے کے شائقین کو فرصت کے لمحات اس کے مطالعہ میں صرف کرنے چاہیئیں۔ بہت لطف آئے گا۔ قیمت مجلد مع گرد پوش اور عمدہ کاغذ و لکھائی چھپائی کے صرف سوا دو روپے۔

کاروانِ سخن | پنڈت چاند نرائن چاند ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر (پنجاب) کے بیش بہا کلام کا مجموعہ ہے جو غزلیات۔ پیغامات۔ مکالمات۔ قطعات۔ رباعیات۔ متفرقات اور مختلف نظموں پر مشتمل ہے۔ جناب ملک الشعراء جوش ملیح آبادی فرماتے ہیں "چاند پر میں کیا رقم طراز ہوں ان کی ادبی درخشانی اظہر من الشمس ہے"۔ علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب کی رائے ہے "چاند صاحب کم کہتے ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں آنکھ سے دیکھ کر اور دل سے محسوس کر کے کہتے ہیں۔۔۔۔ ان کے بیان میں خیر بنی ہے جو گلو سوزی کا نتیجہ روح کو فرحت بخشتی ہے۔" پیش لفظ میں چاند صاحب خود فرماتے ہیں "میرے دل میں جو جذبات خوابیدہ تھے ان کو شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کے مجموعہ کلام نے بیدار کیا۔" علامہ اقبال سے جا بجا اظہار عقیدت کیا گیا ہے مثلاً

زباں میری نہ ہو لیکن تخیل میرا اقبالی   کلام چاند کی بانگِ درا ہی نے بنا ڈالی
مرے سینہ میں ہائے دل میں ورد و علم حقیقت کا   نظر میری ہے جنت کے مناظر دیکھنے والی

چاندؔ صاحب نے علامہ اقبالؔ سے کلام میں اصلاح لینے پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ علامہ اقبالؔ کی رائے ہے۔ "شاعرانہ طبیعت استاد سے بے نیاز ہوتی ہے۔"

ان آثار کے بعد اس مجموعہ کے متعلق کچھ کہنا سورج کو روشنی دکھانا ہے۔ نہایت خوبصورت ٹائٹل اور گرد پوش۔ بہت بڑھیا کاغذ۔ عمدہ چھپائی۔ قیمت مجلد صرف تین روپے۔

یادگار مجاہد مولانا محمد علی جوہر شہید ملک و ملت اور دوسرے "بیگناہ" ہم وطنیوں کی مفارقت میں۔

چیف ایڈیٹر و نگراں:۔
خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر:۔
خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ)

ماہنامہ [illegible]
جامعہ نگر
نئی دہلی

چندہ:۔
سالانہ: سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ:۔ بیس نئے پیسے
(وی۔پی نہیں بھیجا جائے گا)

پاکستان میں زرِ چندہ وصول کرنے کے مجاز:۔
(۱) ٹیکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں ریلوے روڈ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشن سوسائٹی یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی نمبر ۵

جلد ۵ | بابتہ یکم جنوری ۱۹۶۳ء فروری مطابق ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ و رمضان المبارک | ۱۸ پوہ ۱۹ ماگھ سن ۲۰۱۹ بکرمی | ۲۱ پوہ سمت ۲۰۱۹ فصلی ۲۳ ماگھ | ۲۴ اسوج سمت ۱۸۸۴ شاکھا یوم | ۱۲ ارکھا الیوسا | سہ شنبہ (منگلوار) جمعتہ المبارک (شکروار) | شمارہ ۷-۸

نیرنگیٔ عالم

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گُل ہے یہ گُل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوستی ہے کہ مروّت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج
نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنہیں باج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانہ میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
دنیا میں گزر جاتی ہے انسان کی ہر طور
ماتم کی بھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گُل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

(انیس)

خود قفس ہے اور خود ہی آشیاں ہے زندگی

تلخیٔ حالات دوراں کا بیاں ہے زندگی
درد و غم کی اک مسلسل داستاں ہے زندگی
اللہ اللہ یہ سفر یہ راہ، یہ دشواریاں
وقت کے شانوں پہ اک بارِ گراں ہے زندگی
جن کی ہلچل میں ہے طوفانی ہواؤں کا خروش
اُن تمناؤں آرزوؤں کا جہاں ہے زندگی
شدتِ احساسِ ناکامی کی آتش گاہ ہے
خرمنِ جذبات پہ شعلہ فشاں ہے زندگی
ہے کسے اب زندگی کے دردِ پنہاں کی خبر
اپنی بربادی کی خود ہی رازداں ہے زندگی
یاسیدوں کا آئینہ ہے رشکِ صد حسنِ چمن
اس چمن کی اک بہارِ جاوداں ہے زندگی
ہے اسی کے نور سے تابانی کون و مکاں
ظلمتِ بزمِ جہاں میں ضو فشاں ہے زندگی
اس کی مرضی پر ہے سرِ قید و رہائی منحصر
خود قفس ہے اور خود ہی آشیاں ہے زندگی
نقش دردِ قوم ہے قلب و جگر میں شعلہ زن
جذبۂ اہلِ وطن کی ترجماں ہے زندگی

(مہیش چند نقش کا دوسرا مجموعۂ کلام انداز نو)

نوٹ:۔ اسی پرچہ کے آخر میں مسلسل فہرست کتب کے صفحات ۲۲-۲۳ پر "انداز نو" سے متعلق دیگر تفصیلات معلوم کیجئے اور نقش صاحب کے اس مجموعۂ کلام کو طلب کر کے لطف اندوز ہو جئے (ستگر)

فہرست مضامین

اظہارِ حق

(علامہ شبلی نعمانی)

جب ولی عہد ہوا تختِ حکومت کا یزید
حاکمِ یثرب و بطحا کو یہ پہنچے احکام
کہ ولی عہد کا بھی نام پڑھا جائے ضرور
خطبہ پڑھتا ہے حرم میں نبوی میں جو امام
وقت آیا تو چڑھا پایۂ منبر پہ خطیب
اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیرِ اسلام
یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ
جانشیں کر گئے جب ہوئے کام تمام
دفعتہً مجمع تحتاں سے بولا اک شخص
جھوٹ بکتا ہے تو یہ ہے خلافِ نسل تمام
اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے
ہاں مگر قیصر و کسریٰ کی ہے یہ سنتِ عام
یہ طریقہ جو توارث ہے تو کفار میں ہے
ورنہ اسلام ہے اک مجلسِ شوریٰ نظام
اس سے بھی قطع نظر نسب ہیں ہم لوگ
وہ کوئی اور ہیں پیتے ہیں جو شاہوں کے غلام

(تحریرات شبلی)

(خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ) پرنٹر و پبلشر نے دفتر ماہنامہ [illegible] جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے منشی عبد العزیز صاحب خوشنویس کی کتابت کے بعد یونین پرنٹنگ پریس کوچہ نظام الملک اردو بازار جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

اشارات و کنایات سنگم

دعا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (البقرہ)

ترجمہ: — اے ہمارے پروردگار نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول جاویں یا چوک جاویں۔ اور اے ہمارے پروردگار نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ تو نے رکھا تھا ان پر جو ہم سے پہلے تھے۔ اور اے ہمارے پروردگار ہم سے نہ اٹھوا اتنا بوجھ جس کی ہم میں سکت نہیں اور ہمیں درگذر فرما اور ہمیں بخش دے اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا حامی ہے۔ تو ہماری مدد کر ان لوگوں کے مقابلے میں جو کافر ہیں۔

تشریح: — پہلی اُمتیں یعنی پہلے جو نبی گزرے ہیں ان کو جن لوگوں نے جھٹلایا اور ان کا کہنا نہ مانا تو ان پر دنیا میں ہی اللہ کا بہت سخت عذاب نازل ہوا جیسے حضرت نوحؑ کے زمانہ میں زمین کے اندر سے اسقدر پانی اُٹھا آیا کہ ان کی ساری قوم غرق ہوگئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم زمین کے اندر دھنس گئی۔ بنی اسرائیل کے زمانہ میں تو اسقدر سخت شریعت تھی کہ ان سے ذرا سی بھول بھی ہو جاتی تھی تو فوراً اس کی سزا ملتی۔ مثلاً جس چیز کے کرنے سے منع کیا گیا تھا اس کو غلطی سے بھی کر بیٹھتے تو اس کی سزا ملتی کہ حلال چیز کو بھی حرام کر دیا جاتا تھا اور اس کے کھانے پینے کی ممانعت کر دی جاتی تھی۔ انہی باتوں کی طرف اشارہ کرکے دعا مانگی گئی ہے کہ اے الہ العالمین ہم سے ہماری بھول چوک کی خطاؤں پر مواخذہ نہ کرنا اور جس سزا کے ہم متحمل نہ ہو سکیں اس سے ہم کو بچانا اور ہم پر رحم کرنا کہ تیرے سوا اور کوئی ہمارا مددگار نہیں ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ خاص فضل ہے کہ دنیا میں دوسری امتوں پر جو عذاب نازل ہوتے رہے ہیں اس سے امت محمدیہ کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ لیکن صرف دنیا میں دوسری قوموں کی نظروں میں ذلیل نہ کرنے کے لئے یہ رعایت کی گئی ہے ورنہ آخرت میں تو ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کا حساب کتاب ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ارحم الراحمین معاف کر دے جیسا کہ ہمارا خود بھی ایمان ہے کہ وہ رسول مقبولؐ کی شفاعت و سفارش قبول فرما کر ہم پر رحم و کرم کی بارش ضرور کریگا اور ہم اسکی رحمت سے محروم نہیں رہیں گے۔ آمین

نیک ساعت

آپ کے رسالہ کے ایڈیٹر خواجہ ذکی احمد صاحب نے ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے یعنی اب انہوں نے زندگی کے میدان میں ذمہ دارانہ طور سے قدم رکھا ہے۔ تمام احباب اور بزرگوں سے درخواست ہے کہ وہ ان کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے کامیاب زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ حقوق العباد کا پورا خیال رکھیں اور رفیقۂ حیات کے ساتھ چین اور راحت کی زندگی اسی قاعدہ کے مطابق بسر کریں جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ بقرہ آیت ۱۸۷ میں نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں دیا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ۔ یعنی عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

سہارنپور کے ضلع میں ایک بہت اچھا نامور مشہور قصبہ ہے نانوتہ۔ یہ اور ایسے آس پاس کے قصبے اسلامی علوم و فنون اور تہذیب کے خاص مرکز رہے ہیں۔ اس نانوتہ کی خاک پاک سے حضرت مولانا قاسم صاحبؒ پیدا ہوئے جو ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ (بلکہ یونیورسٹی) دیوبند کے بانی تھے۔ اسی لئے دیوبند کے فارغ التحصیل حضرات اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھتے ہیں۔ اسی قصبہ میں ایک صدیقی خاندان بھی بہت پرانا ہے جس کا ہر فرد علم کے زیور سے آراستہ ہے۔ آجکل ان میں سب سے زیادہ بزرگ مولانا مولوی مفتی محمود احمد صاحب صدیقی ہیں جو ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے نتائج کے بعد بھی ماشاء اللہ اللہ کے خاص فضل و کرم سے مالامال ہیں۔ اپنی علمیت اور قابلیت، دیانت اور انتہائی قومی احساس رکھنے کے باعث مدھیہ بھارت میں وطن سے کوسوں دور جمعیۃ العلماء صوبہ کے صدر ہیں۔ اور مئو چھاؤنی میں قیام فرما ہیں بلکہ وہ اب انکا وطن ثانی ہو گیا ہے۔ ان کے ساتھ ان کے ایک لائق فرزند مولوی حماد صاحب بھی نہ صرف ان کے دارالقضاء میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں بلکہ ایک دینی و اسلامی درسگاہ کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں اور مئو کے قریب ہی مشہور شہر اُجین میں اُن کے دوسرے صاحبزادے مولوی مسعود احمد صاحب صدیقی بہت ہی زیادہ انہماک سے ملکی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ہر "قوم" میں مقبول ہیں، ہر انسان کے مفاد کے لئے ان کی زندگی وقف ہے اور ہر فسادی اور جھگڑالو کے فتنہ و فساد کے مقابلہ کے لئے ہمہ وقت سینہ سپر رہتے ہیں اور بغیر کسی خوف و خطر کے میدان میں نکل آتے ہیں۔ حکام کو بھی ان کی شرافت اور نیک نیتی پر پورا اعتماد ہے۔ اور جس طرح ان کے والد بزرگوار جناب مفتی صاحب قبلہ کا ہر خاص و عام احترام کرتا ہے ویسا ہی ان سب حضرات کا کیا جاتا ہے۔ مفتی صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹر انوار احمد صاحب نانوتہ میں ہی

اپنے والد محترم کے حکم اور خواہش کے مطابق قیام فرما ہیں اور مقامی ضروریات کا انتظام اور نگرانی کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کے بڑے داماد آفتاب احمد صاحب صدیقی جو مفتی صاحب کے بھتیجے بھی ہوتے ہیں بہت روشن خیال، روشن دماغ، صاحب بصیرت اور ماشاء اللہ نہایت صحت مند توانا۔ دلی جنکشن کے ریلوے اسٹیشن پر اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کا کام کر رہے ہیں۔ اور بہت ہر دلعزیز ہیں۔ وہ نہایت محنت اور باقاعدگی سے "ڈیوٹی" انجام دیتے ہیں۔ اور ریلوے کے قواعد کے مطابق کبھی دن میں کبھی رات بھر کبھی یہاں کبھی وہاں بھاگتے دوڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی انکوائری آفس میں، کبھی اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کی کرسی پر پورے وقار مگر انکساری اور محبت کے ساتھ فرائض انجام دیتے نظر آتے ہیں۔ ریلوے والوں کی کئی یونینوں کے کرتا دھرتا ہیں اور سب کی آنکھ کا تارا ہیں کیونکہ خود غرضی ان سے کوسوں دور ہے اور وہ ہر شخص کی تکلیف رفع کرنے کے لئے سب سے پہلے میدان میں نکل آتے ہیں اور اس کے لیے اگر انہیں جان کی بھی بازی لگانی پڑے تو دریغ نہیں کرتے یہاں ان کے کارناموں کے ذکر کا موقع نہیں ہے دلی شہر میں عوام الناس اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں کثیر تعداد اساتذہ اور بیشتر طلباء ان سے بخوبی واقف ہے۔ کیونکہ وہ سفر کی تکالیف کا سد باب کرنے میں ہر کس و ناکس کی دل سے مدد کرتے ہیں اس لئے سب انکی عزت کرتے ہیں۔

ایسے نیک لوگوں کی جماعت میں شریک ہو کر سعادت حاصل کرنے اور فیضیاب ہونے کے لئے ہم نے اللہ سے دعا مانگی کہ ذکی سلمہٗ کو موقع مل جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک فرشتہ خصلت انسان ہماری مدد کو بھیج دیا جنہوں نے ہم پر یہ خاص عنایت کر کے ہم گنہگاروں کے متعلق دو چار محبت بھرے الفاظ میں ہی ہماری طرف قبلہ مفتی صاحب اور متعلقین کو مائل کر دیا۔ یہ شریف النفس معانی ذکی سلمہٗ کے والد حافظ نبی احمد صاحب کے پرانے کرمفرما جناب سلیمان صابر صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر الجمعیۃ دہلی ہیں جن کے تعلقات اتفاق سے جناب آفتاب احمد صاحب صدیقی سے بھی عرصہ سے تھے۔ اس طرح یہ معاملہ کامیابی در کامیابی طے ہوا منزل مقصود پر پہنچ گیا اور مفتی صاحب قبلہ کی منظوری کے بعد بتاریخ ۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء بروز اتوار جامعہ نگر سے دو گاڑیوں میں احباب اور عزیز جو ہندوستان میں علاقہ مہاراشٹر (امراوتی۔ اکولہ) سے اور پاکستان میں لاہور اور کراچی سے آئے تھے مع جامعہ نگر اور دہلی کے احباب کے صبح ۸ بجے روانہ ہو کر ۱۲ بجے کے قریب نانوتہ پہنچے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دوسرے حضرات جو پہلے سے وہاں تشریف فرما تھے ہمارے تاخیر سے پہنچنے کے باعث انتظار کی زحمت گوارا فرما رہے تھے نماز ظہر سے فارغ ہو کر مکان کے قریب ہی مسجد میں جناب قاری صاحب نے خطبہ نکاح پڑھا اور مفتی صاحب کی اجازت اور خود انکی صاحبزادی صادقہ بیگم سلمہا کی شرعی ایجاب سے

ذکی احمد سلمہٗ نے مبلغ پانچ ہزار روپے رائج الوقت کا مہر تسلیم کر کے ایجاب قبول کا فریضہ ادا کیا۔ اور مبارک سلامت کی دعائیں چاروں طرف سے گونج اٹھیں۔ قبلہ مفتی صاحب کی طرف تمام باراتیوں کی بہت پر تکلف دعوت کی گئی جس میں مرغ اور بریانی وغیرہ سے نوازا گیا تھا عصر کے بعد تیاری رخصت کی شروع ہوئی اور بعد مغرب روانہ ہو کر شب میں ۱۱ بجکر ۱۵ منٹ پر بحمد اللہ خیر و عافیت جامعہ نگر پہنچ گئے۔ یہ اجتماع بچھڑے ہوئے عزیزوں کا ہمیں سے ۱۹۴۷ء کے بعد پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی ایک یادگاری اجتماع تھا جسکا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ پھر کیا جائے گا۔

خدا سے دعا ہے کہ یہ جوڑا "یا رب بنا بنی میں بنی رہے" آمین! امید ہے کہ ذکی سلمہٗ ان تمام فرائض کا خیال رکھیں گے جو فرائض انسانیت نے انپر عاید کئے ہیں اور جن کے متعلق ہم نے محترم قبلہ مفتی صاحب کو پورا اطمینان دلا دیا ہے۔ خاندانی عظمت اور وقار کو قائم رکھنا بھی ہماری شرافت اور تہذیب کا ایک اہم جزو ہے جس کے لئے ذکی جیسی نیک خصلت اور شریف الطبع ذات سے پوری امید ہے کہ وہ اس تعلیم و تربیت کا بھی ثبوت دینگے جو انہیں نہ صرف اپنے گھر بلکہ کل عشیرہ سے ورثہ میں ملی ہے۔ یہی امید بیٹیاں اور بہو بیٹیوں سے ہے جنکی تربیت جناب مفتی صاحب جیسی شریف اور نیک ہستی کی زیر نگرانی ہوئی ہے۔

ایک ہی دن میں آنے جانے کا لمبا سفر بس میں بیٹھ کر کرنا یقیناً جملہ عزیزوں اور دوستوں کی تکلیف کا باعث ہوا ہوگا اس کے لئے جسقدر بھی معذرت شکریہ کے ساتھ کی جائے کم ہے۔ اور جن احباب کی سعی اور ہمدردی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے انکا دلی شکریہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں درج کر کے اسپر مہر ثبت کی جاتی ہے۔

گولڈ کنٹرول اور تاریخ لکھنے والوں کی مشکلات

ذکی سلمہٗ کی شادی کے انتظامات کے دوران ہی گولڈ کنٹرول کا وزیر مال صاحب کا ایک حکم بم سے بھی بہت زیادہ دھماکے کے ساتھ پھٹا مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم اس پابندی سے پہلے ہی فارغ ہو چکے تھے۔ اس کی تفصیل بیان کرنے میں جو چیز مانع ہے وہ ایک "ایمرجنسی" نام کی کوئی چیز سننے میں آتی ہے جسکا اطلاق (اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ) خاص خاص صورتوں میں مخصوص لوگوں پر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ایمرجنسی کی صحیح شکل یہ ہے کہ "گاہے بسلامے برنجند وگاہے بدشنام خلعت دہند" (یعنی کبھی سلام کرنے سے خفا ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی سن کر انعام سے نوازتے ہیں) دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ ایک ہی فعل کسی دو شخصوں سے سرزد ہوتا ہے تو "سمجھے ہی جا ہے" اسکو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور جس سے کچھ کدورت ہو اس کا ٹمٹوا کس دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کو اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ ایک سخت فرقہ پرست اخبار نہایت ہی شرمناک الفاظ استعمال کرتا ہے اسے پریس کی آزادی کی آڑ لے کر کچھ نہ کہنے کا بہانہ گھڑ لیا جاتا ہے۔ دوسرا اچھے جذبات کا اظہار یا ملاوٹ کے صلہ میں جرمانہ کی سزا لی ہے وہ آئندہ اس سے زیادہ محتاط رہے

استعمال کر کے ہمارا اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ پہلی صورت میں تو اندیشہ ہے کہ چونکہ ایسی عام فضا پیدا ہو چکی ہے جس میں اہل سما تک نہری نہر بھرا ہوا ہے اس لئے اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا بھڑوں کے چھتہ کو چھیڑ کر اپنی جان کو مصیبت میں پھنسانا ہے اور دوسری صورت میں ہم یہ سمجھتا ہے کہ جو انکی رقم کچھ تو اس کمائی سے ادا ہوگی جو اوور ڈرافٹ سے حاصل ہوئی تھی اور کچھ آئندہ دوسرے جتنک ٹیکسوں سے حاصل ہو جائیگی اس لئے اگر فی الحال ... البتہ جرمانوں کی رقم سے خزانہ عامرہ کو فائدہ پہنچے گا۔ ہم تو پرانے خیال کے آدمی ہیں اور ایسی ایسی مشکلات سے سابقہ بھی پڑتا رہتا ہے اس لئے ہم جو بات کہتے ہیں وہ وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جنہوں نے تجوریاں بھر رکھی ہیں یا جن کے وسائل آمدنی بھی متعدد ہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ عورتیں بعض آرائش اور زیبائش کیلئے ہی زیور خریدتی۔ نہ ہی وہ پہنتی نہیں بلکہ وہ سمجھتی ہیں کہ روپیہ نقد ہوگا تو صرف ہو جائیگا اور بینک میں یا کسی کمپنی میں کُل کا کُل لگا دیا جائے یہ ممکن نہیں کہ بالکل نکمے ہو کر بیٹھ جائیں۔ اس لئے کسی اٹھے بھڑے وقت کے لئے اپنے پاس بھی رہنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ یا تو جائداد خریدنا چاہتی ہیں یا سونے میں منتقل کرنا پسند کرتی ہیں اور اس کی آسان صورت زیور ہی ہے۔ کاغذ کے نوٹ یا چنیل کانسی کے سکے دلجمعی کا باعث نہیں ہو سکتے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یہ دو منزل کو جکڑ بند کرنے والے خود بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ جائداد کی شکل تو یہ ہے کہ زمینداری ختم کر دی گئی۔ اس کے ختم ہو جانے کے بعد کسی کو اگر دس بیگھہ یا زیادہ زمین رکھنے کی قانونی اجازت بھی رہے تو چونکہ عورت خود کاشت نہیں کر سکتی لہذا دوسرے سے کاشت کرائیگی جو لگان پر دی گئی سمجھی جائیگی اگر ایسا ہوا تو اس سے واپس ملنی قطعاً ناممکن ہے۔ اس کا سر کچلنے کے لئے دوسرا قانون موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ کسی خاص مجبوری کی حالت میں اپنی زمین کا کوئی قطعہ فروخت کر کے اپنی مصیبت رفع بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ اس کی قسمت میں تو فی روپیہ تین آنہ رہ گئے ہیں تیرہ آنے کاشتکار کو ملیں گے اور جس نے ایک مرتبہ بھی کاشت کر لی اس سے خالی نہیں کرا سکتے۔ اگر اس نے لگان نہیں دیا ہے تو عمر بھر دیوانی کرتے رہیئے اور اس کے خرچ کے لئے پیسے کی جان کو روتے رہیئے۔

ایسی حالت میں سونے پر کنٹرول کا حکم نافذ کر کے حکومت کے مشیروں نے کوئی زیادہ فراست کا ثبوت نہیں دیا ہے سیلاب آنے کے بعد اس کی تباہی سے بچنے کی تدابیر کا کونسی عقلمندی ہے اسے کہنا کہ تحویلات آپکی سمجھ میں نہیں آتی اس میں دخل دینے سے کیا فائدہ" سوائے "راج ہٹ" کے اور کچھ نہیں ہے۔ لاکھوں دستکاروں کو نفعوں ... سے بھی کام کیا ہے بے روزگار کرنا اور تمام سونے کو زبردستی حکومت کی ملکیت قرار دینا انتہائی ظلم کی داستان ہے۔ جس خوشی اور جوش سے لوگ ملک کے بچانے کے لئے دل کھول کر

ہمارا ملک نے ہی کسلتہ ... ایک وہم ادھر پڑ گئی۔ اگرچہ ... صاحب ... ہونے ہوئے بھی نرمی اور کم ہمتی سے کام لیا تو ان کی اصلاح تو خود پبلک ہی کر سکتی تھی۔ حکومت کو صبر سے کام لینا چاہیئے تھا لیکن اختیارات اور حکومت کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ ارے بھائی صاحب جب ایک روپیہ کی چار سیر شکر آتی تھی اور سوا سیر گھی یا دو بیس سیر گیہوں۔ سات پیسے سیر خالص دودھ اور دس پیسے کا سیر بھر گوشت اور چار پانچ پیسے سیر سبزی۔ بارہ آنے سیر انگور۔ پانچ آنے گز ململ ... پندرہ بیس روپے کی گھڑی آتی تھی۔ تب تو چار پانچ نفوس پر مشتمل خاندان کا گزارہ سو ڈیڑھ سو میں ہو جاتا تھا لیکن اب اس بھاؤ کو سن کر نئی پود تو شاید یقین بھی نہ کرے یا یہ خیال کرے گی کہ کسی دقیانوسی زمانہ کی بات ہے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا پندرہ بیس برس کے قریب ہوئے ہونگے اب سو ڈیڑھ سو کی رقم تو وہی رہی لیکن اس کی قیمت صفر کے برابر رہ گئی۔ روپے کی قیمت حد سے زیادہ گھٹا کر اور چیزوں کی گرانی زیادہ سے زیادہ کر کے آپ جس زندگی کی حالت کر رہے ہیں اس کا نام "قوت خرید کا بڑھانا" یا "معیار زندگی بلند کرنا" رکھ کر طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ سات پیسے سیر دودھ کے دام اب بارہ بڑھا دئیے جائیں یا چار سیر شکر کے لئے ایک روپیہ کی بجائے چار سو ... تو زندگی تو خود بخود ہی بدل گئی اور معیار زندگی بلند ہو ہی گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرغی جان سے بھی گئی اور کھانے والوں کو مزہ بھی نہ آیا۔ گولڈ کنٹرول سے لاکھوں دستکار بیکار ہوئے سونا یکدم غائب ہو گیا عورتیں بیچارہ زیور بیچ کر نیا بنوانے سے محروم ہو گئیں اور کسی مصیبت کے وقت کے لئے جو دو چار زیور رہتے تھے ان کا اب کوئی اعتبار اور بھروسہ نہیں رہا۔ اور پھر لطف تو یہ ہے کہ ایک غریب عورت نے اگر کھپ کر کسی نہ کسی طرح دو تین تولہ کا کوئی زیور سوا سو روپیہ فی تولہ کے حساب سونا خرید کر بنوایا بھی ہو تو اس کو فروخت کرنے پر صرف باسٹھ روپیہ تولہ کے دام ملیں گے یعنی نصف دام۔ اس سے ملک کی حالت کیا ہو جائیگی اس پر کوئی لفظ بھی قلم سے نکالنا موجودہ حالات میں یقیناً قابل اعتراض سمجھا جائیگا۔ ہمارے پرچہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اتنی لمبی بحث کی جائے لیکن ہم نے اس وجہ سے اپنا بھی اور پڑھنے والوں کا بھی وقت ضائع کیا ہے کہ جہاں ہمارے لئے کوئی ایسی ویسی بات زبان قلم سے نکالنا مناسب نہیں ہے وہاں ایک سمجھدار اور دانشمند حکومت کو بھی کوئی بات پبلک کو ناخوش کرنے یا اس کا سکون و اطمینان قلب ختم کر دینے کی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور جہاں تک خزانہ کا تعلق ہے جہاں تمام حربوں کا نشانہ بنے جا رہے ہیں اور اس بیچارے آدمی ... ہاتھ سے پہلے بچے جا رہے ہیں کہ "گرانی کو بڑھنے نہیں دیا جائیگا" ان کی طرف سے صرف یہ نعرہ ذہن میں محفوظ رکھئے "جز الٰہی آہ مظلوماں" جس کا مطلب یہ ہے کہ مظلوموں کی آہ سے ڈرو اللہ کے ہاں دیر تو ضرور ہے لیکن اندھیر نہیں ہے اور اس کے ہلنے سے تمام عہدے الٹے ہو جایا کرتے ہیں۔ اس سے پہلے اور ملک نے ہی ملک کا حق ادا کیا کہ سب کو مصیبت میں

جتنا کہ لکھا ہے۔ دیکھئے اس آواز سے کسی کے کان پر جوں بھی رینگتی ہے یا نہیں۔ اللہ بھی ہمیشہ راستہ دکھاتا رہے آمین!

کہتے ہیں کہ تاریخ لکھنے والے ہر غیر معمولی اور اہم کارنامہ کو جو مفاد عامہ کے تحت غریبوں اور مظلوموں کو مصیبت اور تکلیف سے نجات دینے یا دلانے کے لئے کیا گیا ہو "سنہری حرفوں" میں لکھا کرتے ہیں لیکن گولڈ کنٹرول کے بعد کسی فرد بشر کا کوئی کارنامہ سنہری حروف میں نہیں لکھا جاسکیگا اور وہ اس ملکی و قومی سرٹیفکیٹ سے بھی محروم رہا کریگا کیونکہ اب سونے کے بجائے موٹے سیاہ حرفوں سے کام لینے پر مجبور ہونا پڑیگا۔

آہ! مرد مجاہد

یہ جنوری کا مہینہ ہے جس کا ذکر بار بار کیا جاتا رہا ہے اس میں ہمارے ملک کا سب سے بڑا مجاہد ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوا تھا اور اپنے قول کے مطابق غلام ملک میں واپس نہیں آیا تھا۔ ملک کو آزاد کرانے کی جد و جہد میں قید و بند کی صعوبتیں اٹھانے کے بعد ملک کے دوسرے بڑے نیتاؤں کے ساتھ انگریزی راجدھانی میں اپنے حقوق کے متعلق گفتگو کرنے اور انہیں منوانے کے لئے گیا تھا کہ پھر واپس نہ آسکا اور بیت المقدس کی پاک زمین نے اس کو نہایت فخر اور خوشی سے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ اس کی قابلیت کا اندازہ اس کی تحریروں سے مل سکتا ہے جو رہتی دنیا تک محفوظ رہیں گی۔ اس کی نیک نیتی اور دیانتداری کا ثبوت اس کے کردار سے مل سکتا ہے جس سے فائل کے فائل بھرے پڑے ہیں۔ وہ تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لینے یا جامعہ ملیہ قائم کرنے کی وجہ سے ہی نیکنام نہیں ہے بلکہ وہ پیدائشی اور فطری طور پر اتحاد کا حامی اور ہندو مسلم ملاپ کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔ ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۲ء کے پرچہ میں ہم نے محمد علی کے "مولانا" مشہور ہو جانے کے بعد کی تصویر بطور بانی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شائع کی تھی۔ اس مرتبہ ہم "مسٹر" محمد علی کی ایڈیٹر کامریڈ ہونے کے زمانے کی تصویر شائع کر رہے ہیں لیکن ہم جس زمانہ کا ذکر ذیل میں کرنا چاہتے ہیں اس وقت کی کوئی تصویر ایسی نہیں ملی جو صرف تنہا ان ہی کی ہوتی بلکہ اس سے بھی بہت پہلے کی گروپ کی شکل میں ہے جسے اس وقت شائع کرنا شکل اور موقعہ کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔

یہ عام خیال ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کی رہنمائی مہاتما گاندھی نے شروع کی یہ ۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے۔ اگرچہ ۱۹۱۵ء میں افریقہ سے واپس آکر گاندھی جی نے افریقہ میں ہندوستانیوں پر ظلم کی داستانیں سنا کر اس کے خاتمہ کا واحد علاج ملک کو بذریعہ ہندو مسلم اتحاد آزاد کرانا ہی بتایا تھا یعنی مسلم اتحاد کی ضرورت پر مہاتما گاندھی کے منہ سے ۱۹۱۵ء سے پہلے کوئی آواز ہمارے کان میں نہیں پڑی تھی لیکن مسٹر محمد علی کی زبان سے ہم بمبئی پریسیڈنسی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۴ء بمقام احمد آباد کے پلیٹ فارم سے اس اتحاد کی ضرورت، اس کی حقیقت اور اہمیت ان کے خطبہ صدارت سے معلوم کر کے (جو مجوزہ محمڈن یونیورسٹی پر تھا) حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ وہ شخص جو اس زمانہ میں مغربی معاشرت کا دلدادہ تھا اپنے وطن کے لئے کیسے کیسے شریفانہ خیالات اور جذبات کا حامل تھا۔ یہ خطبہ صدارت بمبئی کے کیکسٹن (CAXTON) پرنٹنگ ورکس میں ۱۹۰۴ء میں چھپا تھا اور ایسے بے نظیر و ناقابل تردید دلائل کے ساتھ محمد علی کی مشہور شاندار انگریزی میں ان کی وسیع الخیالی کا دستاویزی ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ اسے قومی سرمایہ کے طور پر آج کل ساٹھ سال کے بعد بھی تمام ملک کے ہی خواہوں اور کارکنوں میں مفسدوں اور فتنہ پردازوں کی اصلاح کے لئے شائع کیا جانا مفاد عامہ کے لئے مفید ہوگا۔ کیا کوئی جماعت اس معاملہ میں ہماری تائید اور مدد کریگی؟

اس میں انہوں نے محمڈن یونیورسٹی کے لئے ایک خاکہ پیش کیا ہے کہ آزاد تعلیم کسے کہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے لئے کیوں ضروری ہے اور جب تک ہندوؤں کیلئے بھی اسی قسم کی ہندو یونیورسٹی نہ ہوگی اور مذہبی تعلیم کا انتظام نہ ہوگا اس وقت تک کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا۔ ہر تجویز کے ساتھ انہوں نے اس پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ میں جو حقوق مسلمانوں کے لئے مانگتا ہوں وہی ہندوؤں کے لئے بھی چاہتا ہوں۔ مفوضہ یونیورسٹیوں کو تعلیم کے معاملہ میں بالکل آزاد ہونا چاہیئے۔ اور حکومت کی طرف سے کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہونی چاہیئے۔

علیگڈھ کالج کی بے تعصبی

انہوں نے علیگڈھ کالج کا یہ پہلو خاص طور سے ابھار کر کے دکھلایا ہے کہ اب بھی (یعنی ۱۹۰۴ء میں) اس کالج میں کسی قسم کا قومی تعصب نہیں ہے۔ اس کے دروازے تمام مذاہب اور تمام فرقوں کے لئے یکساں کھلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک متعصب انگریز کے (جس کی پالیسی DIVIDE & RULE معلوم ہوتی ہے) اس الزام کا کہ علیگڈھ کے دروازے ہندوؤں کے لئے بند ہیں اور وہاں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں منہ توڑ جواب اس نقشہ کے ساتھ دیا ہے جس سے علیگڈھ کی رواداری کا بین ثبوت ملتا ہے۔

نام امتحان	کس سنہ سے علیگڈھ کے طلبہ نے امتحان میں شرکت کی	تعداد ہنود	تعداد مسلمان	کل میزان	فیصدی ہندو
انٹرنس یا میٹرکیولیشن	۱۸۷۷ء	۱۰۱	۳۳۱	۴۳۲	۲۳ر۳
ایف اے یا انٹرمیڈیٹ	۱۸۸۰ء	۸۹	۳۳۰	۴۱۹	۲۱ر۲
بی اے	۱۸۸۲ء	۴۰	۲۴۹	۲۸۹	۱۳ر۸
ایم اے	۱۸۸۹ء	۲	۱۳	۱۵	۱۳ر۳
ایل ایل بی	۱۸۹۲ء	۱۱	۲۶	۳۷	۲۹ر۷
ڈی ایس سی	۱۹۰۱ء	۱	۱	۲	۵۰ر۰

اس کے بعد انہوں نے دوسرے کالجوں سے مسلمان طلبہ کی تعداد کے متعلق دریافت کیا ہے کہ علیگڈھ کے مقابلہ میں ان کا کردار مسلمانوں کے لئے کیا رہا ہے اور کیا کوئی مناسبت بھی بتائی جاسکتی ہے؟ پھر جان ہنٹر کی اور مارکوئس آف ڈفرن کی تردید ...

کے اقتباسات دئے گئے ہیں جن میں ان حضرات نے کالج کی انتظامیہ کمیٹی کو مبارکباد دی ہے کہ اس نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے علی گڑھ کے دروازے ہندوؤں کے لئے اسی طرح کھول دئے ہیں جس طرح مسلمانوں کے لئے اور عیسائی طلبہ اسی خندہ پیشانی سے لئے جاتے ہیں جیسے شمالی ہند کے طلبہ۔ پھر سر ولیم ہنٹر صدر "ایجوکیشن کمیشن" کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اس مخصوص اسلامی درسگاہ کے "مسلم بانیوں" نے تمام مذاہب اور فرقوں کے نوجوانوں کے لئے اس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ کل ۲۵۹ طلبہ میں سے علاوہ عیسائی اور پارسی طلبہ کے، ۵ ہندو ہیں یعنی تقریباً چوتھائی۔ اور یہ فراخ دلی نہ صرف اس کے قواعد یا تعلیم تک محدود ہے بلکہ یہاں کے پورے ماحول میں پائی جاتی ہے۔

مولانا محمد علی کے کالج کے ساتھیوں میں سے بھی خدا کے فضل سے ابھی تک دو ایک اصحاب بہ حالتِ صحت و ہوش و حواس زندہ و سلامت ہیں اور قابل بھی ہیں۔ وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کو ان کے ساتھ سیاست میں کام کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ کانگریس، خلافت اور جمعیۃ العلماء کے انتھک کارکنوں کے علاوہ عام پبلک میں سے بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں ان کے زندگی کے بعض اہم واقعات کا علم ہے یا جنھوں نے ان کے قریب رہ کر ان کی سیرت کا بخوبی مطالعہ کیا ہے لیکن کسی نے ان کی ایسی سوانح حیات مرتب نہیں کی۔ جو ایسی عظیم ہستی کے شایانِ شان ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل میں محض اظہارِ عقیدت کے لئے ان کے معتقدین میں سے دو ایک اصحاب نے کچھ لکھا ہے لیکن وہ محض ان کی مختلف سرگرمیوں کے عنوانات کے تحت دو دو یا چار چار سطروں تک ہی محدود ہے۔ پھر اگر دنیا ان کو بھولتی جاتی ہے یا اگر نئی پود ان کے نام تک سے واقف نہیں ہے اور گو سنی سنائی باتیں کچھ ان کے ذہن میں موجود بھی ہیں لیکن جاں نثارانہ کارناموں سے بالکل لاعلم ہیں تو پھر شکایت کس سے کی جائے۔ جب اپنوں کا یہ حال ہے تو دوسروں کو کیا غرض کہ "سنہری حرفوں" میں لکھے جانے والے واقعات پنسل ہی میں لکھ کر ان کے نام کو زندہ رکھیں ان کی زندگی میں کونسی تحریک ایسی تھی جس میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔ مگر افسوس ہے اس ملک کی ذہنیت پر کہ گاندھی جی سے لے کر ہر سچے خادمِ وطن تک کو سب نے بھلا دیا ہے اور بعض زبانی جمع خرچ تک ان کے نام کو محدود کر دیا ہے۔ لیکن محمد علی کے نام لیواؤں نے تو ہندوستان میں ان کا نام لینا ہی گناہ سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ جو

خوف ان کو زندہ درگور کئے ہوئے ہے اس میں ذرا سی بھی اصلیت نہیں ہے۔ محض بہانہ جلی بر خوشامد ہے۔ آئندہ کسی موقعہ پر ہم بھی بشرطِ زندگی کچھ پیش کر سکیں گے۔ اس وقت تو دعائے مغفرت پر یہ داستانِ غم ختم کی جاتی ہے۔

پاکستان جانے والو! دیکھو اللہ میاں نے در توبہ بند نہیں کیا ہے اور بابِ رحمت کھل چکا ہے۔

ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۲ء کے پرچہ میں ہم نے ایک طویل مضمون "پاکستان والوں سے" مخاطب ہو کر اسی عنوان سے شائع کیا تھا، یوں تو وہ ہر اس شخص کے لئے تھا جو جان کے خوف سے بھاگ کر "ناپاک" ملک سے "پاک" ملک یعنی دارالامان پہنچ گیا تھا۔ لیکن وہ زیادہ تر ہم نے اپنے مرحوم وطن پانی پت کو خالی کر جانے والے بھائیوں اور بزرگوں کے لئے لکھا تھا۔ یا پھر "بائیس خواجہ کی چوکھٹ" والی خاکِ پاک سے بے رخی اختیار کر کے بے وفائی کا شرمناک مظاہرہ کرنے والوں کے لئے تھا۔

اب اس پرچہ کے آخری صفحہ پر فوٹو بلاک ملاحظہ کیجئے۔

آپ چلے گئے اور یہ بھی کہہ گئے کہ بزرگانِ دین جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے نام کا جھنڈا اس ملک میں گاڑا تھا اور صرف آنکھ کے اشارے سے قلوب کو گرما دیا تھا اور ایمان قبول کرنے کی اہلیت رکھنے والے دلوں کو ہدایت کی روشنی سے منور کر دیا تھا۔ وہ بھی اب جانے والوں کی مفارقت کے صدمہ سے مجبور ہو کر ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور یہاں میدان بالکل خالی کر گئے۔ لیکن آپ کا یہ حسنِ ظن اپنے منطق کچھ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ ہم نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں لیکن اسکی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ اسے اگر زندہ رکھنا ہوگا تو وقت مقررہ سے پہلے ملک الموت کو حکم نہیں دیگا اور پاک اور مقدس روحوں نے یہ فریاد کی کہ "اے الہ العالمین! کیا آج کے دن کے لئے ہم نے تیری حکومت کا ڈنکا بجایا تھا۔ ہم نے تو محض تیرا نام زندہ رکھنے کے لئے اور تیرے ہی حکم سے یہاں آکر ڈیرے ڈالے تھے۔ تیرے عشق سے سرشار ہو کر ہم نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا۔ ہم تو تجھے اپنے آبائی وطن میں ہی دیکھ سکتے تھے لیکن تیرا ہی حکم تھا کہ میرا جلوہ دیکھنے کے آرزومند ہو تو عزیز و اقارب کو چھوڑ کر وطن کی جدائی کا پتھر سینہ پر رکھ کر دشوار گذار پہاڑوں میں اٹکتے بھٹکتے وہاں پہنچ جاؤ جہاں ٹھہرنے کا ہمارا حکم ہے چنانچہ اے مولیٰ ہم تیرا نام لیکر تیری رہنمائی میں نکل کھڑے ہوئے اور جہاں جہاں قیام کا حکم ہوا وہاں سرِ تسلیم خم کر کے دھونی رما بیٹھے اور تیری غیبی امداد اور خاص فضل و کرم سے دو سب کچھ

ہوا جس کا تجھے علم ہے اور جس کے لئے خود تو نے یہاں کھینچ لایا تھا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ زمانہ گذر جانے کے بعد ابلیس نے بعض کو بہکا لیا اور وہ غلط روش پر گئے جس کی سزا تو نے ایسی سخت دی کہ خون سے خون جدا ہو گیا لیکن تیرے نام کے سامنے اسکی کوئی حقیقت نہیں۔ خود رسول خدا کے وہ تمام رشتے کالعدم قرار دیئے گئے تھے جنہوں نے تیری ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب اے ہمارے مولا! اپنے رسول کے طفیل معاف کر دے اور اپنے نام کی لاج رکھ لے ہمیں دوسروں کی نظروں میں خفیف نہ ہونے دے۔ ہماری گردنیں شرم سے جھکی ہوئی ہیں کیونکہ ہمارے کانوں میں یہ صدا آرہی ہے کہ مسلمانوں کے خدا نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور اب وہ ان کی بھی نہیں سنتا۔ جنھوں نے تبلیغ اسلام کے لئے "بزعم خود" روحانیت کا جھنڈا ہمارے اس دیس میں گاڑا تھا۔ اے الہ العالمین! تجھے پورا علم ہے کہ "بزعم خود" کے طعنے کی حقیقت کیا ہے ہم تو "ہمارے اس دیس" کے جملے کی بھی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ "ملک خدا تنگ نیست" ہم تو ملک خدا کو "ماست" سمجھتے ہیں یہ سب کچھ خدا تیرا ہی ہے۔ تمام کائنات تیری ہے۔ ہم سب تیرے ادنیٰ غلام ہیں بس تو ہم پر رحم کر اور اپنے نام کا علم بلند کرانے کا سامان پیدا کر دے"۔

چنانچہ مذکورہ بالا تصویر سے آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لا سکتے ہیں کہ جس شہر کو زبردستی کلمہ گویوں سے خالی کرا کر ریڈ کلف لائن کے پار دھکیل دیا گیا تھا اور آپ جان بچا کر بھاگ لئے تھے۔ اسمیں اب وہی سماں نظر آنے لگا ہے اور ہماری مقدس ہستیوں کی دعا مقبول ہوئی۔

میرے محترم بھائی الحاج مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی نے مجاہدانہ زندگی بسر کر کے ملک کے بٹوارہ کے بعد سے اب تک جو کچھ کیا وہ انکی زندگی کا کھلا ہوا باب ہے اور بھارت اور پاکستان کے کسی شخص سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگر انہوں نے خود غرضی سے کام نہ لیا تو امید ہے کہ وہ اپنے حصہ کی جنت میں سے کوئی چھوٹا موٹا گوشہ ہمارے لئے بخوشی ہبہ کرنے میں دریغ نہیں فرمائیں گے!!

غیبی امداد | پانی پت سے جانب شرق چند میل کے فاصلہ پر دریائے جمن بہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذرا آگے سرک جانے کا حکم دے دیا جس سے دوسری طرف کے چند گاؤں ضلع مظفر نگر سے نکل کر ضلع کرنال کے علاقہ پانی پت میں شامل ہو گئے۔ انمیں زیادہ تر گاؤں خالص مسلم آبادی کے تھے۔ ان لوگوں کو اب جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے پانی پت آنا پڑا۔ کچھ مسلمان تجارت یا دوسری اغراض سے بھی یہاں آکر مقیم ہو گئے ہیں چنانچہ سولہ سال کے بعد اس سال پہلی مرتبہ عید الفطر ۱۳۸۲ھ کی نماز پانی پت کی عیدگاہ میں ادا کی گئی جس کے متعدد فوٹو لئے گئے تھے لیکن ہم نے صرف یہ شائع کرنا افضل سمجھا جس میں سب اپنے مولا کے حضور میں پیشانی اور ناک رگڑ رہے ہیں اور گناہوں کی معافی مانگ رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم بقول مولانا لقاء اللہ کے آپ سب کی خوشی اور اللہ کا شکر ادا کرنے

کا باعث ہوگا کہ جس ہندو بھائی نے ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو بھگانے اور لوٹنے میں نمایاں حصہ لیا تھا انہی بزرگ نے اب موٹریں اور گاڑیاں بھیجکر ان تمام دیہات سے مسلمانوں کو لاکر عیدگاہ پہنچایا اور پھر واپس انکے گھر پہنچایا۔ کیا اسکے بعد بھی آپ میں ایمان کی کمزوری باقی رہیگی؟ اور آپ اب بھی احساس کمتری کا شکار رہتے رہیں گے۔ لیجئے نعرہ لگائیے۔ "انقلاب زندہ باد!" "اللہ اکبر! اللہ اکبر!! - اللہ اکبر!!!"

تاثرات شورش کاشمیری

پاکستان کی ایک شہرہ آفاق ہستی "شورش کاشمیری" نام کی محبوب ہر خاص و عام ہے اور پاکستان کے بہترین پرچہ ہفت روزہ چٹان لاہور کی ادارت سنبھالے ہوئے ہے، نام کا اثر ہر انسان کے کردار پر ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ شورش صاحب اسی وجہ سے حکومت پاکستان کی "خاص نظر" رہتی ہے۔ اس کا ذکر اس وقت نہیں کیا جاتا بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ پچھلے دنوں ۱۹۶۲ء کے آخر میں وہ اپنی مقدس ہستیوں کے مزارات پر اظہار عقیدت کے لئے حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور جنہیں چھوڑ کر وہ لوگ بھاگ گئے تھے جو ہمیشہ ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہے اور پروان چڑھتے رہے، پانی پت اور دہلی کے درمیان بحالت سفر بتاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۲ء انہوں نے پانی پت کے چند مزارات کے متعلق اپنے تاثرات کو ذیل کے اشعار میں قلمبند فرمایا ہے۔ مولانا لقاء اللہ عثمانی نے جو ۱۹۴۷ء میں جملہ عزیزوں اور کلمہ گویوں کے شہر خالی کر جانے سے تنہا بالذات رہ گئے تھے اپنے وطن پانی پت میں ان کی رہنمائی کی۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۲ء کے "چٹان" (جلد ۱۵ شمارہ ۵۲) سے ہم اسے نقل کرتے ہیں۔ خدا کرے اس "کفرستان" سے "ہجرت مقدس" کرنے والوں کو کچھ شرم محسوس ہو۔

پانی پت میں

(شاہ بو علی قلندر علیہ الرحمۃ کے مزار پر)

یہ عقدہ کھل گیا مجھ پر لقاء اللہ سے ملکر ... زمانہ خواہ کیسا ہو مسلماں ایسے ہوتے ہیں
زبان حمد و ثنا میں محو دل یاد کار کا شیدا ... خدا والوں کے احوال دو جہاں ایسے ہوتے ہیں
سنا ہے یہ قلندر کے مزار پاک سے میں نے ... کہ درویشوں کی چوکھٹ کے نگہباں ایسے ہوتے ہیں
کبیر الاولیاء[1] نے کیا پتہ کی بات کہہ دی ہے ... کہ جب قومیں فنا ہوتی ہیں ساماں ایسے ہوتے ہیں
کھڑا ہوں مظہری افسر کے فلک[2] کی تربت پر ... صدا دیتے ہیں مرقد سے اہل ایماں ایسے ہوتے ہیں
یہ مجھ سے کہہ رہی ہے حالی[3] مرحوم کی تربت ... سخن ایسے ہوتے ہیں سخنداں ایسے ہوتے ہیں

---

[1] جناب کبیر الاولیاء حضرت شاہ جلال الدین ترک (حضرت مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء) سے مراد ہے (ف-و) [2] مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرا [3] شمس العلماء مولانا (خواجہ حافظ) الطاف حسین حالی مرحوم

سمجھایا ہے مجھ کو مجاہد دہلی کی قبروں نے — سیاست میں یہاں کار نمایاں ایسے ہوتے ہیں
نشاں برلب نطاقت ہے کابل باغ کی مسجد[1] — گئے وقتوں کے آثار پریشاں ایسے ہوتے ہیں
نظام الدین[2] کے در سے وفا کا درس مانگی تھی — دل بگڑوں کا پارا ٹھا کر درماں ایسے ہوتے ہیں
میں دلی سے غزل کے سینکڑوں مضمون لایا ہوں
تماوہ نگا کبھی شوق و شن غزل خواں ایسے ہوتے ہیں

[1] پہلے مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کی سرزمین ہند میں پہلی مسجد بمقام پانی پت۔
[2] سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ

ہماری ڈاک

ہمارے جولائی و اگست ۱۹۶۲ء کے سنگم کو دیکھ کر جو مجاہد ملت کی یاد میں شائع کیا گیا تھا ہمیں بہت سے خطوط موصول ہوئے تھے ان میں سے صرف تین کی اشاعت کی گنجائش نکالی جاسکی ہے۔

۱۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم عمومی جمعیۃ العلماء ہند، دہلی سے تحریر فرماتے ہیں:- محترم حافظ صاحب دام ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی، "سنگم" ذوشہرین نے محظوظ فرمایا۔ مجاہد ملتؒ کے متعلق طویل مضمون، موضوع کی دلچسپی اور سحل روزی کے علاوہ صرف مضمون کی حیثیت سے ہی اس قدر دلچسپ اور "ذو حیات" ہے کہ جب شروع کر دیا تو ختم کئے بغیر اشتیاق اور تشنگی ختم نہیں ہوئی۔ باقی جہاں تک احقر کے ضمنی فوٹو اور احقر سے متعلق جناب کے ارشادات کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را" احقر کو فوٹو اور تصویر سے دلچسپی ہے نہ مدح و ستائش سے۔ .... بہرحال التفات عالی موجب امتنان ہے۔

تاریخی نام ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے تیری محفل میں، اتنا عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ضعف و نحافت اور داڑھی کی یہ سپیدی بے وقت ہے۔ احقر کا تاریخی نام مظفر میاں ہے۔ نیاز مند محمد میاں از غربتکدہ ۱۲ رجب ۱۳۸۲ھ / ۹ دسمبر ۱۹۶۲ء

ہماری کم فہمی پوسٹ کارڈ مندرجہ بالا لکھنے کے بعد سرخ روشنائی سے تحریر فرماتے ہیں:- جب کل عریضہ بھیج چکا تو آج یہ کارڈ مل گیا۔ پانچ (نئے پیسے ؟) سے زائد خرچ اللہ کے گھر بھیجی ہے گی۔ محمد میاں

(اس بات کا اعتراف کرنے میں ہمیں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ ہم اس بعد کے مضمون کا مطلب بالکل نہیں سمجھ سکے کیونکہ اس سے پہلے کوئی گرامی نامہ یا عریضہ ہم تک نہیں پہنچا۔ یہی پانچ پیسے کا کارڈ ملا ہے۔ پھر اللہ کے ہاں اسراف کے مواخذہ کا کیا ذکر؟)

۲۔ مولانا وحید الدین صاحب قاسمی
ناظم جمعیۃ علماء ہند (دہلی)

لکھتے ہیں:- "ہمارا سنگم" بابت جولائی و اگست ۱۹۶۲ء مشترکہ نمبر موصول ہوا...... یہ ناکارہ انتہائی شرمندہ ہے کہ اس سے پہلے عریضہ نہ لکھ سکا۔ حالانکہ اس شمارہ کا ٹائٹل دیکھ کر بے ساختہ عریضہ لکھنے کی تحریک طبیعت میں ہوئی تھی مگر ...... محروم رہا۔ حضرت مجاہد ملت کے سلسلہ میں لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور سب ہی اپنے اپنے تعلق کا اظہار فرمائیں گے لیکن ان کی زندگی کا اصل حال کون لکھ سکتا ہے۔ بالخصوص ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ تک ایک تاریخ ہے۔ باوجود عزم و ارادہ کے وہ خود بھی ان دنوں کی آپ بیتی نہ لکھ سکے اور نہ لکھا سکے تو اب نصیب اور مرثیہ ہی باقی ہے۔ کاش چند اہل قلم ہمدرد حضرات ان کی حقیقی زندگی منظر عام پر لانے کی سعی فرمائیں۔ مجھے تو واقعی ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مجاہد کو میدان میں نیند آگئی ہے۔ خدا کرے آپ اس سلسلہ کو قائم و باقی رکھ سکیں اور شاید آپ کی معرفت کچھ حقائق سامنے آسکیں۔ اس پیرانہ سالی میں آپ کے عزائم اور آپ کی جدوجہد نہ صرف قابل رشک بلکہ لائق تقلید ہے مگر ہر مئی کے واسطے دار و رسن کہاں؟ توجہ اور دعا کی التماس ہے......

آپ کا مخلص محمد وحید الدین قاسمی ۱۶ نومبر ۱۹۶۲ء

۳۔ مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی
کے دو پوسٹ کارڈ

مورخہ ۱۲ و ۲۲ نومبر ۱۹۶۲ء ایک ساتھ ۲۳ نومبر کو موصول ہوئے۔ مولانا مقتدیٰ خاں صاحب شروانی اور شیخ عبداللہ صاحب بانی عورتوں کا کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ہی وہ ہستیاں اب ایسی باقی رہ گئی ہیں جنہیں آثار الصنادید کہا جاسکتا ہے۔ خصوصاً شروانی صاحب جن کی عمر شریف اب نوے سال کے لگ بھگ ہے علیگڑھ کالج اور یونیورسٹی سے عرصہ دراز تک بلکہ عمر بھر وابستہ رہے ہیں۔ جب تحریک خلافت اور عدم تعاون شروع ہوئی اور مولانا محمد علی مرحوم کو کالج سے بذریعہ فوج نکلوا دیا گیا اور جامعہ ملیہ قائم ہوئی اس وقت اخبارات میں میرے کافی مضمون اس تحریک کی حمایت میں نکلتے تھے جن کا بھرپور جواب بھی مختلف القابوں کے ساتھ علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں جناب قبلہ شروانی صاحب جو اس کے ایڈیٹر بھی تھے دیا کرتے تھے۔ صرف ایک کا عنوان اب تک ذہن میں محفوظ ہے "بندر کی ڈگڈگی یعنی محمد علی ڈگڈگی بجاتے تھے اور میں اس پر ناچتا تھا" — جزاک اللہ!

مگر ان کی عزت باوجود ان کی قابلیت ان کی خدمات ان کی بے نفسی اور ان کی زندگی کے ہمارے دل میں ہمیشہ رہی اور اب تک سر تعظیم خم کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہونا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ وہ جب بھی اپنے سرفراز نامہ کے ذریعہ ہمیں نوازتے ہیں تو قدیمی روایات کے مطابق ہماری اصلاح کے لئے کچھ نہ کچھ نصیحت ضرور فرماتے ہیں۔

مجاہد ملت نمبر میں پہلے صفحہ پر "سلام (در مدح خیبر علیہ السلام)"
کے تحت ایک شعر "کیفیت سرمدی" سے نقل کیا گیا ہے جو مولوی عبدالرب کیفیت
ملیح آبادی کی فکر طبع کا نتیجہ ہے۔ "نہ مانگی دعا جس نے ربّ جلالی۔
سیجملہ سے بالا دو مرتبہ آشیاں ہے" اس کے متعلق فرماتے ہیں :۔ "تیغ سنگم
سے عمر میں (اسکی ادبا بھی) اول مرتبہ دھماں ہوا "سلام" کا نمونہ مندرجہ بالا
شعر درج کیا ہے) مسیح پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ ابوبکرؓ افضل البشر بعد الانبیاء
ہیں کسی امتی نے پیغمبر کے بھی درجہ کو نہیں پہنچے۔ ان کے بھی استاد نے فرمایا ہے
ـــ اللہ کے ملنے میں وحدت کے سوا کیا ہے۔ جو مانگنا ہو تم کو مانگو وہ محمدؐ سے۔
ـــ گرہمیں سنگم ست وایں نگراں، کار مسلم تمام خواہد شد۔ راقم یہ بھی
بھول بیٹھے خوب جانتے ہو، از جعتاری کیا ؤنڈ رسل گنج علیگڑھ۔"

دوسرا پوسٹ کارڈ: "تیغ سنگم ج ش ص اشتہار کتب" [حروف
مقطعات سے مراد جلد ۵ شمارہ ۱ و ۲ ہے۔ اور اس شمارہ کے آخر میں جو فہرست
کتب درج ہے اس کے ہر صفحہ کے نیچے کی طرف درج شدہ صفحہ ۲ پر ہم نے
سطر ۱۱-۱۲ میں ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ کے قیام کے وقت حضرت
شیخ الہندؒ کے بصیرت افروز خطبہ افتتاحیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسکے متعلق
تحریر فرماتے ہیں] "۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء والا خطبہ منسوب "حضرت شیخ الہند" ہرگز ہرگز
ہرگز ان کا نہ تھا۔ وہ اس حالت میں ان کے بستر مرض کے برابر بیٹھ کر لکھا گیا کہ ان پر
شدید غشی طاری تھی بستر مرض جامع مسجد کالج میں ناظم کے کمرہ میں رکھا گیا
اور بعد نماز جمعہ کے محراب میں رکھ کر خطبہ پڑھ دیا گیا۔ حضرت موصوف بوجہ نقاہت
واشتداد غشی جملہ فرائض ساقط تھے۔ چنانچہ نماز جمعہ ادا نہ فرما سکے تھے۔ اس
موقعہ پر مسجد اجتماع کے لیے مسلم وغیر مسلم کا امتیاز نہ تھا اور بالکل کسی میلے
کا جھمیلا تھا۔ چنانچہ خوانچے والے مسجد کے صحن میں تھے اور کیلے اور سنترے
کے چھلکے قبو رہے۔ وہی شعر ــ گرہمیں سنگم وہمیں نگراں ست۔ کار مسلم
تمام خواہد شد" (نام وغیرہ کچھ درج نہیں ہے)

یہ انکشاف تو آج ہوا ہے کہ وہ خطبہ ان کا نہیں تھا۔ اتنا تو سبکو
معلوم تھا کہ وہ بیحد علیل تھے اور خود پڑھ بھی نہیں سکتے تھے لیکن پھر جب
خطبہ کا علم تک نہیں نہ تھا تو اس شدید علالت کی حالت میں اتنے لمبے سفر کی
زحمت کیوں گوارا کی۔ جناب رب اسلام کے شعر پر اعتراض۔ یہ ادبی اور شرعی
نقطہ نظر سے بالکل صحیح ہے لیکن جیسے میں جناب کو "قبلہ وکعبہ" لکھتا ہوں
اور کبھی اشتباہ سننے میں نہیں آیا۔ اسی طرح یہ بھی شاعرانہ تخیل اور انتہائی
عقیدت پر مبنی ہے۔ گستاخی کی معذرت قبول فرمائیے۔

بزرگانِ پانی پت کی یاد میں ـــ!

[اس پرچہ کے ٹائٹل کے آخری صفحہ پر جو فوٹو بلاک چھاپا گیا ہے اور عیدگاہ
پانی پت میں نماز کا جو منظر دکھایا گیا ہے اسکے متعلق ہم صفحہ ۴ اور ۷ پر پانی پت سے
پاکستان جانے والوں کو مخاطب کرکے "غیبی امداد" کا ذکر کر چکے ہیں۔ دو سال ہوئے
ہندوستان کے مشہور ہفت روزہ پرچہ "پیام مشرق" کی ۱۴ مئی ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں
صفحہ ۴ پر ہمارا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں ہم نے عقیدتاً اس امید کا اظہار
کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگان دین اور اولیائے کرام کے طفیل ضرور معاف
کر دیگا اور دنیا دیکھ لیگی کہ ہوا کا رُخ کس طرح بدلا کرتا ہے۔
چونکہ اس کا ظہور ہونے لگا ہے اسلئے ہم اس پرچہ میں اپنا وہ مضمون پیام مشرق
سے نقل کرتے ہیں تاکہ آپ کو حالات کا جائزہ لینے اور موازنہ کرنے کا موقع مل سکے
اور آپ دعا کریں کہ اب اللہ تعالیٰ ہمیں مزید آزمائش میں نہ ڈالے اور ہمیں توفیق
دے کہ ہم اس کی راہ سے بھٹکنے نہ پائیں :- (ف۔ا)]

جناب محترم مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی نے
روزنامہ الجمعیۃ کے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۵ مارچ ۱۹۶۱ء میں بزرگان پانی پت کے
متعلق ایک نہایت مفید اور معلوماتی مضمون سپرد قلم فرمایا ہے جس کا سلسلہ ابھی
کچھ عرصہ جاری رہے گا۔ دہلی کے بعد پانی پت ہی ایک ایسا شہر ہندوستان میں ہے جو
اپنی تاریخی اہمیت کے علاوہ اس لئے بھی قابل ذکر اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ
اس کے گوشہ گوشہ میں اللہ کے نیک اور مقبول بندے آرام فرما رہے ہیں۔ اس نے
بہت انقلاب دیکھے ہیں اور ہندوستان کی حکومتوں کی قسمت کا فیصلہ کئی بار اسکے
میدان میں ہوا ہے جو چالیس میل تک پھیلا ہوا ہے اور جس کے دوسرے سرے پر
وہ مقام واقع ہے جہاں کورو پانڈو کی مشہور جنگ[۱] ہوئی تھی اور محض ذرا سی
بات پر بھائی نے بھائی کا خون بہایا تھا اور جو کورکشیتر کے نام سے مشہور
ہے اور جہاں سورج گرہن کے موقعہ پر مقدس تالاب میں اشنان کرنے کے
لئے ہندوستان میں سب سے زیادہ یاتری جمع ہوتے ہیں۔

پانی پت کی آبادی ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے وقت پچاس ہزار تھی جس میں چالیس ہزار مسلمان تھے۔
گاندھی جی نے بہت جد و جہد کی کہ یہاں کے مسلمان محفوظ رہیں لیکن حالات
ایسے پیدا کر دئے گئے کہ صرف ایک مسلمان باقی رہ گیا۔ باقی بستی کی پوری
مسلم آبادی شہر خالی کر دینے پر مجبور کر دی گئی۔ تین اشخاص کا ایک وفد
(ایک ہندو مسٹر کرشن نائر، دوسرا سکھ سردار گوربچن سنگھ کیپٹن اور تیسرا
مسلمان راقم الحروف) پانی پت بھیجا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے

[۱] مہابھارت۔

بازرکھے لیکن افسوس مقامی حکام نے کسی شرط پر بھی گوارا نہیں کیا کہ مسلمان وہیں رہیں اس کی پوری کیفیت ایک طویل مضمون کی محتاج ہے جسے پھر بیان کیا جاسکیگا۔ غرض مسلمان نہیں مانے اور وہ سب چلے گئے۔ صرف مولوی لقاء اللہ صاحب عثمانی رہ گئے تھے۔ ان کے اہل و عیال بھی سب انہیں چھوڑ کر چل دیے اور یہی مردِ مجاہد ڈٹا رہا۔

۱۹۱۹ء میں جب تحریکِ عدم تعاون شروع ہوئی تو گاندھی جی نے بعض شناسی سے کام لے کر تحریکِ خلافت کی رہنمائی علی برادران (مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی) کی معیت میں اپنے ذمہ لے لی تھی اس لیے مسلمان جوق در جوق کانگریس میں شامل ہو کر نان کوآپریشن کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ پانی پت میں اس تحریک کے بنیادی اشخاص تھے۔ ایک مولانا لقاء اللہ اور دوسرے میرے چھوٹے چچا صوفی اقبال احمد صاحب مرحوم۔ یہ دونوں اسی سلسلہ میں پانی پت سے تیس میل کے فاصلہ پر قصبہ سونی پت میں گئے اور وہاں خوب زوردار تقریریں کیں۔ لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند تھے۔ ان کے نام کو بگاڑ کر چیلم پھوڑ بار بار کہا۔ تحریک کا ابتدائی زمانہ تھا جبکہ انگریزی حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر لانا انتہائی جرم سمجھا جاتا تھا چہ جائیکہ عدم تعاون کی تحریک ہو اور چیلم پھوڑ کے نام سے منسوب کی جائے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گرفتار کر کے رہتک بھیج دئے گئے جو سونی پت کا ضلع تھا۔ مقدمہ کے فیصلہ میں کالا پانی کی سزا ہوئی لیکن بعد میں وہ پانچ سال کی قیدِ سخت میں تبدیل کر دی گئی اور یہ دونوں حضرات پنجاب کے دور دراز علاقہ میں جو کسی طرح بھی کالا پانی سے کم نہیں تھا میانوالی جیل میں بھیج دئے گئے، جہاں بعد میں پنجاب کے اور مشہور سیاسی کارکن بھی شاہی مہمان کی حیثیت سے بھیج دئے گئے تھے۔ مگر یہ دونوں سیاسی قیدی سابقون الاولون میں سے تھے۔

خواجہ سہیل احمد، خواجہ صوفی اقبال احمد مرحوم کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔ پانی پت سے ہجرت کے بعد جب وطن کی یاد نے انہیں ستایا اور جنگانِ پانی پت کا خیال چٹکیاں لینے لگا تو انھوں نے پانی پت سے مخاطب ہو کر اپنے تاثرات کا اظہار جن الفاظ میں کیا اس کی مطبوعہ کاپی مجھ ناچیز کو بھی بھیجی کیونکہ میں اپنے وطن میں ہی بے وطن تھا۔ وہ تو مہاجر تھے اور میں نہ الّا الذی نہ اُولا الذی۔ پانی پت دلی سے ۵۳ میل کے فاصلہ پر ہے لیکن میرا مکان میرے لئے شداد کی بہشت سے کم ثابت نہیں ہوا جس کی تفصیل کبھی آپ کو لکھوں گا تو آپ کو سیکولر کے خوابوں کی پوری تعبیر ملے گی۔ یہ چیز کئی سال سے میرے پاس محفوظ تھی۔ اب جبل پور کے واقعات نے جب تمام پرانے زخم ہرے کر دئیے تو مناسب معلوم ہوا کہ اپنے چچازاد بھائی خواجہ سہیل احمد کے جذبات پیامِ مشرق کے ناظرین تک پہنچاؤں اور جن کے سینہ میں درد بھرا دل ہو ان سے درخواست کروں کہ وہ غور سے پڑھیں۔ ہمیں کم و بیش پانی پت کے ان تمام بزرگوں کے متبرک نام درج ہیں جو موجودہ نسل کے دماغوں اور ان کی یاد میں محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں بزرگ ایسے ہیں جن کو جاننے والے بھی اس صفحۂ ہستی پر موجود نہیں ہیں۔ اللہ سب کی مغفرت کرے اور ان بزرگانِ دین کے طفیل ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔ اگر ہمارے جرم اتنے سخت نہ ہوتے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے یہ بزرگانِ دین بھی ہمیں برداشت نہ کر سکے اور ہم سے اسقدر بیزار ہوئے کہ سب کو شہر بدر کرا دیا تو یقیناً صورتِ حال بالکل مختلف ہوتی۔ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن بزرگوں کے طفیل ضرور معاف کریگا اور دنیا دیکھ لیگی کہ ہمارا کل رُخ کس طرح بدلا کرتا ہے۔ اب آپ تاثرات خواجہ سہیل احمد ملاحظہ فرمائیے۔

پانی پت کے نام

پانی پت اے مرجعِ اہلِ صفا و علم و فن
تیرا شہرہ تھا جہاں میں انجمن در انجمن

تجھ کو ارحمٰنؒ نے بسایا خونِ اسمٰعیلؒ سے
ساتھ ہی اُٹھیں گے دونوں صورِ اسرافیل سے

شیخ کالوؒ، شیخ پیراںؒ، سید روشن علیؒ
شیخ بو اسحاقؒ غازی حضرت سرورؒ سخی

خاک میں پنہاں ہیں تیری قاسمؒ و بدر و شہیدؒ
صاحبِ تختِ امانت گازرونیؒ سعید

کھینچ لائی سید محمودؒ کو تیری زمیں
آنکھ کی ٹھنڈک عراقیؒ کو ملی آکر یہیں

شاہ شرف الدینؒ قلندر صاحبِ جذب و سلوک
فخر سے قدموں میں جس کے سر جھکاتے تھے ملوک

تیری آغوشِ محبت میں وہ لعلِ بے بہا
پرورش پا کر بنا تھا زیبِ تاجِ اولیاء

ست جگ میں اس شہر کا نام پانی پرست تھا اور مہاراجہ [illegible] نے جو پانڈوؤں کا جانشین تھا اس شہر کو کلجگ میں دوبارہ بسایا اور اسکا نام پانی پت رکھا۔ [illegible] سید اسمٰعیلؒ بن امام محمد [illegible] بن امام جعفر صادقؒ [illegible] شہید کے سر [illegible] حضرت امام [illegible] جن میں [illegible] شہید سید روشن علیؒ، شیخ پیراںؒ، امام ابو اسحاقؒ، سید [illegible] امام ابو القاسمؒ اور سید [illegible] شامل تھے [illegible] پانی پت [illegible] جامِ شہادت نوش کیا۔ [illegible] میں خواجہ عبدالرحمٰن گازرونیؒ [illegible] اس شہر کو تسخیر کر کے یہاں اقامت اختیار کی۔ [illegible] سید محمودؒ [illegible] مولانا فخرالدین عراقیؒ [illegible] والد حضرت قلندر صاحبؒ۔

شوق کے عالم میں جب ہوتا تھا وہ نغمہ سرا
اس کا اندازِ تغزل قدسیوں کو بھا گیا
خواجہ شمس الدین کلیر سے یہے آ کر یہاں
شہ جلال الدین کبیر الاولیا مخدوم ما
مظہرِ نورِ حقیقت مرکزِ علم و یقیں
خوشہ چینی کے لئے پیر ہرات آئے یہاں
قاعدہ شبلی علیم و عبد قدوس و نظام
شہ نصیر و شہ زماں ۔ حاجی ولی ۔ احمد حسن
پیر کنیا ۔ سید سلطاں ۔ اولاد نبی
احمد اللہ ۔ رحمت اللہ حضرت قاضی ثنا
سید داؤد و قنبر مولوی احمد حسن
قاری لالہ ۔ عبد رحمن فخرِ قراءِ جہاں
شیر افگن ۔ بخشی و خواجہ معین الدین دلیر
حاتم ثانی مقرب خاں وزیر بادشاہ
شیخ بینا ۔ شیخ زینا اور حکیم اللہ دیا
یادگاریں ان کی تجھ میں آج بھی موجود ہیں
مقبرہ لودھی کا ۔ کابل مسجد اور وہ کالا آم
شمع آزادی میں جلتا تھا حسینی کا لہو
ابتدائے جنگ آزادی ہوئی اقبال سے
حضرت ملا مسیح ۔ مجروح ۔ حالی و تسلیم
مجلسیں قائم تھیں شعر و شاعری کی کو بکو
اب کہاں باقی ہے وہ ماحول وہ شعر و سخن
گود نے پالے تھے تیری کس قدر اہلِ کمال
اب نہ پیدا ہونگے یہ بطلِ جلیل اس خاک سے
غیر بھی آتے تو سینے سے لگا تا تو انہیں
حسن کی گرمیٔ محفل اس کے دیوانوں سے ہے
آج نا جنسوں سے اپنی آشنائی یاد کر
صبر کر اس سے بھی بد تر وقت آئیگا کبھی
مٹ نہیں سکتا کبھی سینے سے تیرے غم کا داغ
دل مچلتا ہے کہ آؤں دیکھنے کو ایک بار
تیرے کوچوں میں پھروں یا خوں میں گھوموں رفتہ رفتہ

دل پہ کھل جاتا صورت سرمدی کا ماجرا
شعر کے پردے میں اسرارِ جنوں سمجھا گیا
ان کا فیضِ نور سارے ہند پہ ہے ضوفشاں
سالکِ راہِ طریقت مخزنِ جود و سخا
جگمگا اٹھی تھی ان کے دم سے یہ تیری زمیں
پیر مکی نے اسی گلشن سے کئیں گل چینیاں
شیخ مودود و سراج الدین اماں عبد السلام
شہ مبارز ۔ شہ کبیر و غوث علی و گل حسن
درسِ زہد و اتقا تھی جن کی ساری زندگی
مخزنِ علمِ شریعت منبعِ صدق و صفا
یہ بزرگانِ زمانہ تھے ترے سرو چمن
ہیں یہ سب آسودۂ خواب آج بھی تیرے یہاں
خان صادق خاں رضی ۔ زکریا خاں اور شیر
سایۂ دولت میں جن کے لوگ پاتے تھے پناہ
چاک دامن جن شفا دستوں نے صحت کا سیا
جانشینوں کے لئے ان کے مگر مسند وہیں
ذرہ ذرہ ہے ترا مشہور تاریخی مقام
ایسے بطلِ حریت کو کیا بھلا سکتا ہے تو
غلغلہ اٹھا وطن میں تیرے ہی اس لال سے
شاعری کا طور تھا اور یہ تھے تیرے کلیم
تیرے علم و فن کا شہرہ تھا جہاں میں چار سو
خواب ہو کر رہ گئیں ساری روایات کہن
تجھ کو بخشا تھا انہیں لوگوں نے اوج لازوال
نام روشن تیرا ہم رکھیں گے ارضِ پاک سے
بے تعلق کیوں ہے ہم سے دور رکھتا تھا جنہیں
رونقِ شمع شبستاں یعنی پروانوں سے ہے
پھر اگر فرصت ہو ہم سے بے وفائی یاد کر
اپنی تہذیب و تمدن پر نہ کر ماتم ابھی
ڈھونڈتا پھر اب نہیں تو لے کے ہاتھوں میں چراغ
وہ چمن جس میں گذارے تھے کبھی لیل و نہار
سیر کر لوں روضوں پہ چل کر ہوسکوں حسبِ طلب

پیر ہرات خواجہ ملک علی انصاری
مولانا سراج الدین مکی
خواجہ عبد القادر ۔ خواجہ شبلی شہباز ۔ شیخ علیم اللہ
ابدال ۔ خواجہ عبد القدوس عثمانی ۔ خواجہ نظام ۔
شیخ مودود لاری ۔ مولانا سراج الدین رکوعی ۔
شیخ امان پانی پتی ۔ شیخ عبد السلام شاہ اعلیٰ ۔
شیخ نصیر ۔ شاہ زماں ۔ حاجی ولی محمد ۔ پیر جی
احمد حسن ۔ شاہ مبارز خاں ۔ شیخ کبیر بالا پیر ۔
مولوی غوث علی ۔ مولوی گل حسن ۔ پیر کنیا خلیفہ مخدوم
صاحب ۔ سید سلطان احمد کچی آبی والے ۔ قاضی القضات
قاضی احمد اللہ ۔ مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی ۔ بیہقی ہند
قاضی ثناء اللہ محدث ۔ سید داؤد دنگ ۔ سید قنبر علی
شہید ۔ مولوی احمد حسن صاحب ۔ قاری لالہ صاحب
قاری عبد الرحمن محدث ۔ نواب شکر اللہ خاں
شیر افگن گورنر ٹھٹھہ ۔ خواجہ عبد الرزاق بخشی عالمگیر ۔
خواجہ معین الدین دلیر دل گورنر کابل ۔ نواب لطف اللہ
خاں صادق وزیر بہادر شاہ ۔ نواب رضی اللہ خاں رسائخ
وزیر بہادر شاہ ۔ نواب زکریا خاں گورنر لاہور ۔ نواب
محمد علی خاں شیر دل مصنف تاریخ مظفری ۔ نواب مقرب خاں
وزیر جہانگیر ۔ شیخ بینا حکیم ۔ شیخ زینا حکیم اکبر بادشاہ ۔
حکیم اللہ دیا طبیب شاہجہاں ۔ مقبرہ سلطان ابراہیم لودی ۔
مسجد کابل باغ تعمیر کردہ بابر ۔ کالا آم یادگار فتح احمد شاہ ابدالی
مولانا حسینی مجاہد حریت ۔ صوفی اقبال احمد لیڈر تحریک خلافت
ملا مسیح ترجمہ مہابھارت بنظم فارسی ۔ میر مہدی حسن مجروح
شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی ۔ مولوی وحید الدین سلیم ۔

[... خوب ! اتنا سمجھ کر تو ال کو ڈانٹتے ؟ کس نے بیوفائی کی ؟ ... کس نے منع کیا ہے ؟ روضوں پر سجے ہیں آپ کا ہجری اور دل میں جو خوف اور ڈر ہے ! ... حسب طلب ؟ یا بلا اجازت ؟
جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو وہ توبہ کرے معافی مانگے مگر خضوع قلب سے ۔ انشاء اللہ معذرت اور مجبوری مقبول ہوگی اور حاضری کی سب راہیں کھل جائیں گی ۔ (ف ۔ ا) م]

تیری الفت سے مرا دل آج بھی معمور ہے
طور ہے سینہ مرا اور تو چراغ طور ہے

تیری الفت میری غیرت پر سراسر پیار ہے
دید کی طالب ہے وہ، یہ نام سے بیزار ہے

ہاں مگر آثار ماضی کا تعلق آج بھی
ہم میں باقی ہے جو تو رکھے گا اسکی لاج بھی

یہ بزرگوں کے مقابر اک امانت ہیں مری
یاد رکھنا امتحان گاہ دیانت ہے تری

رابطہ قائم رہے گا ہم میں گو ہو مختصر
یادگاریں سب رہیں محفوظ تیرے پاس اگر

بس فصیح اللہ کا یہ آخری پیغام ہے
دے سکے تو اس کی الفت کا یہی انعام ہے

خواجہ سہیل احمد انصاری پانی پتی سرگودھا (پاکستان)

۱؎ چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد امانت کسیمیا (ت۔ ن)

۲؎ آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ فصیح اللہ کا کلام ہے جو خواجہ سہیل احمد کے اموں زاد بھائی ہوتے ہیں اور انکی ہی حرف میں نام کا مطلب یہ ہے کہ سہیل کی طرف سے اسکی اشاعت ہوئی لیکن ہمارا خیال ہے کہ کلام سمیع اللہ صاحب شفق الاسمی جو فصیح اللہ کے والد ہیں اور جنھوں نے اپنا نام اخفا میں رکھنے کی غرض سے اپنے ہونہار فرزند کے نام سے اسے منسوب کر دیا ہے تاکہ ان دین کا سایۂ برکت انکے علاوہ انکی سب اولاد اور عزیزوں پر بھی ہے آمین!

ہندی چینی بھائی بھائی!!

بزرگوں نے اور مذہبی پیشواؤں نے جہاں سو ظنی کی سخت مخالفت کی ہے وہاں ہمارے بڑوں نے یہ بھی تاکید کی ہے کہ اجنبی لوگوں سے جن کی عادات و خصائل سے تم بخوبی واقف نہ ہو اس قدر گھل مل کر بات نہ کرو کہ وہ تمہارے راز دل سے واقف ہو جائیں۔ دانا لوگ تو اپنے عزیز ترین دوست سے بھی دل کی بات اخفا میں رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ شادی جو عین خوشی اور راحت اور سکون قلب کیلئے کی جاتی ہے بعض اوقات مصیبت کا باعث بن کر جان لیوا ثابت ہوتی ہے ہندوستان میں تو ابھی تک شادی ایک بازاری سودے بازی کے طور پر بھی کیجاتی ہے، ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بلکہ بعض اوقات ایک بڈھا کھوسٹ جسکے نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت ہو ایک پچیس برس کی حسین لڑکی سے ازدواجی رشتہ کرنے میں نہایت آسانی سے کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ لڑکی کے والدین ہونے والے داماد کی جائداد و نقدی کے لالچ میں غریب معصوم لڑکی کو دھکیل دیتے ہیں اور نہ صرف شروع میں کافی رقمیں کرتے ہاں ہڑپ کرتے ہیں بلکہ بدنیتی اور لالچ بھی ان کو اندھا بنا کر اس امید میں رکھتے ہیں کہ بڈھا جلدی مر جائیگا اور اسکی جائداد پوری کی پوری یا اس کا بہت بڑا حصہ اس لڑکی کے حصہ میں آجائیگا جس پر قبضہ ہمارا ہی ہوگا اور لڑکی کسی دوسرے کے ساتھ چلتی کر دی جائیگی۔ کچھ دنوں سے آس پاس کے رہنے والے اور پڑوسی نوجوان ہمت کر کے میدان میں آنے لگے ہیں اور ایسی شادی میں حائل ہو کر حتی الوسع کامیاب ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی چوری چھپے یہ فعل جاری رہتا ہے اور لڑکی اپنی زندگی کو ایک مصیبت اور محض انسانی ہوس کا شکار سمجھنے لگتی ہے۔ اور سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے میں حجاب محسوس کرتی ہے اور تنہائی میں سر پھوڑ پھوڑ کر روتی ہے۔

بعض غیر ملکی شادیاں اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں، بہت سی سیاسی قوتیں ان شادیوں کی محرک ہوتی ہیں اور لڑکیاں کسی "بڑے آدمی" کے دل پہ چھاپہ مار کر اس کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہیں، اور وہ جنسی خواہشات کا متوالا یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بہت بڑا تیر مارا اور ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی یا ایک افسر اعلیٰ یا سیاسی رہنما کی بیٹی کو پاکر دنیا کی ایک بڑی نعمت حاصل کر لی ہے اور بہت فخر سے اپنے طرز پر لے آتا ہے اور وہ تربیت یافتہ جسے کسی مقصد سے اپنے آپ کو اس نا عاقبت اندیش کی گود میں ڈالدیا ہے رفتہ رفتہ اس کو اس طرح شیشہ میں اتار لیتی ہے کہ وہ ملک کی ہر سیاسی بات اس کے کان میں ڈال دیتا ہے اور وہ اسے آگے پہنچا کر رہتی ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ ملکی سیاست کا پانسہ پلٹ جاتا ہے۔ یا کشتی گرداب میں پھنس جانے لگتی ہے اور قوم کی قوم مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یہی حال ان غیر ملکی حکمرانوں کا ہے جو آئے دن ایک دوسرے کے ہاں مہمان آتے جاتے رہتے ہیں اور فوج اور لشکر کی قوت یا کمزوری اور تمول یا غربت کا اندازہ اور ٹوہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ ہمارا کوئی ہمدرد، غمگسار اور رفیق نہیں ہے اور ہم ہیں کہ انکے اس نقطۂ نظر کو سمجھنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے جو آنے والوں کے ذہن میں پوشیدہ ہوتا ہے اس غلط فہمی یا حسن ظن میں ہم اپنا تھوڑا بہت اثاثہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ اس کی زندہ مثال وہ ہمارا اندازی ہے جو ہندی چینی بھائی بھائی کے نعرے نے ہمیں بالکل مجنون بنا رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہونے دی اور آخر کار اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اس پر مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔ کاش ہم اب بھی زیادہ فراست سے کام لیں۔ اللہ ہماری غلطیوں کو معاف کرے۔

چین کی جارحیت کے متعلق آل انڈیا ریڈیو دہلی نے ایک مشاعرہ کیا تھا جس میں سب ہی شعرا نے اپنے اپنے کلام سے سب سننے والوں کو گرما دیا تھا۔ ہم فی الحال صرف جناب جگن ناتھ صاحب آزاد کا کلام درج کرتے ہیں جو ہمیں سب سے زیادہ پسند آیا اور جنہیں ہم عرصے سے۔

محسن کش واحسان فراموش

کل رات میں آزاد اسی فکر میں گم تھا
اس میکدۂ زیست میں کیا نیش ہے کیا نوش

بیگانۂ احساس مروت جو ہے اتنا
ہمسایہ مرا کیا ہے باہوش کہ بیہوش

کیا بات ہے کیوں بھول گیا ہے مرے احسان
واجب کئے کیوں میری محبت کا تقاضا فراموش

ناگاہ صدا آئی یہ خاموشیٔ شب سے
اس دور میں افسوس ہوئے شاہد غم کوش

ماضی جو بصیرت ہے تو فردا پہ نظر رکھ
آئینۂ اقوام نہ امروز نہ ہے دوش

اُس ملک کا انجام زمانے پہ ہے ظاہر
جو ملک ہو محسن کش واحسان فراموش

جگن ناتھ آزاد

(ماخوذ از ... بیسویں صدی ... ۲۰۔۱۔۶۳ء)

لگن | کیلاش راہی کا اُٹھنا بیٹھنا، سوچنا، کہنا، سُننا سب افسانہ نگاری اور ناول نویسی کی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا ہر فقرہ ان کے اسی اضطراب کو ظاہر کرتا ہے۔ لگن ان کا پہلا شاہکار ہے جس کے متعلق مشہور ناولسٹ دت بھارتی نے بھی مندرجہ ذیل حیرت انگیز تعریفی کلمات میں اس کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ "زیر مطالعہ ناول میں آج کے سماج کی وہ ممی ہے جو چہرے پر ستائیک اپ کرکے خود کو اپنی جوان لڑکی سے زیادہ جوان تصور کرتی ہے جو رجعت پسند بننا چاہتی ہے لیکن ملاّ دبن کر رہ گئی ہے اور اس سماج میں عورت کو عورت بننے کی مہلت ہی نہیں دیتی۔ اگر ناول پسند نہ آئے تو مجھے بیٹھ گالیاں دیجئے گا اگر پسند آ جائے تو مصنف کے حق میں دعا کیجئے گا کہ "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ"۔ لکھائی چھپائی، کاغذ، ٹائٹل سب دیدہ زیب۔ مجلد مع گرد پوش قیمت اڑھائی روپے۔

× **پینی ریڈنگ** | انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں اسکولوں میں ڈراموں کا بہت کم رواج تھا۔ زیادہ تر تعلیمی تفریحی جلسے ہوا کرتے تھے جنہیں عموماً "پینی ریڈنگ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

چال چلن کے سنوارنے، تہذیب کے پھیلانے، قوموں کو بنانے اور سلطنتوں کو عروج دینے میں نظم کا خاص حصہ رہا ہے اور جو نظمیں بچپن میں یاد کی جاتی ہیں وہ دل پر ایک گہرا اور پائیدار نقش بنا دیتی ہیں جس کا لطف زندگی کے آخری ایام میں خاص اثر پیدا کرتا ہے چنانچہ اسی نظریے کے تحت "پینی ریڈنگ" کے جلسوں میں جہاں اور بہت سی چیزیں یا مشتمل Dialogue (انگریزی، ہندی، اردو، فارسی، عربی یا کسی زبان میں صاف اور صحیح تلفظ کے ساتھ شستہ گفتگو) لطیفے، پہیلیاں ہوتی ہیں وہاں نظم پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے۔ وہ نظمیں بھی مختلف زبانوں میں ہوتی ہیں۔

بعض جگہ ان کی نوعیت انوکھی اور جداگانہ ہوتی ہے۔ ان جلسوں کی جھلک آپ کو "پینی ریڈنگ" نام کی کتاب میں ملیگی۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ آج کل ایسی کتاب کا ملنا بہت مشکل ہے۔

پاکٹ سائز کے ۲۰۵ صفحات ہیں۔ دیباچہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ہے جس میں تفصیلی طور پر ایسے جلسوں کی نوعیت پر بحث کی گئی ہے۔ پھر انگریزی میں بہت عمدہ دعا ہے۔ اس کے بعد دس نظمیں انگریزی کی ہیں اور ان کے بالمقابل اردو نظم میں ان کا ترجمہ ہم شعر کے لحاظ اور ترتیب سے ہے۔ انگریزی نظمیں ٹائپ کے حروف میں ہیں اور اردو منظوم ترجمہ خوشخط میں نہایت خوشنما چھپا ہے۔ پھر ڈائلوگ (Dialogue) کے ذریعے ایک نہایت دلچسپ ٹی پارٹی کا ذکر ہے جو کہ ایک مدرسے کے طلبہ کی انجمن یا سوسائٹی کے سالانہ "انتخابات" میں کامیابی پر دی گئی ہے۔ اور جس میں ۲۶ مختلف المزاج مہمانوں کے لئے ۲۶ مختلف قسم کی چائے کا انتظام کیا گیا ہے جن کے دلچسپ مگر صحیح نام اس میں دئے گئے ہیں اور جو طلبہ کے لئے تعلیمی اعتبار سے بہت مفید ثابت ہونگے۔ کتاب انگریزی دعائے وطن پر ختم ہوتی ہے۔ قیمت پچھتر نئے پیسے۔ چند نسخے باقی رہ گئے ہیں۔

مصنوعی بارش | سائنس نے اس زمانہ میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ رات دن نئے نئے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ زمین پر رہتے رہتے اکتا گئے ہیں۔ اور اب اوپر کی فضا میں بسنے کی خواہش رکھتے ہیں چنانچہ چاند، سورج، مریخ اور نہ معلوم کن کن سیاروں کی طرف نظر لگائے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اب روسی عورتوں نے بھی ساری دنیا کے گرد دن بھر میں کئی کئی چکر نہایت کامیابی سے لگائے اور قدرت کے نظارے دیکھ دیکھ کر بہت خوش اور لطف اندوز ہوئیں۔ اس کتاب میں تو اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جن ممالک میں بارش نہیں ہوتی اور بالکل خشک سالی رہتی ہے وہاں مصنوعی طور سے بادل کھینچ کر بارش برسانے کے انتظامات کیسے کئے جا رہے ہیں۔ کئی جگہ تو تجربات کامیاب بھی ہو چکے ہیں لیکن بعض دشواریوں اور صرف کثیر کی وجہ سے ابھی تک ان طریقوں کو عام نہیں کیا جا سکا۔ تاہم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ انسان بارش برسانے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور امریکہ سے لندن کو بارش کے بادل بطور امداد بھیجے جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب بھی جامعہ کے استاد جغرافیہ پروفیسر محمد امین صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ قیمت ۲۵ نئے پیسے۔

سورج اور اس کا خاندان | یہ نہایت مفید معلوماتی کتاب بھی جناب محمد امین صاحب پروفیسر جغرافیہ کی تصنیف ہے جس میں سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیاروں کا حال نہایت آسان مگر دلچسپ پیرایہ میں بچوں کے ذہن نشین کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ قیمت ۱۰ پیسے

ہاں یا نہ؟

○ کیا آپ "ہمارا سنگم" کے کچھ خریدار بنائیں گے ؟
○ کیا آپ سنگم کتاب گھر سے اچھی کتابیں خریدیں گے؟
○ کیا آپ سنگم بال سبھا کے ممبر بنائیں گے ؟
○ آپ کو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس سے آپ کو کتنا فائدہ ہوگا !!

چور لڑکا | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مشہور استاد عبدالغفار صاحب مدہولی کا نہایت سبق آموز اور اصلاحی ایک ایکٹ کا ڈرامہ کہ بچے چوری کیوں کرتے ہیں اور اس کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے اور ایک بچہ کی چوری کی عادت کیسے چھڑائی گئی۔ نہایت دلچسپ کتاب ہے جس سے بڑے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہر مدرسہ میں یہ ڈرامہ مقبولیت کی نظر سے دیکھا گیا۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

جھوٹا لڑکا | یہ بھی عبدالغفار صاحب کا لکھا ہوا ایک ایکٹ کا ڈرامہ ہے بچے جھوٹ کیوں بولتے ہیں اور اس کا علاج کیا ہے۔ خود بچوں کی عدالت کا نہایت دلچسپ کارروائی کے بعد عاقلانہ فیصلہ جس سے جھوٹ بولنے کی عادت ترک کرنے کا اصلاحی طریقہ اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ قیمت تیس نئے پیسے۔

کرنی بھرنی | منشی فیاض حسین فرقان (ریاضی) موجد تعلیمی تاش (اردو۔ ہندی۔ انگریزی۔ اردو انگریزی۔ مخاطب عربی) اور بچوں کی متعدد دلچسپ کتابوں کے مصنف نہایت ہوشیار اور ذہین انسان ہیں۔ ہر وقت نئی نئی باتیں سوچتے رہتے ہیں۔ یہ شخص اگر ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں پیدا ہوا ہوتا تو موتیوں اور جواہرات میں تولا جاتا اور بڑے بڑے ذہین اور شائقین علم جیسے بڑے حضرات ان کا شاگرد بننا نہایت فخر سمجھتے۔ ملک کی بہت سی بدعنوانیوں کو دیکھ کر انہوں نے بچوں کی نفسیات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ بڑوں کی بد عادتوں کا چھڑانا قدرے مشکل ہے بہتر ہو کہ بچوں کو ان عادتوں سے شروع میں ہی بچایا جائے اور ان کے نقصانات ان کے ذہن نشین کرا دئے جائیں۔ لیکن اگر بچوں کو ڈرا دھمکا کر یا مار پیٹ کر روکا جائے تو وہ اور ضد کرتے ہیں اور اصلاح کی بجائے زیادہ بد چلن ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ایسا کھیل ایجاد کیا جائے جو دلچسپ ہو اور بچوں کے لئے اصلاح کا باعث بھی ہو۔ چنانچہ "کرنی بھرنی" نام کا کھیل ایجاد کیا اس کھیل کی نوعیت تو اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتی ہے یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہ لوڈو کی قسم کا کھیل ہے جسے دو بچوں سے لے کر چار بچے تک بیک وقت کھیل سکتے ہیں۔ یہ کھیل اتنا دلچسپ ہے کہ بچے اس کے مقابلہ میں دوسرا کھیل پسند نہیں کرتے چونکہ اس کے کھیلنے سے اخلاق پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے اسلئے ماہرین تعلیم نے اسے بیحد پسند کیا ہے۔ بچوں کو تحفہ کے طور پر یا انعام کے طور پر دینے سے بچے بہت خوش ہوتے ہیں۔ باتوں کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی یہ کھیل نہایت مفید اور بیش بہا ثابت ہوا ہے۔ تمباکو نوشی۔ غلامی۔ جنگلی پن۔ ڈشمنی۔ بغاوت۔ بد امنی کیوں پیدا ہوتی ہو۔ اس کا جواب آپکو اس کھیل میں ملیگا۔ کئی رنگوں میں جاذب نظر چھپوایا گیا ہے۔ کھیلنے کا سب ضروری سامان مع کھیلنے کے قواعد ساتھ دئے جاتے ہیں۔ قیمت دو روپیہ۔ علاوہ محصول ڈاک۔ (کُرد اور ہندی دونوں میں ملتا ہے)

اکبر اور بیربل کے لطیفے | حاضر جوابی علم مجلسی کا نہایت اہم جزو ہے اور بیربل کی حاضر جوابی تو ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے جو اس کی دانائی اور فراست کی وجہ سے تھی۔ آپ ان لطیفوں کو خود پڑھئے اور دوسروں کو سنائیے۔ اس سے تفریح کے علاوہ بچوں کے علم میں اضافہ ہوگا۔ جناب اسلم پرویز صاحب ایم۔ اے سابق ایڈیٹر پیام تعلیم جامعہ ملیہ اور حال لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے اسے مرتب فرمایا ہے۔ قیمت ۷۰ نئے پیسے

کشمکش | ڈاکٹر ظاہر دیالپوری کا نہایت سنسنی خیز ناول، اس کے متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا کہ شکم کا معیار اور ڈاکٹر صاحب موصوف کا تخیل جو سماجی خوبیوں اور بری رسومات کی اصلاح کے لئے مخصوص ہے اور جن کا انداز بیان ایسا کہ کتاب ختم کئے بغیر چھوڑ دیں تو ہمارا ذمہ، اس کتاب کی خوبیوں کے ضامن ہیں۔ قیمت مجلد مع گرد پوش پونے تین روپے۔

کاروان و منزل | شری گوپی ناتھ امن لکھنوی سابق وزیر دہلی اسٹیٹ سالہا سال سے ملکی و قومی خدمت انجام دینے اور مفاد عامہ کے کاموں میں جان لڑا دینے کے لئے رات دن سرگرداں رہتے ہیں۔ آپ ہندوستان کے نہایت مشہور مانے ہوئے شاعر ہیں اور نہ صرف دہلی کے مشاعروں کی جان ہیں بلکہ ملک کے ہر قابل ذکر مشاعرہ میں ان کی شرکت کے بغیر وہ شان پیدا نہیں ہوتی جو مشاعروں کی اصلی روح ہوتی ہے۔ کاروان و منزل ان کے قومی اور سیاسی کلام کا نہایت ولولہ انگیز مجموعہ ہے۔ امن صاحب صلح و آشتی کے حقیقی علمبردار۔ شیدائے وطن۔ اردو کے سچے خادم۔ اور ملک کی آزادی کے جانباز سپاہی ہیں۔ اس مجموعہ میں آزادی سے پہلے آزادی کے دوران اور آزادی کے بعد تینوں زمانوں کے حالات پاس انداز سے دلی جذبات اور قلب کی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ صحیح نقشہ سامنے آجاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ غلامی سے نجات پانے کے لئے کس قدر جدوجہد کی گئی ہے اور آزادی کو قائم رکھنے کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے۔ سچ پوچھئے تو ان کے کلام میں سے ۹۰ شاہکاروں نے انتخاب کا ایک ایک شعر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قیمت ایک روپیہ

اندازِ بیاں | بہیش چندر نقش ان نوجوانوں میں سے ہیں جن کے کلام نے آزادی کے بعد مقبولیت کی سند حاصل کی ہے نقش کا پہلا مجموعہ کلام "خرام" چند سال پہلے کافی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اب یہ دوسرا مجموعہ شائع ہوا ہے اس کا

پیش لفظ ڈاکٹر قمر رئیس نے لکھا ہے جو ہندوستان کے نامور ادیب ہیں اور بہت گہری نظر رکھتے ہیں۔ "انداز" کے تعارف کے سلسلہ میں انہوں نے کیا لکھا ہے اس میں سے چند اقتباسات درج کرنے نامناسب نہ ہوں گے ۔۔۔

۱۔ نقش پیشہ ور شاعر نہیں لیکن شاعری ان کا محبوب مشغلہ ضرور ہے۔ شہرت اور ناموری کی خواہش نہیں اس لئے مشاعروں اور شعراء کی بزم آرائیوں سے بھی بے نیاز رہتے ہیں۔

۲۔ انسان کی حیثیت سے نقش ایک بے ریا، بے غرض، مخلص اور معصوم آدمی ہیں۔۔۔ ان سے ذرا قریب رہ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ سیدھا سادہ انسان جذبات کی کتنی پیچ پیچ راہوں سے گذرا ہے۔

۳۔ نقش نے قبول عام کی ہوس میں قدیم عاشقے کے بعض شعری مسلکوں کی پیروی کو اپنا شعار نہیں بنایا ہے۔ اسی طرح مسرکا را در سخن فہموں کی ہمدردی اور قدرافزائی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے منصوبوں کی حمایت اور الیان اردو کی ستائش بھی گوارا نہیں کی۔

۴۔ نقش کا یہ مجموعہ بھی پہلے مجموعے "خرام" کی طرح قطعات اور غزلوں پر مشتمل ہے۔ چار مصرعوں کا قطعہ اب ہمارے ہاں ایک مستقل اور منفرد صنف سخن کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ اس لحاظ سے قطعہ مختصر نظم سے مشابہ ہے نقش کے اس مجموعے میں ایسے قطعات کثرت سے ملتے ہیں جن میں حسن کاری کا احساس جھلکتا ہے۔

۵۔ ایسے پاکیزہ اور معنویت سے معمور شعر کہنے والا نقش کسی طرح فانی نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسے رنگینیات کا حامل ہے جو گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ گہرا اور تیکھا ہوتا جائیگا۔

غرض یہ مجموعہ کلام (۱۸۰) قطعات اور ۲۶۷ (بے تخلص مقطعے ہونے کی) اور ۲ اشعار پر مشتمل صرف تین روپے میں ایسے اچھے کاغذ اور بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ مجلد شکل میں مع دیدہ زیب گرد پوش کے بالکل مفت ہے۔

انوکھا پیغام | رام پور کے ہونہار نوجوان رومان انصاری کی دو کتابیں یاقوت اور فرشتہ کا انعام پہلے درج ہو چکی ہیں۔ اب یہ تیسری کتاب ہے۔ اسمیں تین کہانیاں ہیں ۔۔ پہلی کہانی "ایک ننھی لڑکی" ایک غریب لڑکی کی ہے جو دیا سلائی بیچ کر گزارہ کرتی تھی۔ ایک دن جب اس کی ایک تیلی بھی نہ بکی تو وہ باپ کے خوف سے گھر نہیں گئی پھر کیا ہوا؟ یہ پڑھنے کے بعد معلوم کیجئے۔ دوسری کہانی "انوکھا پیغام" پڑھ کر بتاؤ کہ اس سے کیا سبق ملتا ہے۔ تیسری کہانی "چاندنی" ایک بہادر لڑکی کی ہے جسے گھر کا سامان چوری ہو جانے پر چوروں کا سراغ لگانے کا تہیہ کیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ معلوم کیجئے۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے۔

جواری | رومان انصاری صاحب کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ اسمیں بھی تین کہانیاں ہیں۔ تحفہ۔ جواری۔ جاں نثار۔ آخری کہانی ایک ایسے کتے کی ہے جس نے اپنی جان دے کر مالک کی جان بچائی اور وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ دوسری دو بھی سبق آموز ہونے کے علاوہ دلچسپ بھی ہیں۔ قیمت صرف ۳۰ نئے پیسے۔

مرمر کی مورتیاں | یہ پانچویں کتاب ہے جو رومان انصاری کے تخیل کا نتیجہ ہے اور وہ چار کہانیوں پر مشتمل ہے۔ مرمر کی مورتیاں۔ کیلے کا چھلکا۔ بھول۔ آتا ہے یاد مجھ کو..... پہلی کہانی عقل و فراست کا امتحان ہے جسکی فرد مورتیوں کے ذریعے خزانے کا کھوج لگانے میں پڑتی ہے۔ دوسری کیلے کے چھلکے بد احتیاطی سے پھینک دینے کے خوفناک نتائج پر ہے۔ تیسری وعدہ کر کے بھول جانا اور دوسرے کو انتظار کی تکلیف میں مبتلا کرنا کسقدر برا ہے۔ اس سے تمہیں بہت اچھا سبق ملیگا۔ آخری کہانی بچپن کی شرارت کا قصہ ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ دیکھیں تم اسے پڑھ کر ایسی شرارت نہ کرنے کا عہد کرتے ہو یا نہیں قیمت ۴۵ نئے پیسے

جاسوس لڑکے | رومان انصاری صاحب کی یہ چھٹی کتاب ہے جس میں چار کہانیاں ہیں جو نہایت دلچسپ ہونے کے علاوہ اعلیٰ کردار، حسن اخلاق اور اصلاح کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ کہانی میں اگر شگفتگی اور دلچسپی نہ ہو تو پھر وہ کہانی نہیں رہتی بلکہ تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے۔ "جاسوس لڑکے" پہلی کہانی ہے جسمیں بہادری، ہمت اور جرأت کی قابل تعریف مثال ملتی ہے کہ ظالموں کے پنجے سے ستم زدوں کو کیسے چھڑایا گیا۔ دوسری کہانی "ہڈیوں کا ہار" ہمت و استقلال کا نمونہ پیش کرتی ہے کہ موت کے منہ میں جا کر بھی انسان کو ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔ تیسری کہانی "ہوشیار ٹھگ" اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ دوسروں کو ٹھگنے اور دھوکہ دیکر روپیہ وصول کرنے کے لئے بھی خاص عقل و فراست کی ضرورت ہوتی ہے اور فریب میں آجانے والے کے لئے بھی عقل اور سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ آخری کہانی "چالاک مزدور" کا مطلب اس قدر آسان ہے کہ ہر کوئی اسے بتا سکتا ہے۔ تم پڑھ کر اور سوچ سمجھ کر جواب دو۔ قیمت صرف ۴۰ نئے پیسے

شہزادی کی سزا | بھوپال کے ایک شریف گھرانے کی چشم و چراغ اور علم دوست اور شائق علم بیٹی جو باوجود غیر معمولی مشکلات اور رکاوٹوں کے نیز پردے میں رہتے ہوئے اور خاندانی ماحول کی سخت گرفت میں جکڑے بند ہوتے ہوئے اپنی تعلیم میں مصروف رہیں اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے نہایت جانفشانی سے اپنے شوق کی تکمیل کرتی رہیں۔ کم عمری کے زمانہ میں ہی مضمون نگاری کا بھی صحت مند مذاق رکھتی ہیں۔ انہیں اعلیٰ مذاق اور اونچے معیار کی کتابوں کے مطالعہ کا بیحد اشتیاق

رہتا ہے اور جب کسی اچھی کتاب کا انتخاب ہو تا ہے تو وہ اسے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں تک پہنچانے کے لئے بیتاب ہو جاتی ہیں۔ اور اگر وہ اردو کے علاوہ کسی دوسری زبان خصوصاً انگریزی میں ہوتی ہیں تو وہ بہت احتیاط اور محنت سے اسکا نہایت سلیس ترجمہ کرکے اسے بالکل اصلی کہانی کا رنگ دیدیتی ہیں جو ترجمہ بالکل معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہماری اس ہونہار بہن نے جاپنے کو حسن بانو تبسم بھوپالی لکھتی ہیں اور جو گھر میں "گیری" کے نام سے پکاری جاتی ہیں، انگریزی کی ایک کہانی "KING THROSTLE BEARD" کا ترجمہ نہایت سلیس اردو میں کیا ہے جس میں ادب کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ کہانی نہ صرف دلچسپ بلکہ سبق آموز بھی ہے اور تکبر اور نخوت سے بچنے کی تعلیم دیتی ہے۔ جو شخص اپنے مقابلہ میں دوسروں کو ہیچ یا کم تر سمجھتا ہو اور ان کا مذاق اڑاتا ہو وہ خود ذلیل ہو جاتا ہے اور اسے بہت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس کہانی سے یہی سبق ملتا ہے۔ ہم اپنی نوعمر مصنفہ حسن بانو کے حسن مذاق اور حسن انتخابات پر انہیں مبارکباد دیتے ہیں۔

صرف ۵۰ پیسے میں یہ ناول ہو توں کی مالا ملتی ہے۔ پاکستانی اخبارات نے اسکے بہت اچھے ریویو کئے ہیں۔

اسلم کے حیرت انگیز کارنامے | بچے اپنی دادی اماں یا نانی اماں سے کہانیاں سننے کے بہت عادی اور شائق ہوتے ہیں۔ بھوپال کی ہماری یہ ہونہار مصنفہ حسن بانو تبسم بھی اپنی دادی اماں سے پوچھ کر اور اطمینان کرکے لکھتی ہیں۔ ان کی دادی اماں کا نام "مطالعہ" ہے۔ وہ گھر کے تمام کام سینا پرونا، کھانا پکانا، چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال اور بڑوں کی خدمت کرکے اور اپنے دیگر فرائض سے فارغ ہو کر جو وقت بھی بچا سکیں اس میں بہت اچھی اچھی کتابیں پڑھتی رہتی ہیں۔ مشہور ادیبوں اور افسانہ نویسوں کی اعلیٰ قدروں والی کتابوں کا نہایت شوق اور بیتابی سے مطالعہ کرتی ہیں اور نیز دوسروں کو ان سے استفادہ کرنے کی غرض سے ترجمہ کر ڈالتی ہیں اور کئی کئی بار پڑھ کر اسے نہایت دل پسند ڈھانچہ میں ڈھال لیتی ہیں جسے ہر چھوٹا بڑا بہت دلچسپی سے پڑھتا ہے۔ اسلم کے حیرت انگیز کارنامے دوسری کتاب ہے جو سنگم کتاب گھر نے نہایت فخر سے شائع کی ہے۔ یہ انگریزی کی کہانی (THE WISE GRIFFON) کا آزاد ترجمہ ہے۔ اور یہ کہانی انگریزی کی مشہور کتاب GRIMM'S FAIRY TALES سے منتخب کی گئی ہے۔ شہزادی کی سزا بھی اسی سے لی گئی ہے۔ تبھی بھی ان کی دادی اماں جیسی دادی اماں اپنے لئے بنا لینی چاہیئے۔ پھر اچھی اچھی کہانیوں کی کوئی کمی نہ رہے گی۔ اس کی قیمت صرف چالیس نئے پیسے ہے۔

زندگی کے اسٹیج پر | یہ کتاب بھی ہماری سگھڑ اور سلیقہ مند ہونہار حسن بانو تبسم بھوپالی کے حسن مذاق اور حسن انتخاب کا بین ثبوت پیش کرتی ہے۔ اس سے بچوں کو اعلیٰ اخلاق اور بلند معیار کی تعلیم انتہائی دلچسپی کے ساتھ ملتی ہے۔ حسن و محبت کی چاشنی نہایت تہذیب اور سلیقہ کے ساتھ ملی ہوئی پائی جاتی ہے جو مہذب اور شریف گھرانوں کا خاص امتیاز رہا ہے۔ یہ کتاب بھی GRIMM'S FAIRY TALES سے اخذ کی گئی ہے اور انگریزی کی کہانی "DRUDGE OF ALL WORKS" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کہانی کا اخلاقی پہلو یہ ہے کہ لڑکیاں اگر صبر و استقلال سے تکالیف برداشت کرنے کی ٹھان لیں تو کوئی شخص بھی خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اُن کو خراب نہیں کر سکتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بہن بہت جلد ہمارے ملک کی ایک مایۂ ناز ادیبہ ہو جائیں گی۔ ہمارے دیس کی نوجوان لڑکیاں اگر اس قسم کے خیالات کی حامل ہوں تو نہایت اچھا ماحول پیدا کر سکتی ہیں۔ پچاس نئے پیسے میں اگر آپ یہ بات سیکھ سکیں تو بہت سستا سودا ہے۔

ننھو چلے سیر کو | مولوی محمود الحسن صاحب کافی عرصہ تک جامعہ میں اپنی علمی قابلیت کے مطابق خدمت انجام دیتے رہے۔ اسی ملازمت کے دوران انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس گھس گھس سے آجکل کام نہیں چل سکتا اس لئے وہ دہلی سے علی گڈھ چلے گئے اور وہاں انہوں نے اپنی خداداد ذہانت اور لگن سے سلسلۂ تعلیم جاری رکھا اور آخر کار مشرک سے ایم۔ اے بن کر مسلم یونیورسٹی اسکول علیگڈھ میں استاد کی حیثیت سے فرائض انجام دینے لگے۔ فطرتاً بہت خاموش اور نیک طبع اور بہت متدین واقع ہوئے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ بچوں کی تربیت ایک خاص نظریہ کے تحت ہونی چاہیئے جس میں ان باتوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ بڑوں کا ادب۔ چھوٹوں سے محبت۔ خدمت خلق کا جذبہ۔ اکل حلال محنت۔ ایثار۔ بڑی صحبت اور حرص و طمع سے نفرت۔ غرور و بڑائی سے بیزاری۔ چنانچہ انھوں نے مضامین لکھے اور بعض کو کتابی شکل دینے کا پروگرام بنایا۔ چار کتابوں کا حق اشاعت سنگم کو بھی مرحمت فرمایا۔ چنانچہ یہ اسی سلسلہ کی پہلی کتاب ہے۔ میاں ننھو اپنی ماں کی کسی نصیحت آمیز بات پر بُرا مان کر گھر سے نکل بھاگے جسے موقعہ کے منتظر دوست و احباب نے ہوا دیکر انہیں اور زیادہ برگشتہ کر دیا۔ لیکن دوسری جگہ جاکر جب انہیں قسم قسم کی پریشانیاں اٹھانی پڑیں اور بیماری نے بھی آ دبایا تو پھر حضرت کو نانی یاد آنے لگی اور توبہ کرکے گھر واپس لوٹے اور نہایت عقیدت کے ساتھ ماں باپ کی خدمت کرنے لگے۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے

وفادار سانپ | مولانا محمود صاحب کی یہ دوسری کتاب ہے۔ اسمیں یہ بات بتائی گئی ہے کہ درندوں اور زہریلے جانوروں سے بھی اگر نیکی کی جائے تو اس کا بدلہ وہ بھی نیکی سے دیتے ہیں۔ دھوکا نہیں دیتے لیکن انسان ہی بدبخت ایسا جانور ہے کہ ذاتی لالچ میں

[illegible] قیمت ۵۰ نئے پیسے

چیف ایڈیٹر و نگراں :-
خواجہ حافظ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر :-
خواجہ ذکی احمد بی۔ اے (جامعہ)

سنگم کتاب گھر اور سنگم بال سبھا کا علمبردار
[redacted]
ماہنامہ ہمارا
جامعہ نگر نئی دہلی

زرچندہ :-
سالانہ : سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی شمارہ :- بیس نئے پیسے
(وی۔ پی نہیں بھیجا جائے گا)

پاکستان میں زرچندہ وصول کرنے کے مجاز :-
(۱) یکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں، ریلوے روڈ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی۔ یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی ۵

جلد ۵ | بابتہ یکم مارچ ۱۹۶۳ء مطابق ۴ شوال ۱۳۸۲ھ (۴ ذیقعدہ) ۱۸ پھاگن سمت ۲۰۱۹ بکرم (۱۹ چیت ۲۰۲۰) ۲۱ پھاگن سمت ۱۳۷۰ فصلی (۲۲ چیت) ۱۰ پھالگنا سمت ۱۸۸۴ شالکھا یوم (۱۱ چیترا ۱۸۸۵) جمعہ (شکروار) (دوشنبہ (سوموار)) | شمارہ ۹-۱۰

غزل (جناب گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی)

نہ قابو میں ہے دل اپنا نہ قابو میں زباں اپنی
دھر اکیلے فسانے میں مزا کیا ہے ترانے میں
اسیری میں بھی اپنی جھنگوں میں کچھ نہ فرق آیا
وہی جھگڑے قفس میں بھی ہیں جو تھے آشیانے میں
سکونِ دل کی کوئی بھی نظر آتی نہیں صورت
نہ آزادی میں چین آیا نہ آیا قید خانے میں
بتائیں کیا کہ ہم قیدِ قفس میں کس لئے آئے
نظر صیاد کی تھی اور کشش تھی آب دانے میں
نہ رازِ زندگی ظاہر نہ رازِ موت ظاہر ہے
خدا جانے ہے کیسا انتظام اس کارخانے میں
مکمل داستاں آزادی کامل کی ہوتی ہے
لہو کی سرخیاں لے امن ہو نگی ان فسانے میں

منقول از کاروان و منزل قیمت ۵۰ / ۲)

زندگی کی بھول

جیون پریت کھول سکھی ری جیون پریت کھول
چار دنا کا چاؤ ہے پگلی لوہے کا سا ناؤ ہے پگلی
کاغذ کی یہ ناؤ ہے پگلی جیون ہے اِک بھول
سکھی ری جیون پریت کھول
چلنا ہے پی کے گاؤں میں بیٹھ نہ روپ کی چھاؤں میں
من کی اندھی آشاؤں میں دیکھ نہ جھولا جھول
سکھی ری جیون پریت کھول
پاپ کمائے گی گردھن سے ناگ لپٹ جائیں گے تن سے
کام لے گر کھوٹے من سے دینا ہو گا مول
سکھی ری۔ جیون پریت کھول
موت تیرا من سہرتی ہو گی تجھے پران تو ڈرتی ہو گی
رفعتی سپنے دھرتی ہو گی اور یہ ہو گی دھول
سکھی ری۔ جیون پریت کھول

رفعتی خیرآبادی (منقول از اتحاد گوالیار ۲۲ مئی ۲۵ء)

غزل (جناب مہیش چندر نقش)

جس کو نسبت ہو تمہارے نام سے کیوں ڈرے وہ گردشِ ایام سے
پھر کوئی آواز آئی کان میں پھر کھنک اٹھی فضا میں جام سے
ان نگاہوں کو نہ جانے کیا ہوا جن میں قصاں تھے نئے پیغام سے
پھر کسی کی بزم کا آیا خیال پھر دھواں اٹھا دلِ ناکام سے
کون سمجھے ہم پہ کیا گذری ہے نقش
دل لرز اٹھتا ہے ذکرِ شام سے

(منقول از انداز قیمت ۳/)

فہرست مضامین

(خواجہ ذکی احمد بی۔ اے (جامعہ) پرنٹر پبلشر نے دفتر ہمارا سنگم جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے منشی جلد العزیز مناخور جوی کی کتابت کے بعد نوین پرنٹنگ پریس کٹرہ نظام الملک آصف بازار جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر شائع)

اشارات و کنایاتِ سنگم

مذہب اور سیاست

علمائے کرام حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیات اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سنا سنا کر لوگوں کو اسلام کی طرف آنے اور عمل کرنے پر متوجہ کریں۔ چنانچہ جو لوگ فوراً اثر قبول کرکے تائب ہو جاتے ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا دیا اور جو ان احکامات کو سن کر بھی ٹال کر جاتے ہیں ان کا الزام شیطان پر رکھ دیا جاتا ہے کہ اس کے بہکائے میں آ گئے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سیدھا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا کیوں نہیں فرمائی۔ اسی بحث پر دنیا کی نیکی اور بدی کا انحصار ہے۔ گمراہ گروہ کے حامی یا انہی کے ہم خیال لوگ اسے بھی خدا کی منشا اور رضا کے مطابق سمجھ کر ساری ذمہ داری اللہ ہی پر رکھتے ہیں۔ اسکا فیصلہ بغیر مضبوط اور قوی دلائل کے کرنا بہت ہی مشکل ہے جو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں درج ہیں۔ خود قرآن شریف کی تفسیر سے بھی یہ بات اتنی واضح ہو جاتی ہے کہ اعمال و کسب کا یا خالق و مخلوق کا فلسفہ سمجھنے والے ان دلائل کو بہت کافی و شافی سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو یہ بات صرف اشارۃً بیان کی ہے۔ ہم اس موضوع پر کسی قسم کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہمیں جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ہمارے علماء کو بھی کافی دخل ہے جو نائبین رسولؐ اس گتھی کو عام فہم زبان میں سیدھے سادے طریقے سے سمجھانا جانتے ہیں ان کا وعظ سن کر تو ایمان بالغیب میں بہت زیادہ جان پڑ جاتی ہے اور وہ اس حکم کی ضرورت کو دلائل کے ساتھ سمجھنے لگتے ہیں لیکن وہ "مولوی" کہلائے جانے والے اصحاب جن کی علمیت اس اہم مسئلہ کو سمجھانے کے لئے کافی نہیں ہوتی اور وہ نہایت پیچیدہ الفاظ میں بیان کرکے زبردستی "ہاں" کرانا چاہتے ہیں انہیں سننے والے محض "ملاں" سمجھنے لگتے ہیں اور بعض اوقات نوبت سوالات و جوابات کے سلسلہ میں بدمزگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں مذہبی اور دینی مدارس میں ایسے نازک مسائل پر فن مناظرہ کو بھی نصاب میں داخل کیا جاتا ہے یا نہیں۔ عوام الناس کے کانوں میں جب یہ باتیں پڑتی ہیں کہ بعض خلیفوں نے جو دراصل بادشاہ ہوتے تھے اور سیاسی مصالح کی بناء پر اقتدار بالجبر قائم رکھنا چاہتے تھے بعض کمزور اور بے بس علماء سے احادیث لکھوا کر احادیث کی کتابوں میں شامل کر دیں جنہیں فن حدیث جاننے والے محققین نے "موضوع" کہا ہے۔ ان موضوع احادیث کی وجہ سے دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک نے تو سرے سے ہی سب حدیثوں کو مشتبہ قرار دے دیا اور دوسرے نے موضوع ہونے میں شبہ ظاہر کرکے قدرے احتیاط کے طور پر ان کی طرف صرف اشارہ کر دیا لیکن کتب احادیث سے خارج نہیں کیا۔ دنیا کی گاڑی اسی طرح چلتی رہی اور ان ممالک میں جہاں قرآن و حدیث کے مطابق حکومت نہیں ہے اسی بحث کے تحت کئی گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک تو یہ کہتا ہے کہ مذہب اور سیاست علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں ہیں یعنی سیاست کے جتنے مسائل ہیں اور حکمرانی کے جتنے معاملات ہیں وہ سب قرآن شریف میں درج ہیں۔ دوسرا گروہ اس کے برعکس رائے رکھتا ہے لیکن کیا عجیب سی بات ہے کہ جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یا دشواری پیش آتی ہے تو فوراً قرآن و حدیث پیش کرکے عوام الناس کو ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہمارے مذہب میں اس کے متعلق یہ حکم آیا ہے اور مذہب و سیاست جداگانہ نہیں ہیں۔ مگر جب کام نکل گیا تو پھر کل شئی یرجع الیٰ اصلہٖ والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ ہمیں علمائے کرام سے خاص عقیدت ہے اسلئے ان علمائے کرام کی طرف ہمارا روئے سخن مطلق نہیں ہے جو واقعی مذہب پر اتنا عبور رکھتے ہیں کہ ہر سیاسی معاملہ پر فوراً کلام مجید کا حوالہ دیکر اس کو مذہب کے مطابق بتا دیتے ہیں اور وہ اسلام کے نظام کو ایک مکمل نظام نہ صرف خود سمجھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اسکی تلقین کرتے ہیں لیکن ان "مولوی نما ملاؤں" سے ہمیں بحث کرنی ہے، جنکی سنہری رو پہلی مصلحتوں کی وجہ سے بیچارا اسلام غریب الوطنی میں بدنام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہمیں بھی منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ اور جن کی وجہ سے عام پبلک کل علماء کو "ملانے" کہتی ہے۔ آجکل ہندوستان میں اسی قسم کی ٹولیاں اور جماعتیں برسرکار ہیں۔ اور جو جماعت صرف دین الٰہی کو تسلیم کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اسکی مذہبی زندگی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے لیکن اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے وہ ملکی تمام قوانین پر نہایت وفاداری اور ذمہ داری سے بغیر کسی شر و فساد کے عمل کرتی ہے۔ اس کے خلاف خود ہمارے ہی "برادرانِ یوسف" نے کچھ اس قسم کا رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ غیر مسلم حضرات جن میں ملک کے بڑے بڑے نیتا اور "حکمران" بھی شامل ہیں انہیں غدار اور وطن دشمن سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کسی قسم کی غداری یا شرارت یا جاسوسی یا بھوک ہڑتال یا عام ہڑتال یا ستیہ گرہ یا توڑ پھوڑ یا گالی گلوچ وغیرہ فتنہ و فساد کی باتوں میں سے کوئی بھی ان سے منسوب نہیں کی جا سکتی۔ پھر بھلا کیوں نہ کہا جائے کہ "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم"

مذہب اور سیاست سے یہی مراد نہیں ہے کہ تعزیرات ہند جیسے قوانین تک ہی دائرہ محدود رہے۔ اگرچہ اس لحاظ سے بھی اسلام میں مکمل ضابطہ موجود ہے لیکن

صحیح اصول تو یہ ہے کہ علاج سے زیادہ ضروری حفظ ما تقدم کے طور پر احتیاط اور پرہیز ہیں۔ دوا سے تو وقتی طور پر فائدہ ہو جاتا ہے مگر صحت کو ہمیشہ درست رکھنے کے لیے ان باتوں پر عمل کرنا زیادہ بہتر بلکہ ضروری ہے تاکہ بیماری پاس ہی نہ پھٹکنے پائے۔ اسی طرح سیاست میں جرم و سزا کا وقت آنے سے پہلے یا وراثت وغیرہ کے جھگڑے پیدا ہونے سے پہلے ان باتوں پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہیے جن سے ان فساد کی باتوں کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ عرف عام میں ایسی باتوں کو اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اخلاق اور اچھی عادت کی ہر معاملہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ گالی نہ دینا۔ کسی قسم کی بے حیائی کی بات نہ کرنا۔ کسی عورت کو نہ گھورنا۔ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہونا۔ نشیلی چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔ وزن میں کم نہ تولنا۔ غریبوں کا مال ہضم نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنا۔ اچھا نمونہ دکھا کر خراب مال مہیا نہ کرنا۔ کسی کے خلاف غلط الزام نہ لگانا۔ جھوٹی شہادت نہ دینا۔ رعیت پر ظلم نہ کرنا۔ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ان سب کے متعلق علیحدہ علیحدہ احکامات قرآن میں موجود ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اور سیاست ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔

اس مرتبہ ہم صرف ایک موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ بچے اور بوڑھے عورت و مرد سب اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکیں خصوصاً بچے اور نوجوان فرزندانِ ملک، اور وہ موضوع ہے اخلاق،

اخلاق و تہذیب

قرآن میں جس بات کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسے فرض یعنی ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیاست میں اسے قانون کہتے ہیں چنانچہ اخلاق کے تحت آپ نے سرکاری افسران یا ان کے دفاتر پر عموماً اس عبارت کی تختی آویزاں دیکھی ہوگی "بغیر اجازت اندر آنا منع ہے" یا انگریزی میں صرف چار الفاظ "NO ADMISSION WITHOUT PERMISSION" جن کا بھی وہی مطلب ہے۔ اب اگر کسی افسر کے ہاں جا کر اسکے خلاف کریں تو چپراسی یا دربان اندر نہیں جانے دیگا۔ اور اگر آپ نے اس کے روکنے کی پرواہ نہیں کی یا اسے دروازہ پر نہ پا کر اندر چلے گئے تو یا تو افسر بری طرح ڈانٹ کر نکال دیگا یا اگر روپے پیسے یعنی خزانہ کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور آپ بغیر اطلاع چلے گئے تو پھر ڈاکو یا چور سمجھ کر آپ کو سرکاری مہمان خانہ کی ہوا کھانی ہوگی اور اپنے آپ کو بیگناہ ثابت کرنے کے لئے روپے پیسے کے خون کے علاوہ بہت سے قیمتی دن ضائع کرنے ہونگے کیونکہ آپ نے انتظامی حکم کے خلاف حکم عدولی کی ہے۔

اب آیئے دیکھیں اس معاملہ میں قرآن کیا حکم دیتا ہے۔

صرف اٹھارویں سیپارہ (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) کی سورۃ النور جو قرآن کی چوبیسویں سورت ہے دیکھئے اسکا پہلا فقرہ یعنی آیۃ یہ ہے کہ "یہ ایک سورۃ (باب-CHAPTER) ہے جسکو ہم نے اتارا اور فرض کیا اور اسمیں اتاریں کھلی کھلی نشانیاں تاکہ تم انہیں یاد رکھو"

اس میں زنا کرنے والے مرد اور عورت یا ان پر جھوٹا الزام لگانیوالوں کے متعلق سزاؤں کے صریح احکامات ہیں۔ اس سلسلے کے جتنے وجوہ ہو سکتے ہیں ان سب کا ذکر اور سزاؤں کے احکامات بہت واضح ہیں۔ اب اسی سورۃ کے چوتھے رکوع کی ابتدائی آیات دیکھئے مگر پہلے ان آیات کے نازل ہونے کی وجہ سمجھ لیجئے۔

رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے یا کسی معاملہ کو سمجھنے یا دلی پریشانی اور جھگڑے رفع کرنے کے لیے ہر کس و ناکس کو بلا روک ٹوک آنے کی اجازت تھی۔ نہ روکنے کے لئے کوئی دربان تھا اور نہ عدیم الفرصتی کا عذر کر کے سائل کو واپس کر دیا جاتا تھا۔ کھلا دربار تھا۔ کچے فرش کی مسجد تھی جس پر کھجور کا بوریا بچھا ہوتا تھا اور جب کبھی کوئی باہر کا مہمان آتا تھا تو رسول خدا خود زمین پر بیٹھ جاتے اور بوریے پر اس مہمان کو بٹھاتے۔ یہی ان کی کچہری تھی جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔

ایک روز ایک انصاریہ عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کبھی کبھی اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مجھ کو دیکھ لے تو مجھے ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اپنا گھر سمجھ کر کبھی ایسی حالت ہوتی ہے کہ سر سے دوپٹہ سرک گیا اور سینہ وغیرہ پر سے بھی ہٹ گیا یا کوئی عضو کھلا ہوتا ہے۔ اس وقت یکایک کوئی غیر شخص آ جاتا ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اسکا کیا علاج کروں۔

اس وقت پردہ وغیرہ کا رواج نہیں تھا۔ رسول خدا نے جواب دینے میں تامل کیا کیونکہ ایسے معاملات میں جو کسی عام قاعدہ یا قانون کے تحت آتے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فوراً وحی نازل ہوئی جو چوتھے رکوع کی پہلی آیۃ ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (ترجمہ:- اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو تم دوسروں کے گھروں میں اپنے گھروں کے سوا تاوقتیکہ اجازت نہ لے لو، اور سلام کرو اس گھر والوں پر، یہ تمہارے لئے بہتر ہے عجب نہیں کہ تم یاد رکھو)۔ اجازت سے جانے کی تنبیہ کے علاوہ یہ کس قدر تمیز اور ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ گھر والوں کو سلام کرو۔

پھر دیکھئے کہ اب آگے کیا حکم ملتا ہے فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا

اشارات وکنایاتِ سنگم

مذہب اور سیاست علمائے کرام حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیات اور ماشاء تعالیٰ کے احکامات سنا سنا کر لوگوں کو اسلام کی طرف آنے اور عمل کرنے پر متوجہ کریں۔ چنانچہ جو لوگ فوراً اثر قبول کر کے تائب ہو جاتے ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا دیا اور جو ان احکامات کو سن کر بھی گول کر جاتے ہیں ان کا الزام شیطان پر رکھ دیا جاتا ہے کہ اس کے بہکائے میں آ گئے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سیدھا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا کیوں نہیں فرمائی۔ اسی بحث پر دنیا کی نیکی اور بدی کا انحصار ہے۔ گراہ گروہ کے حامی یا انہی کے ہم خیال لوگ اسے بھی خدا کی منشا، اور رضا کے مطابق سمجھ کر ساری ذمہ داری اسی پر ہی رکھتے ہیں۔ اس کا فیصلہ بغیر مضبوط اور قوی دلائل کے کرنا بہت ہی مشکل ہے جو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں درج ہیں۔ خود قرآن شریف کی تفسیر سے بھی یہ بات اتنی واضح ہو جاتی ہے کہ اعمال مکافات یا خالق و مخلوق کا فلسفہ سمجھنے والے ان دلائل کو بہت کافی و شافی سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو یہ بات صرف اشارۃً بیان کی ہے۔ ہم اس موضوع پر کسی قسم کی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے۔ ہمیں جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ہمارے علماء کو بھی کافی دخل ہے جو نائبین رسولؐ اس گتھی کو عام فہم زبان میں سیدھے سادے طریقے سے سمجھا نا جانتے ہیں ان کا وعظ سن کر تو ایمان بالغیب میں بہت زیادہ جان پڑ جاتی ہے اور وہ اس حکم کی ضرورت کو دلائل کے ساتھ سمجھنے لگتے ہیں لیکن وہ "مولوی" کہلائے جانے والے اصحاب جن کی علمیت اس اہم مسئلہ کو سمجھانے کے لئے کافی نہیں ہوتی اور وہ نہایت پیچیدہ الفاظ میں بیان کر کے زبردستی "ہاں" کرانا چاہتے ہیں انہیں سننے والے محض "ہاں" سمجھنے لگتے ہیں اور بعض اوقات سوالات و جوابات کے سلسلہ میں بدمزگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو جاتا ہے معلوم نہیں مذہبی اور دینی مدارس میں ایسے نازک مسائل پر فن مناظرہ کو بھی نصاب میں داخل کیا جاتا ہے یا نہیں۔ عوام الناس کے کانوں میں جب یہ باتیں پڑتی ہیں کہ بعض خلیفوں نے جو دراصل بادشاہ ہوتے تھے اور سیاسی مصالح کی بنا پر اقتدار بالجبر قائم رکھنا چاہتے تھے بعض کمزور اور بے بس علماء سے احادیث لکھوا کر احادیث کی کتابوں میں شامل کر دیں جنہیں فن حدیث جاننے والے محققین نے "موضوع" کہا ہے۔ ان موضوع احادیث کی وجہ سے دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک نے تو سرے سے ہی سب حدیثوں کو مشتبہ قرار دے دیا اور دوسرے نے موضوع ہونے میں شبہ ظاہر کر کے قدرے احتیاط کے طور پر ان کی طرف صرف اشارہ کر دیا لیکن کتب احادیث سے خارج نہیں کیا۔ دنیا کی گاڑی اسی طرح چلتی رہی اور ان ممالک میں جہاں قرآن و حدیث کے مطابق حکومت نہیں ہے اسی بحث کے تحت کئی گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک تو یہ کہتا ہے کہ مذہب اور سیاست علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں ہیں یعنی سیاست کے جتنے مسائل ہیں اور حکمرانی کے جتنے معاملات ہیں وہ سب قرآن شریف میں درج ہیں۔ دوسرا گروہ اس کے برعکس رائے رکھتا ہے لیکن کیا مزے کی بات ہے کہ جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یا دشواری پیش آتی ہے تو فوراً قرآن و حدیث پیش کر کے عوام الناس کو ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہمارے مذہب میں اس کے متعلق یہ حکم آیا ہے اور مذہب و سیاست جداگانہ نہیں ہیں مگر جب کام نکل گیا تو پھر کل شئی یرجع الیٰ اصلہ والا معاملہ ہو جاتا ہے ہمیں علمائے کرام سے خاص عقیدت ہے اسلئے ان علمائے کرام کی طرف ہمارا روئے سخن مطلق نہیں ہے، جو واقعی مذہب پر اتنا عبور رکھتے ہیں کہ ہر سیاسی معاملہ پر فوراً کلام مجید کا حوالہ دیکر اس کو مذہب کے مطابق بتا دیتے ہیں اور وہ اسلام کے نظام کو ایک مکمل نظام نہ صرف خود سمجھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اسکی تلقین کرتے ہیں لیکن ان "مولوی نما ملاؤں" سے ہمیں بہت کد ہے، جنکی سنہری روپہلی مصلحتوں کی وجہ سے بیچارا اسلام غریب الوطنی میں بدنام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہمیں بھی منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ اور جن کی وجہ سے عام پبلک کل علماء کو "ملانے" کہتی ہے۔ آجکل ہندوستان میں اسی قسم کی ٹولیاں اور جماعتیں برسرکار ہیں۔ اور جو جماعت صرف دین الٰہی کو تسلیم کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اسکی مذہبی زندگی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے لیکن اسلامی حکومت نہ ہونیکی وجہ سے وہ ملکی تمام قوانین پر نہایت وفاداری اور ذمہ داری سے بغیر کسی شر و فساد کے عمل کرتی ہے۔ اس کے خلاف خود ہمارے ہی "برادران یوسف" نے کچھ اس قسم کا رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ غیر مسلم حضرات جن میں ملک کے بڑے بڑے نیتا اور "حکمران" بھی شامل ہیں انہیں غدار اور وطن دشمن سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کسی قسم کی غداری یا شرارت یا جاسوسی یا بھوک ہڑتال یا عام ہڑتال یا ستیہ گرہ یا توڑ پھوڑ یا گالی گلوچ وغیرہ فتنہ و فساد کی باتوں میں سے کوئی بھی انسے منسوب نہیں کی جا سکتی۔ پھر کیا کیوں نہ کہا جائے کہ "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم"

مذہب اور سیاست سے یہی مراد نہیں ہے کہ تعزیرات ہند جیسے قوانین تک ہی دائرہ محدود رہے۔ اگرچہ اس لحاظ سے بھی اسلام میں مکمل ضابطہ موجود ہے لیکن

صحیح اصول تو یہ ہے کہ علاج سے زیادہ ضروری حفظ ما تقدم کے طور پر احتیاط اور پرہیز ہیں۔ دوا سے تو وقتی طور پر فائدہ ہو جاتا ہے مگر صحت کو ہمیشہ درست رکھنے کے لیے انہی باتوں پر عمل کرنا زیادہ بہتر بلکہ ضروری ہے تاکہ بیماری پاس ہی نہ پھٹکنے پائے اسی طرح سیاست میں جرم و سزا کا وقت آنے سے پہلے یا دراندازی وغیرہ کے جھگڑے پیدا ہونے سے پہلے ان باتوں پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہیے جن سے ان فساد کی باتوں کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ عرف عام میں ایسی باتوں کو اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اخلاق اور اچھی عادت کی ہر معاملہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ گالی نہ دینا۔ کسی قسم کی بے حیائی کی بات نہ کرنا۔ کسی عورت کو نہ گھورنا۔ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہونا نشیلی چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔ وزن میں کم نہ تولنا۔ غریبوں کا مال ہضم نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنا۔ اچھا نمونہ دکھا کر خراب مال مہیا نہ کرنا۔ کسی کے خلاف غلط الزام نہ لگانا۔ جھوٹی شہادت نہ دینا۔ رعیت پر ظلم نہ کرنا۔ اپنے اثر و رسوخ کا غلط استعمال نہ کرنا وغیرہ وغیرہ ان سب کے متعلق علیحدہ علیحدہ احکامات قرآن میں موجود ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اور سیاست ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں۔

اس مرتبہ ہم صرف ایک موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ بچے اور بڑے عورت و مرد سب اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکیں خصوصاً بچے اور نوجوان فرزندان ملک، اور وہ موضوع ہے اخلاق،

اخلاق و تہذیب

قرآن میں جس بات کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسے فرض یعنی ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیاست میں اسے قانون کہتے ہیں۔ چنانچہ اخلاق کے تحت آپ نے سرکاری افسران یا ان کے دفاتر پر عموماً اس عبارت کی تختی آویزاں دیکھی ہوگی "بغیر اجازت اندر آنا منع ہے" یا انگریزی میں صرف چار الفاظ "NO ADMISSION WITHOUT PERMISSION" جن کا بھی وہی مطلب ہے۔ اب اگر کسی افسر کے ہاں جا کر اسکے خلاف کریں تو چپراسی یا دربان اندر نہیں جانے دیگا۔ اور اگر آپ نے اس کے روکنے کی پرواہ نہیں کی یا اسے دروازہ پر نہ پاکر اندر چلے گئے تو یا تو افسر ہی کی طرح ڈانٹ کر نکال دیگا یا اگر روپیہ پیسہ یعنی خزانہ کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور آپ بغیر اطلاع چلے گئے تو پھر ٹھکو یا اچھا سمجھ کر آپ کو سرکاری مہمان خانہ کی ہوا کھانی ہوگی اور اپنے آپ کو بیگناہ ثابت کرنے کے لئے روپے پیسے کے خون کے علاوہ بہت سے قیمتی دن ضائع کرنے ہوں گے کیونکہ آپ نے انتظامی حکم کے خلاف حکم عدولی کی ہے۔

اب آیئے دیکھیں اس معاملہ میں قرآن کیا حکم دیتا ہے۔

صرف اٹھارویں سیپارہ (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) کی سورۃ النور جو قرآن کی چوبیسویں سورت ہے دیکھئے اسکا پہلا فقرہ یعنی آیۃ یہ ہے کہ "یہ ایک سورۃ (باب- CHAPTER) ہے جسکو ہم نے اتارا اور فرض کیا اور اسمیں اتاریں کھلی کھلی نشانیاں تاکہ تم انہیں یاد رکھو"

اس میں زنا کرنے والے مرد اور عورت یا ان پر جھوٹا الزام لگانے والوں کے متعلق سزاؤں کے صریح احکامات ہیں۔ اس سلسلے کے جتنے وجوہ ہو سکتے ہیں ان سب کا ذکر و سزاؤں کے احکامات بہت واضح ہیں۔ اب اسی سورۃ کے چوتھے رکوع کی ابتدائی آیات دیکھئے مگر پہلے ان آیات کے نازل ہونے کی وجہ سمجھ لیجئے۔

رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے یا کسی معاملہ کو سمجھنے یا دلی پریشانی اور الجھن رفع کرنے کے لیے ہر کس و ناکس کو بلا روک ٹوک آنے کی اجازت تھی۔ نہ روکنے کے لئے کوئی دربان تھا اور نہ عدیم الفرصتی کا عذر کر کے سائل کو واپس کر دیا جاتا تھا۔ کھلا دربار تھا۔ کچے فرش کی مسجد تھی جس پر کھجور کا بوریا بچھا ہوتا تھا اور جب کبھی کوئی باہر کا مہمان آتا تھا تو رسول خدا خود زمین پر بیٹھ جاتے اور بوریے پر اس مہمان کو بٹھاتے۔ یہی ان کی کچہری تھی جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔

ایک روز ایک انصاریہ عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کبھی کبھی اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مجھ کو دیکھے تو مجھے ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اپنا گھر سمجھ کر کبھی ایسی حالت ہوتی ہے کہ سر سے دوپٹہ سرک گیا اور سینہ وغیرہ سے بھی ہٹ گیا یا کوئی عضو کھلا ہوتا ہے۔ اس وقت یکایک کوئی غیر شخص آ جاتا ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اسکا کیا علاج کروں۔

اس وقت پردہ وغیرہ کا رواج نہیں تھا۔ رسول خدا نے جواب دینے میں تامل کیا کیونکہ ایسے معاملات میں جو کسی عام قاعدہ یا قانون کے تحت آتے ہوں وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کا انتظار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فوراً وحی نازل ہوئی جو چوتھے رکوع کی پہلی آیۃ ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (ترجمہ۔ اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو تم دوسروں کے گھروں میں اپنے گھروں کے سوا تاوقتیکہ اجازت نہ لے لو، اور سلام کرو اس گھر والوں پر، یہ تمہارے لئے بہتر ہے عجب نہیں کہ تم یاد رکھو)۔ اجازت سے جانے کی تنبیہ کے علاوہ یہ کس قدر تمیز اور ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ گھر والوں کو سلام کرو۔

پھر دیکھئے کہ اب آگے کیا حکم ہوتا ہے فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا

فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ (ترجمہ پھر اگر تم نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو تو ان میں نہ جاؤ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ ہو اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب جانتا ہے)۔

دیکھا۔ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی جواب نہ ملے تو یہ سمجھ کر کہ خالی گھر ہے اس میں ہرگز نہ جانا، یا یہ سمجھ کر کہ کوئی مرد نہیں ہوگا جھانک جھانک کر دیکھنے لگو جو نہایت شرم کی بات ہے اس لئے اگر یہ جواب ملے کہ کوئی نہیں ہے پھر آنا تو اس کو اپنی ہتک دل میں نہ سمجھنا بلکہ چپ چاپ چلے جانا اس میں تمہاری پاکیزگی اور صاف دلی معلوم ہوگی اور اللہ تو جانتا ہی ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اسی سلسلہ میں ایک دوسرا واقعہ بھی سن لیجئے جو اسی سورۃ کے آٹھویں رکوع کی ابتدائی آیات کے نزول کا باعث ہوا۔

ایک مرتبہ رسولؐ خدا نے حضرت عمر فاروقؓ کو بلانے کے لئے ایک انصاری غلام مدلج بن عمر کو عین دوپہر کے وقت بھیجا تو مدلج بن عمر بلا اجازت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے "خلوت خانے" میں جا داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت اپنی بیوی کے "پاس" تھے اس لئے غلام کا اس وقت یکدم آ جانا آپ خود سمجھ سکتے ہیں آپ پر کیسا شاق گذرا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت دعا کی اور فرمایا کہ اے کاش! حق سبحانہ تعالیٰ ممانعت فرمادے کہ کوئی کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ گھس آیا کرے۔ اسوقت یہ آیۃ نازل ہوئی چنانچہ جب وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں جناب سید نے مطلع کیا کہ تمہارے آنے سے پہلے یہ حکم ربی بذریعہ وحی صادر ہو چکا ہے جس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کا بہت بہت شکر ادا کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے لئے بالغ یا نابالغ کی تخصیص نہیں ہے چنانچہ جن آیات کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ان کا مطلب غالباً یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ آزاد لوگوں کے لئے اور بالغوں کے لئے ہے۔ غلام کے لئے اور نابالغ پر اسکا اطلاق نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے بغیر اجازت آ جانے سے اگر عورت ایسی حالت میں بھی ہو کہ جس کی اس انصاریؓ نے شکایت کی تھی تو نابالغ بچہ سے کچھ حرج نہیں ہوتا لیکن یہاں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا جس سے نابالغ کو بھی ممانعت کی ضرورت تھی، اس لئے حیا و شرم کی اس خامی کو دور کرنے کے لئے پورا ضابطہ مکمل کر دیا گیا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (ترجمہ:- اے ایمان والو! تم سے اجازت لے کر آیا کریں تمہارے ہاتھ کے مال (غلام) اور وہ لوگ جو نہیں پہنچے حد بلوغ کو تم میں سے تین مرتبہ (یعنی تین موقعوں) (پہلی مرتبہ) نماز فجر سے پہلے اور (دوسری مرتبہ) جس وقت تم اتار رکھا کرتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں۔ اور (تیسری مرتبہ) عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے "پردے" کے ہیں۔ کچھ گناہ نہیں تم پر اور نہ ان پر ان اوقات کے بعد! اکثر آتے جاتے رہتے ہیں تمہارے پاس تم میں ایک دوسرے کے پاس، یوں بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے)۔

مطلب صاف ہے کہ چونکہ ان خلوت کے اوقات میں عموماً لوگ اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہیں اور ستر دیکھنا نہ لڑکوں (نابالغ) کو جائز ہے اور نہ اپنے محرموں کو، اس لئے ان اوقات میں نابالغ بچے اور ہاتھ کے مال یعنی لونڈی غلام بھی گھر کے مالک سے اجازت لیکر گھر کے اندر آیا کریں بغیر کہے سنے اور بلا اجازت گھسے نہ چلے جائیں کہ دوسروں کو برہنہ دیکھیں البتہ ان اوقات کے علاوہ ان کو دوسرے اجنبیوں کی طرح ہر مرتبہ گھر میں آنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اگلی آیتہ سے اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (ترجمہ:- اور جب پہنچ جائیں تم میں کے لڑکے حد بلوغ کو تو ان کو چاہیئے کہ اسی طرح اجازت لیا کریں جس طرح اجازت لیتے رہے ان کے اگلے! اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمت والا ہے)۔

پوری سورۃ اور کرع کے رکوع اسی تعلیم سے بھرے پڑے ہیں جن کے بعض اہم حصے ہم کسی دوسری فرصت میں بیان کریں گے۔

ہم تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو ان آیات کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جو صرف مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص نہ سمجھنی چاہیئے۔

اب اس قسم کے مقدمات اگر عدالت میں دائر ہوں جن میں ان احکامات کی خلاف ورزی سے دنگا فساد ہو گیا ہو تو قرآن کھول کر دوسری اور متعلقہ آیات دیکھئے اول تو جسقدر ضروری باتیں تھیں وہ بہ صراحت درج کر دی ہیں۔ پھر بھی ان آیات کو مدنظر رکھنے اور عمل کرنے سے ہر گھر کا معاملہ صاف ہو سکتا ہے اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کا سوال پیدا ہو۔ اخلاق کا یہ سبق کسی مذہب کے منافی نہیں ہے۔ سب اس تعلیم کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے سوائے ان کے جن کے دل تعصب اور تنگ دلی سے بھرے ہوئے ہوں تاہم مسلمانوں کو تو اس کے خلاف دم مارنے کی بھی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اسکے احکام کی دل سے اطاعت کریں۔ آمین۔

سیکولر کا دوسرا رخ

پچھلے پرچہ میں ہم نے "سولہ برس کے بعد پہلی مرتبہ عیدگاہ پانی پت میں نماز عید الفطر کی دوگانہ ادا کرنیکا ایک منظر پیش کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ اگرچہ ہم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں لیکن در توبہ بند نہیں ہوا اور باب رحمت کھلا ہے۔ ہمارے گناہ کہاں تک معاف ہوئے اور کتنی سزا ابھی باقی ہے اسکا پتہ تو آخیر الاوقت ہی بتا سکیگا۔ فی الحال تو ہم اپنے تاثرات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ہمیں معلوم ہے کہ شیر خوار بچوں کو اگر وقت مقررہ پر دودھ ملتا ہے تو وہ روتے نہیں آرام سے سوتے یا ہنستے کھیلتے رہتے ہیں۔ لیکن جو مائیں بیقاعدہ زندگی بسر کرنیکی عادی ہیں وہ بچوں کو بروقت تک دودھ نہیں دیتیں جب تک کہ بچہ خوب دل کھول کر اور چیخ چیخ کر رو نہ لے۔ اسوقت بھی وہ بچہ کو خاموش کرنے کے لئے چیختی اور چلاتی دیکھی گئی ہیں۔ بچہ رو رہا ہے اور گھر والے ماں کو پکار رہے ہیں کہ بچہ کو چپکا کر لو۔ وہ دودھ مانگ رہا ہے لیکن اماں جان ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتیں۔ یا تو کسی پڑوسن سے باتوں میں مشغول ہوتی ہیں اور کہہ دیتی ہیں کہ "رونے دو یہ تو ہر وقت میری جان کو آئے رہتا ہے"۔ یا کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اسکی اہمیت اور اپنی مصروفیت کا رعب جما کر سنی ان سنی کر دیتی ہیں اور بہت دیر کے بعد وہاں سے سرکتی ہیں، گھر کے دوسرے آدمی بھی جانتے ہیں کہ بچہ ہے تو خاموش ہوگا نہیں اسلئے اسے بہلانا بیکار ہے اور وہ لوگ اسے روتا دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اچھا کرے تو ماں اور برا کرے تو ماں۔ دوسرے کسی کو کوئی غرض نہیں، اس مثال کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور غور کیجئے کہ ذیل کے سانحہ کو اس سے کہاں تک تعلق ہے۔

پانی پت بہت پرانا شہر ہے جس کی کچھ جھلک پچھلے پرچہ میں آپ کو نظر آئی ہوگی۔ چنانچہ وہاں گو غریبان یعنی عوام الناس کی میتیں دفن کرنے کے لئے قبرستان کافی ہیں (رہتے) اور بعض خاندانوں کے قبرستان علیحدہ بھی ہیں (تھے) جن کا احاطہ اگرچہ محض قبرستان کے لئے مخصوص ہوتا ہے (تھا) لیکن اسمیں کسی دوسرے خاندان کے لوگ دفن نہیں کئے جا سکتے تھے جب تک کہ مالکان اراضی مخصوصہ سے اجازت نہ حاصل کر لی جاتی۔

اسی طرح ہمارا اپنا خاندانی قبرستان شہر کے غربی حصہ میں "عیدگاہ والی سڑک" پر ریلوے پھاٹک کے قریب واقع ہے۔ یہ کاشت کی زمین ہے جسکا نام "چاہ بڑہ الطرف انصار" ہے۔ طرف کا لفظ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسی نام کا چاہ شہر کے دوسرے علاقہ میں بھی ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے ہر طرف کی زرعی زمین کا نام بھی علیحدہ ہے اور جب کبھی کسی زمین کی فرد لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو بغیر طرف ظاہر کئے ہوئے نہیں مل سکتی۔ ملک کے بٹوارے سے پہلے یہ مرکز شکستہ حالت میں دبتی تھی کیونکہ ریلوے پھاٹک گزرنے کے بعد صرف عیدگاہ تھی یا حضرات شیعہ کی کربلا اور ان کا مقدس قبرستان (امیرجی) تھا۔ کربلا میں جو عیدگاہ کے بالکل متصل تھا محرم کے دن شیعہ حضرات کا مخصوص تعزیہ دفن کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ ادھر ادھر کی زمینیں یا باغ تھے جن سے کچھ فاصلہ پر نہر جمنا بہتی تھی۔

تقسیم ملک کے بعد پانی پت مسلمانوں سے خالی کرا لیا گیا اور پاکستانی شہری کثیر تعداد میں وہاں لاکر آباد کئے گئے۔ پہلے وہاں کی آبادی پچاس ہزار تھی جسمیں چالیس ہزار مسلمان تھے اور صرف دس ہزار ہندو۔ اس لئے اس شہر کو پاکستانی پاکٹ بننے کے خوف سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو شہر بدر کرنے اور ہندوؤں کو کثیر تعداد میں آباد کرنے کی پالیسی پر عمل کرنا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ اب شہر کی آبادی خالص ہندوؤں کی ایک لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے اور اسی طرف جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں عیدگاہ سے ذرا فاصلہ پر ایک نیا علاقہ ماڈل ٹاؤن پانی پت کے نام سے آباد کیا گیا ہے۔ شیعوں کا قبرستان (امیرجی) کھود کر بالکل ہموار کر دیا گیا صرف چار دیواری باقی رہنے دی۔ کیونکہ وہ تو سر مقصد کے لئے کام آ سکتی ہے اور جو قبریں وہاں تھیں ان کی اینٹوں سے ماڈل ٹاؤن میں کام لیا گیا۔ اور مسلم مردوں کے گھر اجاڑ کر بھاگ کر آنے والے مہاجروں کو آباد کیا گیا۔

ہمارے خاندانی قبرستان میں شہر کے سب سے بڑے عالم اور قاری مولانا عبد الرحمٰن صاحب محدث آرام فرما رہے ہیں۔ ان کی تربت کی وجہ سے یہ پورا قبرستان "مزار شریف" کے نام سے موسوم تھا اور اسی نام سے مشہور تھا۔ ان کے علاوہ اور علما مولانا تو ہدی عبد السلام صاحب انصاری۔ مولانا قاری عنایت اللہ صاحب۔ مولوی عبد الحمید صاحب۔ حکیم صداقت علی صاحب یہاں دفن ہیں خصوصاً پیر طریقت جناب خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی نقشبندی کی آرام گاہ بھی اسی جگہ مرجع خاص و عام تھی جن کی ذرا سی چشم التفات نے سینکڑوں اللہ کے بندوں کو ایمان کی تازگی سے سرفراز فرمایا اور ان کے قلوب کو وحدت کی روشنی سے منور کر دیا۔

قاری عبد الرحمٰن صاحب حجاز میں محدث اور قاری (قرأت تجوید کے ماہر) مانے جاتے تھے اور اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اب ان سب حضرات کے تعویذ غائب ہیں اور ایک چبوترہ کی شکل ہے جس پر سادھو لوگ بیٹھ کر بھنگ گھوٹتے ہیں اور سرہانے ایک مندر بن گیا ہے جہاں زور شور سے آرتی بھی ہوتی ہے۔

اسی قبرستان کے دوسرے حصہ میں ہمارے تمام قریبی عزیز مدفون ہیں یعنی ہمارے دادا، والد، والدہ، نانی، بیوی، سب سے بڑے چچا، چچا کے بڑے صاحبزادے اور دادا کے بڑے بھائی اور دیگر عزیز[1] دادا اور والد کے سرہانے مسجد کی جنوبی دیوار

[1] حافظ جان محمد صاحب جن کا فوٹو بلاک سرورق پر ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے لباس سے آپ مغلیہ عہد کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

جس پر ناجان جاناں کا نہایت دلسوز کلام کا کندہ شدہ پتھر نصب کیا گیا تھا۔ اب پتھر کے حروف توسط سے گئے ہیں اور قبروں کے تعویذ مسمار کر دئے گئے ہیں مسجد اور اس کے حجرے کے کواڑ غائب ہیں جس کے اندر کتے اور دوسرے جانور گھسے رہتے ہیں۔ اور سب سے تکلیف دہ چیز یہ ہے کہ ان قبروں سے بالکل ملحق مسجد کی غربی دیوار کے پیچھے ماڈل ٹاؤن کی نئی بستی کی آبادی کے لئے شمشان بھومی (مرگھٹ) بنا دی گئی ہے۔ اس قبرستان کی دیکھ بھال کے لئے عربی مدارس کے طلبہ رہتے تھے جن کے لئے دو حجرے رکھے ہوئے بنا دئے گئے تھے۔ اب ان کمروں میں وہی سادھو آباد ہیں جو قاری اور محدث کی قبر پر بیٹھ کر بھنگ گھوٹا کرتے ہیں۔

میں ان کو اس خیال سے کہ ایک طرح یہ ہمارے بزرگوں کی قبروں کے بھی محافظ ہیں ہر مرتبہ جب جائداد کے مقدمہ کے سلسلہ میں جانا پڑتا تھا کافی رقم دے کر آیا کرتا تھا۔ جب کبھی گیا ہمیشہ مُردے جلتے ہوئے دیکھے۔ ان سادھوؤں سے میں نے کہا کہ یہی مسجد کے ساتھ ہی اور قبروں سے ملا کر مرگھٹ بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ ایک بیگہ زمین یہاں ہی خالی پڑی ہے میں وہ آپ کو دیدونگا آپ اپنا مرگھٹ وہاں منتقل کر دیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم منتظمین سے کہہ دینگے لیکن جب اگلی مرتبہ جانا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مرگھٹ کی کچی زمین کے بجائے سیمنٹ کا چبوترہ بن گیا ہے اور ٹین کا شیڈ بھی ڈالدیا گیا ہے۔ میں نے کہا یہ تو اس کے خلاف ہوا جو میں کہہ گیا تھا اس نے کہا کہ مرگھٹ والے کہتے ہیں کہ یہاں یہ فائدہ ہے کہ مسجد کی دیوار کی وجہ سے آگ روکتی ہے اور دھواں وغیرہ رک جاتا ہے۔ میں نے کہا اگر اب بھی وہاں منتقل کریں تو میں زمین کے علاوہ تین طرف دیوار بنوا دونگا تاکہ شعلے اور دھواں کسی طرف بھی نہ جا سکے وہ مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے۔ لیکن پھر جب جانے کا اتفاق ہوا تو ایک کی بجائے تین شیڈ دیکھے جو سیمنٹ کے چبوتروں پر ٹین کی چادروں کی چھت کے ساتھ مکمل ہو چکے تھے "فصبر جمیل"۔ اس کے بعد جب گیا تو مردے لانیوالوں کے آرام کے لئے ایک مسافر خانہ کی قسم کا کھلا ہوا شیڈ اور بھی وہاں بن گیا تھا لیکن بعض اوقات کئی کئی مردے آتے ہیں تو شیڈ کے علاوہ قبروں کے تعویذ استعمال ہوتے تھے جو اب بالکل ختم کر دئے گئے ہیں اندیشہ ہے کہ اس چبوترہ کو بھی ختم کر کے قبروں کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔

میں نے اس کا ذکر اپنے محترم بھائی مولانا نالقاء اللہ صاحب عثمانی سے کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ڈپٹی کمشنر کو لکھ دو۔ میں نے کہا بھائی میرے لکھنے سے کچھ نہیں ہوگا آپ جیسے بڑی بڑی مساجد کو خالی کرا رہے ہیں اور درگاہوں اور مزارات کو ان پاکستانیوں سے خالی کرا رہے ہیں تو بھائی اسے بھی شامل کر لیجئے۔ خط و کتابت کا جواب کوئی نہیں دیتا کیونکہ افسران تک تو کاغذ پہنچتا ہی نہیں پیشکار صاحبان جو سب کے سب پاکستان سے آئے ہوئے رنجیدہ لوگ ہیں وہ اس معاملہ میں حارج ہوتے ہیں اور نہ کبھی ابھی تک

پرچہ "ہمارا سنگم" کے متعلق کیفیت و معلومات

(حکومت ہند کے نافذ کردہ قوانین متعلق رجسٹریشن اخبارات (مرکزی) سنہ ۱۹۵۶ء کی دفعہ ۸ کے تحت)

مقام اشاعت ... ... جامعہ نگر نئی دہلی

مدت اشاعت ... ... ماہانہ

پرنٹر کا نام ... ... خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ)

قومیت ... ... ہندوستانی

پتہ ... ... اوکھلا، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

پبلشر ... ... خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ)

قومیت ... ... ہندوستانی

پتہ ... ... اوکھلا، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

ایڈیٹر کا نام ... ... خواجہ حافظ فیاض احمد و خواجہ ذکی احمد

قومیت ... ... ہندوستانی

پتہ ... ... اوکھلا، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

مالک ... ... خواجہ حافظ فیاض احمد

میں خواجہ ذکی احمد اعلان کرتا ہوں کہ معلومات مندرجہ بالا جہاں تک میرے علم میں ہیں بالکل صحیح ہیں۔

راقم۔ خواجہ ذکی احمد مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۶۳ء

۴ ازالہ کرانے میں مطلق مدد نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ آپ سارے مشرقی پنجاب کے صدر جمیعتہ العلماء بھی ہیں جس نے اس کام کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ لہٰذا آپ کو میری درخواست کے بغیر ہی اس کام کو کرنا چاہیئے تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر تم مجھے صدر سمجھتے ہو تو میں تمہیں "حکم" دیتا ہوں کہ تم میری ہدایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر کو خط لکھ دو۔ چنانچہ کچھ دنوں اور توقف کرنے کے بعد مجبوراً میں نے خط لکھا لیکن حسب توقع جواب نہیں آیا اس کے بعد صرف ایک مرتبہ یاد دہانی بھی کی مگر "صدائے برنخاست" کون سنتا ہے طوطی کی نقار خانہ میں! مولانا لقاء اللہ صاحب کے بیٹے کو دیکھنے کے لئے دو تین مرتبہ عہدیدارین جمیعتہ العلمائے ہند مرکزی دہلی سے پانی پت گئے اور مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔ اس لئے کہ ایک تنہا مولوی لقاء اللہ صاحب کیا کر سکتے تھے وہ کر رہے تھے اور بڑی ہمت کا کام تھا کہ تمام عزیزوں سے علیحدہ ہو کر تنہا پانی پت میں رہنا اور ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنا جس میں اپنی خاندانی جائداد کی کوشش بھی شامل کی جائے

لیکن کسی ذمہ دار باہر کے شخص کو "مزار شریف" کی طرف نہیں لیجایا گیا۔ اس لئے مرکزی الحدید ادارہ بھی کچھ نہ کر سکے۔ آخر کار میں نے دہلی کی جمعیت کے صدر جناب مفتی ضیاء الحق صاحب سے یہ تکلیف بیان کی تو وہ اپنی موٹر میں چند دوسرے کارکنوں کو لے کر پانی پت گئے۔ میں نے ذکی احمد سلیؔ (ایڈیٹر رسالہ ہذا) کو ان کی ہمراہ کیا وہ جا کر سب چیزیں دیکھ لائے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بہت طویل داستان ہے۔ لیکن نتیجہ کے لحاظ سے "زمین گول ہے" والا معاملہ ہے۔

میں نے تو دفع شر کے خیال سے یہاں تک ان لوگوں سے کہا کہ بھائی میں، تو زمین علیحدہ دینا چاہتا تھا اور دیا رہیں بھی بنوا دینا چاہتا تھا لیکن آپ نے کسی طرح یہاں جگہ سے مرگھٹ ہٹانے منظور نہیں کئے تو کم از کم اتنا تو کر دیجئے کہ تمام قبروں کے گرد جو چبوترے ہیں اور مسجد کو شامل کر کے خار دار تار سے ایک حد بندی کرا دیجئے تاکہ مرگھٹ پر آنے والوں سے یہ قبریں اور مسجد محفوظ رہیں لیکن یہ بھی منظور نہیں۔

ہم نے ٹائٹل کے آخری صفحہ پر جو بلاک شائع کیا ہے وہ ہمارے خاندانی قبرستان کا وہ حصہ ہے جس میں قبر ہمارے گھر کے عزیز دفن ہیں مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پیر صاحب کے مزارات والا حصہ ابھی نہیں ہے۔ اب ماڈل ٹاؤن کے علاوہ اس علاقہ میں ویرانی کی عدالتیں بھی بن گئی ہیں اس لئے رات دن اس سڑک پر جو کبھی کچی تھی اور اب اول نمبر کی پختہ ہو گئی ہے موٹروں تانگوں، بائسکلوں اور پیدل چلنے والوں کی بھیڑ رہتی ہے اس لئے قبرستان کی خالی افتادہ زمین پر ان لوگوں کی نظریں ہیں کہ اس پر کچھ عمارت بنوالیں یا کسی طرح قبضہ میں لے آئیں۔

میں نے ایک پاکستانی صاحب سے بھی جو کافی رسوخ رکھتے ہیں شکایتاً کہا کہ آپ نے بہت بڑا ظلم کیا کہ پرائیویٹ قبرستان پر جس کے سب مالک یہاں موجود ہیں ناجائز قبضہ کر کے اس کو غلط طور سے استعمال کیا، قاری عبد الرحمٰن صاحب کی اولاد میں اب صرف ان کی پوتی صفیہ خاتون ہیں جو سابق صوبہ سی پی تقسیم کے بعد مدھیہ پردیش اور پھر جدید رد و بدل کے بعد مہاراشٹر کے شہر امراوتی میں مقیم ہیں، اور جن کے خاوند خواجہ لطیف احمد صاحب تقریباً تیس سال امراوتی گورنمنٹ اردو ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر رہے اور بعد میں انسپکٹر آف اسکولز ہو گئے تھے اور نئی پود کو چھوڑ کر وہاں کے پہلے تعلیمیافتہ لوگوں میں سے ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ملیگا جو ان کا شاگرد نہ رہا ہو۔ اور جس نے امراوتی اسکول سے پاس نہ کیا ہو۔

خواجہ لطیف احمد صاحب میرے حقیقی چچا ہوتے تھے چنانچہ صفیہ خاتون صاحبہ میری چچی ہوتی ہیں اور مولانا عبد السلام صاحب انصاری کی دختر ہیں جو قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث کے فرزند تھے۔ ان کے تمام داماد اور لڑکے سی پی وغیرہ میں بہت بڑے بڑے عہدوں پر سرکاری ملازم ہیں۔ اپنی جائداد کے سلسلہ میں انہوں نے مجھے اپنا مختار عام مقرر کر دیا تھا اور میں نے کئی سال تک پیروی کرنے کے بعد فائل مکمل کرا کر کسٹوڈین پنجاب جالندھر کے پاس ضلع کرنال کے کسٹوڈین کی سفارش لکھوا کر بھجوا دی تھی کہ ان کی جائداد واپس کرنے کے لئے منسٹری کو لکھدیا جائے لیکن چار سال تک انتظار کے بعد چچی صاحبہ کو دہلی بلایا گیا اور کہا گیا کہ وہ فائل تو گم ہو گیا ہے اب از سر نو مقدمہ شروع ہو سکتا ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ جائداد کا ذکر تو ضمنی آگیا ہے، اصل وجہ ان کے نام کے ذکر کرنے کی یہ تھی کہ وہ مقدمہ کے سلسلہ میں یہاں آئیں تو اپنے دادا کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئیں وہاں انھوں نے مندر اور مرگھٹ دیکھ کر اور قبروں کے تعویذ غائب پا کر اپنے ہاتھوں سے کلیجہ تھام لیا اور دم بخود رہ گئیں۔ اور میری طرف دیکھا، زبان سے کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ تم یہاں موجود ہو اور تمہارا کانگریس سے خاص تعلق ہو اور پھر یہ نتیجہ نکلے!!

میں سوائے ندامت کے اور سر جھکا لینے کے اور کیا کر سکتا تھا انہیں کیسے یقین دلاؤں کہ اتنا کچھ کرنے کے بعد جو نتیجہ نکلا وہ صفر ہے حکومت کی گاڑی اسی طرح چل رہی ہے اور نہ معلوم کب تک یہ دلوں کا غبار باقی رہے۔

میں نے ان سے بہت کہا کہ ایک درخواست لکھ کر آپ ڈپٹی کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھیجدیں تاکہ میری تحریر کی تائید ہو جائے۔ انہوں نے کہا نہ معلوم اس درخواست کے سلسلہ میں مجھے کتنی مرتبہ اتنی دور سے بلایا جائے اور نہ آنے کی صورت میں وہی حشر ہو جو جائداد کا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ صبر کر کے چلی گئیں اور سب معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ گئیں۔

چچی صاحبہ کو جو اعتبار مجھ پر ہے وہ بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور میں اس کے بوجھ سے دبا جا رہا ہوں۔

میرے والد نے وصیت فرمائی تھی کہ تم تو قریب دہلی میں ہو جلدی جلدی آکر فاتحہ پڑھتے رہنا میں کبھی قبر تک کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ بس اسی وجہ سے چچی صاحبہ نے کچھ نہیں فرمایا کہ یہ تو خود اسی مصیبت میں گرفتار ہے۔

یہ قصہ بطور تاریخ کے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں درج کر دیا ہے۔ کاشنہ آید بکار۔ اللہ رحم کرے۔

اردو کی سخت جانی

"اردو اردو" کی رٹ ایک طرف اور "ہاں ہاں ضرور ضرور" کی طفل تسلیاں دوسری طرف، مگر قافلہ ہے کہ چلا جا رہا ہے۔ ایک کی نظروں سے منزل اوجھل ہوتی جا رہی ہے دوسرا مگن ہے کہ پہلے خود کنارے پر سلامتی سے پہنچ جائے پھر دوسرے کی چیخ پکار پر توجہ کرے۔ اور ہم کہتے چلے آرہے ہیں کہ بھائی! شکایتوں اور رونا دھونا کرنے سے

زیادہ بہتر ہے کہ خود کو اپنی دُھن کے لئے وقف کردو اور جماعتی طور سے قدم ہو کہ بیچ ورنہ کنارہ پر پہنچ جانے والے کی زبانی ہمدردی سے آپ کو مطلق کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اسکے علاوہ ہمیں تو پورا یقین ہے کہ اگر ہم میں دوسروں کے لئے وسیع القلبی کا جذبہ موجود ہے اور ہم کسی کو تنگ خیالی کا نشانہ نہیں بنانا چاہتے بلکہ خود مہذب زبان بننے کی کوشش کرتے ہیں اور ہندی کو بھی بطور علم کے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں ہمارے لئے ریسرچ کا بہت بڑا میدان موجود ہے تو ہم بہت جلد محسوس کر سکیں گے کہ جو منزل ہم سے اوجھل ہو گئی تھی وہ دراصل اپنی غلطیوں اور خامیوں کی وجہ سے تھی اور ہم اپنے ناخداؤں کی بے عملی کی وجہ سے پیچیدہ اور لمبے راستے پر گامزن ہو گئے تھے لیکن بعد میں پہلے سے زیادہ وضاحت سے منزل پر پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا۔ یا یوں احساس کمتری اور بے بسی یہ سب الفاظ اپنی بے عملی کے مترادف ہیں۔ اردو تو خود دوسروں کے گھروں میں ہر دلعزیز ہو کر گھستی جاتی رہی ہے جسے تم کم بخت ہرجائی" کا خطاب دیتے آئے ہیں۔

اردو کی باوقار ہستی کا ثبوت اس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے، یہ ایسے حرفوں سے بنی ہے جو سب کے سب بے نقط ہیں نہ نیچے ہندی' نہ اوپر ہندی اور نہ چھپی ہوئی حالت کی شکل میں (جیسے 'ہندی' میں نیچے خوشنہ' اوپر نقطہ اور آخر میں ی کے نقطے چھپے ہوئے حالت کی شکل میں) اردو کا کوئی حرف اپنے آگے کسی کو چلنے نہیں دیتا یعنی کسی بھی حرف سے نہیں ملتا جو اس سے آگے رہنا چاہتا ہو البتہ اس کو گوارا کر لیتا ہے کہ کوئی اسکا بازو پکڑ کر چلنا چاہے تو اس کے پیچھے چل کر اس سے مل سکتا ہے۔ اس لئے یہ بے نقط ہونے کی وجہ سے کسی خارجی امداد کی مطلق ضرورت نہیں سمجھتی اور نہ اپنے آگے اپنی رہنمائی کے لئے کسی دوسرے کی ضرورت سمجھتی ہے بلکہ خود بے دھڑک سینہ تانے چلی جاتی ہے۔ اس کے چاروں حروف استغنٰی باوقار اور مساوی حیثیت کے ہیں کہ آپس میں بالکل مل کر نہیں چلتے یعنی نہ اپنے میں سے کسی سے آگے کی طرف ملتے ہیں اور نہ پیچھے کی طرف۔ کیونکہ جب کوئی حرف کسی دوسرے سے ملتا ہے تو اپنا پورا وجود قائم نہیں رکھتا بلکہ کسر نفسی کیجئے یا بے بسی کیجئے اپنے تن کا بہت بڑا حصہ ختم کر کے ملتا ہے۔

لیکن اردو کے چاروں حرف ہمیشہ اپنا پورا وجود قائم رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی عزت کرتے ہیں۔ آپس میں ملتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے وقار کو تسلیم کرتے ہوئے کوئی ایک دوسرے کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھتا۔ پھر بھلا کیسے یقین کر لیا جائے کہ اسے کسی نہ کسی حیلے سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ انہی حروف سے "دارو" بھی بنتی ہے یعنی کوئی اس کی مشکلات کا خیال کرے یا نہ کرے یہ خود اپنی تکلیف اور مشکلات کی دارو ہے واقف ہے جیسے خدا کی ذات سے

امید ہے کہ وہ ہمیشہ تیر بہدف ثابت ہوگی اور مریض اچھا رہیگا۔ آپ اسے قید کر دیجئے لیکن یہ بغیر وارد ہوئے نہیں رہیگی اور آپ کے سر پر سوار رہے گی۔ کہئے کیا سمجھے ؟

اب ایک صاحب فرمائیں گے کہ انہوں نے کے چٹکلوں نے ہمیں اصلی کام سے غافل رکھا ہے۔ جی نہیں ہم تو خود غافلوں کو جھنجھوڑ رہے ہیں اور یہ چٹکلے ان غافلوں کے لئے ہیں جو مایوسی اور احساس کمتری کا شکار ہیں۔ ہم تو ضمانت دے کر ہر حامی ہندی کو یقین دلاتے ہیں کہ جو مسلمان ہندی کی مخالفت کرتا ہے وہ علم کا دشمن ہے۔ آپ وقت ضائع نہ کیجئے اور اسے خواہ مخواہ نہ چھیڑیئے حکومت نے ایسی زبان کو قومی یا ملکی زبان بنانا چاہا ہے جو ملک میں عام طور سے مطلق نہیں سمجھی جاتی اور اس کو عام کرنے کے لئے اردو کو قید کرنیکی پالیسی اختیار کی ہے۔ اس سے بڑوں کی تنگ دلی، مجبوری اور کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ وڈبے میں سے جب مقید اور زبردستی سے رٹی ہوئی زبان نکلیگی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اندر ہی اندر اس کی شاخیں کہاں سے کہاں تک پہنچی ہیں۔

بھائیو! یاد رکھو۔ صبر گرچہ تلخ است ولے بر شیریں دارد۔

اب ذرا اور زیادہ واضح طور سے اردو کی سخت جانی کو ظاہر کر دیا جائے تاکہ آئندہ اسپر بار بار روشنی ڈالنے کی ضرورت نہ رہے۔

سو سال سے زیادہ

ہندی اردو کا جھگڑا سو سال سے بھی زیادہ پرانا ہے اس سے اس کو جتنا کریدا جائیگا اتنا ہی ہندو اور مسلمانوں میں باہمی منافرت اور عداوت کی خلیج وسیع ہوتی جائیگی اردو کو زندہ رکھنے کے لئے اردو کے حامی خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اپنے طور پر جو کچھ کرنا چاہتے ہوں وہ کریں۔ جب آپکے عمل کو حکومت دیکھیگی تو آپکی سرپرستی اور امداد کا خیال خود اس کے دل میں پیدا ہوگا۔ محض "سیکولر" کی بنا پر آپ کو حقوق کے دعوے میں کامیابی نہیں ہوگی جس کی معقول وجوہات ہیں۔ مگر ان پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہر معقول شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ حکومت کو خواہ مخواہ پریشان کرنے کے ہم سخت خلاف ہیں۔ اب ذرا ادھر توجہ کیجئے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

شاہ عالم ثانی نے جب احاطۂ بنگال کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کو سونپی تو معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ

"دفتروں اور عدالتوں کی زبان بدستور فارسی ہی رہیگی" بہادر شاہ ظفر کا کاروبار بھی فارسی میں تھا۔ ان کا اخبار سراج الاخبار بھی فارسی میں تھا مرزا غالب سے خاندان مغلیہ کی تاریخ بھی فارسی میں لکھوائی گئی۔ اردو کو

بادشاہوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(اقتباس از خطبہ بابائے اردو، اردو کانفرنس ڈسٹرکٹ پیدبتا ۱۶ مارچ ۱۹۴۳ء
و نیز از خطبہ بابائے اردو (مولوی عبدالحق صاحب مرحوم) اردو کانفرنس بمقام بمبئی ۱۹۴۵ء)

اردو سرکاری زبان

خطبات بابائے اردو مطبوعہ کراچی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۰،۴ میں لکھا ہے کہ ۱۸۳۷ء میں اردو سرکاری زبان قرار پائی اور صفحہ ۳۳۰ پر ہے کہ ۱۸۴۲ء میں جب انگریزی اثر اور تسلط پنجاب میں ہوا تو اردو یہاں کی سرکاری زبان بن گئی۔

اردو کی بجائے ہندی

(۱) جب تمام صوبوں اور عدالتوں میں جہاں پہلے فارسی تھی اردو کا رواج ہوگیا تو حکومت بنگال نے اردو کی طرف سے سخت بے اعتنائی برتی اور بنگال تک ہی نہیں بلکہ صوبہ بہار میں بھی جو اسوقت احاطۂ بنگال میں شامل تھا، حکماً اردو کی جگہ ہندی کردی لیکن اردو کے اپنے ذاتی صفات اور صلاحیت کی بدولت اسکی ہردلعزیزی پھر بھی باقی رہی۔

بنگال کے لفٹنٹ گورنر مسٹر جی کیمبل نے ۱۸۷۱ء میں اردو کے خلاف زہر اُگلا اور (Divide & Rule کے تحت) اسے سرکاری زبان نہ رہنے دیا۔ اور اردو کو بنگال اور بہار سے خارج کرکے چھوڑا۔ یہ پہلی ضرب تھی جو اردو پر لگائی گئی۔ چنانچہ اسوقت سے ابتک اردو پر مخالفتوں کی بوچھاڑ اور سازش کی کوششیں جاری ہیں۔

(۲) سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ نے تعلیمی سروے میں فرمایا کہ تیس برس تک میری کوشش رہی کہ ہندو مسلمان مل کر ملک کی ترقی اور فلاح کی کوشش کریں مگر جب ہندوؤں میں اردو اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت کی باقیماندہ نشانی تھی مٹانے کا خیال پیدا ہوا تو مجھے یقین ہوگیا کہ اب ہندو مسلمان مل کر اور متفق ہوکر کام نہیں کرسکتے۔ چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو نفاق پیدا ہوا اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ سر سید کا یہ قول مولوی عبدالحق صاحب نے علیگڑھ کالج کانفرنس میں ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء اور ۱۴ فروری ۱۹۴۱ء کو نقل کیا اور کہا کہ ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں اردو ہندی کی بحث میں شدت شروع ہوئی جسکی ابتدا ۱۸۶۷ء سے ہوئی جب بنارس کے معزز ہندوؤں نے زیر سرکردگی بابو فتح نرائن سنگھ تمام سرکاری دفتروں میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے موقوف کرنے اور ہندی بھاشا رائج کرنیکی کوشش کی۔ اسوقت سے سر سید کو یقین ہوگیا تھا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا محال ہے۔

(۳) الہ آباد میں ہندی کی حمایت میں صدر مجلس اور مختلف مقامات میں شاخیں قائم کی گئیں۔

اس صدر مجلس کے سکرٹری بابو سرودا پرشاد سنڈیال اور سر سید میں مراسلت ہوئی اور اخبار سائنٹفک سوسائٹی۔ بنارس گزٹ۔ رسالہ جلسۂ تہذیب لکھنؤ۔ نور الانوار وغیرہ وغیرہ میں گرم مضامین نکلے۔ اسی دوران میں حکومت بنگال نے اردو کی جگہ ہندی رائج کردی (مزید تفصیلات خطبات مطبوعہ کراچی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۳۰ میں ملاحظہ فرمائیے)

(۴) ۱۸۷۳ء میں سر سید کو معلوم ہوا کہ مدرسوں اور دفتروں میں ہندی رائج کرانیکے لئے ہندوؤں کے دستخطوں سے ایک درخواست گشت کرائی جارہی ہے تو ۹ دسمبر ۱۸۷۳ء کو الہ آباد میں ایک بڑا جلسہ کیا گیا اور اردو کی حفاظت کیلئے ایک صدر مجلس قائم کی گئی جس کے سکرٹری سر سید مقرر کئے گئے اور دوسرے اضلاع میں شاخیں قائم کی گئیں۔

(۵) سر سید احمد خاں کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ہوا اس کے بعد انکے نامور فرزند سید محمود صاحب کالج کے آنریری سکرٹری منتخب ہوئے لیکن انکی عمر نے وفا نہ کی اور ان کے بعد نواب محسن الملک مرحوم کے ہاتھوں میں کالج کی باگ ڈور آئی۔ یہ بہت قابل اور حکمرانی کے معاملات میں خوب سلجھے ہوئے بزرگ تھے۔ ان کے زمانہ میں یوپی کے گورنر مسٹر میکڈانل تھے۔ یہ بنگال کے لفٹنٹ گورنر مسٹر جارج کیمبل سے (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) سرشت میں کسی طرح کم نہ تھے۔ غالباً ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ بادشاہ آخری تاجدار خاندان مغلیہ کے دل برداشتہ فوجیوں کے ہاتھوں ان خود سر انگریزوں کے کسی عزیز یا دوست کی گردن ماری گئی ہوگی اس لئے انہیں مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر تھا اور ہر وہ حرکت یہ جائز سمجھتے تھے جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے یا ان کے عہد کی نشانیاں مٹا دینے سے وہ ذلیل کئے جائیں۔

چنانچہ ہندی کے متعلق جو جدوجہد پہلے سے جاری تھی اسکو غنیمت جان کر اس موقعہ شناس میکڈانل نے صوبہ کی سرکاری زبان اردو کی بجائے ہندی قرار دیدی۔ اس زمانہ میں بلکہ اس کے بعد بھی نواب وقار الملک اور نواب اسحق خاں مرحوم کے زمانہ تک علیگڑھ کالج کا سکرٹری ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ نواب محسن الملک مرحوم نے اس حکم کے خلاف بہت کچھ لکھا پڑھی کی۔ لیکن سار ہٹ میں کمی کرنا انگریزی راج کے وقار کے خلاف تھا میکڈانل صاحب اپنی بات پر اڑے رہے اور سب درخواستوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ اسپر نواب صاحب نے لکھنؤ میں ایک بہت بڑے جلسہ کا اعلان کیا اور جاتے ہوئے صندوقچہ میں اپنا استعفیٰ لکھ کر رکھ گئے۔ لکھنؤ میں انہوں نے بہت زوردار تقریر کی اور کہا کہ ان ظالموں نے بیگناہ بادشاہ کو قید کیا اسپر مقدمہ چلایا اور اس کے بیٹوں کے سر کاٹ کر

ایک تھال میں ڈھک کر ان کے سامنے بطور تحفہ پیش کئے۔ بادشاہ نے سینی (تھال) پر سے جب سرپوش ہٹایا تو اپنے لخت جگروں کے سر دیکھے۔ آپ آل اولاد والے خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس گرفتار بلا قیدی بادشاہ کے قلب کی کیا حالت ہوئی ہوگی اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا الحمد للہ تیمور کی اولاد نے سر دیدیا لیکن پیٹھ نہیں دکھائی۔

بادشاہ کو جلاوطنی کی سزا دی گئی اور رنگون بھیجدیا گیا۔ سوائے بیگم زینت محل کے اور کسی کو ہمراہی کی اجازت نہیں دی گئی اور وہ وہیں جلاوطنی کی حالت میں وہیں جان بحق ہو گئے۔ انہیں جس حالت میں رکھا گیا اسکا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں۔ مدتوں ان کی قبروں کا نشان تک نہیں معلوم ہو سکا۔ کئی سال گذر جانے کے بعد جب کسی سمجھدار اور بین الاقوامی سیاست کے سمجھنے والے گورنر جنرل کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کی ہتک شوری کے لئے اندازے سے دو قبریں بنا کر کہدیا گیا کہ اسی جگہ کہیں دفن ہیں۔"

"بادشاہ کو مرے ہوئے بھی اتنے سال بیت گئے لیکن انگریز کے دل میں کینہ بدستور باقی ہے اور اب بادشاہ کی زبان بھی کھینچی جا رہی ہے اور مرنے کے بعد بھی اس کی روح کو اذیت پہنچائی جا رہی ہے۔ کسی کی زبان کاٹ دینا یا کھینچ کر باہر نکال لینا اور پھینکدینا کوئی کم تکلیف دہ نہیں ہے لیکن مکڈانل جیسے بے رحم انسان کو اب بھی سکون قلب حاصل نہیں اور اب انہوں نے ان کی رہی سہی نشانی کو بھی ختم کر کے دم لیا لیکن انہیں معلوم نہیں کہ مظلوم کا بدلہ قدرت کیسے لیتی ہے حکومت کے گھمنڈ اور نشے میں زمانہ کی رفتار سے بے تعلق نہیں رہنا چاہیئے۔"

نواب محسن الملک کے الفاظ تو اس وقت سامنے نہیں ہیں لیکن ان کے خیالات جو ہمارے کانوں تک پہنچے ہیں انہیں ہم نے اپنے بھونڈے الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے۔ ان کی تقریر کے دوران لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے اور چلاتے تھے اسی وقت تار تار پہ دوڑ گئے اور میکڈانل صاحب کے کانوں تک خبر پہنچی کہ اب بغاوت ہوا چاہتی ہے۔ چنانچہ بہت سخت انتظام کیا گیا اور گورنر صاحب نے نواب صاحب کو لکھا کہ یاد رکھو کہ میں کالج کی اینٹ سے اینٹ بجا دونگا اور بہت سخت کارروائی کرونگا۔ نواب صاحب نے ذرا لکھا کہ مجھے خود معلوم ہے کہ میرا کیا حشر ہو سکتا ہے لیکن کالج سے تو میں استعفیٰ دیکر گیا تھا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا میرے کردار کی سزا کالج کو کیوں بھگتنی پڑے لیکن اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو اسے بھی کر دیکھئے۔

اس دلیرانہ جواب سے وہ حضرت اور بوکھلا گئے اور معاملات نے بہت سنگین صورت اختیار کر لی۔ آخر کار راجہ محمود آباد صاحب نے درمیان میں پڑکر بہت مشکل سے اور اپنی حکمت عملی سے کام لیکر بیچ بچاؤ کرایا اور آپس میں صلح کرائی جس سے اردو کی زندگی بھی قائم رہی اور اس صلح کی یادگار میں علیگڈھ کالج میں ایک ایڈمنگ ہاؤس تعمیر کرایا گیا جو اب تک میکڈانل ہاؤس کے نام سے موجود ہے اور ہندی اردو سرکاری جھگڑے کی یادگار ہے۔

(۶) ہندی کا پرچار مدراس سے شروع کیا گیا کیونکہ وہاں سرے سے ہندی تھی ہی نہیں اور اگر اس خطہ کو رام کر لیا تو دوسرے علاقے خود بخود مان جائینگے نیز شمالی ہندوالوں کی نظروں سے اوجھل رکھنے کا بھی خیال تھا کیونکہ وہ ایسے معاملات میں لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

انگریزی ذریعہ تعلیم

لارڈ میکالے نے تمام علوم کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے سے کئے جانے کی یادداشت بھیجی جس کی تائید گورنر جنرل نے بھی کی تھی تو اسکا مقصد بھی سیاسی تھا۔

پاکستان کا دلچسپ نظریہ

مولوی عبدالحق صاحب نے لاہور میں ۱۹۳۹ء میں جو خطبہ پڑھا، اس میں حسب ذیل دلچسپ خبر بہت سے حامیان اردو کو حیرت میں ڈالدیگی یا اسپر یقین ہی نہیں کرینگے۔ فرماتے ہیں:-

سر سکندر حیات خاں مرحوم سے جب ان کے زمانۂ وزارت میں (مولوی عبدالحق صاحب نے) لاہور آکر کہا کہ کم از کم میٹرکولیشن تک ذریعہ تعلیم اردو ہونا چاہیئے تو ان پر ایک جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ فوراً فرمایا "آپ کوٹ پتلون پہننے اور ہیٹ پہ بیٹھنے کے زمانہ میں آپ ایسی ایسی تجویز فرماتے ہیں!!!

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

ایک اہم دستاویز

لیجئے اب آخر میں ایک اہم دستاویز بھی ملاحظہ فرمایئے۔ ۱۹۳۰ء میں پٹنہ یونیورسٹی کی سینٹ میں "ہندستانی" کو میٹرک تک ذریعہ تعلیم بنانے کی تجویز پیش ہوئی، لیکن "ہندوستانی" سے ملک کی کونسی زبان مراد لی جائے اس کی وضاحت نہیں تھی۔ یہ گویا اردو کے خلاف ایک خاموش اور "بظاہر" بے ضرر تحریک تھی مگر اردو والے بھی کوئی ناسمجھ بچے نہیں تھے۔ چنانچہ ۲۸ اگست ۱۹۳۰ء کو انجمن ترقی اردو کی صوبائی شاخ نے پٹنہ میں ایک خاص اجلاس زیر صدارت علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم منعقد کیا جسمیں خاص خاص "اہل اردو" شریک ہوئے۔ منجملہ دیگر حضرات کے جناب محترم بابو راجندر پرشاد صاحب نے بھی شرکت فرمائی اور "ہندستانی" کی تعریف و توضیح کے متعلق بحث و گفتگو کے بعد جو فیصلہ انہوں نے منظور کیا اسے ایک مشترکہ بیان کی شکل میں مولوی (ڈاکٹر) عبدالحق صاحب (بابائے اردو) ناظم انجمن ترقی اردو اور بابو (ڈاکٹر) راجندر پرشاد صاحب کی طرف سے شائع

کیا گیا جس کے عکس (فوٹو) کا بلاک جو خود راجندر بابو کے قلم سے انگریزی زبان میں ہے۔ کراچی (پاکستان) کے ماہنامہ "ہم قلم" کے عبدالحق نمبر (اگست ۱۹۶۲ء) میں آرٹ پیپر پر دو صفحات میں علٰحدہ شائع ہوا ہے اور رسالہ مذکور کے صفحات ۴۶-۴۷ کے بیچ میں لگا دیا گیا ہے جن پر کوئی صفحات نہیں ہیں تاکہ رسالہ مذکور کے علاوہ بھی ایک "تاریخی دستاویز" کی حیثیت سے فوٹو کے طور پر محفوظ کیا جا سکے یا اردو کی کسی نمائش گاہ میں نہایت حفاظت سے رکھا جا سکے۔

اس انگریزی تحریر کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

بابائے اردو اور بابو راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ ہند کا مشترکہ بیان

"بہار کی اردو کمیٹی کے جلسہ منعقدہ ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء کے دوران میں "ہندوستانی" زبان کے مسئلہ پر ایک دوسرے سے اور چند دیگر احباب سے بحث کرنے کا موقعہ ملا۔ ہمیں فکر تھی کہ "اردو، ہندی، ہندوستانی" مناقشے میں جو افسوسناک غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں انہیں دور کیا جائے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلہ میں جن مباحث پر گفتگو ہوئی معلوم ہوا کہ ہم بڑی حد تک ان پر متفق الرائے ہیں۔

چنانچہ ہم کو اس پر اتفاق ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان "ہندوستانی" ہونی چاہیئے۔ اور یہ اردو اور دیوناگری دونوں رسم الخط میں لکھی جانی چاہیئے اور جملہ سرکاری اور تعلیمی اغراض کے لئے تسلیم کی جانی چاہیئے۔

"ہندوستانی" سے ہم وہ زبان مراد لیتے ہیں جو شمالی ہند کی بولی میں سب سے بڑا مشترکہ عنصر ہے۔ اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ آئندہ بھی اس زبان میں الفاظ کے شامل اور منتخب کرنے کا معیار بھی عام استعمال ہونا چاہیئے۔ مزید برآں ہماری رائے ہے کہ ہندی اور اردو دونوں کو ادبی زبان کی حیثیت سے ترقی کرنے کے پورے موقعے دئے جانے چاہئیں۔

ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ اردو اور ہندی اہل علم کے اشتراک عمل سے ہندوستانی الفاظ کی ایک اساسی لغت مرتب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لغت کی تدوین اور اس قسم کے حل طلب مسائل کے واسطے جیسے اصطلاحی الفاظ کا انتخاب، ایک مختصر نمائندہ کمیٹی کا انعقاد کسی قریبی تاریخ میں ہونا چاہیئے جس میں اردو اور ہندی کے ایسے ذی اثر اور عالی شامل ہوں جو ان دونوں زبانوں کو قریب تر لانے کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں اور ہندوستانی زبان کو ترقی دینے کے قائل ہیں تاکہ اس طرح ان دونوں زبانوں کے بولنے والوں میں نیک جذبہ پیدا کیا جائے۔

(دستخط) عبدالحق
راجندر پرشاد۔
۲۸-۸-۳۷ء

ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کئی لاکھ انسانوں کے دستخطوں کی جلدیں ٹرک میں بھر کر دور دراز کی مسافت طے کر کے لائی گئیں جو حامیانِ اردو کے ایک ڈیپوٹیشن کے ذریعے پیش کی گئیں۔ اس وفد کے سربراہ موجودہ نائب راشٹرپتی ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب تھے لیکن باوجود اس کے کہ راشٹرپتی کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد دوسرا وفد بطور یاد دہانی کے حاضر خدمت ہوا لیکن ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب کو معلوم تھا کہ ایک چپ سو کو ہرائے انہوں نے مہر سکوت کو نہ توڑا۔ اگرچہ دوسرے طریقے سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالدی اور ایک جگہ تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمام زبانیں ترقی کریں لیکن سب کی لپی ایک ہونی چاہیئے یعنی دیوناگری۔ اسکے باوجود چاروں طرف سے ایجی ٹیشن ہوتی رہی اور اخبارات میں ان کے جواب نہ دینے اور اردو کو علاقائی زبان بنانے کی درخواست کی کوئی کارروائی نہ کرنے کی برابر شکایات چھپتی رہیں۔ ہم نے اسوقت بھی لکھا تھا کہ بھائی "عاقلاں را اشارہ کافی است" وہ بیچارے اپنا خیال ظاہر کر چکے ہیں۔ اب آپ انہیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی ضمیر کے خلاف فیصلہ دیں۔ آخرکار بغیر جواب ملے گدی کی بدلی ہو گئی اور اب تو وہ سورگباش ہی ہو گئے۔ قصہ ختم ہوا۔ تعجب ہے کہ اس وقت کسی بندۂ خدا نے مندرجہ بالا دستاویزی مشترکہ بیان کی طرف توجہ دلا کر ان سے دریافت نہیں کیا کہ جناب! آپ نے اس وقت جو بیان دیا تھا وہ تو تمام حالات پر غور و فکر اور ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد دیا تھا۔ اب ایسی کیا بات ہو گئی کہ آپ اس پر قائم نہیں معلوم ہوتے، ہندی سرکاری زبان ہو جانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اردو کی بھی شدھی ہو جائے یا اسے ختم کر دیا جائے۔ آپ تو مہاتما جی کے خاص پیروؤں میں سے ہیں۔ گاندھی جی ایک بار جو فیصلہ کر لیتے تھے اسکو کبھی نہیں بدلتے تھے تاوقتیکہ وہ اسکا اظہار نہ کر دیں کہ ان حالات کی وجہ سے اب میری یہ رائے ہے۔ یا یہ کہ میں نے غلطی کی۔ وہ اپنا قصور بھی ماننے کے لئے اسی طرح تیار رہتے تھے جتنا کہ اپنی بات منوانے کے لئے پورے استقلال سے قائم رہتے تھے۔

مشترکہ زبان

اب ہم دو چار باتیں ذرا صاف صاف کہہ دیں تو اندیشہ ہے کہ مسلمان بھائی خفا ہو جائینگے لیکن منافقت سے کام کس طرح چلے اس پر یہ کہا جائیگا کہ مصلحت وقت بھی کوئی چیز ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بھاڑ میں جائے ایسی مصلحت جس سے آئے دن کل کل رہتی ہے اور خون ہوتے رہتے ہیں۔ تنگ گلی میں اگر آمنے سامنے سے دو موٹے موٹے آدمی کے نیچے آ جائیں اور انسانیت سے کام نہ لیں بلکہ سینہ تان کے مدھیں اور ایک دوسرے

کھڑگ ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ کریں تو سمجھ لیجئے کیا حشر ہوگا۔ یہی حال تنگرو کا ہے۔ اردو کی مخالفت محض غلط فہمی اور عناد پر مبنی ہے۔ اگر آپ ہندو بھائیوں کو نرمی سے یقینی دلائل دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ نہ مانیں۔ صرف بھائی چارہ سے کام چل سکتا ہے۔ سیاست سے نہیں چلیگا کیونکہ سیاست کے معنی وقتی مصلحت اور بے ایمانی کے ہیں جسکا تجربہ ہر روز دیکھنے میں آ رہا ہے۔

ہندوؤں کی توجہ کیلئے

ہم نے اوپر مختلف اقتباسات ہندی کی حمایت اور اردو کی مخالفت کی کوششوں اور لیڈروں کے متعلق جو درج کئے ہیں انسے بھی ہندو بھائیوں کو تکلیف ہوئی ہوگی اور وہ ہمیں بہت کٹر اور متعصب مسلمان سمجھتے ہونگے۔ حالانکہ اسی سے ہم غلط فہمی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں۔ اگر ہندو بھائی ان اقتباسات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں تو یقیناً وہ اپنے خیالات اور فیصلوں پر نظرثانی کرنے پر مجبور ہونگے۔

کیا اردو مشترکہ (ہندو مسلم کی) زبان ہے ؟ اوپر آپکے علم میں یہ بات خود بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے خطبات کے اقتباسات سے آچکی ہے کہ مسلمانوں اور خصوصاً مغلیہ عہد میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ اب مسلمان سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا واقعی ہندستان کی آبادی کی زبان فارسی تھی؟ جس طرح انگریزوں نے اپنی آسانی کے لئے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دیدیا تھا۔ اسی طرح ان سے پہلے مسلمانوں نے جو شمال کی طرف سے آئے تھے فارسی کو آبادی پر مسلط کر دیا جو تقریباً سب کی سب ہندو تھی۔ کیا دنیا میں کوئی ذی عقل انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ ہندو جو اپنے شاستروں کی زبان میں عبادت کرتے تھے اور اپنی بھاشا میں ہی آپس میں میل جول کا کاروبار کرتے تھے وہ مسلمانوں کے آتے ہی ایک دم فارسی داں بن گئے تھے۔ انھوں نے تو حکومت کے ساتھ وفاداری کا یہ ثبوت دیا کہ "قہر درویش برجان درویش" فارسی کو مان لیا اور اپنی فریاد اور مشکلات کی درخواستیں فارسی میں لکھوا کر دینے لگے جیسا کہ انگریزی راج میں ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کے ناخواندہ لوگ اپنی اپنی زبان میں لکھے ہوئے حالات انگریزی میں ترجمہ کرا کر داخل عدالت کرتے تھے۔ اور جس طرح انگریزی راج میں تعلیمیافتہ لوگ انگریزی پڑھتے تھے اور بعض بہت عمدہ اور ٹکسالی انگریزی بولتے اور لکھتے تھے اسی طرح ہندوؤں نے بھی فارسی میں بہت اچھی قابلیت پیدا کر لی تھی۔ خود ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب فارسی بہت اچھی جانتے تھے۔

لیکن ملک کی زبان وہ ہوتی ہے جسے عام لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ فارسی سالہاسال تک سرکاری زبان رہنے کے باوجود بھی ملک کی زبان نہ ہو سکی۔

سو سال تک انگریزی راج کا دور دورہ رہا لیکن عوام کی زبان انگریزی نہ بن سکی۔ چونکہ علوم و فنون کی کتابیں انگریزی میں تھیں اس لئے اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ انگریزی بنا لیا گیا ورنہ اگر دیسی اور ملکی زبانوں میں یونیورسٹی کے اعلیٰ نصاب کی کتابیں مل سکتیں تو یہ رونا کیوں پڑتا کہ ۱۹۶۵ء کے بعد انگریزی رہے یا نہ رہے جسے رہنا ہے رہے۔ فرانسیسی زبانوں کی طرح کسی یورپین ملک کی زبان سیکھنے کا شوق ہو تو وہ انگریزی بھی لے سکتا ہے۔ ورنہ ہندی میں جو اب ملک کی زبان ہوگئی ہے تعلیم پائیگا۔

لیکن ہندو نے شروع میں ہی ہندی کو سنسکرت کے قالب میں ڈھال کر ملک کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ دل میں فرض کر لیا کہ ہندو تو کوئی اعتراض نہیں کرینگے کیونکہ یہ ان کے شاستروں اور ویدوں کی مقدس زبان ہے صرف مسلمان اعتراض کرینگے۔ لیکن جس طرح مسلمان بادشاہوں نے زبردستی فارسی کو دربار اور سرکاری زبان بنا لیا تھا اسی طرح ہم بھی سنسکرت ہندی نما کو رائج کر کے رہینگے۔ اگر یہ قدم وہ آہستہ آہستہ اٹھاتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ غلطی تو یہ کی کہ ایسی زبان فوراً ریڈیو پر نشر کرنی شروع کر دی جسے نہ ہندو سمجھتے تھے نہ مسلمان۔ اب اگر عربی زبان میں نشریات شروع ہوں تو کیا آپ کے خیال میں مسلمان اسے سمجھنے لگینگے۔ یہ ضرور ہے کہ قرآن کی زبان ہونے کی وجہ سے بعض بالکل ادباً اور احتراماً خاموش رہینگے۔ لیکن اکثر لوگ جنھوں نے ریڈیو سے فائدہ اٹھانے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے رقمیں صرف کی ہیں وہ اپنا وقت اور روپیہ ضائع کیوں ہونے دینگے اور مطالبہ کرینگے کہ اس زبان میں خبریں سنائی جسے عام جنتا یا عام مسلمان سمجھتے ہوں۔ محض عربی کے خیال سے مسلمان خاموش نہیں رہینگے۔

ہندو چونکہ ذاتی منفعت کی بات بہت جلد سوچ سمجھ لیتے ہیں۔ اور من حیث القوم آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے انہوں نے مسلم راج میں فوراً فارسی اور اس کے بعد اردو میں اسقدر شغف سے کام کرنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ چلنے لگے اور اسی کی بدولت شاہی دربار میں بھی خاص رسوخ کے مالک تھے۔

بس یہاں تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے لیکن جہاں تک ضروریات زندگی اور باہمی ربط و ضبط کا تعلق ہے وہاں ہم انہیں دوسرے خیال کا حامل سمجھتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جب آپ کو اسلامی یعنی اردو حروف ابجد سے دلچسپی ہے وہاں انہیں اپنے مذہبی

یعنی دیوناگری یا سنسکرت کے حروف تہجی سے لگاؤ کیوں نہ ہو؟

جب ہندوستان کی زبان اردو یا فارسی تھی تو کیا ہندو پچھاتا پتا یا مام یا سنسکرت کے الفاظ گھروں میں استعمال کرتے تھے یا مادر پدر و آداب سلام کہتے تھے؟

پس آپ یہ کہہ کر کہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اپنے حق کے لئے کوئی مضبوط دلیل پیش نہیں کر رہے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ اردو کی ترقی میں ہندوؤں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور زمانہ کا ساتھ دیا۔ لیکن اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ ہندی کے مقابلے میں اردو کو ترجیح دیتے ہیں۔ اردو کے معنی لشکر کے ہیں مغلیہ دور میں فوج میں اطراف ملک سے لوگ بھرتی ہوتے تھے اس لئے سب کی زبانوں سے تھوڑا تھوڑا حصہ لیکر نئی زبان کی تشکیل کی گئی اور اردو کے نام سے اسے موسوم کیا گیا۔ نان کوآپریشن کی تحریک کے زمانہ میں اگر انگریز اور ترکوں کی باہمی کشمکش نہ ہوتی اور خلافت کی نیا ڈگمگاتی نہ ہوتی اور ترکوں کے خلاف سربوں کو بھڑکایا نہ جاتا تو یقین کیجئے، مسلمان ملک کی آزادی میں اتنے زور و شور سے حصہ نہ لیتے۔ وہ تو گاندھی جی کا خدا بھلا کرے جنہوں نے بقول خود پکے بنئے پن کا ثبوت دیا اور اپنا نفع حاصل کرنے کے لئے یعنی کانگریس کو تقویت پہنچانے اور انگریز کو ملک بدر کرنے کے خیال سے خلافت کی تحریک کو ہاتھ میں لے لیا جس سے مسلمان ان کے گرویدہ ہو گئے اور انگریز کو چلتا کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ مہاتما جی کو اس سے کیا غرض کہ خلافت رہتی ہے یا جاتی ہے۔ وہ تو ہر ممکن طریقے سے انگریز کو نکالنے کے لئے میدان میں سینہ سپر ہو کر نکلنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ مزاحم ہونگے لیکن ان کی قسمت سے خلافت کا معاملہ بگڑ گیا جسے گاندھی جی نے اپنا لیا۔ اور لڑائی کا بگل بجنے لگا بس ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر ہندوستان سے انگریزوں کو نکال دینے کا عزم کر لیا اور میدان سر کر لیا۔ لیکن رو دھو کر بھی ترنگنیاں ملا ہوا یہ کیا آزادی؟ جبکہ ملک میں جنون کی ہوا چلنے لگی اور انگریز کے زہریلے جراثیم اپنا کام کرنے لگے۔

ہزاروں جوان حسینائیں بیوہ ہو گئیں۔ بیسیوں معصوم بچے ماں کی گود میں بے یار و مددگار رہ گئے اور ہزاروں ماں کی شفقت اور اس کی ممتا سے محروم ہو گئے بھائی اپنی پیاری بہنوں کو جلتی آگ میں چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ بہنیں بھائیوں سے بلکہ سب گھر والوں اور عزیز و اقارب سے جدا ہو گئیں۔ نہ خاوند کو بیوی کی خبر، نہ بیوی کو خاوند کا ہوش۔ آنکھ کھلی تو لق و دق میدان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر شدت پیاس کے عالم میں ماؤں نے بیٹیوں کو، رانڈوں نے مرے ہوئے خاوندوں کی آخری نشانیوں کو آسمان کی طرف تکتے ہوئے، اور یہ جا وہ جا کا مضمون دہراتے ہوئے کلیجہ پر پتھر رکھ کر اس دردناک منظر کو جس طرح دیکھا اس کے بیان کا یارا کس میں ہے؟ یہ سب کیوں ہوا اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تنگ دلی تعصب ناعاقبت اندیشی اور انگریزی سیاست اور تدبر سے بالکل بے تعلقی، اور سمجھتے ہوئے بھی تجاہل عارفانہ کے شکار سینہ ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

ہندوستان میں رہنے والوں کو کیا خبر کہ بٹوارہ کا کیسا خوفناک منظر دیکھنے میں آیا۔ پاکستان کے قدیم باشندوں کو کیا معلوم کہ ان کی پناہ میں آنے والے کس طرح وطن کی گلیاں اور خس و خاشاک کی جھونپڑیاں چھوڑ کر محض موت کے ڈر سے بھاگے اور نہ جانا انہوں نے کہ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ کے معنی کیا ہیں، قرآن کو چھوڑ کر کس قدر پست ہمتی اور تباہی کا منہ دیکھنا پڑا۔

سیکولر

اب رہا معاملہ سیکولر کا اس کے متعلق ہمارے خیالات سن کر اوپر سے نیچے تک کی سب قومیں بوکھلا اٹھیں گی لیکن حقیقت حقیقت ہی ہے۔ ملک تقسیم ہوا مذہب کی بنا پر کس نے کرایا؟ مسلم لیگیوں نے، کیوں کرایا؟ انگریز کے دھڑتے سے ۱۹۴۲ء کے اعلان کی پرواہ کرنے سے۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ خیر ہم چلے تو جائینگے ہی، لیکن یاد رکھو ایسا انتظام کر کے جائینگے کہ تم عمر بھر پچھتاتے رہو گے اور کبھی چین اور سکھ کی نیند نہیں سوؤ گے۔ اکیلے مسلم لیگ کے چاہنے سے ملک کا بٹوارہ کیسے ہو سکتا تھا؟ جی جناب! کسی نیشلسٹ مسلمان نے بٹوارہ کے لئے بھول کر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا سب مخالف رہے البتہ کانگریس کے پانچ چوٹی کے نیتاؤں نے اس خیال سے کہ یہ سلسلہ لڑائی کا تو ہمیشہ چلیگا ہم کب تک اپنا وقت ضائع کرتے رہینگے۔ چلو جھگڑا ختم کرو اور جو حصہ ہم کو مل رہا ہے یعنی ریڈکلف صاحب عطا فرما رہے ہیں وہ لیلو اور اپنا کام شروع کردو۔ کہنے کو تو کہہ دیا کہ اچھا چلو بٹوارہ منظور لیکن کون ہے جو دل سے دلانے کا ایک بھوا بھی دینا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دل میں دشمنی، عداوت، کینہ کا ایک مضبوط قلعہ بنا کر انگریز کے عطیہ پر "تھینک یو" کہہ کر باگ ڈور سنبھال لی گئی اور نیشلسٹ مسلمان کو وقتی ضرورت سے نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ بغیر ان کی شرکت اور کاوش اور سرفروشی کے تو آزادی مل ہی نہیں سکتی تھی اسلئے بین الاقوامی ساکھ قائم رکھنے کے لئے ان کو جبراً اور مجبوراً جگہ دینی پڑیں ورنہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مذہب کی بنا پر بٹوارہ ہو جانے سے مسلمان کے لئے نہ زمین پر گنجائش نکل سکتی تھی اور نہ دلوں میں۔ چند گنتی کے انسانوں کو چھوڑ کر باقی کوئی نہیں چاہتا کہ ملک کا ایک حصہ لینے کے بعد بھی مسلمان یہاں دھکڑ رہیں ہم یہ کسی پر ناحق حملہ یا چوٹ نہیں کر رہے بلکہ دلائل کے ساتھ اور پورے عقیدہ کے ساتھ کہہ رہے ہیں جب ریاستوں کی تقسیم زبانوں کی بنا پر ہوا اور ایک ہی مذہب والے

آپس میں ہی ایک دوسرے کو برداشت نہ کر سکیں اور خونریزیوں تک کا بھی پرہیز نہ کریں یا ایک ہی ریاست میں دھڑے بندیاں محض اقتدار کے لئے ہونے لگیں اور تمام کام چوپٹ ہو جائیں۔ غریبوں کا خون چوسنے والے اپنے کام میں لگے رہیں اور دیکھیا سو رہا اپنے اپنے حقوق کے لئے روز ملی ہڑدھاڑ بولتے رہیں اور اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرتے رہیں کیا وہ ملک کے بٹوارہ کے بعد مسلمان کو برداشت کر سکتے ہیں؟

ہم نے اپنے تمام کانگریسی احباب سے "سیکولرزم" کے متعلق آزادانہ طور پر دریافت کیا ان کانگریسیوں سے جو ماں کے پیٹ سے ہی آزادی کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر پیدا ہوئے ہیں قرآن سے مطلق نہیں پوچھا جو شیر کی کھال پہن کر گیدڑ کی بجائے شیر کہلانا چاہتے ہیں سوائے دو کے باقی سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ حافظ صاحب! اگر واقعی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سیکولر اسٹیٹ نہیں ہے بلکہ بٹوارہ کی نوعیت کے لحاظ سے "ہندو ملک" ہے اور دوسرے مسلمان بھی آپ کے ہم خیال ہوں تو یقین جانئے کہ یہ آپس کی تکرار اور روز روز کا جھگڑا ایک پھر میں ختم ہو جاتا ہے۔ ہم نے کہا ہم تو بھائی شروع سے ہی ایسا سمجھتے ہیں کیونکہ ہم تو سیکولر کے معنوں میں اسے اسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح انگریز کے زمانہ میں تھا شہنشاہ انگلستان جب تخت نشین ہوتا ہے تو ذمہ داری سنبھالنے کے وقت تمام رعایا کے سامنے اور حکومت کے تمام افسروں اور ذمہ دار وزراء کے سامنے حلف اٹھاتا ہے جس میں ایک فقرہ اپنے آپ کو Defender of Faith یعنی حامیٔ دینا (عیسائی مذہب) کے وعدہ کا بھی ہوتا ہے یعنی حکومت کا مذہب عیسائی تسلیم کر کے اس کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سب کو عیسائی بنالیگا اور اس کی عملداری میں کوئی غیر عیسائی نہیں رہ سکیگا یا تو سب کو جبراً عیسائی بنالیا جائیگا یا ملک بدر کر دیا جائیگا بلکہ اس کے برخلاف ہر مذہب والے کو آزادی سے زندگی بسر کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مگر حکومت عیسائی مذہب والے کی ہوتی ہے۔

اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ مسلمان ترکی کے بادشاہ کو اسلام کا خلیفہ مانتے تھے حالانکہ انگریز کے علم میں یہ بات تھی کہ تمام دنیائے عالم کے مسلمان ترکی کے خلیفہ کو سب سے بڑا مذہبی پیشوا اسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح کیتھولک عیسائی روم کے پوپ کو عیسائیت کا سب سے بڑا ہادی مانتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہ خیال کریں کہ "ہندو ملک" کہنے سے مسلمانوں عیسائیوں۔ پارسیوں یہودیوں کی زبردستی شدھی کر لی جائیگی یا انہیں مار ڈالا جائیگا یا ملک بدر کر دیا جائیگا۔ اگرچہ ملک میں چند ایسے فرقے حکومت کی چشم پوشی سے پروان چڑھ رہے ہیں جنہیں ایک منٹ کے لئے بھی مسلمانوں کا یہاں رہنا گوارا نہیں ہے جیسا کہ حال ہی میں انکوائری بورڈ کے سامنے گواہی دیتے ہوئے آریہ سماجی مہا سبھائیوں نے نہایت آزادی اور دھڑلے سے علی الاعلان کہا کہ جب تک مسلمان کا ایک بچہ بھی اس ملک میں ہے شانتی نہیں ہو سکتا اور سیکولر حکومت منہ تکتی کی تکتی رہ گئی۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور اس سے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ جب تک مسلمان اس ملک کو ہندوؤں کا ملک نہیں تسلیم کریں گے یہ مار دھاڑ کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ دنیا میں ہر مذہب کی حکومت کسی نہ کسی جگہ ضرور ہے سنی مسلمان، شیعہ مسلمان، کیتھولک عیسائی، پروٹسٹنٹ عیسائی، یہودی، آتش پرست حتیٰ کہ منکرین خدا کمیونسٹ تک کی پھر کوئی وجہ نہیں کہ بٹوارہ کے بعد بھی ہندوؤں کے نام سے یہ ملک منسوب کیا جائے کیا مسلمان اب بھی دوسرے مذہب والوں کے ملک میں نہیں رہتے کیا پہلے کبھی نہیں رہے تھے۔ کیا خود رسول خدا نے ہجرت کر جانے کے لئے ملک حبش تجویز نہیں فرمایا تھا، جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک خالص عیسائی بادشاہ کے تحت تھا۔

سیکولر کا راز

بھائی بھولا ان سب باتیں سمجھتا ہے اگر ملک کے سیکولر ہونے سے ہندو جاتی کو نقصان ہوتا تو یقین جانئے اب تک آسمان سے زمین تک تمام عالم ایک کر دیا جاتا جن ہندوؤں کو تمنا ہے کہ سب کی حکومت ہے اگر نہیں ہے تو ہندوؤں کے نام کی کوئی حکومت نہیں ہے۔ اس لئے ان کی زبردست خواہش ہے کہ یہ ملک ہندو راج کا کہلائے لیکن جو مدبر ہیں اور سوچتے ہیں کہ سیکولر رہنے میں ہیں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ صرف ہندو کا ٹھپہ لگانے سے ہی ہندو راج نہیں ہوتا۔ یہ تو اب بھی ہندو حکومت ہے۔ چنانچہ جب کوئی ہندو آپ سے کہتا ہے کہ مسلمان کا یہاں کیا کام وہ پاکستان جا کر کیوں نہیں مرتا اس وقت اس کا ذہن کس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہی نہیں کہ یہ تو ہمارا (ہندوؤں کا) ملک ہے یہاں مسلمان کا کیا کام اس لئے صاف ظاہر ہے کہ سب ہندو امیر غریب تعلیم یافتہ یا جاہل سب ہندوستان کو ہندو ملک سمجھتے ہیں سیکولر کوئی نہیں سمجھتا۔

سیکولر سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آئے دن مسلمانوں پر جبلپور۔ میرٹھ۔ علیگڑھ۔ چاندوسی۔ مالیگاؤں کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں تو انہیں بین الاقوامی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی کیونکہ سیکولر حکومت ہے جس میں ہندو مسلمان سب شریک ہیں، اگر یہ ہندو حکومت ہو اور غیر ہندو کے ساتھ خصوصاً مسلمان کے ساتھ ظلم و ستم کی گھناؤنی ہوتی رہیں تو بین الاقوامی نقطہ نظر سے ہندوستان کی پوزیشن نازک ہو جائے اور جو وقار اس وقت اسے حاصل ہے اور تمام اسلامی ممالک (سوائے "چینی پاکستان" کے) اس کی عزت کرتے ہیں وہ اسے حاصل نہ ہو۔

اس لئے سیکولر رہنے سے مسلمان کو فائدہ نہیں ہے صرف ہندو اسٹیٹ

کو اس سے تقویت ملتی ہے، مگر مصیبت تو یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں یہ ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ اسے اگر یہ ہندو راج ہوگیا تو پھر تو ہم کہیں کے نہ رہینگے۔ چاروں طرف سے ہم نرغے میں پھنس جائینگے۔ سیکولر کا ہی ایک سہارا ہے جو ہمیں یہاں سانس لینے دیتا ہے۔

ہم قرآن انشاء اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یقین دلاتے ہیں کہ اگر یہاں رام راج ہو جائے تو مسلمان کو ہندو سے زیادہ بہتر حالت میں رہینگے۔ ان میں سب سے زیادہ فراست ہے۔ بس انگریز کے بعد اگر کسی کا نمبر ہے تو وہ ہندوستان کے بننے کا۔ آپ دیکھینگے کہ ہندو حکومت میں آپ ساحل پر محفوظ رہینگے۔ آپ کی کشتی بھنور میں کبھی ڈگ مگ ڈگ مگ نہیں کریگی۔

جو ہندو تنگ کریگا اس کو اس کے بھائی ہندو ہی ٹھنڈا کر دینگے آپ کو بولنے کی نوبت ہی نہیں آئیگی۔ لیکن اگر ہندو دن کی حکومت صرف ویسی ہی چاہتے ہیں جیسا کہ سکھوں نے اپنی قوم کی مشکوں سے کاٹ کاٹ کر چمڑے کا سکہ چلانے سے طبیعت خوش کرلی تھی اور اپنی قوم کی حکومت کا نام کر گیا تھا تو پھر وہ جو ظلم بھی کریں کم ہے۔ بین الاقوامی مسائل اور حالات اور چاروں طرف کے اسلامی ممالک بلکہ خود یہاں کے مسلمان ہی ان کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور کر دینگے۔ دور ہی کیوں جائیں سوچ کر اطمینان کر لیجئے کہ کیا ہندوستان کی ریاستوں میں ہندو حکمرانوں کے قلمدان وزارت مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں رہے اور مسلمانوں نے اپنی وزارت میں ہندوؤں کو نہیں رکھا اور دوسرے بڑے بڑے عہدہ دار حتیٰ کہ فوجی افسر ایک دوسرے مختلف مذہب کے نہیں رہے۔ کیا انہوں نے ڈبویا یا غداری کی یا دھوکا دیا؟

آئیے ہم ہندو بھائیوں سے کہیں کہ اس حکومت کو سیکولر کی بجائے ہندو کے نام میں منتقل کرا دیں اور ایک دوسرے کی عزت کرنا سیکھیں اور رواداری سے کام کریں۔ اردو کے لئے آپ ماتم نہ کریں یہ بہت سخت جان ہے زندہ رہیگی چولھے میں چنگاری کی طرح وقتی طور سے دبی رہیگی۔ آپ جب خود کچھ کرنے پر آمادہ ہونگے تو یہ فوراً آپ کی مدد کریگی اس ملک کی زبان سنسکرت ہو کر بھی کبھی ابھر کر نہیں آئی۔ آپ اپنی اردو کی خود حفاظت کیجئے۔

رحم کا بدلہ

(از محمد اسحاق سہارنپوری۔ صدر غولکت بستھالی کناما)

باہر سے دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ وہ ایک خوبصورت عمارت ہے جس میں ایک خاندان آباد ہے کیونکہ لوگوں نے تو یہی دیکھا کہ روزانہ بچے مل جل کر مدرسہ جاتے ہیں مگر وہاں تو دو خاندان بسے ہوئے تھے۔ حالانکہ گھر ایک ہی تھا جس کی عمر تقریباً نصف صدی سے زیادہ ہو چکی تھی۔

جب عبدالرحمٰن کا آخری وقت آپہنچا تو اس نے اپنے دونوں فرزندوں کو اپنے قریب بلایا اور اتفاق سے رہنے کا وعدہ لیا۔ دونوں نے والد کے سامنے عہد کیا کہ وہ اتفاق سے رہینگے کسی بھی شخص کی چغلی نہیں کرینگے۔ ہر ایک کی بھلائی اور برائی میں شریک رہینگے۔ گھر کے درمیان ہرگز کوئی دیوار کھڑی نہیں کرینگے۔ مگر...

والد کے چہلم سے قبل ہی دونوں بھائیوں میں ان بن ہوگئی۔ بھائیوں کی ان دونوں کی بیویوں میں کسی بات پر لڑائی ہوگئی۔ کیونکہ محمد کے اولاد نہیں تھی اس لئے اس نے اپنی چھوٹی سالی کو اپنے یہاں لا رکھا تھا اور عبدالقادر کے تین لڑکے اور دو لڑکیوں کے علاوہ چند مرغیاں، چوہے، بلیاں اور لاتعداد کھٹمل موجود تھے۔ ایک روز محمد کی بیوی نے بڑے شوق سے شوہر کے لئے سوہن حلوہ بنایا تھا کہ بلی نام و نشان تک چھوڑے بغیر پورا حلوہ ہضم کر گئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ چند مٹی کی ہنڈیاں بھی مٹی میں گر گئیں تاکہ نہ ہوگا بانس نہ بجیگی بانسری۔ اس سے محمد کی بیوی آمنہ جل بھن گئی۔ اور آمنہ اور عبدالقادر کی بیوی میں وہ زور دار لڑائی ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ جب دونوں بھائی کام سے لوٹے تو ہر ایک نے اپنے شوہر سے بڑھا چڑھا کر باتیں کہیں۔ دونوں بیچارے بھوکے پیاسے کام سے ہنسی خوشی لوٹے تھے، وہ گھر کی مرمت کے اور کھیت میں زیادہ اناج اگلانے کے نت نئے منصوبے باندھتے ہوئے گھر لوٹا کرتے تھے۔ آج وہ دونوں اپنی اپنی بیویوں کے بہکانے میں آگئے اور ایسے بگڑے کہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے۔

دوسرے روز پنچایت بلائی گئی اور دونوں نے چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی تقسیم کر لیا۔ گھر کے درمیان مشترک دیوار تعمیر ہوگئی۔

اس کے بعد جب بھی وہ راہ میں ملتے تو کترا جاتے جیسے اجنبی ہوں۔ لوگ بہت خوش تھے کہ دونوں میں پھوٹ تو پڑی کیونکہ حالات حاضرہ میں لوگ کبھی ایک دوسرے کی بھلائی نہیں چاہتے۔

روزانہ نت نئے جھگڑے اٹھتے۔ آمنہ نے ایک روز جو مرغی کو مار ڈالا تو دونوں

بھائیوں میں لاٹھی کی نوبت آگئی اور دونوں ایک ماہ تک شفاخانے میں پڑے رہے اس عرصہ میں آمنہ اور عبدالقادر کی بیوی کو آپس میں لڑنے کی اچھی خاصی مشق ہوگئی اور دونوں خوب ماہر ہوگئیں۔

عبدالقادر کی بیوی اصغری بانو کی بڑی بیٹی کا نام نذیراً تھا جسکی عمر پندرہ سال ہوچکی تھی۔ وہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتی تھی پھوٹ پڑنے سے قبل وہ ہر دم خوش رہتی تھی اور چچا کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی بھی بھائی کے بچوں کو چاہتے تھے اور ہر بچے کو پیار کرتے گویا سب بچے ان ہی کی اولاد تھے۔ سب سے زیادہ وہ نذیراً کو چاہتے۔

پھوٹ کیا پڑی کہ آمنہ نے اسکی طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور نذیراً روز بروز دُبلی ہوتی گئی۔ پہلے تو اسکی طرف کسی نے خیال نہیں کیا جب اس نے دسترخوان سے بغیر کھائے اٹھنا شروع کیا تو ماں کی آنکھیں کھلیں بیانی لڑکی گھر کا سارا کام سنبھالنے والی آجکل پلنگ سے لگ گئی تھی۔ دوسری لڑکی زیب النساء ابھی گھریلو کام کاج میں مشاق نہیں تھی پھر بھی اس نے تالاب سے پانی لانا شروع کر دیا۔

اصغری بانو کو شوہر کے اسپتال سے آنے کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ آمنہ کے شوہر کو بہت چوٹ لگی تھی۔ اسلئے عبدالقادر پہلے گھر آگیا۔

جب اس نے بیوی سے نذیراً کے متعلق سنا تو بھونچکا رہ گیا۔ نذیراً سے لاکھ پوچھنے پر بھی کچھ سمجھ میں نہ آیا آخر اس نے بھائی کو کوسنا شروع کیا تاہم نذیراً خاموش اوپر کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی۔

ڈاکٹر بھی نذیراً کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا کیونکہ اسکی بیماری ڈاکٹر کی سمجھ سے باہر تھی بیسیوں تعویذ گنڈے کئے گئے مگر بیماری بڑھتی ہی گئی۔

عبدالقادر کے سپتال سے لوٹنے کے کچھ دن بعد محمد کو بھی گھر جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ دل میں انتقام کا جذبہ لئے لوٹا۔ کیونکہ اس کے چہرے کے دھبے جو چوٹ لگنے سے پیدا ہوگئے تھے اس کا منہ چڑاتے۔

جب میں دو تین بجی ہوئی تھی وہ فوراً ایک ہوٹل میں گھس گیا جہاں اسکے دوست آشنا موجود تھے مگر انھوں نے محمد کو خوش آمدید نہیں کہا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسوقت محمد خالی ہاتھ ہے۔

چائے پینے کے بعد وہ گھر کی طرف چل پڑا راستے میں تالاب پڑتا تھا جہاں سے لوگ پانی لے جاتے۔

دن کے بارہ بج چکے تھے عورتیں کب کی جا چکی تھیں۔ البتہ تالاب کی طرف بڑھتی ہوئی زیب النساء پر اس کی نظر پڑی تو وہ متحیر ہوگیا کہ پانی لانے کا کام تو نذیراً انجام دیا کرتی تھی۔ اب زیب النساء کیوں آگئی کیا نذیراً کا بیاہ ہوگیا۔ پھر اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی کیوں نہ زیب النساء کو پانی میں دھکیل دیا جائے۔ مگر۔۔۔۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ تالاب سے "بچاؤ" کی آواز بلند ہوئی۔ زیب النساء کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ محمد کے دل کی کلی کھل گئی اور وہ مسکرا اٹھا مگر پھر یہ کلی مرجھا گئی اور اس کے دل میں رحم کا جذبہ جاگ اٹھا۔ ایک دم بیتے ہوئے منظر آنکھوں کے سامنے دکھائی دینے لگے۔ اس نے فوراً پانی میں چھلانگ لگادی۔ اور زیب النساء کو آن کی آن میں باہر لے آیا۔ خوف کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

اس کی طرف دیکھتے ہی محمد کو نذیراً کی بھولی بھالی صورت دکھائی دی اور ماضی کی یاد بُری طرح ستانے لگی۔ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے بچپن کا کیا قصور"

وہ زیب النساء کو لئے گھر آیا اور بھائی کے گھر داخل ہوا۔ عبدالقادر نے خیال کیا کہ محمد نے انتقام لے لیا ہے اور وہ باہر چلا گیا۔

نذیراً پلنگ پر پڑی تھی اس نے نحیف آواز میں پکارا "چچا جان" اور وہ سکتے میں رہ گیا "یہ کیا حالت بنالی"؟

"چچا جان! آپ نے جو مجھے بھلا دیا۔ مجھے امید تھی کہ آپ کو ضرور مجھ پر رحم آجائیگا"

"ارے نذیراً مجھے معاف کردو۔ اب میں تم سے بچھڑ نہیں سکتا۔ تم نے یہ۔۔۔۔۔۔" اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ کیونکہ عبدالقادر نے خنجر سے محمد کا سر الگ کر دیا۔ نذیراً کی چیخ بلند ہوئی اور اس کی روح پنجرے سے پرواز کرگئی۔ جب زیب النساء ہوش میں آئی تو اس نے والد سے پورا حال کہہ سنایا۔ وہ محمد کی لاش سے لپٹ گیا۔ آمنہ نے جب یہ خبر سُنی تو اس کی حرکت قلب بند ہوگئی۔

عبدالقادر کبھی آمنہ کی کبھی محمد کی اور کبھی نذیراً کی لاش کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

ہمارا سنگم نئی دہلی

خشنو کی مرغی | محمود صاحب کی یہ تیسری کتاب ہے اس میں دو کہانیاں ہیں "خشنو کی مرغی" اور "بھکاری لڑکا" پہلی کہانی میں مرغی کو پالنے، اسکی دیکھ بھال کرنے، اس سے محبت کرنے اور اس کے بچے نکلوانے سے متعلق دلچسپ معلومات درج ہیں جن سے روزانہ ہمیں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ دوسری کہانی ایک ایسے لڑکے کا قصہ ہے جس کا باپ شکاری تھا۔ شکاری کو اس کے ساتھی نے شکار سمجھ کر فیر کرکے مار ڈالا۔ اس صدمہ سے شکاری کی بیوی بھی چل بسی اور لڑکا تن تنہا رہ گیا اور مصیبت کے دن کاٹنے لگا۔ ایک مسافر نے اُسے بھکاری سمجھ کر ملازم رکھ لیا..... پھر کیا ہوا اور کیسے ہوا کہ وہ لڑکا کالج میں پرنسپل ہو گیا مگر اس مسافر کے گھر میں ادنیٰ خدمت بھی انجام دیتا رہا..... اور.....؟ بچوں کو خود پڑھ کر ایسا بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ قیمت ۴۰ نئے پیسے۔

شکاری لڑکا | مولوی محمود الحسن صاحب ایم اے (علیگ) استاد مسلم یونیورسٹی کی یہ چوتھی کتاب ہے جو سنگم نے شائع کی ہے۔ یہ بھی دو کہانیوں پر مشتمل ہے "شکاری لڑکا" جس سے محمود صاحب کے رجحان طبیعت کا اندازہ ہو چکا کہ وہ نیکی اور رحمدلی اور ماں باپ کی اطاعت کی تعلیم کس موثر انداز میں دیتے ہیں۔ دوسری کہانی "بانسری والا" بہت عبرت انگیز ہے جس سے معلوم ہوگا کہ بادشاہ کی بدبختی اور عہد شکنی کی بدولت غریب رعایا کو کس طرح خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے۔

دولتی | مولوی عبدالحلیم صاحب ندوی بی۔ اے (جامعہ)، رکن آل انڈیا ریڈیو دہلی (جدید عربی سیکشن) کی مرتب کردہ بچوں کے پڑھنے کے قابل نہایت دلچسپ کتاب ہے اور سنگم کی معیاری کتابوں کی صف اول میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں تین کہانیاں ہیں۔ پہلی میں "پڑھنے والے گھوڑوں" کا حال ہے جنہیں نہ صرف پڑھنا بلکہ لکھنا بھی سکھایا گیا تھا۔ دوسری کہانی یہ بتاتی ہے کہ جنگلی جانوروں کا تصویر کھینچنے والے "کیمرے سے شکار" کیسے کیا جاتا تھا۔ تیسری کہانی "دولتی" ایسے عربی النسل گھوڑے کی ہے جس نے شیر کو دولتی مار کر بھگا دیا تھا۔ قیمت ۴۰ نئے پیسے۔

سرکس۔ بندر والا۔ نیا کھلونا | محمد حسین حسان صاحب سابق ایڈیٹر پیام تعلیم جامعہ ملیہ دہلی کی تصانیف ہیں۔ یہ تینوں کتابیں بچوں کو تہذیب صفائی، ادب اور تمیز سکھانے والی بہت ہی اچھی ہیں۔ ہر بچہ کے مطالعہ میں ان کا رکھا جانا اُسے ایک مہذب، سلیقہ مند اور تندرست افراد کی سوسائٹی یا جماعت کا رکن بننے میں بہت مدد و معاون ثابت ہوگا۔ قیمت علی الترتیب ۴۰، ۳۰، ۲۰ نئے پیسے رکھی گئی ہے۔ حسین حسان صاحب اصلاحی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے تعلیمی کہانیاں لکھنے میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کتابوں کے مضامین حسب ذیل ہیں:۔

سرکس:۔ ۱ سرکس ۲ آؤ سہارا سردار کھیلیں ۳ آنکھ میں کچھ پڑ گیا ۴ نیا کھیل ۵ پیالہ اُلٹ گیا ۶ دانت میں چھید۔

بندر والا:۔ ۱ بندر والا ۲ بڈھا درخت ۳ منہ خراب ہو گیا ۴ کان میں درد ہے ۵ حفاظتی انجن

نیا کھلونا:۔ ۱ نیا کھلونا ۲ لیٹل کراؤ ۳ ہاں — نہیں ۴ جانوروں کی نمائش ۵ جڑواں بھائی ۶ دانت اکھڑ گیا۔

دُھن کی پوری سون چڑیا | جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں شیخ ا با جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کے ایک بی۔ اے تھے جو دفتری کام کے علاوہ لکھنے پڑھنے کے بہت شوقین تھے۔ لکھتے لکھتے ایسی اچھی زبان لکھنے لگے تھے جو بچوں کے لئے نہایت میٹھی، سادہ مگر پیاری اور بہت پیاری ہوتی تھی ان کی کتابوں کو دیکھ کر ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم و فاضل اعلیٰ درجہ کے ادیب نے نہایت اچھے الفاظ میں ان پر ریویو کیا تھا اور انہیں "بچوں کا ادیب" خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ چنانچہ جناب الیاس احمد صاحب مجیبی بچوں کے لٹریچر کی دنیا میں "بچوں کے ادیب" کہلائے جاتے تھے۔ ان کی کتابوں کا بہت اچھا سلسلہ جو زیادہ تر بزرگان دین کی سوانح حیات پر مشتمل تھا جامعہ کی ملازمت کے دوران ہی انھوں نے نہایت آب و تاب سے شائع فرما لیا تھا جس پر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی جیسے نقاد نے بہت ہی اچھے اور ہمت افزا الفاظ میں اپنی قیمتی رائے کا اظہار فرما کر بہت سی امیدوں کی توقع کا اظہار فرمایا تھا، لیکن بعض ایسے حالات پیش آئے کہ وہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامی دور میں وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گئے اور کراچی (پاکستان) چلے گئے وہاں جاکر انہوں نے اپنا مشغلہ جاری رکھا اور بہت اچھی اچھی کتابیں مرتب کیں۔ سنگم کتاب گھر والوں سے بہت محبت اور گہرے تعلقات کی بنا پر بعض تصنیفات انہوں نے سنگم کو مرحمت فرمائیں جن میں پہلی کا نام "سون چڑیا" ہے اور وہ ایسی چڑیا کی کہانی ہے جو اپنے بچوں کو بھوکا نہ رکھنے کے لیے سو سو جتن کرتی ہے۔ وہ دو جن بعد اخلاص سے مدد مانگتی ہے اور ہر جگہ سے معقول "جواب" پاکر مایوس تو ہو جاتی ہے مگر ہمت نہیں ہارتی۔ آخر کار وہی سب اس کی دل کی لگن دور کرنے میں مدد کرتے ہیں جنھوں نے شروع میں اسے دھتکار دیا تھا۔ اگر وہ ہمت ہار بیٹھتی تو کیسا بُرا انجام ہوتا۔ بچوں کو آخر دم تک کوشش کرنی چاہیئے۔ ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ دوسروں کا بھلا چاہنا چاہیئے اور مدد کرنی چاہیئے۔ استقلال اور ہمت ۲ ہی

میں کامیابی چھپی ہے۔ مندرجہ بالا دھری کا نام استقلال نہیں ہے قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

جادو کی کرسی | یہ کتاب بھی بچوں کے ادیب الیاس احمد صاحب مجیبی کی نہایت سلاست سے لکھی ہوئی اور بچوں کے لئے انتہائی مفید کتاب ہے۔ ایک شاہزادہ گھر سے نکالا گیا ـــ کیوں؟ یہ خود پڑھ کر معلوم کرو۔ اُسے ایک جادوگر ملا۔ یہ کون تھا؟ پڑھ کر بتاؤ۔ اس نے شہزادہ کو کرسیوں کی مرمت کرنے کا کام سکھایا۔ چنانچہ شہزادہ نے اپنی خستہ حالی کے لئے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ بلکہ اپنی محنت سے کرسیاں مرمت کرکے کھانا کھاتا رہا۔ اور شہزادے نے اس کام کو [illegible] دیا۔ [illegible] وہ ایک کرسی کی مرمت شام تک پوری کرکے دم لیتا تھا۔ لیکن اگلے روز صبح اٹھ کر دیکھتا کہ وہ مرمت سب غائب ہے اور کرسی بدستور مرمت طلب ہے۔ پھر صبر و استقلال سے دن بھر میں اسے پورا کرتا اور اگلے دن پھر وہی حالت دیکھتا اور پھر مرمت شروع کر دیتا۔ آخر کار اس کے صبر اور استقلال کو دیکھ کر جادوگر نے کرسی کو مرمت کے بعد پھر خراب حالت میں نہیں کیا اور اس کے لئے اشرفیوں کے ڈھیر لگا دئے اور۔۔۔۔۔۔۔ اپنی بیٹی سے۔۔۔۔۔۔! بہت دلچسپ اور نہایت سبق آموز کتاب ہے قیمت پچاس نئے پیسے۔

اور مقدمہ چلتا رہا | یہ بھی مجیبی صاحب کی فکر طبع کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک نواب صاحب کا قصہ ہے جو مقدمہ میں پھنس کر کئی لاکھ کے مقروض ہو گئے تھے۔ اور آخر کار اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اپنی لڑکی کی شادی تو قرض لے کر بہت شان سے اپنے سامنے ہی کر گئے تھے۔ لڑکا ابھی نو عمر ہی تھا اس لئے ماں اور بیٹے کو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ قرض خواہ ڈگری لا کر مکان قرق کرا لیں گے۔ لیکن نواب صاحب چونکہ مفلسی کی حالت میں کسی سائل کا جواب رد نہ کرتے تھے بلکہ کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے اسلئے اللہ میاں نے پسماندگان کی بھی مدد کی اور ان کی نیک نیتی کا ثمرہ دیا۔ اور مقدمہ میں انہیں کامیاب کر دیا جس سے ان کی ساری جائداد پوری کی پوری انہیں مل گئی۔۔۔۔ پڑھئے اور نیکی کا سبق سیکھئے۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے۔

نصیب کھلے پھول کھلے | یہ بھی مجیبی صاحب کی محنت کا ثمرہ ہے اس میں دو کہانیاں ہیں۔ پہلی کا تو وہی نام ہے جو کتاب کا ہے۔ اس میں کیا ہے یہ ہم نہیں بتانا چاہتے آپ خود پڑھ کر اندازہ لگا سکیں گے کہ کتنی اچھی معلومات کس انداز میں بچوں کے فائدہ کے لئے درج کی گئی ہیں اور کتنی دلچسپی سے ہم سب اس کہانی کو پڑھ کر دم لیتے ہیں۔ دوسری کہانی کا نام ہے "لالہ کالی چرن" اس کو پڑھنے سے آجکل کے [illegible] حالات اور حاسدوں اور مفسدوں کی ریشہ دوانیوں کا آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دو بھائیوں کو آپس میں لڑانے کے لئے جتن کرتے ہیں اور چھوٹے بھائی کو مقدمہ بازی پر آمادہ کرتے ہیں جس کے لئے روپے کی ضرورت ہے اور بستی کے سیٹھ لالہ کالی چرن کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ سود پر روپیہ مل سکے لیکن لالہ کرپا رام اور ناگرمل لالہ کالی چرن بھی بستی کے نہایت شریف لوگوں کو آپس میں لڑانے کے لئے یہ مفسدین کس طرح فساد کرانے اور تماشہ دیکھنے کی کوششیں کرتے ہیں اس لالہ سیٹھ صاحب چھوٹے بھائی کو علیحدہ لے جا کر سمجھاتے ہیں کہ آپ کو روپیہ دینے میں تو مجھے فائدہ ہی ہے لیکن میں اپنی بستی کے دو شریف بھائیوں کو آپس میں لڑانے کے لئے روپیہ دینا بہت بُرا سمجھتا ہوں۔ قیمت ۲۵ نئے پیسے۔

سبزی کی کاشت | ۱۹۵۸ء میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے جامعہ ملیہ کو دیہی یونیورسٹی میں منتقل کرنے کی سفارش کی تھی۔ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لئے جامعہ نے اپنے قابل پروفیسر معاشیات، جناب محمد عاقل صاحب ایم۔ اے کو انگلستان بھیجا کہ وہ وہاں مختلف اداروں کو دیکھ کر اور ان مسائل کے ماہروں سے مل کر معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ سال بھر تک مشاہدہ کرنے اور اعداد و شمار فراہم کرنے کے بعد وہ واپس آئے اور دیہات میں تعلیمی اور سماجی کام شروع کرنے کے لئے "ادارہ معاشیات زرعی و اجتماعات دیہی" کے نام سے ایک ادارہ ۱۹۵۹ء میں قائم کیا۔ عاقل صاحب اس کے ڈائرکٹر بنائے گئے جنہوں نے دہلی کے مشرقی علاقہ کے ۲۱ دیہات کا ایک حلقہ بنا کر وہاں کے بعض مسائل کا جائزہ لینے کا پروگرام مرتب کیا اور دودھ کی پیداوار اور سبزی کی کاشت کی تحقیقات کا کام شروع کیا۔ صرف چھ ماہ کی مدت میں ان کاموں کی مکمل تحقیقات کے بعد نہایت مفید اور پُر از معلومات رپورٹ تیار کرائی۔ یہ کام اپنے لائق اور ہوشیار شاگردوں سے لیا جنہوں نے بہت محنت اور ذمہ داری سے اپنے فرائض انجام دئے اور ایسے اعداد و شمار فراہم کئے جو حلقے کے دیہاتی بھائیوں کے علاوہ ہر اس شخص کے لئے جسے ان مسائل سے دلچسپی ہو بہت کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں اور ان کے کار و بار کو بہت فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور نقصان سے بھی بچ سکتے ہیں۔

دودھ کی پیداوار کے متعلق رپورٹ انگریزی زبان میں شائع ہوئی ہے جس کی قیمت اڑھائی روپے ہے۔

"سبزی کی کاشت" کی رپورٹ اردو میں ہے۔ یہ جامعہ کے گریجویٹ عبدالستار صاحب بجنوری کی محنت کا نتیجہ ہے۔ جو اپنی ہائی اسکول کی تعلیم کے زمانہ سے ہی جامعہ کے قریب کی زمین پٹہ پہ لے کر سبزی کی کاشت کرتے رہے

تھے۔ ان کی فہرست کے صرف اہم حصے شائع کئے گئے ہیں۔ باقی حصے بھی نہیں معلومات سے پُر ہیں لیکن کتاب کی لاگت اور قیمت بڑھ جانے کے خیال سے فی الحال انہیں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اب بھی لاگت پر قیمت مقرر کی گئی ہے اس کتاب میں حسب ذیل مضامین ہیں :۔ (۱) سبزی کی کاشت کے طریقے (۲) سبزی کے ساتھ دوسری چیزوں کی پیداواریں (۳) فی بیگہ آمد و خرچ میں کمی بیشی کی وجوہات (۴) نمونے کے طور پر آمدنیاں اور لاگتیں (۵) سبزی کی لاگت اور آمدنی کا مقابلہ اناج سے (۶) دہلی میں سبزی بونے والی برادریاں (۷) کاشتکار (۸) گرمی (۹) سردی (۱۰) برسات کی سبزیوں کی تفصیل (۱۱) سبزیوں کی کاشت کے آمد و خرچ کے گوشوارے اور نقشے جن میں سبزی کا نام۔ ایک بیگہ زمین میں بیج۔ بونے کا وقت۔ پود بدلنے کا وقت کاشت کا طریقہ۔ فصل تیار ہونے کا وقت۔ اوسط پیداوار فی بیگہ وغیرہ دیئے ہوئے ہیں جن اصحاب کو سبزی کی کاشت کا شوق ہو وہ ضرور اس کتاب کو منگوا کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اسی فہرست کے سائز پر نہایت عمدہ چھپی ہوئی پونے دو سو صفحات کی کتاب۔ قیمت صرف اڑھائی روپیہ۔

کتاب کی کہانی | جامعہ کے ٹیچرز کالج کے ایک لائق استاد معین الدین صاحب بی ملے۔ ایل ٹی نے بہت محنت اور تحقیق سے یہ کتاب مرتب کی ہے پیش لفظ جناب ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب پرنسپل کالج مذکور نے لکھا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں تمہیں اس سوال کا جواب ملیگا کہ کتاب کا چھاپنا کیوں کر ممکن ہوا ہے۔ اس میں کن کن قوموں اور ملکوں کا ہاتھ ہے۔ کتاب کو موجودہ شکل دینے میں انسان نے کیسے کیسے تجربے کئے اور کیا کیا کوششیں کی ہیں۔ کتاب دلچسپ ثابت ہوگی۔ مٹی کی کتاب۔ چھال اور پتوں کی کتاب۔ درختوں کا نیا استعمال۔ موم پگھلا کر کتاب کا بنانا۔ پہلے کاغذ کیسے بنا۔ آدمی نے کاغذ بنالیا۔ چینیوں کے دو قیمتی تحفے۔ ملا کاغذ ملے چھپائی۔ پہلی کتاب کیسے چھپی۔ پرانی کتاب سے نئی کتاب تک اس کے مضامین کی فہرست ہے۔ اور وضاحت کے لئے دس عدد بلاکس کی تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں۔ قیمت پچاس نئے پیسے۔

مناقب و فضائل خلفائے راشدین | یہ مذہب اسلام کی ایک نایاب کتاب ہے۔ جو عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ طالب علموں اور دیگر علم دوست اصحاب کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔ کتب خانوں اور اسلامی گھروں کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان ہمیشہ سے ایسا ہی فلاکت زدہ رہا ہے جیسا کہ آجکل اس پر نحوست اور ادبار کی گھٹا چھائی ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ اس میں ایسی ایسی جلیل القدر ہستیاں اور پاکیزہ صورتیں ہو گزری ہیں جن کی جوتیوں کی خاک ہی کی برکت اور مقبول دعاؤں ہی کا اثر ہے کہ اب تک ہمارا وجود باقی ہے ورنہ ہم اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے نہ جانے کب کے فنا ہو چکے ہوتے۔

حضرت شیخ احمد صاحب نقشبندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے ہندوستان کا کونسا فرد بشر ہے جو واقف نہ ہو۔ آپ ریاست پٹیالہ کے مشہور قصبہ سرہند شریف کی زمین میں مدفون ہیں۔ جہاں سے اب تک بابا آپ کا فیض جاری ہے اور ہر سال آپ کی مقدس چوکھٹ پر لاکھوں زائرین دور دراز مقامات سے سفر کر کے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کا عرس شریف ماہ صفر المظفر کی آخری تاریخوں میں ہوتا ہے جہاں قوالی وغیرہ مطلق نہیں ہوتی بلکہ صرف ذکر الٰہی ہوتا ہے۔

آپ کی اولاد میں ایک بہت بڑے بزرگ حال ہی میں گذرے ہیں جو عالم باعمل اور جامع شریعت و طریقت تھے جن کا نام نامی شاہ عبد المجید تھا اور جو حضرت شاہ محمد معصوم صاحب نقشبندی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت اگرچہ دہلی کی ہے لیکن علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے بعد آپ نے چالیس سال مدینہ منورہ میں گزارے اور ۱۰ شعبان ۱۳۴۱ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال فرما کر جنت المعلیٰ میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پائیں مزار دفن ہوئے۔ آپ کے مریدین ہندوستان کے علاوہ چین، ترکستان، بخارا، قازان، روم، شام وغیرہ میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ آپ نے زمانہ حیات میں ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جو "کشف الغطاء عن اہل الخطاء" کے نام سے موسوم ہے لیکن اس کا مشہور نام "مناقب و فضائل خلفائے راشدین" ہے مصنف موصوف نے جس محنت و تحقیق سے اس کتاب کو مرتب کیا تھا اس کا پتہ ناظرین کتاب کو اس کے مطالعہ سے معلوم ہو جائیگا لیکن اتنا اور سمجھ لیجئے کہ اس کتاب کے مرتب کرنے میں محققین اور علمائے کرام کی ایک خاص جماعت سے مدد لی گئی تھی۔

تقریباً پچاس سال ہوئے جب یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ یہ مرحوم شیخ فاضل اجل کی لافانی یادگار ہے۔ اس کے شائع ہونے پر اکثر قدردان علم نے انعامات بھی مرحمت فرمائے تھے۔ پانی پت مرحوم کے ایک بزرگ نے یہ کتاب کو شائع کرایا تھا انہی کی مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب نے خاص طور پر مرحمت فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا تھا جنہوں نے اس کے کل نسخے خرید لئے تھے تاکہ ہر کس و ناکس اس کتاب کی بیش بہا معلومات سے استفادہ حاصل کر سکے۔ اور مصنف، مرتب اور خاکسار کو بھی دعائے خیر سے یاد کرے لیکن افسوس ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہولناک فسادات میں پانی پت تحصیل اور ضلع

کے خود سر اور ظالم حکام کے ایما سے جہاں پورے ... کو ۸/۳۰ ... گھنٹے لگا کر فیوڈ کر بالکل تباہ کر دیا گیا تھا وہاں ہمارا کل اثاثہ مع قیمتی ساز و سامان اور نایاب کتابوں کے نذرِ آتش کر دیا گیا تھا۔ چند نسخے جو خوش قسمتی سے دہلی میں ہمارے پاس رہ گئے تھے ان میں سے کچھ باقی ہیں۔

یہ کتاب ۲۲×۲۹/۸ سائز کے سو صفحات پر چھپی ہے۔ ہر صفحہ باریک قلم سے نہایت صاف اور خوشخط ۲۱ سطروں میں لکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں کیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف فہرستِ مضامین ہی کتاب کے چار صفحوں پر ختم ہوئی ہے مختصراً یہاں بھی درج کر دی جاتی ہے۔ مقدمہ حسب ذیل ہے: تالیف و ابتداء مذہب امامیہ اور ان کے راویوں کی جرح ان ہی کی کتابوں سے اور کتب حدیث اہل سنت کے درجے اور ان کے راویوں کے بیان کا ذکر ہے۔ پہلا باب: آیات قرآنی میں۔ فصل اوّل آیات فضائل صحابہ میں۔ دوسری فصل آیات فضائل حضرت ابوبکرؓ یا شیخین میں۔ تیسری فصل موافقات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں۔ دوسرا باب: احادیث میں۔ فصل اوّل اثبات خلافت حضرات شیخین میں آیت قرآنی و احادیث و آثار سے۔ دوسری فصل فضائل شیخین کے متعلق صحاح ستہ کی حدیثیں۔ تیسری فصل فضائل شیخین میں دیگر کتب کی حدیثیں۔ تیسرا باب: آثار میں (یعنی صحابہ کے اقوال میں)۔ پہلی فصل اقوال حضرت علی مرتضیٰ فضائل شیخین میں۔ دوسری فصل آثار اہل بیت فضائل شیخین میں۔ تیسری فصل آثار صحابہ و تابعین فضائل شیخین میں۔ چوتھی فصل حضرت علیؓ اور بقیہ اہل بیت کے اقوال شیخین اور صحابہ کی فضائل میں حضرات شیعہ کی معتبر کتابوں سے۔ چوتھا باب: پہلی فصل مذہب امامیہ کے چند اعتراض کے جوابات میں۔ دوسری فصل ابطال تقیہ میں۔ خاتمہ عشرہ محرم کے بعض بدعتوں کے بیان میں۔ اس کتاب میں ... بڑی خوبی یہ ہے کہ کوئی لفظ ... یا اعتراض یا طعن آمیز استعمال نہیں کیا گیا۔ اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے بحث کی گئی ہے۔ زبان نہایت صاف اور عام فہم ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے۔

اگر آپ کو رسولِ خدا اور ان کے اصحاب کرام سے محبت ہے تو اس کتاب کو ضرور منگا کر دیکھئے کہ خود باری تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید و فرقان حمید میں ان پاک روحوں اور اسلام کی ہمیشہ زندہ رہنے والی ہستیوں کے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہے اور ان کو کن الفاظ میں سراہا ہے۔ خود پڑھئے اور طلباء اور غرباء میں مفت یا بطورِ انعام تقسیم کر کے ثواب دارین حاصل کیجئے۔ نہایت نادر موقع ہے۔ بعد میں اس کا ملنا بیحد مشکل ہو گا۔

ستاروں کے کھیل اوپندر ناتھ اشک کا یہ بہت مقبول ناول ہے۔ پہلے ہندی کے پرچہ "بھارت" میں سلسلہ وار شائع ہوا پھر اشک کے اصرار پر کتابی صورت میں شائع کیا گیا اور اس کے بعد چھ ماہ کے اندر ہی اندر ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوا پھر اسے اردو کا جامہ پہنایا گیا۔ یقیناً آپ کی انتہائی دلچسپی کا باعث ہو گا۔ اردو میں بھی تیسری بار چھپا ہے جس کو سستی کتاب گھر نے چھاپا ہے۔

اس ناول کے کردار شروع میں تو کالج کے طلبا کی حیثیت سے آتے ہیں لیکن آخر تک پہنچتے پہنچتے زندگی کی کشمکش انہیں سنجیدہ اور متین بنا دیتی ہے اس میں رومان اور حقیقت کا کچھ امتزاج سا ہے۔

تعلیم کے زمانہ میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی کالج یا ایک ہی کلاس میں ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے کچھ مانوس ہو جاتے ہیں جس کی ابتدا میں تو اس سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں ہوتی کہ ایک دوسرے کی قابلیت، عادات، مزاج وغیرہ سے واقفیت ہو جاتی ہے پھر اگر ان میں سے کسی کو دوسرے کی کوئی بات پسند آ گئی تو نہایت معصومانہ طور سے باہمی ربط ضبط بڑھ جاتا ہے اور آپس میں قدرے بے تکلفی اور بغیر کسی بیگانگی کے ملنا جلنا شروع ہو جاتا ہے آخرکار ایک کو قلبی لگاؤ اور انسیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی حقیقت کا دوسرے کو علم نہیں ہوتا اور جس کا اظہار بہت کشمکش رنج اور جھجک کے بعد گول مول الفاظ میں شکوؤں اور کنایوں کی شکل میں ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے رومانی شکل اختیار کر لیتا ہے اور سر پر اس قدر بھوت سوار ہو جاتا ہے کہ انجام پر غور کئے بغیر یا تمام نشیب و فراز کو سمجھے بغیر اپنی دھن کے پیچھے کسی کا کہنا نہیں مانا جاتا۔ دونوں کا دل ایک ہی شکل میں تھا ہو تو کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوتا لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ ان میں سے جو اپنے آپ کو محبت کے چکر میں پھنسا کر اور دنیا و مافیہا سے بے پرواہ ہو کر ایک ہی خیال و تصور میں کھویا رہتا ہے وہ بعض اوقات اپنی محبت کے تمام دعووں کے باوجود بھی زندگی کا ساتھی بننے سے مجبوری کا اظہار کر دیتا ہے اور اس طرح اپنے ساتھی کو بہت کافی مدت تک غلط امیدوں میں رکھنے کے بعد مایوس ... اور اس کی تمام زندگی تباہ کر دیتا ہے۔ اس عرصہ میں اگر کوئی دوسرا شخص جو دل و جان سے اسیر ہو ... اور اندر ہی اندر محبت کی آگ میں ... اپنی حالت زار کا ایک خاکہ محبوب تک پہنچانے کے بعد ٹھکرا دیا جاتا ہے حالانکہ اس نے اپنی زندگی ہی اس کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ تو وہ مایوس ہو کر اپنی جان کھو بیٹھتا ہے۔ اس قسم ... کی نہایت سچی اور حقیقی تصویر اس ناول میں آپ کو ملیگی اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مرد زیادہ بے وفائی کرتا ہے یا عورت ... دوسرے کے گھر کی بربادی اور امنگوں کے خاتمہ کا ... ہوتی ہے۔ پھر اس کا سب سے زیادہ روشن پہلو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ اچھی شکل دوسرے کے لئے کشش کا باعث نہیں ہوتی بلکہ نفس کشی اور خدمت اور اپنے آرام و راحت و تن من سب کو دوسرے کی خدمت کے لئے وقف کر دینے سے بھی محبت کے جذبات ابھرتے اور جنم لیتے ہیں اور دوسرے کو گرویدہ کئے بغیر نہیں رہتے۔ یہ ناول ایسا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اس کا کوئی حصہ بھی قابل اعتراض نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ صرف دلچسپی سے پڑھا جائیگا بلکہ غور و فکر کرنے سے زندگی کی کشمکش میں بہت سے نازک موڑوں پر بطور رہنما بڑے کام دے گا۔ کتابی سائز کے ۳۰۴ صفحات ۲۰ سطری سطر۔ کتابت و طباعت نہایت پاکیزہ اور کاغذ بہت عمدہ۔ خوبصورت گرد پوش۔ قیمت صرف تین روپے۔

لومڑی اور خرگوش کی لڑائی
تعلیمی تاش کے موجد فیاض حسین خاں صاحب

لاگت (۲ آنے) ہے کی یہ مضمون چھوٹے بچوں کے لئے بہت دلچسپ ہے۔ ۹ سطری سطر پہلے حروف میں لکھی ہوئی ہے جس سے بچے کو پڑھنے میں بہت آسانی رہتی ہے اور کہانی کی دلچسپی بڑھانے کے لئے پورے پورے صفحے کی سات تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ خرگوش کے بچوں کو گھر میں اکیلا پا کر لومڑی ان کو ہڑپ کرنا چاہتی ہے اور پہلے تلاش کر کے انہیں مختلف حکم دیتی ہے۔ مثلاً یہ کہ چھلنی میں پانی لاؤ وغیرہ۔ بچے بہت حیران ہوتے ہیں کہ پانی بھرتے ہی نکل جاتا ہے۔ ایک چڑیا درخت پر بیٹھی ہوئی یہ تماشہ دیکھ رہی ہے اور انہیں لومڑی کے چنگل سے بچانے کے لئے ترکیبیں بتاتی جاتی ہے کہ ایسے ایسے کرو۔ لومڑی کو بہت غصہ آتا ہے کہ ہر معاملہ میں کچھ رکاوٹ ہوتی ہے کیا علاج کروں کہ انہیں کھانے کا موقعہ مل جائے۔ اتنے میں خرگوش آ جاتا ہے۔ بچارے دونوں میں ایک دوسرے کو ختم کرنے کی مہم شروع ہوتی ہے اور آخر کار خرگوش کامیاب ہو جاتا ہے اور لومڑی کی وہ درگت بنتی ہے کہ بس لطف ہی تو آ جاتا ہے۔ قیمت ۵ نئے پیسے۔ کتاب ہر طرح سے قابل تعریف ہے۔ مصیبت میں حیوان بھی ایک دوسرے کی جان بچانے کے لئے پوری مدد کرتے ہیں۔ چڑیا کو خرگوش سے کیا تعلق، بالکل جداگانہ قسم کے حیوان ہیں۔ لیکن انسان تو اپنی برادری اور کنبہ کا ہو کر بھی مدد نہیں کرتا بلکہ الٹا خون کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

غنچے

ریاست قدیم فرخ آباد کے رئیس غضنفر جنگ نواب محمد خاں بنگش اگرچہ ان پڑھ تھے لیکن حکومت کرنے کی پوری قابلیت رکھتے تھے۔ بڑے جوہر شناس۔ علم و فن کے قدردان اور غریب نواز تھے۔ اپنے ہاں بڑے بڑے اہل کمال فضلا اور جید عالموں، مصوروں اور خوشنویسوں کو جمع کر لیا تھا۔ انہی عالموں کے خاندان سے محمد ابوالقاسم صاحب وفا مرحوم فرخ آبادی بھی تھے۔ اگرچہ غریب تھے لیکن خاندانی ماحول علمی تھا۔ تربیت بھی بہت اچھی پائی تھی اس لئے لکھنے پڑھنے کا ذوق فطری تھا۔ جتنے دنوں چکی کے بیل کی طرح کام کرتے رہے لیکن غریب کو زندگی بھر سکھ نہ ملا۔ انہوں نے بچوں کے لئے بہت مفید کام کئے۔ کہانیاں نظمیں پہیلیاں۔ ڈرامے وغیرہ بہت کچھ لکھ گئے۔ ان کے مرنے کے بہت عرصہ بعد جامعہ ملیہ کے ہردلعزیز اور شریف کارکن عباس احمد صاحب مجیبی نے جنہیں علمی دنیا میں "بچوں کے ادیب" کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جو اب خود بھی پاکستان جا کر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں بہت کاوش اور بہت محنت سے وفا مرحوم کی ایسی نظمیں اکٹھی کی تھیں جو انہوں نے بچوں کے لئے لکھی تھیں۔ انہی نظموں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہیں بچوں کی نظمیں لکھنے کا کتنا سلیقہ تھا۔ مجیبی صاحب کو خدا بخشے انہوں نے یہ بہت بڑی خدمت کی کہ اپنے ساتھ اپنے ہم وطن وفا مرحوم کو بھی بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں زندہ کر گئے۔

اس کتابچہ میں ۲۹ نظمیں [قدرت کی کاریگری۔ جاڑا۔ سردی۔ گرمی۔ برسات۔ سورج۔ چاند۔ تارے۔ بادل۔ آندھی۔ اولے۔ بجلی۔ برف۔ زمین۔ تاروں بھری رات۔ ہمالیہ پہاڑ۔ گنگا۔ قدرتی پہاڑیاں۔ دخانی جہاز۔ موٹر سائیکل۔ موٹر کار۔ اونی کل۔ ننھا جگنو۔ کوئل۔ چیونٹی۔ ننھے کی مینا۔ (چڑے چڑیا کی چیم) کہانی۔ چڑیا چڑے کی لڑائی۔ ایکا] نہایت ہلکی پھلکی آسان زبان میں لکھی گئی ہیں۔ جنہیں بچے بچیاں بہت مزے لے لیکر پڑھتے ہیں۔ والدین اور استادوں کو ایسی کتابیں بچوں کے لئے تجویز کرنی چاہئیں تاکہ بچوں کی طبیعت پر بار نہ ہو۔

بعض نظموں میں سے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں:۔

ایکا:۔ ہندوستان کے سب ہی ہیت۔ ایکے کی ہے جگ میں جیت،
بنتا اور بگڑنا کیسا۔ لڑنا اور جھگڑنا کیسا، آؤ مل کر سیکھیں یہ جیت۔
ایکے کی ہے جگ میں جیت، میل ملاپ بڑا ہی پیارا، سکھ سنسار اسی میں سارا،

(۲) چڑیا کی لڑائی:۔ دونوں مل کر کھانے بیٹھے۔ کھاتے کھاتے ہوئی لڑائی
دیر سے تاک میں بیٹھی تھی جو۔ چپکے چپکے بلی آئی، آ کر ایک جھپٹا مارا۔
ختم ہوئی دونوں کی لڑائی، داب کے اپنے پنجے میں وہ لے گئی ان دونوں کو بلائی۔
آج یہی ہے حال ہمارا۔ آپس میں ہے مار کٹائی، لڑنا بھڑنا ٹھیک نہیں ہے
بچو! بات سمجھ میں آئی۔

(۳) چیونٹی:۔ محنت ہر دم کام ہے اس کا۔ اس سے جگ میں نام ہے اس کا
بچو! تم بھی محنت کرنا۔ محنت جینا۔ محنت مرنا۔ محنت کر کے پھل پاؤ گے۔
"محنتی بچے" کہلاؤ گے۔

(۴) چاندا۔ تاروں کی بارات میں نکلا۔ چاند سہانی رات میں نکلا،
جگ مگ جگ مگ جگ مگ جگ مگ چہرا۔ خود کا باندھے سر پہ سہرا۔ سن لو چاند کی رام کہانی۔
نور بھرے تاروں کی زبانی، بچوں نے کیا بات کہی ہے۔ بڑھیا چرخا کات رہی ہے۔

(۵) سورج:۔ آج جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ محنت کا تم اپنی بھر لو،
وقت جو گذرا پچھتاؤ گے۔ اس کا پھل بھی کیا پاؤ گے۔ بات تو جب ہے پیارے بچو!
سورج بن کر تم بھی چمکو، ساری دنیا نو بنا دو۔ اپنی کرنوں سے چمکا دو۔

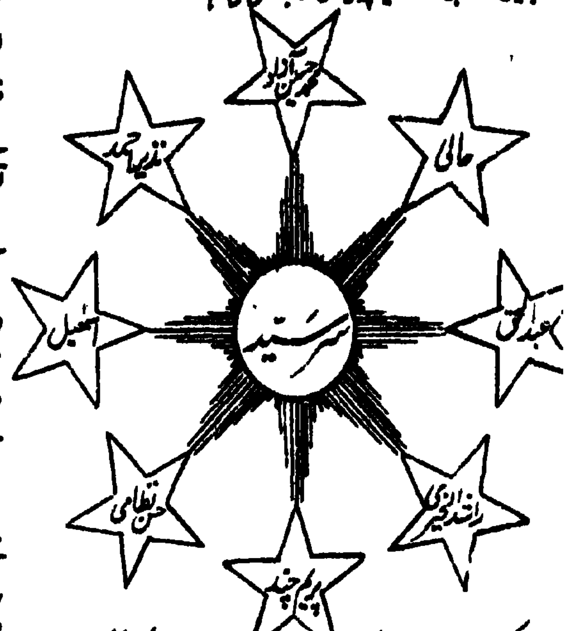
(۶) قدرت کی کاریگری:۔

ہیں دلفریب کتنے قدرت کے یہ مناظر — ایک ایک شے سے تیری کاریگری ہے ظاہر
دریا کہیں بہایا، سبزہ کہیں اُگایا — رائی کا ایک دانہ پربت جسے بنایا
یہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں، یہ ننھے ننھے کیڑے — بیٹھے ہوئے زمیں کے اندر غذا ہیں پاتے
ہر چیز لے رہی ہے دنیا میں نام تیرا — دریا ہے خاص تیرا، اور فیض عام تیرا

ہم نے ہر نظم میں سے چند اشعار درج کئے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ بچوں

کے لیے کتنی پیاری اور ہلکی پھلکی زبان میں اشعار لکھے گئے ہیں. قیمت بچاس نئے پیسے۔

ہیرے اس کتاب میں کیا ہے. ذیل کے نقشے سے آسانی سے بچے سمجھ جائیں گے. جن کے لئے یہ چھوٹی سی کتاب لکھی گئی ہے۔



لیکن یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سورج اور روشن سیاروں کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس کتاب میں ان کے حالات لکھے ہیں. ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے خیالات، کی جھلک خود انہی کے الفاظ میں ان کی کسی کتاب کا کوئی ٹکڑا لے کر دکھائی گئی ہے. یہ تمام ہمارے ملک کے بہت چوٹی کے ادیب ہیں اور ہر ایک کا طرز تحریر جداگانہ ہے. ان کی تصانیف کا پورا لطف اٹھانے کے لئے ہر ذی علم اور اہل ذوق کو جو وقت بھی مل سکے اسے ان کے مطالعہ میں صرف کرنا چاہیئے. ان کی روشنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی اور ہماری تہذیب اور زبان کو زندہ رکھنے والی ہے. خود کتاب کے مرتب جناب الیاس مجیبی صاحب کی طرز نگارش ایک خاص خصوصیت کی حامل ہے جسکا اندازہ علاوہ انکی تصانیف کے اس کتاب کے دیباچہ سے بھی آسانی سے لگ سکتا ہے۔ امید ہے کہ جس مقصد کو مد نظر رکھ کر یہ اقتباسات درج کئے گئے ہیں اسمیں کامیابی ہوگی اور جن بچوں کا رجحان علم و ادب کی طرف ہوگا اس سے بہت کچھ سیکھ سکیں گے. صرف ایک روپیہ میں منگا لیجئے۔

معلوماتی مفید کتابیں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مشہور اور قابل استاد جغرافیہ محمد امین صاحب نے جو اسی مضمون میں تم آئے ہیں طلبا کے لئے بہت ہی مفید کتابیں لکھی ہیں جن میں سے صرف چار کو مکتبہ جامعہ نے شائع کی ہیں جن کا ذکر فہرست مندرجہ بالا میں آچکا ہے. یعنی (۱) ماؤنٹ ایورسٹ حصہ اول (۲) ایورسٹ کی فتح (جو ماؤنٹ ایورسٹ کا دوسرا حصہ ہے) (۳) مصنوعی بارش (۴) سورج اور اس کا خاندان. یہ سب اردو میں ہیں. سوریہ اور اس کا پریوار ان میں سے ایک کتاب (سورج اور اسکا خاندان) جامعہ ملیہ کے ٹیچرز کالج کے شعبہ توسیع پروگرام (ایکسٹنشن سروس) کی طرف سے دلی کے محکمۂ تعلیم نے ہندی میں چھپوا کر مختلف کتب خانوں اور درسگاہوں میں تقسیم کی ہے جسکی تمام تصاویر لائن بلاکس میں ہیں جس سے اسکی شان بہت بڑھ گئی ہے. ہندی میں اس کا نام سوریہ اور اس کا پریوار ہے۔

دھرتی ماتا ان کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں ہندی میں ہیں. دھرتی ماتا حصہ اول. حصہ دوم. حصہ سوم. یہ سولہ سولہ صفحے کے کتابچے بہت دلچسپ معلومات کا خزانہ ہیں. ان میں سمندروں، پہاڑوں، دریاؤں وغیرہ کے متعلق مفید باتیں درج ہیں۔

پرتھوی اس کتاب میں ریگستان. چٹان. آتش فشاں پہاڑ وغیرہ چیزوں کا ذکر ہے جو بہت عمدہ تصاویر سے واضح کیا گیا ہے۔

موسم کے بارے میں سو سوالات بہت ہی اچھی کتاب ہے اور ہندی اور اردو دونوں رسم الخط میں ہے. اردو کی تو ساری کتاب نستعلیق ٹائپ میں چھپی ہے جس سے اسکی ظاہری صورت بھی سب پر فوقیت لے گئی ہے۔

موسم اور آب و ہوا یہ کتاب یونسکو کی مدد سے ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے اور اردو رسم الخط میں ہے. بہت عمدہ تصاویر اور خوبصورت چارٹس سے مزین ہے. قیمت ایک روپیہ بہت مناسب ہے۔

عبدالغفار صاحب مدہولی جامعہ ملیہ کے بہت ہی اچھے استادوں میں سے ہیں جنہیں آئیڈیل استاد یا نمونہ کا استاد مانا گیا ہے اردو زبان سکھلانے میں طرح طرح کی ترکیبیں جانتے ہیں. چونکہ ہندی سے خوب واقف ہیں اسلئے ہندی جاننے والوں کو اردو پڑھانے میں ایسے طریقے استعمال کرتے ہیں کہ وہ بہت جلد لکھنا پڑھنا سیکھ جاتے ہیں. جامعہ میں یہ طالب علم بھی رہے. جیسا کہ دیسنا ماڈل ٹریننگ کی جامعہ میں آکر ہوگا کہ امریکی منسٹری ٹریننگ اسکول سے ریکارڈ تحقیقات کر کے نام پیدا ہوگا کہ سب استاد ایسے شاگرد تیار کرتے ہیں. انہوں نے بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں چونکہ وقت کے سب سے زیادہ پابند ہیں اسلئے سبقوں کی پابندی سے کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسرے تمام استادوں کے مقابلہ میں زیادہ کتابیں لکھنے کا وقت نکال لیتے ہیں چھوٹی چھوٹی کتابوں سے لیکر ضخیم کتابوں تک انکی تصانیف میں شامل ہیں۔

سال بھر کی دلچسپیاں اس نام کی کتاب بچوں کے لئے بہت دلچسپ ہے اس میں چودہ عنوانوں پر معلومات ملینگی بیساکھی۔ ۱۵ اگست۔ پنچایت کا چناؤ۔ آؤ راکھی باندھیں جنم اشٹمی۔ بیتی عید۔ عید الضحٰے۔ محرم۔ میلاد النبی۔ دسہرہ۔ گاندھی جی۔ دیوالی آئی۔ جاڑے کے دن۔ بابا گرو نانک۔ ۲۶ جنوری۔ بسنت آئی۔ کھیل کود کا سالانہ جلسہ۔ ہولی۔ گرمی کی چھٹیاں آگئیں وغیرہ وغیرہ۔ ایسی کتابیں نصاب میں داخل ہونے سے ہی انٹگریشن ہو سکتا ہے اور گاندھی جی کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ ورنہ باقی لوگ تشدد پھیلا کر پیسے کماتے ہیں۔ حالانکہ وہی ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں لیکن انگریز جو بیج بو گیا ہے اسکی آبیاری بھی وہی کرتے ہیں۔ ۷۵ نئے پیسے میں خریدیئے۔

مدرسہ ابتدائی کی کہانی چونکہ مدہولی صاحب پرائمری اسکول کے بہت کامیاب مدرس ہیں اسلئے انھوں نے اپنے مدرسہ کی پوری کیفیت شروع سے اخیر تک کہانی کے طور پر بہت اچھے پیرایہ میں لکھی ہے۔ بچے کن باتوں سے دلچسپی لیتے تھے اور ان میں پڑھنے کا شوق پیدا کرنے کے لئے کون کون سے طریقے مدہولی صاحب نے استعمال کئے۔ اسکا پہلا حصہ جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے چھپ چکا ہے باقی حصے چھپ رہے ہیں اور جلد ہی مارکیٹ میں آ جائیں گے۔ مدہولی صاحب بچوں کو جو سبق پڑھاتے تھے اسکے متعلق سب باتیں نوٹ کرتے جاتے تھے۔ بچوں کو کہاں دشواری پیش آئی اور اس کا حل کیسے کیا گیا کس چیز سے بچوں نے دلچسپی لی اور کیوں لی؟ متعدد تصاویر اور فوٹو بلاک بھی شامل ہیں۔

یہ پوری کیفیت تیس سال کی درس و تدریس کی معلومات پر مبنی ہے اس لئے استادوں کے لئے بہت قیمتی چیز ہے۔ ۱۵ نومبر ۱۹۶۲ء کے سرکلر کے مطابق حکومت ہند نے انہیں اس کتاب پر ایک سو روپیہ انعام بھی دیا ہے۔

بنیادی بال بودھ ہندی کی یہ بہت خوبصورت کتاب جملوں کے ذریعے ہندی سکھانے کی ہے۔ تمام صوبوں کے ماہرین تعلیم نے اسے بہت پسند کیا ہے۔ متعدد تصاویر سے مزین ہے۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

جامعہ ودھی یہ کتاب بھی ہندی میں ہے اور استادوں کے لئے بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ پڑھنا سکھانا کھیلوں کے ذریعے پڑھنا سکھانا۔ سامان بنانا وغیرہ چوبیس عنوانوں کے تحت اور کامیاب تجربوں کے بعد معلومات درج کی گئی ہیں۔ ماہرین تعلیم کی رائیں بھی درج کی گئی ہیں۔ ۱۲۰ بڑے سائز کے صفحات ہیں۔ اسی میں بنیادی بال بودھ بھی شامل کر کے مکمل کر دی گئی ہے۔ یہ پوری مکمل کتاب استادوں کے لئے کارآمد ہے اور بنیادی بال بودھ صرف بچوں کے لئے مفید ہے۔

پہلی کلاس میں ہندی سکھانے کا رچی کر ڈھنگ یہ ہندی کی کتاب بھی استادوں کیلئے ہے جو پہلی جماعت میں ہندی سکھانے کا آسان طریقہ کے متعلق ہے اس کتاب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ہر ہندی پرائمری کے پڑھانے میں خواہ وہ کسی صوبہ کی مشکلات شدہ ہو مدد ملتی ہے اور بچہ کس بہت آسانی سے ہندی پڑھا سکتا ہے۔ قیمت یعنی دو روپے۔

اردو املا کا آسان طریقہ اس کتاب کی مدد سے اردو املا کا سکھانا بہت آسان ہو جاتا ہے اور آسان اردو کا سمجھ کر پڑھنا بہت جلد آجاتا ہے یہ کتاب اردو لکھنے پڑھنے کے گر بتانے والی کنجی چاہیئے۔ ایسے گر نہیں جو محض رٹنے کے لئے اور بغیر سوچے سمجھے استعمال میں لانے کے لئے ہوتے ہیں بلکہ ان پر ایک مرتبہ غور کرنے سے اور سمجھ لینے سے اردو کا لکھنا پڑھنا اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے جتنا ہندی کو آسانی سے سمجھ میں آ جانیوالی کہا جاتا ہے اس کتاب کے طریقہ پر عمل کرنے سے عبد الغفار صاحب مدہولی کے شاگردوں نے جو ٹیچرز کالج سے گئے ہیں۔ بہت جلد اردو سیکھ لی اور چھٹیوں میں گھر جا کر اپنے استاد کو اردو میں خط لکھے ہیں جن میں سے بعض خطوط بطور نمونہ اس کتاب میں درج کر دیئے ہیں۔ قیمت ۷۵ نئے پیسے۔

کیمپ فائر کی نقلیں اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ مدرسوں میں جب کبھی کوئی تقریب ہوتی ہے یا تعلیمی جلسے ہوتے ہیں جن میں بچوں کو بھی عملی طور سے شریک کیا جاتا ہے تو ان میں رات کے وقت کیمپ فائر اس تقریب کا نہایت اہم جزو ہوتا ہے جس میں اسٹیج کے ایک ہلکی سی تمثیل ڈرامہ کی شکل کی پیش کی جاتی ہے جو اخلاق سکھانے والی نہایت دلچسپ ہوتی ہے اور طلبا کے لئے بہت ہی زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کتاب کے دونوں حصوں میں بطور نمونہ کیمپ فائر کی نقلیں درج کی گئی ہیں۔ اساتذہ صاحبان اپنے ماحول اور ارد گرد کے حالات کے پیش نظر بہت سی نقلیں اسی قسم کی تیار کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ بچوں کے والدین اور سرپرست ایسی باتوں کی طرف خاص طور سے دھیان دینگے۔ دونوں حصوں میں متعدد نقلیں درج ہیں جو بچے یقیناً شوق سے کرینگے اور پبلک کے سامنے بہت اچھا نمونہ پیش کرینگے۔ ہر حصہ کی قیمت پچھتر نئے پیسے۔

غیر ذمہ دار لڑکا یہ ایک ایکٹ کا ڈرامہ کئی بار کھیلا جا چکا ہے اور ہر مرتبہ بہت کامیاب رہا۔ اس لئے اب دوسرے مدارس سے اسکی سفارش کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ بہت ہی دلچسپ ہے۔ روز مرہ کی زندگی کی جھلک بڑی حد تک اسمیں دکھائی گئی ہے۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

نیر صاحب ہمارے بچوں کے شاعر جناب محمد شفیع الدین نیر صاحب ایم۔ اے نے بچوں کے لئے نثر اور نظم میں بہت ہی اچھی کتابیں لکھی ہیں اور لطف یہ ہے

کر بچوں کی عمروں کا الگ الگ معیار مقرر کرکے اس کے مطابق کتابوں کے مختلف سیٹ مرتب کئے ہیں۔

بڑی خوش قسمت ہے وہ درسگاہ جہاں ایسے ایسے استاد ہوں جو نہ صرف بچوں کی نفسیات کو خوب سمجھتے ہوں بلکہ عملی طور سے اس کے لئے تعلیمی کام بھی کرتے رہیں جس سے ملک کے نونہالوں کو صحیح رہنمائی میں کام کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے چند کتابیں نظموں کی درج کی جاتی ہیں۔

وطنی نظمیں اس میں چوبیس نظمیں ہیں جن کے متعلق مفکرین اور ماہرین تعلیم نے بہت اچھی اچھی رائیں لکھی ہیں اور ملک کے اخبارات نے شاندار ریویو کئے ہیں جن کے اقتباسات بھی کتاب میں درج ہیں۔ قیمت پچاس نئے پیسے

منی کے گیت اس میں چھوٹی بچیوں کے ۲۶ گیت درج ہیں جن کی زبان بہت سہل اور بہت پیاری ہے۔ قیمت ۶۵ نئے پیسے

منی کا تحفہ یہ واقعی تحفہ ہے۔ بہت پر لطف اور شروع سے اخیر تک معیاری نظموں کی کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ

ہماری نعت بچے اگر میلاد النبی کا جلسہ کریں تو اس میں اس کی نعتیں بہت جاذب توجہ ہوں گی اور تمام سننے والوں کے دلوں کو گرما دیں گی۔ بہت ہی پیاری بچوں کی زبان میں یہ نعتیں لکھی گئی ہیں۔ کیا عجب ہے کہ نیر صاحب کی اس ایک ہی کتاب کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب کرے اور دونوں جہان میں ان کا نام نیک مشہور ہو۔ قیمت صرف تیس نئے پیسے۔

تعلیمی تاش منشی حکیم فیاض حسین نیر تیم [illegible] (جامعی) کے حالات زندگی پڑھنے کے قابل ہیں جو رسالہ سنگم ماہ فروری مارچ ۵۵ء میں پورے چھ صفحات میں مع ان کی عکسی تصویر کے شائع ہوئے ہیں۔ یہ شخص ہر فن مولا ہے اور جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے نہایت کامیابی سے پورا کرتا ہے لیکن فی زمانہ کامیابی کے لئے علاوہ ذہانت و ہمت و استقلال کے زر علیہ السلام کی بھی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس شخص نے اپنی زندگی عسرت میں بسر کرکے کامیابی حاصل کی۔ صنعت و حرفت کے محنتی مزدور عموماً افلاس کی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ان کی تیار کردہ چیزوں سے دوسرے لوگ اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہے۔ اسی فہرست کے صفحہ ۲۹ پر کرنی بھرنی نام کے کھیل کے سلسلہ میں ان کی ذہانت اور جدت طبع کے متعلق اشارہ کیا جا چکا ہے۔ سادھوؤں کے لباس میں یہ شخص ہندوؤں کے بڑے بڑے مشہور تیرتھوں کی سیر کر چکا ہے۔ پنڈتوں اور سادھوؤں کی صحبت میں رہ کر ان کی طرز زندگی کے خاص خاص پہلو معلوم کر چکا ہے۔ قلمی پرچہ [illegible] کے رنگ میں تنقیدی تھا بہت کامیابی سے نکالا۔ سنسکرت نما ہندی بچپن ہی میں سیکھ لی تھی جس سے بیلتا میں کام لیا۔ بچوں کی بہت سی کتابیں لکھیں جو سنگم کتاب گھر سے شائع ہوئیں۔ بچوں کے لئے ایک مفید پرچہ ہونہار نکالا مگر وہ مالی دشواریوں کا شکار ہوگیا۔ کتب خانہ جامعہ میں بہت قابلیت سے فرائض انجام دیئے۔ خانگی مشغولیت کی وجہ سے دیوان غالب کی [illegible] (الف) کی شرح مکمل کی اور ادیب فاضل کے امتحان میں داخل نصاب کی۔ [illegible] قائم کرکے امیدواران امتحان کو پڑھایا اور بہت نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ہندی پڑھانے کی کتابیں لکھیں۔ خوشنویس ہونے کی وجہ سے اردو، فارسی، ہندی اور انگریزی خوشخطی سکھانے کی کتابیں لکھیں اور ہر حرف کی لمبائی چوڑائی پیمائش نقطے کا [illegible] جس سے [illegible] بہت آسانی ہوگئی۔ یہ سب باتیں تو ان کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوں گی لیکن جس چیز سے تمام ہندوستان میں مشہور ہوئے وہ ان کی ایجاد تعلیمی تاش ہے۔ جب جامعہ نے کافی عرصہ تک اسکی اشاعت کی بعد میں سنگم کتاب گھر کو بھی موقع ملا لیکن انہیں سوائے نام کی شہرت کے کچھ زیادہ فائدہ مالی اعتبار سے نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ انہوں نے محنت بھی خوب نبھاہا لیکن طبیعت کی جولانی نے کسی ایک کام پر جمنے نہیں دیا۔ آخر کار اب انہوں نے تمام توجہ تعلیمی تاش کی طرف مبذول کرکے اس کی اشاعت اور مزید ترقی کا مشغلہ خود سنبھال لیا اور معلومات اس میں بہت [illegible] رہ کر کئی قسم کے تعلیمی تاش تیار کر ڈالے جن میں مخصوص کی جیب کے لحاظ سے اعلیٰ اور معمولی تاش کے کاغذوں پر چھپوایا ہے جس سے زبان کی الفاظ سازی میں بچے اور بڑے نہایت شوق سے حصہ لیتے ہیں اور کھیل کھیل میں الفاظ سیکھتے جاتے ہیں۔ اب وہ خود کاروبار کرتے ہیں۔ اس وقت تک حسب ذیل تاش تیار کئے ہیں:- (۱) تعلیمی تاش اردو کلاں ایک روپیہ پچاس نئے پیسے۔ (۲) اردو خورد ایک روپیہ بارہ نئے پیسے (۳) تعلیمی تاش اردو انگریزی ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے۔ (۴) تعلیمی تاش عربی فارسی دو روپے (۵) تعلیمی تاش ہندی ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے (۶) تعلیمی تاش ہندی انگریزی ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے (۷) بچوں کا تاش ہندی ایک روپیہ بارہ نئے پیسے۔ (۸) ہندی ٹسکٹ کارڈ (مبتدیوں کو ہندی پڑھانے کے لئے) پچھتر نئے پیسے ہر قسم کے تاش کے ساتھ کھیلنے اور پڑھانے کے قاعدے بھی اسی زبان میں چھپے ہوئے دیئے جاتے ہیں۔ عربی فارسی کا تاش تو ہندوستان کے باہر بھی بھیجا جاتا ہے جس کو قاعدہ عربی مدارس میں علماء [illegible] ہیں۔

شرح دیوان غالب اسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ردیف (الف) قیمت ایک روپیہ پچیس نئے پیسے

ہندی کے تیس سبق ۳۰ دن میں پوری کتاب ہندی سکھاتی ہے (ساری کتاب میں ہندی اور انگریزی کے حروف خود مصنف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں) قیمت پچاس نئے پیسے۔

بیس دن میں ہندی کتاب کی افادیت اس کے نام سے ہی ظاہر ہو رہی ہے۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے

یہ کتابیں اور کارڈ سنگم کتاب گھر جامع نگر نئی دہلی نمبر ۲۵ سے اسی قیمت پر (تاجروں کو بھی) علیحدگی جس پر خود مصنف سے ملتی ہیں۔

بیادگار اجلاس جمعیۃ العلمائے ہند بمقام شہر میرٹھ ۔ بتاریخ ۷، ۸، ۹ جون ۱۹۶۳ء

چیف ایڈیٹر و نگراں :- خواجہ فیاض احمد پانی پتی
ایڈیٹر :- خواجہ ذکی احمد بی ۔ اے (جامعہ)

ماہنامہ ہمارا
جامعہ نگر نئی دہلی

چندہ :- سالانہ : سوا دو روپے (بذریعہ منی آرڈر)
فی پرچہ :- بیس نئے پیسے
(وی ۔ پی نہیں بھیجا جائیگا)

پاکستان میں زر چندہ وصول کرنے کے مجاز :-
(۱) مکنیکل و کمرشیل بک کمپنی چوک دال گراں ریلوے روڈ لاہور (۲) مولانا محمد علی جوہر ایجوکیشنل سوسائٹی یوسفی ہاؤس تین ہٹی کراچی نمبر ۵

جلد ۶ | یکم جولائی ۱۹۶۳ء مطابق ۹ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ ۱۰ اساڑھ سمت ۲۰۲۰ بکرمی ۲۴ اساڑھ ۱۳۷۰ فصلی ۱۰ اساڑھا ۱۸۸۵ شاکھا بدھ دوشنبہ سوموار | شمارہ ۱ - ۲
یکم اگست ۱۰ ربیع الاول ۱۰ ساون ۲۹ ساون ۱۰ فرلونا پنجشنبہ (ویروار)

حمد و نعت

از جناب حاجی منشی نور محمد صاحب نور سہارنپوری

ہر آنکھ میں اس کا جلوہ ہے، ہر دل میں مقام اللہ کا ہے
ہر لب پہ اللہ اللہ ہے، کیا پیارا نام اللہ کا ہے
سننے سے روح کو راحت ہو، پڑھنے سے دل کو قوت ہو
بیمار کو اس سے صحت ہو، کیا پاک کلام اللہ کا ہے
جنگل کے وحشی صبح و مسا کرتے ہیں خوشی سے ذکر خدا
مرغان چمن میں شور بپا، ہر صبح و شام اللہ کا ہے
یہ شان عرب سبحان اللہ، حج کرنے چلی ہے خلق اللہ
ہے نام مبارک بیت اللہ دربار عام اللہ کا ہے
کیا حسن ہے حسن شاہ دیں، شرمندہ ہے جس سے ماہ مبیں
ہر صبح و مسا جبریل امیں، پہنچاتا سلام اللہ کا ہے
نام اس کا شفیع محشر ہے، اللہ کا پیارا پیغمبر ہے
مشہور وہ ساقی کوثر ہے، جو لایا پیام اللہ کا ہے
گو فکر ہے اپنی امت کا، دل کو ہے بھروسہ رحمت کا
ہے کام شفاعت حضرت کا اور بخشش کام اللہ کا ہے
اے نور ہمیں ہے اتنی خبر، آتا جو کچھ دنیا میں نظر
ہے سب میں خدا ہی جلوہ گر، جلوہ ہی تمام اللہ کا ہے

(دینیات قیمت پانچ پیسے)

"پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم"

(ہیش چندر نقش)

اب کیا کہیں کسی سے یہ اپنی زباں سے ہم | بے زار ہو چکے ہیں فریب جہاں سے ہم
نظارۂ جمال کا عالم عجیب تھا | مدہوش و بے خبر تھے وہاں بے زباں سے ہم
اب حال اضطراب طبیعت نہ پوچھئے | تڑپے ہیں عمر بھر ترے درد نہاں سے ہم
یہ زور برق و باد یہ طوفان الاماں | محروم ہو نہ جائیں کہیں آشیاں سے ہم
جن کی مہک سے روح پہ طاری ہے بیخودی | وہ پھول چن رہے ہیں ترے گلستاں سے ہم
تعمیر نو ہے پردۂ تخریب میں نہاں | سمجھے ہیں راز دہر یہ دور جہاں سے ہم
منزل پہ ہو رہی ہیں قیامت کی شورشیں | غافل پڑے ہوئے ہیں مگر کارواں سے ہم
ناصح! خیال ترک محبت ہے فائدہ | واقف نہیں ہیں کیا الم جاوداں سے ہم

اے نقش مختصر یہ حقیقت ہے موت کی
پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

(از انداز قیمت تین پیسے)

فہرست مضامین

خطا پوش

ہم خطا کار ہیں اور تو ہے خطا پوش کریم | ہم جفا کار ہیں اور تو ہے وفا کوش کریم
ہم گنہگار، زیاں کار، سیہ کار مگر | تیری رحمت نے کیا ہے نہ فراموش کریم
عیش دنیا سے بیخودی نہ ہوئی | ایک بھی بات ہوش کی نہ ہوئی
ذرۂ خاک اور غرور لے تاج | بندہ بن کر بھی بندگی نہ ہوئی

ظہیر احمد تاج ۔ منقول از (دینیات)

(خواجہ ذکی احمد بی اے (جامعہ) پرنٹر و پبلشر نے دفتر ہمارا سنگم جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے مفتی عبد العزیز صاحب غوری کی کتابت کے بعد یونین پرنٹنگ پریس کٹرہ غلام ملک اردو بازار جامع مسجد دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

اشارات وکنایات سنگم

دعا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ط (۷:۲۳)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جان پر اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے: (سورہ اعراف رکوع ۲ آیت ۲۳)

تشریح آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ جنت میں جہاں چاہو رہو اور جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ سخت گنہگار ہو گے لیکن شیطان نے حضرت آدم سے اس امر کا بدلہ لینے کے لئے کہ اللہ نے تمام فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا سوائے شیطان کے، چنانچہ اس کے انکار پر اس کو آسمان سے اتار دیا گیا لیکن اس کی یہ درخواست منظور کر لی گئی کہ وہ قیامت تک زندہ رہیگا اور اولاد آدم کو بہکا سکیگا۔ آدم اور حوا دونوں کو بہکایا کہ واہ! اللہ نے سب چیزوں کی تو اجازت دی لیکن جو سب سے اچھی چیز تھی اسی سے منع کر دیا۔ میں ذمہ لیتا ہوں اس کے کھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ غرض چاپلوسی اور محبت کی باتیں بنا کر اس شجر ممنوعہ کا مزہ چکھا دیا جس کی پاداش میں انہیں یہی حکم ہوا کہ تم بھی جنت سے نکل جاؤ اور زمین پر رہو۔ اسوقت ان دونوں نے یہ دعا مانگی تھی جو قبول نہ ہوئی اور قَالَ اهْبِطُوا (اللہ نے کہا کہ اتر جاؤ) کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (تم میں ایک کا دشمن ایک ہے) یہ سب باتیں اب تک ہم بھگت رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔ زیادہ تصریح کرینگے تو عورتیں خفا ہو جائیں گی۔ اس شجر ممنوعہ کی کہیں تصریح نہیں ہے۔ مفسرین نے اسے گندم بتایا ہے۔ لیکن یہی چیز جو اللہ نے آدم کے لئے ممنوع قرار دی تھی اب سب سے زیادہ کھائی جاتی ہے!! اسوقت اس بحث میں الجھنا ہمارا مقصد نہیں ہے کیونکہ شجر ممنوعہ چکھنے کے بعد فوری جو چیز آدم اور حوا کو بھگتنی اور دیکھنی پڑی وہ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا (کھل گئیں انپر ان کی شرمگاہیں) یعنی وہ بالکل ننگے ہو گئے اور ایک دوسری کی شرمگاہیں دیکھ کر اسے بے حیائی کی بات سمجھنے کی وجہ سے وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ط (اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے) ان کو ڈھکنے لگے پتوں سے۔ اب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیوں ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا اور کہہ بھی دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے یہ سن کر وہ حسب بالا دعا مانگنے لگے لیکن اگر بات یہی ہوتی کہ کسی کام کے کرنے سے صریحاً منع کیا جائے اور اس حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے کر لیا جائے اور جب نتیجہ خطرناک نکلے تو معافی مانگ لی جائے اور معافی مل جایا کرے تو پھر تو راستہ صاف تھا۔ ممنوعہ چیز کو بھی استعمال کر کے دیکھ لیا جاتا اور بعد میں معافی مانگ کر رہائی بھی نصیب ہو جاتی کسی قسم کا مواخذہ نہ ہوتا۔ اسکا انجام جو ہوتا اس پر زیادہ دماغ لڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا۔ مگر کلچرل پروگرام والے اس قسم کی "لغو" باتیں سننے اور سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ہم تو روزانہ سینکڑوں باتیں اللہ اور اس کے رسول کے منشا اور احکام کے خلاف کرتے رہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اسکا انجام کیسا خطرناک ہوگا۔ جب دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور کن انسانوں کے؟ جو ماشاء اللہ خود بھی ملوث ہوتے ہیں اور ہم سے بھی زیادہ گئے گذرے ہوتے ہیں ان کی حکم عدولیوں اور خلاف ورزیوں کی پاداش میں وہ سزا بھگتنی پڑتی ہے جو بیان سے باہر ہے تو پھر احکم الحاکمین کے حکم نہ ماننے کا کیا حشر ہونا چاہیئے۔ مگر وہ سب سے زیادہ رحیم ہے اور رحمٰن ہونا یہ صفت صرف اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہے اس لئے امید کے ساتھ یقین بھی ہے کہ وہ ہماری بہت سی لغزشیں معاف بھی کر دیگا۔ اگرچہ حقوق العباد کے معاملہ میں خدا بھی رو رعایت نہ ہوگی اور پورا پورا انصاف ہوگا۔ جو "شوقین" حضرات جوان ہوں یا بوڑھے روزنامہ اخبارات کے ورق لوٹ پوٹ کر واہ واہ کے نعرے لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو "آرٹ" کا ماہر ہونا ظاہر کرتے ہیں وہ بالکل برہنہ عورت کی سڈول ٹانگوں، پھٹوں، سینہ، گردن، بال، بنا ہیئت کا فیشن وغیرہ دیکھ کر کسقدر تعریف کرتے ہیں اس کا صحیح اندازہ آپ ہمارے قلم سے نہیں لگا سکتے خود ان کے چہرہ کی رنگت سے لگا سکتے ہیں۔ آدم کو پیدا ہوئے ہزاروں لاکھوں برس ہو گئے اب تک وہی دقیانوسی خیال کہ شرمگاہوں کو پتے لپیٹ لئے یا ان کو ڈھک لیا کسقدر جاہلیت اور بد مذاقی کی بات ہے۔ کچھ عرصہ ہوا اسوقت عریانی کو دوسرے کی بدنظری سے بچانے کے لئے کوئی چیز بطور آڑ یا روک کے استعمال ہوا کرتی تھی لیکن اب تو اسکی بھی ضرورت نہیں البتہ ایک ٹانگ کو دوسری پر رکھنا ہی کافی سمجھا جانے لگا ہے اور وہ بھی اہل مذاق کے قول کے مطابق ستر پوشی کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اسے بھی ایک قسم کی ادا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ "آرٹ اور کلچر" نے فی زمانہ کسقدر ترقی کی ہے! اللہ اکبر!! یہ وبا کوئی یورپین یا عیسائی اقوام میں ہی نہیں ہے (ہم نے ملک اور مذہب دونوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھا ہے) بلکہ ہر اس سوسائٹی میں بلاقید مذہب وملت عام ہوتی جا رہی ہے جس کے لیے

کافی روپیہ ہے یا جسے اس کے صلہ میں روپیہ ملنے کی امید ہو ۔ اور جو اس کو قابل مواخذہ گردانے وہ نہایت بدتمیز، بدذوق اور رفطرتاً اندھا سمجھا جاتا ہے ۔

کلام مجید میں جہاں دعاؤں کا ذکر ہے جو کسی پیغمبر یا نیک بندے نے مانگی ہیں ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ گذرے ہوئے زمانہ کی تاریخی قسم کی چیزیں ہیں جو انہی ہستیوں کی ذات کے لئے مخصوص تھیں جنھوں نے دعائیں مانگی تھیں بلکہ وہ ایک قسم کی تعلیم بھی دیتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ جب اللہ پر ایمان رکھنے والوں پر کسی قسم کا حادثہ گذرے یا ان پر کوئی مصیبت نازل ہو اور انہیں اس قسم کے واقعات سے دوچار ہونا پڑے تو انہیں بھی اسی طرح دعا مانگنی چاہیئے ۔ ہم اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتے ہیں ۔ اللہ سے رحم کی دعا کرتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے آمین تو ضرور کہہ دیں ۔ اس کے بعد ہم دوسرے مضامین کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرتے ہیں ۔

اجین اور میرٹھ

اس سرخی سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ ہمارا اشارہ کدھر ہے ۔ اللہ اللہ وقت کس تیز رفتاری سے گذر جاتا ہے اور دلوں پر بعض ایسے نقش چھوڑ جاتا ہے جو رہ رہ کر ماضی کی خوش کن یاد تازہ کرتے رہتے ہیں ۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو دہلی سے ۳ بج کر ۲ منٹ پر جنتا ایکسپریس ایک خاص مقصد کے تحت ایک خاص مقام کے لئے ایک خاص جماعت نے اماکین کا ساتھ مل کر سفر کرنا ایک کل کی سی بات معلوم ہو رہا ہے ۔ گاڑی متھرا سے ہوتی ہوئی اگلے روز صبح ۶½ بجے ناگدہ پہنچی اور وہاں سے ۸½ بجے میل روانہ ہوا جس نے ۱۰½ بجے اجین پہنچا دیا اور ۱۱ بجے ہم جمعیت نگر پہنچا دیئے گئے ۔ جمعیۃ العلماء ہند کا سالانہ اجلاس کئی سال کے بعد ہونا قرار پایا تھا ۔ اس روز جمعہ تھا ۔ چنانچہ دہلی والوں کے لئے جو کیمپ تجویز ہوا تھا اس میں سامان رکھ کر فوراً جمعہ کی تیاری شروع کر دی اور ایک وسیع احاطہ میں جہاں کئی ہزار آدمیوں کے لئے نماز کا بہت پاکیزہ اور پرکشش انتظام تھا ۔ نماز با جماعت ہوئی ۔ جلسہ ہوا ۔ شام کو جھنڈے کی سلامی اور پھر شب میں اجلاس عام ۔ اسی طرح ۹، ۱۰، ۱۱ دسمبر کے تین دن نہایت آرام و سکون سے گذرے ۔ یقین جانئے اتنے بڑے کہ زندگی میں شاید ہی کسی ایسے موقع پر یہ سماں نصیب ہوا ہو کہ کئی ہزار فدایان جمعیت کے قیام کے لئے شہر سے باہر ریلوے اسٹیشن سے بالکل مختلف بلکہ مقابل سمت میں ایک خوشنما شہر آباد کیا گیا تھا جس میں پانی کے نل اور بجلی کی روشنی کے علاوہ نہایت بڑے بڑے وسیع کیمپ ٹھہرنے آرام کرنے کے لئے مع جملہ سامان کے بنائے گئے تھے ۔ ہندوستان کے ہر صوبے سے آنے والوں کیلئے جداگانہ کیمپ نہایت سلیقہ سے تیار کئے گئے تھے ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ، جمعیۃ العلماء ہند اور دیگر اداروں کی طرف سے تعلیمی اور دیگر معیاری کتابوں اور نقشوں وغیرہ کی نمائش بہت ہی نمایاں اور شاندار معلوم ہوتی تھی ۔ ہر قسم کے سامان خورد و نوش کی دکانیں اور ہوٹل نیز مصنوعات کی دکانیں نہایت عمدہ بازار کی شکل میں آراستہ اور مرتب کی گئی تھیں ۔ دفتر معلومات ۔ دفتر الجمعیۃ ۔ دفتر ناظم جمعیۃ علمائے ہند وغیرہ ہر چیز علیحدہ علیحدہ موجود تھی جلسہ گاہ کا وسیع پنڈال عوام الناس کے لئے کوٹ پتلون والوں کے لئے اور ڈائس مخصوص مہمانوں اور معتمد علمائے کرام کیلئے بہت خوشنما بہت بڑا بہت منتظمین کے سلیقہ کی شہادت دے رہے تھے مجلس عاملہ وغیرہ کے جلسوں کیلئے علیحدہ جگہ مخصوص تھی ۔ کھانے کے لئے نہایت وسیع احاطہ جس میں بیک وقت کئی ہزار آدمیوں کے بیٹھ کر کھانا کھانے کا معقول انتظام ۔ بہترین کھانا اور صبح کا ناشتہ ، نماز کے لئے بہت بڑا احاطہ جس میں پانچوں وقت ہر آدمی بغیر ارادہ کے خود بخود کھنچا چلا جاتا تھا ۔ خصوصاً صبح کی نماز کے وقت تو میدان عرفات کا نظارہ نظر آتا تھا ۔ فرض ادا کرنے کے بعد ہر روز مختلف نائبین رسول اور واعظ خوش بیان اس مختصر سے وقت میں وہ وہ نکات اور اسلامی فلسفہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج ہی ہم اسلامی دائرہ میں داخل ہوئے ہیں اس سے پہلے کی ساری عمر بالکل اندھیرے میں ہی ٹھوکریں کھاتے رہے ۔ ان سب باتوں کا بالتفصیل ذکر ہم نے اخبار الجمعیۃ کی کسی اشاعت میں وہاں سے واپسی کے بعد شائع کرایا تھا اور دعا کی تھی کہ خدا یا اپنی زندگی میں ہمیں پھر یہ اجتماع دیکھنا نصیب ہو ۔ بیت الخلا کا انتظام عموماً اچھا نہیں کیا جاتا اور اس طرف سے بہت بے توجہی ہوتی جاتی ہے لیکن وہاں تو "مولویوں اور ملانوں کی ٹولی" کی طرف سے ان کے منتظمین کے حسن مذاق اور بہت وسیع النظری کا ثبوت ملتا تھا ہم جیسے بوڑھوں کے لئے بھی ہر کیمپ میں اس کا خیال رکھا گیا تھا ۔ ۱۲ دسمبر کو دن کے ۱۲ بجے اجین سے بذریعہ پسنجر گاڑی دوسرے راستہ سے ہو کر ۱½ بجے ہی ناگدہ پہنچ گئے اور ناگدہ سے بذریعہ سروودن ایکسپریس ۳½ بجے بعد دوپہر روانہ ہو کر ۱۳ دسمبر کی صبح ۸½ بجے دہلی جنکشن ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے ۔ جس راستہ سے واپسی ہوئی اس سے اجین دہلی سے ۷۴۷ کیلومیٹر ہے ۔ تھرڈ کلاس کا کرایہ چوبیس روپے پینتیس نئے پیسے ($\frac{24}{35}$) تھا اور ایکسپریس گاڑی سے سولہ روپے ونئے پیسے (...) ۔

یہ تمام باتیں بطور یادداشت درج کرنے کے بعد ہم جو بات نمایاں طور پر درج کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نے جس ضرورت کے لئے اس دور دراز کا سفر اختیار کیا تھا وہ علاوہ ان باتوں کے [کہ] اجین جانے والے حضرات کی ایک معقول تعداد کا ہم سفر ہونے کی عزت نصیب ہوئی اور وہاں کے قیام میں ان کی صحبت سے

فیضیاب ہونے کا موقع ملا نیز ہندوستان کے چیدہ چیدہ حضرات علماء کی زیارت ہوئی اور ان کے خیالات پاکیزہ سے معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا جنہوں نے ایسے دلکش اور اچھے پیرایہ میں محاسن اسلام کے متعلق حقائق بیان فرمائے کہ غیر مسلموں کی حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہیں رہی اور وہ مبہوت ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے "جیسے خدا گواہ ہے ہم نے خود سنا) کہ ایسے اچھے اجتماع کو روکنے اور دنگا فساد کی باتیں کرنے کے لئے 'وہ' لوگ زور دے رہے تھے!! ('وہ' کا اشارہ جس طرف اور جن منصوبوں کی طرف ان کا تھا اس کو آپ خود سمجھ سکتے ہیں) کاش وہ لوگ بھی آکر ان باتوں کو سنتے" یقین جانئے کہ بعض عمر رسیدہ غیر مسلم حاضرین کی آنکھیں پُر نم تھیں اور نیکی کی مدح میں قطرے چمک رہے تھے] یہ تھی کہ اس مرتبہ کا اجلاس کہ جو مجلس عاملہ کے رکن نہیں ہیں اجازت تھی کہ وہ اس کے جلسوں میں اس کی کارروائی دیکھنے اور خاموشی سے سننے کے لئے شرکت کر سکتے تھے تاکہ عام مسلمین کو معلوم ہو سکے کہ ان کی اس اسلامی پارلیمنٹ میں کیا فیصلے ہوتے ہیں اور اس کے اراکین کن کن خیالات کے حامل ہیں اور مختلف الخیال حضرات کس طرح ایک نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہم اجین سے پوری طرح مالا مال ہو کر لوٹے تھے۔ خدا بخشے مولانا حفظ الرحمن کا زمانہ تھا جن کی ساری زندگی ملت کے لئے ایک پورے مجاہد کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ نہایت وسیع القلبی اور فراخ حوصلگی سے ہر معاملہ کے حسن و قبح کو سمجھتے تھے اور اس کے نتائج پر ان کی دور اندیشی گہری نظر رکھتی تھی۔ وہ نہایت دانشمندی اور فراست سے ہر خیال کے لوگوں کو ایک اسٹیج پر لا کر جمع کر دیتے تھے۔

یہاں ہی ہمیں ان بزرگوں اور علمائے کرام کو دیکھنے کا پہلی بار موقع ملا جن کا نام نامی اخبارات میں پڑھا کرتے تھے لیکن ملاقات کا شرف کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ ہندوستان کے مایہ ناز رہنما جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار کے طور پر دہلی میں ایک مدنی ہال کی تجویز پیش ہوئی جس میں نہ معلوم کس طرح ان لوگوں نے بھی چندہ کی رقومات کا اعلان کیا اور بعض نے نقد پیش کر دیں جو جلسہ میں محض کارروائی دیکھنے کی غرض سے شریک ہوئے تھے اور رکن نہیں تھے اور جنہیں صرف خاموش رہنا چاہئے تھا۔ اس موقع پر ہم نے دیکھا کہ مولوی اسعد میاں صاحب جو ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ یوپی (اترپردیش) کی جمعیۃ العلماء کے صدر بھی تھے۔ اور حضرت مدنیؒ کے صاحبزادے ہیں اٹھ کر کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن مولانا محمد میاں ان کا گھٹنا دبا کر انہیں منع کر رہے ہیں۔ آخر کار ان سے نہ رہا گیا اور اُٹھ کر نہایت فخر سے اعلان کیا کہ میں بحیثیت صدر یوپی کی جمعیۃ کے اعلان کرتا ہوں کہ اس ہال کی تعمیر میں یوپی کی طرف سے دس ہزار روپے پیش کئے جائیں گے۔ یہ سنکر ہمارے تو ہوش گم ہو گئے اور یاد کیجئے کہ مطلق خیال نہیں رہا کہ اس جلسہ میں شرکت کے لئے ہماری کیا حیثیت ہے اور اس میں ہمیں بالکل نہیں بولنا چاہیئے۔ لیکن دس ہزار کے الفاظ سن کر جس طرح سوڈا واٹر کی بوتل میں سے ایک دم جوش سے گیس نکلتی ہے اور پانی گرنے لگتا ہے اسی طرح بے تحاشہ کھڑے ہو کر ہم نے کہا کہ کیا فرمایا؟ کتنی رقم! دس ہزار!! ابھی اس سے پہلے جناب حضرت نے نہایت زور سے ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت کو توجہ دلائی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے اپنے محکموں میں جگہ نہیں دیتی علاوہ اس عہدہ کی قابلیت رکھنے والے کافی مسلمان موجود ہیں اور آپ کا اپنا یہ حال ہے کہ جس صوبہ میں ہندوستان کے کل مسلمانوں کی تعداد کا نصف آباد ہے وہاں تناسب کا خیال نہیں رکھا"۔

"حکومت کو مطعون کرنے سے پہلے اپنے کردار پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ سلسلے یوپی سے محض دس ہزار! معاف کیجئے جناب اگر ہم یہ عرض کریں کہ دس ہزار تو ہماری چھوٹی سی دلی میں ہی ایک شخص دے سکتا ہے چہ جائیکہ اتنے بڑے صوبہ کی طرف سے یہ اعلان ہو" ابھی شاید کچھ اور اسی سلسلہ میں کہتا کہ مجاہد ملت (خدا انہیں کروٹ کروٹ چین نصیب کرے) نے اپنی روشن اور چمکدار آنکھوں سے ایک نظر ہم پر ڈالی جس سے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا صدر نے علاوہ کو صدر جلسہ نہیں تھے) ہمارا وقت ختم ہو جانے کی گھنٹی بجا دی ہے لہٰذا ہم احتراماً فوراً بیٹھ گئے۔ اور پھر ہی جناب مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں بھی یوپی کا رہنے والا ہوں میں اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے صوبہ کی طرف سے مدنی ہال کے لئے ایک لاکھ روپے پیش کئے جائیں گے۔ ہمارے ساتھ ہی دوسری آوازیں شامل ہوئیں اور جزاک اللہ سے تمام گونج اٹھا ہم نے اتنا اور کہا کہ دیکھا بڈھے ہی ہمت کرتے ہیں آجکل کے نوجوان تو محض ڈالڈا کے ہیں۔

اللہ اکبر اس کو اب تین سال ہونے آئے۔ کیسا پُر لطف سماں تھا کہ ہا میں مجاہد ملت ہمارا گیا وہ منتظر غرض کہ مسلمانوں کے مستقبل سے نہایت ہمت افزا حالات اور حیات بخش امیدوں کے ساتھ ہم اجین سے واپس ہوئے اور طبیعت کا سکون ملا کر گویا حج سے واپس ہوئے ہیں اور دعا مانگی کہ اے پروردگار! تجھے سب قدرت ہے یہ سب تیرے نام کو زندہ رکھنے اور تیرا پیغام سننے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے جمع ہوئے تھے تو ہم سب کی مرادیں پوری کر اور ہمیں دوسروں کی نظروں میں ذلیل نہ ہونے دے!

اور سب باتوں کے علاوہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تمام صوبوں سے آنیوالوں کی تعداد کا اندازہ کر کے جو انتظامات ان کے ٹھہرنے کے کئے گئے تھے ان کے علاوہ ایک کافی تعداد ایسے حاضرین کی بھی تھی جو محض کھجور کی چٹائیاں بکھری کر کے فرش پر ہی

کے خیال سے بنا دیے گئے تھے اور جن میں کسی چیز کے بچھانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی تھی لیکن جلسہ شروع ہونے کے وقت تک وہ بھی سب بھر گئے تھے!

اس اجلاس میں ہندوستان کے مسلمانوں کا استقدر اجتماع دیکھ کر بعض دوسرا بہیوں کی نظر بد ایسی لگی کہ ملک میں ایک قیامت بپا ہو گئی، اور ایک دم پھر بیماری کی گرمی میں وبال آیا اور مولانا حفظ الرحمٰن کو ایک دن بھی سکون قلب میسر نہ آسکا۔ ڈاکٹر کاٹجو کے مدھیہ پردیش سے جو گھٹا اٹھی تھی وہ یوپی کے کئی شہروں میں خون برسا کر رکی اور مجاہد ملت بخار کی حالت میں ہی اِدھر سے اُدھر بھاگتا رہا اور آخر کار ان تمام حادثات کا ماسور جان لے کر ٹلا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی کیونکہ جب حکم آجاتا ہے تو پھر ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ علیگڑھ۔ جاندسی۔ میرٹھ وغیرہ کے مسلسل آفات سماوی نے اور اسپر مزید چودھری چرن سنگھ کی نہایت خرمناک نمک پاشی نے (بحیثیت ایک ذمہ دار وزیر کے) نصیر جمیل کے ساتھ انہیں ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ اور وہ سیکولرزم کے نعروں کی نذر ہو گئے ان تمام باتوں کو کسیقدر تفصیل سے ہم اپنے پرچہ کے مجاہد ملت نمبر میں شائع کر چکے ہیں اس وقت یہاں اس غرض سے درج کیا ہے کہ تین برس کے بعد اب پھر جمعیۃ کے کارپردازوں کو خیال ہوا کہ ایک عام اجلاس کی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کا احساس کمتری کم کیا جائے اور انہیں یقین ہو جائے کہ باوجود ان تمام مصائب کے اللہ ان کے ساتھ ہے۔ یہ مصائب تو محض ایمان والوں کی آزمائش کیلئے ہوتے ہیں اور منکرین کے لئے پیغام اجل اور ناامیدی کا باعث،

اس اجلاس کے لئے میرٹھ کا مقام بہت ہی مناسب اور مبارک خیال تھا۔ آزادی کی "اصل" تحریک بھی سب سے پہلے اسی شہر سے شروع ہوئی تھی۔ یقین تھا کہ یہ اجلاس اجین سے بھی بہت زیادہ کامیاب ہوگا کیونکہ زخم ہرے تھے اور اجتماعی طور سے انپر پھایا رکھنے اور آئندہ کے لئے تعمیری پروگرام مرتب کرنے کی اشد ضرورت تھی۔

ہم چالیس سال سے دمہ کی اشد تکلیف میں مبتلا ہیں جس میں قسم قسم کے تجربے ہوئے اور ناقابل بیان تکالیف برداشت کرنی پڑیں اور اب دمہ نے ضیق النفس کی شکل اختیار کر لی ہے لیکن سال میں ایک مرتبہ ایسا شدید دورہ پڑتا ہے جو پورے سال کی کمی پوری کر دیتا ہے اور جسکا یقین عام آدمیوں کا تو کیا ذکر اطباء اور ڈاکٹروں کو بھی نہیں آتا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ آخر ماہ فروری یا شروع مارچ سے (بغیر کسی وجہ کے یعنی کھانے وغیرہ کی کسی بدپرہیزی کے) تکلیف شروع ہوتی ہے جو ایک ہفتہ کے بعد چارپائی سے اٹھنے کے ناقابل بنا دیتی ہے اور پھول و بواز سب سے اسی جگہ فارغ ہونا پڑتا ہے اور مسلسل چار ماہ تک یہ کیفیت رہتی ہے اور پھر چلنے پھرنے کے قابل ہونے کے لئے ایک مہینہ اور لگتا ہے گویا سال کا نصف حصہ بالکل ضائع جاتا ہے۔ اس سال ۱۹۶۳ء کے آخر جنوری سے ہی اس بیماری نے آدبایا اور ایسا طول کھینچا کہ اگرچہ مئی میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ لیکن چارپائی سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا یا دو چار قدم چلنا قطعاً مشکل تھا۔ اسی اثنا میں جمعیۃ کے اجلاس میرٹھ کی خبریں آنی شروع ہوئیں کہ جون کی فلاں تاریخوں میں ہوگا اس کے انتظامات کے حالات پڑھ کر دل میں بہت خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں اس قابل ہوتا کہ اسمیں شرکت کر سکتا چنانچہ روزانہ دو چار قدم چل کر آزماتا کہ آیا استقدر جان آگئی ہے کہ میرٹھ جا سکوں۔ مجاہد ملت کے بعد پہلا اجلاس ہے۔ میرٹھ اور یوپی کے ہنگاموں کے بعد پہلا اجلاس ہے یقیناً بہت پُر اسرار ہوگا ضرور جانا چاہیے آخرکار تاریخ مقررہ، ۲ جون ۱۹۶۳ء سر پر آگئی اور ہم اپنی صحت اور ٹانگوں کا جائزہ ہی لیتے رہے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر اور مختصر سی ضروریات سفر لے کر ہم گھر سے نکلے اور میرٹھ پہنچ گئے۔ گھر کے بچوں کے اصرار کے باوجود ہم نے اپنی مدد کے لئے کسی کو ساتھ لیجانا مناسب نہیں سمجھا۔

میرٹھ میں یہ اجلاس فیض عام انٹرمیڈیٹ کالج کی عمارت اور اس کے وسیع میدان میں ہونا طے پایا تھا چنانچہ دہلی سے چل کر بس صرف کالج کے سامنے ہی جا کر ٹھہری اگرچہ وہ بس کا اڈہ نہیں تھا لیکن جلسہ میں جانے والوں کی سہولت کی وجہ سے وہاں ٹھہرائی جاتی تھی۔ وہاں انتظام کے لحاظ سے سب سہولتیں میسر تھیں لیکن ایک چیز آخر تک معلوم نہیں چلا کہ اگر کمرہ کی بجلی غائب ہو گئی ہے یا بلب فیوز ہو گیا ہے تو کس سے کہا جائے۔ کمرہ میں جو پنکھا چلتا ہے اسکا سوئچ کہاں ہے۔ کسی شخص نے غلطی سے ہاتھ مار کر سوئچ کو بند کر دیا ہے اور پنکھا چلتے چلتے رک گیا ہے تو تمام کمروں میں جا کر معلوم کرنے کے باوجود پتہ نہیں چلا کہ سوئچ کہاں ہے۔ ہم جانتے تھے کہ یہ کالج کے کمرے ہیں اگر سوئچ ہر جگہ آسانی سے نظر آجائے تو طلباء تو ایک ہی دن میں تمام چیزیں ختم کر دینگے اس لئے احتیاط کے طور پر کسی محفوظ جگہ ہونگے لیکن کوئی نہیں بتاتا تھا۔ انکوائری آفس سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ فلاں صاحب جو فلاں صوبہ یا شہر سے آئے ہیں کہاں مقیم ہیں۔ اگرچہ ہر صوبہ کے کمرے علیحدہ علیحدہ نامزد تھے اور ان کے باہر صوبہ کا نام درج تھا لیکن پھر بھی دفتر معلومات والے اپنی فہرست سے کچھ پتہ نہیں بتا سکتے تھے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز پاخانوں کا انتظام تھا بس اس کی تفصیل بیان کرنا ضرورت نہیں۔ البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ اللہ کی خاص مہربانی تھی کہ ہم زندہ سلامت واپس آگئے ورنہ اگر تختہ پر بہت احتیاط سے قدم نہ جمائے جاتے تو یقین کیجیے نیچے فوراً خندق میں جو کم از کم چار پانچ فٹ گہری تھی اور جو مزید "اجناس" سے پانی سے بھری ہوئی رہتی تھی گرنے کے بعد باہر کسی کو پتہ ہی نہ چلتا اور اگر کسی دہ کسی طرح

وہاں سے نکلے بھی جلدی تو جو شخص دیکھتا وہ اپنی زندگی میں پہلی بار ایسا خوفناک بھوت دیکھ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگ جاتا اور ہمارے حال پر ذرا رحم نہ کھاتا کسی کو یقین ہی نہ آتا کہ یہ بھی کوئی آدم زاد ہے۔ بیماری کی وجہ سے ٹانگیں کانپتی تھیں اور کوئی جگہ ایسی نہیں تھی کہ جہاں اس مصیبت سے نجات ملے۔ باقی نماز، طعام وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔ کھانا بھی میرٹھ کے بھائیوں نے بہت اچھا دیا لیکن ہم بیماری سے اٹھنے بیٹھنے کے ناقابل ہونے کے باوجود وہاں کھانے کے لئے نہیں گئے تھے جو مقصد تھا اور جس غرض کے لئے گئے تھے اگر وہ پورا ہوتا ہے تو دونوں جہان کی نعمتیں میسر ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو سب مٹی اور تمام محنت برباد۔ اب سنئے

میرٹھ چونکہ ایسی جگہ واقع ہے جہاں آس پاس کے بڑے بڑے شہروں (بلند شہر، دہلی، دیوبند، سہارنپور، علیگڑھ، مرادآباد، مظفر نگر) سے پہنچ جانا جن میں مسلمانوں کی تعداد کافی ہے بہت آسان ہے اس لئے قدرتی طور سے یہاں مجمع کا زیادہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ خود میرٹھ کے ہی باشندے "جاندار" اور جوشیلے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہو سکتا ہے۔ میرٹھ جانے سے پہلے بوجہ بیماری چونکہ مہینوں تک شہر جانے کی نوبت نہیں آئی تھی (اس لئے گویا سیاسی معلومات کے متعلق ہمارا کل علم اخبار الجمعیۃ تک ہی محدود تھا اور ہم سمجھتے تھے کہ میرٹھ کا یہ اجلاس نہایت شاندار ہوگا اور مسلمانوں کے دکھ درد کے سب اہم مسائل یہاں حل ہونگے اسی لئے گرتے پڑتے کسی نہ کسی صورت سے وہاں پہنچنے کی ٹھان ہی لی تھی وہاں جاکر یہ معلوم ہوا کہ اس اجلاس کے لئے دعوت نامے بھی اس مرتبہ دفتر جمعیۃ علماء سے جاری ہوئے تھے جہاں عموماً ہمارا آنا جانا رہتا تھا اور جس کی ہر تحریک میں اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق شرکت کرنا ہم ایک مقدس فریضہ سمجھتے تھے لیکن ہمیں اس کا دعوت نامہ نہیں ملا۔ ہم دفتر میں کھانے کے "ٹکٹ" یا "اجازت نامے" یا "پاس" یا "کوپن" لینے کے لئے حاضر ہوئے جہاں از راہ عنایت ایک عدد دعوت نامہ بھی ۸، ۹، ۱۰ جون کے اجلاس میرٹھ میں شرکت کے لئے ہمیں عنایت فرمایا گیا اور ہم مگن ہوگئے۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا بہت ہماہمی ہے اور ایک کمرے میں بڑا مجمع ہے اور صدر جمعیۃ العلماء صوبہ یوپی بہت زور دار اور جوشیلی تقریر فرما رہے ہیں اور کمرہ کے دروازوں پر پہرہ دار کھڑے ہیں بعض کو اندر جانے کی اجازت ہے بعض کو نہیں، یہ مجلس عاملہ کی قسم کا جلسہ تھا۔ ہم چونکہ رکن نہیں تھے اس لئے ہم نے کچھ خیال نہیں کیا اور نہ اصرار کیا۔ کیونکہ بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں سب کو دیکھنے کی غرض سے بھی شرکت کی اجازت دینا مناسب نہیں ہوتا لیکن بہت سے اصحاب سننے کی غرض سے جمع ہو ہو جاتے تھے اور پہرہ داران کو اس طرح بھگا دیتے تھے جس طرح آسمان پر ستارے ٹوٹتے نظر آتے ہیں اور جن کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیاطین آسمان کے حالات معلوم کرنے کی جب کوشش کرتے ہیں تو فرشتے ان پر آگ کے گولے پھینک کر انہیں اور انہیں بھگا دیتے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ضرور تھا کہ آسمان پر آگ کے گولے تو ہمیں نظر آتے ہیں لیکن شیاطین نظر نہیں آتے۔ یہاں ہم انہیں بھی دیکھ سکتے تھے جنکو بھگایا جا رہا تھا۔ شام کو سننے میں آیا کہ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے اور جمعیۃ العلماء کے عہدوں اور ثالثہ یعنی مالیات بشکل نقد یا اخبار یا بک ڈپو وغیرہ سب پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ اقتدار کی بحث جاری ہے۔ رات کو اجلاس عام ہوا جس میں قرآن خوانی کے علاوہ خطبہ ہائے صدر استقبالیہ و صدر اجلاس عام پڑھے گئے جن کی مطبوعہ کاپیاں تقسیم کی گئیں اور جلسہ ختم ہوا۔

گویا سارے دن کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خطبہ کانوں سے سنا جسے آنکھیں بھی ساتھ ساتھ پڑھتی جاتی تھیں اور جو چیز گھر رہ کر ان مطبوعہ کتابچوں کے علاوہ اخبارات میں پڑھی جا سکتی تھی۔ اگلے روز پھر صبح سے کانا پھوسی اور دوڑ دھوپ شروع ہوئی اور معلوم ہوا کہ کل جہاں مجلس عاملہ کے جلسے ہو رہے تھے وہاں جگہ ناکافی تھی اس لئے ہمارے (دہلی والوں کے) قیام کے لئے جو کمرہ تھا اس کے متصل کا جو بڑے ہال میں اب وہ جلسے ہونگے ہمیں اطمینان ہوا کہ یہی وجہ ہے کہ کل عوام کو تو موقعہ کی اجازت نہیں تھی۔ آج ہال میں گنجائش ہونے کی وجہ سے شرکت کا موقعہ ملیگا۔ چنانچہ جب جلسے کا وقت شروع ہوا تو ہال میں آنے جانے کے سب دروازے بند کر دئے گئے صرف ایک دروازہ کھلا رہا جس پر کئی پہرہ دار متعین تھے لیکن باوجود جگہ ہونے کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم نے دعوت نامہ دکھایا تو جواب ملا کہ جناب اس دعوت نامے کے بغیر تو کھانے کے ٹکٹ نہیں مل سکتے یہ تو صرف کھانے میں مدد دینے کے لئے ہے۔ ہم چونکہ حقیقتاً کھانے کے کوپن لینے گئے تھے جبکہ یہ ذریعہ عنایت ہم پر کی گئی تھی تو ہمیں حقیقت معلوم ہوئی دوسرے معزز حضرات سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دعوت نامے تو بہت شاندار ہیں اور یہ دعوت نامہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا تب ہمیں اپنے "مردود" ہونے کا پتہ چلا اور معلوم ہوا کہ خود دعوت کنندہ ذمہ دار اصحاب پارٹی بندی اور گروہ بندی کے مرض میں مبتلا ہیں اور انہوں نے ہم جیسے لوگوں کو بھی دعوت نامے نہیں بھیجے جو گروہ بندی کے جال میں نہیں پھنس سکتے اور ان باتوں سے علیحدہ رہ کر آزادانہ رائے رکھتے ہیں۔

یقین جانئے اپنے جس مرض کو ہم نے سمجھا تھا کہ اس اجلاس میں شرکت کی وجہ سے دور ہو جاتا رہا اور ایک دم ہم میں جان آگئی تھی وہ پھر عود کرتا ہوا معلوم ہونے لگا ہم نے بہت کہا کہ بھائی صاحب! اجی ہم اور اس سے پہلے بھی اجازت ملی تھی اور ہم تو آئے ہی اس غرض سے ہیں کہ دیکھیں ہمارے پیشوایان دین کس طرح مسلمانوں کی اس کشتی کو اور ملکی پیچیدہ مسائل کو سلجھاتے ہیں اور موافق و مخالف مقررین کیا دلائل

پیش کرتے ہیں لیکن تو بہ کیجئے وہاں گھس سے مس کون ہو سکتا تھا تاہم یہ بہت ہی خوشی کی بات تھی کہ ایسے پہرہ دار مقرر کر رکھے تھے جو پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے ان سے ہمیں کسی قسم کی شکایت نہیں تھی بس وہ یہی کہتے تھے کہ اسعد میاں کا حکم نہیں ہے۔

اب اسعد میاں کے پاس کون جائے بھائی! ایک آدمی کو سامنہ کر دو اگر وہ اجازت نہیں دینگے تو ہم واپس چلے آئیں گے۔ اسوقت اندر سے تیز تیز آوازیں آرہی تھیں اور گرما گرمی شروع ہو گئی تھی۔ باہر سے ایک صاحب ہمیں دیکھ کر آئے اور علیحدہ لیجا کر فرمانے لگے کہ آپ اندر نہ جائیے اور نہ جا سکیں گے کیونکہ بہت سے "ممبرین" خاص طور سے مدعو کئے گئے ہیں اور یقین یہ ہے کہ اگر "مخالفین" (؟) زیادہ گڑبڑ کرینگے تو پھر اشارہ پاتے ہی یہ "علم تیر" (والنٹیرز) ہلا بول دینگے اور جس طرح بھی ہوگا مخالفین کو مار بھگائیں گے۔ ہمیں مطلق یقین نہیں آیا کہ ایسی بھی کوئی تجویز ان "رہبران قوم" کے دماغ میں ایسے نازک وقت میں آسکتی ہے جبکہ زمانہ کی چکی پہلے ہی ہم کو پیسے ڈالے جا رہی ہے۔ بہر حال ہمارے سر میں چکر آنے شروع ہو گئے اور ہم گرد پڑا ہیں آگئے۔ رات کو ہم عام اجلاس میں شرکت کی غرض سے جلسہ گاہ میں تو نہ جا سکے البتہ چونکہ کھلا میدان تھا اس لئے دوسری جگہ بیٹھ کر تمام کارروائی سنتے رہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دن میں کوئی خاص فیصلہ تو نہیں ہوا البتہ ایک قسم کا سمجھوتہ سا ہو گیا ہے۔ دونوں گروہوں کی مانگیں ملا کر کچھ فیصلے ہوئے ہیں لیکن اختیارات کے متعلق پھر بعد میں اجلاس میں مل کر فیصلہ ہو جائیگا۔ خلاصہ یہ کہ دہلی میں مجلس عاملہ نے جو طے کیا تھا تقریباً وہی تجاویز کچھ جزوی رد و بدل کے بعد مان لی گئیں۔ خیر الحمد للہ اونٹ کسی کروٹ تو بیٹھا۔

۹ تاریخ کی صبح کو ہماری نئی بیماری نے یعنی چکروں نے شدت اختیار کر لی اور دیکھنے والوں کو بہت پریشانی ہوئی جبکہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے دھڑام سے گر جانا یا چلتے چلتے گر جانا اور چیخ کر پکڑو پکڑو میں چلا کا منظر انہوں نے دیکھا اور سب نے نہایت محبت سے کہا کہ ایک آدمی جا کر دہلی چھوڑ آئے لیکن ہم نے بہت منت سماجت کے بعد تنہا ہی آنے پر اصرار کیا اور تیسرے روز کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی ہم چلے آئے اور اس کا زیادہ رنج اس وجہ سے بھی نہیں ہوا کہ دن میں تو ہم کارروائی دیکھنے سے محروم ہی رہتے اور رات کو عام اجلاس میں مشاعرہ تھا جس میں اشعار کو نہ سمجھنے والے بھی گلا پھاڑ پھاڑ کر "واہ واہ کیا خوب کہا" کی داد دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اردو ترقی کر رہی ہے جس میں شمولیت تضیع اوقات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

یہاں تک تو وہ حال بیان کیا گیا جو آنکھوں دیکھا تھا۔ اب شنیدہ کی چند باتیں سنئے جو ان مخلص اصحاب سے سننے میں آئیں جو کسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے اور جو ہم سے بھی زیادہ مکدر افسوس ملتے تھے اور اس "سیکولر" چھاپ مارکہ ملک میں اپنے انجام پر تشویش کا اظہار کرتے تھے کہ نہ معلوم ان ناخداؤں کی بدولت کیا کیا بھگتنا پڑیگا۔

معلوم ہوا کہ تیسرے روز کا اجلاس ختم ہونے پر اعلان کیا گیا تھا کہ جو اصحاب جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں لیکن کل دن میں چند معاملات پر غور کرنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے جو اصحاب رک سکتے ہوں وہ ٹھہر جائیں (ٹھیک الفاظ یاد نہیں ہے مفہوم یہی تھا) ہمارا مطلب یہ ہے کہ مجلس عاملہ کا اگر باقاعدہ جلسہ کرنیکا ارادہ تھا تو فوراً فرداً سب کو اطلاعنامہ بھیجنا چاہیئے تھا تاکہ جو صاحب اطلاعنامہ کے بعد نہ ٹھہرتے اور چلے جاتے تو ان کی غیر حاضری میں جو تجویز پاس ہو جاتی اس پر اعتراض کرنیکا حق ان کو نہ ہوتا لیکن اس صورت میں کہ جو چاہیں چلے جائیں اور جو چاہیں ٹھہر جائیں پوری ذمہ داری صدر یا سکریٹری پر آتی ہے۔ بہر حال اگلے روز جلسہ ہوا جس میں دونوں گروہوں کے اصحاب موجود تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اعلان کرنے والوں کے گروہ کے تو سب لوگ موجود تھے اور مخالفین میں سے بعض جا چکے تھے بعض ان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور مخالفین کی تعداد کم دیکھتے ہوئے انہیں مرعوب کرنیکی کوشش کی گئی اور جب اقلیت نے بھی سخت رویہ اختیار کیا تو جلسہ برخاست کر کے فوراً چند نامور اصحاب چند حضرات کو ساتھ لیکر دہلی کے لئے روانہ ہو گئے تاکہ صدر دفتر اور اخبار الجمعیت کے دفتر پر قفل ڈالدیں اور ان پر قبضہ جمالیں۔

اتنی چیستان بیان کرنے کے بعد بھی ہم اب تک یہ نہیں بتا سکے کہ جھگڑا کس بات کا تھا اور دو مخالف گروہ کون کون تھے۔ سمجھئے یہ بھی سن لیجئے۔

مسئلہ جمعیۃ العلماء کے صدر کے انتخاب کا تھا۔ مختلف صوبوں سے مختلف نام تجویز ہوئے تھے بعض نے تو سابق صدر جمعیۃ یعنی مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کا اسم مبارک تجویز کیا تھا بعض نے مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب (مکتبہ برہان دہلی) کا نام تجویز کیا تھا جو عمر بھر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب کے شریک کار رہے اور جمعیۃ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ بعض نے اور نام بھی تجویز کئے مثلاً مفتی محمود احمد صاحب صدیقی صدر جمعیۃ العلماء صوبہ گجرات، قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند وغیرہ۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات نے اپنے نام واپس لے لئے لیکن نام کی واپسی کے اعلان میں "بحق مفتی عتیق الرحمن" کا بھی اضافہ کر دیا جسکا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ ان حضرات کے حامی ہوں وہ ان کی بجائے جناب مفتی عتیق الرحمن صاحب کو ووٹ دیں، حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا کیا جائے کیونکہ ایک نامزد نام رکھنے والا شخص ممکن ہے کہ ان نام واپس لینے والے حضرات کے بعد کسی دوسرے صاحب کو بہتر سمجھتا ہو مگر اس اعلان سے دوسرے گروہ والوں کو مخاصمت اور ضد سی پیدا ہو گئی اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ مولانا فخر الدین صاحب کو ہی کرکے رہینگے۔ اس گروہ کے لیڈر مولوی اسعد میاں صاحب خلف جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی تھے بہت

رسہ کشی کے بعد جو مفاہمت ہوئی تھی اور جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے وہ یہ تھی کہ مولانا فخر الدین صاحب حسب سابق صدر ہیں اور ایک نیا عہدہ (عامل صدر!) ورکنگ صدر کا قائم کیا جائے جو صدر کی امداد کرے اور بہت سے فرائض انجام دے اس کے لئے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب چنے گئے۔ خیر اگرچہ ہماری صاف بیانی کے تحت یہ دونوں باتیں ان حضرات کی شان کے منافی ہیں جو نائبین رسولؐ کا درجہ رکھتے ہیں اور جنگ اقتدار سے بالاتر ہیں تاہم جو کچھ یاران محفل نے طے کر دیا ہمیں وہی منظور ہے لیکن اس کے بعد ان دونوں کے اختیارات کیا کیا ہونگے اسپر سارا معاملہ اٹک گیا۔ مجلس عاملہ کے اراکین کو کون نامزد کرے (تاکہ نامزد اشخاص 'جمہوریت' کے ستون کہلائے جائیں!!) اور سکریٹریاں وغیرہ کا تقرر کون کرے۔

اس پر جب اتفاق نہ ہوا تو مولانا مدنیؒ کے شیدائی اور مریدین کی جماعت 'جہاد' کرنے کی غرض سے غازی بنکر تمام مسلمانان ہند کے سرمایہ پر قبضہ کرنے اور اس کو منتقل کرنے کی غرض سے دہلی پر چڑھ آئی۔ وہ تو خیریت سمجھئے کہ چند بزرگوں کے طفیل یہ بلا ٹل گئی ورنہ ان حضرات کو دن میں تارے نظر آنے لگتے۔ یہ دلی ہے دلی جو کئی بار بگڑی اور سو بار سنبھلی جسے اللہ رکھے اسے کون مار سکتا ہے۔ ہم نے تو جیتے جی میں دیکھ لیا تھا جبکہ دس ہزار کا اعلان ہوا تھا کہ کتنا زبردست رسوخ آپ کا ہے بخت افسوس ہے کہ جس قومی کارکن کی عزت حضرت مدنی صاحب فرماتے تھے اسی کی پگڑی اچھالنے کے لئے ان کے فرزند میدان میں نکلے ہیں اور وہ بھی اپنی قوت کے بل پر نہیں بلکہ "بیدم سلطان بود" کے تحت ابا جان کا نعرہ لگا کر ان کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کی غرض سے!

اس افتراق کی بدولت ہی دیوبند پر آئے دن یورش ہو رہی ہے اور تلاشیاں لی جا رہی ہیں اور جب کچھ نہیں نکلتا تو تعریفی کلمات اور پرانی روایات کی تعریف کے پل باندھ کر معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دشمن گھات میں ہے۔ سنبھل جاؤ۔ اب بھی وقت ہے!!

بھائی صاحب! اگر قرآن شریف سمجھ میں نہیں آتا جسمیں کفار تک کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کی دشمنی یا مخالفت تم کو ان کے ساتھ ناانصافی یا ناحق ظلم یا حق تلفی پر آمادہ نہ کر دے تو مسدس حالی کے سیدھے سادے شعر پڑھ لیجئے ؎

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے   پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ اور نہ بچنے کی جا ہے   کوئی ان میں سوتا کوئی جاگتا ہے
نہ چھوڑیگا سوتوں کو اور جاگتوں کو   برا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو
بچینگے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے   اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

کہیئے! کیا سمجھے؟ ٹھیک ہے نا؟

معلوم ہوا ہے کہ جنرل شاہ نواز صاحب نے جو محکمہ ریلوے کے نائب منسٹر ہیں بہت زیچ بچا کر ذکر آیا سنہ جو خبر میرٹھ میں ہم نے سنی تھی وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور میرٹھ میں یہ تماشہ دنیا کے سامنے آ جاتا کسی متقی پرہیزگار اور عالم فاضل کے صُلبی رشتے سے اپنے آپ کو منسوب کر کے جا بجا بنا ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا جبکہ نبیوں کی اولاد تک بغیر مواخذہ اور عتاب الٰہی کے نہ بچ سکی!!

آج آنکھیں شیخ الہندؒ کو ڈھونڈ رہی ہیں کیسی بے نفس تھیں وہ ہستیاں جن کے ساتھی بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور رسولؐ کے فرمان پر جان قربان کر دینا معمولی بات سمجھتے تھے کہاں ہیں حضرت قاسم نانوتوی؟ جنھوں نے ہندوستان میں ایسی اسلامی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جس کی روایات اب تک اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہیں۔ اتنی بڑی درسگاہ اور اتنا خرچ! بغیر حکومت کی امداد کے محض فدایان رسول کی توجہ سے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ ہے کوئی اور درسگاہ جو یہ نمونہ پیش کر سکے؟ اسمیں اب معمولی سی باتوں پر دھڑا بندی ہونے لگی اور قومی جماعتوں کے انتخابات میں آزادانہ رائے دینے کا حق وجہ عناد و بغض ثابت ہونے لگے تو اسلامی جمہوریت کے ڈھنڈورے پیٹے اس ملک میں جہاں تبلیغ کے دروازے خدائی فوجداروں کی دھینگا مشتی سے بند ہو چکے ہیں کس طرح پنپ سکیں گے عمل صالح اور تعلقات باہمی ہی تبلیغ کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں لیکن جب تنگ دلی اور سختی سے اپنے ہی محفوظ نہ رہ سکیں تو اغیار کو تو حسن سلوک کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

لیجئے اگر آپ کے دل میں یہ خیال آ رہا ہو کہ ہم بھی پارٹی بندی اور طرفداری کے چکروں میں چکر لگا رہے ہیں اور کسی خاص جماعت پر حملہ کر رہے ہیں تو ابھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔

مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث بہت ضعیف اور بزرگ ہستی ہیں اور وہ پہلے بھی صدر رہ چکے ہیں اور اپنے فرائض بہت احسن طریقے سے انجام دیئے ہیں اب اگر وہ کسی کے دباؤ یا بہکاوے میں نہیں آئے ہیں تب بھی ہم جناب قبلہ محترم سے درخواست کریں گے کہ آپ کو آخرت کا سفر محض اسی اعتقاد کے ساتھ اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ "میں نے اپنے فرائض حتی الوسع نیک نیتی اور ایمانداری سے ادا کیئے" بلکہ اس اطمینان کے ساتھ جانا چاہیئے کہ ہم نے اپنے سامنے فلاں شخص کو اس قابل بنا دیا کہ وہ ہماری طرح بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ پر اپنے فرض کو ادا کرے۔ آپ کو اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے خصوصاً جبکہ اقتدار کی کشمکش جاری ہو اپنے کو علیحدہ رکھنا چاہیے تھا اور ہرگز اس گدی کو نہیں سنبھالنا چاہیے تھا۔ اس وقت آپ دیکھتے کہ آپ کی کتنی عزت ہوتی اور کتنی دعائیں آپ کے لئے نکلتیں۔

لیکن جب ہم جیسے جاہل اور نااہل لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ آپ حدیث کے عامل ہوتے ہوئے بھی ہمیں سوءِ ظنی کے گناہِ عظیم میں مبتلا کئے دے رہے ہیں تو آپ خود ہی غور فرمائیے کہ ہماری عقیدت کا کیا حال ہوگا اور ہم اب دنیا میں کہاں جاکر روشنی حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ سے جو عقیدت ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے اور خدا کرے صحیح معنوں میں اب بھی اسی طرح قائم رہے۔ آمین!

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے عرصہ سے نیاز حاصل ہے الحمدللہ کہ ان کی خوبیوں سے اتنا ہی واقف ہیں جتنا وہ ہماری خامیوں سے، لیکن ان سے بھی نہایت ادب سے معذرت چاہ کر عرض کریں گے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے خلافت کے دعوے سے اس وجہ سے پہلو تہی اختیار کی تھی کہ مسلمانوں میں باہمی جنگ و جدل اور خونریزی کا خطرہ تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ اس قسم کی سینکڑوں مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اگر آپ میں صلاحیت اور قابلیت تھی کہ آپ صدارت کے فرائض انجام دے سکیں تو آپ کو کہنا چاہیئے تھا کہ اگر مسلمان مجھ پر متفق نہیں ہیں تو میں نہیں ہونا چاہتا۔ جن لوگوں کو خود ہونے کی امید نہ ہوا اور ان کا نام تک کسی نے تجویز کیا ہو وہ اور کچھ نہیں تو یہ ضرور چاہتے ہیں کہ لاؤ تماشہ دیکھیں اور دوسروں سے کہتے ہیں "چڑھ جا بیٹے سولی پہ رام بھلی کریگا"۔ اور ان لوگوں کی ضد اور باغیانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ آپ اگر خود انکار کر دیتے تو ہمیں یقین ہے کہ لوگ آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے اور گدی آپ کے قدم چومتی۔ لیکن ہوا کیا؟ محض آپ کی وجہ سے ایک نیا عہدہ ایک دوسرے صدر کا پیدا کیا گیا گویا انتخاب کسی عہدہ کے لئے نہیں ہوا بلکہ انتخاب کے لئے ایک نیا عہدہ پیدا کیا گیا۔

بہت سے اسمائے صفت لگانے سے کام نہیں بنتا۔ "ورکنگ" یا "عامل" لگا دینے سے یہ بات رد نہیں کی جاسکتی کہ ایک میان میں دو تلواریں یا ایک ملک میں دو بادشاہ یا اقلیم میں دو درویش نہیں سما سکتے۔ کیونکہ آخر میں وہی اختیارات کا جھگڑا پیدا ہوتا ہے جو اب ہوا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے جس کی تردید کوئی شخص مسجد میں جاکر یا قرآن اٹھا کر نہیں کر سکتا کہ اس گروہ بندی سے یا اس صورتِ حال سے جو کدورت دلوں میں پیدا ہو گئی ہے وہ اب مشکل سے رفع ہوگی اور مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم صاحبؒ نانوتوی، مولانا اشرف علی صاحبؒ، مولانا محمود الحسن صاحبؒ وغیرہ حضرات کی محنتوں پر پانی پھر جائیگا اور دیکھے ایک درسگاہ جو رہ گئی ہے اس کی شمع بھی گل ہو جائے گی۔ علمائے کرام کو سوچنا چاہیئے کہ اسی اقتدار کی کشمکش نے ملک کا بٹوارہ کرا دیا اور بھائی کو بھائی سے، ماں کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے اور خون کو خون سے جدا کرکے رکھ دیا۔ مبادا علمائے کرام کے منتقدیں نے ہم جیسے گنہگاروں کو ایک راستہ سے ہٹا کر دوسرے پر ڈالا تھا ان کے جانشینوں کو چاہیئے تھا کہ ڈوبتی کشتی کو اگر اس موقعہ پر نہیں تو اب تو بچانے کی فکر کرتے۔ ملک کے حالات کیا بتا رہے ہیں، موسمی ہواؤں کی پیشین گوئی کرنیوالا کیا کہتا ہے۔ بارش کب ہوگی اور آیا کڑک اور گرج کے ساتھ ہوگی یا آندھی اور طوفان کے ساتھ اور آیا سیلاب تو نہیں آئیگا۔ کوئی بند وغیرہ بھی باندھنے کی ضرورت ہے یا نہیں، اس ملک کے بٹوارے سے کس کو نقصان پہنچا اور کون ابتک مصیبت اٹھا رہا ہے؟

مفتی صاحب! آپ کو ورکنگ صدر کا عہدہ کون سے چار چاند لگا دیگا؟ آپ تو وہ علمی کام کر رہے ہیں جس سے ہزاروں انسان فیض حاصل کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے لئے اتفاق نہیں ہے تو آپ کو خود اس سے بالاتر اور لاپرواہ ہو کر علیحدہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ جمعیۃ کی صدارت اسی وقت قابل وقعت ہے جبکہ بالاتفاق ہو ورنہ کشتی لڑنا بیکار ہے۔ آپ جیسے کام کے آدمی سے تو اس عہدہ کی وجہ سے بہت زیادہ قومی نقصان ہوگا۔ اور ہم آپ کی علمی خدمات سے محروم ہو جائینگے۔

جمعیۃ العلماء کی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں مسلمانوں کی خدمات کی پہنچ تک محدود رکھتی ہے لیکن سب سے زیادہ خونریزی تو پنجاب میں ہوئی۔ تمام پنجاب خالی ہو گیا اور مسلمان بے سروسامانی میں بھگا دئے گئے۔ اس وقت سوائے اللہ کے اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لودھیانہ اور امرتسر کے درمیان پوری پوری ٹرینیں کٹ گئیں اور گاندھی جی بھی بیچارے تھنا میں ماتم ہی کرتے رہے لیکن کوئی انسان ایسا نہیں نکلا جو جانے والوں کے ساتھ ذمہ داری سے اگر زیادہ نہیں تو ایک مرتبہ ہی جاتا اور ان کو بحفاظت تمام ریڈکلف لائن کے پار کرا آتا۔ دلی سے لاہور جانے والی ٹرینوں میں بھی ایسا انتظام نہیں تھا۔

البتہ دلی کے قبرستانوں میں جانے کے لئے دن مقرر تھے اور اسکا انتظام حکومت کی طرف سے تھا پھر بھی اس میں بہت سے حادثے پیش آتے رہے۔

جامعہ اور شیخ الجامعہ: اگر اس موقع پر کام کا ذکر کیا جائے تو جامعہ ملیہ کو نظر انداز کرنا اور ذکر تک نہ کرنا نہ صرف بڑی بے مروتی اور نا انصافی ہوگی بلکہ محسن کشی کی بدترین مثال ہوگی۔ جامعہ ملیہ کی لاری نے عین اسوقت جبکہ مکانوں سے گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی اپنے شیدر پٹھان ڈرائیور کی ہمت سے مسلمانوں کو قرولباغ سے جامع مسجد کے علاقہ میں لانے کی غیر معمولی خدمت انجام دی۔ گولیاں اوپر سے گذر جاتی تھیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ سب کی جان بچا رہا تھا۔ کئی روز تک صبح سے شام تک سینکڑوں پھیرے اس نے کئے۔ اس کے علاوہ وہ وقت تو ایسا نازک تھا کہ جس نے بھی جو خدمت کی اس کا اجر اس کو ملیگا اس کا احسان جتلانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔[*] جائدادوں کے معاملہ میں ہم تو یہ سوال ہے کہ ابھی تک چکر کاٹ رہے ہیں اور آزادی کی تاریخ کے ساتھ ساتھ کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی

---

[*] دہلی کے پرانے قلعے اور ہمایوں کے مقبرے میں تشریف لائے ہزار مسلمان پناہ گزیں کے سب کھلے میدان میں آباد تھے جن کے آسمان کے فرشتے ہی مددگار تھے گریہ و زاری کرتے تھے کہ دن رات کی موسلادھار بارش میں مصیبت زدہ ہوا آئی اسلامی ادارے کی ایمبولینس گاڑی کے رہتے تھے اور کوئی امر انسانوں کی مدد کی طرف آتی تھی تب آپ رضاکار جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جو اس وقت جامعہ کے شیخ الجامعہ تھے۔

کہ ملک کی سب سے زیادہ دشمن اور خود غرض جماعت کے متعلق کوئی تفصیلی رپورٹ شائع کرتا۔ کونسی جماعت ہے کتنا جی کی !!

میرٹھ والوں کے دل کیا کہتے ہوں گے کہ کس دریا دلی سے انہوں نے ہزاروں مہمانوں کے ٹھہرنے اور عمدہ کھانے کھلانے کا انتظام کیا تھا اور تین چار دن میں ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالا تھا اور انہیں کیا کیا امیدیں ہونگی !! حالیہ خونریزی کے بعد ان کے زخموں پر مرہم لگانا تو درکنار انسے یہ تک بھی نہیں پوچھا کہ تم پر کیا گزری تھی اور کیا کیا ہوا اور اب آئندہ کے لئے کیا علاج سوچا گیا ہے۔ کس قدر مایوسی ان پر طاری ہوئی ہوگی اور وہ مسلم لیڈرشپ کا کسقدر ماتم کرتے ہونگے!

ہم نے اس مرتبہ سارے کا سارا پرچہ اس قومی سوگ میں ختم کر دیا کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جس جماعت نے ہم کو گھر سے بے گھر کرایا جس نے اپنے وطن میں ہی بے وطن کرایا جس نے سولہ سال تک بھی جائدادوں کی واپسی کی نوبت نہیں آنے دی جس نے تمام جگر پاروں اور اعزا و اقربا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کرایا۔ اور جو مسلمانوں کے دکھ درد کا علاج ہونیکی دعویدار ہے وہ اب کرسیوں کے راستہ پر گامزن ہو گئی ہے۔ جنگ اقتدار کے جوش میں وہ اپنے منصب کو بھول گئی ہے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۶۳ء تک بیالیس سال کے عرصہ میں ہم نے جو کچھ کمایا تھا اور جس پر ہمیں فخر تھا وہ سب برباد ہو گیا! یاد رکھئے پانسو علماء کے فتوے کے ما سوا اختر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوکر رہیگا۔ سینہ ہمہ داغ داغ است پنبہ کجا کجا نہم۔ کس طرح کہا جائے کہ اللہ آپ کو معاف کرے۔ جبکہ بیالیس سال کی عبادت کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اسلام کے شیرازہ کو منتشر کرنے والے گروہ کی پوجا کیجا رہی تھی۔

اس مصیبت کا وہ لوگ کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں جو گھر سے بے گھر نہیں ہوئے اور اقتدار کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ ایسوں کو ڈوبنے سے بچانیوالا خود بھی غرق ہوکر رہیگا۔ ہمیں جو رنج ہے اسکا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ آپ تو یہ سخت ناشائستہ اور غیر مہذب الفاظ پڑھکر یقیناً دلبرداشتہ ہونگے۔ گالیاں دیجئے۔ ہمیں جذباتی انسان کا لقب دیجئے۔ تادیبی سزا تجویز کیجئے لیکن ہم نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اگر کوئی قومی نقصان ہوا ہے تو یقیناً آپکو معلوم ہو جائیگا۔ آپ کی جنگ اقتدار سے غیروں میں جو چہ میگوئیاں کانوں نے سنی ہیں اور جو گھی کے چراغ بعضوں کے ہاں جلے ہیں انسے جو کیفیت ہمارے قلب کی ہوئی ہے اس کو اللہ کے سوا اور کون جان سکتا ہے۔ کیا کوئی اللہ کا بندہ ہمارے ان آخری ایام میں ہمارے قلب مضطرب کی دوا دارو کریگا؟

اخبار الجمعیۃ نے اس معاملہ کو دبانے کی کوشش کی ہے حالانکہ مدینہ جیسے سنجیدہ اور غیر جانبدار اخبار نے وہ تمام باتیں بے لوث لکھ دی ہیں جو الجمعیۃ کے فرائض میں داخل تھیں۔ جو اصحاب جمعیۃ العلماء کے شروع سے حامی ہیں لیکن کسی مجبوری سے اجلاس میں شریک نہیں ہو سکے ان کو صحیح حالات کا علم کیسے ہو؟ ان سے یہ باتیں چھپانا افسوسناک فعل ہے۔ اگرچہ عرصہ سے ہمیں معلوم ہے کہ الجمعیۃ "منسٹر" صاحب کے تابع ہے اور اس کے بھی کئی خدا ہیں اسی لئے اسکی جو حالت ہے وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اور واحد قومی جماعت کے نمائندہ حیثیت کے بالکل منافی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ آخر میں میں ان تمام حضرات سے جنہیں اس تحریر سے تکلیف پہنچی ہوگی ادب سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اللہ ہمارے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

اردو

ہمارا جماعتی نظام کچھ ایسا بگڑا ہے کہ کسی طرح اس کے سدھرنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ یہی جماعت تھی جو پہاڑوں کو چیرتی اور راستہ کے کانٹوں اور دیگر رکاوٹوں کو خس و خاشاک کی طرح کاٹتی بغیر کسی جھجک اور خوف کے کٹھن سے کٹھن منزلیں طے کرتی چلی جاتی تھی اور جہاں چاہتی اپنا جھنڈا گاڑ دیتی لیکن آج اس کا یہ حال ہے کہ ترقی کی سب راہیں اپنے لئے مسدود اور اپنی قوت ارادی کو بھی مفلوج سمجھتی ہے لیکن حقیقت میں وہ صحیح لیڈرشپ سے محروم ہو گئی ہے اور نیک نیتی سے کام کرنے والوں کی محتاج ہے۔ اللہ نے جس طرح کلام اور رسول کے ذریعے کل ایمان والوں سے وعدہ کیا ہے کہ ہم خود کلام مجید کے محافظ ہیں اسی طرح ہم سمجھتے ہیں کہ "قرآنی حروف" کے طفیل اور ان کی برکت سے اردو کی یہ زبان بھی ہمیشہ زندہ رہیگی نہ مٹیگی۔ نہ جیسے محسن کش انسانوں کے فرمانے سے کہ "یہ کوئی زبان نہیں" ملک بدر ہو سکتی ہے اور نہ مختلف حیلوں سے مقید کر کے اسے رکھا جا سکتا ہے۔ وہ نہایت خاموشی سے اپنے کو جذب کرنا جانتی ہے اور موقع پر نمودار ہو کر اپنا جوہر دکھاتی ہے جس طرح پانی بخارات بن کر بادلوں کی شکل میں منتقل ہو جاتا ہے اور پھر زندہ دریا کی شکل میں جنم لیتا ہے۔ اسی طرح اردو بھی سلامت رہیگی۔ کسقدر غلط خیال ہے ان لوگوں کا جو اس پر چاروں طرف سے یورش کئے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے گھیر گھار کر اس کو نئی نسلوں کے لئے ایک غیر ملکی زبان بنانے کی فکر میں ہیں۔

سنگم میں اتنا زیادہ اس مسئلہ پر لکھا جا چکا ہے اور اس کے ہر پہلو کی تنقید و تصحیح کیا جا چکا ہے کہ اب کوئی بات ایسی نہیں رہی جس پر مزید کچھ کہا جا سکے۔ ہم شروع سے دو باتیں پہلے سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں اور یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء سے جاری ہے کہ اردو اگر ہندوستان سے ختم ہوئی تو مسلم زعماء کے ہاتھوں ہی اس کا خاتمہ ہوگا۔ حکومت کو یا دوسرے تنگ نظروں کو مطعون کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ اور دوسری بات جو سات آٹھ سال سے الجمعیۃ میں بھی کے علی الاعلان کہتے چلے آ رہے ہیں یہ ہے کہ اس ہندی زبان کی تان سنسکرت پر جا کر ٹوٹیگی اور سیکولر کے فریب میں پھنسا کر اس ملک کی زبان سنسکرت قرار دی جائیگی جیسا کہ اب

خود دیکھ لیجیے کہ تھوڑی تھوڑی آوازیں اب چھن چھن کر کانوں تک پہنچنے لگی ہیں اور سنسکرت کے احیاء کے لئے پروگرام مرتب کئے جا رہے ہیں سنسکرت کی یونیورسٹیاں قائم ہو رہی ہیں۔ آپ جتنا خائف ہونگے اور جتنی مخالفت کریں گے اتنا ہی گھاٹے میں رہیں گے۔ اور اسی قدر زیادہ ان کے ارادوں میں معاون ہونگے۔ ہم نے اپنی پچھلی تحریروں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ (۱) سب سے پہلے ہمارے اپنے مرحوم وطن پانی پت کے ضلع کرنال کے ڈی۔ ایم جناب میاں ابھے راج سنگھ صاحب شاد کے مرثیہ اردو زبان کے عنوان سے اسکی ابتداء کی گئی تھی جس کا ایک ایک شعر دیدۂ عبرت کے لئے بہت زیادہ روشن[1] تھا۔ آپ اسے اگست و ستمبر ۱۹۵۳ء کے پرچہ میں صفحہ ۱۶ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (۲) اسی پرچہ میں صفحہ ۴ سے جناب گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی وزیر ترقیات ریاست دہلی کے حالات زندگی کے سلسلہ میں ان کے کلام کا نمونہ پیش کرتے ہوئے اردو کے متعلق ان کے خیالات ظاہر کئے جا چکے ہیں اور (۳) اکتوبر ۱۹۵۳ء کے پرچہ میں صفحہ ۹ سے شروع کر کے پنڈت چاند نرائن صاحب چاند ڈپٹی کمشنر کرنال کے حالات زندگی پڑھئے جہاں ہم نے واضح کیا ہے کہ حامیانِ اردو کی چھیڑ چھاڑ اگر ختم ہو جائے تو اردو کے لئے بہت وسیع میدان موجود ہے۔ (۴) نومبر ۱۹۵۴ء میں پنجاب کے ایک سرکاری ماہنامہ "پاسبان" پر جو پنجاب کی راجدھانی چنڈی گڑھ سے اردو میں نکلتا تھا تبصرہ کے تحت صفحہ ۱۶ پر اور (۵) پھر سال بھر کے بعد ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں تنقید و تبصرہ کے تحت ہی ماہنامہ تصویر مراد آباد، روزنامہ ناظر رامپور اور پندرہ روزہ مغربی بنگال کلکتہ پر جو کچھ لکھا گیا وہ یقیناً آپ سب کی دلچسپی کا باعث ہوگا اور آپ یقیناً اسے اپنے خیالات کی صحیح ترجمانی سمجھیں گے۔ یہ تبصرے علی الترتیب صفحات ۴۴، ۴۵، ۴۶ پر ملیں گے۔ (۶) نومبر دسمبر ۱۹۵۵ء کے پرچہ میں بھوپال کی ایک نیک سیرت اور نہایت قابل بیٹی حسن بانو تبسم بھوپالی کا (جو کالج میں زیر تعلیم تھیں) ایک مضمون "اردو کا مستقبل" (صفحہ ۳۱-۳۳) پڑھ کر یقیناً آپ بہت خوش ہونگے اور اس ہونہار بیٹی کو مستقبل کی امیدوں کا مرکز سمجھنے پر مجبور ہونگے۔ (۷) اسی پرچہ میں صفحہ ۳۶ پر ماہنامہ شفق ناگپور پر تبصرہ کرتے ہوئے اردو کے متعلق لکھا گیا ہے۔ (۸) جنوری فروری ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں صفحہ ۴-۵ پر "حامیانِ اردو" کو مخاطب کر کے وہی سب باتیں کہی گئی ہیں جو آج پھر ہم کہنا چاہتے ہیں۔ (۹) پرچہ مارچ و اپریل ۱۹۵۶ء میں صفحہ ۱۱ کے پہلے کالم کے آخر سے ایک مراسلہ کا جواب شروع کیا گیا ہے جو صفحہ ۱۲ کے دوسرے کالم تک چلا گیا ہے۔ اس کے علاوہ (۱۰) اسی پرچہ کے صفحہ ۴۴ سے تنقید و تبصرہ کے تحت ہفت روزہ آئینہ دہلی، ہفت روزہ عبرت کلکتہ وغیرہ پر اردو کے لئے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ (۱۱) ۱۹۵۹ء کے پرچہ ستمبر و اکتوبر میں صفحہ ۴ تا ۷ "اردو" کا عنوان قائم کر کے سیر حاصل بحث کی ہے (۱۲) جنوری فروری ۱۹۶۰ء کے پرچہ میں صفحہ ۸-۱۱ "اردو کی دار" کے تحت صاف بیانی کی مثال اس سے بہتر مشکل سے ملیگی۔ (۱۳) اسی پرچہ میں صفحہ ۱۲ کے تیسرے پیراگراف سے پورا صفحہ ۱۳ مع غزل اور قطعہ کے پڑھئے اور پاکستان کے صدر جنرل ایوب کو مخاطب کر کے جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی ضرورت کے تقاضے سے تھا۔ اور (۱۴) صفحہ ۱۶ کا پہلا کالم اور دوسرے کالم کا ایک چوتھائی پڑھئے اور لطف اندوز ہوئیے (۱۵) ستمبر اکتوبر ۱۹۶۲ء کے پرچہ میں "گاندھی جی کا چیلنج" کا مضمون صفحہ ۱ سے شروع ہوتا ہے اس میں صفحہ ۳ پر گاندھی جی کا پیغام پڑھئے اور کہئے کہ کیا وہ جھوٹ ہے۔ (۱۶) نومبر دسمبر ۱۹۶۲ء کے "عبدالمجید خواجہ" نمبر میں صفحات ۱۲ تا ۱۴ پڑھ جائیے اور ہمارے قول کی تصدیق کرنے میں ذرا پس و پیش نہ کیجیے کہ ہمارا اجتماعی نظام اور ہمارے ادارے اور ہمارے علمبردارانِ اردو ہی اردو کو ختم کر کے خوش ہونگے اور وہ اپنی سنہری اور پہلی مصلحتوں کے تحت جو کچھ بھی کریں کم ہے۔ آخر میں (۱۷) مارچ و اپریل ۱۹۶۳ء کے پرچہ ...

غرضکہ اسی طرح جو کچھ ہم لکھ سکتے تھے وہ ہم نے لکھا اس میں کوئی بات چھپانے کی نہیں ہے۔ حکومت کے گزشتہ میں بد مست اور بد اندیش جماعت کو صاف صاف بتایا ہے کہ جو زبان بطور زندہ زبان کے تمام دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہر ملک سے ریڈیو پر مقررہ اوقات میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچتی ہے وہ کچھ عرصہ تک ایک محدود علاقہ سے خارج تو ہو سکتی ہے لیکن مٹائی نہیں جا سکتی اردو کے کام کرنے والے اور خود تجاہل عارفانہ سے کام لینے والے "زبردست" حکام بھی جانتے ہیں کہ بین الاقوامی تعلقات کے لئے کن کن چیزوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوستان کا محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی اگر کل کا کل نہیں تو اس کا ایک بڑا جزو اردو جاننے پر مجبور ہوگا تاکہ پاکستان کے ریڈیو، وہاں کے اخبارات، وہاں کی کتابوں وغیرہ وغیرہ کے متعلق صحیح کیفیت معلوم کر سکے جو بغیر اس کے سمجھے نہیں ہو سکتا۔

خود ہندوستان سے اس کو صاف کرنے کے لئے عمر نوح درکار ہوگی اور بعد میں معلوم ہوگا کہ خود رو بوٹیوں کی طرح یہ اس ملک کے بہت سے حصوں میں از سر نو جڑ پکڑ چکی ہے یا جیسا کہ ہم نے ایک ایسے محبوب سے تشبیہ دیتے آئے ہیں جو کم بخت ہرجائی ہو اور کسی ایک کا ہو کر نہ رہے اور ہمیشہ اس پر فخر رہا ہے کہ اسے کسی صوبہ یا کسی علاقہ کی زبان بنانے کی کوشش نہ کیجیے یہ تو ہر جگہ برابری کا دعوے کرتی ہے کیونکہ ہر حصہ کے لوگوں کو عزیز اور پیاری ہے خفا ہو کر بیچارے ہندی والوں کا اور کچھ بس نہیں چلا تو اس کا نام ہی ہندی رکھ دیا۔ چنانچہ اخبارات میں اکثر آپ دیکھتے ہوں گے کہ "پنڈت جی نے ہندی میں تقریر کی"۔ وہ بیچارے تو اب چند دنوں سے ساتھیوں کی خوشنودی کے لئے دماغ پر بوجھ ڈال کر چند الفاظ ہندی کے کھینچ لاتے ہیں اور انہیں بہ جبر و اکراہ استعمال

[1] آپ کو دلچسپ معلومات کے لئے ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ چاند صاحب ڈاکٹر ... کے حقیقی اور شفیق بہادر سپر ... کے داماد ہیں۔

کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی عام فہم اردو کے الفاظ بھی بطور ترجمہ یا ہم معنی الفاظ کے بول جاتے ہیں ورنہ بہت فصیح اردو بولتے ہیں۔ جو شخص اردو میں تقریر کرتا ہے اس کی رپورٹ ہمارے "ایماندار صحافی" ہندی کی تقریر کے نام سے چھاپ دیتے ہیں۔ ہم اس پر بھی مگن ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کی خدمت کر لی ہے اور ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ پرواہ نہ کرو زندہ تو ہے، اور وہ بیچاری بھی اسی طرح بالکل خاموش ہے جس طرح [illegible] میں "محبت جان" کو "پریم دیوی" کا نام دے کر اپنا لیا گیا تھا لیکن وہ دوسروں کی آنکھ کا بھی تارا بنی رہی، اور جس نے اس پیچ کیا وہ ان سے محبت کرتی رہی۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اردو مسلمانوں کی ہی زبان ہے اور مسلمانوں کی ہمت نہیں کہ اب وہ زبان کے معاملہ میں کسی قسم کا بھی ایجی ٹیشن کرے۔ اس نے سر اٹھایا اور ہم نے اس کا سر کچلا اور "پاکستانی جاسوس" اور غدار وطن سمجھ کر نکال باہر کیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ساری عمر میں اگر کوئی کام فراست کا بھی سمجھا جا سکتا ہے تو وہ زبان کے معاملہ میں اردو والوں کا خاموش رہنا اور ایجی ٹیشن نہ کرنا ہی ہے۔ بعض مفسد لوگ جب دوسروں پر گند اچھالتے ہیں اور اس کے جواب میں سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں ملتا تو بہت جھنجھلاتے ہیں اور جلتے انگارے دل پر لوٹنے لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اور زیادہ سخت لہجہ استعمال کیا جائے تاکہ وہ جواب دینے پر مجبور ہو جائیں لیکن خاموش رہنے والے اسے سب سے بڑا حربہ سمجھتے ہیں کہ بالکل سکوت اور خاموشی اختیار کئے ہیں تاکہ اور زیادہ پیچ و تاب کھا کر گالی دینے والا خود اپنی ہی آگ میں جل بھن کر رہ جائے۔

دوستو! لڑائی، دنگا، فساد، توڑ پھوڑ سب اپنی ہی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں اس لئے اس سے ہمیشہ دور رہو اور دوسروں کو بھی دور رہنے کی تلقین کرتے رہو۔ جو کام کرنا چاہتے ہو اسے خود کر دیا کرنا سیکھو اس کے بعد دوسرے تمہاری مدد کرنے پر خود مجبور ہونگے۔ ہم کیا بتائیں ہر ایک کا نقطۂ نظر جداگانہ ہے ورنہ سیدھی سی بات آپ اگر نہ مانیں تو ہم کیا کریں۔ انجمن ترقی اردو کی شاخیں "مسلم اسکول" یا اب حال کی نئی پیداوار "اردو اسکول" اگر وقت ضائع نہ کریں اور ٹھوس کام کا ارادہ کر لیں تو چند دن میں یہ مشکل حل ہو سکتی ہے اور یقین کیجئے کہ دشمنانِ اردو ہاتھ ملتے رہ سکتے ہیں، جن مدارس میں اردو معلم نہیں ہے وہاں کے بچوں کو آپ روزانہ صرف ایک گھنٹہ ہی اردو پڑھانے کی کوشش کریں خصوصاً لڑکیوں کو، نتیجہ آپ خود دیکھ لینگے، محلہ کی مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان یا گاؤں کی چوپال میں کسی مقررہ وقت پر دو ایک لڑکوں کو جمع کر کے ایک شخص کے سپرد یہ کام کر دیجئے کہ وہ روزانہ اردو پڑھایا کرے یا آپ خود اپنے ہی گھر میں اپنے بچوں کو اردو سکھائیں۔ تعطیلات موسم گرما یا دوسری موسمی تعطیلات میں کالج اور ثانوی مدارس کے طلبا سے یہ کام مفت لیا جائے اور جن طلبا کو امداد ملتی ہے ان سے تو یہ کام ضرور لیا جانا چاہیئے تاکہ ان کو جو امداد ملتی ہے وہ "خدا واسطے" کی بجائے اکل حلال اور اپنی محنت کی کمائی سمجھ کر اسے استعمال کریں اور ان میں مفت خوری کی عادت نہ پڑنے پائے۔ پرائمری مدارس کے مدرسین کو عموماً بہت کم مشاہرہ ملتا ہے تو آپ ان سے کام لیجئے ایک گھنٹہ بھی کچھ حیثیت رکھتا ہے اس سے کہیں زیادہ وقت تو روزانہ گپ شپ میں ہر شخص کا ضائع ہو جاتا ہے پھر کیوں نہ چودہ کیرٹ گولڈ کو خود کیمیا بنا کر اصلی سونے کی حالت میں تبدیل کر دیں۔ مسجدیں اور پاٹھ شالائیں چند لڑکوں کے لئے مدرسے کی عمارت کا کام دے سکتی ہیں۔ دن میں وقت نکالنے سے رات کی روشنی کے انتظام سے بے فکری ہو سکتی ہے۔ دل میں درد رکھنے والے اصحاب میدان میں نکلیں اس سے زیادہ ضرورت کا وقت کب آئیگا۔ بہ اخلاص ہو کر خدمتِ خلق کے جذبہ کے ساتھ اس کام میں لگ جائیے۔ غالباً آپ کو یہ معلوم ہوگا جہاں اردو پڑھنا آیا پھر بچہ ہو یا بڑا وہ خود شوق سے اردو پڑھنے میں دلچسپی لیتا ہے اور بغیر پڑھے بے چینی سی محسوس کرتا ہے۔ لاکھوں روپے چندہ جمع کر کے یا حکومت کے پیچھے لگے رہنے، اور اس کو پریشان کرنے کی بجائے خود اس کام کو ایک مقدس فریضہ اور اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد سمجھ کر کیجئے۔ نتیجہ اللہ کے سپرد کر دیجئے۔ اللہ کا یہ فرمان یاد رکھئے کہ خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

ہم نے اوپر کسی جگہ بھی "اگر، مگر یا چاہیئے" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ قطعی طور سے اس کام کو فریضہ سمجھ کر انجام دینے کی درخواست کی ہے۔ آپ چند اہل محلہ یا احباب مل کر پنچایت کیجئے یا مشورہ کیجئے اور پروگرام بنا کر اس کام کو بسم اللہ کہہ کر شروع کر دیجئے۔ نیک کام کے کرنے میں جتنی دیر کی جائے وہ معصیت میں شمار ہوتی ہے۔ بس یہی تجویز ہے جسے سب مل کر کریں لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہماری عرصہ کی غفلت اور تساہل اور بے حسی انکار ہی ہمیں اس مسئلہ پر سوچنے بھی نہ دیگی اور آپ سب کا اس ہے "کہہ کر یہ پرچہ دور پھینک دیں گے اور فرمائیں گے کہ ہمیں تو حکم دیتا ہے خود کیوں نہیں کرتا، آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا اور درست لیکن ہم نے عمر بھر جو کچھ کیا ہے یا جو کچھ بن پڑتا ہے اس کے بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کے باوجود ہمیں اعتراف ہے کہ کام کا جو حق تھا اس کے مطابق نہیں ہوا اور ہم خود اپنے کردار سے مطمئن نہیں ہیں۔ لیکن عذر گناہ بدتر از گناہ نہ سمجھا جائے تو یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اول تو ہمارے [illegible] کام(؟)

کرنے کے زمانہ میں ایسا نانک دورتا یا ہی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ جب کبھی یا جہاں کہیں اس کی ضرورت ہوئی ہم نے بخوشی اس خدمت کو خود انجام دیا اور دوسروں کو اس پر آمادہ کیا۔ ترغیب دی۔ عمل کرایا۔ اب بھی حالات جسقدر ساتھ دے سکتے ہیں دریغ نہیں کیا جاتا اور دل سے کام لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔

جو خوش قسمت لوگ روزی کی طرف سے قدرے فارغ البال ہیں اور تھوڑی بہت تکلیف برداشت کر سکتے ہیں انہیں آس پاس کے علاقوں میں جاکر اس کام کو شروع کرنے اور کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کی تجاویز بتانی ہونگی اور وقتاً فوقتاً وہاں کا دورہ کرکے دیکھنا ہوگا کہ ان کی تجاویز کہاں تک کامیاب رہیں اور جو کمزوریاں معلوم ہوئی ہیں ان کے ازالہ کی کیا صورت ہے۔

گھروں میں عورتوں کے مکاتیب جاری رکھنے کی اشد ضرورت ہے ہمارے گھر میں گھر کا تمام کام کاج خود کرنے۔ کھانا پکانے۔ کپڑا سینے کے ساتھ ساتھ چالیس لڑکیوں کو فرداً فرداً قرآن کا درس دیا جاتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد سے شروع ہو کر مغرب کے بعد تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جو بچیاں قرآن شریف ختم کر لیتی ہیں ان کو اردو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً امتحان لیا جاتا ہے۔ کئی بچیاں پڑھ لکھ کر شادی کے بعد دوسروں کی ہو گئی ہیں اور سال ڈیڑھ سال کے بعد آ کر ملتی ہیں بس اس طرح اگر سلسلہ جاری رہے تو ہم خود اس مسئلہ کو بغیر کسی کے دست نگر ہونے کے یا کسی سفارش یا خوشامد کے حل کر لیں گے۔ البتہ شرط باہمی تعاون کی ہے ورنہ سب بیکار ہوگا اور تضیع اوقات کا باعث ہوگا۔

مقامِ عبرت ہم اللہ کی ذات سے باوجود اپنے گناہوں اور سر تا پا مجرم ہونے کے ناامید نہیں ہیں لیکن جیسا کہ "اردو" کا آغاز کرتے ہی ہم نے لکھا تھا کہ کشتی ڈوبی تو اپنوں کے ہی ہاتھ ڈوبے گی دوسروں کو مطعون کرنا بالکل غلط ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہمارے دماغ میں محفوظ ہیں جنہیں بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس وقت ایک وجہ بیان کئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ گروہ بندی اسقدر تنگ نظری پیدا کر دیتی ہے کہ مخالف کی اچھی بات بھی زہر معلوم ہونے لگتی ہے اور دوسرے کی نکتہ چینی کسی طرح برداشت نہیں کی جاتی خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی پر مبنی کیوں نہ ہو یقین کیجئے کہ ہمارے ایک بہت بڑے منتر جن سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ جامعہ ملیہ کی کسی تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لائے وہاں انہوں نے ہمیں نہ پاکر دریافت کیا اور بعد جلسہ ہم سے غریب خانہ پر ملنے تشریف لائے۔ ہمیں اس کا گمان تک نہ تھا کہ مرکزی حکومت میں وزارت کے مساوی درجہ کا کوئی شخص ہم جیسے گنہگار اور نا اپنوں ہی میں معتوب انسان سے ملنا پسند کر سکتا ہے چہ جائیکہ خود تکلیف فرما کر ہم پر خاص نوازش کرے۔ اثنائے گفتگو میں ہمیں یہ سن کر کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی کہ "اردو کے حامیوں میں سے بڑے بڑے نیتا" حکومت کے مختلف محکموں میں یعنی وزارتوں میں جو خطوط اپنے عہدہ اور دفتر کی مہر لگا کر بھیجتے ہیں ان میں ہندی کی تعریف اور اردو کا نہایت حقارت آمیز الفاظ میں ذکر کرکے اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو انہی ذمہ دار حضرات کو جلسوں میں مدعو کرکے پبلک کے سامنے اردو کی کس مپرسی اور حکومت کی اردو کے ساتھ بے توجہی اور سوتیلے پن کا ذکر کرتے ہیں اور انہیں ایک طرح سے مجبور کرتے ہیں کہ وہ وعدہ کریں کہ اردو کے لئے یہ یہ کیا جائیگا۔ چنانچہ اسی انداز سے انہیں جواب بھی دے دیا جاتا ہے یہ کارروائی اردو کی ترقی کے لئے ہرگز نہیں کی جاتی بلکہ پبلک میں نیک نامی حاصل کرنا اور لیڈری کی کرسی قائم رکھنا مقصد ہوتا ہے جو محض رسمی خانہ پری کی حد تک محدود رہتا ہے۔ اس کے بعد میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے اس سے آپ بھی واقف ہونگے"۔ ایسے بہت سے خطوط جناب ہوم منسٹر پنڈت پنت جی کے پاس بھی آتے رہتے تھے جن کی تصدیق ان کے علاوہ دیگر معتبرین نے بھی ہم سے کی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ "حافظ صاحب! ایسی صورت میں آپ خود بتلایئے کہ ہماری یا آپ کی اردو کا کیا حشر ہوگا جبکہ خود آپ کے رہنما اپنے پیٹ کی خاطر اور دوستی کے واسطے تو مزدوستی اور اردو کو موت کے انجکشن دیتے رہتے ہیں؟" ہم ہماری گفتگو کا تو کیا ذکر کریں ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اتنی بڑی بات ہمیں لکھنی بھی چاہیئے تھی یا نہیں لیکن جیسا کہ ہم نے کہا کہ ہمیں یہ بات سن کر کوئی حیرت نہیں ہوئی ہم نے ایسی ہی باتوں سے نتیجہ نکال کر اور صحیح اور حقیقی لیڈر شپ کے فقدان کو اچھی طرح سمجھ کر کہا تھا اور کہتے ہیں کہ "جو ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے"۔ ملک کے جس پرچہ کو اٹھا کر دیکھئے تو غم کا مرثیہ نظر آئیگا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ رونا کب تک رہیگا۔ رونے والے تو سب ہیں لیکن چارہ جوئی کرنیوالا اور مریض کی دیکھ بھال کرنیوالا کوئی نظر نہیں آتا۔

ذیل میں ہم لکھنؤ کے نہایت موقر پرچہ "ندائے ملت" کے سالنامہ ۱۹۶۳ء سے جو ابھی کسی شائع ہوا تھا دو بند نہایت معذرت اور شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں تاکہ ہمارے اس پرچہ کے ناظرین بھی اس سے وہ فائدہ یا عبرت حاصل کر سکیں جنہیں مدنظر رکھ کر یہ قلمبند کئے گئے ہیں۔ ندائے ملت کے تمام مضامین خصوصاً اس سالنامہ کے مضامین نہایت قیمتی معلومات سے پر ہیں۔ اور قابل ترین اصحاب کی فکر طبع اور کاوش کا نتیجہ ہیں پڑھئے اور لکھنے والوں کے حق میں دعا کیجئے اور پڑھنے والوں کے لئے ان پر عمل پیرا ہونے یا کما حقہ فائدہ اٹھانے کی بھی دست بستہ دعا مانگیے۔

ندائے غیبی

مسلماں! وہ تری عالی مقامی   کہ تو تھا سیدی سندی امامی
اسے اللہ کا بندہ کہے کون   جسے خوش آئے بندوں کی غلامی
کس منزل میں ہے نیرنگِ دوراں   کہ ساقی ہے اسیر تشنہ کامی
کبھی وہ دور بھی گذرا ہے تجھ پر   کہ تھے روح الامیں تیرے پیامی
چمن والوں کو چلنا آ گیا ہے   نہ ہے سرو رواں کی خوش خرامی
خودی کی موت ہے پابند ہونا   غلامی اصل میں مرگِ دوامی

نہ پہنچے گا کبھی منزل تک اپنی
معاذ اللہ یہ آہستہ خرامی

ندائے غیب سنکر شاعر مزید جو بیان کرتا ہے :-

کہ دل میں عرض اگر ہو معاف بے ادبی   کہ خود تیرے ہی سبب ہے یہ تیری تشنہ لبی
تجھے نہ یاد رہا "الحیات بالحرکات"   مٹا گئی تجھے آخر تری سکوں طلبی

بربادی و ذلت ساتھ لئے بیداد گر ایام آیا
جس بزم میں تو جس جام کے لائق تھا، تجھ تک وہ جام آیا
اے مسلم خوابیدہ! اپنی بدحالی پہ کیا روتا ہے
رونا اس پہ کہ تیری پستی سے اسلام کے سر الزام آیا

دیکھئے "الحیات بالحرکات" کا وہی نسخہ یہاں بھی تجویز کیا گیا ہے۔

جس پر ہم مندرجہ بالا سطور میں زور دے کر درخواست کر چکے ہیں کہ مایوس ہونے کی مطلق ضرورت نہیں ہے یہ محض وقتی بات ہے۔ ہندی تو سرکاری زبان ہو چکی ہے اس کی ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عام مروجہ زبان پر پہرہ نہ بٹھا لیا جائے اور اسے زبردستی مدرسہ یعنی تحصیل علم کی چار دیواری سے پرے پرے نہ رکھا جائے۔ آپ شوق سے ہندی نہیں بلکہ سنسکرت سیکھئے اس سے آپ کو بیحد فائدہ ہوگا لیکن شطرنج۔ لوڈو سنیما وغیرہ کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کرکے اس وقت کو اردو کی تعلیم میں صرف کر دیں۔ ہمارے پاس انگریزی کے فارغ التحصیل ایسے آتے ہیں جو ہندی تو خوب جانتے ہیں لیکن اردو نہیں جانتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ایسا انتظام ہو جائے کہ وہ اردو سیکھ سکیں۔ وہ ایسی کتابیں مانگتے ہیں جو ہندی میں ہوں اور اردو سکھاتی ہوں۔ ایسی کتابیں تو بہت ہیں جو اردو جاننے والوں کو ہندی سکھاتی ہیں لیکن اس کے برعکس اردو سکھانے والی ابھی قابل اطمینان تیار نہیں ہوئیں۔ آپ ہندی اور اردو اگر خوب جانتے ہیں تو اس کام میں بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ہم تو ہندی اور سنسکرت بھی بڑی خوشی سے سیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے چچازاد بھائی جنھوں نے تقریباً تیس سال ہوئے سابق صوبہ سی پی (حال مدھیہ پردیش یا مہاراشٹر مدھیہ بھارت) سے سنسکرت لے کر میٹرک پاس کیا تھا جب ناگپور کالج میں داخل ہونے گئے تو پنڈت جی نے اجازت نہیں دی اور کہا کہ سنسکرت میں زیادہ حصہ بادر شاستروں کا ہے اور وہ مسلمان کے پڑھنے سے بھرشٹ ہونگے۔ اس لئے آپ دوسرا مضمون لے لیجئے۔ دیکھئے زبان میں بھی چھوت چھات!! ہم تو کہتے ہیں کہ زبان مذہب کی بنا پر نہیں ہوتی بلکہ کسی ملک کی ہوتی ہے۔ عربی زبان تو قرآن کے زمانہ سے بہت پہلے تھی لیکن اب مسلمانوں کو دو قومی نظریہ کا طعنہ دیکر اردو کو مسلمانوں کی زبان کہا جاتا ہے حالانکہ کائستھ لوگ اردو اور فارسی کے سب سے زیادہ ماہر سمجھے جاتے تھے۔

اردو ہندی کا واحد حل بہرحال ہمارا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ انگریز کے زمانہ میں سرکاری زبان انگریزی تھی اب ہندی یا سنسکرت ہو گئی ہے۔ آپ جس طرح پہلے اردو کی درخواست کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر عدالت میں پیش کرتے تھے اب ہندی میں کرا دیجئے۔ اور بہت سی باتیں ہیں جنہیں اگر آپ کے لیڈر آپ سے غداری نہ کریں اور ذاتی منفعت کو مقدم نہ سمجھیں اور خود غرضی سے کام نہ لیں تو اس مسئلہ کے حل ہونے میں کوئی دشواری نہیں۔ ۱۹۲۶ء میں یعنی جامعہ ملیہ کے علیگڑھ سے دہلی منتقل ہونے کے ایک سال بعد ہم نے بہت بڑے پیمانے پر قرول باغ میں مدرسہ شبینہ جاری کیا تھا جس کی حاضری دو ڈھائی سو کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اس کے علاوہ صدر بازار، ترکمان گیٹ، بیرم خاں اور دوسری جگہ بھی مدارس شبینہ کا جال پھیلا دیا تھا۔ انجام کیا ہوا اس کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

اس وقت ہندو مسلم کی کشمکش اور زبان کے جھگڑے زوروں پر تھے چنانچہ ہم نے ایک اشتہار کے ذریعے جو اعلان کیا تھا وہ آج بھی اسی طرح قابل غور ہے اور جس کے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہ ہے کہ "ہندوستانی" زبان بولنے والے علاقہ میں ایک رسم الخط میں لکھنا اور دونوں میں پڑھنا لازمی ہونا چاہیئے۔ جو لوگ اردو جانتے ہیں وہ اردو میں لکھیں اور ہندی جاننے والے اسے پڑھ کر ہندی میں جواب لکھیں جب وہ جواب اردو والے کے پاس پہنچے تو وہ ہندی میں اسے پڑھ لے اور پھر اردو میں جواب لکھدے۔ اس طرح دو رسم الخطوں (فارسی اور دیوناگری) کا جاننا یعنی پڑھنا لازمی ہو اور ایک رسم الخط میں لکھنا ضروری ہو۔ کسی قسم کی دقت نہیں ہوگی۔ لیکن ضد کا کوئی علاج نہیں۔ وقت اور عمر ضائع کرنے کے بعد عمل ہوگا۔

حکومت کا خزانہ

ہمارے محترم وزیر مالیات جناب مرارجی ڈیسائی صاحب نے حکومت کو اس قدر ضرورت مند اور خالی الکیسہ سمجھ کر یا ظاہر کر کے اس کے خزانہ عامرہ کو بھرنے کے لئے چاروں طرف سے ایسی یلغار کی ہے کہ الٰہی توبہ! الٰہی توبہ!! ممکن ہے کہ احباب یہ سمجھ کر اس قسم کے الفاظ سے خوش ہونے ہونگے کہ "ڈیسائی صاحب نے تو بہت بڑی جرأت اور ہمت سے کام لیکر حکومت کا خزانہ بھر دیا" لیکن یہ کوئی خوشی کی بات نہیں ہے نہ معلوم کتنے دلوں کی آہیں اور بد دعائیں ان کے لئے نکلتی ہونگی اور ان کا انجام کیا ہوگا۔ ہم نے اللہ کو کسی خاص جسمانی شکل میں تو دیکھا نہیں لیکن اسکا جلوہ ہمیشہ نظر آتا رہتا ہے۔ ویسے بھی ہم ایمان بالغیب کے عادی ہیں۔ اس کے ہاں رتی رتی ماشہ ماشہ کا حساب ہوتا ہے اور فیصلہ کی تاریخ دنیاوی عدالتوں کی طرح کبھی جلدی پڑ جاتی ہے اور کبھی غیر معمولی تاخیر سے۔ جو حکومت غریبوں کا خیال اور ان کی مجبوریاں پیش نظر نہ رکھے اسے کوئی بھی اچھی حکومت نہیں کہہ سکتا۔ آپ کے عہد کے کارنامے جس انداز میں جو تاریخ میں غریبوں کی ہڈیوں کے گودے اور ان کی امیدوں کے خون سے لکھے جا چکے ہیں۔

محصول ڈاک

۱۔ آپ نے محصول ڈاک میں چاروں طرف سے پیسے بٹنے کی کوشش کی ہے حتیٰ کہ ایک پوسٹ جو زیادہ عرصہ نہیں ہوا ایک آنہ میں جاتا تھا، آٹھ پیسے میں جانے لگا۔ اب آپ نے مزید دو پیسے بڑھا کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد کے مساوی کر دیا۔ بچپن میں ہم سنتے تھے کہ ایک بزرگ نے (جن کا نام اسوقت یاد نہیں رہا) خربوزے جیسے پھل کی دعا مانگی جو شیریں ہو زود ہضم ہو اور صحت کے لئے مفید ہو۔ وہ دعا مقبول ہوئی اور اس کے اظہار کے لئے کہ انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی خربوزے کی دس پھانکیں بنائی گئیں، چنانچہ اصلی خربوزہ دس پھانکوں کا ہوتا ہے۔ یوں مختلف تجربات کے تحت جو بیج بوئے جاتے ہیں ان میں تعداد مختلف بھی ہوتی ہے ورنہ عام طور سے دس پھانکیں ہی ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں اس ایک پوسٹ کے لئے کس کی "دعائے قبولیت" نے دس نئے پیسے کا "عطیہ" تجویز کیا۔

کتنے غریب اور نادار ہیں جو اپنے پرائیویٹ نصاب تعلیم رجسٹری میں بھیجتے ہیں اور ضرورتاً بھیجتے ہیں۔ معلوم نہیں ان کی ضرورت کا بھی ڈیسائی صاحب کو خیال آیا یا نہیں۔ چندہ کی رسیدیں بھی دس نئے پیسے میں جانے لگی۔ رجسٹری کی فیس ہمارے دیکھتے دیکھتے چار آنہ سے چھ آنے، چھ سے آٹھ آنے تک پہنچی تھی اور آٹھ آنے ہوئے زیادہ دن بھی نہیں گزرے تھے کہ اب ۵ پیسے اصل میں اور دو پیسے رسید میں بڑھا دیئے گئے۔ رسید کے ۶ پیسے کی بجائے ۱۰ پیسے کر دینا سمجھ میں نہیں آیا جبکہ اسکی اہمیت کی یہ حالت ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے پاس جوابی رجسٹری آتی ہے تو ہم دونوں رسیدوں پر دستخط کر دیتے ہیں لیکن بعض اوقات چٹھی رساں جوابی رسید ہمارے پاس چھوڑ جاتا ہے اور جب اگلے دن اُسے دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ آپ ڈاک ہی میں ڈال دیتے جس کے یہ معنی ہیں کہ رجسٹری جاری کرنے والے بابو صاحب اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ وہ پوسٹ مین سے یہ بھی نہیں پوچھتے کہ جوابی رسید کہاں گئی۔ انہیں تو خیال بھی نہ رہا ہوگا کہ یہ سادہ رجسٹری تھی یا جوابی۔ مطلب اس رسید کی یاد دہانی کے لئے رجسٹری بھیجنے والا شخص اگر ڈاکخانہ کو لکھتا ہے تو چھ پیسے کی چپت اور لگتی ہے اور اگر ڈاکخانہ والے یہ جواب دیتا ہے کہ اصلی رسید بھیجئے جو ڈاکخانہ سے رجسٹری کے وقت ملی تھی تو ۵ نئے پیسے کا ٹکٹ اور لگایئے اور تین پیسے پوسٹل سرٹیفکیٹ پر خرچ کیجئے تاکہ ثبوت رہے کہ رسید بھیج دی گئی۔ لیجئے یہ ہے حساب کتاب۔ بہر حال اگر رسید گم ہونے کا سوال نظر انداز بھی کر دیا جائے تو چھ پیسے سے ایکدم دس پیسے کر دینا کوئی معقول وجہ نہیں کہی جا سکتی۔

لوکل پوسٹ کارڈ بالکل ہی ختم کر دیا حالانکہ اس کے رنگ میں فرق ہونے سے ڈاک چھانٹنے والے کو آسانی رہتی تھی کہ سرخ رنگ کی چھپائی دیکھ کر فوراً اُسے مقامی ڈاک میں شامل کر دیتے تھے۔ کتنا وقت بچتا تھا۔ پتہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اگرچہ ہم یہ بات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بعض اوقات مقامی پوسٹ کارڈ پر بھی خط لکھ کر دوسرے شہر بھیج دیا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں اس پر مزید ٹکٹ کا لگا ہونا فوراً ڈاک والوں کی توجہ منعطف کر دیتا تھا اور اگر مزید ٹکٹ نہیں لگایا گیا تو یقیناً خط کے پہنچنے میں اس غلطی سے علاوہ بیرنگ ہونے کے تاخیر بھی ہونی لازمی تھی۔ اس محصول کے بڑھنے سے ہوشیار انسانوں نے جو صورت اس ڈنڈ کو پورا کرنے کی نکالی ہے اس سے محکمہ خوب واقف ہوگا۔ ہم اس کے اظہار سے "ایمرجنسی" کی زد میں کیوں آئیں۔ لیکن جیسا کہ ہم عموماً لکھتے رہتے ہیں ہمارے ملک میں بے ایمانیوں کی رفتار میں اضافہ کا باعث زیادہ تر حکومت کے بے تکے قوانین بھی ہیں۔

ٹیکس

ٹیکسوں میں جو آئے دن ردوبدل ہوتا رہتا ہے اسکی تان نہ معلوم کہاں جا کر ٹوٹے گی۔ جبکہ ملک کی یہ حالت ہے کہ غریب تو غریب ہوتے جا رہے ہیں اور امیر تجوریاں بھر کر بھی مطمئن نہیں ہیں اور اس کا بھی کوئی خاص علاج نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے دکاندار جو ایمانداری سے حساب رکھتے ہیں وہ تو کافی مصیبت اٹھاتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں ٹیکس دینے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی چہ جائیکہ غلط پریشانی سے بچنے کے لئے وہ انکم ٹیکس کے بابوؤں کی بالائی آمدنی کی سبیل نکالیں، اور موٹے موٹے لاکھوں اور کروڑوں میں کھیلنے والے اپنے ہی کھاتے

"ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور اور کھانے کے اور" کے اصول کے تحت بنا کر خود بھی مزے میں رہتے ہیں اور "بالائی آمدنی" والوں کے بھی وارے کے نیارے کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی نہ پوچھئے ان میں سے وہ جنہیں اللہ میاں نے سیدھا راستہ دکھا رکھا ہے تمام مراحل بخوشی کسی نہ کسی طرح طے کر لیتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل کر کے سکون و اطمینان حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ جو معصیت میں گرفتار ہیں اور اسلامی قوانین پر "حالات حاضرہ" کے تحت نظر ثانی کرنے کی حمایت کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے غریبوں کی مدد کے لئے امیروں پر ٹیکس لگایا تھا جو زکوٰۃ کے نام سے تھا اب ہماری حکومت جو ٹیکس وصول کرتی ہے اس سے وہ مدرسے چلاتی ہے۔ غریب طلبہ کو وظائف دیتی ہے۔ ملازمت ختم ہو جانے کے بعد پنشن دیتی ہے اور بیسیوں کام غریبوں کے فائدے کے لئے کرتی ہے (علاوہ ان کاموں کے جو امیر غریب سب کے لئے ہیں مثلاً سڑکیں بنوانا۔ راستوں اور گلیوں میں روشنی کا انتظام کرنا۔ گندے پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا وغیرہ وغیرہ) ایسی صورت میں زکوٰۃ کی فرضیت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا ان ٹیکسوں نے زکوٰۃ کے لئے ایک عذر یا شبہ پیدا کر دیا ہے معاذ اللہ! اسیلز ٹیکس (بکری ٹیکس) بھی کئی قسم کے ہیں جو چیزوں کی گرانی کا باعث ہوتے ہیں مگر جو لوگ مجبوراً گراں چیزیں خریدتے ہیں اور پورے جل اٹھا نہیں کرتے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی قوت خرید میں اضافہ ہو گیا ہے۔ دیکھا! کیسے کیسے نکتے یاروں کو یاد ہیں اور کس کس نام سے ہمت بندھائی جاتی ہے!! جزاک اللہ ٹیکس۔ سپر ٹیکس اور اسپر مزید ٹیکس کے متعلق تاجروں سے پوچھئے کہ کتنی مصیبت میں ہیں۔ کمپنیوں میں روپیہ لگانے والے آپ کو بتا سکیں گے کہ انہیں نفع کس حساب سے ملتا ہے۔ کیا اگر بیس فیصدی نفع ہوتا ہو تو قوانین نے اسپر پابندی لگا کر زیادہ سے زیادہ لینے کی حد تو مقرر نہیں کر دی؟

گولڈ کنٹرول

ایک بیوہ اور غریب عورت جو چرخہ کات کر یا کھیتوں میں محنت مزدوری کر کے اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر دو چار پیسے بچانے کی کوشش کرتی ہے اور اس طرح وہ اپنے یتیم و بے سہارا بچوں کی آئندہ ضروریات بیاہ شادی۔ بیماری۔ کاہلی وغیرہ وغیرہ کے لئے تھوڑی بہت رقم بچا لیتی ہے۔ وہ کسی کمپنی میں یا کسی کوآپریٹو سوسائٹی میں حصے خریدنے پر آمادہ کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنی جمع شدہ رقم کو حاصل نہیں کر سکتی اسلئے وہ تھوڑا سا زیور بنوا کر ڈال لیتی ہے لیکن اب گولڈ کنٹرول نے اسے اس سے بھی محروم کر دیا۔ اور ڈیسائی صاحب کی خواہش کے مطابق وہ گھر میں بالکل جھاڑو دیدے اور جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ کسی نہ کسی فنڈ میں جمع کر دے جس سے اسے سال بھر کے بعد زیادہ سے زیادہ تین چار روپے ہر سو روپے کی جمع پر مل جایا کریں۔

کیا غریب کی گاڑی اس طرح چل سکتی ہے؟ عقل والو! سوچو اور خدا کے لئے یہیں بھی دیکھو کہ جس سے زندگی کا پہیہ رک سکتا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں کا ایک دم بے روزگار ہو جانا کس قدر بے رحمی کا ڈنڈا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ بخوشی ملک کی ضرورت اور "ایمرجنسی" کو مقدم رکھ کر دل و جان سے چندہ دیتے تھے ان کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں اور امداد کی رفتار میں بہت فرق پڑ گیا ہے۔

زبردستی بچاؤ

سی۔ ڈی۔ ایس (کمپلسری ڈپازٹ اسکیم) کتنی خوش آئند اور بظاہر اخلاق و ہمدردی معلوم ہوتی ہے لیکن جو لوگ بے احتیاطی میں آوارہ ہیں۔ شراب خوری، سٹہ بازی اور مختلف قسم کی فضول خرچیوں کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے لئے تو یقیناً بہت ہی صحت مند تجویز ہے اگرچہ وہ بھی بالکلیہ زیادہ ناراض ہو کر صدائے احتجاج بلند کریں گے لیکن ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں اچھا اور برا۔ یہ تجویز بہت اچھی ہے لیکن کسی چیز کو اچھا اسی وقت کہا جاتا ہے جبکہ اکثریت کی تکلیف کا باعث نہ ہو۔ اس بچاؤ سے تو اللہ محفوظ ہی رکھے۔ ملک میں غریب بھرے پڑے ہیں۔ ڈیسائی صاحب جیسے ٹھوں کو جھونپڑیوں میں جانے کا موقع کہاں ملتا ہے وہ غریبوں میں بیٹھ کر ان کی رام کہانی کب سنتے ہیں۔ غریب بھی ان کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ بندوق والا پہرہ دار گھسنے کب دیگا؟ موٹر والا اپیل کرتا بیدھڑک آسکتا ہے بلکہ اسے سلامی بھی دی جاتی ہے۔ ہم خواہ مخواہ کی کسر نفسی کے عادی نہیں ہیں اور نہ مگر مچھ کے آنسو بہانا جانتے ہیں۔ ہم خدا کا شکر ہے اللہ کی اس مخلوق میں سے ہیں جنہیں دو وقت بغیر کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے عزت سے چٹنی روٹی مل جاتی ہے۔ اس آزادی کا خدا بھلا کرے جس کیلئے گاندھی جی نے تحریک چلائی اور نتیجہ خود بھگت گئے، تمام لیڈران ملک نے تحریک کو پروان چڑھایا حتیٰ کہ "مذہب" نے بھی پانسو علمائے کرام سے فتوے لکھوا کر اچھے اچھے کھاتے پیتوں کو ترک موالات (نان کو آپریشن) کے تحت بیروزگار کر دیا۔ تاہم سب نے دل سے ساتھ دیا۔ کسی پر زبردستی نہیں کی گئی بلکہ فضا ایسی پیدا کر دی گئی کہ اسی نشے میں سب مخمور ہو گئے۔ آج تک ہم نے ایک لفظ اس سلسلے میں شکایت کا منہ سے نہیں نکالا۔ بڑے بڑے نیتاؤں کو سب حال معلوم ہے لیکن کسی نے بھی دو لفظ ہمدردی کے نہیں کہے کیونکہ یہ دنیا ہے نفسی نفسی کا زمانہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ چالیس سال تک سوکھی روٹی کھانے اور "قربانی" کے خوش کن اور نفس کو موٹا کرنے والے الفاظ سے مگن رہنے کے بعد اپنے ہی وطن میں (جس کے متعلق ہمارے مجوزہ وزیر کھنہ صاحب پوچھتے تھے "وطن کیا ہوتا ہے؟") بے وطن ہو گئے اور اس آزادی کے لئے تمام پاپڑ بیلنے کے بعد اس تھوڑی سی جائداد سے بھی محروم ہو گئے جو ہمارے دور اندیش آباؤ اجداد ایسی مصیبت کے وقت کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ [illegible]

دھکّے کھانے کے بعد آدھی تباہی منہدم شدہ اور تباہ شدہ واپس ملی تو کاغذ میں ہی لپیٹ کر رہ گئی آگے گاڑی نہیں چلتی۔ آپ تاریخ آزادی لکھوا رہے ہیں، کوئی ایماندار سے ایماندار شخص بھی اس مصیبت کا ذکر تک نہیں کریگا جو خاموش اور صبر سے سہنے والوں پر بیت رہی ہے۔!!

بہت سے بیچ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دیکھے ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ غلط اندازے کے تحت یا کسی اور وجہ سے ایک آدمی نے یا ملٹری نے کاؤنٹ یا گول کا اعلان کر دیا اور سب کو اسے ماننا پڑا خواہ وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ہمارے قائدین نے ملک کے بٹوارہ کا حکم صادر کر کے مسلم لیگ کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی حکومت کے شوق میں تمام ان بدقسمتوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا جنہیں آپ "نیشنلسٹ مسلمان" کہتے تھے یا کہتے ہیں اور جن کے ایک فرد بشر نے بھی بٹوارہ کے لئے ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ آخر وقت تک علی الاعلان مخالفت کرتے رہے۔ وہ نوفرت کتنے بے گناہ! انتہائی بیدردی سے مارے گئے اس کا عذاب کس کی گردن پر؟ کسی نہ کسی کو تو بھگتنا ہی پڑے گا۔ یہ فیصلہ دنیا کی عدالت میں تو ہونے سے رہا یہ تو سب سے اعلیٰ حاکم ہی کریگا۔ ہم تو بس یہی دعا اپنے لئے اور دوسرے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے مانگتے ہیں "جیسے میرے یار کو مجھ سے جدا کیا۔ وہ بھی مراد اپنی نہ پائے خدا کرے" اخلاقی قدروں سے اور قدرت کی قوتوں سے منکر ہو گیا لو! سوچو کر دنیا کدھر چل رہی ہے۔

لیجئے "زبردستی بچاؤ" کے موضوع سے بھٹک کر ہم نہ معلوم کس میدان میں نکل آئے مطلب یہ ہے کہ آباؤ اجداد کی جائداد جسے "قربانی" کے "واہ واہ" کے شور میں ہماری لاج رکھ لی تھی وہ تو خان عبدالغفار خاں کے غم میں گھٹے جانے والے مگر پاکستان سے بھاگ آنے والے اور "بالکل لٹ کر آنے والے" مذہبی بحالیات کی ٹڈی دل فوج نے سنبھال لی اور جو تھوڑا بہت پیسہ اتفاق سے پاس تھا وہ بارہ سال تک پانی پت، کرنال، انبالہ، پٹیالہ، جالندھر، نئی دہلی کے بنداول مکر کاٹنے اور مختلف وکلاء کا محنتانہ، سفر خرچ، خرچ خوراک وغیرہ ادا کرنے میں صرف ہو گیا بلکہ اور مقروض کر گیا۔ اب تھک ہو کر بیٹھ جانے کے بعد اسی "ایثار اور قربانی" کے شکر، ہرگز اوقات کرانا پڑی اور جب وہاں سے بھی مشفق ساتھیوں کے حسد اور بغض کے طفیل علیحدہ ہونا پڑا تو صرف ایک فرد واحد کی ماہانہ اجرت پر گزارا کرنا پڑا جسکی تنخواہ سے پچھلے قرضوں کی وجہ سے سو روپے ماہانہ وضع ہو جاتے ہیں۔ باقی ڈیڑھ سو کے قریب رہ جاتے ہیں۔ اب ڈیڑھ سو کی رقم ہے، ایک بچی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی تعلیم کا خرچ دلی یونیورسٹی کے زنانہ کالج و ہوسٹل میں (ماہانہ کتنا؟) ایک دوسری لڑکی کا علیگڑھ یونیورسٹی کے عورتوں کے کالج میں (کتنا؟)

چار پانچ افراد کے کھانے، ناشتے، دھوبی، بھنگی، بجلی، حجام اور مہمانداری کے اخراجات (وہ تو اتفاقی ہیں) مکان اپنا ہے پھر بھی ہاؤس ٹیکس، انکم ٹیکس، اور ہندو مسلم مختلف اداروں کے محصلین چندہ کی بوچھار جنہیں موجودہ حالت کا یقین ہی نہیں آتا جو کسٹوڈین کی عنایت کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ پھر گھر میں کوئی دمہ کا مریض۔ کوئی قلب کی بیماری میں مبتلا کسی کو خرابی صحت کی شکایت کسی کو کوئی اور روگ، غرض پورا گھر ہسپتال کا نمونہ۔ اس کے لئے لازمی یا زبردستی بچاؤ کی اسکیم!!! بانا کے بل ادا نہیں ہو سکتے۔ دکاندار شرافت کی کہاں تک قدر کریں اور دوسرے کی معذوری کا کب تک انتظار کریں، فرمائیے ایسی صورت میں سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا کہاں کی فراست ہے اور ہاں جو صاحب مند یا غریب رشتہ دار یا دیگر متعلقین ہم پر امیدیں لگائے بیٹھے ہیں ان کو لال جھنڈی دکھا کر کب تک مایوس کیا جائے اور معذرت چاہی جائے۔

کسی بھی مذہب یا اخلاق کا انسان ہو اس سے ایمانداری سے پوچھئے کہ "زبردستی بچاؤ" کے لئے رقم اینڈ کر دینا شرافت ہے یا کسی محتاج اور بے بس کو بھوک اور فاقہ سے مرتا ہوا دیکھ کر اس کی مدد کرنا کار ثواب ہے۔ اسکا پاپ کون سہار سکتا ہے۔ کہنے کو تو شاید محترم مرارجی کے ہم خیال بہت سے نکل آئینگے کہ گناہ ثواب آپ ہمارے سر رکھئے اور بچاؤ پر عمل کیجئے۔ جی بیشک اگر ثواب بھی ہو رہا ہے لیکن تمام عوام کے دلوں میں جو ناسور بنتے جا رہے ہیں وہ کس منزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سب سے مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ "بچاؤ" کا روپیہ جب چاہو اپنا سمجھ کر سرکاری خزانہ سے یا جہاں کہیں بھی ہو نکلوایا نہیں جا سکتا حتیٰ کہ جمع کرنے والا شخص اگر مر جائے اور اس کی آخری رسومات ادا کرنے کے لئے کفن کی ضرورت ہو تو اس وقت بھی بچاؤ کا روپیہ مدد نہیں کر سکتا۔ فرمائیے کہیں ایسے فرشتے بھی دیکھنے میں آئینگے جیسے ہندوستان میں آتے ہیں۔ پھر بھلا سمگلنگ، ملاوٹ، بے ایمانی کا کیا قصور؟ "خود کردہ را علاجے نیست"

وزارتوں کی قربانی

اپنے آدمیوں کی تمام خامیوں اور ان کے متعلق جملہ شکایات کے باوجود ہم نہایت فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ اس ملک کا SET-UP اب بھی بہت بلند اور سب پر بھاری ہے کچھ تو خود یہاں کے "بڑوں" کی شریفانہ اور مخلصانہ طبیعت کی وجہ سے ہے اور کچھ بلکہ بہت کچھ اسکی لیڈرشپ کی انتہائی شرافت اور اخلاص اور ہمدردانہ جذبہ کے باعث ہے۔ ملک کو اللہ نے جہاں اور بخششیں دی ہیں وہاں اسے پنڈت جواہر لال جیسا مایہ ناز فرزند بھی عطا کیا ہے جس نے حتی الوسع اپنے تمام ساتھیوں کے سر جوڑ کر رکھنے کی کوشش کی ہے اور بین الاقوامی

معاملات میں تمام ملکوں سے صلح و آشتی سے رہنے کا حلف اٹھا رکھا ہے اس کا اپنا ملک بھی اتنا بڑا ہے جو آبادی، رقبہ اور جملہ اقسام کی جمادات و نباتات کے لحاظ سے سب کو کھٹکتا ہے اور دوسرے حسد کی آگ میں جلے جا رہے ہیں لیکن جہاں اتنی نعمتیں میسر ہیں وہاں اس کی جنتا کے عیوب اور مجرمانہ افعال بھی دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اسی تناسب سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے وہ تو اپنے ملک کی اصلاح و ترقی میں اسقدر مصروف ہے اور دوسرے ساتھیوں کو مصروف رکھنا چاہتا ہے کہ اس کے دل و دماغ میں کبھی کسی دوسرے ملک کی طرف بدنیتی سے آنکھ اٹھانے کا خیال تک پیدا نہیں ہو سکتا۔

ہمیں ان سے شکایت ہے تو یہی کہ انہوں نے بعض ساتھیوں کے کام کی خوبیوں کو ان کے عیوب پر اسقدر ترجیح دی ہے کہ جب کبھی ان کے علم میں کوئی بات لائی گئی تو ملکی مصلحتوں یا کسی اور وجہ سے انہوں نے اسپر توجہ نہیں کی۔ بلکہ ان کی صاف صاف حمایت کی، ان کا خیال غالباً یہ رہا ہے کہ جس شخص کے متعلق شکایت کی جا رہی ہے اگرچہ اس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تاہم وہ خود سمجھ گیا ہوگا اور اسکی ضمیر اس کو لعنت ملامت کرتی ہوگی اور اب آئندہ وہ خود اس فعل سے توبہ کریگا اور راہ راست پر آجائیگا۔ لیکن چونکہ ہندوستانی خمیر میں برائیاں بہت گہری جڑ پکڑ چکی ہیں اور دیمک کی طرح ان کے بھٹ بہت دور تک اندر چلے گئے ہیں۔ اس لئے ضمیر کی آواز بھی کمزور ہو گئی ہے اور بالکل بے اثر، اور جب وزیر اعظم کی حمایت نے ان کے لئے ڈھال کا کام دیا تو وہ اور شیر ہو گئے اور عام پبلک نے بھی اس کا غلط اثر لیا۔ ہم اس سے زیادہ کیا کہیں کہ "اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی" نیک خیال کا انسان دوسروں کے متعلق برا خیال مشکل سے پاس آنے دیتا ہے لیکن یہ بات تو جہانتک اس کی اپنی ذات کا تعلق ہے بہت اچھی ہے۔ مگر جب دوسروں کے مفاد کا نقصان عظیم ہوتا ہو تو ایسی حسن ظنی یا سیر چشمی خطرہ سے خالی نہیں ہوتی اس سے زیادہ لکھنا "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است"۔

بہرحال چند خود غرض، حاسد "رقیبوں" کو چھوڑ کر اتنے وسیع ملک کی آبادی بچے سے لے کر بوڑھے تک فقیر سے لے کر کروڑپتی تک پنڈت نہرو کی دل سے قدر کرتی ہے اور سب ان پر جان نثار کرنے کو تیار ہیں یہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک اگریزی راج کے اس "باغی" کو دنیا کا بہترین مدبر سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور ان کو اپنے ہاں مدعو کرنا اپنی بہت بڑی عزت سمجھتے ہیں۔

کامراج پلین چنانچہ ملک میں جب چاروں طرف سے خرابیوں کا شور اٹھا اور حکومت پر مختلف الزامات کے تحت حرف آنے لگا تو مدراس کے وزیر اعلیٰ نے یہ سمجھ کر کہ عہدوں سے چمٹے ہوئے لوگ اپنے حلوے مانڈے اور اقتدار کی خاطر عام پبلک کا مطلق خیال نہیں کرتے ورنہ ذمہ دار وزراء کو چاہیئے کہ ان گدیوں کو چھوڑ کر میدان میں نکل آئیں اور پبلک میں اصلاح کا کام کریں۔ یہ ایک قسم کا چیلنج اور طعنہ بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ کانگرس کے نیک دل اور صحیح الدماغ "بڑوں" نے اس کی بروقت تائید کی اور سب سے پہلے پنڈت جی نے خود کو پیش کر کے وزارت عظمٰی سے استعفےٰ پیش کر دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی اور دوسرے وزراء نے جو مرکز میں بہت بڑی ذمہ داری کے عہدے سنبھالے ہوئے ہیں استعفےٰ داخل کر کے ملکی خدمت کے لئے اپنے تئیں پیش کر دیا اور ریاستوں کے وزراء اعلیٰ نے بھی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی پیشکش کر دی۔ ہائی کمانڈ نے پنڈت جی کو تو اجازت نہیں دی مگر دوسرے وزراء کے متعلق پنڈت جی کو اختیار کلی دے دیا کہ جسے مناسب خیال فرمائیں ملک کی خامیاں رفع کرنے کے کام پر لگا دیں اور وزارت کے منصب پر دوسروں کو مقرر کر دیں۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ پنڈت جی پر اسقدر بھروسہ کیا گیا کہ وہ کسی کو عناد یا بغض ذاتی یا کسی شکایت پر علیحدہ نہیں کریں گے بلکہ ملک کی بہبودی کیلئے جسکو جس کام کے لائق سمجھیں گے وہ اس سے لیں گے کیونکہ خرابیوں کی اصلاح بہت مقدم چیز ہے۔ اگر قوم کا کیریکٹر درست نہ ہو تو کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکتی اور آزادی کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ کتنے فکر اور تردد کی بات تھی کہ پنڈت جی کو یک دم قریباً تمام وزارتوں میں رد و بدل کرنے اور صحیح قائمقاموں کا تقرر یا انتخاب کرنے کا انتہائی دشوار کام سرانجام دینا تھا اور بڑے بڑے ہر دلعزیز اور بہترین دماغ والے اونچے درجے کے وزراء کا یکدم وزارت جیسی بڑی چیز کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ کسی ملک کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملے گی۔ آپ باتیں جو چاہے بنا لیجئے جو عیب چاہیں نکالئے لیکن اسکی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے بس یہی ملک کی ترقی کے آثار ہیں۔ کاش سب لوگ اور عام پبلک باہمی رواداری اور تعاون سے کام کریں تو برسوں کا کام دنوں میں اور دنوں کا کام پلوں میں ہو سکتا ہے۔ تمام ممالک محو حیرت ہیں اور پنڈت جی کی کیبنٹ کے اس محبت آمیز انقلاب پر تحسین آمیز کلمات ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم واقعی پنڈت جی کو مبارکباد دیتے ہیں اور ان تمام مایۂ ناز ملکی فرزندوں کو بھی جنہوں نے اتنے ایثار سے کام لیا۔ مجموعی اعتبار سے تو یہ واقعی پہلی مثال ہے ورنہ اس سے پہلے بھی جب کبھی کسی وزیر یا ممبر پارلیمنٹ سے ان کے منتخب کرنے والوں نے انفرادی طور سے مطالبہ کیا کہ چونکہ ہم حکومت کی پالیسی سے متفق نہیں ہیں اور ہمارے صوبہ یا پردیش کے منافی سمجھتے ہیں اس لئے آپ بھی ہمارا ساتھ دیجئے اور مستعفی ہو جائیے۔ چنانچہ جب زبانوں کا جھگڑا اچھل رہا تھا اس وقت کا سماں آپ کو یاد ہے کہ کس طرح اپنے ووٹروں کے مطالبہ پر پبلک کے کہنے پر علیحدگی اختیار کی گئی تھی۔ اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں انکے علاوہ یو۔ پی میں ایک منسٹر نے کتاب

کتنا فقصہ ہو لیکن وزیر تو درکنار کسی مسلم ممبر پارلیمنٹ یا یو پی کی اسمبلی کے ممبر کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ پھر شکایت کی جاتی ہے کہ ہائے مر گئے۔ یہ ہو گیا وہ ہو گیا۔ بھائی صاحب یہ وسعت قلبی جو مسلمان کا ایک خاص حصہ تھی آج رہن رکھدی گئی ہے اور اگر فک رہن کی امید نہیں تو سمجھئے بیع بالوفا ہو گئی ہے۔ پاکستان سے ہمیں یہی شکایت ہے کہ جس برتے پر مسلم اسٹیٹ علیحدہ بنائی تھی "اسلامی کردار" اگر ہمیں نظر آتا تو ہم بھی کچھ کہنے کے اہل بن سکتے تھے۔ اب تو یہ حال ہے کہ اندر کا سانس اندر ہے اور باہر کا باہر کسی آن چین نہیں پڑتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلامی تعلیم کا پرچار کس منہ سے کریں اور کس طرح نہیں نوجوانوں کا نام لیکر کہانی کے قصیدے پڑھیں۔ اسوقت عملی صورت میں زندہ مثالیں پیش کرنے کی ضرورت تھی اس کی طرف سے ہمارے منہ پر دونو طرف سے تھپڑ لگ رہے ہیں۔ اور اپنے اعمال کے علاوہ "دوسروں کے کردار کا بھی خمیازہ" بھگتنا پڑ رہا ہے۔

پاک و ناپاک کاش پاک زمین کے قائد اعظم پاکستان کا مطلب صرف حصول کشمیر تک محدود رکھتے اور صاف لفظوں میں کہہ دیتے، ورنہ ہم نو بایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ادھر گاندھی جی نے فرمایا کہ "آزادی بہت جلدی آگئی" اور ادھر قائد اعظم کو اس دکھ نے موت کے لپیٹ میں لے لیا کہ کاش مجھے علم ہوتا کہ اتنی خونریزی ہوگی اور بے گناہ انسان اور معصوم بچے اور شریف و بے زبان عورتیں اس طرح ذبح ہونگے تو میں بٹوارہ کا نام تک نہ لیتا۔ خیر وہ بٹوارہ صحیح ہوا ہو یا غلط اس کی تلافی تو اسلامی روایات اور اس کی تعلیم پر عمل کر کے اپنے کردار کے ذریعہ کرنی چاہیئے تھی۔ دوست اور دشمن جب آپ کے مطالبہ کے جواز کا لوہا مان لیتے تو ہم یہاں کچھ تو اطمینان کا سانس لے سکتے اور عزیز و اقارب کے جدا ہونے کا غم کچھ تو ہلکا ہوتا "پاک زمین" کے مقابلہ میں تو "ناپاک" زمین کے پیٹ سے ہونہار اور قابل فخر سپوت فرزندوں نے جنم لیکر "پیادہ مات" دیدی ہے۔ جو سر اللہ اکبر کہنے والے کا سر جھکائے ہوئے ہے۔ اللہ ہم سب پر رحم کرے اور ہمیں توفیق دے کہ دوسروں کی تقلید ہی کر کے کچھ جھینپ مٹا سکیں۔

پبلک اور پولیس کئی سال کی بات ہے کہ ہمنے روزنامہ الجمعیتہ میں ایک اچھا خاصہ طویل مضمون پولیس کے متعلق شائع کرایا تھا جسے دیکھ کر بہت سے احباب نے نہ صرف مقامی طور سے بلکہ باہر سے بھی خطوط بھیجکر ہم سے سخت سست الفاظ میں دریافت فرمایا تھا کہ کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟ یہ پولیس کی خوشامد کیوں شروع کی گئی ہے اور ان سے اتنی ہمدردی کا اظہار کس لئے کیا جا رہا ہے کیا کوئی کیس ہو گیا ہے جسکی خاطر یہ وطیرہ اختیار کیا گیا ہے؟

ہم نے ایک دو خطوط کا جواب تو نجی طور سے دیدیا تھا لیکن اخبار میں شائع کرانا اسلئے مناسب نہیں سمجھا کہ پھر تو ان حضرات کا الزام شبہ کی حد سے نکلکر یقین کے درجہ تک پہنچ جاتا۔ آج ہم پھر محسوس کر رہے ہیں کہ اس موضوع پر ایک مختصر سا نوٹ سپرد قلم کریں۔

بھائیو! سینہ پر ہاتھ رکھ کر سچ سچ بتاؤ کہ واقعی پولیس تعریف کی اسی وقت مستحق ہے جبکہ وہ آپ میں سے کسیکو کسی سخت لغزش یا جرم کی وجہ سے گرفتار کرے اور ہاتھ باندھ کر مقدمہ کی پیشی تک کے لئے کوٹھری میں بند کر دے اور آپ کے احباب و اعزا بےقرار ہو کر آگے پیچھے دوڑتے پھریں؟ بس اس مصیبت کے وقت کے علاوہ آپ ہمیشہ اسکو گالیاں دیتے رہیں۔ اسکی ہر بات آپ کو بری لگے آپ سب کو بے ایمان، ظالم اور رشوت خور یعنی حرامخور سمجھتے رہیں؟ تانگے والا اندھوں کی طرح ہانکتا ہوا گھوڑے کے چابک رسید کرتا ہوا چلا جائے اور کسی راہگیر سے ٹکرا کر اُلٹا اُسی غریب پیدل چلنے والے کو دھمکاتا ہوا اکڑ جائے کہ کیوں صاحب! کیا گھر سے لڑ کر آئے ہو کہ میرے سر ہو کر مرنیکی ٹھان لی ہے اور ساتھ ہی مجھے بھی مروانا چاہتے ہو؟ اب اگر قریب کھڑا ہوا سپاہی تانگے والے کو گرفتار کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ تانگے والے سے پیسے بٹورنے کے لئے اس غریب کو گرفتار کر لیا حالانکہ وہ اپنے راستہ صحیح جا رہا تھا۔ اور اگر تانگے والے کو کچھ نہ کہے تو ٹکرانے والے کے احباب اخبار میں مراسلہ شائع کرا دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر یہ حادثہ ہوا اور ہمارا محافظ پولیس مین پاس کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔ روزانہ کتنے حادثے سننے میں آتے ہیں ٹریفک کے انتظامات اور پولیس کی نگرانی کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بازاروں پر پیدل چلنے والوں کے لئے جو پٹریاں بنی ہوئی ہیں ان پر چھوٹے چھوٹے دکاندار سامان پھیلائے بیٹھے رہتے ہیں اور ان کے چاروں طرف بچے۔ بوڑھے۔ مرد عورتیں۔ سائیکل والے اتنی تعداد میں ہوتے ہیں کہ اصل دکان والوں کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے اور اگر کھڑے ہو جائیں تو دوسرے چلنے والوں کا راستہ رک جاتا ہے۔ اسوقت پولیس آجائے تو پٹری کے دکاندار جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹ کر ادھر ادھر ہو جاتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خلاف قانون دکان لگائے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دو کو مع ان کے سامان کے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر تھانے لے جاتے ہیں تو پھر پولیس کو بے رحم، غریب دکانداروں کو بھوکا مارنے والے۔ دن بھر کی بکری کے چند پیسوں کو زبردستی ہتھیا لینے والے وغیرہ ناموں سے بدنام کیا جاتا ہے۔ جا بجا خوانچہ والوں کے پاس چھلکوں کا ڈھیر خصوصاً کیلوں کے چھلکے۔ ایک ہی پٹری پر دونو طرف کے آنے جانے والوں کی بھیڑ جس میں عموماً غلط ہاتھ جانے والوں کی کثرت ہوتی ہے اور جو سب کے سب کسی خاص خرید و فروخت کی غرض سے بھی نہیں آتے بلکہ ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے یا بیفکری سے کھڑے ہو کر گپ ہانکنے والے اور راستہ روک کر خصوصاً عورتوں اور بچوں کے لئے بیحد تکلیف کا

باعث ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں کے انسداد کے لئے اگر پولیس نے کچھ کارروائی کی تو اس سے بڑھ کر عوام کا کوئی دشمن نہیں سمجھا جاتا۔ پھر ان میں بھی سب فرشتے نہیں ہوتے وہ اگر یہ سمجھ کر کہ ہم پبلک کے ساتھ کتنی ہی ہمدردی کریں کتنی ہی ایمانداری سے چوراہوں پر کھڑے کھڑے ڈیوٹی انجام دیں پبلک تو ہمیں ہمیشہ بے ایمان اور ناجائز آمدنی کی ہوس میں مبتلا غریبوں کو ستانے والا ہی سمجھتی رہے گی۔ بدنام بھی ہوں اور جیبیں بھی خالی رہیں اس سے تو یہی اچھا ہے کہ جب بدنام ہو گئے ہیں تو مفت کی آمدنی کیوں کھوئیں۔ کم از کم وقتی طور سے وہ تو شکر گزار ہوگا جس کو پیسے لیکر چھوڑ دینگے یا چالان نہیں کرینگے۔

اگر ہم جانتے ہیں کہ چھوٹ جانے کے بعد وہ اپنے قصور کا تو خیال نہیں کریگا بلکہ جو چند پیسے اس نے ہمیں دئے ہیں اسکی وجہ سے گالیاں ضرور دیگا اور دوستوں میں جاکر نمک مرچ لگا کر یہ داستان سنائیگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر پبلک عام قوانین کی پابندی نہیں کرتی تو یا تو حوالات میں جاکر رہنا اور مقدمات کی پیروی تک گھر بار سے بچھڑے رہنا منظور کرے اور اگر رشوت کو یہ سمجھے کہ مقدمہ پر بھی تو کافی صرف ہوگا پریشانی علیحدہ ہوگی اور بدنامی بھی یقیناً ہوگی۔ کام کا حرج ہوگا اس سے بہتر یہ ہے کہ کچھ دے دلا کر اس سے نجات حاصل کریں۔ اس چیز کو بہتر سمجھتی ہے تو پھر پولیس کے خلاف زبان کھولنا اور اسے بدنام کرنے کے کیا معنی، پولیس کو رشوت خوار بے ایمان بے رحم بنانے والے کون ہیں؟ ہم لوگ یقیناً ہندوستان کی پبلک! بدچلن "شرفا" کی ٹولی، جو کبھی گانے والیوں کے "کوٹھوں" سے سرکاری مہمان خانہ میں لیجائے جاتے ہیں اور کبھی دولت کے نشہ میں غریبوں اور رکشیوں کو اپنی بندوقوں کا نشانہ بنا کر خمار اتارتے ہیں مگر بڑے گھر پہنچکر ہی ان کا نشہ ہرن ہوتا ہے یا پھر کافی رقمیں دے دلا کر جان بچی لاکھوں پائے کے مصداق پولیس کو رشوت لینے کی عادت ڈالتے ہیں۔ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ رشوت کبھی نہیں لیجاتی بلکہ رشوت دیجاتی ہے اور خوشی سے دیجاتی ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ رشوت لینے والے اس کے عادی ہو جاتے ہیں تو پھر وہ جائز و ناجائز طریقے سے بھی لوگوں کو ستا کر روپیہ ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح نہ صرف پولیس والوں کو بلکہ ہر محکمہ کے کارکنوں کو ہم رشوت کا عادی مجرم بناتے ہیں۔ سپاہی بیچارا تو دو روپے میں ہی خوش ہو جاتا ہے بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھ کر رشوت کے خلاف احکامات جاری کرنے والے جب خود اس طرف توجہ فرماتے ہیں تو ہزاروں پانسو میں بھی خوش نہیں ہوتے۔ زیادہ کہینگے تو "ایمرجنسی" کی پھانسی دکھائی دے رہی ہے۔ پوہو! یا بے ایمانی! تیرا ہی آسرا ہے۔ کہئے کیا سچ ہے؟ ہماری غلطی ہو تو صاف صاف بتائیے؟

رشوت پولیس کے سلسلہ میں رشوت کا ذکر آیا ہے تو دو چار فقرے اسکے متعلق بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ رشوت کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم جو سب سے بڑی قسم ہے (یعنی بلحاظ تعداد اور کبھی کبھی بلحاظ رقم بھی) اس کا نام ہے "معاوضہ" آپ لاکھ قانون بنا لیجئے سوائے تضیع اوقات کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ سنئے مجھے گھر سے ایک تار کسی جگر پارے کی شدید علالت کا ملتا ہے فوراً دفتر سے چلا آتا ہوں اور اپنے ساتھی کو تار دیکر کہہ آتا ہوں کہ میری رخصت کی درخواست لکھ کر دے دینا اور یہ تار منسلک کر دینا۔ اسٹیشن پر پہنچتا ہوں بکنگ گھر کی کھڑکی کے سامنے ایک ہجوم عظیم ہے۔ اور گاڑی چھوٹنے میں دو تین ہی منٹ باقی ہیں پاس کھڑے ایک کانسٹبل سے کہتا ہوں کہ مجھے فلاں جگہ بہت جلدی جانا ہے گاڑی جا رہی ہے یہ لیجئے کرایہ کی رقم اور دو روپے آپکی نذر ہیں مجھے ٹکٹ لا دیجئے۔ وہ کہتا ہے آپ چلئے گاڑی میں بیٹھئے میں لاتا ہوں تھوڑی دیر میں وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس خیال سے کہ شاید آپ مجھے نہ ملیں میں نے گاڑی کے ساتھ جانیوالا کانسٹبل جا رہا ہے اسے آپکا ٹکٹ دیدیا ہے منزل پر پہنچکر آپ اس سے لے لیجئے گا وہ باہر جانیکے پھاٹک پر ہی ملجائیگا۔ میں منزل پر پہنچکر باہر جانے والے دروازہ پر پہنچتا ہوں تو ایک سپاہی نظر آتا ہے اسکی طرف دیکھتا ہوں تو وہ سمجھ جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ دلی میں آپ ہی کا ٹکٹ مجھے کانسٹبل دے گیا تھا؟ میں سر ہلا کر ہاں کرتا ہوں وہ کہتا ہے آپ جائیے میں نے ٹکٹ بابو صاحب کو دیدیا ہے۔ میں چلا آتا ہوں اور ٹکٹ کی رقم جو صرف ہی نہیں ہوئی تھی سالم کی سالم مع دو روپے انعام یا معاوضہ کے دلی والے کی جیب میں ہی رہتی ہے یا ممکن ہے کہ انہیں سب کا حصہ ہو فرمائیے اس روپے کو آپ رشوت کہینگے جس کی وجہ سے مجھے وہ گاڑی نصیب ہو گئی آخر AIR CONDITIONED میں یا فرسٹ کلاس میں یا سیٹ ریزرو کرانے میں بھی تو اپنے آرام کی خاطر زائد رقم دینی پڑتی ہے پھر یہ کتنا اچھا ہوا کہ رقم میں نے خوشی سے خود دیا ہے۔ اب کرایہ کی رقم گویا اسے ملا انہیں کی تو یہ بے ایمانی ہے جسکے مجرم دوسرا کانسٹبل اور ٹکٹ بابو بھی ہیں۔ گویا گناہ تقسیم ہو گیا۔

ایک مرتبہ جامعہ کیلئے خرید کردہ اراضی کی رجسٹری کرانے گیا۔ رجسٹری کے کاغذات داخل کرنے کا وقت دو گھنٹے کے قریب گذر چکا تھا۔ اگلے دن پر ملتوی کرنا بہت تکلیف کا باعث تھا۔ ایک بدیہی محرر رجسٹری کا غذات تو ہر ایک کیلئے مقرر تھا۔ عرائض نویس نے کہا اگر آپ پانچ روپے دیں تو کاغذ داخل ہو سکتا ہے میں نے فوراً دیدیا معلوم ہوا کہ کارروائی ایک گھنٹہ بعد شروع ہوگی اور ۵ بجے ختم ہو جائیگی یعنی تین گھنٹوں میں جتنی رجسٹریاں ہو سکینگی وہ ہونگی باقی کل پر ملتوی ہونگی۔ میں نے کہا اگر پھر ۵/- دینے کا فائدہ کیا ہوا بہرحال صرف دو روپے اور دینے کے بعد ہمارا کاغذ تیسرے نمبر پر لکھ دیا گیا۔ اور ہم کارروائی شروع ہونے کے نصف گھنٹہ بعد بحالت ہوش و حواس درستی تندرستی بخیریت سے فارغ ہو گئے۔ فرمائیے کہ یہ سات روپے رشوت کہینگے یا آسانی اور آرام کی خاطر اور دوسروں کے مقابلہ میں خود غرضی کے لئے۔

ایک مرتبہ سکول کی بس کے سامنے ایکدم ایک بچی دوڑ کر آگئی اور ہسپتال میں داخل ہونیکے چند روز بعد مر گئی۔ اب ڈرائیور پر مقدمہ شروع ہوا۔ لڑکی کے سرپرستوں کو سمجھا کر دیکر لکھوا لیا کہ عرصہ سے بیمار تھی نمونیہ ہو گیا تھا۔ اتفاق سے بیماری ہو گئی۔ ڈاکٹر کو تصدیق کے لئے

م نذرانہ دیا گیا۔ پولیس رپورٹ لکھنے والے اور پیشکار کو ۔/۱۵ کے قریب دیکر مقدمہ داخل دفتر کرادیا اس طرح تو ڈھائی سو میں قید خانہ کی بکے سے کم قید سے بھی نجات ملی اور شرمندگی تک نہیں ہوئی۔
[illegible] رشوت [illegible] کام نکالنے کے لئے خوشی سے ایسی مالی قربانی کرنی...